مجموعہ تالیفات حضرت تھانوی

اصلاحی نصاب

(زنانہ مردانہ مکمل)

① حیات المسلمین
② جزاء الاعمال
③ تعلیم الدین
④ فروع الایمان
⑤ حقوق الاسلام
⑥ حقوق الوالدین
⑦ آداب معاشرت
⑧ اغلاط العوام
⑨ تسہیل قصد السبیل
⑩ زاد السعید

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
فون ۲۲۱۳۷۶۸

مجموعہ تالیفات حضرت تھانویؒ

اصلاحی نصاب

(اضافوں کے ساتھ)

① حیات المسلمین
② جزاء الاعمال
③ تعلیم الدّین
④ فروع الایمان
⑤ حقوق الاسلام
⑥ حقوق الوالدین
⑦ آداب المعاشرت
⑧ اغلاط العوام
⑨ تسہیل قصد السبیل
⑩ زاد السعید

حضرت مولانا محمّد اشرف علی تھانویؒ

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

فون ۲۱۳۷۶۸

طبع اوّل دارالاشاعت ۱۹۹۰ء
طباعت:

فون ۲۱۳۷۶۸

ملنے کے پتے:

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم - کورنگی - کراچی ۱۴
ادارۃ المعارف کورنگی - کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور ۲
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی ۵

دارالاشاعت متصل اردو بازار کراچی ۱

اصلاحی نصاب کے بارے میں

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب عارفی رح کی رائے

"میرے خیال میں کتابوں کا بہت ضروری اور مفید انتخاب ہوگیا ہے انشاءاللہ بہت نافع ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت عطا فرمادیں۔ آمین!"

محمد عبدالحئی عارفی

عرض ناشر

حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں مجدد اور حکیم الامت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ نے اپنی تمام عمر امت مسلمہ کی اصلاح کے کاموں میں وقف فرمادی۔ دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آپ نے تحریر و تقریر سے رہنمائی نہیں فرمائی۔

حضرت کی بے شمار تصانیف جو اسلامی تہذیب و تمدن، عبادات و معاملات معاشرت و معیشت غرض ہر شعبۂ زندگی پر حاوی ہیں۔ آپ نے جہاں نہایت علمی کتب تصنیف فرمائی ہیں وہیں بالکل ہلکی پھلکی اور عام فہم کتب بھی آپ کی یادگار ہیں جن سے ایک عام اور کم تعلیم یافتہ شخص بھی پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

زیر نظر مجموعہ بھی ایسی ہی عام فہم کتب کا مجموعہ ہے جو انشاء اللہ مسلمانوں کے لئے مشعل ہدایت ثابت ہوگا۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان گھرانے میں اس کو زیادہ سے زیادہ پہنچایا جائے تاکہ امت مسلمہ اس سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھا سکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

ناکارہ :۔ خلیل اشرف عثمانی

فہرست مضامین

تسہیل قصد السبیل

زادالسعید

تیسرا باب

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

اصلاحِ انقلابِ امت

اِصلاحِ انقلاب متعلّق بہ تعزیر و تعبیر و تکفیر

حیوٰۃ المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ الذی انزل فی کتابہ "او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منھا" والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی شرفہ بخطابہ "وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا" ودعا امتہ الی جزیل ثوابہ فی قولہ یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم" وقادھم الی رفیع جنابہ فی قولہ اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ وبعد فقد قال تعالیٰ "من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون" وقال تعالیٰ "ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیٰمۃ اعمیٰ"

ان آیات کے ساتھ ایک اور آیت جو اہل جہنم کے حق میں ہے یعنی ثم لایموت فیھا ولا یحییٰ اگر بطور مقدمہ کے ملالی جاوے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس حیات میں راحت وحلاوت نہ ہو وہ حیات گو صورۃً غیر موت ہو مگر معنیً غیر حیوٰۃ بھی ہے) تو اس انضمام کے بعد مثل نصوص کثیرہ شہیرہ کے خطبے کی آیات میں حیوٰۃ باطنی واُخروی کا اور مابعد الخطبہ کی آیات میں علیٰ تفسیر المحققین حیاۃ ظاہری ودنیوی کا بھی اختصاص صرف مطیعانِ حق کے ساتھ نہایت واضح اور مصرح ہے۔

مگر باوجود اس قدر وضاحت وصراحت کے ہمارے اسلامی بھائی اس مسئلے سے اسقدر غافل ہیں کہ گویا اس مسئلے کے دلائل کو کبھی نہ ان کی آنکھوں نے دیکھا، نہ ان کے کانوں نے سُنا، اور نہ ان کے قلب پر ان کا گذر ہوا۔

اور حیوٰۃ کی ان دونوں قسموں میں سے بھی حیوٰۃ اخروی کا اختصاص مذکور اہل کے الایمان

سے اتنا بعید نہیں، جتنا حیوٰۃ دنیوی کا اختصاص بعید ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر عالم میں عموماً اور کشور ہند میں خصوصاً مصیبتوں پر مصیبتیں اور بلاؤں پر بلائیں نازل ہوتی چلی جاتی ہیں مگر نہ ان کے ذہن کو مطلق اس طرف التفات ہوتا ہے نہ ان کی زبان پر اس کا نام آتا ہے نہ اُن کے قلم سے یہ مضمون نکلتا ہے۔

اگر کسی کو علاج و تدبیر کی طرف توجہ ہوتی بھی ہے تو وہ نسخے استعمال کیے جاتے ہیں جن کی نسبت بے تکلف یہ کہنا یقیناً صحیح ہے کہ ؎

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند — آں عمارت نیست ویراں کردہ اند
بے خبر بودند از حالِ دروں — استعیذ اللہ مما یفترون
رنجش از صفرا واز سودا نبود — بوئے ہر ہیزم پدید آید ز دود

اور اس بے اصول علاج کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ؎

ہر چہ کردند از علاج و از دوا — رنج افزوں گشت و حاجت ناروا
از ہلیلہ قبض شد، اطلاق رفت — آب آتش را مدد شد ہمچو نفت
سستی دل شد فزون وخواب کم — سوزشِ چشم و دلِ پُر درد و غم

مگر باوجود اس ناکامی پر ناکامی کے ان عطاتی اطباء کی حالت اس خطائی طبیب کی سی ہے جس نے کسی کو بے موقع مسہل دے دیا اور برابر زیادت اسہال کی خبر اس کو پہنچ رہی تھی مگر وہ ہر اطلاع کے جواب میں یہی کہتا تھا کہ مادہ فاسد ہے نکلنے دو، حتیٰ کہ وہ مر بھی گیا مگر یہ اس کا مرنا سن کر بھی اپنی اسی رائے کو صحیح سمجھا کیے اور یہ فرمایا کہ۔ اللہ رے مادّے جس کے نکلنے سے مرگیا، نہ نکلتا تو نہ معلوم کیا ہو جاتا!

اس جہلِ عملی کی وجہ صرف یہی جہلِ علمی ہے کہ ان مصائب کے سرمنشا کی تعیین میں ان کو نصوص الٰہیہ و نبویہ کی پوری تصدیق نہیں۔

اے صاحب حبیب اللہ و رسول پر ایمان ہے جس کے معنی ہیں ہر امر اور ہر خبر میں ان کی تصدیق کرنا اور ان کو سچا سمجھنا، پھر یہ کیسی تصدیق ہے کہ کسی میں تصدیق اور کسی میں عدم تصدیق؟

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض؟ — کیا تم قرآن کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟

اس لئے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ اس تجاہل یا تغافل پر از سر نو تنبیہ کی جائے تاکہ مرض کے سبب کا تعین پھر علاج صحیح کا تیقن ہو اور اس تعین و تیقن کے بعد اسباب کے ازالے اور علاج کی تحصیل کا اہتمام کریں۔

اور براہین عقلیہ و نقلیہ نیز مشاہدہ و تجربہ سے محقق و ثابت ہو چکا ہے کہ دورِ حاضر میں ان اسباب و معالجات کی تعلیم و تفہیم منحصر ہو گئی ہے حضور اقدس صلعم کی ذات مبارک میں پس بلا خوف منازع حضور صلعم کی شان عالی میں یہ دعویٰ بالکل سچا دعویٰ ہے۔

ذاتِ پاکش کاملے پُر مایہ — آفتابے درمیانِ سایۂ
حاذقش گو کو حکیمِ حاذقست — صادقش داں کو امین و صادقست
در علاجش سحرِ مطلق را ببیں — در مزاجش قدرتِ حق را ببیں

جو شخص آپ کی صحتِ تشخیص کا اعتقاد کر کے آپ کی تجویز پر عمل کرے گا وہ بیساختہ کہنے لگے گا ؎

مطلعِ نورِ حق و دفعِ حرج — معنیٔ الصبر مفتاح الفرج
اے لقائے تو جوابِ ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
ترجمانِ ہر چہ مارا در دلست — دست گیر ہر کہ پایش در گلست
مرحبیٰ یا مجتبےٰ یا مرتضیٰ — ان تغب جاء القضا ضاق الفضا
انت مولی القوم من لا یشتہی — قد ردی کلا لئن لم ینتہ

اور اگر یہ شخص آپ کی کسی تجویز کی لم بھی نہ سمجھے گا تب بھی جیسا کہ لوازم اعتقاد سے ہے یہ کہے گا ؎

آنکہ از حق یابد او وحی و خطاب — ہر چہ فرماید بود عین صواب
آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست — نائبست و دستِ او دستِ خدا است
ہم چو اسمٰعیل پیشش سر بنہ — شاد و خنداں پیشِ تیغش جاں بدہ
تا بماند جانت خنداں تا ابد — ہم چو جانِ پاکِ احمد صلعم با احد
عاشقاں جامِ فرح آنگہ کشند — کہ بدست خویش خوباں شاں کشند
آں کسے راکش چنیں شاہے کشد — سوئے تخت و بہتریں جاہے کشد

اور آپ نے نہایت شفقت و غایت رحمت سے اپنا پورا مطلب بیدریغ عام خلائق کے روبرو

پیش فرمایا آگے استعمال کرنے والوں یا استعمال نہ کرنے والوں کی سعادت وشقاوت جس نے جب کبھی بھی استعمال کیا صلاح و فلاح اُس کے پیش پیش رہی اور جس نے اس میں اہمال کیا اگر اس کو کچھ حصہ عقیدت و محبت کا حاصل ہے اس عقیدت و محبت کی برکت سے اس پر عنایت اس طرح متوجہ ہوتی ہے کہ صلاح و فلاح سے اس کو حرمان عاجل نصیب کیا جاتا ہے تاکہ اس فوری تنبیہ سے وہ اپنی اصلاح کر سکے۔

اور جو عقیدت و محبت سے خالی ہیں اس غلو کی شامت سے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے کہ بطور استدراج کے ان کو صورتاً و عاجلاً کامیابی عطا کر دی جاتی ہے، اور حقیقتاً و آجلاً حرمان ہی ان کے نصیب حال ہوتا ہے۔ چنانچہ حرمان آجل تو ظاہر ہی ہے، اور حرمان حقیقی کا شاہد اُن کی اندرونی حالت ہے کہ خالص راحت و حلاوت کو وہ خود اپنے اندر مفقود پاتے ہیں۔

اسی فلاح عاجل و صوری اور حرمان آجل و حقیقی کا ذکر ان آیات میں ہے۔ قولہ تعالیٰ

ایحسبون انما نمدھم من مال وبنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون۔ وقولہ تعالیٰ فلا تعجبك اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون۔ **ترجمہ** کیا یہ لوگ گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچاتے رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے، ان کے اموال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان مذکورہ چیزوں سے دنیوی زندگی میں (بھی) ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے۔ (توبہ آیت ۵۵)

جب عیاناً و برہاناً صلاح و فلاح کا انحصار مطب نبوی صلعم کے نسخوں میں ثابت ہو چکا تو برادران اسلامی پر جن کو مرض کی خبر اور اس کے سبب اور نسخے سے بیخبری ہے واجب و لازم ہوا کہ اب اس علمی تغافل و تجاہل یا عملی تکاسل و تثاقل کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہیں اور ان حکمی حتمی نسخوں کا استعمال کریں اور عاجلاً و آجلاً و صورتاً و حقیقتاً صلاح و فلاح کا منزاً مداً و منصاعداً مشاہدہ کریں۔ یہ تنبیہ کلی ہے جلب منافع و دفع مضار کے طریق صحیح پر اور تنبیہ جزئی و مبسوط تمام شریعت مطہرہ ہے لیکن تنبیہ کلی و اجمالی تو اس کے لیے کافی نہیں کہ عمل بدون تفصیل متعذر ہے اور تنبیہ جزئی و تفصیلی پر مختصر وقت میں مطلع ہونا متعسر ہے اس لیے ضرورت اس کی ہے کہ

اسلامی بھائیوں کی حالت حاضرہ غیر محتملۃ التاخیر فی المعالجہ کے اعتبار سے جو اجزاء اس تفصیل میں ایک بناء خاص پر مستحق تقدیم فی التعلیم ہیں سردست ان کی تعیین وتبیین بقدر ضرورت کردی جائے اور وہ بناء خاص یہ ہے کہ جس طرح ادویۂ حسیہ میں بعض ادویہ ازالۂ مرض میں مؤثر بالخاصیت ہیں اور بعض مؤثر بالکیفیت، پھران میں بعض مؤثر بلاواسطہ ہیں مثلاً اس طرح کہ مرض حرارت ساذج سے تھا کسی جزو بارد سے اس کا علاج کیا گیا، اور بعض مؤثر بواسطہ مثلاً اس طرح کہ وہ حرارت کسی خلط سے تھی اس کا علاج ایسے جزو سے کیا گیا جو بالذات اس خلط کی منقلل یا معدل ہے اور بواسطہ اس تقلیل یا تعدیل کے مزیل حرارت۔

اسی طرح حکماء امت واطباء ملت کو کہ مبصران آثار و ماہران اسرار ہیں اپنے ذوق نورانی وادراک وجدانی سے مکشوف ہوا ہے کہ اعمال مؤثر بالخاصہ بھی ہیں اور یہ حکم تمام شرائع کو عام ہے اور ان میں سے بعض مؤثر بالکیفیۃ بھی ہیں، پھران میں سے بعض مؤثر قریب اور بعض مؤثر بالواسطہ یا بوسائط۔

اس وقت میں نے تعجیل حصول منفعت وتسہیل قبول دعوت کی مصلحت سے یہ تجویز کیا ہے کہ احکام میں سے قسم دوم کی بھی قسم دوم کے بعض ان اجزاء کی فہرست کو جو علماً وعملاً ہر طرح سہل ہیں اپنے بھائیوں کے رُوبرو پیش کردوں، اور زیادت تسہیل کے لیے تدریجاً ایک ایک دو دو جزو پیش کروں، چند مدت میں وہ سب خود جمع بھی ہوجاویں گے۔

اور وہ اجزاء اس قسم کے ہوں گے، اسلام، علم دین، نماز، زکوٰۃ، قرآن، خوش اخلاقی، خوش معاملگی، کسب حلال، ترک اسراف، حکایات اولیاء وعلماء وامثالہا، اور ان اجزاء کی خاصیت پر (کہ وہی موضوع ہے اس رسالہ کا جو کہ شروع تمہید میں مذکور ہے) نظر کرکے اس فہرست کا نام **حیٰوۃ المسلمین** قرار دیتا ہوں اور ان اجزاء کو ارواح سے ملقب کرتا ہوں جو اساس حیات ہیں اور ان ارواح کا تعدد ہر مسلم کے لئے تعدد آثار کے اعتبار سے ہر زندہ کے لئے ارواح طبیہ حیوانی ونفسانی وطبعی کا تعدد ہے۔ واللّٰہ ولی الهداية وبيده الرعاية والحماية۔

کتبہ اشرف علی لغرۃ جمادی الاخریٰ سنۃ ۱۳۴۶ھ

روح اول

اسلام و ایمان

دونوں لفظوں کا مطلب قریب ہی قریب ہے۔

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلا شبہ (سچا) دین اللہ کے نزدیک یہی اسلام ہے۔ اور

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو تلاش (اور اختیار) کرے گا سو وہ (دین) اس شخص سے (خدائے تعالیٰ کے نزدیک) مقبول (اور منظور) نہ ہوگا۔ اور وہ شخص آخرت میں خراب ہوگا۔ اور

(۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مرجاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

ف دنیا میں اعمال کا غارت ہونا یہ ہے کہ اسکی بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے اس شخص کو میراث کا حصّہ نہیں ملتا۔ مرنے کے بعد جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی اور آخرت میں ضائع ہونا یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ اگر یہ شخص پھر مسلمان ہو جاوے تو بی بی سے پھر نکاح کرنا پڑے گا بشرطیکہ بی بی بھی راضی ہو اور اگر وہ راضی نہ ہو تو زبردستی نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور

(۴) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو تم (ضروری عقیدوں کی تفصیل سن لو وہ یہ ہے کہ) اعتقاد رکھو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) اپنے رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی (یعنی قرآن کے ساتھ) اور ان کتابوں کے ساتھ (بھی) جو کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے (اور نبیوں پر) نازل ہو چکی ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اور (اسی طرح جو) اس کے فرشتوں کے ساتھ (کفر کرے) اور (اسی طرح جو) اس کی کتابوں کے ساتھ (کفر کرے) اور (اسی طرح جو) اس کے رسولوں کے ساتھ (کفر کرے) اور (اسی طرح جو) روز قیامت کے ساتھ (کفر کرے) تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا بلا شبہ جو لوگ (پہلے تو) مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے (اور اس بار بھی اسلام پہ قائم نہ رہے) پھر

پہلی بار کا اسلام سے پھر جانا معاف ہو جاتا بلکہ پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہی نہ ہوئے ورنہ پھر بھی ایمان مقبول ہو جاتا بلکہ کفر میں بڑھتے چلے گئے (یعنی مرتے دم تک کفر پر قائم رہے) اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو (بہشت کا) رستہ دکھلائیں گے۔

(۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے (یعنی ایمان اختیار نہ کیا) ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے (اور وہاں ان کی برابر یہ حالت رہے گی کہ) جب ایک دفعہ ان کی کھال (آگ سے) جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری (تازی) کھال پیدا کر دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب ہی بھگتتے رہیں۔ بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے بہت جلد ہم ان کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے (مکانوں کے) نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) ان کے لئے ان بہشتوں میں بیبیاں ہوں گی صاف ستھری اور ہم ان کو نہایت گنجان سائے میں داخل کریں گے۔

ف۔ ان آیتوں میں اسلام والوں کے لئے جنت کی نعمتیں اور اسلام سے ہٹنے والوں کے لئے دوزخ کی مصیبتیں تھوڑی سی بیان کی گئی ہیں۔ دوسری آیتوں میں اور حدیثوں میں جنت کی طرح طرح کی نعمتیں اور دوزخ کی طرح طرح کی مصیبتیں بہت سی بیان ہوئی ہیں۔

اے مسلمانو! دنیا کی زندگی بہت تھوڑی سی ہے اگر اسلام پر قائم رہ کر مان لیا کہ کچھ تھوڑی سی تکلیف بھی بھگت لی تب بھی مرنے کے ساتھ ہی ایسے عیش اور چین دیکھو گے کہ یہاں کی سب تکلیفیں بھول جاؤ گے اور اگر کسی لالچ سے یا کسی تکلیف سے بچنے کے لئے کوئی شخص خدانخواستہ اسلام سے پھر گیا تو مرنے کے ساتھ ہی ایسی مصیبت کا سامنا ہو گا کہ دنیا کے سب عیش بھول جائے گا۔ پھر اس مصیبت سے کبھی بھی نجات نہ ہو گی تو جس کو تھوڑی سی بھی عقل ہو گی وہ ساری دنیا کی بادشاہی کے لالچ میں بھی اسلام کو نہ چھوڑے گا اے اللہ ہمارے بھائیوں کو ہدایت کر اور ان کی عقلیں درست رکھ۔

رُوح دوم

تحصیل و تعلیم علمِ دین

یعنی دین کا سیکھنا اور سکھلانا

(ع۱) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم (دین) کا طلب کرنا (یعنی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا) ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجہ)

ف اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت ہو شہری ہو یا دیہاتی ہو امیر ہو یا غریب ہو دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور علم کا یہ مطلب نہیں کہ عربی ہی پڑھے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی باتیں سیکھے خواہ عربی کتابیں پڑھ کر خواہ اُردو کی کتابیں پڑھ کر خواہ معتبر عالموں سے زبانی پوچھ کر خواہ معتبر واعظوں سے وعظ کہلوا کر اور جو عورتیں خود نہ پڑھ سکیں اور نہ کسی عالم تک پہنچ سکیں وہ اپنے مردوں کے ذریعے سے دین کی باتیں عالموں سے پوچھتی رہیں۔

(ع۲) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے ابوذرؓ! (یہ ایک صحابی کا نام ہے) اگر تم کہیں جا کر ایک آیت قرآن کی سیکھ لو یہ تمہارے لیے سو رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم کہیں جا کر ایک مضمون علم (دین) کا سیکھ لو خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو یہ تمہارے لیے ہزار رکعت (نفل) پڑھنے سے بہتر ہے (ابن ماجہ)

اس حدیث سے علمِ دین حاصل کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ثابت ہوتی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بعضے لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ جب عمل نہ ہو سکا تو پوچھنے اور سیکھنے سے کیا فائدہ یہ غلطی ہے۔ دیکھو اس میں صاف فرمایا ہے کہ خواہ عمل ہو یا نہ ہو، دونوں حالت میں یہ فضیلت حاصل ہو گی۔ اس کی تین وجہ ہیں ایک تو یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہو گئی تو گمراہی سے تو بچ گیا یہ بھی بڑی دولت ہے۔ دُوسری وجہ یہ کہ جب دین کی بات معلوم ہو گی تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی تو عمل کی بھی توفیق ہو جاوے گی۔ تیسری وجہ یہ کہ کسی اور کو بھی بتلا دے گا۔ یہ بھی ضرورت اور ثواب کی بات ہے۔

(ع۳) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان آدمی علم (دین کی بات) سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھلادے۔ (ابن ماجہ)
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دین کی جو بات معلوم ہوا کرے وہ دوسرے بھائی مسلمانوں کو بھی بتلادیا کرے اس کا ثواب تمام خیر خیرات سے زیادہ ہے۔
سبحان اللہ! خدا تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ ذرا سی زبان ہلانے میں ہزاروں روپے خیرات کرنے سے بھی زیادہ ثواب مل جاتا ہے۔
(ع۴) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ!
اس کی تفسیر میں حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو بھلائی (یعنی دین کی باتیں سکھلاؤ (حاکم)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی بچوں کو دین کی باتیں سکھلانا فرض ہے، نہیں تو انجام دوزخ ہے (یہ سب حدیثیں کتاب ترغیب سے لی گئی ہیں)
(ع۵) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان والے کے عمل اور نیکیوں میں سے جو چیز اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو پہنچتی رہتی ہے ان میں یہ چیزیں بھی ہیں ایک علم (دین) جو سکھلایا گیا ہو (یعنی کسی کو پڑھایا ہو یا مسئلہ تبلایا ہو)
اور اس (علم) کو پھیلایا ہوا مثلاً دین کی کتابیں تصنیف کی ہوں یا ایسی کتابیں خرید کر وقف کی ہوں یا طالب علموں کو دی ہوں یا طالب علموں کو کھانے کپڑے کی مدد دی ہو جن سے علم دین پھیلے گا اور یہ بھی مدد دے کر اس پھیلانے میں ساجھی ہو گیا) اور دوسرے نیک اولاد جس کو چھوڑ کر مرا ہو۔ (اور بھی کئی چیزیں فرمائیں) (ابن ماجہ و بیہقی)
(ع۶) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اولاد والے نے اپنی اولاد کو کوئی دینے کی چیز ایسی نہیں دی جو اچھے ادب (یعنی علم) سے بڑھ کر ہو۔ (ترمذی و بیہقی)
(ع۷) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تین بیٹیوں کی یا اسی طرح تین بہنوں کی عیالداری (یعنی ان کی پرورش کی ذمہ داری) کرے پھر ان کو ادب (علم) سکھلاوے اور ان پر مہربانی کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے فکر کردے (یعنی ان کی شادی ہو جاوے جس سے وہ پرورش سے بے فکر ہو جاویں) اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جنت کو واجب کردیگا ایک شخص نے دو کی نسبت پوچھا، آپ نے فرمایا دو میں بھی یہی فضیلت ہے ایک شخص نے

ایک کی نسبت پوچھا، آپ نے فرمایا ایک میں بھی یہی فضیلت ہے (شرح السنہ) یہ حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

ف ان حدیثوں میں، اور اسی طرح اور بہت سی حدیثوں میں علم دین اور تعلیم دین یعنی دین کے سیکھنے اور سکھلانے کا ثواب اور اس کا فرض ہونا مذکور ہے۔ اصل سیکھنا اور سکھلانا تو وہی ہے جس سے آدمی عالم یعنی مولوی بن جاوے مگر ہر شخص کو نہ اتنی ہمت اور نہ اتنی فرصت۔ اس لیے میں دین سیکھنے اور سکھلانے کے ایسے آسان طریقے بتلاتا ہوں جس سے عام لوگ بھی اس فرض کو ادا کر کے ثواب حاصل کر سکیں تفصیل ان طریقوں کی یہ ہے کہ:

(ط۱) جو لوگ اُردو حرف پہچان سکتے اور پڑھ سکتے ہیں یا آسانی سے اُردو پڑھنا سیکھ سکتے ہیں تو وہ ایسا کریں۔ کہ اُردو زبان میں جو معتبر کتابیں دین کی ہیں جیسے بہشتی زیور اور بہشتی گوہر اور تعلیم الدین اور قصد السبیل اور تبلیغ دین اور تسہیل المواعظ کے سلسلے کے وعظ جتنے مل جاویں ان کتابوں کو کسی اچھے جاننے والے سے سبق کے طور پر پڑھ لے اور جب تک کوئی ایسا پڑھانے والا نہ ملے ان کتابوں کو خود دیکھتا رہے اور جہاں سمجھ میں نہ آوے یا کچھ شبہ رہے وہاں پنسل وغیرہ سے کچھ نشان کر دے۔ پھر جب کوئی اچھا جاننے والا مل جائے اس سے پوچھ لے اور سمجھ لے اور اس طرح جو حاصل ہو وہ مسجد یا بیٹھک میں بیٹھ کر دوسروں کو بھی پڑھ کر سنایا کرے اور گھر میں آکر اپنی عورتوں اور بچوں کو سُنا دیا کرے اسی طرح جنھوں نے مسجد یا بیٹھک میں سُنا ہے وہ بھی اُس کو اپنے دھیان میں چڑھا کر جتنا یاد رہے اپنے گھروں میں آکر گھر والوں کو سُنا دیا کریں۔

(ط۲) اور جو لوگ اُردو نہیں پڑھ سکتے وُہ کسی اچھے لکھے پڑھے سمجھدار آدمی کو اپنے یہاں بُلا کر اس سے اسی طرح وہی کتابیں سُن لیا کریں اور دین کی باتیں پوچھ لیا کریں۔ اگر ایسا آدمی ہمیشہ رہنے کے لیے تجویز ہو جاوے تو بہت ہی اچھا ہے اگر اس کو کچھ تنخواہ بھی دینا پڑے تو سب آدمی تھوڑا تھوڑا چندہ کے طور پر جمع کر کے ایسے شخص کو تنخواہ بھی دے دیا کریں دنیا کے لیے بے ضرورت کاموں میں سینکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہو۔ اگر دین کی ضروری بات میں تھوڑا سا خرچ کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں مگر ایسا آدمی جو تم کو دین کی باتیں بتلاوے اور ایسی کتابیں اپنی عقل سے تجویز مت کرنا بلکہ کسی اچھے اللہ والے عالم سے صلاح لے کر تجویز کرنا۔

(۳) ایک کام یہ پابندی سے کریں کہ جب کوئی کام دنیا کا یا دین کا کرنا ہو جس کا اچھا یا برا ہونا شرع سے نہ معلوم ہو اس کو دھیان کر کے کسی اللہ والے عالم سے ضرور پوچھ لیا کریں اور وہ جو بتلادے اس کو خوب یاد رکھیں اور دوسرے مردوں اور عورتوں کو بھی بتلا دیا کریں اور اگر ایسے عالم کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو تو اس کے پاس خط بھیج کر پوچھ لیا کریں اور جواب کے واسطے ایک لفافے پر اپنا پتہ لکھ کر یا لکھوا کر اپنے خط کے اندر رکھ دیا کریں کہ اس طرح سے جواب دینا اس عالم کو آسان ہوگا اور جلدی آوے گا۔

(۴) ایک اس بات کی پابندی رکھیں کہ کبھی کبھی اللہ والے عالموں سے ملتے رہیں، اگر ارادہ کر کے جاویں تو بہت ہی اچھی بات ہے اور اگر اتنی فرصت نہ ہو اور ایسا عالم بھی پاس نہ ہو جیسے گاؤں والے ایک طرف پڑے رہتے ہیں تو جب کبھی شہروں میں کسی کام کو جانا ہو اور وہاں ایسا عالم موجود ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس جا کر بیٹھ جایا کریں اور کوئی بات یاد آجائے تو پوچھ لیا کریں۔

(۵) ایک کام ضروری سمجھ کر یہ کیا کریں کہ کبھی کبھی مہینہ دو مہینے میں کسی عالم کی صلاح سے کسی وعظ کہنے والے کو اپنے گاؤں یا اپنے محلے میں بلا کر اس کا وعظ سنا کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف دل میں پیدا ہو کہ اس سے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ مختصر بیان ہے دین کے سیکھنے کے طریقوں کا، اور طریقے بھی کیسے بہت آسان، اگر پابندی سے ان طریقوں کو جاری رکھیں گے تو دین کی ضروری باتیں بے محنت حاصل ہو جاویں گی اور اس کے ساتھ دو باتوں کا اور خیال رکھیں کہ وہ بطور پرہیز کے ہیں، ایک کافروں کے اور گمراہوں کے جلسوں میں ہرگز نہ جاویں، اول تو کفر کی اور گمراہی کی باتیں کان میں پڑنے سے دل میں اندھیرا پیدا ہوتا ہے، دوسرے بعض دفعہ ایمان کے جوش میں ایسی باتوں پر غصہ آجاتا ہے، پھر اگر غصہ ظاہر کیا تو بعض دفعہ فساد ہو جاتا ہے، بعض دفعہ اس فساد سے دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے، بعض دفعہ مقدمہ کا جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے جس میں وقت بھی خرچ ہو جاتا ہے اور روپیہ بھی، یہ سب باتیں پریشانی کی ہیں اور اگر غصہ ظاہر نہ کر سکے تو دل ہی دل میں گھٹن اور رنج پیدا ہوتا ہے خواہ مخواہ بیٹھے بٹھلائے غم خریدنا کیا فائدہ، دوسری بات یہ ہے کہ کسی سے بحث مباحثہ نہ کریں کہ اس میں بھی اکثر ویسی ہی خرابیاں ہو جاتی ہیں۔ جن کا ابھی بیان ہوا۔ اور ایک بڑی خرابی ان دونوں باتوں میں اور ہے جو سب خرابیوں سے بڑھ

کر ہے وُہ یہ کہ ایسے جلسوں میں جانے سے یا بحث کرنے سے کوئی بات کفر کی اور گمراہی کی ایسی کان میں پڑ جاتی ہے جس سے خود بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے پاس اتنا علم نہیں جو اُس شبہ کو دل سے دُور کر سکے، تو ایسا کام کیوں کرے جس سے اتنا بڑا نقصان ہونے کا ڈر ہو اور اگر کوئی خواہ مخواہ بحث چھیڑنے لگے تو سختی سے کہہ دو کہ ہم سے ایسی باتیں مت کرو اگر تم کو پوچھنا ہی ضروری ہو تو عالموں کے پاس جاؤ! اگر ان سب باتوں کا خیال رکھو گے تو دوا اور پرہیز کو جمع کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ دین کے تندرست رہو گے کبھی دین کی بیماری نہ ہو گی، اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

رُوحِ سوم

قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا

(۱) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب میں اچھا وُہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے (بخاری)

(۲) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جا کر کلام اللہ شریف کی دو آیتیں کیوں نہ سیکھ لے، یہ اس کے لیے دو اُونٹنیوں (کے ملنے) سے زیادہ بہتر ہے، اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے، اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے زیادہ بہتر ہیں اور ان کی گنتی کے جتنے اونٹ ہوں ان سب سے وہ آیتیں بہتر ہیں (مسلم)

ف اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اونٹ تو دنیا ہی میں کام آتے ہیں اور آیتیں دونوں جہان میں کام آتی ہیں، اور اُونٹ کا نام مثال کے طور پر لیا گیا کیونکہ عرب اونٹوں کو بہت چاہتے تھے ورنہ ایک آیت کے مقابلے میں ساری دنیا کی بھی کوئی حقیقت نہیں (مرقاۃ) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پورا قرآن بھی نہ پڑھا ہو تھوڑا ہی پڑھا ہو، اس کو بھی بڑی نعمت حاصل ہو گئی۔

(۳) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا قرآن خوب صاف ہو وُہ (درجے میں) ان فرشتوں کے ساتھ ہو گا جو بندوں کے اعمال نامے لکھنے والے اور عزت والے اور پاکی والے ہیں اور جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو اور وُہ اس کو مشکل لگتا ہو، اُس کو دو ثواب ملیں گے۔ (بخاری و مسلم)

ف دو ثواب اس طرح سے کہ ایک ثواب پڑھنے کا اور ایک ثواب اس محنت کا کہ اچھی طرح چلتا نہیں مگر تکلیف اُٹھا کر پڑھتا ہے۔ اس حدیث میں کتنی بڑی تسلی ہے اُس شخص کے لیے جس کو قرآن اچھی طرح یاد نہیں ہوتا کہ وہ تنگ ہو کر اور نا امید ہو کر یہ سمجھ کر چھوڑ نہ دے کہ جب یاد ہی نہیں ہوتا، تو پڑھنے ہی سے کیا فائدہ، آپ نے خوشخبری دے دی کہ ایسے شخص کو دو ثواب ملیں گے۔

(۴) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے سینے میں کچھ بھی قرآن نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے اُجاڑ گھر۔ (ترمذی و دارمی)

ف اس میں تاکید ہے کہ کوئی مسلمان قرآن سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔

(۵) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلعم نے جس شخص نے کلام اللہ کا ایک حرف پڑھا، اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے (تو اس حساب سے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور میں یوں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ اس میں الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے (ترمذی، دارمی)

ف۔ یہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح جب پڑھنے والے نے الحمد کہا تو اس میں پانچ حرف ہیں لہٰذا اس پر پچاس نیکیاں ملیں گی۔ اللہ اکبر! کتنی بڑی فضیلت ہے۔ پس ایسے شخص کی حالت پر افسوس ہے کہ ذرا سی کم ہمتی کر کے اتنی بڑی دولت حاصل نہ کرے۔

(۶) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے قرآن پڑھا اور اس کے حکموں پر عمل کیا اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی اس روشنی سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگی جو دُنیا کے گھروں میں اس حالت میں ہو کہ آفتاب تم لوگوں میں آجاوے (یعنی اگر آفتاب تمہارے پاس آجاوے تو اس وقت گھروں میں کتنی روشنی ہو جاوے؟ اس روشنی سے بھی زیادہ روشنی اس تاج کی ہوگی) سو اس شخص کی نسبت تمہارا کیا خیال ہوگا جس نے خود یہ کام کیا ہے؟ (یعنی قرآن پڑھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے اس کا کیا کچھ مرتبہ ہوگا!) (احمد و ابوداؤد)

ف اس حدیث میں اولاد کے قرآن پڑھنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے؟ سو سب مسلمانوں کو چاہیئے کہ اولاد کو ضرور قرآن پڑھائیں۔ لڑکوں کو بھی لڑکیوں کو بھی، اگر کاروبار میں پورا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا پڑھا سکو پڑھاؤ! جیسا حدیث ۲ میں معلوم ہوا اور اگر حفظ نہ کرا سکو تو ناظرہ ہی پڑھاؤ، اور اگر حفظ کرانے کی توفیق ہو تو سبحان اللہ اس کی اور بھی فضیلت ہے جیسا کہ ابھی اس کی حدیث لکھتا ہوں۔

(۷) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص قرآن پڑھے اور اس کو حفظ کرے اور اور اس کے حلال کو حلال جانے اور اس کے حرام کو حرام جانے (یعنی عقیدہ اس کے خلاف نہ رکھے جیسے اُوپر والی حدیث پر عمل کرنے کو فرمایا تھا، اس پر عقیدہ رکھنے کو فرمایا) تو اللہ

تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور اس کی سفارش (بخشش کے لیے) اس کے گھر والوں میں ایسے دس شخصوں کے حق میں قبول فرماوے گا کہ ان سب کے لیے دوزخ لازم ہوچکی تھی۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی)

ف اس حدیث میں حفظ کرنے کی فضیلت پہلے سے بھی زیادہ ہے اور ظاہر ہے کہ گھر والوں میں سب سے زیادہ قریب کے علاقے والے ماں باپ ہیں، تو یہ سفارش بخشش کی ماں باپ کے لیے یقینی ہے تو اس سے اپنی اولاد کو حافظ بنانے کی فضیلت کس درجے کی ثابت ہے۔

(۸) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دلوں کو بھی (کبھی) زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اس کو پانی پہنچ جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ کون چیز ہے جس سے دلوں کی صفائی ہو جاوے، آپ نے فرمایا موت کا زیادہ دھیان رکھنا اور قرآن مجید کا پڑھنا۔ (بیہقی شعب الایمان)

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں دیہاتی لوگ بھی تھے، اور ایسے بھی تھے جو عرب نہ تھے (مطلب یہ کہ ایسے لوگ بھی تھے جو بہت اچھا قرآن نہ پڑھ سکتے تھے کیونکہ دیہاتیوں کی تعلیم کم ہوتی ہے اور جو عرب نہیں ان کی زبان عربی پڑھنے میں زیادہ صاف نہیں ہوتی) آپ نے فرمایا پڑھتے رہو سب خاصے ہیں (ابوداؤد، بیہقی) (یعنی اگر بہت اچھا نہ پڑھ سکو تو دل تھوڑا نہ کرو اور اچھا پڑھنے والے ان کو حقیر نہ سمجھیں اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے۔

ف۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ خیال نہ کرے کہ ہماری زبان صاف نہیں یا ہماری عمر زیادہ ہو گئی۔ اب اچھا نہ پڑھا جائے گا تو ہم کو ثواب کیا ملے گا، یا شاید گناہ ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی کیسی تسلی فرمادی اور سب کو پڑھنے کا حکم دیا۔ (یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

(۱۰) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص قرآن کی ایک آیت سننے کے لیے بھی کان لگادے اس کے لیے ایسی نیکی لکھی جاتی ہے جو بڑھتی چلی جاتی ہے (اس بڑھنے کی کوئی حد نہیں بتلائی، خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ بڑھنے کی کوئی حد نہ ہوگی، بے انتہا بڑھتی

چلی جاوے گی) اور جو شخص اس آیت کو پڑھے، وہ آیت اس شخص کے لیے قیامت کے دن ایک نور ہو گی جو اس نیکی کے بڑھنے سے بھی زیادہ ہے) (احمد)

ف اللہ اکبر! قرآن مجید کیسی بڑی چیز ہے کہ جب تک قرآن پڑھنا نہ آوے کسی پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سُن ہی لیا کرے، وہ بھی ثواب سے مالا مال ہو جاوے گا۔ خدا کے بندو! یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

(ع۱۱) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آوے گا (اور ان کو بخشوا دے گا) (مسلم)

(ع۱۲) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا پڑھنے والا قیامت کے روز آوے گا، قرآن یوں کہے گا کہ اے پروردگار! اس کو جوڑا پہنا دیجیے پس اس کو عزت کا تاج پہنا دیا جاوے گا، پھر کہے گا اے پروردگار! اور زیادہ پہنا دیجیے، پس اس کو عزت کا جوڑا پہنا دیا جاوے گا، پھر کہے گا اے پروردگار! اس سے خوش ہو جائیے، پس اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے گا۔ پھر اس سے کہا جاوے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور (درجوں پر) چڑھتا جا، اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جاوے گی۔ (ترمذی وابنِ خزیمہ وحاکم)

ف اس پڑھنے اور چڑھنے کی تفصیل ایک اور حدیث میں آئی ہے کہ جس طرح سنبھال سنبھال کر دنیا میں پڑھتا تھا اسی طرح پڑھتا ہوا اور چڑھتا ہوا چلا جا، جو آیت پڑھنے میں اخیر ہو گی وہاں ہی تیرے رہنے کا گھر ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ وابن حبان) یہ حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں۔

ف مسلمانو! ان حدیثوں میں غور کرو اور قرآن مجید حاصل کرنے میں اور اولاد کو پڑھانے میں کوشش کرو۔ اگر پورا قرآن پڑھنے یا پڑھانے کی فرصت نہ ہو تو جتنا ہو سکے اسی کی ہمت کرو۔ اگر اچھی طرح یاد نہ ہوتا ہو یا صاف اور صحیح نہ ہوتا ہو تو گھبراؤ مت اس میں لگے رہو، اس طرح سے پڑھنے میں بھی ثواب ملتا ہے۔ اگر حفظ نہ کر سکو ناظرہ ہی پڑھو پڑھاؤ اس کی بھی بڑی فضیلت ہے اگر پورا قرآن حاصل کرنے کی فرصت نہیں، یا ہمت نہیں کسی پورا قرآن پڑھنے والے کے پاس بیٹھ کر سُن ہی لیا کرو (یعنی اس سے اجازت لے کر)

ان سب باتوں کا ثواب اوپر حدیثوں میں پڑھ چکے ہو، اور یہ موٹی بات ہے کہ جو

کام ضروری ہوتا ہے، اور ثواب کا ہوتا ہے، اس کا سامان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس میں ثواب بھی ملتا ہے پس اس قاعدے سے قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا سامان کرنا بھی ضروری ہوگا اور اس میں ثواب بھی ملے گا۔ اور سامان اس کا یہی ہے کہ ہر ہر جگہ کے مسلمان مل کر قرآن کے مکتب قائم کریں اور بچوں کو قرآن پڑھوائیں، اور بڑی عمر کے آدمی بھی اپنے کاموں میں سے تھوڑا وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا قرآن سیکھا کریں۔ اور جو پڑھانے والا مفت نہ ملے سب مل کر اس کو گذارا کے موافق کچھ تنخواہ دیا کریں۔ اسی طرح جو بچے اپنے گھر سے غریب ہوں اور اس لیے زیادہ قرآن نہ پڑھ سکیں، اُن کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر دیا کریں کہ وہ اطمینان سے قرآن مجید ختم کر سکیں اور جو لڑکے جتنا قرآن پڑھتے جائیں اپنے گھر جا کر عورتوں اور لڑکیوں کو بھی پڑھا دیا کریں۔ اس طرح سے گھر کے سب مرد اور عورتیں قرآن پڑھ لیں گے۔ اگر کوئی سیپارے میں نہ پڑھ سکے وُہ زبانی ہی کچھ سورتیں یاد کرلے۔

اور قرآن کے کچھ اور حقوق بھی ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص جتنا پڑھ لے خواہ پورا ہو خواہ تھوڑا، وُہ اس کو ہمیشہ پڑھتا رہا کرے تاکہ یاد رہے۔ اگر یاد نہ رکھا تو پڑھا بے پڑھا سب یکساں ہوگیا۔ دوسرا یہ کہ اگر کسی کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا بھی شوق ہو تو بطورِ خود ترجمہ نہ دیکھے کہ اس میں غلط سمجھ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ کسی عالم سے سبق کے طور پر پڑھ لے اور تیسرا یہ کہ قرآن مجید کا بہت ادب کرنا چاہیئے اس کی طرف پاؤں نہ کرو، ادھر پیٹھ نہ کرو اس سے اُونچی جگہ پر مت بیٹھو، اس کو زمین یا فرش پر مت رکھو بلکہ رحل یا تکیہ پر رکھو چوتھا یہ کہ اگر وُہ پھٹ جائے کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑے دفن کر دو، پانچواں یہ کہ جب قرآن پڑھا کرو یہ دھیان رکھا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں، پھر دیکھنا دل پر کیسی روشنی ہوتی ہے۔

رُوحِ چہارم

اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہونگی اس کو ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت نصیب ہو گی، ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ؐ سب ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (یعنی جتنی محبت اس کو اللہ سے اور رسول ؐ سے ہو اتنی کسی سے نہ ہو) اور ایک وہ شخص جس کو کسی بندہ سے محبت ہو اور محض اللہ ہی کے لیے ہو (یعنی کسی دنیوی غرض سے نہ ہو محض اس وجہ سے محبت ہو کہ وہ شخص اللہ والا ہے) اور ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچا لیا ہو (خواہ پہلے ہی سے بچاتے رکھا ہو خواہ کفر سے توبہ کر لی اور بچ گیا) اور اس (بچا لینے) کے بعد وہ کفر کی طرف آنے کو اس قدر ناپسند کرتا ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

(۲) نیز حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں کوئی شخص پورا ایماندار نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ اپنے والد سے بھی زیادہ، اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اور سب آدمیوں سے بھی زیادہ۔ روایت کیا اس حدیث کو بخاری و مسلم نے (یہ حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

(۳) حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ ایماندار نہیں ہوتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ تمام اہل و عیال سے زیادہ اور تمام آدمیوں سے بھی زیادہ، روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور بخاری میں عبداللہ بن ہشام کی روایت سے یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک مجھ کو آپ کے ساتھ تمام چیزوں سے زیادہ محبت ہے بجز اپنی جان کے (یعنی اپنی جان کے برابر آپ کی محبت معلوم نہیں ہوتی) آپ نے

فرمایا قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایماندار نہ ہوگے جب تک میرے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت نہ رکھوگے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اب تو آپ کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اب پورے ایمان دار ہوا اے عمرؓ!

ف اس بات کو آسانی کے ساتھ یوں سمجھو کہ حضرت عمرؓ نے اوّل غور نہیں کیا تھا یہ خیال کیا کہ اپنی تکلیف سے جتنا اثر ہوتا ہے دوسرے کی تکلیف سے اتنا اثر نہیں ہوتا اس لیے۔ اپنی جان زیادہ پیاری معلوم ہوتی، پھر سوچنے سے معلوم ہوا کہ اگر جان دینے کا موقع آجائے تو یقینی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لیے ہر مسلمان اپنی جان دینے کو تیار ہو جاتے۔ اسی طرح آپ کے دین پر بھی جان دینے سے کبھی منہ نہ موڑے تو اس طرح سے آپؐ جان سے بھی زیادہ پیارے ہوتے۔

(۵۵) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس وجہ سے کہ وہ تم کو غذا میں اپنی نعمتیں دیتا ہے۔ اور مجھ سے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

ف اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف غذا دینے ہی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات و احسانات جو بےشمار ہیں اگر کسی کی سمجھ میں نہ آویں تو یہ احسان تو بہت ظاہر ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، یہی سمجھ کر اس سے محبت کرو۔

(۵۶) حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا تو نے اس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے؟ (جو اس کے آنے کا شوق ہے!) اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کے لیے کچھ بہت نماز روزے کا سامان تو کیا نہیں، مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ سے اور رسول سے محبت رکھتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت میں) ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہوگا، سو تجھ کو میرا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) ساتھ نصیب ہوگا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے

ساتھ بھی ہوگا۔ حضرت انس رضی فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام (لانے) کی خوشی کے بعد کسی بات پر اتنا خوش ہوتا نہیں دیکھا جتنا اس پر خوش ہوئے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ف اس حدیث میں کتنی بڑی بشارت ہے کہ اگر زیادہ عبادت کا بھی ذخیرہ نہ ہو تو اللہ کی اور رسول ص کی محبت سے اتنی بڑی دولت مل جاوے گی۔

(یہ حدیثیں تخریج احادیث الاحیاء للعراقی میں ہیں)

(۱۵) حضرت ابوذر غفاری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز تہجد میں) ایک آیت میں تمام رات گذار کر صبح کردی اور وہ آیت یہ ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ یعنی (اے پروردگار!) اگر آپ ان کو (یعنی میری امت کو) عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں (آپ کو ان پر ہر طرح کا اختیار ہے) اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو آپ کے نزدیک کچھ مشکل کام نہیں کیونکہ آپ زبردست ہیں (بڑے سے بڑا کام کرسکتے ہیں) اور حکمت والے ہیں (گنہگاروں کو بخش دینا بھی حکمت سے ہوگا۔ روایت کیا اس کو نسائی وابن ماجہ نے۔

ف شیخ دہلوی رح نے مشکوٰۃ کے حاشیے میں کہا ہے کہ اس آیت کا مضمون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے اپنی قوم کے معاملے میں اور غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنی امت کی حالت حضور حق میں پیش کرکے ان کے لئے مغفرت کی درخواست کی۔ لفظ شیخ رح نے یہ لفظ غالباً احتیاط کے لیے فرمادیا ورنہ دوسرا احتمال ہو ہی نہیں سکتا، تو دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ کتنی بڑی شفقت ہے کہ تمام رات کا آرام اپنی امت پر قربان کردیا اور اس کے لیے دعا مانگتے رہے اور سفارش فرماتے رہے۔ کون ایسا بے حس ہوگا کہ اتنی بڑی شفقت سن کر بھی عاشق نہ ہوجاوے گا۔

(۱۶) حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری (اور تمہاری) حالت اس شخص کی سی ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی اس میں پروانے گرنے لگے اور وہ ان کو ہٹاتا ہے مگر وہ اس کی نہیں مانتے اور آگ میں دھنسے جاتے ہیں، اسی طرح میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں (کہ دوزخ میں لے جانے والی چیزوں سے

روکتا ہوں) اور تم اس میں گھسے جاتے ہو، روایت کیا اس کو بخاری نے۔

ف دیکھئے اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ سے اپنی امت کو بچانے کا کتنا اہتمام معلوم ہوتا ہے۔ یہ محبت نہیں تو کیا ہے؟ اگر ہم کو ایسی محبت والے سے محبت نہ ہو تو افسوس ہے۔

(۸) حضرت عباس بن مرداس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے عرفہ کی شام کو مغفرت کی دعا فرمائی، آپ کو جواب دیا گیا کہ میں نے ان کی مغفرت کردی بجز حقوق العباد کے (اس میں) ظالم کا بدلہ مظلوم سے ضرور لوں گا، (اور بدون عذاب مغفرت نہ ہوگی) آپ نے عرض کیا اے پروردگار! اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو (اس کے حق کا عوض) جنت سے دے کر ظالم کی مغفرت فرما سکتے ہیں، مگر اس شام کو یہ دعا قبول نہیں ہوئی، پھر جب مزدلفہ میں آپ کو صبح ہوئی، آپ نے پھر وہی دعا کی اور آپ کی دعا قبول ہو گئی۔ پس آپ ہنسے اور حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا جب ابلیس کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی اور میری امت کی مغفرت کر دی خاک لے کر اپنے سر پر ڈالتا تھا اور ہائے واتے کرتا تھا، مجھ کو اس کا اضطراب دیکھ کر ہنسی آگئی۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے، اور اسی کے قریب بیہقی نے

ف اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حقوق العباد علی الاطلاق بدون سزا معاف ہو جاویں گے، اور نہ یہ مطلب ہے کہ خاص حج کرنے سے بدون سزا معاف ہو جاویں گے، بلکہ قبل اس دعا کے قبول ہونے کے دو احتمال تھے۔ ایک یہ کہ حقوق العباد کی سزا میں جہنم میں ہمیشہ رہنا پڑے۔ دوسرا یہ کہ گو جہنم میں ہمیشہ رہنا نہ ہو لیکن سزا ضرور ہو۔ اب اس دعا کے قبول ہونے کے بعد دو وعدے ہو گئے، ایک یہ کہ بعد سزا کبھی نہ کبھی ضرور نجات ہو جاویگی دوسرا یہ کہ بعض دفعہ بدون سزا بھی اس طور پر نجات ہو جاویگی کہ مظلوم کو نعمتیں دے کر اس سے راضی نامہ دلوا دیا جاوے گا۔

ف غور کر کے دیکھو آپ کو اس قانون کی منظوری لینے میں کس قدر فکر اور تکلیف ہوئی ہے کیا اب بھی قلب میں آپ کی محبت کا جوش نہیں اٹھتا۔

(۹) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیتیں پڑھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی دعائیں اپنی اپنی امت کے لیے مذکور ہیں اور رو دعا کے لیے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ اے اللہ میری امت! میری امت! حق تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور یوں تو تمہارا پروردگار جانتا ہی ہے اور ان سے پوچھو آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے آپ سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا تھا، ان کو بتلایا، حق تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے معاملے میں خوش کر دیں گے اور رنج نہ دیں گے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ف۔ ابن عباس رض کا قول ہے کہ آپ تو کبھی بھی خوش نہ ہوں گے اگر آپ کی امت میں سے ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے۔ (در منثور عن الخطیب)

اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے آپ کے خوش کرنے کا، تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں نہ رہے گا اے مسلمانو! یہ سب دولتیں اور نعمتیں جس ذات کی برکت سے نصیب ہوئیں، اگر ان سے بھی محبت نہ کرو گے تو کس سے کرو گے؟

(۱۰) حضرت عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب نوشی میں سزا بھی دی تھی، ایک دفعہ پھر لایا گیا اور سزا کا حکم ہو کر سزا دی گئی ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر لعنت کر کس کثرت سے اس کو لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو، واللہ میرا علم یہ ہے کہ یہ خدا سے اور رسول سے محبت رکھتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

ف۔ خدا اور رسولؐ سے محبت رکھنے کی کتنی قدر فرمائی گئی کہ اتنا بڑا گناہ کرنے پر بھی اس پر لعنت کی اجازت نہیں دی گئی۔

اے مسلمانو! ایسی مفت کی دولت جس میں نہ محنت نہ مشقت کہاں نصیب ہوتی ہے اس کو ہاتھ سے مت دینا، اپنی رگ رگ میں اللہ کی و رسول کی محبت اور عشق سما لینا، اور رچا لینا (یہ حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں اور ایک در منثور کی جس میں اس کا نام لکھ دیا ہے)

رُوحِ پنجم

اعتقادِ تقدیر و عملِ توکّل

(یعنی تقدیر پر یقین لانا اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا)

اس اعتقاد و عمل میں یہ فائدے ہیں:

(الف) کیسی ہی مصیبت یا پریشانی کا واقعہ ہو اُس سے دل مضبوط رہے گا یہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا اور وُہ جب چاہے گا، اس کو دفع کر دے گا۔

(ب) جب یہ سمجھ گیا تو اگر اس مصیبت کے دُور ہونے میں دیر بھی لگے گی تو پریشان، اور مایوس اور دل کمزور نہ ہو گا۔

(ج) نیز جب یہ سمجھ گیا تو کوئی تدبیر اس مصیبت کے دفع کرنے کی ایسی نہ کرے گا جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو، یوں سمجھے گا کہ مصیبت تو بدون خدا تعالیٰ کے چاہے ہُوئے دفع ہو گی نہیں پھر خدا تعالیٰ کو کیوں ناراض کیا جائے۔

(د) نیز اس سمجھنے کے بعد سب تدبیروں کے ساتھ یہ شخص دُعا میں بھی مشغول ہو گا کیونکہ یہ سمجھے گا کہ جب اسی کے چاہنے سے یہ مصیبت ٹل سکتی ہے تو اسی سے عرض کرنے میں نفع کی زیادہ اُمید ہے پھر دُعا میں لگ جانے سے اللہ تعالیٰ سے علاقہ بڑھ جاوے گا جو تمام راحتوں کی جڑ ہے۔

(ہ) نیز جب ہر کام میں یہ یقین ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتا ہے تو کسی کامیابی میں اپنی کسی تدبیر یا سمجھ پر اس کو ناز اور فخر اور دعویٰ نہ ہو گا۔

حاصل ان سب فائدوں کا یہ ہوا کہ یہ شخص کامیابی میں شکر کرے گا اور ناکامی میں صبر کرے گا اور یہی فائدے اس مسئلے کے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور خلاصہ تبلائے ہیں،

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ (الآیۃ۔ سورۃ حدید) اور اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں کہ تقدیر کا بہانہ کر کے شریعت کے موافق ضروری تدبیر کو بھی چھوڑ دے، بلکہ یہ شخص کمزور تدبیر کو بھی نہ چھوڑے گا، اور اس میں بھی امید رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس میں

بھی اثر دے سکتا ہے، اس لیے کبھی ہمت نہ ہارے گا۔ جیسے بعض لوگوں کو یہ غلطی ہو جاتی ہے، اور دین تو بڑی چیز ہے، دنیا کے ضروری کاموں میں بھی ایسی کم ہمتی کی بُرائی حدیث میں آئی ہے۔ چنانچہ عوف بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا تو ہارنے والا کہنے لگا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (مطلب یہ کہ خدا کی مرضی میری قسمت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے۔ لیکن ہوشیاری سے کام لو (یعنی کوشش و تدبیر میں کمی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہو جائے تب کہو حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (یعنی خدا کی مرضی میری قسمت) ابوداؤد یہ مضمون توضیح میں اس مسئلہ کے فائدے بتلانے اور غلطیوں سے بچانے کے لیے آگیا تھا اب وُہ حدیثیں لکھی جاتی ہیں جن میں اس مسئلہ کا ذکر ہے۔

(۱) حضرت جابر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ اس کی بھلائی پر بھی اور بُرائی پر بھی یہاں تک کہ یقین کرلے کہ جو بات واقع ہونے والی تھی وُہ اس سے ہٹنے والی نہ تھی اور جو بات اس سے ہٹنے والی تھی وہ اس پر واقع ہونے والی نہ تھی۔ (ترمذی)

(۲) حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے میں تجھ کو چند باتیں بتلاتا ہوں اللہ تعالیٰ کا خیال رکھو وُہ تیری حفاظت فرمادے گا، اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ تو اس کو اپنے سامنے (یعنی قریب) پاوے گا جب تجھ کو کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ، اور جب تجھ کو مدد چاہنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہ اور یہ یقین کرلے کہ تمام گروہ اگر اس بات پر متفق ہو جاویں کہ تجھ کو کسی بات سے نفع پہنچاویں تو تجھ کو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دی تھی اور اگر وہ سب اس بات پر متفق ہو جاویں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچاویں تو تجھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دی تھی (ترمذی)

(۳) حضرت ابو درداء رض سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کی پانچ چیزوں سے فراغت فرمادی ہے اس کی عمر سے اور اس کے رزق سے اور اس کے عمل سے اور اس کے دفن ہونے کی جگہ سے اور یہ کہ انجام میں سعید ہے یا شقی ہے (احمد و بزار و کبیر و اوسط)

(ع۴) حضرت معاویہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی ایسی چیز پر آگے مت بڑھ جس کی نسبت تیرا یہ خیال ہو کہ میں آگے بڑھ کر اس کو حاصل کر لوں گا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر نہ کیا ہو اور کسی ایسی چیز سے پیچھے مت ہٹ جس کی نسبت تیرا یہ خیال ہو کہ وہ میرے پیچھے ہٹنے سے ٹل جاوے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر کر دیا ہو۔
(کبیر و اوسط)

ف یعنی یہ دونوں گمان غلط ہیں بلکہ جو چیز مقدر نہیں وہ آگے بڑھنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی، اس لیے اس گمان سے آگے بڑھنا بیکار اور اسی طرح جو چیز مقدر ہے وہ ہٹنے اور بچنے سے ٹل نہیں سکتی اس لیے اس گمان سے بچنا بیکار۔

(ع۵) حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفع کی چیز کو کوشش سے حاصل کرو، اور اللہ سے مدد چاہو اور ہمت مت ہارو، اور اگر تجھ پر کوئی واقعہ پڑ جائے تو یوں مت کہو کہ اگر میں یوں کرتا تو ایسا ایسا ہو جاتا (لیکن ایسے وقت میں) یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہی مقدر فرمایا تھا، اور جو اس کو منظور ہوا، اس نے وہی کیا۔ (مسلم)

یہاں تک کی حدیثیں "جمع الفوائد" سے نقل کی گئی ہیں ان حدیثوں میں زیادہ تقدیر کا بیان تھا، آگے وہ آیتیں اور حدیثیں ہیں جن میں زیادہ توکل کا اور کچھ کچھ تقدیر کا بیان ہے۔

(ع۶) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے "پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کر لیں، سو خدائے تعالیٰ پر اعتماد کر کے (اس کام کو کر ڈالا) کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدائے تعالیٰ پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں (آل عمران)

ف اس سے بڑھ کر کیا دولت ہوگی کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے، جس شخص سے خدا تعالیٰ کو محبت ہو اس کی فلاح میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم ہے۔ کیونکہ مشورہ تو تدبیر ہی کے لیے ہوتا ہے، البتہ تدبیر پر بھروسہ کرنا نہ چاہیئے بلکہ تدبیر کر کے بھی بھروسہ خدا ہی پر ہونا چاہیئے۔

(ع۷) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے "کہ یہ ایسے (مخلص) لوگ ہیں کہ (بعض) لوگوں نے (جو) ان سے (آکر) کہا کہ ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) تمہارے (مقابلہ کے) لیے (بڑا) سامان

جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیئے، تو اس (خبر) نے اُن کے (جوش) ایمان کو اور زیادہ کر دیا، اور (نہایت استقلال سے یہ) کہہ (کر بات کو ختم کر) دیا، کہ ہم کو حق تعالیٰ (سب مہمات میں) کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے (یہی سپرد کرنا توکل ہے) پس یہ لوگ خدا تعالیٰ کے نعمت اور فضل سے (یعنی ثواب اور نفع تجارت سے) بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ (اس واقعے میں) رضائے حق کے تابع رہے (اسی کی بدولت ہر طرح کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے) اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔ (آل عمران)

ف ان آیتوں میں ایک قصّے کی طرف اشارہ ہے جس میں صحابہؓ کو دنیا اور دین، دونوں کا فائدہ ہوا، اللہ تعالیٰ یہ بتلاتا ہے کہ یہ دونوں دولتیں توکل کی بدولت ملیں۔

(۸) فرمایا اللہ تعالیٰ نے "آپ فرما دیجیے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارا مالک ہے (پس مالک حقیقی جو تجویز کرے بندے کو اس پر راضی رہنا واجب ہے) اور (ہماری کیا تخصیص ہے) سب مسلمانوں کو اپنے سب کام اللہ کے سپرد رکھنے چاہیئے (دوسری بات یہ فرما دیجیئے) کہ (ہمارے لیے جیسی اچھی حالت بہتر ہے ایسی ہی سختی کی حالت بھی باعتبار انجام کے بہتر ہے کہ اس میں درجات بڑھتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں پس) تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو (سورہ توبہ)

ف۔ اس سے ثابت ہوا کہ توکل کا اثر یہ ہے کہ اگر کوئی ناگواری بھی پیش آوے تو اس سے بھی پریشانی نہیں ہوتی، بلکہ اس کو بھی بہتر ہی سمجھتے ہیں اگر دنیا میں بھی اس کا ظہور نہ ہو تو آخرت میں ضرور ہوگا، جو ہمارا اصلی گھر ہے اور وہی بھلائی ہمیشہ کام آنے والی ہے۔

(۹) فرمایا اللہ تعالیٰ نے "اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (جب بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے خوف میں دیکھا تو ان سے) فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو (سوچ بچار مت کرو بلکہ) اس پر توکل کرو اگر تم (اس کی) اطاعت کرنے والے ہو، انہوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا (بعد اس کے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ) اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان

کافر لوگوں سے نجات دے (یعنی جب تک ہم پر ان کی حکومت مقدر ہے ظلم نہ کرنے پاویں اور پھر ان کی حکومت ہی کے دائرہ سے نکال دیجیئے)۔ (سورۃ یونس)

ف اس سے معلوم ہوا کہ توکل کے ساتھ دُعا زیادہ مُفید ہوتی ہے۔

(ع۱۰) فرمایا اللہ تعالیٰ نے "جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے کیلئے کافی ہے (اور یہ کام بنانا عام ہے، ظاہراً بھی ہو یا صرف باطناً۔ (الطلاق)

ف۔ دیکھیئے توکل پر کیسا عجیب وعدہ فرمایا ہے اور اصلاح باطناً اس وقت تو معلوم نہیں ہوتی مگر بہت جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔

(ع۱۱) حضرت سعد رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی سعادت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقدر فرمایا اس پر راضی رہے اور آدمی کی محرومی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ سے خیر مانگنا چھوڑ دے اور یہ بھی آدمی کی محرومی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر فرمایا ہے اس سے ناراض ہو۔ (احمد و ترمذی)

(ع۱۲) حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا دل (تعلقات کے) ہر میدان میں شاخ شاخ رہتا ہے سو جس نے اپنے دل کو ہر شاخ کے پیچھے ڈال دیا، اللہ تعالیٰ پرواہ بھی نہیں کرتا خواہ وہ کسی میدان میں ہلاک ہو جاوے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سب شاخوں میں اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے (ابن ماجہ)

ف یعنی اس کو پریشانی اور مشکلیں نہیں ہوتیں، یہ دو حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں۔

(ع۱۳) حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (اپنے دل سے) اللہ تعالیٰ ہی کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کی سب ذمے داریوں کی کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص دنیا کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا ہی کے حوالے کر دیتا ہے (ابو الشیخ) یہ حدیث ترغیب ترہیب میں ہے۔

(ع۱۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کر (ترمذی)

ف یعنی توکل میں تدبیر کی ممانعت نہیں ہاتھ سے تدبیر کرے دل سے اللہ پر توکل کرے اور اس تدبیر پر بھروسہ نہ کرے۔

(ع۱۵) حضرت ابو خزامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دُعا اور جھاڑ پھونک کیا تقدیر کو ٹال دیتی ہے؟ فرمایا یہ بھی تقدیر ہی میں داخل ہے (ترمذی و ابنِ ماجہ)

ف یعنی یہ بھی تقدیر میں ہے کہ فلاں دوا یا جھاڑ پھونک سے نفع ہو جاوے گا۔ یہ حدیث تخریج عراقی میں ہے۔

نتیجہ: مسلمانو! ان آیتوں اور حدیثوں سے سبق لو کیسی ہی دشواری پیش آوے دل تھوڑا مت کرو اور دین میں کچے مت بنو، خدائے تعالیٰ مدد کرے گا۔ فقط۔

رُوحِ ششم

دُعا مانگنا

یعنی جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وُہ دنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اس میں اپنی بھی کوشش کرنا پڑے اور خواہ اپنی کوشش اور قابو سے باہر ہو، سب خدا تعالیٰ سے مانگا کرے لیکن اتنا خیال ضروری ہے کہ وُہ گناہ کی بات نہ ہو اس میں سب باتیں آگئیں جیسے کوئی کھیتی یا سوداگری کرتا ہے تو محنت اور سامان بھی کرنا چاہیئے مگر خدا تعالیٰ سے دُعا بھی مانگنا چاہیئے کہ اسے اللہ! اس میں برکت فرما اور نقصان سے بچا، یا کوئی دشمن ستا دے خواہ دنیا کا دشمن، خواہ دین کا دشمن، تو اس سے بچنے کی تدبیر بھی کرنی چاہیئے، خواہ وُہ تدبیر اپنے قابو کی ہو خواہ حاکم سے مدد لینا پڑے مگر اس تدبیر کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دُعا بھی مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ اس دشمن کو زیر کر دے یا مثلاً کوئی بیمار ہو تو دوا دارو بھی کرنا چاہیئے مگر خدا تعالیٰ سے بھی دعا مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ اس بیماری کو کھو دے یا اپنے پاس کچھ مال ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی کرنا چاہیئے جیسے مضبوط مکان میں مضبوط مضبوط قفل لگا کر رکھنا یا گھر والوں یا نوکروں کے ذریعے سے اس کا پہرہ دینا، دیکھ بھال رکھنا مگر اس کے ساتھ خدائے تعالیٰ سے بھی دُعا مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ اس کو چوروں سے محفوظ رکھ! یا مثلاً کوئی مقدمہ کر رکھا ہے یا اس پر کسی نے کر رکھا ہے، تو اس کی پیروی بھی کرنا چاہیئے۔ وکیل اور گواہوں کا انتظام بھی کرنا چاہیئے مگر اس کے ساتھ خدائے تعالیٰ سے دُعا بھی کرنا چاہیئے کہ اے اللہ! اس مقدمے میں مجھ کو فتح دے اور ظالم کے شر سے مجھ کو بچا۔ یا قرآن اور علمِ دین حاصل کر رہا ہے تو اس میں بھی جی لگا کر پابندی سے محنت بھی کرنا چاہیئے، مگر اس کے ساتھ دُعا بھی کرنا چاہیئے کہ اے اللہ! اس کو آسان کر دے اور میرے ذہن میں اس کو جما دے یا نماز و روزہ وغیرہ شروع کیا ہے یا بزرگوں کے بتلانے سے اور عبادتوں میں لگ گیا ہے تو سستی اور نفس کے حیلے بہانے کا مقابلہ کر کے ہمت کے ساتھ اس کو نباہنا چاہیئے۔ مگر دُعا بھی کرنا چاہیئے کہ اے اللہ! میری مدد کر اور مجھ کو اس کی ہمیشہ توفیق دے اور اس کو قبول فرما۔

یہ نمونے کے طور پر چند مثالیں لکھ دی ہیں، ہر کام اور ہر مصیبت میں اسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وُہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور توجہ کے ساتھ عرض بھی کرتا رہے اور جس کام میں تدبیر کا کچھ دخل نہیں، اس میں تو تمام کوشش دعا ہی میں خرچ کرنا ضرور ہے۔ جیسے بارش کا ہونا، یا اولاد کا زندہ رہنا یا کسی بیمار کا لاعلاج بیماری سے اچھا ہو جانا، یا نفس وشیطان کا نہ بہکانا، یا وَبا اور طاعون سے محفوظ رہنا، یا قابو یافتہ ظالموں کے شر سے بچنا، ان کاموں کا بنانے والا تو بجز خدائے تعالیٰ کے کوئی برائے نام بھی نہیں، اس لیے تدبیر کے کاموں میں جتنا حصّہ تدبیر کا ہے ان بے تدبیر کے کاموں میں وُہ حصّہ تدبیر کا بھی دُعا ہی میں خرچ کرنا چاہیئے۔ غرض تدبیر کے کاموں میں تو کچھ تدبیر اور کچھ دُعا ہے، اور بے تدبیر کے کاموں میں تدبیر کی جگہ بھی دُعا ہی ہے، تو اس میں زیادہ دُعا ہُوئی، اور دُعا فقط اس کا نام نہیں کہ دو چار باتیں یاد کر لیں اور نمازوں کے بعد اس کو صرف زبان سے آموختہ کی طرح پڑھ دیا، سو یہ دُعا نہیں ہے محض دُعا کی نقل ہے، دُعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کرنا ہے۔ سو جس طرح حاکم کے یہاں درخواست دیتے ہیں کم سے کم دُعا اس طرح تو کرنا چاہیئے کہ درخواست دینے کے وقت آنکھیں بھی اسی طرف لگی ہوتی ہیں، دل بھی ہمہ تن ادھر ہی ہوتا ہے۔ صورت بھی عاجزوں کی سی بناتے ہیں، اگر زبانی کچھ عرض کرنا ہوتا ہے تو کیسے ادب سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی عرضی منظور ہونے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں، اور اس کا یقین دلانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو آپ سے پوری اُمید ہے کہ ہماری درخواست پر پوری توجہ فرمائی جاوے گی۔ پھر بھی اگر عرضی کے موافق حکم نہ ہُوا، اور حاکم عرضی دینے والے کے سامنے افسوس ظاہر کرے کہ تمہاری مرضی کے مطابق تمہارا کام نہ ہوا تو یہ شخص فوراً جواب دیتا ہے کہ حضور مجھ کو کوئی رنج یا شکایت نہیں ہے، اس معاملہ میں قانون ہی سے جان نہ تھی یا میری پیروی میں کمی رہ گئی تھی حضور نے کچھ کمی نہیں فرمائی۔ اور اگر اس حاجت کی آئندہ بھی ضرورت ہو تو کہتا ہے کہ مجھ کو نا اُمیدی نہیں، پھر عرض کرتا رہوں گا۔ اور اصلی بات تو یہ ہے کہ مجھ کو حضور کی مہربانی کام ہونے سے زیادہ پیاری چیز ہے، کام تو خاص وقت یا محدود درجے کی چیز ہے، حضور کی مہربانی تو عمر بھر کی اور غیر محدود درجے کی دولت اور نعمت ہے۔ تو اے مسلمانو! دل میں سوچو کیا تم

دعا مانگنے کے وقت اور دُعا مانگنے کے بعد جب اس کا کوئی ظہور نہ ہو، خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہو؟ سوچو اور شرماؤ! جب یہ برتاؤ نہیں کرتے تو اپنی دُعا کو دُعا یعنی درخواست کس منہ سے کہتے ہو؟ تو واقع میں کمی تمہاری ہی طرف سے ہے جس سے وہ دُعا درخواست نہ رہی، اور اس طرف سے تو اتنی رعایت ہے کہ درخواست دینے کا وقت بھی معین نہیں فرمایا، وقت بے وقت جب چاہو عرض معروض کر لو۔ نمازوں کے بعد کا وقت بھی تم ہی نے ٹھہرا رکھا ہے، البتہ وہ وقت دوسرے وقتوں سے زیادہ برکت کا ہے سو اس وقت زیادہ دُعا کرو، باقی اور وقتوں میں بھی اس کا سلسلہ جاری رکھو، جس وقت جو حاجت یاد آ گئی فوراً ہی دل سے یا زبان سے بھی مانگنا شروع کر دیا کرو۔ جب دُعا کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اس حقیقت کے موافق دُعا مانگو! پھر دیکھو کیسی برکت ہوتی ہے اور برکت کا یہ مطلب نہیں کہ جو مانگو گے وُہی مِل جاوے گا۔ کبھی تو وہی چیز مل جاتی ہے جیسے کوئی آخرت کی چیزیں مانگے، کیونکہ وہ بندے کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے البتہ اس میں ایمان اور اطاعت شرط ہے۔ کیونکہ وہاں کی چیزیں قانوناً اس شخص کو مل سکتی ہیں۔ اور کبھی وہ چیز مانگی ہوئی نہیں ملتی جیسے کوئی دنیا کی چیزیں مانگے کیونکہ وُہ بندے کے جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی ہوتی ہے اس کو مل جاتی ہے اور جب بُرائی ہوتی ہے تو نہیں ملتی۔ جیسے باپ بچے کو پیسہ مانگنے پر کبھی دے دیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا۔ جب وُہ دیکھتا ہے کہ یہ اس سے ایسی چیز خرید کر کھاوے گا جس سے حکیم نے منع کر رکھا ہے، تو برکت کا مطلب یہ نہیں کہ وُہ مانگی ہوئی چیز مل جاوے بلکہ برکت کا مطلب یہ ہے کہ دُعا کرنے سے حق تعالیٰ کی توجہ بندے کی طرف ہو جاتی ہے۔ اگر وُہ چیز بھی کسی مصلحت سے نہ ملے تو دُعا کی برکت سے بندہ کے دل میں تسلی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور پریشانی اور کمزوری جاتی رہتی ہے اور یہ اثر حق تعالیٰ کی اس خاص توجہ کا ہوتا ہے جو دُعا کرنے سے بندے کی طرف حق تعالیٰ کو ہو جاتی ہے۔ اور یہی توجہ خاص اجابت کا وہ یقینی درجہ ہے جس کا وعدہ حق تعالیٰ کی طرف سے دُعا کرنے والے کے لیے ہُوا ہے، اور اس حاجت کا عطا فرما دینا یہ اجابت کا دُوسرا درجہ[ع] ہے جس کا وعدہ بلا شرط نہیں، بلکہ اس شرط سے ہے کہ بندے

(حاشیہ: لئے بھلائی نہیں ہوتی۔ ←)

ع جیسے طبیب سے کوئی درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجیے تو اصل منظوری تو علاج شروع کر دینا ہے کہ مسہل دے یا نہ دے۔ دوسری منظوری مسہل دینا ہے اس میں یہ شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے۔

کی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور یہی توجہ خاص ہے جس کے سامنے بڑی سے بڑی حاجت اور دولت کوئی چیز نہیں، اور یہی توجہ خاص بندہ کی اصل پونجی ہے، جس سے دنیا میں بھی اس کو حقیقی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی غیر محدود اور ابدی نعمت وحلاوت نصیب ہوگی تو دُعا میں اس برکت کے ہوتے ہوتے دُعا کرنے والے کو خسارہ اور محرومی کا اندیشہ کرنے کی کب گنجائش ہے؟

اب دو چار حدیثیں دعا کی فضیلت اور آداب میں لکھتا ہوں:

(ح۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کی دُعا قبول ہوتی ہے تاوقتیکہ کسی گناہ یا رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دُعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچاوے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جلدی مچانے کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دُعا کی مگر قبول ہوتی ہوئی نہیں دیکھتا، سو دُعا کرنے سے تھک جاوے اور دُعا کرنا چھوڑ دے (مسلم)

ف اس میں تاکید ہے اس بات کی کہ گو قبول نہ ہو مگر برابر کیے جاوے اس کے متعلق اوپر بیان آچکا ہے۔

(ح۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز قدر کی نہیں (ترمذی وابن ماجہ)

(ح۳) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُعا ہر چیز سے کام دیتی ہے ایسی بَلا سے بھی جو نازل ہو چکی ہو، اور ایسی بَلا سے بھی جو کہ ابھی نازل نہیں ہوئی۔ سو اے بندگانِ خدا دُعا کو پلّہ باندھو۔ (ترمذی واحمد)

(ح۴) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر غصہ کرتا ہے۔ (ترمذی)

ف البتہ جس کو اس کی دھن اور دھیان سے فرصت نہ ہو وہ اس میں داخل نہیں!

(ح۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں دُعا کرو کہ تم قبولیت کا یقین رکھا کرو اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غفلت بھرے دل سے دُعا قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی)

ف تو دُعا خوب توجہ سے کرنا چاہیے اور اجابت کے جو دو درجے[ف] اوپر بیان کیے ہیں وہی قبولیت کے بھی ہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اور ایک درجہ اس کا عام ہے جو اگلی حدیث میں آتا ہے۔

(حدیث) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دُعا کرے جس میں گناہ اور قطع رحم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس دُعا کے سبب اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور دیتا ہے یا تو فی الحال وہی مانگی ہوئی چیز دیدیتا ہے اور یا اس کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتا ہے اور یا کوئی ایسی ہی بُرائی اس سے ہٹا دیتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس حالت میں تو ہم خوب کثرت سے دعا کیا کریں گے! آپ نے فرمایا خدا کے یہاں اس سے بھی زیادہ (عطا کی) کثرت ہے! (احمد)

ف۔ خلاصہ یہ کہ کوئی دُعا خالی نہیں جاتی۔

(حدیث) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنے رب سے حاجتیں مانگنا چاہیئیں (اور ثابت کی روایت میں ہے کہ) یہاں تک کہ اس سے نمک بھی مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے وُہ بھی اس سے مانگے (ترمذی)

ف یعنی یہ خیال نہ کرے کہ ایسی حقیر چیز اتنے بڑے سے کیا مانگیں؟ اس کے نزدیک تو بڑی چیز بھی چھوٹی ہی ہے۔

[ف] یعنی توجہ خاص جو موعود ہے اور خاص وہی چیز مل جانا ہے جو غیر موعود ہے ۱۲

رُوحِ ہفتم

نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا

تاکہ ان سے اچھی باتیں سُنیں، اُن سے اچھی خصلتیں سیکھیں اور جو نیک لوگ گذر گئے ہیں اُن کے اچھے حالات کی کتابیں پڑھ کر یا پڑھوا کر ان کے حالات معلوم کریں کہ یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے گویا اُن کے پاس ہی بیٹھ کر اُن سے باتیں سُن لیں اور اُن سے اچھی خصلتیں سیکھ لیں۔

ف۔ چونکہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وُہ دوسرے انسان کے خیالات اور حالات سے بہت جلد، اور بہت قوت کے ساتھ اور بدون کسی خاص کوشش کے اثر قبول کر لیتا ہے، اچھا اثر بھی اور بُرا اثر بھی۔ اس لیے اچھی صحبت بہت ہی بڑے فائدے کی چیز ہے اور اسی طرح بُری صحبت بڑے نقصان کی چیز ہے۔ اور اچھی صحبت ایسے شخص کی صحبت ہے جس کو ضرورت کے موافق دین کی باتوں کی واقفیت بھی ہو، اور جس کے عقیدے بھی اچھے ہوں، شرک و بدعت اور دنیا کی رسموں سے بچتا ہو، اعمال بھی اچھے ہوں، نماز روزہ اور ضروری عبادتوں کا پابند ہو۔ معاملات بھی اچھے ہوں لین دین صاف ہو، حلال و حرام کی احتیاط ہو، اخلاق ظاہری بھی اچھے ہوں۔ مزاج میں عاجزی ہو، کسی کو بے وجہ تکلیف نہ دیتا ہو، غریبوں حاجتمندوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو، اخلاق باطنی بھی اچھے ہوں، خدائے تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف دل میں رکھتا ہو، دنیا کا لالچ دل میں نہ رکھتا ہو، دین کے مقابلے میں مال اور راحت اور آبرو کی پرواہ نہ رکھتا ہو، آخرت کی زندگی کے سامنے دنیا کی زندگی کو عزیز نہ رکھتا ہو۔ ہر حال میں صبر و شکر کرتا ہو، جس شخص میں یہ باتیں پائی جاویں، اس کی صحبت اکسیر ہے، اور جس شخص کو ان باتوں کی پوری پہچان نہ ہو سکے، اس کے لیے یہ پہچان ہے کہ اپنے زمانے کے نیک لوگ (جن کو اکثر مسلمان عام طور پر نیک سمجھتے ہوں ایسے نیک لوگ) جس شخص کو اچھا کہتے ہوں، اور دس پانچ بار اس کے پاس بیٹھنے سے بُری باتوں سے دل ہٹنے لگے، اور نیک باتوں کی طرف دل جھکنے لگے بس تم اس کو اچھا سمجھو، اور اس کی صحبت اختیار کرو، اور جس شخص میں بُری باتیں دیکھی جاویں، بدون کسی سخت مجبوری کے اس سے میل جول

مت کرو کہ اس سے دین تو بالکل تباہ ہو جاتا ہے، اور بعض دفعہ دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے، کبھی تو جان کا، کہ کسی تکلیف یا پریشانی کا سامنا ہو جاتا ہے، اور کبھی مال کا، کہ بُری جگہ خرچ ہو گیا یا دھوکے میں آ کر کسی کو دے دیا، خواہ محبت کے جوش میں آ کر مُفت دیدیا، خواہ قرض کے طور پر دے دیا تھا، پھر وصول نہ ہوا، اور کبھی آبرو کا کہ بُروں کے ساتھ یہ بھی رسوا و بدنام ہوا، اور جس شخص میں نہ اچھی علامتیں معلوم ہوں اور نہ بُری علامتیں، اس پر گمان تو نیک رکھو مگر اس کی صحبت مت اختیار کرو، غرض تجربے سے نیک صحبت کو دین کے سنورنے میں اور دل کے مضبوط ہونے میں بڑا دخل ہے، اور اسی طرح صحبت بد کو دین کے بگڑنے میں اور دل کے کمزور ہونے میں۔ اب چند آیتیں اور حدیثیں صحبتِ نیک کی ترغیب میں اور صحبتِ بد کی مذمت میں لکھی جاتی ہیں۔

(ع۱) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو لوگ (دین کے پکے اور) سچے ہیں، اُن کے ساتھ رہو! (سورۂ توبہ)

ف۔ ساتھ رہنے میں ظاہری صحبت بھی آ گئی اور ان کی راہ پر چلنا بھی آ گیا۔

(ع۲) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات (اور احکام) میں عیب جوئی کر رہے ہیں، تو ان لوگوں (کے پاس بیٹھنے) سے کنارہ کش ہو جا۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے (یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے) تو جب یاد آ جاوے (یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ (بلکہ فوراً اُٹھ کھڑا ہو، اور اس سے ایک آیت بعد ارشاد ہے) اور (کچھ مجلس تکذیب کی تخصیص نہیں بلکہ) ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے (اس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمے فرض تھا، یعنی اسلام کو) لہو و لعب بنا رکھا ہے (از سورۂ انعام)

(ع۳) حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جن لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں، ان میں سب سے اچھا کون شخص ہے؟ (کہ اسی کے پاس بیٹھا کریں!) آپ نے ارشاد فرمایا ایسا شخص (پاس بیٹھنے کے لیے سب سے اچھا ہے) کہ جس کا دیکھنا تم کو اللہ کی یاد دلاوے اور اس کا بولنا تمہارے علم (دین) میں ترقی دے اور اس کا عمل تم کو آخرت کی یاد دِلاوے۔ (ابو یعلیٰ)

ف۔ میں نے جو اوپر نیک شخص کی علامتیں بیان کی ہیں اس حدیث شریف میں ان میں سے

بعض بڑی علامتیں مذکور ہیں۔

(۴) حضرت ابوامامہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید ابوامامہ رضؓ کا قول ہو، تب بھی حدیث ہی ہے) کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹا تو علماء کے پاس بیٹھنے کو اپنے ذمے لازم رکھنا اور اہلِ حکمت کی باتوں کو سننے پر بیٹا! (حکمت دین کی باریک باتوں کو کہتے ہیں جیسے سچے درویش کیا کرتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو نورِ حکمت سے اس طرح زندہ کر دیتے ہیں جیسے مُردہ زمین کو موسلا دھار پانی سے زندہ کر دیتے ہیں۔ (طبرانی فی الکبیر)

(۵) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ایسے لوگوں کے لیے واجب (یعنی ضروری الثبوت) ہوگئی جو میرے ہی علاقے سے آپس میں محبت رکھتے ہیں، اور جو میرے ہی علاقے سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں الخ (مالک وابن حبان)

ف۔ یہ جو فرمایا میرے علاقے سے۔ مطلب یہ کہ محض دین کے واسطے۔

(۶) حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک ہم نشین اور بدہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مشک لیے ہوتے ہو، (یہ مثال ہے نیک صحبت کی) اور ایک شخص بھٹی کو دھونک رہا ہو (یہ مثال ہے بدصحبت کی) سو وہ مشک والا یا تو تجھ کو دیدے گا اور یا (اگر نہ بھی دیا تو) اس سے تجھ کو خوشبو ہی پہنچ جاوے گی، اور بھٹی کا دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا (اگر کوئی چنگاری آپڑی، اور یا (اگر اس سے بچ بھی گیا تو اس کی گندی بو ہی تجھ کو پہنچ جاوے گی (بخاری ومسلم)

ف۔ یعنی نیک صحبت سے اگر کامل نفع نہ ہو تب بھی کچھ تو ضرور ہو جاوے گا اور بدصحبت سے اگر کامل ضرر نہ ہوا تب بھی کچھ تو ضرور ہو جاوے گا۔ (یہ سب حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں)

(۷) حضرت ابوسعید رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے کسی کی صحبت اختیار مت کرو بجز ایمان والے کے (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

ف اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ کافر کی صحبت میں مت بیٹھو، دوسرا یہ کہ جس کا ایمان کامل نہ ہو اس کے پاس مت بیٹھو، پس پورا قابلِ صحبت وہ ہے جو مومن ہو خصوص جو مومن کامل ہو یعنی دین کا پورا پابند ہو۔

(۸) حضرت ابو رزین رضؓ سے روایت ہے، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں جو اس دین کا (بڑا) مدار ہے جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو، ایک تو اہلِ ذکر کی مجالس کو مضبوط پکڑلو (اور دوسرے) جب تنہا ہوا کرو جہاں تک ممکن ہو ذکر اللہ کے ساتھ زبان کو متحرک رکھو (اور تیسرے) اللہ ہی کے لیے محبت رکھو اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھو الخ (بیہقی فی شعب الایمان)

ف۔ یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحبتِ نیک جڑ ہے تمام دین کی، دین کی حقیقت دین کی حلاوت، دین کی قوت کے جتنے ذریعے ہیں سب سے بڑھ کر ذریعہ ان چیزوں کا صحبتِ نیک ہے۔

(۹) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہیں ان پر زبرجد کے بالاخانے قائم ہیں ان میں کھلے ہوتے دروازے ہیں جو تیز چمکدار ستارہ کی طرح چمکتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان بالاخانوں میں کون رہے گا آپ نے فرمایا جو لوگ اللہ کے لیے (یعنی دین کے لیے) آپس میں محبت رکھتے ہیں، اور جو لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے لیے آپس میں ملاقات کرتے ہیں (بیہقی فی شعب الایمان) یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

(۱۰) حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے ساتھ نہ سکونت کرو اور نہ ان کے ساتھ یکجائی کرو (یعنی ان کی مجلس میں مت بیٹھو)، جو شخص ان کے ساتھ سکونت کرے گا یا یکجائی کرے گا وہ اُن ہی میں سے ہے (ترمذی)

یہ حدیث جمع الفوائد سے لی گئی ہے۔ ان سب آیتوں و حدیثوں سے مدعا کے ایک جزو کا ثابت ہونا ظاہر ہے۔ یعنی نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا تاکہ اُن سے اچھی باتیں سُنیں۔ اور ان سے اچھی خصلتیں سیکھیں۔ اب مُدعا کا دُوسرا جزو رہ گیا، یعنی جو نیک لوگ گذر گئے ہیں، کتابوں سے اُن کے اچھے حالات معلوم کرنا کہ اس سے بھی ویسے ہی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے اُن کے پاس بیٹھنے سے، آگے اس دوسرے جزو کا بیان کرتے ہیں۔

(۱۱) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے "اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے (یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور حضرت ہود علیہ السلام کا اور حضرت صالح علیہ السلام

کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور حضرت لوط علیہ السلام کا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ یہ سب قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ (سورۂ ہود)

ف۔ یہ ایک فائدہ ہے نیکوں کے قصوں کے بیان کرنے کا کہ ان سے دل کو مضبوطی اور تسلی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حق پر مضبوط رہے ہم کو بھی مضبوط رہنا چاہیئے اور جس طرح اس مضبوطی کی برکت سے خدائے تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی، اسی طرح اس مضبوطی پر ہماری بھی مدد ہوگی، جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی (یہاں) دنیاوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور (وہاں) اس روز بھی (مدد کریں گے) جس میں گواہی دینے والے (فرشتے) کھڑے ہوں گے (مراد اس سے قیامت کا دن ہے۔ (سورۂ مومن) اور وہاں کی مدد تو ظاہر ہے کہ حکم ماننے والے ظاہر میں کامیاب ہوں گے اور بے حکمی کرنے والے ناکامیاب ہوں گے اور یہاں کی مدد کبھی تو اسی طرح کی ہوتی ہے اور کبھی دوسری طرح ہوتی ہے، وہ اسطرح کہ توڑنے والے حکموں کو حکم ماننے والوں پر غلبہ ہو گیا۔ مگر منجانب اللہ کسی وقت ان سے بدلہ ضرور لیا گیا، چنانچہ تاریخ بھی اس کی گواہ ہے (تفسیر ابن کثیر) اور ان قصوں سے یوں بھی تسلی ہوتی ہے کہ جیسے دین پر مضبوط رہنے پر آخرت میں وہ بڑھے رہیں گے جس کی خبر کئی قصوں کے بعد اس ارشاد میں دی گئی ہے۔ یقیناً نیک انجامی متقیوں ہی کیلئے ہے (سورۂ ہود) اسی طرح ہم بھی اس بڑھے رہنے کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جو لوگ متقی ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ (کی حالت) میں ہوں گے (سورۂ بقرہ)

(۱۲) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص (ہمیشہ کے لیے) کوئی طریقہ اختیار کرنے والا ہو اس کو چاہیئے کہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو گذر چکے ہیں۔ کیونکہ زندہ آدمی پر تو بچل جانے کا بھی شبہ ہے (اس لیے زندہ آدمی کا طریقہ اسی وقت اختیار کیا جا سکتا ہے جب تک وہ راہ پر رہے) یہ لوگ جن کا ہمیشہ کے لیے طریقہ لیا جا سکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں (اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ) جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق وعادات کو مد نظر بناؤ۔ (رزین) (جمع الفوائد)

ف اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے اخلاق وعادات کا اختیار کرنا تب ہی ممکن ہے جب ان کے واقعات معلوم ہوں، تو ایسی کتابوں کا پڑھنا سننا ضروری ٹھہرا۔

(۱۳) جس طرح قرآن مجید میں حضرات انبیاء، و علماء، و اولیاء، کے قصے بہ مصلحت ان کی پیروی کرنے کے مذکور ہیں (جو اس ارشاد میں مذکور ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ) اسی طرح حدیثوں میں بھی ان مقبولین کے قصے بکثرت مذکور ہیں۔ چنانچہ حدیث کی اکثر کتابوں میں "کتاب القصص" ایک مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی ایسے قصوں کا مفید اور قابل اشتغال ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے بزرگوں نے ہمیشہ ایسے قصوں کی کتابیں لکھنے کا اہتمام رکھا ہے اب میں ایسی چند کتابوں کے نام تبلاتا ہوں کہ ان کو پڑھا کریں یا سُنا کریں اگر سُنانے والا عالم مِل جاوے تو سبحان اللہ! ورنہ جو مِل جاوے۔

(۱) تاریخ حبیبُ اللہ (۲) نشر الطیب (۳) مغازی الرسول (۴) قصص الانبیاء۔
(۵) مجموعۂ فتوح الشام والمصر والعجم (۶) فتوح العراق (۷) فتوحات بھنسا۔
(۸) فردوس آسیہ (۹) حکایات الصالحین (۱۰) تذکرۃ الاولیاء۔ (۱۱) انوار المحسنین (۱۲) نزہتہ البساتین (۱۳) امداد المشتاق (۱۴) نیک بیبیاں۔

نوٹ: ان میں ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ میں بعض مضامین اور ۱۴ کا حصہ ملفوظات عام لوگوں کی سمجھ میں شاید نہ آویں وُہ ان سے اپنا ذہن خالی رکھیں۔

(اشرف علی عفی عنہ، تھانوی)

رُوح ہشتم

سیرتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

جو شعر ہٰذا کا مصداق ہے ؎

فتوح فی فتوح فی فتوح ۔ در روح فوق رُوح فوق روح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کو اپنے دل میں جمانا جس سے آپ کی محبت بھی بڑھے اور جس سے ان عادات کو اختیار کرنے کا بھی شوق ہو۔ اب چند آتیں اور حدیثیں اس باب کی لکھتا ہوں۔

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں (سورۃ نون)

(۲) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری (سب کی) مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں (بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ تو بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔ (سورۃ توبہ)

(۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، سو وُہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اُٹھ کر چلے جاؤ) اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتے۔ (سورۃ احزاب)

ف کیا انتہا ہے آپ کی مروّت کی کہ اپنے غلاموں کو بھی یہ فرماتے ہوئے شرماتے تھے کہ اب اپنے کاموں میں لگو اور یہ لحاظ اپنے ذاتی معاملات میں تھا۔ اور احکام الٰہی کی تبلیغ میں نہ تھا۔ یہ آیتیں تھیں آگے حدیثیں ہیں۔

(۱) حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس

عہ اور یہ مضمون اگرچہ رُوحِ ہفتم کے دوسرے حصّے کا تتمہ ہے مگر ایک تو وُہ حصّہ خود ہی مستقل تھا دوسرے یہ تتمہ بوجہ شاندار ہونے کے مثل مستقل کے ہے اس لیے اس کو جداگانہ نمبر بنایا گیا ۱۲

خدمت کی آپ نے کبھی مجھ کو اُف بھی نہ کہا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلاناکام کیوں کیا اور فلانا کام کیوں نہیں کیا۔ (بخاری ومسلم)

ف۔ ہر وقت کے خادم کو دس برس کے عرصے تک ہوں سے ہاں نہ فرمانا یہ معمولی بات نہیں کیا اتنے عرصہ تک کوئی بات بھی خلاف مزاج لطیف نہ ہوئی ہو گی۔

(ع۲) ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر خوش خلق تھے آپ نے مجھ کو ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا، میں نے کہا میں تو نہیں جاتا، اور دل میں یہ تھا کہ جہاں حکم دیا ہے وہاں جاؤں گا (یہ بچپن کا اثر تھا) میں وہاں سے چلا تو بازار میں چند کھیلنے والے لڑکوں پر گذرا، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے (آکر) میری گردن پکڑ لی، میں نے آپ کو دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا تم تو جہاں میں نے کہا تھا جا رہے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جا رہا ہوں (مسلم)

(ع۳) ان ہی سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ کے بدن پر ایک نجران کا بنا ہوا موٹی کنی کا چادرہ تھا آپ کو ایک بدوی ملا اور اس نے آپ کو چادرہ پکڑ کر بڑی زور سے کھینچا اور آپ اس کے سینے کے قریب جا پہنچے پھر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے بھی اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو تمہارے پاس ہے، آپ نے اس کی طرف التفات فرمایا، پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطا فرمانے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

(ع۴) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس پر آپ نے یہ فرمایا ہو کہ نہیں دیتا، (اگر ہوا دے دیا ورنہ اس وقت معذرت اور دوسرے وقت کے لیے وعدہ فرما لیا) (بخاری ومسلم)

(ع۵) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریاں مانگیں جو (آپ ہی کی تھیں، اور) دو پہاڑوں کے درمیان پھر رہی تھیں، آپ نے اس کو سب دے دیں، وہ اپنی قوم میں آیا، اور کہنے لگا اے قوم! مسلمان ہو جاؤ! واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوب دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے سے بھی اندیشہ نہیں کرتے۔ (مسلم)

(ع۶) حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے، جب کہ آپ مقام حنین سے واپس ہو رہے تھے آپ کو بدوی لوگ لپٹ گئے

اور آپ سے مانگ رہے تھے یہاں تک کہ آپ کو ایک ببول کے درخت سے اڑا دیا اور آپ کا چادرہ بھی چھین لیا آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرا چادرہ تو دے دو! اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں سب تم میں تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا، نہ تھوڑے دل کا۔ (بخاری)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ چکتے، مدینے (والوں) کے غلام اپنے برتن لاتے جن میں پانی ہوتا تھا، سو جو برتن بھی پیش کرتے آپ (برکت کے لیے) اس میں اپنا دستِ مبارک ڈال دیتے، بعض اوقات سردی کی صبح ہوتی، جب بھی اپنا دستِ مبارک اس میں ڈال دیتے۔ (مسلم)

(۸) ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مزاج نہ تھے اور نہ کوسنا دینے والے تھے کوئی بات عتاب کی ہوتی تو یوں فرماتے فلانے شخص کو کیا ہو گیا اس کی پیشانی کو خاک لگ جاوے (جس سے کوئی تکلیف ہی نہیں، خصوص اگر سجدے میں لگ جاوے تب تو یہ دُعا ہے نمازی ہونے کی۔ اور نماز میں خاصیت ہے بُری باتوں سے روکنے کی تو یہ اصلاح کی دُعا ہوئی) (بخاری)

(۹) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شرمگین تھے کہ کنواری لڑکی جیسے اپنے پردے میں ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ، سو جب کوئی بات ناگوار دیکھتے تو شرم کے سبب زبان سے نہ فرماتے مگر (ہم لوگ اس کا اثر آپ کے چہرۂ مبارک میں دیکھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰) حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے (جس کی مثالیں اگلی حدیث میں آتی ہیں۔ (بخاری)

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کر لیتے تھے جس طرح تم میں معمولی آدمی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا کہ آپ منجملہ بشر کے ایک بشر تھے (گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے) اپنے کپڑے میں جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ شاید کسی کی چڑھ

گئی ہو، کیونکہ آپ اس سے پاک تھے) اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ (یہ مثالیں ہیں گھر کے کام کی، کیونکہ رواج میں یہ کام گھر والوں کے کرنے کے ہوتے ہیں) اور اپنا ذاتی کام بھی کر لیتے تھے۔ (ترمذی)

(۱۲) حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، ہاں راہِ خدا میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے (مراد وہ مارنا ہے جیسے غصے کے جوش میں عادت ہے) اور آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جس میں آپ نے اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو، البتہ اگر کوئی شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرتا تو اس وقت آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔ (مسلم)

(۱۳) حضرت انس رض سے روایت ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا، اس وقت آپ کی خدمت میں آگیا تھا، اور دس برس تک میں نے آپ کی خدمت کی۔ میرے ہاتھوں کوئی نقصان بھی ہو گیا تو آپ نے کبھی ملامت نہیں کی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت بھی کی تو آپ فرماتے جانے دو، اگر کوئی دوسری بات مقدر ہوتی تو وہی ہوتی (مصابیح بلفظہ وبیہقی مع تغییر یسیر)

(۱۴) حضرت انس رض سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے تھے کہ آپ مریض کی بیمار پرسی فرماتے تھے اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے الخ (ابن ماجہ وبیہقی)

(۱۵) حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ فرماتے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے خود نہ نکالتے تھے، یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکال لیتا تھا اور نہ اپنا منہ اس کے منہ کی طرف سے پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہ ہی اپنا منہ آپ کی طرف سے پھیر لیتا تھا، اور آپ کبھی اپنے پاس بیٹھنے والے کے سامنے اپنے زانو کو بڑھاتے ہوئے نہیں دیکھے گئے (بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھتے تھے۔ ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ زانو سے مراد پاؤں ہو یعنی آپ کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے تھے (ترمذی)

(۱۶ و ۱۷) شمائل ترمذی باب تواضع و باب خلق میں دو لمبی حدیثیں ہیں ان میں سے بعضے جملے نقل کرتا ہوں، حضرت حسین رض اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو مکان میں رہنے کے وقت کو تین

حصّوں پر تقسیم فرماتے، ایک حصّہ اللہ عزّوجل کی عبادت کیلیے اور ایک حصّہ اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے اور ایک حصّہ اپنی ذات خاص کے لیے، پھر اپنے خاص حصّہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان اس طرح پر تقسیم فرماتے کہ اس حصّہ کے برکات) کو اپنے خاص اصحاب کے ذریعے سے عام لوگوں تک پہنچاتے (یعنی اس حصّہ میں خاص حضرات کو استفادہ کے لیے اجازت تھی۔ پھر وہ عام لوگوں تک ان علوم کو پہنچاتے) اور اس مذکورہ حصّہ امت میں آپ کی عادت یہ تھی کہ اہل فضل (یعنی اہل علم وعمل) کو (حاضری) کی اجازت دینے میں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان پر بقدر اُن کی دینی فضیلت کے تقسیم کرتے تھے۔ کیونکہ کسی کو ایک ضرورت ہوتی کسی کو دو ضرورتیں ہوئیں کسی کو کئی ضرورتیں ہوئیں۔ آپ (اسی نسبت سے ان کے ساتھ مشغول ہوتے اور ان کو بھی ایسے کام میں مشغول رکھتے جس میں اُن کی اور امت کی مصلحت ہو۔ جیسے مسئلہ پوچھنا اور مناسب حالات کی اطلاع دینا اور آپ کے سب طالب ہو کر آتے، اور (علاوہ علمی فوائد کے کچھ کھاپی کر واپس جاتے اور دین کے ہادی بن کر نکلتے (یہ رنگ تھا مجلس خاص کا) پھر میں نے اپنے باپ سے آپ کے باہر تشریف لانے کی بابت پوچھا انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی جس کو میں ان ہی کی دوسری حدیث سے نقل کرتا ہوں۔ حضرت علی رضؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کشادہ رو، نرم خو، نرم مزاج تھے۔ آپ کے سامنے لوگ آپس میں جھگڑتے نہ تھے اور جب آپ کے رُوبرو کوئی بات کرتا، اس کے فارغ ہونے تک آپ خاموش رہتے اور آپ پردیسی آدمی کی گفتگو اور سوال میں بے تمیزی کرنے پر تحمل فرماتے تھے، اور کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے، یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا تب اس کو کاٹ دیتے، خواہ منع فرما کر یا اُٹھ کر چلے جانے سے (یہ رنگ تھا مجلس عام کا) یہ برتاؤ تو اپنے تعلق والوں سے تھا، اور مخالفین کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا بھی کچھ بیان کرتا ہوں۔

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ کسی موقع پر آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین پر بددُعا کیجیے! آپ نے فرمایا میں کوسنے والا کر کے نہیں بھیجا گیا، میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم)

ف اس لیے آپ کی عادت دشمنوں کے لیے بھی دُعائے خیر ہی کرنے کی تھی اور کبھی کبھار

اپنے مالک حقیقی سے فریاد کے طور پر کچھ کہہ دینا کہ ان کی شرارت سے آپ کی حفاظت فرمادے یہ اور بات ہے

(۱۹) حضرت عائشہؓ سے ایک لمبا قصہ طائف کا منقول ہے جس میں آپ کو کفار کے ہاتھ سے اس قدر اذیت پہنچی جس کو آپ نے جنگ اُحد کی تکلیف سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہے، اس وقت جبرئیلؑ نے آپ کو پہاڑوں کے فرشتہ سے ملایا اور اس نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھ کو حکم دیں، اگر آپ چاہیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ان لوگوں پر لا ملاؤں (جس میں یہ سب پس جاویں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ (شاید) اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (بخاری و مسلم)

ف۔ دیکھیے اگر اس وقت ہاتھ سے بدلہ لینے کا موقع نہ تھا تو زبان سے کہنا تو آسان تھا خصوص جب آپ کو یہ یقین بھی دلا دیا گیا کہ زبان ہلاتے ہی سب تہس نہس کر دیئے جائیں گے۔ مگر آپ نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا۔ یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا جو آپ کے مدِ مقابل تھے، لیعنے مخالفین آپ کے رعایا تھے جن پر باضابطہ بھی قدرت تھی، ان کے ساتھ بھی برتاؤ سُنیے۔

(۲۰) حضرت علی رضہ سے ایک لمبا قصہ منقول ہے جس میں کسی یہودی کا جو کہ مسلمانوں کی رعیت ہو کر مدینے میں آباد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے کچھ قرض تھا اور اس نے ایک بار آپ کو اسقدر تنگ کیا کہ ظہر سے اگلے دن صبح تک آپ کو مسجد سے گھر بھی نہیں جانے دیا، لوگوں کے دھمکانے پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو معاہد اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی قصے میں ہے کہ جب دن چڑھا تو یہودی نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ بھی کہا کہ میں نے یہ سب اس لیے کیا تھا کہ آپ کی صفت جو توراۃ میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ کے بیٹے ہیں، آپ کی پیدائش مکہ میں ہے اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے اور سلطنت شام میں ہوگی (چنانچہ بعد میں ہوئی) اور آپ نہ سخت خو ہیں نہ درشت مزاج، نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے ہیں اور نہ بیحیائی کا کام نہ بے حیائی کی بات آپ کی وضع ہے مجھ کو اس کا دیکھنا تھا کہ دیکھوں آپ ویسے ہیں یا نہیں؟ سو دیکھ لیا، آپ وہی ہیں! اشهد ان لا الٰه الا الله واشهد انك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الخ (بیہقی) بجز دو حدیثوں کے جن میں شمائل کا نام ہے باقی سب حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

مشورہ: اگر ان ہی تھوڑی سی حدیثوں کو روزمرہ ایک ہی بار پڑھ لیا کرو یا سُن لیا کرو تو پھر دیکھو گے تم کیسی جلدی

روح نہم

مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کر ادا کرنا

آیت (۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ایمان والے رسب آپس میں ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں۔ رآگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیئے۔ رآگے ارشاد ہے) اور عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیئے، ریعنی جس سے دوسرے کی تحقیر ہو، آگے فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو! کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں، اور رکسی کے عیب کا) سراغ مت لگایا کرو! اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

حدیث (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کو (بلا وجہ) بُرا بھلا کہنا، بڑا گناہ ہے، اور ان سے (بلا وجہ) لڑنا (قریب) کفر کے) ہے۔ (بخاری و مسلم)

ر۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص (لوگوں کے عیوب پر نظر کر کے اور اپنے کو عیوب سے بَری سمجھ کر بطور شکایت کے) یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے، تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے (کہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے) (مسلم)

ر۳) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے چغل خور (قانوناً بدون سزا) جنت میں نہ جاوے گا۔ (بخاری و مسلم)

ر۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے جو دو رُویہ ہو، یعنی جو ایسا ہو کہ ان کے منہ پر ان جیسا، اُن کے منہ پر اُن جیسا۔ (بخاری و مسلم)

ر۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلعم خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ) اپنے بھائی (مسلمان) کا ایسے طور پر ذکر کرنا کہ اگر اس کو خبر

ہو تو) اس کو ناگوار ہو، عرض کیا گیا کہ یہ تبلائیے کہ اگر میرے (اس) بھائی میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں (یعنی اگر میں سچی بُرائی کرتا ہوں) آپؐ نے فرمایا، اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے، تب تو تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تو کہتا ہے تو تُو نے اس پر بہتان باندھا۔ (مسلم)

(ع۶) حضرت سفیان بن اسد حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کو کوئی ایسی بات کہے کہ وہ اس میں تجھ کو سچا سمجھ رہا ہے اور تو اس میں جھوٹ کہہ رہا ہے (ابوداؤد)

(ع۷) حضرت معاذ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کو کسی گناہ سے عار دلاوے اس کو موت نہ آوے گی جب تک کہ وہ خود اس گناہ کو نہ کرے گا (یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے، اگر کسی خاص وجہ سے ظہور نہ ہو اور بات ہے۔ اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے کا کچھ ڈر نہیں۔ (ترمذی)

(ع۸) حضرت واثلہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی (کسی دُنیوی یا دینی بُری) حالت پر خوشی مت ظاہر کر کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمادے اور تجھ کو مبتلا کر دے۔ (ترمذی)

(ع۹) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضؓ اور حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندگانِ خدا میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں الخ (احمد و بیہقی)

(ع۱۰) حضرت ابن عباس رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے نہ (خواہ مخواہ) بحث کیا کر! اور نہ اس سے (ایسی) دل لگی کر (جو اس کو ناگوار ہو) اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جس کو تو نہ پورا کرے (ترمذی)

ف۔ البتہ اگر کسی عذر کے سبب پورا نہ کر سکے تو معذور ہے۔ چنانچہ زید بن ارقم رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس وقت وعدہ پورا کرنے کی نیت تھی مگر وعدہ پورا نہیں کر سکا۔ اور (اگر آنے کا وعدہ تھا تو) وقت پر نہ آسکا (اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی عذر کے سبب ایسا ہو گیا)، تو اس پر گناہ نہ ہو گا (ابوداؤد و ترمذی)

(۱۱) عیاض مجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے، اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے، (کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے) (مسلم)

(۱۲) حضرت جریر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری ومسلم)

(۱۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور غریبوں کے کاموں میں سعی کرے وہ (ثواب میں) اس شخص کے مثل ہے جو جہاد میں سعی کرے۔ (بخاری ومسلم)

(۱۴) حضرت سہل بن سعد رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کو اپنے ذمے رکھے، خواہ وہ یتیم اس کا (کچھ لگتا) ہو اور خواہ غیر کا ہو، ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا، اور دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی کر دیا (کیونکہ نبی اور غیر نبی میں فرق تو ضروری ہے۔ مگر حضورؐ کے ساتھ جنت میں رہنا کیا تھوڑی بات ہے) (بخاری)

(۱۵) حضرت نعمان بن بشیر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی محبت اور باہمی شفقت میں ایسا دیکھو گے جیسے (جاندار) بدن ہوتا ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بیماری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۱۶) حضرت ابوموسیٰ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کے پاس کوئی سائل یا کوئی صاحب حاجت آتا تو آپ (صحابہؓ سے) فرماتے کہ تم سفارش کر دیا کرو تم کو ثواب ملے گا! اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے حکم دیدے (یعنی میری زبان سے وہی نکلے گا جو اللہ تعالیٰ کو دلوانا ہوگا۔ مگر تم کو مفت کا ثواب مل جاوے گا۔ (اور یہ اس وقت ہے جب جس سے سفارش کی جاوے اس کو گرانی نہ ہو، جیسا یہاں حضور صلعم نے خود فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

(۱۷) حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو خواہ

وُہ مظلوم ہو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کردوں مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو ظلم سے روک دے۔ یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔ (بخاری ومسلم)

(۱۸) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی سختی دُور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دُور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری ومسلم)

(۱۹) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا: آدمی کے لیے یہ شر کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے (یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور کوئی شر کی بات نہ ہو تب بھی اس میں شر کی کمی نہیں) مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو (یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز اور نہ اس کے مال کا نقصان کرنا اور نہ اس کی آبرو کو کوئی صدمہ پہنچانا، مثلاً اس کا عیب کھولنا، اس کی غیبت کرنا وغیرہ) (مسلم)

(۲۰) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بندہ (پورا) ایماندار نہیں بنتا یہاں تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری ومسلم)

(۲۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ جاوے گا جس کا پڑوسی اس کے خطرات سے مطمئن نہ ہو (یعنی اس سے اندیشہ ضرر کا لگا رہے) (مسلم)

(۲۲) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے اور بُرے کام سے منع نہ کرے (کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر

اس کو دین کی باتیں تبلا دیا کرے، مگر نرمی اور تہذیب سے (ترمذی)

(۲۳) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہو اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی، حالانکہ اس کی حمایت پر قادر تھا، تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرماوے گا۔ (شرح السنہ)

(۲۴) حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی کا) کوئی عیب دیکھے، پھر اس کو چھپالے (یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے وہ (ثواب میں) ایسا ہو گا جیسے کسی نے زندہ درگور لڑکی کی جان بچالی (کہ قبر سے اس کو زندہ نکال لیا (احمد و ترمذی)

(۲۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے، پس اگر اس (اپنے بھائی) میں کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے اس طرح) دور کردے (جیسے آئینہ داغ دھبہ چہرے کا اس طرح صاف کردیتا ہے کہ صرف عیب والے پر تو ظاہر کردیتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا، اسی طرح اس شخص کو چاہیئے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کردے فضیحت نہ کرے (ترمذی)

(۲۶) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبے پر رکھو! (یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو۔ سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو۔ (ابوداؤد)

(۲۷) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے، وہ شخص (پورا) ایماندار نہیں جو خود اپنا پیٹ بھرلے اور اس کا پڑوسی اُس کے برابر میں بھوکا رہے (بیہقی)

(۲۸) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن الفت (اور لگاؤ) کا محل اور خانہ ہے، اور اس شخص میں خیر نہیں جو کسی سے نہ خود الفت رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے (یعنی سب سے روکھا اور الگ رہے، کسی سے میل ہی نہ ہو، باقی دین کی حفاظت کے لیے کسی سے تعلق نہ رکھنا، یا کم رکھنا، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (احمد بیہقی)

(۲۹) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری امت

میں سے کسی کی حاجت پوری کرے صرف اس نیت سے کہ اس کو مسرور (اور خوش) کرے سو اس شخص نے مجھ کو مسرور کیا اور جس نے مجھ کو مسرور کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مسرور کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرما دے گا۔ (بیہقی)

(۳۰) نیز حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی پریشان حال آدمی کی امداد کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر مغفرت لکھے گا جن میں ایک مغفرت تو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کے لیے کافی ہے اور بہتر مغفرت قیامت کے دن اس کے لیے درجات ہو جاویں گے۔ (بیہقی)

(۳۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی مسلمان اپنے بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے یا ویسے ہی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بھی پاکیزہ ہے اور تیرا چلنا بھی پاکیزہ ہے، تو نے جنت میں اپنا مقام بنا لیا ہے (ترمذی)

(۳۲) حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کر دے، اس طرح سے کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر کو منہ پھیر لے اور وہ اُدھر کو منہ پھیر لے اور ان دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کر لے۔ (بخاری و مسلم)

(۳۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی مخفی حالت کی کرید مت کرو۔ نہ اچھی حالت کی نہ بُری حالت کی اور نہ دھوکہ دینے کو کسی چیز کے دام بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو نہ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے غیبت کرو، اور اے اللہ کے بندو سب بھائی بھائی ہو کر رہو۔ اور ایک روایت میں ہے نہ ایک دوسرے پر رشک کرو۔ (بخاری و مسلم)

(۳۴) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے حقوق مسلمان پر چھ ہیں (اس وقت ان ہی چھ کے ذکر کا موقع تھا) عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلعم وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا (۱) جب اس سے ملا کر اس کو سلام کر

(۲) اور جب وہ تجھ کو بُلا دے تو قبول کر۔

(۳) اور جب وہ تجھ سے خیر خواہی چاہے اس کی خیر خواہی کر۔

(۴) اور جب چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہہ۔
(۵) اور جب بیمار ہو جاوے اس کی عیادت کر۔
(۶) اور جب مرجاوے اس کے جنازہ کے ساتھ جا۔ (مسلم)

(ع۳۵) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچاوے اس کے ساتھ فریب کرے (ترمذی) یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں) یہ تو عام مسلمانوں کے کثیرالوقوع حقوق ہیں اور خاص اسباب سے اور خاص حالات سے خاص حقوق بھی ہیں جن کو میں نے بقدرِ ضرورت رسالہ حقوق الاسلام میں لکھ دیا ہے۔ سب کے ادا کی خوب کوشش رکھو کیونکہ اس میں بہت بے پروائی ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق بخشے (آمین)

رُوحِ دہم

اپنی جان کے حقوق ادا کرنا

جس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے جو ہم کو بطور امانت دے رکھی ہے اس لیے اس کے حکم کے موافق اُس کی حفاظت ہمارے ذمے ہے اور اس کی حفاظت ایک یہ ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کرے۔ دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کرے تیسرے اس کی جمعیت کی حفاظت کرے۔ یعنی اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام نہ کرے جس میں جان میں پریشانی پیدا ہو جاوے، کیونکہ ان چیزوں میں خلل آجانے سے دین کے کاموں کی ہمت نہیں رہتی۔ نیز دوسرے حاجتمندوں کی خدمت اور امداد نہیں کر سکتا۔ نیز کبھی کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

آیت ۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا: جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے (شعراء)

ف اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان (دشمنوں) کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔ (انفال)

ف۔ اس میں قوت کی حفاظت کا حکم ہے۔ مسلم بن عقبہ بن عامر کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے، اور اس کو قوت اس لیے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانے کا ہتھیار تھا، اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں اور اس مضمون کا بقیہ حدیث ۱۳ کے ذیل میں آئے گا۔

(۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا۔ (بنی اسرائیل: ۱۶)

ف مال کی تنگی سے جان میں پریشانی ہوتی ہے، اس پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور جن امور سے اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو جاوے ان سے بچنے کا تو اور زیادہ حکم ہو گا۔

اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ آگے حدیثیں ہیں۔

(حدیث۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شب بیداری اور نفل روزے میں زیادتی کی ممانعت میں فرمایا کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری ومسلم)

ف۔ مطلب یہ کہ زیادہ محنت کرنے سے، اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہوجائے گی اور آنکھیں آشوب کر آئیں گی۔

(حدیث۲) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں کثرت سے لوگ ٹوٹے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے جس سے دینی نفع ہو) ایک صحت دوسرے بے فکری۔ (بخاری)

ف اس سے صحت اور بے فکری کا ایسی نعمت ہونا معلوم ہوا کہ ان سے دین میں مدد ملتی ہے اور بے فکری اس وقت ہوتی ہے کہ کافی مال پاس ہو اور کوئی پریشانی بھی نہ ہو، تو اس سے افلاس اور پریشانی سے بچے رہنے کی کوشش کرنے کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہوا۔

(حدیث۳) حضرت عمرو بن میمون ازدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان کو دین کے کاموں کا ذریعہ بنالو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے (غنیمت سمجھو) اور صحت کو بیماری سے پہلے اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بے فکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے (ترمذی)

ف معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت و قوت ہوتی ہے، وہ اور بے فکری اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

(حدیث۴) حضرت عبیداللہ بن محصن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کے لیے ساری دنیا سمیٹ کر دیدی گئی۔ (ترمذی)

ف اس سے بھی صحت اور امن و عافیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔
(۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حلال دنیا کو اس لیے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے، اور اپنے اہل وعیال کے (ادائے حقوق کے لیے) کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا، الخ (بیہقی و ابونعیم)

ف معلوم ہوا کہ کسب مال کی بقدر ضرورت دین بچانے کے لیے اور ادائے حقوق کے لیے بڑی فضیلت ہے، اس سے جمعیت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔
(۶) حضرت ابوذر رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دنیا کی بے رغبتی (جس کا کہ حکم ہے) نہ حلال کو حرام کرنے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے الخ (ترمذی و ابن ماجہ)

ف اس حدیث میں صاف برائی ہے مال کے برباد کرنے کی کیونکہ اس سے جمعیت جاتی رہتی ہے۔
(۷) حضرت ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو! (ابوداؤد)

ف۔ اس میں صاف حکم ہے تحصیل صحت کا۔
(۸) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے، اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں، سو اگر معدہ درست ہوا تو وہ رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوا تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان و بیہقی)

ف اس میں معدے کی خاص رعایت کا ارشاد ہے۔
(۹) حضرت ام منذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضؓ سے فرمایا یہ (کھجور) مت کھاؤ! تم کو نقاہت ہے! پھر میں نے چقندر اور جو تیار کیا۔ آپ نے فرمایا اے علی رضؓ اس میں سے لو وہ تمہارے موافق ہے (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

ف اس حدیث سے بدپرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضر صحت ہے۔

(۱۰) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے تھے اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے، وہ بھوک بُری ہم خواب ہے الخ (ابو داؤد ونسائی وابن ماجہ)

ف۔ مرقاۃ میں طیبی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اُس سے قوی ضعیف ہوجاتے ہیں، اور دماغ پریشان ہوجاتا ہے، اس سے صحت و قوت وجمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ زیادہ بھوک سے یہ سب فوت ہوجاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آتی ہے اُس سے بھوک اور بیماری کا مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔

(۱۱) حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ تیراندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو (ترمذی وابن ماجہ وابوداؤد و دارمی)

ف۔ سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔

(۱۲) ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ جس نے تیراندازی سیکھی پھر چھوڑدی، وُہ ہم میں سے نہیں، یا یوں فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

ف۔ اس سے کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے قوت کی حفاظت کی، اور اس کے فوت ہونے کا بیان آیت ۳ کے ذیل میں گذرچکا ہے، اور ان دو حدیثوں کے اس مضمون کا بقیہ اگلی حدیث کے ذیل میں آتا ہے۔

(۱۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں سب میں خوبی ہے الخ (مسلم)

ف۔ جب قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا۔ اس میں غذا کا بہت کم کردینا، نیند کا بہت کم کردینا، ہم بستری میں حدِ قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہوجاوے، یا بدپرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جاوے، یا جلدی نہ جاوے، یہ سب داخل ہوگئے۔ ان سب سے بچنا چاہیئے۔ اسی طرح قوت بڑھانے میں

ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے، ان کی مشق کرنا، یہ سب داخل ہے۔ مگر حدِ شرع و حدِ قانون سے باہر نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے جمعیت و راحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے، برباد ہوتی ہے۔

(۱۴) حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے، وہ اُن کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں، اور تین سوار قافلہ ہے۔ (مالک و ترمذی و ابو داؤد و نسائی)

ف۔ یہ اس وقت تھا جب کہ اکیلے دُکیلے کو دُشمن کا خطرہ تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

(۱۵) حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اُترتے تو گھاٹیوں میں اور نشیبی میدانوں میں متفرق ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیبی میدانوں میں متفرق ہو جانا، یہ شیطان کی طرف سے ہے) اس لیے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو) سو اس کے بعد جس منزل پر اُترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آجاوے۔ (ابو داؤد)

ف اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

(۱۶) حضرت ابو السائبؒ حضرت ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو! مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا، اور گھر کو چلا۔ لمبی حدیث ہے۔ (مسلم)

ف۔ جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لیے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

(۱۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ بدر کے دن تین تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے اور حضرت ابو لبابہؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریکِ سواری تھے، جب حضورِ اقدسؐ کے چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے کہ ہم آپؐ کی

طرف سے پیادہ چلیں گے۔ آپ فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں، (یعنی پیادہ چلنے میں جو ثواب ہے اس کی مجھ کو بھی حاجت ہے۔ شرح السنۃ)

ف۔ اس سے ثابت ہوا کہ پیادہ چلنے کی بھی عادت رکھے زیادہ آرام طلب نہ ہو۔

(۱۸) حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں (ابوداؤد)۔

ف۔ اس میں بھی وہی بات ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی اور ننگے پاؤں چلنا اس سے زیادہ۔

(۱۹) حضرت ابن ابی حدرد رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی سے گذر کرو اور موٹا چلن رکھو اور ننگے پاؤں چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر و اوسط)

ف۔ اس میں کئی مصلحتیں ہیں مضبوطی و جفاکشی و آزادی۔

(۲۰) حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیا مراد ہے فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو سہار نہ سکے اس کا سامنا کرے (تیسیر از ترمذی)

ف۔ وجہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے اس میں تمام وہ کام آگئے جو اپنے قابو کے نہ ہوں بلکہ اگر کسی مخالف کی طرف سے بھی کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعے سے اس کی مدافعت کرو خواہ وہ خود انتظام کر دیں خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں۔ اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو اور پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔ یہ تین آیتیں ہیں اور بیس حدیثیں جن میں بجز دو اخیر کے کل ان کے ساتھ کتاب کا نام لکھا

(نوٹ الف) ان آیات واحادیث سے صحت وقوت وجمعیت یعنی امن وعافیت وراحت کا مطلوب ہونا صاف ظاہر ہے جس کی تقریر جا بجا کر دی گئی ہے۔

(نوٹ ب) جو افعال ان مقاصد مذکورہ میں خلل انداز ہوں اگر وہ مقاصد واجب ہوں اور خلل یقینی اور شدید ہے تو وہ افعال حرام ہیں ورنہ مکروہ۔

(نوٹ ج) اگر بدون بندہ کے اختیار کے محض منجانب اللہ ایسے واقعات پیش آجاویں جن سے یہ مقاصد صحت وقوت وطمانیت وغیرہ برباد ہو جاویں تو پھر ان مصائب پر ثواب ملتا ہے اور مدد غیبی بھی ہوتی ہے پریشانی نہیں ہوتی اسلئے ان پر صبر کرے اور خوش رہے، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سب کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے جس سے قرآن اور حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

رُوحِ یازدہم

نماز کی پابندی کرنا

کچھ آیتیں اور زیادہ حدیثیں اس بارے میں نقل کرتا ہوں!

(آیت۱) خدا تعالیٰ نے ڈرنے والے کی صفات میں فرمایا۔

اور وُہ لوگ نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (شروع سُورۂ بقرہ)

ف اس میں اچھی طرح پڑھنا اور وقت پر پڑھنا اور ہمیشہ پڑھنا سب آگیا۔

(۲) اور نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو! (ربع الٓمٓ)

ف ایسے الفاظ سے نماز کا حکم قرآن مجید میں بہت ہی کثرت سے جابجا آیا ہے۔

(۳) اے ایمان والو! (طبیعتوں میں سے غم ہلکا کرنے کے بارے میں صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) لو! (شروع سیقول)

ف اس میں نماز کی ایک خاصیت مذکور ہے جس کی ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے۔

(۴) محافظت کرو سب نمازوں کی (اور اسی کے اخیر میں فرمایا) پھر اگر تم کو (باقاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا) اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے (جسطرح بن سکے، خواہ قبلے کی طرف منہ نہ ہو اور گو رکوع اور سجدہ صرف اشارہ ہی سے ممکن ہو) پڑھ لیا کرو! (اس حالت میں بھی اس پر محافظت رکھو، اس کو ترک مت کرو (قریب ختم سیقول)

ف غور کرو کس قدر تاکید ہے نماز کی، کہ ایسی سخت حالت میں بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

(۵) اگر دشمن کے مقابلہ کے موقع پر اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جاویں گے تو دشمن موقع پاکر حملہ کر بیٹھے گا) تو ایسی (حالت میں) یوں چاہیئے کہ (جماعت کے) دو گروہ ہو جاویں پھر) ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ (جب آپ تشریف رکھتے تھے اور آپ کے بعد جو امام ہو اس کے ساتھ نماز میں) کھڑا ہو جاوے (اور دوسرا گروہ نگہبانی کے لیے دشمن کے مقابل کھڑا ہو جاتے تاکہ دشمن کو دیکھتا رہے۔ آگے ارشاد ہے کہ) پھر جب یہ لوگ (آپ کے ساتھ) سجدہ کر چکیں (یعنی ایک ہی رکعت پوری کرلیں) تو یہ لوگ (نگہبانی کیلئے)

آپ کے پیچھے ہو جائیں تو دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی (یعنی شروع بھی نہیں کی، وہ بجائے اس پہلے گروہ کے امام کے قریب آجاوے) اور آپ کے ساتھ نماز (کی ایک رکعت جو باقی رہی ہے اس کو) پڑھ لے (یہ تو ایک ایک رکعت ہوئی اور دوسری رکعت اس طرح پڑھیں گے کہ جب امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو دونوں گروہ اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لیں۔ اور اگر امام چار رکعت پڑھے، تو ہر گروہ کو دو رکعت پڑھا دے اور دو دو اپنے طور پر پڑھ لیں۔ اور مغرب میں ایک گروہ کو دو رکعت پڑھا دے، اور ایک گروہ کو ایک رکعت)

ف غور کرو نماز کس درجہ ضروری چیز ہے کہ ایسی کشاکشی میں بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مگر ہماری مصلحت کے لیے اس کی صورت بدل دی۔

(۶) اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو (آگے وضو اور غسل کا حکم ہے پھر ارشاد ہے کہ) اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو، آگے اور عذروں کا بیان ہے، جن میں پانی نہ ملنے کی بھی ایک صورت ہے) تو (ان سب میں) تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو (شروع سورۃ مائدہ)

ف۔ دیکھو اگر بیماری میں پانی سے نقصان ہو یا پانی نہ ملتا ہو تب تو وضو اور غسل کی جگہ تیمم ہو گیا، ایسے ہی نماز میں آسانی ہو گئی کہ اگر کھڑا ہونا مشکل ہو تو بیٹھنا جائز ہو گیا، اگر بیٹھنے سے بھی تکلیف ہو تو لیٹنا جائز ہو گیا، لیکن نماز معاف نہیں ہوئی۔

(۷) (شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ میں یہ بھی فرمایا) اور (شیطان یوں چاہتا ہے کہ اس شراب اور جوئے کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے (جو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کا سب سے افضل طریقہ ہے) تم کو باز رکھے۔ (شروع وَاِذَا سَمِعُوا)

ف۔ دیکھو نماز کی کس قدر شان ظاہر ہوتی ہے کہ جو چیز اس سے روکنے والی تھی، اس کو حرام کر دیا تاکہ نماز میں خلل نہ ہو۔

(۸) ایک ایسی جماعت کے بارہ میں جنہوں نے ہر طرح سے اسلام کو ضرر اور اہل اسلام کو اذیت پہنچائی تھی ارشاد ہے کہ) اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں (یعنی مسلمان ہو جائیں) اور اس اسلام کو ظاہر بھی کر دیں مثلاً نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں، وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور پچھلا کیا ہوا سب معاف ہو جائے گا۔ (شروع سورۃ برأۃ)

ف۔ اس آیت میں نماز کو اسلام کی علامت فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کافر کو کسی نے کلمہ

پڑھتے نہ سُنا ہو۔ مگر نماز پڑھتے دیکھے تو سب علماء کے نزدیک واجب ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں۔ اور زکوٰۃ کی کوئی خاص صورت نہیں، اس لیے وُہ اس درجے کی علامت نہیں۔

(۹) (ایک جماعت انبیا کا ذکر فرما کر ان کے بعد کے ناخلف لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ) ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا (اس سے تھوڑا آگے فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے (مراد عذاب ہے) (قریب ختم سورۂ مریم)

ف۔ دیکھو نماز کے ضائع کرنے والوں کے لیے عذاب کی کیسی وعید سُنائی ؟

(۱۰) اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہیئے (آخر سورۂ طٰہٰ)

ف۔ یہ حکم ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکہ دوسرے سننے والے سمجھیں کہ جب آپ کو نماز معاف نہیں تو اوروں کو تو کیسے معاف ہو سکتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا جیسا خود پابند رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید رکھنا ضروری ہے اور بہت آیتیں ہیں اس وقت ان ہی پر کفایت کی گئی۔

(احادیث) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتلاؤ تو اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو اور اس میں وُہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کیا کرے تو کیا اس کا کچھ میل کچیل باقی رہ سکتا ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی میل کچیل نہ رہے گا آپ نے فرمایا کہ یہی حالت ہے پانچوں نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب گناہوں کو مٹا دیتا ہے (بخاری و مسلم)

ف۔ اس سے کتنی بڑی فضیلت نماز کی ثابت ہوتی ہے اور مسلم کی ایک حدیث میں اجتناب کبائر کو شرط فرمایا ہے۔ مگر یہ کیا تھوڑی دولت ہے ؟

(۲) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان بس ترک نماز کی کسر ہے، جب ترک نماز کیا وہ کسر مٹ گئی اور کفر آ گیا، چاہے بندہ کے اندر نہ آوے، پاس ہی آ جاوے مگر دوری تو نہ رہی (مسلم)

ف دیکھو نماز چھوڑنے پر کتنی بڑی وعید ہے کہ وہ بندہ کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز کا ذکر فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس پر محافظت رکھے، وہ قیامت کے روز اس کے لیے روشنی اور دستاویز اور نجات ہو گی اور جو شخص اس پر محافظت نہ کرے وُہ

اس کے لیے نہ روشنی ہو گی اور نہ دستاویز اور نہ نجات، اور وہ شخص قیامت کے دن قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (یعنی دوزخ میں اگرچہ اُن کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ رہے مگر ان کے ساتھ ہونا ہی بڑی سخت بات ہے (احمد و دارمی و بیہقی شعب الایمان)

(۴) حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان جو ایک عہد کی چیز (یعنی عہد کا سبب) ہے وُہ نماز ہے۔ پس جس شخص نے اس کو ترک کر دیا وُہ (برتاؤ کے حق میں) کافر ہو گیا (یعنی ہم اس کے ساتھ کافروں کا برتاؤ کریں گے کیونکہ اور کوئی علامت اس میں اسلام کی نہیں پائی جاتی، کیونکہ وضع، لباس وگفتگو سب مشترک تھے۔ تو ہم کافر ہی سمجھیں گے) (احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ)

ف اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ ترک نماز بھی ایک علامت ہے کفر کی گو کوئی دوسری اسلامی علامت ہونے سے ترک نماز سے کافر نہ سمجھیں، مگر کفر کی کسی علامت کو اختیار کرنا کیا تھوڑی بات ہے؟

(۵) حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے، اور ان کے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز کی تاکید کرو جب وُہ سات برس کے ہوں، اور اس پر ان کو مارو جب وُہ دس برس کے ہوں۔ (ابوداؤد) یہ حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں)

(۶) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ دو شخص قبیلہ خزاعہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہوتے ان میں ایک شہید ہو گیا اور دوسرا برس روز پیچھے (موت طبعی سے مرا۔ حضرت طلحہ بن عبداللہؓ کہتے ہیں میں نے پیچھے مرنے والے کو (خواب میں) دیکھا کہ اس شہید سے پہلے جنت میں داخل کیا گیا، مجھ کو بہت تعجب ہوا۔ صبح کو میں نے اس کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس (مرنے والے) نے اس (شہید) کے بعد رمضان کے روزے نہیں رکھے اور برس روز تک ہزاروں رکعتیں پڑھیں (اگر صرف فرض وواجب وسنت مؤکدہ ہی لی جاویں تو دس ہزار رکعت کے قریب ہوتی ہیں یعنی اس لیے وُہ شہید سے بڑھ گیا۔ (احمد وابن ماجہ وابن حبان و بیہقی)

ف۔ ابن ماجہ وابن حبان نے اتنا اور زیادہ روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کے درجوں میں اتنا فرق ہے کہ آسمان وزمین کے فاصلے سے بھی زیادہ۔ فقط اور

ظاہر ہے کہ زیادہ دخل اس فضیلت میں نماز ہی کو ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی کثرت کا بیان بھی فرمایا تو نماز ایسی چیز ٹھہری کہ اس کی بدولت شہید سے بھی بڑا رتبہ مل جاتا ہے۔

(۷) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے وُہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے۔ (دارمی)

ف نماز ہی کا نام لینا صاف تبلا رہا ہے کہ وُہ سب عبادات سے بڑھ کر جنت میں لے جانے والی ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن قرطؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اوّل جس چیز کا بندہ سے قیامت میں حساب ہوگا وُہ نماز ہے اگر وہ ٹھیک اتری تو اس کے سارے عمل ٹھیک اتریں گے، اور اگر وہ خراب نکلی تو اس کے سارے عمل خراب نکلیں گے (طبرانی اوسط)

ف۔ معلوم ہوتا ہے نماز کی برکت سب عبادات میں اثر کرتی ہے، اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی بڑا عمل ہونے کی۔

(۹) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں یہ بھی) فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اس کے پاس دین نہیں۔ نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مُردہ ہے اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں (طبرانی اوسط وصغیر)

ف جس چیز پر دین کا اتنا بڑا دارومدار ہو اس کو چھوڑ کر کسی نیک عمل کو کافی سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے۔

(۱۰) حضرت حنظلہؓ کاتب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے جو شخص پانچ نمازوں کی محافظت کرے یعنی ان کے رکوع کی بھی ان کے سجدہ کی بھی اور ان کے وقتوں کی بھی (یعنی ان میں کوئی کوتاہی نہ کرے) اور اس کا اعتقاد رکھے کہ سب نمازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہیں تو وُہ جنت میں داخل ہوگا۔ یا فرمایا کہ جنت اس کے لیے واجب ہوگی یا یہ فرمایا کہ وُہ دوزخ پر حرام ہو جاوے گا۔ (ان سب کا ایک ہی مطلب ہے

(احمد)

یہ حدیثیں ترغیب میں ہیں، یہ دس آیتیں اور دس حدیثیں سب مل کر بیس ہوئیں۔

اے مسلمانو! اتنی آیتیں حدیثیں سُن کر بھی نماز کی پابندی نہ کرو گے؟

رُوحِ دوازدھم

مسجد بنانا

(اس میں اس کے بنانے میں مدد مال سے یا جان سے اور اس کے لیے زمین دینا اُس کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کرنا سب آگیا) اور اس کے حقوق ادا کرنا (ان حقوق میں یہ سب باتیں آگئیں، یعنی ۱ اس میں نماز پڑھنا خاص کر جماعت کے ساتھ ۲ اس کو صاف رکھنا ۳ ادب کرنا ۴ اسکی خدمت کرنا ۵ وہاں کثرت سے حاضر رہنا (اس کے متعلق کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔)

(آیات ۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا، جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا ذکر (اور عبادت) کیے جانے سے بندش کرے، اور اُن کے ویران ہونے میں کوشش کرے

(۲) ہاں اللہ کی مسجدوں کو حقیقۃً آباد کرنا، ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز کی پابندی کرتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرتے ہوں، سو ایسے لوگوں کے لیے توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود (یعنی جنت ونجات تک پہنچ جاویں (توبہ)

ف اس آیت میں مسجد کے آباد کرنے والے کے لیے خوش خبری ہے ایمان اور جنت کی چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا خیال رکھتا ہے (اس میں اس کی خدمت کا خیال اور وہاں حاضر باشی کا خیال سب آگیا) تو تم لوگ اس کے ایمان کی گواہی دے دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ الآیۃ (یہ وہی آیت ہے جس کا ترجمہ ابھی لکھا گیا (مشکوٰۃ ترمذی وابن ماجہ ودارمی)

(۳) وہ (اہل ہدایت) ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاوے (نور)

ف مراد ان گھروں سے مسجدیں ہیں اور ان کا ادب یہ ہے جو آگے حدیثوں میں آتا ہے۔

(احادیث ۱) حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی مسجد بنائے جس سے مقصود خدا تعالیٰ کو خوش کرتا ہو (اور کوئی بڑی غرض نہ ہو) اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی کی مثل (اس کا گھر جنت میں بنا دے گا (بخاری و مسلم)

ف۔ اس حدیث سے نیت کی درستی کی تاکید بھی معلوم ہوئی اور اگر نئی مسجد نہ بنا دے بلکہ بنی ہوئی کی مرمت کر دے اس کا ثواب بھی اس سے معلوم ہوا۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ نے مسجدِ نبوی کی مرمت کر کے یہ حدیث بیان کی تھی اور دوسری حدیثوں سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جو شخص کوئی مسجد بنا دے (بنانے میں مال خرچ کرنا، یا جان خرچ کرنا دونوں آ گئے۔) چنانچہ جمع الفوائد میں رزین سے حضرت ابو سعید کی روایت آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے بننے کے وقت خود کچی اینٹیں اٹھا رہے تھے) خواہ وہ قطاۃ پرندہ کے گھونسلے کی برابر ہو یا اس سے بھی چھوٹی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیگا۔ (ابن خزیمہ و ابن حبان)

ف۔ اس حدیث میں بنتی ہوئی مسجد میں چندہ دینے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔ کیونکہ گھونسلے کی برابر بنانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ پوری مسجد نہیں بنا سکا اس کے بننے میں تھوڑی سی شرکت کر لی جس سے اس کی رقم کے مقابلہ میں اس مسجد کا اتنا ذرا سا حصہ آ گیا۔ اور سا اوپر کی حدیث میں جو آیا ہے کہ اس کی مثل جنت میں گھر بنے گا، اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ اس صورت میں گھونسلہ کے برابر گھر بن جاوے گا کیونکہ مثل کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے بڑے ہونے میں اس کی مثل ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسا اس شخص کا اخلاص ہوگا، اس کی مثل گھر بنے گا لیکن لمبائی چوڑائی میں بہت بڑا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنا دے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں) ایک گھر بنا دے گا جو اس سے بہت لمبا چوڑا ہوگا۔ (احمد)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عبادت کے لیے حلال مال سے کوئی عمارت (یعنی مسجد) بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں موتی اور یاقوت کا گھر بنا دے گا (طبرانی اوسط)

ف۔ یہ بھی مسجد کا ادب ہے کہ اس میں حرام مال نہ لگا دے، خواہ وہ حرام روپیہ پیسہ ہو خواہ ملبہ

خواہ زمین ہو، جیسا بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ دوسرے زمیندار کی زمین میں بدون اس کی اجازت کے مسجد بنا لیتے ہیں پھر اُس کے روک ٹوک کرنے پر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس کو اسلام کی بڑی طرفداری و خدمت سمجھتے ہیں، خاص کر اگر زمیندار غیر مسلم ہو تب تو اس کو کفر و اسلام کا مقابلہ سمجھتے ہیں، سو خوب سمجھ لو کہ اس زمین میں جو مسجد بنائی جاوے وہ شرع سے مسجد ہی نہیں ہے۔ البتہ زمیندار کی خوشی سے اپنی مِلک کرا کر پھر اس میں مسجد بنا لے۔

(۳) حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام عورت تھی (شاید حبشن ہو) جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، ایک رات وُہ مر گئی، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا تم نے مجھ کو اس کی خبر کیوں نہ کی؟ پھر آپ صحابہؓ کو لے کر باہر تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس پر تکبیر فرمائی (مراد نماز جنازہ ہے) اور اس کے لیے دعا فرمائی پھر واپس تشریف لے آئے (ابن ماجہ و ابن خزیمہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا تو نے کس عمل کو زیادہ فضیلت کا پایا؟ اس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو (ابو الشیخ اصبہانی)

ف۔ دیکھئے مسجد میں جھاڑو دینے کی بدولت ایک غریب گمنام حبشن جس کی مسکنت و گمنامی کے سبب اس کی وفات کی بھی اطلاع حضور اقدس صلعم کو نہیں کی گئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بڑی قدر فرمائی کہ اس کی وفات کی خبر نہ دینے کی شکایت بھی فرمائی پھر قبر پر تشریف لے گئے اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھی، اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور اس کے لیے دُعا فرمائی، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر خود اس نے اس عمل کی کتنی بڑی فضیلت بیان کی، افسوس اب مسجد میں جھاڑو دینے کو لوگ عیب اور ذلت سمجھتے ہیں

(۴) حضرت ابو قرصافہ رضؓ سے ایک بڑی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے کوڑا کباڑ نکالنا بڑی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے (طبرانی کبیر)

(۵) حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد میں سے ایسی چیز باہر کر دی جس سے تکلیف ہوتی تھی (جیسے کوڑا کباڑ کانٹا اصلی فرش سے الگ کنکر پتھر) اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔ (ابن ماجہ)

(۶) حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلہ محلہ میں مسجدیں

بنانے کا اور ان کو پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا (احمد و ترمذی و ابوداؤد، ابن ماجہ و ابن خزیمہ)

ف پاک رکھنا یہ کہ اس میں کوئی ناپاک آدمی یا ناپاک کپڑا یا ناپاک تیل وغیرہ نہ جانے پائے اور صاف رکھنا یہ کہ اس میں سے کوڑا کباڑ نکالتے رہیں۔

(۷) حضرت واثلہ بن الاسقع سے ایک بڑی حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدوں کو جمعہ جمعہ (خوشبو کی) دھونی دیا کرو! (ابن ماجہ و کبیر طبرانی)

ف۔ جمعہ کی قید نہیں، صرف یہ مصلحت ہے کہ اس روز نمازی زیادہ ہوتے ہیں جن میں ہر طرح کے آدمی ہوتے ہیں کبھی دھونی دیدینا یا اور کسی طرح خوشبو لگا دینا، چھڑک دینا سب برابر ہے۔

(۸) حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں خرید و فروخت کر رہا ہے تو یوں کہہ دیا کرو اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے! اور جب ایسے شخص کو دیکھو کہ کھوئی ہوئی چیز کو مسجد میں پکار پکار کر تلاش کر رہا ہے تو یوں کہہ دو کہ خدائے تعالیٰ تیرے پاس وہ چیز نہ پہنچاوے! (ترمذی ونسائی وابن خزیمہ وحاکم)

اور ایک روایت میں یہ بھی ارشاد ہے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔

(مسلم وابوداؤد وابن ماجہ)

ف۔ مراد اس چیز کا تلاش کرنا ہے جو باہر کھو گئی، اور مسجد میں اسلیے پکار رہا ہے کہ مختلف لوگوں کا مجمع ہے شاید کوئی پتہ دیدے، اور یہ بد دُعا دینا تنبیہ کے لیے ہے، لیکن اگر لڑائی دنگے کا ڈر ہو تو دل میں کہہ لے، اس حدیث میں باطنی ادب مسجد کا مذکور ہے کہ وہاں دُنیا کے کام نہ کرے۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چند امور ہیں جو مسجد میں مناسب نہیں، اس کو رستہ نہ بنایا جائے (جیسا بعض لوگ چکر سے بچنے کے لیے مسجد کے اندر سے ہو کر دوسری طرف نکل جاتے ہیں، اور اس میں ہتھیار نہ سوتے جائیں اور نہ اس میں کمان کھینچی جاوے، اور نہ اس میں تیروں کو بکھیرا جاوے (تاکہ کسی کو چبھ نہ جاویں) اور نہ کچا گوشت لے کر اس میں سے گذرے اور نہ اس میں کسی کو سزا دی جاوے اور نہ اس

میں کسی سے بدلہ لیا جاوے (جس کو شرع میں حدود قصاص کہتے ہیں اور نہ اس کو بازار بنایا جاوے (ابن ماجہ)

ف یہ سب باتیں مسجد کے آداب کے خلاف ہیں۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب اخیر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی باتیں مسجدوں میں ہوا کریں گی، اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ پرواہ نہ ہوگی (یعنی اُن سے خوش نہ ہوگا) (ابن حبان)

ف دنیا کی باتیں کرنا بھی مسجد کی بے ادبی ہے۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت کے لیے مسجد کی طرف چلے تو اس کا ایک قدم ایک گناہ کو مٹاتا ہے اور ایک قدم اس کے لیے نیکی لکھتا ہے۔ جاتے میں بھی لوٹتے میں بھی۔ (احمد وطبرانی و ابن حبان)

ف کیا ٹھکانا ہے رحمت کا کہ جاتے ہوئے تو ثواب ملتا ہے، لوٹتے میں بھی ویسا ہی ثواب ملتا ہے

(۱۲) حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے، وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص رات کی اندھیری میں مسجد کی طرف چلے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز نور کے ساتھ ملے گا۔ (طبرانی)

(۱۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس روز سوائے اس کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہو (بخاری ومسلم وغیرہما)

(۱۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم ان بدبودار ترکاریوں سے (یعنی پیاز لہسن سے جیسا اور حدیثوں میں آیا ہے) بچو کہ ان کو کھا کر ہماری مسجدوں میں آؤ۔ اگر تم کو اُن کے کھانے کی ضرورت ہے تو اُن کی بدبو کو آگ سے مارو (یعنی پکا کر کھاؤ، کچی کھا کر مسجد میں نہ آؤ (طبرانی)

(۱۵) حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے، وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف جائے اور اس کا ارادہ صرف یہ ہو کہ کوئی اچھی بات (یعنی دین کی بات) سیکھے یا سکھائے اس کو حج کرنے والے کے برابر پورا ثواب ملے گا (طبرانی)

ف اس سے معلوم ہوا کہ مسجد جیسے نماز کے لیے ہے ایسے ہی علم دین سیکھنے سکھانے کے لیے بھی ہے سو مسجد میں ایسے شخص کو رہنا چاہیئے، جو دین کی باتیں بتلایا کرے۔ یہ سب حدیثیں ترغیب سے لی گئی ہیں۔ بجز دو حدیثوں کے کہ اس میں مشکوٰۃ و جمع الفوائد کا نام لکھ دیا ہے۔

دستور العمل جو ان سب آیات اور احادیث سے ثابت ہوا یہ ہے:

(ا) کہ ہر بڑی چھوٹی بستی میں وہاں کی ضرورت کے موافق مسجد بنانا چاہیئے۔

(ب) مگر وہ حلال مال سے اور حلال زمین میں ہو

(ج) مسجد کا ادب کرے یعنی اس کو پاک صاف رکھے، اس میں جھاڑو دیا کرے اُس کی ضروری خدمت کا خیال رکھے، بدبودار چیز جیسے تمباکو وغیرہ کھا کر یا لے کر اس میں نہ جائے وہاں دنیا کا کوئی کام یا بات نہ کرے۔

(د) مردوں کو نماز مسجد میں پڑھنا چاہیئے اور بدون عذر شدید کے جماعت نہ چھوڑنا چاہیئے مسجد میں اور جماعت سے نماز پڑھنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ آپس میں تعلق بڑھے ایک کو دوسرے کا حال معلوم رہے۔ مالک کی حدیث سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضہ نے سلیمان بن ابی خیثمہ کو صبح کی نماز میں نہیں پایا حضرت عمر بازار تشریف لیگئے اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا، تو سلیمان کی ماں سے پوچھا۔ میں نے سلیمان کو صبح کی نماز میں نہیں دیکھا الخ اس حدیث کے ذیل میں علماء نے یہ فائدہ بھی ذکر کیا ہے:

(ھ) مسجد میں ایسے شخص کو رکھیں کہ وہ بستی والوں کو مسئلے مسائل بھی بتلاتا رہے۔

(و) جب فرصت ملا کرے مسجد میں جا کر بیٹھ جایا کرے مگر وہاں جا کر دین کے کاموں میں یا دین کی باتوں میں لگا رہے، اگر سب آدمی اس کی پابندی رکھیں تو علاوہ ثواب کے جماعت کو بھی قوت پہنچے۔ فقط۔

تنبیہ:۔ حدیثوں میں صاف آیا ہے کہ عورتوں کے لیے گھروں میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجدوں میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہے۔

رُوحِ سیزدھم

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

یعنی جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے رہنا۔ قرآن و حدیث میں اس کا حکم بھی آیا ہے اور فضیلت اور ثواب بھی، اور کچھ مشکل کام بھی نہیں، تو ایسے آسان کام میں بے پرواہی یا سستی کر کے حکم کے خلاف کرنا، اور اتنا بڑا ثواب کھو کر اپنا نقصان کرنا کیسی بیجا اور بُری بات ہے۔ پھر اللہ کا نام لیتے رہنے میں نہ کسی گنتی کی قید ہے اور نہ وقت کی، اور نہ تسبیح رکھنے کی، نہ پکار کر پڑھنے کی، نہ وضو کی نہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی نہ کسی خاص جگہ کی، نہ ایک جگہ بیٹھنے کی، ہر طرح سے آزادی اور اختیار ہے پھر کیا مشکل ہے؟ البتہ اگر کوئی اپنی خوشی سے تسبیح پر پڑھنا چاہیئے خواہ گنتی یاد رکھنے کے لیے یا اس لیے کہ تسبیح ہاتھ میں ہونے سے پڑھنے کا خیال آجاتا ہے خالی ہاتھ یاد نہیں رہتا تو اس مصلحت کیلئے تسبیح رکھنا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے اور اس کا خیال نہ کرے کہ تسبیح رکھنے سے دکھلاوا ہو جائے گا، دکھلاوا تو نیت سے ہوتا ہے یعنی جب یہ نیت ہو کہ دیکھنے والے مجھ کو بزرگ سمجھیں گے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو وہ دکھلاوا نہیں، اس کو دکھلاوا سمجھنا اور ایسے وہموں سے ذکر کو چھوڑ دینا، یہ شیطان کا دھوکا ہے۔ وہ اس طرح سے بہکا کر ثواب سے محروم رکھنا چاہتا ہے، اور وہ ایک دھوکا یہ بھی دیتا ہے کہ جب دل تو دنیا کے کام میں پھنسا رہا اور زبان سے اللہ کا نام لیتے رہے تو اس سے کیا فائدہ؟ سو خوب سمجھ لو کہ یہ بھی غلطی ہے۔ جب دل سے ایک دفعہ یہ نیت کر لی کہ ہم ثواب کے واسطے اللہ کا نام لینا شروع کرتے ہیں، اس کے بعد اگر دل دوسری طرف بھی ہو جاوے مگر نیت نہ بدلے، برابر ثواب ملتا رہے گا، البتہ جو وقت اور کاموں سے خالی ہو اس میں دل کو ذکر کی طرف متوجہ رکھنے کی بھی کوشش کرے۔ فضول قصوں کی طرف خیال نہ لے جاوے تاکہ اور زیادہ ثواب ہو۔ اب ذکر کے بارہ میں چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

(آیات ۱) پس تم مجھ کو یاد کرو میں (عنایت سے) تم کو یاد رکھوں گا۔ (بقرہ)

(۲) ایسے لوگ جو ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی (آل عمران)

(۳) اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر (خواہ) اپنے دل میں (یعنی آہستہ آواز سے) عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور (خواہ) زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ (اسی عاجزی اور خوف کے ساتھ) صبح اور شام (یعنی ہمیشہ) اور ہمیشہ کا مطلب یہ ہے کہ) غفلت والوں سے مت ہونا (اعراف)

ف اور بہت زور زور سے ذکر کرنا کوئی ثواب نہیں لیکن اگر کوئی بزرگ جو شریعت کے پابند ہوں علاج کے طور پر تبلادیں تو جائز ہے اور وہ علاج یہ ہے کہ اس سے بعضوں کے دل پر زیادہ اثر ہوتا ہے لیکن اس کا خیال رکھے کہ کسی کی عبادت یا کسی کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ نہیں تو گناہ ہوگا۔

(۴) (جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف رسائی دیتا ہے) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر میں ایسی ہی خاصیت ہے کہ اس سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے (اس طرح سے کہ اس سے حق تعالیٰ میں اور بندہ میں تعلق بڑھ جاتا ہے اور ایمان کی جڑ یہی تعلق ہے) (رعد)

(۵) (مسجدوں میں ایسے لوگ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ) ان کو نہ (کسی چیز کا) خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے اور نہ (کسی چیز کا) بیچنا، اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے) (نور)

(۶) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (یعنی اس میں بہت بڑی فضیلت ہے)۔ (عنکبوت)

(۷) اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو (احزاب)

(۸) اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں (منافقون)

(۹) اور اپنے رب کا نام لیتے رہو اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو جاؤ۔ الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علاقہ سب علاقوں پر غالب رہے۔ (مزمل)

(۱۰) مراد کو پہنچا جو شخص (برے عقیدوں اور برے اخلاق سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ (اعلیٰ)

(احادیث) (۱) حضرت ابوہریرہؓ و ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھیں، ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر خدا تعالیٰ کی رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر چین کی کیفیت اُترتی ہے۔ (مسلم)

(ع ۱۲) حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہو، اور جو شخص ذکر نہ کرتا ہو ان کی حالت زندہ اور مُردہ کی سی حالت ہے۔ (یعنی پہلا شخص مثل زندہ کے ہے، اور دوسرا مثل مُردہ کے کیونکہ رُوح کی زندگی یہی اللہ کی یاد ہے، یہ نہ ہو تو رُوح مُردہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

(ع ۱۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہیں اس کے (یعنی اپنے بندہ کے) ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، پھر اگر وہ اپنے جی میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے جی میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر ایسے مجمع میں کرتا ہوں جو اس مجمع سے بہتر ہوتا ہے (یعنی فرشتوں اور پیغمبروں کے مجمع میں (بخاری و مسلم)

ف۔ اللہ تعالیٰ کے جی کا یہ مطلب نہیں جیسا ہمارا جی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس یاد کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ جیسے دوسری حالت میں مجمع کو خبر ہو گئی اور وہاں کے مجمع کا یہاں کے مجمع سے اچھا ہونا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مجمع کے زیادہ شخص اس مجمع کے زیادہ شخصوں سے اچھے ہوتے ہیں یہ ضرور نہیں کہ ہر شخص ہر شخص سے اچھا ہو۔ سو اگر دنیا میں کوئی مجمع ذکر کا ایسا ہو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہوں، جیسا آپ کے زمانے میں تھا، تو کسی فرشتہ یا پیغمبر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم نہ آئے گا۔

(ع ۱۴) حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں میں گزرا کرو تو اس سے میوے منہ جھوٹ کھایا کرو! لوگوں نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ذکر کے حلقے اور مجمعے۔ (ترمذی)

(ع ۱۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی جگہ بیٹھے، جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا۔ اور جو شخص کسی جگہ لیٹے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے اللہ کی طرف سے اس پر گھاٹا ہوگا۔ (ابو داؤد)

ف۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی موقع اور کوئی حالت ذکر سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔

(۱۶) حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے شرعی اعمال مجھ پر بہت سے ہوگئے (مراد نفلی اعمال ہیں کیونکہ تاکیدی اعمال تو بہت نہیں ہیں مطلب یہ کہ ثواب کے اتنے کام ہیں کہ سب کا یاد رکھنا اور عمل کرنا مشکل ہے، اس لیے آپ مجھ کو کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے کہ اس کا پابند ہو جاؤں (اور وہ سب کے بدلے میں کافی ہو جاتے) آپ نے فرمایا (اس کی پابندی کر لو کہ) تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (یعنی چلتی رہے) (ترمذی و ابن ماجہ)

(۱۷) حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا بندوں میں سب سے افضل اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بزرگ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو مرد کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں، اور جو عورتیں (اسی طرح کثرت سے) ذکر کرنے والی ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے (کیا یہ) اس سے بھی (افضل ہے؟) آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص کفار و مشرکین میں اس قدر تلوار مارے کہ تلوار بھی ٹوٹ جائے اور یہ شخص بھی تمام خون میں (اپنے زخموں سے) رنگین ہو جائے، اللہ کا ذکر کرنے والا درجے میں اس سے بھی افضل ہے (احمد و ترمذی)

ف۔ وجہ ظاہر ہے کہ جہاد خود اللہ ہی کی یاد کے لیے مقرر ہوا ہے، جیسے وضو نماز کے لیے مقرر ہوا ہے (سورۃ حج) آیت الذین ان مکنّاھم فی الارض میں اس کا صاف ذکر ہے تو یاد اصل ہوئی اور اصل کا افضل ہونا ظاہر ہے۔

(۱۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ پیغمبر صلعم سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک قلعی ہے اور دلوں کی قلعی اللہ کا ذکر ہے (بیہقی)

(۱۹) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان آدمی کے قلب پر چپٹا بیٹھا رہتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب (یاد سے) غافل ہوتا ہے، وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔ (بخاری)

(۲۰) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر اللہ کے سوا بہت کلام مت کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے سوا بہت کلام کرنا قلب میں سختی پیدا کرتا ہے، اور سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ قلب ہے جس میں سختی ہو (ترمذی)

ف ۔ اخیر کی تین حدیثوں کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ اصل صفائی اچھے عملوں سے ہوتی ہے اور اصل سختی بُرے عملوں سے اور دونوں عملوں کی جڑ قلب کا ارادہ ہے اور ارادہ کی جڑ خیال ہے پس جب ذکر میں کمی ہوتی ہے شیطان بُرے بُرے خیال قلب میں پیدا کرتا ہے جس سے بُرے ارادوں کی نوبت آجاتی ہے اور نیک ارادوں کی ہمت نہیں رہتی پس نیک کام نہیں ہوتے اور بُرے ہونے لگتے ہیں اور جب ذکر کی کثرت ہوتی ہے تو بُرے خیال قلب میں پیدا نہیں ہوتے۔ پس بُرا ارادہ بھی نہیں ہوتا اور گناہ بھی نہیں ہوتے اور نیک کاموں کا ارادہ اور نیک کام ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے صفائی اور نزہت قلب میں پیدا ہو جاتی ہیں مگر یہ باتیں خود بخود نہیں ہوتیں، کرنے سے ہوتی ہیں سو اگر کوئی خالی ذکر کیا کرے اور نیک کاموں کے کرنے اور بُرے کاموں سے بچنے کا ارادہ اور ہمت نہ کرے وہ دھوکے میں ہے، یہاں تک کی حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

(۲۱) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہت لوگ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ کا ذکر کرتے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو اونچے اونچے درجوں میں داخل فرمائے گا۔ (ابن حبان)

ف ۔ یعنی کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب تک امیری سامان کو نہ چھوڑے ذکر اللہ سے نفع نہیں ہوتا۔

(۲۲) ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں (احمد و ابویعلیٰ و ابن حبان)

(۲۳) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا ذکر کرو کہ منافق (یعنی بددین لوگ تم کو ریاکار (مکّار) کہنے لگیں۔ (طبرانی)

(۲۴) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والوں کو کوئی حسرت نہ ہو گی۔ مگر جو گھڑی ان پر ایسی گذری ہو گی جس میں انہوں نے اللہ کا ذکر نہ کیا ہو گا، اس گھڑی پر ان کو حسرت ہوگی (طبرانی و بیہقی)

ف مگر اس حسرت میں دنیا کی سی تکلیف نہ ہو گی پس یہ شبہ نہ رہا کہ جنت میں تکلیف کیسی۔

(۲۵) حضرت عائشہؓ بنت ابی وقاص اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بی بی کے ہاں گئے، اور اس بی بی کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں

تھیں جن پر وہ سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہی تھیں الخ اور آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔
(ابو داؤد و ترمذی مع تحسین و نسائی و ابن حبان وحاکم مع تصحیح)

ف۔ یہ اصل ہے تسبیح پر گننے کی (کما قرر الشامی) یہ پانچ حدیثیں ترغیب کی ہیں۔ یہاں تک تو عام ذکر کا بیان تھا۔ بعضے خاص خاص ذکروں کا بھی ثواب آتا ہے ان میں سے بعضے آسان اور مختصر بطور نمونہ بتلاتا ہوں جیسے (۱) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا مع مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (ب) سُبْحَانَ اللّٰہِ (ج) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (د) اَللّٰہُ اَکْبَرُ (ھ) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (و) اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ (ز) درود شریف جو کسی طرح سے ہو ایک ہلکا سا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
(نسائی عن زید بن خارجہ)

خلاصہ یہ کہ ذکر سے غافل مت ہو، خواہ کوئی خاص ذکر کرو یا عام پھر خواہ ہر وقت ایک ہی یا کسی وقت کوئی کسی وقت کوئی، پھر خواہ بے گنتی خواہ انگلیوں یا تسبیح پر گنتی سے اور بعض دعائیں خاص وقتوں کی بھی ہیں اگر شوق ہو تو کسی دین دار عالم سے پوچھ لو، ورنہ نمونہ کے طور پر جو ابھی لکھ دی ہیں یہ بھی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے

(کتبہ اشرف علی عفی عنہ)

رُوح چہاردہم

مالداروں کو زکوٰۃ کی پابندی کرنا

یہ بھی مثل نماز کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے۔ بہت سی آیتوں میں زکوٰۃ دینے کا حکم اور اس کے دینے کا ثواب اور اس کے نہ دینے کا عذاب مذکور ہے اور زیادہ آیتیں ایسی ہیں جن میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ یہ سب آیتیں قرآن مجید میں آسانی سے مل سکتی ہیں اور جو شخص عربی نہ جانتا ہو اس کو ترجمہ والے قرآن میں مل سکتی ہیں اس لئے اس جگہ صرف حدیثیں لکھتا ہوں۔

(ع۱) حضرت ابو درداءؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا زکوٰۃ اسلام کا پل ہے یا بلند عمارت ہے (کہ اگر زکوٰۃ نہ دے تو اسلام پر چل نہیں سکتا۔ یا اسلام کے نیچے کے درجہ میں رہا۔ (طبرانی اوسط و کبیر)

ف اس سے زکوٰۃ کا کتنا بڑا درجہ ثابت ہوا، اور اس کے نہ دینے سے مسلمانی میں کتنا بڑا نقصان معلوم ہوا۔

(ع۲) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی اس سے اس کی بُرائی جاتی رہی (یعنی زکوٰۃ نہ دینے سے جو اس مال میں نحوست اور گندگی آجاتی وہ نہیں رہی (طبرانی اوسط و ابن خزیمہ صحیح)

ف۔ معلوم ہوا کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جاوے اس میں برکت نہیں رہتی اس کی کچھ تفصیل ع۱۳ و ع۱۴ میں آتی ہے۔

(ع۳) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے جو شخص تم میں اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے (طبرانی کبیر)

ف اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے سے ایمان میں کمی رہتی ہے۔

(ع۴) حضرت عبداللہ بن معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو کرے گا وہ ایمان کا ذائقہ چکھے گا، صرف اللہ کی عبادت

کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ ہر سال اس طرح دے کہ اس کا نفس اس پر خوش ہو اور اس پر آمادہ کرتا ہو (یعنی اس کو روکتا نہ ہو)

ف۔ زکوٰۃ کا مرتبہ تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس کو توحید کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس کا اثر اس سے ظاہر ہوا کہ اس سے ایمان کا مزہ بڑھ جاتا ہے۔

(ع۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص سونے کا رکھنے والا اور چاندی کا رکھنے والا ایسا نہیں جو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) نہ دیتا ہو مگر (اس کا حال یہ ہوگا) جب قیامت کا دن ہوگا اس شخص کے (عذاب کے لیے) اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان (تختیوں) کو جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا پھر ان سے اس کی کروٹ اور پیشانی اور پشت کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ (تختیاں) ٹھنڈی ہونے لگیں گی پھر دوبارہ ان کو تپا لیا جائے گا۔ (اور) یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی (یعنی قیامت کے دن کی الخ (بخاری و مسلم واللفظ لمسلم)

(ع۶) حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مالداروں پر ان کے مال میں اتنا حق (یعنی زکوٰۃ) فرض کیا ہے جو ان کے غریبوں کو کافی ہو جائے اور غریبوں کو بھوکے ننگے ہونے کی جب کبھی تکلیف ہوتی ہے مالداروں ہی کی اس (کرتوت) کی بدولت ہوتی ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سے (اس پر) سخت حساب لینے والا اور ان کو دردناک عذاب دینے والا ہے (طبرانی اوسط وصغیر)

ف ایک حدیث میں اس کی تفصیل میں یہ بھی ارشاد ہے کہ محتاج لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے مالداروں کی یہ شکایت کریں گے کہ ہمارے حقوق جو آپ نے ان پر فرض کیے تھے، انہوں نے ہم کو نہیں پہنچائے اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا، اپنی عزت وجلال کی قسم میں تم کو مقرب بناؤں گا اور ان کو دور کردوں گا۔ (طبرانی صغیر واوسط وابوالشیخ کتاب الثواب)

ع۵ وردی موقوفاً علی علی رضؓ وھو اشبہ لکنہ مرفوع حکماً ۱۲

(ے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم کو نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (مقبول) نہیں ہوتی (طبرانی و اصبھانی) اور ایک روایت میں ان کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرے، اور زکوٰۃ نہ دے وہ (پورا) مسلمان نہیں کہ اس کا نیک عمل اس کو نفع دے) (اصبھانی)

ف۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ نماز بھی چھوڑ دیں، اگر ایسا کریں گے تو اس کا عذاب الگ ہو گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی دینے لگیں۔

(۸) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے قیامت کے روز وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل بنا دیا جائے گا جس کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے (ایسا سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے) اور اس کے گلے میں طوق (یعنی ہنسلی) کی طرح ڈال دیا جائے گا، اور اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا جمع ہوں۔ پھر آپؐ نے (اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھی) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ (الآیۃ) اس آیت میں مال کے طوق بنائے جانے کا ذکر ہے (بخاری و نسائی)

(۹) حضرت عمارہ بن حزم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (علاوہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ پر ایمان لانے کے) اللہ تعالیٰ نے اسلام میں چار چیزیں اور فرض کی ہیں پس جو شخص ان میں سے تین کو ادا کرے تو وہ اس کو (پورا) کام نہ دیں گی۔ جب تک سب کو ادا نہ کرے نماز، زکوٰۃ اور رمضان کے روزے اور بیت اللہ شریف کا حج (احمد)

ف۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نماز، روزہ و حج سب کرتا ہو مگر زکوٰۃ نہ دیتا ہو وہ سب بھی اس کی نجات کے لیے کافی نہیں۔

(۱۰) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں جائے گا۔ (طبرانی صغیر)

(۱۱) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز تو سب کے سامنے ظاہر ہونے والی چیز ہے اس کو تو قبول کر لیا اور زکوٰۃ پوشیدہ چیز ہے اس کو خود کھالیا (حقداروں کو نہ دیا) ایسے لوگ منافق ہیں (بزار)

ف یعنی بعضے لوگ نماز اسی لیے پڑھتے ہیں کہ نہ پڑھیں گے تو سب کو خبر ہوگی اور زکوٰۃ اس لیے نہیں دیتے کہ اس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی اور منافق ایسا ہی کرتے تھے، ورنہ خدا کے حکم تو دونوں ہیں۔

(۱۲) حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ جس قوم نے زکوٰۃ دینا بند کر لیا اللہ تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کرتا ہے۔ اور ایک اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے۔ (طبرانی وحاکم وبیہقی)

(۱۳) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مال میں زکوٰۃ ملی ہوئی رہی وہ اس کو برباد کر دیتی ہے۔ (بزار وبیہقی)

ف۔ زکوٰۃ ملنا یہ کہ اس میں زکوٰۃ فرض ہو جائے اور نکالی نہ جاوے اور برباد ہونا یہ کہ وہ مال جاتا رہے یا اس کی برکت جاتی رہے جیسا اگلی حدیث میں مذکور ہے۔

(۱۴) حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مال خشکی یا دریا میں تلف ہوتا ہے، زکوٰۃ نہ دینے سے ہوتا ہے۔ (طبرانی اوسط)

ف۔ اور باوجود زکوٰۃ دینے کے شاذ و نادر تلف ہو جائے تو وہ حقیقت میں تلف نہیں ہے کیونکہ اس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ اور زکوٰۃ نہ دینے سے جو تلف ہوا وہ سزا ہے اس پر اجر کا وعدہ نہیں۔

(۱۵) حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ میں اور میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ہم سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے آپ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ ہم نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو اس سے ڈر نہیں لگتا کہ تم کو اللہ تعالیٰ آگ کے کنگن پہنا دے؟ اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو! (احمد بسند حسن) یہ سب روایتیں ترغیب وترہیب میں ہیں۔

ف۔ ان حدیثوں سے یہ امور ثابت ہوئے (ا) زکوٰۃ کی فرضیت اور فضیلت (ب) زکوٰۃ نہ دینے کا وبال اور عذاب دنیا میں تو مال کی بربادی یا بے برکتی اور آخرت میں دوزخ (ج) زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز و روزہ وغیرہ بھی مقبول نہ ہونا (د) زکوٰۃ نہ دینے والے کی حالت کا منافق کے مشابہ ہونا، جس کا بیان (۱۱) کے ذیل میں گزرا (ہ) زکوٰۃ کا حقوق العباد کے مشابہ ہونا جیسا کہ (۶) کے ذیل میں گزرا۔ اس سے اس کی تاکید دوسری عبادتوں

سے اور زیادہ بڑھ گئی۔ اب چند ضروری مضامین زکوٰۃ کے متعلق لکھتا ہوں۔

(پہلا مضمون) جن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے وہ کئی چیزیں ہیں۔ ایک چاندی سونا خواہ وہ روپیہ اشرفی ہو خواہ نوٹ کی شکل میں، پھر خواہ اپنے قبضے میں ہو خواہ کسی کے ذمے ادھار ہو، جس کا اپنے پاس ثبوت ہو، یا ادھار لینے والا اقراری ہو خواہ سونے چاندی کے برتن یا زیور یا مسچا گوٹہ ٹھپہ ہو اگر صرف چاندی کی چیزیں ہوں اور وزن میں ساڑھے چوّن روپے کی برابر ہو جاوے اور اگر چاندی کے ساتھ کچھ سونے کی بھی چیزیں ہوں اور سونے کے دام چاندی کے وزن کے ساتھ مل کر وہی ساڑھے چوّن روپے کے برابر ہو جاوے تو جس دن سے ان چیزوں کا مالک ہوا ہے اس دن سے اسلامی سال گذرنے پر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہوگی اور احتیاط یہ ہے کہ اگر پچاس روپے کے برابر بھی مالیت ہو تب بھی سوا روپیہ زکوٰۃ کا دیدے

اور دوسری چیز جس میں زکوٰۃ فرض ہے سوداگری کا مال ہے۔ جب وہ قیمت میں اتنے کا ہو جس کا ابھی بیان ہوا ہے اور اس کی قیمت کے مقدار سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اتنے زیور سے یا سوداگری کی اتنی مالیت سے بہت کم گھر خالی ہوں گے مگر وہ اس سے غافل ہیں سو اس کا ضرور خیال کرنا چاہیئے تیسری چیز ایسے اونٹ یا گائے یا بھینس یا بھیڑ بکریاں ہیں جن کو صرف دودھ اور بچے حاصل کرنے کے لئے پالا ہو اور وہ جنگل میں چرتے ہوں چونکہ اس ملک میں اس کا رواج کم ہے لہذا ان کی تعداد جس میں زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے نہیں لکھی گئی جس کو ضرورت ہو عالموں سے پوچھ لے۔ چوتھی چیز عشری زمین کی پیداوار ہے اس کے مسائل بھی عالموں سے پوچھ لئے جاویں۔ پانچویں چیز صدقہ فطر ہے جو عید کے دن زکوٰۃ والوں پر تو سب پر واجب ہے اور بعضے ایسے شخصوں پر بھی واجب ہے جن پر زکوٰۃ واجب نہیں اس کو بھی کسی عالم سے پوچھ لیں۔ یہ اپنی طرف سے! اور باپ نابالغ بچوں کی طرف سے بھی دینا چاہیئے۔

سب سے زیادہ زکوٰۃ کے حقدار اپنے غریب رشتہ دار ہیں خواہ بستی میں ہوں یا دوسری جگہ ان کے بعد اپنی بستی کے دوسرے غریب لیکن اگر دوسری بستی کے لوگ زیادہ غریب ہوں تو پھر ان ہی کا حق زیادہ ہے، مگر جن کو زکوٰۃ دینا ہو وہ نہ بنی ہاشم ہوں یعنی سید وغیرہ اور نہ زکوٰۃ دینے والے کے ماں باپ یا دادا دادی یا نانا نانی یا اولاد یا میاں بی بی لگتے ہوں، اور کفن یا مسجد میں لگانا بھی درست نہیں البتہ میت والے کو اگر دیدے تو درست ہے مگر پھر اس کو کفن میں لگانے نہ لگانے کا اختیار ہوگا اور اسی طرح ہر انجمن یا ہر مدرسے میں دینا

درست نہیں۔ جب تک مدرسے والوں یا انجمن والوں سے پوچھ نہ لے کہ تم زکوٰۃ کو کس طریقے سے خرچ کرتے ہو اور پھر کسی عالم سے پوچھ لے کہ اس طریقے سے خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔

مسلمانوں کی زیادہ پریشانی ظاہری و باطنی کا سبب افلاس ہے اور زکوٰۃ اس کا کافی علاج ہے۔ اگر مالدار فضول خرچی نہ کریں اور ہٹے کٹے مزدوری کرتے رہیں اور معذور لوگوں کی زکوٰۃ سے امداد ہوتی رہے تو مسلمانوں میں ایک بھی ننگا بھوکا نہ رہے۔

حدیث ۲۶ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں یہ مضمون صاف صاف مذکور ہے۔ فقط۔

رُوح پانزدھم

علاوہ زکوٰۃ کے اور نیک کاموں میں خرچ کرنا

اور ھمدردی کرنا

(یعنی زکوٰۃ دے کر بے فکر اور بے رحم نہ ہو جاوے کہ اب میرے ذمّے کسی کی کوئی ہمدردی لازم نہیں رہی۔ زکوٰۃ تو ایک بندھا ہوا حق ہے باقی بہت سے متفرق کام ایسے بھی ہیں کہ موقع پر ان میں مال خرچ کرنا، اور جس کے پاس مال نہ ہو یا اس میں مال کا کام نہ ہو تو جان سے مدد کرنا بھی ضروری ہے یا فی ضرورت کا درجہ، اس کی تحقیق علماء سے ہو سکتی ہے، اس کی اجمالی دلیل ایک آیت اور حدیث لکھ کر پھر کچھ تفصیل لکھی جاوے گی۔

اجمالی دلیل

(۱) حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی کچھ حقوق ہیں پھر (اس کی تائید میں) آپؐ نے یہ آیت پڑھی ا۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا الآیۃ (تا بعد اس طرح ہوئی کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا اور خاص خاص موقع پر مال دینے کا بھی ذکر فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ یہ مواقع مال دینے کے زکوٰۃ کے علاوہ ہیں) (ترمذی و ابن ماجہ و دارمی)

ف۔ یہ دعویٰ آیت اور حدیث دونوں سے ثابت ہو گیا۔ حاشیہ میں طیبی و مرقاۃ سے اس کی تفصیل کی کچھ مثالیں لکھی ہیں۔ یعنی یہ کہ سائل کو اور قرض مانگنے والے کو محروم نہ کرے۔ برتنے کی چیز مانگی دینے سے انکار نہ کرے، پانی، نمک، آگ وغیرہ خفیف چیزیں ویسے ہی دیدے، آگے آیتوں اور حدیثوں سے زیادہ تفصیل معلوم ہو گی۔

تفصیلی دلیلیں

(آیاتؐ) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں (سیقول قریب نصف)

(۳) کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا (یعنی اچھے اخلاص کے ساتھ الخ
سیقول قریب ختم)

(۴) تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے، اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔ (لن تنالوا شروع)

(۵) وہ جنت تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے، ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں (لن تنالوا بعد ربع)

(۶) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی (یعتذرون ربع اوّل)

(۷) اور جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان (اللہ کی راہ میں) ان کو طے کرنے پڑے، یہ سب ان کے نام لکھا گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اُن کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ (یعتذرون ربع اوّل)

(۸) اور قرابتدار کو اس کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی (پارہ پندرہ ربع اوّل)

(۹) اور جو چیز تم خرچ کرو گے سو وہ اس کا عوض دے گا۔ (ومن یقنت بعد نصف)

(۱۰) اور وہ لوگ خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (پارہ ۲۹ سورہ دہر)

ف اور بھی بہت آیتیں ہیں جن میں زکوٰۃ کی قید نہیں، دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنے کا مضمون مذکور ہے، آگے احادیث ہیں۔

(۱۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بیٹے آدمؑ کے تو (نیک کام میں) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا (بخاری ومسلم)

(۱۲) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ حرص (حب مال) سے بچو! اس حرص نے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا (مسلم)

(۱۳) حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اپنی حیات میں ایک درہم خیرات کرنا مرنے کے وقت سو درہم کے خیرات کرنے سے بہتر ہے
(ابوداؤد)

(۱۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات

کرنے میں (حتی الامکان) جلدی کیا کرو! کیونکہ بلا اس سے آگے نہیں بڑھنے پاتی۔ بلکہ رُک جاتی ہے۔ (رزین)

ف۔ ثواب کے علاوہ یہ دنیا کا بھی فائدہ ہے۔

(۱۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک کھجور کی برابر پاک کمائی سے خیرات کرے گا، اور اللہ تعالیٰ پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے (داہنے ہاتھ کا مطلب اللہ ہی کو معلوم ہے) پھر اس کو بڑھاتا ہے جیسا تم میں کوئی اپنے بچھیڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی برابر ہوجاتا ہے (بخاری و مسلم)

(۱۶) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دیتا، (خواہ آمدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے، خواہ ثواب بڑھتا رہے (مسلم)

(۱۷) حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قسم کی بھلائی کو حقیر نہ سمجھنا، گو اتنی سہی کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے خندہ پیشانی سے مل لو۔ (مسلم)

(۱۸) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمے کچھ نہ کچھ صدقہ کرنا ضروری ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس (مال) موجود نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں سے کچھ محنت کرے (اور مال حاصل کرے) اپنے بھی کام میں لاوے اور صدقہ بھی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر (معذوری کی وجہ سے) یہ بھی نہ کرسکے، یا (اتفاق سے) ایسا نہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا تو کسی حاجت مند کی مدد کرے (یہ بھی صدقہ ہے) لوگوں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے آپ نے فرمایا کسی کو کوئی نیک بات بتلاوے! لوگوں نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے آپ نے فرمایا کسی کو شر نہ پہنچاوے، یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے (بخاری و مسلم)

ف۔ ان سب کو صدقہ اس وجہ سے فرمایا جیسا صدقہ سے خلق کو نفع پہنچتا ہے ان کاموں سے بھی نفع پہنچتا ہے ورنہ صدقہ کے اصلی معنی تو اللہ کی راہ میں کچھ مال دینے کے ہیں، اور نقصان نہ پہنچانے کو نفع پہنچانے میں داخل فرمانا کتنی بڑی رحمت ہے؟

(۱۹ و ۲۰) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ (لازم) ہے، دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے، یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے، کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جاوے) یہ بھی صدقہ ہے، جو قدم نماز کی طرف اٹھاوے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستے سے ہٹا دے یہ بھی صدقہ ہے (بخاری و مسلم)

ف۔ مسلم کی ایک دوسری حدیث میں اس کی شرح آئی ہے کہ (گنتی کے قابل) انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں جس شخص نے روزمرہ اتنی نیکیاں کریں اس نے اپنے کو دوزخ سے بچا لیا۔

(۲۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا صدقہ یہ ہے کہ کوئی اونٹنی دودھ والی کسی کو مانگی دے دی جاوے اور اسی طرح بکری دودھ والی کسی کو مانگی دے دی جاوے (اس طرح کہ وہ اس کا دودھ پیتا رہے۔ جب دودھ نہ رہے لوٹا دے) جو ایک برتن صبح کو بھر دیوے۔ ایک برتن شام کو بھر دیوے۔ (بخاری و مسلم)

(۲۲) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی درخت لگا دے یا کوئی کھیتی بو دے، پھر اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا چرندہ یا جانور کھاوے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابرؓ سے ہے، کہ جو اس میں سے چوری ہو جاوے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

ف۔ حالانکہ مالک نے چور کو نفع پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا پھر بھی صدقے کا ثواب ملتا ہے کتنی بڑی رحمت ہے؟

(۲۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بدچلن عورت کی اس پر بخشش ہو گئی کہ اس کا ایک کتے پر گذر ہوا جو ایک کنویں کے کنارے زبان لٹکائے ہوئے تھا، پیاس سے ہلاک ہونے کو تھا، اس عورت نے اپنا چمڑہ کا موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھا اور اس کے لیے پانی نکالا اور اس کو پلایا) اس سے اسکی بخشش ہو گئی عرض کیا گیا کہ کیا ہم کو جانوروں (کی خدمت کرنے) میں بھی ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا جتنے تر کلیجے والے ہیں (یعنی جاندار ہیں) ان سب میں ثواب ہے۔ (بخاری و مسلم)

ف۔ مگر جو موذی جانور ہیں جیسے سانپ، بچھو، ان کا حکم بخاری ومسلم کی دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کو قتل کردو! (باب المحرم یجتنب الصید)

(۲۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمٰن کی عبادت کرو اور کھانا کھلایا کرو اور سلام کو عام کرو (یعنی ہر مسلمان کو سلام کرو خواہ اُس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

(۲۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اپنے بھائی (مسلمان) کا سامنا (یعنی ملاقات) ہو، اس وقت مسکرانا (جس سے وُہ سمجھے کہ مجھ سے مل کر اس کو خوشی ہوئی ہے) یہ بھی صدقہ ہے، اور کسی کو اچھی بات کا حکم کردینا اور بُری بات سے منع کردینا یہ بھی صدقہ ہے، اور راستہ بھول جانے کے مقام میں کسی کو راستہ تبلا دینا، یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے، اور کوئی پتھر، کانٹا، ہڈی راستے سے ہٹا دینا یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور اپنے ڈول سے اپنی بھائی کے ڈول میں (پانی) انڈیل دینا، یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے (ترمذی)

(۲۶) حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ام سعدؓ (یعنی میری والدہ) مرگئیں، سو کون سا صدقہ زیادہ فضیلت کا ہے (جس کا ثواب ان کو بخشوں) آپؐ نے فرمایا پانی، انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ (یعنی اس کا ثواب) امّ سعدؓ کے لیے ہے۔ (ابوداؤد ونسائی)

(۲۷) حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کو اس کے ننگے ہونے (یعنی کپڑا نہ ہونے) کی حالت میں کپڑا دے، اللہ تعالیٰ اُس کو جنت کے سبز کپڑے دے گا، اور جو مسلمان کسی مسلمان کو (اُس کے) بھوکے ہونے (یعنی کھانا نہ ہونے) کی حالت میں کھانا دے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل دے گا۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کے وقت پانی پلاوے، اللہ اس کو (جنت کی) مہر لگی ہوئی (یعنی نفیس) شراب سے پلاوے گا۔ (ابوداؤد ترمذی)

(۲۸) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات چیزیں ہیں جن کا ثواب بندہ کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور یہ قبر میں پڑا رہتا ہے۔ جس نے

علم دین سکھلایا، یا کوئی نہر کھودی یا کوئی کنواں کھدوایا، یا کوئی درخت لگایا، یا کوئی مسجد بنائی، یا کوئی قرآن چھوڑ گیا یا کوئی اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد بخشش کی دعا کرے (ترغیب از بزار و ابونعیم) اور ابن ماجہ نے بجائے درخت لگانے اور کنواں کھدوانے کے صدقہ کا اور مسافر خانہ کا ذکر کیا ہے (ترغیب) اس حدیث سے دینی مدرسہ کی اور رفاہِ عام کے کاموں کی بھی فضیلت ثابت ہوئی۔

(۲۹) حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ (مال) تقسیم فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلانے کو بھی دیجئے (حدیث کے اخیر میں ہے کہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (بعض اوقات) کسی شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، (مگر) اس اندیشہ سے (دیتا ہوں) کہ اس کو اگر نہ ملے تو وہ اسلام پر قائم نہ رہے، اور (اس وجہ سے) اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دے (کیونکہ بعضے نومسلم اوّل میں مضبوط نہیں ہوتے اور تکلیف کی سہار نہیں کر سکتے۔ ان کے اسلام سے پھر جانے کا شبہ رہتا ہے، تو ان کو آرام دینا ضروری ہے (عین مسلم)

ف۔ اس حدیث سے نومسلموں کی امداد کرنے کی اور ان کو آرام پہنچانے کی فضیلت ثابت ہوئی۔

(۳۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو سچا دین دے کر بھیجا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو عذاب نہ دے گا جس نے یتیم پر رحم کیا اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کی اور اس کی یتیمی اور بےچارگی پر ترس کھایا۔ (ترغیب از طبرانی)

ف اس حدیث سے یتیم خانوں کی امداد کی بھی فضیلت ہوئی۔

خلاصہ۔ یہ دس آیتیں اور بیس حدیثیں ہیں جو مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں بجز دو تین کے ان میں دوسری کتاب کا نام لکھ دیا ہے۔ ان سے بہت سے مواقع مخلوق کو نفع پہنچانے کے معلوم ہوئے۔ اور ایسے ہی اور بہت کام ہیں جو سب ایک آیت اور ایک حدیث میں جمع ہیں۔ آیت۔ (ایک دوسرے کی مدد کر دنیکی اور تقوی کے کاموں) میں (فائدہ) حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب آدمیوں سے زیادہ پیارا وہ ہے جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچا دے (ترغیب عن الاصبہانی) اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے

رُوح شانزدھم

مُلقّب بہ بابُ الریّان

روزے رکھنا خاص کر فرض روزے رمضان کے اور واجب روزے رکھنا۔ روزہ بھی مثل نماز وزکوٰۃ کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے۔ چنانچہ:

(ع۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے اور

(ع۲) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الخ یہ وُہ حدیث ہے جو روح چہارم کے ع۹ میں گذر چکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز وزکوٰۃ وحج سب کرتا ہو مگر روزہ نہ رکھتا ہو تو اس کی نجات کے لیے کافی نہیں، روزے میں ایک خاص بات ایسی ہے جو کسی عبادت میں نہیں، وُہ یہ ہے کہ چونکہ روزہ ہونے یا نہ ہونے کی بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو خبر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے روزہ وہی رکھے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو گا اور اگر فی الحال کچھ کمی بھی ہو گی تو تجربے سے ثابت ہے کہ محبت وعظمت کے کام کرنے سے محبت وعظمت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے روزہ رکھنے سے یہ کمی پوری ہو جاتے گی اور ظاہر ہے کہ جس کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف اور محبت ہو گی وہ دین میں کتنا مضبوط ہو گا، تو روزہ رکھنے میں دین کی مضبوطی کی خاصیت ثابت ہو گئی، اگلی دو حدیثوں میں اسی بات کو اس طرح فرمایا ہے۔

(ع۳) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدمی کے سب عمل اس کے لیے ہیں مگر روزہ کہ وُہ خاص میرے لیے ہے۔ (بخاری)

(ع۴) ایک اور روایت میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ روزہ دار اپنا کھانا، اپنا پینا، اپنی نفسانی خواہش (جو بی بی کے متعلق ہے) میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے (بخاری) اور اس حدیث کی تفصیل ایک دوسری حدیث میں آئی ہے۔

(ع۵) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمایا کہ وُہ کھانا میرے لیے

چھوڑ دیتا ہے، اور پینا میرے لیے چھوڑ دیتا ہے، اور اپنی لذت میرے لیے چھوڑ دیتا ہے اور اپنی بی بی کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے (یعنی اپنی خواہش اس سے پوری نہیں کرتا (ابن خزیمہ)

ف۔ ان حدیثوں سے اوپر والی بات ثابت ہو گئی، اور اسی لیے روزے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی چیز فرمایا۔ جیسا ۳ میں گذرا، اور اسی خصوصیتِ مذکورہ کے سبب روزے کو اگلی حدیث میں بڑی تاکید سے سب عملوں میں بے نظیر فرمایا۔ چنانچہ:

(ع۶) حضرت ابو امامہ رضہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجیے، فرمایا روزہ کو لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں، میں نے (دوبارہ) عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجیے! فرمایا روزہ کو لو! کیونکہ کوئی عمل اس کے مثل نہیں۔ میں نے (تیسری بار) پھر عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجیے! فرمایا روزہ کو لو! کیونکہ کوئی عمل اسکی مثل نہیں (نسائی وابن خزیمہ)

ف۔ یعنی بعض خصوصیتوں میں بے مثل ہے۔ مثلاً خصوصیتِ مذکورہ میں اور روزے میں جو حق تعالیٰ کی محبت اور خوف کی خاصیت ہے روزہ دار اگر اس کا خیال رکھے تو ضرور گناہوں سے بچے گا، کیونکہ گناہ محبت اور خوف کی کمی ہی سے ہوتا ہے اور جب گناہوں سے بچے گا تو دوزخ سے بھی بچے گا۔ اگلی حدیث کا یہی مطلب ہے۔

(ع۷) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا روزہ ایک ڈھال ہے اور ایک مضبوط قلعہ ہے دوزخ سے (بچانے کے لیے) (احمد وبیہقی) اور جس طرح روزہ گناہوں سے بچاتا ہے جو کہ باطنی بیماریاں ہیں، اسی طرح بہت سی ظاہری بیماریوں سے بھی بچاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر یہ بیماریاں کھانے پینے کی زیادتی سے ہوتی ہیں، روزہ سے ان میں کمی ہو گی تو ایسی بیماریاں بھی نہ آویں گی۔ (اگلی حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے)

(ع۸) حضرت ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کی ایک زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ (ابن ماجہ)

ف۔ یعنی جس طرح زکوٰۃ میں مال کا میل کچیل نکل جاتا ہے اسی طرح روزہ میں بدن کا میل کچیل یعنی مادۂ فاسدہ جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے دُور ہو جاتا ہے۔ اور اگلی حدیث میں یہ مضمون بالکل صاف آیا ہے۔

(ع۹) حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ رکھا کرو، تندرست رہو گے (طبرانی) اور روزہ سے جس طرح ظاہری و باطنی مضرت زائل ہوتی ہے اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ

(ع۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کو دو خوشیاں (نصیب) ہوتی ہیں، ایک تو جب افطار کرتا ہے (یعنی روزہ کھولتا ہے تو اپنے افطار پر خوش ہوتا ہے، چنانچہ ظاہر ہے) اور جب اپنے پروردگار سے ملے گا (اس وقت) اپنے روزے پر خوش ہوگا۔ (بخاری)

اور رمضان میں ایک دوسری عبادت اور بھی مقرر کی گئی ہے یعنی تراویح میں قرآن پڑھنا اور سننا جو سنت موکدہ ہے، بعض باتیں اس میں روزے کی سی ہیں۔ مثلاً نیند جو کھانے پینے کی طرح نفس کو پیاری چیز ہے، تراویح سے اس میں کسی قدر کمی ہوتی ہے، اور مثلاً اس کم سونے کی بھی پوری خبر کسی کو نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بہت دفعہ آدمی نماز میں سو جاتا ہے اور دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ جاگ رہا ہے اور مثلاً بعض دفعہ سجدے میں نیند آجانے سے بدن ایسی وضع پر ہو جاتا ہے کہ اس وضع پر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور جب وضو نہ رہا، نماز بھی نہ رہی، یا مثلاً وضو بھی نہ ٹوٹا، مگر سوتے ہوئے جس قدر حصہ نماز کا ادا ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا تو ایسی حالتوں میں نیند جیسی پیاری چیز کو دفع کرنا یا تازہ وضو کر کے اس نماز کو لوٹانا یا نماز کے اس حصہ کو لوٹانا جو سوتے میں ادا ہوا ہے وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں خدائے تعالیٰ کی محبت اور خوف ہوگا، پس روزے کی طرح اس عبادت یعنی تراویح میں قرآن پڑھنے اور سننے میں بھی زیادہ دکھلاوا نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ نے ایک شان کی دو عبادتیں جمع فرما دیں، ایک دن میں، ایک رات میں، اگلی دو حدیثوں میں اسی کا ذکر ہے۔

(ع۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو فرض فرمایا، اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (تراویح و قرآن کے لیے) تمہارے واسطے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سنت بنایا (جو مؤکدہ ہونے کے سبب وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان سے اور ثواب کے اعتقاد سے رمضان کا روزہ رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے وہ اپنے گناہوں

سے اس دن کی طرح نکل جائے گا جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ (نسائی)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندہ کی شفاعت (یعنی بخشش کی سفارش) کریں گے، روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے اس کو کھانے اور نفسانی خواہش سے روکے رکھا، سو اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجیے اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو پورا سونے سے روکے رکھا، سو اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی (احمد وطبرانی فی الکبیر وابن ابی الدنیا وحاکم)

ف۔ دونوں حدیثیں ملانے سے صیام وقیام میں مناسبت جس کی تفصیل ابھی اوپر آئی ہے، ظاہر ہے، یہاں تک مضمون کا ایک سلسلہ تھا آگے متفرق طور پر لکھا جاتا ہے۔

(آیت ۱۳) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ایک لمبی آیت میں) اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں (اخیر میں ارشاد فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب تیار کیا ہے۔ (احزاب)

(احادیث ۱۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث میں) فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو (جو فاقہ سے پیدا ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے سے زیادہ خوشبودار ہے۔ (بخاری)

ف اس بدبو کا اصلی سبب چونکہ معدہ ہے اس لیے یہ مسواک سے بھی نہیں جاتی۔ ہاں کچھ کم ہو جاتی ہے۔[ف]

(۱۵) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث جس میں اعمال کے ثواب کی مختلف مقداریں آئی ہیں) ارشاد فرمایا کہ روزہ خاص اللہ ہی کیلیے

ف لم یرض لموسیٰ علیہ السلام ھٰذہ الخفۃ فزاد عشرا ان ثبت ما رواہ الدیلمی کما فی الدر المنثور ورضیھا لنا مع بقاء اصل الخلوف فشرع لنا السواک وھٰذا من باب اختلاف الشرائع ۱۲

ہے، اس پر عمل کرنے والے کا ثواب (غیر محدود ہے اس کو) کوئی شخص نہیں جانتا بجز اللہ کے (طبرانی فی الاوسط وبیہقی)

(۱۶) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیتے جاتے ہیں۔ پھر ان میں کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا، یہاں تک کہ رمضان کی اخیر رات ہو جاتی ہے اور کوئی ایماندار بندہ ایسا نہیں جو ان راتوں میں سے کسی رات میں نماز پڑھے، (مراد وہ نماز ہے جو رمضان کے سبب ہو، جیسے تراویح) مگر اللہ تعالیٰ ہر سجدہ کے عوض ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر سرخ یاقوت سے بناتا ہے، جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے، ان میں سے ہر دروازہ کے متعلق ایک محل سونے کا ہوگا جو سرخ یاقوت سے آراستہ ہوگا۔ پھر جب رمضان کے پہلے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اس کے سبب گذشتہ گناہ معاف کر دیتے جاتے ہیں (جو رمضان گذشتہ) کے ایسے ہی دن تک (ہوئے ہوں یعنی اس رمضان کی پہلی تاریخ سے پہلے رمضان کی پہلی تاریخ تک) اور ہر روز صبح کی نماز سے لے کر آفتاب کے چھپنے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور یہ جتنی نمازیں رمضان کے مہینے میں پڑھے گا، خواہ دن کو خواہ رات کو ہر سجدہ کے عوض ایک درخت ملے گا، جس کے سایہ میں سوار پانچ سو برس تک چل سکے گا۔ (بیہقی)

(۱۷) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں خطبہ پڑھا اور فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس ایک بڑا اور برکت والا مہینہ آپہنچا (یعنی رمضان) ایسا مہینہ جس میں ایک رات ہے جو ایسی ہے جس میں عبادت کرنا) ایک ہزار مہینے (تک عبادت کرنے) سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے کو فرض کیا ہے اور اس کی شب بیداری (تراویح) کو فرض سے کم (یعنی سنت) کیا ہے۔ جو شخص اس میں کسی نیک کام سے (جو فرض نہ ہو) خدا تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرے وہ ایسا ہو گا جیسے اس کے سوا کسی دوسرے زمانے میں ایک فرض ادا کرے، اور جو کوئی اس میں کوئی فرض ادا کرے وہ ایسا ہو گا جیسا اس کے سوا کسی دوسرے زمانے میں ستر فرض ادا کرے (آگے ارشاد ہے کہ) جو شخص اس میں کسی روزے دار کا روزہ کھلوا

دے (یعنی کچھ افطاری دے دے) یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا اور دوزخ سے اس کے چھٹکارے کا ذریعہ ہو جائے گا اور اس کو بھی اس روزے دار کی برابر ثواب ملے گا۔ اس طرح کہ اس کا ثواب بھی نہ گھٹے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں ہر شخص کو تو اتنا میسر نہیں جس سے روزہ دار کا روزہ کھلوا سکے (یہ پوچھنے والے روزہ کھلوانے کا مطلب یہ سمجھے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھلائے) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ثواب اس شخص کو بھی دیتا ہے جو کسی کا روزہ ایک چھوارے پر یا پیاس بھر پانی پر یا دودھ کی لسی پر (جو دودھ میں پانی ملا کر بنائی جاتی ہے) کھلوا دے الخ (ابن خزیمہ) اور رمضان کے متعلق ایک تیسری عبادت اور بھی ہے۔ یعنی اعتکاف، رمضان کے اخیر دس دن میں جو ایسی سنت ہے کہ سب کے ذمے ہے۔ لیکن اگر بستی میں ایک بھی کرلے تو سب کی طرف سے کافی ہے، اور اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ یہ ارادہ کر کے مسجد میں پڑا رہے کہ اتنے دن تک بدون پیشاب یا پاخانہ وغیرہ کی مجبوری کے یہاں سے نہ نکلوں گا، اور روزہ اور تراویح کی طرح اس میں بھی نفس کی ایک پیاری چیز چھوٹتی ہے، یعنی کھلے مہار پھرنا، اور اسی طرح اس میں بھی دکھلاوا نہیں ہو سکتا، کیونکہ کسی کو کیا خبر کہ مسجد میں کسی خاص نیت سے بیٹھا ہے یا ویسے ہی آگیا

(۱۸) حضرت علی بن حسینؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان میں دس روز کا اعتکاف کرے دو حج اور دو عمرہ جیسا ثواب ہوگا۔

(۱۹) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے حق میں فرمایا کہ وہ تمام گناہوں سے رکا رہتا ہے اور اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے کوئی تمام نیکیاں کر رہا ہو (مشکوٰۃ از ابن ماجہ) اور ایک فضیلت اس میں یہ بھی ہے کہ اس کو مسجد میں حاضر رہنا پڑتا ہے اور مسجد میں حاضر رہنے کی فضیلت نمبر دوازدہم میں گزر چکی ہے البتہ عـــہ عورتیں گھر ہی میں اپنی نماز پڑھنے کی جگہ اعتکاف کریں اور یہ سب عبادتیں جس دن ختم ہوتی ہیں یعنی عید کے دن اسکی بھی فضیلت آئی ہے چنانچہ

(۲۰) حضرت انسؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ انہوں نے میرا فرض ادا کیا پھر دعا کے لیے نکلے ہیں اپنی عزت وجلال اور کرم و شان بلندی کی قسم میں ضرور ان کی عرض قبول کروں گا، پھر فرماتا ہے کہ واپس جاؤ میں نے تم کو بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا پس وہ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں (مشکوٰۃ از بیہقی) آخر کی دو حدیثیں تو مشکوٰۃ کی ہیں

عـــہ وفی قولہ تعالیٰ ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد اشارۃ لطیفۃ الی تخصیص الرجال بالمساجد حیث خص بالخطاب من یتصور مباشرۃ النساء وماھم الا الرجال ۱۲

رُوحِ ہفدہم

مُلقّب بہ بیت الدّیانؔ

حج کرنا (جن اشخاص میں شرطیں پائی جائیں ان پر فرض ہے اور دوسروں کے لیے نفل) اور حج بھی مثل نماز و زکوٰۃ و روزہ کے اسلام کا ایک رکن یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے چنانچہ

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمّے اس مکان (یعنی کعبہ) کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمے جو کہ طاقت رکھے دہاں تک (پہنچنے) کی سبیل (یعنی سامان) کی (دلن تنالوا) اور

(۲) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الخ یہ وُہ حدیث ہے جو روح چہاردہم کے ۹ میں گذر چکی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز و زکوٰۃ و روزہ سب کرتا ہو مگر حج فرض نہ کیا ہو تو اس کی نجات کے لیے کافی نہیں اور حج میں ایک خاص بات ایسی ہے جو اور عبادتوں میں نہیں، وُہ یہ ہے کہ اور عبادتوں کے افعال میں کچھ عقلی مصلحتیں بھی سمجھ میں آسکتی ہیں مگر حج کے افعال میں عاشقانہ شان ہے تو حج وہی کرے گا جس کا عشق عقل پر غالب ہوگا، اور فی الحال اس میں کچھ کمی بھی ہو گی، تو تجربے سے ثابت ہے کہ عاشقانہ کام کرنے سے عشق پیدا ہوجاتا ہے اس لیے حج کرنے سے یہ کمی پوری ہوجائے گی، اور خاص کر جب ان کاموں کو اسی خیال سے کرے، اور ظاہر ہے کہ جس کے دل میں خدا تعالیٰ کا عشق ہوگا وہ دین میں کتنا مضبوط ہوگا؟ تو حج کرنے میں دین کی مضبوطی کی خاصیت ثابت ہوگئی (ایسی ہی تقریر روزہ کے بیان میں گزری ہے) اگلی حدیثوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کے گرد پھرنا، اور صفا و مروہ کے درمیان پھیرے کرنا، اور کنکریوں کا مارنا یہ سب اللہ کی یاد کے قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے (عین ابوداؤد باب الرمل)

ف۔ یعنی گو ظاہر والوں کو تعجب ہوسکتا ہے کہ اس گھومنے دوڑنے، کنکریاں مارنے میں عقلی

عہ سیاق ھذا الروح کسیاق روح الصّوم سواءً بسواء فانظر وتفرح ۱۲

عہ لقب بہ لقب خاص کما قبلہ لما قبلہ

مصلحت کیا ہے۔ مگر تم مصلحت مت ڈھونڈو یوں سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اس کے کرنے سے اس کی یاد ہوتی ہے اور اس سے علاقہ بڑھتا ہے اور محبت کا امتحان ہوتا ہے کہ جو بات عقل میں بھی نہیں آئی حکم سمجھ کر اسکو بھی مان لیا۔ پھر محبوب کے گھر کے بل بل قربان ہونا، اس کے کوچے میں دوڑے دوڑے پھرنا کھلم کھلا عاشقانہ حرکات ہیں۔

(ع۴) حضرت زید بن اسلم رح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رض سے سنا ہے فرماتے تھے کہ (اب طواف میں) شانے ہلاتے ہوئے دوڑنا اور شانوں کو چادرہ سے باہر نکال لینا کس وجہ سے ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو (مکے میں) قوت دی، اور کفر کو اور کفر والوں کو مٹا دیا۔ (اور یہ فعل شروع ہوا تھا ان ہی کو اپنی قوت دکھلانے کے لیے جیسا روایات میں آیا ہے) اور باوجود اس کے کہ اب مصلحت نہیں رہی مگر) ہم اس فعل کو نہ چھوڑیں گے۔ جس کو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں (آپ کے اتباع اور حکم سے) کرتے تھے۔ (کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہ حجۃ الوداع میں عمل فرمایا جبکہ مکے میں ایک بھی کافر نہ تھا (عین ابوداؤد و باب الرمل)

ف۔ اگر حج میں عاشقی کا رنگ غالب نہ ہوتا، تو جب عقلی ضرورت ختم ہو گئی تھی یہ فعل بھی موقوف کر دیا جاتا۔

(ع۵) حضرت عابس بن ربیعہ رح سے روایت ہے کہ حضرت عمر رض حجر اسود کی طرف آئے اور اس کو بوسہ دیا اور فرمایا میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے، اور نہ نقصان، اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ تجھ کو بوسہ دیتے تھے تو میں (کبھی) تجھ کو بوسہ نہ دیتا (عین ابوداؤد باب تقبیل الحجر)

ف۔ محبوب کے علاقہ کی چیز کو چومنے کا سبب بجز عشق کے اور کونسی مصلحت ہو سکتی ہے؟ اور حضرت عمر رض نے اپنے اس قول سے یہ بات ظاہر کر دی کہ مسلمان حجر اسود کو معبود نہیں سمجھتے۔ کیونکہ معبود تو وہی ہوتا ہے جو نفع و ضرر کا مالک ہو۔

(ع۶) حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کی طرف رخ کیا پھر اس پر اپنے دونوں لب (مبارک) ایسی حالت میں رکھے کہ بڑی دیر تک روتے رہے پھر جو نگاہ پھیری تو دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت عمر رض بھی رو رہے ہیں، آپ نے فرمایا اے عمر رض

اس مقام پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔ (ابن ماجہ و ابن خزیمہ و حاکم و بیہقی)

ف۔ محبوب کی نشانی کو پیار کرتے ہوئے رونا صرف عشق سے ہو سکتا ہے خوف وغیرہ سے نہیں ہو سکتا۔ اور افعال عاشقانہ تو ارادہ سے بھی ہو سکتے ہیں مگر رونا بدون جوش کے نہیں ہو سکتا۔ پس حج کا تعلق عشق سے ہے اس حدیث سے اور زیادہ ثابت ہوتا ہے۔

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے (ایک لمبی حدیث میں) فرمایا کہ جب عرفے کا دن ہوتا ہے (جس میں حاجی لوگ عرفات میں ہوتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان لوگوں پر فخر کے ساتھ فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس دُور دراز راستہ سے اس حالت میں آئے ہیں کہ پریشان بال ہیں اور غبار آلود بدن ہے اور دھوپ میں چل رہے ہیں، میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ (بیہقی وابن خزیمہ)

ف۔ اس صورت کا عاشقانہ ہونا ظاہر ہے اور فخر کے ساتھ اس کا ذکر فرمانا اس عاشقانہ صورت کے پیارے ہونے کو بتلا رہا ہے، یہ چند حدیثیں حج میں عاشقی کی شان ہونے کی تائید میں بطور نمونے کے لکھ دی گئیں، ورنہ حج کے سارے افعال کھلم کھلا اسی عاشقانہ رنگ کے ہیں، یعنی مزدلفہ عرفات کے پہاڑوں میں پھرنا، لبیک کہنے میں چیخنا پکارنا، ننگے سر پھرنا، اپنی زندگی کو موت کی شکل بنا لینا یعنی مُردوں کا لباس پہننا، ناخن بال تک نہ اکھاڑنا، جوں تک نہ مارنا جس سے دیوانوں کی سی بھی صورت ہو جاتی ہے، سر نہ منڈانا، کسی جانور کا شکار نہ کرنا، خاص حد کے اندر درخت نہ کاٹنا، گھاس تک نہ توڑنا جس میں کوچہ محبوب کا ادب بھی ہے۔ یہ کام عاقلوں کے ہیں یا عاشقوں کے؟ اور ان میں بعض افعال جو عورتوں کے لیے نہیں ہیں، اس میں ایک خاص وجہ ہے۔ یعنی پردے کی مصلحت اور خانہ کعبہ کے گرد گھومنا، اور صفا و مروہ کے بیچ میں دوڑنا اور خاص نشانوں پر کنکر پتھر مارنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا اور زار زار رونا اور خاک آلودہ دھوپ میں چلتے ہوئے عرفات میں حاضر ہونا، ان کے عاشقانہ افعال ہونے کا ذکر اوپر حدیثوں میں آچکا ہے اور جس طرح حج میں عشق و محبت کا رنگ ہے اس کے ادا کا جس مقام سے تعلق ہے یعنی مکہ معظمہ مع اپنے تعلقات کے، اس میں بھی محبت کی شان رکھی گئی ہے جس سے حج کا وہ رنگ اور تیز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت میں ہے۔

(۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی کہ میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب

آباد کرتا ہوں، آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیجیے (سورۂ ابراہیم مختصراً)
ف اس دُعا کا وہ اثر آنکھوں سے نظر آتا ہے جس کو ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے۔
(۹) کوئی مومن ایسا نہیں جس کا دل کعبہ کی محبت میں پھنسا ہوا نہ ہو، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ دیتے کہ لوگوں کے قلوب عہ، تو یہود و نصاریٰ کی وہاں بھیڑ ہو جاتی، لیکن انھوں نے اہلِ ایمان کو خاص کر دیا کہ کچھ لوگوں کے قلوب کہہ دیا، (عین در منثور) اور حدیث میں ہے، چنانچہ:

(۱۰) حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے) فرمایا تو کیسا کچھ ستھرا شہر ہے اور میرا کیسا کچھ محبوب ہے اور اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے جدا نہ کرتی تو میں اور جگہ جا کر نہ رہتا۔ (عین مشکوٰۃ از ترمذی)
ف۔ اور جب ہر مومن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے تو آپ کے محبوب شہر مکہ معظمہ سے بھی ضرور محبت ہوگی، تو مکہ سے محبت دو پیغمبروں کی دعا کا اثر ہوا۔ یہ توجہ کی اور مقام کی دینی فضیلت تھی جو کہ اصلی فضیلت ہے اور بعض دنیوی منفعتیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہیں، گو حج میں ان کی نیت نہ ہونا چاہیئے مگر وہ خود حاصل ہو جاتی ہیں، چنانچہ آگے دو آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے۔

(۱۱) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ خدائے تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے، لوگوں (کی مصلحت) قائم رہنے کا سبب قرار دیا الخ (مائدہ)
ف۔ مصلحت عام لفظ ہے، سو کعبہ کی دینی مصلحتیں تو ظاہر ہیں اور دنیوی مصلحتیں بعضی یہ ہیں اس کا جائے امن ہونا، وہاں ہر سال مجمع ہونا جس میں مالی ترقی اور قومی اتحاد بہت سہولت سے میسّر ہو سکتا ہے، اور اس کے بقا تک عالم کا باقی رہنا، حتیٰ کہ کفار جب اس کو منہدم کر دیں گے قریب ہی قیامت آجاوے گی، جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے (بیان القرآن بحاصلہ)
(۱۲) اللہ تعالیٰ نے (حج کے لیے لوگوں کے آنے کی حکمت میں یہ) ارشاد فرمایا تاکہ اپنے (دینی و دنیوی) فوائد کے لیے آموجود ہوں (مثلاً) آخرت کے منافع یہ ہیں حج و ثواب و رضائے حق،

عہ حیث قال:۔ من الناس ۱۲

اور دنیوی فوائد یہ ہیں۔ قربانی کا گوشت کھانا اور تجارت ومثل ذالک، چنانچہ :۔

(۱۳) حضرت ابن ابی حاتمؒ نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے (کذا فی روح بیان القرآن) اور حج کے رنگ کی ایک دوسری عبادت اور بھی ہے یعنی عُمرہ جو کہ سنت مؤکدہ ہے۔ جس کی حقیقت حج ہی کے بعضے عاشقانہ افعال ہیں۔ اسی لیے اس کا لقب حج اصغر ہے۔ چنانچہ :

(۱۴) حضرت عبداللہ بن شداد اور حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے (بعین در منثور عن ابی شیبہ) مگر یہ حج کے زمانے میں بھی ہوتا ہے جس سے دو عبادتیں ایک شان کی جمع ہو جاتی ہیں اور دوسرے زمانے میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک مضمون کا ایک سلسلہ تھا، آگے متفرق طور پر لکھا جاتا ہے۔

(۱۵) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (جب حج یا عمرہ کرنا ہو، تو اس) حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے (خوش کرنے کے) واسطے پورا پورا ادا کیا کرو (کہ افعال وشرائط بھی سب بجالاؤ، اور نیت بھی خالص ثواب کی ہو) (بیان القرآن)

(۱۶) حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی ظاہری مجبوری یا ظالم بادشاہ یا کوئی معذور کر دینے والی بیماری حج سے روکنے والی نہ ہو اور وہ پھر بے حج کیے مر جاتے اس کو اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر (بعین مشکوٰۃ از دارمی)

ف۔ فرض حج نہ کرنے میں کتنی سخت دھمکی ہے۔

(۱۷) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی کرنا چاہیئے (بعین مشکوٰۃ از ابوداؤد وترمذی)

(۱۸) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج اور عمرہ میں اتصال کر لیا کرو (جب کہ زمانہ حج کا ہو) دونوں افلاس کو اور گناہوں کو دور کرتے ہیں جیسا بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دور کرتی ہے (بشرطیکہ کوئی دوسرا امر اس کے خلاف اثر کرنے والا نہ پایا جائے) اور جو حج احتیاط سے کیا جائے اس کا عوض بجز جنت کے کچھ نہیں (بعین مشکوٰۃ از ترمذی ونسائی)

ف اس میں حج وعمرہ کا دینی نفع مذکور ہے اور ایک دنیوی نفع، اور گناہ سے مراد حقوق اللہ ہیں۔ کیونکہ حقوق العباد تو شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ (الحدیث الا الدین کما فی المشکوٰۃ عن مسلم)

(ح۱۹) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور اگر وہ اس سے مغفرت چاہتے ہیں تو وہ ان کی مغفرت فرماتا ہے (عین مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

(ح۲۰) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے چلا، پھر وہ راستے ہی میں (ان کاموں کے کرنے سے پہلے) مر گیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے غازی اور حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھے گا (عین مشکوٰۃ از بیہقی)

اور حج کے متعلق ایک تیسرا عمل اور بھی ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریفہ کی زیارت جو اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے اور جس طرح حج میں عشقِ الٰہی کی شان تھی، اس زیارت میں عشقِ نبوی کی شان ہے، اور جب حج سے عشقِ الٰہی میں ترقی ہوئی، اور زیارت سے عشقِ نبوی میں، جس کے دل میں اللہ و رسول کا عشق ہو گا وہ دین میں کتنا مضبوط ہو گا؟ (اس شانِ عشقی کا پتہ اس حدیث سے چلتا ہے۔

(ح۲۱) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص حج کرے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے وہ ایسا ہے جیسے میری حیات میں میری زیارت کرے (عین مشکوٰۃ از بیہقی)

ف۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں زیارتوں کو برابر فرمایا، اور جب کسی خاص بات کی تخصیص نہیں تو ہر اثر میں برابر ہوں گی، اور ظاہر ہے کہ آپ کی حیات میں آپ کی زیارت ہوتی تو کس قدر آپ کا عشق قلب میں پیدا ہوتا، تو، وفات کے بعد زیارت کرنے کا بھی وہی اثر ہو گا۔ اور حدیث تو اس دعوے کی تائید کے لیے لکھ دی ورنہ اس زیارت کا یہ اثر ترقی عشقِ نبوی معلوم کھلا آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ اور جس طرح حج کے مقام یعنی مکہ معظمہ میں محبت کی شان رکھی گئی ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا اسی طرح اس زیارت کے مقام یعنی مدینہ منورہ میں محبت کی شان رکھی گئی ہے چنانچہ

(ح۲۲) حضرت ابوہریرہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(حاشیہ ح۱) عہ وما ورد فی ضمان التبعات فبعد ثبوتہ کما تردد فی ثبوتہ صاحب الترغیب یحمل علی غیر المالیات کالاغتیاب ونحوہ واللہ اعلم ۱۲

فرمایا اے اللہ انہوں نے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) تجھ سے مکہ کیلئے دُعا کی ہے اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے دُعا کرتا ہوں، وُہ بھی اور اتنی ہی اور بھی الخ (مشکوٰۃ از مسلم)

ف ۸ میں گزرا ہے کہ حضرت ابراہیم نے مکہ معظمہ کے لیے محبوبیت کی دعا فرمائی ہے تو مدینہ منورہ کے لیے دوگنی محبوبیت کی دُعا ہوگی۔

(۲۳) حضرت عائشہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! مدینہ کو ہمارا محبوب بنا دے جیسے ہم مکہ سے (محبت) کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ الخ (مشکوٰۃ از بخاری)

(۲۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو سواری کو تیز کر دیتے مدینہ کی محبت کے سبب (مشکوٰۃ از بخاری)

ف ۔ محبوب کا محبوب جب محبوب ہوتا ہے تو ضرور سب مسلمانوں کو مدینے سے محبت ہوگی۔

(۲۵) حضرت یحییٰ بن سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روئے زمین میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں مجھ کو اپنی قبر ہونا مدینہ سے زیادہ پسند ہو، یہ بات تین بار فرمائی (مشکوٰۃ از مالک) اس میں یہ بھی تقریر ہے جو اس سے پہلی حدیث میں تھی۔ اور حج و زیارت سے محبت کا بڑھ جانا اور خود حج و زیارت کی اور ان مقاموں کی محبت ہر ایمان والے کے دل میں ہوتا دلیل کا محتاج نہیں اور اس محبت کا جو اثر دین پر پڑتا ہے اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ پس اے مقدر والے مسلمانو! اس دولت کو نہ چھوڑو! (والروایات ماخوذۃ من کتب مختلفۃ مصرح باسمائہا عند کل)

رُوحِ ہشدہم

ملقّب بہ لقب عیش الحیّان

قربانی کرنا جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے، اس پر قربانی کرنا واجب ہے اور اس کا بیان کہ زکوٰۃ کس پر فرض ہوتی ہے، رُوحِ چہاردہم کے اخیر حصّے کے پہلے مضمون میں گذر چکا ہے اور بعضے ایسے شخص پر بھی واجب ہے جس پر زکوٰۃ فرض نہیں، اس کو کسی عالم سے زبانی پوچھ لے، اور جس پر قربانی واجب نہ ہو، اگر وُہ بھی کرے یا اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی کرے تو اس کو بھی بہت ثواب ملتا ہے۔ اور اگر کسی مرے ہوئے کی طرف سے کرے تو اس مرے ہوئے کو بھی بہت ثواب ملتا ہے۔ اب اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

(آیات) فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وُہ ان مخصوص چوپایوں پر (یعنی گائے، اونٹ، بکری بھیڑ پر) اللہ کا نام لیں، جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے (اور یہ وُہ جانور ہیں جن کا ذکر دوسری آیت میں مع ان کے کھانے کے حلال ہونے کے اس طرح آیا ہے کہ (آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم، یعنی نر و مادہ، اور بھیڑ میں دنبہ بھی آ گیا، اور بکری میں وہی دو قسم، اور اونٹ میں وہی دو قسم، اور گائے میں وہی دو قسم (اور گائے میں بھینس بھی آ گئی) (سورۃ انعام)۔ پھر ارشاد ہے) اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے (کہ ان کی قربانی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دین کی رفعت ظاہر ہوتی ہے، اور اس حکمت کے علاوہ) ان جانوروں میں تمہارے اور بھی فائدے ہیں (مثلاً دُنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور اخروی فائدہ ثواب) (پھر ارشاد ہے) اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، اور نہ اُن کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ (اور اخلاص) پہنچتا ہے۔ (پھر ارشاد ہے) اور اخلاص والوں کو خوشخبری سُنا دیجیے (حج)

ف (۱) اس سے معلوم ہوا کہ قربانی پہلی امتوں پر بھی تھی۔

ف (۲) اگرچہ بکری بھیڑ بھی قربانی کے جانور ہیں، اور اس لیے وُہ بھی دین کی یادگار ہیں مگر

آیت میں خاص اُونٹ اور گائے کا ذکر فرمانا اس لیے ہے کہ ان کی قربانی بھیڑ بکری کی قربانی سے افضل ہے، اور اگر پوری گائے یا اونٹ نہ ہو بلکہ اس کا ساتواں حصہ قربانی میں لے لے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ ساتواں حصہ اور پوری بکری یا بھیڑ قیمت اور گوشت کی مقدار میں برابر ہوں تو جس کا گوشت عمدہ ہو، وہی افضل ہے اور اگر قیمت اور گوشت میں برابر نہ ہوں تو جو زیادہ ہو وُہ افضل ہے۔

(شامی از تاتارخانیہ)

ف (۳) قربانی میں اخلاص یہ ہے کہ خاص حق تعالیٰ کے لیے اور اس سے ثواب لینے کیلیے کرے۔

(۲) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے، اور قربانی کیجیئے (کوثر)

ف۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے، جب آپ کو اس کی تاکید ہے تو ہم کو کیسے معاف ہوگی، جیسے اس کے ساتھ کی چیز ہے یعنی نماز، کہ امت پر بھی فرض ہے۔

(احادیث ۳) حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن میں آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں، اور قربانی کا جانور قیامت کے دن مع اپنے سینگوں اور اپنے بالوں اور کھُروں کے حاضر ہوگا (یعنی ان سب چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا) اور (قربانی کا) خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ سو تم لوگ جی خوش کر کے قربانی کرو! زیادہ داموں کے خرچ ہو جانے پر جی بُرا مت کیا کرو! (ابن ماجہ و ترمذی و حاکم)

(۴) حضرت زید بن ارقم رض سے روایت ہے کہ صحابہ رض نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے (نسبی یا روحانی) باپ ابراہیم کا طریقہ ہے، اُنھوں نے عرض کیا کہ ہم کو اس میں کیا ملتا ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی! انھوں نے عرض کیا کہ اگر اون (والا جانور) ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہر اُون کے بدلے بھی ایک نیکی! (حاکم)

(۵) حضرت علی رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ رض اُٹھ اور (ذبح کے وقت) اپنی قربانی کے پاس موجود رہ! کیونکہ پہلا قطرہ جو قربانی کا زمین پر گرتا ہے اس کے ساتھ ہی تیرے پیشے تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی (اور) یاد رکھ کہ (قیامت کے دن) اس (قربانی) کا خون، اور گوشت لایا جائے گا اور تیری میزان (عمل) میں ستر حصے بڑھا کر رکھ دیا جاوے گا۔ (اور ان سب کے بدلے نیکیاں دی جاویں گی) ابو سعید رض نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ (ثواب

مذکور) کیا خاص آلِ محمدؐ کے لیے ہے؟ کیونکہ وہ اس کے لائق بھی ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ خاص کیے جائیں۔ یا آلِ محمدؐ اور سب مسلمانوں کے لیے عام طور پر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آلِ محمدؐ کیلئے (ایک طرح سے) خاص بھی ہے، اور سب مسلمانوں کے لیے عام طور بھی ہے (اصبہانی)

ف۔ ایک طرح سے خاص ہونے کا مطلب ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے فرمایا ہے کہ نیک کام کا ثواب بھی اوروں سے دُونا ہے اور گناہ کا عذاب بھی دونا ہے۔ سو قرآن مجید سے آپؐ کی بیبیوں کے لیے، اور اس حدیث سے آپ کی اولاد کے لیے بھی یہ قانون ثابت ہوتا ہے اور اس کی بنا پر زیادہ بزرگی ہے۔

(ح ۶) حضرت حسینؓ بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو (اور) اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو، وہ قربانی اس شخص کے لیے دوزخ سے آڑ ہو جاتے گی (طبرانی کبیر)

(ح ۷) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رکھے اور قربانی نہ کرے سو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آوے۔ (حاکم)

ف۔ اس سے کس قدر ناراضی ٹپکتی ہے! کیا کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کی سہار کر سکتا ہے؟ اور یہ ناراضی اسی سے ہے جس کے ذمے قربانی واجب ہو، اور جس کو گنجائش نہ ہو، اس کے لیے نہیں۔ یہ حدیثیں ترغیب میں ہیں۔

(ح ۸) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی بیبیوں کی طرف سے ایک گائے کی قربانی کی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بقرعید کے دن حضرت عائشہ رضؓ کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ (مسلم)

ف۔ یہ ضرور نہیں کہ ایک گائے سب بیبیوں کی طرف سے کی ہو بلکہ ممکن ہے کہ سات کے اندر اندر کی ہو، اور اونٹ بکری کثرت سے ملتے ہوئے گائے کی قربانی فرمانا، اگر اتفاقی طور پر نہ سمجھا جاوے تو ممکن ہے کہ یہود جو بچھڑے کو پوجا کرتے تھے، اس شرک کے مٹانے کے لیے آپؐ نے اس کا اہتمام فرمایا ہو۔ اور بعضی روایتوں میں جو گائے کے گوشت کا مرض (یعنی مضر) ہونا آیا ہے وہ شرعی حکم نہیں ہے بطور پرہیز کے ہے۔ جیسا کہ روح و ہم (ح ۹) میں حضرت علی رضؓ کو کھجور کھانے سے ممانعت فرمانے کا مضمون گذر چکا ہے۔ چنانچہ حلیمی نے کہا ہے کہ اس کی وجہ

یہ ہے کہ حجاز خشک ملک ہے، اور گائے کا گوشت بھی خشک ہے (مقاصد حسنۃ فی علیکم دفی لحوم البقر) اور مقاصد والے نے کہا ہے کہ گویا یہ حجاز والوں کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ معنی پسند کیے گئے ہیں یعنی سب علماء نے اس کو پسند کیا ہے۔

(۹) حضرت حنش رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضؓ کو دیکھا کہ دُو دُنبے قربانی کیے، اور فرمایا ان میں ایک میری طرف سے ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے میں نے ان سے (اس کے متعلق) گفتگو کی انھوں نے فرمایا کہ حضور صلعم نے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے میں اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر بڑا حق ہے، اگر ہم ہر سال حضورؐ کی طرف سے بھی ایک حصّہ کر دیا کریں تو کوئی بڑی بات نہیں۔

(۱۰) حضرت ابو طلحہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ایک دنبہ کی اپنی طرف سے قربانی کی اور (دوسرے دنبہ کے ذبح میں فرمایا کہ یہ (قربانی) اس کی طرف سے ہے جو میری امت میں سے مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میری تصدیق کی (موصلی وکبیر واوسط) یہ حدیثیں جمع الفوائد میں ہیں۔

ف: (۱) مطلب حضور صلعم کا اپنی امت کو ثواب میں شامل کرنا تھا، نہ یہ کہ قربانی سب کی طرف سے ایسی طرح ہو گئی کہ اب کسی کے ذمے قربانی نہیں رہی۔

ف (۲) غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں امت کو یاد رکھا تو افسوس ہے کہ اُمتی حضور صلعم کو یاد نہ رکھیں اور ایک حصّہ بھی آپؐ کی طرف سے نہ کریں۔

(۱۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قربانیوں کو خوب قوی کیا کرو! (یعنی کھلا پلا کر) کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

(کنز العمال عن ابی ہریرہؓ)

ف: عالموں نے سواریاں ہونے کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ قربانی کے جانور خود سواریاں ہو جاویں گے اور اگر کئی جانور قربانی کیے ہوں یا تو سب کے بدلے میں ایک بہت اچھی سواری مل جاوے گی، اور یا ایک ایک منزل میں ایک ایک جانور پر سواری کریں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قربانیوں کی برکت سے پل صراط پر چلنا ایسا آسان ہو جائے

گا جیسے گویا خود ان پر سوار ہو کر پار ہو گئے اور کنز العمال میں ایک حدیث اس مضمون کی یہ ہے کہ سب سے افضل قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجے کی ہو اور خوب موٹی ہو (حم ک عن جل) اور ایک حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پیاری قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجے کی ہو اور خوب موٹی ہو (حق عن رجل) (والضعف غیر مضر فی الفضائل لاسیما بعد انجبارہ بتعدد الطرق)

قربانی سے روکنے کا مسئلہ:۔ بعضے ظالم لوگ قربانی کرنے پر خاص کر گائے کی قربانی پر مسلمانوں سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور کبھی عین قربانی کے وقت مسلمانوں پر چڑھ آتے ہیں اور قربانی جو کہ ان کا حق جائز بلکہ واجب ہے اس کے چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں، جو سراسر ان کی زیادتی ہے:۔ اور چونکہ اوپر آیتوں اور حدیثوں میں خاص گائے کا حلال ہونا، اور اس کی قربانی کی فضیلت اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا گائے کی قربانی فرمانا بھی مذکور ہے، اس لیے مسلمان اس مذہبی دست اندازی کو گوارا نہیں کرتے اور اپنی جان دے دیتے ہیں جس میں وہ بالکل بے قصور ہیں سو اس کے متعلق مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح ایسی مضبوطی کرنا جائز ہے، اگر کہیں ایسی مضبوطی کرنا خلاف مصلحت ہو تو شرع سے دوسری عہ۲ بات بھی جائز ہے، وہ یہ کہ اس وقت صبر کریں اور قربانی نہ کریں اور فوراً حکام کو اطلاع کر کے ان سے مدد لیں، اگر قربانی کی مدت میں یعنی بارہ تاریخ تک اس کا کافی انتظام کر دیا جائے، قربانی کر لیں اور اگر اس کے بعد انتظام ہو تو اگلے سال سے قربانی کریں، اور اس سال قربانی کے حصہ کی قیمت محتاجوں کو دیدیں، اور اگر پہلے سے معلوم ہو

عہ مجمع البحار مادۃ فرۃ ۱۲

عہ عہ دلیلہ ما فی کتاب الاکراہ من الدر المختار فان اکرہ علی اکل میتۃ الیٰ قولہ حل الفعل فان صبر اثم الا اذا اراد مغایظۃ الکفار فلا باس وکذا لو لم یعلم الاباحۃ بالاکراہ وفیہ وان اکرہ علی الکفر الیٰ قولہ یوجر لو صبر ومثلہ سائر حقوقہ تعالیٰ کافساد صوم وصلوٰۃ وکل ما ثبت فرضیتہ بالکتب اھ قلت وسائر الشعائر عامۃ اصلیۃ کانت او خاصۃ لعارض ملحقۃ بالصوم والصلوٰۃ فافہم ۱۲

جائے کہ جھگڑا ہوگا تو اس وقت وہ طریقہ اختیار کریں جو روح دہم میں لکھا گیا ہے، اس کا یہ مضمون ہے کہ اگر کسی مخالف کی طرف سے کوئی شورش ظاہر ہو تو حکام کے ذریعے سے اس کی مدافعت کرو، خواہ وہ خود انتظام کر دیں، خواہ تم کو انتظام کی اجازت دیدیں اور اگر خود حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کردو اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو، اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو، اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو اور اگر کہیں ظالم لوگ چھوڑ دینے پر نہ آئیں، اور جان ہی لینے پر آمادہ ہوں تو مسلمانوں کو مقابلے پر مضبوط ہو جانا ہر حال میں فرض ہے،عہ اگو کمزور ہی ہوں۔ خلاصہ یہ کہ حتی الامکان فتنہ و فساد کو امن کے ساتھ دفع کریں اور جو کوئی اس پر بھی سر ہی ہو جائے تو پھر مرتا کیا نہ کرتا۔ بقول سعدیؒ ؎

چو دست از ہمہ حیلتے در گسست حلال ست بردن بشمشیر دست

اگر صلح خواہد عدو سر مپیچ
دگر جنگ جوید عناں بر مپیچ

عہ وھذا من باب اتصال حیث یفرض علینا اذ ھجم العدو لا من باب الاکراہ ۱۲

روحِ نوزدہم

آمدنی اور خرچ کا انتظام رکھنا

(یعنی مال کمانے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو اور اس کے خرچ کرنے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو)

(۱) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی آدمی کے قدم (حساب کے موقع سے) نہیں ہٹیں گے جب تک اُس سے پانچ چیز (دل) کا سوال نہ ہو چکے گا، اور (ان پانچ میں دو یہ بھی ہیں کہ) اس کے مال کے متعلق بھی (سوال ہو گا) کہ کہاں سے کمایا؟ (یعنی حلال سے یا حرام سے اور کاہے میں خرچ کیا؟ الخ (ترمذی)

ف۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کمانے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے سود لینا اور رشوت لینا اور کسی کا حق دبا لینا۔ جیسے کسی کی زمین چھین لینا یا موروثی کا دعویٰ کرنا یا کسی کا قرض مار لینا یا کسی کا حصہ میراث کا نہ دینا جیسے بعضے آدمی لڑکیوں کو نہیں دیتے، یا اُس کے کمانے میں اتنا کھپ جانا کہ نماز کی پرواہ نہ رہے یا آخرت کو بھول جائے یا زکوٰۃ وحج ادا نہ کرے یا دین کی باتیں سیکھنا یا بزرگوں کے پاس آنا جانا چھوڑ دے اور اسی طرح خرچ کرنے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے گناہوں کے کام میں خرچ کرنا یا شادی غمی کی رسموں میں یا نام کے لیے خرچ کرنا یا محض نفس کے خوش کرنے کو ضرورت سے زیادہ کھانے کپڑے یا مکان کی تعمیر یا سجاوٹ یا سواری شکاری یا بچوں کے کھلونوں میں خرچ کرنا، سو ان سب احتیاطوں کے ساتھ اگر مال کماوے یا جمع کرے کچھ ڈر نہیں، بلکہ بعضی صورتوں میں ایسا کرنا بہتر بلکہ ضروری ہے۔ جیسے بیوی بچوں کا ساتھ ہے اور ان کے کھانے پینے یا ان کو دین سکھلانے میں روپے کی حاجت ہے یا دین کی حفاظت میں روپے کی ضرورت ہے۔ جیسے علم دین کے مدرسے ہیں یا مسلمانوں^ع کی خدمت یا اسلام کی تبلیغ کی انجمنیں ہیں یا اسلامی

ع وھذا من باب اتصال حیث یفرض عینا اذا ھجم العدو وکا من باب الاکراہ ۱۲

ع دل علی ھذا التعمیم قولہ تعالیٰ وآخرین من دونھم لا تعلمونھم (توبہ) ۱۲

یتیم خانے ہیں یا مسجدیں ہیں خاص کر جب دشمنانِ دین ان چیزوں کے مٹانے کے لیے روپے خرچ کرتے ہوں اور حالات ایسے ہوں کہ روپے کا مقابلہ روپے ہی سے ہو سکتا ہو۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے ایسے موقع کے لیے پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھنے کا حکم فرمایا۔ (سورۃ توبہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی گھوڑوں کے رکھنے میں خاص درجہ کے ثواب کا اور ان گھوڑوں کی ہر حالت میں بہت بہت نیکیوں کا وعدہ فرمایا ہے (مسلم)

پس ایسی حالتوں میں دنیا اور دین کی موجودہ اور آئندہ حاجتوں کی کفایت کی قدر روپیہ حاصل کرنا عبادت ہوگا، اگلی حدیثوں میں اسی کا ذکر ہے۔

(ع ۲) حضرت عبد اللہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی کی تلاش کرنا فرض ہے بعد فرض (عبادت) کے (بیہقی)

(ع ۳) ابو کبشہ انماری رضہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں کے لیے ہے (ان میں سے) ایک وہ بندہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو مال بھی دیا، اور دین کی واقفیت بھی دی، سو وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہے، اور اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے حقوق پر عمل کرتا ہے یہ شخص سب سے افضل درجہ میں ہے الخ (ترمذی)

(ع ۴) حضرت ابو سعید خدری رضہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مال خوش نما، خوش مزہ چیز ہے، جو شخص اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے الخ (بخاری و مسلم)

(ع ۵) حضرت عمرو بن العاص رضہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا مال اچھے آدمی کے لیے اچھی چیز ہے (احمد)

(ع ۶) حضرت مقدام بن معدیکرب رضہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ف مثلاً کوئی کافر زمیندار کسی مسلمان رعایا کو تنگ کرے۔ اگر مسلمان کے پاس زمین ہو وہ اس کو پناہ دے سکتا ہے۔

عہ اشار الیٰ تاخر المقصود بالغیر عن المقصود بالذات ۱۲

سے سُنا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دیگا۔

(۷) حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مال پہلے زمانے میں (یعنی صحابہؓ کے وقت میں) ناپسند کیا جاتا تھا۔ (کیونکہ قلب میں دین کی قوت ہوتی تھی، اس لیے مال سے قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس کی خرابیوں پر نظر کرکے اس سے دُور رہنا پسند کرتے تھے) لیکن اس زمانے میں وہ مال مومن کی ڈھال ہے (یعنی اس کو بددینی سے بچاتا ہے کیونکہ قلب میں وُہ قوت نہیں، پس مال کے نہ ہونے سے پریشان ہوجاتا ہے اور پریشانی میں دین کو برباد کرلیتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بڑے لوگ ہماری صافی بنا لیتے (یعنی ذلیل وخوار سمجھتے (اور ذلت سے بعض دفعہ دین کا بھی نقصان ہوجاتا ہے، اب مال کے سبب ہماری عزت کرتے ہیں اور عزت کے سبب ہمارا دین محفوظ رہتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے ہاتھ میں کچھ روپیہ پیسہ ہو اس کی درستی کرتا رہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہے، یا کم از کم اس کو برباد نہ کرے کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی اس میں محتاج ہوجاتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دین ہی پر ہاتھ صاف کرتا ہے (جیسا ڈھال ہونے کے مطلب میں ابھی گذر لیا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ حلال مال فضول خرچی کی برداشت نہیں کرسکتا (یعنی اکثر وہ اتنا ہوتا ہی نہیں کہ اس کو بے موقع اڑایا جائے اور وہ پھر بھی ختم نہ ہو، اس لیے اس کو سنبھال سنبھال کر ضرورت میں خرچ کرے تاکہ جلدی ختم ہونے سے پریشانی نہ ہو۔ (شرح السنہ)

آگے حلال مال کے حاصل کرنے کے ذریعوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔

(۸) حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنے والا، امانت والا تاجر (قیامت میں) پیغمبروں اور ولیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی دارمی و دارقطنی)

ف۔ اس میں حلال تجارت کی فضیلت ہے۔

(۹) حضرت مقدام بن معد یکربؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھاتے اور اللہ تعالیٰ کے

پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ (بخاری)
اور وہ دستکاری زرہ بنانا ہے، جیسا قرآن مجید میں آیا ہے، اور اس سے حلال دستکاری کی فضیلت معلوم ہوئی، البتہ حرام دستکاری گناہ کی چیز ہے جیسے جاندار کا فوٹو لینا یا تصویر بنانا یا باجے بنانا۔

(۱۰) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہؓ نے عرض کیا اور آپؐ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراطوں پر چرایا کرتا تھا! (بخاری)

ف۔ قیراط دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے، اور دینار ہمارے سکے سے قریب پونے تین روپے کے ہوتا ہے، تو قیراط دو پائی کم دو آنے کا ہوا۔ غالباً ہر بکری کی چرائی اتنی ٹھہر جاتی ہو گی اور اس سے ایسی مزدوری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں کئی شخصوں[عہ] کا کام کیا جاتے۔

(۱۱) حضرت عتبہ بن الندرؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ یا دس برس کے لیے نوکر رکھ دیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے پر) (احمد وابن ماجہ)

ف۔ یہ قصہ قرآن مجید میں بھی ہے، اس لیے ایسی نوکری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں ایک[عہ] ہی شخص کا کام کیا جائے۔

(۱۲) حضرت ثابت بن الضحاکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا کچھ حرج نہیں۔ (مسلم)

ف۔ اس سے جائز کرایہ کی آمدنی کی اجازت معلوم ہوئی۔

(۱۳) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ کوئی درخت لگاوے یا کچھ کھیتی کرے، پھر اس سے کوئی آدمی یا کوئی پرندہ یا کوئی مویشی کھاوے مگر اس شخص کے لیے وہ (بجائے) خیرات ہوتا ہے۔ (یعنی خیرات کا ثواب ملتا ہے) (بخاری ومسلم)

عہ (مسمی بالاجیر المشترک ۱۲

عہ (مسمی بالاجیر الخاص

ف۔ اس سے کھیتی کرنے کی، اور اسی طرح درخت یا باغ لگانے کی کیسی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی آمدنی کا ایک پسندیدہ ذریعہ ہوا۔

(ح ۱۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے (ایک لمبی حدیث میں) کہ ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا۔ آپ نے (اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اور اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور ایک کلہاڑی خرید کر اس کو دے کر) فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو۔ پھر فرمایا یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام (قیامت کے دن) تمہارے چہرے پر (ذلت کا) ایک داغ ہو کر ظاہر ہو (ابوداؤد و ابن ماجہ)

ف۔ اس سے ثابت ہوا کہ حلال پیشہ کیسا ہی گھٹیا ہو، اگرچہ گھاس ہی کھودنا ہو مانگنے سے اچھا ہے، اگرچہ شان ہی بنا کر مانگا جاوے۔ جیسے بہت لوگوں نے چندہ مانگنے کا پیشہ کر لیا ہے جس سے اپنی ذلت اور دوسرے پر گرانی ہوتی ہے۔ البتہ اگر دینی کام کے لیے عام خطاب سے چندہ کی ضرورت ظاہر کی جائے تو مضائقہ نہیں۔

(ح ۱۵) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (حلال پیشہ کرنے والے مومن سے محبت کرتا ہے (رعین ترغیب از طبرانی و بیہقی)

ف۔ اس میں ہر حلال پیشہ آگیا، کسی حلال پیشے کو ذلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ آگے اس کا ذکر ہے کہ اپنی تسلی کے لیے حلال مال کا ذخیرہ رکھنا بھی مصلحت ہے۔

(ح ۱۶) حضرت عمرؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ (یہود) بنی نضیر کے اموال (مراد زمینیں ہیں، جو بذریعہ فتح مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کے لیے مخصوص تھے، آپ اس میں سے اپنی بیبیوں کا خرچ ایک سال کا دیدیتے تھے (اور) جو بچتا، اس کو ہتھیار اور گھوڑوں (یعنی جہاد کے سامان میں لگا دیتے (رعین بخاری)

(ح ۱۷) حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا، اور اپنے کل مال کو اللہ و رسول کی نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا، آپ نے فرمایا کچھ مال تھام لینا چاہیئے۔ یہ تمہارے لیے بہتر (اور مصلحت) ہے (وہ مصلحت یہی ہے کہ گذر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی

ع۔ بشرطیکہ دین کی ذلت نہ ہو جیسے مسلمان کسی کافر کی بہت ذلیل خدمت کرے ۱۲

نہیں ہونے پاتی) میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ تھامے لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے (بین ترمذی)
ف۔ پہلی حدیث سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بقدر ضرورت ذخیرہ رکھنا اور دوسری حدیث سے حضور صلعم کا اس کے لیے مشورہ دینا ثابت ہوتا ہے۔

(۱۸) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں ایسے شخص سے نفرت رکھتا ہوں جو محض بیکار ہو، نہ کسی دنیا کے کام میں ہو اور نہ آخرت کے کام میں ہو (بین مقاصد حسنہ از سعید بن منصور و احمد، ابن مبارک و بیہقی و ابن ابی شیبہ)

ف۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق کوئی دینی کام نہ ہو اس کو چاہیے کہ معاش کے کسی جائز کام میں لگے، بیکار عمر نہ گذارے باقی دینی کام کرنے والوں کا ذمہ دار خود خدا تعالیٰ ہے، وہ معاش کی فکر نہ کریں، یہاں تک آمدنی کا ذکر تھا، آگے خرچ کا ذکر ہے۔

(۱۹) حضرت مغیرہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مال کے ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے (بخاری و مسلم)

ف۔ ضائع کرنے کا مطلب بے موقع خرچ کرنا ہے جس کی کچھ تفصیل حدیث (۱) کے ذیل میں مذکور ہے۔

(۲۰) حضرت انسؓ و ابو امامہؓ و ابن عباسؓ و علیؓ سے (مجموعاً و مرفوعاً) روایت ہے کہ بیچ کی چال چلنا (یعنی نہ کنجوسی کرے اور نہ فضول اڑا دے، بلکہ سوچ سمجھ کر اور سنبھال کر، ہاتھ روک کر کفایت شعاری اور انتظام و اعتدال کے ساتھ ضرورت کے موقعوں میں صرف کرے، تو اس طرح خرچ کرنا) آدھی کمائی ہے۔ جو شخص (خرچ کرنے میں اس طرح) بیچ کی چال چلے گا وہ محتاج نہیں ہوتا۔ اور فضول اڑانے میں زیادہ مال بھی نہیں رہتا (بین مقاصد از عسکری و دیلمی وغیرہا)

ف۔ اس میں خرچ کے انتظام کا گر بتلا دیا گیا اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ زیادہ تر پریشانی و بربادی کا سبب یہی ہے کہ خرچ کا انتظام نہیں رکھا جاتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، پھر قرض لینا شروع کر دیتے ہیں جس کے برے نتیجے بیشمار ہیں، دنیا میں بھی جو کہ دیکھے جاتے ہیں اور آخرت میں بھی جیسا کہ:

(۲۱) حضرت عبد اللہ بن جحشؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بارے میں فرمایا (یعنی جو کسی کا مالی حق کسی کے ذمے آتا ہو) قسم اس ذات کی کہ میری جان

اس کے قبضے میں ہے کہ اگر کوئی شخص جہاد میں شہید ہو جاوے پھر زندہ ہو کر (دوبارہ) شہید ہو جاوے پھر زندہ ہو کر (سہ بارہ) شہید ہو جاوے، اور اس کے ذمّے کسی کا دَین آتا ہو وہ جنت میں نہ جاوے گا جب تک اس کا دَین ادا نہ کیا جاوے گا (عین ترغیب از نسائی وطبرانی وحاکم مع لفظ وتصحیح حاکم)

ف البتہ جو دَین کسی ایسی ضرورت سے لیا کہ شرع کے نزدیک بھی وہ ضرورت ہے اور اس کے ادا کرنے کی دُھن میں بھی لگا رہا، اس کی اجازت ہے (الاحادیث فی الترھیب من الدین من الترغیب)

ان سب حدیثوں سے ثابت ہوگیا کہ مال کا آمد و خرچ، اگر شرع کے موافق ہو تو وُہ خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس میں کوئی بُرائی نہیں، اور جہاں بُرائی آتی ہے وُہ اس صورت میں ہے جب اس کا آمد و خرچ شرع کے خلاف ہو۔ جیسے حدیثوں میں نکاح کرنے کی اور نسل بڑھانے کی تاکید بھی آتی ہے (کما فی الروح الآتی) پھر بی بی اور اولاد کو دشمن بھی فرمایا ہے (تغابن) یعنی جب آخرت سے روکے (جلالین) یہی حالت مال کی ہے۔ اسی لیے فتنہ ہونے میں بھی مال اور اولاد دونوں کا ساتھ ہی ذکر فرمایا (تغابن) جب آخرت سے غافل کرے (جلالین) پس ان سب کی ایک حالت ہوئی۔ سو خدا تعالیٰ کی نعمتیں خوب برتو! مگر غلام بن کر، نہ کہ باغی بن کر، یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی ہیں، اور بعضی حدیثیں جو دوسری کتابوں سے لی ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ لفظ عین بڑھا دیا۔

رُوح بستم

نکاح کرنا اور نسل بڑھانا

(یعنی جس مرد یا جس عورت کو کوئی عذر نکاح سے روکنے والا نہ ہو، اس کے لیے کبھی مصلحت کے درجے میں اور کبھی ضرورت کے درجے میں اصلی حکم یہی ہے کہ نکاح کرلے۔ چنانچہ :۔

(ع۱) حضرت ابن ابی نجیح رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محتاج ہے محتاج ہے وہ مرد جس کی بی بی نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ بہت مالدار ہو (تب بھی وہ محتاج ہے؟) آپؐ نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ بہت مالدار ہو۔ (پھر فرمایا) محتاج ہے محتاج ہے وہ عورت جس کے خاوند نہ ہو! لوگوں نے عرض کیا اگرچہ وہ بہت مالدار ہو۔ (تب بھی وہ محتاج ہے؟) آپؐ نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ بہت مال والی ہو۔ (رزین)

ف۔ کیونکہ مال کا جو مقصود ہے یعنی راحت اور بے فکری، نہ اس مرد کو نصیب ہے جس کی بی بی نہ ہو، اور نہ اس عورت کو نصیب ہے جس کے خاوند نہ ہو، چنانچہ دیکھا بھی جاتا ہے اور نکاح میں بڑے بڑے فائدے ہیں دین کے بھی اور دنیا کے بھی، چنانچہ :

(ع۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جوانوں کی جماعت جو شخص تم میں گھرستی کا بوجھ اُٹھانے کی ہمت رکھتا ہو (یعنی بی بی کے حقوق ادا کرسکتا ہو) اس کو نکاح کرلینا چاہیئے، کیونکہ نکاح نگاہ کو نیچی رکھنے والا ہے اور شرم گاہ بچانے والا ہے (یعنی حرام نگاہ سے اور حرام فعل سے آسانی کے ساتھ بچ سکتا ہے۔ (ستۃ الامالک)

ف اس کا دینی فائدہ ہونا ظاہر ہے اور دنیوی فائدہ ایک تو ع۱ میں مذکور ہو چکا ہے اور کچھ آگے مذکور ہوتے ہیں۔

(ع۳) حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے نکاح کرو، وہ تمہارے لیے مال لاویں گی (بزار)

ف۔ یہ بات اس وقت ہے جب میاں بی بی دونوں سمجھ دار، ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں سو ایسی حالت میں مرد تو یہ سمجھ کر کہ میرے ذمے خرچ بڑھ گیا ہے کمانے کی زیادہ کوشش کرے گا اور عورت گھر کا ایسا انتظام کرے گی جو مرد نہیں کر سکتا اور اس حالت میں راحت اور بے فکری لازم ہے، اور مال کا یہی فائدہ ہے۔ یہ مطلب ہوا مال لانے کا۔

(ع۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا جو ایسی ہو کہ جب شوہر اس کو دیکھے (دل) خوش ہو جاوے، اور جب اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالاوے اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات کر کے اس کے خلاف نہ کرے۔ (نسائی)

ف۔ خوشی اور فرمانبرداری اور موافقت کتنے بڑے فائدے ہیں۔

(ع۵) حضرت علیؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ اور سینے میں چکی پیسنے سے، اور پانی ڈھونے سے نشان پڑ گئے اور جھاڑو کی گرد اور چولہے کے دھوئیں سے کپڑے میلے ہو گئے۔ کہیں سے کچھ لونڈیاں آئی تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی مانگی، آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؓ اللہ سے ڈرو، اور اپنے پروردگار کا فرض ادا کرتی رہو، اور اپنے گھر والوں کا کام کرتی رہو! (بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی)

ف۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی کون ہوگی، جو گھر کا کام نہ کرے؟ تو گھر کا انتظام رکھنا کتنا بڑا فائدہ ہے۔

(ع۶) حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہو، اور بچے جننے والی ہو (اگر وہ بیوہ ہے تو پہلے نکاح سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اگر کنواری ہے تو اس کی تندرستی سے اور اس کے خاندان کی نکاح کی ہوئی عورتوں سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے) کیونکہ میں تمہاری کثرت سے اور امتوں پر فخر کروں گا (کہ میری امت اتنی زیادہ ہے (ابوداؤد ونسائی)

ف۔ اولاد کا ہونا بھی کتنا بڑا فائدہ ہے۔ زندگی میں بھی کہ وہ سب سے بڑھ کر اپنی خدمت گذار ومددگار اور فرمانبردار اور خیر خواہ ہوتے ہیں (کما ھو مشاھد فی الاکثر) اور مرنے کے بعد اس کے لیے دعا بھی کرتے ہیں (عین مشکوٰۃ باب العلم از مسلم) اور اگر آگے نیک نسل چلی تو اس کے

دینی راستے پر چلنے والے مدتوں تک رہتے ہیں (روح دوم ۵) اور قیامت میں بھی اس طرح کہ جو بچپن میں مر گئے، وہ اس کو بخشوائیں گے (کتاب الجنائز) اور جو بالغ ہو کر نیک ہوئے، وہ بھی سفارش کریں گے (روح سوم ۲ و ۵) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہے، جس سے دنیا میں بھی قوت بڑھتی ہے اور قیامت میں ہمارے پیغمبر صلعم خوش ہو کر فخر فرماویں گے، سو نکاح نہ کرنا اتنے فائدوں کو برباد کرنا ہے، اور اگر کسی ملک میں شرع کے موافق باندی مل سکے، ان فائدوں کے حاصل کرنے میں وہ بھی بجائے بی بی کے ہے پس بدوں معقول عذر کے حلال عورت سے خالی رہنے کی بُرائی آئی ہے چنانچہ :۔

(۷) حضرت ابوذر رضہ سے روایت ہے کہ حضرت عکاف بن بشیر تمیمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، آپؐ نے اُن سے فرمایا اے عکاف! کیا تمہارے بی بی ہے؟ عرض کیا نہیں، آپؐ نے فرمایا اور باندی بھی نہیں؟ عرض کیا باندی بھی نہیں، آپؐ نے فرمایا اور خیر سے تم مالدار بھی ہو وہ بولے خیر سے میں مالدار بھی ہوں، آپؐ نے فرمایا پھر تو تم اس حالت میں شیطان کے بھائی ہو اگر تم نصاریٰ میں سے ہوتے تو اُن کے راہبوں میں سے ہوتے، ہمارا (یعنی اہل اسلام کا طریقہ نکاح کرنا ہے (یا شرعی باندی رکھنا) تم میں سب سے بدتر مجرد لوگ ہیں۔ شیطان کے پاس کوئی ہتھیار جو نیک لوگوں میں پورا اثر کرنے والا ہو، عورتوں سے بڑھ کر نہیں، مگر جو لوگ نکاح کیے ہوتے ہیں وہ گندی باتوں سے پاک صاف ہیں۔ (احمد مختصراً)

ف۔ یہ اس حالت میں ہے جب نفس میں عورت کا تقاضا ہو، سو جب حلال نہ ہوگی حرام کا ڈر ظاہر ہے، اور یہ سب فائدے دین و دنیا کے جو ذکر کیے گئے، پورے طور سے اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب میاں بی بی میں محبت ہو، اور محبت اس وقت ہوتی ہے، جب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں پھر ان حقوق کا حکم بھی ہے اسلیے کچھ بڑے بڑے حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے، باقی حقوق اس سے سمجھ میں آجاویں گے، بی بی کے حقوق یہ ہیں :۔

(۸) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی فضیلت فرمائی جس کے پاس کوئی باندی تھی، اس نے اس کو (دینی) ادب اور علم اچھی طرح سکھلایا الخ (بعین مشکوٰۃ از بخاری و مسلم)

ف۔ ظاہر ہے کہ بی بی کا حق باندی سے زیادہ ہی ہے تو اس کو علم دین سکھلانے کی کیسی کچھ فضیلت

ہو گی، اور روح ۱۲ میں اس کا حکم قرآن سے مذکور ہوا ہے۔

(۹) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا عورتوں کے حق میں (تم کو) اچھے برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں، تم اس کو) قبول کرو۔ کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، سو اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے، اور اگر اس کو اُس کے حال پر رہنے دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، اس لیے ان کے حق میں اچھے برتاؤ کی نصیحت قبول کرو! (بخاری ومسلم وترمذی)

ف۔ سیدھا کرنے کا یہ مطلب کہ اُن سے کوئی بات بھی تمہاری طبیعت کے خلاف نہ ہو، سو اس کوشش میں کامیابی نہ ہو گی، انجام کار طلاق کی نوبت آ دے گی اس لیے معمولی باتوں میں درگذر کرنا چاہیے۔ نیز زیادہ سختی یا بے پروائی کرنے سے کبھی عورت کے دل میں شیطان دین کے خلاف باتیں پیدا کر دیتا ہے اس کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔

(۹) حضرت حکیم بن معاویہ رضؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بی بی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ ہے کہ جب تم کھانا کھاؤ اس کو بھی کھلاؤ اور جب کپڑا پہنو اس کو بھی پہناؤ، اور اُس کے منہ پر مت مارو! (یعنی قصور پر بھی منہ پر مت مارو! اور بے قصور مارنا تو سب جگہ بُرا ہے) اور نہ اس کو بُرا کو سنا دو اور نہ اس سے ملنا جلنا چھوڑو مگر گھر کے اندر *اندر رہ کر (یعنی روٹھ کر گھر سے باہر مت جاؤ (ابوداؤد)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن زمعہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص اپنی بی بی کو غلام کی سی مار نہ دے، پھر شاید دن کے ختم ہونے پر اس سے ہمبستری کرنے لگے۔ (بخاری ومسلم وترمذی)

ف یعنی پھر کیسے آنکھیں ملیں گی؟

(۱۱) حضرت ام سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں اور میمونہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں، اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم رضؓ (نابینا) آئے اور یہ واقعہ ہم کو پردے کا حکم ہونے کے بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں ان سے پردے میں ہو جاؤ ہم نے عرض کیا کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ ہم کو دیکھتے ہیں نہ ہم کو پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو، کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں؟ (ترمذی وابوداؤد)

ف۔ یہ بھی بی بی کا حق ہے اس کو نامحرم سے ایسا پردہ کرا دے کہ نہ یہ اس کو دیکھے، نہ وہ اس کو دیکھے۔ اور اس میں بی بی کے دین کی بھی حفاظت ہے، اس لیے کہ تجربہ ہے کہ کسی سے جس قدر زیادہ خصوصیت ہوتی ہے اسی قدر اس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور جتنی کوئی چیز عام ہوتی ہے اس سے کم تعلق ہوتا ہے اور پردے میں یہ خصوصیت ظاہر ہے، اس لیے تعلق بھی زیادہ ہوگا۔ اور جتنا تعلق بی بی سے زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا حق زیادہ ادا ہوگا، تو پردے میں بی بی کا دُنیا کا نفع بھی زیادہ ہوا۔ آگے خاوند کا حق مذکور ہوتا ہے۔

(۱۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو بی بی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے (ترمذی)

ف۔ اس سے کتنا بڑا حق شوہر کا ثابت ہوتا ہے۔

(۱۳) حضرت ابن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، عورت اپنے پروردگار کا حق ادا نہ کرے گی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے گی۔ (ابنِ ماجہ)

ف۔ یعنی صرف نماز و روزہ کر کے یوں نہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیا وہ حق بھی پورا ادا نہیں ہوا۔

(۱۴) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عورت کی نماز اس کے سر سے آگے نہیں بڑھتی (قبول نہیں ہوتی) جو اپنے خاوند کی نافرمانی کرے اور جب تک وہ اس سے باز نہ آجاوے (اوسط و صغیر طبرانی) یہاں تک نکاح کی تاکید اور حقوق کا مضمون ہو چکا، البتہ اگر نکاح سے روکنے والا کوئی عذر قوی ہو تو اس حالت میں نہ مرد کے لیے نکاح ضروری رہتا ہے، نہ عورت کے لیے۔ اگلی حدیثوں میں بعضے عذروں کا بیان ہے۔

(۱۵) حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کو نبی صلعم کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یہ میری بیٹی نکاح کرنے سے انکار کرتی ہے، آپؐ نے اس لڑکی سے فرمایا (نکاح کے بارہ میں) اپنے باپ کا کہنا مان لے) اس نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا میں نکاح نہ کروں گی جب تک آپ مجھ کو یہ نہ بتلادیں کہ خاوند کا حق بی بی کے ذمے کیا ہے۔ آپ نے فرمایا (اس میں بعضے بڑے حقوق کا ذکر ہے) اس نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے

آپ کو سچا دین دے کر بھیجا میں کبھی نکاح نہ کروں گی۔ آپ نے فرمایا عورتوں کا نکاح (جب وہ شرعاً با اختیار ہوں) بدون ان کی اجازت کے مت کرو! (بزار)

ف اس کا یہ عذر تھا کہ اس کو امید نہ تھی کہ خاوند کا حق ادا کر سکوں گی آپ نے اس کو مجبور نہیں فرمایا۔

(۱۶) حضرت عوف بن مالک اشجعی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ عورت جس کے رخسارے (محنت مشقت سے) بدرنگ ہو گئے ہوں، قیامت کے دن اس طرح ہوں گے جیسے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی۔ یعنی ایسی عورت جو اپنے خاوند سے بیوہ ہو گئی ہو اور شان و شوکت والی اور حسن و جمال والی ہے (جس کے طالب نکاح بہت سے ہو سکتے ہیں مگر) اس نے اپنے کو یتیموں (کی خدمت) کے لیے مقید کر دیا۔ یہاں تک کہ (سیانے ہو کر) جدا ہو گئے یا مر گئے۔ (ابو داؤد)

ف۔ یہ اس صورت میں ہے جب عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا نکاح کرنے سے بچے برباد ہو جائیں گے۔ پہلی حدیث میں پہلے نکاح کا اور دوسری حدیث میں دوسرے نکاح کا عذر ہے یہ عذر عورت کے لیے تھے، آگے مردوں کے عذر کا ذکر ہے۔

(۱۷) حضرت یحییٰ بن واقد رضؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک سو اسی ۱۸۰ سنہ ہو (یعنی پیغمبر صلعم کے زمانہ سے پونے دو سو برس کے قریب گذر جاویں جس میں فتنوں کی کثرت ہو گی، اور بعض روایات میں دو سو برس آئے ہیں کما فی تخریج العراقی علی الاحیاء (عن ابی یعلیٰ والخطابی۔) سو ایسی کسر کو شمار نہ کرنے سے دونوں کا ایک ہی مطلب ہوا) میں (اس وقت) اپنی امت کے لیے مجرد رہنے کی اور تعلقات چھوڑ کر پہاڑیوں کی چوٹیوں میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں (رزین)

ف۔ اس کا مفصل مطلب آگے آتا ہے۔

(۱۸) حضرت ابن مسعود رضؓ و ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آوے گا کہ آدمی کی ہلاکت اس کی بی بی اور ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں ہو گی، کہ یہ لوگ اس کو ناداری سے عار دلائیں گے اور ایسی باتوں کی فرمائش کریں گے جس کو یہ اٹھا نہیں سکے گا سو یہ ایسے کاموں میں گھس جاوے گا جس میں اس کا دین جاتا رہے گا۔ پھر یہ برباد ہو جائے گا۔ عین تخریج

مذکور از خطابی و بیہقی)

ف۔ حاصل اس عذر کا ظاہر ہے کہ جب دین کے ضرر کا قوی اندیشہ ہو اور بعضے آدمی کم ہمتی سے نکاح نہیں کرتے اور پرائے ٹکڑوں پر پڑے رہتے ہیں ان کی نسبت یہ حدیث آئی ہے۔

(۱۹) حضرت عیاض رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ آدمی دوزخی ہیں (ان میں سے) ایک وہ کم ہمت ہے جس کو (دین کی) عقل نہیں جو لوگ تم میں طفیلی بن کر رہتے ہیں نہ اہل و عیال رکھتے ہیں نہ مال رکھتے ہیں (مسلم) اور بیبیوں کی طرح اولاد کے بھی حقوق ہیں جن کا حکم بھی ہے اور ان کے ادا کرنے سے یہ بھی زیادہ امید ہے کہ وہ زیادہ خدمت کریں گے

ان میں سے دینی حقوق کا ذکر روح دوم کے ع۱۳ و ع۱۶ و ع۲۰ میں اور روح سوم ع۱۸ و ع۲۰ میں ہو چکا ہے اور ان کا دینی حق یہ ہے کہ جن چیزوں سے دنیا کا نفع اور آرام ملتا ہے وہ بھی سکھلا دے۔

(ع۲۰) حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بیٹوں کو تیرنا اور تیر چلانا سکھلاؤ اور عورت کو کاتنا سکھلاؤ (عین مقاصد از بیہقی)

ف۔ ان تین کا نام مثال کے طور پر ہے، مراد سب ضرورت کی چیزیں ہیں، یہ سب حدیثیں جمع الفوائد سے لی گئیں اور بعض حدیثیں جو دوسری کتابوں سے لی گئی ہیں، ان کے نام کے ساتھ لفظ عین بڑھا دیا گیا ہے فقط۔

رُوح بست وہکم

دُنیا سے دل نہ لگانا اور آخرت کی فکر میں رہنا

اس سے دین میں پختگی اور دل میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے، اور یہ بات اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ ہمیشہ یوں سوچا کرے کہ دنیا ایک ادنیٰ درجے کی چیز اور پھر ختم ہونے والی ہے (خاص کر اپنی عمر تو بہت جلد گزر جاتے گی اور آخرت ایک شاندار چیز اور آنے والی ہے) جس میں موت تو بہت ہی جلد آکھڑی ہو گی، پھر لگاتار یہ واقعات ہونا شروع ہو جائیں گے، قبر کا ثواب و عذاب، قیامت کا حساب کتاب، جنت اور دوزخ کی جزا و سزا، اسی مضمون کی چند آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی مثلاً عورتیں ہیں اور بیٹے ہیں (اور لگے ہوتے ڈھیر ہیں سونے اور چاندی کے اور نشان لگے ہوتے گھوڑے ہیں اور دوسرے مواشی ہیں اور زراعت ہے (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی، اور انجام کار کی (خوبی کی چیز) تو اللہ ہی کے پاس ہے (جو بعد موت کے کام آوے گی جس کی خبر دینے کا آگے حکم ہے یعنی) آپ (ان لوگوں سے یہ) فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان (مذکورہ) چیزوں سے؟ (سو سنو) ایسے لوگوں کے لیے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں (یعنی بہشت) جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں (ان بہشتوں) میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور) ان کے لیے ایسی بیبیاں ہیں جو (ہر طرح) صاف ستھری کی ہوئی ہیں، اور (ان کے لیے) خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ (آل عمران)

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ (دنیا میں) تمہارے پاس ہے وہ (ایک روز) ختم ہو جاوے گا (خواہ زوال سے یا موت سے) اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا (نحل)

(۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے، اور جو اعمالِ صالحہ ہمیشہ ہمیشہ کو باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک (یعنی آخرت میں اس دنیا سے) ثواب کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں، اور امید کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں۔

یعنی اعمال صالحہ پر جو توقعات و امیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہ آخرت میں پوری ہوں گی اور ان سے بھی زیادہ ثواب ملے گا، بخلاف متاع دنیا کے کہ اس سے خود دنیا ہی میں اُمیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو احتمال ہی نہیں۔ (پ۱۵، سورہ کہف ع۱۶)

(۴) فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلے میں) دنیوی حیات (ہرگز قابلِ اشتغال مقصود نہیں کیونکہ) وہ محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا (قوت وجمال میں اور دنیوی ہنر و کمال میں) اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے (آگے دنیا کے زوال کو ایک مثال سے بیان کر کے فرماتے ہیں) اور آخرت کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں (کفار کے لیے) عذاب شدید ہے، اور (اہلِ ایمان کے لیے) خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے (حدید)

(۵) فرمایا اللہ تعالیٰ نے بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے بدرجہا بہتر اور پائدار ہے (اعلیٰ)

(۶) حضرت مستوردؓ بن شداد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا فرماتے تھے کہ خدا کی قسم دنیا کی نسبت بمقابلے آخرت کے صرف ایسی ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنی انگلی دریا میں ڈالے، پھر دیکھے کتنا پانی لے کر واپس آتی ہے (اس پانی کو جو نسبت تمام دریا سے ہے وہ نسبت دنیا کو آخرت سے ہے) (مسلم)

(۷) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کن کٹے مرے ہوئے بکری کے بچے پر گذر ہوا، آپ نے فرمایا تم میں کون پسند کرتا ہے کہ یہ (مردہ بچہ) اس کو ایک درہم کے بدلے مل جاوے؟ لوگوں نے عرض کیا (درہم تو بڑی چیز ہے) ہم تو اس کو بھی پسند نہیں کرتے کہ وہ ہم کو کسی ادنیٰ چیز کے بدلے بھی مل جاوے، آپ نے فرمایا قسم اللہ کی دُنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس قدر یہ تمہارے نزدیک (مسلم)

(۸) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی پینے کو نہ دیتا۔ (احمد و ترمذیؒ ابن ماجہ)

(۹) حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی

دنیا سے محبت کرے گا، وہ اپنی آخرت کا ضرر کرے گا، اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کا ضرر کرے گا۔ سو تم باقی رہنے والی چیز کو (یعنی آخرت کو) فانی چیز پر (یعنی دنیا پر) ترجیح دو۔ (احمد و بیہقی)

(۱۰) حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں وہ بھی بکریوں کو اتنا تباہ نہ کریں گے، جتنا انسان کے دین کو مال اور بڑائی کی محبت تباہ کرتی ہے (ترمذی و دارمی)

ف۔ یعنی ایسی محبت کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کی بھی پرواہ نہ رہے۔ اور یہ بڑائی چاہنا بھی دنیا کا ایک بڑا حصہ ہے، خواہ دینی سرداری ہو جیسے رئیس، یا حاکم یا صدر انجمن وغیرہ بن کر اپنی اپنی شان و شوکت یا حکومت چاہتا ہو، قرآن مجید میں بھی اس کی برائی آئی ہے چنانچہ:۔

(۱۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ تو (نفس کے لیے) بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد (یعنی گناہ اور ظلم) کرنا چاہتے ہیں (قصص) البتہ اگر بے چاہے اللہ تعالیٰ کسی کو بڑائی دیدے، اور وہ اس بڑائی سے دین میں کام لے، وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ جیسا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ سے قیامت کے دن فرماوے گا کیا میں نے تجھ کو سرداری نہ دی تھی (مسلم) اس سے بڑائی کا نعمت ہونا ظاہر ہے۔ اور جیسا کہ موسیٰؑ کو وجاہت والا فرمایا (احزاب) اور جیسا عیسیٰؑ کو دنیا و آخرت میں وجاہت والا فرمایا (آل عمران) یہاں تک کہ بعض حضرات انبیاءؑ کو سلطنت تک عطا فرمائی۔ جیسے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بادشاہ تھے (ص وغیرھا) بلکہ دین کی خدمت کے لیے خود سرداری کی خواہش کرنا بھی مضائقہ نہیں، جیسے حضرت یوسفؑ نے مصر کے ملکی خزانوں پر با اختیار ہونے کی خود خواہش کی (یوسف) لیکن باوجود نعمت اور جائز ہونے کے پھر بھی اس میں خطرہ ہے چنانچہ:۔

(۱۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دس آدمیوں پر بھی حکومت رکھتا ہو وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں حاضر کیا جاتے گا کہ اس کی مشکیں کسی ہوں گی یہاں تک کہ یا تو اس کا انصاف (جو دنیا میں کیا ہو گا) اس کی مشکیں کھلوا دے گا اور یا بے انصافی (جو اس نے دنیا میں کی ہو گی) اس کو ہلاکت میں ڈال دے گی (دارمی)

ف۔ اس کا خطرہ ہونا ظاہر ہے۔

(۱۳) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے پھر اٹھے تو آپ کے بدن مبارک میں چٹائی کا نشان ہو گیا تھا۔ ابن مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم آپ کے لیے بستر بچھا دیں اور (بستر) بنا دیں! آپ نے فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا واسطہ، میری اور دنیا کی تو مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار (چلتے چلتے) کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کو ٹھہر جاوے پھر اس کو چھوڑ کر (آگے) چل دے (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

(۱۴) حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا دنیا اس شخص کا گھر ہے، جس کا کوئی گھر نہ ہو، اور اس شخص کا مال ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو، اور اس کو (حد ضرورت سے زیادہ) وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو (احمد و بیہقی)

(۱۵) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اپنے خطبہ میں یہ بھی فرماتے تھے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے (رزین و بیہقی عن الحسن مرسلاً)

(۱۶) حضرت جابرؓ سے روایت ہے (ایک لمبی حدیث میں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دنیا ہے جو سفر کرتی ہوئی جا رہی ہے اور یہ آخرت ہے جو سفر کرتی ہوئی آرہی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کے کچھ فرزند ہیں، سو اگر تم یہ کر سکو کہ دنیا کے فرزندوں میں نہ ہو تو ایسا کرو! کیونکہ آج دارالعمل میں ہو اور یہاں حساب نہیں ہے اور تم کل کو آخرت میں ہو گے، اور وہاں عمل نہ ہو گا (بیہقی)

(۱۷) حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) "کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے (اس نور کی) پہچان ہو جاوے؟ آپ نے فرمایا ہاں! دھوکے کے گھر سے (یعنی دنیا سے) کنارہ کشی اور ہمیشہ رہنے کے گھر کی طرف (یعنی آخرت کی طرف) توجہ ہو جانا، اور موت کے لیے اس کے آنے سے پہلے تیار ہو جانا (بیہقی) یہاں تک دنیا سے دل ہٹانے کا مضمون تھا آگے آخرت سے دل لگانے اور اس کے خیال رکھنے کا مضمون ہے۔

(۱۸) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے یاد

کیا کرو لذتوں کو قطع کرنے والی چیز یعنی موت کو۔ (ترمذی ونسائی وابن ماجہ)

(۱۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت تحفہ ہے مومن کا۔ (بیہقی)

ف۔ سو تحفہ سے خوش ہونا چاہیئے، اور اگر کوئی عذاب سے ڈرتا ہو تو اس سے بچنے کی تدبیر کرے یعنی اللہ و رسول کے احکام کو بجا لاوے، کوتاہی پر توبہ کرے۔

(۲۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑ کے پھر فرمایا دنیا میں اس طرح رہ جیسے گویا تو پردیسی ہے (جس کا قیام پردیس میں عارضی ہوتا ہے اس لیے اس سے دل نہیں لگاتا) یا (بلکہ ایسی طرح رہ جیسے گویا تو) راستے میں چلا جا رہا ہے (جس کا بالکل قیام ہی نہیں) اور حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب شام کا وقت آوے تو صبح کے وقت کا انتظار مت کر اور جب صبح کا وقت آوے تو شام کے وقت کا انتظار مت کر الخ (بخاری)

(۲۱) حضرت براء بن عازبؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن دنیا سے آخرت کو جانے لگتا ہے تو اس کے پاس سفید چہرہ والے فرشتے آتے ہیں، ان کے پاس جنت کا کفن، اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، پھر ملک الموت آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے جانِ پاک اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل! پھر جب اس کو لے لیتے ہیں تو وہ فرشتے ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے، اور اس کو اس کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور اس سے مشک کی سی خوشبو مہکتی ہے اور اس کو لے کر (اوپر) چڑھتے ہیں اور (زمین پر رہنے والے فرشتوں کی جس جماعت پر گذر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں یہ پاک روح کون ہے یہ فرشتے اچھے اچھے القاب سے اس کا نام بتلاتے ہیں کہ یہ فلانا فلانے کا بیٹا ہے، پھر آسمان دنیا تک اس کو پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھلواتے ہیں، اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اپنے قریب والے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک اس کو پہنچایا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ دو اور اس کو (سوال وجواب کے لیے زمین کی طرف لے جاؤ سو اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے (مگر اس طرح نہیں جیسے دنیا میں تھی، بلکہ اس عالم کے مناسب جس کی حقیقت دیکھنے سے معلوم

ہو گی) پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے، وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر کہتے ہیں یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے پیغمبر ہیں سا ایک پکارنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آسمان سے پکارتا ہے میرے بندہ نے صحیح صحیح جواب دیا، اس کے لیے جنت کا فرش کر دو اور اس کو جنت کی پوشاک پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو سو اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے (اس کے بعد اسی حدیث میں کافر کا حال بیان کیا گیا، جو بالکل اس کی ضد ہے) (احمد)

ف۔ اس کے بعد یہ واقعات ہوں گے (۱) صُور پھونکا جاوے گا (ب) سب مردے زندہ ہوں گے (ج) میدان حشر کی بڑی بڑی ہولیں ہوں گی (د) حساب کتاب ہو گا (ہ) اعمال تولے جائیں گے۔ کسی کا حق رہ گیا ہو گا اس کو نیکیاں دلائی جائیں گی (و) خوش قسمتوں کو حوض کوثر کا پانی ملے گا (ز) پل صراط پر چلنا ہو گا (ح) بعضے گناہوں کی سزا کے لیے جہنم میں عذاب ہو گا۔ (ط) ایمان والوں کی شفاعت ہو گی (ی) جنتی جنت میں جاویں گے، وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ ان سب واقعات کی تفصیل اکثر مسلمانوں کے کانوں میں بار بار پڑی ہے اور جس نے نہ سُنا ہو یا پھر معلوم کرنا چاہے، شاہ رفیع الدین صاحب کا قیامت نامہ اُردو پڑھ لے ان سب باتوں کو سوچا کرے، اگر سوچنے کا زیادہ وقت نہ ملے تو سوتے ہی وقت ذرا اچھی طرح سوچ لیا کرے، یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

رُوحِ بست و دوم

گُناہوں سے بچنا

گناہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس میں سزا بھی نہ ہوتی تب بھی یہ سوچ کر اس سے بچنا ضروری تھا کہ اس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہو جاتی ہے، اگر دنیا میں کوئی اپنے ساتھ احسان کرتا ہو اس کو ناراض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بندہ کے ساتھ بے شمار ہیں، اس کے ناراض کرنے کی کیسے ہمت ہوتی ہے؟ اور اب تو سزا کا بھی ڈر ہے خواہ دنیا میں بھی سزا ہو جاوے، یا صرف آخرت میں، چنانچہ دنیا میں ایک سزا یہ بھی ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے کہ اس شخص کو دنیا سے رغبت اور آخرت سے وحشت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے دل کی مضبوطی اور دین کی پختگی جاتی رہتی ہے، جیسا رُوح بست و یکم کے شروع مضمون سے بھی یہ صاف سمجھا جاتا ہے، تو اس حالت میں تو گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہیئے خواہ دل کے گناہ ہوں، خواہ ہاتھ پاؤں کے خواہ زبان کے، پھر خواہ وُہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہوں، خواہ بندوں کے ہوں، اور یہ سزا تو سب گناہوں میں مشترک ہے۔ اور بعض گناہوں میں خاص خاص سزائیں بھی آئی ہیں، اور ان سب باتوں کے متعلق حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ و استغفار کر لی تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے، اور اگر (گناہ میں) زیادتی کی تو وہ (سیاہ دھبہ) اور زیادہ ہو جاتا ہے سو یہی وُہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) فرمایا ہے، ہرگز ایسا نہیں (جیسا وہ لوگ سمجھتے ہیں) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

عہ کما فسر بہ فی الحدیث قولہ تعالیٰ من یعمل سُوءً یجز بہ ۱۲ عہ وھو مصرح فی الحدیث الاتی (رش) ۱۲ سہ قال تعالیٰ وَ ذروا ظاھِرَ الاثم و باطنہ ۱۲

(۲) حضرت معاذ رضؓ سے ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کو گناہ کرنے سے بچاؤ، کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوجاتا ہے (احمد)

(۳) حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تمہاری بیماری اور دوا نہ بتلادوں؟ سُن لو تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے (عین ترغیب از بیہقی والاشبہ انہ قول قتادہ رضؓ)

(۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں میں ایک قسم کا زنگ لگ جاتا ہے (یعنی گناہوں سے)، اور اس کی صفائی استغفار ہے (عین ترغیب از بیہقی)

(۵) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک آدمی محروم ہوجاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب، جس کو وہ اختیار کرتا ہے (عین جزاء الاعمال از مسند احمد غالباً)

ف۔ ظاہر میں بھی محروم ہوجانا تو کبھی ہوتا ہے، اور رزق کی برکت سے محروم ہوجانا ہمیشہ ہوتا ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے پانچ چیزیں ہیں، مَیں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے وہ طاعون میں مبتلا ہوگی، ایسی ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوگی جو اُن کے بڑوں کے وقت میں کبھی نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کرے گی قحط اور تنگی اور ظلم حکام میں مبتلا ہوگی، اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جاوے گا اس سے بارانِ رحمت، اگر بہائم بھی نہ ہوتے تو کبھی اس پر بارش نہ ہوتی، اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلّط فرمادے گا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو غیر قوم سے، پس بہ جبر لیں گے وہ اس کے اموال کو۔ (عین ترغیب از ابن ماجہ والبزار والحاکم)

(۷) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب کسی قوم میں خیانت ظاہر ہوئی اللہ تعالیٰ اس کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے، اور جو قوم ناحق فیصلہ کرنے لگی اس پر دشمن مسلّط کردیا گیا۔ (مالک)

(۸) حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب زمانہ آرہا ہے کہ (کفار کی) تمام جماعتیں تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانے والے اپنے خوان کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا اور ہم اس روز

(کیا) شمار میں کم ہوں گے، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اس روز بہت ہوگے، لیکن تم کوڑا اور ناکارہ) ہوگے جیسے رَو میں کوڑا آجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ یہ کمزوری کیا چیز ہے؟ (یعنی اس کا سبب کیا ہے) آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت (ابو داؤد و بیہقی)

(۹) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں سے (گناہوں کا) انتقام لینا چاہتا ہے، بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں (مین جزاء الاعمال از ابن ابی الدنیا)

(۱۰) حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بادشاہوں کا مالک ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اور جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں میں اُن (بادشاہوں) کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں۔ پھر وُہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں (رواہ مختصراً ابو نعیم)

(۱۱) حضرت وہبؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں، اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں، اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں، اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی غضبناک ہوتا ہوں اور لعنت کرتا ہوں، اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک پہنچتا ہے۔ (عین جزاء الاعمال از احمد)

ف یہ مطلب نہیں کہ سات پشت پر لعنت ہوتی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے نیک ہونے سے جو اولاد کو برکت ملتی، وہ نہ ملے گی۔

(۱۲) حضرت دکیعؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا جب بندہ اللہ کی بے حکمی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا خود ہجو کرنے لگتا ہے (عین جزاء الاعمال از احمد)

ف ان حدیثوں میں زیادہ تر مطلق گناہ کی خرابیاں مذکور ہیں، اب بعض بعض گناہوں کی خاص خاص خرابیاں لکھی جاتی ہیں۔

(۱۳) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سُود کے کھانے

والے (یعنی لینے والے) پر، اور اس کے کھلانے والے پر (یعنی دینے والے) پر اور اس کے لکھنے والے پر، اور اس کے گواہ پر، اور فرمایا یہ سب برابر ہیں (یعنی بعضی باتوں میں) (مسلم)

(۱۴) حضرت ابوموسیٰ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص مر جاوے اور اس پر دَین (یعنی کسی کا حق مالی) ہو اور اس کے ادا کرنے کے لیے کچھ نہ چھوڑ جاوے (رواہ مختصراً احمد و ابوداؤد)

(۱۵) حضرت ابی حرہ رقاشیؒ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! ظلم مت کرنا، سنو! کسی کا مال حلال نہیں بدوں اس کی خوشدلی کے (بیہقی و دارقطنی)

ف۔ اس میں جیسے کھلم کھلا کسی کا حق چھین لینا یا مار لینا آ گیا۔ جیسے کسی کا قرض یا میراث کا حصہ وغیرہ دبا لینا۔ ایسے ہی جو چندہ دباؤ سے یا شرم و لحاظ سے لیا جاتا ہے وہ بھی آ گیا۔

(۱۶) حضرت سالم رضؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص (کسی کی) زمین سے بدون حق کے ذرا سی بھی لے لے۔ (احمد کی) ایک حدیث میں ایک بالشت آیا ہے، اس کو قیامت کے روز ساتوں زمین میں دھنسایا جاوے گا۔ (بخاری)

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے پر، اور رشوت لینے والے پر (ابوداؤد و ابن ماجہ و ترمذی)

اور حضرت ثوبانؓ کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے اور (لعنت فرمائی ہے) اس شخص پر جو ان دونوں کے بیچ میں (معاملہ ٹھہرانے والا) ہو (احمد و بیہقی)

ف۔ البتہ جہاں بدوں رشوت دیئے ظالم کے ظلم سے نہ بچ سکے، وہاں دینا جائز ہے مگر لینا وہاں بھی حرام ہے۔

(۱۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جوتے سے منع فرمایا۔ الخ (ابوداؤد)

ف۔ شراب میں سب نشے کی چیزیں آ گئیں، اور جوئے میں بیمہ و لاٹری وغیرہ سب آ گئیں

(۱۹) حضرت ام سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سب چیزوں سے منع فرمایا ہے جو نشہ لاویں، (یعنی عقل میں فتور لاویں) یا جو حواس میں فتور لاویں (ابوداؤد)

ف۔ اس میں افیون بھی آ گئی اور بعضے حقے بھی آ گئے جن سے دماغ یا ہاتھ پاؤں بیکار ہو جاویں۔

(۲۰) حضرت ابو امامہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو میرے رب نے حکم دیا ہے باجوں کے مٹانے کا، جو ہاتھ سے بجائے جاویں اور جو منہ سے بجائے جاویں الخ (احمد)

(۲۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں آنکھوں کا زنا (شہوت سے) نگاہ کرنا ہے، اور دونوں کانوں کا زنا (شہوت سے) باتیں سننا ہے، اور زبان کا زنا (شہوت سے) باتیں کرنا ہے، اور ہاتھ کا زنا (شہوت سے) کسی کا (ہاتھ وغیرہ) پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (شہوت سے) قدم اُٹھا کر جانا ہے، اور قلب (کا زنا یہ ہے کہ وہ) خواہش اور تمنا کرتا ہے۔ الخ (مسلم)

ف اور لڑکوں کے ساتھ ایسی باتیں یا ایسے کام کرنا اس سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، اور اس حدیث کے ساتھ اس سے پہلی حدیث کو ملا کر دیکھنا چاہیے کہ ناچ رنگ میں کتنے گناہ جمع ہیں۔

(۲۲) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اور ماں باپ (کی نافرمانی کر کے ان) کو تکلیف دینا اور بے خطا جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

(۲۳) حضرت انسؓ سے اس حدیث میں بجائے اس کے جھوٹی گواہی دینا ہے (بخاری ومسلم)

(۲۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں، یتیم کا مال کھانا اور (جنگجو کافر کی) جنگ کے وقت (جب شرع کے موافق جنگ ہو) بھاگ جانا، اور پارسا ایمان والی بیبیوں کو، جن کو (ایسی بُری باتوں کی) خبر بھی نہیں، تہمت لگانا (بخاری ومسلم)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) یہ چیزیں بھی ہیں، زنا کرنا، چوری کرنا ڈکیتی کرنا، (بخاری ومسلم)

(۲۶) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں ہیں، جس میں وہ چار ہوں وہ خالص منافق ہوگا، اور جس میں ایک خصلت ہو، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، جب تک اس کو چھوڑ نہ دے گا (وہ خصلتیں یہ ہیں) جب اس کو امانت دی جاوے (خواہ مال ہو یا کوئی بات ہو) وہ خیانت کرے، اور جب بات کہے جھوٹ بولے، اور جب عہد کرے، اس کو توڑ ڈالے، اور جب کسی سے جھگڑے تو گالیاں دینے لگے۔

عہ لقولہ تعالیٰ اتاتون الرجال ۱۲

اور ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب وعدہ کرے تو خلاف کرے (بخاری و مسلم)

(۲۷) حضرت صفوان بن عسالؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حکم ارشاد فرمائے، ان میں یہ بھی ہے کہ کسی بے خطا کو کسی حاکم کے پاس مت لے جاؤ تاکہ وہ اس کو قتل کرے (یا اس پر کوئی ظلم کرے) اور جادو مت کرو (الخ ترمذی و ابوداؤد و نسائی)

اور ان گناہوں پر عذاب کی وعیدیں آئی ہیں :- حقارت سے کسی کو ہنسنا، کسی پر طعن کرنا، بُرے لقب سے پکارنا، بدگمانی کرنا، کسی کا عیب تلاش کرنا، بلاوجہ بُرا بھلا کہنا، چغلی کھانا، دو رویہ ہونا، یعنی اس کے منہ پر ایسا، اسکے منہ پر ویسا، تہمت لگانا، دھوکہ دینا عار دلانا کسی کے نقصان پر خوش ہونا، تکبر و فخر کرنا، ظلم کرنا، ضرورت کے وقت باوجود قدرت کے مدد نہ کرنا، کسی کے مال کا نقصان کرنا، کسی کی آبرو پر صدمہ پہنچانا، چھوٹوں پر رحم نہ کرنا بڑوں کی عزت نہ کرنا، بھوکوں اور ننگوں کی حیثیت کے موافق خدمت نہ کرنا، کسی دنیوی رنج سے بولنا چھوڑ دینا، جاندار کی تصویر بنانا، زمین پر موروثی کا دعویٰ کرنا، ہٹے کٹے کو بھیک مانگنا ان کے متعلق آیتیں اور حدیثیں رُوح نہم و نوز دہم میں گزر چکی ہیں۔ داڑھی منڈانا یا کٹانا، کافروں کا یا فاسقوں کا سا لباس پہننا۔ عورتوں کے لیے مردانہ وضع بنانا جیسے مردانہ جوتا پہننا، ان کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ روح بست و پنجم میں آئے گا، اور بہت سے گناہ ہیں، نمونہ کے طور پر لکھ دیئے ہیں، سب سے بچنا چاہیئے۔ اور جو گناہ ہو چکے ہیں، اُن سے توبہ کرنا ہے کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ:

(۲۸) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہی نہ تھا (بیہقی مرفوعاً و شرح السنہ موقوفاً)

البتہ حقوق العباد میں توبہ کی یہ بھی شرط ہے کہ اہلِ حقوق سے بھی معاف کراتے۔ چنانچہ:-

(۲۹) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ذمے اس کے بھائی (مسلمان) کا کوئی حق ہو، آبرو کا یا اور کسی چیز کا، اس کو آج ہی معاف کرا لینا چاہیئے، اس سے پہلے کہ نہ دینار ہوگا نہ درہم ہوگا (بخاری) (مراد قیامت کا دن ہے) بقیہ:-

(۳۰) اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوا تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے لیا جاوے گا اور

صاحب حق کو دے دیا جاوے گا) اور اگر اُس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں، تو دوسرے کے گناہ لیکر اس پر لاد دیئے جاویں گے (یعنی جمع الفوائد از مسلم و ترمذی) یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی ہیں، اور بعضی حدیث جو دوسری کتاب کی ہے وہاں عین لکھ دیا ہے۔

روح بست وسوم

صبر کرنا اور شکر کرنا

انسان کو جو حالتیں پیش آتی ہیں، خواہ اختیاری ہوں خواہ غیر اختیاری، وہ دو طرح کی ہوتی ہیں، یا تو طبیعت کے موافق ہوتی ہیں، ایسی حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا، اور اس پر خوش ہونا، اور اپنی حیثیت سے اس کو زیادہ سمجھنا، اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا گناہوں میں استعمال نہ کرنا یہ شکر ہے، اور یا وہ حالتیں طبیعت کے موافق نہیں ہوتیں بلکہ نفس کو ان سے گرانی اور ناگواری ہوتی ہے ایسی حالت کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں میری کوئی مصلحت رکھی ہے، اور شکایت نہ کرنا، اور اگر وہ کوئی حکم ہے تو اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اگر وہ کوئی مصیبت ہے تو مضبوطی سے اس کی سہار کرنا اور پریشان نہ ہونا یہ صبر ہے، اور چونکہ صبر زیادہ مشکل ہے، اس لیے اس کا بیان شکر سے پہلے ہی بیان کرتا ہوں اور زیادہ بھی کرتا ہوں، اوّل اس کے کثرت سے پیش آنے والے موقعے بطور مثال کے بتلاتا ہوں پھر اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں، وہ مثالیں یہ ہیں:۔ مثلاً دین کے کاموں سے گھبراتا ہے اور بھاگتا ہے، یا گناہ کے کاموں کا تقاضا کرتا ہے، خواہ نماز روزے سے جی چراتا ہے یا حرام آمدنی کو چھوڑنے سے، یا کسی کا حق دینے سے ہچکچاتا ہے، ایسے وقت میں ہمت کر کے دین کے کام کو بجا لاوے اور گناہ سے رُکے، اگرچہ دونوں جگہ کسی قدر تکلیف ہی ہو۔ کیونکہ بہت جلدی اس تکلیف سے زیادہ آرام اور مزہ دیکھے گا۔ اور مثلاً اس پر کوئی مصیبت پڑ گئی، خواہ فقر و فاقے کی، خواہ بیماری کی، خواہ کسی کے مرنے کی، خواہ کسی دشمن کے ستانے کی خواہ مال کے نقصان ہو جانے کی، ایسے وقت میں مصیبت کی مصلحتوں کو یاد کرے اور سب سے بڑی مصلحت ثواب ہے، جس کا مصیبت پر وعدہ کیا گیا ہے، اور اس مصیبت کا بلا ضرورت اظہار نہ کرے، اور دل میں ہر وقت اس کی سوچ بچار نہ کرے، اس سے ایک خاص سکون پیدا ہو جاتا ہے، البتہ اگر اس مصیبت کی کوئی تدبیر ہو جیسے حلال مال کا حاصل کرنا، یا بیماری کا علاج کرنا یا کسی صاحب قدرت سے مدد لینا، یا شریعت سے تحقیق کر کے بدلہ لے لینا، یا دُعا

کرنا، اس کا کچھ مضائقہ نہیں، اور مثلاً دین کے کام میں کوئی ظالم روک ٹوک کرے یا دین کو ذلیل کرے، وہاں جان کو جان نہ سمجھے، مگر قانون عقلی اور قانون شرعی کے خلاف نہ کرے، یہ صبر کی ضروری مثالیں ہیں، آگے آیتیں اور حدیثیں ہیں۔

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اگر تم کو حُبِّ مال وجاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار ہو) تو تم مدد لو صبر اور نماز سے۔ (بقرہ)

ف۔ یہاں صبر کی صورت شہوات خلاف شرع کا ترک کرنا ہے۔

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے جو دشمنوں کے ہجوم یا حوادث کے نزول سے پیش آوے) اور کسی قدر فقر و فاقہ سے اور کسی قدر مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے (مثلاً مواشی مرگئے یا کوئی آدمی مرگیا یا بیمار ہوگیا، یا پھل اور کھیتی کی پیداوار تلف ہوگئی اور آپ ان موقعوں میں) صبر کرنے والوں کو بشارت سُنا دیجیے۔ الخ (بقرہ)

(۳) (پہلی امتوں کے مخلصین کے باب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو نہ ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان (کے قلب یا بدن) کا زور گھٹا، اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) دبے (کہ ان سے عاجزی اور خوشامد کی باتیں کرنے لگے ہوں) اور اللہ تعالیٰ کو ایسے صابرین (یعنی مستقل مزاجوں سے) محبت ہے (جو دین کے کام میں ایسے ثابت رہیں (آل عمران)

(۴) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو لوگ (احکام دین پر) صابر (ثابت قدم) رہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے۔ (نحل)

(۵) اللہ تعالیٰ نے (ایک طویل آیت میں) دوسرے اعمال کے ساتھ یہ بھی فرمایا اور صبر کرنیوالے مرد، اور صبر کرنے والی عورتیں، (پھر اخیر میں فرمایا) ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (احزاب)

ف۔ اس میں سب قسمیں صبر کی آگئیں، صبر طاعات پر، صبر معاصی سے، اور صبر مصائب پر۔

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیزیں نہ بتلاؤں جن سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے لوگوں نے عرض کیا ضرور بتلایئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے فرمایا وضو کا کامل کرنا، ناگواری کی حالت

میں (کہ کسی وجہ سے وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر پھر ہمت کرتا ہے) اور بہت سے قدم ڈالنا مسجدوں کی طرف (یعنی دُور سے آنا یا بار بار آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ الخ (مسلم و ترمذی)

ف۔ ایسے وقت وضو کرنا صبر کی ایک مثال ہے۔

(۷) حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے دلی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا، اگرچہ تیری بوٹیاں کاٹ دی جائیں اور تجھ کو (آگ میں) جلادیا جاتے۔ الخ (ابن ماجہ)

ف۔ ایسے وقت ایمان پر قائم رہنا صبر کی ایک مثال ہے اور کسی ظالم کی زبردستی کے وقت جو ایسی بات یا ایسا کام شرع سے معاف ہے، وہ کفر و شرک میں داخل نہیں، کیونکہ دل تو ایمان سے بھرا ہے۔

(۸) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰؓ کو ایک لشکر پر سردار بنا کر دریا کے سفر میں بھیجا، ان لوگوں نے اسی حالت میں اندھیری رات میں کشتی کا بادبان کھول رکھا تھا (اور کشتی چل رہی تھی) اچانک ان کے اوپر سے کسی پکارنے والے نے پکارا اے کشتی والو ٹھیرو! میں تم کو خدا تعالیٰ کے ایک حکم کی خبر دیتا ہوں جو اس نے اپنی ذات پر مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ اگر تم کو خبر دینا ہے تو ہم کو خبر دو! اس پکارنے والے نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات پر یہ بات مقرر کر لی ہے کہ جو شخص گرمی کے دن میں روزہ رکھ کر اپنے کو پیاسا رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو پیاس کے دن (یعنی قیامت میں جب پیاس کی شدت ہوگی) سیراب فرمادے گا (منذری ترغیب از بزار)

ف۔ یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

(۹) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اٹکتا ہو، اور وہ اس کو مشکل لگتا ہو، اس کو دو ثواب ملیں گے (بخاری و مسلم)

ف۔ یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے اور یہ پوری حدیث رُوحِ سوم (۳) میں گذر چکی ہے۔

(۱۰) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ پیارا وہ عمل ہے جو ہمیشہ ہو، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ (بخاری و مسلم)

ف۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیشہ سنبھالنے میں ضرور کسی نہ کسی وقت نفس کو دشواری ہوتی ہے، اس لیے یہ بھی صبر کی ایک مثال ہے۔

(۱۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ گھری ہوئی ہے (حرام) خواہشوں کے ساتھ، اور جنت گھری ہوئی ہے ناگوار چیزوں کے ساتھ (مسلم)

ف۔ جو عبادتیں نفس پر دشوار ہیں اور جن گناہوں سے بچنا دشوار ہے اس میں سب آ گئے۔

(۱۲) حضرت ابوہریرہؓ و ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو کوئی مصیبت، یا کوئی مرض، یا کوئی فکر، یا کوئی رنج، یا کوئی تکلیف یا کوئی غم نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ کانٹا جو چبھ جاوے، مگر اللہ ان چیزوں سے ان کے گناہ معاف فرماتا ہے (بخاری و مسلم)

(۱۳) حضرت عائشہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں جو طاعون واقع ہونے کے وقت اپنی بستی میں صبر کیے ہوئے ثواب کی نیت کیے ہوئے ٹھیرا رہے، اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے (تقدیر میں) لکھ دیا ہے، مگر ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا (بخاری) (اگر چہ مرے نہیں، اور مرنے میں اور بڑے درجے کی شہادت ہے (مسلم وغیرہ)

ف۔ لیکن گھر بدلنا، یا محلہ بدلنا، یا اسی بستی کے جنگل میں چلا جانا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ بیماروں اور مردوں کے حقوق ادا کرتا رہے۔

(۱۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو پیاری چیزوں (کی مصیبت) میں مبتلا کر دوں (اس سے مراد دو آنکھیں ہیں، جیسا راوی نے بھی تفسیر اسی حدیث میں کی ہے یعنی اس کی آنکھیں جاتی رہیں) پھر وہ صبر کرے، میں ان دونوں کے عوض میں اس کو جنت دوں گا (بخاری)

(۱۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے مومن بندہ کے لیے جب کہ میں دنیا میں رہنے والوں میں سے اس کے کسی پیارے کی جان لے لوں، پھر وہ اس کو ثواب سمجھے (اور صبر کرے تو ایسے شخص کے لیے) میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں (بخاری)

ف۔ وہ پیارا خواہ اولاد ہو، یا بی بی ہو، یا شوہر ہو، یا اور کوئی رشتہ دار ہو، یا دوست ہو۔

(۱۶) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندہ کا بچہ مرجاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کے بچہ کی جان لے لی، وہ کہتے ہیں ہاں، پھر فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں، پھر فرماتا ہے میرے بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں آپ کی حمد (وثنا) کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون ٥ کہا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو (احمد و ترمذی)

(۱۷) حضرت ابوالدرداءؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اور ان کی طرف متوجہ ہو کر ہنستا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور ان کی حالت پر خوش ہوتا ہے (ان تین میں) ایک وہ (بھی) ہے، جو اللہ تعالیٰ کے لیے جان دینے کو تیار ہو گیا (جہاں اس کی شرطیں پائی جاویں) پھر خواہ جان جاتی رہی اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غالب کر دیا اور اس کی طرف سے کافی ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندہ کو دیکھو میرے لیے کس طرح اپنی جان کو صابر بنا دیا۔ (آہ مختصراً عین ترغیب از طبرانی) یہ صبر کا بیان ہو چکا۔ اب کچھ شکر کا بیان کرتا ہوں، اور یہ شکر جس طرح خود اپنی ذات میں بھی ایک عبادت ہے، اسی طرح اس میں ایک یہ بھی خاصیت ہے کہ اس سے ایک دوسری عبادت یعنی صبر آسان ہو جاتا ہے۔ عقلی طور سے بھی اور طبعی طور سے بھی، عقلی طور سے تو اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے سوچنے کی اور ان پر خوش ہونے کی (جو کہ شکر میں لازم ہے) عادت پختہ ہو جائے گی تو مصیبت وغیرہ کے وقت بھی یہ سوچے گا کہ جس ذاتِ پاک کے اتنے احسانات ہوتے رہتے ہیں اگر اس کی طرف سے کوئی تکلیف بھی پیش آ گئی اور وہ بھی ہماری ہی مصلحت اور ثواب کے لیے (جیسا اوپر حدیثوں سے معلوم ہوا) تو اس کو خوشی سے برداشت کرنا چاہیئے، جیسے دنیا میں اپنے محسنوں کی سختیاں خوشی سے گوارا کر لی جاتی ہیں، خاص کر جب بعد میں انعام بھی ملتا ہو، اور طبعی طور پر اس طرح کہ نعمتوں کے سوچنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہو جائے گی اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کی سختی ناگوار نہیں ہوتی جیسا دنیا میں عاشق کو اپنے معشوق کی سختیوں میں خاص لطف آتا ہے۔ آگے اس شکر کے

ع حقیقت اس کی شروع مضمون میں لکھی گئی ۱۲

متعلق آیتیں اور حدیثیں آتی ہیں۔

(۱۸) فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یاد کرو میں تم کو (رحمت سے) یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو! (بقرہ)

(۱۹) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ہم بہت جلد جزا دیں گے شکر کرنے والوں کو (آل عمران)

(۲۰) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر تم (میری نعمتوں کا) شکر کرو گے میں تم کو زیادہ نعمت دوں گا، خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں تو ضرور) اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (یہ سمجھ رکھو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے (ناشکری میں اس کا احتمال ہے) (ابراہیم)

(۲۱) حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں مل گئیں، دِل شکر کرنے والا، اور زبان ذکر کرنے والی، اور بدن جو بلا پر صابر ہو، اور بی بی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں اس سے خیانت نہیں کرنا چاہتی (بیہقی)

خلاصہ۔ کوئی وقت خالی نہیں کہ انسان پر کوئی نہ کوئی حالت نہ ہوتی ہو، خواہ طبیعت کے موافق، خواہ طبیعت کے مخالف، اوّل حالت پر شکر کا حکم ہے، دوسری حالت میں صبر کا حکم ہے تو صبر و شکر ہر وقت کے کام ہوئے، مسلمانو! اس کو نہ بھولنا، پھر دیکھنا ہر وقت کیسی لذت و راحت میں رہو گے! یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں اور جو دوسری کتاب سے لی ہیں اس پر لفظ عن لکھ دیا ہے۔

رُوح بست وچہارم

مشورہ اتفاق صفائی مُعاملہ وحُسنِ معاشرت

مشورہ کے قابل کاموں میں دیانت دار خیر خواہوں سے مشورہ لینا اور آپس میں محبت اور ہمدردی اور اتفاق رکھنا اور معاملات یعنی لین دین وغیرہ میں اور معاشرات یعنی میل جول میں اس کا خیال رکھنا کہ میرے برتاؤ سے کسی کو ظاہری تکلیف یا باطنی تنگی یا پریشانی یا گرانی نہ ہو، اور اس کا نام حسن معاشرت ہے، یہ تین چیزیں ہوئیں، مشورہ اتفاق، صفائی معاملہ وحسن معاشرت اور یہ تینوں چیزیں مستقل طور پر بھی مقصود ہیں (یعنی ان کا الگ الگ بھی حکم ہے) جیسا آگے آنے والی آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوگا، اور ایک کا دوسرے سے خاص تعلق بھی ہے مثلاً مشورہ پر اسی وقت بھروسہ ہو سکتا ہے جب مشورہ والوں میں باہم محبت واتفاق ہو، اور محبت واتفاق اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب ایک کو دوسرے سے کوئی نقصان یا تکلیف ظاہری یا باطنی نہ پہنچی ہو، اسی طرح دوسری طرف سے لو کہ کسی کو تکلیف یا نقصان سے بچانے کا خیال پورے طور سے تب ہی ہو سکتا ہے جب اس سے محبت وہمدردی ہو اور اتفاق ومحبت کو پوری ترقی اس سے ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنے مشورہ میں شریک رکھے، اس خاص تعلق کی وجہ سے ان تینوں چیزوں کو مثل ایک ہی چیز کے قرار دے کر سب کا ساتھ ہی ذکر کیا جاتا ہے اب ترتیب سے ایک ایک کا بیان کرتا ہوں۔

مشورہ:۔ اس میں دنیا کا بھی فائدہ ہے کہ اس سے کاموں میں غلطی کم ہوتی ہے۔

(۱) حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان کے ساتھ کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے (ترمذی)

ف۔ اور ظاہر ہے کہ مشورہ میں جلد بازی کا انسداد ہے اور یہ ان ہی امور میں ہے جن میں دیر کی گنجائش ہے اور دین کا بھی فائدہ ہے کہ شریعت میں اس کی فضیلت آئی ہے چنانچہ،

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اے پیغمبر!) ان (صحابہؓ) سے خاص خاص[ھ] باتوں میں مشورہ لیتے

ھ اشارۃ الی کون الامر للعہد ۱۲

رہا کیجیے) پھر (مشورہ لینے کے بعد جب آپ ایک (جانب) رائے پختہ کرلیں (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو) سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کر کے اسی کام کو کر ڈالا کیجیے! بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے (آل عمران)

ف۔ خاص باتوں سے مراد وہ امور ہیں جن میں وحی نازل نہ ہوتی ہو، اور مہتم بالشان بھی ہوں، یعنی معمولی نہ ہوں، کیونکہ وحی کے بعد اس کی گنجائش نہیں اور معمولی کاموں میں مشورہ منقول نہیں جیسے دو وقت کا کھانا وغیرہ۔

(۳) فرمایا اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر (یعنی ثواب اور برکت) نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیر (خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی، یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم و ترغیب کی تکمیل و انتظام کے لیے تدبیریں اور مشورہ کرتے ہیں ان کی سرگوشی میں البتہ خیر یعنی ثواب و برکت ہے (نساء)

ف۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات مشورہ خفیۃً ہی مصلحت ہے۔

(۴) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان (مومنین) کا ہر کام (جو قابل مشورہ ہو جس کا بیان اوپر آچکا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ (شوریٰ)

ف۔ مشورہ پر مومنین کی مدح فرمانا مشورے کی مدح کی صاف دلیل ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے (واقعہ بدر میں جانے کے متعلق صحابہ سے مشورہ فرمایا، الخ (عین مسلم)

(۶) حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی مقدمہ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن و حدیث میں حکم نہ ملتا، تو بڑے لوگوں کو اور نیک لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مشورہ لیتے، جب ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے موافق فیصلہ فرماتے، (عین حکمت بالغہ عن ازالۃ الخفا عن الدارمی)

ف۔ رائے کا متفق ہونا عمل کی شرط نہیں (لعزمہ علی قتال مانعی الزکوٰۃ مع اختلاف الجماعۃ)

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل مشورہ علماء ہوتے تھے خواہ

عہ یدل علیہ الاطلاق ۱۲

بڑی عمر کے ہوں، یا جوان ہوں، (رہین بخاری)

ف۔ اخیر کی تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کا معمول تھا، مشورہ لینے کا۔

(۸) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے مشورہ لینا چاہے تو اس کو مشورہ دینا چاہیئے (رہین ابن ماجہ)

اب مشورہ کے کچھ آداب ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۹) حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معرکہ کا ارادہ فرماتے تو (اکثر) کسی دوسرے واقعہ کا پردہ فرماتے، الخ (بخاری)

ف۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس مشورہ کا ظاہر کرنا مضر ہو، اس کو ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔

(۱۰) حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں۔ یعنی کسی مجلس میں کسی معاملے کے متعلق کچھ باتیں ہو، ان کو باہر ذکر نہ کرنا چاہیئے (اس میں مشورہ کی مجلس بھی آگئی) مگر تین مجلسیں، الخ، (ابوداؤد)

ف۔ ان تین مجلسوں کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی جان یا مال یا آبرو لینے کا مشورہ یا تذکرہ ہو اس کو چھپانا جائز نہیں، اور جب خاص آدمی کے ضرر کے شبہ میں ظاہر کرنا گناہ ہے، تو جس کے ظاہر کرنے میں عام مسلمانوں کا ضرر ہو، تو اس کا ظاہر کرنا تو اور زیادہ گناہ ہوگا۔ چنانچہ:۔

(۱۱) حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے بدنیتی سے نہیں، بلکہ غلط فہمی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا ہی راز کفار مکہ کو پہنچا دیا تھا، اس پر سورۂ ممتحنہ کی شروع کی آیتوں میں تنبیہ کی گئی ہے۔ (رہین در منثور از کتب حدیث) بلکہ جس معاملہ کا بھی تعلق عام مسلمانوں سے ہو، اگرچہ اس کے ظاہر کرنے میں کوئی نقصان بھی معلوم نہ ہوتا ہو تب بھی بجز ان لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں عام لوگوں پر اس کا اظہار نہ چاہیئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصان کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو، چنانچہ:

(۱۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جب ان لوگوں کو کسی امر (جدید) کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا (موجب) خوف، تو اس (خبر) کو (فوراً) مشہور کر دیتے ہیں۔ (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آگئے، حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتی ہے کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف

مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کرنے کے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے) کے اوپر اور جو اُن میں ایسے اُمور کو سمجھتے ہیں، (یعنی اکابر صحابہؓ ان کی رائے) کے اوپر حوالہ رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے، جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں (پھر جیسا یہ حضرات عملدرآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اُڑانیوالوں کو کرنا چاہیئے تھا۔ (نساء)

ف۔ اور اس آیت سے اکثر اخبار کا خلاف حدود ہونا معلوم ہو گیا، البتہ جو اخبار حدود کے اندر ہو، اس کا مفید ہونا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے یعنی :۔

(۱۳) حضرت ابن ابی ہالہؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم اپنے اصحابؓ کے حالات کی تلاش رکھتے تھے، اور (خاص) لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ (عام) لوگوں میں کیا واقعات (ہو رہے) ہیں؟ (یعنی شمائل ترمذی)

اتفاق :۔

(۱۴) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلے کو (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو) اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو، اور باہم نااتفاقی مت کرو۔ (آل عمران)

(۱۵) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اور ان (مسلمانوں) کے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا۔ (انفال)

ف۔ احسان کے موقع پر ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ اتفاق بڑی نعمت ہے۔

(۱۶) فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور (تمام امور میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو (کہ کوئی کام خلاف شرع نہ ہو) اور آپس میں نزاع مت کرو ورنہ (باہمی نااتفاقی سے) کم ہمت ہو جاؤ گے، (کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی، ایک کو دوسرے پر وثوق نہ ہو گا اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے؟) اور تمہاری ہوا اکھڑ جاتی گی (مراد اس سے بد رعبی ہے۔ کیونکہ دوسروں کو اس نااتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ امر لازمی ہے) (انفال)

ف۔ اس میں نااتفاقی کی بُرائی، اور اصل چیز اللہ و رسول کی اطاعت یعنی دین کا ہونا مذکور ہے۔

(۱۷) حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر نہ دُوں جو (اپنے بعض آثار کے اعتبار سے) روزہ اور صدقہ (زکوٰۃ) اور نماز کے درجے سے بھی افضل ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ضرور خبر دیجیئے! آپؐ نے فرمایا وہ آپس کے

تعلقات کو درست رکھنا ہے، اور آپس کا بگاڑ دین کو مونڈ دینے والی چیز ہے (ابو داؤد و ترمذی) اور جن باتوں سے اتفاق پیدا ہوتا ہے یا اتفاق قائم رہتا ہے، یعنی آپس کے حقوق کا خیال رکھنا، اور جن سے نا اتفاقی ہوتی ہے، یعنی آپس کے حقوق میں کوتاہی کرنا، ان کا بیان رُوح نہم میں ہو چکا ہے۔

صفائی مُعاملہ و حُسن معاشرت:-

جن لوگوں کو دین کا تھوڑا سا بھی خیال ہے وہ پہلی بات کا یعنی صفائی معاملہ کا تو کچھ خیال کرتے بھی ہیں، اور اس کو دین کی بات سمجھتے ہیں۔ اور مسائل نہ جاننے سے کچھ کوتاہی ہو جاوے تو اور بات ہے، اس کا آسان علاج یہ ہے کہ میرا رسالہ صفائی معاملات اور پانچواں حصہ بہشتی زیور کا دیکھ لیں یا سُن لیں۔ یا جو معاملہ پیش آیا کرے اس کا حکم کسی عالم سے پوچھ لیا کریں اور اگر خود کوئی خیال نہیں کرتا تو دُوسرا شخص جس کا حق ہے وُہ تقاضا کر کے اس کے کان کھول دیتا ہے، اس لیے اس جگہ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن دوسری چیز یعنی حُسن معاشرت کا بہت سے دیندار لوگ بھی خیال نہیں کرتے، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض دنیا کا ایک انتظام ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اس کے متعلق کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

(عـ۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا (جن میں کسی دوسرے کے ہونے کا احتمال ہی نہیں، جیسے اپنا خاص کمرہ) دوسرے کے گھروں میں (جن میں دوسرے لوگ رہتے ہوں خواہ مرد، خواہ عورتیں خواہ محرم، خواہ غیر محرم) داخل مت ہو، جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کر لو۔ (آگے فرمایا) اور اگر (اجازت لینے کے وقت) تم سے یہ کہہ دیا جاوے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ، تو تم لوٹ آیا کرو! (اور یہی لوٹ آنے کا بخاری و مسلم کی حدیث میں حکم ہے، (جب تین بار پوچھنے پر اجازت نہ ملے) (سورۃ نور)

ف۔ یہ مسئلہ اجازت چاہنے کا زنانہ اور مردانہ سب گھروں کے لیے ہے، اور

عـہ ان کے معنی شروع مضمون میں گذر چکے ۱۲

اس میں تین حکمتیں ہیں، ایک یہ کہ گھر والے کے کسی ناجائز موقع پر نظر نہ پڑ جائے، دوسرے یہ کہ کسی ایسی حالت کی خبر نہ ہو جائے جس کی خبر ہونا اس کو ناگوار ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض اوقات دِل پر گرانی ہوتی ہے خواہ آرام میں خلل پڑنے سے، خواہ کسی کام میں حرج ہونے سے، خواہ ملنے ہی کو جی نہیں چاہتا۔

(۱۹) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے (یعنی صدرِ مجلس کہہ دے) کہ مجلس میں جگہ کھول دو (جس میں آنے والے کو بھی جگہ مل جائے)، تو تم جگہ کھول دیا کرو، (اور آنے والے کو جگہ دے دیا کرو) اللہ تعالیٰ تم کو (جنت میں) کھلی جگہ دے گا، اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جاوے کہ (مجلس سے) اُٹھ کھڑے ہو، تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو، (خواہ خلوت کی ضرورت سے اٹھاوے اور خواہ دوسری جگہ بیٹھنے کے لیے اُٹھادے)۔ (مجادلہ)

(۲۰) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات میں (اوّل) بستر پر لیٹ گئے۔ پھر اتنا ہی توقف فرمایا کہ آپؐ نے یہ سمجھا کہ میں سو گئی، سو اپنا چادرہ آہستہ سے لیا اور نعل مبارک آہستہ سے پہنے اور دروازہ آہستہ سے کھولا اور بقیع میں تشریف لے گئے اور واپسی پر اس کی وجہ میں؟ فرمایا کہ میں نے یہ سمجھا کہ تم سو گئیں، اور میں نے تمہارا جگانا ناپسند نہیں کیا اور مجھ کو اندیشہ ہوا کہ تم جاگ کر اکیلی گھبراؤ گی۔ الخ (مسلم)

ف۔ حدیث میں صاف مذکور ہے کہ آپؐ نے سب کام اس لیے آہستہ کیے کہ حضرت عائشہؓ کو تکلیف نہ ہو، خواہ جاگنے کی بھی، خواہ صرف گھبرانے کی۔

(۲۱) حضرت مقدادؓ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ ہم تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے، بعد عشاء آکر لیٹ رہتے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دیر میں تشریف لاتے تو چونکہ مہمانوں کے سونے جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا۔ اس لیے سلام تو فرماتے کہ شاید جاگتے ہوں، مگر ایسا آہستہ فرماتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سُن لیں۔ اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے (مسلم بحاصلہ) حسنِ معاشرت کا مضمون اس جگہ

ع۵ لا تختص بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الروح ۱۲

مختصر لکھ دیا، اس کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے رسالہ آداب المعاشرت اور دسواں حصہ بہشتی زیور کا شروع سے ہُنر اور پیشوں کے بیان تک ضرور دیکھ لیں یا سُن لیں، اور یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں مگر جو دوسری کتابوں سے لی ہیں، ان میں لفظ عین لکھ دیا ہے ۔

رُوح بست وپنجم

امتیازِ قومی

(یعنی اپنا لباس، اپنی وضع، اپنی بول چال، اپنا برتاؤ وغیرہ غیر مذہب والوں سے الگ رکھنا) دوسری قوموں کی وضع وعادت بلا ضرورت اختیار کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے، پھر ان میں بعضی چیزیں تو ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ بھی رہے تب بھی گناہ رہیں گی جیسے داڑھی منڈانا، یا حد سے باہر کترانا، یا گھٹنوں سے اونچا پائجامہ، یا جانگیا پہننا کہ ہر حال میں ناجائز ہے، اور اگر اس کے ساتھ شرعی وضع کو حقیر سمجھے یا اس کی بُرائی کرے تو پھر گناہ سے گزر کر کفر ہو جاتے گا، اور بعضی چیزیں ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ رہے تو گناہ نہ رہیں گی اور خصوصیت نہ رہنے کی پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے لوگوں کی ہے۔ جیسے انگرکھا، یا اچکن پہننا، مگر جب تک یہ خصوصیت ہے، اس وقت تک منع کیا جاوے گا۔ جیسے ہمارے ملک میں کوٹ پتلون پہننا، یا گرگابی پہننا، یا دھوتی باندھنا، یا عورتوں کو لہنگا پہننا، پھر ایسی چیزوں میں جو چیزیں دوسری قوموں کی محض قومی وضع ہیں جیسے کوٹ پتلون وغیرہ، یا قومی وضع کی طرح ان کی عادت ہے۔ جیسے میز کرسی پر، یا چھری کانٹے سے کھانا، ان کے اختیار کرنے سے تو صرف گناہ ہی ہوگا، کہیں کم کہیں زیادہ، اور جو چیزیں دوسری قوموں کی مذہبی وضع ہیں ان کا اختیار کرنا کفر ہو گا، جیسے صلیب لٹکا لینا، یا سر پر چوٹی رکھ لینا، یا جنیو باندھ لینا، یا ماتھے پر قشقہ لگانا، یا جُے پکارنا وغیرہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں، نہ مذہبی وضع ہیں، گو ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں ہیں جیسے دیا سلائی، یا گھڑی، یا کوئی حلال دوا، یا مختلف سواریاں یا ضرورت کے بعضے نئے آلات جیسے ٹیلی گراف یا ٹیلیفون یا نئے ہتھیار یا نئی ورزشیں

عہ ویلقب بلسان الشرع بمسئلۃ التشبہ ۱۲ عہ فالتشبہ حکمۃ للنہی عنہا لا دمۃ ۱۲

جن کا بدل ہماری قوم میں نہ ہو، ان کا برتنا جائز ہے، نہ کہ گانے بجانے کی چیزیں جیسے گراموفون یا ہارمونیم وغیرہ، مگر ان جائز چیزوں کی تفصیل اپنی عقل سے نہ کریں، بلکہ علماء سے پوچھ لیں اور مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں، خواہ وہ بدعتی دین کے رنگ میں ہوں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں، ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے، گو کافروں کی وضع سے کم سہی، بلکہ مرد کو عورت کی وضع، اور عورت کو مرد کی وضع بنانا گناہ ہے، پھر ان سب ناجائز وضعوں میں اگر پوری وضع بنائی زیادہ گناہ ہو گا، اور اگر ادھوری بنائی اس سے کم ہو گا، اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ مسئلہ جس طرح شرعی ہے اسی طرح عقلی بھی ہے، کیونکہ مرد کے لیے زنانہ وضع بنانے کو ہر شخص عقل سے بھی بُرا سمجھتا ہے، حالانکہ دونوں مسلمان اور صالح ہیں، تو جہاں مسلمان اور کافر کا فرق ہو، یا صالح و فاسق کا فرق ہو، وہاں کافر یا فاسق کی وضع بنانے کو کس کی عقل اجازت دے سکتی ہے؟ اب کچھ آیتیں اور حدیثیں لکھتا ہوں۔

(۱) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اور شیطان نے یوں کہا کہ میں ان کو (اور بھی) تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے (جیسے داڑھی منڈانا، بدن گودنا وغیرہ (نساء، آیت ۱۱۹)

ف۔ بعض تبدیلی تو صورت بگاڑنا ہے، اور حرام ہے جیسی اوپر مثالیں لکھی گئیں، اور بعض تبدیلی صورت کا سنوارنا ہے اور واجب ہے جیسے لبیں ترشوانا، بغل اور زیرناف کے بال لینا، اور بعض تبدیلی جائز ہے جیسے مرد کو سر کے بال منڈا دینا یا کٹا دینا، یا مٹھی سے زیادہ داڑھی کٹا دینا، اور اس کا فیصلہ شریعت سے ہوتا ہے، نہ کہ رواج سے کیونکہ اوّل تو رواج کا درجہ شریعت کے برابر نہیں، دوسرے ہر جگہ کا رواج مختلف ہے پھر وہ ہر زمانے

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، ظالموں (یعنی نافرمانوں) کی طرف (باعتبار دوستی یا شرکت اعمال و احوال کے) مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے الخ (ہود)

ف۔ یہ یقینی بات ہے کہ اپنی وضع اور طریقہ چھوڑ کر دوسرے کی وضع اور طریقہ خوشی سے تب ہی اختیار کرتا ہے، جب اس کی طرف دل جھکے، اور نافرمانوں کی طرف جھکنے پر دوزخ کی وعید فرمائی

عہ فمسئلۃ التشبہ ثابتۃ بالقرآن ایضاً ۱۲

ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایسی وضع اور طریقہ اختیار کرنا گناہ ہے۔

(ع۳) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے، فرمایا یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں، ان کو مت پہنو (مسلم)

ف۔ ایسا کپڑا مرد کے لیے خود بھی حرام ہے، مگر آپ نے ایک وجہ یہ بھی فرمائی معلوم ہوا کہ اس وجہ میں بھی اثر ہے، بس یہ وجہ جہاں بھی پائی جاتے گی یہی حکم ہوگا۔

(ع۴) حضرت رکانہ رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹوپیوں کے اوپر عماموں کا ہونا فرق ہے ہمارے اور مشرکین کے درمیان (ترمذی)

ف۔ مرقاۃ میں ہے کہ معنی یہ ہیں کہ عمامہ ہم ٹوپیوں کے اوپر باندھتے ہیں، اور مشرکین صرف عمامہ باندھتے ہیں۔ آہ

(ع۵) حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (وضع وغیرہ میں) کسی قوم کی شباہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں ہے (احمد و ابوداؤد)

ف۔ یعنی اگر کفار فساق کی وضع بناوے گا، وہ گناہ میں ان کا شریک ہوگا۔

(ع۶) ابی ریحانہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا (ان میں یہ بھی ہے یعنی) اور اس سے بھی کہ کوئی شخص اپنے کپڑوں کے نیچے حریر لگاوے مثل عجمیوں کے یا اپنے شانوں پر حریر لگاوے مثل عجمیوں کے الخ (ابوداؤد و نسائی)

ف۔ اس میں بھی وہی تقریر ہے جو (ع۳) میں گزری۔

(ع۷) حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کی شباہت بناتے ہیں، اور ان عورتوں پر جو مردوں کی شباہت بناتی ہیں (بخاری)

(ع۸) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورت کی وضع کا لباس پہنے۔ (ابوداؤد)

(ع۹) حضرت ابن ابی ملیکہ رض سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رض سے کہا گیا کہ ایک عورت (مردانہ) جوتا پہنتی ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردانی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

ف آجکل عورتوں میں اس کا بہت رواج ہوگیا ہے، اور بعضی تو انگریزی جوتا پہنتی ہیں جس سے دو گناہ ہوتے ہیں، ایک مردوں کی وضع کا، دوسرا غیر قوم کی وضع کا۔

(۱۰) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعنت کرے اللہ تعالیٰ بال میں بال ملانے والی کو اور ملوانے والی کو (جس سے غرض دھوکہ دینا ہو کہ دیکھنے والوں کو لمبے معلوم ہوں) اور گودنے والی کو اور گدوانے والی کو (بخاری و مسلم) ف۔ مردوں کا بھی یہی حکم ہے۔

(۱۱) حضرت حجاج بن حسانؒ سے روایت ہے کہ ہم حضرت انسؓ کی خدمت میں گئے (حجاج اس وقت بچے تھے) کہتے ہیں کہ میری بہن مغیرہ نے مجھ سے قصہ بیان کیا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہارے (سر پر) بالوں کے دو چٹلے یا گچھے تھے حضرت انسؓ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا، اور برکت کی دعا کی، اور فرمایا، ان کو منڈوا دو یا کاٹ دو، کیونکہ یہ وضع یہود کی ہے (ابوداؤد)

(۱۲) عامر بن سعدؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلعم نے فرمایا صاف رکھو اپنے مکانوں کے سامنے کے میدانوں کو اور یہود کے مشابہ مت بنو (وہ میلے کچیلے ہوتے تھے) (ترمذی)

ف۔ جب گھر سے باہر کے میدانوں کو میلا رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے تو خود اپنے بدن کے لباس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی؟

(۱۳) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آجاویں، اور (یہ) دیہاتی اس کو عشا کہتے تھے (یعنی تم اس کو عشا مت کہو مغرب کہو) اور یہ بھی فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ عشا کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آجاویں کیونکہ وہ کتاب اللہ میں عشاء ہے (اور وہ اس کو عتمہ کہتے تھے اس لیے کہ عتمہ (یعنی اندھیرے) میں اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا تھا۔ (مسلم) ف۔ اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی بلا ضرورت ان لوگوں کی مشابہت نہ چاہیئے، جو دین سے واقف نہیں۔

(۱۴) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عربی کمان تھی، آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارس کی کمان تھی، آپ نے فرمایا اس کو پھینک اور (عربی کمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ) اس کو لو، اور جو اس کے مشابہ ہے الخ (ابن ماجہ) ف۔ فارسی کمان کا بدل عربی کمان تھی اسلیے اس کے استعمال سے منع فرمایا معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم کی مشابہت سے بچنا چاہیے جیسے کانسی پیتل کے برتن، بعضی جگہ غیر قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔

(۱۵) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز میں

عہ چاندی سونے کا وہ گپھا جو ہندو عورتیں چوٹی کے پیچھے لگاتی ہیں یا مصنوعی بال جن کو عورتیں اپنے بالوں میں خوبصورتی کے لیے ملا لیتی ہیں۔ ۱۲

پڑھو (یعنی صحیح اور بلا تکلف) اور اپنے کو اہلِ عشق کے لہجہ سے اور دونوں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے لہجہ سے بچاؤ الخ (بیہقی و رزین)

ف۔ معلوم ہوا کہ پڑھنے میں بھی غیر قوموں اور بے شرع لوگوں کی مشابہت سے بچنا چاہیئے۔

(۱۶) ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ام سعید دختر ابی جہل کو دیکھا کہ ایک کمان لٹکائے ہوئے تھی، اور مردوں کی چال سے چل رہی تھی، حضرت عبد اللہ نے کہا یہ کون ہے؟ میں نے کہا یہ ام سعید دختر ابو جہل ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے ایسا شخص ہم سے الگ ہے جو عورت ہو کر مردوں کی مشابہت کرے یا مرد ہو کر عورتوں کی مشابہت کرے (یعنی ترغیب از احمد و طبرانی و اسقط المبہم)

(۱۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے، اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارے ذبح کیے ہوئے کو کھائے، وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لیے اللہ کی ذمہ داری ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، سو تم لوگ اللہ کی ذمہ داری میں خیانت نہ کرو (یعنی اس کے اسلامی حقوق ضائع مت کرو) (بخاری)

ف۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی جن چیزوں کو مسلمانوں کے ساتھ خاص تعلق ہے، ان کا کھانا بھی نماز وغیرہ کی طرح علامت ہے اسلام کی، سو بعضے آدمی جو گائے کا گوشت بلا عذر کسی کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں اس کا ناپسند ہونا اس سے معلوم ہوا (دیکھو شانِ نزولِ قولہ تعالیٰ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً) غرض ہر بات میں اسلامی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے، دین کی باتوں میں بھی، اور دنیا کی باتوں میں بھی، چنانچہ:۔

(۱۸) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، سب فرقے دوزخ میں جاویں گے بجز ایک ملت کے، لوگوں نے عرض کیا، اور وہ فرقہ کونسا ہے؟ (جو دوزخ سے نجات پاوے گا) آپ نے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں (ترمذی)

ف۔ طریقے سے مراد واجب طریقہ ہے جس کے خلاف سے دوزخ کا ڈر ہے اور آپ نے اس طریقے میں کسی چیز کی تخصیص نہیں فرمائی تو اس میں دین کی باتیں بھی آگئیں اور دنیا کی بھی، البتہ کسی چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طریقہ ہونا اور اس کا واجب ہونا کبھی قول سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی فعل سے، کبھی (نص یعنی) صاف عبارت سے، کبھی (اجتہاد اور) اشارہ

سے، جس کو صرف عالم لوگ سمجھ سکتے ہیں، عام لوگوں کو ان کے اتباع سے چارہ نہیں اور بدوں ان کے اتباع کے غیر عالم لوگوں کا دین بچ نہیں سکتا۔

ختم کلام:- جس قسم کے اعمال کی فہرست کا دیباچہ میں ذکر ہے اس میں اس وقت جس عمل کو سوچتا ہوں وہ ان پچیس حصوں میں پاتا ہوں، اجمالاً تفصیلاً اس پیے رسالہ کو ختم کرتا ہوں، البتہ اگر فرداً فرداً کسی کے ذہن میں اور کوئی عمل آوے یا ان میں سے کسی حصہ کی تسھیل مصلحت معلوم ہو وہ اس کا ضمیمہ بن سکتا ہے۔

شکرِ انعام:-

(۱۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے پہنچاتے رہو، اگرچہ ایک ہی آیت ہو (بخاری)

(۲۰) حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دین کے احکام میں چالیس حدیثیں محفوظ کر کے میری اُمت پر پیش کردے، اللہ تعالیٰ اُس کو فقیہ کر کے اُٹھاوے گا اور میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ (بیہقی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ ان حصوں میں نو سے زائد آیتوں کی اور غیر مکرر ومرفوع تین سو چالیس سے زائد حدیثوں کی تبلیغ ہوگئی، اگر کوئی ان حصوں کو چھپوا کر تقسیم کرے یہ ثواب اس کو بھی ملے گا۔ یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں بجز اس کے جس میں عین لکھ دیا ہے۔

(اشرف علی عفی عنہ)

تمام شد

جزاءُ الاعمال

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ تَجْلِبُ النِّعَمَ بِطَاعَتِہٖ وَالنِّقَمَ بِعِصْیَانِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ نَّبِیِّہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْعِزَّ لِمَنْ وَالَاہُ وَالذُّلَّ وَالْھَوَانَ عَلٰی مَنْ عَادَاہُ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِی الْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَالْیُسْرِ وَالْعُسْرِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَوَفَّقَنَا لِاتِّبَاعِھِمْ۔

اما بعد یہ ناچیز ناکارہ اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اس وقت میں جو حالت ہم لوگوں کی ہے کہ طاعت میں کاہلی و غفلت اور معاصی میں انہماک و جرأت وہ ظاہر ہے، جہاں تک غور کیا گیا اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اعمال حسنہ و سیئہ کی پاداش صرف آخرت میں سمجھتے ہیں، اسکی ہرگز خبر تک نہیں کہ دنیا میں بھی اس کا کچھ نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور غلبہ صفات نفس کے سبب دنیا کی جزا و سزا پر چونکہ وہ سردست واقع ہو جاتی ہے زیادہ نظر ہوتی ہے، پھر عالم آخرت میں بھی جزا و سزا کے وقوع کو گو عقیدۃً ان اعمال کا ثمرہ جانتے ہیں مگر واقعی بات یہ ہے کہ جو علاقہ قوی مؤثر و اثر میں اور سبب و مسبب میں سمجھنا چاہیے اور اسباب و مسببات دنیویہ میں سمجھتے ہیں وہ علاقہ اس قوت کے ساتھ اعمال اور ان کے ثمرات آخرت میں ہرگز نہیں سمجھتے بلکہ قریب قریب اس طرح کا خیال ہے کہ گویا اس عالم کے واقعات کا ایک مستقل سلسلہ ہے جس کو چاہیں گے پکڑ کر سزا دیدیں گے، جس کو چاہیں گے خوش ہو کر نعمتوں سے مالا مال کر دیں گے اعمال کو گویا اس میں کوئی دخل[ل] ہی نہیں ہے حالانکہ یہ خیال بیشمار آیات و احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، چنانچہ عنقریب تفصیلاً معلوم ہوتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ، اس لیے اس مرض کے دفع کرنے کے لیے دوام ضروری

ل کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اعمال کا دخل نہ ہونا تو صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص عمل کے زور سے جنت میں نہ جاویگا انتہیٰ۔ دفعیہ اس شبہ کا یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل کو بالکل دخل ہی نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ عمل پر مغرور ہو کر نہ بیٹھ جاوے، جزو اخیر علت تامہ کا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے و بس، گو یہ فضل بھی اعمال نیک سے نصیب ہوتا ہے سو عمل ہی علت تامہ کا ایک جزو ٹھہرا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

خیال میں آئے **اوّل** کتاب وسنت وملفوظات محققین سے یہ دکھلایا جائے کہ جیسے آخرت میں اعمال پر جزا و سزا واقع ہوگی ایسے دنیا میں بھی بعض آثار ان کے واقع ہوئے ہیں۔ **دوسرے** یہ ثابت کر دیا جائے کہ اعمال میں اور ثمراتِ آخرت میں ایسا قوی علاقہ ہے جیسا آگ جلانے میں اور کھانا پکانے میں یا کھانا کھانے میں اور شکم سیر ہو جانے میں یا پانی چھڑکنے میں اور آگ کے بجھ جانے میں ان دونوں امروں کے ثبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید قوی ہے کہ سردست جزا اور سزا ہو جانے کے یقین سے اور اسی طرح کارخانۂ دنیا پر کارخانۂ آخرت کے مرتب ہونے کے غلبہ اعتقاد سے طاعات میں رغبت اور معاصی سے نفرت پیدا ہونا سہل ہے آئندہ توفیق و امداد حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جانب سے ہے، اسی غرض کی تکمیل کے واسطے یہ رسالہ مختصر سلیس اردو میں جمع کیا جاتا ہے جزاء الاعمال اس کا نام رکھا جاتا ہے، مضامین مذکورہ کے لحاظ سے رسالہ ہذا ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر وضع کیا گیا۔

مقدمہ:۔ اس امر کے اجمالی بیان میں کہ اعمال کو جزا اور سزا میں دخل ہے۔

باب اول اس بیان میں کہ گناہ کرنے سے دنیا کا کیا نقصان ہے۔

باب دوسرا اس بیان میں کہ طاعت وعبادت کرنے سے دنیا کا کیا کیا نفع ہے۔

باب تیسرا۔ اس بیان میں کہ گناہ میں اور سزائے آخرت میں کیسا قوی تعلق ہے۔

باب چوتھا۔ اس بیان میں کہ طاعت کو جزائے آخرت میں کیسا کچھ دخل و تاثیر ہے۔

خاتمہ۔ بعض مخصوص اعمال حسنہ یا سیئہ کے بیان میں جس کے کرنے یا نہ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے اور بعض شبہات کے جواب میں جو اکثر عوام کے لیے باعثِ بے باکی ہو گئے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی تکمیل فرمائے اور اس کو ذریعہ ہدایت ورشد کا بنا دے اور جو خطا ظاہری یا باطنی مجھ سے سرزد ہو جاوے اس کو معاف فرمائے۔ اٰمِیْنَ وَ اْلاٰنَ نَشْرَعُ وَ نَسْتَعِیْنُ۔

محمد اشرف علی

مُقدّمہ

"اس امر کے اجمالی بیان میں کہ اعمال سبب ہیں جزا و سزا کے۔"

قرآن مجید میں مختلف عنوانات سے یہ امر مذکور ہوا ہے کہیں تو عمل کو شرط اور ثمرہ کو جزا قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ؕ یعنی جب ان لوگوں نے سرکشی اختیار کی اس چیز سے کہ بیشک وہ اس سے منع کیے گئے تھے، سو ہم نے ان کو کہا کہ ہوجاؤ بندر ذلیل۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ سرکشی کے سبب سے یہ سزا ملی۔ اور ارشاد ہے فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ؕ یعنی جب انھوں نے ہم کو ناخوش کیا ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناخوش کرنا سبب ہوا انتقام کا، اور ارشاد ہے اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے فیصلہ کردیں اور دور کردیں تم سے تمھاری برائیاں۔ اور ارشاد ہے لَوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ؕ یعنی اگر وہ لوگ مستقیم رہتے راہ پر، البتہ پینے کو دیتے ہم ان کو پانی بکثرت، اور ارشاد ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ یعنی اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمھارے بھائی ہیں دین میں، اور کہیں بائے سببیہ لائے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے کہ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ ؕ یعنی یہ سزا بسبب ان اعمال کے ہے جو کہ تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور ارشاد ہے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ یعنی یہ جزا بسبب اس کام کے ہے جس کو تم کرتے تھے، اور ارشاد ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ یعنی یہ بسبب اس کے ہے کہ انھوں نے انکار کردیا ہماری نشانیوں کا، اور کہیں فاء سببیہ لائے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ ؕ یعنی انھوں نے نافرمانی کی اپنے پروردگار کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پس پکڑ لیا ان کو، اور ارشاد ہے فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ؕ یعنی ان لوگوں نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تکذیب کی پس ہوئے ہلاک کیے ہوؤں سے، کہیں کلمہ لَوْلَا وارد ہے چنانچہ ارشاد ہے

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۔ یعنی اگر یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک صاف معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح کی بدولت اس قید سے رہائی ہوئی، کہیں لفظ لو آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ یعنی اگر وہ لوگ کرتے اس کام کو جس کی وہ نصیحت کیے جاتے ہیں تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ تمام آیتیں صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ اعمال اور جزا میں ضرور علاقہ ہے۔

محمد اشرف علی

باب اوّل

"اس بیان میں کہ گناہ کرنے سے دنیا کا کیا نقصان ہے؟"

یوں تو یہ مضرتیں اس کثرت سے ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا، مگر اس مقام پر اولاً کچھ آیات واحادیث سے اجمالاً بعض آثار بتلاتے ہیں، اس کے بعد کسی قدر تفصیل و ترتیب سے لکھیں گے۔ قرآن مجید میں جو نافرمانوں کے جابجا قصے اور اس کے ساتھ ان کی سزائیں مذکور ہیں، کس کو معلوم نہیں، وہ کیا چیز ہے جس نے ابلیس کو آسمان سے نکال کر زمین پر پھینکا۔ یہی نافرمانی ہے جس کی بدولت وہ ملعون ہوا، صورت بگاڑ دی گئی، باطن تباہ ہو گیا، بجائے رحمت کے لعنت نصیب ہوئی، قرب کے عوض بُعد حصہ میں آیا، تسبیح و تقدیس کی جگہ کفر و شرک، جھوٹ فحش انعام ملا۔ وہ کیا چیز ہے جس نے نوح علیہ السلام کے زمانہ میں تمام اہلِ زمین کو طوفان میں غرق کر دیا۔ وہ کون چیز ہے کہ جس سے ہوائے تند کو قوم عاد پر مسلط کیا گیا، یہاں تک کہ زمین پر پٹک پٹک کے مار ے گئے، وہ کون چیز ہے جس سے قوم ثمود پر چیخ آئی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور تمام ہم ہلاک ہو گئے، وہ کون چیز ہے جس سے قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں آسمان تک لے جا کر الٹی گرائی گئیں اور اوپر سے پتھر برسائے گئے، وہ کون چیز ہے جس سے شعیب علیہ السلام پر بشکل سائبان ابر کے عذاب آیا اور اس سے آگ برسی، وہ کون چیز ہے جس سے قوم فرعون بحر قلزم میں غرق کی گئی، وہ کون چیز ہے جس سے قارون زمین میں دھنسایا گیا اور پیچھے سے گھر اور اسباب اس کے ہمراہ ہوا، وہ کون چیز ہے جس نے ایک بار بنی اسرائیل پر ایسی قوم کو مسلط کیا کہ جو سخت لڑائی والی تھی اور وہ ان کے گھروں کے اندر گھس گئے اور ان کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اور پھر دوسری بار ان کے مخالفین کو ان پر غالب کیا جس سے ان کا پھرتا بنایا کارخانہ تباہ و برباد ہوا، اور وہ کون چیز ہے جس نے انھیں (بنی اسرائیل کو) طرح طرح کی مصیبت و بلا میں گرفتار کیا، کبھی قتل ہوئے، کبھی قید، کبھی ان کے گھر اجاڑے گئے، کبھی ظالم بادشاہ ان پر مسلط ہوئے، کبھی وہ جلاوطن کیے گئے۔ وہ چیز جس کے یہ آثار ظاہر ہوئے اگر نافرمانی نہیں تھی تو پھر کیا تھا؟ ان قصوں کو جابجا ذکر فرمایا گیا اور نہایت مختصر الفاظ میں اسکی وجہ ارشاد ہوئی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں

کہ ان پر ظلم کرتے لیکن وہ تو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، دیکھئے ان لوگوں نے اسی گناہ کی بدولت دنیا میں کیا خرابیاں بھگتیں، امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ جب قبرص فتح ہوا، جبیرؓ بن نفیر نے ابودرداء کو دیکھا کہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ اے ابودرداء! ایسے مبارک دن میں رونا کیسا جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہلِ اسلام کو عزت دی، انھوں نے جواب دیا کہ اے جبیرؓ! افسوس ہے تم نہیں سمجھتے جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دیتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسی ذلیل و بے قدر ہو جاتی ہے دیکھو کہاں تو یہ قوم برسرِ حکومت تھی، خدا کا حکم چھوڑنا تھا اور ذلیل و خوار ہونا۔ جس کو تم اس وقت ملاحظہ کر رہے ہو وہ مسند میں ہے، ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُهٗ یعنی بیشک آدمی محروم ہو جاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے، ابن ماجہ میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمانے لگے کہ پانچ چیزیں ہیں، میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ۔ جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں گے وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے اور ایسی ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کریگی، قحط اور تنگی اور ظلمِ حکام میں مبتلا ہوں گے، اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو مگر بند کیا جاویگا بارانِ رحمت ان سے، اگر بہائم نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے مگر مسلط فرمادے گا اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو غیر قوم سے بجبر لیں گے ان کے اموال کو۔ ابن ابی الدنیا روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سبب زلزلہ کا دریافت کیا، انھوں نے فرمایا، جب لوگ زنا کو امرِ مباح کی طرح بیباکی سے کرنے لگتے ہیں اور شرابیں پیتے ہیں اور معازف بجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کو آسمان میں غیرت آتی ہے، زمین کو حکم فرماتے ہیں کہ ان کو ہلا ڈال۔ اور عمرؒ بن عبدالعزیز نے جابجا شہر میں حکمنامے بھیجے جن کا مضمون یہ ہے۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے مدعا یہ ہے کہ یہ زلزلہ زمین کا علامت عتابِ الٰہی ہے۔ میں نے تمام شہروں میں لکھ بھیجا ہے کہ فلاں تاریخ فلاں مہینے میں میدان میں نکلیں یعنی دعا و تضرع کے لیے اور جس کے پاس کچھ روپیہ پیسہ بھی ہو وہ خیرات بھی کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی[1]

---

[1] تحقیق فلاح پائی جس شخص نے پاکی حاصل کی اور ذکر کیا نام اپنے رب کا اور نماز پڑھی اور بعض نے تزکی زکوٰۃ سے لیا ہے (بقیہ صفحہ)

اور کہو کہ جس طرح آدم علیہ السلام نے کہا تھا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ط اور جس طرح نوحؑ نے کہا تھا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ ط اور جس طرح یونس علیہ السلام نے کہا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ط ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ عزوجل بندوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں، بچے بکثرت مرتے ہیں اور عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ مالکؒ بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے کتب حکمت میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، بادشاہوں کا مالک ہوں ان کا دل میرے ہاتھ میں ہے پس جو شخص میری اطاعت کرتا ہے میں ان بادشاہوں کا دل اس پر مہربان کر دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے میں انھیں بادشاہوں کو اس شخص پر عقوبت مقرر کرتا ہوں، تم بادشاہوں کو برا کہنے میں مشغول مت ہو، میری طرف رجوع کرو۔ میں ان کو تم پر نرم کر دوں گا۔ امام احمدؒ نے وہب سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی غضبناک ہوتا ہوں، لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک رہتا ہے۔ امام احمدؒ نے وکیعؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت معاویہؓ کو خط میں لکھا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی بے حکمی کرتا ہے تو اس کی تعریف کرنے والا خود بخود ہجو کرنے لگتا ہے اور بہت احادیث و آثار میں مضرتیں گناہ کی جو دنیا میں پیش آتی ہیں مذکور ہیں، اب بعض نقصانات تفصیل و ترتیب سے مرقوم ہوتے ہیں۔ آسانی کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے لیے فصلیں مقرر کی جائیں۔

فصل ۱:۔ ایک اثر معاصی کا یہ ہے کہ آدمی علم سے محروم رہتا ہے کیونکہ علم ایک باطنی نور ہے اور معصیت سے نور باطن بجھ جاتا ہے۔ امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کو وصیت فرمائی تھی اِنِّيْٓ اَرَى اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَلْقٰى عَلٰى قَلْبِكَ نُوْرًا فَلَا تُطْفِئْهُ بِظُلْمَةِ الْمَعْصِيَةِ۔ یعنی میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے قلب میں ایک نور ڈالا ہے سو تم اس کو تاریکی معصیت سے مت بجھا دینا۔

فصل ۲:۔ ایک نقصان گناہ کا دنیا میں یہ ہے کہ رزق کم ہو جاتا ہے اس مضمون کی حدیث اوپر آ چکی ہے

(بقیہ) ظاہراً عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک یہی تفسیر ہے ۱۲ منہ۔

فصل ۳: ایک نقصان یہ ہے کہ عاصی کو خدائے تعالیٰ سے ایک وحشت سی رہتی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ذرا بھی ذوق ہو تو سمجھ سکتا ہے کسی شخص نے ایک عارف سے وحشت کی شکایت کی انھوں نے فرمایا ؎

اِذَا کُنْتَ[1] قَدْ اَوْحَشَتْکَ الذُّنُوْبُ ۔ فَدَعْهَا اِذَا شِئْتَ وَاسْتَاْنِسْ

فصل ۴: ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت کرنے سے آدمیوں سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے خصوص نیک لوگوں سے کہ ان کے پاس بیٹھ کر دل نہیں لگتا اور جس قدر وحشت بڑھتی جاتی ہے ان سے دوری اور انکی برکات سے محروم ہو جاتا ہے، ایک بزرگ کا قول ہے کہ مجھ سے کبھی معصیت سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا اثر اپنی بی بی اور جانور کے اخلاق میں پاتا ہوں کہ وہ پوری طرح مطیع نہیں رہتے۔

فصل ۵: ایک نقصان یہ ہے کہ عاصی کو اکثر کارروائیوں میں دشواری پیش آتی ہے جیسے تقویٰ[2] کرنے سے کامیابی کی راہیں نکل آتی ہیں، ایسے ہی ترکِ تقویٰ سے کامیابی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔

فصل ۶: ایک نقصان یہ ہے کہ قلب میں ایک تاریکی سی معلوم ہوتی ہے، ذرا بھی دل میں غور کیا جاوے تو یہ ظلمت صاف محسوس ہوتی ہے۔ اس ظلمت کی قوت سے ایک حیرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے بدعت و ضلالت و جہالت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس ظلمت کا اثر قلب سے آنکھ میں آتا ہے اور پھر چہرہ پر، ہر شخص کو یہ سیاہی نظر آنے لگتی ہے، فاسق کیسا ہی حسین و جمیل ہو مگر اس کے چہرہ پر ایک بے رونقی کی کیفیت ضرور ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے سے چہرہ پر رونق، قلب میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت، لوگوں کے قلوب میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بدی کرنے سے چہرہ پر بے رونقی، قبر اور قلب میں ظلمت، بدن میں سستی، رزق میں تنگی، لوگوں کے دلوں میں بغض ہوتا ہے۔

فصل ۷: ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت سے دل اور جسم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، دل کی کمزوری تو ظاہر ہے کہ امورِ خیر کی ہمت گھٹتے گھٹتے بالکل نابود ہو جاتی ہے، رہ گئی بدن کی کمزوری، سو بدن تو قلب کے تابع ہے۔ جب یہ کمزور ہے تو وہ بھی ضعیف ہوگا، دیکھو تو کفارِ فارس و روم کیسے قوی الجثہ تھے مگر

---

[1] یعنی جب وحشت میں ڈالے تجھ کو گناہ سو تجھ کو جب رفع وحشت منظور ہو گناہ کو چھوڑ اور انس حاصل کر لے ۱۲ منہ

[2] قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۱۲ منہ

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔

فصل ۸:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ آدمی طاعت سے محروم ہو جاتا ہے، آج ایک طاعت گئی، کل دوسری چھوٹ گئی، پرسوں تیسری رہ گئی، یوں ہی سلسلہ وار تمام نیک کام بدولت گناہ کے اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، جیسے کسی نے ایک لقمہ لذیذ ایسا کھایا جس سے ایسا مرض پیدا ہو گیا کہ ہزاروں لذیذ کھانوں سے محروم کر دیا۔

فصل ۹:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ معصیت سے عمر گھٹتی ہے اور اس کی برکت ٹلتی ہے کیونکہ جب نیکی سے عمر بڑھ جانا حدیثِ صحیح سے ثابت ہے تو فجور سے گھٹنا اسی سے سمجھ لیجیے اور یہ شبہ نہایت ضعیف ہے کہ عمر تو مقدر ہے وہ کیسے گھٹ بڑھ سکتی ہے کیونکہ عمر کی کیا تخصیص ہے یہ سب چیزیں مقدر ہی ہیں۔ امیری اور غریبی، صحت و مرض سب میں یہی شبہ ہو سکتا ہے۔ مگر پھر بھی ان امور کو اسباب کے ساتھ مربوط سمجھ کر تدبیر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی حال عمر کا سمجھ لینا چاہیئے۔

فصل ۱۰:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ معصیتِ اول، دوسری معصیت کا سبب ہو جاتی ہے وہ تیسری کا، اسی طرح شدہ شدہ معاصی کی کثرت ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ عاصی گناہوں میں گھر جاتا ہے، دوسرے یہ کہ کرتے کرتے اس کی عادت ہو جاتی ہے کہ چھوڑنا دشوار ہوتا ہے پھر اس کو اسی ضرورت سے کرتا ہے کہ نہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے اور پھر اس کمبخت میں لطف و لذت بھی نہیں رہتی۔

فصل ۱۱:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے ارادہ توبہ کا کمزور ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ بالکل توبہ کی توفیق نہیں رہتی، اسی حالت میں موت آجاتی ہے۔

فصل ۱۲:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ چند روز میں اس معصیت کی برائی دل سے نکل جاتی ہے اس کو بُرا نہیں سمجھتا، نہ اس بات کی پروا ہوتی ہے کہ کوئی دیکھ لے گا بلکہ خود تفاخراً اس کا ذکر کرتا ہے۔ ایسا شخص معافی سے دور ہوتا جاتا ہے، جیسا ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل امتی معافی الا المجاھرین وان من الاجھار ان یستر اللہ علی العبد ثم یصبح یفضح نفسہ ویقول یا فلان عملت یوم کذا وکذا وکذا وکذا فہتک نفسہ وقد بات یسترہ ربہ۔ خلاصہ مطلب کا یہ ہے کہ

سب کے لیے معافی کی امید ہے مگر جو لوگ کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں اور یہ بھی کھلم کھلا ہی کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ستاری فرمائی تھی مگر صبح کو خود اپنے کو فضیحت کرنا شروع کیا کہ میاں فلانے! ہم نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا۔ خود اپنی پردہ دری کی، حالانکہ خدا تعالیٰ نے چھپا لیا تھا، اور کبھی گناہ کی برائی کم ہوتے ہوتے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اسی واسطے بزرگ کا قول ہے کہ تم تو گناہوں سے ڈرتے ہو اور مجھے کفر کا خوف ہے۔

فصل ۱۳:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ ہر معصیت دشمنانِ خدا میں سے کسی کی میراث ہے تو گویا یہ شخص ان ملعونوں کا وارث بنتا ہے۔ مثلاً لواطت قوم لوط علیہ السلام کی میراث ہے، کم ناپنا کم تولنا قوم شعیب علیہ السلام کی میراث ہے، علو و فساد فرعون اور اس کی قوم کی میراث ہے، تکبر و تجبر قوم ہود علیہ السلام کی، تو یہ عاصی ان لوگوں کی وضع و ہیئت بنائے ہوئے ہے۔ مسند احمد میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو شخص کسی قوم کی وضع بنائے وہ انھیں میں شمار ہے۔

فصل ۱۴:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شخص بے قدر و خوار ہو جاتا ہے اور جب خالق کے نزدیک خوار و ذلیل ہو گیا، مخلوق میں بھی اس کی عزت نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ۔ یعنی ؎

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت ☆ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اگرچہ لوگ بخوف اس کے ظلم و شرارت کے اس کی تعظیم کرتے ہوں مگر کسی کے دل میں عظمت نہیں رہتی

فصل ۱۵:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کی نحوست جیسے اس شخص کو پہنچتی ہے، اسی طرح کا ضرر دوسری مخلوقات کو بھی پہنچتا ہے وہ سب اس پر لعنت کرتے ہیں، گناہ کی سزا تو الگ ہوگی، یہ لعنت اس پر طرہ ہے، مجاہد فرماتے ہیں کہ بہائم نافرمانی کرنے والے آدمیوں پر لعنت کرتے ہیں جبکہ قحط سخت ہوتا ہے اور بارش رک جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ابن آدم کے گناہ کی نحوست سے ہے۔

فصل ۱۶:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے عقل میں فتور و فساد آ جاتا ہے کیونکہ عقل ایک نورانی چیز ہے کدورت و معصیت سے اس میں کمی آ جاتی ہے بلکہ خود گناہ کرنا دلیل کم عقلی کی ہے اگر اس شخص کی عقل

ٹھکانے ہوتی تو ایسی حالت میں کہیں گناہ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص خدا کی قدرت میں ہے، ان کے ملک میں رہتا ہے اور وہ دیکھ بھی رہے ہیں، ان کے فرشتے گواہ بن رہے ہیں، قرآن مجید منع کر رہا ہے، ایمان منع کر رہا ہے، موت منع کر رہی ہے، دوزخ منع کر رہی ہے۔ گناہ کرنے سے اس قدر سرور ولذت نصیب نہ ہوگا جس قدر دنیا اور آخرت کے منافع اس سے فوت ہو گئے۔ بھلا کوئی عقل سلیم والا ان باتوں کے ہوتے ہوئے گناہ کر سکتا ہے۔

فصل ۳۱:۔ ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ آپ نے بہت سے گناہوں پر لعنت فرمائی ہے اور جو گناہ ان گناہوں سے بڑھ کر ہیں ان پر تو بدرجۂ اولیٰ استحقاقِ لعنت ہے۔ مثلاً لعنت فرمائی آپ نے اس عورت پر جو گود سے اور گودوائے اور جو غیر کے بال اپنے بالوں میں ملا کر دراز کرے اور جو دوسرے سے یہ کام لے، اور لعنت فرمائی ہے آپ نے سود لینے والے پر اور دینے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہ پر اور لعنت فرمائی ہے آپ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ ہو، یعنی جب نکاح میں اس کو شرط ٹھیرایا جائے اور لعنت فرمائی ہے چور پر اور لعنت فرمائی ہے شراب پینے والے پر اور اس کے پلانے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور نچڑوانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور اس کے دام کھانے والے پر اور جو اس کو لاد کر لائے اور جس کے لیے لاد کر لائی جاوے، اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو اپنے باپ کو بُرا کہے۔ اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو جاندار چیز کو نشانہ بناوے اور لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر، جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع بنائیں، اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو دین میں کوئی نئی بات نکالے یا ایسے شخص کو پناہ دے اور لعنت فرمائی ہے تصویر بنانے والے پر اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو قوم لوط کا سا عمل کرے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو کسی جانور سے صحبت کرے اور لعنت فرمائی ہے، اس پر جو جانور کے چہرہ پر داغ لگائے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ فریب کرے اور لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاویں اور ان لوگوں پر جو وہاں پر سجدہ کریں یا چراغ رکھیں اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی عورت کو اس کے

خاوند سے یا غلام کو اس کے آقا سے بہکا کر بھڑ کاوے اور لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو کسی عورت کے پیچھے کے مقام میں صحبت کرے اور ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے خاوند سے خفا ہو کر رات کو الگ رہے، صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں، اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور سے نسب ملاوے اور فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی طرف لوہے سے اشارہ کرے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہے اور لعنت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جو زمین میں فساد مچاوے اور قطع رحم کرے اور اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے اور لعنت فرمائی ہے اس پر جو کہ احکام خداوندی کو چھپائے اور لعنت فرمائی ہے ان لوگوں پر جو پارسا بیبیوں کو جن کو ان قصوں کی خبر تک نہیں اور ایماندار ہیں، زنا کی تہمت لگاوے اور لعنت فرمائی اس شخص پر جو کافروں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھیک راہ بتاوے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو رشوت دے اور جو لے اور جو درمیان میں پڑے اور بہت افعال پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ اگر گناہ میں اور کوئی بھی ضرر نہ ہوتا تو کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مورد ہو گیا۔ نعوذ باللہ۔

فصل ۱۸:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے فرشتوں کی دعا سے محروم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ؁ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو فرشتے عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے گرد و پیش ہیں وہ تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت مانگتے ہیں کہ یا اللہ آپ کی رحمت اور علم بہت وسیع ہے ایسے لوگوں کو بخش دیجئے جو آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ کی راہ کی پیروی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو عذاب جہنم سے بچا لیجئے۔ دیکھیے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ فرشتے ان مومنوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ چلتے ہیں جس حالت میں گناہ کر کے وہ راہ چھوڑ دی، اس دولت کا کہاں مستحق رہا۔

فصل ۱۹:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے طرح طرح کی خرابیاں زمین میں پیدا ہوتی ہیں، پانی، ہوا

غلہ، پھل ناقص ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ؕ یعنی ظاہر ہوگیا بگاڑ جنگل اور بستی میں بسبب ان اعمال کے جن کو لوگوں کے ہاتھ کر رہے ہیں اور امام احمدؒ نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا ہے کہ میں نے بنی امیہ کے کسی خزانہ میں گیہوں کا دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر دیکھا، ایک تھیلی میں تھا اور اس پر یہ لکھا تھا کہ یہ زمانۂ عدل میں پیدا ہوتا تھا اور بعض صحرائی لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے زمانے کے پھل اس وقت کے پھلوں سے بڑے ہوتے تھے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آوے گا چونکہ اس وقت طاعت کی کثرت ہوگی اور زمین گناہوں سے پاک ہوجاوے گی پھر اس کی برکتیں عود کر آویں گی، یہاں تک کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک انار بڑی جماعت کو کافی ہوگا۔ اور وہ اس کے سایہ میں بیٹھ سکیں گے۔ انگور کا خوشہ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک اونٹ پر بار ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ روز روز کی بے برکتی ہماری خطا اور گناہ کا ثمرہ ہے۔

فصل ۲۰:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے حیا و غیرت جاتی رہتی ہے اور جب شرم نہیں رہتی تو یہ شخص جو کچھ کر گزرے تھوڑا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

فصل ۲۱:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے دل سے نکل جاتی ہے، بھلا اگر خداوندی عظمت اس کے دل میں ہوتی تو مخالفت پر قدرت ہوسکتی؟ جب اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی عزت نہیں رہتی، پھر یہ شخص اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوجاتا ہے۔

فصل ۲۲[ل]:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے نعمتیں سلب ہوجاتی ہیں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ نہیں نازل ہوئی کوئی بلا مگر بسبب گناہ کے اور نہیں دور ہوئی کوئی بلا مگر بسبب توبہ کے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ؕ یعنی جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے

ل کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم تو گناہ کرنے والوں کو بڑے عیش میں دیکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ استدراج ہے اس کا اور بھی زیادہ خطرہ ہے جیسے مکتب میں کوئی لڑکا سبق یاد نہ کرتا ہو اور معلم قصداً سزا نہیں دیتا کہ کل کو سبق نہ یاد نکلے اس وقت اکٹھی سزا ہو۔ ۱۲ منہ

آتی ہے اور بہت سی باتوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، اور ارشاد ہے ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط یعنی یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے ذاتی حالات کو بدل ڈالیں، اس سے معلوم ہوا کہ زوالِ نعمت گناہ ہی سے ہوتا ہے۔

فصل ۲۳:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے مدح و شرف کے القاب سلب ہو کر مذمت اور ذلت کے خطاب ملتے ہیں مثلاً نیک کام کرنے سے یہ القاب عطا ہوئے تھے۔ مؤمن، بر، مطیع، منیب، ولی، ورع، مصلح، عابد، خائف، اواب، طیب، رضی، تائب، حامد، راکع، ساجد، مسلم، قانت، صادق، صابر، خاشع، متصدق، صائم، عفیف، ذاکر و نحو ذالک، جب برا کام کیا یہ خطابات ملے، فاجر، فاسق، عاصی، مخالف، مسئ، مفسد، خبیث، مسخوط، زانی، سارق، قاتل، کاذب، خائن، لوطی، قاطع رحم، متکبر، ظالم، ملعون، جاہل وغیر ذالک۔

فصل ۲۴:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے شیاطین اس پر مسلط ہو جاتے ہیں کیونکہ طاعت ایک خداوندی قلعہ ہے جس کے سبب اعداء کے غلبہ سے محفوظ رہتا ہے۔ جب قلعہ سے باہر نکلا، دشمنوں نے گھیر لیا پھر وہ شیاطین جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں اور اس کے قلب و زبان، دست و پا، چشم و گوش سب اعضاء کو معاصی میں غرق کر دیتے ہیں۔

فصل ۲۵:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے قلب کا اطمینان جاتا رہتا ہے، کچھ پریشان سا ہو جاتا ہے، ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے، کہیں عزت میں فرق نہ آجاوے کوئی بدلہ نہ لینے لگے میرے نزدیک معیشت ضنک بمعنی تنگ کے یہی معنی ہیں۔

فصل ۲۶:۔ ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے وہی دل میں بس جاتا ہے، یہاں تک کہ مرتے ہوئے کلمہ تک منہ سے نہیں نکلتا بلکہ جو افعال حالت حیٰوۃ میں غالب تھے وہی اس وقت بھی سرزد ہوتے ہیں۔ ایک تاجر اپنے عزیز کی حکایت بیان کرتا ہے کہ مرتے وقت اس کو کلمہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ یہ بک رہا تھا کہ یہ کپڑا بڑا نفیس ہے، یہ خریدار بہت خوش معاملہ ہے آخر اسی حالت میں مر گیا کسی سائل کی حکایت ہے کہ مرتے وقت کہتا تھا اللہ کے واسطے ایک پیسہ، اللہ کے واسطے ایک پیسہ، اسی میں تمام ہو گیا، اسی طرح

ایک شخص کو نزع کے وقت کلمہ پڑھانے لگے کہنے لگا آہ آہ میرے منہ سے نہیں نکلتا اور بہت سے حالات ہیں اس وقت کے ہم کو معلوم بھی نہیں ہوتے، خدا جانے اور کیا گذرتی ہوگی، خدا کی پناہ۔

فصل ۲۷: ایک نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے سے خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی ہو جاتی ہے اس وجہ سے توبہ نہیں کرتا اور بے توبہ مرتا ہے، کسی شخص سے مرتے وقت کہا گیا کہہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اس نے گانا شروع کیا تا تا تن تنتا، اور کہنے لگا کہ جو کلمہ مجھ سے پڑھواتے ہو اس سے مجھ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، کوئی گناہ تو میں نے چھوڑا نہیں، آخر کلمہ نہ پڑھا اور رخصت ہوا۔ کسی اور شخص سے کلمہ پڑھوانے لگے، بولا اس کلمہ سے کیا ہوگا؟ میں نے کبھی نماز تک تو پڑھی نہیں وہ بھی یونہی مرا، کسی اور شخص کو کلمہ پڑھنے کو کہا، کہنے لگا میں تو اس کلمہ کا منکر ہوں اور چل دیا، ایک شخص نے یہ بیان کیا کہ کوئی میری زبان پکڑے لیتا ہے اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

رجوع بہ مقصود

یہ چند مضرتیں دنیوی ہیں جو گناہ کرنے سے لاحق ہوتی ہیں اور علاوہ ان کے بہت سے ضرر ظاہری و باطنی ہیں جو قرآن وحدیث میں غور کرنے سے اور خود دل میں سوچنے سے بہت جلد سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور آخرت میں جو مضرتیں ہیں وہ الگ رہیں جو عنقریب مختصراً مذکور ہوں گی، انشاء اللہ تعالیٰ، عاقل ہرگز پسند نہیں کرسکتا کہ ذراسی اشتہائے کاذب کے لیے اتنا بڑا پہاڑ مصائب اور کلفتوں کا اپنے سر پر لے۔ روزانہ معاملات میں جس چیز میں مفاسد اور مضرتیں غالب ہوتی ہیں، آدمی اس کے پاس نہیں پھٹکتا یہی برتاؤ معاصی کے ساتھ کرنا لازم ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھے آمین آمین آمین۔

دوسرا باب

اس بیان میں کہ طاعت و عبادت اور اعمالِ صالحہ سے دنیا کا کیا نفع ہے؟

علاوہ ان منافع کے جو ضمناً یا التزاماً اوپر مذکور و مفہوم ہو چکے، اس میں چند فصلیں ہیں۔

فصل ۱:۔ اس بیان میں کہ طاعت سے رزق بڑھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ فرمایا اللہ تعالیٰ نے، اگر وہ لوگ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو اور اس کتاب کو جو اب نازل کی گئی ان کی طرف انکے رب کی جانب سے یعنی قرآن۔ مراد یہ کہ ان پر پورا پورا عمل رکھتے، تورات و انجیل پر عمل کرنا یہی ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب عہد تورات و انجیل کے ایمان لاتے اور آپ کا اتباع کرتے، اگر ایسا کرتے تو البتہ کھاتے وہ لوگ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے، اوپر سے کھانا یہ کہ بارش ہوتی اور نیچے سے یہ کہ غلہ اگتا، اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے سے رزق بڑھتا ہے۔

فصل ۲:۔ اس بیان میں کہ طاعت سے طرح طرح کی برکت ہوتی ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ یعنی وہ لوگ اگر ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے البتہ کھول دیتے ہم ان پر طرح طرح کی برکتیں آسمان سے اور زمین سے، لیکن انھوں نے تو جھٹلایا پس پکڑ لیا ہم نے ان کو بسبب ان اعمال کے جو وہ کرتے تھے، یہ آیت مدعائے مذکور میں بالکل صریح الدلالت ہے۔

فصل ۳:۔ اس بیان میں کہ طاعت کرنے سے ہر قسم کی تکلیف و پریشانی دور ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے، کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے نکلنے کی راہ یعنی ہر قسم کی دشواری و تنگی سے اس کو نجات ملتی ہے اور رزق عنایت فرماتے ہیں اس کو ایسی جگہ سے کہ وہ گمان بھی نہیں کرتا اور بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر وہ اس کو کافی ہو جاتے ہیں، اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہ برکت تقویٰ ہر قسم کی دشواری سے نجات ہوتی ہے۔

فصل ۴:- اس بیان میں کہ طاعت سے مقاصد میں آسانی ہوتی ہے قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ؕ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے، کر دیتے ہیں اس کے لیے اس کے کام میں آسانی۔ مطلب مذکور پر صاف دلالت موجود ہے۔

فصل ۵:- اس بیان میں کہ طاعت سے زندگانی مزیدار ہو جاتی ہے قال اللہ تعالیٰ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو شخص عمل کرتا ہے نیک، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان والا ہو پس البتہ زندگانی دیں گے ہم ان کو زندگی ستھری یعنی بالطف ولذت۔ فی الواقع کھلی آنکھوں یہ بات نظر آتی ہے کہ ایسے لوگوں کا سا لطف وراحت بادشاہوں کو بھی میسر نہیں۔

فصل ۶:- اس بیان میں کہ طاعت سے بارش ہوتی ہے مال بڑھتا ہے اولاد ہوتی ہے باغ پھلتے ہے نہروں کا پانی زیادہ ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم گناہ بخشوالو اپنے رب سے تحقیق وہ بڑے بخشنے والے ہیں، بھیجیں گے بارش تم پر بہتی ہوئی اور زیادہ کریں گے تمہارے اموال اور اولاد کو اور مقرر کریں گے تمہارے لیے باغ اور مقرر کریں گے تمہارے لیے نہریں۔

فصل ۷:- اس بیان میں کہ ایمان لانے سے خیر اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں، ہر قسم کی بلا کا ٹل جانا۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تحقیق اللہ تعالیٰ دفع کر دیتے ہیں (یعنی تمام آفات و شرور کو) ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ان کے لیے حامی و مددگار ہونا۔ قال اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ مددگار ہیں ایمان والوں کے، فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کو قوی رکھو۔ قال اللہ تعالیٰ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس وقت کو یاد کرو جبکہ حکم فرماتے تھے تمہارے پروردگار فرشتوں کو کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ثابت قدم رکھو ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ سچی عزت عنایت ہونا۔ قال اللہ تعالیٰ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے عزت اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ایمان والوں کے لیے مراتب بلند ہونا۔ قال اللہ تعالیٰ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ تعالیٰ

مراتب بلند کریں گے ان لوگوں کے جو ایمان لائے تم میں سے ۔ دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جانا ۔ قال اللہ تعالٰے
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک جو لوگ ایمان لائے
اور اچھے عمل کیے بہت جلد پیدا کر دیں گے اللہ تعالیٰ ان کی محبت ، ایک حدیث میں بھی یہی مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ
جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں اول فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ فلاں شخص سے محبت کرو ، پھر دنیا میں منادی کی
جاتی ہے فَیُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ ۔ یعنی مقرر کی جاتی ہے اس کے لیے قبولیت دنیا میں اس کی قبولیت کا
یہاں تک اثر ہوتا ہے کہ حیوانات و جمادات تک اس شخص کی اطاعت کرنے لگتے ہیں ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ❊ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

قرآن مجید کا اس کے حق میں شفا ہونا قال اللہ تعالیٰ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۔ فرمایا اللہ
تعالیٰ نے کہہ دیجیے کہ وہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفا ہے ، اسی طرح ایمان سے تمام بھلائیاں اور
نعمتیں میسر ہوتی ہیں ، نصوص فضائل میں تتبع کرنے سے اس دعوے کی تصدیق ہو سکتی ہے ۔

فصل ۸ :۔ اس بیان میں کہ طاعت کرنے سے مالی نقصان کا تدارک ہو جاتا ہے اور نعم البدل مل جاتا ہے قال اللہ
تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا
مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے
ان قیدیوں سے جو آپ کے قبضہ میں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان معلوم کریں گے تو جو مال تم سے لیا
گیا ہے اس سے بہتر تم کو عنایت کر دیں گے اور تمہارے گناہ بھی بخش دیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے بڑے
مہربان ہیں

ف :۔ یہ آیت بدر کے قیدیوں کے حق میں اتری جن سے بطور فدیہ کے کچھ مال لیا گیا تھا ان سے وعدہ ٹھیرا کہ اگر تم
سچے دل سے ایمان لاؤ گے تو تم کو پہلے سے بہت زیادہ مل جائیگا ، چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔

فصل ۹ :۔ اس بیان میں کہ طاعت میں مال خرچ کرنے سے مال بہت بڑھتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ
زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو کچھ تم زکوٰۃ دیتے ہو جس سے
محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتے ہو ۔ پس یہ لوگ دونا کرنے والے ہیں یعنی مال کو دنیا میں اور اجر کو آخرت میں ۔

فصل ۱۰ :۔ اس بیان میں کہ طاعت کرنے سے قلب میں ایک راحت و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے جس کی لذت کے

روبرو ہفت اقلیم کی راحت سلطنت گرد ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آگاہ ہوجاؤ اللہ ہی کی یاد سے چین پاتے ہیں دل۔ قال العارف الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے ٭ بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

ایک اور بزرگ نے سنجر بادشاہ ملک نیمروز کو اس کے خط کے جواب میں لکھا تھا ؎

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ٭ در دل اگر بود ہوسِ ملکِ سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ٭ من ملکِ نیمروز بیک جَو نمی خرم

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر جنتی لوگ ایسے حال میں ہیں جس حال میں ہم ہیں تب تو وہ بڑے مزیدار عیش میں ہیں، دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ افسوس یہ غریب دنیادار دنیا سے رخصت ہوگئے نہ انھوں نے عیش دیکھا نہ مزہ، تیسرے صاحب فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ ہماری لذت سے واقف ہوجاویں تو مارے رشک کے ہم پر تیغ رانی کرنے لگیں، کبھی یہاں تک اس لذت کا غلبہ ہوجاتا ہے کہ اس کو جنت پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ لذتِ قرب کے رہتے دوزخ میں جانے پر راضی ہوجاتے ہیں اور جو یہ لذت نہیں تو جنت کو ہیچ قرار دیتے ہیں، قال العارف الرومی ؎

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں !	فوق گردوں است نے قعرِ زمیں
ہر کجا یوسف رخے باشد چوماہ	جنت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ
با تو دوزخ جنت ست اے جانفزا	بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ لذت کس غضب کی ہوگی۔

فصل ۱۲:۔ اس بیان میں کہ طاعت کی برکت سے اس شخص کی اولاد تک کو نفع پہنچتا ہے قال اللہ تعالیٰ فی قصۃ الخضر علیہ السلام وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے جو وہ دیوار بلا اُجرت درست کردی وہ یتیم بچوں کی تھی جو شہر میں رہتے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہے اور ان کا باپ بزرگ آدمی تھا پس خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ یہ دونوں اپنی جوانی پر پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ بوجہ مہربانی کے ہے تمھارے پروردگار کی طرف سے۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کا حکم خضر علیہ السلام کو اس سبب سے ہوا کہ ان کا باپ نیک

آدمی تھا سبحان اللہ! نیکوکاری کے آثار نسل میں بھی چلتے ہیں۔ آج کل لوگ اولاد کے لیے طرح طرح کے سامان جائداد روپیہ وغیرہ وغیرہ چھوڑنے کی فکر میں رہتے ہیں، سب سے زیادہ کام کی جائداد یہ ہے کہ خود نیک کام کریں کہ اس کی برکت سے اولاد سب بلاؤں سے محفوظ رہے۔

فصل ۱۳:۔ اس بیان میں کہ طاعت سے زندگانی میں غیبی بشارتیں نصیب ہوتی ہیں، قال اللہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کچھ ڈر ہے نہ وہ مغموم ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے ان کے لیے خوشخبری ہے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں۔ حدیث شریف میں اس کی تفسیر وارد ہوئی ہے کہ بشریٰ سے مراد اچھا خواب ہے جس سے دل خوش ہوجاوے مثلاً خواب میں دیکھا کہ بہشت میں چلا گیا یا اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوا یا اس طرح کا اور خواب دیکھ لیا جس سے امید کو قوت اور قلب کو فرحت ہوگئی۔

فصل ۱۴:۔ اس بیان میں کہ طاعت سے فرشتے مرتے وقت خوشخبری سناتے ہیں، قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ۔ یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارے رب اللہ تعالیٰ ہیں پھر وہ مستقیم رہے اترتے ہیں ان لوگوں پر فرشتے (یعنی وقت مرنے کے جیسا مفسرین نے فرمایا) کہ تم نہ خوف کرو نہ غم کرو اور بشارت سنو بہشت کی جس کا تم وعدہ کیے جاتے تھے، ہم تمہارے حامی و مددگار ہیں زندگانی دنیا میں اور آخرت میں اور بہشت میں وہ چیزیں ہیں جو خواہش کریں گے تمہارے نفس اور تمہارے لیے اس میں وہ چیزیں ہیں جو تم مانگو گے بطور مہمانی کے بخشنے والے مہربان کی طرف سے، دیکھئے اس آیت میں حسب تفسیر محققین مذکور ہے کہ مرتے وقت فرشتے کیا کیا خوشی کی باتیں سناتے ہیں۔

فصل ۱۵:۔ اس بیان میں کہ بعض طاعات سے حاجت روائی میں مدد ملتی ہے قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مدد چاہو یعنی اپنے حوائج میں کما قالہ المفسرون صبر اور نماز سے۔ حدیث شریف میں اس استعانت کا ایک خاص طریق وارد ہوا ہے، امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شخص کو کسی قسم کی حاجت ہو اللہ تعالیٰ سے یا آدمی سے، اس کو چاہئیے کہ اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی ثنا کہے مثلاً سورۂ فاتحہ پڑھ کے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجے پھر یہ دعا پڑھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى اِلَّا قَضَيْتَهَا يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۔

فصل ۱۴:۔ اس بیان میں کہ بعض طاعات کا یہ اثر ہے کہ کسی معاملے میں یہ تردد کہ کیونکر کرنا بہتر ہوگا رفع ہوجاتا ہے اور اسی جانب رائے قائم ہوجاتی ہے جس میں سراسر نفع وخیر ہی ہو احتمالِ ضرر بالکل نہیں رہتا گویا اللہ تعالیٰ سے مشورہ مل جاتا ہے۔ امام بخاری نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تم کو کسی کام میں تردد ہو یعنی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ کس طرح کرنا بہتر ہوگا مثلاً کسی سفر کی نسبت تردد ہو یعنی اس میں نفع ہوگا یا نقصان، اسی طرح اور کسی کام میں تردد ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ - اور ایک[۱] روایت میں بجائے فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ کے یہ الفاظ ہیں عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ. یہاں بھی وہی دوسری روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ اپنے کام کا نام بھی لیوے یعنی بجائے ہذا الامر کے کہے مثلاً ہذا السفر یا ہذا النکاح یا مثل اس کے۔

فصل ۱۵:۔ بعض طاعات میں یہ اثر ہے کہ اس سے تمام مہمات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ فرمالیتے ہیں، ترمذی نے ابو الدرداء و ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حکایت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم! میرے لیے شروع دن میں چار رکعت پڑھ لیا کر، میں ختم دن تک تیرے

---

[۱] یہ حدیثیں مشکوٰۃ شریف سے نقل کی گئی ہیں ۱۲ پڑھنے والے کو اختیار ہے جو لفظ چاہے پڑھے یا دل میں سوچ لے۔

سارے کام بنادیا کردوں گا۔

فصل ۱۸:۔ بعض طاعات میں یہ اثر ہے کہ مال میں برکت ہوتی ہے، حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر سچ بولیں بائع مشتری، اور ظاہر کردیں اپنے مال کی حالت برکت ہوتی ہے دونوں کے لیے ان کے معاملے میں، اگر پوشیدہ رکھیں اور جھوٹ بولیں، محو ہوجاتی ہے برکت دونوں کیلئے معاملہ کی، روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔

فصل ۱۹:۔ دینداری سے بادشاہی باقی رہتی ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ یہ امر خلافت وسلطنت ہمیشہ قریش میں رہے گا۔ جو شخص ان سے مخالفت کریگا اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرادے گا جب تک کہ وہ لوگ دین کو قائم رکھیں۔

فصل ۲۰:۔ بعض طاعات مالیہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بجھتا ہے اور بری حالت پر موت نہیں آتی، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ بجھاتا ہے پروردگار کے غصہ کو اور دفع کرتا ہے بُری موت کو یعنی جس میں خواری وفضیحتی ہو یا خاتمہ برا ہو، نعوذ باللہ۔

فصل ۲۱:۔ دعا سے بلا ٹلتی ہے اور نیکی کرنے سے عمر بڑھتی ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہٹاتی قضا[۱] کو مگر دعا اور نہیں بڑھاتی عمر کو مگر نیکی، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

فصل ۲۲:۔ سورۂ یٰسین پڑھنے سے تمام کام بن جاتے ہیں عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۂ یٰسین پڑھے شروع دن میں، پوری کی جاویں گی اس کی تمام حاجتیں، روایت کیا اس کو دارمی نے۔

فصل ۲۳:۔ سورۂ واقعہ پڑھنے سے فاقہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کہ سورۂ واقعہ پڑھا کرے ہر شب میں نہ پہنچے گا اس کو فاقہ کبھی، روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

فصل ۲۴:۔ ایمان کی برکت سے تھوڑے کھانے میں آسودگی ہوجاتی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

---

[۱] اس حدیث سے تقدیر کا انکار لازم نہیں آتا یہ اثر بھی تقدیر سے ہے۔ ۱۲ منہ

ہے کہ ایک شخص کھانا بہت کھایا کرتا تھا، پھر وہ مسلمان ہوگیا تو تھوڑا کھانے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنت میں۔ روایت کیا اس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے۔

فصل ۲۵:۔ بعض دعاؤں کی یہ برکت ہے کہ بیماری لگنے یا اور بلا پہنچنے کا خوف نہیں رہتا۔ حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی مبتلائے غم یا مرض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ؕ سو وہ ہرگز اس شخص کو نہ پہنچے گی خواہ کچھ ہی ہو، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

فصل ۲۶:۔ بعض دعاؤں میں یہ برکت ہے کہ فکریں زائل ہوجاتی ہیں اور قرض ادا ہوجاتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو بہت سے افکار اور قرض نے گھیر لیا، آپ نے ارشاد فرمایا، تجھ کو ایسا کلام نہ بتلادوں کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تیری ساری فکریں دور کردے اور تیرا قرض بھی ادا کردے، اس شخص نے عرض کیا بہت خوب، فرمایا صبح و شام یہ کہا کر اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے یہی کیا سو میری ساری غم و فکریں بھی جاتی رہیں اور قرض بھی ادا ہوگیا روایت کیا ابوداؤد نے۔

فصل ۲۷:۔ بعض دعا ایسی ہے کہ سحر وغیرہ کے اثر سے محفوظ رکھتی ہے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چند کلمات کہ اگر میں نہ کہتا رہتا، یہود مجھ کو گدھا بنادیتے، کسی نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں انھوں نے یہ بتلائے اَعُوْذُ بِوَجْهِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَّبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ ؕ روایت کیا اس کو مالک رحمۃ اللہ علیہ نے۔

اسی طرح طاعات میں اور بے شمار فوائد و منافع ہیں جو قرآن شریف و حدیث شریف میں اور روزانہ معاملات میں غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں اور ہم تو کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہیں ان کی زندگی ایسی حلاوت و لطف سے بسر ہوتی ہے کہ اس کی

نظیر امراء میں نہیں ملتی، ان کے قلیل میں برکت ہوتی ہے، ان کے دلوں میں نورانیت ہوتی ہے جو اصلی سرمایۂ سرور ہے۔ یاالٰہی سب کو اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائیے اور اپنی رضامندی و قرب نصیب فرمائیے۔

تیسرا باب

"اس بیان میں کہ گناہ میں اور سزائے آخرت میں کیسا قوی تعلق ہے"

جاننا چاہیئے کہ کتاب وسنت اور کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اس عالمِ دنیا کے دو عالم اور ہیں ایک کو برزخ اور دوسرے کو عالمِ غیب کہتے ہیں اور ہماری مراد آخرت سے مفہوم عام ہے دونوں کو شامل ہے تو جس وقت آدمی کوئی عمل کرتا ہے تو فوراً عالم برزخ میں منعکس ہو کر چھپ جاتا ہے اور اس وجود پر کچھ آثار بھی مرتب ہوتے ہیں، اس عالم کا نام قبر بھی ہے پھر انھیں اعمال کا ایک وقت میں کامل ظہور ہوگا جس کو یوم حشر و نشر کہتے ہیں، سو ہر عمل کے مراتب وجودی تین ہوئے، صدور[1] ظہور[2] مثالی، ظہور تحقیقی، اس مضمون کو فونوگراف سے سمجھنا چاہیئے۔ جب آدمی کوئی بات کرتا ہے اس کے تین مرتبے ہوتے ہیں، ایک مرتبہ یہ کہ وہ بات منہ سے نکلی، دوسرا مرتبہ یہ کہ فوراً فونوگراف میں وہ الفاظ بند ہوگئے، تیسرا مرتبہ یہ کہ جب اس سے آواز نکالنا چاہیں وہی آواز بعینہٖ پیدا ہوجاوے سو منہ سے نکلنا عالمِ دنیا کی مثال ہے اس میں بند ہونا عالمِ برزخ کی، پھر اس سے نکلنا عالمِ غیب کی، سو جیسا کوئی عاقل شک نہیں کرتا کہ الفاظ منہ سے نکلتے ہی فونوگراف میں بند ہوجاتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کرتا کہ نکالنے کے وقت وہی بات نکلے گی جو اول منہ سے نکلی تھی۔ اس کے خلاف نہ نکلے گی۔ اسی طرح مؤمن کو اس میں شک نہ چاہیئے کہ جس وقت کوئی عمل اس سے صادر ہوتا ہے فوراً وہ عالمِ مثال میں منقش ہوتا ہے اور آخرت میں اس کا ظہور ہوگا اس بنا پر یقین ہوگیا کہ آخرت[1] کا سلسلہ

---

[1] اور یہ شبہ نہ ہو کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی جنت ایک بالشت رہ جاتی ہے پھر تقدیر غالب آتی ہے اور یہ شخص دوزخی ہوجاتا ہے اسی طرح دوزخی سے جنتی، اس سے تو صاف مجبوری معلوم ہوتی ہے جواب یوں سمجھو کہ یہ غلبہ (بقیہ بر صفحہ ۲۰۴)

بالکل ہماری اختیاری حالت پر مبنی ہے کوئی وجہ مجبوری کی نہیں سو جیسے فوٹو فون کے قرب و محاذات کے وقت ایک ایک بات کا خیال رہتا ہے کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے، کوئی ایسی بات نہ نکل جاوے جس کا اظہار میں اس شخص کے روبرو پسند نہیں کرتا جس کے سامنے یہ فوٹو فون بعد میں کھولا جاویگا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس وقت مجالِ انکار نہ ہوگی کیونکہ اس آلہ کا یہ یقینی خاصہ ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کہا کچھ اور بند ہو گیا اور کچھ اسی طرح صدورِ اعمال کے وقت اس امر کا خیال رہنا چاہیئے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں کہیں جمع ہوتا ہے اور بلا کمی بیشی ایک روز کھل پڑے گا اور اس وقت کوئی عذر حیلہ احتمال کمی بیشی کا نہ چل سکے گا اور اگر یہ خیال غالب ہو جاوے تو گناہ کرنے سے ایسا اندیشہ ہو جیسا فوٹو فون کے روبرو گالیاں دینے سے: جبکہ یہ یقین ہو کہ بادشاہ کے روبرو کھولا جاوے گا اور میں بھی اس وقت حاضر ہوں گا یا دوسری موٹی مثال سمجھیے درخت پیدا ہونے میں تین مرتبے ہیں، اول تخم ڈالنا، دوسرے اس کا زمین سے نکلنا تیسرے بڑا ہو کر پھل پھول لگنا سو عاقل سمجھتا ہے کہ درخت کا نکلنا اور اس میں پھل پھول آنا ابتدائی کارخانہ نہیں ہے اسی تخم پاشی پر مبنی ہے اسی طرح دنیا میں عمل کرنا بمنزلۂ تخم پاشی کے ہے اور آثارِ برزخی کا ظاہر ہونا بمنزلۂ درخت نکلنے کے ہے، آثارِ آخرت کا ظاہر ہونا اس میں پھل پھول لگنا ہے، ثمراتِ برزخ و آخرت بالکل انھیں اعمالِ اختیاریہ پر مبنی ٹھیرے جیسا جَو بو کر کبھی توقع نہیں ہوتی کہ گیہوں پیدا ہوگا اسی طرح اعمالِ بد کر کے کیوں توقع ہوتی ہے کہ ثمراتِ نیک شاید ہم کو مل جاویں، اسی مقام سے یہ مضمون سمجھ میں آگیا ہوگا اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ ایک بزرگ کا قول ہے ؎

گندم از گندم بروید جَو ز جَو ؛ از مکافاتِ عمل غافل مشو

اور جس طرح تخمِ جَو اور درختِ جَو میں مماثلت نہیں ہوتی مگر معنوی مناسبت یقینی ہے جس کو اہلِ نظر سمجھتے ہیں اسی طرح اعمال اور جزا میں خفی مناسبت ہے جس کے سمجھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے۔

(بقیہ ص۲۶) تقدیر کا تو تمام امورِ اختیاریہ میں واقع ہوا کرتا ہے بعض اوقات خوب علاج کرتے ہیں اور غلبۂ تقدیر سے مریض مر جاتا ہے مگر پھر بھی صحت کو علاج پر مرتب سمجھ کر چھوڑ نہیں دیتے، اصل یہ ہے کہ اعتبار اکثری معاملات کا ہوتا ہے، اتفاق شاذہ پر حکم نہیں لگایا جاتا۔ سو یہ صورت اتفاقی ہے ورنہ اکثر جنتی سے جنت کے اعمال، دوزخی سے دوزخ کے اعمال سرزد ہوتے ہیں قال اللہ تعالیٰ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی الخ ۱۲ منہ۔

باقی جس طرح درخت جو کے پہچاننے والوں کا قول قابلِ اعتبار سمجھا جاتا ہے اور ان سے اس حکم میں منازعت نہیں کی جاتی خواہ مناسبت سمجھ میں آوے یا نہ آوے، اسی طرح ثمراتِ اعمال کو پہچان کر بتلانے والوں کا (یعنی انبیاؤں اور اولیاؤں کا) ارشاد واجب القبول ہے خواہ مناسبت سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔ ہم بعض اعمال کے ثمرات جو موت کے بعد پیش آویں گے خواہ برزخ میں یا آخرت میں، ذکر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کارخانہ بعد الموت ابتدائی کارخانہ نہیں بلکہ اسی کارخانہ پر مرتب و مسبب ہے، اس کے بعد بعض اہلِ معانی کے اقوال سے بعض اعمال و ثمرات کی مناسبت کو تمثیلاً ذکر کریں گے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ وہاں جو کچھ ہے یہاں کا ظہور اور تمثیل ہے اور یہ ارشادات سمجھ میں آجاویں۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ وقوله تعالیٰ۔ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ؕ وقوله تعالیٰ يَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا۔ وقوله تعالیٰ۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ؕ وقوله تعالیٰ۔ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ؕ وغیرہا من الآیات۔

فصل ۲ : بعض اعمال کے آثار برزخیہ میں جس سے ان اعمال کی صورت مثالیہ منکشف ہوگی، امام بخاری رحنے بروایت سمرہ بن جندب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صحابہ سے دریافت فرماتے کہ تم نے شب کو کوئی خواب تو نہیں دیکھا، جو شخص کوئی خواب عرض کرتا آپ اس کی تعبیر ارشاد فرماتے۔ اسی طرح حسبِ معمول ایک روز صبح کے وقت ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے ایک خواب دیکھا ہے، دو شخص میرے پاس آئے مجھ کو اٹھا کر کہا چلو، میں ان کے ساتھ چلا۔ ایک شخص پر ہمارا گذر ہوا کہ وہ لیٹا ہوا ہے اور دوسرا شخص اس کے پاس ایک پتھر لیے کھڑا ہے اور اس کے سر پر زور سے مارتا ہے جس سے اس کا سر کچل جاتا ہے اور پتھر آگے کو لڑھک جاتا ہے، وہ جاکر پتھر کو پھر اٹھا لاتا ہے اور یہ ابھی لوٹنے نہیں پاتا کہ اس کا سر اچھا ہو جاتا ہے جیسا پہلے تھا، وہ آکر پھر اسی طرح کرتا ہے میں نے ان دو شخصوں سے

---

۱ یہ حدیث خوابِ کافی سے نقل ہے ۱۲ منہ

تعجباً کہا سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ انھوں نے کہا چلو چلو، ہم آگے چلے، ایک شخص پر گذر ہوا، جو چت لیٹا ہے اور دوسرا شخص اس کے پاس لوہے کا زنبور لیے کھڑا ہے اور اس لیٹے ہوئے شخص کے منہ کے ایک جانب آکر اس کا کلّہ اور نتھنا اور آنکھ گدی تک چیرتا چلا جاتا ہے پھر دوسری طرف آکر اسی طرح کرتا ہے۔ اور اس جانب سے فارغ نہیں ہونے پاتا کہ وہ جانب اچھی ہو جاتی ہے، پھر اس طرف جاکر اسی طرح کرتا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ کہنے لگے چلو چلو، ہم آگے چلے، ایک تنور پر پہنچے، اس میں بڑا شور وغل ہو رہا ہے ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس میں بہت سے مرد وعورت ننگے ہیں اور ان کے نیچے سے ایک شعلہ آتا ہے، جب وہ ان کے پاس پہنچتا ہے، اس کی قوت سے یہ بھی اونچے اٹھ جاتے ہیں میں نے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ وہ دونوں بولے چلو چلو ہم آگے چلے، ایک نہر پر پہنچے کہ خون کی طرح لال تھی اور اس نہر کے اندر ایک شخص تیر رہا ہے اور نہر کے کنارے پر ایک اور شخص ہے اس نے بہت سے پتھر جمع کر رکھے ہیں، وہ شخص تیرتا ہوا اُدھر کو آتا ہے یہ شخص اس کے منہ پر ایک پتھر کھینچ کر مارتا ہے۔ جس کے صدمہ سے پھر وہ اپنی جگہ پر پہنچ جاتا ہے پھر وہ تیر کر نکلتا ہے، یہ شخص پھر اسی طرح اس کو ہٹا دیتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں؟ کہنے لگے چلو چلو، ہم آگے چلے، ایک شخص پر گذر ہوا کہ بڑا ہی بدشکل ہے کہ کبھی ایسا کوئی نظر سے نہ گذرا ہوگا اور اس کے سامنے آگ ہے اس کو جلا رہا ہے اور اس کے گرد پھر رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ کہنے لگے چلو چلو ہم آگے چلے، ایک گنجان باغ میں پہنچے جس میں ہر قسم کے بہاری[1] شگوفے تھے اور اس باغ کے درمیان ایک شخص نہایت دراز قد جس کا سر اونچائی کے سبب دکھائی نہیں پڑتا، بیٹھے ہیں اور ان کے آس پاس بڑی کثرت سے بچے جمع ہیں۔ میں نے پوچھا یہ باغ کیا ہے اور یہ لوگ کون ہیں؟ کہنے لگے چلو چلو ہم آگے چلے، ایک عظیم الشان درخت پر پہنچے کہ اس سے بڑا اور خوبصورت درخت کبھی میں نے نہیں دیکھا ان دونوں شخصوں نے مجھ سے کہا کہ اس پر چڑھو۔ ہم اس پر چڑھے تو ایک شہر ملا، کہ اس کی عمارت میں ایک ایک اینٹ سونے کی ایک ایک اینٹ چاندی کی لگی ہے، ہم شہر کے دروازے پر پہنچے اور اس کو کُھلوایا وہ کھول دیا گیا ہم اس کے اندر گئے ہم کو چند آدمی ملے جن کا آدھا بدن ایک طرف کا تو نہایت خوبصورت اور آدھا بدن نہایت بدصورت تھا۔

---

[1] یعنی موسم بہار کے۔ منہ

وہ دونوں شخص ان لوگوں سے بولے جاؤ اس نہر میں گر پڑو، اور وہاں ایک چوڑی نہر جاری ہے پانی سفید ہے جیسا دودھ ہوتا ہے، وہ لوگ جاکر اس میں گر گئے پھر ہمارے پاس جو آئے تو بدصورتی بالکل جاتی رہی، پھر ان دونوں شخصوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنتِ عدن ہے اور دیکھو تمہارا گھر وہ رہا، میری نظر جو اوپر بلند ہوئی تو ایک محل ہے جیسا سفید بادل کہنے لگے یہی تمہارا گھر ہے میں نے دونوں سے کہا اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے، مجھ کو چھوڑ دو میں اس کے اندر چلا جاؤں کہنے لگے ابھی نہیں بعد میں جاؤ گے میں نے ان سے کہا آج رات بھر بہت عجیب تماشے دیکھے آخر یہ کیا چیزیں تھیں؟ وہ بولے ہم ابھی بتلاتے ہیں، وہ جو شخص تھا جس کا سر پتھر سے کچلتا دیکھا وہ ایسا شخص ہے جو قرآن مجید حاصل کر کے اس کو چھوڑ کر فرض نماز سے غافل ہو کر سو رہتا تھا اور جس شخص کے کلّے اور نتھنے اور آنکھ گدی سے چیرتے دیکھا یہ ایسا شخص ہے کہ صبح کو گھر سے نکلتا اور جھوٹی باتیں کیا کرتا جو دور دور پہنچ جاتیں، اور وہ جو ننگے مرد عورت تنور میں نظر آئے یہ زنا کرنے والے مرد عورت ہیں اور جو شخص نہر میں تیرتا تھا اور اس کے منہ میں پتھر بھرے جاتے تھے یہ سود خوار ہے اور وہ جو بدشکل آدمی آگ جلاتا ہوا اور اس کے گرد دوڑتا ہوا دیکھا وہ مالک داروغہ دوزخ کا ہے اور جو دراز قامت شخص باغ میں دیکھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور جو بچے ان کے آس پاس دیکھے یہ وہ بچے ہیں جن کو فطرت پر موت آگئی، کسی مسلمان نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین کے بچے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مشرکین کے بچے بھی اور وہ جو لوگ تھے جن کا نصف بدن خوبصورت اور نصف بدن بدصورت تھا، یہ وہ لوگ ہیں کہ کچھ عمل نیک کیے تھے اور کچھ بد، کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا، فقط۔

اس حدیث سے ان اعمال کے آثار واضح ہوئے اور مناسبتیں گو خفی ہیں مگر ذرا تأمل سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنے اور کلّے چیرے جانے میں مناسبت ظاہر ہے اور زنا کرنے سے جو آتشِ شہوت تمام بدن میں پھیل جاتی ہے اس میں اور آتشِ عقوبت کے محیط ہو جانے میں مناسبت ظاہر ہے اور زنا کے وقت برہنہ ہو جاتے ہیں اور جہنم میں برہنہ ہو جانا، اس میں مناسبت ظاہر ہے علیٰ ہذا القیاس، سب اعمال کو اسی طرح سوچ لینا چاہیئے۔

فصل ۱۲۔ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ سانپ کی شکل بن کر اس کے گلے میں بطور طوق کے ڈالا جاوے گا

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہیں ہے کوئی شخص

جو نہ دیتا ہو زکوٰۃ اپنے مال کی مگر یہ کہ ڈال دیں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں ایک اژدہا۔ پھر آپ نے اس کی تائید کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ الاٰية روایت کیا اس کو ترمذی علیہ الرحمۃ نے۔

فصل ۳:۔ بدعہدی بشکل جھنڈے کے متمثل ہو کر قیامت کے دن موجب رسوائی ہوگی، عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو شخص پناہ دیوے کسی شخص کو اس کی جان پر پھر اس کو قتل کر دے، دیا جاویگا اس کو جھنڈا اس کی پشت پر گاڑ کر پکارا جاویگا۔ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانٍ۔ یعنی یہ فلاں شخص کی بدعہدی ہے۔

فصل ۴:۔ چوری اور خیانت جس چیز میں کی ہوگی وہی آلہ تعذیب ہو جائیگی، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک غلام ہدیہ میں بھیجا اس کا نام مدعم تھا وہ مدعم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ اسباب اتار رہا تھا کہ دفعۃً اس کے ایک تیر آکر لگا جس کا مارنے والا معلوم نہ ہوا، لوگوں نے کہا کہ بہشت اس کو مبارک ہو، آپ نے فرمایا ہرگز ایسا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ وہ جو کملی اس نے یوم خیبر میں لے لی تھی تقسیم نہ ہونے پائی تھی وہ آگ بن کر اس پر مشتعل ہو رہی ہے۔ جب لوگوں نے یہ مضمون سنا، ایک شخص جوتے کا ایک یا دو تسمے واپس کرنے کو لایا آپ نے فرمایا اب کیا ہوتا ہے، یہ ایک تسمہ یا دو تسمہ تو آگ کا ہے، روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

فصل ۵:۔ غیبت کرنے کی صورت مثالی مُردہ بھائی کے گوشت کھانے کی، قال اللہ تعالیٰ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ الاٰية۔ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ نہ غیبت کرے کوئی تم میں سے کسی کی، کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے یہ کہ کھاوے گوشت اپنے بھائی کا جبکہ وہ مرا ہو، ضرور اس کو تو ناپسند کرو گے فقط، اس وجہ سے غیبت خواب میں اسی شکل میں نظر آتی ہے۔

فصل ۶:۔ اہل معانی کے اقوال سے بعض چیزوں کی صورت مثالیہ کے بیان میں، محققین نے فرمایا ہے، کہ ہر خصلت ذمیمہ کو ایک جانور کے ساتھ خصوصیت خاصہ ہے، جس شخص میں وہ خصلت غالب ہو جاتی ہے، عالم مثالی میں اس شخص کی شکل اس جانور کی سی ہو جاتی ہے، امم سابقہ میں وہ شکل اسی عالم میں ظاہر ہو جاتی تھی،

اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں رسوا ہونے سے محفوظ رکھا لیکن دوسرے عالم میں وہ شکل بن جانی ہے۔ قیامت کے روز اس کا ظہور ہوگا اور اہل کشف کو یہاں ہی مکشوف ہوجاتی ہے، سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ یعنی نہیں کوئی جانور چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے مگر وہ سب جماعتیں ہیں مثل تمہارے، سفیان کہتے ہیں کہ بعض لوگ درندوں کے اخلاق پر ہوتے ہیں بعض کتوں کے اور سوروں اور گدھوں کے اخلاق پر ہوتے ہیں، بعض بناؤ سنگار کرکے طاؤس کے مشابہ بنتے ہیں۔ بعض پلید ہوتے ہیں مثل گدھے کے، بعض خود پرور ہوتے ہیں مثل مرغی کے، بعض کینہ ور ہوتے ہیں مثل اونٹ کے بعض مشابہ مکھی کے ہوتے ہیں بعض مشابہ لومڑی کے فقط۔ امام ثعلبیؒ نے فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا کی تفسیر میں کہا ہے کہ قیامت میں لوگ مختلف صورتوں میں محشور ہوں گے، جس جانور کی عادات طبیعت پر غالب ہونگی قیامت میں اسی کی شکل بن جاوے گی۔

فصل: بعض اعمال کی صورت مثالیہ کی تحقیق حضرت مولوی روم علیہ الرحمۃ کے قول سے ؎

چوں سجودے یا رکوعے مرد کشت — شد دراں عالم سجود او بہشت
چوں کہ پرید از دہانت حمد حق — مرغ جنت ساختش رب الفلق
حمد و تسبیحت نماند مرغ را — ہم چو نطفہ مرغ بادست و ہوا
چوں ز دستت رفت ایثار و زکوٰۃ — گشت ایں دست آں طرف نخل و نبات
آب صبرت آب جوئے خلد شد — جوئے شیر خلد مہر تست و دود
ذوق طاعت گشت جوئے انگبیں — مستی و شوق تو جوئے خمر بیں
ایں سببہا آں اثرہا را نماند — کس نداند چونش جائے آں نشاند
ایں سبب ہا چوں بہ فرمان تو بود — چار جو ہم مر ترا فرماں نمود
ہر طرف خواہی روانش می کنی — آں صفت ہا چوں چنانش می کنی
چوں منی تو کہ در فرمان تست — نسل تو در امر تو آیند چیست
میدود در امر تو فرزند تر — کہ منم جزوت کہ کردیش گرد

آں صفت درامر تو بود ایں جہاں — ہم درامر تست آں جوہا رواں
آں درختاں مر ترا فرماں برند — کاں درختاں از صفاتت یا برند
چوں بامرِ تست اینجا ایں صفات — پس درامر تست آنجا آں جزات
چوں زدستت زخم بر مظلوم رست — آں درختے گشت ازاں زقوم زشت
چوں زخشم آتش تو در دلہا زدی — مایۂ نارِ جہنم آمدی
آتشت اینجا چو مردم سوز بود — آنچہ ازوی زاد مرد افروز بود
آتش تو قصد مردم می کند — نار کزوے زاد بر مردم زند
آں سخن ہائے چو مار و کژدم ست — مار و کژدم گشت و می گیرد دوست

رجوع بہ مطلب:۔ آیات و احادیث و اقوال مذکورہ سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ آدمی جو کچھ عمل کرتا ہے اس کا وجود باقی رہتا ہے اور وہ ایک روز کھلنے والا ہے قال اللہ تعالیٰ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ؕ پس جنت دوزخ اپنے ہاتھوں آدمی لیتا ہے اور یہ تحقیق مسئلہ تقدیر کے مخالف نہیں ہے کیونکہ مسئلہ تقدیر میں یہ بات نہیں بتلائی گئی کہ کوئی شے بلا سبب ہو جاتی ہے ہرگز ایسا نہیں بلکہ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے اس کے اسباب اول جمع ہوتے ہیں پھر وہ امر واقع ہو جاتا ہے، منجملہ اسباب تو یہ دخول جنت و دوزخ کے اعمال حسنہ یا سیئہ ہیں، اسی لیے صحابہؓ نے جب اعمال کا فائدہ پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِعۡمَلُوۡا فَکُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ۔ یعنی عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کو وہی کام آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے قال اللہ تعالیٰ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی الآیۃ۔ خلاصہ یہ کہ جیسا یہاں کروگے برزخ اور قیامت میں اسی سے پردہ اٹھ جاوے گا۔ قال اللہ تعالیٰ فَکَشَفۡنَا عَنۡکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ۔ الآیۃ۔ یا الٰہی ہم لوگوں کو فہم صحیح عطا فرمائیے اور اس قدر تذکر نصیب کر دیجیے کہ گناہ کے وقت اس کی جزا پیش نظر ہو جایا کرے پھر اس سے بچنے کی بھی توفیق عطا ہو۔ آمین۔

چوتھا باب

"اس بیان میں کہ طاعت کو جزائے آخرت میں کیسا کچھ دخل و تاثیر ہے"

اس کی اجمالی تحقیق تو آغاز باب سوم سے اچھی طرح دریافت ہو چکی ہے۔ اس مقام پر صرف دو چار اعمال کی مثالی صورت دلائل سے لکھنا کافی معلوم ہوتا ہے۔

فصل ۱: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کی صورت مثالی درخت کی سی ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاقات کی میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شب معراج میں، انھوں نے فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہیے اور خبر دیجیے کہ جنت ستھری مٹی والی شیریں پانی والی ہے اور اصل میں وہ صاف میدان ہے اور اسکے درخت سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذیؒ نے۔

فصل ۲: سورۂ بقرہ اور آل عمران کی صورت مثالی مثل ٹکڑیوں بادل یا پرندوں کے ہے، نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، لایا جاویگا قرآن مجید کو قیامت کے دن اور قرآن والوں کو جو اس پر عمل کرتے تھے، آگے آگے ہوگی اس کے سورۂ بقرہ اور آل عمران جیسے دو بدلیاں ہوں سیاہ سائبان ہوں، ان کے بیچ میں ایک چمک ہوگی، و بقول محققین یہ چمک بسم اللہ کی ہے یا جیسے قطار باندھنے والے پرندوں کی دو ٹکڑیاں ہوں، حجت کریں گی دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کی جانب سے، روایت کیا اس کو مسلمؒ نے۔

فصل ۳: سورۂ قل ہو اللہ احد کی صورت مثالی مثل قصر کے ہے، سعید ۲۰۰۱۱ بن مسیبؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص قل ہو اللہ احد دس مرتبہ پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار ہوتا ہے اور جو بیس مرتبہ پڑھے اس کے لیے دو محل تیار ہوتے ہیں اور جو تیس مرتبہ پڑھے اس کیلئے تین محل تیار ہوتے ہیں جنت میں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے قسم خدا کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

تب تو ہم اپنے بہت سے محل بنوالیں گے، آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ فراغت و گنجائش والے ہیں۔ روایت کیا اس کو دارمی علیہ الرحمۃ نے۔

فصل ۴:۔ عمل جاری کی صورت مثالی چشمہ کے مثل ہے، ام العلاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خواب میں ایک چشمہ جاری دیکھا اور یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے فرمایا یہ ان کا عمل ہے۔ جو جاری ہوتا ہے ان کے لیے، روایت کیا اس کو بخاریؒ نے۔

فصل ۵:۔ دین کی شکل مثالی مثل لباس کے ہے، ابو سعید[۱] خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، میں خواب میں تھا کہ لوگوں کو اپنے روبرو پیش ہوتے دیکھا کہ وہ کرتے پہنے ہیں، کسی کا کرتہ تو سینہ تک ہے کسی کا اس سے نیچے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پیش ہوئے تو ان کا کرتہ اتنا بڑا ہے کہ زمین پر گھسیٹے چلتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر لی، آپ نے فرمایا دین۔

فصل ۶:۔ علم کی شکل مثالی مثل دودھ کے ہے، ابن عمر[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ خواب میں میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس سے پیا یہاں تک کہ اس کی سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں سے نکلتا پایا۔ پھر بچا ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا لوگوں نے عرض کیا پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر لی، آپ نے فرمایا علم۔

فصل ۷:۔ نماز کی شکل مثالی مثل نور کے ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کا ذکر فرمایا ارشاد فرمایا کہ جو شخص محافظت کریگا نماز پر وہ نماز اس کے لیے قیامت کے دن نورانی اور برہان اور نجات ہوگی۔

فصل ۸:۔ صراطِ مستقیم کی شکل مثالی مثل پل صراط کے ہے، امام غزالیؒ نے رسالے[۳] حل مسائل غامضہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ پل صراط پر ایمان لانا برحق ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پل صراط باریکی میں بال کے مانند ہے یہ تو اس کے وصف میں ظلم ہے بلکہ وہ تو بال سے بھی باریک ہے، اس میں اور بال میں کچھ مناسبت ہی نہیں جیسا کہ

۱، ۲ کذا فی المشکوٰۃ ۱۲ منہ ۳ نقل من ترجمۃ المسماۃ حقیقۃ روح انسانی ۱۲ منہ

باریکی میں خط ہندسی کو جو سایہ اور دھوپ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں اس کا شمار ہے نہ دھوپ میں، بال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں، پل صراط کی باریکی بھی خطِ ہندسی کے مثل ہے جس کا کچھ عرض نہیں کیونکہ وہ صراطِ مستقیم کی مثال پر ہے جو باریکی میں خط ہندسی کی مثل ہے اور صراط مستقیم اخلاق متضادہ کی وسط حقیقی سے مراد ہے جیساکہ فضول خرچی اور بخل کے درمیان وسط حقیقی سخاوت ہے۔ تہور یعنی افراط قوت غضبی اور جبن یعنی بزدلی کے درمیان میں شجاعت، اسراف اور تنگی خرچ کے درمیان میں وسط حقیقی میانہ روی ہے۔ تکبر اور غایت درجہ کی ذلت کے درمیان میں تواضع، شہوت اور خمود کے درمیان میں عفت، کیونکہ ان صفتوں کی دو طرفیں ہیں ایک زیادتی دوسرے کمی، وہ دونوں مذموم ہیں افراط اور تفریط کے مابین وسط ہے وہ دونوں طرف کے نہایت دوری ہے اور وہ وسط میانہ روی ہے نہ زیادتی کی طرف ہیں اور نہ نقصان کی طرف میں جیسا خطِ فاصل دھوپ اور سایہ کے مابین ہوتا ہے۔ نہ سایہ میں ہے نہ دھوپ میں، جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے قیامت میں صراطِ مستقیم کو جو خط ہندسی کی طرح ہے جس کا کچھ عرض نہیں، ممثل کریں گے تو ہر انسان سے اس صراط پر استقامت کا مطالبہ ہوگا۔ پس جس شخص نے دنیا میں صراطِ مستقیم پر استقامت کی اور افراط و تفریط یعنی زیادتی و کمی کی دونوں جانبوں میں سے کسی جانب میلان نہ کیا وہ اس پل صراط پر برابر گذر جائے گا اور کسی طرف کو نہ جھکے گا کیونکہ اس شخص کی عادت دنیا میں میلان سے بچنے کی تھی، سو یہ اس کا وصفِ طبعی بن گیا اور عادت طبیعت کا خاصہ ہوتی ہے سو صراط پر برابر گذر جائیگا، اور ان دلائل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ کارخانہ آخرت کا غیر منتظم نہیں ہے کہ جس کو چاہا پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا، یوں مالک حقیقی کو سب اختیار ہے مگر عادت اور وعدہ یونہی ہے کہ جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے، اسی لیے جابجا ارشاد فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ، اور ارشاد فرمایا ہے سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ یعنی دوڑو طرف مغفرت پروردگار اپنے کے اور طرف جنت کے جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے (یہ ہمارے سمجھانے کو فرمایا) سو اگر جنت میں داخل ہونا بالکل غیر اختیاری ہے تو اس کی طرف دوڑنے کو کیسے حکم فرمایا ہے، یعنی اس کے اسباب اختیار میں دیئے ہیں جن پر دخول جنت حسبِ وعدہ آیہ مرتب ہو جاتا ہے اسی لیے بعد حکم مُسَابَقَتْ اِلَى الْجَنَّةِ کے ان اعمال و اسباب کو ذکر فرمایا جو یقیناً انسان کے اختیار میں ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ اَلَّذِيْنَ

فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ٥ یعنی یہ جنت ایسے پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور پی جانے والے ہیں غصہ کے اور معاف کرنیوالے ہیں لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں نیکی کرنے والوں کو اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب کر گذرتے ہیں کوئی بیحیائی کا کام یا ظلم کرتے ہیں اپنی جانوں پر، فوراً یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور معافی مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور سوا اللہ تعالیٰ کے گناہ کو بخشتا ہی کون ہے اور وہ لوگ اڑتے نہیں اس کام پر جو کیا انھوں نے وہ جانتے ہیں۔ دیکھیے اس آیت میں صاف فرمادیا کہ جنت ایسوں کے لیے ہے جن میں فلاں فلاں اوصاف ہیں اور یہ سب اوصاف اختیاری ہیں۔ اس کے بعد اور بھی صاف لفظوں میں بتلاتے ہیں کہ ان کاموں کے کرنے سے ضرور جنت مل ہی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ شئے محبوب کے اسباب بھی محبوب ہوتے ہیں۔ دیکھو پلٹر دار مزدور چونکہ جانتے ہیں کہ اسباب اٹھانے سے پیسہ ملے گا سو مسافروں کے اسباب لینے اور لادنے کے لیے آپس میں کیسا جھگڑتے ہیں اور ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھ پر یہ اسباب لادا جاوے اور باوجود مشقت و تعب کے پھر بھی بوجھ لادنے میں ان کو ایک قسم کا لطف و لذت ملتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ جنت محبوب ہو، اللہ تعالیٰ کا لقاء محبوب ہو اور اس کے اسباب یعنی اعمال صالحہ مرغوب محبوب نہ ہوں اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ لَمْ أَرَ مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا أَوْ كَمَا قَالَ۔ یعنی میں نے جنت کے برابر کوئی چیز عجیب نہیں دیکھی جس کا طالب سو جاوے۔ جس کو دیدۂ بصیرت سے یہ مضمون کھل گیا ان کو بیشک ان اعمال شاقہ میں لطف اور راحت ملتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ یعنی بیشک نماز ضرور گراں گذرتی ہے مگران لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں جن کا یہ یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف رجوع ہونے والے ہیں، سو نماز کے آسان ہونے کے لیے یہ یقین معین ٹھیرا کہ ہم کو اپنے رب سے ملنا ہے اور حدیث صحیح میں ارشاد ہے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ یعنی نماز میں مجھ کو آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت ملتی ہے۔

مشورۂ نیک

جب اعمال کی صورت مثالیہ معلوم ہوچکی تو اب تمام جزا وسزا تمہارے ہاتھوں ہے اگر چاہتے ہو کہ جنت کے بہت سے درخت ہمارے حصے میں آویں تو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر خوب پڑھا کرو، اگر چاہتے ہو کہ قیامت کے دن ہم سایہ میں ہوں تو سورۂ بقرہ، آل عمران کی تلاوت کیا کرو کہ وہ سائبان کی شکل میں ہوں گی۔
اگر چاہتے ہو کہ ہم کو جنت کا چشمہ ملے خیرات جاری کیا کرو، اگر چاہتے ہو کہ خوب کپڑے ملیں تو تقویٰ و دین کو مضبوط پکڑو، اگر چاہتے ہو کہ جنت میں دودھ کا چشمہ ملے یا حوض کوثر سے سیراب ہوں تو علم دین خوب حاصل کرو، اگر چاہتے ہو کہ پل صراط پر پل جھپکتے گذر جاؤ تو شریعت پر خوب مستقیم رہو، اگر چاہو کہ پل صراط پر ہمارے پاس نور ہے تو نماز کا خوب اہتمام کرو، اگر چاہو ہم کو جنت میں بہت سے محل ملیں تو خوب قل ہو اللہ پڑھا کرو۔
اسی طرح جو نعمت چاہو اس کے اسباب اختیار کرو، وہی اسباب ان نعمتوں کی شکل بن کر تم کو مل جاویں گے سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ وَلَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

خاتمہ

"بعض اعمال مخصوصہ کے بیان میں جو زیادہ مفید یا مضر ہیں اور بعض شبہات عوام کے جواب میں"۔

یوں تو جتنی طاعات ہیں سب ضروری ہیں اور جتنے سیئات ہیں سب مضر ہیں مگر بعض بعض اعمال جو بمنزلہ اصول کے ہیں زیادہ اہتمام کے قابل ہیں، فعلاً یا ترکاً کہ ان کے اہتمام سے دوسرے اعمال کی اصلاح کی زیادہ امید ہے ان کو ہم دو فصلوں میں لکھتے ہیں۔

فصل پہلی:۔ ایسی طاعات کے بیان میں جن کی محافظت سے امید ہے کہ دوسری طاعات کا سلسلہ قائم ہو جائے ایک ان میں علم دین کا حاصل کرنا ہے خواہ کتب سے حاصل کیا جاوے یا صحبت علماء سے بلکہ تحصیل کتب کے بعد بھی علماء کی صحبت ضروری ہے اور مراد ہماری علماء سے وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر خود عمل کرتے ہوں اور شریعت و حقیقت کے جامع ہوں، اتباع سنت کے عاشق ہوں، توسط پسند ہوں، افراط و تفریط سے بچتے ہوں، خلق پر شفیق ہوں، تعصب و عناد ان میں نہ ہو، گو اس وقت بھی بفضلہ تعالیٰ اس قسم کے علماء بہت ہیں اور ہمیشہ رہینگے

جیسا ہمارے سردار اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ ہے لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ۔ دیگر ہم چند بزرگوں کا نام تبرکًا اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں تاکہ غیر مذکورین کو مذکورین پر قیاس کرسکیں اور جن کی ایسی ہی شان ہو ان کی صحبت سے مستفید ہوسکیں۔

مکہ معظمہ میں حضرت سیدی مرشدی مولنا الحاج الشیخ محمد امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم۔

گنگوہ میں حضرت مولنا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم۔

سہارنپور میں جناب مولنا ابوالحسن صاحب مہتمم جامع مسجد سہارنپور۔

دیوبند میں جناب مولنا محمود حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند۔

حضرت حاجی محمد عابد صاحب مقیم مسجد چھتہ دیوبند۔

انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب دامت برکاتہم[1]

ایسے بزرگوں کی صحبت وخدمت جس قدر میسر ہوجائے غنیمت کبریٰ ونعمت عظمیٰ ہے اگر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتہ میں آدھ گھنٹہ ضرور التزام کرے اس کے برکات خود دیکھ لے گا، ایک ان میں سے نماز ہے جس طرح ہوسکے پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھتا رہے اور حتی الامکان جماعت حاصل کرنے کی بھی کوشش کرے اور بدرجہ مجبوری جس طرح ہاتھ آوے غنیمت ہے۔ اس سے دربار الٰہی میں ایک تعلق اور ارتباط قائم رہے گا، اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی حالت درست رہے گی اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ الآیۃ، ایک ان میں سے لوگوں سے کم بولنا اور کم ملنا اور جو کچھ بولنا ہو سوچ کر بولنا ہے، ہزاروں آفتوں سے محفوظ رہنے کا یہ ایک اعلیٰ درجہ کا آلہ ہے، ایک ان میں سے محاسبہ ومراقبہ ہے یعنی اکثر اوقات یہ خیال رکھے کہ میں اپنے مالک کے پیش نظر ہوں میرے سب اقوال وافعال واحوال پر ان کی نظر ہے۔ یہ مراقبہ ہوا اور محاسبہ یہ کہ کوئی وقت مثلاً سوتے وقت تنہا بیٹھ کر تمام دن کے اعمال یاد کرکے یوں خیال کرے کہ اس وقت میرا حساب ہو رہا ہے اور میں جواب سے عاجز ہو ہو جاتا ہوں، ایک ان میں سے توبہ واستغفار ہے۔ جب کبھی کوئی لغزش ہوجائے توقف نہ کرے کسی وقت یا کسی چیز کا انتظار نہ کرے فورًا تنہائی میں جاکر سجدہ میں گر کر خوب معذرت کرے اور اگر رونا آوے تو روئے ورنہ رونے کی صورت ہی بنائے۔ یہ پانچ چیزیں ہوئیں۔ علم وصحبت علماء، نماز پنجگانہ، قلت کلام وقلت

[1] افسوس اس وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ۱۲۔

مخالطت، محاسبہ و مراقبہ، توبہ و استغفار انشاء اللہ تعالیٰ ان تمام امور پنجگانہ کی پابندی سے جو کہ کچھ مشکل بھی نہیں، تمام طاعات کا دروازہ کھل جائے گا۔

فصل دوسری:۔ ایسے معاصی کے بیان میں کہ ان کے بچنے سے بفضلہ تعالیٰ قریب قریب تمام معاصی سے نجات ہو جاتی ہے۔ ایک ان میں سے غیبت ہے اس سے طرح طرح کے مفاسد دنیاوی و اخروی پیدا ہوتے ہیں جیسا ظاہر ہے اس میں آجکل بہت مبتلا ہیں اس سے بچنے کا سہل طریق یہ ہے کہ بلا ضرورتِ شدیدہ نہ کسی کا تذکرہ کرے نہ سُنے نہ اچھا نہ بُرا، اپنے ضروری کاموں میں مشغول رہے، ذکر کرے تو اپنا ہی کرے، اپنا دھندا کیا تھوڑا ہے جو اوروں کے ذکر کرنے کی فرصت اس کو ملتی ہے، ایک ان میں سے ظلم ہے خواہ مالی یا جانی یا زبانی مثلاً کسی کا حق مار لیا قلیل یا کثیر یا کسی کو ناحق تکلیف پہنچائی یا کسی کی بے آبروئی کی، ایک ان میں سے اپنے کو بڑا سمجھنا اوروں کو حقیر سمجھنا، ظلم و غیبت وغیرہ اسی مرض سے پیدا ہوتے ہیں اور بھی خرابیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں، حقد و حسد و غضب وغیر ذالک، ایک ان میں سے غصہ ہے، کبھی نہیں یاد کہ غصہ کر کے پچھتائے نہ ہوں کیونکہ حالتِ غضب میں قوتِ عقلیہ مغلوب ہو جاتی ہے۔ سو جو کام اس وقت ہوگا عقل کے خلاف ہی ہوگا جو بات ناگفتنی تھی وہ منہ سے نکل گئی جو کام ناکردنی تھا وہ ہاتھ سے ہو گیا بعد غصہ اترنے کے جس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا، کبھی کبھی عمر بھر کے لیے صدمہ میں گرفتاری ہو جاتی ہے، ایک ان میں سے غیر محرم عورت یا مرد سے کسی قسم کا علاقہ رکھنا خواہ اس کو دیکھنا، یا اس سے دل خوش کرنے کے لیے ہمکلام ہونا یا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا یا اس کے پسند طبع کے موافق اس کے خوش کرنے کو اپنی وضع یا کلام کو آراستہ و نرم کرنا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس تعلق سے جو جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو جو مصائب پیش آتے ہیں احاطۂ تحریر سے خارج ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ کسی رسالہ میں ضمناً اس کو کسی قدر زیادہ لکھنے کا ارادہ ہے۔ ان میں ایک طعام مشتبہ یا حرام کھانا ہے کہ اسی سے تمام ظلمات و کدورت نفسانیہ پیدا ہوتی ہیں کیونکہ غذا اسی سے بن کر تمام اعضاء و عروق میں پھیلتی ہے پس جیسی غذا ہوگی ویسا ہی اثر تمام جوارح میں پیدا ہوگا اور ویسے ہی افعال اس سے سرزد ہونگے۔ یہ چھ معاصی ہیں جن سے اکثر معاصی پیدا ہوتے ہیں ان کے ترک سے انشاء اللہ تعالیٰ اوروں کا ترک بہت سہل ہو جاویگا بلکہ امید ہے کہ خود بخود متروک ہو جاویں گے اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا۔ اب یہاں سے عوام کے بعض شبہات کا جواب دیا جاتا ہے جن سے وہ دھوکا میں پڑے ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا میں ڈالتے ہیں، جب کبھی ان سے التزامِ طاعات و اجتنابِ معصیت

کے لیے کہا جاتا ہے وہ ان ہی شبہات کو پیش کر دیا کرتے ہیں۔ یہ شبہات دو قسم کے ہیں، ایک قسم وہ شبہات ہیں جن سے صریح کفر لازم آتا ہے مثلاً یہ شبہ کہ دنیا نقد ہے اور آخرت نسیہ، اور نقد بہتر ہوتا ہے نسیہ سے۔ یا یہ شبہ کہ دنیا کی لذت یقینی ہے اور آخرت کی لذت مشکوک، تو یقینی کو مشکوک کی امید میں کس طرح چھوڑ دیں جیسے کسی نے کہا ہے ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

سو چونکہ ہمارا روئے سخن اس وقت اہل ایمان کی طرف ہے اس لیے ان شبہات کو مطروح النظر کرتے ہیں[1] دوسری قسم وہ شبہات جن کا باعث جہل و غفلت ہے۔ اس مقام پر ان کا جواب دینا مقصود ہے۔ ہم اس کو کئی فصلوں میں لکھتے ہیں۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ۔

فصل:۔ ایک شبہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور الرحیم ہیں، میرے گناہوں کی وہاں کیا حقیقت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک وہ غفور الرحیم ہیں مگر قہار و منتقم بھی تو ہیں سو تم کو کیسے معلوم ہو گیا کہ تمہارے لیے ضرور مغفرت ہو گی، ممکن ہے کہ انتقام و قہر ہونے لگے۔ علاوہ اس کے آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ غفور الرحیم اس شخص کیلئے ہیں جو پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور آئندہ اعمال کی اصلاح کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی اس کے بعد تیرا پروردگار ان لوگوں کے لیے غفور رحیم ہے جنھوں نے نادانی سے برا کام کیا پھر انھوں نے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنے اعمال درست کر لیے اور جو بلا توبہ مر جاوے تو بقدر گناہ تو مستحق عقوبت ہے اور فضل کا کوئی روکنے والا نہیں، مگر اس شخص کے پاس کیا دلیل ہے کہ میرے ساتھ یہی معاملہ ہو گا۔

---

[1] علاوہ اس کے ان شبہات کا لغو ہونا ہر عاقل پر ظاہر ہے۔ وجود آخرت تو دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا، اگر خود ان دلائل کے ثبوت میں کلام ہے تو بفضلہ تعالیٰ براہین عقلیہ اس کے اثبات کے لیے ہر وقت موجود ہیں، بعد ثبوت آخرت کے نقد کو نسیہ پر مطلقاً ترجیح دینا بالکل مغالطہ ہے۔ یہ قاعدہ اس وقت ہے کہ نسیہ اور نقد کماً و کیفاً برابر ہوں ورنہ تمام معاملات دنیا میں نسیہ کو نقد پر ترجیح دیا کرتے ہیں، پیسہ کی چیز اگر دو پیسہ میں ادھار بکنے لگے اور خریدار پر ذرا بھی اطمینان ہو خوشی خوشی سے دے ڈالتے ہیں، یہاں وہ قاعدہ کہاں گیا ۱۲ منہ

فصل:۔ ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ میاں ابھی کیا جلدی ہے آگے چل کر توبہ کریں گے، اس شخص سے یہ کہنا کہ تم کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ ابھی تم اور زندہ رہو گے۔ ممکن ہے کہ شب کو سوتے کے سوتے رہ جاؤ، یا اگر زندگی بھی ہوئی تو توبہ کی شاید توفیق نہ ہو، یاد رکھو کہ گناہ جس قدر بڑھتا جاتا ہے دل کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے۔ روز بروز توبہ کی توفیق کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ اکثر بلا توبہ مر جاتا ہے۔

فصل:۔ ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ میاں گناہ تو کرلیں پھر توبہ کر کے معاف کرالیں گے اس شخص سے یہ کہنا چاہئے کہ ذرا اپنی انگلی آگ کے اندر ڈال دو پھر اس پر مرہم لگا دیں گے۔ یہ ہرگز گوارا نہ ہوگا، پھر افسوس ہے کہ معصیت پر کیسے جرأت ہوتی ہے، اس شخص کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ توبہ کی توفیق ضرور ہی ہو جاویگی۔ یا اگر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے کہ توبہ قبول ہی کریں، پھر یہ کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان سے توبہ کرلینا اللہ تعالیٰ کے روبرو کافی نہیں بلکہ صاحب حق سے معاف کرانے کی ضرورت ہے۔

فصل:۔ ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں ہماری تقدیر ہی میں یوں لکھا ہے اور یہ شبہ بہت ارزاں ہے کہ ہر کس و ناکس اس سے منتفع ہوتا ہے، صاحبو! ذرا انصاف کرنا چاہئے کہ جس وقت گناہ کرتے ہیں خواہ اسی قصد سے کرتے ہو کہ چونکہ ہماری تقدیر میں لکھا ہے لاؤ تقدیر کی موافقت کریں، ہرگز نہیں، اس وقت اس مسئلہ کا ہوش بھی نہیں رہتا۔ جب گناہ سے فراغت ہو جاتی ہے، فرصت میں تاویل سوجھتی ہے اگر انصاف کر کے دیکھو خود اس تاویل کی بے قدری دل میں سمجھتے ہو گے، دوسرے بات یہ ہے کہ اگر تقدیر پر ایسا ہی بھروسہ ہے تو دنیاوی معاملات میں اس مسئلہ پر کیوں نہیں اعتقاد ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص تم کو جانی یا مالی ضرر پہنچا وے تو اس پر ہرگز عتاب جت کیا کرو، سمجھ لیا کرو کہ ان کی تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ شرارت کریں گے نقصان کریں گے وہاں مسئلہ تقدیر کے منکر بن جاتے ہو، یہاں سب سے بڑھ کر تقدیر پر تمہارا ہی ایمان ہوتا ہے۔

فصل:۔ ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر قسمت میں جنت لکھی ہے تو جنت میں جاویں گے اور اگر دوزخ لکھی ہے دوزخ میں جاویں گے۔ محنت و مشقت سب بیکار ہے، ان لوگوں سے کہنا چاہئے کہ اگر یہ بات ہے تو دنیوی معاملات میں کیوں تدبیریں و کوششیں کرتے ہو، کھانے کے لیے اس قدر اہتمام کرتے ہو، بوتے ہو، جوتتے ہو پیستے ہو، چھانتے ہو، گوندھتے ہو پکاتے ہو لقمہ بنا کر منہ میں لے جاتے ہو، چباتے ہو نگلتے ہو، کچھ بھی نہ کیا کرو، اگر قسمت میں ہے آپ ہی بن بنا کر پیٹ میں اتر جاویگا، نوکری کیوں کرتے ہو، کھیتی کیوں کرتے ہو

یہ شعر کیوں پڑھ دیا کرتے ہو؟ ؎

رزق ہر چند بے گماں برسد لیک شرط است جُستن از درہا

اگر اولاد کی تمنا ہوتی ہے تو نکاح کیوں کرتے ہو، پس جس طرح باوجود ثبوتِ تقدیر کے ان مسبّبات کے لیے اسباب خاصہ جمع کرتے ہو اسی طرح نعمائے آخرت کے لیے وہی اسباب و اعمال صالحہ جمع کرنا ضروری ہیں۔

فصل:- ایک دھوکا یہ ہوجاتا ہے کہ حدیث میں ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ سو ہم کو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن ہے ضرور ہمارے ساتھ حسن معاملہ ہوگا۔ سو خوب یاد رکھنا چاہیے رجا و حسن ظن کے معنی یہ ہیں، کہ اسباب کو اختیار کرکے مسبب کے مرتب ہونے کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے منتظر ہے، اپنی تدبیر پر وثوق نہ کر بیٹھے اور جو اسباب ہی کو اڑا دیا تو یہ حسن ظن نہیں ہے بلکہ غرور اور دھوکا ہے، اس کی موٹی مثال یہ ہے کہ تخم پاشی کرکے انتظار ہو کہ اب غلہ خدا کے فضل سے پیدا ہوگا، یہ تو امید ہے اگر تخم پاشی ہی نہ کرے اور اس ہوس پر بیٹھا رہے کہ اب غلہ پیدا ہوگا تو یہ نرا جنون ہے اور دھوکا ہے جس کا انجام افسوس و حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

فصل:- ایک دھوکا یہ ہوجاتا ہے کہ فلاں بزرگ کی اولاد یا فلاں بزرگ کے مرید ہیں یا فلاں بزرگ زندہ یا مردہ سے محبت رکھتے ہیں پس خواہ ہم کچھ ہی کریں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و مغفور ہیں، صاحبو! اگر یہ نسبتیں صرف کافی ہوتیں تو ضرور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی کو ہرگز نہ فرماتے یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَآ اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ یعنی اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو جہنم سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کفایت نہیں کرسکتا، یعنی جبکہ اپنے پاس سرمایہ ایمان و اعمالِ صالحہ کا نہ ہو صرف نسبت کافی نہیں ہے اور ایمان و تقویٰ کے ساتھ اگر نسبت شریفہ بھی ہو تو سبحان اللہ نُورٌ عَلٰی نُور ہے اور قیامت کے دن فائدہ بخشش بھی ہوگی، کما قال اللہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملحق کردیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور نہیں کم کریں گے ان کے عمل سے کچھ، یعنی آباء کی مقبولیت کی برکت سے اولاد کو بھی اسی درجہ میں پہنچا دیں گے اور آباؤ اجداد کے عمل میں کمی نہ ہوگی۔

فصل:۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری طاعت و اعمال کی پرواہ ہی کیا ہے۔؟ صاحبو! یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے عمل کی پرواہ نہیں ہے نہ ان کا کوئی فائدہ، مگر کیا آپ کو بھی ان منافع کی پرواہ نہیں جو اعمالِ صالحہ پر مرتب ہوتے ہیں اور کیا نیک عمل میں آپ کا بھی فائدہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عمل تو آپ کے لیے مقرر ہوا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے نفع کے لیے۔ سو اللہ تعالیٰ اگرچہ مستغنی ہیں مگر آپ تو مستغنی نہیں، اس کی تو بعینہٖ ایسی مثال ہے جیسے کوئی مشفق طبیب کسی مریض پر رحم کر کے کوئی دوا بتلا دے اور وہ مریض اپنی جان کا دشمن یہ کہہ کر ٹال دے کہ صاحب دوا پینے سے حکیم صاحب کا کیا فائدہ ہوگا۔ بھلے مانس! حکیم صاحب کا کیا فائدہ ہوتا تیرا فائدہ ہے کہ مرض سے صحت ہوگی۔

فصل:۔ ایک شبہ بعض خشک علماء کا یہ ہوتا ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کو وعظ و پند کرتے ہیں، ان کے اعمال کا ثواب بھی ہم کو ملتا ہے وہ اس کثرت سے ہے کہ ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، یا یہ کہ ہم کو ایسے اعمال معلوم ہیں کہ جن کے کرنے سے سینکڑوں برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں مثلاً سبحان اللہ وبحمدہٖ سو مرتبہ روزانہ کہہ لینا، یا عرفہ یا عاشورہ کا روزہ رکھ لینا یا مکہ والوں کے لیے ایک طواف کر لینا صاحبو! موٹی بات ہے کہ اگر یہ اعمال کافی ہوں تو تمام اوامر و نواہی کا لغو ہونا لازم آتا ہے، ادھر احادیث میں صاف صاف قید موجود ہے اِذَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ۔ یعنی یہ اعمال اس وقت سیئات کا کفارہ بن جاتے ہیں جب کبائر سے اجتناب کیا جاوے۔ رہا یہ کہ ہم لوگوں کو وعظ و پند کرتے ہیں، صاحبو! ایسے شخص پر تو زیادہ وبال آنے والا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں واعظ بدعمل کے باب میں جو حدیثیں آئی ہیں، مشہور و معروف ہیں۔

فصل:۔ ایک شبہ بعض جاہل فقیروں کو یہ ہو جاتا ہے کہ ہم ریاضت و مجاہدہ کی بدولت مقام فنا تک پہنچ گئے ہیں، اب ہم کچھ رہے ہی نہیں، جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے اور ایسی واہی تباہی باتیں کرتے ہیں کہ اچھا خاصہ کفر و الحاد ہو جاتا ہے۔ کہیں کہتے ہیں کہ دریا میں قطرہ مل گیا، کہیں کہتے ہیں سمندر کو پیشاب کا قطرہ ناپاک نہیں کر سکتا۔ کہتے ہیں ہم تو خود خدا ہیں عبادت کس کی اور معصیت کس کی، کبھی کہتے ہیں اصل مقصود یاد ہے، ظاہری نماز روزہ نرا ڈھکوسلہ ہے جو بہ مصلحتِ انتظام مقرر ہوا ہے، تمام تر باعث ان خرافات کا جہالت ہے۔

ان لوگوں کو حقائق مقامات کا علم تک نہیں اور سلوک و وصول تو کیا خاک میسر ہوا ہوگا، یہ ثمرہ غلو فی التوحید کا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی رسالہ میں اس کی مفصل تحقیق لکھی جائے گی، اس مقام پر اتنی موٹی سی بات سمجھ لینا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی واصل ہوا نہ موحد اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی نے آج تک تعلیم پائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خوف وخشیت و توبہ و استغفار و اجتہاد فی العمل اور اہتمام مخالفت نفس، و سزائے اعمال بد کو دیکھ لینا ان شبہات کے دفع ہو جانے کے لیے کافی و وافی ہے۔

تعلیم الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ **اَمَّا بَعْدُ**۔ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام نے صرف نماز روزہ اور چند غیبی خبریں کہ قیامت میں کیا کیا ہوگا، بہشت میں حوریں اور دوزخ میں سانپ بچھو ہیں تبلائی ہیں اور انسان کے باقی ظاہری، باطنی، حالات متعلقہ سے اس کو کچھ تعرض نہیں اللہ و رسول کو جیسا چاہو سمجھو جو چاہو معاملہ کرو، تجارت جس طرح چاہو کرو۔ لوگوں سے جس طرح چاہو برتاؤ رکھو۔ جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو نشست و برخاست ملاقات و معاشرت کے طریقے جو چاہو اختیار کرو، اپنے نفس کو جن صفات سے چاہو متصف رکھو۔ غرض تم کو اور امور میں ہر طرح آزادی ہے اور اگر پابندی کا خیال آیا تو اصول تجارت میں غیر قوموں کی تقلید کرو۔ طرز معاشرت قدیم یا جدید فلاسفروں سے حاصل کرو مقامات نفس میں ان پڑھ لوگوں کو جو خدائی کے دعوے میں بھی نہ رکتے ہوں مدد لو۔ غرض اس میں نہ الوہیت و رسالت کی تنظیم ہے نہ معاملات کے اصول کی تعلیم، نہ اخلاق و آداب کی تفہیم، نہ مقامات نفس کی تکمیل و تتمیم اور اس خیال باطل کے ایسے برے برے آثار مرتب ہوئے کہ خدا کی پناہ ایک اثر مخالفین پر یہ ہوا کہ اسلام پر تعلیم کے ناکافی ہونے کا دھبہ لگا یا ایک اثر نو تعلیم یافتہ جوانوں پر یہ ہوا کہ بوجہ ناحقیقت شناسی کے یہ شبہ ان کے دل میں جم گیا، اور اپنے کو بعض امور میں تہذیب جدید کا محتاج سمجھا اور زبان سے یا دل سے یا طرز عمل سے غیر طریقوں کو اپنے طریقے پر ترجیح دینے لگے اور بہت سے عقائد اسلام پر خود ہنسنے لگے ایک اثر عوام پر یہ ہوا کہ نماز روزہ میں تو علماء سے رجوع کرنے کو ضروری سمجھے اور معاملات و معاشرت میں اپنے کو خود مختار جان لیا۔ اسی وجہ سے علماء سے کبھی اپنے مقدمہ یا تجارت کے متعلق رائے نہیں

لی جاتی۔ نہ توحید و رسالت کے مباحث و احکام کی تحقیق کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اعمال سے شرک فی الالوہیت یا شرک فی النبوت لازم آجاتا ہے۔ بالخصوص مستورات کو ایک اثر اہل علم پر یہ ہوا کہ شب و روز اعمال و عبادات کے مسائل کے استذکار و استحضار میں شغل و اہتمام رہتا ہے نہ معاملات کی تحقیق نہ اخلاق و آداب کا لحاظ نہ اصلاح نفس و قلب کی کوشش حتیٰ کہ ترقی علم کے ساتھ ہی عجب و کبر و حرص و حب دنیا و غفلت کی بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ایک اثر درویشوں پر یہ ہوا کہ شریعت اور طریقت کو جدا جدا سمجھے اور حقیقت کو اصل مقصود اور شریعت کو انتظامی قانون اعتقاد کرلیا۔ علماء سے نفور ہو گئے واردات و احوال کو منتہیٰ معراج خیال کیا۔ خیالات کو مکاشفات اور مکاشفات کو فوق الیقینیات یقین کیا۔ نہ اس کو میزان شرع میں وزن کرنے کی ضرورت نہ علماء سے پیش کرنے کی حاجت۔ غرض ہر طبقے کے لوگوں کو کم و بیش اس خیال باطل کا اثر ضرور پہنچا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ہ حالانکہ جس نے کتاب و سنت کو ذرا بھی طلب و التفات کی نگاہ سے دیکھا ہوگا وہ ان سب امور کی تعلیم کو کھلے کھلے الفاظ میں پاوے گا اور شریعت مطہرہ کو کافی وافی اور دوسری کتب و حکم و قوانین و تعالیم سے مستغنی کرنے والا دیکھے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت حق سبحانہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں یوں فرماتا ہے اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ہ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ہ و نحو ذلک۔ آخر جس قرآن میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ مذکور ہے اسی قرآن میں فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ الآیۃ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الآیۃ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا الآیۃ لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ الآیۃ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا الآیۃ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً الآیۃ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ الآیۃ وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا الآیۃ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ الآیۃ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا الآیۃ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اِخْوَةٌ الآیۃ۔ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ الآیۃ۔ اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ الآیۃ۔ وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا الآیۃ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ الآیۃ۔ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ الآیۃ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ الآیۃ۔ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ الآیۃ۔ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ الآیۃ۔ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ الآیۃ۔ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا الآیۃ۔ وغیرھا من اٰیات المعاملات والمعاشرات وللمقامات بھی تو مذکور ہیں اسی طرح کتب حدیث کی فہرست اٹھا کر ملاحظہ کرنے سے جہاں کتاب الایمان کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ نظر آدے گا اس کے نیچے ہی کتاب البیوع کتاب النکاح والطلاق کتاب الآداب کتاب الرقاق بھی ملاحظہ سے گزرے گا پھر اس خیال کی گنجائش کہاں ہے کہ اسلام نے صرف عقائد و اعمال سکھلائے ہیں اور معاملات ومعاشرت وتصوف نہیں تبلایا، بلکہ منصف کو اسی مقام پر یقین آگیا ہوگا کہ اسلام نے پانچوں چیزیں تعلیم کی ہیں اور ہم کو کسی کا محتاج نہیں چھوڑا۔ بلکہ غیر قوموں میں بھی منصف مزاج لوگ ہیں وہ اسلام سے مقتبس ہونے کے خود معترف ہیں۔ غرض جب دیکھا گیا کہ یہ خیال عالمگیر ہو رہا ہے اور ہر طبقے کے لوگوں کو اس سے مضرتیں پہنچتی ہیں، اسلامی ہمدردی نے تقاضا کیا کہ اس غلطی کی اصلاح کی جاوے اور ایک رسالہ لکھا جاوے جس میں بقدر ضرورت اختصار کے ساتھ پانچوں مضامین کو کتاب وسنت سے مستنبط وملتقط کرکے جمع کیا جاوے یوں تو اس رسالہ سے سب اہلِ اسلام کو نفع پہنچانا مقصود ہے مگر بالخصوص درویشی کی راہ چلنے والوں کی دل سوزی زیادہ مد نظر ہے اب ہر مسلمان کو عموماً اور درویش کو خصوصاً اس کا مطالعہ کرنا بلکہ تھوڑا تھوڑا وظیفہ مقرر کر لینا ضرور ہے کیونکہ مقصود درویشی کا یہی ہے کہ محبوب حقیقی راضی ہو جاوے اور طریقہ حصولِ رضا کا اطاعت و امتثالِ امر ہے پس جب محبوبِ حقیقی کا امر تمام حالات کے ساتھ متعلق ہے تو رضامندی اسی وقت ممکن ہے جب ہر حالت میں اس کا امر مانا جاوے اسی لئے طالبِ حق کو ضرور ہے کہ اول اپنے عقائد موافق اہلِ سنت وجماعت کے درست کرے پھر اعمال مفروضہ نماز وروزہ وغیرہا کے احکام سیکھ کر ان کا پابند ہو اور حرام وحلال کے مسائل سے واقف ہو تا کہ اکل حلال سے نورانیت

قلب پیدا ہو اور طرز معاشرت سے مطلع ہو تا کہ اہل حقوق کے حقوق تلف نہ ہو جاویں کیونکہ اتلاف حقوق ظلم ہے اور ظالم پر لعنت ہوتی ہے پھر لعنت و رحمت جمع کیسے ہوگی اور رضا بدون رحمت کے ہوتی نہیں ان سب مراحل کو طے کر کے اب اس راہ باریک میں قدم رکھے ایسا شخص انشاء اللہ تعالیٰ کبھی گمراہ نہ ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقصود حقیقی تک پہنچے گا اب خدا کے نام پر مقصود کو شروع کرتے ہیں اور بہ نظر تعداد مضامین اس کو پانچ حصوں پر منقسم کرتے ہیں۔

عقائد و تصدیقات۔ اعمال و عبادات۔ معاملات و سیاسیات آداب و معاشرت۔ سلوک و مقامات۔

یا الٰہی اس نادان کی مدد فرما اور خطا و لغزش دریا سے بچا آمین و بہ نستعین ؛

محمد اشرف علی تھانوی

عقائد و تصدیقات

عقیدہ۱ تمام عالم پہلے ناپید تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوا۔

عقیدہ۲ اللہ ایک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں نہ اُس نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ کوئی اس کے مقابل کا نہیں۔

عقیدہ۳ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

عقیدہ۴ کوئی چیز اس کے مانند نہیں اور سب سے نرالا ہے۔

عقیدہ۵ وہ زندہ ہے ہر چیز پر اُس کو قدرت ہے کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں وہ سب کچھ دیکھتا ہے سُنتا ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے کلام فرماتا ہے وہی پوجنے کے قابل ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ بادشاہ ہے۔ وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔ وہی اپنے بندوں کو سب آفتوں سے بچاتا ہے۔ وہی عزت والا ہے۔ بڑائی والا ہے۔ پیدا کرنے والا ہے۔ گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ بہت دینے والا ہے زبردست ہے روزی پہنچانے والا ہے جس کی روزی چاہے تنگ کر دے جس کی روزی چاہے فراخ کر دے۔ جس کو چاہے پست کر دے جس کو چاہے بلند کر دے۔ جس کو چاہے عزت جس کو چاہے ذلت دے۔ انصاف والا ہے بردباری اور برداشت والا ہے خدمت کی قدر دانی کرنے والا ہے دعا کا قبول کرنے والا ہے۔ سمائی والا ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ وہ سب کا کام بنانے والا ہے۔ اسی نے پہلے سب کو پیدا کیا۔ وہی قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ اس کو نشانیوں اور صفتوں سے سب جانتے ہیں اور اس کی ذات کی باریکی کوئی نہیں جانتا۔ گنہگاروں کی توبہ قبول کرتا ہے جو سزا کے قابل ہیں ان کو سزا دیتا ہے۔ وہی ہدایت کرتا ہے نہ وہ سوتا ہے نہ اونگھتا ہے۔ وہ تمام عالم کی حفاظت سے تھکتا نہیں۔ وہی سب چیزوں کو تھامے ہوئے ہے اسی طرح تمام صفتیں کمال کی اس کو حاصل ہیں۔

عقیدہ۶ مخلوق کی صفتوں سے وہ پاک ہے اور قرآن و حدیث میں بعض جگہ جو ایسی باتوں کی خبر دی گئی ہے یا تو اس کے معنی اللہ کے سپرد کریں کہ وہ اس کی حقیقت جانتا ہے اور ہم بے کھود کرید کئے ہوئے ایمان اور یقین کرتے ہیں اور یہی بات بہتر ہے اور یا کچھ مناسب معنی اس کے لگائے جاویں جس سے وہ سمجھ میں آجاوے۔

عقیدہ۷ عالم میں جو کچھ بھلا بُرا ہوتا ہے سب کو اللہ تعالیٰ اس کے ہونے کے آگے ہمیشہ سے جانتا ہے اور اپنے جاننے کے موافق اس کو پیدا کرتا ہے تقدیر اسی کا نام ہے اور بُری باتوں کے پیدا کرنے میں بہت بھید ہیں ان کو ہر کوئی نہیں جانتا۔

عقیدہ۸ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ اور ارادہ دیا ہے جس سے وہ گناہ اور ثواب کے کام اپنے اختیار سے کرتے ہیں گناہ کے کام سے اللہ تعالیٰ ناراض اور ثواب کے کام سے خوش ہوتے ہیں۔ مگر بندوں کو ایسے کسی کام کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

عقیدہ۹ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایسے کسی کام کا حکم نہیں دیا جو بندوں سے نہ ہو سکے۔

عقیدہ۱۰ کوئی چیز خدا کے ذمہ ضرور نہیں وہ جو کچھ مہربانی کرے اس کا فضل ہے۔

عقیدہ۱۱ بہت سے پیغمبر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندوں کو سیدھی راہ بتلانے آئے اور وہ سب گناہوں سے پاک ہیں گنتی ان کی پوری طرح اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان کی سچائی بتلانے کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں ایسی نئی نئی مشکل باتیں ظاہر کیں جو اور لوگ نہیں کر سکتے۔ ایسی باتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے آدم علیہ السّلام تھے اور سب کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور باقی درمیان میں ہوئے۔ بعضے بہت مشہور ہیں حضرت نوح علیہ السّلام، ابراہیم علیہ السّلام، اسحٰق علیہ السّلام، اسمٰعیل علیہ السّلام، یعقوب علیہ السّلام، یوسف علیہ السّلام، داؤد علیہ السّلام، سلیمان علیہ السّلام، ایوب علیہ السّلام، موسیٰ علیہ السّلام، ہارون علیہ السّلام، زکریا علیہ السّلام، یحییٰ علیہ السّلام، عیسیٰ علیہ السّلام، الیسع علیہ السّلام، یونس علیہ السّلام، لوط علیہ السّلام، ادریس علیہ السّلام، ذوالکفل علیہ السّلام، صالح علیہ السّلام، ہود علیہ السّلام، شعیب علیہ السّلام، الیاس علیہ السّلام۔

عقیدہ۱۲ پیغمبروں میں بعضوں کا رتبہ بعضوں سے بڑا ہے سب میں زیادہ مرتبہ ہمارے

پیغمبر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے اور آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں آسکتا قیامت تک جتنے آدمی اور جن ہوں گے آپؐ سب کے پیغمبر ہیں۔

عقیدہ ۱۳ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے جاگتے میں جسم کے ساتھ مکے سے بیت المقدس میں اور وہاں سے ساتوں آسمان پر اور وہاں سے جہاں تک اللہ کو منظور ہوا پہنچایا اور پھر مکہ میں پہنچادیا اس کو معراج کہتے ہیں۔

عقیدہ ۱۴ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوقات نور سے پیدا کر کے ان کو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ کیا ہے ان کو فرشتے کہتے ہیں۔ ان کا مرد یا عورت ہونا کچھ نہیں بتلایا گیا۔ بہت سے کام ان کے سپرد ہیں۔ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔ ان میں چار فرشتے بہت مشہور ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السّلام، حضرت میکائیل علیہ السّلام، حضرت اسرافیل علیہ السّلام، حضرت عزرائیل علیہ السّلام۔

عقیدہ ۱۵ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوقات آگ سے پیدا کر کے ان کو ہماری نظروں سے پوشیدہ کیا ہے ان کو جن کہتے ہیں ان میں نیک و بد سب طرح کے ہوتے ہیں ان کی اولاد بھی ہوتی ہے ان سب میں زیادہ مشہور شریر ابلیس ہے۔

عقیدہ ۱۶ مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اور دُنیا سے محبت نہیں رکھتا اور پیغمبر صاحب کی ہر طرح کی خوب تابعداری کرتا ہے تو وہ اللہ کا دوست اور پیارا ہو جاتا ہے ایسے شخص کو ولی کہتے ہیں۔ اس شخص سے کبھی ایسی باتیں ظہور میں آتی ہیں جو اور لوگوں سے نہیں ہو سکتیں ایسی باتوں کو کرامت کہتے ہیں۔

عقیدہ ۱۷ ولی کتنے ہی بڑے درجہ کو پہنچ جاوے مگر نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ ۱۸ خدا کا کیسا ہی پیارا ہو جاوے مگر جب تک ہوش و حواس درست ہیں شرع کا پابند رہنا فرض ہے۔ نماز روزہ اور کوئی عبادت معاف نہیں ہوتی جو گناہ کی باتیں ہیں وہ اس کے لئے درست نہیں ہو جاتیں۔

عقیدہ ۱۹ جو شخص شرع کے خلاف ہو وہ خدا کا دوست نہیں ہو سکتا اگر اس کے ہاتھ سے کوئی اچنبھے کی بات دکھلائی دے یا وہ جادو ہے یا وہ نفسانی اور شیطانی دھندا

ہے۔ اس سے اعتقاد درست نہیں۔

عقیدہ ۲۰ ولی لوگوں کو بعضی باتیں بھید کی سوتے یا جاگتے میں معلوم ہو جاتی ہیں اس کو کشف والہام کہتے ہیں اگر شرع کے موافق ہے قبول ہے اور اگر خلاف ہے تو رد ہے۔

عقیدہ ۲۱ اللہ اور رسول نے دین کی سب باتیں قرآن وحدیث میں بندوں کو بتلا دیں اب کوئی نئی بات دین میں نکالنا درست نہیں ایسی ہی بات کو بدعت کہتے ہیں بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔ البتہ بعض باریک باتیں دین کی جو ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتیں پکے پکے اگلے عالموں نے اپنے علم کے زور سے قرآن وحدیث سے سمجھ کر دوسروں کو بھی بتلا دیں ایسے لوگ مجتہد کہلاتے ہیں مجتہد بہت ہوئے چار ان میں بہت مشہور ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ جس کو جس مجتہد سے زیادہ اعتقاد ہوا اس کی پیروی کرلی ہندوستان میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنے والے زیادہ ہیں وہ حنفی کہلاتے ہیں اسی طرح نفس کے سنوارنے کے طریقے قرآن وحدیث کے موافق ولی لوگوں نے اپنے دل کی روشنی سے سمجھ کر بتلائے ایسے لوگ شیخ کہلاتے ہیں مگر ان میں چار زیادہ مشہور ہیں۔ خواجہ معین الدینؒ چشتی، حضرت غوث الاعظم عبدالقادرؒ، شیخ شہاب الدینؒ سہروردی، خواجہ بہاء الدینؒ نقشبند جس مجتہد اور شیخ سے اعتقاد ہو اس کی پیروی کرکے دوسروں کو برا سمجھنا درست نہیں اور پیروی مجتہد اور شیخ کی اسی وقت تک ہے جب تک ان کی بات خدا اور رسول کے خلاف نہ ہو اگر ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہو اس میں پیروی نہیں۔

عقیدہ ۲۲ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں آسمان سے جبرائیل علیہ السلام کی معرفت بہت سے پیغمبروں پر اتاریں تاکہ وہ اپنی اپنی امتوں کو دین کی باتیں بتلائیں ان میں چار کتابیں بہت مشہور ہیں، توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، قرآن مجید ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، قرآن مجید آخری کتاب ہے۔ اب کوئی کتاب آسمان سے نہ آوے گی۔ قیامت تک قرآن کا حکم چلتا رہے گا۔ دوسری کتابوں کو گمراہ لوگوں نے بہت کچھ بدل ڈالا مگر قرآن کی نگہبانی کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اس کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

عقیدہ ۲۳ ہمارے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جس مسلمان نے دیکھا اس کو صحابی کہتے ہیں ان کی بڑی بڑی بزرگیاں آئی ہیں ان سب سے محبت اور اچھا گمان رکھنا چاہیئے اگر کوئی لڑائی جھگڑا ان کا سننے میں آوے اس کو بھول چوک سمجھے ان کی برائی نہ کرے (۱) سب میں سب سے بڑھ کر چار صحابی ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ پیغمبر صاحب کے بعد ان کی جگہ بیٹھے اور دین کا بندوبست کیا۔ اس لئے خلیفہ اوّل کہلاتے ہیں تمام امت میں یہ سب سے بہتر ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دوسرے خلیفہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ تیسرے خلیفہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ چوتھے خلیفہ ہیں۔

عقیدہ ۲۴ پیغمبر صاحب کی اولاد اور بیبیاں سب تعظیم کے لائق ہیں اولاد میں سب سے بڑا رتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اور بیبیوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا۔

عقیدہ ۲۵ ایمان جب درست ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کو سب باتوں میں سچا سمجھے اور ان کو مان لے۔ اللہ و رسول کی کسی بات میں بھی شک کرنا یا اس کو جھٹلانا یا اس میں عیب نکالنا یا اس کے ساتھ مذاق اڑانا ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

عقیدہ ۲۶ قرآن و حدیث کے کھلے کھلے مطلب کا نہ ماننا اور اینچ پینچ کر کے اپنے مطلب بنانے کو معنی گھڑنا بد دینی کی بات ہے۔

عقیدہ ۲۷ گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

عقیدہ ۲۸ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک اس کو برا سمجھے اس سے ایمان نہیں جاتا البتہ کمزور ہو جاتا ہے۔

عقیدہ ۲۹ اللہ تعالیٰ سے نڈر ہو جانا یا نا امید ہو جانا کفر ہے۔

عقیدہ ۳۰ کسی سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اس کا یقین کرنا کفر ہے۔ البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف اور الہام سے اور عام لوگوں کو نشانیوں سے کوئی بات معلوم ہو سکتی ہے۔

عقیدہ ۳۱ کسی کا نام لے کر کافر کہنا یا لعنت کرنا بڑا گناہ ہے۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ظالموں پر لعنت، جھوٹوں پر لعنت مگر جن کا نام لے کر اللہ و رسول نے لعنت کی ہے اُن کے کفر کی خبر دی ہے ان کو کافر ملعون کہنا گناہ نہیں۔

عقیدہ ۳۲ جب آدمی مرجاتا ہے اگر گاڑا جاوے تو گاڑنے کے بعد اور اگر نہ گاڑا جاوے تو جس حال میں ہو اس کے پاس دو فرشتے جن میں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ آکر پوچھتے ہیں تیرا پروردگار کون ہے تیرا دین کیا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہیں۔ اگر مردہ ایمان دار ہو تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے سب طرح کی چین ہے اور نہیں تو وہ سب باتوں میں یہی کہتا ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں پھر اس پر بڑی سختی ہوتی ہے اور بعضوں کو اللہ تعالیٰ اس امتحان سے معاف کر دیتا ہے مگر یہ باتیں مردے کو ہی معلوم ہوتی ہیں اور لوگ نہیں دیکھتے۔ جیسا سوتا آدمی خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے اور جاگتا آدمی اس کے پاس بیٹھا ہوا بے خبر ہے۔

عقیدہ ۳۳ مردے کے لئے دعا کرنے سے کچھ خیر خیرات دے کر بخشنے سے اس کو ثواب پہنچتا ہے اور اس سے اس کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

عقیدہ ۳۴ اللہ و رسول نے جتنی نشانیاں قیامت کی بتائی ہیں سب ضرور ہونے والی ہیں۔ امام مہدی علیہ السّلام ظاہر ہوں گے اور خوب انصاف سے بادشاہی کریں گے کانا دجّال نکلے گا اور دنیا میں بہت فساد مچاوے گا۔ اس کے مار ڈالنے کے واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آسمان سے اتریں گے اور اس کو مار ڈالیں گے۔ یاجوج ماجوج بڑے زبردست آدمی ہیں وہ تمام زمین میں پھیل پڑیں گے پھر وہ خدا کے قہر سے ہلاک ہوں گے ایک عجیب طور کا جانور زمین سے نکلے گا۔ اور آدمیوں سے باتیں کرے گا مغرب کی طرف سے آفتاب نکلے گا قرآن مجید اٹھ جاوے گا اور چند روز میں تمام مسلمان مرجاویں گے اور تمام دنیا کافروں سے بھر جاوے گی اور بہت باتیں ہوں گی۔

عقیدہ ۳۵ جب ساری نشانیاں پوری ہو جاویں گی اب قیامت کا سامان شروع ہو گا حضرت اسرافیل علیہ السّلام خدا کے حکم سے صور پھونکیں گے یہ صور ایک بہت بڑی

چیز سینگ کی شکل ہے اس صور کے پھونکنے سے تمام زمین آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاویں گے تمام مخلوقات مرجاویں گے اور جو مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جاویں گی مگر اللہ تعالیٰ کو جن کا بچانا منظور ہے وہ اپنے حال پر رہیں گے ایک مدت اسی کیفیت پر گذر جائے گی۔

عقیدہ ۳۶ پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ تمام عالم دوبارہ پیدا ہو جائے دوسری بار پھر صور پھونکا جائے گا اس سے پھر سارا عالم موجود ہو جائے گا مُردے زندہ ہو جاویں گے اور قیامت کے میدان میں سب اکٹھے ہوں گے اور وہاں کی تکلیفوں سے گھبرا کر سب پیغمبروں کے پاس سفارش کرانے جاویں گے آخر ہمارے پیغمبر صاحب سفارش کریں گے سب بھلے بُرے عمل تولے جاویں گے ان کا حساب ہوگا۔ مگر بعضے بدون حساب جنت میں جائیں گے نیکوں کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں اور بدوں کا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو حوض کوثر کا پانی پلاویں گے جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا پل صراط پر چلنا ہوگا۔ جو نیک لوگ ہیں وہ اس سے پار ہو کر بہشت میں پہنچ جاویں گے جو بد ہیں وہ اس پر سے دوزخ میں گر پڑیں گے۔

عقیدہ ۳۷ دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور اس میں سانپ بچھو اور طرح طرح کا عذاب ہے دوزخیوں میں سے جن میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت کر پیغمبروں اور بزرگوں کی سفارش سے نکل کر بہشت میں داخل ہوں گے خواہ کتنے ہی بڑے گنہگار ہوں اور جو کافر اور مشرک ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو موت بھی نہ آئے گی۔

عقیدہ ۳۸ بہشت بھی پیدا ہو چکی ہے اور اس میں طرح طرح کے چین اور نعمتیں ہیں بہشتیوں کو کسی طرح کا ڈر اور غم نہ ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ اس سے نکلیں گے اور نہ وہاں مریں گے۔

عقیدہ ۳۹ اللہ کو اختیار ہے کہ چھوٹے گناہ پر سزا دیدے یا بڑے گناہ کو محض اپنی مہربانی سے معاف کردے اور بالکل اس پر سزا نہ دے۔

عقیدہ ۴۰ جن لوگوں کا نام لے کر اللہ و رسول نے ان کا بہشتی ہونا بتلا دیا ہے ان کے سوا کسی کے بہشتی ہونے کا یقینی حکم نہیں لگا سکتے البتہ اچھی نشانیاں دیکھ کر اچھا گمان رکھنا اور اللہ کی رحمت سے امید کرنا ضروری ہے۔

عقیدہ ۴۱ بہشت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو بہشتیوں کو نصیب ہوگا اس کی لذت میں تمام نعمتیں ہیچ معلوم ہوں گی۔

عقیدہ ۴۲ دنیا میں جاگتی ہوئی ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے۔

عقیدہ ۴۳ عمر بھر کوئی کیسا ہی بھلا برا ہو مگر جس حالت پر خاتمہ ہوتا ہے اسی کے موافق جزا و سزا ہوتی ہے۔

اقسامِ شرک

قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُھُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُھُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

ان آیتوں سے بدعت اور شرک اور رسوم جہل و اطاعت و موافقت شیطان کی برائی صاف صاف معلوم ہوئی چونکہ ان امور کے ارتکاب سے توحید و رسالت کے عقیدہ میں خلل اور ایمان میں ظلمت و کدورت آجاتی ہے اس لئے بعد ذکر عقائد اسلام کے مناسب ہوا کہ بعضے برے عقیدے اور بری رسمیں اور بعضے بڑے بڑے گناہ جو بکثرت رائج ہیں

بیان کئے جاویں تاکہ لوگ آگاہ ہو کر ان سے بچیں ان میں بعضی باتیں بالکل کفر وشرک ہیں بعضی قریب کفر وشرک کے، بعضی بدعت وضلالت، بعضی مکروہ ومعصیت غرض سب سے بچنا ضروری ہے پھر جب ان چیزوں کا بیان ہو چکے گا جن سے ایمان میں نقصان آجاتا ہے اس کے بعد ایمان کے شعبوں کا اجمالاً ذکر ہو گا کیونکہ ان سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے پھر گناہوں سے دنیا کا نقصان اور طاعات سے جو دنیا کا نفع ہوتا ہے اس کا اجمالاً ذکر کریں گے۔ کہ دنیا کے نفع ونقصان کا لوگ زیادہ لحاظ کرتے ہیں شاید اسی خیال سے کچھ عمل کی توفیق اور گناہ سے پرہیز ہو چونکہ سب دلائل لکھنے کی اس مختصر میں گنجائش نہ تھی۔ اس لئے شہرت پر قلم انداز ہوئے۔

اشراک فی العلم

کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد کرنا کہ ہمارے حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے نجومی، پنڈت سے، غیب کی خبریں دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام سے فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

اشراک فی التصرف

کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا، کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اولاد مانگنا۔

اشراک فی العبادۃ

کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے قول یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے روبرو جھکنا یا نقش دیوار کی طرح کھڑے رہنا، چھڑیں نکالنا، تعزیہ علم وغیرہ رکھنا، توپ پر بکرا چڑھانا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، کسی کی دوہائی دینا، کسی جگہ کعبے کا سا ادب وعظمت کرنا۔

اشراک فی العادۃ

کسی کے نام پر بچے کے کان ناک چھیدنا، بالی پہنانا، کسی کے نام کا پیسہ بازو پر باندھنا یا گلے میں ناڑا ڈالنا، سہرا باندھنا، چوٹی رکھنا، بدھی پہنانا، فقیر بنانا، علی بخش اور حسین بخش

وغیرہ نام رکھنا، کسی چیز کو اچھوتی سمجھنا، کسی جانور پر کسی کا نام لگا کر ان کا ادب کرنا، محرم کے مہینے میں پان نہ کھانا، لال کپڑا نہ پہننا، بی بی کی صحنک مردوں کو نہ کھانے دینا، عالم کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا، اچھی بری تاریخ اور دن کا پوچھنا، نجومی رمال یا جس پر جن چڑھا ہو اس سے کچھ باتیں پوشیدہ پوچھنا، شگون لینا، کسی مہینے کو منحوس سمجھنا، کسی بزرگ کا نام بطور وظیفے کے جپنا، یوں کہنا کہ اللہ و رسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جاوے گا، یا یہ کہیں کہ اوپر خدا نیچے تم، کسی کے نام کی قسم کھانا، کسی کو شاہنشاہ یا خداوند خدائیگان کہنا، تصویر رکھنا، خصوصاً کسی بزرگ کی تصویر برکت کے لئے رکھنا اور اس کی تعظیم کرنا۔

بدعات القبور

قبروں پر دھوم دھام سے میلہ کرنا، کثرت سے چراغ جلانا، عورتوں کا وہاں جانا، چادریں ڈالنا، پختہ بنانا، بزرگوں کے راضی کرنے کو قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم کرنا، قبر کو بوسہ دینا یا طواف و سجدہ کرنا، دین و دنیا کے کاروبار حرج کر کے درگاہوں کی زیارت کے لئے سفر و اہتمام کرنا، وہاں گانا بجانا، اونچی اونچی قبریں بنانا، ان کو منقش بنانا، ان پر پھول ہار ڈالنا اس کی طرف نماز پڑھنا اس پر عمارت بنانا پتھر وغیرہ وہاں لکھ کر لگانا، چادر شامیانہ، نقارہ رکھنا، مٹھائی وغیرہ چڑھانا، عرس کرنا یا عرسوں میں شریک ہونا۔

بدعات الرسوم

تیجا، چالیسواں وغیرہ کو ضروری سمجھ کر کرنا، باوجود ضرورت کے عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھنا، نکاح، ختنہ، بسم اللہ وغیرہ میں اگرچہ وسعت بھی نہ ہو مگر ساری خاندانی رسمیں بجا لانا خصوصاً ناچ رنگ وغیرہ کرنا، ہولی دیوالی کی رسمیں کرنا، مرد کا مسی، مہندی، سرخ کپڑے یا کثرت سے انگوٹھیاں چھلے پہننا، سلام کی جگہ بندگی، کورنش وغیرہ کہنا، دیور، جیٹھ پھوپھی زاد، خالہ زاد بھائی کے روبرو بے محابا عورت کا آنا۔ گراور یا سے گاتے بجاتے لانا، راگ باجا سننا، بالخصوص اس کو عبادت سمجھنا، نسب پر فخر کرنا یا کسی بزرگ سے منسوب ہونے کو کافی سمجھنا، کسی کے نسب میں کسر ہو اس پر طعن کرنا، پیشے کو ذلیل سمجھنا، سلام کو بے ادبی سمجھنا یا خط میں بعد ادائے آداب عبودیت لکھنا، کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا، شادیوں میں فضول

فضول خرچی اور خرافات باتیں، ہندوؤں کی رسمیں کرنا، دولھا کو خلاف شرع پوشاک پہنانا اور آتش بازی ٹٹیاں وغیرہ کا سامان کرنا، فضول آرائش کرنا، بہت سی روشنی مشعلیں لے جانا دولھا کا گھر کے اندر عورتوں کے درمیان جانا، چوتھی کھیلنا، مہر زیادہ مقرر کرنا، کنگنا سہرا باندھنا، غمی میں چلا کر رونا، منہ اور سینا پیٹنا، بیان کر کر رونا، استعمالی گھڑے توڑ ڈالنا، برس روز تک یا کم و بیش اس گھر میں اچار نہ پڑنا، کوئی خوشی کی تقریب نہ ہونا، مخصوص تاریخوں میں پھر غم کا تازہ کرنا، حد سے زیادہ زیب و زینت میں مشغول ہونا، سادی وضع کو معیوب جاننا مکان میں تصویریں لگانا، مرد کو لباس ریشمی استعمال کرنا، خاصدان عطر دان وغیرہ چاندی سونے کے استعمال کرنا، عورت کو بہت باریک کپڑا پہننا، یا بجتا زیور پہننا کفار کی وضع اختیار کرنا، میلوں میں جانا، دھوتی لنہگا پہننا، لڑکوں کو زیور پہنانا، داڑھی منڈانا یا کٹانا یا چڑھانا شیطان کی کھڈی یا چند یا کھلوانا مونچھ بڑھانا ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننا، مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی وضع اختیار کرنا محض زیب و زینت کے لئے دیوار گیری چھت گیری لگانا، سیاہ خضاب، شگون ٹوٹکہ کرنا، کسی چیز کو منحوس سمجھنا خدائی رات کرنا، بدن گودنا سفید بال نوچنا، شہوت سے گلے لگنا یا ہاتھ ملانا، کسم، زعفران کا کپڑا مرد کو پہننا شطرنج گنجفہ وغیرہ کھیلنا، خلاف شرع جھاڑ پھونک کرنا اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں بطور نمونہ کے چند امور کا بیان کر دیا ہے اوروں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

بعض کبائر

شرک خدا سے کرنا، خون ناحق کرنا، ماں باپ کو ایذا دینا، عورت سے زنا کرنا، یتیموں کا مال کھانا، کسی عورت کو جھوٹ تہمت زنا کی لگانا، دو چند کافروں کی جنگ سے بھاگنا، شراب پینا، ظلم کرنا، کسی کو پیچھے بدی سے یاد کرنا، کسی کے حق میں گمان بد کرنا، اپنے تئیں غیروں سے اچھا جاننا، خدا سے خوف نہ کرنا، خدا کی رحمت سے ناامید ہونا، کسی سے وعدہ کر کے وفا نہ کرنا، ہمسائے کی بہو بیٹی پر نظر بد کرنا، کسی کی امانت میں خیانت کرنا، خدا کا کوئی فرض مثل نماز روزہ و زکوٰۃ و حج ترک کرنا، قرآن شریف پڑھ کر بھلانا، سچی گواہی چھپانا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹ

بولنا خصوصاً جھوٹی قسم کھانا جس سے کسی کا جان یا مال یا حرمت جاتی ہے، خدا کے سوا اور کسی کے نام کی قسم کھانا، سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ کرنا، جمعہ کی نماز ترک کرنا، ہمیشہ نماز ترک کرنا، مسلمانوں کو کافر کہنا، کسی کا گلہ سننا، چوری کرنا، ظالموں کی خوشامد کرنا، بیاج یا رشوت لینا، جھوٹے مقدمے فیصل کرنا، سودا لیتے دیتے کم تولنا، مول چکا کر پیچھے زبردستی سے کم دینا، لڑکوں سے برا کام کرنا، حیض کی حالت میں بی بی سے صحبت کرنا، اناج کی گرانی سے خوش ہونا، کسی غیر عورت کے پاس تنہا بیٹھنا، جانوروں سے جماع کرنا، جوا کھیلنا، کافروں کی رسمیں پسند کرنا، نجومی کی باتوں کو سچا جاننا، اپنی عبادت یا تقویٰ کا دعویٰ کرنا، مُردے پر پیٹنا پکار کر رونا، کھانے کو برا کہنا، ناچ دیکھنا، لوگوں کے دکھانے کو عبادت کرنا، نفس کے خوش کرنے کو راگ باجا سننا، کسی کے گھر میں بے اجازت چلے جانا، قدرت ہونے پر نصیحت ترک کرنا، کسی سے مسخرگی کر کے بے حرمت کرنا، کسی کا عیب ڈھونڈنا وغیرہ۔

شعبِ ایمانیہ

خدا پر ایمان لانا اس کے غیر کو حادث جاننا، اس کے ملائکہ پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور تقدیر پر اور قیامت پر ایمان لانا، حق تعالیٰ سے محبت رکھنا، اوروں سے محبت یا بغض اللہ ہی کے واسطے رکھنا، بلا دخل نفسانیت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا آپ کی تعظیم کا معتقد رہنا اور درود پڑھنا اسی تعظیم میں داخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا، اعمال کو خالص اللہ ہی کے واسطے کرنا اور ترک ریا و نفاق اخلاص ہی میں داخل ہے، خدا سے خوف رکھنا اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا اور گناہوں سے توبہ کرتے رہنا اور احسانات ربانی کا شکر ادا کرنا، اور عہد کا پورا کرنا اور ترک شہوت اور ہجوم مصائب میں صابر رہنا اور قضائے ربانی سے راضی رہنا اور تواضع اور فروتنی اختیار کرنا، حیا کرنا اور توقیر بزرگ کی اور ترحم خُرد پر اور گھمنڈ اور پندار کا ترک کرنا اور حسد اور کینہ کا ترک کرنا، اور غضب ترک کرنا در حقیقت تواضع میں داخل ہے اور توحید ربانی کا ناطق رہنا یعنی لا الٰہ الا اللہ پڑھتے رہنا

اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہنا، کمتر رتبہ تلاوت کا دس آیتیں ہیں اور متوسط رتبہ سو آیتیں اور اس سے زیادہ تلاوت کرنا اعلیٰ رتبے میں داخل ہے اور علم دین حاصل کرنا اور غیر کو علم سکھانا اور دعاء کرنا اور ذاکر رہنا اور استغفار ذکر ہی میں داخل ہے اور لغو سے دور رہنا اور حسی اور حکمی طہارت کرنا اور پرہیز کرنا نجاستوں سے تطہیر ہی میں داخل ہے اور ستر کو چھپا رکھنا اور فرض اور نفل نماز پڑھنا اور اسی طرح فرض زکوٰۃ نفل صدقہ ادا کرنا اور لونڈی غلام کو آزاد کرنا اور سخاوت کرنا اور کھانا کھلانا اور ضیافت کرنا سخاوت ہی میں داخل ہے، اور فرض و نفل روزہ رکھنا اور اعتکاف کرنا اور شب قدر کو تلاش کرنا اور حج اور عمرہ اور طواف بیت اللہ کا کرنا اور فرار بالدین یعنے ایسے ملک اور صحبت کو چھوڑنا، جہاں اپنا دین نہ قائم رہ سکے اور اسی میں ہجرت بھی داخل ہے اور نذر اللہ کو پورا کرنا، اور قسم کو قائم رکھنا، اور قسم وغیرہ کے کفاروں کو ادا کرنا، نکاح کر کے پارسائی حاصل کرنا اور عیال کے حقوق کو ادا کرنا اور ماں باپ سے احسان اور سلوک کرنا اور اولاد کو تربیت کرنا اور ناتہ داروں کا حق ادا کرنا اور لونڈی غلاموں کو مالکوں کی اطاعت کرنا اور مالکوں کو لونڈی غلاموں پر مہربانی اور شفقت کرنا، اور انصاف کے ساتھ حکومت پر قائم رہنا، اور جماعت مسلمین کا تابع رہنا، اور مسلمان حاکموں کی اطاعت کرنا اور خلق میں اصلاح کرتے رہنا اور خوارج اور باغیوں سے قتال کرنا اصلاح بین الناس میں داخل ہے اور امر نیک پر مدد کرنا، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اسی میں داخل ہے اور حدود کو جاری رکھنا اور بشرط پائے جانے شرط کے اشاعت دین کرنا اور مرابطہ یعنی سرحد دار الاسلام کی محافظت کرنا اسی میں داخل ہے اور امانت کا ادا کرنا اور خمس کا دینا ادائے امانت میں داخل ہے اور قرض کسی حاجتمند کو دینا اور پڑوسی کے ساتھ احسان کرنا اور معاملہ اچھا رکھنا اور اپنا حق لینے میں سختی نہ کرنا حسن معاملہ میں داخل ہے، مال کا جمع کرنا حلال سے اور مال کا صرف کرنا اپنے موقع پر اور ترک تبذیر و اسراف یعنی خلاف شرع بیہودہ طور پر مال کو برباد نہ کرنا انفاق فی الحق میں داخل ہے اور سلام کا جواب دینا اور چھینکنے والے کو دعا خیر دینا اور لوگوں کو ضرر نہ پہنچانا اور لہو ولعب سے پرہیز کرنا اور تکلیف کی چیز کو راہ سے ہٹا دینا۔

معاصی کے بعضے دنیوی نقصانات

علم سے محروم رہنا، رزق کم ہو جانا، خدا تعالیٰ سے وحشت ہونا، آدمیوں سے وحشت ہونا خصوص نیک آدمیوں سے، اکثر کاموں میں دشواری پیش آنا، قلب میں ایک تاریکی سی معلوم ہونا، دل اور بعض اوقات جسم میں کمزوری ہونا، طاعت سے محروم رہنا، عمر گھٹنا، معاصی کا سلسلہ چلنا، ارادہ توبہ کا کمزور ہو جانا، چند روز میں معصیت کی برائی دل سے نکل جانا، دشمنان خدا کا وارث بننا افعال شنیعہ میں، خدائے تعالیٰ کے نزدیک خوار ہو جانا، دوسری مخلوق کو اس کا ضرر پہنچنا اور اس وجہ سے ان کا اس پر لعنت کرنا، عقل میں فتور ہو جانا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس پر لعنت ہونا، فرشتوں کی دعا سے محروم ہو جانا، پیداوار وغیرہ میں کمی ہونا، حیا وعزت کا جاتا رہنا، اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے دل سے نکل جانا، نعمتوں کا سلب ہونا، بلاؤں کا ہجوم ہونا، مدح وشرف سے القاب سلب ہو کر بجائے اس کے مذمت اور ذلت کے خطاب ملنا، شیاطین کا مسلط ہونا، قلب کا پریشان رہنا، مرتے وقت منہ سے کلمہ نہ نکلنا، خدائے تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اس وجہ سے بے توبہ مرنا۔

طاعات کے بعضے دنیوی منافع

رزق بڑھنا، طرح طرح کی برکت ہونا، تکلیف وپریشانی دور ہونا، مقاصد میں آسانی ہونا، زندگی بالطف ہونا، بارش ہونا، ہر قسم کی بلا کا ٹل جانا، اللہ تعالیٰ کا حامی اور مددگار ہونا، فرشتوں کو حکم ہونا کہ ان کے قلوب کو قوی رکھو، سچی عزت ملنا، مراتب بلند ہونا، دلوں میں محبت پیدا ہو جانا، قرآن کا اس کے حق میں شفا ہونا، مالی نقصان کا نعم البدل ملنا، روز بروز نعمت میں ترقی ہونا، مال بڑھنا، قلب میں راحت واطمینان پیدا ہونا، آئندہ نسل میں یہ نفع پہنچنا، زندگی میں غیبی بشارتیں نصیب ہونا، مرتے وقت فرشتوں کا خوشخبری سنانا، حاجات میں مدد ملنا، تردّدات کا رفع ہو جانا، حکومت باقی رہنا، اللہ تعالیٰ کا غصہ فرو ہو جانا، عمر بڑھنا، افلاس وفاقہ سے بچنا، تھوڑی چیز میں زیادہ برکت ہونا۔

اعمال وعبادات

عمل ۱ وضو اچھی طرح کرو گو کسی وقت نفس کو ناگوار ہو۔

عمل ۲ ہر وقت وضو سے رہنے کی کوشش کرو۔

عمل ۳ تازہ وضو بہتر ہے اگرچہ پہلے سے وضو ہو۔

عمل ۴ مذی سے غسل واجب نہیں۔ پیشاب گاہ دھو کر وضو کرنا چاہیئے۔

عمل ۵ وہم وشک سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک یقیناً کوئی امر وضو توڑنے والا واقع نہ ہو۔

عمل ۶ اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا یا نماز کی ہیئت پر سو رہنے سے۔

عمل ۷ پیشاب پائخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت مت کرو داہنے ہاتھ سے استنجا مت کرو تین کلوخ سے بلا ضرورت کم مت لو پلیدی اور ہڈی اور کوئلہ سے استنجا مت کرو۔

عمل ۸ پیشاب سے احتیاط نہ کرنے سے عذاب قبر ہوتا ہے۔

عمل ۹ سڑک پر یا سایہ میں پائخانہ مت کرو۔

عمل ۱۰ پائخانہ میں جاتے وقت انگوٹھی جس میں اللہ رسول کا نام لکھا ہو باہر اتار دو۔

عمل ۱۱ میدان میں ایسی جگہ پائخانہ کو بیٹھو جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اور دامن اُسوقت اٹھاؤ جب زمین سے قریب ہو جاؤ۔

عمل ۱۲ پیشاب ایسی جگہ کرو جہاں سے چھینٹ نہ اڑے، اور کسی سوراخ میں پیشاب مت کرو شاید اس میں سے کوئی موذی چیز نکل کر تم کو ایذا پہنچاوے۔

عمل ۱۳ پائخانہ پھرتے وقت پشت پر کوئی آڑ ہونا چاہیئے، اگر اور کچھ نہ ہو تو ریت کا ڈھیر ہی لگا لے۔

عمل ۱۴ غسل خانہ میں پیشاب مت کرو، اور پائخانہ تو اور بھی بیہودہ بات ہے۔

عمل ۱۵ پائخانہ پھرتے وقت باتیں مت کرو۔

عمل ۱۶ جب پائخانہ میں جانے لگو یہ پڑھو بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ جب نکل آؤ یہ پڑھو غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ

عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔

عمل ۱۷ کلوخ کے بعد پانی سے بھی استنجا کرو۔

عمل ۱۸ پیشاب کھڑے ہو کر مت کرو۔

عمل ۱۹ حتی الامکان ہر نماز کے وقت مسواک کرو۔

عمل ۲۰ جب سو کر اٹھو جب تک ہاتھ اچھی طرح نہ دھو لو، پانی کے اندر نہ ڈالو۔

عمل ۲۱ وضو میں ایڑی پر پانی پہنچانے کے لئے زیادہ اہتمام کرو۔

عمل ۲۲ وضو میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو اور داڑھی میں بھی خلال کرو۔

عمل ۲۳ وضو میں اس طرح کے وہم مت کرو کہ خدا جانے پانی ناپاک تو نہیں، فلاں عضو پر پانی پہنچا یا نہیں تین دفعہ دھو چکا ہوں یا نہیں۔

عمل ۲۴ وضو میں پانی مت ضائع کرو۔

عمل ۲۵ اگر انگوٹھی پہنے ہو، اس کو ہلا لیا کرو۔

عمل ۲۶ غسل اس طرح کرو، پہلے دونوں ہاتھ پاک کرلو، پھر جو نجاست بدن پر لگی ہو اس کو دور کرو، پھر وضو کرو، پھر تین بار سر دھوؤ پھر تمام بدن پر پانی ڈالو۔

عمل ۲۷ غسل کے بعد پھر وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

عمل ۲۸ حالت جنابت میں اگر سونا یا کھانا کھانا چاہے یا بی بی کے پاس دوبارہ جانا چاہے بہتر ہے کہ استنجا اور وضو کرلے لیکن اگر وضو نہ کیا تب بھی کوئی گناہ نہیں۔

عمل ۲۹ جو پانی نہ بہتا ہو گو کتنا ہی زیادہ ہو بلا ضرورت اس میں پیشاب نہ کرو۔

عمل ۳۰ جو پانی دھوپ سے گرم ہو گیا ہو اس کے استعمال سے اندیشہ برص کی بیماری کا ہے۔

عمل ۳۱ جمعہ کے روز غسل کرنا سنت ہے اور مُردے کو نہلا کر غسل کر لینا بہتر ہے۔

باب الصلوٰة

عمل ۳۲ نماز اچھے وقت پڑھو، رکوع سجدہ اچھی طرح کرو، خشوع و خضوع جس قدر

ہو سکے بجالاؤ۔

عمل ۳۳ جب بچہ سات برس کا ہو جاوے اس کو نماز کی تاکید کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو مار کر پڑھاؤ۔

عمل ۳۴ نماز خوب پابندی سے پڑھو۔

عمل ۳۵ عشاء سے پہلے سو ؤ مت اور عشاء کے بعد باتیں مت کرو۔ جلدی سے سو رہو۔ تاکہ تہجد یا صبح کی نماز خراب نہ ہو۔

عمل ۳۶ عصر کا وقت بہت نازک ہوتا ہے اس کو تنگ مت کرو سویرے نماز پڑھ لیا کرو

عمل ۳۷ اگر اتفاق سے سو گیا یا بھول گیا اور نماز قضا ہو گئی تو جس وقت آنکھ کھلے یا یاد آوے فوراً قضا پڑھ لے اس کو دوسرے وقت پر نہ ٹالے البتہ اگر مکروہ وقت ہو تو اس کو گذر جانے دے۔

عمل ۳۸ اذان کے بعد لوگوں کو مت بلاؤ اذان بلانے ہی کے واسطے ہے البتہ سوتے ہوئے کو جگا دینا مضائقہ نہیں۔

عمل ۳۹ بہتر یہ ہے کہ جو شخص اذان کہے اسی کو تکبیر کہنے دیں اس کو ناراض کر کے دوسرا شخص تکبیر نہ کہنے لگے۔

عمل ۴۰ سات برس تک اذان کہنے پر رہائی دوزخ کا وعدہ آیا ہے۔

عمل ۴۱ نماز کے لئے دوڑ کر مت چلو سانس پھولنے سے سکون قلب نہ رہے گا۔

عمل ۴۲ اذان اور تکبیر کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے۔

عمل ۴۳ جتنی دور سے مسجد میں نماز پڑھنے آؤ گے اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔

عمل ۴۴ جب مسجد میں جانے لگو داہنا پاؤں پہلے اندر ڈالو اور یہ پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب نکلنے لگو بایاں پاؤں پہلے نکالو اور یہ پڑھو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

عمل ۴۵ مسجد میں جا کر بہتر ہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو

عمل ۴۶ مسجد میں شور و غل مت کرو کوئی بدبو دار چیز مثل حقہ تمباکو لہسن پیاز خام،

موتی کھا پی کر مت جاؤ، وہاں تھوکنے کی احتیاط رکھو، وہاں ریح مت نکالو، فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے کوئی چیز وہاں بیچو نہیں خرید و نہیں اس میں خرافات اشعار مت پڑھو، کسی کو مار پیٹ کی سزا مت دو، شاید پیشاب وغیرہ خطا ہو جائے، دنیا کی باتیں مت کرو۔

عمل ۴۷ ایسے کپڑے سے یا ایسی جگہ میں نماز پڑھنا اچھا نہیں کہ اس کے نقش و نگار سے دل بارہ باٹ ہو جاوے

عمل ۴۸ نماز کے روبرو کوئی آڑ ہونا ضروری ہے اگر کچھ نہ ہو ایک لکڑی یا کوئی اونچی چیز رکھ لے اور اس چیز کو داہنے یا بائیں ابرو کے مقابل رکھے تاکہ مشابہت بت پرستوں کے ساتھ نہ ہو جائے۔

عمل ۴۹ اگر امام ہو بہت ہلکی نماز پڑھاؤ کیوں کہ مقتدی ہر قسم کے ہیں کسی کو تکلیف نہ ہو جس کی وجہ سے جماعت سے نفرت ہو جاوے۔

عمل ۵۰ نماز میں رکوع و سجدہ اور تمام ارکان اطمینان سے ادا کرو

عمل ۵۱ نماز میں دامن سمیٹنا یا بال سنوارنا بری بات ہے۔

عمل ۵۲ نماز میں ہاتھ کے سہارے سے مت اٹھو۔

عمل ۵۳ فرض پڑھ کر بہتر ہے کہ اس جگہ سے ہٹ کر سنن و نوافل پڑھے۔

عمل ۵۴ نماز میں ادھر ادھر مت دیکھو اوپر نگاہ مت اٹھاؤ حتی الوسع جمائی کو روکو بار بار کنکریاں مٹی برابر مت کرو، پھونک مت مارو، نماز کے واسطے جاتے ہوئے بھی کوئی حرکت خلاف نماز مت کرو نگاہ سجدہ کی جگہ رکھو۔

عمل ۵۵ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو جماعت چھوڑنے پر بڑی وعید آئی ہے البتہ کوئی قوی عذر ہو تو جماعت معاف ہو جاتی ہے۔

عمل ۵۶ جب بھوک کا بہت غلبہ ہو یا پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو تو پہلے فراغت کر لو پھر نماز پڑھو۔

عمل ۵۷ اگر امام ہو تو دعا میں سب مقتدیوں کو شریک کر لو یعنی سب کے لئے دعا کرو۔

عمل ۵۸ جب مسجد میں اذان ہو جاوے وہاں سے ہرگز مت جاؤ البتہ اگر کسی مختصر

ضرورت سے جاکر مع انہ پھر لوٹ آؤ مضائقہ نہیں۔

عمل ۵۹ صف کو خوب سیدھی کرو اور خوب مل کر کھڑے ہو اور پہلے اوّل صف پوری کرلو پھر دوسری پھر تیسری اور امام کے دونوں طرف برابر مقتدی ہونا چاہیئے۔

عمل ۶۰ اگر اکثر مقتدی کسی وجہ معقول سے امام سے ناخوش ہوں اُسکو امامت کرنا نہ چاہیئے

عمل ۶۱ امامت میں بہانہ مت کرو کہ ہر شخص دوسرے پر ٹالے اور اپنی جان بچاوے یہ علامات قیامت سے ہے۔

عمل ۶۲ اگر امام ہو تو مقتدیوں سے اونچی جگہ مت کھڑے ہو۔

عمل ۶۳ امام سے پہلے رکوع سجدہ یا اور کوئی فعل مت کرو۔

عمل ۶۴ اگر جماعت میں ایسے وقت آؤ کہ امام مثلاً سجدہ یا قعدہ میں ہو تو اس کے کھڑے ہونے کا انتظار مت کرو فوراً شریک ہوجاؤ۔

عمل ۶۵ تہجد پڑھنے کی کوشش کرو اس کی بڑی فضیلت ہے۔

عمل ۶۶ نوافل و وظائف کی اتنی کثرت مت کرو جس کا نباہ نہ ہوسکے۔

عمل ۶۷ جب نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاؤ یا نیند زور کی آنے لگے تو ذرا آرام لے لو پھر نماز میں مشغول ہو۔

عمل ۶۸ جب بستر پر سونے کے لئے لیٹو وضو کرلو اور اللہ اللہ کہتے سو جاؤ۔

عمل ۶۹ گھر میں بھی کچھ نفلیں پڑھنے کا معمول رکھو۔

عمل ۷۰ جمعے کے روز درود شریف کی کثرت کرو۔

عمل ۷۱ جمعے میں نہا دھو کر کپڑے بدل کر خوشبو لگا کر سویرے جاؤ اور لوگوں کی گردن پر سے مت پھاندو کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ مت بیٹھو۔ زبردستی دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کر مت بیٹھو خطبے میں باتیں مت کرو ایسی طرح مت بیٹھو کہ نیند آوے، اگر نیند غالب ہو جگہ بدل ڈالو۔

عمل ۷۲ جب سورج یا چاند کو گہن لگے اس وقت نماز پڑھو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، خیرات کرو، استغفار کرو، اگر غلام پاس ہو اُس کو آزاد کرو۔

عمل ۷۳ عیدگاہ میں ایک راستے سے جاؤ دوسرے سے آؤ۔
عمل ۷۴ جس شخص کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو مستحب ہے کہ بقرعید کا چاند دیکھ کر خط و ناخن نہ بنواوے جب تک قربانی نہ کر لے۔
عمل ۷۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کیا کرو تو اچھا ہے اس سے محبت بڑھتی ہے۔
عمل ۷۶ تازہ بارش میں برکت ہوتی ہے اس کو اپنے بدن پر لینا بہتر ہے۔
عمل ۷۷ استسقاء کے لئے اگر نکلیں میلے کچیلے کپڑے ہوں عاجزی زاری کرتے ہوئے جاویں۔

کتاب الجنائز

عمل ۷۸ جب آدمی مرنے لگے اس کے پاس بیٹھ کر بآواز بلند کلمہ توحید پڑھتے رہو۔
عمل ۷۹ کفن نہ بالکل کم قیمت نہ بہت بیش قیمت متوسط درجے کا دو۔
عمل ۸۰ اگر پرانی مصیبت صدمہ یاد آجاوے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھو جیسا ثواب پہلے ملا تھا ویسا ہی پھر ملے گا۔
عمل ۸۱ رنج کی کیسی ہی خفیف بات ہو اس پر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھو تو ثواب ملے گا۔
عمل ۸۲ گاہ بگاہ مقابر میں جایا کرو اس سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے خصوصاً والدین کی قبر پر جمعے کو جانا بہتر ہے۔

کتاب الزکوٰۃ والصدقات

عمل ۸۳ زکوٰۃ پیشگی بھی دینا درست ہے۔
عمل ۸۴ پہننے کے زیور اور گوٹے ٹھپے میں بھی زکوٰۃ ہے۔
عمل ۸۵ زکوٰۃ حتی الامکان ایسے لوگوں کو دو جو مانگتے نہیں آبرو لئے گھر میں بیٹھے ہیں۔
عمل ۸۶ تھوڑی چیز دیتے سے مت شرماؤ جو توفیق ہو دے دو۔
عمل ۸۷ یوں نہ سمجھو کہ زکوٰۃ دے کر تمام حقوق سے سبکدوش ہو گئے مال میں اور بھی حقوق ہیں، جو وقتاً فوقتاً ضرورت کے وقت ادا کرنے پڑتے ہیں۔

عمل ۸۸ عزیز غریب کو صدقہ دینے سے دو ثواب ہیں ایک صدقہ دوسرا صلۂ رحم۔

عمل ۸۹ اگر پڑوسی غریب ہوں تو شوربا بڑھا دیا کرو اور ان کو بھی پہنچایا کرو۔

عمل ۹۰ سائل کو کچھ دے دیا کرو خواہ کتنا ہی قلیل ہو۔

عمل ۹۱ بی بی شوہر کے مال سے محتاج کو اتنا ہی دے سکتی ہے جس میں اگر شوہر کو اطلاع ہو تو اس کو ناگوار نہ ہو۔

عمل ۹۲ جو چیز کسی کو خیرات دو اور وہ اس کو فروخت کرتا ہو تو بہتر ہے کہ تم اس کو اس سے مت خریدو۔ شاید تمھاری رعایت کرے تو گویا یہ ایک طرح کا صدقے کو واپس کرنا ہے۔

کتاب الصوم

عمل ۹۳ روزے میں فحش بات مت کرو، شور و غل مت مچاؤ جو کوئی لڑے بھی کہہ دو کہ میاں ہمارا روزہ ہے ہم کو معاف کرو۔

عمل ۹۴ چاند دیکھ کر ہرگز اٹکل مت کرو یہ فلاں دن کا ہے اس کے حساب سے آج فلاں تاریخ ہے۔ جب لوگوں نے دیکھا ہو جب ہی سے حساب شروع ہوگا۔

عمل ۹۵ عورت نفل روزہ بدون اجازت شوہر کے نہ رکھے جبکہ وہ گھر پر موجود ہو۔

عمل ۹۶ کبھی کبھی نفل روزہ بھی رکھ لیا کرو۔

عمل ۹۷ اگر روزے میں کوئی دعوت کرے اس کا جی خوش کرنے کو اس کے گھر چلے جاؤ اور وہاں جا کر اس کے لئے دعا کرو اور اگر روزہ نہ ہو تو کھانا کھا بھی لو۔

عمل ۹۸ جب رمضان شریف کے دس دن باقی رہ جاویں عبادت میں کسی قدر زیادہ کوشش کرو۔

باب تلاوۃ القرآن

عمل ۹۹ اگر قرآن شریف اچھی طرح نہ چلے گھبرا کر چھوڑ و مت، پڑھے جاؤ ایسے شخص کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔

عمل ۱۰۰ سوتے وقت قل ہو اللہ قل اعوذ برب الفلق قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں دم کر کے جہاں تک ہاتھ پہنچیں بدن پر پھیر کر سور ہا کرو، تین بار اسی طرح کرو۔

عمل ۱۰۱ اگر قرآن پڑھا ہو اس کو ہمیشہ پڑھتے رہو ورنہ اس کو بھول جاؤ گے۔ اور سخت گنہگار ہو گے۔

عمل ۱۰۲ جب تک جی لگے قرآن پڑھو، جب طبیعت الجھنے لگے موقوف کردو مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جو تلاوت کا عادی ہو ورنہ خلاف عادت کام کرنے سے ضرور طبیعت گھبراتی ہے اس کا خیال نہ کرے اور تبکلف عادت ڈالے، جب عادت ہو جاوے پھر اس کے لئے وہی حکم ہے جو اوپر گذرا۔

عمل ۱۰۳ قرآن مجید اس طرح پڑھو کہ تمہارے لہجے سے یہ معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ سے ڈر رہا ہے بڑی خوش آوازی یہ ہے۔

باب الدعاء والذکر والاستغفار

عمل ۱۰۴ دعا میں ان امور کا لحاظ رکھو، خوب شوق و رغبت سے مانگو گناہ کی چیز مت مانگو اگر قبولیت میں دیر ہو تنگ ہو کر چھوڑ و مت قبولیت کا یقین رکھو۔

عمل ۱۰۵ غصے میں آکر اپنے مال اولاد جان وغیرہ کو مت کوسو، کبھی قبولیت کی گھڑی ہو گی اور اسی طرح ہو جاوے۔

عمل ۱۰۶ جب کہیں بیٹھو لیٹو دنیا کی باتیں کرو اس میں کچھ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور درود شریف تھوڑا ہی سہی ضرور کیا کرو مجلس خالی نہ رہنے پائے ورنہ وہ مجلس ہی وبال ہے۔

عمل ۱۰۷ اکثر اوقات بعقد انامل سے شمار وظیفہ کی رکھو، تسبیح بھی جائز ہے۔

عمل ۱۰۸ استغفار کی کثرت رکھو سب مشکلیں اس سے آسان ہوں گی، اور جہاں سے نشان گمان نہ ہوگا۔ روزی ملے گی۔

عمل ۱۰۹ اگر شامتِ نفس سے گناہ ہو جاوے تو یہ سمجھ کر توبہ میں دیر مت لگاؤ کہ شاید ہماری توبہ قائم نہ رہے اور پھر گناہ ہو جاوے بلکہ فوراً توبہ صدق دل سے کرو اگر اتفاقاً توبہ ٹوٹ جاوے پھر توبہ کر لو۔

عمل ۱۱۰ بعضی دعائیں خاص حالات و خاص اوقات کی مذکور ہوتی ہیں سوتے وقت یہ دعاء پڑھو اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى۔ جاگتے وقت یہ پڑھو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ صبح کو یہ دعاء پڑھو اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ اور شام کے وقت یہ دعاء پڑھو اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔ بی بی کے پاس جاتے وقت یہ دعاء پڑھو بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا لشکر کفار پر اگر بد دعاء کرنا ہو یہ پڑھے اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ وَسَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ کسی کے مہمان ہو کھانے پینے سے فارغ ہو کر میزبان کے لئے یوں دعا کرو اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ چاند دیکھ کر یہ دعاء پڑھو اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّىْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔ کسی کو مصیبت زدہ دیکھ کر یہ دعاء پڑھو تم کو اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے محفوظ رکھیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ عَافَانِىْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِىْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا جب کوئی تم سے رخصت ہونے لگے اس سے اس طرح کہو اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ کسی کو نکاح کی مبارکباد دو اس طرح کہو بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِىْ خَيْرٍ جب کوئی مصیبت آوے یہ پڑھو يَا حَىُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔

بابُ الحج و الزّیارۃ

عملؔ ۱۱۱ جس کو حج کرنا ہو جلدی چل دینا چاہیئے۔ خدا جانے کیا موانع پیش آجاویں۔

عملؔ ۱۱۲ کافی خرچ لے کر حج کو جانا چاہیئے۔

عملؔ ۱۱۳ حج کر کے اگر استطاعت ہو مدینہ طیبہ جاکر روضہ منورہ کی زیارت سے بھی مشرف ہو۔

عملؔ ۱۱۴ اگر اس قدر روپیہ پاس ہے کہ حج کر سکتے ہو مگر مدینہ منورہ نہیں جا سکتے تو حج فرض ادا کرنا پڑے گا۔ پھر جب وسعت ہو مدینہ طیبہ چلے جاؤ یہ نہیں کہ حج بھی نہ کرو۔

عملؔ ۱۱۵ حاجی جب تک اپنے گھر نہ آوے اس کی دعاء قبول ہوتی ہے اگر اس سے ملاقات ہو اس کو سلام کرو اس سے مصافحہ کرو اپنے لئے دعاء استغفار کراؤ۔

یمین و نذر

عملؔ ۱۱۶ غیر اللہ کی قسم کبھی مت کھاؤ جیسے بیٹے کی، باپ کی، یا اور کسی مخلوق کی اور جس شخص کو ایسی عادت پڑ گئی ہو اور منہ سے نکل جاتا ہو تو فوراً کلمہ پڑھے۔

عملؔ ۱۱۷ اس طرح کبھی قسم مت کھاؤ کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو بے ایمان ہو جاؤں اگرچہ سچی ہی ہو اور جھوٹ میں ایسی قسم تو اور بھی غضب ہے۔

عملؔ ۱۱۸ اگر غصے میں ایسی قسم منہ سے نکل گئی جس کے پورا کرنے میں کوئی بات خلاف شرع لازم آتی ہے مثلاً یہ کہ باپ سے نہ بولوں گا یا مانند اس کے ایسی قسم کو توڑ دو اور کفارہ دو اور یہ خیال نہ کرو کہ قسم توڑنے سے گناہ ہوگا۔ کیونکہ نہ توڑنے سے زیادہ گناہ ہوگا۔

عملؔ ۱۱۹ کسی کا حق مارنے کے لئے پھر سے قسم مت کھاؤ۔ صاحب حق جو مطلب سمجھے گا اسی پر قسم ہے۔

عملؔ ۱۲۰ مصیبت میں پھنس کر منت ماننا اور ویسے کبھی پھوٹی کوڑی اللہ کے نام نہ دینا نہایت کنجوسی کی دلیل ہے اور گویا نعوذ باللہ اللہ میاں کو پھسلانا ہے ؎

زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بدرودے

معاملات و سیاسیات

معاملہ ۱: سب سے بہتر کسب دستکاری ہے انبیا علیہم السّلام نے دستکاری کی ہے۔

معاملہ ۲: زانیہ کی خرچی اور جھوٹے تعویذ گنڈے، فال کھلائی وغیرہ کا نذرانہ سب حرام ہے۔ آج کل کے پیرزادے ان دونوں بلاؤں میں مبتلا ہیں رنڈیوں سے خوب نذرانے لیتے ہیں اور خود واہی تباہی تعویذ گنڈے کرتے ہیں فال کھولتے ہیں اور لوگوں کو ٹھگتے ہیں۔

معاملہ ۳: مانگنے کا پیشہ سب سے بدتر اور ذلیل اور گناہ ہے۔ اس سے تو گھاس کھودنا اور لکڑی کاٹ کر بیچنا ہزار درجہ بہتر ہے۔

معاملہ ۴: اگر ایسی ہی سخت مصیبت پڑ جاوے اور بدون مانگے کسی طرح بن ہی نہ پڑے تو لاچاری کی بات ہے اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے مانگے جو نیک بخت دیندار عالی ہمت، بلند حوصلہ ذی استطاعت ہوں کہ پھر کسی قدر کم ذلت ہے۔

معاملہ ۵: اگر بدون حرص و طلب کہیں سے کچھ ملے اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں اس میں سے کھائے کھلائے اللہ واسطے بھی دے۔

معاملہ ۶: جو چیز شرع میں حرام ہے اس میں ہیر پھیر کر کے حیلہ و تاویل مت کرو۔ اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے۔

معاملہ ۷: مفت خوری سے یہ بہتر ہے کہ عالی ہمتی سے کمائے اور دوسروں کی خدمت کرے البتہ جو لوگ خدمت دین میں مشغول ہیں کہ اگر طریق معیشت کو اختیار کریں تو دینی کام برباد ہو جاوے ایسے لوگوں کو ترک اسباب جائز بلکہ بعض اوقات اولیٰ ہے ان کی خدمت عام مسلمانوں کے ذمے ہے۔

معاملہ ۸: جس چیز میں طبیعت صاف نہ ہو دل کھٹکتا ہو وہ چھوڑ دینے کے قابل ہے۔

معاملہ ۹: جس پیشے میں ہر وقت نجاسات کے ساتھ تلبس ہوتا ہو جیسے بھنگی کا کام کرنا، پچھنے لگانا ایسے پیشے اور کمائی سے بچنا چاہیئے۔

معاملہ ۱۰: جو چیز گناہ کا آلہ بنائی جاوے اس کو مت بیچو۔

معاملہ ۱۱: ہمارے زمانہ میں روپیہ پیسہ بڑے کام کی چیز ہے اس کی قدر کرنا چاہیئے

اور وجہ حلال سے کمانے میں عار نہ کرے گو عرف میں نام دھرا جاوے۔

معاملہ ۱۲ جس طریقے سے آدمی کی بسر ہوتی ہو بلا ضرورت شدیدہ اس کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار نہ کرے۔

معاملہ ۱۳ خرید و فروخت اور اپنے حق کے مطالبہ کے وقت نرمی برتے تنگ گیری اچھی نہیں۔

معاملہ ۱۴ سودا بیچنے کے لئے بہت قسمیں مت کھاؤ اس میں ایک آدھ جھوٹ بھی نکل جاتا ہے پھر برکت مٹ جاتی ہے۔

معاملہ ۱۵ تجارت بہت عمدہ چیز ہے، امانت و راستی اس کا جزو اعظم ہے اس سے دنیا میں اعتبار ہوتا ہے اور آخرت میں انبیاء و صدیقین و شہداء کی ہمراہی نصیب ہوتی ہے۔

معاملہ ۱۶ معمول رکھو کہ منافع تجارت سے کچھ خیر خیرات نکالتے رہا کرو بعض باتیں تجارت میں ناہموار ہو ہی جاتی ہیں۔ خیر خیرات سے کسی قدر اس کے وبال میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

معاملہ ۱۷ اگر تمہارے سودے میں یا داموں میں کچھ عیب ہو ہرگز اس کو پوشیدہ مت کرو صاف کہہ دو اس کے چھپانے سے برکت مٹ جاتی ہے۔

معاملہ ۱۸ سود کا لین دین، تحریر گواہی کچھ مت کرو سب پر لعنت آئی ہے۔

معاملہ ۱۹ جو چیزیں کہ ناپ تول کر بکتی ہیں اور وہ ایک طرح کی ہیں جیسے گیہوں گیہوں اس کے مبادلے میں دو باتیں ضرور ہیں۔ ایک یہ کہ برابر سرابر ہو اگرچہ اعلیٰ ادنیٰ کا تفاوت ہو دوسرے یہ کہ دست بدست ہو۔ اگر ایک امر میں بھی خلاف ہوا تو سود ہو جاویگا۔ اور اگر ناپ تول کر بکتی ہیں مگر جنس الگ الگ ہے جیسے گیہوں اور جو اس میں برابر سرابر ہونا ضرور نہیں مگر دست بدست ہونا ضرور ہے اور اگر جنس تو ایک ہے مگر ناپ تول کر نہیں بکتی جیسے بکری بکری تب بھی برابر سرابر ہونا ضروری نہیں اور اگر نہ جنس ایک ہے نہ ناپ تول کر بکتی ہے۔ جیسے گھوڑا، اونٹ۔ اس وقت نہ برابر سرابر ہونا ضرور ہے۔ نہ دست بدست ہونا ضرور ہے یہ فقہ حنفی کے موافق سود کی تفصیل ہے۔

آج کل جو زیور خریدا یا بنوایا جاتا ہے اس میں اکثر بوجہ تفاوت نرخ کے برابر بھی نہیں لیا جاتا اور اکثر ادھار بھی رہ جاتا ہے یہ بالکل سود ہے ایسی صورت میں جس طرح چاندی کم

ہے اس میں کچھ پیسے بھی ملائے جاویں چاندی چاندی برابر ہو جاوے گی۔ زائد چاندی کے عوض میں پیسے ہو جاویں گے اور ادھار کی اگر ضرورت ہو تو صاحب معاملہ ہی سے جداگانہ قرض لے کر اس معاملے کو طے کرلیں پھر اس کا قرض بعد میں ادا کریں۔

معاملہ ۱۹ اکثر ایسا کرتے ہیں کہ روپیہ دے کر آٹھ آنے پیسے اب لے لئے اور آٹھ آنے ایک گھنٹے بعد لے لئے یہ بھی جائز نہیں اگر ایسی ہی ضرورت ہو تو روپیہ امانۃً اس کے پاس رکھا دیں جب اس کے پاس پیسے پورے آجاویں تب یہ معاملہ مبادلے کا کریں۔

معاملہ ۲۰ اگر تم خراب گیہوں کے عوض میں اچھے گیہوں لینا چاہتے ہو اور دوسرا شخص برابر سرابر نہیں دیتا تو یوں کرو کہ اپنے گیہوں مثلاً ایک روپیہ کو اس کے ہاتھ بیچ ڈالو پھر جتنے گیہوں وہ تم کو دے وہ اس روپیہ کے عوض میں جو اس کے ذمے تمہارا قرض ہے اس سے خرید لو۔

معاملہ ۲۱ اگر چاندی یا سونے کا زیور بنا ہوا جس میں اور کوئی چیز ملی ہو چاندی یا سونے کے بدلے میں یعنی چاندی کا زیور چاندی کے بدلے اور سونے کا زیور سونے کے بدلے خریدنا یا بیچنا چاہو تو یہ مبادلہ اس وقت ہے جب زیور میں چاندی یا سونا یقیناً کم ہو، اور داموں کی چاندی یا سونا زائد ہو اگر برابر یا زائد ہونے کا گمان ہو تو درست نہیں۔

معاملہ ۲۲ اگر کوئی شخص تمہارا مقروض ہو اور اسی حالت میں وہ تم کو ہدیہ دے یا دعوت کرے اگر پہلے سے راہ و رسم باہمی جاری نہ ہو تو ہرگز مت قبول کرو اسی سے رہن کی آمدنی کا حال معلوم کرو، کیونکہ راہن تمہارا قرضدار ہے اور قرض کے دباؤ میں تم کو انتفاع کی اجازت دیتا ہے تو وہ کس طرح حلال ہو گا۔

معاملہ ۲۳ بعض لوگ کوئی خاص چیز ایک معین مقدار روپیہ سے خرید کرتے ہیں اور جب قیمت نہیں بن پڑتی تو اس چیز کو اسی بائع کے ہاتھ کچھ کم قیمت میں بیچ ڈالتے ہیں سو چونکہ بائع کو اس بچت کا کوئی حق نہیں اس لئے یہ داخل سود ہو کر ممنوع ہو گیا البتہ اگر ایسی ضرورت پیش آوے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اصل بائع تھوڑی دیر کے لئے مشتری کو بقدر قیمت قرار داد سابق روپیہ بطور قرض دے دے اور مشتری اس قیمت کو اصل قیمت میں ادا کر دے اس کے بعد وہ چیز کم قیمت میں بائع کے ہاتھ بیچ ڈالے اور جو باقی

رہے وہ اس کے ذمے قرض رہے گا مثلاً دس روپیہ کو تم نے ایک گھڑی خریدی اور جب روپے کا بندوبست نہ ہو سکا تو اسی بائع کے ہاتھ فرض کرو کہ آٹھ روپیہ کو بیچ ڈالی، یہ معاملہ سود اور ناجائز ہے ضرورت پڑے تو یوں کرو کہ دس روپیہ بائع سے قرض لے کر پہلے گھڑی کی قیمت ادا کردو اب وہ گھڑی اس کے ہاتھ جتنی کمی پر چاہو بیچو جتنے کو بائع نے خریدا اتنا قرض تو ابھی ادا ہوا اور باقی تمھارے ذمے رہا۔

معاملہ ۲۴ جب تک پھل کام میں آنے کے لائق نہ ہو اس کا خریدنا اور بیچنا ممنوع ہے کیوں کہ معلوم نہیں پھل رہے یا جاتا رہے۔

معاملہ ۲۵ صرف بیجک آنے پر مال مت فروخت کرو جب تک تمھارے قبضہ میں نہ آ جاوے اور جب بائع کے قبضے میں آجاوے تو بیجک دیکھ کر مشتری کو خریدنا درست ہے مگر جب مال کو دیکھے اس وقت اختیار ہے خواہ معاملہ رکھے یا انکار کردے۔

معاملہ ۲۶ بنجارہ کچھ غلہ لایا اس کو شہر میں آنے دو اس وقت خرید کرو شہر سے باہر ہی باہر جا کر معاملہ کر لینا اچھا نہیں اس میں کبھی تو اس کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہ شہر میں اس نرخ کو فروخت نہ ہوگا اور شہر والوں کا بھی اس میں نقصان ہے کہ سب اس کے محتاج ہو گئے جتنے کو چاہے فروخت کرے اور ایک آدمی اگر سودا چکاتا ہو اور ابھی بائع نے اس کو نامنظور نہیں کیا بلکہ منظوری و نامنظوری دونوں کا احتمال ہے تو تم جا کر اس کے سودے کو خراب کر کے خود مت لینے لگو البتہ جب وہ صاف انکار کر دے اس وقت خریدنے میں مضائقہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ نیلام میں کسی کی بولی پر بولی بولنا کچھ ڈر نہیں کیونکہ خود بائع نے ابھی اس بولی کو منظور نہیں کیا اور کسی کو دھوکا دینے کو چیز کے دام مت بڑھاؤ کہ دوسرا آدمی اور زیادہ بولی بول دے اور وہ چیز اس کے گلے پڑ جائے اور کوئی دیہاتی اپنی چیز شہر میں فروخت کرنے آوے سو خواہ مخواہ خیر خواہی جتلانے کو اس کو بیچنے سے مت روکو کہ میاں ہمارے پاس رکھ جاؤ ہم موقع پر گراں قیمت سے بیچ دیں گے بلکہ اس کو بیچنے دو شہر والوں کو کسی قدر کفایت سے مل جاوے گی البتہ اگر اس کا صریح نقصان ہوتا ہو تو مضائقہ نہیں اگر گائے بکری بیچنا ہو خریدار کو دھوکہ دینے کی غرض سے ایسا مت کرو کہ کئی وقت دودھ نہ نکالو تا کہ تھن کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھ

کر خریدار دھوکہ میں آجاوے اور زیادہ دام کو خرید کر پیچھے پچھتاوے۔

معاملہ ۲۷ خودرو گھاس کا بیچنا درست نہیں اگرچہ وہ تمہاری مملوکہ زمین میں ہی کھڑی ہو اسی طرح پانی۔

معاملہ ۲۸ کوئی ایسی کارروائی مت کرو جس سے خریدار کو دھوکہ ہو۔

معاملہ ۲۹ اگر کوئی مصیبت زدہ اپنی ضرورت کو کوئی چیز بیچتا ہو تو اس کو صاحب ضرورت سمجھ کر مت دباؤ اس چیز کے دام مت گراؤ یا تو اس کی اعانت کرو یا مناسب قیمت سے اس کو خرید لو۔

معاملہ ۳۰ جو چیز تمہارے ملک و قبضے میں نہ ہو اس کا معاملہ کسی سے مت ٹھہراؤ اس امید پر کہ ہم بازار سے خرید کر اس کو دے دیں گے۔

معاملہ ۳۱ رہن میں یہ شرط ٹھہرانا کہ اگر اتنی مدت تک زر رہن ادا نہ ہو تو اسی کو بیع سمجھا جاوے باطل ہے اور مدت گذرنے پر بیع نہ ہوگی۔

معاملہ ۳۲ ناپ تول میں دغابازی مت کرو۔

معاملہ ۳۳ اگر کوئی چیز بطور بدنی کے خریدی اور فصل پر بائع سے وہ چیز نہ بن پڑی تو جتنا روپیہ اس کو دیا تھا واپس لے لو نہ زیادہ روپیہ لینا درست ہے اور نہ اس روپیہ کے بدلے اور کوئی چیز خریدنا درست ہے البتہ اپنا روپیہ لے کر پھر اس سے جو چاہو خرید لو۔

معاملہ ۳۴ غلہ ارزاں خرید کر گراں بیچنا درست ہے مگر جب مخلوق کو تکلیف ہونے لگے اس وقت زیادہ گرانی کا انتظار کرنا حرام اور موجب لعنت ہے۔

معاملہ ۳۵ حاکم کو اختیار نہیں ہے کہ زبردستی نرخ مقرر کرے البتہ تاجر کو فہمائش اور صلاح دینا مناسب ہے۔

معاملہ ۳۶ اگر تمہارا دین دار غریب ہو اس کو پریشان مت کرو بلکہ مہلت دو یا جزو یا کل معاف کر دو اللہ تعالیٰ تم کو قیامت کی سختی سے نجات دیں گے۔

معاملہ ۳۷ تم کسی کے دیندار ہو تو خراب چیز سے اس کا حق مت ادا کرو بلکہ یہی ہمت رکھو کہ اس کے حق سے بہتر اس کو ادا کیا جاوے مگر معاملے کے وقت یہ معاہدہ جائز نہیں۔

معاملہ ۳۸ اگر تمھارے پاس دینے کے واسطے ہے اس وقت ٹالنا بڑا ظلم ہے۔
معاملہ ۳۹ اگر تمھارا مدیون تم کو دوسرے سے دلا دینے کر دے اور اس سے تم کو وصول ہونے کی بھی امید ہو تو خواہ مخواہ ضد میں آکر اسی کو دق مت کئے جاؤ بلکہ اس حوالہ کو منظور کرلو۔
معاملہ ۴۰ حتی الامکان کسی کے مدیون مت ہو اور اگر بضرورت مدیون ہونا پڑے تو اس کے ادا کی فکر رکھو بے پرواہ مت بن جاؤ اور اگر دائن تم کو کچھ کہنے سنے صبر کرو اس کا حق ہے۔
معاملہ ۴۱ اگر تم کو وسعت ہو تو کسی مدیون کی طرف سے اس کا دین ادا کر دیا کرو۔
معاملہ ۴۲ سودا جھکتا تول کر دیا کرو۔
معاملہ ۴۳ جب کسی کا قرض ادا کیا کرو تو ادا کرنے کے ساتھ اس کو دعا بھی دیا کرو اور اس کا شکریہ ادا کرو۔
معاملہ ۴۴ شرکت میں دونوں ساجھیوں کو امانت و دیانت سے رہنا چاہیئے ورنہ پھر برکت سلب ہونے لگتی ہے۔
معاملہ ۴۵ امانت میں ہرگز خیانت مت کرو۔
معاملہ ۴۶ جو معاملہ ظلم سے دباؤ سے، کسی کی وجاہت و لحاظ سے کسی کی شرما شرمی سے وصول ہو وہ حلال نہیں اے چندہ جمع کرنے والو ذرا اس کو اچھی طرح غور کرلیجیو، حلال وہی مال ہے جو بالکل طیب خاطر سے دیا جاوے۔
معاملہ ۴۷ ہنسی ہنسی میں کسی کی چیز اٹھا کر چیز والے کو پریشان مت کرو خصوصاً جب کہ یہ نیت ہو کہ اگر معلوم ہو گیا تو ہنسی ہے ورنہ خود برد کریں گے اور جو ہنسی میں اٹھا لی تو جلدی واپس کر دو۔
معاملہ ۴۸ پڑوسی کی رعایت کیا کرو، خفیف باتوں میں اس سے مسامحت کرو مثلاً اگر تمھاری دیوار میں میخ گاڑنے لگے اور تمھارا کوئی نقصان بھی نہ ہو تو اجازت دے دو۔
معاملہ ۴۹ اگر کوئی گھر یا زمین بے میل ہونے کی وجہ سے فروخت کرو تو مصلحت یہ ہے کہ جلدی سے اس کا دوسرا مکان یا زمین خرید کرلو ورنہ روپیہ رہنا مشکل ہے یوں ہی اڑ جائیگا۔
معاملہ ۵۰ جس درخت کے سائے میں آدمیوں کو جانوروں کو آرام ملتا ہو اور وہ تمھارے

ملک میں بھی نہیں ہے تو اس کو مت کاٹو کہ جانداروں کو تکلیف ہوگی اس سے عذاب ہوتا ہے۔

معاملہ ۵۱ بکریاں چرانا پیغمبروں کا طریقہ ہے۔

معاملہ ۵۲ مزدوروں سے کام لے کر اس کی مزدوری دینے میں کوتاہی مت کرو اس مقدمے میں سرکار عالی مدعی ہوں گے عہد کر کے خلاف مت کرو خصوصاً جب کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ ہو۔ اس میں بھی سرکار عالی مدعی ہوں گے۔

معاملہ ۵۳ اکثر ایام قحط میں بعض لوگ اپنی اولاد کو یا بعضے ظالم دوسروں کے بچوں کو بیچ ڈالتے ہیں، اس کا بیچنا یا خرید کر غلام سمجھنا سب حرام ہے۔ اس مقدمے میں بھی سرکار عالی مدعی ہوں گے۔

معاملہ ۵۴ جو جھاڑ پھونک شرع کے موافق ہو۔ اس پر کچھ نذرانہ لینا جائز ہے۔

معاملہ ۵۵ اگر کھانا پکانے کو کسی کو آگ دیدے تو ایسا ثواب ہے جیسا کہ وہ کھانا دے دیا جو اس آگ سے پکا ہے اسی طرح نمک دے دینے کا ثواب ہے۔

معاملہ ۵۶ جہاں پانی بکثرت میسر ہو وہاں کسی کو پلانے سے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے اور جہاں بکثرت میسر نہیں وہاں پلانے سے ایسا ثواب ہے جیسا کہ کسی مُردے کو زندہ کر دیا۔

معاملہ ۵۷ اگر کسی کو کوئی چیز یہ کہہ کر دے کہ تم کو عمر بھر کے لئے دیتے ہیں اور بعد تمہارے مرنے کے واپس کر لیں گے وہ شے بہمہ وجوہ اس کی ملک ہو جاتی ہے بعد موت کے اس کے ورثہ کو ملے گی تو اس امید باطل پر اپنے مال کو خراب و برباد مت کرو پھر حسرت ہوگی اپنے ہی پاس رہنے دو۔

معاملہ ۵۸ اگر ایک بیٹے کو کوئی چیز دو، تو دوسرے کو بھی ویسی ہی دو۔ ناانصافی بری بات ہے۔

معاملہ ۵۹ ہدیہ ایسے شخص کا قبول کرو جو بدلے کا طالب نہ ہو ورنہ باہمی رنج کی نوبت آوے گی۔ لیکن تم اپنی طرف سے کوشش کرو کہ اس کو کچھ بدلہ دیا جاوے اور اگر بدلہ دینے کو میسر نہ ہو تو اس کی ثناء و صفت ہی کر دو اور لوگوں کے روبرو اس کے احسان کو ظاہر کر دو اور ثناء و صفت کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا اور جب محسن کا شکر ادا نہ کیا تو خدا کا شکر بھی ادا نہ ہوگا اور جس طرح ملی ہوئی چیز کا مٹانا برا ہے اسی طرح

نہ ملی ہوئی پر شیخی بگھارنا کہ ہمارے پاس آنا آیا یہ بھی برا ہے۔

معاملہ ۶۰ باہم تحفہ تحائف راہ و رسم جاری رکھو اس سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے۔ محبت بڑھتی ہے اور یہ نہ خیال کرو کہ تھوڑی چیز ہے کیا بھیجیں جو کچھ ہو بے تکلف دے دو۔

معاملہ ۶۱ جو کوئی تمہاری خاطرداری کو خوشبو تیل یا دودھ یا تکیہ پیش کرے کہ خوشبو سونگھ لو یا تیل لگالو، دودھ پی لو، تکیہ کمر سے لگالو تو قبول کر لو، انکار و عذر مت کرو، کیوں کہ ان چیزوں میں کوئی لمبا چوڑا احسان نہیں ہوتا جس کا بار تم سے نہیں اٹھ سکتا، اور دوسرے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

معاملہ ۶۲ نیا پھل اوّل جب تمہارے پاس پہنچے اس کو آنکھوں اور لبوں سے لگاؤ اور یہ دعا پڑھو اَللّٰهُمَّ کَمَا اَرَيْتَنَا اَوَّلَهٗ فَاَرِنَا اٰخِرَهٗ پھر کوئی بچہ پاس ہو اس کو دے دو

معاملہ ۶۳ اگر تمہارے ذمے کسی کا قرضہ یا کسی کی امانت یا اور کوئی حق ہو تو اس کی یادداشت بطور وصیت لکھ کر اپنے پاس رکھو۔

بابُ النکاح

معاملہ ۶۴ اگر حاجت و استطاعت ہو تو نکاح کرنا افضل ہے اور اگر حاجت ہے مگر استطاعت نہ ہو تو روزے کی کثرت سے شہوت ٹوٹ جاتی ہے۔

معاملہ ۶۵ نکاح میں زیادہ تر منکوحہ کی دینداری کا لحاظ رکھو۔ مال و جمال اور حسب نسب کے پیچھے زیادہ مت پڑو۔

معاملہ ۶۶ اگر سفر سے گھر آنا ہو تو دفعۃً گھر میں مت چلے جاؤ۔ اس قدر توقف کرو کہ بی بی کنگھی چوٹی سے اپنے کو سنوار لے کیونکہ شوہر کی عدم موجودگی میں اکثر میلی کچیلی رہتی ہے کبھی اس حالت میں دیکھ کر اس سے نفرت نہ ہو جاوے۔

معاملہ ۶۷ اگر کوئی شخص تمہاری عزیزہ کے لئے پیغام نکاح بھیجے تو زیادہ تر قابل لحاظ اس شخص کی نیک وضعی اور دینداری ہے دولت حشمت عالی خاندانی کے اہتمام میں رہ جانے سے خرابی ہی خرابی ہے۔

معاملہ ۶۸ اگر اتفاقاً کسی غیر منکوحہ عورت اور کسی مرد باہم تعشق ہو جاوے تو بہتر ہے کہ ان کا نکاح کر دیا جاوے۔

معاملہ ۶۹ اس نکاح میں زیادہ برکت ہوتی ہے جس میں خرچ کم پڑے اور مہر بھی ہلکا ہو۔

معاملہ ۷۰ اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر عورتوں کی صورت شکل کے حالات اپنے خاوند سے بیان کیا کرتی ہیں یہ بہت بری بات ہے اگر اس کا دل آگیا تو پھر روتی پھریں گی۔

معاملہ ۷۱ ایک کپڑے میں دو مردوں کا اسی طرح ایک کپڑے میں دو عورتوں کا لیٹنا بالکل نامناسب اور بے غیرتی ہے اور جس طرح مرد کو دوسرے مرد کا ستر دیکھنا گناہ ہے اسی طرح عورت کو دوسری عورت کا بدن ناف سے گھٹنے تک دیکھنا گناہ ہے اکثر عورتیں اس کی احتیاط نہیں رکھتیں۔

معاملہ ۷۲ اگر کسی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جاوے فوراً نگاہ ادھر سے پھیر لو، اور اگر اس کا خیال کچھ دل میں رہے تو اپنی بی بی سے فراغت کر لینا چاہیئے اس سے وہ وسوسہ دفع ہو جاتا ہے۔

معاملہ ۷۳ اگر کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اگر بن پڑے تو اس کو ایک نگاہ دیکھ لو کبھی بعد نکاح کے اس کی صورت سے نفرت نہ ہو۔

معاملہ ۷۴ بغیر ضرورت شدیدہ پیشاب، پائخانہ مجامعت کے برہنہ مت ہو فرشتوں سے اور اللہ تعالیٰ سے شرم کرنا چاہیئے۔

معاملہ ۷۵ تنہائی میں غیر عورت کے پاس بیٹھنا زہر قاتل ہے اور سخت گناہ ہے اسی طرح اس کے ساتھ سفر کرنا بھی ممنوع ہے آج کل پیروں اور رشتہ داروں سے اس کی بالکل احتیاط نہیں ہے۔ غیر عورت اس کو کہتے ہیں جس سے نکاح کبھی عمر بھر میں حلال ہو سکے

معاملہ ۷۶ بلا ضرورت عورت کے لئے یہ منع ہے کہ غیر مرد کو دیکھے اکثر عورتوں کو جھانکنے تاکنے کی عادت ہوتی ہے بڑی واہیات بات ہے۔

معاملہ ۷۷ اولاد کا حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھو، علم و لیاقت سکھلاؤ جب جوان ہو جائے نکاح کر دو ورنہ اگر اس سے کوئی گناہ ہو گیا تو اس کا وبال تمہاری گردن پر ہو گا

اکثر لوگ لڑکیوں کو بٹھلا رکھتے ہیں بڑی بے احتیاطی ہے۔

معاملہ ۷۸ اگر کسی جگہ ایک شخص پیغام نکاح بھیج چکا ہے جب تک اس کو جواب نہ مل جاوے یا وہ خود چھوڑ بیٹھے تم پیغام مت دو۔

معاملہ ۷۹ اگر کوئی شخص اپنا دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس عورت کو یا اس کے ورثہ کو مناسب نہیں کہ شوہر سے شرط ٹھہرائیں کہ پہلی منکوحہ کو طلاق دے دے جب نکاح کیا جاوے گا اپنی تقدیر پر قانع رہنا چاہیئے۔

معاملہ ۸۰ نکاح مسجد میں ہونا بہتر ہے تاکہ اعلان بھی خوب ہو، اور جگہ بھی برکت کی ہے۔

معاملہ ۸۱ رضاع میں بڑی احتیاط درکار ہے بدون تحقیق علاقہ رضاع روبرو نہ آجاوے اور جہاں شبہ و شک شرکت رضاع کا بھی ہو نکاح نہ کرے

معاملہ ۸۲ میاں بی بی کے باہمی معاملات خلوت کا دوست احباب سے یا ساتھنوں سہیلیوں سے ذکر کرنا خدا تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔ اکثر دولہا دولہن اس کی پرواہ نہیں کرتے

معاملہ ۸۳ ولیمہ مستحب ہے مگر اس میں تکلف و تفاخر نہ کرے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بی بی کا ولیمہ دو سیر جو سے کیا حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں خرما اور پنیر اور گھی کا مالیدہ تھا اور سب سے بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کا تھا کہ ایک بکری ذبح ہوئی اور گوشت روٹی لوگوں کو پیٹ بھر کے کھلائی گئی۔

معاملہ ۸۴ اگر کئی بیبیاں ہوں سب کو برابر رکھے۔

معاملہ ۸۵ بی بی کی کج خلقی پر صبر کرو۔ اس سے عداوت مت کرو اگر ایک بات ناپسند ہو ہوگی دوسری بات پسند آجاوے گی بے ضرورت اس کو مت مارو اور ضرورت ہو تب بھی زیادہ زیادہ مت مارو، اور منہ پر ہرگز مت مارو۔ آخرات کو اسی سے پیار اخلاص کرتے شرم بھی آوے گی اس کا دل بہلاتے رہو گالی گلوج مت کرو۔ روٹھ کر گھر سے مت نکل جاؤ زیادہ خفگی ہو دوسری چارپائی پر سو رہو۔ جب دیکھو کسی طرح نباہ نہیں ہوتا آزاد کر دو۔

معاملہ ۸۶ عورت کو چاہیئے کہ خاوند کی اطاعت کرے اس کو خوش رکھے اس کے حکم کو ٹالے نہیں خصوصاً جب وہ ہم بستری کے لئے بلاوے اس کی وسعت سے زیادہ اس سے

نان نفقہ طلب نہ کرے اس کے روبرو زبان درازی نہ کرے، بلا اجازت اس کے نوافل نہ پڑھے نہ نفل روزہ رکھے اس کا مال بدون اس کی رضا کے کسی کو نہ دے، نہ خود ضرورت سے زیادہ اٹھا دے بلا اجازت کسی کو گھر نہ آنے دے بلا سخت مجبوری کے اپنے منہ سے طلاق نہ مانگے۔

معاملہ ۸۷ بی بی کو بھڑکا کر میاں سے لڑا دینا یا نفرت ڈال دینا نہایت گناہ ہے۔

معاملہ ۸۸ اگر معمولی طور پر کوئی شخص اپنی بی بی کو مارے اس کی وجہ غیر لوگوں کو دریافت کرنا خلاف تہذیب ہے شاید وہ بات تبلانے کی نہ ہو مثلاً اس نے ہم بستری سے انکار کیا، اور اس پر مارا ہو تو وہ کیا تبلائے گا۔

معاملہ ۸۹ بلا ضرورت طلاق مت دو۔

معاملہ ۹۰ حیض میں طلاق مت دو کہ شاید بلا ضرورت بوجہ نفرت طبعی کے بسبب حیض کے دی ہو۔

معاملہ ۹۱ حلالہ کی شرط ٹھہرانا نہایت بے غیرتی کی بات ہے۔

معاملہ ۹۲ محض قرائن سے اپنی بی بی کو بدکار یقین کر لینا یا جو اولاد اس سے ہو اس کی صورت شباہت دیکھ کر کہہ دینا کہ یہ میری نہیں ہے بہت گناہ ہے۔

معاملہ ۹۳ اگر عورت بدچلن ہو اور اس کا انتظام نہ کر سکے تو اس کو طلاق دے دینا چاہیے لیکن اگر اس سے محبت ہو اور ڈرتا ہو کہ بعد طلاق کے میں بھی اس سے مبتلا ہو جاؤں گا تو نہ چھوڑے مگر حتی الوسع انتظام و انسداد کرنا چاہیے۔

معاملہ ۹۴ اگر اپنی آنکھ سے عورت کو زنا کرتے دیکھ لیا تو اس کے مار ڈالنے سے خدا کے نزدیک گنہگار نہ ہوگا گو حاکم دنیا بوجہ عدم ثبوت شرعی کے اس سے قصاص لے۔

معاملہ ۹۵ خواہ مخواہ بلا قرینہ بی بی پر بدگمانی کرنا جہالت اور تکبر ہے اور قرائن ہوتے ہوئے چشم پوشی کرنا بے غیرتی و دیوثی ہے۔

معاملہ ۹۶ اگر نکاح کے بارے میں تم سے کوئی مشورہ کرے تو خیرخواہی کی بات یہ ہے کہ اگر اس موقع کی کوئی خرابی تم کو معلوم ہو ظاہر کر دو یہ غیبت حرام نہیں ہے اور اسی طرح جس جگہ تم کو خاص کسی کی برائی کرنا مقصود نہ ہو بلکہ کسی کی خیرخواہی کی ضرورت سے اس کا عیب بیان کرنا پڑے

شرعاً اس کی اجازت ہے بلکہ بعض جگہ واجب ہے۔
معاملہ ۹۷ اگر خاوند باوجود مقدرت کے بوجہ بخل کے بی بی کو بقدر کفایت کے خرچ نہ دیتا ہو تو بی بی چھپا کر لے سکتی ہے مگر حاجت سے زیادہ فضول خرچی کرنے کو لینا جائز نہیں۔
معاملہ ۹۸ اللہ تعالیٰ اگر مال دے تو اول خویش بعدہٗ درویش۔

معاملہ سیاست

معاملہ ۹۹ اگر کوئی کافر تم کو زخمی کر کے یا کوئی عضو قطع کر کے جب تم بدلہ لینے لگو فوراً کلمہ پڑھ لے پھر یہ سمجھ کر کہ اس نے جان بچانے کو کلمہ پڑھ لیا ہے ہرگز مت قتل کرو اس سے اسلام کے حلم رحم اور حق پرستی کا اندازہ کرنا چاہیئے۔
معاملہ ۱۰۰ کافر رعایا سے بلاقصور کسی کو قتل کرنا بڑا سخت گناہ ہے بہشت سے دور کر دیتا ہے
معاملہ ۱۰۱ خودکشی کرنے کی سخت ممانعت ہے کسی طرح ہو۔
معاملہ ۱۰۲ مساجد میں سزا جاری نہ کی جاوے شاید بول و براز خطا ہو جاوے۔
معاملہ ۱۰۳ مسلمان کسی کافر ذمی کو قتل کر ڈالے وہ اس کے مقابلہ میں قتل کیا جاوے گا۔
معاملہ ۱۰۴ اگر لشکر اسلام میں سے ادنیٰ درجہ کا آدمی بھی لشکر کفار کو امان دے دے تمام اعلیٰ و ادنیٰ پر لازم ہو جاوے گا اس کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے البتہ اگر لڑنا ہی مصلحت ہو تو کفار کو جدید اطلاع دی جاوے کہ ہم اپنے معاہدے کو واپس لیتے ہیں۔
معاملہ ۱۰۵ اگر کئی آدمی مل کر ایک آدمی کو قتل کریں سب قتل کئے جاویں گے اور سب گنہگار ہوں گے۔
معاملہ ۱۰۶ جو شخص فن طب میں مہارت نہ رکھتا ہو اور اس کی عملی بد تدبیری سے کوئی مر جاوے تو اس سے خون بہا لیا جائے گا۔
معاملہ ۱۰۷ اپنی جان و مال و دین و آبرو کی حفاظت کے لئے لڑنا درست ہے اگر خود مارا گیا شہید ہوگا اگر مقابل مارا گیا اس شخص پر کوئی الزام نہیں۔
معاملہ ۱۰۸ لہو و لعب کے طور پر کنکریاں اُچھالنا، غلہ چلانا ممنوع ہے مبادا کسی کا دانت

آنکھ ٹوٹ پھوٹ جائے۔

معاملہ ۱۰۹ اگر مجمع میں کوئی دھار والی چیز لے کر گذرنے کا اتفاق ہو تو دھار کی جانب چھپا لینا چاہیئے کسی کے لگ نہ جائے۔

معاملہ ۱۱۰ دھار والی چیز سے کسی کی طرف اشارہ کرنا گو ہنسی ہی میں ہو ممنوع ہے شاید ہاتھ سے چھوٹ کر لگ جاوے۔

معاملہ ۱۱۱ ایسی وحشیانہ سزا جس کی برداشت نہ ہو سکے جیسے دھوپ میں کھڑا کر کے تیل چھوڑنا ہنٹروں سے بے دردہو کر بے حد مارنا نہایت گناہ ہے۔

معاملہ ۱۱۲ تلوار، چاقو کھلا ہوا کسی کے ہاتھ میں مت دو یا تو بند کر کے یا زمین پر رکھ دو دوسرا شخص اپنے ہاتھ سے اٹھالے۔

معاملہ ۱۱۳ کسی آدمی یا جانور کو آگ سے جلانا جائز نہیں۔

معاملہ ۱۱۴ واجب القتل کو ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑنا کہ تڑپ تڑپ کر مر جاوے درست نہیں۔

معاملہ ۱۱۵ پرندوں کے بچوں کو گھونسلوں سے نکال لانا کہ ان کے ماں باپ بے قرار ہوں درست نہیں۔

معاملہ ۱۱۶ جس کے جادو سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے اور وہ باز نہیں آتا وہ گردن زنی کے لائق ہے۔

معاملہ ۱۱۷ جو مجرم زنا اقراری ہو حتی الامکان اس کو ٹال دینا چاہیئے جب وہ برابر اپنے اقرار پر جما رہے اور چار بار اقرار کر لے اس وقت سزا جاری کی جاوے۔

معاملہ ۱۱۸ اگر ایسا اقراری مجرم اثنائے سزا میں اپنے اقرار کو واپس لے چھوڑ دینا چاہیئے۔

معاملہ ۱۱۹ اگر حاملہ عورت پر جرم زنا ثابت ہو جب تک بچہ نہ جن لے اور اگر کوئی دوسری دودھ پلانے والی نہ ہو تو جب تک دودھ نہ چھوٹ جاوے اس وقت تک سنگسار نہ ہوگی۔

معاملہ ۱۲۰ سزا پانے کے بعد مجرم کو طعن تشنیع و تحقیر کرنا بہت برا ہے۔

معاملہ ۱۲۱ جو زانی مستحق تازیانہ ہو اور بوجہ مرض کے سزا دینے میں مر جانے کا احتمال ہو تو صحت تک سزا موقوف رکھی جاوے۔

معاملہ[۱۲۲] سزائیں دو قسم کی ہیں ایک معین دوسری مفوض برائے حاکم، اوّل کو حد دوسری کو تعزیر کہتے ہیں۔ حدود میں شریف رذیل وجیہ ذلیل سب برابر ہیں اس میں کسی کی رعایت نہیں تعزیر میں شریف وجیہ آدمی سے چشم پوشی مناسب ہے اور صرف فہمائش کافی ہے۔

معاملہ[۱۲۳] جھوٹے مقدمے کی یا جس کا سچا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو اس مقدمے کی پیروی یا کسی قسم کی اعانت کرنا ممنوع ہے۔

معاملہ[۱۲۴] شراب کا استعمال دوا میں بھی ممنوع ہے۔

معاملہ[۱۲۵] چونکہ نشہ والی چیزوں کی خاصیت ہے کہ تھوڑی سے زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے اس کے تھوڑے استعمال سے بھی ممانعت کی گئی۔

حکومت و انتظام ملکی

معاملہ[۱۲۶] جو شخص خود حکومت کی درخواست کرے وہ قابل حکومت نہیں ہے وہ خود غرض ہے جو اس سے بھاگتا ہو وہ زیادہ عدل کرے گا اس کو حکومت دینا سزاوار ہے۔

معاملہ[۱۲۷] سلطان کی اہانت کی اجازت نہیں۔

معاملہ[۱۲۸] حکام کا بھی حکم ہے کہ رعایا سے نرم برتاؤ کریں سختی نہ کریں۔

معاملہ[۱۲۹] حکام کے پاس جا کر ان کی خوشامد سے ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کو ظلم کے طریقے بتلانا اس میں اعانت کرنا سخت مذموم ہے۔

معاملہ[۱۳۰] حق بات کہہ دینے میں حکام سے مت دبو۔

معاملہ[۱۳۱] حکام کو مناسب نہیں کہ رعایا کے عیوب و جرائم کا بلاضرورت تجسس کرے ؎

کہ ہیچ نفسِ بشر خالی از خطا نبود

معاملہ[۱۳۲] بلا قصور کسی کو گھور کر دیکھنا جس سے ڈر جاوے جائز نہیں۔

معاملہ[۱۳۳] اگر حکام ظلم کرنے لگیں ان کو بُرا مت کہو سمجھ جاؤ کہ ہم سے حاکم حقیقی کی نافرمانی ہوئی ہے یہ اس کی سزا ہے اپنی حالت درست کرلو اللہ تعالیٰ حکام کے قلوب کو نرم کر دیں گے۔

معاملہ[۱۳۴] حاکم کا ایسی جگہ بیٹھنا جہاں نہ حاجت مند جا سکے نہ کسی ذریعہ سے اپنی

فریاد وہاں پہنچا سکے جائز نہیں۔

معاملہ ۱۳۵ غصے کی حالت میں حواس درست نہیں رہتے۔ اس وقت مقدمہ فیصل کرنا نہ چاہئے۔

معاملہ ۱۳۶ رشوت لینے کی سخت ممانعت ہے گو ہدیہ کے طور پر ہو۔

معاملہ ۱۳۷ جھوٹا دعویٰ، جھوٹی گواہی، جھوٹی قسم، جھوٹا انکار کسی کے حق کا یہ سب گناہ ہے

معاملہ ۱۳۸ اپنا حق ثابت کرنے کے لئے کوشش کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ اس میں کاہلی کی راہ سے بیٹھ رہنا کم ہمتی قرار دی گئی ہے اور باوجود کوشش کرنے کے ناکامی ہو اس کا زیادہ غم کرنا بھی برا ہے سمجھ لے کہ حاکم حقیقی کو یہی منظور تھا۔

معاملہ ۱۳۹ قوی کے پیسے میں حوالات کر دینے کی اجازت ہے۔

معاملہ ۱۴۰ سواری اور نشانہ بازی کی مشق کا حکم ہے۔

معاملہ ۱۴۱ گھوڑے کی دم کے بال اور ایال اور پیشانی کے بال مت کاٹو، دم کے بال سے مکھی اڑاتا ہے ایال سے اس کو گرمی پہنچتی ہے پیشانی کے بالوں میں برکت ہے۔

سفر

معاملہ ۱۴۲ راہ میں سواری کے جانور کو کہیں گھاس چرنے چھوڑ دیا کرو اور اگر خشکی کا زمانہ ہو اور گھاس نہ ہو تو راہ میں حرج مت کرو جلدی منزل پر پہنچ کر اس کے کھانے پینے کا انتظام کرو اور جہاں ٹھہرنا ہو سڑک کو چھوڑ کر ٹھہرو۔

معاملہ ۱۴۳ جہاں تک ممکن ہو سفر تنہا مت کرو۔

معاملہ ۱۴۴ جب کام ہو چکے جلدی اپنے ٹھکانے آجاؤ، خواہ مخواہ سفر میں بے آرام مت رہو۔

معاملہ ۱۴۵ شب کے سفر میں منزل جلدی کٹتی ہے۔

معاملہ ۱۴۶ سفر میں مصلحت یہ ہے کہ رفیقوں میں سے ایک کو اپنا سردار بنالیں شاید باہم کچھ تکرار اختلاف ہو جاوے تو فیصلہ آسان ہے۔

معاملہ ۱۴۷ سالار قافلہ کو چاہئے تمام مجمع کا خیال رکھے کوئی چھوٹ تو نہیں گیا

ہے کسی کو سواری وغیرہ کی تکلیف تو نہیں ہے۔

معاملہ ۱۴۸ قافلہ جب منزل پر اترے تو متفرق نہ اترے سب قریب قریب مل کر ٹھہریں اگر کسی پر آفت آوے تو دوسرے مدد تو کرسکیں۔

معاملہ ۱۴۹ اگر بوجہ قلت سواریوں کے ہمراہیوں میں باری مقرر ہو تو سب کو ہی انصاف کی رعایت ضروری ہے، اپنی کو ترجیح نہ دے۔ قاعدہ مقررہ کے موافق سب کو عملدرآمد ضرور ہے گو سردار ہی کیوں نہ ہو۔

معاملہ ۱۵۰ اگر چلتے چلتے کوئی بات چیت کرنے کے لئے زیادہ ٹھہرنا ہو تو سواری سے اتر جانا چاہیئے اس پر بیٹھے بیٹھے گھنٹوں نہ باتیں کرتے رہیں اس میں جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔ سواری قطع مسافت کے لئے موضوع ہے۔

معاملہ ۱۵۱ جب منزل پر پہنچو دوسرا کام پیچھے کرو پہلے جانور پر سے اسباب زین وغیرہ جدا کردو۔

معاملہ ۱۵۲ اگر اللہ تعالیٰ فراغت کی سواری دے تو پیادہ چلنے والوں کو اس پر سوار کردو یہ نہیں کہ ان کے پاؤں میں تو چھالے پڑ جاویں اور تم نام آوری کے لئے ان کو کوتل لے چلو۔

معاملہ ۱۵۳ جب مقابلہ غنیم کے لئے سفر کرنا ہو حتی الامکان اس کے پوشیدہ کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے لیکن اگر اظہار میں مصلحت ہو تو اظہار کردینا چاہیئے۔

معاملہ ۱۵۴ جو لوگ لڑنے کے قابل نہیں یا ان کو لڑنا منظور نہیں جیسے بچہ، عورت، بڈھا مزدور، خدمت گار، عالم، درویش کفار کا ان کو مقابلہ میں قتل کرنا منع ہے۔

معاملہ ۱۵۵ دشمن کو امن دے کر بدعہدی کرنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

معاملہ ۱۵۶ ایلچی کو کبھی قتل نہ کرنا چاہیئے۔

معاملہ ۱۵۷ اخفائے واردات جرم ہے۔

معاملہ ۱۵۸ جو شخص کافر رعایا پر ظلم کرے یا اس کے حقوق میں کمی کرے یا اس کو بے موقع تکلیف دے یا اس کی ناراضی سے اس کی چیز لے جاوے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اس پر دعویٰ دائر فرمائیں گے۔

معاملہ ۱۵۹ اگر جانور ذبح کرنا ہو تو چھری خوب تیز کرو اس کو ترسا کر مت مارو گلا گھونٹنے

میں جانور کو کس درجہ اذیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا ہے۔

معاملہ ۱۶۰ کتا ایذا پہنچانے والا جانور ہے۔ غریب پردیسی کی کیسی ٹانگ لیتا ہے اور اس میں ایک خصلت ایسی بری ہے کہ قومی ہمدردی نہیں اپنے جنس کو دیکھ کر کس قدر ناراض ہوتا ہے اس وجہ سے بلا ضرورت اس کا پالنا ممنوع قرار دیا گیا ہے

معاملہ ۱۶۱ جانوروں کو باہم لڑانا جیسے مرغوں بکروں کو لڑاتے ہیں۔ ممنوع کیا گیا۔

معاملہ ۱۶۲ اکثر اوقات شکار میں مشغول رہنا آدمی کو بیکار اور بد عقل کر دیتا ہے۔ اپنے ضروری کاموں سے جاتا رہتا ہے۔

آداب معاشرت و خورد و نوش

ادب ۱ اگر سالن میں مکھی گر پڑے تو اس کو غوطہ دے کر پھینک دو، پھر اگر دل چاہے کھانا کھاؤ۔ کیونکہ اس کے ایک بازو میں بیماری دوسرے میں شفا ہے۔ زہریلے بازو کو اوّل ڈالتی ہے۔ دوسرے بازو کے ڈالنے سے اس کا تدارک ہو جاوے گا۔

ادب ۲ بسم اللہ کر کے کھانا شروع کرو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ البتہ اگر اس برتن میں کھانے کی چیز کئی قسم کی ہے مثلاً کئی طرح کا پھل میوہ شیرینی اس وقت جو مرغوب ہو جس طرف سے چاہو اٹھالو۔

ادب ۳ جس چیز میں سب انگلیاں نہ لگانی پڑیں اس کو تین انگلی سے کھاؤ، اور انگلیاں چاٹ لیا کرو۔ اور برتن میں اگر سالن ہو چکے تو اس کو بھی صاف کر لیا کرو اس سے برکت ہوتی ہے۔

ادب ۴ اگر ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر گر جاوے، اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو۔ تکبر مت کرو۔ یہ سرکاری نعمت ہے ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔

ادب ۵ کھانا تواضع کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ متکبروں کی طرح تکیہ لگا کر مت کھاؤ۔

ادب ۶ اگر کھانا کم ہے اور آدمی زیادہ ہیں سب آدھا آدھا پیٹ کھالو یہ نہیں کہ ایک تو

سیر ہوکر کھاوے دوسرا پیٹ پیٹتا پھرے۔

ادب ۷ کھجور، انگور، مٹھائی وغیرہ اس قسم کی چیزیں اگر کئی آدمی مل کر کھاویں تو ہر شخص ایک ایک دانہ اٹھاوے دو دو ایک دم سے لینا بے تمیزی اور حرص کی دلیل ہے۔

ادب ۸ پیاز، لسن خام یا کوئی اور بدبودار چیز کھا کر مجمع میں نہ جاؤ کہ لوگوں کو تکلیف ہوگی

ادب ۹ جنس ناپ تول کر پکاؤ۔ زنان ہند کی طرح اندھا دھند مت اٹھاؤ کہ آٹھ دن کی جنس چار ہی دن میں تمام ہو جاوے لیکن بچے ہوئے کو مت ناپو تولو اس میں بے برکتی ہوتی ہے

ادب ۱۰ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے رزاق کا شکر بجالاؤ اسی طرح پانی پینے کے بعد

ادب ۱۱ کھانے کے قبل اور بعد بھی ہاتھ دھوؤ، کلی کرو۔

ادب ۱۲ بہت جلتا کھانا مت کھاؤ اس سے نقصان ہوتا ہے۔

ادب ۱۳ مہمان کی خاطر داشت ومدارت کرو۔ ایک روز کسی قدر تکلف کا کھانا کھلا دو۔ تین دن تک اس کا حق مہمانی ہے۔ مہمان کو بھی زیبا نہیں کہ میزبان کے گھر جم ہی جاوے کہ وہ تنگ آجاوے۔

ادب ۱۴ کھانا سب مل کر کھاؤ اس میں برکت ہوتی ہے۔

ادب ۱۵ جب کھانا کھا چکو تو پہلے دسترخوان اٹھوا دو۔ خود اس کو چھوڑ کر اٹھنا خلاف ادب ہے اور اگر اپنے ساتھی سے پہلے کھا چکو تب بھی اس کا ساتھ دو، تھوڑا تھوڑا کھاتے رہو۔ کہیں تمہارے اٹھنے سے وہ بھوکا نہ اٹھ کھڑا ہو اور اگر کسی وجہ سے اٹھنا ہی ضرور ہے تو اس سے عذر کر دو۔

ادب ۱۶ مہمان کو گھر کے دروازے تک پہنچانا سنت ہے۔

ادب ۱۷ پانی ایک سانس میں مت پیو، تین سانس میں پیو۔ اور سانس لینے کے وقت برتن منہ سے جدا کرلو اور پانی بسم اللہ کہہ کر پیو اور پی کر الحمد للہ کہو۔

ادب ۱۸ مشک سے منہ لگا کر پانی مت پیو۔ اسی طرح جو برتن ایسا ہو جس سے دفعۃً زیادہ پانی آجانے کا احتمال ہے یا یہ اندیشہ ہے کہ اس میں سے کوئی سانپ بچھو نہ آجاوے۔

ادب ۱۹ بلا ضرورت کھڑے ہو کر پانی مت پیو۔

ادب ۲۰ چاندی سونے کے برتن میں کھانا پینا حرام ہے۔

ادب ۲۱ پانی پی کر اگر دوسروں کو بھی دینا ہو تو پہلے داہنے والے کو دو پھر اس کے داہنے والے کو اسی طرح دور ختم ہونا چاہیئے۔

ادب ۲۲ کنارہ ٹوٹے برتن سے ٹوٹن کی طرف سے پانی مت پیو۔

ادب ۲۳ شام کے وقت بچوں کو باہر مت نکلنے دو اور شب کو بسم اللہ کہہ کے دروازے بند کر لو اور بسم اللہ کر کے برتنوں کو ڈھانک دو۔ اور چراغ سوتے وقت گل کردو۔

ادب ۲۴ کھانے پینے کی چیز کسی کے پاس لے جاؤ تو ڈھانک کر لے جاؤ۔

ادب ۲۵ سوتے وقت آگ کھلی مت چھوڑو۔ بجھادو یا اچھی طرح دبادو۔

پوشش و زینت

ادب ۲۶ مردوں کو ٹخنوں سے نیچے کرتا یا پائجامہ یا لنگی پہننا ممنوع ہے اسی طرح حریری یا زری کا کپڑا پہننا ممنوع ہے البتہ چار انگشت چوڑی گوٹ بیل وغیرہ جائز ہے اس سے زیادہ ممنوع ہے۔

ادب ۲۷ ایک جوتی پہن کر مت چلو۔ سر سے پاؤں تک ایک کپڑے کے اندر مت لپٹ جاؤ کہ چلنے میں یا جلدی سے ہاتھ نکالنے میں تکلیف ہو جس طرح بعضے موسم سردی میں رزائی میں لپٹ جاتے ہیں۔ ایسی وضع سے کپڑا مت پہنو کہ اٹھتے بیٹھتے ستر کھل جاوے۔

ادب ۲۸ کپڑا داہنی طرف سے پہننا شروع کرو مثلاً داہنی آستین پہلے پہنو ملی ہذا۔

ادب ۲۹ کپڑا پہن کر اپنے مولی کا اس طرح شکریہ ادا کرنے سے بہت سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے

ادب ۳۰ امیروں کے پاس زیادہ بیٹھنے سے دنیا کی ہوس بڑھتی ہے عمدہ پوشاک کی فکر ہوتی ہے بہتر یہ ہے کہ جب تک کپڑے میں پیوند نہ لگ جاوے اس کو پرانا نہ سمجھے۔

ادب ۳۱ کپڑے میں نہ اس قدر زینت واہتمام کرے کہ انگشت نما ہونے لگے کہ ریا اور تکبر ہے اور نہ بالکل بدحیثیت میلا گندا رہے کہ نعمت کی ناشکری ہے سادگی کے ساتھ توسط رکھے

ادب ۳۲ اپنی وضع کو چھوڑ کر دوسری قوموں کی وضع و پوشش سے ایسی نفرت ہونا چاہیئے جیسا کہ مرد کو انگیا لہنگے کے پہننے سے جو کہ عورتوں کی وضع ہے۔

ادب ۳۳ عورت کو باریک کپڑا پہننا گویا ننگا پھرنا ہے۔

ادب ۳۴ اگر تانا ریشم کا اور بانا سوت کا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

ادب ۳۵ مرد کو سونے کی انگشتری پہننا حرام ہے۔ البتہ چاندی کی انگشتری کا مضائقہ نہیں مگر ساڑھے چار ماشہ سے کم ہونی چاہیئے۔

ادب ۳۶ بجتا زیور جیسے گھنگرو وغیرہ پہننا ممنوع ہے۔

ادب ۳۷ جوتے کئی کئی جوڑے رکھا کرو۔ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں داہنے پاؤں میں اول پہنو اور اتارنے میں پہلے بائیں سے اتارو۔

ادب ۳۸ جوتا پہننے میں اگر ہاتھ سے کام لینا پڑے مثلاً تنگ ہے یا تسمہ وغیرہ باندھنا ہے تو کھڑے ہو کر مت پہنو۔

ادب ۳۹ جہاں جوتا چوری جانے کا ڈر ہو تو اٹھا کر اپنے پاس رکھو۔

ادب ۴۰ یہ چیزیں فطرت سلیمہ کا مقتضا ہیں ختنہ کرنا لبیں کٹانا۔ زیر ناف بال لینا۔ ناخن کٹانا بغل کے بال لینا، اور چالیس روز سے زیادہ بال و ناخن کو چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

ادب ۴۱ سفید بالوں میں خضاب کرنا مستحب ہے مگر سیاہ خضاب سے ممانعت آتی ہے۔

ادب ۴۲ مردوں کو عورتوں کا لباس اور عورتوں کو مردوں کا لباس اور شکل و صورت بنانا حرام ہے۔

ادب ۴۳ کسی کے بال ملا کر اپنے بال بڑھانا اور بدن گودنا حرام ہے اور موجب لعنت ہے۔

ادب ۴۴ کسم اور زعفران کا رنگا کپڑا پہننا مرد کے لئے ممنوع ہے۔

ادب ۴۵ داڑھی کٹانا جب مٹھی سے زائد نہ ہو منع ہے۔ البتہ اگر ایک آدھا بال بڑھا ہوا ہو اس کو برابر کرنے میں مضائقہ نہیں۔

ادب ۴۶ اگر سر پر بال ہوں تو ان کو دھوتے رہو، کنگھی کرتے رہو، تیل لگایا کرو اسی طرح داڑھی، مگر ہر وقت کنگھی چوٹی پر رہنا واہیات بات ہے۔

ادب ۴۷ اگر بال سفید ہونا شروع ہو جاویں تو ان کو اکھاڑ کر نکالو مت۔

ادب ۴۸ لڑکوں کا سر منڈا دینا بال رکھنے سے بہتر ہے۔

ادب ۴۹ عورت کے لئے بہتر ہے کہ ہاتھوں کو مہندی لگائے اور کچھ نہیں تو ناخن ہی کو لگا لے۔

ادب ۵۰ سرمہ سوتے وقت تین تین سلائیاں دونوں آنکھوں میں لگایا کرو۔

ادب ۵۱ گھر کو صاف رکھو بلکہ گھر کے روبرو بھی خس وخاشاک جمع مت کرو۔

ادب ۵۲ کبھی کبھی عطر مل لیا کرو۔

ادب ۵۳ تصویر گھر میں مت رکھو۔

ادب ۵۴ چوسر گنجفہ شطرنج وغیرہ کھیلنا، کبوتر اڑانا، راگ باجے میں مشغول رہنا یہ سب ممنوع ہے۔

آداب طب

ادب ۵۵ دوا دارو کرنے کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

ادب ۵۶ مریض کو کھانے پینے پر زیادہ زبردستی مت کرو۔

ادب ۵۷ حرام چیز کو دوا میں استعمال مت کرو۔

ادب ۵۸ خلاف شرع تعویذ گنڈا ٹوٹکہ ہرگز استعمال مت کرو۔

ادب ۵۹ نظر بد اگر لگ جاوے جس کی نظر لگنے کا احتمال ہو اس کا منہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں اور دونوں زانو اور استنجے کا موضع دھلوا کر پانی جمع کر کے اس شخص کے سر پر ڈال دو جس کی نظر لگی انشاء اللہ شفا ہو جاوے گی۔

ادب ۶۰ حتی الامکان معدے کی اصلاح وحفاظت کا اہتمام کرو۔ تمام بدن درست رہتا ہے اور اگر معدے بگاڑ ہوا تو تمام بدن میں بیماری ہو جاتی ہے۔

ادب ۶۱ جن بیماریوں سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے جو شخص ان امراض میں مبتلا ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے تاکہ ان کو تکلیف وایذا نہ پہنچے۔

ادب ۶۲ بدشگونی وغیرہ کا ماننا ایک قسم کا شرک ہے۔

ادب ۶۳ نجوم ورمل اور ہمزاد کا عمل سب چیزیں ایمان کو تباہ کرنے والی ہیں۔

آداب خواب

ادب ۶۴ اگر وحشت ناک خواب نظر آوے تو بائیں طرف تین بار تھتکار دو اور تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھو اور جس کروٹ پر لیٹے ہو اس کو بدل ڈالو اور کسی سے ذکر مت کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ ضرر نہ ہوگا۔

ادب ۶۵ اگر خواب کہنا ہو ایسے شخص سے کہو جو عاقل ہو، یا دوست ہو تاکہ بُری تعبیر نہ دے کیوں کہ اکثر تعبیر کے موافق ہوجاتا ہے۔

ادب ۶۶ جھوٹا خواب کبھی مت بناؤ بڑا سخت گناہ ہے۔

آداب سلام

ادب ۶۷ باہم سلام کیا کرو۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔

ادب ۶۸ سلام میں جان پہچان والوں کی تخصیص مت کرو۔ جو مسلمان مل جاوے اس کو سلام کرو۔

ادب ۶۹ سوار کو چاہیئے کہ پیادے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو، اور کم عمر زیادہ عمر والے کو۔

ادب ۷۰ جو شخص ابتداءً سلام کرتا ہے اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے۔

ادب ۷۱ اگر کئی شخصوں میں سے ایک شخص سلام کرے سب کی طرف سے کافی ہے اسی طرح کئی شخصوں میں سے ایک شخص جواب دیدے بس ہے۔

آداب استیذان

ادب ۷۲ اگر کسی سے ملنے جاؤ تو بدون اطلاع واجازت کے اس کے مکان میں مت جاؤ، اگرچہ وہ مکان مردانہ ہو، اور تین بار پکارنے سے اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ اسی طرح اپنے گھر کے اندر بھی بے کارے اور بے بلائے مت جاؤ شاید کوئی بے پردہ ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص مجلس عام میں بیٹھا ہے اس کے پاس جانے کے لئے اجازت لینے کی حاجت نہیں۔

ادب ۷۳ اگر پکارنے کے وقت مکان والا پوچھے کہ کون تو یوں مت کہو کہ میں ہوں، بلکہ اپنا نام بتلاؤ کہ زید ہے مثلاً

آداب مصافحہ ومعانقہ وقیام

ادب ۷۴ مصافحہ کرنے سے دل صاف ہوجاتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں

ادب ۷۵ محبت سے معانقہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں البتہ بشہوت حرام ہے۔

ادب ۷۶ کسی بزرگ یا معزز آدمی کے آنے کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا مضائقہ نہیں۔ مگر اس کے بیٹھنے سے بیٹھ جانا چاہیئے۔ یہ کفار کی مشابہت ہے کہ سردار بیٹھا ہے اور سب حشم وخدم دست بستہ کھڑے رہیں۔ یہ تکبر کا شعبہ ہے البتہ جہاں زیادہ بے تکلفی ہو اور بار بار اٹھنے سے ان بزرگ کو تکلیف ہوتی ہو تو نہ اٹھے۔

بیٹھنا، لیٹنا، چلنا

ادب ۷۷ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر اس طرح لیٹنا جس سے بے پردگی ہو ممنوع ہے البتہ اگر بدن نہ کھلے تو مضائقہ نہیں۔

ادب ۷۸ بن ٹھن کر اتراتے ہوئے مت چلو۔

ادب ۷۹ چار زانو بیٹھنا اگر براہ تکبر نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

ادب ۸۰ الٹے مت لیٹو۔

ادب ۸۱ ایسی چھت پر مت سوؤ جس میں آڑ نہ ہو، شاید لڑھک کر گر پڑو۔

ادب ۸۲ کچھ دھوپ میں کچھ سائے میں مت بیٹھو۔

ادب ۸۳ عورت اگر بہ ضرورت باہر نکلے تو سڑک کے کنارہ کنارہ چلے بیچ میں نہ چلے۔

آداب مجلس

ادب ۸۴ بے ضرورت لب سڑک مت بیٹھو اور اگر بضرورت سر راہ بیٹھنا ہو تو ان امور کا لحاظ رکھو، نامحرم کو مت دیکھو۔ کسی راہ چلنے والے کو تکلیف مت دو نہ اس کا راستہ تنگ کرو۔ جو شخص سلام کرے اس کا جواب دو، نیک بات تبلاتے رہو، بری بات سے منع کرتے رہو، اگر کسی پر ظلم ہوتا دیکھو اٹھ کر مدد کرو، اگر کوئی راہ بھول گیا ہو اس کو راہ تبلا دو۔ اگر کسی کو سوار ہونے میں یا اسباب لادنے میں معین کی ضرورت ہو اس کی مدد کرو۔

ادب ۸۵ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ مت بیٹھو۔

ادب ۸۶ جو شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا جاوے اور پھر جلدی آکر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ جگہ اسی کا حق ہے۔ دوسرے شخص کو وہاں نہ بیٹھنا چاہیئے۔

ادب ۸۷ صدر مجلس کو مناسب ہے کہ اگر کسی ضرورت سے مجلس سے اٹھنا ہو اور پھر آکر بیٹھنا منظور ہو تو اٹھتے وقت کوئی چیز رومال، عمامہ وغیرہ وہاں چھوڑ دے تاکہ حاضرین کو معلوم ہو جاوے۔

ادب ۸۸ جو دو شخص قصداً مجلس میں ایک جگہ بیٹھے ہوں ان کے درمیان میں بلا ان کی اجازت کے مت بیٹھو۔

ادب ۸۹ جو شخص تم سے ملنے آوے تم کو چاہیئے کہ ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ، گو مجلس میں گنجائش ہو، اس میں اس کا اکرام ہے۔

ادب ۹۰ نہ کسی کی پشت کی طرف بیٹھو، نہ کسی کی طرف پشت کر کے بیٹھو۔

ادب ۹۱ جب مجلس میں جاؤ جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ، یہ نہیں کہ تمام حلقے کو پھاند کر ممتاز جگہ پہنچو۔

ادب ۹۲ چھینکنا راحت بخش چیز ہے لبعد چھینکنے کے الحمد للہ کہے۔ سننے والا یرحمک اللہ کہے۔ پھر چھینکنے والا اس کو کہے یغفر کم اللہ

ادب ۹۳ جب کسی کو کثرت سے چھینک آنا شروع ہوں پھر یرحمک اللہ کہنا ضرور نہیں

ادب ۹۴ جب چھینک آوے تو منہ پر کپڑا یا ہاتھ رکھ لے اور پست آواز سے چھینک لے۔

ادب ۹۵ جمائی کو حتی الامکان روکنا چاہیئے۔ اور اگر نہ رکے تو منہ ڈھانک لینا چاہیئے

ادب ۹۶ بہت زور سے مت ہنسو۔

ادب ۹۷ مجلس میں ناک بھویں چڑھا کر مت بیٹھو۔ حاضرین سے ہنستے بولتے رہو۔ ان میں ملے جلے رہو۔ جس قسم کی باتیں ہوں ان میں شریک رہو بشرطیکہ خلاف شرع کوئی بات نہ ہو۔

آداب متفرقہ

ادب ۹۸ مسلمان کے مسلمان پر یہ حقوق ہیں۔ جب ملے سلام کرو، پکارے تو جواب دو۔ دعوت کرے تو قبول کرو، اور چھینکے تو یرحمک اللہ کہو، جب کہ اس نے الحمد للہ کہا ہو

بیمار ہو جائے تو عیادت کرو۔ مرجائے تو اس کے جنازے کے ہمراہ جاؤ اور جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اس کے لئے پسند کرو۔

ادب ۹۹ اپنے گھر جا کر گھر والوں کو سلام کرو۔

ادب ۱۰۰ خط لکھ کر اس پر مٹی چھوڑ دیا کرو۔

ادب ۱۰۱ لکھتے لکھتے اگر مضمون سوچنے لگو قلم کان میں رکھ لیا کرو اس سے مضمون خوب یاد آتا ہے۔

ادب ۱۰۲ اپنے چھوٹے بچوں سے پیار محبت کرنے میں بھی ثواب ہے۔

ادب ۱۰۳ دوسرے شخص کے کپڑے سے ہاتھ مت پونچھو۔ البتہ اگر اس کو ناگوار نہ ہو تو مضائقہ نہیں مثلاً وہ تمہارا ہی دیا ہوا کپڑا پہن رہا ہے ایسی صورت میں غالباً اس کو ناگوار نہ ہوگا۔

ادب ۱۰۴ مجلس میں کسی کی طرف پاؤں مت پھیلاؤ۔

ادب ۱۰۵ جس سے ملو کشادہ روئی سے ملو، بلکہ تبسم مناسب ہے تاکہ وہ خوش ہو جاوے

ادب ۱۰۶ سب سے اچھا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے۔

ادب ۱۰۷ نہ ایسا نام رکھو جس سے فخر و دعویٰ پایا جاوے نہ ایسا جس کے برے معنے ہوں

ادب ۱۰۸ بندۂ حسن، بندۂ حسین وغیرہ نام مت رکھو۔

ادب ۱۰۹ زمانے کو برا مت کہو کیونکہ زمانہ تو کچھ نہیں کر سکتا وہ بات نعوذ باللہ اللہ کی طرف پہنچتی ہے۔

ادب ۱۱۰ افواہی باتوں کی حکایت کرتے وقت اکثر کہا جاتا ہے کہ لوگ یوں کہتے ہیں اور سننے والا اس کو معتبر خبر جانتا ہے اس لئے اس کہنے سے ممانعت آئی ہے کہ لوگ یوں کہتے ہیں۔ غرض بلا سند بات نہ کہے۔

ادب ۱۱۱ یوں نہ کہو کہ اگر خدا چاہے اور فلانا شخص چاہے یا یہ کہ اوپر خدا نیچے تم بلکہ یوں کہو کہ اگر خدا چاہے پھر فلانا چاہے۔

ادب ۱۱۲ فساق و فجار کے لئے زیادہ تعظیمی الفاظ مت کہو۔

ادب ۱۱۳ برا شعر کہنا تو برا ہی ہے مباح اشعار میں بھی اس قدر مشغولی بری ہے جس

سے دین و دنیا کی ضروریات میں ہرج ہونے لگے اور اسی کی دھن ہو جاوے۔

ادب ۱۱۴ باتیں بہت تکلف سے چبا چبا کر مت کرو نہ کلام میں زیادہ مبالغہ کرو۔

ادب ۱۱۵ اپنے وعظ پر خود عمل نہ کرنے کا بڑا وبال ہے۔

ادب ۱۱۶ کلام میں توسط کا لحاظ رکھے نہ اس قدر طول کرے کہ لوگ گھبرا جاویں نہ اس قدر اختصار کہ مطلب بھی سمجھ میں نہ آوے۔

ادب ۱۱۷ جس طرح عورت کو احتیاط ضروری ہے کہ غیر مرد کے کان میں اس کی آواز نہ پڑے اسی طرح مرد کو احتیاط واجب ہے کہ خوش آوازی سے غیر عورتوں کے روبرو اشعار وغیرہ پڑھنے سے اجتناب رکھے، کیونکہ رقیق القلب ہوتی ہیں ان کی خرابی کا اندیشہ ہے۔

ادب ۱۱۸ گانے بجانے کا شغل قلب کو خراب کر دیتا ہے کیونکہ نفوس میں خبث غالب ہے اور گانے بجانے سے کیفیت موجودہ کو حرکت و قوت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ مقدمہ حرام کا حرام ہے۔

حفظِ لسان

ادب ۱۱۹ مزن بے تامل بگفتار دم نکو گوئی گر بد گوئی چہ غم

بعض اوقات سرسری طور پر ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ جہنم میں لے جاتی ہے جب سوچ کے بولو گے اس آفت سے محفوظ رہو گے۔

ادب ۱۲۰ گالیاں دینا فاسقوں کا کام ہے۔

ادب ۱۲۱ کسی کو فاسق کافر ملعون، خدا کا دشمن، بے ایمان مت کہو، اگر وہ شخص ایسا نہ ہوگا تو یہ سب چیزیں لوٹ کر کہنے والے پر پڑیں گی اسی طرح یہ کہنا کہ فلانے پر خدا کی مار، خدا کی پھٹکار، خدا کا غضب پڑے، یا دوزخ نصیب ہو، خواہ کسی آدمی کو کہا جاوے یا جانور کو یا کسی بے جان چیز کو۔

ادب ۱۲۲ اگر کوئی تم کو سخت کلمہ کہے اسی قدر تم بھی کہہ سکتے ہو۔ اور زیادتی کرنے میں پھر تم گنہگار ہو گے۔

ادب ۱۲۳ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے لوگوں میں بڑی غفلت ہے گناہوں پر بڑی جرأت ہے ونحو ذلک اگر یہ بات تاسفاً و شفقتہً کہی جاوے مضائقہ نہیں اور اگر براہ خود پسندی

وخود بینی کہا جاوے تو یہ اوّل اسی الزام کا مورد ہے جو اوروں پر عائد کر رہا ہے۔

ادب ۱۲۴ دورویہ پن کبھی مت کرو کہ جیسوں میں گئے ویسی ہی باتیں بنانے لگے۔ بقول شخصے جمنا پر گئے جمنا داس، گنگا پر گئے گنگا داس۔

ادب ۱۲۵ چغلوری ہرگز مت کرو۔

ادب ۱۲۶ سچ بولو۔ جھوٹ ہرگز مت بولو۔ البتہ دو شخصوں میں مصالحت کرانے کے لئے جھوٹ بولنے کا مضائقہ نہیں۔

ادب ۱۲۷ کسی کے منہ پر خوشامد سے اس کی تعریف مت کرو۔ اسی طرح غائبانہ بھی تعریف کرنا ہو تو اس میں مبالغہ اور یقینی دعویٰ مت کرو۔ کیونکہ حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے بلکہ یوں کہو کہ میرے علم میں فلاں شخص ایسا ہے اور یہ بھی اس وقت کہو۔ جب اس کو اپنے علم میں ویسا ہی سمجھتے بھی ہو۔

ادب ۱۲۸ غیبت کبھی مت کرو۔ اس سے علاوہ گناہ کے دنیوی طرح طرح کے فساد پیدا ہوتے ہیں۔ اور حقیقت غیبت کی یہ ہے کہ کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو۔ اگرچہ وہ بات اس کے اندر موجود ہی ہو اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے تو وہ غیبت سے بھی بڑھ کر بہتان ہے۔

ادب ۱۲۹ اگر اتفاقاً غلبہ نفس و شیطان سے کوئی معصیت سرزد ہو جاوے تو اس کو گاتے مت پھرو۔

ادب ۱۳۰ بحث مباحثہ میں کسی سے مت الجھو۔ جب دیکھو کہ مخاطب حق بات نہیں مانتا خاموش ہو جاؤ اور ناحق سخن پروری تو بہت ہی بُری ہے۔

ادب ۱۳۱ محض لوگوں کے ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بنانے کی عادت مت ڈالو۔

ادب ۱۳۲ جس کلام سے کوئی دنیوی فائدہ ہو نہ دینی اس کو زبان سے مت نکالو۔

ادب ۱۳۳ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ خطا ہو جاوے اس کو دلسوزی سے نصیحت کرنا تو اچھی بات ہے مگر محض اس کی تحقیر کی غرض سے ملامت کرنا عار دلانا بری بات ہے۔ ڈرنا چاہئے کہیں ناصح صاحب اسی بلا میں نہ مبتلا ہو جاویں۔

ادب ۱۳۴ غیبت جیسے زبان سے ہوتی ہے اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے بھی بلکہ یہ زیادہ قبیح ہے مثلاً آنکھ دبا کر دیکھنا لنگڑا کر چلنا۔

ادب ۱۳۵ زیادہ مت ہنسو اس سے دل مُردہ ہو جاتا ہے یعنی اس میں قساوت وغفلت آجاتی ہے اور چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔

ادب ۱۳۶ جس شخص کی غیبت ہو چکی ہو اور اس سے کسی وجہ سے معاف کرانا دشوار ہو تو ہارے درجے اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اور اس کے ساتھ اپنے لئے استغفار کرو اس طرح اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ۔

ادب ۱۳۷ جھوٹا وعدہ مت کرو حتیٰ کہ بچے کے بہلانے کو بھی جھوٹ مت کہو کہ تجھ کو مٹھائی دیں گے بسکٹ دیں گے۔ اگر کہو تو دینے کی نیت رکھو۔

ادب ۱۳۸ کسی کا دل خوش کرنے کے لئے خوش طبعی کرنا مضائقہ نہیں مگر اس میں دو امر کا لحاظ رکھو۔ ایک یہ کہ جھوٹ نہ بولو۔ دوسرے یہ کہ اس شخص کا دل آزردہ مت کرو۔ یعنی اگر وہ برا مانتا ہے تو ہنسی مت کرو۔

ادب ۱۳۹ حسب نسب یا اور کسی کے مال پر شیخی مت بگھارو۔

حقوق وخدمت

ادب ۱۴۰ ماں باپ کی خدمت کرو گو وہ کافر ہی ہوں۔ اور ان کی اطاعت بھی کرو جب تک کہ خدا اور رسول کے خلاف نہ کہیں۔

ادب ۱۴۱ کسی کے ماں باپ کو بُرا کہنا جس کے جواب میں وہ اس کے ماں باپ کو بُرا کہے گویا خود اپنے ماں باپ کو بُرا کہنا ہے۔

ادب ۱۴۲ والدین کی خدمت کا یہ بھی تتمہ سمجھنا چاہیئے کہ بعد ان کے انتقال کے ان کے ملنے والوں سے سلوک و احسان کیا جاوے۔

ادب ۱۴۳ اعزہ واقارب سے سلوک کرو اگرچہ وہ تم سے بدسلوکی کریں۔

ادب ۱۴۴ ادائے حقوق کے لئے اپنے سلسلہ قرابت کی تحقیق کرلو۔

ادب ۱۴۵ خالہ کا حق بھی مثل ماں کے ہے۔

ادب ۱۴۶ اگر ماں باپ ناخوش مر گئے ہوں تو ان کے لئے ہمیشہ دعا و استغفار کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اُن کو رضامند کر دیں گے۔

ادب ۱۴۷ چچا کا حق مثل باپ کے ہے۔

ادب ۱۴۸ بڑے بھائی کا حق مثل باپ کے ہے۔

ادب ۱۴۹ یوں تو اولاد کی پرورش کا ثواب ہی ہے مگر لڑکیوں کی پرورش کی زیادہ فضیلت ہے۔

ادب ۱۵۰ جو کما کما کر بیواؤں اور غریبوں کی خبر گیری کرے اس کو جہاد کے برابر ثواب ملتا ہے۔

ادب ۱۵۱ یتیم خواہ اپنا ہو یا غیر ہو اس کی کفالت سے سرکار نبویؐ کی معیت بہشت میں نصیب ہو گی۔

ادب ۱۵۲ اولاد کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو علم و لیاقت سکھلاؤ۔

ادب ۱۵۳ پڑوسی کو کسی قسم کی تکلیف نہ دو بلکہ جس قدر ہو سکے نفع پہنچاؤ۔

ادب ۱۵۴ ایک دوسرے کی اس طرح ہمدردی کرو ؎

چوں عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

ادب ۱۵۵ حاجت مند کی کار برآری میں حتی الامکان سعی کرو۔ اگر خود استطاعت نہ ہو کسی سے سفارش ہی کر دو بشرطیکہ جس شخص سے سفارش کرتے ہو اس کو کوئی ضرر یا تکلیف نہ ہو۔

ادب ۱۵۶ ظالم کی خیر خواہی اس طرح کرو کہ اس کو ظلم سے باز رکھو اور مظلوم کی نصرت تو بہت ہی ضروری ہے۔

ادب ۱۵۷ کسی کا عیب دیکھو تو اس کو پوشیدہ کرو گاتے مت پھرو۔

ادب ۱۵۸ کسی کو سختی تنگی میں مبتلا دیکھو تو حتی الامکان اس کی مدد کرو۔

ادب ۱۵۹ کسی کو حقیر مت سمجھو کسی کی جان و مال و آبرو کا نقصان مت گوارا کرو۔

ادب ۱۶۰ کسی کو دکھ مت دو۔

ادب ۱۶۱ جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسرے کے لئے پسند کرو۔

ادب ۱۶۲ جس جگہ صرف تین آدمی ہوں دو آدمی تیسرے سے علیحدہ ہو کر سرگوشی نہ کریں۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میرے بارے میں کچھ کہتے سنتے ہوں گے۔ اس سے اس کو رنج ہوگا۔ اگر ایسی

ہی کوئی ضروری بات کہنا ہے تو ایک اور شخص کو کہیں سے بلالیں یہ دونوں علیحدہ ہو جاویں وہ دونوں علیحدہ

ادب ۱۶۳ سب کی خیر خواہی کرو۔

ادب ۱۶۴ مخلوق پر رحم و شفقت رکھو۔

ادب ۱۶۵ چھوٹوں پر مہربانی بڑوں کی تعظیم کرو خصوصاً بوڑھوں کی۔

ادب ۱۶۶ اگر تمہارے روبرو کسی کی غیبت ہوتی ہو تو حتی الامکان اس سے مدد کو اس کی طرف سے جواب دو۔

ادب ۱۶۷ کسی میں کوئی عیب دیکھو بلطف و نرمی اس کو مطلع کرو ورنہ دوسرا شخص اس کو دیکھ کر اس کو رسوا کرے گا۔

ادب ۱۶۸ اپنے دوستوں سے اور رفیقوں سے اچھی طرح پیش آؤ۔

ادب ۱۶۹ ہر شخص کے رتبے کے موافق اس کی قدر و منزلت کرو۔ سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو۔

ادب ۱۷۰ بڑی سنگدلی کی بات ہے کہ تم پیٹ بھر کر بیٹھے رہو۔ اور تمہارا پڑوسی بھوکا پڑا رہے

ادب ۱۷۱ غرض کی دوستی بالکل ہیچ ہے محض اللہ کے واسطے بے غرض دوستی و صحبت رکھو۔

ادب ۱۷۲ جس شخص سے تم کو محبت ہو اس کو بھی خبر کر دو۔ اس سے اس کو بھی محبت ہو جاتی ہے اور اس کا نام و نشان و نسب بھی دریافت کرو اس سے محبت اور بڑھ جاتی ہے۔

ادب ۱۷۳ جس سے دوستی کرنا ہو اس کا دین و وضع و خیالات اوّل دریافت کر لو ورنہ اثر صحبت سے کہیں تم بھی نہ بگڑ جاؤ۔

ادب ۱۷۴ اگر اتفاقاً کسی سے رنجش ہو جاوے تو تین دن تک غصہ ختم کر دو۔ پھر اس سے مل جاؤ اس سے زیادہ بول چال چھوڑ دینا گناہ ہے اور جو پہلے ملاقات کرے گا اسکو زیادہ ثواب ملیگا

ادب ۱۷۵ کسی پر بدگمانی مت کرو کسی کا عیب مت ڈھونڈو۔ باہم حسد مت کرو بغض مت رکھو، قطع تعلق مت کرو، حرص احرصی مت کرو۔ سب بھائی بن کر رہو۔

ادب ۱۷۶ اگر دو شخصوں میں رنجش ہو جاوے تو اصلاح کر دیا کرو۔

ادب ۱۷۷ اگر تم سے کوئی معذرت کرے اور معافی چاہے اس کا قصور معاف کر دو۔

ادب ۱۷۸ جو کام کرو سوچ سمجھ انجام دیکھ کر اطمینان سے کرو۔ جلدی میں اکثر کام بگڑ جاتے ہیں مگر ع "درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست"۔

ادب ۱۷۹ دانا اس کو سمجھو جو تجربہ کار ہو۔

ادب ۱۸۰ ہر امر میں توسط ملحوظ رکھو۔

ادب ۱۸۱ تم سے کوئی مشورہ لے وہی صلاح دو جس کو اپنے نزدیک بہتر سمجھتے ہو۔

ادب ۱۸۲ کفایت اور انتظام سے خرچ کرنا گویا آدھی معاش ہے لوگوں کی نظروں میں محبوب رہنا گویا نصف عقل ہے اور اچھی طرح کسی بات کا دریافت کرنا گویا نصف علم ہے۔

ادب ۱۸۳ لوگوں سے نرمی و خوش خلقی سے پیش آؤ۔

ادب ۱۸۴ لوگوں سے ملنا اور ان کے کام آنا اور ان کی ایذا پر صبر و استقلال کرنا اس سے بہتر ہے کہ گوشۂ عافیت میں اپنی جان بچا کر بیٹھ رہے اور کسی کے کام نہ آوے۔ البتہ اگر نفس کو بالکل برداشت نہ ہو تو لاچاری ہے۔

ادب ۱۸۵ غصے کو جہاں تک ہو سکے روکو۔

ادب ۱۸۶ تواضع سے رہو تکبر ہرگز مت کرو۔

ادب ۱۸۷ لوگوں سے اپنا کہا سنا لیا دیا معاف کرا لو ورنہ قیامت میں بڑی مصیبت ہوگی۔

ادب ۱۸۸ دوسروں کو بھی نیک کام بتلاتے رہو، بری باتوں سے منع کرتے رہو۔ البتہ اگر قبول کرنے کی امید بالکل نہ ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ یہ ایذا پہنچائے گا تو سکوت جائز ہے مگر دل سے بری بات کو برا سمجھتے رہو۔

سلوک و مقامات

اس میں چند باب اور ایک فائدہ ہے فائدہ جلیلہ صحت طریقۂ اہل تصوف کے بیان میں۔ اوّل تو اوپر کی تقریر سے اس طریق کو صحت معلوم ہو چکی ہے مگر چونکہ اکثر خشک مزاج اس طریق سے انکار کیا کرتے ہیں اس لئے زیادت تقویت و تائید کے لئے

بالاستقلال مختصراً مذکور ہوتا ہے۔ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ج وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ وَإِنْ يَّكُ فِيْ أُمَّتِيْ أَحَدٌ فَإِنَّهٗ عُمَرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰى وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ؁ بعض عارفین کا قول ہے کہ جس کو علم باطن سے کچھ بھی حصہ میسر نہ ہو اس کے خاتمہ برا ہونے کا اندیشہ ہے اور ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو، منکر کی یہی کافی سزا ہے کہ وہ اس سے محروم ہے سے

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

یہ خلاصہ ہے امام غزالیؒ کے ارشاد کا وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ ؁ اس کے بعد ایمان و اسلام کو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ عقائد ضروریہ و اعمال ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے اس کا نام اس حدیث میں احسان آیا ہے اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریق باطن ہے کیونکہ بدون اس طریق کے ایسی حضوری ہرگز میسر نہیں ہوتی اور لاکھوں معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا کہ ہم کو اہل باطن کے پاس بیٹھنے سے ایک نئی حالت اپنے باطن میں عقائد و فقہ کے علاوہ محسوس ہوتی ہے جو پہلے نہ تھی اور اس حالت کا اثر یہ ہے کہ طاعت کی رغبت اور معاصی سے نفرت، عقائد کی پختگی روز افزوں ہے یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ طریق باطن بھی کوئی چیز ہے اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف و کرامات اس درجہ منقول ہیں کہ جس کی انتہا نہیں اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں مگر استقامت شرع کے ساتھ اگر خرق عادات ہوں تو صاحب خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش ضرور ہوتے ہیں۔ یہ خلاصہ ہے قاضی ثناء اللہؒ کے ارشاد کا بہر حال ہمت کا

؁ فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس سمجھا دیا ہم نے وہ واقعہ سلیمان علیہ السلام کو۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق گذرے ہیں تم سے پیشتر امتوں میں صاحب الہام پس اگر ہے میری امت میں کوئی وہ عمر رضؓ ہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور سکھلایا ہم نے اپنے پاس سے ان کو علم۔ ؁ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ ہی رہا ہے

مقتضا تو یہ ہے کہ صاحب ذوق ہو۔ اگر اتنی توفیق نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو۔

پہلا باب بیعت میں

عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ کوئی کمال مقصود بدون استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہ میں آنے کی توفیق ہو، استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے جس کے فیض تعلیم و برکت صحبت سے مقصود حقیقی تک پہنچے ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا ۔۔۔ دامن رہبر بگیر و پس بیا
در ارادت باش صادق اے فرید ۔۔۔ تا بیابی گنج عرفاں را کلید
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق ۔۔۔ عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

چونکہ بدون علامت تلاش ممکن نہیں۔ اس لئے اس مقام پر شیخ کامل کے شرائط و علامات مرقوم ہوتے ہیں۔

اول۔ علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو، خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے تا فساد عقائد و اعمال سے محفوظ رہے اور طالبین کو بھی محفوظ رکھ سکے ورنہ مصداق "او خویشتن گم ست کرا رہبری کند" کا ہو گا۔

دوم۔ متقی ہو یعنی ارتکاب کبائر و اصرار علی الصغائر سے بچتا ہو۔

سوم۔ تارک دنیا راغب آخرت ہو۔ ظاہری باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو ورنہ طالب کے قلب پر برا اثر پڑے گا۔

چہارم۔ مریدوں کا خیال رکھے کہ کوئی امر ان سے خلاف شریعت و طریقت ہو جاوے تو ان کو متنبہ کرے۔

پنجم۔ یہ کہ بزرگوں کی صحبت اٹھائی ہو ان سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں اور یہ ضرور نہیں کہ اس سے کرامات و خوارق بھی ظاہر ہوتے ہوں۔ نہ یہ ضرور ہے کہ تارک کسب ہو دنیا کا حریص و طامع نہ ہو۔ اتنا کافی ہے از قول جمیل، اور باقی متعلقات اس کے مثلاً آداب طالب و شیخ و حکم تعدد شیوخ وغیرہ مسائل جزئیہ میں بیان کئے جاویں گے۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ بیعت اسلام وغزوہ وغیرہ کے مقامات سلوک کی بیعت بھی لی ہے۔ کالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ وَّاَنْ لَّا یَخَافُوْا فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ وَاَنْ لَّا یَسْئَلُوا النَّاسَ شَیْئًا[1] پس اس کے سنت ہونے میں کوئی شک نہیں لعدہ بوجہ اشتباہ بیعت خلافت کے سلف نے صحبت پر اکتفا فرمایا پھر خرقہ کی رسم بجائے بیعت جاری ہوئی۔ جب وہ رسم خلفاء میں نہ رہی صوفیہ نے اس سنت مردہ کو پھر زندہ کیا۔ (قول جمیل) رہی ابتداء اس لقب صوفی کی سو خیر القرون میں تو صحابی تابعی، تبع تابعی امتیاز اہل حق کے لئے کافی القاب تھے۔ پھر خواص کو زہاد کہنے لگے۔ اس وقت اہل حق نے امتیاز کے لئے صوفی کا لقب اختیار کیا اور دوسری صدی کے اندر اس لقب کی شہرت ہو گئی۔ (قشیریہ)

دوسرا باب، ریاضت و مجاہدہ میں

اس میں دو رکن ہیں۔ رکن اوّل مجاہدۂ اجمالی میں جاننا چاہیئے کہ اصول اُس کے چار امور ہیں۔ قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام، قلتِ اختلاط مع الانام۔ ان سب امور میں مرتبہ اوسط حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے۔ نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت وقساوت پیدا ہو۔ نہ اس قدر قلت کرے جس سے صحت و قوت زائل ہو جاوے خلاصہ یہ کہ نفس کے مطالبات دو قسم کے ہیں، حقوق و حظوظ، حقوق وہ جس سے قوام بدن و بقائے حیات ہے حظوظ جو اس سے زائد ہے۔ حقوق کو باقی اور حظوظ کو فانی کرے۔

فائدہ عظیمہ: سالکان طریق نے حزن و غم کو اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ قرار دیا ہے کہ اس سے نفس کو پستی و شکستگی حاصل ہوتی ہے، جو کہ آثار عبودیت سے ہے۔ اور یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سالک کو جو قبض پیش آجاتا ہے وہ علامت اس کے بُعد و طرد کی نہیں کیا عجب کہ اس تصفیہ و مجاہدہ مقصود ہو، ہرگز اس کی شکایت نہ کرے سرِ تسلیم خم کر کے اپنا کام کرتا رہے ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش — بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

[1] جیسے ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنا، اور اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ خیال کرنا اور لوگوں سے کچھ نہ مانگنا

ای دل اندر بند زلفش از پریشانی منال مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

ابو علی دقاق فرماتے ہیں صَاحِبُ الْحُزْنِ يَقْطَعُ مِنْ طَرِيْقِ اللهِ تَعَالٰى مَالَا يَقْطَعُهٗ مَنْ فَقَدَ حُزْنَهٗ سِنِيْنَ ۔ البتہ فکر لایعنی قلب کا ستیاناس کر دیتی ہے۔

دوسرا رکن ریاضت تفصیلی ہے۔ اس میں دو قسم ہیں قسم اول اخلاق حمیدہ میں اور وہ چند مقامات ہیں توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید، توکل، محبت و شوق، اخلاص و صدق، مراقبہ، محاسبہ، تفکر۔ ہر ایک مقام کو ایک فصل میں بیان کیا جاتا ہے مع اس دلیل اور ماہیت و طریق تحصیل کے۔ یہ سب احیاء العلوم سے لیا گیا ہے اور جو مضمون دوسری جگہ کا ہے اس پر حاشیہ لکھ دیا ہے۔

فصل توبہ میں۔ قَالَ اللهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا[1] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْٓا اِلَى اللهِ (رواہ مسلم)

ماہیت۔ خطا کو یاد کرکے دل دکھ جانا۔ اور اس کے لئے لازم ہے اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کو پختہ ارادہ رکھنا کہ اب نہ کریں گے اور خواہش کے وقت نفس کو روکنا۔

طریق تحصیل۔ قرآن و حدیث میں جو وعیدیں گناہوں پر آئی ہیں ان کو یاد کرے اور سوچے اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی یہی توبہ ہے۔

احکام اگر نماز روزہ وغیرہ قضا ہوا ہو اس کی قضا کرے اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہوں ان سے معاف کرالے یا ادا کرے۔

فصل صبر میں۔[2] قَالَ اللهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَّلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ السَّرَّاءُ شَكَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ الضَّرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ (رواہ مسلم)

ماہیت۔ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک دین پر ابھارتی ہے دوسری ہوائے نفسانی پر، سو محرک دینی کو محرک ہوا پر غالب کر دینا صبر ہے۔

---

[1] فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو توبہ کرو۔ اللہ کی طرف توبہ خالص اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ کی طرف توبہ کرو

[2] فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے ایمان والو صبر کرو۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب ہے مومن پر کہ اس کی ہر بات بہتر ہے۔ اور نہیں میسر ہے یہ کسی کو مگر مومن ہی کو اگر پہنچی اس کو خوشی شکر کیا اور اگر پہنچی اس کو سختی صبر کیا پس اس کے لئے بہتر ہے

طریق تحصیل۔ اس قوت ہوا کو ضعیف اور کمزور کرنا چاہیئے۔

فصل شکر میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ اشْکُرُوْا لِیْ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّآءُ شَکَرَ (رواہ مسلم) وَ کَانَ خَیْرًا لَّہٗ۔

ماہیت۔ نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے سمجھنا اور اس سمجھنے سے دو باتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔ ایک منعم سے خوش ہونا۔ دوسری اس کی خدمت گذاری و امتثال اوامر میں سرگرمی کرنا

طریق تحصیل۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرے اور یاد کیا کرے۔

فصل رجا میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ یَعْلَمُ الْکَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الرَّحْمَۃِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِہٖ اَحَدٌ۔ متفق علیہ

ماہیت۔ محبوب چیزوں یعنی فضل و مغفرت و نعمت و جنت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا۔ اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا سو جو شخص رحمت و جنت کا منتظر رہے مگر اس کے حاصل کرنے کے اسباب یعنی عمل صالح و توبہ وغیرہ کو اختیار نہ کرے۔ اس کو مقام رجاء حاصل نہیں وہ دھوکہ میں ہے جیسے کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلہ پیدا ہونے کا منتظر رہے۔ صرف ہوس خام ہے۔

طریق تحصیل۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت اور عنایت کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔

فصل خوف میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ اخْشَوْنِیْ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَ مَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ غَالِیَۃٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ الْجَنَّۃُ۔ رواہ الترمذی

ماہیت۔ قلب کو دردناک ہونا ایسی چیز کے خیال میں جو ناگوار طبع ہو اور اس کے آئندہ

۱؎ فرمایا اللہ تعالیٰ نے شکر کرو میرا۔ ۲؎ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت سے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کافر بھی اللہ کی رحمت کا حال جانے تو اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔

۳؎ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ڈرو مجھ سے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ڈرتا ہے رات ہی سے چلتا ہے اور جو رات سے چلتا ہے منزل پر پہنچ جاتا ہے سن لو اللہ کا سودا گراں ہے آگاہ رہو اللہ کا سودا جنت ہے۔

واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔

طریق تحصیل۔ اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔

فصل زہد میں قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاکُمْ[1] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلُ صَلَاحِ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ الْیَقِیْنُ وَالزُّھْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِھَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

ماہیت۔ کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہونا مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی رغبت کرنا۔

طریق تحصیل۔ دنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے کو اور آخرت کے منافع اور بقا کو یاد کیا کرے اور سوچے۔

فصل توحید میں۔ یہاں توحید افعالی مراد ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ[2] وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَکَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْکَ رواہ احمد والترمذی

ماہیت۔ یہ یقین کر لینا کہ بدون ارادہ خداوندی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔

طریق تحصیل۔ مخلوق کی عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔

فصل توکل میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ[3] وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ رواہ احمد والترمذی۔

---

[1] تاکہ افسوس نہ کرو فوت ہوئی چیز پر اور خوشی سے نہ اتراجاؤ اس پر جو تم کو دیا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول بہتری اس امت کی یقین ہے اور زہد اور اول بگاڑ اس امت کا بخل ہے اور طول امل ہے۔

[2] فرمایا اللہ تعالیٰ نے اللہ ہی نے پیدا کیا تم کو اور تمہارے سب عملوں کو اور فرمایا نہیں چاہتے ہو تم کسی چیز کو مگر یہ کہ چاہیے اللہ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لو کہ اگر سب کے سب متفق ہو جاویں اس پر کہ تم کو کچھ نفع پہنچاویں ہرگز نفع نہ پہنچاویں گے مگر اسی چیز کا جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور اگر سب کے سب متفق ہو جاویں اس پر کہ تم کو کچھ ضرر پہنچاویں ہرگز ضرر نہ پہنچاویں گے مگر اسی چیز کا جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ [3] فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اللہ ہی پر چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مانگو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو اللہ ہی سے مدد چاہو۔

ماہیت۔ صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا۔
طریق تحصیل۔ اس کی عنایتوں اور وعدوں اور اپنی گذشتہ کامیابیوں کا یاد کرنا اور سوچنا۔
فصل ۹ محبت میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ متفق علیہ
ماہیت۔ طبیعت کا مائل ہونا ایسی چیز کی طرف جس سے لذت حاصل ہو۔ یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے اس کو عشق کہتے ہیں۔
طریق تحصیل۔ دنیا کے علائق کو قطع کرے یعنی غیر اللہ کی محبت کو دل سے نکالے کیونکہ دو محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کے کمالات و اوصاف و انعام کو یاد کرے اور سوچے۔
فصل ۱۰ شوق میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ (الآیہ) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَسْاَلُكَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ (رواہ النسائی)
ماہیت۔ جس محبوب چیز کا من وجہ علم ہو اور من وجہ علم نہ ہو اس کو بکمالہ جاننے اور دیکھنے کی خواہش طبعی ہونا۔
طریق تحصیل۔ محبت کا پیدا کرلینا کیونکہ محبت کے لئے شوق لازم ہے۔
فصل ۱۱ انس میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ (رواہ مسلم)
ماہیت۔ جو چیز من وجہ ظاہر و معلوم ہو اور من وجہ مخفی و مجہول ہو اگر وجوہ مخفیہ پر نظر واقع

ف فرمایا اللہ تعالیٰ نے دوست رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اللہ کو اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دوست رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اللہ اسکی ملاقات کو اور جو برا سمجھتا ہے اللہ کی ملاقات کو برا سمجھتا ہے اللہ اسکی ملاقات کو۔

ف اس میں اہل شوق کی تسلی ہے کہ آمال ابو عثمان نے قشیریہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو اللہ کی ملاقات کا امیدوار ہے تو اللہ کی مدت یعنی موت تو آنے والی ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگتا ہوں تجھ سے زیارت تیری وجہ مبارک کی اور شوق تیری ملاقات کا۔

ف انس میں جملہ احوال ہے مقامات میں اس کا ذکر طبعاً آگیا کیونکہ یہ آثار محبت سے ہے۔

ف فرمایا اللہ تعالیٰ نے وہ اللہ ایسا ہے کہ اتارا تسکین اور اطمینان کو مومنین کے دلوں میں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بیٹھتے ہیں لوگ کہ ذکر کرتے ہیں اللہ کا مگر گھیر لیتے ہیں ان کو ملائکہ رحمت اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمت خداوندی اور اترتی ہے ان پر تسکین اور اطمینان اور یاد کرتا ہے اللہ ان کو ان میں جو اس کے پاس ہیں یعنی ملائکہ کی جماعت میں۔

ہو کر اس کے ادراک کی خواہش ہو اس کو شوق کہتے ہیں اور اگر وجوہ معلومہ پر نظر واقع ہو کر اس پر فرح وسرور ہو اس کو انس کہتے ہیں یہ فرحت کبھی یہاں تک غلبہ کرتی ہے کہ مطلوب کے صفات جلال پیش نظر نہیں رہتے۔ اور اس وجہ سے اس کے اقوال و افعال میں کسی قدر بے تکلفی ہونے لگتی ہے اس کو انبساط اور ادلال کہتے ہیں چونکہ یہ بھی آثار محبت سے ہے اس کی تحصیل کے لئے کوئی جداگانہ طریق نہیں ہے۔

فصل [۱۲] رضا میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ [۱] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ سَعَادَۃِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاہُ بِمَا قَضَی اللّٰہُ لَہٗ (رواہ احمد والترمذی)

ماہیت۔ حکم قضا پر اعتراض نہ کرنا، نہ زبان سے نہ دل سے بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی۔ یہ بھی آثار محبت سے ہے اس کی تحصیل کا جداگانہ طریق نہیں ہے۔

فصل [۱۳] نیت وارادہ میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ [۲] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (متفق علیہ)

ماہیت۔ دل کا ابھرنا ایسی چیز کی طرف جس کو اپنی غرض اور نفع کے موافق سمجھتا ہو
طریق تحصیل۔ اس چیز کو مثلاً عمل صالح وسلوک طریق آخرت کے منافع و مصالح کی معرفت حاصل کر کے ان میں غور کرے سے دل کو حرکت پیدا ہوگی۔

فصل [۱۴] اخلاص میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ الاٰیۃ [۳] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا صَلّٰی فِی الْعَلَانِیَۃِ فَاَحْسَنَ وَصَلّٰی فِی السِّرِّ فَاَحْسَنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذَا عَبْدِیْ حَقًّا (رواہ ابن ماجہ)

ماہیت۔ اپنی طاعت میں صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب و رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی

---

[۱] راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ اللہ سے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو سعادت سے ہے راضی رہنا اس پر جو اس کے لئے اللہ نے مقرر کر دیا۔ [۲] اور نہ دور کیجئے محمد ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام (یعنی ہر وقت) چاہتے ہیں خاص ذات باری تعالیٰ کو اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کا اعتبار تو نیت سے ہے [۳] فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور نہیں حکم ہوا ان کو مگر اس کا کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی خالص کرنیوالے ہوں اس کے واسطے دین کو اور طرف سے کھچے ہوئے ہوں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آدمی سب کے سامنے نماز اچھی طرح پڑھتا ہے اور تنہائی میں بھی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرا بندہ ہے ٹھیک ٹھیک۔

خوشنودی و رضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کے قصد کو نہ ملنے دینا۔

طریق تحصیل معالجہ ریا میں معلوم ہوگا کیونکہ ریاء کو دفع کرنا ہی اخلاص کا حاصل کرنا ہے۔

فصل ۱۵ صدق میں۔ مراد اس سے خاص صدق ہے یعنی مقامات میں صادق ہونا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَكْرٍ وَّهُوَ یَلْعَنُ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَعَّانِیْنَ وَصِدِّیْقِیْنَ اِلٰی قَوْلِ اَبِیْ بَكْرٍ لَا اَعُوْدُ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

ماہیت۔ جس مقام کو حاصل کرے کمال کو پہنچاوے اس میں کسر نہ رہے۔

طریق تحصیل۔ ہمیشہ نگران رہے اگر کچھ کمی ہو جاوے تو اس کا تدارک کرے اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہو جاوے گا۔

فصل ۱۶ مراقبے میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ۵ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ (رواہ مسلم) وَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ (رواہ احمد والترمذی)

ماہیت۔ دل سے دھیان رکھنا اس شخص کا جو اس کو دیکھ بھال رہا ہے۔

طریق تحصیل۔ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہے اور کوئی بات کسی وقت اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی عظمت و قدرت و جلال اور اس کے عذاب و عقوبت کو بھی یاد کرے اس کی مواظبت سے وہ دھیان بندھنے لگے گا پھر کوئی کلام خلاف مرضی اللہ تعالیٰ کے اس سے نہ ہوگا۔

ملے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن تو وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر کچھ تردد نہیں کیا اور جہاد کیا اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں یہی لوگ ہیں پورے سچے اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کا گذر حضرت ابوبکر پر ہوا۔ وہ اپنے ایک غلام پر لعنت کر رہے تھے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لعنت کرنیوالے اور پھر صدیق پھر ابوبکر نے کہا اب ایسا نہ کروں گا۔

ملے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک اللہ ہے ہر چیز کا نگہبان ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان یہ ہے کہ بندگی ایسی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ ہی رہا ہے اور فرمایا اللہ کا دھیان رکھو پاؤ گے اپنے مقابل۔

فصل فکر میں قَالَ اللهُ تَعَالیٰ وَیَضْرِبُ اللهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۰ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی۔ رواہ احمد ماہیت۔ دو معلوم چیزوں کا ذہن میں حاضر کرنا جس سے تیسری بات ذہن میں آجاوے مثلاً ایک بات یہ جانتا ہے کہ آخرت باقی ہے۔ دوسری یہ بات جانتا ہے کہ باقی قابل ترجیح کے ہے ان دونوں سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آخرت قابل ترجیح کے ہے ان دونوں چیزوں کا حاضر فی الذہن کرنا ہی اس کی تحصیل کا طریق ہے ان مقامات مذکورہ کی تصحیح سے اور مقامات بھی درست ہو جاتے ہیں۔ تقوی ورع، قناعت یقین، عبودیت، استقامت حیا، حریت فتوت، خلق، ادب، معرفت جن کا ذکر ان نصوص میں ہے۔ اِتَّقُوا اللهَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ۔ اَلْقَنَاعَةُ کَنْزٌ لَا یَفْنٰی۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۰ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ۰ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَیَاءِ۔ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ قولہ علیہ السلام یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۰ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۰ وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ (قشیریہ) چونکہ یہ ترتیب بہت ظاہر ہے اس لئے ہم نے تفصیل کو موجب تطویل سمجھا۔

دوسری قسم اخلاقِ ذمیمہ میں

اور وہ چند چیزیں ہیں۔ شہوت، آفات لسان، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، بخل، حرص جاہ، ریا، عجب، غرور ان چیزوں کا ازالہ کرنا سالک کو ضرور ہے ان کو بھی چند فصلوں میں ذکر کرتے ہیں مثل قسم اول کے یہ بھی احیاء سے منقول ہے۔

فصل شہوت میں۔ قَالَ اللهُ تَعَالیٰ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا

لے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور بیان کرتا ہے اللہ لوگوں کے لئے مثالیں شاید کچھ سوچیں فکر کریں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پس اختیار کرو باقی چیز کو فانی پر۔

سے اور چاہتے ہیں وہ لوگ کہ پیروی کرتے ہیں خواہشوں کی حق سے پھر جاؤ تم بہت پھر جانا۔

ماہیت۔ ظاہر ہے معالجہ مجاہدہ کرنا چاہئیے مجاہدے کا طریق باب دوم میں معلوم ہو چکا ہے۔

فصل آفات لسان میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ؕ[1] وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ صَمَتَ نَجَا رواہ احمد والترمذی) یہ بہت سی آفتیں ہیں فضول باتیں کرنا، خلاف شرع باتیں کرنا، بحث و مباحثہ ناحق کا تکرار لڑائی کرنا، کلام میں بناوٹ و تکلف کرنا، گالی گلوچ کرنا، کسی پر لعنت کرنا، گانا بجانا، دل لگی کرنا، جس سے دوسرے کو ایذا پہنچے یا اس میں زیادہ مشغول کرنا، کسی کا راز ظاہر کر دینا جھوٹا وعدہ کرنا جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسم کھانا یا جھوٹی گواہی دینا، غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، دونوں طرف جا کر دو رویہ باتیں بنانا، کسی کی زیادہ تعریف و خوشامد کرنا، ذات صفات الٰہی میں محض اٹکل پچو گفتگو کرنا، علماء سے فضول باتیں پوچھنا۔

معالجہ۔ جو بات کہنا ہو تھوڑی دیر پہلے تامل کر لے کہ اس سے اللہ تعالیٰ جو کہ سمیع و بصیر ہیں ناخوش تو نہ ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکلے گی۔

فصل غضب میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ[2] وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَغْضَبْ (رواہ البخاری)

ماہیت۔ جوش مارنا خون قلب کا بدلہ لینے کے لئے۔

معالجہ۔ یہ یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر زیادہ قدرت ہے اور میں اس کی نافرمانی بھی کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہو اور یہ سوچے کہ بدون ارادۂ خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا۔ سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیت الٰہی میں مزاحمت کروں اور زبان سے اعوذ باللہ پڑھے اور اگر کھڑا ہو بیٹھ جاوے جو بیٹھا ہو لیٹ جاوے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کر ڈالے۔ اگر اس سے بھی نہ جائے تو اس شخص سے علیحدہ ہو جاوے یا اس کو علیحدہ کر دے۔

فصل حقد میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ[3]

---

[1] نہیں بولتا ہے کچھ بات مگر نزدیک اس کے نگہبان ہے تیار۔

[2] جب کیا ان لوگوں نے کہ کافر ہوئے اپنے دلوں میں کد کد جاہلیت کی! اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ نہ کرو۔

[3] اختیار کر و معاف کر دینے کو اور حکم کرو اچھی بات کا اور منہ موڑ لو جاہلوں سے اور فرمایا رسول علیہ السلام نے آپس میں بغض نہ رکھو۔

الْجَاهِلِيْنَ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَبَاغَضُوْا (متفق علیہ)

ماہیت۔ جب غصے میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی اُس کے ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک گرانی سی ہو جاتی ہے اس کو حقد یعنی کینہ کہتے ہیں۔

مُعالجہ۔ اس شخص کا قصور معاف کر کے اس سے میل جول شروع کرے گو تبکلف سہی، چند روز میں کینہ دل سے نکل جائے گا۔

فصل حسد میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَحَاسَدُوْا (رواہ البخاری)

ماہیت۔ کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گذرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس زائل ہو جاوے۔

معالجہ۔ گو تبکلف ہی سہی اس شخص کی خوب تعریف کیا کرو۔ اور اس کے ساتھ خوب احسان سلوک تواضع سے پیش آؤ۔ ان معاملات سے اس شخص کے قلب میں تمھاری محبت پیدا ہو گی پھر وہ تم سے اسی طور پیش آوے گا۔ اس سے تمھارے دل میں اس کی محبت ہو گی اور حسد جاتا رہے گا۔

فصل حُبِّ دُنیا میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (رواہ مسلم)

ماہیت دنیا۔ جس چیز میں فی الحال حظ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو وہ دنیا ہے۔

معالجہ۔ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے اور مدتوں کے لئے منصوبے اور سامان نہ کرے۔

فصل بخل میں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ

---

[۱] اور پناہ مانگتا ہوں میں حاسد کے شر سے جب حسد کرے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں حسد نہ کرو۔

[۲] اور نہیں ہے زندگانی دنیا مگر دھوکے کی پونجی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔ [۳] جو بخل کرتا ہے وہ نہیں بخل کرتا مگر اپنے آپ سے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجوس آدمی دور ہے اللہ سے دور ہے جنت سے، دور ہے لوگوں سے، قریب ہے دوزخ سے۔

مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ (رواہ الترمذی)

ماہیت ۔ جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروۃً ضروری ہو اس میں تنگ دلی کرنا ۔

معالجہ ۔ مال کی محبت کو دل سے نکالے ۔ اور حبِّ مال کے نکالنے کا وہی طریق ہے جو معالجہ حبِّ دنیا میں مذکور ہوا ۔

فصل حرص میں ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَیَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَی الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَی الْعُمُرِ (متفق علیہ)

ماہیت ۔ قلب کا مشغول ہونا مال وغیرہ کے ساتھ ۔

معالجہ ۔ خرچ گھٹا دے تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو ۔ اور آئندہ کی فکر نہ کرے کہ کیا ہو گا ۔ اور یہ سوچے کہ حریص و طامع ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے ۔

فصل حبِّ جاہ میں ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَی الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِیْنِهٖ (رواہ الترمذی)

ماہیت ۔ لوگوں کے دلوں کا مسخر ہونا جس سے وہ لوگ اس کی تعظیم و اطاعت کریں ۔

مُعالجہ ۔ یوں سوچے کہ جو لوگ میری تعظیم و اطاعت کر رہے ہیں نہ یہ رہیں گے نہ میں رہوں گا پھر ایسی موہوم و فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہے اور دوسرا علاج یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے کہ شرع کے خلاف تو نہ ہو مگر عرفاً اس شخص کی شان کے خلاف ہو اس سے لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جاوے گا مگر مقتدا کو ایسا کام کرنا زیبا نہیں دین میں فتور پڑے گا ۔

فصل ریا میں ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ یَسِیْرَ الرِّیَآءِ شِرْكٌ (رواہ ابن ماجہ)

سلہ ہرگز نہ بڑھاؤ اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف جس سے ہم نے نفع دیا ان کافروں کے مختلف گروہوں کو آرائش زندگانی دنیا کی اور فرمایا رسول اللہ علیہ السلام نے آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور اس کی دو چیزیں بڑھتی رہتی ہیں حرص کرنا مال پر اور حرص کرنا عمر پر ۔

سلہ اور وہ جو دار آخرت ہے کریں گے ہم اس کو ان ہی لوگوں کے لئے جو نہیں چاہتے ہیں زمین میں اپنی بڑائی اور نہ فساد مچانا اور انجام کار واسطے متقیوں کے ہے ۔ اور فرمایا رسول اللہ علیہ السلام نے دو بھوکے بھیڑیئے کہ بکریوں کے گلہ میں چھوڑ دیئے جاویں اس گلہ کو اتنا تباہ نہیں کرتے جتنا آدمی کی حرص مال پر اور جاہ پر اس کے دین کو تباہ کر دیتی ہے ۔ سلہ دکھلاتے ہیں وہ لوگوں کو اور فرمایا ۔

[illegible]

ماہیت۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو جاوے۔
مُعَالجہ۔ حب جاہ کو دل سے نکالے کیونکہ ریا اس کا شعبہ ہے اور عبادت پوشیدہ کیا کرے یعنی جو عبادت کہ جماعت سے نہیں ہے اور جس عبادت کا اظہار ضرور ہے اس کے لئے ازالۂ حب جاہ کافی ہے۔ ایک طریق معالجے کا حضرت سیدی مرشدی مولائی الحاج حافظ امداد اللہ دامت برکاتہم کا ارشاد فرمودہ ہے وہ یہ کہ جس عبادت میں ریا ہو اس کو خوب کثرت سے کرے پھر نہ کوئی التفات کرے گا نہ اس کو یہ خیال رہے گا۔ وہ چند روز میں اسے عادت پھر عادت سے عبادت اور اخلاص بن جاوے گی۔

فصل تکبر میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ ۝ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرٍ (رواہ مسلم)

ماہیت۔ اپنے کو صفات کمال میں دوسرے سے بڑھ کر سمجھنا۔
مُعَالجہ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے اس کے مقابلے میں اپنے کمالات کو ہیچ پاوے گا اور جس شخص کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے اُس کے ساتھ تعظیم و تواضع سے پیش آوے یہاں تک کہ اس کا خوگر ہو جاوے۔

فصل عُجب میں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَمَّا الْمُھْلِکَاتُ فَھَوًی مُّتَّبَعٌ وَّشُحٌّ مُّطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَھِیَ اَشَدُّھُنَّ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ماہیت۔ اپنے کمال کو اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ شاید سلب ہو جاوے
مُعَالجہ۔ اس کمال کو عطائے خداوندی سمجھے اور اس کی استغنا، قدرت کو یاد کرکے

---

[1] تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا ہے اپنی بڑائی کرنے والوں کو۔ اور فرمایا رسول علیہ السلام نے نہیں جائیگا جنت میں وہ جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہو۔ [2] جب کہ بھلا معلوم ہوا تم کو تمہارا زیادہ ہونا۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہے مہلکات سو وہ خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے اور بخل ہے جس کے موافق عملدرآمد ہو اور اچھا سمجھنا آدمی کا اپنے آپ کو اور یہ ان سب سے بڑھ کر ہے۔

ڈرے کہ شاید سلب ہو جاوے۔

فصل غرور میں قال اللہ تعالیٰ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ماہیت۔ جو اعتقاد خواہش نفسانی کے موافق ہو اور اس کی طرف طبیعت مائل ہو کسی شبہ اور شیطان کے دھوکے کے سبب اس پر نفس کو اطمینان حاصل ہونا۔

مُعالجہ۔ ہمیشہ اپنے اعمال و احوال کو قرآن و حدیث و بزرگان دین کے اقوال و افعال سے ملاتا رہے۔ ان رذائل کے ازالہ سے باقی رذائل سب سب دفع ہو جاویں گے ان اوصاف حمیدہ و ذمیمہ کو کسی بزرگ نے دو رباعیوں میں اختصار و اجمال کے ساتھ جمع فرمادیا ہے وہ رباعیاں قابل یاد رکھنے کے بلکہ وظیفہ بنانے کے ہیں۔

رباعی

خواہی کہ شوی بمنزل قرب عظیم
نہ چیز بنفس خویش فرما تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم و یقین
تفویض و توکل و رضا و تسلیم

رباعی

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن از درون سینہ
حرص و امل و غضب و دروغ و غیبت
بخل و حسد و ریا و کبر و کینہ

فصل۔ جاننا چاہیئے کہ مقام مراقبے کے متعلق دو چیزیں اور ہیں۔ ایک مشارطہ کہ مراقبے سے پہلے ہے دوسری محاسبہ جو مراقبے کے بعد ہے۔ مشارطت یہ کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب فہمائش کرے کہ دیکھو فلاں فلاں کام کیجیو فلاں فلاں مت کیجیو۔ اس کے بعد مراقبہ یعنی نگہداشت اس معاہدہ کی رکھنا چاہیئے۔ جب دن ختم ہو پھر سوتے وقت محاسبہ کرے یعنی صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہیں ان کو تفصیلاً یاد کرے جو نیک کام کئے ہوں ان پر شکر الٰہی بجالاوے جو برے کام ہوئے ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش آگئی ہو، اس پر نفس کو ملامت و زجر و توبیخ کرے۔ اور اگر خالی زجر و توبیخ کافی نہ ہو تو کچھ مناسب سزا بھی تجویز کر

ف اور نہ دھوکہ دے اللہ کی باتوں میں تم کو شیطان اور فرمایا رسول اللہ علیہ السلام نے الگ رہنا دھوکے کی گھر یعنی دنیا سے۔

کے عمل در آمد کرے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (احیاء العلوم)

تیسرا باب مسائلِ فرعیہ میں

اس باب میں بعض بعض ضروری مسائل بیان کئے جاتے ہیں چند فصلوں میں۔

فصل۔ بعد وصول کے مردود نہیں ہوتا جو مردود ہوا وصول سے پہلے ہوا۔

فصل۔ اولیاء کو عبادت میں دوسروں سے زائد ثواب ملتا ہے کیونکہ عبودیت و اخلاص زیادہ ہوتا ہے

فصل۔ خرقِ عادت کئی قسم پر ہے ایک قسم کشف ہے وہ دو طرح ہے کشف کونی، کشف الٰہی۔ کشف کونی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے کسی چیز کا حال معلوم ہو جاوے۔ کشف الٰہی یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات صفات کے اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں دوسری قسم الہام ہے کہ صوفی کے دل پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القا ہو کبھی ہاتف غیبی کی آواز سن لیتا ہے تیسری قسم تصرف و تاثیر ہے۔ یہ دو طرح ہے۔ تاثیر کرنا باطن مرید میں جس سے اس کو حق تعالٰے کی طرف کشش پیدا ہو۔ اور تاثیر کرنا دوسری اشیائے عالم میں خواہ ہمت سے یا دعا سے۔ بے شمار حکایتیں اس باب میں اولیاء اللہ سے منقول ہے۔

فصل۔ کشف و الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اگر موافق قواعد شرعیہ کے ہے قبول[1] ہوگا۔ ورنہ واجب الترک[2] ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو لیکن خود کشف کشف میں باہم اختلاف ہوا تو اگر وہ دونوں کشف ایک شخص کے ہیں تب تو اخیر کشف پر اعتماد ہوگا اور اگر وہ دونوں کشف دو شخصوں کے ہیں تو صاحب صحو کا کشف بہ نسبت صاحب سکر کے قابل عمل ہے اور اگر دونوں صاحب صحو ہیں تو جس کا کشف اکثر شرع کے موافق ہوتا ہو وہ قابل اعتبار ہے اور اگر اس میں بھی دونوں برابر ہیں تو جس شخص میں آثار قرب الٰہی و قبولیت کے زیادہ پائے

---

[1] چاہئے کہ دیکھ بھال سے ہر شخص کہ کیا چیز آگے بھیجی ہے کل (قیامت) کے لئے۔ [2] بعض صحابہ نے خواب میں اذان دیکھی اور حضور کے قبول فرمانے سے اس پر عمل ہوا۔ ۱۲ ترمذی اور صحابہ کو غسل نبوی میں تردد ہوا کہ کپڑے اتاریں یا نہیں۔ سب کو اونگھ آئی اور آواز ہاتف کی سنی کہ مع پارچہ غسل دیں اس پر عمل ہوا۔ [3] کیونکہ شریعت دائمی ہے منسوخ نہیں ہو سکتی۔

جاویں اس کے کشف کو ترجیح ہوگی اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو اپنا دل قبول کرے اس پر عمل جائز ہے اور اگر ایک کشف ایک شخص کا دوسرا کشف کئی شخصوں کا ہو تو جماعت کے کشف کو قوت ہوگی۔ البتہ اگر وہ تنہا سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح ہوگی۔

فصل خوارق کا ہونا ولایت کے لئے ضروری نہیں بعض صحابہ سے عمر بھر میں ایک خرق عادت بھی واقع نہیں ہوا حالانکہ وہ سب اولیاء سے افضل ہیں فضیلت کا مدار قرب الٰہی واخلاص عبادت پر ہے۔ خوارق اکثر جوگیوں سے بھی واقع ہوتے ہیں یہ ثمرہ ریاضت کا، خرق عادت کا رتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے۔ صاحب عوارف نے غیر اہل خوارق کو اہل خوارق سے افضل کہا ہے۔ عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر مستقیم ہوں۔ اور بڑا کشف یہ ہے کہ طالبان حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ بعضے اہل کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ رہا یہ شبہ کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا کس طرح معلوم ہو۔ سو اول تو ولایت ایک امر مخفی ہے اس کے معلوم ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر معلوم کرنے سے یہ مقصود ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں تو ان کی صحبت و تعلیم سے شرف حاصل کرو جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے خود ہی معلوم ہو جاویگا کہ یہ شخص صاحب تاثیر ہے

فصل طریق تلاش پیر۔ کمال باطنی کا حاصل کرنا جب ضرور ٹھہرا اور عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ بے توسل پیر کے یہ راہ قطع نہیں ہوتی اس لئے پیر کا تلاش کرنا ضرور ٹھہرا۔ طریق اس کا یوں ہے کہ اکثر درویشوں سے جن پر احتمال کمال کا ہو ملتا رہے اور کسی کی عیب جوئی اور انکار میں مبادرت نہ کرے مگر جلدی سے بیعت بھی نہ کرے اول یہ دیکھے کہ شریعت پر مستقیم ہے یا نہیں اگر مستقیم نہیں اس سے علیحدہ ہو گو خوارق وغیرہ اس سے صادر ہوتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا الآیۃ وَقَالَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۱؎ اور اگر شرع پر مستقیم ہے تو خود اس کا نیک اور ولی

۱؎ اور مت کہا مان تو ان میں سے کسی گنہگار کا اور نہ کسی کافر کا اور فرمایا اللہ نے اور نہ کہا مان تو اس کا جس کے دل کو ہم نے غافل کر دیا اپنی یاد سے اور وہ اپنی خواہش کا پیرو ہے اور ہے اس کا کام حد سے بڑھا ہوا

ہونا تو ثابت ہو گیا۔ مگر اس شخص کو تو ضرورت تربیت و تکمیل کی ہے اس لئے ابھی بیعت نہ کرے۔ بلکہ یہ بھی دیکھے کہ اس کی صحبت سے قلب میں کچھ اثر یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت و دنیا و معاصی کی نفرت پیدا ہوتا ہے یا نہیں کیونکہ حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہی علامت آئی ہے اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ لیکن اکثر عوام کو تھوڑی صحبت میں اس کا محسوس کرنا دشوار ہے اس وقت یوں چاہیئے کہ اس کے مریدوں میں سے جس کو عاقل راست گو دیکھے اس سے شیخ کی تاثیر کا حال معلوم کرے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور حدیث میں ہے اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ اگر کوئی معتبر آدمی شہادت دے اس کا اعتبار کرے۔ اور جو بہت سے آدمی ویسی شہادت دیں تو زیادہ اطمینان کا باعث ہے مگر وہ گواہی دینے والے قرائن سے سچے معلوم ہوتے ہیں مریداں می پرانند کے مصداق نہ ہوں۔ اس اطمینان کے بعد اس سے بیعت ہو جاوے اور اس کے ارشاد کے موافق عملدرآمد کرے۔

فصل تعدد پیر میں۔ اگر ایک شیخ کی خدمت میں خوش اعتقادی کے ساتھ ایک معتدبہ مدت تک رہا۔ مگر اس کی صحبت میں کچھ تاثیر نہ پائی تو دوسری جگہ اپنا مقصود تلاش کرے کیونکہ مقصود خدا تعالیٰ ہے نہ شیخ۔

رباعی

با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت	وز تو نر مید صحبت آب و گلت
زنہار ز صحبتش گریزاں می باش	ورنکند روح عزیزاں بجلت

لیکن شیخ اول سے بد اعتقاد نہ ہو ممکن ہے کہ وہ کامل مکمل ہو۔ مگر اس کا حصہ وہاں نہ تھا۔ اسی طرح اگر شیخ کا انتقال قبل حصول مقصود کے ہو جاوے یا ملاقات کی امید نہ ہو جب بھی دوسری جگہ تلاش کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے دوسرے شیخ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہو سکتا البتہ صاحب نسبت کو احوال کی ترقی ہوتی ہے سو یہ شخص تو ابھی محتاج تعلیم ہے ورنہ کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہ

لہ پس پوچھ لو اہل علم سے اگر ہو تم نہیں جانتے ۔ ٹلہ بیماری جہل کی شفا اور دوا سوال کرنا اور دریافت کر لینا ہے اوروں سے۔

ہوتی لاکھوں قبریں کاملین بلکہ انبیاء کی موجود ہیں۔

فصل۔ اور بلاضرورت محض براہ ہوسناکی کئی کئی جگہ بیعت کرنا برا ہے اس سے بیعت کی برکت جاتی رہتی ہے اور شیخ کا قلب مکدر ہو جاتا ہے۔ اور نسبت قطع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور ہرجائی مشہور ہو جاتا ہے۔

فصل۔ اور اگر شیخ کی صحبت سے قلب میں کچھ تاثیر معلوم ہوتی ہو تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھے۔ اور اس کے عشق و محبت کو دل میں محکم کرے جو اس کی پوری پوری اطاعت کرے اور اس کو خوش رکھے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اس کے تکدر کا باعث ہو کہ اس سے فیوض بند ہو جاتے ہیں۔ سورۂ حجرات کی اول کی آیتوں میں آداب نبویہ تبلائے گئے ہیں۔ شیخ چونکہ خلیفہ کامل نبی کا ہے اس کی محبت و ادب کا بھی وہی حکم ہے۔

فصل۔ مشہور ہے کہ اپنے پیر کو سب سے افضل سمجھے ظاہراً اس میں اشکال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ[۱] پس سمجھنا چاہیئے کہ اگر سکر محبت میں ایسا سمجھا تو معذور ہے! اور اگر غلبہ سکر نہیں ہے تو اتنا سمجھے کہ میری تلاش سے زندہ لوگوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا شخص مجھ کو نہیں مل سکتا ہکذا قال سیدی سندی مرشدی شیخی الحاج الحافظ محمد امداد اللہ دامت برکاتہم۔

فصل۔ شیخ سے اگر احیاناً کوئی فعل قابل اعتراض سرزد ہو جاوے تو اعتراض نہ کرے حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرلے ؎

آں پسر راکش خضر ببرید حلق | سر آں را در نیابد عام خلق
گر خضر در بحر کشتی را شکست | صد درستی در شکست خضر ہست

یا تو تاویل کرلے۔ یا یوں سمجھ لے کہ اولیاء معصوم نہیں ہوتے ہیں اور توبہ سے سب معاف ہو جاتا ہے مگر یہ اس شیخ کے لئے ہے جو شرع کا پابند صاحب استقامت ہو اور اتفاقاً اس سے کوئی فعل ہو جاوے۔ اور اگر اس نے فسق و فجور کو عادت بنا رکھا ہے وہ ولی نہیں

[۱] ہر صاحب علم سے بڑھ کر کوئی ذی علم ہے۔

اس کے قول و فعل کی تاویل کچھ ضرور نہیں۔ اس سے علیحدگی اختیار کرے۔

فصل جس طرح اولیاء کے آداب میں تقصیر ممنوع ہے۔ اسی طرح افراط و غلو اور بھی بدتر ہے کہ اس میں اللہ و رسول کی شان میں تفریط ہوتی ہے مثلاً ان کو عالم الغیب سمجھنا اس سے کفر لازم آتا ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ یا ان کو کسی چیز کے موجود یا معدوم کر دینے پر یا اولاد و رزق وغیرہ دینے پر یا خدا سے زبردستی دلانے پر قادر سمجھنا یہ بھی کفر ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یا ان کے ساتھ عبادت کے طریقوں میں کوئی طریق برتنا۔ مثلاً ان کی منت ماننا یا ان کی قبر کا طواف کرنا۔ یا ان سے دعا مانگنا یا ان کے نام کو عبادۃ جپنا یہ سب بعض معصیت و بدعت کے اور بعض کفر و شرک کے طریقے ہیں قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طَوَافُ الْبَیْتِ صَلٰوةٌ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ تَلَا قولہ تعالٰی وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ وقال اللہ تعالٰی وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ۔ الآیۃ

فصل۔ ولی کبھی کسی نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ نہ عبادت کبھی معاف ہو سکتی ہے بلکہ خواص کو زیادہ عبادت کا حکم ہے البتہ مجذوب کہ مسلوب الحواس ہوتا ہے معذور ہے

ملہ فرمایا اللہ تعالٰی نے نہیں جانتے جو آسمان اور زمین میں ہیں غیب کی بات مگر اللہ اور فرمایا کہہ دو اے محمد کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالٰی کے خزانے ہیں۔ اور نہ یہ کہ میں غیب کی بات جانتا ہوں اور فرمایا اللہ تعالٰی نے کہ لوگ اللہ تعالٰی کے ذرا سے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنے کا کہ خود اللہ چاہے۔

ملہ فرمایا اللہ تعالٰی نے کہہ دو اے محمد کہ میں نہیں مالک ہوں اپنے لئے نفع کا اور نہ ضرر کا مگر جتنا اللہ چاہے ملہ تجھ ہی کو پوجتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ملہ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کرنا نماز کی مثل عبادت ہے اور فرمایا دعا مانگنا بھی بڑی عبادت ہے

نہ ولی معصوم ہوتا ہے نہ صحابہ کے مرتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے لقولہ تعالیٰ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ وقولہ علیہ السلام خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ وَلِاِجْمَاعِھِمْ عَلٰی اَنَّ الصَّحَابَۃَ کُلَّھُمْ عُدُوْلٌ وَبِقَوْلِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُبَارَکٍ مِنَ التَّابِعِیْنَ اَلْغُبَارُ الَّذِیْ دَخَلَ اَنْفَ فَرَسِ مُعَاوِیَۃَ خَیْرٌ مِّنْ اُوَیْسٍ الْقَرَنِیِّ وَعُمَرَ الْمَرْوَانِیِّ۔

فصل۔ قبریں اونچی اونچی اور ان پر گنبد بنانا، عرس میں بڑی دھوم دھوم کرنا، بہت سی روشنی کرنا جیسا آج کل رائج ہے۔ زندے یا مُردے کو سجدہ کرنا سب ممنوع ہے البتہ زیارت کرنا اور ایصال ثواب کرنا اور اگر صاحب نسبت ہو ان سے فیوض لینا یہ سب اچھی باتیں ہیں۔

فصل۔ پیر بھی فارغ نہ بیٹھ رہے۔ کمالات میں ترقی کرتا رہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی[۱] قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا دعویٰ کمال کا نہ کرے ہاں اظہار نعمت میں مضائقہ نہیں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی[۲] فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ وقال اللہ تعالیٰ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ اور افشائے طریقہ پر حریص رہے۔ قال اللہ تعالیٰ حَرِیْصٌ[۳] عَلَیْکُمْ مریدوں کے ساتھ شفقت و محبت سے رہے قال اللہ تعالیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ[۴] ان کی خطا و قصور سے درگذر کرے قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ کُنْتَ[۵] فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْھُمْ دنیاداروں کی خاطر سے ان کو علیحدہ نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَطْرُدِ

---

[۴] اور فرمایا تمہارے رب نے مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا بے شک جو لوگ عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل ہو کر اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تمہاری مثل [۵] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم لوگ بہترین امت ہو اور رسول علیہ السلام نے فرمایا سب زمانوں میں بہتر میرا زمانہ ہے اور اس لئے کہ سب کا اجماع ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں اور بسبب قول عبد اللہ بن مبارک کے جو تابعین میں سے ہیں کہ جو غبار کہ حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں گیا وہ بہتر ہے حضرت اویس قرنی اور حضرت عمر بن عبد العزیز مروانی سے

[۱] فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے رب بڑھا دے میرا علم۔

[۲] فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہ پاکی بیان کرو اپنے نفسوں کی اور فرمایا اور جو نعمت تمہارے رب کی ہے اس کو بیان کرو۔

[۳] فرمایا اللہ تعالیٰ نے وہ رسول حریص ہیں تمہاری بھلائی پر۔ [۴] فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر شفیق اور مہربان ہے۔

[۵] فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر ہوتے تم تند خو سخت دل بیشک چل دیتے وہ تمہارے پاس سے پس معاف کرو ان کے قصور کو۔

[۶] نہ ہٹاؤ اپنے پاس سے ان لوگوں کو جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں اس کی ذات کو اور نہیں تم پر

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ الی قوله فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور مریدوں سے متوقع دنیا و طالب نفع دنیوی کا نہ ہو۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یُرِیْدُوْنَ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا و قَالَ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اور ایذائے خلق پر صبر کرے۔ لقولہ علیہ السلام رَحِمَ اللّٰہُ اَخِیْ مُوْسٰی لَقَدْ اُوْذِیَ اَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ اپنے کو متانت و وقار سے رکھے۔ ورنہ مریدوں کی نظر میں بے وقعتی ہونے سے ان کو فیض نہ ہوگا لِمَا وَرَدَ فِیْ حَقِّہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ یَّرَاہُ مِنْ بَعِیْدٍ ھَابَہٗ وَمَنْ یَّرَاہُ مِنْ قَرِیْبٍ اَحَبَّہٗ وَنَحْوَہٗ اور ایک مرید کو دوسرے مرید پر ترجیح نہ دے۔ لقولہ تعالٰی عَبَسَ وَتَوَلّٰی البتہ اگر ایک کو خدا کی طلب زیادہ ہے اس کو ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں اور ایسی حرکت نہ کرے جس سے خلقت کو بد اعتقادی ہو۔ کہ اس میں طریق ارشاد مسدود ہوتا ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ اول باب سے یہاں تک یہ مضامین ارشاد الطالبین کے ہیں جو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی عمدہ تصانیف میں سے ہے۔

فصل تصور شیخ میں۔ اس کو برزخ اور رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں اس کے یہ معنی تو آج تک کسی محقق نے نہیں فرمائے کہ خدائے تعالٰی کو پیر کی شکل میں سمجھے یہ تو محض باطل ہے اور اگر اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ سے دھوکہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ صورت ناک منہ ہی کو نہیں کہتے مثلاً یہ بولتے ہیں اس مسئلے کی یہ صورت ہے حالانکہ اس مسئلہ کی ناک منہ نہیں ہے۔ بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں۔ تو انسان کو آخر سمع بصر وغیرہ عنایت ہوا ہے اس لئے اس کو صورت حق کہا گیا۔ غرض یہ معنی تصور شیخ کے بالکل بے اصل ہیں۔ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے۔

---

۵۱ فرمایا اللہ تعالٰی نے چاہتے ہو زیب و زینت دنیا کی اور فرمایا نہیں مانگتا ہوں اس پر کسی قسم کا بدلہ۔

۵۲ اللہ تعالٰی میرے بھائی موسٰی پر رحم فرمائے وہ اس سے بھی زیادہ ایذا پہنچائے گئے تھے تب بھی انھوں نے صبر کیا۔

۵۳ کیونکہ رسول اللہ علیہ السلام کے حق میں حدیث میں آیا ہے کہ جو دیکھتا تھا آپ کو دور سے خوف کھاتا تھا اور جو دیکھتا تھا نزدیک سے محبت کرتا تھا یا ایسا ہی کچھ مضمون ہے۔

۵۴ تیور چڑھائے اور منہ موڑا۔ ۵۵ بلانے والے اللہ کی طرف۔

۵۶ تحقیق اللہ نے پیدا کیا آدم کو اپنی صورت پر۔

کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نسبت قوی ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کے برکات ہوتے ہیں۔ اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب قدس سرہٗ نے کشکول میں یہی حکمت فرمائی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں وہر چند برزخ لطیف تر بود واز معانی معقولہ بود کار نیکو بود وہر چند کثیف بود واز صور مرئیہ بود کار زبوں تر بود۔ بہر حال اس میں جو کچھ حکمت و فائدہ ہو راقم کا تجربہ ہے کہ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر۔ کہ صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے اسی واسطے امام غزالیؒ وغیرہ محققین نے عوام اور انبیاء کے لئے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہے اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچانا چاہیئے اور خواص بھی اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں۔ اس کو حاضر ناظر اور ہر وقت اپنا معین دستگیر نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مثالیہ روبرو حاضر ہو جاتی ہے کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفۂ غیبی اس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے اور شیخ[1] کو اکثر اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی اس مقام پر اکثر ناواقف لوگوں کو لغزش ہو جاتی ہے۔

فصل۔ عورتوں کو دست بدست بیعت نہ کرنا چاہیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کو بیعت میں ہاتھ نہیں لگایا۔ اجنبی عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے صاحب محبوب السالکین می نویسد بیعت کنانیدن نسواں این ست اگر نساء غائب ست بوکالت محارم نسبی یا رضاعی بیعت کند و آنچہ شرائط ست بموکلہ بفرمائید و خرقہ و امنی دہد و اگر نسواں حاضر ست در پردہ مرید کند بیعت دست نہ کند چنانچہ عہد با رجال کند با عورت نکند وہم در کتاب

---

[1] جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے وقت اصرار زلیخا کے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی تو شرما گئے۔ یقیناً وہ حضرت یعقوب علیہ السلام نہ تھے۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام ہوتے تو ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر میں ہونا معلوم ہو جانا چاہیئے۔ پھر پریشان ہوتا اور بیٹوں سے جستجو کرنے کے لئے ارشاد فرمانا کیا معنی خوب سمجھ لو۔

مذکور است کہ ایں درحق مردان است کہ ما را قبول کردی ولعورت امر ونہی بسندہ است۔

فصل سماع میں۔ ہر چند یہ مسئلہ اختلافی ہے لیکن اگر مانعین کے دلائل سے بالکل قطع نظر کرکے اس کو جائز سمجھا جاوے تب بھی تو جواز کے بہت سے شرائط ہیں انصاف سے دیکھنا چاہیئے کہ اس زمانے میں کون مجلس ان آداب وشرائط کے ساتھ ہوتی ہے نہ اخوان ہیں نہ زمان نہ مکان۔ صرف ایک رسم رہ گئی ہے ہر قسم کے لوگ مختلف نفسانی اغراض سے جمع ہوتے ہیں۔ اور بزرگوں کے طریقے کی سخت بدنامی ہوتی ہے اس مقام پر صرف حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہٗ کا ارشاد فوائد الفواد سے نقل کیئے دیتے ہیں چند چیز موجود شو سماع آنگاہ شنود۔ آں چیست مسمع است ومسموع ومستمع وآلہ سماع ست فرمودند مسمع گوینده است می باید کہ مرد تمام باشد وکودک وعورت نباشد اما مسموع آنچہ می گوید باید کہ ہزل وفحش نباشد واما مستمع آنکہ می شنود باید بحق شنود مملو باشد از یاد حق و اما آلہ سماع وآں مزامیر است چوں چنگ ورباب ومثل آں باید کہ درمیان نباشد ایں چنیں سماع حلال ست۔ اب آگے انصاف درکار ہے اور اگر ان شرائط سے بھی قطع نظر کی جاوے تب بھی سمجھنا چاہیئے کہ سماع میں ایک خاص اثر ہے کہ کیفیت غالبہ کو قوت دیتا ہے اس زمانے میں چونکہ اکثر نفوس میں خبث وحب غیر اللہ غالب ہے اسی کو غلبہ ہوگا۔ پھر جب حب غیر اللہ حرام ہے تو اس کے سبب کو کیا فرمایئے گا۔

فصل۔ خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی کیونکہ ترقی دوام عمل سے ہے اور اس میں عمل کا انقطاع ہو جاتا ہے۔

فصل۔ شارح گلشن راز فرماتے ہیں کہ محض اہلِ کمال کی تقلید سے بدون غلبہ حال کے خلاف شریعت کلمات منہ سے نکال کر کافر مت بنو۔ صاحب گلشن راز کا شعر ہے ؎

ترا گر نیست احوال مواجید   مشو کافر بنادانی بہ تقلید

فصل۔ مرج البحرین میں ہے کہ اگر سکر وغلبے میں صوفی کے منہ سے کچھ نکل جاوے تو اس پر نہ اعتراض کرو نہ اس کی تقلید طریق اسلم سکوت ہے راقم کہتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر اعتراض نہ کرو۔ باقی وہ بات ضرور قابل اعتراض ہے خصوصاً جب کہ

عوام کو مضر ہو۔ اس وقت اس کی غلطی ظاہر کر دینا واجب ہے۔

فصل ۔ قرآن و حدیث کے ظاہری معنی کا انکار کرنا کفر ہے البتہ ظاہر کو تسلیم کرنا اور اس کے باطن کی طرف عبور کرنا محققین کا مسلک ہے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو وہاں فرشتے نہیں جاتے ۔ اہل ظاہر نے تو کتا پالنے کو بُرا سمجھا مگر دل میں صفات کلبیہ کو ہمیشہ جمع رکھا۔ ان میں تو یہ کسر رہی مگر ایمان موجود ہے جس سے مر پٹ کر جنت تو مل جائے گی۔ منکرین ظاہر نے تو کتا پالنے کی اجازت دی اور کہا کہ مولوی لوگ حدیث کا مطلب نہیں سمجھے ۔ بیت سے مراد قلب ہے اور ملائکہ سے مراد انوار غیبیہ اور کلب سے مراد صفات سبعیہ وغیرہا۔ یہ لوگ شرع کا انکار کر کے کافر اور مستحق جہنم ہوئے محققین نے کہا کہ مطلب تو حدیث کا وہی ہے جو اہل ظاہر سمجھے ۔ مگر اس میں غور کرنا چاہیئے کہ ملائکہ کو کتے سے کیوں نفرت ہے صرف اس کے صفات ذمیمہ سبعیہ و نجاست و حرص و غضب وغیرہ کی وجہ سے تو معلوم ہوا کہ یہ صفات مذموم ہیں۔ پھر جب ظاہری گھر میں کتا رکھنا جائز نہیں تو باطنی گھر میں ان صفات کا رکھنا کیسے جائز ہو گا۔ اس محقق نے ظاہراً کتا پالنے کو بھی حرام کہا کیونکہ وہ مدلول مطابقی ہے اور باطناً ان صفات مذمومہ کے ساتھ متصف ہونے کو بھی حرام کہا۔ کیونکہ وہ مدلول التزامی ہے۔

فصل ۔ اہل کشف نے فرمایا ہے کہ ہر لطیفے میں دس دس ہزار حجابات ظلمانی و نورانی ہیں۔ اور لطیفہ قالبیہ کو ملا کر سات لطیفے ہیں تو ستّر ہزار حجاب ہوئے ذکر سے ظلمت دفع ہوتی ہے اور نور لطیفے کا سالک کا نظر آتا ہے یہ علامت ان حجابات کے اٹھ جانے کی ہے۔ مثلاً حجاب نفس کا شہوت و لذت ہے اور حجاب دل کا نظر کرنا غیر حق پر اور حجاب عقل کا معانی فلسفہ میں خوض کرنا۔ اور حجاب روح کا مکاشفات عالم مثال کے۔ وعلی ہذا ان میں کسی کی طرف ملتفت نہ ہو مقصود حقیقی کی طرف متوجہ رہے اور غیر مقصود کی نفی کرتا رہے ۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برافروخت ۔۔۔ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند ۔۔۔ در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ۔۔۔ مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

فصل اقسام حجاب و وقوف سالک میں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ سالک وہ ہے کہ راہ چلے اور واقف وہ ہے جو بیچ میں اٹک جاوے۔ پس جب سالک عبادت میں کوتاہی کرتا ہے، اگر جلدی سے توبہ و استغفار کر کے بدستور پھر سرگرم ہو گیا تو پھر سالک بن جاوے گا۔ اور خدانخواستہ اگر وہی غفلت رہی تو اندیشہ ہے کہ کہیں راجع یعنی واپس نہ ہو جاوے اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں اعراض حجاب تفاصل، سلب مزید، سلب قدیم، تسلی، عداوت۔ اوّل اعراض ہوتا ہے۔ اگر معذرت و توبہ نہ کی حجاب ہو گیا۔ اگر پھر بھی اصرار رہا تفاصل ہو گیا۔ اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت جو ایک زائد کیفیت ذوق شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و حلاوت کہ زیادتی کے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی۔ اس کو سلب قدیم کہتے ہیں۔ اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارا کرنے لگا یہ تسلّی ہے اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہو گئی نعوذ باللہ منہا۔

چوتھا باب اصلاحِ اغلاط میں

غلطیاں تو بے شمار ہیں، مگر جن میں آج کل لوگ زیادہ مبتلا ہیں ان کی اصلاح چند فصلوں میں ذکر کرتے ہیں۔

فصل۔ اس غلطی کی اصلاح کہ فقیری میں اتباعِ شریعت کی ضرورت نہیں فتوحات میں ہے کُلُّ حَقِیْقَةٍ عَلٰی خِلَافِ الشَّرِیْعَةِ زَنْدَقَةٌ بَاطِلَةٌ اور اسی میں ہے مَالَنَا طَرِیْقٌ اِلَی اللّٰہِ اِلَّا عَلَی الْوَجْهِ الْمَشْرُوْعِ لَا طَرِیْقَ لَنَا اِلَی اللّٰہِ اِلَّا مَا شَرَّعَ اسی میں ہے فَمَنْ قَالَ اِنَّ ثَمَّ طَرِیْقًا اِلَی اللّٰہِ خِلَافَ مَا شَرَّعَ فَقَوْلُهٗ زُوْرٌ فَلَا یُقْتَدٰی بِشَیْخٍ لَا اَدَبَ لَهٗ حضرت بایزید فرماتے ہیں لَوْ نَظَرْتُمْ اِلٰی رَجُلٍ اُعْطِیَ مِنَ الْکَرَامَاتِ حَتّٰی یَرْتَقِیْ فِی الْهَوَاءِ فَلَا تَغْتَرُّوْا بِهٖ حَتّٰی تَنْظُرُوْهُ کَیْفَ تَجِدُوْنَهٗ عِنْدَ الْاَمْرِ وَالنَّهْیِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَاَدَاءِ الشَّرِیْعَةِ۔ حضرت جنید فرماتے ہیں اَلطُّرُقُ کُلُّهَا مَسْدُوْدَةٌ عَلَی الْخَلْقِ اِلَّا عَلٰی مَنِ اقْتَفٰی اَثَرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اور فتوحات میں ہے۔ فَمَا عِنْدَ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یَعْلَمْ بِحُکْمِ

ع۱ جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو بد دینی اور مردود ہے ع۲ نہیں ہے ہمارے لئے اللہ کی طرف کو کوئی راستہ مگر شرعی طور سے اور نہیں ہے کوئی راہ ہمارے لئے اللہ کی طرف کو مگر وہی جو اس نے شریعت میں تبلا دیا ہے۔

ع۳ جو شخص کہے کہ ادھر کوئی اور راہ ہے اللہ کی طرف برخلاف اس کے جو شریعت نے تبلا دیا اس کا قول جھوٹا ہے پس ایسے شیخ کو مقتدا نہ بنایا جاوے جس کو ادب نہ ہو۔

ع۴ اگر تم ایسا آدمی دیکھو کہ کرامتیں دیا گیا ہے یہاں تک کہ ہوا میں اڑتا ہے تو دھوکے میں نہ آجاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور حفظ حدود اور پابندی شریعت میں کیسا ہے۔

ع۵ سب راہیں بند ہیں کل مخلوق پر سوائے اس کے جو قدم بقدم چلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

بِمَكَانٍ فَاِنَّ اللّٰهَ مَا اتَّخَذَ وَلِيًّا جَاهِلًا فِيْهِ اَنَّ الْاِهْلَالَ مَعَ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِّنَ الْعَمَلِ مَعَ الْجَهْلِ۔ اور اس باب میں ہزاروں ارشادات بزرگوں کے مذکور ہیں کہاں تک لکھا جاوے۔ قشیریہ میں حضرت ذوالنون مصری وسری سقطی، وابوسلیمان و احمد بن ابی الحواری وابوحفص حداد، وابوعثمان، ونوری وابوسعید خراز سے اور دوسری کتابوں میں بھی مثل دلیل العارفین ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی ومکتوبات قدوسیہ حضرت شیخ قطب العالم عبدالقدوس گنگوہی اور قوت القلوب ابوطالب مکی وغیرہا میں یہ مضمون نہایت استحکام کے ساتھ مذکور ومنقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر میں اول علم شریعت پھر عمل شریعت کی سخت ضرورت ہے اور بدون اس کے آگے راہ نہیں کھلتی۔ اور کبھی کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرکے اور طریق بدعت کو اختیار کرکے ولی نہیں ہوسکتا۔ جب بدعت قاطع طریق ہے تو کفروشرک کا تو کیا پوچھنا ہے۔ آج کل لوگوں نے علم وعمل کے اڑانے کو دو لفظ یاد کئے ہیں۔ علم کی نسبت حجاب اکبر اور عمل کی نسبت دعوئی آزادی۔

صاحبو حجاب اکبر کے اگر یہ معنی ہوں تو جتنے بزرگوں کے نام لکھے گئے ہیں یہ جھوٹے بلکہ مجوب ٹھہرتے ہیں یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ حقائق کے قاعدے سے اس کے بہت باریک معنی ہیں۔ مگر موٹے سے معنی یہ سمجھو کہ حجاب اکبر اس پردے کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے قریب پڑا رہتا ہے کہ وہاں پہنچ کر بادشاہ کا بہت ہی قریب ہوجاتا ہے تو اس میں علم کی مدح ہے۔ یعنی جب علم حاصل کرلیا تو جتنے حجاب تھے سب اٹھ گئے۔ یہاں تک کہ حجاب اکبر تک پہنچ گیا۔ اب ایک تجلی سے حیرت کا غلبہ ہو یہ حجاب بھی اٹھ جاوے اصل

ھ ۵ نہیں ہے اللہ کے نزدیک جو شخص نہ جانتا ہو اس کے حکم کو کسی مرتبے میں کیونکہ اللہ نے نہیں بنایا کسی جاہل کو ولی۔ اور اسی فتوحات میں ہے کہ باوجود علم کے بیہودگی کرنا بہتر ہے اس عمل سے جو جہل سے ہو۔ فقط اور یہ اس لئے کہ عالم اگر بیہودہ بات بھی کرے تو وہ ایسی خلاف اور بری نہیں ہوتی کہ کفروشرک تک نوبت پہنچ جاوے اور چونکہ اس کی برائی سے واقف ہے توبہ کی امید ہے بخلاف جاہل کے کہ بسا اوقات ضروری اعمال نماز روزہ بھی درست نہیں ہوتا اور بالعلمی سے کفروشرک لازم آجاتا ہے اور چونکہ اس کی برائی سے واقف نہیں توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی

ہو جاوے۔ اور جس نے سرے ہی سے علم حاصل نہیں کیا خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے وہ تو ابھی بہت پردوں کے پیچھے ہے اور بہت دور رہا۔ دعویٰ آزادی تو آزادی کے معنی باب اصطلاحات میں گذر چکے ہیں کہ قید شہوت و غفلت سے آزاد ہونا ہے۔ نہ کہ احکام محبوب حقیقی سے ؎

گر تو خواہی حری و دل زندگی — بندگی کن بندگی کن بندگی
زندگی مقصود بہر بندگی ست — زندگی بے بندگی شرمندگی ست
جز خضوع و بندگی و اضطرار — اندریں حضرت ندارد اعتبار
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی — کفر باشد پیش او جز بندگی
ذوق باید تا دہد طاعات بر — مغز باید تا دہد دانہ شجر

اور اگر یہ شبہ ہے کہ علم حقیقت اگر علم شریعت کے خلاف نہیں ہے تو بزرگوں نے اسرار کو کیوں پوشیدہ کیا ہے۔ شریعت تو اظہار کے قابل ہے۔ تو اس کا حل اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ علم شریعت ہی کو علم حقیقت کہتے ہیں۔ بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ علم حقیقت علم شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ شریعت نے ایک چیز کو حرام یا کفر کہا ہے حقیقت میں وہ حلال اور ایمان ہو جاوے۔ مثلاً دیوانی کا قانون اور ہے فوجداری کا اور۔ مگر یہ نہیں کہ جو چیز قانون اول میں جائز ہو قانون دوم میں ناجائز ہو۔ یا بالعکس۔ ہاں البتہ ہر ایک کے مضامین جداگانہ ضرور ہیں۔ سو یوں تو شریعت میں بھی مضامین مختلفہ ہیں اور خود حقیقت میں بھی۔ مگر وہ مضامین شریعت کے مضامین کی نفی کرتے۔ پوشیدہ کرنے سے جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ تو رفع ہو گیا اب یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ پوشیدہ رکھنے کی کیا وجہ ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ قابل اخفاء کے تین امر ہوتے ہیں۔ ایک اسرار۔ سو امام غزالیؒ نے اس کی کئی وجہ فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مضامین خلاف شرع تو نہیں ہوتے مگر دقیق زیادہ ہوتے ہیں جو عوام کے فہم میں نہیں آسکتے اور ان کو مضر ہوتے ہیں۔ دوسرے تعلیم سلوک کے طریقے اس میں اخفاء کی وجہ یہ ہے کہ اعلان میں اس کی بے قدری اور دوسرے طالب کی ہوسناکی کا احتمال

ہے تیسرے ثمرات مجاہدہ ومکاشفات وغیرہ اس کا اخفاء بوجہ احتمال ریا و دعویٰ کے ہے۔ بغرض کسی امر کا اخفاء اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ مخالف شرع ہے اور اگر فرضاً ایسا ہو تو وہ قابل رد و انکار کے ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس کو دولت وصول میسر ہوتی ہے علم شریعت و اتباع سنّت سے ہوتی ہے اور اگر کسی بزرگ کا کوئی قول فعل خلاف سنّت منقول ہے یا تو سکراً و رغلبۂ حال میں وہ امر صادر ہوا یا وہ حکایات غلط منقول ہیں یا ان سے کسی باریک مسئلہ میں جہاں دلیل شرعی خفی و دقیق تھی خطا اجتہادی ہو گئی جس میں وہ شرعاً معذور ہے۔ اور خدائے تعالیٰ سے ان کو بعد نہیں ہوا۔ یہاں تو کھلم کھلا مخالفت بلکہ اس کی نفی اور اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا جاتا ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع کوئی کام کرنا درست نہیں۔ مثل طواف قبر و سجدۂ مشائخ وغیرہ ان کا ذکر باب مسائل میں بھی آچکا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کی اطاعت بھی جبھی تک ہے کہ وہ اللہ و رسول کے خلاف نہ کہے ورنہ اس شیخ ہی کو سلام رخصت کرنا چاہیئے۔ حضرت نوری فرماتے ہیں۔ مَنْ رَأَيْتَهُ[۵۱] يَدَّعِي مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى حَالَةً تُخْرِجُهُ عَنْ حَدِّ الْعِلْمِ الشَّرْعِيِّ فَلَا تَقْرَبَنَّ مِنْهُ و شیخ سعدالدین شرح رسالہ مکیہ میں فرماتے ہیں اگر بنادانی خود بجاہل یا اہل بدعت ارادت آورد یا از دست او خرقہ بباطل پوشید باز بخدمت شیخ حق رود و تجدید ارادت کند تا گمراہ نشود۔

فصل عورتوں اور مردوں کی مخالطت کا مضر ہونا

جواہر غیبی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص طواف کرتا جاتا تھا اور کہتا تھا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ کسی نے اس کا حال دریافت کیا کہنے لگا کہ ایک بار کسی امرد حسین کو نظر شہوت سے دیکھا تھا۔ اسی وقت غیب سے ایک طمانچہ لگا جس سے آنکھ جاتی رہی یوسف بن حسین فرماتے ہیں رَأَيْتُ[۵۲] اٰفَاتِ الصُّوْفِيَّةِ فِيْ صُحْبَةِ الْاَحْدَاثِ وَمُعَاشَرَةِ الْاَضْدَادِ وَرِفْقِ

۵۱ جس کو دیکھو کہ اللہ کی معیت اور قرب میں ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے کہ حد شرعی سے خارج ہو اس کے قریب مت پھٹکو۔

۵۲ دیکھا میں نے آفات صوفیہ کو امردوں کے میل جول کرنے میں اور ناجنسوں کے ملنے میں اور عورتوں سے نرمی برتنے میں

النِّسْوَانِ شیخ واسطی فرماتے ہیں۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ ھَوَانَ عَبْدٍ اَلْقَاہُ اِلٰی ھٰؤُلَاءِ الْاَنْتَانِ وَالْجِیَفِ یُرِیْدُ بِہٖ صُحْبَۃَ الْاَحْدَاثِ مظفر قرمیسی فرماتے ہیں اَخَسُّ الْاِرْفَاقِ اِرْفَاقُ النِّسْوَانِ عَلٰی اَیِّ وَجْہٍ کَانَ کسی نے حضرت شیخ نصیر آبادی سے کہا کہ لوگ عورتوں کے پاس بیٹھتے اور کہتے ہیں کہ ان کے دیکھنے میں ہماری نیت پاک ہے انھوں نے فرمایا۔ مَادَامَتِ الْاَشْبَاحُ بَاقِیَۃً فَاِنَّ الْاَمْرَ وَالنَّھْیَ بَاقٍ وَّالتَّحْلِیْلُ وَالتَّحْرِیْمُ مُخَاطَبٌ بِہٖ اور غضب یہ ہے کہ بعض اس کو ذریعہ قرب الٰہی سمجھتے ہیں۔ خدا کی پناہ اگر معصیت ذریعہ قرب الٰہی کا ہو تو سارے رنڈی بھڑوے کامل ولی ہوا کریں اور یہ جو مشہور ہے کہ بدون عشق مجازی کے عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا۔ اول تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ دوسرے عشق حلال موقع پر بھی ہوسکتا ہے۔ صرف نکتہ اس قاعدہ میں یہ ہے کہ عشق مجازی سے قلب کے تعلقات متفرقہ قطع ہو جاتے ہیں۔ اور نفس ذلیل ہو جاتا ہے۔ اب صرف ایک بلا کو دفع کرنا رہ جاتا ہے اس کے دفع کرتے ہی کام بن گیا۔ سو یہ غرض تو اولاد بی بی، گائے بھینس ہر چیز کے ساتھ زیادہ محبت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے غیر عورت اور امرد کی کیا تخصیص ہے۔ اور اگر اتفاقاً بلا اختیار کہیں دل پھنس ہی گیا تو اس وقت مجازی سے حقیقی حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ محبوب اور محب میں دوری ہو۔ ورنہ وصل و قرب میں تمام عمر اسی میں مبتلا رہے گا۔ اسی لئے مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

دل باید کہ صورت نمانی ۔۔۔ وزیں پل زود خود را بگذرانی

یہاں تو ہر روز نیا معشوق تجویز ہوتا ہے بقول شاعر ؎

زن نو کن اے یار در ہر بہار ۔۔۔ کہ تقویم پارینہ ناید بکار

حظوظ نفسانیہ ولذات شہوانیہ حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنا رکھا ہے۔

عـــہ جب اللہ کسی بندے کی ذلت خواری چاہتا ہے اس کو گندہ اور سڑیوں کی طرف انہی کو ڈالتا ہے اور اس سے ان کی مراد امردوں سے میل جول کرنا ہے عـــہ نرمی اور مہربانی کرنے میں سب سے برا عورتوں سے نرمی اور مہربانی کرنا ہے جس طرح ہو۔ عـــہ جب تک جسم انسانی باقی ہے امر و نہی بھی باقی ہے اور تحلیل و تحریم کے ساتھ مخاطب ہے۔

اور دل کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے اور خود ان سے بھی پوشیدہ نہیں انصاف اور حق پرستی ہو تو سب کچھ امید ہے۔

خلق را گیرم بہ فریبی تمام　　در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست　　با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کارہا او راست باید داشتن　　رایت اخلاص و صدق افراشتن

فصل۔ مرشد کو خدا جاننا اس غلطی کی اصلاح باب مسائل میں ہو چکی ہے۔

فصل۔ جنت و دوزخ کو موجود نہ سمجھنا یہ اعتقاد صریح قرآن مجید کے خلاف ہے اور اگر اس کی تفصیل دیکھی جاوے تو اس کی تحقیق اور باب مسائل میں ہو چکی ہے اس سے اطمینان کر لیجئے۔

فصل۔ قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنا موٹی بات ہے ۔ اس صورت میں ایسی آیتوں کا کیا مطلب ہوگا مثلاً کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ الایۃ یعنی یہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا۔ یہ کون کہہ رہا ہے اور کس سے کہہ رہا ہے الٰہی تو بہ ایمان تو گیا ہی تھا عقل بھی گئی گذری۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو شیطان نے گرا رکھا تھا۔ میں اس کے کان میں دفعیہ کے لئے اذان کہنے لگا۔ اندر سے شیطان نے پکارا کہ مجھے چھوڑ دو۔ اس کو قتل کر ڈالوں۔ یہ قرآن کو مخلوق کہتا ہے فقط۔ اللہ اکبر قرآن کو حادث اور کلام مخلوق کہنے سے شیطان کو بھی نفرت ہے۔ اور افسوس کہ آدمی کا ایسا اعتقاد ہو۔ پھر ولی ہونے کا دعویٰ۔

فصل ایک غلطی یہ کہ زبان اور پیٹ کی احتیاط نہیں کرتے۔ یعنی زبان سے جو کلمہ چاہتے ہیں بے باک نکال دیتے ہیں۔ خواہ اس سے کفر ہو جاوے یا حق تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی اور گستاخی ہو جاوے یہ نہیں سمجھتے کہ ؎

بے ادب را اندریں رہ بار نیست　　جائے او بر دار شد در دار نیست
از خدا جوئیم توفیق ادب　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

عله ٹوٹا پایا دنیا اور آخرت میں بھی نقصان سے گھٹا ہوا۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق باشد او در لجۂ حسرت غریق

ہر کہ گستاخی کند در راہ دوست رہزن مرداں شد و نامرد اوست

بد ز گستاخی کسوف آفتاب شد عزازیلے ز جرأت ردّ باب

خصوصاً وحدۃ الوجود کے دعوے میں تو زبان کو لگام ہی نہیں کبھی خدا کو بندہ بنا دیا کہیں بندے کو خدا ٹھہرا دیا۔

رباعی

اے بردہ گمان کہ صاحب تحقیقی واندر صفت صدیق و یقیں صدیقی

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

اس مسئلے کی جو خاص غرض تھی کہ غیر اللہ کو دل سے نکال دیا جاوے اس کی تو ہوا بھی نہیں لگتی زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے ؎

از ساحت دل غبار کثرت رفتن خوشتر کہ بہرزہ در وحدت سفتن

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

اور شکم کی بے احتیاطی یہ کہ حلال وحرام کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ سود خوار زن بازاری جو کوئی ہو سب کی دعوت نذرانہ قبول کر لیتے ہیں۔ بزرگوں نے صاف فرما دیا ہے کہ بدون اکل حلال انوار الٰہی نصیب نہیں ہوتے۔ شاہ کرمانی فرماتے ہیں۔ مَنْ[1] غَضَّ بَصَرَهٗ عَنِ الْمَحَارِمِ وَاَمْسَكَ نَفْسَهٗ عَنِ الشَّهَوَاتِ وَعَمَّرَ بَاطِنَهٗ بِدَوَامِ الْمُرَاقَبَةِ وَظَاهِرَهٗ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ وَعَوَّدَ نَفْسَهٗ اَكْلَ الْحَلَالِ لَمْ تُخْطِئْ فِرَاسَتُهٗ۔

فصل۔ ایک غلطی یہ کہ بعض کا اعتقاد ہے کہ فقیری میں کوئی ایسا درجہ ہے کہ وہاں پہنچ کر احکام شرعی ساقط اور معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ اعتقاد صریح کفر ہے۔ جب تک کہ ہوش وحواس قائم رہیں ہرگز احکام شرع معاف نہیں ہو سکتے۔ البتہ بیہوشی کی حالت

---

[1] جس نے جھکائی اپنی آنکھ نادیدنی چیزوں سے اور روکا اپنے نفس کو شہوات لذات سے اور آباد کیا اپنے باطن کو دوام مراقبے سے اور ظاہر اپنے کو اتباع سنت سے اور خوگر کیا نفس کو اکل حلال کا اس کی فراست کبھی خطا نہ کرے گی

یل معذور ہے حضرت ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں عِلْمُ الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ تَدُوْرُ عَلٰی اِخْلَاصِ الْوَحْدَانِیَّةِ وَصِحَّةِ الْعُبُوْدِیَّةِ وَمَا کَانَ غَیْرُ هٰذَا فَهُوَ الْمَغَالِیْطُ وَالزَّنْدَقَةُ کسی نے حضرت جنیدؒ سے ذکر کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو واصل ہو گئے۔ اب ہم کو ان ظاہری احکام کی کیا حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک واصل تو ہو گئے، مگر جہنم واصل ہوئے خدارسیدہ نہیں ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ زنا کرنے والا اور چوری کرنے والا بہتر ہے ایسے شخص سے جس کا یہ اعتقاد ہو۔ اور فرمایا اگر میں ہزار برس زندہ ہوں بلا عذر شرعی وظیفہ بھی ناغہ نہ کروں۔

فصل۔ ایک غلطی یہ ہے کہ اپنے کمالات کا صراحۃً یا اشارۃً دعویٰ افتخار کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کی تحقیر و توہین قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ البتہ اگر اظہار نعمت کی غرض سے کوئی بات موقع کی کہی جاوے اور اس کو اپنا کمال نہ سمجھیں محض فضل خداوندی سمجھیں مضائقہ نہیں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ بعض جہلاء ایک عجیب دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ ہماری نسبت ایسی قوی ہے کہ گناہ کرنے سے بھی اس میں فتور نہیں آتا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ ہم کو لونڈوں، رنڈیوں کے گھورنے سے ترقی ہوتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ نسبت جس کو معصیت سے بقایا ترقی ہو شیطانی نسبت ہے اور ایسی ترقی کو مکر و استدراج کہتے ہیں۔ خدا کی پناہ ایسے شخص کے راہ پر آنے کی کوئی امید نہیں۔ عمر بھر اسی دھوکہ میں پھنسا رہتا ہے رشحات میں ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار فرمودند کہ مکر الٰہی دو ہست۔ یکے بہ نسبت عوام دیگرے بہ نسبت خواص مکرے کہ بہ نسبت عوام ست ارداف نعمت ست۔ باوجود تقصیر در خدمت۔ و مکرے بہ نسبت خواص ست ابقائے حال ست۔ باوجود ترک ادب۔ حضرت شیخ قطب العالم عبد القدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں در کار مستقیم باش و در شرع مستدیم۔ ہر چند استقامت شرع ست در کار ست انوار انوار ست و اسرار اسرار و می آرند مریدے نورے می دید پیش پیر عرض داشت کہ من چنیں نور می بینم پیر دانائے روزگار فرمودہ برو بگشت کاہ از

ل علم فنا و بقا یعنی علم تصوف کا مدار واحدیت کے اخلاص اور عبودیت کے ٹھیک کرنے پر ہے اور جو اسکے سوا ہے وہ سب دھوکہ بازی اور بددینی ہے

حق غیرے بے اذن پیر مرید پنہاں کرد مر نورد پردہ شد مرید پیش پیر ازیں حال عرض داشت پیر حق رسیدہ فرمود خاطر جمع دار کہ آں نور حق ست کہ اگر بار تکاب خلاف شرع آں نور کشوف بوئے نور نبودے بلکہ ظلمت بودے۔ حق نبودے باطل بودے ؎

ہرچہ در دو داعیہ شرع نیست   وسوسۂ دیو بود بے نزاع

فصل۔ ایک غلطی یہ ہے کہ احادیث کے بیان کرنے میں نہایت بے احتیاطی ہوتی ہر حدیث کی تحقیق علمائے حدیث سے کرنا چاہیئے یہ کسی طرح درست نہیں۔ کہ کسی اردو فارسی کی کتاب یا کسی عربی کی غیر معتبر کتاب میں حدیث کا نام دیکھ لیا۔ اور اس سے استدلال شروع کردیا۔ بہت سی عجیب و غریب حدیثیں جن کا کہیں پتہ نہیں مشہور ہیں جیسے اَنَا عَرَبٌ بِلَا عَيْنٍ اور مثل ان کے نہ الفاظ کا پتہ نہ معانی کا نشان۔ حدیث شریف میں اس مقدمے میں سخت وعید آئی ہے مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ اسی قبیل سے یہ دعوے کرنا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کئی ہزار کلمات تصوف کے جو شب معراج میں آپ لائے تھے سب سے علیحدہ تلقین فرمائے۔ اور کوئی اس کے قابل نہ تھا۔ اس دعوے میں کتنے جھوٹ جمع ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ آپ کو کئی ہزار کلمہ تصوف کے معراج میں عطا ہوئے مدعی کو اس کی اطلاع کس طرح ہوئی وہاں تو اس قدر ابہام ہے کہ فرشتے تک کو اطلاع نہیں ہوئی۔ یہ کہاں کھڑے سنتے تھے بھلا اس مقام کا راز کس کو معلوم ہو سکتا ہے ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان   بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

دوسرا جھوٹ یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ نے تلقین خفیہ فرمایا خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خاص باتیں بتلائی ہیں۔ آپ نے نہایت اہتمام سے اس کا انکار کیا اور ارشاد کیا کہ ہمارے پاس کوئی خاص چیز نہیں مگر قرآن مجید کا سمجھنا جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتا ہے۔ سو یہی فہم ثمرہ تھا اس نور نسبت کا جو بدولت صحبت نبوی صلی اللہ علیہ

لہ اور اسی فہم کی بدولت حقائق و اسرار قرآنی آپ پر کشوف ہوتے تھے۔

وسلم آپ کے سینے میں پہنچی تھی۔ اور وہی اب تک سینہ بسینہ منتقل ہوتی آتی ہے یہی معنی ہیں اس قول کے تصوف سینہ بسینہ آتا ہے اور یہ نہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوشیدہ باتیں کانا پھوسی کے ذریعے سے اب تک آرہی ہیں۔ اگر ایسے بے اصل دعوے کا اعتبار کیا جاوے تو تمام کارخانہ ہی درہم برہم ہوا جاتا ہے۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کتابوں میں گو لکھا ہے کہ حاتم بڑا سخی تھا مگر یہ علم سفینہ ہے اور مجھ کو اپنے بزرگوں سے سینہ بسینہ یہ راز پہنچا ہے کہ بڑا کنجوس تھا۔ مگر یہ بات کسی سے کہنا نہیں ورنہ خشک ملانے تم کو جھٹلا دیں گے۔ اسی طرح جس چیز کو چاہو سینہ بسینہ لے آؤ۔ پھر کس چیز کا اعتبار رہے گا۔

تیسرا جھوٹ یہ کہ سب صحابہؓ کو نعوذ باللہ نا قابل ٹھہرایا۔ اور قرآن و حدیث سے صحابہؓ کے خصوصاً خلیفہ اول کے فضائل دیکھو تو سب اشتباہ جاتا ہے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فاضل ترین ہمہ امت حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اند و سید اہل تجرید و بادشاہ اہل تفرید مشائخ حضرت ایشان را مقدم ارباب مشاہد میدارند۔ (جواہر غیبی)

فصل۔ ایک غلطی یہ کہ جس طرح حق تعالیٰ کا جنت میں دیدار ہوگا۔ اسی طرح دنیا میں دیدار کے قائل ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ دنیا میں دیدار کی تمنا کی۔ اور لَنْ تَرَانِی جواب سنا۔ حدیث شریف میں موجود ہے۔ اِنَّکُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا[1] یعنی موت سے پہلے کبھی خدائے تعالےٰ کو نہ دیکھو گے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰی اِلَیْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ[2] رواہ مسلم اب قرآن و حدیث کے بعد اور کون چیز ہے جس پر یقین آوے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ[3] اب عارفین کا کلام سنئے کیا فرماتے ہیں مصباح الہدایہ میں ہے رویت عیاں درجہاں متعذر ست چہ باقی در فانی نہ گنجد۔ اما در آخرت مومناں را موعود ست و کافراں را ممنوع کشف الآثار میں ہے۔

---

[1] تحقیق تم ہرگز نہ دیکھو گے اپنے رب کو جب تک نہ مرجاؤ۔
[2] اس کا حجاب نور ہے۔ اگر اسے اٹھا دے تو اس کے انوار ذاتیہ تک خلقت کو جلادیں یعنی کل خلقت کو۔
[3] اب اس کے بعد کس پر ایمان لاویں گے

روزے در مجلس جناب ارشاد مآب قبلہ کونین غوث الثقلین شیخ محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ مذکور شد کہ فلاں مرید آں جناب می گوید کہ من جناب حق سبحانہ وتعالیٰ را بچشم سر می بینم آں حضرت او را بحضور خود خواندو پرسیدند اعتراف نمود۔ پس آں جناب او را ازیں قول منع فرمودند و عہد گرفتند کہ بار دیگر ایں چنیں نہ گوید۔ حاضراں سوال کردند کہ ایں مرد محق ست یا مبطل فرمودند محق ست لیکن امر برو ملتبس گشتہ و بچشم آن ست وے بچشم سر نور جمال را دید و رہماں وقت از بصیرت کہ رویت قلبی ست شوراخے بطرف بصر او پیدا گشت شعاع بصر ش منور شد و حق تعالیٰ متصل شد پس آنچہ ببصیرتش مشاہدہ کرد مظنون او شد کہ ببصر من دیدہ است و فرق نہ کرد کہ ایں جا دو رویت ست حضرت شیخ قوام الدین کا ارشاد ہے مکاشفہ نہ آنست کہ رویت حق سبحانہ تعالیٰ ادراک کنند ویاد ریابند ہرچہ خواہی نام نہ رویت قلبی راخواہ رویت بصیرت گو خواہ مکاشفہ خواہ مشاہدہ۔ باصطلاح صوفیہ رویت قلبی ست نہ رویت عیانی کہ بحاسہ بصر تعلق دارد۔ بحر العلوم شرح مثنوی میں فرماتے ہیں۔ دریں تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام مشاہدہ حق سبحانہ تعالیٰ نمودند و بہ سبب مشاہد فانی شدند و رویت حاصل نشد مکتوبات قدوسی میں ہے آنچہ اینجا بود یقین گویند کہ حجاب درمیان ست و آنچہ آنجا بود عیان نامند کہ ارتفاع حجاب ازمیان ست انوار العارفین احیاء العلوم میں ہے مَرْئِيٌّ بِالْاَعْيُنِ وَالْاَبْصَارِ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ دَارُ الْقَرَارِ وَلَا يُرٰى فِي الدُّنْيَا مُخْتَصَرًا اور کتب سلوک میں مقام فنا میں جو مشاہدہ ہونا لکھا ہے وہ رویت قلبی ہے جیسا اوپر گذر چکا ہے۔ اور نیز مقام فنا مشابہ خواب کے ہوتا ہے۔ سو خواب میں اللہ تعالےٰ کا دیکھنا ممکن ہے۔

تنبیہ۔ بعض اوقات سالک روحانی تجلی کو تجلی ربانی سمجھ کر گمراہ ہوتا ہے اس مقام پر شیخ کامل محقق کی ضرورت ہے۔ در مکتوبات چہارم حضرت یحییٰ منیری ست بداں کہ تجلی عبارت از ظہور ذات و صفات الوہیہ است جل جلالہ و روح را نیز تجلی باشد

وبسیار روندگان درین مقام معزور شدہ اند و پنداشتند کہ تجلی حق یافتند اگر شیخ صاحب تصرف نباشد ازین ورطۂ خلاصی دشوار بود۔ اکنوں بدان کہ فرق ست میان تجلی ربانی وتجلی روحانی چوں آئینۂ دل از کدورت وجود ماسوی اللہ صقالت پذیرد مشرقۂ آفتاب جمال حضرت گردد وجامِ جہاں نمائے ذات وصفات او شود ولیکن نہ ہر کس را این سعادت مشاہدہ نماید از میان روندگان صاحب دولتے باشد کہ چوں آئینۂ دل از صفات بشریت صاف کند بعضی صفات روحانی بر دل وے تجلی کند پس گاہ بود کہ ذاتِ روح کہ خلیفہ حق است در تجلی آید و بخلافت خود دعویٰ اناالحق کردن گیرد وگاہ بود کہ جملہ موجودات را پیش تخت خلافت روح در سجود بیند۔ در غلط افتد واند کہ مگر حضرت حق ست قیاس برین حدیث اِذَا تَجَلَّى اللّٰهُ لِشَيْءٍ خَضَعَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وازین جنس غلطہا بسیار افتد کہ تجلی روحانی سمت حدوث دارد وآن را قوت افنا نباشد واز تجلی روحانی عزور وپندار پدید آید ودر طلب نقصان پدید آید واز تجلی حق سبحانہ وتعالیٰ این جملہ برخیزد وہستی بہ نیستی مبدل شود ودر طلب بیفزاید وتشنگی زیادہ کردد اور بعض بزرگوں کے جو اس قسم کے اقوال ہیں ؎

دیگراں را وعدۂ فردا بود　　بیک مار القدہم اینجا بود

اس کے معنی شیخ عبدالقدوس فرماتے ہیں۔ معنے او آن است آنچہ آنجا وعدہ برویت بود اینجا بچشم یقین مشاہدہ این منقود را محققان مشاہدہ خوانند محض رویت دانند۔

رفع اشتباہ

بعض بزرگوں کے کلام میں جو تجلی ذاتی کا لفظ پایا جاتا ہے اس سے دھوکہ نہ کھاویں کیونکہ یہ اصطلاحی لفظ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ سالک کی توجہ الی الذات میں اس قدر استغراق ہو جاوے کہ غیر ذات کی طرف اصلا التفات باقی نہ رہے۔ حتیٰ کہ صفات بھی اس وقت ذہن میں مستحضر نہ رہیں۔ اور ایک معلوم کے حضور سے دوسرے معلومات کی غیبت محل استبعاد نہیں بلکہ بکثرت واقع ہے سو اس کو رویت سے کوئی علاقہ نہیں۔ علم الکتب میں اس تفسیر کی تصریح کی ہے۔ علاوہ اس کے خود لغوی معنی

کے اعتبار سے بھی تجلی ورویت میں فرق ہے کیونکہ تجلی کے معنی ہیں ظہور کے، سو یہ صفت حق تعالیٰ ہے۔ اور رویت کے معنے ہیں دیکھنا، سو رویت ذات میں یہ صفت عبد کی ہے تجلی کے اثبات سے رویت کا اثبات لازم نہیں آتا کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوا کہ ذات کی طرف ظہور ہو سکتا ہے مگر عبد کی طرف سے دید وبینش نہیں ہوتی سو اس میں کوئی اشکال نہیں یہی وجہ ہے کہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تجلی کا اثبات فرمایا ہے بقولہ تعالیٰ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ۔ اور رویت کی نفی فرمائی ہے بقولہ تعالیٰ لَنْ تَرٰىنِیْ۔ غرض قرآن وحدیث وکلام اہل حق سے واضح ہے کہ رویت ذات حق تعالیٰ کی آخرت میں بلاکیف واقع ہوگی۔ اور دنیا میں ممتنع ہے اور بعض اکابر کے کلام میں جو امکان کا کلمہ کہا ہے اور امتناع کو معتزلہ کا مذہب قرار دیا ہے اس سے مراد امکان وامتناع عقلی ہے نہ شرعی اور مدعا ہمارا امتناع شرعی ہے۔ بوجہ ورود نصوص عدم الوقوع کے دنیا میں۔ اور امتناع عقلی مدعا نہیں ورنہ آخرت میں کیسے وقوع ہوتا اس لئے کہ مستحیل عقلی ممکن نہیں ہو سکتا، چہ جائے وقوع فقط

فصل۔ ایک غلطی یہ کہ شیخ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت جسد عنصری خدا سمجھنا یہ اعتقاد صریح کفر ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا تغیر، تبدل، حدوث احتیاج، تقیید، حلول واتحاد، ہزاروں خرابیاں لازم آتی ہیں۔ ظاہری جسد ظاہری حواس سے محسوس ہے، وہاں تو اس قدر تنزہ یہ ہے کہ حواس باطنی اور عقل کی بھی رسائی نہیں خیال وفکر میں جو چیز آوے اللہ تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کی فرماتے ہیں۔ كُلُّ مَا تَوَهَّمَهٗ قَلْبُكَ اَوْ سَنَحَ فِیْ مَجَارِیْ فِكْرِكَ اَوْ خَطَرَ فِیْ مُعَارِضَاتِ قَلْبِكَ مِنْ حُسْنٍ اَوْ بَهَاءٍ اَوْ اُنْسٍ اَوْ جَمَالٍ اَوْ ضِیَاءٍ اَوْ شَبَحٍ اَوْ نُوْرٍ اَوْ شَخْصٍ اَوْ خَیَالٍ فَاللّٰهُ تَعَالٰى بَعِیْدٌ مِنْ ذٰلِكَ اَلَا تَسْمَعُ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

پانچواں باب موانع طریق میں

یاں تو جتنے معاصی اور تعلقات ماسوائے اللہ ہیں سب اس راہ کے رہزن ہیں۔ مگر چند ضروری چیزوں کو چند فصول میں بیان کیا جاتا ہے۔

فصل۔ ایک مانع مخالفت کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کا بیان اوپر گذر چکا ہے افسوس اس زمانے رسوم بدعات کی بڑی کثرت ہے اور تصوف ان ہی رسوم کا نام رہ گیا ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ جو حقیقت تصوف کی تھی کہ فنا و بقار کی نسبت حاصل کریں اس کے معنے بھی نہیں جانتے ان رسوم کے مقید ہو گئے۔ ابوالعباس دینوریؒ نے اپنے زمانے کا حال فرمایا ہے تو ہمارے زمانے کا کیا ٹھکانا ہے ان کا ارشاد ہے۔ نَقَضُوْا اَرْکَانَ التَّصَوُّفِ وَھَدَمُوْا سُبُلَہَا وَغَیَّرُوْا مَعَانِیَہَا بِاَسَامِیْ اَحْدَثُوْہَا سَمَّوُا الطَّمَعَ زِیَادَۃً وَسُوْءَ الْاَدَبِ اِخْلَاصًا وَالْخُرُوْجَ عَنِ الْحَقِّ شَطْحًا وَالتَّلَذُّذَ بِالْمَذْمُوْمِ طِیْبَۃً وَاتِّبَاعَ الْہَوٰی اِبْتِلَاءً وَالرُّجُوْعَ اِلَی الدُّنْیَا وَصْلًا وَسُوْءَ الْخُلُقِ صَوْلَۃً وَالْبُخْلَ جَلَادَۃً وَالسُّؤَالَ عَمَلًا وَبَذَاءَۃَ اللِّسَانِ مَلَامَۃً وَمَا کَانَ ھٰذَا طَرِیْقَ الْقَوْمِ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ان رسوم کی نسبت فرماتے ہیں نسبت صوفیہ غنیمتے ست کبریٰ و رسوم ایشاں ہیچ نمی ارزد۔

فصل۔ ایک مانع یہ ہے کہ غلطی سے کسی بے شرع پیر سے بیعت کر لی اب ساری عمر اسی کو نباہتا رہا۔ جب وہ خود واصل نہیں تو اس کو کیسے واصل کرے گا حضرت بندارؒ کا قول ہے صُحْبَۃُ اَھْلِ الْبِدَعِ تُوْرِثُ الْاِعْرَاضَ عَنِ الْحَقِّ شیخ قوام الدینؒ فرماتے ہیں اے درویش محک و معیار این کار کتاب و سنت ست و سیر سلف کہ اہل اقتدا بودند نہ اجازت مجرد و مقام متبرک کہ فلاں فرزند درویش ست درجائے آبا و اجداد خود نشستہ و چیزے کہ از شان شیخی مخالف معیار ست آں فاسد و باطل۔ یعنی اگر قول و فعل شیخ مخالف کتاب و سنت و اجماع بود ہیچ نباشد آں شیخ لائق شیخی و مقتدائی نبود ہر کہ بدو اقتدا کند بمقصود نرسد، بلکہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کامل سے بیعت کرے۔ شیخ سعد الدینؒ فرماتے ہیں اگر از نادانی خود بجاہل یا اہل بدعت ارادت آورد تجدید ارادت کند و از دست

۱ے عنقریب ایسا زمانہ آئیگا لوگوں پر کہ نہیں باقی رہیگا اسلام سے مگر نام اس کا اور نہیں باقی رہیگا قرآن سے مگر لفظ اور نقوش

۲ے توڑ دیا لوگوں نے ارکان تصوف کو اور تباہ کر دیا اس کے طریقوں کو اور بدل دیا اس کے معنوں کو ایسے ناموں سے جو خود گھڑ لئے۔ طمع کا ہبات نام رکھا اور بے ادبی کا اخلاص اور دین حق سے نکل جانے کو شطح اور بری چیزوں سے لذت لینے کا خوش طبعی اور خواہش کی پیروی کا امتحان اور دنیا کی طرف لوٹ آنے کا وصل اور بدخلقی کا رعب اور بخل کا قوت اور سوال کا عمل اور بد زبانی اور جھگڑا گوئی کا ملامت اور نہیں ہے قوم کا یہ طریقہ۔ ۳ے بدعتیوں کی صحبت اللہ سے منہ موڑ لینے کے باعث ہوتی ہے۔

او خرقہ پوشد تا گمراہ نشود۔ اور یہ مشہور ہے شیخ من خس ست اعتقاد من بس ست سو اول تو ایسے جاہل فاسق آدمی سے اعتقاد باقی رہنا مشکل ہے۔ دوسرے یہ قاعدہ کلیہ نہیں شاذ و نادر ایسا بھی ہوگیا ہے جو اس فن سے ذرا بھی واقف ہے جانتا ہے۔ کہ وصول مطلب کا طریقہ شیخ کامل کی صحبت و تعلیم ہے۔ ولبس۔ اور شیخ کامل وہی ہے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا۔ تیسرے یہ کہ اس سے بے شرع پیر مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر پیر بہت بڑے درجے کا کامل نہ ہو مگر شرع کے خلاف نہ ہو تو یوں سمجھے کہ اگرچہ ان سے بڑھ کر اور کامل ہوں۔ مگر میرے لئے یہی کافی ہے اور میرا اعتقاد مجھے مقصود تک پہنچا دے گا۔

فصل۔ ایک مانع لڑکوں عورتوں کو دیکھنا یا ان کے پاس بیٹھنا، اٹھنا ہے اس کا بیان بھی اوپر ہوچکا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں اپنے پیر کے ساتھ چلا جاتا تھا کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر اپنے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت کیا اللہ تعالیٰ اس صورت کو عذاب دیں گے انھوں نے فرمایا کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جلدی اس کا نتیجہ بھگتو گے وہ کہتے ہیں بیس برس بعد میں قرآن بھول گیا اسی طرح عورتوں سے ملنا جلنا خدا تعالیٰ سے کوسوں دور پھینکتا ہے باب الاغلاط میں بتفصیل مرقوم ہوچکا ہے۔

فصل۔ ایک مانع زبان درازی اور دعویٰ کمالات و دعوئے توحید اور گستاخی بے ادبی شریعت کے ساتھ یا حق تعالیٰ کے ساتھ۔ اس کا بیان بھی اوپر ہوچکا ہے۔

فصل۔ ایک مانع شیخ کی تعلیم سے زائد ٹوٹ کر مجاہدہ کرنا کہ چند روز میں گھبرا کر وہ تھوڑا تعلیم کیا ہوا بھی چھوٹ جاوے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا (رواہ الشیخان)

فصل۔ ایک مانع یہ کہ حصول ثمرات و مجاہدہ میں تقاضا و عجلت کرنا کہ اتنے دن مجاہدہ کرتے ہوگئے۔ اب تک کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے۔ کہ یا تو شیخ

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال میں سے اتنا اختیار کرو کہ اکتا و نہیں کیونکہ اللہ نہیں اکتا تا جب تک تم نہ اکتا جاؤ

سے بد اعتقاد ہو جاتا ہے یا مجاہدہ ترک کر دیتا ہے۔ طالب کو سمجھنا چاہیئے۔ کہ کوئی چیز بھی ایسی دفعۃً حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو یہی شخص کسی وقت بچہ تھا۔ کتنے دن میں جوان ہوا۔ پہلے جاہل تھا کتنے دنوں میں عالم ہوا۔ غرض عجلت و تقاضا گویا اپنے ہادی پر فرمائش ہے
اگر کسی وقت دل گھبرایا کرے ان اشعار سے تسلی کر لیا کرے۔

اشعار

قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع ... عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن
سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب ... لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ماہہا باید کہ تا یک مشتِ پشم از پشت میش ... صوفی را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہا باید کہ تا یک پنبہ از آب و گل ... شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
روزہا باید کشیدن انتظار بے شمار ... تا کہ در جوف صدف باران شود در عدن

فصل۔ ایک مانع یہ کہ شیخ سے محبت و عقیدت میں فتور ڈالنا یا اس سے بڑھ کر یہ کہ شیخ کا آزردہ کرنا حدیث میں ہے۔ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔

ف۱ جو میرے دلی سے عداوت کرے میں اس کو لڑائی کی اطلاع دیتا ہوں۔

چھٹا باب وصایائے جامعہ میں

اس میں چند فصلیں ہیں۔

فصل۔ امام قشیری کے وصایا کا خلاصہ یہ ہے کہ اول عقائد موافق اہل سنت و جماعت درست کرے۔ پھر ضرورت کے موافق علم حاصل کرے خواہ درس سے یا صحبت علماء سے۔ اور اختلافی مسئلہ میں احتیاط پر عمل کرے۔ اور معاصی سے توبہ خالص کرے اور اہل حقوق کو راضی کرے۔ مال و جاہ کے تعلقات کو قطع کرے۔ اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے نہ اس پر کوئی اعتراض کرے اپنے باطنی حالات شیخ سے پوشیدہ نہ کرے اور کسی سے ظاہر نہ کرے اگر کچھ قصور شیخ کا ہو جاوے فوراً معذرت کرے اور اقرار خطا کا کرے تاویل نہ کرے بلا ضرورت شدیدہ سفر نہ کرے۔ بہت ہنسے نہیں کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے۔ اپنے پیر بھائیوں پر حسد نہ کرے۔ لڑکوں عورتوں کی صحبت سے بچے۔ بلکہ ان سے زیادہ گھل مل کر باتیں بھی نہ کرے جب تک صاحب نسبت نہ ہو جاوے کسی کو مرید نہ کرے۔ آداب شرع کا بہت پاس رکھے۔ مجاہدہ و عبادت میں سستی نہ کرے۔ تنہائی میں رہے۔ اگر مجمع میں رہنے کا اتفاق ہو تو ان کی خدمت کرے۔ اپنے کو ان سے کم سمجھ کر برتاؤ کرے۔ دنیا داروں کی صحبت سے پرہیز رکھے۔

فصل۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وصایا کا خلاصہ یہ ہے کہ بلا ضرورت و مصلحت دینی اغنیاء سے صحبت نہ رکھے۔ صوفیان جاہل اور جاہلان عابد اور علمائے زاہدان خشک اور جو محدثین اہل فقہ سے عداوت رکھیں، اور جو لوگ کلام و معقول میں انہماک رکھتے ہیں۔ ان سب کی صحبت سے بچے۔ ایسے شخص کے پاس بیٹھے جو عالم صوفی ہو۔ دنیا کا تارک ذکر اللہ و اتباع سنت کا عاشق اور مذاہب میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے کہ حنفیوں کا مذہب سب سے اچھا ہے یا شافعیہ کا سب سے بڑھ کر ہے۔ اپنے مذہب پر عمل کرتا رہے نہ صوفیوں کے طرق میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کہ چشتیہ کی نسبت بڑے زور کی ہے۔ دوسرا کہے کہ نقشبندیوں میں اتباع سنت زیادہ ہے اور اسی قسم کے خرافات سے بچے جو لوگ مغلوب الحال

ہیں یا کسی تاویل سے کوئی امر کرتے ہیں جو اس شخص کے نزدیک خلاف سنت ہے ان کو برا بھلا نہ کہے اور خود وہی کرے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہے۔

فصل۔ اس فصل میں حضرت سیدنا مرشدنا الشیخ الحافظ الحاج محمد امداد اللہ صاحب کی وصایا کا خلاصہ لکھ کر رسالہ ہذا کو ختم کرتا ہوں اس کو اخیر میں اسی واسطے لکھا کہ خاتمہ میں برکت ہو ورنہ میرا حق یہ تھا کہ اس کو سب سے مقدم کرتا ؎

وَلِلنَّاسِ فِیمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

طالب حق پر لازم ہے کہ اول مسائل ضروری و عقائد اہل سنت وجماعت کے حاصل کرے پھر ان مسائل سے تزکیہ کرے۔ حرص، امل، غضب، جھوٹ، غیبت، بخل، حسد، ریا، تکبر، کینہ، اور یہ اخلاق پیدا کرے صبر، شکر، قناعت، علم، یقین، تفویض، توکل، رضا، تسلیم اور شرع کا پابند رہے۔ اور اگر گناہ ہو جاوے جلدی کر کے نیک عمل سے تدارک کرے۔ نماز باجماعت وقت پر پڑھے کسی وقت یاد الٰہی سے غافل نہ ہو۔ لذت ذکر پر شکر بجا لاوے اور کشف و کرامات کا طالب نہ ہو۔ اپنا حال یا سخن تصوف غیر محرم سے نہ کہے، دنیا و ما فیہا کو دل سے ترک کرے خلاف شرع فقراء کی صحبت سے بچے۔ لوگوں سے بقدر ضرورت خلق کے ساتھ ملے سب سے اپنے کو کمتر جانے کسی پر اعتراض نہ کرے۔ بات نرمی سے کرے، سکوت و خلوت کو محبوب رکھے۔ اوقات منضبط رکھے تشویش کو دل میں نہ آنے دے جو کچھ پیش آوے حق کی طرف سے سمجھے۔ غیر اللہ کا خطرہ نہ آنے دے دینی کاموں میں نفع پہنچاتا رہے نیت خالص رکھے۔ خورد و نوش میں اعتدال رہے۔ نہ اتنا زیادہ کھائے کہ کسل ہو اور نہ اس قدر کم کہ عبادت سے ضعف ہو جاوے۔ کسب حلال افضل ہے۔ اگر توکل کرے تو بھی مضائقہ نہیں بشرطیکہ کسی سے طمع نہ رکھے۔ نہ کسی سے امید و خوف کرے۔ حق تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہے۔ نعمت پر شکر بجا لاوے فقر و فاقہ سے تنگدل نہ ہو۔ اپنے متعلقین سے نرمی برتے ان کی خطا و قصور سے درگذر کرے ان کا عذر قبول کرے۔ کسی کی غیبت و عیب جوئی نہ کرے۔ عیب پوشی کرے۔ اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے کسی سے تکرار نہ کرے۔ مہمان نواز و مسافر پرور رہے۔ غربا و مساکین، علماء و صلحا کی صحبت اختیار کرے قناعت و ایثار کی عادت رکھے۔

بھوک پیاس کو محبوب سمجھے۔ کم ہنسے زیادہ روئے۔ عذاب الٰہی اور اس کی بے نیازی سے لرزاں رہے۔ موت کا ہر وقت خیال رکھے۔ روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرلیا کرے۔ نیکی پر شکر، بدی پر توبہ کرے۔ صدق مقال اکل حلال اپنا شعار کرے۔ غیر مشروع مجلس میں نہ جاوے۔ رسوم جہل سے بچے۔ شرمگیں، کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکو رفتار، باوقار، بردبار رہے۔ ان صفات پر مغرور نہ ہو۔ اولیاء کے مزارات سے مستفید ہوتا رہے گاہ گاہ عوام مسلمین کی قبور پر جا کر ایصال ثواب کرے، مرشد کا ادب اور فرمانبرداری کامل طور پر بجا لاوے اور ہمیشہ استقامت کی دعا کرے۔

الحمد للہ کہ ۲۷ صفر روز پنجشنبہ ۱۳۱۵ھ وقت چاشت مقام کانپور مدرسہ جامع العلوم میں رسالہ "تعلیم الدین" اختتام کو پہنچا۔ یا الٰہی اس کو قبول فرما کر اپنے بندوں کو نفع بخش ؎

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم
نفسے بیاد مے کشم چہ عبارت و چہ معانیم

اَللّٰھُمَّ اخْتِمْ لَنَا بِالْخَیْرِ وَالسَّعَادَۃِ

شجرہ پیران چشت اہل بہشت

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے اور درود و نعت ختم الانبیا کیواسطے
اور سب اصحاب و آل مصطفےٰ کیواسطے

در بدر پھرتی ہے خلقت التجا کیواسطے آسرا تیرا ہے پر مجھ بے نوا کیواسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کیواسطے

پاک کر ظلمات عصیاں سے الٰہی دل مرا کر منور نور عرفان سے الٰہی دل مرا
حضرت نور محمد پر ضیا کیواسطے

پاک کر ظلمات عصیاں سے الٰہی دل مرا کر منور نور عرفاں سے الٰہی دل مرا
حضرت نور محمد پر ضیا کیواسطے

ایسے مرنے پر کروں قرباں یارب لاکھ عید اپنی تیغ عشق سے کرلے اگر مجھکو شہید
حاجی عبدالرحیم اہل عزا کیواسطے

کر وہ پیدا درد و غم میرے دل افگار میں بار پاؤں جس سے اپنے باری تری دربار میں
شیخ عبدالباری اشرف بے ریا کیواسطے

شرک و عصیان و ضلالت سے بچا کر اے کریم کر ہدایت مجھکو تو راہ صراط مستقیم
شاہ عبدالہادی پیر ھدا کیواسطے

دین و دنیا کی طلب عزت نہ سرداری مجھے اپنے کوچے کی عطا کر ذلت و خواری مجھے
شاہ عزیزالدین عزیز دوسرا کیواسطے

دے مجھے عشق محمد اور محمدیوں میں گن ہو محمدؐ ہی محمدؐ ورد میرا رات دن
شہ محمد اور محمدی اتقیا کیواسطے

حب حق حب الٰہی حب مولا حب رب الغرض کر دے مجھے محو محبت سب کا سب
شہ محب اللہ شیخ باسخا کیواسطے

گرچہ میں غرق شقاوت ہوں سعادت سے بعید　پر توقع ہے کرے مجھسے شقی کو تو سعید
بو سعید اسعد اھل ورا کیواسطے

قال ابتر حال ابتر سب مرے ابتر ہیں کام　لطف سے اپنے مرے کر ملک و دین کا انتظام
شہ نظام الدین بلخی مقتدا کیواسطے

ہے یہی بس دین میرا اور یہی سب ملک مال　یعنی اپنے عشق میں کر مجھکو با جاہ و جلال
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے

حب دنیا دی سے کر کے پاک مجھکو اے حبیب　اپنے باغ قدس کی کر سیر تو میری نصیب
عبد قدوس شہ قدس و صفا کیواسطے

کر معطر روح کو بوئے محمد سے مرے　اور منور چشم کر روئے محمد سے مری
اے خدا شیخ محمد رہنما کیواسطے

کر عطا راہ شریعت روئے احمد سے مجھے　اور دکھا نور حقیقت نور احمد سے مجھے
شیخ عارف صاحب لطف و عطا کیواسطے

کھولدے راہ طریقت قلب پر یا حق مرے　کر تجلی حقیقت قلب پر یا حق مرے
احمد عبد الحق شہ ملک بقا کیواسطے

دین و دنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ و جلال　ایک ذرہ درد کا یا حق مرے دلمیں تو ڈال
شہ جلال الدین کبیر الاولیا کیواسطے،

ہے مکدر ظلمتِ عصیاں سے میرا شمس دین　کر منور نور سے عرفان کے میرا شمس دین
شیخ شمس الدین ترک شمس الضحی کیواسطے

اے مرے اللہ رکھ ہر وقت ہر لیل و نہار　عشق میں اپنے مجھے بے صبر و بیتاب و قرار
شیخ علاؤالدین صابر با رضا کیواسطے

دے ملاحت مجھکو رب نمکینیِ ایمان سے　اور حلاوت بخش گنج شکر عرفان سے
شہ فریدالدین شکر گنج بقا کیواسطے

عشق کی رہ میں ہوئے جوں اولیا اکثر شہید　　خنجر تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید
خواجہ قطب الدین مقتول ولا کیواسطے

بے ترے ہی نفس و شیطان درپئے ایمان و دین　　جلد ہو آکر مرا یارب مددگار و معین
شہ معین الدین حبیب کبریا کیواسطے

یاالٰہی بخش ایسا بے خودی کا مجھکو جام　　جس سے جائے پردہ شرم و حیا و ننگ و نام
خواجہ عثمان با شرم و حیا کیواسطے

دور کر مجھ سے غم موت و حیات مستعار　　زندہ کر ذکر شریعت حق سے اے پروردگار
شہ شریف زندنی با اتقیا کیواسطے

آتش شوق اسقدر دلمیں کر بھڑکے دود　　ہر بن موے مرے نکلے تری الفت کا دود
خواجہ مودود چشتی پارسا کیواسطے

رحم کر مجھ پر تو اب چاہ ضلالت سے نکال　　بخش عشق و معرفت کا مجھکو یارب ملک و مال
شاہ یوسف سر شاہ و گدا کیواسطے

مست اور بیخود بنا بوئے محمدؐ سے مجھے　　محترم کر خواری کوئے محمدؐ سے مجھے
بو محمد محترم شاہ ولا کیواسطے

صدقے احمد کے یہی امید تیری ذات سے　　کہ بدل کر دے عصیان کو حسنات سے
احمد ابدال چشتی باصفا کیواسطے

حد سے گزرا رنج و فرقت اب تو اے پروردگار　　کر مری شام خزان کو وصل سے روز بہار
شیخ ابو اسحاق شامی خوش ادا کیواسطے

شادی و غم سے دو عالم کی مجھے آزاد کر　　اپنے درد و غم سے یارب دلکو میرے شاد کر
خواجہ ممشاد علوی بو العلا کیواسطے

ہے مرے تو پاس ہر دم لیک میں اندھا ہوں　　بخش وہ نور بصیرت جس سے تو آئے نظر
بو ہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے

عیش و عشرت کی دو عالم سے نہیں مطلب مجھے چشم گریان سینہ بریان کر عطا یارب مجھے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہ صفا کیواسطے

نے طلب شاہی کی نے خواہش گدائی کی مجھے بخش اپنے در تلک طاقت رسائی کی مجھے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے

راہزن میرے ہیں دو قزاق باگرز گراں تو پہنچ فریاد کو میری کہیں اے مستعان
شہ فضیل ابن عیاض اہل دعا کیواسطے

کر مرے دل سے تو اے واحد دوئی کا حرف دور دلمیں اور آنکھوں میں بھر دے سر بسر وحدت کا نور
خواجہ عبدالواحد بن زید شاہ کیواسطے

کر عنایت مجھکو توفیق حسن اے ذوالمنن تاکہ ہوں سب کام میرے تیری رحمت سے حسن
شیخ حسن بصری امام اولیا کیواسطے

دور کر دے سب حجاب جہل و غفلت میرے رب کھولدے دلمیں در علم حقیقت میرے رب
ہادی عالم علی مشکل کشا کیواسطے

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل و گلزار سے کر مشرف مجھکو دیدار پر انوار سے،
سرور عالم محمد مصطفٰے کیواسطے!

آپڑا در پر ترے میں ہر طرف سے ہو کر ملول کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول
یاالٰہی اپنی ذات کبریا کیواسطے!

ان بزرگوں کے تئیں یارب عرض ہے ہر زماں کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں
مجھ ذلیل و خوار و مسکین و گدا کیواسطے

اس دوئی نے کر دیا ہے دور وحدت سے مجھے کر دوئی کو دور کر پر نور وحدت سے مجھے
تا ہوں سب میرے عمل خالص رضا کیواسطے

کر دیا اس عقل نے بے عقل دیوانہ مجھے کر ذرا اس ہوش سے بیہوش و مستانہ مجھے
یارب اپنے عاشقان باوفا کیواسطے

کشمکش سے ناامیدی کی ہوا ہوں میں تباہ دیکھ مت میرے عمل کر لطف پر اپنی نگاہ
یارب اپنے رحم و احسان و عطا کیواسطے

چرخ عصیاں سر پہ ہے زیر قدم بحر الم! چار سو ہے فوج غم کر جلدی اب بہر کرم
کچھ رہائی کا سبب اس بتلا کیواسطے

گرچہ میں بدکار و نالائق ہوں اے شاہ جہاں پر ترے در کو بتا اب چھوڑ کر جاؤں کہاں
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کیواسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیواسطے اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کیواسطے،
ہے عصائے آہ مجھ بیدست و پا کیواسطے

نے فقیری چاہتا ہوں نے امیری کی طلب نے عبادت نے زہد نے خواہش علم و ادب
دردِ دل پر چاہیئے مجھکو خدا کیواسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار کی عطا تونے مجھے پر اب تو اے پروردگار
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے

گرچہ عالم میں الٰہی سعی میں بسیار کی پر نہ کچھ تحفہ ملا لائق ترے دربار کی
جان و دل لایا دلے تجھ پر فدا کیواسطے

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابل منظور ہے پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے
کشتگان تیغ تسلیم و رضا کیواسطے

حد سے ابتر ہوگیا ہے حال مجھ ناشاد کا کر مری امداد اللہ وقت ہے امداد کا
اپنے لطف و رحمت بے انتہا کیواسطے

جس[1] نے یہ شجرہ دیا ہے جس نے یہ شجرہ لیا جس نے یہ شجرہ لکھایا جس نے یہ شجرہ پڑھا
بخش دیجئے سب کو ان اہل صفا کیواسطے

[1] یہ مثلث مؤلف نے بڑھا دیا ہے ۱۲

فروع الایمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ و خلیلہ وحبیبہ محمد الذی جعل الایمان بضعا وسبعین شعبۃ فافضلہا قول لا الٰہ الا اللہ وادناہا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان متفق علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علی عبادہ العلماء الصالحین الذین استنبطوا ہذہ الشعب من الکتاب والسنۃ وعینوا ہا لعامۃ الامۃ جعلنا اللہ تعالیٰ من یقتحم ہذہ الشعاب ویدخل تلک الابواب ورزقنا عندہ حسن مآب ویسر لنا فی یوم الحساب ؛

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید کی آیت مرقومہ بالا سے مجملاً معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں کچھ اصول اور کچھ فروع ہیں۔ اور حدیث مذکور میں ان کا عدد بھی متعین فرما دیا گیا ہے بہتر سے کچھ زائد ہیں۔ اور ان کی تعیین و تفصیل کے پتہ بتلانے کو اس کے تین شعبے ایک ادنیٰ اور ایک اعلیٰ ایک اوسط بھی فرما دیئے گئے تاکہ علمائے مستنبطین و مستخرجین شعب باقیہ کو خود اپنے ذہن خداداد کی قوت سے نکال کر دوسروں کو بتلا دیں چنانچہ علمائے محدثین و محققین نے قرآن و حدیث میں غور کر کے ان سب شعبوں کو جمع کیا۔ اور متعدد کتابیں اس بحث میں تصنیف فرمائیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

مدت سے میرے خیال میں تھا کہ ان سب شعبوں کو اپنے ہم وطن اسلامی بھائیوں کی آگاہی کے واسطے عام فہم اردو میں لکھوں تاکہ ان کو یہ معلوم ہو کہ جس ایمان کا ہم دعویٰ کیا کرتے ہیں اس کے اس قدر شعبے ہیں۔ اور غور کریں کہ ہم میں کتنی باتیں ہیں کتنی نہیں ہیں تاکہ اس سے اپنے ایمان کے نقصان و کمال کا اندازہ کر سکیں اور جن اوصاف کی کمی اپنے اندر پائیں ان کی تحصیل و تکمیل کی کوشش کریں اور بدون تکمیل اس دعوے سے شرمائیں۔ گو اصول دین کے مان لینے سے ادنیٰ درجہ کا ایمان میسر ہو جاتا ہے۔ مگر وہ ایمان ایسا ہی ہے جیسا لنگڑا، لنجا، اندھا، کانا، اپاہج آدمی کہلایا

جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ایسا آدمی کس درجہ کا آدمی ہے۔

دوسری غرض ان شعبوں کے بتلانے سے یہ بھی ہے کہ غیر قوموں کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ اسلام کی تعلیم کافی وتامّ ہے۔ اور اسلام اسی کو کامل مسلمان جانتا ہے جس میں یہ سب خصالِ خیر و اوصاف کمال ہوں، ناقص مسلمانوں کی حالت دیکھ کر اسلام کی تعلیم کو بے وقعت نہ سمجھیں کیونکہ اسلام کا کام بتلا دینا ہے نہ کہ زبردستی کسی کو ویسا ہی بنا دینا۔ یہ قصور ہم لوگوں کا ہے۔ اسلام پر کوئی الزام نہیں۔

بھائیو! اسلام کے شعبے سننے کے لیے تیار ہو جاؤ اور ہمت قوی رکھو کہ یہ سب شعبے تم کو حاصل ہو جاویں۔ اس وقت البتہ مؤمن کامل بن سکتے ہو۔

مقدمہ: ۔ یہ سب شعبے حسبِ تعداد محققین ستتّر ہیں جن میں تیس تو قلب سے متعلق ہیں اور سات زبان کے ساتھ اور چالیس باقی جوارح کے ساتھ ہم تینوں قسموں کو تین باب میں ذکر کرتے ہیں۔

وباللہ التوفیق :۔

سلہ اسی لئے تمام شعبہ کے متعلق آیات واحادیث بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب تعلیم شارع کی ہے کسی کا قیاس نہیں ہے۔

باب ا

بیان میں ان شعب ایمان کے جو قلب سے متعلق ہیں۔ وہ تیس شعبے ہیں

(۱) ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر (۲) یہ اعتقاد رکھنا کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے حادث اور مخلوق ہے (۳) ایمان لانا فرشتوں پر، (۴) ایمان لانا اس کی سب کتابوں پر (۵) ایمان لانا پیغمبروں پر (۶) ایمان لانا تقدیر پر (۷) ایمان لانا قیامت کے دن پر (۸) جنت کا یقین کرنا (۹) دوزخ کا یقین کرنا (۱۰) محبت رکھنا اللہ تعالیٰ سے (۱۱) محبت کرنا کسی سے اللہ تعالیٰ کے واسطے اور بغض کرنا اللہ تعالیٰ کے واسطے (۱۲) محبت رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (۱۳) اخلاص (۱۴) توبہ (۱۵) خوف (۱۶) رجاء (۱۷) حیاء (۱۸) شکر (۱۹) وفا کرنا عہد کا (۲۰) صبر (۲۱) تواضع (۲۲) رحمت و شفقت مخلوق پر (۲۳) راضی ہونا قضائے الٰہی پر (۲۴) توکل کرنا (۲۵) ترک کرنا خود پسندی کا۔ (۲۶) ترک کرنا کینہ کا (۲۷) ترک کرنا حسد کا، (۲۸) ترک کرنا غصہ کا (۲۹) ترک کرنا بدخواہی کا (۳۰) ترک کرنا حُبّ دنیا کا۔

ان شعبوں کی مختصر فضیلت اور کچھ کچھ متعلقات چند فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

فصل:۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان یہ ہے کہ یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور اس کے سب پیغمبروں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر اور اس کے خیر پر بھی اور شر پر بھی۔ (روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے اور یقین لانا جنت پر اور دوزخ پر اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر اور ترمذی کی روایت میں ہے کوئی بندہ ایمان والا نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ ایمان لائے تقدیر پر اور یہاں تک کہ یقین کرے کہ جو بات آنے والی ہے ہرگز نہیں ٹل سکتی اور جو رہ گئی ہے وہ پہنچ نہیں سکتی۔

ف:۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں یہ سب داخل ہیں۔ اس کی ذات پر ایمان لانا۔ اس کے صفات پر ایمان لانا، اس کو واحد جاننا۔

تنبیہ اوّل:۔ جاننا چاہیئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بیچون و بیچگون ہے اسی طرح ان کی صفات بھی بیچون و بیچگون ہیں سو اللہ تعالیٰ کی صفات میں رائے وقیاس سے کلام کرنا اور ان کی کیفیات و توجیہات معین کرنا نہایت محل خطر ہے۔ اس بات میں اکثر عوام کا عقیدہ بہت سلامتی پر ہے کہ مجملاً صفات الٰہی کا اعتقاد رکھتے ہیں اس کی تکلیف و تفتیش کی طرف التفات بھی نہیں کرتے اور سلف صالحین صحابہ و

تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اعتقاد بھی اس طور تھا۔ پچھلے زمانے جب مبتدعین[1] کی کثرت ہوئی اور علم کلام کا شیوع ہوا اس وقت صفات میں کلام زیادہ ہوگیا اور اکثر دعاوی احکام میں بے احتیاطی کی نوبت آگئی مثلاً قرآن مجید میں ہے اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی[2]

اب اس میں یہ تفتیش کرنا کہ استوٰ سے کیا مراد ہے اور اس کی کیا تاویل ہے بیشک نہایت جرأت کی بات ہے۔ اپنی صفات کے حقائق تو پورے طور پر معلوم نہیں تا بخالق چہ رسد۔ بس سیدھی بات یہی ہے کہ مجملاً اعتقاد رکھے کہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہے حق ہے جیسی اس کی ذات ہے ویسا ہی استواء ہوگا۔ زیادہ تفتیش کی ضرورت ہی کیا ہے نہ ہم اس کے مکلف ہیں نہ ہم سے اس کا سوال ہوگا۔ البتہ یہ یقینی طور پر اعتقاد رکھے کہ یہ استوا ہمارے استواء کے مثل نہیں ہے۔ بقولہٖ تعالیٰ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡئٌ رہا یہ کہ پھر کیسا ہے اس سے بحث نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردے۔ یا حدیث شریف میں آیا ہے

ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ	نزول فرماتا ہے ہمارا رب ہر شب آسمان
کل لیلۃ الی السماء الدنیا	دنیا کی طرف

اب اس فکر میں پڑے کہ نزول سے کیا مراد ہے۔ اور یہ کس طرح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نزول کے خبر دینے سے جو مقصود ہے کہ لوگ ذوق وشوق و حضورِ قلب سے اس وقت ذکر وعبادت میں مشغول ہوں اس کام میں لگنا چاہیئے ان فضول تحقیقات میں پڑ کر حقیقت کا پتہ قیامت تک بھی لگنے کی امید نہیں، خواہ مخواہ اپنا وقت عزیز ضائع کرنا ہے۔

نیست کس را از حقیقت آگہی[3]
جملہ می گیرند با دست تہی۔

قال اللہ تعالیٰ۔

---

[1] چونکہ اہل بدعت نے تشبیہ و تجسیم میں غلو کیا۔ اس میں اہل حق کو ضرورت تاویل نصوص صفات کے واقع ہوئی تاکہ تنزیہ محفوظ رہے اس لیے مشہور ہے کہ تاویل متاخرین کا مسلک ہے۔ غرض متقدین کا مسلک احوط و اسلم ہے۔ اور ضعیف المعقیدہ کے لیے متاخرین کا مسلک احکم ہے ۱۲ منہ [2] رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا ۱۱ منہ [3] یعنی تفصیلی دعویٰ کرنا ہے کوئی شخص حقیقت خداوندی پر آگاہ نہیں اس بارہ میں سب خالی ہاتھ ہو کر مر رہے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ ؛

رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وہ پیچھے پڑتے ہیں اس مضمون کے جس کا مطلب پوشیدہ ہے اس قرآن میں سے فتنہ تلاش کرنے کو اور اس کی تاویل ڈھونڈنے کو۔ (آل عمران - ۷)

تنبیہ ثانی : حضرت شارع علیہ السلام سے توحید کے دو معنی ثابت ہوئے ہیں ایک لا معبود الا اللہ دوسرا لا مقصود الا اللہ پہلے معنوں کا ثبوت تو اظہر من الشمس ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ؛

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (یوسف ۳۹، ۴۰)

اے قید خانہ کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق ملک بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہے زبردست ہے نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مگر چند ناموں کو جن کو مقرر کر رکھا ہے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نہیں ہے حکم مگر اللہ کا حکم کیا ہے اس نے کہ مت پوجو مگر اس کو یہ دین ہے سیدھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ (الآیة) (بینہ - ۵)

اور نہیں حکم ہوا ان کو مگر اس کا کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی خالص کرنے والے ہوں اس کے واسطے دین کے اور طرف سے پھرے ہوں۔

اور تمام قرآن مجید اس سے بھرا پڑا ہے اور یہی توحید ہے جس کے اتلاف اور نقصان سے کافر اور مشرک ہو جاتا ہے اور جہنم میں ہمیشہ رہنا پڑتا ہے۔ یہ ہرگز معاف نہ ہو گا۔

قال اللہ تعالیٰ ؛

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء ۱۱۶)

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔ اس کو کہ شرک کیا جاوے اس کے ساتھ اور بخش دیگا اس سے کم جس شخص کے لیے چاہے گا۔

دوسرے معنیٰ کا ثبوت اس طرح پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا کو شرکِ اصغر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ ریا میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا البتہ مقصود ضرور ہوتا ہے۔ جب غیر اللہ کا مقصود ہونا شرک ٹھہرا تو توحید جو مقابلِ شرک ہے اس کی حقیقت یہ ٹھہرے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی مقصود ہو غیر اللہ بالکل مقصود نہ ہو، یہی معنیٰ ہیں لا مقصود الا اللہ۔

اب ہم وہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں ریا کو شرک فرمایا گیا ہے۔

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑی خوفناک چیز جس سے میں تم پر اندیشہ کرتا ہوں، شرکِ اصغر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ شرک اصغر کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا ریا۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)[1]

اور بھی بہت سی حدیثیں اس مطلب میں وارد ہیں۔ تفسیر مظہری میں سورۂ کہف کے ختم پر جمع کی گئی ہیں بوجہ اختصار یہاں نہیں لکھی گئیں اس معنیٰ کے نہ ہونے سے اخلاص جاتا رہتا ہے جس پر کسی قدر عقوبت کا استحقاق ہوتا ہے لیکن خلود فی النار نہ ہوگا۔

وحدۃ الوجود تیسرے معنیٰ توحید کے اصطلاح صوفیہ میں ایک اور ہیں لا موجود الا اللہ جس کو وحدت الوجود کہتے ہیں۔ اس معنیٰ کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنا از تکلف و لا یعنی ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ اس معنیٰ کی اس طرح تقریر کی جاوے کہ قرآن و حدیث سے خلاف نہ پڑے۔ آج کل اسی کی مشکل پڑ رہی ہے۔ چونکہ مسئلہ نازک ہے۔ اور مدار ثبوت اس کا محض ذوق اور کشف ہے اس لیے اولاً تو اس تعبیر کے لیے کافی عبارت ہی ملنا دشوار ہے اور جو کچھ قلیل و کثیر تعبیر ممکن ہے اس کے سمجھنے کے لیے علاوہ ذوق و مناسبت کشفی کے علوم عقلیہ و نقلیہ میں تبحر کی حاجت ہے۔ اس زمانے میں اکثر مدعیان وحدۃ الوجود کی حالت دیکھ کر سخت رنج ہوتا ہے کہ نہ ان کو علم نہ ذوق محض زبانی طامات و سطحیات فرما دینے سے کام نہ یہ پروا ہے کہ ان ملحدانہ کلمات سے جو بے سمجھے بوجھے زبان سے نکال رہے ہیں۔ ایمان جاتا رہے گا نہ اس کا کچھ خیال ہے کہ دوسرے عوام ہم کو محقق سمجھ کر مقلدانہ اس کا نہ صرف اعتقاد بلکہ دعویٰ کرنے لگیں گے۔ ان کا ٹوٹا پھوٹا جو ایمان تھا وہ بھی رخصت ہو جاوے گا۔ نماز روزہ الگ چھوڑ بیٹھیں گے کہ جب ہم خدا ہو گئے تو پھر

---

[1] کذا فی المظہری ۱۲

نماز اور روزہ کس کا۔ حاشا و کلا۔ وحدۃ الوجود کے ہرگز یہ معنی نہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک حالت ہے جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے نہ اس کو قصداً منہ سے نکالنا چاہیئے نہ دوسرے کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس حالت کے غلبہ میں یہ کیفیت ہو جاتی ہے ؎[1]

بس کہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ۔ ہر کہ پیدا میشود از دور پندارم توئی

سمایا ہے جب سے تو آنکھوں میں میری ۔ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

کبھی یہ حالت دائمی ہوتی ہے۔ کبھی زائل ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ بشرط خیر سپتہ کسی موقع پر اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق کی جاوے گی۔ اس مقام پر صرف خیر خواہانہ یہ عرض کر کے بس کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے اپنی جان پر اور اُمتِ محمدیہ پر رحم فرمائیے اور اس مسئلہ پر میں غلو سے بچئے، بلکہ احتیاط یہ ہے کہ بعد کشف کے بھی اس کو قطعی نہ سمجھئے کیونکہ کشف میں خصوصاً کشف الٰہیات میں بعض اوقات لغزش ہو جاتی ہے جو اصل مقصود ہے۔ یعنی عبودیت اس میں لگے رہیئے اور ربانی جمع خرچ کو الگ پھینکیئے ؏ کار کن کار بگذار از گفتار

قدم باید اندر طریقت نہ دم[2] ۔ کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

اقسامِ شرک

تقسیم شرک کی دو قسمیں ہیں۔ شرک فی العقیدہ اور شرک فی العمل، شرک فی العقیدہ یہ ہے کہ غیر اللہ کو مستحق عبادت سمجھا جائے۔ یہی شرک ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء ۴۸)

بیشک اللہ نہ بخشیں گے اس کو کہ ان کے ساتھ شرک کیا جاوے اور بخش دیں گے اس سے کم جس شخص کے لیے چاہیں گے۔

شرک فی العمل یہ ہے کہ جو معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا چاہیئے وہ غیر اللہ کے ساتھ کیا جاوے۔ اس شرک میں اکثر عوام بالخصوص مستورات کثرت سے مبتلا ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھانا، کسی کی منت ماننا، کسی چیز کو طبعاً مؤثر سمجھنا کسی کے رو برو سجدہ تعظیم کرنا، سوا بیت اللہ کسی اور چیز کا طواف کرنا کسی قبر پر تقریباً کچھ چڑھانا، کسی سے یہ کہنا کہ اُوپر خدا نیچے تم، اسی طرح کے ہزاروں افعال ہیں یہ افعال سخت معصیت ہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے گھروں میں اس کا پورا انسداد کریں۔ قال اللہ تعالیٰ۔

---

[1] میری زخم خوردہ جان میں اور بیدار آنکھوں میں تو سمایا ہوا ہے حتیٰ کہ جو دور سے مجھے محسوس ہوتا ہے وہ بھی تجھے سے جانتا ہوں۔ [2] اللہ کی راہ میں ہمت چاہیئے نہ دعویٰ کیونکہ قدم اٹھائے بغیر زبانی دعویٰ بے سود ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا
اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھروں والوں کو دوزخ کی آگ سے

فرشتوں پر مرد یا عورت کا حکم لگانا چونکہ فرشتوں کا مرد یا عورت ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ اس لیے ان کے مرد ہونے کا اعتقاد رکھے نہ عورت ہونے کا اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالہ کرے یہی مطلب ہے اہل کلام کی اس عبارت کا۔

لا یوصفون بذکورۃ ولا انوثۃ فافهم

رسل و کتب کا عدد معین نہ کرنا چونکہ پیغمبروں کی تعداد کسی دلیل سے ثابت نہیں اس لیے اعتقاد میں کوئی عدد معین نہ کرے۔ شاید کمی بیشی ہو جائے۔ اسی طرح کتابوں کی تعداد معین نہ کرے۔

فائدہ:- آخرت کے دن پر ایمان لانے میں یہ سب کچھ داخل ہو گیا۔ یقین لانا ثواب و عذاب قبر پر ایمان لانا، حشر و نشر پر یقین لانا۔ پل صراط پر و حوض کوثر و میزانِ اعمال اور تمام واقعات قیامت پر، ان ابواب میں بیشمار نصوص وارد ہیں۔

تحقیق تقدیر فائدہ متعلقہ تقدیر اس میں ہرگز کلام نہیں ہو سکتا کہ بندہ کو کسی قدر اختیار ضرور حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بعض ناشائستہ حرکات پر طبعًا و اضطرارًا سخت نادم ہوتا ہے کہ دل کو کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔ رعشہ والے کو کسی نے نہ دیکھا ہو گا کہ حرکت ارتعاشی پر اس کو ندامت ہوئی ہو اور معذرت کرتا ہو۔ اس سے یقینًا معلوم ہوا کہ وجود اختیار کا تو بدیہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی صفت اختیار مخلوق ہے اور ہر مخلوق کا سلسلہ خالق تک پہنچتا ہے تو ضرور اس کا اختیار کسی کے اختیار کے ماتحت ہو گا۔ یہ مرتبہ بے اختیاری کا نکلا۔ پس بندہ نہ پورا مجبور ہے نہ پورا مختار ہے یہی خلاصہ ہے مسئلہ تقدیر کا اور اس قدر سمجھ لینے میں نہ کوئی دقت ہے نہ کوئی اشکال اور اسی قدر سمجھنے کا ہم کو بھی حکم ہے۔ اس سے آگے نہ ہمارے سمجھنے کے لائق تھا نہ ہم کو اس کے سمجھنے کا حکم ہوا۔ بلکہ زیادہ تفتیش کرنے کی ممانعت ہوئی۔ کیونکہ اس کے لیے تبحر علوم عقلیہ و نقلیہ و کشف کی ضرورت ہے۔ بلکہ اس کے ہوتے ہوئے بھی حل ہونے میں تردد سا معلوم ہوتا ہے۔ اور عوام کے بعض شبہات کا جواب جو اس مسئلہ سے متعلق ہیں رسالہ جزاء الاعمال کے خاتمہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ان کا دیکھ لینا ضروری ہے

فصل ۱۔ شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جاویں وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے۔ اللہ اور رسولؐ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں اور جس سے محبت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے۔ اور کوئی وجہ نہ ہو۔ ابوداؤد و ترمذی نے روایت کیا کہ اللہ کے واسطے محبت اور بغض رکھنا ایمان سے ہے۔

اللہ اور رسولؐ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھنے کا واقع ہونا

شاید کسی کو تعجب ہو کہ اللہ ورسولؐ کا سب سے زیادہ محبوب ہونا کیسے ممکن ہے اور اگر ممکن ہے تو شاید دنیا بھر میں دو ہی چار ایسے ہوں گے تو سارا جہان ایمان سے بے نصیب ہی ٹھہرا۔ اس کا جواب محققین نے مختلف طور پر دیا ہے مگر احقر کے نزدیک تو ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو بفضلہٖ تعالیٰ یہ دولت[1] حاصل ہے۔ امتحان اس کا یہ ہے کہ یہ جس کے ساتھ سب سے زائد محبت رکھتا ہے۔ مثلاً بیٹا، بیوی، اگر یہ لوگ اس شخص کے روبرو اللہ ورسولؐ کی شان میں کوئی سخت گستاخی کریں تو ہرگز اس شخص کو تاب نہ رہے گی۔ جو کچھ اس کے امکان میں ہوگا انتقام لینے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھے گا۔ اگر اللہ ورسولؐ کے ساتھ اس درجہ کی محبت نہیں تھی یہ جوش کہاں سے پیدا ہوا۔ اور اس محبوب کی محبت کیسے مضمحل و مغلوب ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ ورسولؐ کے ساتھ اس درجہ کی محبت ہر مسلمان کو میسر ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

رہا یہ کہ نافرمانی کیوں ہو جاتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ محبت تہہ دل کے اندر بیٹھی ہے۔ اس کا استحضار اور ابھار ہر وقت نہیں ہے۔ کوئی محرک آ پہنچتا ہے تو موئے سر سے ناخن پا تک اس کا نور پھیل جاتا ہے بعد زوال محرک وہ پھر اندر کو اتر جاتی ہے۔

صرف اللہ کے واسطے محبت کا واقع ہونا اللہ کے واسطے محبت کرنا یہ ہے کہ دنیا کی کوئی غرض نہ ہو اور اہل ذوق یوں کہتے ہیں کہ ثواب بھی غرض نہ ہو۔ اس میں بھی تعجب نہ کیجئے۔ روزمرہ کے برتاؤ سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ آپ اپنے استاد یا پیر کے لیے کوئی بہت نفیس چیز تحفہ میں لے جائیے۔ اس وقت نہ آپ کو دنیا مطلوب ہے نہ ثواب کا خیال بلکہ محض ان بزرگوں کا دل خوش کرنا مقصود ہے۔ میرے نزدیک

[1] خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ ۱۲

تو حب فی اللہ بایں معنیٰ کچھ عجیب نہیں بلکہ بکثرت واقع ہے

تعظیم و اِتباعِ نبویؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے میں یہ اُمور بھی داخل ہوگئے اعتقاد رکھنا آپ کی تعظیم کا، آپؐ پر درود شریف پڑھنا۔ آپؐ کے طریقہ کی پیروی کرنا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ (الحجرات۔۲)

اے ایمان والو! مت بلند کرو آوازیں اپنی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر

اس میں تعلیم تعظیم کی ہے۔ محققین نے فرمایا کہ یہی ادب حضورؐ کے کلامِ مقدس یعنی حدیث شریف کا ہے کہ اس کے درس کے وقت پست آواز سے بولنا چاہیئے۔

اور فرمایا۔

وَتُوَقِّرُوْهُ

توقیر کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اور فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب۔۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو صلوٰۃ بھیجو ان پر اور سلام پڑھو سلام پڑھنا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

جو کچھ تم دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی مال اور حکم) پس قبول کرو اس کو اور جس چیز سے روک دیں پس رُک جاؤ تم۔

اس میں آپ کی اتباع کا حکم ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہرگز کامل نہ کرے گا۔ کوئی شخص تم میں سے اپنے ایمان کو یہاں تک کہ اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے تابع ہوجاوے۔" (روایت کیا اس کو اصفہانی نے ترغیب و ترہیب میں)

اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لازم پکڑو تم اپنے اوپر میرے طریقہ کو اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو پکڑ لو اس کو دانتوں سے اور بچو نئی بات سے کیونکہ ہر نئی بات بدعت[۱] ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

---

[۱] یعنی جس چیز کا ثبوت دلائل شرعیہ سے نہ ہو وہ بدعت ہے۔

(روایت کیا اس کو ترمذی نے)

اخلاص فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ہیں کہ مسلمان کا دل ان کے قبول کرنے میں پس وپیش نہیں کرتا۔

(۱) عمل کا خالص کرنا (۲) حکام کی اطاعت کرنا (۳) جماعت سے لگا رہنا۔

(روایت کیا اس کو احمد نے)

اور اخلاص میں داخل ہو گیا۔ ترک کرنا ریا و نفاق کا۔

ابن ماجہ نے شداد بن اوس سے روایت کیا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ کو جس چیز کا اپنی اُمّت پر بڑا اندیشہ ہے۔ وہ شریک ٹھہرانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یاد رکھو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ آفتاب کی پرستش کریں گے یا چاند کی یابت کی۔ لیکن وہ غیر اللہ کے واسطے کچھ عمل کیا کریں گے اور پوشیدہ خواہش نفسانی کے لیے اور اس آیت میں شرک کی تفسیر ریا کے ساتھ کی گئی ہے۔ (لا یشرک بعبادۃ ربہٖ احدًا۔

ف :۔ ریا کا شرک ہونا فصل توحید میں کسی قدر بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھ لینا چاہیئے اور نفاق کہتے ہیں۔ کفر دل میں رکھ کر اسلام کے ظاہر کرنے کو۔

اقسام نفاق نفاق کی دو قسمیں ہیں، ایک نفاق اعتقادی، تفسیر مذکور اسی نفاق کی تھی۔ اور اسی نفاق کے بارے میں یہ وعید آئی ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء ۱۴۵) بے شک منافق لوگ نیچے کے درجہ میں ہوں گے۔ جہنّم کے۔

دوسری قسم، نفاق عمل یعنی اعتقاد تو درست ہے مسلمانوں کا سا مگر بعضے افعال ایسے صادر ہوتے ہیں جیسے منافقین کے ہوتے تھے جیسے حدیث میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار خصلتیں ہیں جس شخص میں وہ چاروں ہوں وہ تو پورا منافق ہوگا۔ اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ جب تک کہ اس خصلت کو نہ چھوڑے گا۔

(۱) جب اس کے پاس کچھ امانت رکھوائی جائے خیانت کرے (۲) جب بات کرے جھوٹ بولے۔ (۳) جب معاہدہ کرے بدعہدی کرے (۴) جب لڑے جھگڑے گالیاں بکنے لگے۔ (روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے)

اس حدیث میں نفاق سے مراد یہی نفاق عمل ہے جیسے کسی شریف زادہ کو جو دناءت کے افعال اختیار کرلے چمار کہہ دیتے ہیں۔ یعنی چماروں کا سا کام کرنے والا۔

ریا کے خیال سے اعمال صالحہ کو ترک کرنا ریا کے آفات عظیم ہیں اس سے بچنے کا بہت ہی اہتمام چاہیئے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شیطان کے اغوا اور اعمال صالحہ کے ترک کرانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس عمل کو مت کرو یہ ریا ہو جائیگی اس صورت میں اس کا جواب دینا چاہیئے کہ ریا اس وقت ہوسکتی ہے جب ہمارا قصد یہی ہو کہ مخلوق کو دکھاویں اور وہ خوش ہوں اور ہم کو اس خیال سے حظ ہو اور جس حالت میں کہ ہم اس کو برا سمجھ رہے ہیں اور دفع کرنا چاہتے ہیں خواہ دفع ہو یا نہ ہو تو یہ ریا کدھر سے ہے جواب دے کر اعمال صالحہ میں مشغول ہو وساوس و خطرات کی کچھ پرواہ نہ کرے دو چار مرتبہ کسی قدر وسوسہ آوے گا پھر شیطان جھک مار کر خود دفع ہو جاوے گا۔

حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ عقیدت منداں مولانا الحاج الحافظ محمد امداد اللہ دامت برکاتہم کا ارشاد ہے کہ:۔

"ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی اوّل ریا ہوتی ہے پھر ریا سے عادت ہو جاتی ہے اور عادت سے عبادت اور اخلاص"۔

مقصد یہ ہے کہ جو ریا بلا قصد ہو اس کی پرواہ نہ کرے اور اس کی وجہ سے عمل کو ترک نہ کرے۔

توبہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ اور بہت حدیثیں اس باب میں وارد ہیں۔

طریق توبہ توبہ کی پوری حقیقت ایک بزرگ نے نہایت مختصر الفاظ میں بیان کی ہے۔ ھو تحرق الحشا علی الخطا۔ یعنی دل میں سوزش پیدا ہو جانا گناہ پر۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ الندم توبۃ اس کا موید ہے۔ آداب توبہ کے بہت ہیں مگر مختصر یوں سمجھ لیجئے کہ جب کسی بڑے آدمی کا قصور ہو جاتا ہے تو کس طرح اس سے معذرت کرتے ہیں۔ ہاتھ جوڑتے ہیں۔ پاؤں پر ٹوپی ڈال دیتے ہیں۔ خوشامد

کے الفاظ کہتے ہیں رونے کا سامنہ بناتے ہیں طرح طرح کے عنوانات سے معذرت کرتے ہیں بھلا اللہ تعالیٰ کے روبرو جب معذرت کریں کم ازکم ایسی حالت تو ضرور ہونا چاہئے ایسی توبہ حسب وعدہ خداوندی ضرور قبول ہوتی ہے۔

خوف اصفہانی نے ترغیب میں معاذؓ سے روایت کیا ہے کہ ایمان والے کا دل بے خوف نہیں ہوتا اور اس کے خوف کو کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔

خوف پیدا کرنے کا طریقہ طریقہ خوف پیدا کرنے کا یہ ہے کہ ہر وقت یہ خیال رکھے کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام اقوال واحوال ظاہری و باطنی پر ہر وقت مطلع ہیں اور مجھ سے باز پرس کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ کی فضیلت ایمان سے یہ ہے کہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہیں وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ (روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان کے باب خوف میں اور طبرانی نے اوسط میں)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ بے شک نہیں ناامید ہوتے اللہ کی رحمت
اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف ۸۷) سے مگر وہ لوگ جو کافر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امید رکھنا جزء ایمان ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک گمان رکھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ عبادت سے ہے۔

(روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے)

اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنے کا عمدہ طریقہ

یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے نیک گمان اور امید رکھنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اس کی پوری اطاعت کی کوشش کرے یہ طبعی بات ہے کہ جس کی اطاعت کی جاتی ہے اس سے سب طرح کی امیدیں رہتی ہیں اور نافرمانی سے ضرور دل کو وحشت اور ناامیدی سی ہو جاتی ہے اور توبہ کرتے کے وقت امید رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی وسعتِ رحمت پر نظر کر کے یقین کرے کہ میرا عذر ضرور قبول ہو جائے گا۔ مقصود شارع علیہ السلام کا امر رجا سے بھی دو امر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک اصلاح عمل دوسرے توبہ۔

آج کل اکثر لوگ گناہ میں انہماک اور توبہ میں تاخیر کرنے کے وقت بہانہ حسن ظن وامید نیک کالایا کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے مقصود شارع علیہ السلام بالکل منعکس کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرما دیں بلکہ رحمت الٰہیہ کی وسعت دریافت کرکے تو زیادہ شرمانا چاہئے کہ اللہ اکبر ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں
یہ پیار آتا ہے مجھ کو انشا
ادھر سے ایسے گناہ پیہم
ادھر سے وہ دم بدم عنایت

جب یہ شرم غالب ہوگی ہرگز نافرمانی نہیں ہوسکتی۔

حیاء فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا ایک شاخ ہے ایمان کی (روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے)

خدا سے شرمانے کا طریقہ حیا عجب چیز ہے۔ اگر مخلوق سے حیا ہوگی ایسی حرکت کوئی نہ ہوگی جس کو مخلوق پسند نہ کرتی ہو اور اگر خالق سے حیا ہوگی تو ان افعال سے بچے گا جو خالق کے نزدیک ناپسند ہیں۔ مخلوق سے تو حیاء کرنا ایک طبعی امر ہے۔ البتہ خالق سے حیاء کرنے کا طریقہ معلوم کرنا ضرور ہے سو طریقہ اس کا یہ ہے کہ کوئی وقت تنہائی کا مقرر کرکے بیٹھ کر اپنی نافرمانیاں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کیا کرے۔ چند روز میں کیفیت حیاء کی قلب میں خود بخود پیدا ہو جائے گی، اور ایک شعبۂ عظیم ہاتھ آجاوے گا۔

شُکر شکر کی دو قسمیں ہیں۔ شکر کرنا خالق کا جو منعم حقیقی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ۔ ۱۵۲)	تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری مت کرو۔

دوسری قسم شکر کرنا مخلوق کا جو واسطۂ نعمت ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔	جس نے آدمیوں کی ناشکری کی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

اور ابوداؤد نے حدیث روایت کی ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز ملی اگر اس کو میسر ہو تب تو اس کے عوض دے اور اگر اس کو میسر نہ ہو تو دینے والے کی ثناء اور صفت ہی کر دے۔ پس

جس نے ثناء و صفت کر دی اس نے شکر ادا کیا اور جس نے اس کو پوشیدہ رکھا اس نے ناشکری کی۔

شکر کی حقیقت نعمت کی قدر دانی کرنا

شکر کی حقیقت نعمت کی قدر دانی کرنا جب نعمت کی قدر ہوگی تو منعم کی بھی ضرور قدر ہوگی اور جس کے ذریعہ سے وہ نعمت پہنچی ہے اس کی بھی قدر ہوگی۔ اس طرح سے خالق اور مخلوق دونوں کا شکر ادا ہو جائے گا۔

اب سمجھو کہ دل میں جس قدر ہوتی ہے اس کی تعظیم و محبت بھی کرتا ہے۔ اس کی بات ماننے کو بھی بالاضطرار دل چاہتا ہے سو کمال شکر خالق کا یہی ہوگا کہ دل میں ان کی تعظیم ہو اور زبان پر ثناؤ صفت جوارح سے احکام کی حتی الامکان پوری تعمیل یہی راز ہے۔ مفہوم شکر کے عام ہونے میں کہ قلب ولسان اور جوارح تینوں اس کے محل مورد ہیں۔

دوسری بات ضروری سمجھنے کے قابل یہ ہے کہ جب واسطۂ نعمت کی شکرگزاری بھی ضروری ٹھہری یہاں سے استاد و پیر وغیرہ کا حق بھی نکل آیا کہ یہ لوگ نعمت حقیقی علم دین و عرفان ولیقین کے واسطے ہیں۔ سو جتنی بڑی نعمت ہوگی اتنا ہی واسطہ نعمت کا بھی حق ہوگا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ استاد و پیر کا حق کتنا بڑا ہے۔ افسوس اس زمانے میں یہ دونوں علاقے ایسے کمزور ہو گئے ہیں کہ کوئی ان کی وقعت ہی نہیں رہی۔

اب ہم بہت اختصار کے ساتھ دونوں کے حقوق جدا جدا لکھ دیتے ہیں۔ آگے توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔

حقوق استاد

(۱) اس کے پاس مسواک کر کے صاف کپڑے پہن کر جاوے (۲) ادب کے ساتھ پیش آوے۔ (۳) نگاہِ حرمت و تعظیم سے اس پر نظر کرے (۴) جو بتلاوے اس کو خوب توجہ سے سنے (۵) اس کو خوب یاد رکھے (۶) جو بات سمجھ میں نہ آوے اپنا قصور سمجھے، (۷) اس کے روبرو کسی اور کا قول مخالف ذکر نہ کرے (۸) اگر کوئی استاد کو برا کہے حتی الوسع اس کا دفعیہ کرے۔ ورنہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہو۔ (۹) جب حلقہ کے قریب پہنچے سب حاضرین کو سلام کرے پھر استاد کو بالخصوص سلام کرے۔ لیکن اگر وہ تقریر وغیرہ میں مشغول ہو تو اس وقت سلام نہ کرے (۱۰) استاد کے روبرو نہ ہنسے نہ بہت باتیں کرے۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھے نہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو (۱۱) استاد کی بد خلقی کا سہار کرے۔ (۱۲) اس کی تند خوئی سے اس کے پاس جانا نہ چھوڑے نہ اس کے کمال سے بد اعتقاد ہو بلکہ اس کے اقوال اور افعال کی تاویل کرے۔ (۱۳) جب استاد کام میں لگا ہو یا ملول و مغموم ہو یا بھوکا

پیاسا ہو یا اونگھ رہا ہو یا اور کوئی عذر ہو جس سے تعلیم شاق ہو یا حضورِ قلب سے نہ ہو لیسے وقت نہ پڑھے۔ (۱۴) حالت بعد و غیبت میں بھی اس کے حقوق کا خیال رکھے۔ (۱۵) گاہ گاہ تحفہ تحائف خط و کتابت سے اس کا دل خوش کرتا رہے اور بہت سے ہیں مگر ذہین آدمی کے لئے اسی قدر لکھنا کافی ہے وہ اسی سے باقی حقوق کو بھی سمجھ سکتا ہے۔

حقوق پیر جس قدر حقوق استاد کے لکھے گئے ہیں یہ سب پیر کے بھی حقوق ہیں اور کچھ زائد حقوق ہیں وہ لکھے گئے ہیں۔ (۱) یہ اعتقاد کرلے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کرلے گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہے گا۔ (۲) ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان و مال سے اس کی خدمت کرے کیونکہ بغیر محبت پیر کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے۔ (۳) مرشد جو کچھ کہے اس کو فوراً بجالائے اور بغیر اجازت اس کے فعل کی اقتدا نہ کرے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال اور مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے کہ مرید کو اس کو کرنا زہر قاتل ہے۔ (۴) جو درد و وظیفہ مرشد تعلیم کرے اسی کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتایا ہو۔ (۵) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ یہاں تک کہ سوائے فرض و سنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے۔ (۶) حتی الامکان ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے (۷) اس کے مصلّٰی پر پیر نہ رکھے۔ (۸) اس کی طہارت اور وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔ (۹) مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لاوے۔ (۱۰) اس کے سامنے نہ کھانا کھائے نہ پانی پیئے اور نہ وضو کرے ہاں اجازت کے بعد مضائقہ نہیں۔ (۱۱) اس کے روبرو کسی سے بات نہ کرے بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔ (۱۲) جس جگہ مرشد بیٹھا ہو اس طرف پیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو۔ (۱۳) اور اس کی طرف تھوکے بھی نہیں۔ (۱۴) جو کچھ مرشد کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے یا کہتا ہے الہام سے کرتا اور کہتا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو حضرت موسٰی اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے۔ (۱۵) اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔ (۱۶) اگر کوئی شبہ دل میں گزرے تو فوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے اور اگر مرشد اس کا کچھ جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا۔ (۱۷) خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے اور اگر اس کی تعبیر ذہن میں آوے تو اسے بھی عرض

کردے (۱۸) بے ضرورت اور بے اذن مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔(۱۹) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور باآواز بلند اس سے بات نہ کرے اور بقدرِ ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔(۲۰) اور مرشد کے کلام کو ردّ نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو بلکہ یہ اعتقاد کرے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔(۲۲) جو کچھ اس کا حال ہو بھلا ہو یا بُرا اسی مرشد سے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا۔ مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے سکوت نہ کرے۔(۲۳) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو۔ اگر کچھ پڑھنا ضرور ہو تو اس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔(۲۴) جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچے اسے مرشد کا طفیل سمجھے۔ اگرچہ خواب میں یا مراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے۔ تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے (کذافی ارشاد رحمانی) قال العارف الرومی رح

چوں گزیدی پیر من تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو[1]
صبر کن در کار خضر اے بے نفاق تا نگوید خضر رو ہذا فراق

قال العطار رح

گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بیا
در ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید
دامن رہبر بگیر اے راہ جو ہر چہ داری کن نثار راہ او
گر روی صد سال در راہ طلب رہبرے نبود چہ حاصل زاں تعب
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق
پیر خود را حاکم مطلق شناس تا براہ فقر گردی حق شناس
ہر چہ فرماید مطیع امر باش طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش
آنچہ می گوید سخن تو گوش باش تا نگوید او بگو خاموش باش

تنبیہ:۔ مگر یہ سب آداب مذکورہ شیخ کامل کے ہیں اس کے چند علامات بتلائے

---

[1] جب تو نے کسی بزرگ کو چن لیا تو اس کے سپرد ہو جا۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت خضر علیہ السلام کے تحت ہو جا۔ اے نفاق سے دور رہنے والے خضر علیہ السلام کے کام پر صبر کرنا کہ خضر یہ نہ کہے چلو جدائی ہے۔

جاتے ہیں جس سے طالب دھوکہ سے بچا رہے۔ (۱) خواص یعنی علماء و فقراء کے نزدیک اس کی قبولیت زیادہ ہو بہ نسبت عوام کے۔ (۲) اس کی صحبت میں یہ اثر ہو کہ توجہ الی اللہ میں زیادتی اور خیالاتِ دنیوی میں کمی معلوم ہوتی ہے۔ (۳) اس کا کلام بزرگانِ پیشین کے کلام کے مشابہ ہو۔ (۴) کسی کامل کی جانب سے اجازت یافتہ ہو۔ (۵) متقی ہو یعنی دلائل شرعیہ صحیحہ صریحہ کے خلاف کسی فعل پر اصرار نہ ہو اور احیاناً لغزش ہو جانا منافی کمال نہیں اور اگر بظاہر کوئی قول یا فعل مخالف شرع سرزد ہوتا ہو اس کی توجیہہ و تاویل موافق قواعد شرعیہ کے ممکن ہو۔

اگر ان اوصاف کا جامع کوئی شخص مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھے اور دل سے اس کا غلام بن جاوے ورنہ اس سے علیحدگی اختیار کرے خصوصاً قرآن و حدیث کے خلاف کرنیوالے سے ہرگز مجالست و مخالطت نہ کرے کہ صحبت اس کی بر ہم کن دین و ایمان ہے۔ قال العارف الرومی رح

ے اے بسا ابلیس آدم روئے ہست[1] پس بہر دستے نباید داد دست

کار شیطان می کند نامش ولی گر ولی این ست لعنت بر ولی

قال العارف الشیرازی رح

نخست موعظت پیر ایں طریق ایں است[2] کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

ف اسی طرح شکر میں داخل ہے تمام اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنا، باپ، ماں، اولاد چچا، ماموں، میاں، بی بی، پڑوسی، عام مسلمان عام بنی آدم، بہائم۔ اس مضمون پر کتاب حقیقۃ الاسلام تصنیف قاضی ثناء اللہ صاحب کافی وافی ہے۔

وفا فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ اے ایمان والو! پورا کرو، عہدوں کو۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ پورا کرو اللہ کا عہد جب تم عہد کرو

اور فرمایا

---

[1] بہت سے شیطانوں کا چہرہ آدمی جیسا ہے پس ہاتھ ہر ہاتھ میں نہ دینا چاہیئے شیطان جیسا کام کرتا ہے اور اس کا نام ولی ہے، اگر یہ ولایت ہے تو ایسے ولی پر لعنت ہے [2] پہلی نصیحت اس راہ کے بزرگ کی یہ ہے کہ ناجنس شخص سے دور رہو۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ط پورا کرو عہد کو بے شک عہد پوچھا جائے گا۔

یعنی قیامت میں سوال ہوگا کہ پورا کیا جائے یا نہیں اور اوپر حدیث میں گزر چکا ہے کہ عہد پورا نہ کرنا علامت نفاق کی ہے۔

تاسف، افسوس ہمارے زمانے میں عہد پورا کرنے کا بہت ہی کم لوگوں کو خیال ہے وعدہ کر کے دوسرے کو امید دلا کر آخر میں ناامید کر دیتے ہیں اس کا بہت خیال چاہئے خوب سوچ سمجھ کر وعدہ کرنا چاہئے پھر جس طرح ممکن ہو ایفاء کرنا چاہئے البتہ خلاف شرع ہو تو پورا کرنا درست نہیں۔

صبر حدیث میں ہے کہ صبر نصف ایمان ہے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے ابن مسعودؓ سے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

تواضع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے تواضع کی اللہ کے واسطے بلند مرتبہ فرمایا اس کو اللہ تعالیٰ نے پس وہ شخص اپنے دل میں چھوٹا ہے۔ اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بے قدر کر دیتے ہیں پس وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہے اور اپنے دل میں بڑا۔ یہاں تک کہ وہ شخص لوگوں کے نزدیک کتے سور سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے (روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نہیں داخل ہوگا دوزخ میں کوئی ایسا شخص جس میں رائی برابر بھی ایمان ہو۔ اور نہیں داخل ہوگا جنت میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی کا جی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا۔ (یعنی کیا یہ سب کچھ تکبر ہے) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خود جمیل ہیں جمال کو پسند کرتے ہیں تکبر تو یہ ہے کہ حق کا رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

(یعنی خوش طبعی تکبر نہیں ہے)

ف ۲:- اور تواضع میں اپنے سے بڑے کی توقیر کرنا بھی داخل ہے۔ احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں داخل نہیں جو شخص ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے۔

رحمت وشفقت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے۔ نہیں دور کی جاتی مہربانی کی صفت کسی کے دل سے مگر شقی سے روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی نے۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم کرنے والوں پر رحمان رحم فرماتے ہیں تم زمین والوں پر رحم کرو۔ تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔
(روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

اور نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی ہمدردی اور محبت اور عطوفت میں اس طرح پاؤ جیسے بدن میں عضو اگر دُکھتا ہے تو تمام بدن بدخوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے

رضا بالقضاء فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کی سعادت میں سے ہے۔ خیر مانگنا اللہ تعالیٰ سے اور راضی ہونا اس پر جو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا۔ اور آدمی کی شقاوت میں سے ہے ترک کرنا خیر مانگنے کو اور ناخوش ہونا اللہ کے حکم پر۔ روایت کیا اسکو ترمذی نے۔

ف ۲:- رضا بالقضاء کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ دل میں بھی رنج نہ آنے پاوے رنج تو امر طبعی ہے۔ یہ کس طرح اختیار میں ہو سکتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل اس کو پسند کرے جیسے دنبل والا خوشی سے جراح کو نشتر مارنے کی اجازت دیتا ہے مگر دکھ ضرور ہوتا ہے ہاں بوجہ غلبہ حال کے بعض اوقات الم محسوس نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات سرور وفرح ہوتا ہے یہ حالت اکثر متوسطین اہلِ سلوک کو پیش آتی ہے اور اہلِ کمال وتمکین کو رنج وغم سب کچھ ہوتا ہے۔ پھر بھی نہ کوئی کلمۂ شکایت کا منہ سے نکالتے ہیں نہ کوئی فعل خلافِ مرضی حاکمِ حقیقی کے کرتے ہیں یہ زیادہ کمال کی بات ہے باوجود رنج کے اپنے کو ضبط کرتے ہیں اور جب رنج ہی نہ ہو ضبط کرنا کیا مشکل ہے اور صبر کا تو بدون رنج کے وجود ہی محال ہے حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے مقام صبر ورضا میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں جو کچھ ان کا حال ہوگیا تھا۔ سب جانتے ہیں جب

ان کے بیٹوں نے سمجھایا تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (یوسف۔ ۸۶)

میں تو صرف اپنی پریشانی اور رنج کا اللہ ہی سے گلہ کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں کہ تم نہیں جانتے۔

ہمارے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ نے جب وفات پائی تو حضورؐ رونے لگے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے تعجباً عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ بھی روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابن عوف! یہ تو رحمت ہے پھر آپ دوبارہ روئے اور فرمایا بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے اور زبان سے ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا مالک راضی ہو اور بے شک ہم تمہاری جدائی میں اے ابراہیم مغموم ہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صبر تو جب ہی ہے جب تازہ صدمہ پڑے روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ان حدیثوں کے سننے کے بعد ہمارا دعویٰ مذکور میں اب کچھ شک باقی نہ رہا ہوگا۔

توکّل فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

اللہ تعالیٰ ہی پر چاہیئے کہ توکّل کریں ایمان والے۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داخل ہوں گے بہشت میں میری اُمّت سے ستر ہزار آدمی بدون حساب کے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور بد شگونی نہیں لیتے اور اپنے پروردِگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

مراد یہ ہے کہ جو جھاڑ پھونک ممنوع[1] ہے وہ نہیں کرتے اور بعض نے کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ جھاڑ پھونک بالکل نہ کرے اور بد شگونی یہ کہ مثلاً چھینکنے کو یا کسی جانور کے سامنے نکل جانے کو منحوس سمجھ کر وسوسہ میں مبتلا ہو جاویں۔ مؤثر حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہیں

---

[1] بالخصوص جھوٹا فال گنڈا یا ٹوٹکہ جادو مسمریزم ۱۲

اس قدر وسواس نہ کرنا چاہیئے۔ البتہ نیک فال لینا اگرچہ وہاں بھی حقیقتاً کوئی تاثیر نہیں مگر چونکہ اس میں رحمتِ خداوندی سے امید ہو جاتی ہے مستحسن ہے بخلاف بد فالی کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی ہوتی ہے۔

حقیقت توکّل و رفع غلطی آج کل توکّل کے معنیٰ یہ مشہور ہیں کہ تمام اسباب چھوڑ کر بیٹھ جاوے یہ معنیٰ بالکل غلط ہیں تمام قرآن و حدیث اثبات تدبیر و اسباب سے پُر ہے بلکہ توکل بایں معنیٰ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا اچھا اگر بلا تدبیر کچھ کھانے پینے کو مل بھی گیا تو کیا کھانے میں لقمہ بھی منہ میں نہ رکھوگے اس کو چباؤ گے بھی نہیں۔ اس کو نگلو گے بھی نہیں پھر یہ سب بھی تو اسباب و تدابیر ہیں غذا پہنچنے کے پھر توکل کہاں رہا۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ آج تک کوئی نبی ولی متوکل ہوا ہی نہیں پھر اس کا کون قائل ہو سکتا ہے بلکہ توکل کی حقیقت وہ ہے جو توکیل کی ہے یعنی مقدمہ میں کسی کو وکیل بناتے ہیں۔ تو کیا صاحب مقدمہ پیروی چھوڑ دیتا ہے مگر باوجود اس کے مقدمہ کی کامیابی کا نتیجہ وکیل کی لیاقت و حُسنِ تقریر و سعی کا سمجھتا ہے اس کو اپنے اپنے تدبیر کی طرف نسبت نہیں کرتا۔ بالکل یہی حال توکل کا سمجھنا چاہیئے کہ اسباب و تدابیر بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں سب کچھ کرے مگر ان کو مؤثر نہ سمجھے یہ اعتقاد رکھے کہ کام جب بنے گا اللہ تعالیٰ کے حکم و فضل سے بنے گا اور واقع میں اگر دیکھا جاوے تو تدبیر کا مؤثر ہونا محض خدا ہی کے فضل سے ہے بندہ کو اس میں ذرہ برابر بھی تو دخل نہیں مثلاً زمین میں بیج ڈال دیا یہ تو اس کی تدبیر تھی اب وقت پر بارش ہونا، اس کا زمین سے ابھرنا، پکنا، آفاتِ سماوی سے محفوظ رہنا یہ اس کے اختیار میں کب ہے اس لئے واجب ہے کہ کامیابی کو ثمرہ فضلِ خداوندی کا سمجھے، بس یہ توکل ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ اکثر مسلمان اس نعمت توکل سے مشرف ہیں البتہ بعض بعض کو کسی قدر خیالات کے اصلاح کی ضرورت ہے اور جو کچھ مقدمہ رزق وغیرہ میں طبیعت کو تشویش پیش آتی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ لوگوں کو صفتِ توکل حاصل نہیں یا وعدہ الٰہیہ پر اعتماد نہیں بلکہ وجہ اس تشویش کی صرف یہ ہے کہ کامیابی کے طریق و اوقات معیّن نہیں۔ ابہام کو تردد لازم ہے اور بعض متوکلین کو بلا اسباب کچھ مل گیا ہے وہ کرامت کے قبیل سے ہے جو توکل کے آثار غیر لازمہ سے ہے۔ حقیقتِ توکل میں داخل نہیں خوب سمجھ لو۔

ترک کرنا عُجب کا طبرانی نے حدیث نقل کی ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ ایک حرص جس کی اطاعت کرنے لگے اور خواہش نفسانی جس کی پیروی کی جاوے اور خود بینی اور خود پسندی اور یہ بھی خود پسندی میں داخل ہے کہ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرے اپنی بزرگی و کمالات بیان کرے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ ، (الآیۃ)

فرق درمیان ریا و تکبّر و عُجب اور تکبّر کی برائی فصل تواضع میں بیان کی گئی ہے جاننا چاہئے کہ یہ تین چیزیں ہیں تکبّر، عجب، ریا۔ سرسری نظر سے ان میں فرق معلوم نہیں ہوتا مگر یہ سب جدا جدا ہیں۔ خلاصہ فرق کا یہ ہے کہ ریا تو ہمیشہ عبادت و امور دینی ہی میں متحقق ہوتی ہے۔ بخلاف عجب و تکبر کے کہ امور دینیہ و دینویہ دونوں میں ہوتا ہے پھر تکبّر میں تو آدمی دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے بخلاف عجُب کے کہ وہ اپنے کو اچھا سمجھتا ہے گو دوسرے کو حقیر نہ سمجھے۔

رفع اشکال متعلق عجُب اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو کوئی صفتِ کمال عطا فرماوے تو اس کو صفت کمال نہ جاننا تو ایک قسم کی ناشکری ہے اور صفت کمال جاننا مُوجب عجب ہے تو اب کیا کرے؟

حل اشکال کا یہ ہے کہ اس کو صفتِ کمال ضرور سمجھے مگر اپنے کو اس کا مستحق اور موصوف حقیقی نہ جانے اور اس پر افتخار نہ کرے بلکہ محض صفت کو نعمت غیبی اور عطیہ خداوندی اور پرتو کمالِ الٰہی سمجھ کر شکر بجالاوے اور سمجھے کہ یہ میرے پاس بطور امانت کے ہے اور جب چاہیں مجھ سے سلب کرلیں، یہ عطیہ میرے پاس اس طرح ہے جیسے کوئی کریم منعم بادشاہ ادنیٰ چمار کے پاس ایک گوہر بے بہا امانت رکھ دے اور جب چاہے لے لے اور خواہ اپنے کرم سے عمر بھر بھی نہ لے بلکہ اسی کو انتفاع کی اجازت بخش کر اس کے ہم چشموں میں سرفراز کرتا رہے اس پر بھی وہ اتراتا نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ کچھ لرزاں ترساں رہتا ہے کہ کہیں اس دُرِ بے بہا کی بیقدری نہ ہو جاوے۔ کہیں ضائع نہ ہو جاوے کہیں بے آب نہ ہو جاوے۔ جو شخص اپنے کمالات کو اس طرح سمجھے گا کہ وہ شاکرین میں ہے نہ خود پسندوں میں۔

ترک کرنا چغل خوری اور کینہ کا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ چغلخوری اور کینہ دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے۔ مسلمان کے قلب میں دونوں جمع نہیں ہو سکتیں روایت کیا اس کو طبرانی نے۔

ترک کرنا حسد کا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حسد کھا لیتا ہے نیکیوں کو جس طرح کھا لیتی ہے آگ لکڑیوں کو۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

ترک کرنا غصے کا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ، یعنی ایسے لوگ جو روکنے والے ہیں غصہ کو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو کچھ وصیت فرمائیے آپؐ نے فرمایا غصہ مت کیا کرو۔ اس نے کئی مرتبہ یہی بات کہی آپؐ ہر بار یہی فرماتے رہے کہ غصہ مت کیا کرو۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

اور غصہ روکنا گو اس وقت شاق معلوم ہوتا ہے مگر ہمیشہ کا انجام نیک ہوتا ہے کہ دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ (الآیۃ)

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسروں کو کشتی میں گرادے بلکہ بڑا پہلوان وہ ہے کہ جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے۔ روایت کیا اس کو مسلم و بخاری نے۔ گویا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کا ترجمہ فرمایا ہے ؎

نہ[1] مرد است آں نہ نزدیک خرد مند ۔ کہ با پیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آنکس است از روئے تحقیق ۔ کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے جو شخص روکے اپنے غصہ کو روک لیں گے اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب قیامت کے دن۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اسی قسم کا مضمون ارشاد فرمایا ہے ؎

گفت[2] عیسیٰ را یکے ہشیار سر ۔ چیست در ہستی ز جملہ صعب تر

---

[1] عقلمندوں کے ہاں وہ شخص مرد نہیں کہ غصے والے ہاتھی سے مقابلہ کرے۔ لیکن حقیقت میں مرد وہ ہے کہ غصہ کے وقت بری بات نہ کہے۔ [2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک دفعہ ایک ذہین نے کہا کہ دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز کیا ہے انہوں نے فرمایا اے پیارے سب سے زیادہ تکلیف دہ حق تعالیٰ کا غصہ ہے جس سے دوزخ بھی ہماری طرح کانپنے لگتی ہے کہنے لگا خدا کے غصہ سے بچاؤ کی کیا صورت ہے فرمایا، صورت یہ ہے کہ غصہ سے باز رہو۔

گفت اے جان صعب تر خشم خدا	کہ ازو دوزخ ہمی لرزد چو ما
گفت از خشم خدا چہ بود امان	گفت ترک خشم خویش اندر زمان

• **غصہ کا علاج** | غصہ منجملہ مہلکات عظیمہ ہے۔ بلکہ نظر تحقیق میں کینہ و حسد بھی اسی غصہ کے آثار میں سے ہیں۔ کیونکہ جب کسی پر پورے طور سے غصہ چلتا نہیں تو اندر ہی اندر گھٹ کر کینہ و حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج اوّل ہی سے کرنا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں اس کا علاج اس طرح آیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غصہ شیطان کی جانب سے ہے اور شیطان پیدا ہوا ہے آگ سے اور آگ بجھ جاتی ہے پانی سے۔ سو جب تم میں سے کسی کو غصہ آیا کرے تو وہ وضو کر لیا کرے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

اور دوسرا اور علاج آیا ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں کسی غصہ آیا کرے اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جاوے اگر غصہ جاتا ہے تو خیر ورنہ لیٹ جاوے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی نے۔

اور اشارات حدیث سے سمجھ کر بعض معالجات بزرگوں نے بھی فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یقین کرے کہ جس بات پر مجھ کو کچھ غصہ آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ سو غصہ کس پر کیا جائے۔ دوسرے یہ یاد کرے کہ جیسے میں کسی پر غصہ کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی تو مجھ پر بڑی قدرت ہے اگر وہ بھی مجھ پر اسی طرح غصہ کرے تو میں کس کی پناہ میں جاؤں گا۔

تیسرے یہ کہ وہاں سے ٹل جاوے۔ ہرگز توقف نہ کرے اور اگر غصہ کے ضبط سے حقد و حسد پیدا ہو گیا ہو تو اس کا علاج یہ ہے بہ تکلف اس شخص سے ملاقات کر کے اس کے ساتھ طرح طرح کی خدمت و احسان سے پیش آوے یہاں تک کہ اس شخص کے ساتھ محبت ہو جائے اور اس کا احسان ماننے لگے طبعی بات ہے کہ اپنے احسان ماننے والے اور اپنے ساتھ محبت کرنے سے حقد و حسد باقی نہیں رہا کرتا۔

ترک کرنا بدخواہی کا | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے بدخواہی کی وہ مجھ سے علیحدہ ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین خیر خواہی و خلوص کا نام ہے۔

اگر بدخواہی میں بدگمانی بھی آگئی وہ بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا	اے ایمان والو! بچا کرو بہت گمان سے

كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ بیشک بعض گمان گناہ ہوتا ہے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمان سے اپنے کو بچاؤ پس بیشک گمان کرنا سب سے بڑھ کر جھوٹ ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے

بدگمانی کی برائی اور چغلخوری کے ساتھ برتاؤ آج کل منجملہ اسباب نا اتفاقی و پریشانی کے ایک سبب قوی بدگمانی ہے کہ قرائن ضعیفہ محتملہ یا اخبار کاذبہ کی بنیاد پر دوسرے مسلمان بھائی پر بدگمانی کر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد معمولی قرائن کی تائید و تقویت کرتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بدگمانی درجۂ یقین تک پہنچ جاتی ہے۔ اس سے یہ آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ حقیر سمجھنا دوسرے کو، اس سے بغض و عداوت کرنا، اس کے افعالِ حسنہ کو محمول کرنا کسی نفسانی غرض پر اس کی غیبت کرنا، اس کے نقصان و ذلت پر خوش ہونا اور طرح طرح کی خرابیاں اس پر مرتب ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ قوی قرائن کے ہوتے بھی حتی الامکان بدگمانی نہ کرے بلکہ کچھ تاویل کر کے اس کو اپنے دل سے رفع کرے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو بچشم خود چوری کرتے ہوئے دیکھ کر ٹوکا اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں چوری نہیں کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

"میرے خدا کا نام سچا ہے میری آنکھ جھوٹی ہے"

البتہ اگر رفع کرنے پر بھی دل سے رفع نہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں۔ مگر اس کا ذکر کرنا اس کے مقتضاء کے موافق برتاؤ کرنا یہ ضرور گناہ ہے۔ خصوصاً چغلخوری کی وجہ سے بدگمان ہوجانا۔ سیدھا علاج چغلخور کا یہ ہے کہ اوّل تو منع کردے کہ ہم سے کسی کی بات مت کہا کرو۔ اور جو وہ نہ ملنے تو چغلخوری کے ساتھ چغل خور کا ہاتھ پکڑ کر اس شخص سے مواجہ کرادے جس شخص کی چغلی کھائی ہے۔ غالباً یا تو یہ چغل خور جھوٹا نکلے گا اور پھر کبھی چغلی نہ کھاوے گا۔ اور اگر سچا نکلا تو وہ شخص شرمندہ ہو کر معذرت کرے گا۔ اور اس طریق سے باہم صلح و صفائی ہوجائے گی۔ اور جن دو شخصوں میں درمنہ صفائی کی باتیں ہوجاتی ہیں پھر چغلی کھانے کی ہمت ذرا کسی کو کم ہوتی ہے۔

ترکِ دنیا جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک بکری کے مرے ہوئے بچہ پر ہوا جس کے کان کٹے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں کسی کو یہ بات پسند ہے کہ یہ بچہ اس کو ایک درہم میں مل جاوے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو کسی ادنیٰ چیز کے

عوض بھی پسند نہ کریں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بے قدر ہے۔ جیسا یہ تمہارے نزدیک۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور عمرو بن عوف سے بھی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم خدا کی میں تم پر فقر و فاقہ سے اندیشہ نہیں کرتا لیکن یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ تم پر دنیا فراخ ہو جائے جیسا پہلے لوگوں پر ہوئی تھی پھر تم اس کی رغبت کرنے لگو جیسے ان پہلوں نے رغبت کی تھی اور وہ دنیا تم کو برباد کر دے جیسا ان لوگوں کو اس نے برباد کر دیا۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک فلاح پائی اس شخص نے جو مسلمان ہوا اور گزارے کا اس کو رزق دیا گیا اور جو کچھ اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا اس پر قناعت بھی کی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے فرزندِ آدم میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا بھر دوں گا تیرے سینہ کو غنا سے اور بند کر دوں گا تیری محتاجی کو اور اگر تو ایسا نہ کرے گا بھر دوں گا تیرے ہاتھ کو شغل سے اور نہ بند کروں گا تیری محتاجی کو۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابنِ ماجہ نے۔

اور سہیل بن اسعدؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ ملتا۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور ابنِ ماجہ نے

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے دوست رکھا دنیا کو، گزند پہنچایا اس نے اپنی آخرت کو اور جس شخص نے دوست رکھا آخرت کو ضرر پہنچایا اپنی دنیا کو۔ پس فنا ہونے والی چیز پر باقی رہنے والی چیز کو ترجیح دو۔ روایت کیا اس کو احمد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلّے میں چھوڑ دیئے جاویں وہ بھی اتنا تباہ نہ کریں گے جس قدر آدمی کے دین کو مال اور جاہ کی حرص تباہ کر ڈالتی ہے (ترمذی، دارمی)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سو کر اٹھے تو آپ کے بدن مبارک پر اس کا نشان بن گیا تھا ابنِ مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ ہم

کو اجازت دیں تو کچھ فرش بچھا دیا کریں۔ اور بھی اہتمام کردیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھ دنیا سے کیا علاقہ! میری اور دنیا کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کھڑا ہوگیا۔ پھر اس کو چھوڑ کر آگے چل دیا۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے۔

ابی امامہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پروردگار نے مجھ پر یہ بات پیش کی کہ مکۃ معظمہ کی زمین کو سونے کی بنا دوں۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں اے پروردگار بس ایک روز پیٹ بھر لیا کروں۔ ایک روز بھوکا پڑا رہوں۔ جب بھوکا ہوؤں تو آپ سے تضرع کروں۔ اور آپ کو یاد کروں اور جب پیٹ بھرے تو آپ کی تعریف کروں اور شکر کروں۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

اور ان کے علاوہ اس کثرت سے دنیا کی مذمت اور حرص وحبِّ مال وجاہ کی برائی میں اور زہد و قناعت و طلب آخرت و گمنامی کی فضیلت میں احادیث صحیحہ صریحہ موجود ہیں جن کا احاطہ محال ہے۔

اصلاح خیالات ترقی خواہاں دنیا و تحقیق ترقی محمود و ترقی مذموم

ہمارے زمانے میں ترقی کا بڑا شور وغل ہے جب اس کی حقیقت کی تفتیش کی گئی بجز طول امل و حرص مال وجاہ اس ترقی کا حاصل نکلا۔ سو ایمان والا تو اس میں ہرگز شک نہیں کر سکتا کہ اس ترقی کی ترغیب دنیا حقیقت میں اپنے حکیم و شفیق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک و مقدس تعلیم کا پورا معارضہ ہے اگرچہ اپنی کارروائی کی غرض سے اس ترقی کی ایسی ملمع تقریر کرتے ہیں جس سے بھولے آدمی دھوکہ کھا سکتے ہیں وہ یہ کہ اصل مقصود ہمارا اسلامی ترقی ہے مگر زمانہ کی رفتار کا مقتضا ہوگیا ہے کہ بدون ظاہری شان وشوکت کے اسلام کی وقعت وعظمت لوگوں کی نظر میں بالخصوص غیر قوموں کی نگاہ میں نہیں ہوسکتی۔ اس لئے دنیوی ترقی بھی ضروری ٹھہری۔

صاحبو! یہ تقریر نری رنگ آمیزی ہے اوّل تو یہی بات غلط ہے کہ بدون دنیوی ٹیپ ٹاپ کے اسلام کی وقعت کسی کی نظر میں نہیں ہوسکتی۔ اسلام کا وہ خداداد حسن وجمال ہے کہ سادگی میں بھی وہ دلفریب ہے بلکہ سادگی میں اسکا زیادہ روپ کھلتا ہے اور زیب وزینت سے تو چھپ جاتا ہے۔ صحابہ کے زمانہ سے اس وقت تک سیر و تواریخ سے تحقیق کر لیجئے کہ جس

کسی شخص میں کامل اسلام ہوا تمام موافق و مخالف اس کی ہیبت و عظمت کو مان گئے اور ہماری جو وقعت بدون نمائش و تصنع کے نہیں ہے سبب اس کا یہی ہے کہ ہمارا اسلام قوی و کامل نہیں ہے اس کے رخنوں کو مہمل زیب و زینت سے رفو کرتے پھرتے ہیں اب بھی اللہ کے بندے اس قسم کے جہاں کہیں موجود ہیں ان کی وقعت و عظمت خود جاکر آنکھ سے دیکھ لیجئے ابھی کا قصہ ہے۔ حضرت مولانا سیدنا الشاہ محمد فضل الرحمٰن کے دربار شریف میں بڑے بڑے امراء و حکام کا حاضر ہونا اور ادب و تعظیم کے ساتھ پیش آنا کس کو معلوم اور یاد نہیں وہاں کون سی ظاہری شان و شوکت تھی۔ یہی سیدھا سادھا اسلام تھا جس کی یہ کشش تھی۔ عارف شیرازی کا قول گویا اسی مضمون میں ہے۔

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست ٭ باب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا[1]

اور بالفرض اگر اس تسبب و ترتب کو تسلیم بھی کرلیا جاوے تب بھی یہ کہنا کہ مقصود بالذات اسلام کی ترقی ہے اور ترقی دینوی محض اس کا واسطہ اور مقصود بالغرض اس وقت مانا جاتا کہ یہ حضرات مدعین جس قدر دنیا کا اہتمام کرتے ہیں دین کا اس سے زیادہ اور برابر نہیں تو اس سے نصف و ربع کچھ تو کرتے تو سمجھا جاتا کہ اصل مقصود دین ہے اور دنیا محض ضرورت کی چیز اب تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان صاحبوں میں ایسے منہمک ہیں کہ نہ خدا کی خبر نہ رسول کی یاد نہ عقائد کی فکر نہ احکام کی پروا۔

چو بمیرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد[2]

کے اچھے خاصے مصداق ہیں پھر ہم کیسے اس دعوے کو تسلیم کریں۔ بعض حضرات ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترقی کو نظیر میں پیش فرماتے ہیں ہم اس نظیر پر بدل و جان راضی ہیں۔ آیئے اس سے ہمارے آپ کے درمیان میں محاکمہ ہوا جاتا ہے۔

نظر و تحقیق و انصاف سے دیکھ لیجئے کہ صحابہؓ نے کس چیز میں ترقی کی تھی دین میں یا دنیا میں، اگر توسیع ممالک میں کوشش کی تھی تو کیا اس سے ترقی تجارت یا زراعت یا رفعت و صنعت مقصود تھی یا نماز و روزہ و قرآن و ذکر اللہ و اقامت حدود و عدل مطمع نظر تھا۔ قرآن مجید جو سب سے سچی تاریخ ہے اس سے اس کی تصدیق کرلیجئے اوپر سے صحابہ مہاجرین کا ذکر فرما کر ارشاد ہوتا ہے۔

---

[1] محبوب کا جمال ہمارے ناقص عشق کا محتاج نہیں خوبصورت چہرے کو رنگ و روغن اور زیب و زینت کی ضرورت نہیں۔

[2] جب سوتا ہے تو مصیبت زدہ ہوتا ہے اور جب اٹھتا ہے تو مصیبت زدہ ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج، ۴۱) وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر اختیار دے دیں ہم ان کو زمین میں تو قائم کریں نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو اور بتلائیں نیک باتیں اور روکیں برے کاموں سے اللہ ہی کے لئے ہے انجام سب کاموں کا۔

اور احادیث و سیر سے ان حضرات کے حالات تحقیق کر لیجئے کہ باوجود ان فتوحاتِ وسیعہ کے کبھی پیٹ بھر کر کھایا نہیں نیند بھر سوئے نہیں شب و روز خوف و خشیت و ذکر و فکر میں گزرتے تھے بلکہ دنیا کی اس کثرت سے فراخی کو دیکھ کر ڈرتے تھے اور روتے تھے۔ کجا صحابہؓ کی ترقی کجا اس وقت کی معکوس ترقی ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا [1]

اصل بات یہ ہے کہ حرص و شہوت نے ہر چہار طرف سے گھیر لیا ہے۔ طبیعت آرام پسند ہے، خواہش ہوتی ہے کہ اسباب تنعم و تلذذ کے جمع ہوں، دین و اسلام کا نام محض بطور امتیاز و شعار قومی کے باقی رہے۔ باقی نماز کس کی روزہ کس کا۔ بلکہ ان احکام کے ساتھ استخفاف و استہزاء سے پیش آتے ہیں۔ صاحبو! یہ کیسا دین ہے۔ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

رفع اشتباہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ میں تحصیلِ دنیا سے منع کرتا ہوں یا اس کے اسباب و وسائل مثلاً انگریزی پڑھنا، صنائع جدیدہ ایجاد کرنا وغیرہ کو حرام کہتا ہوں۔ بھلا بلا دلیل شرعی محض تعصباً میں اس پر حرمت کا فتویٰ دے کر اللہ پر افتراء کرنے والا بننا کیسے پسند کروں گا ہرگز یہ میرا مطلب نہیں، خوب دنیا کماؤ، نوکری کرو، اس کے وسائل بہم پہنچاؤ بلکہ ظاہری اطمینان اکثر باطنی کا ذریعہ ہوتا ہے ؎

خداوند روزی بحق مشتغل پراگندہ روزی پراگندہ دل [2]

مگر دین کو مت ضائع کرو، بے وقعت مت سمجھو، تحصیلِ دنیا میں احکام و قوانین الٰہی کی پابندی رکھنے کی کوشش کرو، دنیا کو دین پر ترجیح مت دو، جس جگہ دونوں نہ تھم سکیں۔ نفع دنیا کو چولہے میں ڈال دو۔ تعلیم علوم دنیویہ میں نماز روزہ سے غافل مت ہو جاؤ۔ عقائدِ اسلام

---

[1] دیکھو راستے کا اختلاف کہاں سے کہاں تک ہے۔ [2] روزی کا مالک حق کے ساتھ مشغول رہتا ہے جس کی روزی پریشان ہے۔ اس کا دل پریشان ہے۔

پر پختہ رہو، بری صحبت سے بچتے رہو اور نہ بچ سکو تو کم از کم بلا ضرورت دوستی اور اختلاط تو نہ کرو علماء و صلحاء کی صحبت سے نفور مت کرو۔

اپنے عقائد و اعمال کو ان کی خدمت میں جاکر سنواتے رہو، کوئی شبہ ہو دریافت کرلیا کرو اور غیر حق پر نظر مت رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے اقوال و افعال پر بصیر و خبیر سمجھو۔ حساب و جزاء سے ڈرتے رہو۔ وضع ولباس میں شریعت کا پاس رکھو، غرباء و مساکین کو حقیر مت سمجھو ان کی خدمت و سلوک کو فخر سمجھو۔ اپنے کو تواضع اور مسکنت سے رکھو، بڑوں کا ادب کرو، کسی پر ظلم و غصہ مت کرو، دل میں رقت پیدا کرو، سنگدل، لاابالی مت بنو۔ جس قدر وجہ حلال سے مل جاوے اس پر قناعت کرو۔ اپنے سے زیادہ مالداروں کو دیکھ کر حرص و ہوس مت کرو، سادگی سے بسر کرو تاکہ فضول خرچی سے بچو، اس وقت کثرتِ آمدنی کی بھی حرص نہ ہوگی اور اسی طرح جس قدر اسلامی اخلاق ہیں ان کو برتاؤ میں رکھو۔ تصحیح عقائد پابندی اعمال و اخلاق و وضع اسلامی کے ساتھ اگر لندن جاکر بیرسٹر بن آؤ، منصفی کرو، ڈپٹی کلکٹری و ججی سے ممتاز ہو۔ چشم ما روشن دلِ ما شاد، ورنہ

مبادا دل آن فرومایہ شاد که از بهر دنیا دهد دین بباد

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین

شکر الحمد للہ کہ یہ تیسویں شعبے قلب کے متعلق مع فضائل و متعلقات کے لکھے گئے۔ اگر کوئی صفتِ قلبیہ اور دیکھو سنو غور کرو گے تو ان ہی تیس میں سے کسی نہ کسی میں داخل پاؤ گے۔ اے طالبانِ حق خوب کوشش کرکے ان صفات سے اپنے قلب کی اصلاح کرو۔ اگر قلب درست ہوگیا تو زبان و جوارح کا درست ہونا بہت آسان ہے۔ جیسا حدیث شریف میں ہے۔ ان فی الجسد مضغۃ فاذا اصلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ

مگر یہ نہ کیجیو کہ جب تک یہ حاصل نہ ہوں زبان و جوارح کے اعمال کو مہمل چھوڑ دو، وہ بھی بجائے خود فرض ہیں دوسرے کبھی ظاہر کی اصلاح سے باطن کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے اب وہ شعبے سنو جو زبان سے متعلق ہیں۔

دوسرا باب

بیان میں ان ایمانی شعبوں کے جو زبان سے متعلق ہیں اور وہ سات ہیں۔

(۱) کلمہ توحید کا پڑھنا (۲) قرآن مجید کی تلاوت (۳) علم سیکھنا (۴) علم سکھلانا۔(۵) دعاء کرنا (۶) ذکر کرنا (۷) لغو اور منع کلام سے بچنا۔

مثل شعب متعلقہ قلب کے ان شعبوں کے بھی مختصر فضائل اور متعلقات چند فصول میں مرقوم ہوتے ہیں۔

فصل:۔ حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کوئی بندہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہو اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوگیا ہو مگر داخل ہوگا وہ بہشت میں۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ زنا کرے؟ اور چوری کرے؟ آپؐ نے فرمایا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اسی طرح تین بار سوال و جواب ہوا۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کرو اپنے مرنے والوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ ان لوگوں سے مقاتلہ کروں یہاں تک کہ کہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پس جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، کہہ لیوے اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان بچالیا مگر اس کے حق[1] سے اور حساب اس کا اللہ کے حوالہ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

امام احمدؒ نے حدیث روایت کی ہے کہ اپنا ایمان تازہ کر لیا کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ایمان کس طرح تازہ کیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کثرت سے کہا کرو۔

ف:۔ ان احادیث سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی بڑی فضیلت ثابت ہوئی حضراتِ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نے اسی کی مشق کے طرح طرح کے طریقے نکالے۔ اب اس مقام پر چند امور قابل تحقیق ہیں۔

تحقیق اقرار کے شرط و شطر ہونے کی | ایمان میں تحقیق کا وجود تو سب اہل حق کے نزدیک ضروری ہے لیکن اقرار اور عمل میں گفتگو یہ ہے کہ آیا ایمان کا شطر ہے یا شرط

---

[1] یعنی اگر یہ شخص دوسرے کے مال و جان کا نقصان کرے گا تو اس کا بدلہ لیا جاوے گا یا اور کوئی ایسا جرم کرے جس کا سے مال یا جسمانی سزا کا مستحق ہو ۱۲ منہ

یعنی ایمان میں داخل ہے یا خارج۔ نظرِ دقیق میں یہ اختلاف محض اختلافِ عنوان ہے کیونکہ اس پر سب متفق ہیں کہ بدون اقرار کے وجود ایمان کا ممکن نہیں تو معلوم ہوا کہ شطر و شرط بالمعنی الاصطلاحی مراد نہیں ہے ورنہ کوئی شئے بدون وجود جز و شرط کے ممکن الوجود نہیں ہوتی بلکہ جس نے شرط کہا ہے اجرائے احکامِ ظاہرہ کے لئے کہا ہے اور جس نے رکن کہا ہے اس نے تصریح کر دی ہے کہ یہ رکن زائد قابلِ سقوط ہے سو معنوں میں دونوں قائل متفق ہیں کہ اقرار موقوف علیہ حقیقتِ ایمان کا نہیں لیکن احکام بدوں اقرار کے جاری نہ ہوں گے اسی کو کسی نے شرط کہہ دیا کسی نے شطر ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

تحقیق اعمال کے شرط و شطر ہونے کی اور عمل میں گفتگو یہ ہے کہ یہ ایمان میں داخل ہے یا خارج اس میں بھی نظرِ تحقیق سے اختلاف لفظی ہے کیونکہ جنہوں نے داخل کہا ہے اس کے وہ بھی قائل ہیں کہ اعمالِ صالحہ کے ترک کر دینے سے ایمان سلب نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ جنہوں نے داخل کہا ہے انہوں نے ایمان سے مراد ایمان کامل یعنی مقرون بالاعمال لیا ہے اور جنہوں نے خارج کہا ہے انہوں نے نفس تصدیق مراد لی ہے پس ایمان کے دو معنی ہوئے ایمان بالمعنی الاوّل دخول فی النار سے نجات دلانے والا ہے اور ایمان بالمعنی الثانی خلود فی النار سے بچانے والا ہے۔

تحقیق زیادت و نقصان ایمان ایمان زائد یا ناقص ہوتا ہے یا نہیں؟ حقیقت میں یہ اختلاف بھی لفظی ہے کیونکہ ایمان کامل مقرون بالعمل تو اعمال کی کمی و زیادتی سے زائد و ناقص ہوتا ہے اور نفس تصدیق چونکہ کیفیات سے ہے اور زیادت و نقصان کمیات میں ہوتا ہے وہ زائد ناقص نہیں ہوتی البتہ زیادت و نقصان کبھی شدت و ضعف پر بولا جاتا ہے اس معنیٰ کے اعتبار سے تصدیق میں بھی کمی زیادتی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جو زیادت وغیرہ الفاظ آئے ہیں وہاں زیادت بمعنیٰ شدّت ہے۔ اہلِ لغت کے نزدیک زیادت کا لفظ عام ہے البتہ اہلِ اصطلاح کے نزدیک شدت و زیادت میں تبائن ہے۔ فارتفع الاشکال۔

تلاوتِ قرآن مجید ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھا کرو۔ پس بے شک وہ قیامت کے دن آوے گا شفاعت کرتا ہوا اپنے پڑھنے والوں کے لئے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور بیہقیؒ نے حدیث نقل کی ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی تمام عبادات میں

افضل قرآن مجید کا پڑھنا ہے۔

اور امام احمدؒ نے حدیث روایت کی ہے کہ قرآن والے وہی اللہ والے اور اس کے خاص بندے ہیں اور حدیثیں فضائل تلاوتِ قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔

آداب ضروری تلاوت قرآن مجید تلاوتِ قرآن کے بہت سے آداب ہیں کچھ ظاہری کچھ باطنی۔ مختصر یہ ہے کہ جب قرآن مجید پڑھے باوضو ہو۔ پاک کپڑا ہو۔ جگہ پاک ہو، وہاں بدبو نہ ہو، قبلہ رو ہو تو بہتر ہے، حرف صاف صاف پڑھے۔ جب بالکل دل نہ لگے اس وقت موقوف کردے۔ پڑھتے وقت دل حاضر ہو۔ اس کا سہل طریق یہ ہے کہ قبل از تلاوت کے یوں تصور کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ ہم کو کچھ قرآن سناؤ اور میں اس فرمائش کی تعمیل کے لئے پڑھتا ہوں اور ان کو سناتا ہوں اس مراقبہ سے بے تکلف تمام آداب کی خود رعایت ہو جاوے گی۔

قرآن کے ساتھ برتاؤ افسوس کہ ہمارے زمانے میں اکثر عوام بلکہ خواص بھی قرآن مجید کی طرف سے بالکل بے توجہ ہو گئے ہیں۔ بعض لوگ تو اس کے پڑھنے پڑھانے کو نعوذ باللہ بیکار سمجھتے ہیں۔ جو مر مار کر پڑھ بھی لیتے ہیں وہ اس کے یاد رکھنے کی فکر نہیں کرتے اور ہمیشہ جو پڑھتے رہتے ہیں اس کو اس کی تصحیح کا خیال نہیں رہتا۔ بعض طالب علموں کے قرآن پڑھنے پر پورا پورا یہ شعر صادق آتا ہے [1]

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی　　　ببری رونق مسلمانی

جو تصحیح بھی کر لیتے ہیں ان کو فہم معانی کی طرف التفات نہیں جو ترجمہ یا کوئی تفسیر بھی پڑھ لیتے ہیں وہ بھی تدبر و تفکر سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے جو اس مرحلہ کو بھی طے کر لیا تو عمل کا خیال نہیں اور یہ شکایت تو عام ہے۔ اکثر اہلِ علم قرأتِ سبعہ متواترہ سے ناواقف ہیں گویا بجز ایک قرأت کے دوسری قرأتیں شارع علیہ السلام سے منقول و ثابت ہی نہیں۔ بہر حال خوب مل جل کر قرآن کو متروک کر دیا ہے۔ ڈرنا چاہیئے کبھی قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرماویں۔

یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۝ (الفرقان۔۳۰)

اے میرے پروردگار بیشک میری قوم نے ٹھہرا لیا تھا قرآن مجید کو ایک چھوڑی ہوئی چیز

[1] اگر تو قرآن اس طریقہ سے پڑھے گا تو مسلمانی کی رونق ختم کرے گا۔

علم سیکھنا ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو بھلائی منظور ہوتی ہے اس کو دین کا علم اور سمجھ عنایت فرماتے ہیں روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے اور ارشاد فرمایا کہ طلب کرنا علم کا فرض ہے ہر مسلمان پر۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

علم سکھانا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پوچھا جاوے کوئی علم کی بات پھر وہ اس کو چھپالیوے لگام دے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آگ کی لگام۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے سب فرشتے اور آسمان والے اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور یہاں تک کہ مچھلی دعائے خیر کرتی ہے اس شخص کے لئے جو لوگوں کو خیر کی یعنی دین کی تعلیم دیتا ہو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

فضائل علم دین و اقسام علم مفروض یہ جو فضائل تعلیم و تعلّم کے وارد ہیں یہ سب علوم دینیہ کے ساتھ خاص ہیں یا جو علوم ان علوم کے خادم ہیں اور جو فنون علوم دینیہ میں کچھ دخل نہیں رکھتے یا دخل رکھتے ہوں مگر کبھی ان کو خدمت علم دین کا ذریعہ نہ بنایا جاوے۔ تمام عمر انہی خرافات میں پھنسا رہے ان کو ان فضائل سے کچھ تعلق نہیں، بلکہ ایسے علوم کی شان میں ؎۔ وارد ہوا ہے یعنی بعض علم بھی جہل ہے۔ شیخ فرماتے ہیں ؎۔

علمیکہ رہ بحق نہ نماید جہالت است [1]

اور اس علم دین میں دو مرتبے ہیں۔ ایک فرض عین دوسرا فرض کفایہ، فرض عین تو وہ ہے جس کی ضرورت واقع ہوئی ہو۔ مثلاً نماز سب پر فرض ہے تو اس کے احکام کا جاننا بھی سب پر فرض ہے۔ زکوٰۃ مالداروں پر فرض ہے اس کے احکام جاننا بھی ان ہی پر فرض ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس جو جو حالت ہوتی جاوے اس کے احکام کا سیکھنا فرض ہوتا جاوے گا۔

علماء پر کسب دنیا نہ کرنے سے جو الزام ہے اس کا جواب

اور فرض کفایہ یہ کہ ہر جگہ ایک دو آدمی ایسے ہونے چاہئیں جو اہل بستی کی دینی ضرورتوں کو رفع کر سکیں اور مخالفین اسلام کے شبہات و اعتراضات کا جواب دے سکیں۔

ایقاظ: یہ بات تجربہ سے ثابت ہوتی ہے کہ کسی شئے میں پورا کمال بدوں کمال اشتغال

---

[1] وہ علم جو راہ حق نہیں دکھاتا وہ جہالت ہے۔

کے حاصل نہیں ہوتا اور کمال اشتغال بدون قطع تعلقات و حصول یکسوئی کے میسر نہیں ہوتا سو علوم دینیہ میں تبحر اور اس کی پوری طرز سے خدمت کرنی دوسرے اشتغال کے ساتھ عادتاً محال ہے سو اکثر نادان ابناء زبان کا علماء دین پر یہ اعتراض کہ یہ لوگ اور کسی کام کے نہیں کس قدر کم فہمی کی دلیل ہے۔

سب طریقے حصول علم دین کے عوام کے لیئے تحصیل جو علم فرض عین ہے۔ اس کے لئے عربی زبان کی تحصیل ضروری نہیں بلکہ فارسی یا اردو میں مسائل و عقائد کا سیکھ لینا کافی ہے لوگوں کو چاہئے کہ کم از کم اپنے بچوں کو اتنا علم سکھلا دیا کریں کہ دو چار نسلوں کے بعد شاید دین سے ایسی اجنبیت نہ ہو جاوے کہ دین و اسلام کے انتساب سے بھی عار آنے لگے خدا کے لئے اس طوفانِ بدتمیزی کے روکنے کی فکر کرو اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے اردو فارسی پڑھنا بھی نہ ہو تو علماء کی صحبت میں اپنے عقائد و مسائل کی تصحیح کرلے اور اولاد کو بھی تاکید کرے کہ روزمرہ یا تیسرے چوتھے اور دس پندرہ منٹ کے لئے کسی خوش عقیدہ متقی محقق عالم کی صحبت سے فیض اٹھایا کریں۔ صحبت کے عجیب منافع و برکات ہیں۔

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا — گو نشیند در حضورِ اولیاء [لہ]
یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا مغز ہے عبادت کا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ قدر کی کوئی چیز نہیں روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دعاء نفع دیتی ہے اس بلا سے جو نازل ہو چکی ہے اور اس بلا سے بھی جو نازل نہیں ہوئی (جو مصیبت واقع ہو گئی ہے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جو واقع نہیں ہوئی وہ ٹل جاتی ہے) اپنے ذمہ لازم کر لو اے اللہ کے بندو دعا کو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی ایسا شخص

لہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی کرنا چاہے اس کو کہہ دو کہ وہ اولیاء اللہ کے حضور میں بیٹھے۔ تھوڑا زمانہ اولیاء اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہنا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

نہیں جو دعا مانگے مگر اس کو اللہ تعالیٰ یا تو اس کو مانگی چیز دیتے ہیں یا کوئی برائی اس سے روک دیتے ہیں جب تک کہ گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں کہ اللہ کی قبولیت کا یقین رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل قلب سے دعا قبول نہیں فرماتے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

ف ۱۱۔ ان احادیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو دعا کی فضیلت اور تاثیر اکثر لوگ شدائد میں طرح طرح کی تدابیر کرتے ہیں مگر دعا کی طرف مطلقاً التفات نہیں کرتے حالانکہ وہ اعظم تدابیر ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دعا کبھی بے کار نہیں جاتی یا تو وہی چیز مل جاتی ہے یا کوئی اور آنے والی بلا ٹل جاتی ہے یا موافق ایک روایت کے آخرت میں اس کے لئے جمع ہو جاتی ہے بہرحال قبولیت ضرور ہوتی ہے۔ آج کل یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی اس سے یہ شبہ جاتا رہا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قبولِ دعا کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ خلافِ شرع درخواست نہ ہو اور حضورِ قلب سے ہو اور قبولیت کا یقین ہو۔ آج کل ان سب شرائط میں غفلت ہے اکثر یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم جو چیز مانگ رہے ہیں موجب ناخوشی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تو نہ ہوگی، نہ حضور قلب میسر ہوتا ہے بلکہ حالت یہ ہے:۔

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر[1] ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

چونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر قلب پر ہے۔ قلب کی بے التفاتی کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی حاکم کی پیشی میں درخواست دی جاوے اور اس کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو جاویں۔ ظاہر ہے کہ اس بے رخی کا کیا اثر ہوگا اور سب سے بڑی بلا یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کا یقین نہیں ہوتا، تردد ہوتا ہے کہ دیکھئے منظور ہوگئی ہے یا نہیں اس کی بعینہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی حاکم کے یہاں نوکری کی تحریری درخواست دے۔ اول میں تو بہت خوشامد کے الفاظ ہوں اور اس کے ساتھ آخر میں یوں بھی لکھ دے "کہ مجھ کو آپ سے امید تو نہیں ہے کہ آپ مجھ کو نوکری دیں گے"۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسی مہمل درخواست کا کیا اثر ہوگا۔ بجز اس کے کہ نامنظور

---

[1] زبان پر سبحان اللہ ہو اور دل میں گدھا اور گائے ہو ایسی تسبیح کیسے اثر رکھتی ہے۔

ہو بلکہ غالباً اور الٹا عتاب وعقاب ہونے لگے۔ اسی طرح دل میں جب قبولیتِ دُعا کا یقین نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تو دل کی کیفیات پر مطلع ہیں، دل میں تردّد رکھنا ان کے نزدیک ایسا ہی ہے۔ جیسے حکام مجازی کے روبرو زبان یا قلم سے تردّد کا اظہار کرنا پھر ایسی دعاء کیسے قبول ہونے کے لائق ہے۔

اور منجملہ شرائط قبول دعاء کے یہ بھی ہے کہ خوراک وپوشاک حرام سے بچے۔ اس شرط کو تو آج کل بالکل محال سمجھ رکھا ہے اور روزی حلال کو عنقا قرار دے رکھا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے شریعت مطہرہ نے وجوہ طرق معیشت میں بہت وسعت دی ہے جو چیز موافقِ فتوائے علمائے شرح کے حلال ہو وہ حلال ہے اور تقویٰ کا درجہ تو بہت بڑھا ہوا ہے وہ مقام صدیقین کا ہے عوام کے لئے فتویٰ پر عمل کرلینا جائز ہے۔

ذکر اللہ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال اس شخص کی جو ذکر کرتا ہو اپنے رب کا اور اس شخص کی جو نہ ذکر کرتا ہو مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم وبخاری نے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ کلام مت کیا کرو بجز ذکر اللہ کے کیونکہ زیادہ کلام بجز ذکر اللہ کے قساوتِ قلب کا سبب ہے اور سب سے زیادہ دور اللہ تعالیٰ کے وہ قلب ہے جس میں قساوت ہو روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے لئے صیقل ہے اور دلوں کا صیقل ذکر اللہ ہے۔ روایت کیا اس بیہقی نے۔

عربی طریقہ تصوّف ان احادیث سے ذکر اللہ کی بزرگی کس درجہ ثابت ہوتی ہے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کے طریقہ کی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ ان کو اس کا نہایت اہتمام ہے۔ اس کے طرح طرح کے طریقے سوچ سوچ کر تعلیم فرماتے ہیں۔ یہ ذکر اوّل زبانی ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ خود قلب میں اثر پہنچتا ہے اس سے بالطبع اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے اس سے بے تکلف اطاعت ہونے لگتی ہے اور جو آثار واحوال پیدا ہوتے ہیں کرنے والے کو خود معلوم ہوجاوے گا۔

غرض ذکر اللہ عجب چیز ہے۔ کسی شیخ کامل سے اس کا طریقہ دریافت کرکے ہم وپیش ہر شخص کو اس کام کا اہتمام ضروری ہے۔

استغفار ذکر اللہ میں استغفار بھی داخل ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم خدا کی میں استغفار کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص لازم کرلے استغفار کو اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے نجات کی سبیل اور ہر فکر و غم سے کشادگی کردیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابو داؤد اور ابن ماجہ نے۔

لغو اور ممنوع کلام سے بچنا سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ذمہ دار ہو جائے میرے واسطے اس چیز کا جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان اور جو اس کی ٹانگوں کے بیچ میں یعنی شرمگاہ۔ میں اس کے لئے ذمہ دار ہوں بہشت کا (بخاری)

عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجات کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور تمہارا گھر تمہارے گنجائش والا ہونا چاہئے یعنی گھر سے بلا ضرورت مت نکلو اور اپنی خطا پر روتے رہو۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی نے۔

آفات زبان منجملہ آفاتِ عظیمہ کے زبان کی آفت ہے کہ بظاہر نہایت خفیف ہے اور حقیقت میں نہایت ثقیل۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سنبھالنے کے لئے بہت تاکید فرمائی ہے کیونکہ اکثر آفتیں زبان کی بدولت نازل ہوئیں جب تک زبان نہیں چلتی نہ کسی سے لڑائی ہو نہ جھگڑا نہ عدالت نہ خصومت اور جہاں یہ چلی سب کچھ آموجود ہوا۔ بزرگوں نے حدیثوں سے اس کی آفات مستنبط کرکے ان کو ایک جگہ جمع کردیا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نہایت تفصیل سے اس مضمون کو لکھا اور اردو میں حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحبؒ نے اس مضمون کو اپنے رسالہ ضمان الفردوس میں بقدر کافی تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالہ کا دیکھنا بلکہ اپنا وظیفہ بنا لینا ہر شخص کے لئے ضروری ہے راقم الحروف اس مقام پر صرف ان گناہوں کے جو زبان کے متعلق ہیں شمار کرتا ہے اور تفصیل

اور وعید کو کتابیں مذکورین پر حوالہ کرتا ہے۔ یہاں لکھنا سب کا تطویل ہے اور تحصیل حاصل بھی وہ سب آفات موافق شمار امام غزالی کے بیس ہیں۔ (۱) کلام کرنا ایسے امر میں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ (۲) حاجت سے زائد کلام کرنا۔ (۳) بے ہودہ باتوں میں خوض کرنا مثلاً غیر عورتوں کی حکایتیں بیان کرنا یا فساق و فجار و ظالموں کی حکایت محض دلچسپی کے بیان کرنا جیساکہ اکثر بیٹھکوں میں ہوتا ہے۔ (۴) بحث مباحثہ کرنا (۵) لڑائی و جھگڑا کرنا (۶) کلام میں تکلف و تصنع کرنا (۷) فحش گالیاں بکنا (۸) بدزبانی کرنا (۹) لعنت کرنا کسی پر یعنی پھٹکار ڈالنا۔ یہ عادت عورتوں میں بہت ہوتی ہے۔ (۱۰) گانا اور شعر پڑھنا جو خلافِ شرع ہو جیساکہ آج کل کثرت سے یہی ہے۔ (۱۱) حد سے زیادہ خوش طبعی کرنا (۱۲) استہزاء کرنا جس میں دوسرے کی تحقیر ہو یا وہ برا مانے۔ (۱۳) کسی کا راز ظاہر کر دینا (۱۴) جھوٹا وعدہ کرنا (۱۵) جھوٹ بولنا، البتہ جہاں ضرورتِ شدیدہ ہو اور دوسرے کی حق تلفی نہ ہوتی ہو وہاں اجازت ہے۔ (۱۶) غیبت۔ یہ سب سے بڑھ کر ہم لوگوں کی غذا ہو رہی ہے اور اس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم تو سچ کہہ رہے ہیں پھر غیبت کہاں ہوئی۔ یہ شبہ بالکل مہمل ہے کیونکہ غیبت تو جب ہی ہوتی ہے جب وہ بات سچ ہو ورنہ بہتان ہے۔ البتہ جس شخص سے کسی کو دینی یا دنیوی مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہے اس کا حال بیان کر دینا جائز ہے۔ (۱۷) چغلخوری کرنا ہر گروہ میں جاکر اس کی سی باتیں بنا دینا۔ (۱۸) کسی کے منہ پر اس کی تعریف یا خوشامد کرنا۔ البتہ اگر اس کی تعریف سے مخاطب کو خود بینی پیدا نہ ہو بلکہ امرِ خیر کی اور زیادہ رغبت پیدا ہو جاوے تو مضائقہ نہیں۔ (۱۹)۔ بول چال میں باریک غلطیوں کا لحاظ نہ رکھنا مثلاً اکثر لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اوپر خدا نیچے تم۔ بری بات ہے اس میں شبہ مساواتِ خالق و مخلوق کا ہوتا ہے۔ (۲۰) علماء سے ایسے سوالات کرنا جن سے اپنی کوئی ضرورت متعلق نہیں۔

طریق حفظِ لسان علاج اس کا یہ ہے کہ جب کوئی بات کہنے کا ارادہ ہو تو بے تامل نہ کہہ ڈالے۔ کم از کم دو تین سیکنڈ یہ سوچ لے کہ میں جو بات کہنا چاہتا ہوں، میرے مالکِ حقیقی کو ناخوش کر دینے والی تو نہیں ہے۔ اگر پورا اطمینان ہو تو بولنا شروع کرے مگر ضرورت کے موافق اور اگر ذرہ بھی خلجان ہو تو خاموش رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سہولت سے سب آفات سے بچ جائے گا۔ شیخ سعدیؒ کیا خوب فرماتے ہیں۔

مزن بے تامل بگفتار دم ۔۔ نکو گوئی گر دیر گوئی چہ غم (اللہ تعالیٰ توفیق بخشے)

الحمدللہ کہ اس مقام پردہ شعبے جو زبان سے متعلق ہیں ختم ہوئے۔

تیسرا باب

ان شعبوں کے بیان میں جو باقی جوارح سے متعلق ہیں اور وہ چالیس شعبے ہیں۔ سولہ تو مکلف کی ذاتِ خاص سے متعلق ہیں۔ (۱) طہارت حاصل کرنا۔ اس میں بدن جامہ، مکان کی طہارت، وضو کرنا غسل کرنا، جنابت سے حیض سے، نفاس سے سب کچھ داخل ہو گیا (۲) نماز کا قائم کرنا۔ اس میں فرض نفل و قضا سب آ گیا۔ (۳) صدقہ، اس میں زکوٰۃ، صدقہ فطر، طعام جود، طعام اکرام مہمان سب داخل ہے (۴) روزہ۔ فرض و نفل (۵) حج و عمرہ (۶) اعتکاف، شب قدر کا تلاش کرنا اسمیں آ گیا۔ (۷) اپنے دین کو بچانے کے لئے کہیں بھاگ نکلنا۔ اس میں ہجرت بھی آ گئی (۸) نذر پوری کرنا (۹) قسم کا خیال رکھنا (۱۰) کفارہ ادا کرنا (۱۱) بدن چھپانا نماز اور غیر نماز میں (۱۲) قربانی کرنا (۱۳) جنازہ کی تجہیز و تکفین و تدفین (۱۴) دین ادا کرنا (۱۵) معاملات میں راست بازی کرنا اور غیر مشروع معاملات سے بچنا۔ (۱۶) سچی گواہی ادا کرنا اور اس کو پوشیدہ نہ کرنا۔

اور چھ اپنے اہل و توابع کے متعلق ہیں۔ (۱) نکاح سے عفت کرنا۔ (۲) اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا۔ اس میں غلام نوکر خدمت گزار سے نرمی و تلطف کرنا بھی آ گیا۔ (۳) والدین کی خدمت اور ان کو ایذا نہ دینا (۴) اولاد کی پرورش کرنا۔ (۵) ناتہ داروں سے سلوک کرنا (۶) آقا کی اطاعت کرنا۔

اور اٹھارہ عام لوگوں سے متعلق ہیں (۱) حکومت سے عدل کرنا (۲) مسلمانوں کی جماعت کی اطاعت کرنا۔ (۳) حکام کی اطاعت کرنا (۴) لوگوں میں اصلاح کر دینا۔ اس میں خوارج اور باغیوں کے ساتھ قتال کرنا بھی داخل ہے کیونکہ فساد کا دفع کرنا اصلاح کا سبب ہوتا ہے (۵) نیک کام میں مدد دینا (۶) نیک بات بتلانا (۷) بری بات سے منع کرنا (۸) جہاد کرنا۔ اس میں سرحد کی حفاظت بھی آ گئی (۹) امانت ادا کرنا۔ اس میں خمس نکالنا بھی داخل ہے (۱۰) قرض دینا کسی حاجت مند کو (۱۱) پڑوسی کی خاطر داری کرنا (۱۲) خوش معاملگی (۱۳) مال کو اس کے موقع میں صرف کرنا۔ اس میں فضول خرچی سے بچنا بھی آ گیا (۱۴) سلام کا جواب دینا۔ (۱۵) چھینکنے والے کو جواب دینا یعنی جب الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۱۶) لوگوں کو ضرر نہ پہنچانا (۱۷) لہو و باطل سے بچنا۔ (۱۸) ایذا دینے والی چیز جیسے کانٹا ڈھیلا راہ سے ایک طرف کر دینا۔ ۶، ۱۶ اور ۱۸ کا مجموعہ چالیس ہوا مثل شعب مذکورہ کے ان شعب کے بھی مختصر فضائل اور متعلقات کے لئے چند فصلیں منعقد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اتمام فرماویں۔

طہارت اور ہر قسم کی صفائی اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طہارت نصف ایمان ہے روایت اس کو مسلم نے۔

ف :- اس میں ہر قسم کی صفائی داخل ہوگئی چنانچہ ارشاد ہوا پانچ چیزیں فطرتِ سلیمہ کا مقتضا ہیں (۱) ختنہ کرنا (۲) استرہ لینا (۳) لبیں ترشوانا (۴) ناخن کٹانا (۵) بغل کے[1] بال اکھاڑنا روایت کیا اس بخاری ومسلم نے۔

اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک صاف ہیں۔ صفائی کو پسند کرتے ہیں۔ سو اپنے گھروں کے آگے میدانوں کو صاف رکھا کرو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

دیکھئے شریعت مطہرہ نے صفائی کی کیسی تعلیم فرمائی۔ افسوس کہ ہم لوگ شریعت پر عمل چھوڑ کر غیر قوموں سے ہنسواتے ہیں اور شریعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کی شریعت اصلاح معاش کے لئے کافی نہیں اور دوسری قومیں ہمارے اصول واحکام لے کر اپنی طرف نسبت کرتی ہیں اور فخر کرتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون سادگی سے رہو مگر صاف رہو کپڑا بدن، مکان سب ستھرا رہے میلا پن نہایت ذلت اور دوسرے کی ایذا کا سبب ہے۔

فصل :- عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حضورِ سرورِ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک روز نماز کا ذکر فرمایا کہ جو شخص نماز پر محافظت کرے یعنی اس کو ہمیشہ برعایت شرائط وارکان پڑھتا رہے اس کے لئے وہ نماز قیامت کے روز روشنی اور برہان اور سبب نجات ہو جاوے گی اور جو شخص اس پر محافظت نہ کرے گا نہ وہ اس کے لئے نور ہو گی نہ برہان نہ نجات اور وہ شخص قیامت کے دن فرعون وقارون وہامان وابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ روایت کیا اس کو احمد اور دارمی نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کرو اپنی اولاد کو نماز کا جب وہ سات برس کے ہو جاویں اور ان کو نماز کے لئے مارو جب وہ دس برس کے ہو جاویں علیحدگی کر دو ان کے درمیان خوابگاہ میں یعنی جب وہ ہوشیار ہو جاویں تو ان کو علیحدہ علیحدہ بستر پر سلاؤ۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

ف :- نماز کی فضیلت اور اس کے ترک پر وعید کے بارہ میں بے شمار احادیث موجود ہیں اکثر لوگ نماز میں بہت غفلت کرتے ہیں، طرح طرح کے بہانے پیش لاتے ہیں۔ بڑا عذر کم فرصتی کا ہوا کرتا ہے۔

---

[1] افضل ہے اور منڈانا بھی جائز ہے کیونکہ مقصود ازالہ ہے ۱۲ عفی عنہ

صاحبو! اگر عین ہجوم کاروبار کے وقت پیشاب یا پائخانہ کا دباؤ پڑے اس وقت کیا کرو اپنا کام کرتے رہو یا سب چھوڑ چھاڑ بمپولیس دوڑے جاؤ۔ پھر افسوس کیا نماز کی اتنی بھی ضرورت اور قدر نہیں ہے سب سے بڑھ کر افسوس یہ ہے کہ بعض درویش اس کو ضروری نہیں سمجھتے اور دوسرے عوام اور جاہلوں کو گمراہ کرتے ہیں درویشی تو اس واسطے اختیار کیا کرتے ہیں کہ پہلے سے زیادہ عبادت وطاعت میں مشغولی ہوگی جو کام دین کا پہلے دشوار تھا وہ آسانی سے ہونے لگے گا نہ یہ کہ جو لنگڑا لنجا نماز روزہ تھا وہ بھی رخصت کر دیا گیا۔ اس سے بڑھ کر رنج کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کی آیات میں تحریف کر کے اپنے مطلب کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

صاحبو! تفصیلی جواب تو طالب علموں کے سمجھنے کے ہیں ان بچاروں سے اتنا پوچھ لینا کافی ہے کہ قرآن مجید جن پر نازل ہوا وہ زیادہ سمجھتے تھے یا تم پھر وہ تو عمر بھر نماز پڑھتے رہے پھر تم نے کس بنا پر نماز چھوڑ دی۔ بات یہ ہے کہ یہ بھی نفس کی شرارت ہے کہ بزرگی کے پردے میں لذتِ نفس کو پورا کیا جاتا ہے یا اثنائے سلوک میں کوئی دھوکہ ہو گیا ہے جس کا منشا جہل اور دوسروں سے اپنے کو بڑا سمجھنا ہے ورنہ کسی کامل جامع شریعت وحقیقت سے رجوع کرتے غلطی نکل جاتی۔ اللہ تعالیٰ سب آفات سے محفوظ رکھے جو لوگ اب نماز کی طرف متوجہ ہوں ان کو پچھلی ناغہ نمازیں قضا کرنی چاہئیں وہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتیں اور قضا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ فجر کی قضا فجر کے وقت ہو ظہر کی قضا ظہر کے وقت ہو یہ کچھ ضروری نہیں بجز تین وقتوں کے اور تمام اوقات میں قضا جائز ہے وہ تین وقت یہ ہیں (۱) آفتاب نکلتے وقت، (۲) جب آفتاب برابر ہو (۳) جب آفتاب چھپنے لگے۔ البتہ اس میں اکثر لوگوں کو آسانی ہوتی ہے کہ ایک ایک ادا نماز کے ساتھ ایک ایک نماز پڑھ لیا کریں۔

صدقہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ دیتا ہو قیامت کے روز اس کا مال ایک گنجے سانپ کی شکل بنا دیا جاوے گا۔ جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے (ایسا سانپ بڑا زہریلا ہوتا ہے) وہ اس کے گلے میں بمنزلہ طوق کے ڈالا جائے گا پھر وہ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ولا تحسبن الذین یبخلون۔ الآیۃ، (اس میں بھی مال کے طوق ہونے کا ذکر ہے) روایت کیا اس کو بخاری نے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خیالات کی عقلی طور پر اصلاح اکثر مالدار زکوٰۃ دینے میں کوتاہی کرتے ہیں، ڈرتے ہیں کہ روپیہ کم ہو جاوے گا۔ صاحبو! اول تو اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ و صدقہ دینے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا اس وقت اگر کسی قدر نکل جاتا ہے تو کسی موقع پر اس سے زیادہ اس میں آجاتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

دوسرے اگر بالفرض کم ہی ہو گیا تو کیا ہے آخر اپنے حظوظِ نفس میں ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہو وہ بھی تو کم ہی ہوتا ہے۔ سرکاری ٹیکس اور محصول میں بہت کچھ دینا پڑتا ہے اور نہ دو تو باغی، مجرم قرار دیئے جاؤ۔ آخر اس میں بھی تو گھٹتا ہے۔ پھر اس کو خدائی ٹیکس سمجھو۔

تیسرے یہ کہ یہاں گو کم ہوتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہاں جمع ہو جاتا ہے آخر ڈاک خانہ میں بنک میں روپیہ جمع کرتے ہو تمہارے قبضہ سے تو نکل ہی جاتا ہے مگر اطمینان ہوتا ہے کہ معتبر جگہ ہے نفع بڑھتا رہتا ہے۔ اسی طرح صاحب ایمان کو خداوند جل شانہ کے وعدوں پر اعتماد کر کے سمجھنا چاہئے کہ وہاں جمع ہو رہا ہے اور قیامت کے دن اصل مع نفع کے ایسے موقع پر ملے گا کہ اس وقت بہت ہی سخت ضرورت ہوگی اس کے علاوہ حفاظتِ مال کے واسطے چوکیدار نوکر رکھتے ہو اس کو تنخواہ دینی پڑتی ہے باوجودیکہ یہ مقدار گھٹ جاتی ہے مگر اس ڈر سے کہ تھوڑی بچت کے واسطے کہیں سارا روپیہ چوری نہ ہو جاوے۔ یہ رقم صرف کرنا گوارا کرتے ہو۔ اسی طرح زکوٰۃ کے ادا کرنے کو مال کا محافظ سمجھو۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے مال ہلاک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے کہ "نہیں مخلوط ہوتی زکوٰۃ کسی مال میں کبھی ہلاک کر دیتی ہے وہ اس مال کو روایت کیا اس کو شافعیؒ نے اور بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور حمیدی نے اور اس قدر انہوں نے اور زیادہ کیا ہے کہ تجھ پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور تو نے اس کو نہ نکالا ہو سو یہ حرام اس حلال کو ہلاک کر ڈالتا ہے سو وہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے اس کو چوکیداروں کی تنخواہ ہی سمجھ لیا کرو۔ پھر یہ کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو کچھ نہ کچھ حاجت مندوں کے لئے خرچ کرنا پڑتا ہو۔ کاش اگر حساب کر کے خرچ کریں تو زکوٰۃ سہولت سے ادا ہو جاوے۔

صدقہ فطر ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آخر رمضان میں فرمایا کہ اپنے روزہ کا صدقہ نکالو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ مقرر فرمایا ہے ایک صاع خرما ہو یا جو یا نصف صاع گیہوں ہر شخص پر خواہ آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا۔ روایت

کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے اور ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کو اس واسطے مقرر فرمایا ہے کہ روزے لغو اور فحش سے پاک ہو جاویں اور غریبوں کو کھانے کو ملے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

صدقۂ فطر کے مفصل مسائل کتب فقہ سے لینا چاہئیں۔

مال میں علاوہ زکوٰۃ اور بھی حقوق ہیں | رفع غلطی اکثر قانونی طبیعت کے لوگ یوں سمجھا کرتے ہیں کہ جب ہم نے زکوٰۃ ادا کر دی اب کوئی حق ہمارے ذمہ نہ رہا۔ پھر ان کی قساوت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کوئی غریب محتاج کیسا ہی بھوکا مرتا ہو اور ان بزرگ کے پاس ہزاروں روپیہ بھرا پڑا ہو مگر ان کو نہ اس پر رحم آتا ہے نہ اس کو ایک پیسہ دیتے ہیں اور اپنے زعم میں بڑے بے فکر بیٹھے ہیں کہ ہم زکوٰۃ تو ادا کر چکے ہیں اب ہمارے ذمہ کوئی حق نہیں رہا۔ یہ خیال نہایت غلط ہے خود حدیث میں موجود ہے اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ ثُمَّ تَلَا لَیْسَ الْبِرَّ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی یعنی مال میں اور بھی حق ہے سوا زکوٰۃ کے پھر آپ نے تصدیق کے لئے یہ آیت پڑھی لیس البر الخ

وجہ تصدیق کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مال دینے کو فرمایا اس کے بعد زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا۔ سو معلوم ہوا کہ یہ مال کا دینا علاوہ ادائے زکوٰۃ کے ہے۔ اسی طرح احادیث کثیرہ سے اور حقوق کا ثبوت ہوتا ہے بات یہ ہے کہ حقوق مالیہ دو قسم کے ہیں، معیّن اور غیر معیّن۔ زکوٰۃ معیّن حق ہے جو خاص وقت میں خاص شرائط میں خاص مقدار کے ساتھ مقرر ہے۔

اور دوسرے حقوق غیر معیّن ہیں جن کا مدار اہل حقوق کی حاجت پر ہے اس کا کوئی ضابطہ نہیں مثلاً ایک محتاج سائل جس کو ایک روپیہ کی ضرورت ہے اور ہمارے پاس حاجت سے زائد ایک روپیہ موجود ہے کیا ہمارے ذمہ اس کی دستگیری ضرور نہ ہوگی بے شک ضرور ہوگی۔ اسی طرح کسی کو قرض دے دینا کوئی چیز عاریۃً دے دینا کاموں میں اعانت کرنا یہ سب بقدرِ وسعت ضروری ہے

روزہ | ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی کے تمام اعمال کا یہ قانون ہے کہ ایک نیکی دس حصہ سے سات سو تک بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سوائے روزہ کے کہ وہ خاص میرا ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا۔ میری خاطر سے اپنی شہوت کو اپنے کھانے کو چھوڑ دیتا ہے۔

روزہ دار کے واسطے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت، دوسری خوشی اپنے

پروردگار کی ملاقات کے وقت اور البتہ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشبوئے مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے۔

اور جب تم میں کوئی روزہ رکھے تو فحش باتیں نہ کرے اور شور و غل نہ مچاوے اگر کوئی گالی گلوچ کرنے لگے یا لڑنے لگے تو یوں کہہ دینا چاہیئے کہ بھائی میرا تو روزہ ہے روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

روزوں میں کوتاہی کرنے والوں کی اصلاح اور بے شمار حدیثیں روزہ کے فضائل اور ترک روزہ کی برائی میں وارد ہیں۔ افسوس اس زمانے میں اکثر اہلِ تنعم روزہ سے جی چراتے ہیں کہتے ہیں بھوک پیاس کی تاب نہیں ہوتی۔ بڑے تعجب کی بات ہے اگر حکیم صاحب کسی بیماری میں فرمائیں کہ چار وقت کا فاقہ کرنا نہیں تو مر جاؤ گے تو حضرت چار وقت کی جگہ احتیاطاً پانچ وقت کا فاقہ خوشی سے کرنے کو تیار و مستعد ہو جاویں گے۔ افسوس خدا کا حکم حکیم کے حکم کے برابر بھی نہ ہوا افسوس حیٰوۃ اخرویہ کی قدر حیٰوۃ دنیویہ کے برابر بھی نہ ہوئی۔ یا اللہ ہمارے بھائیوں کو نیک سمجھ نصیب فرما اور نفس و شیطان کے غلبہ کو ان سے رفع فرما۔ **تقسیم روزہ** تین طرح پر ہے

۱۔ فرض ۱۔ رمضان شریف کا اور نذر کا اور کفارہ کا اور قضا کا اور بدل ہدی کا۔ ۲۔ نفل ۱۔ جس میں شش عید ذی الحجہ کے نودن یوم عاشورہ کے، شعبان کی پندرھویں معیّن ہیں۔ ۳۔ اور باقی غیر معیّن ممنوع۔ عید، بقرہ عید، تین روز بقر عید کے۔

حج و عمرہ ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے لئے یہ چیزیں حج سے مانع نہ ہوں کھلی محتاجی یا ظالم بادشاہ یا کوئی بیماری جس سے جانہ سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو اس کو اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ روایت کیا اس کو دارمی نے ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو وہ قبول فرماتے ہیں اگر یہ لوگ استغفار کرتے ہیں تو وہ مغفرت فرماتے ہیں۔ روایت کیا اس کو ابنِ ماجہ نے۔

اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے کو یا جہاد کرنے کو گھر سے نکلا پھر وہ راہ ہی میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ثواب حاجی اور معتمر اور غازی کا لکھتے ہیں (روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں)

حج کے متعلق بعض غلط خیالات کی اصلاح روپیہ والے اکثر حج میں بھی کوتاہی کرتے ہیں کوئی اپنے کاروبار کا بہانہ کرتا ہے کوئی سمندر سے ہَول کھاتا ہے کوئی بدّوں کو ملک

الموت سمجھتا ہے۔

صاحبو! یہ تمام حیلے بہانے محض اس وجہ سے ہیں کہ حج کی وقعت دل میں نہیں حاضری دربار خداوندی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے دل خالی ہے ورنہ کوئی چیز بھی سدِراہ نہ ہوتی ادنیٰ اسی مثال سے عرض کرتا ہوں۔

اگر ملکۂ معظمہ اپنے پاس سے خرچِ راہ بھیج کر آپ کی طلبی کا ایک اعزازی فرمان آپ کے پاس بھیجیں۔ قسم کھاکر فرمایئے آپ جواب میں یہ فرمائیں گے کہ صاحب میرے مکان میں کوئی کاروبار دیکھنے والا نہیں میں نہیں آسکتا یا مجھے تو سمندر سے ڈر لگتا ہے اس لئے معذور ہوں یا راہ میں فلاں مقام پر لوٹ مار ہوتی ہے۔ میں جانا خلافِ احتیاط سمجھتا ہوں۔ جناب عالی کوئی حیلہ کرنے کو دل نہ چاہے گا۔ تمام ضرورتیں اور عذر چولہے میں ڈال دو گے اور نہایت شوق و مسرت سے جس طرح بن پڑے گا افتاں و خیزاں دوڑے جاؤ گے اور ساری مشکلیں آسان نظر آئیں گی۔

بات یہ ہے کہ ارادہ سے تمام کام سہل ہوجاتے ہیں اور جب ہمت اور ارادہ ہی پست کر دو تو آسان کام بھی مشکل نظر آتے ہیں۔ بالخصوص بدوؤں کا بدنام کرنا بالکل ہی ناواقفیت ہے جو لوگ حج کر کے آئے ہیں اور کسی قدر حالاتِ واقعیہ کی تحقیق کا شوق بھی ان کے دل میں ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ بدوؤں کی کوئی نئی حالت نہیں ہے نہ کوئی نیا واقعہ پیش آتا ہے جو اتفاق ہندوستان میں پیش آتے ہیں اور جو اسباب ان کے پیش آنے کے ہیں وہی اتفاقات و اسباب وہاں ہیں۔ یہاں گاڑی بانوں کو دیکھ لیجئے کہ ان کو ذرا بات چیت سے کھانے سے تمباکو سے ذرا خوش رکھئے غلام بن جاتے ہیں اور اگر سختی کیجئے گالی دیجئے کہیں گاڑی الٹ دیں گے کہیں پریشان کریں گے علیٰ ہذا باوجود اس انتظام شدید کے بارہا تھوڑے ہی میدان میں اسٹیشن سے شہر کو آتے ہوئے حادثے ہوجاتے ہیں۔ وارداتیں ہوتی ہیں ایسا ہی وہاں سمجھ لیجئے بلکہ وہاں کی حالت کے اعتبار سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہاں کوئی چوکی نہیں پہرہ نہیں پھر واقعات کی کمی بالکل تعجب ہے اور جس قدر ہوتا ہے وہ بھی مسافرین کی بے انتظامی و بے احتیاطی سے ہوتا ہے ورنہ ہر طرح سے سلامتی ہے عافیت ہے۔

اکثر لوگوں کو ان واقعات کے سخت معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اجنبی ملک اجنبی زبان اس لئے برداشت نہیں ہوتی اور سب گفتگو کے بعد میں کہتا ہوں اچھا سب کچھ ہوتا ہے پھر کیا ہوا ایک آدمی کسی کے عشق میں تمام ذِلت و کلفت گوارا کرتا ہے کیا خدائی محبوب کا اتنا بھی حق نہیں سے

اے دل آں بہ کہ خراب از مئ گلگون باشی[1] ۔ بے روز گنج بصد حشمت قارون باشی
در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بجان[2] ۔ شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنون باشی

مشورۂ حجاج (نصیحت) حجاج کو چند امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اوّل :۔ سفر میں خصوصاً جہاز میں نماز قضا نہ کرے۔ بڑی بری بات ہے کہ ایک فرض کے لئے اتنے فرض اڑا دیئے جائیں۔ دوم :۔ سفر میں نہ کسی سے تکرار کریں نہ کسی پر اعتماد، سوم :۔ مطوّف ایسے شخص کو مقرر کریں جو مسائل حج بخوبی جانتا ہو اور امین اور خیر خواہ ہو۔ چہارم :۔ خرچ کافی لے جاویں اور خرچ کرنے میں نہ بخل کریں کہ طرح طرح کی مصیبت جھیلنی پڑے نہ اسراف کریں کہ محتاج ہو کر پریشان ہوں۔ پنجم :۔ قافلہ سے باہر ہرگز کسی وقت نہ جائیں۔

ششم :۔ بدوؤں کو کہ قلیل پر قانع ہو جاتے ہیں خوش رکھیں

ہفتم :۔ اس سفر کو سفر عشق سمجھیں۔

اعتکاف حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کے عشرۂ اخیر کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات دی پھر آپؐ کی بیبیاں اعتکاف کرتی تھیں۔ آپؐ کے بعد۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے حق میں فرمایا کہ وہ تمام گناہوں سے رُکا رہتا ہے اور اس کو نیکیوں کا اتنا ثواب ملتا ہے جیسے تمام نیکیاں کرنے والے کو۔ روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے۔

غرض اعتکاف فائدہ اعتکاف سے بقول اہل تحقیق یہ ہے کہ شب قدر کو اس میں تلاش کیا جائے۔ کیونکہ اکثر احادیث کے موافق یہ شب عشرہ اخیر میں ہوتی ہے۔ اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ :۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رمضان شریف کا مہینہ داخل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ مہینہ تمہارے پاس آگیا ہے اور اس میں ایک شب ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (یہی شب قدر ہے) جو اس سے محروم رہا وہ تمام خیر سے محروم رہا۔ اور اس کی خیر سے وہی محروم رہے گا جو بالکل محروم ہی ہو۔ روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے

---

[1] اے دل یہ بہتر ہے کہ (محبت کی) شراب سے مست ہو جائے۔ بغیر سونے اور خزانے کے قارون سے زیادہ بارعب ہو جائے [2] لیلےٰ (محبوبہ) کی راہ جس میں جان کو بہت خطرے ہیں اس کی شرط اول یہ ہے کہ تو مجنوں ہو جائے۔

بعض لوگ اعتکاف کے یہی معنی سمجھتے ہیں کہ دس روز تک مسجد میں مقید رہے چاہے وہاں بیٹھ کر دنیا بھر کے خرافات میں مشغول رہے ایسا اعتکاف تو محض صورتِ بے معنی ہے ۔ مغزِ اعتکاف کا ذکر و فکر و مشغولی عبادت اور توبہ و استغفار و انتظار صلوٰۃ وغیرہ ماموریں ہیں ۔ اپنی اوقات ان امور میں مشغول رکھنا چاہیئے ۔ اور طاق راتوں میں شب قدر کا غالب احتمال ہے ۔ جس قدر ممکن ہو اس میں شب بیداری کرے ۔ اور یہ ضرور نہیں کہ تمام شب جاگے خواہ زبان بھی لڑکھڑائے ۔ رکوع سجدہ میں سہو بھی ہو جائے ۔ نیند کے جھونکے سے گر بھی پڑے ۔ اگر ایسی حالت ہو تو تھوڑی دیر کے لیے سو رہنا چاہیئے ۔ شریعت کا یہ حکم نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو بلکہ اصلی منشا ء یہ ہے کہ غفلت و کاہلی و اعراض و نسیان نہ ہونا چاہیئے ۔ اُدھر کی دھن لگی رہے اور اپنی کوشش بھر کوتاہی نہ کرے اور تکان کے وقت بے تکلف آرام کرے ۔ ایسا آرام بھی عبادت سے درجہ میں کم نہیں ہے ۔

ہجرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے ہی دنوں میں ایسی حالت ہو جائے گی کہ مسلمان کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں گی ۔ جن کے پیچھے پیچھے پھرتا ہو ، پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بارش کے موقعوں پر اپنے دین کو لیے ہوئے بھاگا ہوا پھرتا ہے فتنوں سے ۔ روایت کیا اس کو بخاری نے ۔

عمرو بن العاص رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہجرت منہدم کر دیتی ہے اِن گناہوں کو جو اس سے پہلے ہو چکے ہوں ۔ روایت کیا اس کو مسلم نے ۔

ف ۔ اگر کسی شہر میں یا کسی محلہ میں یا کسی مجمع میں دین کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو وہاں سے بشرط قدرت علیحدگی واجب ہے ۔ البتہ اگر یہ شخص عالم مقتدا ہے اور لوگوں کو اس سے دینی حاجت واقع ہوتی ہے تو ان میں رہ کر صبر کرے اور اگر کوئی اس کو پوچھتا ہی نہیں نہ ان کی اصلاح کی امید ہے تو پھر بھی بہتر ہے کہ ان سے علیحدہ ہو جائے ۔

وفاء نذر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص نذر کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو اطاعت کرنا چاہیئے اور جو نذر کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا تو نافرمانی نہ کرے ۔ روایت کیا اس کو بخاری نے

یعنی جو نذر موافق شرع کے ہو اس کو پورا کرے ۔ اور جو شرع کے خلاف ہو اس کا پورا کرنا جائز نہیں ۔ مثلاً کسی نے منت مانی کہ میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو ناچ کا جلسہ کروں گا ۔ یہ بے ہودہ نذر ہے ۔ اس کا پورا کرنا جائز نہیں ۔

بعضے مروج اور ممنوع نذریں | اسی طرح اس زمانے میں بہت سے اُمور مکروہ و بدعت کی نذر مانی جاتی ہے۔ عوام بالخصوص مستورات اسمیں زیادہ مبتلا ہیں۔ امام حسینؓ کا فقیر بنانا کسی کے نام کی چوٹی رکھنا یا بالی پہنانا کسی مزار پر غلاف بھیجنا شیخ سدو کا بکرا کرنا خدائی رات کرنا، جیسی آج کل ہوتی ہے۔ مشکل کشا کا روزہ رکھنا اور بہت سی واہی تباہی باتیں مشہور و معروف ہیں جن کی شریعت میں کچھ بھی اصل نہیں۔ بلکہ کلیتہً یا جزئیتہً ممانعت آئی ہے۔ بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض پڑھے لکھے لوگ ان رسوم کے حامی و ناصر ہیں۔ بالخصوص شیخ سدو کے بکرے کو حلال و طیب سمجھنے والے تو بکثرت ہیں۔

صاحبو! قرآن مجید میں صاف لفظ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ موجود ہے۔ اہلال عربی لغت ہے کتب لغت میں دیکھنا چاہیئے۔ حلّت و حرمت مسئلہ فقہیہ ہے۔ کتب فقہ در مختار وغیرہ میں ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔ اور اہلال کی بعض تفاسیر میں جو ذبح کے ساتھ تفسیر کی ہے باعتبار عادت اس زمانے کے ہے۔ بعض آیات میں جو تحریم سے نہی آئی ہے وہ بمعنی ارتکاب سبب حرمت ہے۔ نہ اعتقادِ حرمت۔ فافہم۔

حفظ یمین و آداب آں | فرمایا اللہ جل شانہٗ نے وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ یعنی سنبھالا کرو اپنی قسموں کو۔ حفظِ قسم میں کئی چیزیں آگئیں۔

اوّل یہ کہ غیر اللہ کی قسم نہ کھائے چنانچہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے جو شخص غیر اللہ کی قسم کھائے وہ مشرک ہو جاتا ہے مراد مشرک عملی ہے یعنی یہ مشرکوں کا عمل ہے۔ اکثر آجکل بیٹے کی باپ قسم کھایا کرتے ہیں۔ اس سے بہت احتیاط چاہیئے۔ یا بعض لوگ یوں قسم کھاتے ہیں کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو ایمان مجھ کو نصیب نہ ہو اس کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر جھوٹا ہے تب تو ایمان جاتا رہا۔ اور اگر سچا ہے تب بھی صحیح و سلامت اسلام کی طرف نہ آوے گا۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے)

دوم یہ کہ اللہ کی قسم کھاوے تو سچ کھاوے چنانچہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا کی قسم مت کھاؤ۔ مگر جس حالت میں سچے ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور نسائی نے)

سوم:۔ یہ کہ زیادہ قسم نہ کھائے اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نون میں حلّاف کو اوصافِ ذم میں یاد فرمایا ہے۔

چہارم:۔ یہ کہ اگر شرع کے موافق کسی امر پر قسم کھائی ہے تو اس کو پورا کرے۔

اور اگر خلاف شرع ہے مثلاً کسی گناہ پر قسم کھائی ہے کہ فلاں پر ظلم کروں گا یا کسی کا حق تلف ہوتا ہے مثلاً قسم کھائی کہ باپ یا بھائی یا کسی اور مسلمان سے نہ بولوں گا یا فلاں حقدار کو کچھ نہ دوں گا۔ ایسی قسم کو توڑ ڈالے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر دوسری بات اس سے اچھی نظر آئے تو اپنی قسم کا کفارہ دے۔ اور اس کام کو کرے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

پنجم یہ کہ کسی کا حق مارنے کے واسطے پھیر اور پیچ کی قسم نہ کھائے۔ البتہ اگر اس پر ظلم ہوتا ہو تو جائز ہے۔ مثلاً تمہارے ذمہ زید کا کچھ روپیہ آتا ہے تو تم قسم اس طرح کھانا چاہو کہ جھوٹی بھی نہ ہو اور روپیہ بھی نہ دینا پڑے۔ مثلاً یوں کہو کہ میرے پاس تمہارا روپیہ نہیں ہے۔ اور تمہارا مطلب یہ ہو کہ اس وقت ہماری جیب میں نہیں ہے۔ یہ حیلہ گناہ ہے۔ البتہ اگر کوئی ظالم چور ڈاکو تمہارے گھر کا دفینہ خزینہ پھر دریافت کرے تو اس وقت ایسی تاویل سے قسم کھالینا کہ میرے پاس تو ایک آدھی بھی نہیں ہے۔ مجھے کیوں تنگ کرتے ہو تو یہ جائز ہے بلکہ اکثر علمائے محققین کے نزدیک ایسے وقت میں صریح جھوٹ بھی جائز ہے۔

ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قسم کھانے والے کی نیّت پر قسم واقع ہوتی ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

رفع غلطی کفارہ قسم واقسام آں | کفارہ کی کئی قسمیں ہیں۔ کفارہ یمین، کفارہ قتل کفارہ ظہار، کفارۂ رمضان یہ سب قسمیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔

کفارہ یمین:۔ کفارہ قسم کو کہتے ہیں یعنی اگر قسم ٹوٹ جاوے تو یا دس مسکین کو کھانا دو وقت پیٹ بھر کر کھلا دیوے یا ان کو ایک ایک جوڑا کپڑا دے دے۔ یا ایک غلام آزاد کرے۔ ان تینوں میں اختیار ہے کہ جو چاہے ادا کرے۔ جب ان تینوں امر سے عاجز ہو اور قدرت نہ رکھتا ہو اس وقت تین روزہ لگاتار رکھے۔ اکثر لوگ تین روزوں پر ٹال دیتے ہیں اگرچہ کھانا کھلانے کی استطاعت رکھتے ہوں یہ جائز نہیں ہے۔ اسمیں کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اور اگر دس مسکین کو فی مسکین نصف صاع گیہوں جو ۸۰ کے سیر سے پونے دو سیر ہوتے ہیں۔ یا اس کے دام دے دے تب بھی بجائے کھلانے کے ہے۔

کفارہ قتل:۔ اگر بھول چوک سے کوئی خون ہو جاوے تو اس میں علاوہ دیت یعنی خون بہا کے جس کے احکام ومقدار کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ایک غلام آزاد کرنا واجب

ہے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھے یہ توبہ کی تکمیل کے لیے ہے۔

کفارہ ظہار:۔ اگر بیوی کو اپنے محرمات ابدیہ میں سے کسی کے عضو محرم کے ساتھ تشبیہ دی جائے اس کو ظہار کہتے ہیں۔ وہ عورت اس پر حرام ہوتی ہے۔ جب تک کفارہ نہ دے کفارہ اس کا یہ ہے کہ اوّل ایک غلام آزاد کرے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو ماہ لگاتار روزے رکھے۔ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اب وہ عورت بدستور حلال ہو جاوے گی۔

کفارہ رمضان:۔ کوئی روزہ قصداً بلا عذر افطار کر دیا جاوے تو علاوہ قضاء کے کفارہ بھی دینا پڑے گا۔ اور یہ کفارہ اور اس کی ترتیب بالکل مثل کفارہ ظہار کے ہے۔

تنبیہ:۔ روزوں میں لگاتار ہونا شرط ہے۔ اگر ایک روزہ بھی خواہ بعذر یا بلاعذر درمیان میں رہ جائے تو از سر نو پھر سلسلہ شروع کرنا پڑے گا۔ البتہ عورت کے لئے حیض کا آجانا عذرِ مقبول ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ پاک ہوتے ہی فوراً شروع کرے۔ اگر پاک ہونے کے بعد ایک روز کی بھی غفلت ہو گی تو پھر از سر نو شروع کرنا پڑے گا۔ اور نفاس عذر نہیں ہے۔ یعنی بعد فراغ نفاس پھر از سر نو سلسلہ شروع کرنا پڑے گا۔

بدن چھپانا ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو وہ حمام میں بے لنگی باندھے نہ جائے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

اور معاویہ بن حیدہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہمارے چھپانے کا بدن ہم کس موقع پر چھپا دیں اور کس موقع پر ویسے ہی چھوڑ دیں) آپؐ نے فرمایا سب سے اپنے ستر کو محفوظ رکھو بجز بی بی کے یا لونڈی کے۔ انہوں نے سوال کیا کہ کبھی ایک شخص دوسرے کے پاس رہتا ہے۔ (یعنی ہر وقت ایک جگہ رہنے سے محافظت مشکل ہے) آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے یہ بات ہو سکے تو اس کو کوئی نہ دیکھے تو ایسا ہی کرو۔ انہوں نے سوال کیا کہ کبھی آدمی تنہائی میں ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا مناسب ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

پردہ کے بہت ضروری احکام یہ جو فرمایا کہ بے لنگی باندھے حمام میں نہ جاوے وجہ اس کی یہ ہے کہ حمام میں کئی کئی آدمی یکجا غسل کرتے ہیں۔ اس لیے پردہ واجب ہے۔ اور لونڈی سے جو بے پردہ ہونے کی اجازت دی اس سے مراد وہ لونڈی نہیں جو ہندوستان میں اکثر بڑے گھروں میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ تو شرعی قاعدہ سے آزاد ہیں۔ نہ ان سے جبراً خدمت لینا جائز ہے۔ نہ ان سے خلوت اور صحبت کی اجازت۔ بالکل اجنبی آزاد عورت کے مثل ہیں۔

نوکروں کی طرح ان سے برتاؤ کرنا چاہیئے، خدمت بھی رضامندی سے (خواہ تنخواہ پر رضامند ہوں یا کھانے کپڑے پر) ہونا چاہیئے۔ اور ان کو اختیار ہے جس سے چاہیں نکاح کریں۔ جب چاہیں جہاں چاہیں چلی جائیں۔ ان پر کوئی بس نہیں ہے۔

اور حدیث مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت برہنہ ہونا (خواہ کل بدن سے یا بعض بدن سے جس کا چھپانا مجمع میں واجب ہے) جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سے اور ملائکہ سے حیا کرنا چاہیئے۔ کتب فقہ میں بدن چھپانے کے مسائل بہ تفصیل لکھے ہیں۔ یہاں اس قدر سمجھ لینا ضروری ہے کہ مرد کو ناف سے گھٹنے تک بدن ڈھانکنا ضروری ہے اور عورت کو سر سے پاؤں تک۔ ہاں جس کو نامحرم کے روبرو کسی ضرورت سے سامنے آپڑتا ہو اس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹے تک اور دونوں پاؤں ٹخنے کے نیچے تک کھولنا جائز ہے۔ اس صورت میں اگر بدنگاہ سے کوئی دیکھے گا وہ گنہگار ہوگا۔ اس پر کوئی الزام نہیں لیکن اور تمام بدن موٹے کپڑے سے اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ یہ کپڑا سفید اور سادہ ہو مکلف نہ ہو۔ ڈھکا ہونا چاہیئے۔ خوشبو وغیرہ بھی نامحرم کے روبرو لگا کر نہ آنا چاہیئے زیور جہاں تک ممکن ہو چھپا ہوا ہو۔ بہت باتیں بالخصوص بے تکلفی اور لطف کی باتیں غیر محرم سے نہ کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز بضرورت جائز ہے وہ زائد از ضرورت ممنوع ہے۔

اے مردو! اور اے بیبیو! ان باتوں کی خوب احتیاط رکھو۔ دیکھو اللہ و رسول تم پر بہت شفیق ہیں۔ جس چیز سے منع کیا ہے اس کے ماننے سے سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اس زمانہ میں نہ بدن کا پردہ ہے نہ آواز کا پھر دیکھو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے۔"

قربانی زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ قربانی کیا چیز ہے۔ آپؐ نے فرمایا سنت ہے۔ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی انہوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کو اس میں کیا ملتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ انہوں نے عرض کیا اور اون والے جانوروں میں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا اس میں بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابن ماجہ نے۔"

......

غلطی مہتممین مدارس در صرف قیمت چرم قربانی

اور بہت احادیث فضائل قربانی میں وارد ہیں۔ اور گوشت پوست قربانی کا خواہ اپنے کام میں لائے خواہ کسی کو ہدیۃً یا صدقۃً دے۔ مالک کو اختیار ہے لیکن فروخت کر کے اپنے کام میں لانا جائز نہیں۔ اور اگر فروخت کیا تو اس کا مصرف مثل زکوٰۃ کے ہے۔ اسی طرح جو مالک کا نائب و وکیل ہے اس کو بھی اس قاعدہ کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

اکثر مدارسِ عربیہ میں قربانی کی کھال کے داموں کو مہتمم جہاں مدرسہ میں ضرورت ہوتی ہے صرف کر ڈالتا ہے۔ یہ بے احتیاطی ہے۔ صرف مصارف زکوٰۃ میں اسکو صرف کرنا چاہیے۔

تجہیز و تکفین و صلوٰۃ و دفن

جابرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلے بسبب ایمان اور طلب ثواب کے اور برابر اس کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھے اور اس کے دفن سے فارغ ہو جائے تو وہ شخص دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔ ایک ایک قیراط اُحد کے پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص اس پر نماز پڑھے اور قبل دفن چلا آئے تو اس کو ایک قیراط ملے گا۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ف:۔ اکثر لوگ جنازہ کی نماز اور اس کے ساتھ مقبرہ تک جانے میں کاہلی کرتے ہیں۔ اور بہت بڑے اجر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس سستی کا یہاں تک نتیجہ ہوتا ہے کہ بعض جنازے کے ساتھ چار آدمی مصیبت سے ملتے ہیں۔ اگر مقبرہ دور ہو ان کو وہاں تک لے جانا موت ہوتا ہے۔

صاحبو! یہ سب مسلمانوں کے ذمہ حق ہے۔ اس میں کوتاہی کرنے سے کوئی اکیلا گنہگار نہ ہوگا۔ سب سے دار و گیر ہوگی۔

ف:۔ جو دعائیں جنازہ کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں ہم ان کو نقل کئے دیتے ہیں۔ کہ ان کا پڑھنا جنازہ پر موجب اتباعِ سنت اور فائدہ بخش میت اور سبب افزونی ثواب مصلی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ

اَلْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ ؕ

دیگر — اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ ؕ

دیگر — اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ؕ

دیگر — اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ ؕ

ادائے دین عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا سب چیز کا کفارہ ہو جاتا ہے مگر دین۔ روایت کیا اسکو مسلم نے

مقدمہ قرض میں بے احتیاطیاں صاحبو! شہادت سے بڑھ کر کیا چیز ہے۔ جب دین اس سے بھی معاف نہ ہوا اور کس عمل سے معاف ہوگا اس سے دین کی بڑی سختی معلوم ہوتی ہے۔ اکثر لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔ اس مقدمہ میں کئی بدپرہیزیاں ہوتی ہیں۔

پہلی ۔ بلاضرورت کسی کا مدیون ہو جانا۔ اکثر ایسے ہی ہوتا ہے کہ فضولیات کے لیے قرض لیا جاتا ہے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے جو مصیبت کے مارے قرض لیتے ہوں۔ اور مصیبت زدوں کو ملتا کب ہے۔ اکثر مالدار اہل جائداد کو ملتا ہے۔ تو فرمایئے اس پر کیا بلا نازل ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ بیٹھے بٹھلائے قرضدار ہوا۔ اور قرض داری بھی یا تو کسی شادی میں برباد کرنے کو یا کوئی عالی شان محل تیار کرنے کو یا رسوم غمی میں جو اکثر خلاف عقل اور خلاف شرع ہیں اڑانے کو۔ غرض نام آوری کے کاموں میں صرف کرنے کو قرض ہوتا ہے۔ پھر خدا کے فضل

سے نام بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اور اگر نام بھی ہوا تو اس کی کیا قیمت ہے۔ اور پھر کل کو اس سے بڑھ کر جو بدنامی ہوگی اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

دوسری:۔ بدپرہیزی یہ کہ اپنے زیور یا جائیداد محفوظ رکھنا اور دوسروں سے قرض لینا اکثر سودی قرض ملتا ہے۔ چند روز میں دوگنے چوگنے ہو کر وہ تمام زیور اور جائداد برباد ہو جاتی ہے۔ اور خسارہ اور گناہ رہا کھاتے میں۔ بس اگر ایسی ہی ضرورت ہے تو ہرگز موجودہ چیز کی محبت نہ کرے۔ خدائے تعالیٰ پھر عطا فرمائیں گے۔ اپنی راحت و عافیت کے مقابلے میں زیور وجائیداد کیا بلا ہے۔

تیسری:۔ بدپرہیزی یہ کہ لے کر بے فکر ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اس کا خیال رکھیں۔ تھوڑا تھوڑا ادا کرتے رہیں اپنے بعض غیر ضروری مصارف کو روک کر اپنی آمدنی میں سے پس انداز کر کے کچھ کچھ پہنچاتے رہیں۔ بدنام ہوتے ہیں۔ ذلیل ہوتے ہیں نادہند مشہور ہو جاتے ہیں۔ اعتبار جاتا رہتا ہے۔ لوگ معاملہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اور سب سے طرہ یہ کہ مواخذہ آخرت سر پر۔ البتہ جو سخت ضرورت میں قرض لے اور ادا کی پوری فکر ہو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے دین کے ذمہ دار ہیں خواہ دنیا میں ادا کریں یا آخرت میں صاحب حق کو راضی کر دیں۔

صدق فی المعاملہ ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجر سچا امانت دار ہمراہ ہوگا انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے، روایت کیا اس کو ترمذی اور دارمی اور دارقطنی نے۔

حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ اگر بائع و مشتری سچ بولیں اور اپنے اپنے مال کے عیب و صواب کو ظاہر کر دیں تو ان کے لیے بیع میں برکت ہوتی ہے۔ اگر پوشیدہ رکھیں اور جھوٹ بولیں مٹا دی جاتی ہے۔ برکت ان دونوں کے معاملہ کی، روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

عبداللہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کرنا کسب حلال کا فرض ہے، فرض معہود (نماز، روزہ وغیرہ) کے، روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ آپؐ سے پوچھا گیا یا رسول اللہؐ! کون سی کمائی

سب سے زیادہ پاک ہے آپؐ نے فرمایا دستکاری اور وہ تجارت جو دغا فریب سے خالی ہو روایت کیا اس کو احمد نے۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں داخل ہوگا جنت میں وہ گوشت جو بڑھا ہو حرام سے اور جو گوشت حرام سے بڑھا ہو اس کے لائق تو دوزخ ہی ہے۔ روایت کیا اس کو دارمی نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس شخص پر کہ نرم ہو بیچنے کے وقت اور خریدنے کے وقت اور اپنا حق مانگنے کے وقت۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

ف:۔ ان احادیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّل:۔ یہ کہ کسب حلال فرض ہے۔ یعنی جس کے لیے کوئی طریق حلال معاش کا بجز کسب کے نہ ہو

دوسرے:۔ یہ کہ سب کمائیوں میں بہتر دو چیزیں ہیں دستکاری اور تجارت یعنی غریبوں کے لیے دستکاری اور مالداروں کے لیے تجارت۔

تیسرے:۔ یہ کہ معاملہ میں صدق و امانت کا لحاظ رکھیں۔ دغا فریب نہ کریں ورنہ اسمیں برکت نہیں ہوتی۔

چوتھے:۔ یہ کہ معاملات میں زیادہ تنگی نہ کیا کریں کہ ایک ایک کوڑی پر رال ٹپکاتے پھریں یا ذرا سے مطالبہ کے لیے دوسرے کی جان کھا جاویں۔ آدمیت اور مرّوت بھی کوئی چیز ہے

پانچویں:۔ یہ کہ حرام خوری کا انجام آتش دوزخ ہے۔

معاملاتِ فاسدہ و باطلہ کی تفصیل کتب فقہ و علماء سے تحقیق کر لینا ضروری ہے دو چار کے نام جو کثرت سے پھیل رہے ہیں لکھے دیتا ہوں۔ (۱) کسی چیز پر کئی آدمیوں کا مل کر چٹھی ڈالنا۔ (۲) سود لینا دینا، اس میں بنک اور ڈاک خانہ کا منافع بھی آگیا۔ (۳) ابھی مال اپنے قبضے میں نہیں آیا فقط بیجک آنے پر معاملہ کر لینا۔ (۴) تصویر دار کتاب یا موضوع قصہ جس میں کسی نبی یا اہلِ بیت و صحابہؓ کی طرف نسبت ہو چھاپنا۔ (۵) سنار یا صراف وغیرہ سے چاندی یا سونے کا زیور کم و بیش چاندی یا سونے سے یا اُدھار خریدنا، بیچنا، (۶) روپیہ کے کچھ پیسے اب لے کر کچھ دوسرے وقت لینا۔

ادائے شہادت | فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو چھپا دے گا گواہی کو سو اس کا دل گنہگار ہوگا۔

زید بن خالد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم کو خبر نہ کر دوں سب سے اچھے گواہ کی یہ وہ شخص ہے جو گواہی دے دے قبل اس کے کہ اس سے درخواست کی جاوے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

جھوٹی گواہی اور جھوٹی نالش کی برائی اور ایسے مقدمہ میں وکیل بننا

اس آیت حدیث سے معلوم ہوا کہ گواہی کا چھپانا درست نہیں بلکہ اگر ایک شخص کا حق ضائع ہو رہا ہے اور اس شخص کو گواہ نہیں ملتے اور ہم کو اس واقعہ کی اطلاع اور مشاہدہ ہے اور اس شخص کو یہ بات معلوم نہیں کہ میرے واقعہ سے واقف ہیں ایسے وقت میں خود گواہی دینے کو مستعد ہو جانا چاہیئے۔ اور اس کی درخواست کا انتظار نہ کرے۔ کیوں کہ اس کو ہمارا شاہد ہونا معلوم نہیں اس وجہ سے درخواست نہیں کرتا البتہ اگر بعد ہمارے جتلا دینے کے پھر وہ ہماری گواہی نہ چاہے تو خواہ مخواہ عدالت میں خود حاضر ہو کر گواہی دینا ضروری نہیں۔ اور یہ حکم سچی گواہی کا ہے اور جھوٹی گواہی جیسا آج کل بکثرت رائج ہے بڑا گناہ ہے۔

خریم بن فاتک رضؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی جب آپؐ فارغ ہوئے سو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے (یعنی قرآن مجید میں) آپؐ نے اس کو تین بار فرمایا پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ الخ یعنی بچو تم پلید چیز سے یعنی بتوں سے اور جھوٹ بات سے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

اس آیت میں شرک اور قول زور کو ایک جگہ لاتے ہیں سو معلوم ہوا کہ دونوں میں کچھ مناسبت ہے اسی طرح جھوٹا مقدمہ نالش دائر کرنا یا جھوٹا حلف کرنا نہایت وبالِ عظیم ہے

ابی ذر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دعویٰ کرے ایسے حق کا جو واقع میں اس کا نہ ہو سو وہ شخص ہم میں سے نہیں رہا اور اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور ابو امامہ رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دعویٰ کرے ایسے حق کا جو واقع میں اس کا نہ ہو سو وہ شخص ہم میں سے نہیں رہا۔ اور اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص قطع کرے حق کسی مسلمان آدمی کا (یہ قید اتفاقی ہے حق محترم سب کا برابر ہے) اپنے حلف سے سو یہ تحقیق واجب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ کو اور حرام کرے گا اس پر جنت کو کسی شخص نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ تھوڑی چیز ہو یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا اگرچہ پیلو کی لکڑی ہی کیوں نہ ہو (روایت کیا اس کو مسلم نے)

اسی طرح جھوٹے مقدمہ کا وکیل بننا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

ولا تکن للخائنین خصیما الخ

تعفف بانکاح

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اے جماعت جوانوں کی جو شخص تم میں بی بی کو رکھ سکے (یعنی نان و نفقہ بھی اور صحبت پر بھی قادر ہو) تو وہ نکاح کرے کیونکہ اس سے نگاہ نیچی رہتی ہے۔ اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے (بخاری و مسلم)

ف:۔ اور جس شخص کو قدرت یا حاجت نہ ہو اس کو نکاح کرنا ضروری نہیں۔

ادائے حقوق عیال

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کرو اس شخص سے جو تمہارے عیال میں ہو۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

اور ارشاد فرمایا سب سے افضل وہ دینار ہے جس کو آدمی اپنے عیال پر خرچ کرے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور ارشاد فرمایا کافی ہے آدمی گنہگار ہونے کے لیے یہ کہ ضائع کر دے اس شخص کو جس کا قوت اس کے ذمہ ہے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

ف:۔ اگر آدمی کے پاس زیادہ مال نہ ہو تو غیروں کی نسبت عیال کا زیادہ حق ہے ایسی سخاوت شرعاً محمود نہیں کہ اپنے تو ترستے رہیں دوسروں کو بھرتا رہے۔ البتہ اگر سب کی خدمت کر سکتا ہے تو سبحان اللہ اس سے بہتر کیا چیز ہے۔

ف:۔ اور غلام نوکر خدمت گار بھی عیال کے حکم میں ہیں۔ ان کی مدارات و مواسات بھی ضرور ہے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خادم سے کس قدر معاف کیا کروں فرمایا ہر روز ستر مرتبہ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

مراد یہ ہے کہ ہر بات میں اس پر سختی کرنا اور اس سے تنگ ہونا نہ چاہیے جس آدمی سے بہت سی راحت پہنچتی ہے۔ اگر ایک آدھ تکلیف بھی ہو جائے تو صبر کرے۔ اور اس کو معذور سمجھے

خدمتِ والدین ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا والدین کے راضی ہونے میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشی والدین کی ناخوشی میں ہے۔ (ترمذی)

ابن مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑھ کر عمل کون سا ہے۔ فرمایا نماز پڑھنا اپنے وقت پر۔ انہوں نے عرض کیا پھر کون سا عمل، آپؐ نے فرمایا ماں باپ کی خدمت کرنا۔ انہوں نے عرض کیا پھر کون سا عمل۔ آپؐ نے فرمایا جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ف:۔ اور بہت سی آیات واحادیث اس باب میں وارد ہیں آج کل اس میں بہت کوتاہی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ اور نیک توفیق عطا فرمائیں۔

تربیّت اولاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں کہ ان کو علم وادب سکھلاوے اور ان کی پرورش کرے اور ان پر مہربانی کرے اس کے لیے ضرور جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے ادب میں)۔ اور بخاری نے ادب میں ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ جیسا کہ تمہارے والد کا تم پر حق ہے اسی طرح تمہاری اولاد کا بھی تم پر حق ہے۔

ف:۔ چونکہ اولاد سے طبعی محبّت ہوتی ہے اس لیے اس حق کے بیان کرنے میں شریعت نے زیادہ اہتمام نہیں فرمایا۔ اور لڑکیوں کو چونکہ حقیر سمجھتے ہیں اسلئے انکی تربیت کی فضیلت بیان فرمائی۔

صِلۂ رحم ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں داخل نہ ہو گا جو شخص ناتہ داروں سے بدسلوکی کرے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

اطاعت آقا غلام جب خیر خواہی کرے اپنے آقا کی اور اچھی طرح بجالاوے عبادت اپنے پروردگار کی سو اس کو دُہرا ثواب ملے گا (بخاری)

حکومت میں عدل کرنا ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرماویں گے۔ ایک ان میں سے حاکم عادل ہے۔ روایت کیا۔ اس کو بخاری و مسلم نے۔

اتباع جماعت ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم کو پانچ چیزوں کا حکم کرتا ہوں۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم فرمایا ہے۔ سننا، ماننا، اشاعت دین کرنا، ہجرت کرنا، جماعت کے ساتھ رہنا۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی نکلا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال پھینکا مگر یہ کہ پھر جماعت میں چلا آوے (روایت کیا اسکو ترمذی اور نسائی نے)

ف:۔ یعنی عقائد واعمال میں جماعت اہل حق کی متابعت کرے۔ اور علامت

اہل حق ہونے کی یہ ہے کہ وہ جماعت کتاب وسنت کے موافق چلتے ہوں اور موافقت کتاب وسنت کی کھلی علامت سلف صالحین کے ساتھ تشبہ ہے جس قدر صحابہؓ وتابعینؒ کے ساتھ مشابہت ہوگی۔ اس کو کتاب وسُنت سے زیادہ موافقت ہوگی۔

اطاعت حاکم | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور کہنا سنیو اور مانیو۔ اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

ف:۔ اگرچہ حبشی غلام قاعدۂ شرعیہ سے امام وخلیفہ نہیں ہوسکتا مگر شرع میں جس طرح امام خلیفہ کی اطاعت واجب ہے اسی طرح سلطان کی بھی یعنی جس کو تسلط وشوکت حاصل ہوجائے اور مسلمان اُس کے سایۂ حمایت میں امن وعافیت سے رہ سکیں۔ سو سلطان ہونے کے لیے وہ شرائط نہیں جو امامت وخلافت کے لیے ہیں۔ البتہ اسلام شرط ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ الآیۃ

اور اگر کافر حاکم سے معاہدہ ہوجاوے۔ اس معاہدہ کا پورا کرنا واجب ہے لقولہ تعالیٰ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ الٓ البتہ اگر شرعی ضرورت اس عہد کے توڑنے کی ہو تو اس کو اوّل اطلاع اس معاہدہ کے اُٹھ جانے کی کردے لقولہ تعالیٰ فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ورنہ غدر کا سخت گناہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ

اصلاح باہمی | فرمایا اللہ تعالیٰ نے اگر دو جماعتیں مسلمانوں میں سے لڑنے لگیں تو اصلاح کردو ان کے درمیان۔ پھر بھی اگر ایک زیادتی کرے دوسرے پر اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لوٹ آوے خدائے تعالیٰ کی طرف۔ فقط

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ اوّل لڑائی کرنے والوں میں صلح کی کوشش کرو۔ دوسری یہ کہ اگر پھر بھی ایک ظلم پر کمر باندھے تو مظلوم کو تنہا مت چھوڑو بلکہ اس کی مدد کرو۔ اور ظالم کے ظلم کو دفع کرو۔

اعانت کار خیر | فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی مدد کرو نیک کام میں اور تقویٰ پر۔

ف:۔ اس زمانہ میں اگر کوئی شخص نیک کام کرنے کو کھڑا ہوتا ہے لوگ اس کا سارا بوجھ اسی کے ذمے ڈال دیتے ہیں۔ اور اس کا شخصی کام سمجھتے ہیں۔ کوئی اس کی بات

تک نہیں پوچھتا۔ اس آیت سے تاکید معلوم ہوئی کہ سب کو اس کی مدد جسقدر اور جسطرح ممکن ہو کرنا ضرور ہے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے کہ نیکی کی طرف بلاتے ہوں۔ اور اچھی بات کا حکم کریں اور بری بات سے روکیں اللہ یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تم میں کوئی برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دینا چاہیئے۔ اگر یہ قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا بہت ہی کمزور درجہ ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ف:۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بقدر استطاعت واجب ہے۔ جو ہاتھ سے مٹا سکے جیسے حاکم گھر کا مالک کسی مجمع کا افسر وہ ہاتھ سے مٹا دے جو زبان سے روک سکے جیسے واعظ ناصح یا جس کی بات چلتی ہو وہ زبان سے کہے ورنہ خاموشی بہتر ہے فتنہ وفساد سے کیا فائدہ بس دل سے اس کو برا جانے اور اگر دل سے بھی نفرت نہ ہو تو ایمان کا خدا ہی حافظ ہے۔ واجب تو اتنا ہی ہے باقی اگر کسی شخص کو ہمت ہو۔ اور باوجود خوف کے پھر بھی تمام مصائب وتکالیف کی برداشت کر سکے تو بہت بڑی اولوالعزمی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِہٗ

اقامت حدود ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کرنا ایک حد کا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے بہتر ہے چالیس دن کی بارش سے۔ اللہ تعالیٰ کے ملک میں (روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے)

اور ارشاد فرمایا قائم کیا کرو حدود اللہ کو اپنوں میں اور غیروں میں نہ پکڑے تم کو اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

حدود وہ سزائیں ہیں جو شریعت میں بعض معاصی پر مقرر ہیں۔ ان میں کسی کی رعایت جائز نہیں وہ مثل نماز روزہ کے فرض ہیں اس میں تصرف کرنا جیسے نماز روزہ میں تصرف کرنا اور جن افعال پر سزا مقرر نہیں اس میں سزا دینا تعزیر ہے۔ یہ حاکم کی رائے پر ہے اس میں کمی کرنا کسی مصلحت سے رعایت ودرگزر کرنا جائز ہے بلکہ بعض مواقع پر بہتر ہے جیسا کہ ایک حدیث میں مذکور ہے۔

اشاعت دین اشاعت دین کرنا۔ اور اس کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔

ادائے امانت ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان نہیں جس میں صفت امانت داری نہیں۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

اور طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ خیر خواہی کرو علم میں کیونکہ علم میں خیانت

کرنا مال میں خیانت کرنے سے سخت ہے یعنی کسی کو علم میں دھوکہ مت دو۔ غلط بات مت بتلاؤ جو نہ آتی ہو کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے۔

قرض دینا ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ صدقہ دینے سے دس گنا ثواب ملتا ہے۔ اور کسی کو قرض دینے سے اٹھارہ گنا ثواب ملتا ہے۔ فقط۔ وجہ اس کی ایک تو یہ ہے کہ صدقہ تو بدوں حاجت بھی مانگ لیا جاتا ہے۔ اور قرض حاجت مند ہی مانگتا ہے۔ دوسری یہ کہ صدقہ دے کر بے فکری ہو جاتی ہے۔ قرض دے کر اس کی طرف التفات اور تعلق لگا رہتا ہے اور دیر میں وصول ہونے سے خصوصاً اپنی حاجت کے وقت وصول نہ ہونے پر سخت کلفت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس کا ثواب زیادہ ہے۔

نکتہ اٹھارہ میں یہ ہے کہ اصل میں اس کا ثواب صدقہ سے مضاعف ہے۔ یعنی صدقہ میں ایک روپیہ کا ثواب برابر دس روپیہ کے ملتا ہے۔ تو اس میں ایک ایک کی جگہ دو دو ملتے ہیں تو کل بیس روپیہ ہوئے۔ لیکن چونکہ اس نے اپنا روپیہ وصول کر لیا۔ ۲ روپیہ اس میں گھٹ کر اٹھارہ رہ گئے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

مدارات ہمسایہ فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اپنے پڑوسی کو نہ ستائے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کرو اپنے پڑوسی سے۔ ہو جاؤ گے تم ایمان والے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے) اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ یہ بات حلال نہیں کہ خود پیٹ بھر کر کھاوے اور پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔

حسن معاملہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تاجر لوگ قیامت کے دن فاجر ہو کر اٹھائے جائیں گے۔ مگر جس نے اللہ کا خوف کیا اور پاک معاملہ کیا اور سچ بولا (روایت کیا اس کو ترمذی نے) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تقاضا کسی حق کا کیا۔ اور بہت سختی کی۔ آپؐ کے صحابہؓ نے اس کی تنبیہ کا ارادہ کیا آپؐ نے فرمایا اس کو کچھ مت کہو۔ اس لیے کہ حق دار کو کہنے کا حق ہے اور اس کے لیے ایک اونٹ خرید دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کے اونٹ سے اچھا ملتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہی خرید کر دو۔ پس بیشک تم سب میں اچھا وہ شخص ہے کہ دوسرے کا حق اچھی طرح ادا کرے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ف:۔ صاحبو! آپ نے حضورؐ کی خوش معاملگی دیکھی آپ سے کوئی ذرا تقاضا کرتا

ہے تو مزاج بگڑ جاتا ہے۔ افسوس بدنام کنندہ بزرگان ہم ہی لوگ ہیں۔

انفاق فی الحق:- ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ناپسند کیا ہے۔ مال کا ضائع کرنا۔ روایت کیا اس کو شیخین نے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ یعنی مال کو اُڑاؤ مت۔

قدردانی مالِ حلال | مال حلال کی قدر کرنا چاہیئے۔ اس کو برباد نہ کرے مال پاس رہنے سے نفس کو اطمینان رہتا ہے۔ ورنہ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں کوئی چیز کام نہ آئے گی بجز دینار و درہم کے (روایت کیا اسکو احمد نے) یعنی جس کے پاس روپیہ ہوگا وہ حرام کسب سے، حسد سے، دین فروشی سے، سوال و ذلت سے، اُمراء کے دروازوں پر جانے اور ان کی خوشامد کرنے سے ظالموں کے ظلم وستم سے اپنے دین و علم کو برباد و خوار کرنے سے بدولت مال کے بچا رہے گا۔ اس لیے ہاتھ تھام کر خرچ کرنا چاہیئے۔ فضولیات میں خرچ نہ کرے۔ گو مباح ہی کیوں نہ ہو۔ اور غیر مشروع میں خرچ کرنا تو صریح حرام ہے اس کا ذکر ہی کیا۔ خصوصاً جو لوگ اہلِ تعلق و محبوس اسباب ہیں ان کو تو یہ امر بہت ضروری ہیں بلکہ جس قدر آمدنی ہو اس میں سے جتنا ممکن ہو پس انداز کرتا رہے تاکہ محتاجی پیری قحط و سختی کے زمانہ میں کام آوے۔ اس میں کوئی گناہ نہیں اگر اچھی نیت ہو تو ثواب ہے جیسا وارد ہے نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

جواب سلام و عطس | شیخین نے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے حقوق مسلمان پر پانچ ہیں (ان میں دو یہ فرمائے) (۱) سلام کا جواب دینا (۲) اور چھینکنے والے کو جواب دینا۔ (ف) قرآن مجید میں ہے کہ جب تم کو کوئی سلام کرے تو اس سے اچھا جواب دو یا ویسا ہی لوٹا دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں سر ہلا دینا یا ہاتھ اٹھا دینا ہی کافی نہیں۔ اسی طرح سلام کا صیغہ حدیث شریف میں ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ یا اس کے قریب قریب الفاظ آئے ہیں۔ آداب، بندگی، کورنش یہ سب بدعت سیئہ ہیں۔ خیر اگر کوئی سلام کے لفظ سے بہت ہی بُرا مانے تو اس کو حضرت سلامت یا تسلیم یا تسلیمات کہنے تک گنجائش معلوم ہوتی ہے چھینکنے والے کا جواب یہ معنی کہ جب کوئی چھینک لے کر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو اس کے جواب میں يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہنا چاہیئے۔

کسی کو ایذا و ضرر نہ دینا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ نہ ایک کی طرف سے ضرر پہنچنا چاہیئے نہ دونوں طرف سے۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے۔
اور ارشاد فرمایا آپؐ نے مسلمان تو وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ بچے رہیں (روایت کیا اس کو بخاری نے) ف:۔ دوسری حدیث سے مسلمان کو پہلی حدیث سے عام مخلوق کو ضرر پہنچانے کو منع فرمایا۔ گو وہ زبانی ہو۔ مثلاً کسی کو گالیاں دینا، غیبت و شکایت کرنا یا ہاتھ سے مارنا، ظلم کرنا۔

اجتناب عن اللہو عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی چیزیں لہو و لعب کی ہیں سب بیہودہ ہیں۔ مگر ایک تو کمان سے تیر پھینکنا دوسرے گھوڑے کو سدھانا تیسرے اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا۔ یہ تینوں کھیل فائدہ کے ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

ف:۔ یعنی اکثر دل بہلانے کی چیزیں وقتِ عزیز کی ضائع کرنے والی اور لغو ہیں مگر یہ تینوں یا جو ان کے مثل ہو جس میں کوئی معتد بہ فائدہ ہو ان کا مضائقہ نہیں۔ یہاں سے شطرنج گنجفہ، چوسر، اور ہزاروں لغویات کا حال معلوم ہو سکتا ہے بلکہ ان کے آثار مذمومہ میں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو باطل سے بڑھ کر کسی لقب کے مستحق نہیں۔ اور جو فائدے اس میں بیان کئے جاتے ہیں۔ عقلاء کے نزدیک یا دُور مُشت سے زیادہ ان کی وقعت نہیں ہے۔

راہ سے ڈھیلا و پتھر ہٹا دینا ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص چلا جاتا تھا۔ راہ میں کوئی خاردار شاخ پڑی دیکھی اس کو ہٹا دیا تھا کہ چلنے والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ نے اس کی قدر کی اس کو بخش دیا۔ شیخین کی حدیث میں اس کو تمام شعب الایمان میں ادنیٰ، فرمایا ہے۔ اور اسی پر بفضلہ تعالیٰ خاتمہ ہو گیا۔ شعب الایمان کے بیان کا۔

دعا و شکر یا الٰہی صدقہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اس رسالہ کو جس طرح اپنے فضل سے اتمام کو پہنچایا اسی طرح شرفِ قبولیت سے مشرف بھی فرمائیے۔ اور مسلمانوں کے حق میں اس کو مفید و نافع کیجئے۔ کہ اس کو سمجھ کر اور عمل کر کے اپنے ایمان کو کامل بنادیں اور سب کے طفیل و برکت سے اس ناکارہ کو ایمان کامل بخش کر اس رسالہ کو وسیلہ نجات و ذریعہ اپنے قرب و رضامندی کا کیجئے۔

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

بحمد اللہ سبحانہ وتعالیٰ قد وقع الفراغ من تسویدھا الذی ھو تبییضہا لخمس عشر خلون من شھر اللہ المحرم الحرام یوم الخمیس ۱۳۵۰ھ من الھجرۃ فی بلدۃ الکانفور مدرسۃ جامع العلوم الملحقۃ بجامع البامدۃ صانہما اللہ تعالیٰ عن النصب والھموم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم ولا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین۝ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۝ (رواہ الترمذی)

ضمیمہ مفیدہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت،

چونکہ تکمیل ایمان اعمال صالحہ واخلاق فاضلہ سے ہوتی ہے جیسا کہ رسالہ ہذا میں مذکور ہوا اور تحصیل ان اعمال واخلاق کی بوجہ نسیان آخرت وحُبِّ دنیا کے دشوار ہو رہی ہے اس لیے اس مرض کا علاج حدیثِ مذکور میں یہ فرمایا گیا کہ تم موت کو زیادہ یاد کیا کرو۔ اس سے سب کام بن جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ موت کی یاد ہی ہے کہ اس کے سب اگلے پچھلے حالات متعلقہ پیش نظر کیے جاویں۔ اس لیے اس مضمون کا ایک قصیدہ سلیس حضرت شیخ سعدیؒ کے کلام سے نقل کرتے ہیں کہ اس کو گاہ گاہ مطالعہ کر کے سفر آخرت میں چُست وچالاک ہوں۔

قصیدہ

روزے کہ زیر خاک تن ما نہاں شود
آنہا کہ کردہ ایم یکایک عیاں شود

یارب بہ فضل خویش ببخشائے بندہ را
آں دم کہ عازم سفر آں جہاں شود

بے چارہ آدمی کہ اگر خود ہزار سال
مہلت بیابد از اجل وکامراں شود

ہم عاقبت چو نوبتِ رفتن بدو رسد
با صد ہزار حسرت ازاینجا رواں شود

فریاد ازاں زماں کہ تن نازنین ما
بر بستر ہواں فتد وناتواں شود

اصحاب را چو واقعۂ ما خبر کنند
ہر دم کسے برسم عیادت رواں شود

وانکس کہ مشفق ست ودلش مہربان ماست
در جستن دوا بہ براین وآں شود

وانگه که چشم بر رخ ما افگند طبیب ‌‌ در حال ما چو فکر کند بدگماں شود
گوید فلان شراب طلب کن که سود تست ‌‌ مارا بدن ہمیشہ بسے در زیاں شود
شاید که یک دو روز دگر ماند عمر ما ‌‌ واں یک دو روز بر سر سود و زیاں شود
یاران و دوستاں همه در فکر عاقبت ‌‌ کاحوال بر چه گونه و حال از چساں شود
تا آں زماں که چهره بگردد ز حال خویش ‌‌ وآں رنگ ارغوانی ما زعفراں شود
واں رنج در وجود بنوعے اثر کند ‌‌ کز لاغری لباس یکے ریسماں شود
در ورطۂ ہلاک فتد کشتی وجود ‌‌ نیز از عمل بماند و بے بادباں شود
آید شه ملائکه در وقت قبض روح ‌‌ چون بنگریم دیده ما خون فشاں شود
باید که در چشیدن آن جام زهرناک ‌‌ شیرینی شهادت[1] ما در زباں شود
یارب مدد ببخش که مارا دراں زماں ‌‌ قول زبان موافق قول جنان[2] شود
ایمان ما ز غارت شیطان نگاه دار ‌‌ تا از عذاب و خشم تو جان و امان شود
فی الجمله روح و جسم ز هم مفترق شوند ‌‌ مرغ از قفس برآید و در آشیان شود
جان از بود پلید شود در زمین فرود ‌‌ در پاک باشد او زبر آسمان شود
آواره در سرائے بیفتد که خواجه مرد ‌‌ دریم و زیر خانه هم آه و فغان شود
از یک طرف غلام بگرید بهای ہائے ‌‌ وز یک طرف کنیز بزاری کناں شود
دُرِّ یتیم گوہر یک دانه راز اشک ‌‌ جزع دو دیده پُر ز عقیق یمان شود
تابوت و پنبه و کفن آرند مرده شوی ‌‌ اوراد و ذکر آن ز کران تا کران شود
آرند نعش تا بلب گور و هر که هست ‌‌ بعد از نماز باز سر خان[3] و مان شود
هر کس رود به مصلحت خویش و جسم ما ‌‌ محبوس و مستمند در آن خاکدان شود
پس منکر و نکیر به پرسند حال ما ‌‌ دین جمله حکمها زپے امتحان شود
گر کرده ایم خیر و نماز خلاف نفس ‌‌ آن خاکدان تیره بما گلستان شود
در جرم و معصیت بود و فسق کار ما ‌‌ آتش در افتد به لحد هم دخان شود
یک هفته یا دو هفته کم و بیش صبح و شام ‌‌ با گریه دوست همدم و همداستان شود
حلوا سه چار صحن شب جمعه چند بار ‌‌ بهر ریا بخانه هر گور خال شود
واں مصرعه نیز که از سده رست داشت ‌‌ خواهد که باز بستهٔ عقد فلاں شود

---

۱ کلمهٔ توحید، ۲ بهشت، ۳ بمعنی اسباب۔

میراث گیر کم خرد آید بہ جستجوئے
بس گفتگوئے بر سر باغ و دکان شود

نامی زما بماند و واجزائے ما تمام
در زیر خاک باغم و حسرت نہاں شود

وانگاہ چند سال برین حال بگذرد
آں نام نیز گم شود و بے نشاں شود

واں صورتِ لطیف شود جملہ زیر خاک
واں جسم زور مند کفے استخواں شود

از خاکِ گور خانہ ما خشتہا پزند
واں خاک و خشت و ستکش گل گراں شود

دوران روزگار بما بگذرد بسے
گاہے شود بہار و دگر گہ خزاں شود

تا روز رستخیز کہ اصناف خلق را
تنہا ز بہر عرض قرینے رواں شود

حکم خدائے عزّ و جلّ کائنات را
در فصل ہر فیصلہ یکلی رواں شود

از گفتن و شنیدن واز کردہائے بد
در مؤقف محاسبہ یک یک عیاں شود

میزان عدل نصب کنند از برائے خلق
یک سر سبک برآید و یک سر گران شود

ہر کس نگہ کند بہ بد و نیک خویشتن
آنجا یکے غمین و یکے شادمان شود

بندند باز بر سر دوزخ پل صراط
ہر کس از و گذشتہ مقیم جناں شود

وآنکس کہ از صراط بہ لرزید پائے او
در خواری و عذاب ابد جاوداں شود

اشرار را حرارت دوزخ کند قبول
وابرار را عنایت حق سائباں شود

بس روئے ہمچو ماہ ز خجلت شود سیاہ
بس قد کہ ہمچو تیر ز ہیبت کماں شود

بس شخص بینوا کہ ورا از علو قدر
عشرتِ سرائے جنت اعلیٰ مکاں شود

بس پیر مستمند کہ در گلشن مراد
بوئے بہشت بشنود و نوجوان شود

مسکین اسیر نفس و ہوا کاندرانِ مقام
با صد ہزار غصہ قرین ہواں شود

برگے کہ از برائے مطیعان کشد خدائے
عاصی چہ گونہ بر سر آن برگ خوان شود

خرم وے کہ در حرم آباد امن و عیش
حق را بخوانِ لطف و کرم میہمان شود

ایں کار دولت ست نداند کسے یقین
سعدیؒ یقین بجنت و خلدت چسپاں شود

جمعہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ

سلہ خواری۔

حقوق الاسلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا فِیْ کِتَابِہٖ بِقَوْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الَّذِیْ اَیْقَظَنَا بِقَوْلِہٖ مَنْ کَانَتْ لَہٗ مَظْلَمَۃٌ لِاَخِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اَوْ مَالِہٖ فَلْیَتَحَلَّلْہُ مِنْہُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْھَمٌ اَیْ یَوْمَ الْفَصْلِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الَّذِیْنَ وَصَلُوْا کُلَّ فَرْعٍ اِلٰی الْاَصْلِ

بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ نقلاً و عقلاً یہ امر ثابت ہے کہ ہم لوگوں سے کچھ حقوق کا مطالبہ کیا گیا ہے، جس میں بعض حقوق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور بعض بندوں کے۔ اور بندوں کے حقوق میں سے بعض دینی ہیں اور بعض دنیوی، پھر دنیوی میں بعضے حقوق اقارب کے ہیں، بعض اجانب کے اور بعض حقوق خاص لوگوں کے ہیں، بعض عام مسلمانوں کے، بعض اپنے سے بڑوں کے ہیں۔ بعض چھوٹوں کے، بعض مساوی درجہ والوں کے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

اور بوجہ لاعلمی کے اکثر لوگوں کو بعضے حقوق کی اطلاع بھی نہیں اور بعض کو بوجہ بدعملی اُن کے ادا کرنے کا اہتمام نہیں، اس لیے دل نے چاہا کہ ایک مختصر تحریر اس باب میں جمع ہو جائے۔ تو امید فائدہ کی ہے۔ چونکہ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کا رسالہ "حقیقت الاسلام" جس کا حوالہ احقر نے فروع الایمان میں دیا ہے، اس مضمون میں کافی دوانی تھا۔ اس لئے اسی کا خلاصہ کر دینا کافی سمجھا گیا۔ البتہ بعض مضامین کہیں کہیں بضرورت بڑھائے گئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اور اس کا نام "حقوق الاسلام" رکھتا ہوں۔ اور اس میں چند فصلیں ہیں اور ہر ایک فصل میں ایک ایک حق کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق

سب سے اوّل بندہ کے ذمّہ اللہ جل شانہٗ کا حق ہے۔ جس نے طرح طرح کی نعمتیں ایجادؔ وابقا کی عنایت فرمائیں۔ گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لائے۔ ہدایت پر عمل کرنے کے صلہ میں طرح طرح کی نعمتوں کی امید دلائی۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق بندوں کے ذمہ یہ ہیں۔ (۱) ذات وصفات کے متعلق موافق قرآن وحدیث کے اپنا اعتقاد رکھے۔ (۲) عقاید واعمال ومعاملات واخلاق میں جو اُن کی مرضی کے موافق ہو اختیار کرے۔ اور جو اُن کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اس کو ترک کرے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت کو سب کی رضا ومحبت پر مقدم رکھے۔ (۴) جس سے محبت یا بغض رکھے یا کسی کے ساتھ احسان یا دریغؔ کرے سب اللہ کے واسطے کرے۔

پیغمبروں کے حقوق

چونکہ ذات وصفات ومرضیات ونامرضیات الٰہی کی شناخت ہم لوگوں کو بتوسط حضرت انبیاء علیہ السلام کے ہوئی اور اُن کے پاس ملائکہ وحی لائے اس طرح بہت سے دنیوی منافع ومضار بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے دریافت ہوئے اور بہت سے ملائکہ ہمارے فائدوں کے کاموں پر متعین ہیں اور باذن الٰہی ان کاموں کو انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام وحضرات ملائکہ علیہم السلام کا حق حق تعالیٰ کے حق میں داخل ہو گیا۔ بالخصوص سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان سب سے زاید ہم پر ہے اس لیے آپ کا حق بھی سب سے زاید ہے۔

وہ چند حقوق یہ ہیں۔ (۱) آپ کی رسالت کا اعتقاد رکھے۔ (۲) تمام احکام میں آپ کی اطاعت کرے (۳) آپ کی عظمت اور محبت کو دل میں جگہ

لہ پیدا کرنے اور باقی رکھنے کی ۱۲ محمد شفیع ۔ ۲۔ ترک احسان ۱۲ ش

دے۔ (۴) اور آپ پر صلوٰۃ پڑھا کرے۔

حضرات ملائکہ علیہم السلام کے یہ حقوق ہیں۔ (۱) اُن کے وجود کا اعتقاد رکھے۔ (۲) اُن کو گناہوں سے پاک سمجھے۔ (۳) جب اُن کا نام آئے علیہ السلام کہے۔ (۴) مسجد میں بدبودار چیزیں کھا کر جانے سے یا مسجد میں ریح صادر کرنے سے ملائکہ کو ایذا ہوتی ہے اس سے احتیاط کرے۔ اور بھی جن امور سے ملائکہ کو تکلیف و تنفر ہو ان سے احتراز لازم سمجھے مثلاً تصویر رکھنا یا بلا ضرورت شرعی کتا پالنا یا جھوٹ بولنا یا جنابت میں براہ سستی پڑا رہنا کہ نماز بھی برباد ہو جائے، بلا ضرورت شرعی یا طبعی برہنہ ہونا گو خلوت میں ہو

صحابہؓ و اہلِ بیتؓ کے حقوق

حضرات صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دینی اور دنیوی دونوں طرح کا تعلق ہے اس لئے آپ کے حق میں ان حضرات کے حقوق بھی داخل ہو گئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) ان حضرات کی اطاعت کرے۔ (۲) ان حضرات سے محبت رکھے۔ (۳) ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھے۔ (۴) ان کے محبین[۲] سے محبت اور مبغضین[۳] سے بغض رکھے۔

علماء اور مشائخ کے حقوق

چونکہ علماء ظاہر و باطن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور مسند نشین ہیں۔ اس لئے ان حضرات کے حقوق بھی حضور کے حق میں داخل ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) فقہائے مجتہدین و علمائے محدثین و اساتذہ و مشائخ طریقت و مصنفین دینیات کے لئے دعا خیر کرتا رہے۔ (۲) حسب قاعدہ شرعی ان کا اتباع کرے۔ (۳) جو ان میں زندہ ہوں ان سے تعظیم اور محبت سے پیش

---

[۱] جیسے کچا لہسن۔ پیاز۔ مولی۔ پان۔ تمباکو وغیرہ اسی طرح مسجد میں مٹی کا تیل جلانے یا دیا سلائی کھینچنے سے بھی بدبو پھیلتی ہے۔ اس سے بھی اجتناب کریں۔ ۱۲ محمد شفیع

[۲] محبت رکھنے والے۔ ۱۲ [۳] بغض و عداوت رکھنے والے ۱۲

آئے۔ ان سے بغض و مخالفت نہ کرے۔ (۴) حسب وسعت و ضرورت ان حضرات کی مالی خدمات بھی کرتا رہے۔

والدین کے حقوق

یہ حضرات مذکورین تو دینی نعمتوں میں واسطہ تھے، اس لئے اُن کا حق لازم تھا۔ بعضے لوگ دنیوی نعمتوں کے ذرائع ہیں۔ ان کا حق شرعاً ثابت ہے۔ مثلاً ماں باپ کہ ایجاد اور پرورش اُن کی توسط سے ہوتی ہے اُن کے حقوق یہ ہیں۔ (۱) اُن کو ایذا نہ پہنچائے اگرچہ اُن کی طرف سے کوئی زیادتی ہو۔ (۲) قولاً و فعلاً ان کی تعظیم کرے۔ (۳) مشروع امور میں ان کی اطاعت کرے۔ (۴) اگر ان کو حاجت ہو مال سے ان کی خدمت کرے۔ اگرچہ وہ دونوں کافر ہوں۔

ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے حقوق

(۱) ان کے لئے دعا مغفرت و رحمت کرتا رہے۔ نوافل و صدقات مالیہ کا ان کو پہنچاتا رہے۔ (۲) ان کے ملنے والوں کے ساتھ رعایت مالی و خدمت بدنی و حسن اخلاق سے پیش آئے۔ (۳) اُن کے ذمہ جو قرضہ ہو اس کو ادا کرے۔ (۴) گاہ گاہ ان کی قبر کی زیارت کرے۔

دادا، دادی۔ نانا۔ نانی کے حقوق

دادا، دادی، نانا نانی، کا حکم شرعاً مثلِ ماں باپ کے ہے۔ پس اُن کے حقوق بھی مثل ماں باپ کے سمجھنا چاہیئے۔ اس طرح خالہ اور ماموں مثل ماں کے اور چچا اور پھوپھی مثل باپ کے ہیں۔ حدیثؒ میں اس طرف اشارہ آیا ہے۔

اولاد کے حقوق

جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں۔ اسی طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق ہیں، وہ یہ ہیں۔ (۱) نیک بخت عورت سے نکاح کرنا تاکہ

ؒ هل لك من خالة ۱۲ لوا عطيتها اخوالك ان عم الرجل صنو ابيه

اولاد اچھی پیدا ہو۔ (۲) بچپن میں محبت کے ساتھ ان کو پرورش کرنا کہ اولاد کو پیار کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے۔ بالخصوص لڑکیوں سے دل تنگ نہ ہونا، اُن کی پرورش کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اگر انا کا دودھ پلانا پڑے تو خلیق اور دیندار انا تلاش کرنا کہ دودھ کا اثر بچہ کے اخلاق میں آتا ہے۔ (۳) ان کو علمِ دین و ادب سکھلانا۔ (۴) جب نکاح کے قابل ہوں ان کا نکاح کر دینا۔ اگر لڑکی کا شوہر مر جائے تو نکاحِ ثانی ہونے تک اس کو اپنے گھر آرام سے رکھنا، اس کے مصارف ضروریہ کا برداشت کرنا۔

دودھ پلانے والی انا کے حقوق

انا بھی بوجہ دودھ پلانے کے مثل ماں کے ہے۔ اس کے حقوق بھی وارد ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) اس کے ساتھ ادب و حرمت سے پیش آنا۔ (۲) اگر اس کو مالی حاجت ہو اور خود کو وسعت ہو تو اس سے دریغ نہ کرنا۔ (۳) اگر میسر ہو تو ایک غلام یا لونڈی خرید کر کے اس کو خدمت کے لیے دینا۔ (۴) اس کا شوہر چونکہ اس کا مخدوم ہے اور یہ اس کی مخدومہ ہے۔ تو اس کے شوہر کو مخدوم المخدوم سمجھ کر اس کے ساتھ بھی احسان کرنا۔

سوتیلی ماں کے حقوق

سوتیلی ماں چونکہ باپ کے قرین ہے اور باپ کے دوست کے ساتھ احسان کرنے کا حکم آیا ہے اس لئے سوتیلی ماں کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے تحت جو ذکر ہوا وہ کافی ہے۔

بہن بھائی کے حقوق

حدیث میں ہے کہ بڑا بھائی مثل باپ کے ہے۔ اس سے لازم آیا کہ چھوٹا بھائی مثل اولاد کے ہے۔ پس ان میں باہمی حقوق ویسے ہی ہوں گے جیسے مابین والدین و اولاد کے ہیں۔ اسی پر بڑی بہن اور چھوٹی بہن

کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

رشتہ داروں کے حقوق

اسی طرح باقی قرابت داروں کے بھی حقوق آئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) اپنے محارم اگر محتاج ہوں اور کھانے کمانے کی کوئی قدرت نہ رکھتے ہوں تو بقدر کفالت ان کے نان و نفقہ کی خبر گیری مثل اولاد کے واجب ہے۔ اور محارم کا نان و نفقہ اس طرح تو واجب نہیں لیکن کچھ خدمت کرنا ضروری ہے (۲) گاہ بگاہ اُن سے ملتا رہے (۳) اُن سے قطع قرابت نہ کرے، بلکہ اگر کسی قدر ان سے ایذا بھی پہنچے تو صبر افضل ہے (۴) اگر کوئی قریب محرم اس کی ملک میں آجائے تو فوراً آزاد ہو جاتا ہے۔

استاد اور پیر کے حقوق

استاد اور پیر چونکہ باعتبار تربیت باطنی کی مثل باپ کے ہیں اس لئے ان کی اولاد یا اقارب سے ایسا ہی معاملہ کرنا چاہیے جس طرح اپنے ماں باپ یا اقارب کے ساتھ۔ لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة فی القربیٰ کی یہ بھی ایک تفسیر ہے۔ اس مقام سے حضرات سادات کرام کا اکرام و احترام بھی معلوم کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ شاگرد و مرید مثل اولاد کے ہیں تو اپنے استاد کا شاگرد یا اپنے پیر کا مرید بمنزلہ اولاد اپنے باپ کے ہوا۔ پس اس کے حقوق مثل بھائی کے سمجھے قرآن مجید میں لصاحب بالجنب جو آیا ہے اس میں بھی داخل ہے۔

شاگرد اور مرید کے حقوق

چونکہ شاگرد و مرید بمنزلہ اولاد کے ہے شفقت و دلسوزی میں، ان کا حق مثل حق اولاد کے ہے۔

زوجین کے حقوق

حقوق زوجین میں شوہر کے ذمہ یہ ہیں۔ (۱) اپنی وسعت کے موافق

اس کے نان ونفقہ میں دریغ نہ کرے (۲) ان کو مسائل دینیہ سکھلاتا رہے اور عمل نیک کی تاکید کرتا رہے (۳) اس کے محارم اقارب سے گاہ بگاہ اس کو ملنے دے۔ اس کی کم فہمیوں پر اکثر صبر و سکوت کرے۔ اگر احیاناً ضرورت تادیب کی ہو تو توسط کا لحاظ رکھے۔ اور زوجہ کے ذمہ یہ حقوق ہیں (۱) اس کی اطاعت اور ادب وخدمت و دلجوئی و رضاجوئی پورے طور سے بجا لائے۔ البتہ غیر مشروع امر میں عذر کردے۔ (۲) اس کی گنجائش سے زیادہ اس پر فرمائش نہ کرے (۳) اس کا مال بلا اجازت خرچ نہ کرے۔ (۴) اس کے اقارب سے سختی نہ کرے جس سے شوہر کو رنج پہنچے۔ بالخصوص شوہر کے ماں باپ کو اپنا مخدوم سمجھ کر ادب و تعظیم سے پیش آئے۔

حاکم اور محکوم کے حقوق

حاکم و محکوم کے حقوق میں حاکم میں بادشاہ و نائب بادشاہ اور آقا وغیرہ اور محکوم رعیت اور نوکر وغیرہ سب داخل ہیں۔ اور جہاں مالک و مملوک ہوں وہ بھی داخل ہو جائیں گے۔ حاکم کے ذمہ یہ حقوق ہیں۔ (۱) محکوم پر دشوار احکام نہ جاری کرے۔ (۲) اگر باہم محکومین میں کوئی منازعت ہو جائے عدل کی رعایت کرے۔ کسی جانب میلان نہ کرے۔ (۳) ہر طرح اُن کی حفاظت و آرام رسانی کی فکر میں رہے۔ داد خواہوں کو اپنے پاس پہنچنے کے لئے آسان طریقہ مقرر کرے۔ (۴) اگر اپنی شان میں اس سے کوئی کوتاہی یا خطا ہو جائے۔ کثرت سے معاف کر دیا کرے۔ اور محکوم کے ذمہ یہ حقوق۔ (۱) حاکم کی خیر خواہی و اطاعت کرے۔ البتہ خلاف شرع امر میں اطاعت نہیں۔ (۲) اگر حاکم سے کوئی امر خلافِ طبع پیش آئے صبر کرے، شکایت و بدعا نہ کرے۔ البتہ اس کی نرم مزاجی کے لئے دعا کرے۔ اور خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اہتمام کرے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ حکام کے دل کو نرم کر دیں ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے۔ (۳) اگر حاکم سے آرام پہنچے اس کے ساتھ

احسان کی شکر گذاری کرے۔ (۴) براہ نفسانیت اس سے سرکشی نہ کرے۔ اور جہاں غلام پائے جاتے ہوں۔ غلاموں کا نان نفقہ بھی واجب ہے اور غلام کو اس کی خدمت چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے۔ باقی محکومین آزاد ہیں دائرۂ حکومت میں رہنے تک حقوق ہوں گے اور خارج ہونے کے بعد ہر وقت مختار ہیں۔

سسرالی عزیزوں کے حقوق

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے نسب کے ساتھ علاقہ مصاہرۃ کو بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ساس اور سسر اور سالے و بہنوئی اور داماد اور بہو اور ربیب یعنی بیوی کی پہلی اولاد کا بھی کسی قدر ہوتا ہے۔ اس لئے ان تعلقات میں بھی رعایتِ احسان و اخلاق کے کسی قدر خصوصیت کے ساتھ رکھنا چاہیئے۔

عام مسلمانوں کے حقوق

علاوہ اہل قرابت کے اجنبی مسلمانوں کے بھی حقوق ہیں۔ اصبہانی نے ترغیب و ترہیب میں بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حقوق نقل کئے ہیں۔ (۱) بھائی مسلمان کی لغزش کو معاف کرے۔ (۲) اس کے رونے پر رحم کرے۔ (۳) اس کے عیب کو ڈھانکے۔ (۴) اس کے عذر کو قبول کرے۔ (۵) اس کی تکلیف کو دور کرے۔ (۶) ہمیشہ اس کی خیر خواہی کرتا رہے (۷) اس کی حفاظت و محبت کرے (۸) اس کے ذمہ کی رعایت کرے۔ (۹) بیمار ہو تو عیادت کرے (۱۰) مرجائے تو جنازے پر حاضر ہو۔ (۱۱) اس کی دعوت قبول کرے۔ (۱۲) اس کا ہدیہ قبول کرے۔ (۱۳) اس کے احسان کے مکافات کرے۔ (۱۴) اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرے۔ (۱۵) موقع پر اس کی نصرت کرے۔ (۱۶) اس کے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔ (۱۷) اس کی حاجت روائی کرے۔ (۱۸) اس کی درخواست کو سنے۔ (۱۹) اس کی سفارش قبول کرے

(۲۰) اس کی مراد سے ناامید نہ کرے۔ (۲۱) وہ چھینک کر الحمدللہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے (۲۲) اس کی گمشدہ چیز کو اس کے پاس پہنچادے۔ (۲۳) اس کے سلام کا جواب دے۔ (۲۴) نرمی وخوش خلقی کے ساتھ اس سے گفتگو کرے۔ (۲۵) اس کے ساتھ احسان کرے۔ (۲۶) اگر وہ اس کے بھروسہ قسم کھا بیٹھے تو اس کو پورا کردے۔ (۲۷) اگر اس پر کوئی ظلم کرتا ہو اس کی مدد کرے۔ اگر اس پر کوئی ظلم کرتا ہو روک دے۔ (۲۸) اس کے ساتھ محبت کرے دشمنی نہ کرے۔ (۲۹) اس کو رسوا نہ کرے۔ (۳۰) جو بات اپنے لئے پسند کرے اس کے لئے بھی پسند کرے۔

اور دوسری احادیث میں یہ حقوق زیادہ ہیں۔ (۳۱) ملاقات کیوقت اس کو سلام کرے اور مصافحہ بھی کرے تو اور بہتر ہے۔ (۳۲) اگر باہم اتفاقاً کچھ رنجش ہو جائے تین روز سے زیادہ ترک کلام نہ کرے۔ (۳۳) اس پر بدگمانی نہ کرے۔ (۳۴) اس پر حسد و بغض نہ کرے۔ (۳۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر بقدر امکان کرے۔ (۳۶) چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر کرے (۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہو جائے اُن میں باہم صلاح کرادے (۳۸) اس کی غیبت نہ کرے۔ (۳۹) اس کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچائے نہ مال میں نہ آبرو میں۔ (۴۰) اگر سواری پر سوار نہ ہو سکے یا اس پر اسباب نہ لاد سکے تو اس کو سہارا لگادے۔ (۴۱) اس کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ (۴۲) تیسرے کو تنہا چھوڑ کر دو آدمی باتیں نہ کریں۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کے حقوق اوپر مذکور ہو چکے ہیں وہ حقوق خاص ہیں اور ان حقوق عام میں وہ بھی شریک ہیں۔

ہمسایہ کے حقوق

اور جن میں علاوہ اس کے اور بھی کوئی صفت ہو اس کے حقوق زائد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ہمسایہ کہ اس کے حقوق یہ ہیں۔ (۱) اس کے ساتھ احسان

اور مراعات سے پیش آئے۔ (۲) اس کے اہل وعیال کی حفظ آبرو کرے۔ (۳) وقتاً فوقتاً اس کے گھر ہدیہ وغیرہ بھیجتا رہے، بالخصوص جب وہ فاقہ زدہ ہو تو ضرور تھوڑا بہت کھانا اس کو دے۔ (۴) اس کو تکلیف نہ دے۔ اور خفیف خفیف امور میں اس سے نہ اُلجھے۔ اس کی رفع تکلیف کے واسطے شریعت نے اس کے لئے حق شفعہ ثابت کیا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ جیسے حضر ہمسایہ ہوتا ہے اس طرح سفر میں۔ یعنی رفیق سفر جو گھر سے ساتھ ہوا ہو یا راہ میں اتفاقاً اس کی معیت ہو گئی ہو۔ حدیث میں ایک کو جار مقام دوسرے کو جار بادیہ فرمایا ہے۔ اس کا حق بھی مثل ہمسایہ حضر کے ہے اس کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھے۔ بعض لوگ سفر ریل میں مسافروں کے ساتھ بہت کشمکش کرتے ہیں۔ یہ بہت بری بات ہے۔

یتیموں ضعیفوں کے حقوق

اسی طرح جو دوسروں کا دست نگر ہو۔ جیسے یتیم و بیوہ یا عاجز وضعیف یا مسکین و بیمار و معذور یا مسافر یا سائل، ان لوگوں کے یہ حقوق زائد ہیں۔ (۱) ان لوگوں کی مالی خدمت کرنا۔ (۲) ان لوگوں کا کام اپنے ہاتھ پاؤں سے کر دینا۔ (۳) ان لوگوں کی دلجوئی وتسلی کرنا۔ (۴) ان کے حاجت وسوال کو رد نہ کرنا۔

مہمان کے حقوق

اسی طرح مہمان کہ اس کے یہ حقوق ہیں۔ (۱) آمد کے وقت بشاشت ظاہر کرنا، جانے کے وقت کم از کم دروازہ تک مشایعت کرنا۔ (۲) اس کی معمولات وضروریات کا انتظام کہ جس سے ان کو راحت پہنچے۔ (۳) تواضع و تکریم ومدارات کے ساتھ پیش آنا۔ بلکہ اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرنا۔ (۴) کم از کم ایک روز اس کے لئے کھانے میں کسی قدر متوسط درجہ کا

تکلف کرنا مگر اتنا ہی کہ جس میں نہ اپنے کو تردد ہو نہ اس کو حجاب ہو۔ اور کم از کم تین روز تک اس کی مہمانداری کرنا۔ اتنا تو اس کا ضروری حق ہے۔ اس کے بعد جس قدر وہ ٹھہرے میزبان کی طرف سے احسان ہے مگر خود مہمان کو مناسب ہے کہ اس کو تنگ نہ کرے۔ نہ زیادہ ٹھہر کر، نہ بے جا فرمائشیں کر کے، نہ اس کی تجویز طعام و نشست و خدمت وغیرہ میں دخل دے۔

دوستوں کے حقوق

اسی طرح جس سے خصوصیت کے ساتھ دوستی ہو قرآن مجید میں اس کو اقارب و محارم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اس کے یہ آداب و حقوق ہیں۔ (۱) جس سے دوستی کرنا ہو اوّل اس کے عقاید و اعمال و معاملات و اخلاق خوب دیکھ بھال لے۔ اگر سب امور میں اس کو مستقیم و صالح پائے اس سے دوستی کرے ورنہ دور رہے۔ صحبت بد سے بچنے کی بہت تاکید آئی ہے اور مشاہدہ سے بھی اس کا ضرر محسوس ہوتا ہے۔ جب کوئی ایسا ہم جنس ہم مشرب میسر ہو اس سے دوستی کا مضائقہ نہیں۔ بلکہ دنیا میں سب سے بڑھ کر راحت کی چیز دوستی ہے۔ (۲) اپنی جان و مال سے کبھی اس کے ساتھ دریغ نہ کرے (۳) کوئی امر خلاف مزاج اس سے پیش آجائے اس سے چشم پوشی کرے۔ اگر اتفاقاً شکر رنجی ہو جائے فوراً صفائی کر لے اس کو طول نہ دے۔ دوستوں کی شکایت حکایت کبھی لطف سے خالی نہیں مگر اس کو لے کر نہ بیٹھ جائے۔ (۴) اس کی خیر خواہی میں کسی طرح کوتاہی نہ کرے۔ نیک مشورہ سے کبھی دریغ نہ کرے۔ اس کے مشورہ کو نیک نیتی سے سنے۔ اور اگر قابل عمل ہو قبول کرے۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں جس طرح متبنّٰی بنانے کی رسم ہے کہ اس کو بالکل تمام احکام میں مثل اولاد کے سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اثر تبنیت کا دوستی

کے اثر سے زائد نہیں، چونکہ اس کے ساتھ قصداً خصوصیت پیدا کی ہے اس لئے دوستی کے ضابطہ میں اس کو داخل کر سکتے ہیں۔ باقی میراث وغیرہ اس کو کچھ نہیں مل سکتی، کیوں کہ میراث اضطراری امر ہے اختیاری نہیں۔ کہ جس کو چاہا میراث دلوادی، جس کو چاہا محروم کر دیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں جو رسم عاق کرنے کی ہے یعنی کسی اولاد کی نسبت کہہ مرتے ہیں کہ اس کی میراث نہ دی جائے۔ شرعاً محض باطل ہے جیسا اوپر معلوم ہوا کہ میراث اضطراری امر ہے اختیاری نہیں۔

غیر مسلموں کے حقوق

جس طرح مشارکت قرابت یا اسلام سے بہت سے حقوق ثابت ہوتے ہیں، بعضے حقوق محض مشارکتِ نوعی کی وجہ سے ثابت ہو جاتے ہیں۔ یعنی صرف آدمی ہونے کی وجہ سے ان کی رعایت واجب ہوتی ہے۔ گو مسلمان نہ ہو وہ یہ ہیں۔ (۱) بے گناہ کسی کو جانی یا مالی تکلیف نہ دیں۔ (۲) بے وجہ شرعی کسی کے ساتھ بدزبانی نہ کرے۔ (۳) اگر کسی مصیبت، فاقہ و مرض میں مبتلا دیکھے اس کی مدد کرے، کھانا، پانی دیدے، علاج معالجہ کر دے۔ (۴) جس صورت میں شریعت نے سزا کی اجازت دی ہے۔ اس میں بھی ظلم و زیادتی نہ کرے۔ اس کو ترسادے نہیں۔

جانوروں کے حقوق

اسی طرح مشارکت جنسی سے بھی ان کی رعایت لازم ہے۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) جس جانور سے کوئی معتد بہ غرض متعلق نہ ہو اس کو قید نہ کرے۔ بالخصوص بچوں کو آشیانہ سے نکال لانا اور ان کے ماں باپ کو پریشان کرنا۔ بڑی بے رحمی ہے۔ (۲) جانور قابل انتفاع ہیں ان کو بھی محض مشغلے کے طور پر قتل نہ کرے۔ اس میں شکاری لوگ بہت مبتلا

ہیں۔ (۳) جو جانور اپنے کام میں ہیں ان کی خورد و نوش و راحت رسانی و خدمت کا پورے طور سے اہتمام کرے۔ اُن کی قوت سے زیادہ اُن سے کام نہ لے۔ ان کو حد سے زیادہ نہ مارے۔ (۴) جن جانوروں کو ذبح کرنا ہو یا بوجہ موذی ہونے کے قتل کرنا ہو تیز اوزار سے جلدی کام تمام کردے، اس کو تڑپائے نہیں۔ بھوکا پیاسا رکھ کر جان نہ لے۔

خود اپنے پہ عائد کردہ حقوق

یہ حقوق مذکورہ تو وہ تھے جو ابتداً اس کے ذمہ لازم ہیں۔ اور بعضے وہ حقوق ہیں جو انسان خود اپنے اختیار سے اپنے ذمہ کر لیتا ہے۔ ان میں بعض حقوق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ تین قسم ہیں۔

قسم اول

وہ حق جس کا سبب طاعت ہے وہ نذر ہے۔ سو اگر عبادت مقصودہ کی نظر ہو تو اس کا ایفا فرض و واجب ہے۔ اور اگر عبادت غیر مقصودہ کی ہو تو ایفا مستحب ہے۔ اور اگر مباح کے ہو لغو ہے۔ اگر معصیت کے ہو ایفا حرام ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا قریب شرک کے ہے۔

قسم دوم

جس کا سبب امر مباح ہے۔ جیسا کفارۂ یمین مباح اور قضائے رمضان مسافر و مریض کے لئے یہ حقوق واجب الادا ہیں۔

قسم سوم

جس کا سبب معصیت ہے۔ جیسے حدود اور کفارات جو بلا عذر شرعی روزہ افطار کرنے سے یا قتلِ خطا یا ظہار سے واجب ہوتے ہوں۔ یہ حقوق بھی واجب الادا ہیں۔ اور جن حقوق کا سبب اختیاری ہے بعض ان میں حقوق العباد ہیں وہ بھی مثل تقسیم مذکور تین قسم ہیں۔

قسم اول

جس کا سبب اطاعت ہو وہ وعدہ کا پورا کرنا ہے یہ ضروری ہے اس میں کوتاہی کرنا علامت نفاق کی فرمائی گئی۔

قسم دوم

جس کا سبب امر مباح ہو وہ دین ہے اور جو مثل دین کے ہو جس طرح مبیع کا تسلیم کرنا اور منکوحہ کا اپنے نفس کو سپرد کرنا اور شفیع کو جائداد مطلوبہ دیدینا، قیمت ادا کرنا، مہر ادا کرنا۔ مزدور کی مزدوری دینا، عاریت اور امانت واپس کرنا یہ سب واجب ہیں۔

قسم سوم

جس کا سبب معصیت ہو جیسے کسی کو قتل کر دینا کسی کا مال چھین لینا یا چرالینا یا خیانت کرنا یا کسی کی آبروریزی کرنا سخت زبانی سے یا غیبت سے ان امور کا تدارک اور معاف کرانا فرض ہے ورنہ آخرت میں اس کے بدلہ عبادت دینی ہوگی یا سزا جھیلنی پڑے گی۔

خاتمہ

جو حقوق ان کے ذمہ ہوں اگر وہ حقوق اللہ ہیں سو اگر عبادت سے ہیں تو ان کو ادا کرے۔ مثلاً اس کے ذمہ نمازیں یا کچھ روزے یا زکوٰۃ وغیرہ رہ گئی ہو ان کو حساب کر کے پورا کرے۔ اور بصورت عدم گنجائش وقت یا مال ان کے ادا کرنے کا ارادہ دل میں رکھے۔ جب وسعت ہو اس وقت کوتاہی نہ کرے۔ اور اگر معاصی میں سے ہیں اُن سے توبۂ صادق کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب معاف ہو جائے گا۔ اور اگر وہ حقوق العباد ہیں۔ جو ادا کرنے کے قابل ہوں ادا کرے معاف کرائے۔ مثلاً قرض یا خیانت وغیرہ اور جو صرف معاف کرانے کے قابل ہوں ان کو فقط معاف کرالے، مثلاً

غیبت وغیرہ اور اگر کسی وجہ سے اہل حقوق سے نہ معاف کرا سکتا ہے۔ نہ ادا کر سکتا ہے تو ان لوگوں کے لئے ہمیشہ استغفار کرتا رہے۔ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ان لوگوں کو رضامند کر کے معاف کرا دیں مگر جب قدرت ایفا دیا استغفار کی ہو اس وقت اس میں دریغ نہ کرے اور جو حقوق خود اوروں کے ذمہ رہ گئے ہوں۔ جن سے امید وصول کی ہو بہ نرمی اُن سے وصول کرے اور جن سے امید نہ ہو یا وہ قابل وصول نہ ہوں جیسے غیبت وغیرہ سو اگر قیامت میں ان کے عوض حسنات ملنے کی توقع ہے، مگر معاف کر دینے میں اور زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے اس لئے بالکل معاف کر دینا بالکل بہتر ہے، بالخصوص جب کوئی شخص معذرت و معافی چاہے۔

فقط والسلام

ازالة الرّین عن حقوق الوالدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد حمد وصلوٰۃ کے مؤلف رسالۂ ہٰذا اپنے برادرانِ اسلامی کی خدمت میں گذارش کرتا ہے کہ عرصے سے دیکھتا تھا کہ بعض اسلامی بھائی ادائے حقوق والدین میں اس قدر زیادتی اور مبالغہ کرتے ہیں کہ جس سے دیگر اہل حقوق کے حق ضائع ہوتے ہیں اور حضرت ذوالجلال والاکرام کی نافرمانی ہوتی ہے اور پھر اس برتاؤ کو عمدہ شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت نے ہم کو اطاعتِ والدین اسی طرح سکھلائی ہے۔ اور اپنی کج فہم کے موافق آیات واحادیث پیش کرتے ہیں۔ سو اس ناشائستہ حرکت کو دیکھ کر دل دُکھتا تھا اب بفضلِ خالق اکبر ایک مضمون اس بارے میں لکھنے کا قصد کیا اور اپنے پیارے پروردگار رحیم وکریم سے اختتام رسالہ اور راہِ صواب کی دعا کی، اللہ تعالیٰ بطریقِ حق اس کتاب کو پورا فرماوے۔ آخر میں ایک مفید تذئیل اضافہ کی جائے گی جس میں حقوق شوہر اور حقوق استاد کا مبالغہ بیان ہوکر امرِ حق واضح کیا جاوے گا۔ اصل مقصود: رسالے سے امور مذکورہ ہیں، مگر ضمناً اور فوائد بھی بیان کئے جاویں گے۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہئے۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہم کو حق تعالےٰ نے اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے اور مقصود اور مستقل بالذات ہمارے ذمہ اس خالق اکبر ہی کی تابعداری ہے۔ اور باقی جن حضرات کی تابعداری ہمارے ذمہ اللہ پاک نے لازم کی ہے وہ مقصود بالغیر اور تابع ہے اور ظاہر ہے کہ اصل تابع پر ہمیشہ اور مقصود ذریعہ پر دواماً مقدم ہوا کرتا ہے۔ اگر وسیلہ اور فرع کی اطاعت سے اصل اور مقصود کی تابعداری میں نقصان ہوگا تو وہ تابعداری مذموم اور ناجائز ہوگی، حسب قواعد عقلیہ ونقلیہ دعرفیہ۔ ورنہ اصل کا فرع اور فرع کا اصل ہونا لازم آوے گا۔ اور یہ قلب موضوع ہے جو باطل، اور مقصود

سے دُور ہے۔ پس اس قاعدۂ کلّیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیات اور احادیث وغیرہ سے مقصود کو ثابت کرتا ہوں، خوب غور سے سمجھئے، یہ رسالہ انشاء اللہ تعالےٰ عوام وخواص کی غلطی رفع کرے گا۔ بعض خواص بھی بوجہ عدم تدبّر اس مغالطہ عظیمہ میں مبتلا ہیں۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل

اللّٰھم تقبل منّا انک انت السمیع العلیم ۝

آغاز مقاصد کتاب

پارہ پندرہ سورۃ بنی اسرائیل وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝

ترجمہ یہ ہے:۔ اور قطعی حکم دیدیا تیرے رب نے کہ کسی کو نہ پوجو اس (اللہ) کے سوا۔ اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو۔ اگر پہنچ جاویں بڑھاپے کو تیرے سامنے والدین میں کا ایک یا دونوں (بڑھاپے کی قید اہتمام کے لئے ہے کہ یہ حالت زیادہ تعظیم کی مقتضی ہے۔ اور نیز اس حالت میں انکو خدمت کی زیادہ حاجت ہے اور ایسی حالت میں اولاد کو بوجہ شفقت شدید غصہ آنے کا احتمال ہے، ورنہ بغیر بڑھاپے کی حالت کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ سورۃ لقمان کی آیت وصاحبهما فی الدنیا معروفا (اور ان کا ساتھ دے دنیا میں عمدہ طور پر) اس حکم کو مطلقاً ثابت کرتی ہے۔ اس لئے کہ ایذائے والدین ایسے ساتھ دینے کے خلاف ہے جس کا حکم ہے اور جس لفظ کا کہنا حالتِ بڑھاپے میں حرام کیا گیا ہے وہ ایذا ہے خوب سمجھ لو) تو اُن کو ہوں بھی نہ کہنا اور نہ اُن کو جھڑکنا اور کہہ اُن سے تعظیم کی بات اور جھکادے اُن کے آگے عاجزی کا بازو (یعنی عاجزی کا برتاؤ کر) نیاز سے۔ اور کہہ اے میرے پروردگار اُن پر رحم فرما۔ جیسا انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم سعادت مند ہوگے

تو وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے۔ (یعنی سعادت سمجھ کر والدین کی خدمت کرنا یا ایک بوجھ سمجھ کر نباہنا سب کچھ ہم خوب جانتے ہیں۔ البتہ اگر نیت نیکی پر ہو اور کسی وقت تنگ دلی یا غصہ میں کچھ ناراض کر بیٹھو اور پھر توبہ کر لو۔ تو ہم (اپنی نافرمانی کا گناہ) معاف کر دیں گے۔ (اور خود اُن سے بھی کہ جن کا قصور کیا ہے بحالت قدرت معافی مانگنا ضرور ہے۔ مجبوری میں اُن کے لئے کثرت سے استغفار کرے۔ حق تعالیٰ قیامت میں معاف کرا دیں گے اور سعادت مند ہونے کی قید خصوصیت سے معافی کے لئے ہے ورنہ گناہ تو کسی طریق پہ ہو سچی توبہ سے معاف کر دیا جاتا ہے۔) اور دے قرابت دار کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو مت اڑا بکھیر کر (حق تعالیٰ نے حدِ اعتدال قائم رکھنے کو حقوق والدین کے متصل دیگر حقوق کا ادا کرنا بھی فرض کر دیا۔ کیونکہ احتمال تھا کہ اس شدّومد کے ساتھ والدین کی اطاعت کا حکم دیکھ کر کوئی شخص کسی دوسرے کے ادائے حقوق کو محض معمولی بات خیال کر کے اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنا اور رضائے والدین کو مقدّم کرنا۔ مثلاً والدین کہتے کہ تو اپنے اہل و عیال کو ایذا دے، خورد و نوش واجب میں کمی کر تو یہ کرنے لگتا پس رحیم و کریم نے بتلا دیا کہ ہر چیز کی حد ہے، والدین کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ کر، یہ وجہ ربط ہے دونوں مضمونوں میں دوسری وجہ یہ کہ اوّل والدین کا حق بیان کیا جو نہایت مؤکدہ ہے پھر دیگر اہل قرابت اور دوسرے حضرات کے حقوق کا بیان کیا، پس اعلیٰ کو مقدم اور ادنیٰ کو مؤخر کیا)۔ فوائد اس آیت سے والدین کو اُف (یعنی ہوں) کہنا منع ثابت ہوا (اور جو دوسرا لفظ یا برتاؤ ایسا ہی ہو اس کا بھی حکم یہی ہے) اور وجہ اس لفظ کے ممنوع ہونے کی حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایذائے والدین بیان فرمائی ہے یعنی اس لفظ اور مثل اس کے دیگر الفاظ اور برتاؤ سے ان کو رنج پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ ہتک

اور بے عزتی کا ہے۔ پس قاعدہ کلیہ یہ ہوا کہ جس بات میں والدین کو واقعی ایذا ہو[1] (جو عند الشرع معتبر ہے) وہ ہر برتاؤ قولی ہو یا فعلی ان کے ساتھ منع اور حرام ہوگا اور جس برتاؤ سے رنج مذکور بشروط مذکورہ نہ ہو وہ منع نہ ہوگا۔ اس علت اور حکم کا ہر جگہ خیال رکھیے۔ تمام احکام کا مدار اسی علت پر ہے اور قرآن میں اس آیت سے زیادہ کسی آیت میں حقوق والدین کی شدت نہیں بیان ہوئی۔ اگر یہ لفظ یا اس کے مثل کسی قوم میں بطور تعظیم بولا جاتا ہو تو اس کا اطلاق والدین پر جائز ہوگا۔ چنانچہ فقہا نے تصریح کی ہے، چند مسائل اس علت پر مبنی کر کے بطور نمونہ ناظرین کو دکھلاتا ہوں۔ پھر جن احادیث سے لوگوں کو شبہ پڑا ہے اُن کو نقل کر کے جواب معقول قلمبند کروں گا۔ اور بعض احادیث جو غیر معتبر ہیں۔ اس باب میں وہ بھی اس کے بیان غیر معتبر کے ساتھ نقل کروں گا

کن چیزوں میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں

۱۔ جو سفر خواہ تجارت کا سفر ہو خواہ حج وغیرہ کا بشرطیکہ وہ سفر فرض و واجب نہ ہو، ایسا ہو جس میں غالب ہلاکی کا اندیشہ نہیں بغیر اجازت والدین درست ہے۔ اگر والدین اس سفر سے منع کریں۔ تو اُن کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں۔ چنانچہ یہ مسئلہ درمختار اور عالمگیری میں موجود ہے۔ اور جو سفر فرض یا واجب ہو اس میں تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب والدین اپنی ضروری خدمت کے محتاج نہ ہوں۔ خواہ اُن کو حاجت ہی نہ ہو یا ہو۔ تو دوسرا کوئی خدمت کرنے والا موجود

---

[1] روی عن بعض التابعین رضی اللہ عنہ انہ قال من دعا لابویہ فی کل یوم خمس مرات فقد ادی حقہما لان اللہ تعالیٰ قال ان اشکر لی ولوالدیک الی المصیر فشکر اللہ تعالیٰ ان تصلی فی کل یوم خمس مرات وکذالک لوالدین ان یدعو لہما فی کل یوم خمس مرات کذا قال الفقیہ ابو اللیث قدس سرہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو علم اللہ شیئاً من العقوق ادنی من اُف نہی عن ذلک فیعمل العاق ماشاء ان یعمل فلن یدخل الجنۃ ویعمل البار ماشاء ان یعمل فلن یدخل النار رواہ الفقیہ المدوح قلت انہ ینبغی ان یتصدق عنہم اذا ادی الزکوٰۃ وغیرہا وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا یجزی ولد والداً الا ان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ مروی بسند صحیح ۱۲

ہو۔ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں والدین کو کوئی رنج و تکلیف واقعی اور قابل اعتبار نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اس لئے اس صورت میں والدین کے خلاف کام کرنا درست ہے نہ حرام نہ مکروہ۔

۲۔ اگر والدین کو ضروری حاجت کے لئے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام و لباس وغیرہ) واسطے قرض اخرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد ہو اور والدین اولاد سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۳۔ والدین بغیر احتیاج خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں۔ ہاں اگر وہ خدمت ضروری کے محتاج ہوں اور نوافل وغیرہ میں مشغولی اُن کو تکلیف دے اور کوئی دوسرا خادم نہ ہو تو اولاد پر ضرور اور واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔

۴۔ اگر والدین حقہ نوش ہوں اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے ہو اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں (حقہ پینا سخت مکروہ تنزیہی ہے ہاں اگر کوئی خاص حقہ ہو اور اس سے کسی ضرر اور بدبو منہ میں پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ یا کوئی ایسا مریض ہو کہ سوائے حقہ کے کسی وجہ سے دوسرا علاج ممکن نہ ہو تو شرعاً بلا کراہت اجازت ہے۔ صاحب مجالس الابرار نے نہایت تحقیق اور تفصیل سے حقہ کی مذمت ثابت کی ہے) تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہونا ہے جو شرعاً مذموم ہے۔ اور ضرورت کی حالت میں جس کی تفصیل بیان ہو چکی اس فرمائش کی تعمیل واجب ہے۔

۵۔ اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت

کو طلاق دیدے، اس کہنے کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے۔ طلاق اللہ پاک کے نزدیک بڑی بُری چیز ہے۔ فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے۔ خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہ تحریمی ہے۔ نکاح تو وصال کے لئے موضوع ہے یہ فراق بلاوجہ کیسے روا ہوسکتا ہے۔ وفصلہ ابن الہمامؒ فی فتح القدیر وحققہ۔

۶۔ اگر والدین کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو، مثلاً فرمائیں کہ اہل حق کی مدد نہ کرو یا زکوٰۃ نہ دو یا دینی تعلیم نہ کرو یا اور کوئی ایسی ہی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جب کہ وہ کام ضروری ہو جس سے وہ روکتے ہیں۔ ہاں اگر اُن کو کوئی (واقعی اور سخت) تکلیف ہو مثلاً وہ بیمار ہوں۔ اور کوئی خادم نہ ہو اور نماز کا وقت ہے اگر ان کی خبر گیری نہ کی جائے تو سخت تکلیف کا اندیشہ ہے پس ایسی صورت میں اگر وہ نماز قضا کرنے کو کہیں تو قضا کر دے، پھر کسی وقت قضا پڑھ لے۔ اور اگر کسی مستحب کام سے روکیں اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں تو اُن کے حکم کی تعمیل واجب ہے۔ اور خواہ مخواہ روکیں تو واجب ہے۔

۷۔ اگر والدین کہیں کہ تم ہماری فلانی اولاد کو (کہ وہ صاحب حاجت نہیں ہے) اس قدر رقم دے دو تو باوجود گنجائش کے بھی یہ رقم دینا واجب

---

[1] لا ترد علینا حال سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بطلقات کثیرۃ لازواجہ کما ہو مذکور فی الکتب فانہ لا یظن انہ کان یفعلہ بغیر سبب ولو فرضنا کذالک فہو قیاس الصحابیؓ فلا یلزم علینا اتباعہ ۱۲

[2] قال الشیخ ابن الہمام فی کتاب الطلاق من فتح القدیر ولا یخفی ان کلامہم فیما سیاتی من التعالیل یصرح بانہ محظور لما فیہ من کفران نعمۃ النکاح وللحدیثین المذکورین وغیرہما وانما ابیح للحاجۃ والحاجۃ ما ذکرنا فی بیان سببہ فبین الحکمین منہم تدافع فالاصح خطرہ الا لحاجۃ الادلۃ المذکورۃ ویحمل لفظ المباح علی ما ابیح فی بعض الاوقات اعنی اوقات تحقق الحاجۃ المبیحۃ انتہی الی المنہا کلامہ ثم طول کلامہ فان شئت فارجع الیہ ۱۲

نہیں۔ (یہاں تک مع نظائر یہ بیان ہو گیا کہ کس کس جگہ والدین کے حکم کی تعمیل واجب اور کس مقام پر منع ہے۔ اور کس مقام پر جائز ہے۔ غرض ہر جگہ اطاعت والدین ضروری نہیں۔)

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا صحیح مطلب

حدیث میں ہے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا افضل ہے نماز سے اور روزہ سے اور حج سے اور عمرہ سے اور جہاد سے راہ خدا میں (یہ حدیث ثابت نہیں اس لئے قابلِ اعتبار نہیں۔ اور اس کو حدیث کہنا روا نہیں، جیسا کہ امام شوکانیؒ نے مختصر سے نقل کیا ہے فوائد مجموعہ میں اور قاعدۂ شرعی کے خلاف ہے جیسا کہ آگے معلوم ہو گا۔

مشکوٰۃ باب البر والصلہ میں بروایت ترمذی مذکور ہے رضائے پروردگار رضائے والدین میں ہے (یعنی والدین اگر راضی رہیں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی رہے اور اگر وہ ناراض رہیں تو خدا بھی ناراض رہے) اور ناخوشی پروردگار کی ناخوشی والدین میں ہے۔

ف یہاں سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ ہر کام والدین کی رضا پر لازم ہے ورنہ گناہ ہو گا۔ حالانکہ یہ حکم نہیں۔ پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جن امور میں اطاعت والدین شریعت سے لازم ہے اُن امور میں اگر کوتاہی کرے گا تو ناراضی حق حاصل ہو گی۔ اور نافرمان جب ہی ہو گا۔ جب کہ حقوق ضروریہ ادا نہ کرے پس یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ داخل ہے اُس قاعدۂ کلیہ میں جو ابتداً قائم کیا گیا ہے۔ کہ جس بات کے کرنے سے والدین کو تکلیف ہو وہ کام نہ کرنا واجب ہے۔ اور اس حدیث کا شان نزول خصوصیت بیان حقوق والدین اور مراد مذکور پر دلالت کرتا ہے۔ جس کو اشعۃ اللمعات میں نقل کیا ہے اور راز یہ ہے کہ ہر امر میں اطاعت کا حکم دیا جاتا اور اسی طرح عورت کو ہر امر میں خاوند کی اطاعت کا حکم ہوتا تو بہت سے لوگ عبادت الٰہی سے جو پیدائش انسان سے اصلی مقصود ہے محروم ہو جاتے اور اپنے اصلی محبوب کی یاد سے

اور اس کے ذکر کی حقیقی لذت اور کمالات عالیہ سے محروم رہتے جس بغیر طالب خالق اکبر کو چین ہی نہیں اور مقصود بھی وہی ہے جیسا کہ تمہید میں بیان کر چکا ہوں۔

انسانی پیدائش کا اصل مقصد

قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۵

اور ہم نے جن و انسان کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور حدیث قدسی جو باعتبار سند ضعیف مگر ہمارے مقصود کو غیر مضر اور باعتبار تحقیق حضرات اہل کشف صحیح ہے اسی مضمون کو بتلاتی ہے اور وہ یہ ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق " میں خزانہ میں پوشیدہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو پیدا کیا میں نے مخلوق کو" پس معلوم ہوا کہ عبادت الٰہی اور معرفت محبوب حقیقی مقصود ہے پیدائش مخلوق سے پس ہر جگہ اس کو مقدم رکھا جائے گا۔

والدین کے حکم کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے یا نہیں؟

۴۔ مشکوٰۃ کے مقام مذکور میں حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ ایک مرد ان کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیوی ہے جس کے طلاق دینے کا میری ماں حکم کرتی ہے (آیا طلاق دوں یا نہیں) پس فرمایا اس سے حضرت موصوف نے میں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ باپ (اور ماں) افضل دروازہ بہشت کا ہے (یعنی سبب داخل ہونے جنت میں افضل دروازے جنت سے رضائے والد (اور والدہ) ہے۔ پس اگر تو چاہے تو حفاظت کر دروازے کی یا ضائع کر دے اس کو (یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس عورت سے اس مرد کی والدہ کو تکلیف (واقعی) پہنچتی تھی اس وجہ سے طلاق دلانا چاہتی تھی۔ ورنہ خواہ مخواہ طلاق دلانا ظلم ہے اور ظلم پر مدد کرنا ظلم ہے، پس طلاق جو ظلم ہے صورت مذکورہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ

اس کی کیسے اجازت دے سکتے تھے۔ نیز یہی جواب ہے اُس حدیث کا جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اُن کے صاحب زادے اپنی بیوی کو طلاق دیدیں۔ صاحبزادے طلاق نہیں دینا چاہتے تھے تو انہوں نے جناب سرورِ عالم سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے طلاق دینا ارشاد فرمایا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے مقبول صحابی کسی پر کیسے ظلم کرتے۔ اگر بفرضِ محال ایسا کرتے تو حضور سرورِ عالم کیسے گوارا فرماتے اور ظلم کی کس طرح اعانت فرماسکتے تھے۔ اس حدیث کی تقریر قریب اسی تقریر کے حضرت امام ہمام غزالی قدس سرہ نے احیاء العلوم میں فرمائی ہے)

والدین کے حقوق ادا کرنے پر جنت کی بشارت

۵ حضرت ابن عباسؓ سے مشکوٰۃ کے باب مذکور میں بروایت بیہقی روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول مقبول نے جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ فرماں بردار ہو۔ حق تعالیٰ کا ماں باپ کے (حق ضروری) ادا کرنے میں تو وہ ایسے حال میں صبح کرتا ہے کہ دو جنت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں۔ اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو اور یہ برتاؤ اس کے ساتھ کیا جائے تو بطریق مذکور ایک دروازہ جنت کا اس کے لئے کھلا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح جو صبح کرے اس حال میں کہ نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کی والدین کے حقوق (ضروریہ) میں تو دو دروازے جہنم کے کھل جاتے ہیں۔ اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ ایک مرد نے عرض کیا کہ اگرچہ والدین اس پر ظلم کریں (یعنی باوجود اُن کے ظلم و زیادتی کے بھی ان کی اطاعت ہی کرے) حضور اقدس نے تین بار فرمایا کہ اگرچہ وہ دونوں اس پر ظلم کریں۔ (تب بھی اس کو اطاعت ہی چاہیئے۔ اور ضرور ہے۔ واضح رہے کہ مطلب یہ ہے کہ والدین کے ظلم کرنے کی وجہ سے جو حقوق اُن کے اولاد پر ضرور

لہ اس حدیث کو ترمذی نے اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ ۱۲

ہیں اُن کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ بُرائی کی ہم بھی ایسا ہی کریں۔

خدا کی نافرمانی کے لئے کسی کا حکم نہیں ماننا چاہیئے۔

یہ غرض نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے کام کا حکم کریں جو شرعاً ظلم ہو۔ اور اس میں ان کا کہنا مانے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے لاطاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق ؀ نہیں ہے کسی طرح کی تابعداری کسی مخلوق کی خالق کی نافرمانی میں ؀ یعنی کسی مخلوق کا کسی قسم کا حکم ماننا جو خالق کے حکم کے خلاف ہو ہرگز جائز نہیں۔ (اور یہ جملہ صورۃً خبر ہے اور مراد اس سے نہی ہے۔ اور نہی بصورت خبر ابلغ ہوتی ہے خود نہی کے صیغہ سے۔ پس نہایت تاکید سے یہ امر ثابت ہوا کہ کسی مخلوق کا کوئی کہنا ماننا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، ہرگز جائز نہیں۔ خوب سمجھ لو۔)

ماں باپ کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے

۶۔ بیوی کے نفقہ کے سوا اور اہل قرابت کا نفقہ مرد کے ذمہ اسوقت واجب ہوتا ہے، جب کہ وہ اس قدر مال کا مالک ہو جس سے صدقۂ فطر، واجب ہوتا ہے۔ اور والدین بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ اور بیوی کا نفقہ ہر صورت میں فرض ہے خواہ شوہر فقیر ہو یا امیر ہو (حاشیہ شرح وقایہ) پس معلوم ہوا کہ جب تک بقدر مال مذکور مرد کے پاس نہ ہو والدین کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب نہ ہوگا۔ اس تقریر سے یہ غرض نہیں کہ انسان والدین سے بے رُخی اور ان کے ادائے حقوق میں کوتاہی اور ان کی احسان فراموشی کرے کہ یہ تو بہت بُری بات ہے۔ بلکہ غرض اس تمام تقریر سے یہ ہے کہ مبالغہ رفع کر دیا جاوے۔ وہ حقوق بھی بیان ہو جاویں جو واجب ہیں، اور وہ بھی جو غیر ضروری اور مستحب یا مُباح ہیں۔ والدین رب مجازی ہیں ان کا بڑا لحاظ اور بڑی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اور چونکہ حقوق والدین مشہور

ہیں اُن کے بیان کی حاجت نہیں۔ نیز یہ کتاب جس مبالغہ رفع کرنے کے واسطے موضوع ہے وہ اس کا اصلی مقصد ہے اور صورتِ مذکورہ میں مستحب مؤکدہ ہے کہ اگر کوئی خاص مجبوری نہ ہو تو باوجود اس قدر مال نہ ہونے کے بھی ان کی خدمت کرے۔ اگرچہ خود کو تکلیف ہو۔

والدین کے حکم سے مشتبہ مال کھانا واجب نہیں

۷۔ والدین کے فرمانے سے مشتبہ مال کا کھانا واجب[1] نہیں ہوتا اسلئے کہ اس میں والدین کو کوئی معتبر اور واقعی تکلیف نہیں، ہاں اگر اولاد مرنے لگے، اور سخت تکلیف ہو اور والدین اصرار کریں کہ مشتبہ مال صَرف کرا اور حلال طیب مال پر اُن کو قدرت نہ ہو تو اُن کی فرمانبرداری کے لئے بقدرِ حاجت کھالے۔ ہاں اگر وہ کھانے والا صاحب قلب صافی اور بزرگ ہو تو جب بھی نہ کھاوے کہ ایسا مال ایسے شخص کو حسّی اور ظاہری اور باطنی اور معنوی سخت نقصان دیتا ہے۔ جیساکہ بندہ کا اور دیگر حضرات کا تجربہ ہے اور ایسی صورت میں والدین کی فرمانبرداری واجب نہیں۔ اس لئے اپنی ذات کو ازخود ہلاکی میں ڈالنا ممنوع ہے۔ اور اس میں نافرمانی خالق ہے اور مخلوق کی اطاعت ناراضی خالق میں روا نہیں۔ اور ایسی صورت تکلیف سے اگر مرجاوے اور خراب مال نہ کھاوے تو بڑا ثواب ہوگا۔

جہاد میں کافر باپ کو قتل کرنا درست ہے

۸۔ لباب النقول میں ہے کہ جنگ بدر میں ادھر مسلمانوں کے لشکر خدائی گروہ میں حضرت عبیدہؓ بن الجراح[2] تھے۔ ادھر کفار کے لشکر شیطانی گروہ میں اُن کے باپ جو مشرک تھے اپنے بیٹے کے جان سے مارنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے حضرت ابو عبیدہؓ نے جب دیکھا میرا باپ کافر مجھ کو میرے اسلام کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اِدھر اُدھر بچے پھرتے رہے۔ آخر کار موقعہ پاکر باپ

---

[1] وبہ قال بعض العلماء نقلہ الغزالی قدس سرہ قلت ان من افتی بذالک فہو کان محقعاً ۱۲
[2] یہ بڑے زاہد صحابی ہیں۔

کو مار ڈالا۔ تو آیات ذیل نازل ہوئیں، نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باپ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ[1] نے کفر کی حالت میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً منہ پر طمانچہ کھینچ مارا، وہ گر پڑے اور حضور سے شکایت کی سرور عالم نے یہ قصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسے بے جا کلمات پر گردن اڑا دیتا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ان آیات کا شانِ نزول یہ دو سبب ہیں۔ اور وہ آیتیں سورۂ مجادلہ پارہ ۲۸ میں درج ہیں۔ جن کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ "تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روز آخرت پر کہ وہ دوستی کریں۔ ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے گو وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے کنبے کے بھی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔ (یعنی خوب رچا دیا ہے) اور ان کی تائید کی فیضان غیبی سے اور ان کو داخل فرمائے گا۔ ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ خدائی لشکر ہے۔ سنو جی۔ اللہ کا لشکر وہی فلاح پانے والے ہیں۔ یہاں سے بخوبی روشن ہو گیا کہ اللہ پاک کے حق کے سامنے والدین کے حق کی کیا وقعت ہے اور ثابت ہوا کہ جہاد میں باپ کو خود قتل کرنا درست ہے۔ اور ہدایہ[2] میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ جہاد میں اپنے باپ کے مارنے کو دوسرے کو اشارہ کر دے خود نہ مارے سو ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم مستحب ہے۔ کہ ادب پدری بھی ملحوظ رہے گا۔ اور مقصود بھی حاصل ہو جائے گا۔ اور یہ بھی جب کہ دوسرا شخص موجود ہو ایسے موقع پر اس کو بخوبی مار سکے۔ کفر اور فسق کا انجام ذلت ہے۔ پس ادب پدری پورے طور پر نہیں باقی رہ سکتا۔

۱۔ پھر یہ اسلام لے آئے تھے۔ ۱۲

۲ یدل علیہ ما رواہ الزمخشری عن حذیفۃ انہ استاذن النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی قتل ابیہ وہو فی صف المشرکین فقال دعہ یلیہ غیرک انتہی وقلت بالاستحباب تطبیقا بین الاحادیث ولعل ہذا الحدیث ثابت لکن لم اطلع علی وضعہ ولا ثبوتہ فی غیر الکشاف والبیضاوی۔ وتتبعت کتب الموضوعات ۱۲

فاسق والدین کو اچھے طریق سے نصیحت کرے

پس اگر والدین فاسق ہوں تو خوب اچھے طریق پر نصیحت کرے۔ اور اگر ضرورت ہو اور جھڑک دے تاہم کچھ گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے بمعاملۂ دینی میں کسی کی رعایت جائز نہیں۔ لیکن حتی المقدور خاص طور پر ادب ملحوظ رکھے بجہالت سے نہ پیش آوے۔ متانت اور ادب کا برتاؤ کرے۔ حد شریعت کے اندر اندر خوب سمجھ لو۔ اور حضرت ابراہیم نے جو اپنے کافر باپ کو باوجود کفر اور نصیحت نہ ماننے کے کوئی تکلیف نہیں دی۔ سو اس وجہ سے کہ اُن کو بظاہر امید تھی کہ یہ نرمی سے نصیحت قبول کریں گے۔ اور اسی شفقت کی وجہ سے استغفار کرنے کا اُن کے لئے وعدہ کیا تھا۔ مگر جب یہ امید منقطع ہوگئی اور معلوم ہوا کہ یہ دشمن خدا ہے۔ اور استغفار بوجہ کفران کو مفید نہ ہوگی تب اُن سے بیزار ہوئے۔

۹۔ احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالٰے نے وحی فرمائی کہ جو خدا کا فرماں بردار نہ ہو اور والدین کا فرماں بردار ہو (تو بوجہ اطاعت والدین نامۂ اعمال میں) وہ نیک لکھا جاتا ہے۔ اور جو اس کے خلاف ہو وہ بد لکھا جاتا ہے۔ (یہ روایت اگر طریق معتبر سے ثابت ہو تو اس سے وہم ہو سکتا ہے کہ اطاعت خالق کا درجہ اور حقوق الٰہیہ کا مرتبہ ہر موقع پر حقوق والدین سے کم ہے، مگر ایسا نہیں ہے۔ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جو شخص اطاعت والدین کرے ان امور میں جہاں ان کی اطاعت جائز ہے۔ خواہ وہ طاعت واجبہ ہو یا مستحبہ ہو تو اس کی برکت سے حقوق الٰہیہ کا ادا کرنا معاف ہو جاتا ہے۔ اور

ئے جھڑکنے کی ممانعت قرآن کی نص صریح میں ہے اور محققین فقہا نے ایسی صورتیں کہ والدین کسی گناہ میں مبتلا ہوں سمجھانے پر بھی باز نہ آئیں۔ یہ لکھا ہے کہ اولاد کو چاہئے۔ کہ اُن کے لئے دعا پر اکتفا کرے جھڑکنے اور دل آزاری کے طریقہ سے بچے کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ۔ ۱۲ محمد شفیع دیوبندی

جب کہ والدین کے ضروری حقوق ادا نہ کرے تو دیگر اعمال متعلق حقوق الٰہیہ ادا کرنے سے یہ نافرمانی والدین معاف نہیں ہوتی۔ پس نافرمان لکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ حقوق العباد باوجود قدرت بغیر ادا کئے یا بغیر معافی اصحاب حقوق ساقط نہیں ہوتے کہ اللہ غنی اور بندہ محتاج ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ والدین کا غیر ضروری حکم نہ ماننے سے باوجود اطاعت حقوق الٰہیہ بندہ نافرمان لکھا جائے۔ خوب سمجھ لو۔

اولاد کو اچھی تعلیم دینا باپ پر فرض ہے

۱۰ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی باپ نے اپنے بیٹے کی اس کو رنج و ایذا دینے کی شکایت کی۔ آپ نے بیٹے سے وجہ دریافت کی اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا باپ کا حق بہت بڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ موافق حکم حدیث میرے ان پر (خاص طور پر) تین حق تھے۔ نام اچھا رکھنا۔ تعلیم کرانا۔ اپنی شادی اچھی جگہ (شرعی طور پر) کرنا کہ لڑکے کو طعنہ نہ دیں۔ بوجہ ماں کے رذیل و خراب ہونے کے انہوں نے کوئی حق ادا نہیں کیا (بغیر تعلیم کسی کا حق کیسے معلوم ہو سکتا ہے جو ادا کرے) پس حضرت فاروق اعظمؓ نے لڑکے سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ (اور فرمایا باپ سے کہ تو کہتا ہے کہ میرا بیٹا مجھے ایذا دیتا ہے بلکہ اس کے ایذا دینے سے پہلے تو اس کو ایذا دے چکا ہے، میرے سامنے سے اٹھ جا" یہ حدیث امام فقیہ ابو اللیث نے روایت کی ہے۔ مختصر کر کے نقل کیا ہے۔ ہر شخص کے حقوق کا لحاظ شریعت میں کیا گیا ہے اور اسی کے موافق مطالبہ ہے) امام علامہ سیوطیؒ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت سعیدؒ بن المسیب (یہ بڑے درجہ کے تابعی ہیں۔ علم میں کوئی تابعی اس درجہ کو نہیں پہنچا۔ اور بزرگ تھے اور

له لفظ د سعید بن المسیب ہجر اباہ حتی مات وکان الثوری یتعلم من ابی لیلی فمات ابن ابی لیلی ولم یشہد الثوری جنازتہ وقد نقلتہ لان الاستاذ اب روحی لکن لا یبلغ درجۃ الاب الحقیقی فافہم ۔ ۱۲

صاحب کرامت تھے انہ نے اپنے باپ سے علیحدگی اختیار کی اور بالکل چھوڑ دیا دینی وجہ سے) یہاں تک کہ اُن کی وفات[1] ہوگئی (حضرت موصوف کی یا ان کے باپ کی) سبحان اللہ اللہ والے کسی رعایت نہیں کرتے بمنافاقِ اکبر کی مخالفت اُن کو گوارا نہیں گو کوئی راضی ہو یا ناراض ہو۔

۱۱۔ ذکر کرنا والدین یا دیگر حضرات کی مالی خدمت دنیز دوسری غیر ضروری خدمتوں سے افضل ہے اور علمی عبادت تو بطریق اولیٰ افضل ہے یہ مضمون حدیث سے ثابت[1] ہے۔

الحمد للہ کہ یہاں تک بخوبی ثابت ہوگیا کہ خلاف شرع حکم والدین کا ماننا جائز نہیں۔ اور وہ مقامات بھی معلوم ہو گئے جہاں اطاعت والدین فرض مستحب ہے۔ الغرض ہر حکم والدین کی تعمیل لازم نہیں۔ اور معتبر حدیث میں ہے کہ نزلوا الناس منازلھم۔ (یعنی لوگوں کو ان کے درجوں پر قائم کرو) نہ کسی کو حد سے زیادہ بڑھاؤ اور نہ حد سے زیادہ گھٹاؤ خود افضل البشر سید الانبیاء نے اپنی حد سے زیادہ تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ آپ کا رتبہ والدین وغیرہ سب سے زیادہ ہے

-) وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ علیٰ سیدنا المرسلین وآلہٖ اجمعین وسلّم

تذئیل مفید

اُستاد و مرشد اور زوجین کے حقوق

۱۔ استاد و مرشد کا بڑا حق ہے۔ لیکن والدین سے کم ہے۔ بعضے حضرات سے غلطی ہوئی ہے جنہوں نے استاد و مرشد کے حق کو والدین کے حق پر ترجیح دی ہے اور والدین کے حق کو استاد و مرشد کے حق سے کم فرمایا ہے۔ اور شاید

---

[1] قد جاء فی فضل الذکر عایت یدل علیہ وان شئت شرحہ فانظر فی شرح المشکوٰۃ للشیخ الدہلوی۔

[2] فلا تلتفت الی ماقال فی عالمگیریہ نافلاً عن شرح شرعۃ الاسلام من تقدیم حقوق الاستاذ علی الابوین فان لیس فیہ نص ولا قیاس صحیح ولا اجماع ۱۲ منہ

اُن کی دلیل یہ ہوگی کہ والدین تربیت ظاہری وجسمانی کرتے ہیں اور یہ حضرات تعلیم باطنی اور تربیت روحانی فرماتے ہیں۔ اور روح و باطن کا فضل جسم پر ظاہر ہے۔ مگر یہ دلیل نہایت ضعیف قابل اعتماد نہیں کہ جزئی فضل سے کلی فضل نہیں۔ پس ایک جہت سے بزرگی ہونا دوسری جہات سے افضل ہونے کے منافی نہیں۔ اور نہ کہیں قرآن وحدیث میں اس قدر اہتمام کے ساتھ استاد ومرشد کے حقوق کا بیان ہے۔ جیساکہ والدین کے حقوق کا اہتمام شدت سے فرمایا گیا ہے۔ استاد ومرشد میں فقط تعلیم کی وجہ سے حق قائم ہوتا ہے۔ والدین بے شمار سختیوں اور بے طمع محبت سے اولاد کی پرورش کرتے ہیں باوجود اولاد کی گستاخی اور سرکشی کے اپنی اضطراری محبت سے اولاد پر شفقت کرنے سے اعراض نہیں فرماتے اور جان ودل ان پر قربان کرتے ہیں۔ بخلاف استاد وپیر کے کہ تھوڑی خفگی کی بھی اس قدر برداشت دشوار ہے جیسا کہ والدین بے شمار سختیوں کا تحمل کرتے ہیں۔ اور جزاء بمقدار عمل ہوا کرتی ہے پس چونکہ والدین کا عمل بہت بڑا ہے۔ لہٰذا درجہ بھی بڑا ہوا۔ گو بطریق شذوذ ونُدرت بعض والدین میں شفقت مرشد واستاد سے کم پائی جائے۔ اور بعض استاد ومرشد میں والدین سے زائد شفقت پائی جائے۔ پس اس کا اعتبار نہیں اس لئے کہ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے۔ مدار حکم یہ امر نہیں ہو سکتا، مدار حکم وہی ہے جو بیان ہوا۔ خوب سمجھ لو۔ اور مرشد واستاد کا حق دل وجان سے سعی کرکے ادا کرو کہ ان کے ذریعہ سے انسانیت اور رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ مگر حد کو ملحوظ رکھو۔ یہ مختصر مضمون اس موقع پر کافی ہے بعضے کہتے ہیں کہ استاد کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا ضرور ہے۔ یہ غلط محض ہے اور ہر موقع پر تو والدین کا بھی اتنا حق نہیں جیساکہ بیان ہو چکا سوائے عظمت وتکریم اور ضرورت کے وقت مثل خدمت دیگر حضرات اُن کی خدمت کرنے کے مثل والدین ان کی اطاعت لازم نہیں۔ ہاں قریب واجب ضرور ہے اس

موقع پر جہاں والدین کی اطاعت لازم ہے خوب سمجھ لو۔ اور استاد اگر فاسق یا کافر ہو تو بھی اس کی تعظیم اور ادائے حقوق میں کمی نہ کرے ہاں دل سے برا سمجھے۔

بیوی کے ذمہ خاوند کا حق

۲۔ بیوی کے ذمہ خاوند کی خدمت اور اس کی خواہش کو پورا کرنا لازم اور فرض ہے وہ کوئی مباح کام ایسا نہیں کرسکتی جس میں خاوند کی خدمت وغیرہ میں خلل پڑے، دنیا میں بیوی پر خاوند کا جتنا حق ہے اتنا کسی کا کسی پر نہیں۔ جیساکہ حدیث (مشکوٰۃ) میں ہے کہ فرمایا جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے کہ اگر میں سجدہ کرنے کا غیر خدائے تعالیٰ کے لئے حکم کرتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، یہاں سے کس قدر عظمت شوہر کی ثابت ہوئی کہ عبادت جو مخصوصات خداوندی میں سے ہے، اگر غیر خدا کے لئے روا ہوتی تو اس کا اہل شوہر کے سوا کوئی دوسرا نہ ہوتا۔ لیکن ہر حکم خاوند کا ماننا ضروری نہیں۔ ہاں خاوند کا وہ حکم جس کے نہ کرنے سے اُسے تکلیف ہو اس کی خدمت کا حرج ہو یا کسی کام کے کرنے سے ایسا ہو۔ پس ضرور ہے کہ ایسے امور میں (بشرطیکہ وہ امور خلاف شرع نہ ہوں) خاوند کی تابعداری کرے۔ اور اس کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے اور کسی طرح اُس کے حقوق میں کمی نہ کرے۔ اور یہ مضمون والدین کے حقوق کے بارہ میں تفصیلی بیان ہو چکا ہے۔ بعینہ وہی حکم یہاں ہے۔ مگر یہاں زیادہ مؤکد ہے۔ سمجھانے کے لئے چند مسائل نمونے کے طور پر لکھتا ہوں۔

بیوی اور شوہر کا مال شرعاً علحدہ علحدہ ہے

۱۔ خاوند اور زوجہ کا مال شرعاً جدا جدا سمجھا جاتا ہے۔ جس چیز کی خرید و فروخت اور ہر قسم کے تصرف کا حق زوجہ کو حاصل ہوگا وہ مال اس کا مملوک ہوگا اور جس مال پر اسی طرح زوج کا تصرف ہو وہ مال زوج کا ہے خلط ملط اور گڑبڑ کرنے سے اگر مال حد نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ وغیرہ ساقط نہ ہو

گی۔ پس اگر خاوند کہے کہ میرا تیرا ایک ہی معاملہ ہے تو زکوٰۃ نہ ادا کر تو ہرگز اس کا کہنا نہ مانے کہ اس میں مخالفتِ خداوندی ہے اور کسی مخلوق کی اطاعت مخالفت الٰہی میں جائز نہیں، لوگ اس مسئلہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

شوہر کے حکم سے فرض واجب و سنت کو نہیں چھوڑا جاسکتا

۲۔ اگر خاوند عورت کے مملوک مال جائز موقع میں صرف کرنے سے روکے تو عورت کو اس کے حکم کی تعمیل واجب نہیں جب کہ بغیر کسی وجہ شرعی کے روکے ہاں یہ ضرور ہے کہ باہم فساد برپا کرنا اچھا نہیں حتی المقدور خوب موافقت سے رہنا چاہئے۔ بعضے شوہر چونکہ دیندار نہیں ہوتے اس وجہ سے ایسے موقعوں پر مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے فساد سے بچنے کے لئے جائز اور مکروہ تنزیہی امور میں اس کی اطاعت کرسکتی ہے۔ ہاں فرض و واجب و سنت مؤکدہ کو اس کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتی۔

۳۔ بغیر اجازت شوہر کسی بزرگ سے بیعت ہونا جائز ہے، ہاں کسی فساد کا اندیشہ ہو تو اس فساد رفع کرنے کی وجہ سے یہ جائز ہے کہ بیعت نہ ہو۔ مثلاً خاوند منع کرے کہ تو بیعت نہ ہو اور وہ بیعت ہونا چاہتی ہے تو اگر باہمت ہو تو اللہ کے بھروسہ پر بیعت ہو جائے۔ لیکن پھر کوئی رنج اس وجہ سے پیش آئے تو صبر کرے۔ ناشکری نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی ہیں۔ آخرت میں ایسے لوگوں کا بڑا درجہ ہے۔ اور یہی حکم اُن کاموں کا ہے جو مکروہ تنزیہی ہیں اور خاوند اُن کے کرنے کو کہے۔

خاوند کی موجودگی میں نفلی عبادت کا حکم

۴۔ اگر خاوند مکان پر موجود ہو تو نفلی روزہ، نماز بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے۔ اس لئے کہ شاید اس کی خدمت میں اس وجہ سے کوتاہی ہو جائے ہاں اُس کی اجازت سے پڑھے۔ حدیث شریف میں مکان پر موجود ہونے کی قید آئی ہے۔ اگر باہر ہو تو بغیر اجازت مضائقہ نہیں، اور اسی حدیث سے

ثابت ہوتا ہے کہ جو امور خاوند کے حقوق میں خلل انداز ہوں۔ ان کا کرنا بغیر اس کی اجازت جائز نہیں۔ اور باقی سب کام شرع کے موافق کرنے درست ہیں۔

۵۔ اگر شوہر کوئی جائز کام کسی اپنے قرابت دار یا کسی غیر کا عورت سے کروائے بغیر کسی مجبوری تو اس کا کرنا عورت کے ذمہ ضروری نہیں۔ مثلاً کسی کے لئے روٹی پکوائے یا کپڑا سلوائے یا کوئی ایسا ہی کام کرائے اگر کسی مجبوری سے کرائے تو چونکہ اس کام نہ کرنے میں خاوند کو تکلیف ہوگی اس لئے ضرور ہے کہ کر دے۔ (فائدہ جلیلہ) اگر عورت کسی غیر محرم کا (بلا سخت مجبوری) کپڑا سیئے تو اگر وہ شخص اچھا دیندار ہے اور کوئی فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں۔ اگر وہ شخص بد دین ہوا اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو سینا درست نہیں۔ بعضے بدچلن لوگ سیون دیکھ کر لذت حاصل کرتے ہیں۔ بطور نمونہ یہ تھوڑا سا مضمون مبالغہ سے بچانے کے لئے لکھ دیا گیا۔ تاکہ وہ مواضع معلوم ہوں کہ جہاں اطاعت شوہر ضروری اور جہاں غیر ضروری ہے۔ ورنہ خاوند کی اطاعت شرع کے موافق جس قدر ہو بڑی عمدہ بات ہے۔ بڑا درجہ جنت میں ایسی عورت کو حاصل ہوگا۔ ہاں نوافل وغیرہ عبادات کا بھی خیال رکھے کہ اصلی مقصود پیدائش مخلوق سے طاعت الٰہی ہے۔ اور اس کا تفصیلی حال کہ جس حالت میں ذکر اللہ والدین کی غیر ضروری طاعت سے افضل ہے پیشتر بیان کر چکے ہیں وہی حکم یہاں بھی ہے ؎

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

الحمد اللہ تعالٰے کہ تذئیل مفید تمام ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ مقبول اور نافع فرمائے۔ بطفیل جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

آداب المعاشرت

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ اس وقت دین کے پانچ اجزا میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جزو کو داخلِ دین سمجھا، یعنی عقائد و عبادات کو، اور علماء ظاہر نے تیسرے جزو کو بھی دین اختیار کیا، یعنی معاملات کو۔ اور مشائخ نے چوتھے جزو کو بھی دین قرار دیا، یعنی اخلاق باطنی کی اصلاح کو۔ لیکن ایک پانچویں جزو کو کہ وہ ادب معاشرت ہے قریب قریب ان تینوں طبقوں نے الا ماشاء اللہ اکثر نے تو اعتقاداً دین سے خارج اور بے تعلق قرار دے رکھا ہے اور اسی وجہ سے اور اجزاء کی تو کم و بیش خاص طور پر یا عام طور پر یعنی وعظ میں کچھ تعلیم و تلقین بھی ہے، لیکن اس جزء کا کبھی زبان پر نام تک بھی نہیں آتا۔ اسی لئے علماً و عملاً یہ جزء بالکلیہ نسیاً منسیاً ہو چلا ہے۔ اور میرے نزدیک باہمی الفت و اتفاق میں (جس کی شریعت نے سخت تاکید کی ہے۔ اور اس وقت عقلاً بھی بہت چیخ و پکار کر رہے ہیں۔) جو کمی ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ سوءِ معاشرت[1] بھی ہے کیونکہ اس سے ایک کو دوسرے سے تکدر و انقباض ہوتا ہے۔ اور وہ رافع مانع ہے انبساط و انشراح کا اعظم مدار ہے الفت باہمد گر کا، حالانکہ خود اس عیال کو کہ اس کو دین سے کوئی مس نہیں، آیات و احادیث و اقوال حکمائے دین کے رد کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے بعض بطور نمونہ کے پیش کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ فراخ کر دو تو جگہ کو فراخ کر دیا کرو، اور جب تم سے کہا جائے،

---

[1] بھول بھلیاں ۱۲ [2] خراب برتاؤ

کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑا ہو جایا کرو۔"

اور ارشاد ہے کہ

دوسرے کے گھر میں (گو وہ مردانہ ہو، مگر خاص خلوت گاہ ہو) بے اجازت لئے مت جایا کرو۔" دیکھئے اس میں اپنے جلیسوں کی راحت کی رعایت کا کس طرح حکم فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ایک ساتھ کھانے کے وقت دو دو چھوارے ایک دم سے نہ لینا چاہیئے، تاوقتیکہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لے۔" دیکھئے اس میں ایک نہایت خفیف امر سے محض اس وجہ سے کہ بے تمیزی ہے اور دوسروں کو ناگوار ہوگا۔ ممانعت کر دی۔ اور حضورؐ ہی کا ارشاد ہے کہ "جو شخص لہسن اور پیاز (خام) کھائے۔ تو ہم سے یعنی (مجمع) سے علیحدہ رہے۔" دیکھئے اس خیال سے کہ دوسروں کو ایک خفیف سی اذیت ہوگی۔ منع فرمادیا۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ "مہمان کو حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ ہو جائے۔" اس میں ایسے ممانعت ہے جس سے دوسروں کے قلب پر تنگی ہو۔" اور ارشاد فرمایا ہے کہ "لوگوں کے ساتھ کھانے کے وقت گو پیٹ بھر جائے مگر جب تک کہ دوسرے لوگ فارغ نہ ہو جائیں۔ ہاتھ نہ کھینچے۔ کیونکہ اس سے دوسرا کھانے والا شرما کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے، اور شاید اس کو ابھی کھانے کی حاجت باقی ہو۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کام نہ کرے۔ جس سے دوسرا آدمی شرما جائے۔ بعضے آدمی طبعی طور پر مجمع میں کسی چیز سے شرماتے ہیں اور ان کو گرانی ہوتی ہے یا ان سے مجمع میں کوئی چیز مانگی جائے تو انکار وعذر کرنے سے شرماتے ہیں۔ گو پہلی صورت میں لینے کو جی چاہتا ہے اور دوسری صورت میں دینے کو جی نہ چاہتا ہو۔ ایسے شخص کو مجمع میں نہ دے۔ نہ مجمع میں اس سے مانگے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضرت

۱؎ سورۂ مجادلہ ۲؎ سورۂ نور ۳؎ متفق علیہ ۴؎ متفق علیہ ۵؎ متفق علیہ ۶؎ رواہ ابن ماجہ ۱۲

جابرؓ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؐ نے پوچھا کون ہے، انہوں نے عرض کیا میں ہوں۔ آپ نے ناگواری سے فرمایا میں ہوں میں ہوں؟[۱] اس سے معلوم ہوا کہ بات صاف کہے کہ جس کو دوسرا سمجھ سکے ایسی گول بات کہنا جس کے سمجھنے میں تکلیف ہو الجھن میں ڈالنا ہے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا، مگر آپ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہ ہوتے تھے کہ جانتے تھے کہ آپؐ کو ناگوار ہوتا ہے۔[۲] اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص، ادب و تعظیم یا کوئی خاص خدمت کسی کے مزاج کے خلاف ہو۔ اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے۔ گو اپنی خواہش ہو، مگر دوسرے کی خواہش کو اس پر مقدم رکھے۔ بعضے لوگ جو بعض خدمات میں اصرار کرتے ہیں، بزرگوں کو تکلیف دیتے ہیں۔ اور ارشاد ہے کہ "ایسے دو شخصوں کے درمیان میں جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں، جاکر بیٹھنا حلال نہیں۔ بدون ان کے اذن کے"[۱] اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات کرنا جس سے دوسروں کو کدورت ہو، نہ چاہیئے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے۔ اور آواز کو پست فرماتے۔[۲] اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جلیس کی اتنی رعایت کرے کہ اس کو سخت آواز سے بھی اذیت و وحشت نہ ہو۔ اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا[۳] یعنی لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھتا، اس سے بھی مجلس کا ادب ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اتنی ایذا بھی نہ پہنچائے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً[۴] اور حضرت انسؓ سے مرفوعاً[۵] اور حضرت سعید بن المسیبؒ سے مرسلاً[۶]

---

[۱] متفق علیہ ۱۲ [۲] ترمذی ۱۲

[۱] ترمذی ۱۲ [۲] ترمذی ۱۲ [۳] ابوداؤد ۱۲ [۴] رزین ۱۲ [۵] و ۱۲ [۶] بیہقی ۱۲

مروی ہے کہ عیادت میں بیمار کے پاس زیادہ نہ بیٹھے۔ تھوڑا بیٹھ کر ہی جلد اُٹھ کھڑا ہو۔ اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس امر کی کہ کسی کی گرانی کا سبب بھی نہ بنے۔ کیونکہ بعض اوقات کسی کے بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے میں یا پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں ایک گونہ تکلف ہوتا ہے۔ البتہ جس کے بیٹھنے سے اس کو راحت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے غسل جمعہ کے ضروری ہونے کی یہی علت بیان فرمائی ہے کہ ابتدائے اسلام میں اکثر لوگ غریب مزدوری پیشہ تھے، میلے کپڑوں میں پسینہ نکلنے سے بدبو پھیلتی ہے، اس لئے غسل واجب کیا گیا تھا۔ پھر بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس کی کوشش واجب ہے کہ کسی کو کسی سے معمولی اذیت بھی نہ پہنچے۔ اور سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ شب برات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر سے آہستہ اُٹھے اور اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ سوتی ہوں گی۔ بے چین نہ ہوں آہستہ نعل مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند کئے۔ اس میں سونے والے کی کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز یا کھڑکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والا دفعتہً جاگ اٹھے اور پریشان ہو۔ اور صحیح مسلم میں حضرت مقدادؓ بن اسود سے ایک طویل قصے میں مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے، بعد عشاء اگر لیٹ رہتے، حضور اقدس دیر میں تشریف لاتے تو چونکہ مہمانوں کے سونے اور جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا۔ اس لئے سلام تو کرتے تھے کہ شاید جاگتے ہوں، اور ایسا آہستہ سلام کرتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے۔ اس سے بھی وہی اہتمام معلوم ہوا جو اس سے پہلی حدیث میں معلوم ہوا تھا۔ اور بکثرت حدیثیں اس باب کی موجود ہیں، روایات فقہیہ میں ایسے شخص کو جو طعام وغیرہ یا درس یا اوراد میں

لہ ابوداود ۲ے اور جن احادیث کے حوالے متن میں نہیں ہیں وہ سب مشکوۃ و تعلیم الدین سے منقول کی ہے ۳ے ذلیفون ۱۲

مشغول ہو، سلام نہ کرنا مصرح ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت کسی مشغول شغل ضروری کے قلب کو منتشر اور جاب کرنا شرعاً ناپسند ہے اسی طرح گندہ ذہنی کے مرض میں جو شخص مبتلا ہو اس کو مسجد میں نہ آنے دینا بھی فقہاء نے نقل کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اذیت کے اسباب کا انسداد نہایت ضروری ہے۔ ان دلائل میں مجموعی طور پر نظر کرنے سے بدلالت واضحہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے نہایت درجہ پر اس کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کی کوئی حرکت، کوئی حالت دوسرے شخص کے لئے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف واذیت یا ثقل وگرانی، یا ضیق وتنگی یا تکدر یا انقباض یا کراہت وناگواری، یا تشویش وپریشانی یا توحش وخلجان کا سبب وموجب نہ ہو اور شارع علیہ السلام نے اپنے قول اور اپنے فعل ہی سے صرف اس کے اہتمام کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ خدام کے قلت[1] اعتناء کے موقع پر ان آداب کے عمل کرنے پر بھی مجبور فرمایا اور ان سے کام لے کر بھی بتلایا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی ایک ہدیہ لے کر آپ کی خدمت میں بدون سلام اور بدون استیذان[2] داخل ہو گئے، آپ نے فرمایا باہر واپس جاؤ اور السلام علیکم کیا میں حاضر ہوں کہہ کر پھر آؤ، اور فی الحقیقت حسن اخلاق مع الناس کا راس واساس ایک امر ہے کہ کسی کو کسی سے کلفت وایذا نہ پہنچے۔ جس کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامع الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔ المسلم[3] من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ۔ (رواہ البخاری) اور جس امر سے اذیت ہو گو وہ صورت خدمت مالی ہو یا جانی ہو، یا ادب وتعظیم ہو، جو عرف میں حسن خلق[4] سمجھا جاتا ہے مگر اس حالت میں وہ سب سوء[5] خلق میں داخل ہے۔ کیونکہ راحت رسانی، کہ جان خلق ہے مقدم ہے خدمت پر کہ پوست خلق ہے اور قشر بلا لب[6] کا بیکار ہونا ظاہر ہے۔

---

[1] لاپرواہی ۱۲ [2] بغیر اجازت ۱۲ [3] مسلمان (کامل) تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے بھی کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔ ۱۲ [4] اچھی عادت ۱۲ [5] بری عادت ۱۲ [6] چھلکا بغیر مغز کے ۱۲

اور گو شعائر ہونے کے مرتبہ میں باب معاشرت مؤخر ہے باب عقائد و عبادات فریضہ سے۔ لیکن اس اعتبار سے (کہ عقائد و عبادات کے اخلال سے اپنا ہی ضرر ہے اور معاشرت کے اخلال سے دوسروں کا ضرر ہے، اور دوسروں کو ضرر پہنچانا اشد ہے اپنے نفس کو ضرر پہنچانے سے) اس درجہ میں اس کو ان دونوں پر تقدم ہے، آخر کوئی بات تو ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں ؒ اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ؔ کو، کہ دال ہے حسنِ معاشرت پر ذکر میں مقدم فرمایا، صلوٰۃ وخشیت ؔ واعتدال فی الانفاق وتوحید پر جو کہ باب طاعات مفروضہ و عقائد سے ہیں اور یہ تقدم علی الفرائض ؔ تو محض بعض وجوہ سے ہے۔ لیکن نفل عبادت پر اس کا تقدم من کل الوجوہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو دو عورتوں کا ذکر کیا گیا۔ ایک تو نماز روزہ کثرت سے کرتی تھی، (یعنی نوافل، کیونکہ کثرت اسی میں ہو سکتی ہے) مگر اپنے ہمسایوں کو ایذا پہنچاتی تھی۔ دوسری زیادہ نماز روزہ نہ کرتی تھی (یعنی صرف ضروریات پر اکتفا کرتی تھی) مگر ہمسایوں کو ایذا نہ دیتی تھی۔ آپ نے پہلی کو دوزخی دوسری کو جنتی فرمایا۔ اور باب معاملات سے گو اس حیثیتِ مذکورہ سے یہ مقدم نہیں کیونکہ اس کے اخلال سے بھی دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے۔ مگر ایک دوسری حیثیت سے یہ اس سے بھی اہم ہے۔ اور وہ یہ کہ گو عوام نہ سہی مگر خواص باب معاملات کو داخل دین سمجھتے ہیں۔ اور باب معاشرت کو بجز اخص الخواص کے بہت خواص بھی داخلِ دین نہیں سمجھتے۔ اور جو بعض سمجھتے بھی ہیں مگر معاملات کے برابر اس کو مہتم بالشان ؔ اعتقاد نہیں کرتے۔ اور اسی وجہ سے عملاً بھی اس کا اعتنا کم کرتے

ؔ جو لوگ کہ زمین پر متواضع چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل کوئی بات چیت کرتے ہیں تو اچھی بات کہتے ہیں۔ ۱۲ ؔ نماز اور خوف و خرچ میں اعتدال کرنے اور توحید ۱۲ ؔ فرائض پر مقدم کرنا ۱۲۔
ؔ ترغیب و ترہیب منذری عن احمد و بزار وابن حبان وحاکم و ابو بکر بن ابی
ؔ اہتمام کے قابل ۱۲ ؔ پرواہ

ہیں اور اخلاق باطنی کی اصلاح عبادات مفروضہ کے حکم میں ہے، جو حیثیت تقدم معاشرت علی العبادات کی اوپر مذکور ہو چکی ہے وہ یہاں بھی جاری ہے غرض اس جزء یعنی باب معاشرت کا سب اجزاء دین سے مقدم و مہتم بالشان ہونا کسی سے من وجہ اور کسی سے من وجہ ثابت ہو گیا، مگر باوجود اس کے عوام کا تو بکثرت اور خواص میں سے بعض کا اس کی طرف خود عملاً بھی التفات کم ہے اور جو کسی نے خود عمل بھی کیا، مگر دوسروں کو خواہ وہ اجانب ہوں یا اپنے متعلقین ہوں روک ٹوک یا تعلیم و اصلاح کرنا تو مفقود محض ہے۔
اس وجہ سے مدت سے اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کچھ ضروری آداب معاشرت جن کا اکثر اوقات موقع اور اتفاق پڑتا ہے، تحریراً ضبط کر دیئے جائیں، اور گو یہ احقر مدتوں سے اپنے متعلقین کو ایسے مواقع پر زبانی احتساب کرتا رہتا ہے گو اس میں میری اتنی خطا ضرور ہے کہ بعض وقت مزاج میں حدت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کر کے اصلاح فرمائے۔ اور اکثر وعظ میں بھی ایسے امور کی تعلیم و تبلیغ کرتا ہوں، مگر حسب قول مشہور العلمُ صیدٌ والکتابۃُ قیدٌ "جو بات تحریر میں ہے تقریر میں کہاں" اس لئے تحریر کی کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی تھی۔ مگر اتفاق سے دیر ہی ہوتی گئی، خدائے تعالیٰ کے علم میں اُس کا یہی وقت مقدر تھا، اور کیف ما اتفق "جو بات یاد آئے گی یا پیش آئے گی بلا کسی خاص ترتیب کے لکھتا چلا جاؤں گا۔ اگر یہ رسالہ بچوں بلکہ بڑوں کو بھی پڑھایا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں لطف جنت نصیب ہونے لگے گا۔ جیسا کہا گیا ہے ؂

بہشت آنجا کہ آزاری نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

واللہ ولی التوفیق وھو خیر رفیق

---

[۱] الحمد للہ کہ اب اسکی نوبت آئی۔ میں ہر تعلیم کے لیے لفظ ادب کو سرخی قرار دوں گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادب ۱۔ جب کسی کے پاس ملنے یا کچھ کہنے جاؤ اور اس کو کسی شغل کی وجہ سے فرصت نہ ہو، مثلاً قرآن کی تلاوت کر رہا ہے یا وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ یا قصداً مقامِ خلوت میں بیٹھا کچھ لکھ رہا ہے یا سونے کے لئے آمادہ ہے، یا قرائن سے اور کوئی ایسی حالت معلوم ہو جس سے غالباً اس شخص کی طرف متوجہ ہونے سے اس کا حرج ہو گا یا اس کو گرانی و پریشانی ہوگی، ایسے وقت میں اس سے کلام و سلام مت کرو، بلکہ یا تو چلے جاؤ۔ اور اگر بہت ہی ضرورت کی بات ہو تو مخاطب سے پہلے پوچھ لو کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، پھر اجازت کے بعد کہہ دے۔ اس سے تنگی نہیں ہوتی اور یا فرصت کا انتظار کرو جب اس کو فارغ دیکھو مل لو۔

ادب ۲۔ جب کسی کے انتظار میں بیٹھنا ہو تو ایسے موقع پر اور اس طور سے مت بیٹھو کہ اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو، اس سے خواہ مخواہ اس کا دل مشوش ہو جاتا ہے اور اس کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے، بلکہ اس سے دور اور نگاہ سے پوشیدہ ہو کر بیٹھو۔

ادب ۳۔ مصافحہ ایسے وقت مت کرو کہ دوسرے کے ہاتھ ایسے شغل میں رُکے ہوں کہ ہاتھ خالی کرنے میں اس کو خلجان ہوگا، بلکہ سلام پر کفایت کرو اور اسی طرح مشغولی کے وقت میں بیٹھنے کے لئے منتظر اجازت مت رہو بلکہ خود بیٹھ جاؤ۔

ادب ۴۔ بعضے آدمی صاف بات نہیں کہتے۔ تکلف کے کنایات کے استعمال کو ادب سمجھتے ہیں۔ اس سے بعض اوقات مخاطب نہیں سمجھتا یا غلط سمجھتا ہے جس سے فی الحال یا فی المآل پریشانی ہوتی ہے، بات بہت واضح کہنا چاہیئے۔

ادب ۔ بعضے آدمی بلاضرورت دوسرے شخص کی پشت کے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس سے دل اُلجھتا ہے، یا پشت کے پیچھے نماز کی نیت باندھ لیتے ہیں۔ سو اگر وہ اپنی جگہ سے اُٹھنا چاہے تو پیچھے نماز پڑھنے والے کی وجہ سے اٹھ نہیں سکتا اور محبوس ہو جاتا ہے اور اس سے تنگی ہوتی ہے۔

ادب :۔ بعضے آدمی مسجد میں ایسی جگہ نیت باندھتے ہیں کہ گذرنے والوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے مثلاً در کے سامنے یا دیوارِ شرقی سے بالکل مِل کر نہ پشت کی طرف سے نکلنے کی گنجائش رہے اور نہ سامنے سے بوجہ گناہ کے گذر سکے۔ سو ایسا نہ کرے، بلکہ دیوار قبلہ کے قریب ایک گوشہ میں نماز پڑھے۔

ادب ۔ کسی کے پاس جاؤ تو سلام سے یا کلام سے یا روبرو بیٹھنے سے غرض کسی طرح سے اس کو اپنے آنے کی خبر دو۔ اور بدون اطلاع کے آڑ میں ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو، کیونکہ شاید وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہے جس پر تم کو مطلع نہ کرنا چاہے تو بدون اس کی رضا کے اس کے راز پر مطلع ہونا بری بات ہے۔ بلکہ اگر کسی بات کے وقت یہ احتمال ہو کہ بے خبری کے گمان میں وہ بات ہو رہی ہے تو تم فوراً وہاں سے جدا ہو جاؤ یا اگر تم کو سوتا سمجھ کر ایسی بات کرنے لگے تو فوراً اپنا بیدار ہونا ظاہر کر دو۔ البتہ اگر تمہارے یا کسی اور مسلمان کی ضرر رسانی کی کوئی بات ہوتی ہو تو اس کو ہر طرح سن لینا درست ہے تاکہ حفاظت ضرر سے ممکن ہو۔

ادب ، کسی ایسے شخص سے کوئی چیز مت مانگو کہ قرائن سے یقین ہو کہ وہ باوجود گرانی کے بھی انکار نہ کر سکے گا۔ اگرچہ یہ مانگنا بطور قرض یا رعایت ہی کے ہو۔ البتہ اگر یہ یقین ہو کہ اس کو گرانی ہی نہ ہوگی یا اگر گرانی ہوئی تو یہ آزادی سے عذر کر دے گا تو مضائقہ نہیں۔ اور یہی تفصیل ہے

کسی کام بتلانے میں کوئی فرمائش کرنے میں، کسی سے کسی کی سفارش کرنے میں اس میں آج کل بہت ہی شامل ہے۔

ادب ۹۔ اگر کسی بزرگ کا جوتہ اٹھانا چاہو تو جس وقت وہ پاؤں سے نکال رہے ہوں اس وقت ہاتھ میں مت لو۔ اس سے بعض اوقات دوسرا آدمی گر پڑتا ہے۔

ادب ۱۰۔ بعض اوقات بعض خدمت دوسرے سے لینا پسند نہیں ہوتا سو ایسی خدمت پر اصرار نہ کرنا چاہیئے۔ کہ خود مخدوم کو تکلیف ہوتی ہے، اور یہ بات اس مخدوم کی صریح ممانعت یا قرائن سے معلوم ہوتی ہے۔

ادب ۱۱۔ کسی کے پاس بیٹھنا ہو تو نہ اس قدر مل کر بیٹھو کہ اس کا دل گھبراوے اور نہ اس قدر فاصلے سے بیٹھو کہ بات چیت کرنے میں تکلف ہو۔

ادب ۱۲۔ مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو مت تکو کہ اس سے دل بٹتا ہے اور دل پر بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہو کر بھی مت بیٹھو۔

مہمانی کے آداب

ادب ۱۳۔ اگر کسی کے ہاں مہمان جاؤ اور تم کو کھانا کھانا منظور نہ ہو، خواہ تو اس وجہ سے کہ کھا چکے ہو یا روزہ ہو یا کسی وجہ سے کھانے کا ارادہ نہ ہو تو فوراً جاتے ہی ان کو اطلاع کر دو کہ میں اس وقت کھانا نہ کھاؤں گا، ایسا نہ ہو کہ وہ انتظام کرے اور انتظام میں اس کو تعب بھی ہو پھر کھانے کے وقت اس سے یہ اطلاع کرو تو اس کا یہ سب اہتمام و طعام ضائع ہی گیا۔

ادب ۱۴۔ اسی طرح مہمان کو چاہیئے کہ کسی کی دعوت بدون میزبان سے اجازت حاصل کئے ہوئے قبول نہ کرے۔

ادب ۱۵۔ اسی طرح مہمان کو چاہیئے کہ جہاں جائے میزبان سے

اطلاع کر دے تاکہ اس کو کھانے کے وقت تلاش میں پریشانی نہ ہو۔

ادب ۱۶۔ کوئی حاجت لے کر کہیں جائے تو موقع پاکر فوراً اپنی بات کہہ دے۔ انتظار نہ کرائے۔ بعضے آدمی پوچھنے پر تو کہہ دیتے ہیں کہ صرف ملنے آئے ہیں جب وہ بے فکر ہو گیا۔ اور موقع بھی نہ رہا۔ اب کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کہنا ہے تو اس سے بہت اذیت ہوتی ہے۔

ادب ۱۷۔ اسی طرح جب بات کرنا ہو، سامنے بیٹھ کر بات کرے پشت پر سے بات کرنے سے الجھن ہوتی ہے۔

ادب ۱۸۔ کوئی چیز کئی شخصوں کے استعمال میں آتی ہے تو جو شخص اس کو اٹھا کر کام لے بعد فراغ جس جگہ سے اٹھائی تھی وہاں ہی رکھدے اس کا بہت اہتمام کرے۔

ادب ۱۹۔ بعض دفعہ کسی ایسے موقعہ پر جہاں ہر وقت چارپائی نہیں بچھی رہتی سونے یا بیٹھنے کے لئے چارپائی بچھائی جاتی ہے۔ سو جب فارغ ہو جائے اس جگہ سے اٹھا کر کہیں ایک طرف رکھ دے۔ تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔

ادب ۲۰۔ کسی کا خط جس کے تم مکتوب الیہ نہ ہو مت دیکھو، نہ حاضراً جیسے بعضے آدمی لکھتے ہیں۔ دیکھتے جاتے ہیں۔ اور نہ غائبانہ۔

ادب ۲۱۔ اسی طرح کسی کے سامنے کاغذات رکھے ہوں، ان کو اٹھا کر مت دیکھو، شاید وہ شخص کسی کاغذ کو تم سے پوشیدہ کرنا چاہتا ہے، گو وہ چھپا ہوا کیوں نہ ہو، کیونکہ بعض دفعہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس کاغذ کا اس شخص کے پاس ہونا تم کو معلوم ہو۔

ادب ۲۲۔ جو شخص کھانے کے لئے جا رہا ہو یا بلایا گیا ہو اس کے ساتھ اس مقام تک، مت جاؤ۔ کیونکہ صاحب خانہ شرما کر کھانے کی تواضع کرتا ہے، اور دل اندر سے نہیں چاہتا اور بعضے جلدی قبول کر لیتے ہیں تو صاحب خانہ کی بلا رضا کھانا کھایا اور اگر قبول نہ کیا ہو تو صاحب خانہ کی سبکی ہے۔

پھر خود صاحب خانہ کا اول دہلہ میں تردد یہ بھی مستقل ایذا ہے۔

ادب ۲۳۔ جب کسی شخص سے کوئی حاجت پیش کرنا ہو، جس کو پہلے بھی ذکر کر چکا ہو تو دوبارہ پیش کرنے کے وقت بھی پوری بات کہنا چاہئے قرائن پر یا پہلی بات کے بھروسہ پر ناتمام بات نہ کہے۔ ممکن ہے مخاطب کو پہلی بات یاد نہ رہی ہو، اور غلط سمجھ جائے یا نہ سمجھنے سے پریشان ہو۔

ادب ۲۴۔ بعضے آدمی پیچھے بیٹھ کر کھنکارا کرتے ہیں تاکہ کھنکارنے کی آواز سن کر یہ شخص ہم کو دیکھے اور پھر ہم سے بات کرے سو اس حرکت سے سخت اذیت ہوتی ہے اس سے تو یہی بہتر ہے کہ سامنے آبیٹھے، اور جو کچھ کہنا ہو کہہ دے، اور مشغول آدمی کے ساتھ یہ بھی جب کرے کہ سخت ضرورت ہو، ورنہ بہتر یہی ہے کہ اس کے فارغ ہونے تک ایسی جگہ بیٹھ جائے کہ اس کو اس کے آنے کی اطلاع بھی نہ ہو ورنہ اس سے بھی احیاناً پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر جب یہ فارغ ہو جائے پاس آبیٹھے اور جو کچھ کہنا ہو کہہ سن لے۔

ادب ۲۵۔ جو آدمی تیزی کے ساتھ جا رہا ہو راستہ میں اس کو مصافحہ کے لئے مت روکو، کہ شاید اس کا کوئی حرج ہو، اسی طرح اس کو ایسے وقت میں کھڑا کر کے بات مت کرو۔

ادب ۲۶۔ بعضے آدمی مجلس میں پہنچ کر سب سے الگ الگ مصافحہ کرتے ہیں۔ اگرچہ سب سے تعارف نہ ہو اس میں بہت وقت صرف ہوتا ہے اور فراغ تک تمام مجلس مشغول اور پریشان رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جس کے پاس قصداً کر کے آئے ہو۔ اس کے مصافحہ پر کفایت کرو، البتہ اگر دوسروں سے بھی تعارف ہو تو مضائقہ۔

ادب ۲۷۔ اگر کہیں جائے اور صاحب خانہ سے کچھ حاجت یا فرمائش کرنا ہو۔ مثلاً کسی بزرگ سے کوئی تبرک لینا ہو تو ایسے وقت میں اس کو ظاہر کر دو اور درخواست کر دو کہ اس شخص کو اس کے پورا کرنے کا وقت بھی

ملے۔ بعضے آدمی عین رخصت ہونے کے وقت فرمائش کرتے ہیں تو اس میں صاحب خانہ کو بہت تنگی پیش آتی ہے۔ وقت تو محدود ہوتا ہے کیونکہ مہمان جانے پر تیار ہے اور ممکن ہے کہ اس محدود وقت کے اندر اس کو مہلت نہ ہو، کسی کام میں مشغول ہو پس نہ تو اس کے کام کا حرج گوارا ہے نہ اس درخواست کا رد کرنا گوارا ہے تو اس سے بہت تنگی پیش آتی ہے۔ تو ایسا کام کرنا جس سے دوسرے شخص کو تنگی ہو روا نہیں۔ اور تبرک مانگنے میں اس کا بھی لحاظ رکھو کہ وہ چیز ان بزرگ سے بالکل زائد ہو۔ ورنہ سہل یہ ہے کہ چیز اپنے پاس سے یہ کہہ کر ان کو دے دو کہ آپ اس کا استعمال کر کے ہم کو دیجئے۔

ادب ۲۸۔ بعضے آدمی تھوڑی بات پکار کر کہتے ہیں اور تھوڑی بات بالکل آہستہ کہ بالکل سنائی نہ دے۔ یا ناتمام سنائی دے اور دونوں صورتوں میں ممکن ہے۔ کہ سامع کو غلط فہمی یا تردد و الجھن ہو اور دونوں کا نتیجہ ناگوار ہے، بات کے ہر جز، کو بہت صاف کہنا چاہئے۔

ادب ۲۹:۔ بات کو اچھی طرح توجہ سے سننا چاہئے۔ اور اگر کچھ شبہ رہے تو متکلم سے فوراً دوبارہ تحقیق کرنا چاہئے بے سمجھے محض اجتہاد سے عمل نہ کرے، بعض اوقات غلط فہمی کے ساتھ عمل کرنے سے متکلم کو اذیت ہوتی ہے

ادب ۳۰۔ اگر کوئی اپنا مطاع کوئی کام بتلائے تو اس کو پورا کر کے ضرور اطلاع دینا چاہئے۔ اکثر اوقات وہ انتظار میں رہتا ہے۔

ادب ۳۱۔ کہیں مہمان جائے تو وہاں کے انتظامات میں مہمان ہونے کی حیثیت سے ہرگز دخل نہ دے۔ البتہ اگر میزبان کوئی خاص انتظام اس کے سپرد کر دے تو اس کے اہتمام کا مضائقہ نہیں۔

ادب ۳۲۔ جب اپنے سے بڑے کے ساتھ ہو بدون اس کی اجازت کے مستقل کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔

ادب ۳۳ ۔ ایک نووارد شخص سے پوچھا گیا کہ تم کب جاؤ گے؟ اس نے جواب دیا جب حکم ہو۔ اس پر تعلیم کی گئی کہ یہ مہمل جواب ہے۔ مجھ کو کیا خبر کہ تمہاری کیا حالت ہے، کیا مصلحت ہے، کس قدر گنجائش وقت میں ہے۔ یوں چاہیئے کہ جواب میں اپنے ارادہ سے اطلاع دے۔ اور اگر ایسا ہی ادب واطاعت وتفویض کا غلبہ ہے تو بعد اطلاع ارادہ کے اتنا اور کہہ دے کہ میرا ارادہ تو اس طرح ہے۔ آگے جس طرح حکم ہو۔ غرض ایسا جواب مت دو کہ پوچھنے والے پر بار پڑے۔

ادب ۳۴ ۔ ایک طالب علم نے کسی کے لئے تعویذ دردِ زہ مانگا اس کو تعلیم کیا گیا کہ طالب علم کو دوسروں کے حوائج دنیویہ پیش نہ کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اس سے ایسی فرمائش کرے تو عذر کر دے کہ ہم کو اس سے معاف کرو، خلافِ ادب ہے۔

ادب ۳۵ ۔ ایک طالب علم مہمان آئے جو پہلے بھی آئے تھے اور دوسری جگہ ٹھیرے تھے اور اب کی بار یہاں ٹھیرنے کے قصد سے آئے مگر ظاہر نہیں کیا کہ اس دفعہ تمہارے پاس ٹھیرا ہوں۔ اس لئے کھانا نہیں بھیجا گیا۔ بعد میں پوچھنے سے معلوم ہوا کھانا منگایا گیا۔ اور ان کی فہمائش کی کہ ایسی حالت میں از خود ظاہر کر دینا چاہیئے تھا۔ کیونکہ بے کہے کیسے معلوم ہو، اور بوجہ اس کے کہ پہلے اور جگہ قیام کیا تھا۔ کیسے احتمال ہو کہ خود ہی پوچھ لیا جائے۔

ادب ۳۶ ۔ مہمان را با فضولے چہ کار، ایک مہمان نے دوسرے مہمان سے کہا تھا کہ کھانا تیار ہے۔

ادب ۳۷ ۔ ایک مہمان صاحب نے میزبان کے خادم سے پانی یہ کہہ کر مانگا کہ پانی لاؤ۔ فرمایا کہ تحکم کا لہجہ ہرگز نہیں چاہیئے۔ یہ بداخلاقی ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ تھوڑا پانی دیجیئے گا۔

ادب ۳۸۔ ہدیہ کے آداب میں یہ ہے کہ اگر کچھ درخواست کرنی ہو تو ہدیہ نہ دے۔ اس میں مہدی الیہ کو یا تو مجبور ہونا پڑتا ہے یا ذلیل۔ اسی طرح ہدیہ سفر میں بعض اتنی مقدار میں دیتے ہیں کہ لے جانا زحمت ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا شوق ہو مقام قیام پر پارسل کے ذریعہ سے بھیج دے۔

ادب ۳۹۔ (بدنی) خدمتِ شیخ پہلی ملاقات میں کرنا سخت بار معلوم ہوتا ہے اگر شوق ہے پہلے بے تکلفی پیدا کرے۔

ادب ۴۰۔ اگر مجلس میں کوئی خاص گفتگو ہو رہی ہو تو نئے آنے والے کو یہ چاہیئے کہ خواہ مخواہ سلام کر کے اپنی طرف متوجہ کر کے سلسلۂ گفتگو میں مزاحم نہ ہو، بلکہ چاہیئے کہ چپکے سے نظر بچا کر بیٹھ جائے پھر موقعہ سے سلام وغیرہ کر سکتا ہے۔

ادب ۴۱۔ کھانے پر اصرار تکلف کے ساتھ خلاف مصلحت مہمان نہ چاہیئے۔

ادب ۴۲۔ خواہ مخواہ بیٹھ کے پیچھے بیٹھنا سخت بار معلوم ہوتا ہے تعظیم کے لئے ہر نشست وبرخاست کے موقعہ پر اکثر باوجود ضرورت اٹھنے سے مانع ہوتا ہے نہیں چاہیئے۔

ادب ۴۳۔ جہاں جس کا جوتہ رکھا ہو اس کو ہٹا کر اپنا جوتہ رکھ کر جگہ کر کے مسجد وغیرہ میں نہ جانا چاہیئے، جہاں جس کا جوتہ رکھا ہو وہ اسی کا حق ہے، وہیں آکر دیکھے گا۔ نہ ملے گا پریشان ہوگا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

ادب ۴۴۔ وظیفہ پڑھتے وقت خاص طور سے قریب بیٹھ کر انتظار کرنا قلب کو متعلق کر کے وظیفہ کو مختل کرتا ہے۔ البتہ اپنی جگہ بیٹھا رہے تو کچھ حرج نہیں۔

ادب ۴۵۔ بات ہمیشہ صاف اور بے تکلف کہہ دے۔ تکلیف کی تمہید وغیرہ نہ کرے۔

ادب ۴۶۔ کسی کے توسط سے بلا ضرورت پیغام نہ پہنچائے، جو کچھ کہنا ہو خود بے تکلف کہہ دے۔

ادب ۴۷۔ ہدیہ کے بعد فوراً ہدیہ دینے والے کے سامنے اس رقم کو چندہ خیر میں بھی دینا دل شکنی ہے، ایسے وقت میں دے کہ اس کو معلوم نہ ہو۔

ادب ۴۸۔ ایک دیہاتی کچھ باتیں کر رہا تھا، بعض باتیں بے تمیزی کی بھی کرنے لگا۔ ایک شخص نے اہل مجلس میں سے اشارہ سے اس کو روک دیا، اس شخص کو سختی سے تنبیہ کی کہ تم کو اس کے روکنے کا کیا حق تھا۔ تم لوگوں کو مرعوب کرتے ہو۔ میری مجلس کو فرعون کی مجلس بناتے ہو، اگر کہا جائے کہ بے تمیزی کرتا تھا سو بے تمیزی سے روکنے کے لئے خدا نے مجھ کو بھی زبان دی ہے۔ تم کیوں دخل دیتے ہو، اور اس دیہاتی سے کہا کہ جو کچھ کہنا ہے آزادی سے کہو۔

ادب ۴۹۔ اپنے بزرگ کے ساتھ اگر ان کے بعض متعلقین کی بھی دعوت کرے تو خود اُن سے نہ کہے کہ فلاں کو بھی لیتے آئیے بعض اوقات یاد نہیں رہتا نیز اپنا کام اُن سے لینا خلافِ ادب بھی ہے۔ بلکہ اُن سے اجازت لے کر اس متعلق سے خود کہہ دے اور اس متعلق کو بھی چاہیئے کہ اپنے بزرگ سے پوچھ کر منظور کرے۔

ادب ۵۰۔ ایک شخص گلاس میں پانی لاتا تھا۔ کبھی اپنے لیے پڑھواتا تھا، کبھی کسی اور کے لئے، مگر بدون پوچھے یہ نہیں بتلاتا تھا کہ اس وقت کس کے لئے پڑھواتا ہوں اس کو فہمائش کی گئی کہ مجھ کو علم غیب نہیں امتیاز کا اور کوئی قرینہ اصطلاحیہ بھی مقرر نہیں کیا گیا تو ہر بار میں استفسار کا بار مجھ پر رکھنا یہ بھی خلافِ تہذیب ہے۔ گلاس رکھ کر از خود یہ کہہ دیا کرو کہ فلاں شخص کے لئے پڑھوانا ہے۔

ادب ۵۱ ۔ بعض لوگ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ایک تعویذ دے دو، اور بدون پوچھے نہیں بتلاتے کہ کس بات کا، اس میں بھی تکلیف ہوتی ہے

ادب ۵۲ ۔ ایک شخص نے کچھ آٹا لاکر رکھ دیا کہ یہ لایا ہوں اور یہ نہیں کہا کس واسطے، اس کو واپس کر دیا کہ جب تک پیش کرنے کے ساتھ از خود یہ نہ کہو گے کہ میرے واسطے لائے ہو یا مدرسہ کے لئے۔ اس وقت تک نہ لیا جائے گا۔

ادب ۵۳ ۔ استنجا خانہ کو جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک طالب علم وہاں پیشاب کر رہا ہے، اس کے فارغ ہونے کے انتظار میں ذرا فاصلے سے آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ جب زیادہ دیر ہو گئی تو سامنے ہو کر دیکھا تو وہ طالب علم صاحب پیشاب سے فارغ ہو کر استنجا خشک کرنے کے لئے بھی وہیں کھڑے ہیں۔ اس پر ان کو فہمائش کی گئی کہ اب اس جگہ کو محبوس کرنے کی کیا ضرورت ہے، یہاں سے ہٹ کر استنجا خشک کرنا چاہئے تھا۔ بعضے لوگ لحاظ کے سبب اس جگہ کے خالی ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ دوسرے کے ہوتے ہوئے آتے ہوئے شرماتے ہیں۔

ادب ۵۴ ۔ ایک شخص کو دیکھا کہ استنجا سکھلاتا ہوا ایک عام گذرگاہ پر ٹہل رہا ہے اس پر فہمائش کی کہ حتی الامکان لوگوں کی نظر سے چھپ کر استنجا سکھلانا چاہئے جسقدر بھی دوری ممکن ہو!

ادب ۵۵ ۔ مجھ کو مدرسہ کی ایک کتاب کی ضرورت ہوئی جو میرے ایک دوست کے پاس امانت تھی وہ اس وقت موجود نہ تھے، میں نے ان کے بیٹھنے کی جگہ اس کی تلاش کرائی نہ ملی۔ خود دیکھنے اٹھا نہ ملی۔ دفعۃً کسی کی نظر پڑی کہ اسی جگہ ایک طالب علم صاحب وہاں ہی بیٹھے تکرار کسی کتاب کا کر رہے ہیں اور سر کے نیچے بطور تکیہ کے وہ مدرسہ کی کتاب رکھ چھوڑی ہے جو ان کے کتاب کے نیچے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ دفعۃً وہ پہچانی گئی

تب وہ ملی۔ ان طالب علم صاحب کو ملامت کی گئی کہ بلا اطلاع کسی کی چیز کا استعمال کرنا اول تو ناجائز ہے۔ دوسرے اس میں یہ خرابی ہے کہ تمہاری بدولت اتنی دیر تک کئی آدمی پریشان رہے۔ ایسی حرکتیں مت کیا کرو۔

ادب۵۶۔ کوئی اپنا بزرگ کسی کام کی فرمائش کرے تو اس کو انجام دے کر اطلاع بھی دینا چاہیے، تاکہ اس بزرگ کو انتظار سے انتشار نہ ہو۔

ادب۵۷۔ پنکھا جھلنے والوں کو کئی رعایت رکھنے کے لئے کہا گیا۔ اول تو یہ کہ پہلے پنکھے کو ہاتھ سے یا کپڑے سے خوب جھاڑو، کیونکہ بعض اوقات پنکھے کے فرش پر پڑے رہنے سے اس میں کچھ گرد وغبار کبھی کوئی باریک سا ریزہ مٹی کا یا چونے کا یا کنکر کا لگا رہتا ہے اور حرکت دینے سے وہ آنکھ وغیرہ میں جا پڑتا ہے، جس سے تکلیف ہوتی ہے، دوسرے ہاتھ ایسے انداز سے رکھو کہ نہ تو سر وغیرہ میں لگے اور نہ اس قدر اونچا رہے کہ ہوا ہی نہ لگے۔ اور ایسے زور سے بھی مت جھلو جس سے دوسرا پریشان ہو۔ تیسرے اس کا خیال رکھو کہ کسی پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو ایذا نہ ہو۔ مثلاً پنکھا اُس کے منہ سے اڑا دیا جائے، یا دیوار کی طرح اس کے سامنے بطور آڑ کے ہو جائے۔ چوتھے جب مخدوم اٹھنے کو ہو تو خیال رکھو کہ پہلے ہی پنکھا ہٹا لو۔ تاکہ لگ نہ جائے۔ پانچویں اگر کوئی کاغذ وغیرہ نکالنے لگیں تو پنکھا روک لو مشین کی طرح تار نہ باندھ دو۔

ادب۵۸۔ بعض طبائع پر ایسے شخص سے ہدیہ لینا گراں گذرتا ہے۔ جن کی کوئی حاجت ان سے متعلق ہو، مثلاً دعا کرانا، کوئی تعویذ لینا، سفارش کرانا، مرید ہونا، ومثل ذالک، سو اس کی بہت احتیاط رکھے۔ ہدیہ تو محض محبت سے ہونا چاہیے جس میں کوئی غرض نہ ہو، اگر کوئی حاجت ہی ہو تو اس کے ساتھ نہ ملائے بلکہ جب حاجت پیش کرے تو یہ شبہ نہ ہو کہ

ف۔ اس نمبر اور نمبر ۲۰ کا مضمون ایک ہے بظاہر یہ تکرار سہواً ہوا ہے۔ محمد شفیع ۱۲

وہ ہدیہ اس واسطے دیا تھا۔ اور جب ہدیہ پیش کرے تو یہ شبہ نہ ہو کہ کسی حاجت کے لیے دیا ہے۔

ادب ۹۵۔ ایک صاحب تو میرے لئے قبل از نماز صبح اس خیال سے کہ میں گھر سے آکر وضو کروں گا، لوٹا پانی کا بھر کر اور اس پر مسواک رکھ کر رکھدیا جب میں مسجد میں آیا تو اتفاق سے مجھ کو وضو تھا۔ سیدھا مسجد میں چلا گیا، مگر مسجد میں پہنچ کر اتفاق سے بلا قصد اس لوٹے پر نظر پڑی، اپنی مسواک پہچان کر سمجھا کہ یہ لوٹا میرے لئے رکھا گیا ہے میں نے تحقیق کیا کہ کس نے رکھا ہے، بہت تشویش کے بعد رکھنے والے نے خود ظاہر کیا، میں نے اس وقت مجملاً اور نماز پڑھ کر مفصلاً ان صاحب کو فہمائش کی کہ دیکھو تم نے محض احتمال پر کہ شاید میں وضو کروں لوٹا بھر کر رکھدیا، اور یہ احتمال نہ ہوا کہ شاید وضو ہو، چنانچہ وہ تمہارا واقع میں غلط نکلا۔ اور یہ دوسرا احتمال واقع ہوا تو اس صورت میں اگر اتفاق سے میری نظر لوٹے پر نہ پڑتی اور رکھنے والے خود بھی غائب تھے تو یہ لوٹا یوں ہی بھرا ہوا رکھا رہتا۔ اور کوئی برت نہ سکتا۔ اول تو اس کے بھرے ہونے کی وجہ سے کہ یہ قرینہ ہے، کہ کسی نے اپنے لئے رکھا ہے اور دوسرے اس پر مسواک رکھے رہنے کے سبب سے کہ یہ تو عادتاً قرینہ قطعیہ ہے دوسروں کو استعمال سے روکنے کا، پس جب اس کو کوئی نہیں خرچ کر سکتا تو تم نے ایسی چیز کو بلا ضرورت محبوس کیا جس کے ساتھ نفع عام متعلق ہے جو کہ اس کی وضع و نیت واقف کے خلاف ہے تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے یہ لوٹے کے متعلق ہوا، اب مسواک رہی سو تم نے بلا ضرورت اس کو محفوظ جگہ سے ہٹا ایک غیر محفوظ جگہ میں رکھدیا۔ اور چونکہ اس کا انتظام نہیں کیا گیا کہ رکھنے کے بعد اس کی نگرانی بھی کی جائے کہ بعد فراغ اس کو پھر پہلی جگہ رکھ دیا جائے، کیونکہ لوٹے پر رکھ کر بزعم خود یقین کر لیا

گیا کہ فلاں شخص اس کو استعمال کرے گا اور استعمال کر کے اٹھا کر بھی رکھ دے گا۔ تو اس لئے اس کو ضیاع کے خطرہ میں ڈال دیا۔ تمہاری یہ خدمت اتنے ناجائز امور اور کلفتوں کا سبب ہوئی۔ آئندہ سے کبھی ایسا مت کرو یا تو اجازت لے کر ایسا کرو، یا جس وقت دیکھو کہ وضو کے لئے آمادہ ہے اس وقت مضائقہ نہیں ورنہ بے قاعدہ خدمت سے بجائے راحت کے اور الٹی کوفت ہوتی ہے۔

لطیفہ:۔ یہی حال ہے بدعات کا کہ صورت ان کی طاعت کی ہے، جیسے یہ صورت خدمت تھی، مگر اس میں مفاسد مخفی و مضمر ہوتے ہیں جن کو کم فہم نہیں جانتے جیسے اس خدمت میں باریک خرابیاں تھیں جن کو خدمت کرنے والے نے نہ جانا۔

ادب ۹ ۔ ایک طالب علم نے مدرسہ ہی میں ایک رقعہ میں حاجت کپڑے کی لکھوا کر دوسرے طالب علم کے ہاتھ بھیجا۔ درخواست کنندہ کو بلا کر اس کی وجہ پوچھی گئی اس نے بیان کیا کہ مجھ کو کوئی کام نکل آیا تھا اس لئے دوسرے کے ہاتھ بھیج دیا۔ اس پر فہمائش کی گئی کہ ایک تو اس میں قلتِ ادب ہے کہ باوجود ہر وقت ایک جگہ رہنے کے محض بسبب ایک کام نکل آنے کے۔ نہ کہ بسبب خجالت و حیاء کے (کہ وہ بھی ایک درجہ میں عذر ہوتا ہے) خود آکر استدعا نہیں کی دوسرے کے ہاتھ پیام بھیجا جو کہ مساوات کے درجہ میں ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں بے رغبتی کی صورت ہے کہ بیگار سی ٹال دے۔ تیسرے اس میں دوسرے سے خدمت لینا ہے ابھی سے مخدومیت سیکھتے ہو۔ اور یہ بھی کہا کہ اس بے تمیزی کی سزا یہ ہے کہ چار روز کے لئے یہ درخواست واپس کرتا ہوں۔ پھر اپنے ہاتھ سے دینا، چنانچہ چوتھے روز پھر اپنے ہاتھ سے درخواست دی اور خوشی سے لے لی گئی۔

ادب ۱۰ ۔ چند مواقع پر کئی شخصوں کو فہمائش کی گئی کہ بات

بہت صاف لفظوں میں کہو کہ سمجھنے میں غلطی نہ ہو۔

ادب ۹۲۔ آج کل کی سفارش جبر و اکراہ ہے کہ اپنے اثر سے دوسروں پر زور ڈالتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں۔ اگر سفارش کرو تو اس طرح سے کہ مخاطب کی آزادی میں ذرہ برابر خلل نہ پڑے۔ وہ جائز بلکہ صواب ہے۔

ادب ۹۳۔ اسی طرح کسی کی وجاہت سے کام نکالنا مثلاً کسی بڑے آدمی سے قرابت ہے اور اس کے کسی معتقد یا اثر ماننے والے کے پاس اپنی کوئی حاجت لے جائے اور قرائن سے معلوم ہو کہ وہ بطیبِ خاطر اس حاجت میں سعی نہ کرے گا بلکہ محض اس بڑے آدمی کے تعلق اور اثر سے کہ بے توجہی میں وہ ناراض نہ ہو جائے تو اس طرح سے کام نکالنا یا کام کی فرمائش کرنا حرام ہے۔

ادب ۹۴۔ ایک شخص نے تعویذ مانگا۔ اس کو ایک وقت معین پر آنے کو کہہ دیا وہ دوسرے وقت آیا اور آکر تعویذ مانگا۔ اور کہا کہ مجھ کو تم نے بلایا تھا آیا ہوں۔ اور یہ نہیں ظاہر کیا کہ کس وقت بلایا تھا، میں نے پوچھا کہ بھائی کس وقت آنے کو کہا تھا، تب اس نے وقت بتلایا، میں نے کہا کہ اب تو دوسرا وقت ہے جس وقت بلایا تھا اس وقت آنا چاہئے تھا اس نے کسی کام کا عذر کیا۔ میں نے کہا کہ جس طرح تم کو اس وقت عذر تھا ہم کو اس وقت عذر ہے۔ اب یہ کیسے ہو کہ ہر وقت ایک ہی کام کے لئے بیٹھا رہوں، اپنا کوئی کام نہ کروں۔

ادب ۹۵۔ ایک طالب علم نے دوسرے طالب علم کے ذریعہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور خود پوشیدہ سننے کھڑا ہو گیا۔ اتفاقاً میں نے دیکھ لیا پاس بلا کر دھمکا کر سمجھایا کہ چوروں کی طرح چھپ کر سننے کے کیا معنی؟ کیا کسی نے یہاں آنے سے منع کیا ہے؟ اور اگر شرم آتی تھی تو اپنے فرستادہ سے جواب پوچھ لیتے۔ چھپ کر کسی کی باتیں سننا عیب اور گناہ کی بات ہے کیونکہ ممکن ہے کہ متکلم کوئی ایسی بات کرے جس کو مستفتی سے مخفی کرنا چاہے!

ادب ۶۶۔ ایک شخص فرشی پنکھا کھینچنے لگے۔ میں کسی کام کو اٹھنے لگا تو انہوں نے پنکھے کی رسی اپنی طرف زور سے کھینچ لی تاکہ پنکھا میرے سر میں نہ لگے۔ میں نے سمجھایا کہ ایسا مت کرو۔ اگر میں پنکھے کی جگہ خالی دیکھ کر اسی جگہ کھڑا ہو جاؤں اور اتفاق سے رسی تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو پنکھا سر میں آکر لگے، بلکہ یہ چاہئے کہ رسی بالکل چھوڑ دو۔ تاکہ پنکھا اپنی جگہ آکر مستقر ہو جائے پھر اٹھنے والا خود سنبھل کر اٹھ جائے۔

ادب ۶۷۔ مہمان کو چاہئے کہ اگر مرچ کم کھانے کا عادی ہو یا پرہیزی کھانا کھاتا ہو تو پہنچتے ہی میزبان سے اطلاع کر دے۔ بعض لوگ جب کھانا دستر خوان پر آجاتا ہے اس وقت نخرے پھیلاتے ہیں۔

ادب ۶۸۔ دستر خوان پر بعض اوقات شکر بھی ہوتی ہے، اس وقت بعض خادم اس طرح پنکھا جھلتے ہیں کہ شکر برتن سے اڑنے لگتی ہے، اور بعض اوقات اس برتن سے جب چمچہ میں لیتے ہیں تو چمچہ میں سے اڑنے لگتی ہے سو خادم کو ان باتوں کی تمیز چاہئے۔

ادب ۶۹۔ بھائی کے گھر سے ایک بند خط میرے پاس اپنے کارندہ کے ہاتھ بھجوایا گیا تاکہ اس کو ڈاک میں چھوڑ دیا جائے اور میں ہی اس کی فرمائش کر آیا تھا کیونکہ اس خط کا مجھ سے تعلق تھا۔ راہ میں کارندہ نے دیکھا کہ اس وقت ڈاک لے کر ہرکارہ اسٹیشن جاتا ہے۔ کارندہ صاحب نے یہ خیال کر کے کہ ڈاک خانہ میں جانے سے کل نکلے گا۔ اس ہرکارہ کو دے دیا کہ آج ہی روانہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہرکارہ ریل کے سب پوسٹ ماسٹر کو دے گا اب میں اس کا منتظر کہ بھائی کے گھر والے میرے پاس خط بھیجیں گے۔ جب وہ خط نہ آیا تو میں نے تحقیق کیا کہ اس وقت یہ سب قصہ معلوم ہوا۔ میں نے کارندہ صاحب کو بلا کر فہمائش کی کہ تم نے امانت میں بلا اذن کے کیسے تصرف کیا، تم کو کیا معلوم کہ میرے پاس بھیجنے میں کیا مصلحت تھی، اور تم کو

کیا معلوم کہ ڈاک خانہ کے ذریعہ سے بھیجنے کو ہرکارہ کے ہاتھ بھیجنے پر کس مصلحت سے ترجیح دیتا، تم نے اپنے اجتہاد فاسد سے یہ سب مصلحتیں برباد کیں۔ تم کو دخل دینا کیا ضرور تھا۔ تمہارا کام صرف اس قدر تھا کہ وہ خط میرے پاس پہنچا دیتے۔ کارندہ نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا

ادب: ایک طالب علم بازار میں جانے کی اجازت لینے کے لئے آیا اور کھڑا ہو گیا۔ میں کسی بات میں مشغول ہو گیا۔ وہ میرے انتظار فراغ میں کھڑا رہا اور مجھ کو اس کا کھڑا ہونا بوجہ صورتِ تقاضہ کے بار معلوم ہوا۔ میں نے سمجھایا کہ اس سے طبیعت تنگ ہوتی ہے، تم کو چاہئے تھا کہ جب مشغول دیکھا تھا بیٹھ جاتے اور جب فارغ دیکھتے گفتگو کرتے۔

ادب: ایک مہمان نے بقصد ہدیہ دینے کے دو روپے میرے قلمدان میں رکھ دیئے اور مجھ کو خبر نہیں کی۔ میں نماز عصر کو اٹھا قلمدان وہیں رکھا رہا۔ نماز کے بعد کسی ضرورت سے قلمدان منگایا تو اس میں روپے دیکھے پوچھا گیا تو کسی قدر توقف سے ان صاحب نے اس کی اطلاع کی۔ میں نے وہ روپے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ جب تم کو ہدیہ دینا نہیں آیا تو ہدیہ دینا ہی کیا ضرور۔ کیا یہی طریقہ ہے دینے کا۔ اول تو ہدیہ دیتے ہیں۔ راحت و مسرت پہنچانے کو اور جب کہ اس کی تحقیقات میں اس قدر پریشانی ہوئی تو اس کی غرض ہی فوت ہوگئی۔ دوسرے اگر قلمدان میں سے کوئی لے جاتا جس کی نہ تم کو خبر ہوتی اور نہ مجھ کو، تو تم اس گمان میں رہتے کہ ہم نے دو روپے دیئے۔ اور میں اس سے ذرا بھی منتفع نہ ہوتا تو مفت کا احسان ہی میرے سر پر رہتا۔ تیسرے اگر کوئی لے بھی نہ جاتا اور میرے ہی ہاتھ آتے تب بھی مجھ کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ یہ کس نے دیئے اور کس کو دیئے اور جب نہ معلوم ہوتا تو چند روز امانت رکھنے پر مجھ کو بار ہوتا۔ پھر لقطہ کی مد میں صرف کر دیا جاتا۔ یہ ساری مصیبت تکلف کی ہے۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ جس کو دینا ہو اس کے ہاتھ میں سپرد کر دے۔ اور اگر مجمع سے لحاظ معلوم

ہو تو تنہائی میں دیدے۔ اور اگر تنہائی میسر نہ ہو تو کہہ دے کہ میں تنہائی میں کچھ کہوں گا۔ پھر تنہائی ہو دیدے۔ اور مہدی الیہ کو مناسب ہے کہ اس ہدیہ کو ظاہر کر دے۔ خواہ مہدی کے ہوتے ہوئے خواہ اس کے چلے جانے کے بعد جب کہ اس کے شرمانے کا احتمال ہو!

ادب۲ ۔ ایک سفر میں ایک موضع میں لوگوں نے بلایا۔ وہاں سے جب رخصت ہو کر چلنے لگا تو گاؤں والوں نے چاہا کہ تھوڑا تھوڑا سب یکجا جمع کر کے کچھ ہدیہ پیش کریں۔ مجھ کو اطلاع ہوئی، میں نے منع کر دیا، کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کریں۔ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ بعض اوقات تحریک کرنے والے اس کا لحاظ نہیں کرتے کہ مخاطب طیب خاطر سے دے رہا ہے۔ یا محرک کے الفاظ سے، دوسرے اگر طیب خاطر کی بھی رعایت کر لی، تب بھی جو مصلحت ہے، ہدیہ میں کہ باہم محبت بڑھے، جب یہی پتہ نہ لگا کہ کس نے کیا دیا ہے تو وہ مصلحت مرتب نہ ہوئی، تیسرے بعض اوقات کسی عذر سے بعض ہدایا کا قبول کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے اور اس عذر کی تحقیق مہدی ہی سے ہو سکتی ہے سو مجتمع ہدایا میں یہ تحقیق بھی دشوار ہے۔ اس لئے جس کو دینا ہو وہ اپنے ہاتھ سے اس کو دے یا بلا تحریک بطور خود کسی اپنے معتمد کے ہاتھ بھیجے یا ہدیہ کے ساتھ مہدی کا رقعہ ہو!

ادب۳ ۔ ایک سفر میں بعض لوگ اپنے مکان پر لے جا کر ہدیہ دینے لگے، ان کو سمجھا دیا گیا کہ ایسا کرنے سے دیکھنے والے گھر لے جانے کے واسطے اس کو لازم سمجھیں گے، تو غربا بلا کر تردد میں پڑیں گے یا نہ بلانے کی حسرت ہوگی، جس کو کوئی چیز دینا ہو میری فرودگاہ پر آ کر گفتگو کرو۔ تا کہ میری آزادی میں خلل نہ پڑے۔

ادب۴ ۔ ایک شخص سہارنپور سے جمعہ کے روز بارہ بجے دن کی گاڑی میں آئے ایک عزیز نے ان کے ہاتھ کچھ برف بھیجا تھا، وہ مدرسہ میں ایسے وقت پہنچے کہ طلبہ جمعہ میں نہ گئے تھے، وہ شخص برف ایک طباق میں رکھ کر

جامع مسجد چلے گئے۔ بعد جمعہ ایک دوست جن سے میں نے وعظ کی درخواست کی تھی وعظ کہنے لگے چونکہ وہ مجھ سے شرماتے تھے میں مدرسہ چلا آیا وہ شخص وعظ میں شریک رہے۔ بہت دیر کے بعد مدرسہ میں آئے۔ اور اس وقت وہ برف پیش کیا جو ایک رومال میں لپٹا ہوا تھا۔ اول تو یہی بات نامناسب معلوم ہوئی، برف کے ساتھ کمبل یا ٹاٹ یا برادہ لاتے مگر یہ فعل دوسرے کا تھا اور ان کے اختیار سے باہر تھا لیکن جو کام اُن کے کرنے کا تھا انہوں نے اس میں بھی کوتاہی کی۔ یعنی اوّل تو آتے ہی برف گھر پہنچاتے، اگر یہ کسی وجہ سے ذہن میں نہیں آتا تھا تو بعد نماز فوراً آجاتے اور اگر آنے کو جی نہیں چاہتا تھا تو جب بھی آنے لگا تھا۔ تو اس وقت مجھ سے اس کی اطلاع کر دیتے میں اس کو لے لیتا۔ اب دو گھنٹہ کے بعد آکر سپرد کیا۔ جو قریب قریب کُل کے گھل گیا۔ برائے نام تھوڑا باقی رہ گیا۔ مجھ کو تمام قصہ معلوم ہوا تو میں نے فہمائش بھی کی، اور چونکہ میری رائے میں باقتضائے خصوصیت ان کی طبیعت کے خالی فہمائش ناکافی ہوئی اس لئے میں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ تاکہ ان کو ہمیشہ یاد رہے وہ بہت پریشان ہوئے۔ میں نے کہا کہ تم نے ایک شخص کی امانت ضائع کی، اور جب ضائع ہو گئی۔ اب مجھ کو دینا چاہتے ہو۔ بلا وجہ احسان لینا نہیں چاہتا اب اس بقیہ کو آپ ہی خرچ کرو، تم کو یا تو امانت نہ لینا چاہیئے تھا اور اگر لی تھی تو اس کا حق پورا پورا ادا کرنا چاہیئے تھا۔

ادب: میں صبح کو صحرا سے مدرسہ میں آیا اور سہ دری میں آکر بیٹھا۔ وہاں ایک عزیز سوتے تھے، میں آہستہ سے بیٹھ گیا، ڈاک لے جانے والا دکھلانے کے لئے روانگی کے خطوط لایا، میں نے دیکھ کر لے جانے کے لئے حوالے کر دیئے۔ تو اس نے ٹین کے نلکہ میں جو اسی کام کے لئے موضوع ہے زور سے خط چھوڑے جس سے کارڈ اس میں لگ کر بولے میں نے فہمائش کی کہ سوتے ہوئے کی رعایت کرنا چاہیئے۔

ادب ۳ - عشاء کی نماز کے بعد میں مسجد میں اتفاقاً لیٹ گیا - ایک شخص مسافر نا آشنا سا آکر پاؤں دبانے لگے مجھ پر بار ہوا، پوچھا کون؟ انہوں نے اپنا نام اور پتہ بتلایا، مگر میں نے نہیں پہچانا، میں نے پاؤں دبانے سے روک دیا، اور کہا اوّل ملاقات کرنا چاہئے ۔ پھر اجازت لے کر خدمت کا مضائقہ نہیں، ورنہ خدمت سے گرانی ہوتی ہے اور اگر مقصود اس سے ملاقات ہی ہے تو ملاقات کا یہ طریقہ نہیں ۔ پھر میں نے سمجھا دیا کہ اب عشاء کے بعد آرام کا وقت ہے کہ تم بھی آرام کرو، صبح کو ملنا، چنانچہ صبح ملے، اس وقت پھر اچھی طرح سمجھا دیا؛

ادب ۴ ایک صاحب نے خط میں بعض مضامین جواب طلب لکھے اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ پانچ روپے کا منی آرڈر بھیجتا ہوں، اس مضمون کی وجہ سے اس کے انتظار میں اس خط کا جواب نہ گیا کہ وصول ہونے کے بعد ساتھ ہی ساتھ رسید بھی لکھدی جائے گی، اس میں کئی روز گذر گئے اور معلوم نہیں کیا سبب روپیہ وصول نہ ہوا اور دوسرے مضامین کے سبب قلب پہ تقاضہ جواب کا ہوتا تھا۔ کئی روز یہی کشمکش و انتظار رہا۔ آخر ان کو لکھا گیا کہ یا تو خط میں اس کی اطلاع نہ دینا تھا یا اور کچھ جواب طلب مضامین نہ لکھنے تھے؛

ادب ۵ - ایک صاحب اپنے لڑکے کو ساتھ لائے اور ایک مکتب کی شکایت کی کہ اس کے مہتمم نے میرے لڑکے کو نکال دیا - بندہ نے نرمی سے سمجھا دیا کہ میرا اس مکتب میں کوئی دخل نہیں - کہنے لگے کہ میں نے سنا تھا کہ تم اس کے سرپرست ہو، میں نے کہا کہ البتہ وہاں کی تنخواہ میری معرفت دی جاتی ہے، باقی انتظامی امور میں میرا کچھ دخل نہیں، وہ پھر اسی مہتمم کی شکایت کرنے لگے ۔ میں نے کہا اس تذکرہ کا کوئی نتیجہ نہ ہوا، اس سے کیا فائدہ بجز غیبت سنانے کے، تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہونے لگے اور وداعی مصافحہ کرتے

وقت پھر کہا کہ اس مہتمم نے بڑی زیادتی کی کہ میرے لڑکے کو خارج کردیا چونکہ میں مناسب تصریح کے ساتھ اصل حقیقت ظاہر کرکے ان کو اس شکایت سے منع کرچکا تھا، ان کی اس مکرر سہ کرر شکایت سے مجھ کو برہمی ہوئی اور میں نے ان سے تیزی کے ساتھ باز پرس کی کہ افسوس باوجود اس تمام تر اہتمام کے پھر وہی بات کی جو طبیعت کے خلاف اور محض بے نتیجہ، انہوں نے کچھ تاویلیں کرنا چاہیں، مگر سب لغو اسی حالت سے ان کو رخصت کیا

ادب ۔ ایک صاحب جو پہلے مل چکے تھے، عشاء کے بعد جس جگہ بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا ادھر کو آنے لگے، اور ذرا رُک رُک کر اور مجھ کو دیکھ دیکھ کر آتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ میرے پاس آنا چاہتے ہیں مگر انتظارِ اجازت میں رُکتے ہیں ۔ ایک تو عشاء کے بعد کا وقت ملنے ملانے کا نہیں ہوتا، خاص کر جو شخص کہ پہلے مل چکا ہو، پھر جب کہ معلوم ہو کہ کوئی کام نہیں محض مجلس آرائی و دربارداری ہی غرض ہے ۔ جیسا اکثر کی عادت ہے ۔ پھر وظیفہ میں دوسری طرف متوجہ ہونا گراں گذرتا ہے بالخصوص بلا ضرورت پھر طلب اجازت کی صورت سے تقاضہ ہوتا ہے کہ کچھ بولو، یہ سب امور جمع ہو کر ناگواری بڑھی، آخر وظیفہ چھوڑ کر کہنا پڑا کہ صاحب یہ وقت پاس بیٹھنے کا نہیں ہے، کہنے لگے میں تو پانی پینے جاتا تھا ۔ اس پر اور زیادہ ناگواری ہوئی کہ اوپر سے بات بناتے ہیں، مگر انہوں نے کہا کہ واقعی پانی پینے جاتا تھا میں نے کہا کہ پھر ایسی ہیئت کیوں اختیار کی جس سے پورا شبہ ہو اور دوسری طرف سے اور بے رکے جانا چاہئے تھا ؛

ادب ۔ ایک طالب علم مثلاً زید نے مجھ سے اجازت چاہی کہ فلاں طالب علم مثلاً عمرو کے ساتھ شام کو جنگل چلا جایا کروں ۔ اور اس طالب علم یعنی عمرو کے ساتھ ایک اور طالب علم کم عمر مثلاً بکر پہلے باجازت استاد کے جایا کرتا تھا اور زید کا اجتماع بکر کے ساتھ ہم لوگوں کے نزدیک خلاف مصلحت تھا تو زید کے ذمہ لازم تھا کہ اس کی اجازت مانگنے کے وقت یہ بھی ظاہر کرتا کہ

اس کے ساتھ بکر بھی جاتا ہے تاکہ پورے واقعہ پر نظر کرکے رائے قائم کی جاتی، مگر نہیں معلوم قصداً یا لا پرواہی سے اس کا خفا کیا، سو اگر مجھ کو احتمال نہ ہوتا تو صرف مضمون درخواست میں کسی مانع کے نہ ہونے سے میں ضرور اجازت دیتا، اور یہ بہت بڑا دھوکہ ہوتا، مگر اتفاق سے مجھ کو یہ بات معلوم تھی اس لئے مجھ کو یاد آگیا۔ اور پوچھا کہ عمرو کے ساتھ کوئی اور بھی جاتا ہے؟ کہا کہ بکر جاتا ہے، میں نے پوچھا کہ پھر تم نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ دھوکہ دینا چاہتے تھے اور میں نے اس کوتاہی پر سخت ملامت کی اور سمجھایا کہ خبردار جس کو اپنا بڑا اور خیر خواہ سمجھتے ہیں اس کی ساتھ ایسا معاملہ ہرگز نہ کرنا چاہئے

ادب ۱۵ - ایک طالب علم سے ایک ملازم کی نسبت دریافت کیا کہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ سو رہا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اپنی کوٹھری میں جاگتا تھا۔ اس پر اس طالب علم کو فہمائش کی کہ اول تو محض تخمین پر ایک بات کو تحقیقی سمجھنا یہ غلط ہے، اگر خود اس کو غیر تحقیقی سمجھتے تھے تو مخاطب پر اس کے تخمینی ہونے کو ظاہر کرنا چاہئے تھا۔ یوں کہتے کہ شاید سو رہے ہوں، اور یہ بھی علی سبیل التنزیل کہا جاتا ہے، ورنہ اصل جواب تو یہ ہے کہ معلوم نہیں دیکھ کر بتلاؤں گا، پھر تحقیق کرکے صحیح جواب دیتے، دوسرے اس میں یہ خرابی ہے کہ اگر مجھ کو اس کا جاگنا بعد میں معلوم نہ ہوتا اور اسی خیال میں رہتا کہ وہ سوتا ہے تو بعض اوقات بلکہ مجھ کو تو بہت اوقات ایسے موقع پر یہی خیال ہوتا ہے کہ سوتے آدمی کو جگانا بے آرام کرنا بدون ضرورت کے بے رحمی ہے اور اسی خیال سے نہ جگاتا۔ اور ممکن ہے کہ اس وقت اس سے کسی ضروری کام میں حرج ہو جاتا، گو وہ ضرورت شدت کے درجہ تک نہ ہوتی، مگر اس حرج کو اس لئے گوارا کر لیا جاتا کہ سوتے کو جگانا اس سے زیادہ ناگوار تھا۔ پھر جب بعد میں معلوم ہوتا کہ وہ سوتا نہ تھا، اب اس حرج کی ناگواری کا اثر قلب پر ہوتا۔ اور اس راوی پر غصہ آتا تو یہ تمام تر پریشانیاں، بدولت اس کے

ہوتیں کہ بلاتحقیق ایک بات کہہ دی تھی، اس کی ہمیشہ احتیاط رکھنی چاہیئے۔

مرقومہ ایک طالب علم

واصلاح دادۂ مؤلف

ادب ۵۲ - ایک شخص آئے، دریافت فرمایا کیسے تشریف لائے کچھ فرمانا ہے؟ جواب میں کہا جی نہیں، ویسے ہی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا، جب جانے لگے مغرب کے بعد فرض وسنت کے درمیان میں تعویذ کی فرمائش کی، فرمایا ہر کام کے واسطے ایک موقع اور محل ہوتا ہے، یہ وقت تعویذ کا نہیں، جب آپ تشریف لائے تھے، تو میں نے استفسار کیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ ویسے ہی ملاقات کے واسطے آیا ہوں، اب اس وقت یہ فرمائش کیسی، اسی وقت پوچھنے کے ساتھ ہی آپ کو فرمائش کرنا چاہیئے تھا، لوگ اس کو ادب سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بڑی بے ادبی ہے، اس کے معنی تو یہ ہیں کہ دوسرا شخص ہمارا نوکر ہے، کہ جس وقت چاہیں فرمائش کریں اس کی تعمیل ہونا چاہیئے۔ اب آپ ہی ذرا غور سے کام لیجئے کہ مجھ کو اس وقت کتنے کام ہیں۔ ایک تو سنتیں ونوافل پڑھنا' پھر بعض ذاکرین وشاغلین کو کچھ کہنا ہے' ان کو سننا، مہمانوں کو کھانا کھلانا افسوس ہے کہ فی زماننا دنیا سے بالکل ادب وتہذیب مرتفع ہو گیا۔ اب تعویذ کے لئے پھر تشریف لائیے، یاد رکھیے۔ جہاں جائے اوّل مقصود کا ذکر کر دینا چاہیئے، بالخصوص پوچھنے پر، میں تو ہر شخص سے آتے کیسا تھ ہی دریافت کر لیتا ہوں، تاکہ جو کچھ کہنا ہے کہہ دے اور اس کا حرج نہ ہو۔ اور نہ میرا حرج ہو، اور میں خود اس وجہ سے پوچھ لیتا ہوں کہ اکثر اہل حوائج آتے ہیں اور بعض اشخاص بوجہ شرم وحیا خود نہیں کہہ سکتے۔ یا مجمع کی وجہ سے پوشیدہ بات کو ظاہر نہیں کر سکتے، پوچھنے سے وہ بتلا دیتے

ہیں یا کہہ دیتے ہیں کہ خلوت میں کہنے کی بات ہے، میں جب موقع پاتا ہوں علیحدگی میں ان کو بلا کر سن لیتا ہوں۔ اور جب آدمی منہ ہی سے نہ بولے تو کیسے خبر ہو سکتی ہے، مجھے علم غیب تو ہے ہی نہیں؛

ادب ۴۳ ۔ بعد مغرب ایک ذاکر شاغل کو جن کی استدعا پر اس کو یہ وقت دیا گیا تھا۔ کچھ تلقین کے واسطے پکارا، کیونکہ ذرا دور تھے۔ ان صاحب نے زبان سے ہاں تک نہیں کیا۔ بلکہ خود اپنی جگہ سے اُٹھ کر روانہ ہوئے جس کی اطلاع نہ ہوئی، اس لئے دوبارہ اس خیال سے پکارا کہ شاید سنا نہ ہو، اتنے میں وہ خود آ گئے، استفسار فرمایا کہ آپ نے جواب کیوں نہیں دیا یا جواب کے لائق مجھ کو نہیں سمجھا، جواب دینے سے داعی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مدعو نے سن لیا۔ اور جواب نہ دینے میں کلفت ہوتی ہے کہ وہ دوسری مرتبہ پکارے، تیسری دفعہ آواز دے، تو دوسرے کو یہ تکلیف محض آپ کی لاپروائی اور سستی کی وجہ سے ہوئی کہ آپ سے زبان نہیں ہلائی گئی۔ اگر آپ ہاں کہہ دیتے تو کیا مشکل تھا، آج کل علوم کی تعلیم ہر جگہ ہے لیکن اخلاق کی تعلیم مثل عنقا ہے، اب طبیعت پریشان ہو گئی پھر دوسرا وقت آپ کو دیا جائے گا، اس میں اس امر کا لحاظ رکھنا؛

ادب ۴۴ ۔ ایک ذاکر نے اثنا تعلیم میں کہ ابھی تقریر ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اپنا خواب بیان کرنا شروع کیا، فرمایا یہ کیا حرکت ہے کہ ایک گفتگو ابھی ختم نہیں ہوئی دوسری بات اس میں داخل کر دی یہ

سخن را سرست اے خردمند بن میاں در سخن درمیانِ سخن
خداوند تدبیر و فرہنگ و ہوش نگوید سخن درمیانِ سخن

آپ کی دخل دہی کے یہ معنی ہیں کہ مقصود خواب بیان کرنا تھا اور تعلیم و تلقین آپ کے نزدیک فضول ہے، گویا میرا اتنی دیر تقریر کرنا ضائع گیا آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا، اب اٹھو دوسرے وقت بتلا دیا جائے گا، اس وقت تم نے تعلیم کی بے قدری کی ہے۔

تمام ہوا مضمون لکھا ہوا ان طالب علم صاحب کا

ادب ۵۔ جب کوئی تم سے بات کرے بے توجہی سے نہ سنو، کہ متکلم کا دل اس سے افسردہ ہوجاتا ہے خصوصاً جو تمہاری ہی مصلحت کے لئے کوئی بات کہے یا تمہارے سوال کا جواب دینا ہو اور اس میں بھی خصوص جس کے ساتھ تمکو نیازمندی کا بھی تعلق ہو وہاں بے التفاتی کرنا اور بھی قبیح ہے۔

ادب ۶۔ جس سے تم خود اپنی کوئی حاجت دنیوی یا دینی پیش کرو اور وہ اس کے متعلق تم سے کسی بات کی تحقیق کرے تو اس کو۔ گول جواب مت دو۔ اس سے تلبیس نہ کرو جس سے اس کو غلط فہمی، یا الجھن و پریشانی ہو، خواہ مخواہ بار بار پوچھنے میں اس کا وقت ضائع ہو، کیونکہ وہ تمہاری غرض کے لئے پوچھ رہا ہے، اس کا کوئی مطلب نہیں۔ پھر اگر اس کا صاف جواب دینا منظور نہ تھا تو اپنی حاجت پیش نہ کی ہوتی خود ہی اس کو اس مضمون کی طرف متوجہ کیا، اور پھر اس کو دق کرتے ہو۔

ادب ۷۔ گفتگو میں متکلم جس دلیل پر رد دیا جس دعوے کے خلاف ثابت کرچکا ہو تم کو ان مقدمات پر کلام کرنا تو مضائقہ نہیں، مگر بعینہٖ اسی دعویٰ یا دلیل کا اعادہ کرنا اپنے مخاطب کو ایذاء پہنچانا ہے اس کا بہت خیال رکھو۔ ادب ۸۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ کام کرنے والے آدمی کے پاس بلاضرورت بیکار آدمی کا بیٹھنا اس کے قلب کو مشغول و مشوش کرنا ہے۔ خاص کر جب اس کے پاس بیٹھ کر اس کو تکنا بھی رہے۔ اسکا بہت لحاظ رکھنا چاہیئے

ادب ۹۔ بالاخانہ کے بعض پرنالے لب سڑک خاص برسات کے لئے ہوتے ہیں، دوسرے اوقات میں ان میں پانی چھوڑنا راہگیروں کو تکلیف دینا ہے، گو کوئی تمہارے لحاظ سے نہ بولے مگر تم کو بھی تو خیال دلحاظ رکھنا چاہیئے ادب ۱۰۔ ایک مقام سے ایک لفافہ میں پچاس روپے کا بیمہ آیا، چونکہ بدون لفافہ کھولے ہوئے معلوم نہ ہوسکتا تھا۔ کہ کس غرض سے یہ رقم آئی ہے اور ممکن ہے کہ بعد کھولنے کے کوئی ایسی غرض معلوم ہوتی جس کو میں

پورا نہ کر سکتا اور اس لئے وہ رقم واپس کرنی پڑتی یا اس غرض میں کوئی ابہام ہوتا جس کی مکرر تحقیق کی حاجت ہوتی، اور اس کی تحقیق تک اس رقم کو بلا ضرورت امانت رکھنا پڑتا، اور واپسی میں بلا ضرورت مجھ کو بھی صرف کا بار اٹھانا پڑتا کیوں کہ بعض اوقات ایسا ہو چکا ہے، کہ بلا استفسار میرے بلانے کے لئے خرچ بھیج دیا، اور میں نہ جا سکا، یا کوئی مصرف مبہم یا غیر مبہم مگر جس کا کوئی جزو قابل تحقیق تھا لکھا اور یہاں سے استفسار کرنا پڑا اور جواب میں دوسری جانب سے دیر ہوئی تو بس اب ان کی محتاجی ہو گئی اور جس شخص کو مشاغل زیادہ ہوں اس کو ان امور سے کوفت ہوتی ہے اس لئے وہ لفافہ میں نے واپس کر دیا جس شخص کی حالت مجھ جیسی ہو اس کے ساتھ لزوماً اور دوسروں کے ساتھ استحباناً ایسے موقع پر یہ طریقہ برتنا چاہئے کہ اول اطلاع یا استفسار کر کے اجازت حاصل کر لیں۔ تب بھیجیں یا منی آرڈر کے کوپن میں صاف لکھ دیں تاکہ مرسل الیہ کو معلوم تو ہو جائے پھر خواہ وصول کرے یا واپس کرے۔

ادب ۹۱۔ جلال آباد میں ایک مکتب کے مدرس مریض ہو گئے۔ مہتمم مکتب نے مجھ سے درخواست کی کہ دو چار روز کے لئے کسی شخص کو تعلیم کے واسطے بھیجدیا جاوے، میں نے اس خیال سے کہ میرے کہنے سے مجبور نہ ہوان ہی سے کہہ دیا کہ یہاں کے رہنے والوں سے پوچھ لیا جاوے جو آزادی کے ساتھ راضی ہو میری طرف سے اجازت ہے، انہوں نے ذاکر کو راضی کیا، اور اس ذاکر نے یہ شرط لگائی کہ فلاں شخص سے (یعنی مجھ سے) پوچھ کر آجاؤں گا، وہ مہتمم تو چلے گئے اگلے دن مجھ سے آکر اپنا عذر بیان کرتے ہیں کہ میں نہیں جا سکتا میں نے کہا کہ یہ عذر ان مہتمم صاحب سے کہنا چاہئے تھا، ان سے بشرط میری اجازت کے وعدہ کر لیا' اب نہ جانے وہ اپنے دل میں کہیں گے کہ وہ تو آنے پر رضامند تھے فلاں شخص نے منع کر دیا ہو گا، تو تم مجھ پر الزام رکھنا چاہتے ہو، کیسی ناشائستہ حرکت

ہے، اب تم جلال آباد جاؤ کہ فلاں شخص نے مجھ کو اجازت دیدی تھی مگر فلاں عذر ہے میں نہیں رہ سکتا، چنانچہ میں نے اُن کو بھیجا۔ یہ نصیحت عام ہے، خود کو سرخرو ہونا اور دوسرے کو متہم کرنا نہایت ہی مہمل بات ہے۔

ادب ۹۲۔ ایک دفعہ ایک دوسرے شخص کا یہ ہوا کہ ان کو ایک اور شخص سے بھی کچھ کہنا تھا اور آنے سے یہ بھی مقصود تھا۔ انہوں نے جانا چاہا تھا مگر خود ناواقف تھے اور وہ آدمی اس وقت ملتا بھی نہیں، اس لئے ان کو مشورہ دیا گیا کہ شام کو ملنا، گو اس میں کوئی خلجان پیش نہیں آیا، لیکن اور بعض مہمانوں کو ایسا قصہ پیش آیا کہ اس دوسرے کام میں چلے گئے اور دیر ہو گئی یہاں کھانے میں انتظار کی تکلیف ہوئی، پھر گھر والے دیر تک کھانا لئے بیٹھے رہے جس میں حرج بھی ہوا دل تنگ بھی ہوا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ جہاں طالب و تابع بن کر جائے دوسرے حوائج نہ لے جائے بعض اوقات غیر مقصود قصوں میں ضروری مقصود کی رعایت فوت ہو جاتی ہے اور ضرر ہوتا ہے۔ ادب ۹۳۔ ایک شخص کا اور قصہ ہوا عشاء کے بعد آپ کہنے لگے کہ میں ایک جگہ سے رضائی اوڑھنے کے لئے لے آؤں تب اُن سے کہا گیا کہ اس وقت مدرسہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، تم پکار کر سب کو بے آرام کرو گے اور ان کو کپڑا دیا گیا۔ اور اس وقت افسوس ہوا کہ یہ دن میں کیا سوتے تھے۔ یہ کام کرنا جب ضروری تھا تو سویرے سے کر کے فارغ ہونا لازم تھا

ھدیہ دینے کے آداب

ادب ۹۴۔ اس میں کچھ آداب ہدیہ کے مختصر لکھتا ہوں، جن کا لحاظ نہ رکھنے سے ہدیہ کا لطف اور اصلی غرض یعنی ازدیادِ محبت فوت ہو جاتی ہے۔ (۱) جس کو ہدیہ دے پوشیدہ دے آگے اس کو مناسب ہے کہ ظاہر کر دے۔ یہ اب اُلٹا قصہ ہے کہ دینے والا اظہار کی اور لینے والا اخفا کی کوشش کرتا ہے (۲) اگر ہدیہ غیر نقد ہو، تو حتی الامکان مہدی الیہ کی رغبت کی تحقیق کرے ایسی چیز دے جو اسے مرغوب ہو۔ (۳) ہدیہ دے کر یا ہدیہ سے پہلے

اپنی کوئی غرض پیش نہ کرے کہ مہدی الیہ کو شبہ خود غرضی کا ہوتا ہے۔ (۴) مقدار ہدیہ کی اتنی زیادہ نہ ہو کہ مہدی الیہ کی طبیعت پر بار ہو، اور کم جتنا چاہے ہو مضائقہ نہیں، اہل نظر کی نظر مقدار پر نہیں ہوتی خلوص پر ہوتی ہے اور زیادہ ہونے کی صورت میں واپسی کا احتمال ہو۔ (۵) اگر مہدی الیہ کسی مصلحت سے واپس کرنے لگے تو وجہ واپسی کی تحقیق کر کے آئندہ اس کا خیال رکھے لیکن اس وقت اصرار نہ کرے، البتہ جو وجوہ بناء واپسی کی ہے اگر وہ وجہ واقعی نہ ہو تو اس کے عدم وقوع کی اطلاع فوراً کرنا بھی مضائقہ نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ (۶) جب تک مہدی الیہ پر اپنا خلوص ثابت نہ کر دے ہدیہ پیش نہ کرے۔ (۷) حتی الامکان ریلوے پارسل کے ذریعہ ہدیہ نہ بھیجے۔ کہ مہدی الیہ کو کئی طرح کا اس میں تعب ہے۔

آداب خط وکتابت

ادب ۹۵ - اس میں کچھ آداب خط وکتابت لکھتا ہوں۔ (۱) خط کی عبارت اور مضمون اور خط بہت صاف ہو، (۲) ہر خط میں اپنا پورا پتہ لکھنا ضروری ہے۔ مکتوب الیہ کے ذمہ نہیں ہے کہ اس کو حفظ یاد رکھا کرے (۳) اگر کسی خط میں پہلے خط کے کسی مضمون کا حوالہ دینا ہو تو پہلا خط بھی اس مضمون پر نشان بنا کر ہمراہ بھیجے، تاکہ سوچنے میں تعب نہ ہو، اور بعض اوقات یاد ہی نہیں آتا۔ (۴) ایک خط میں اتنے سوالات نہ بھر دے کہ مجیب پر بار ہو، چار پانچ سوال بھی بہت ہیں، بقیہ جواب آنے کے بعد پھر بھیج دے۔ (۵) کثیر المشاغل مکتوب الیہ کو پیام وسلام پہنچانے سے معاف رکھے اسی طرح اپنے معظم کو بھی تکلیف نہ دے۔ خود ان لوگوں کو براہ راست جو لکھنا ہو وہ لکھ دے۔ اور جو کام مکتوب الیہ کے لئے مناسب نہ ہو اس کی فرمائش لکھنا تو اور بھی بے تمیزی ہے (۶) اپنے مطلب کے لئے بیرنگ خط نہ بھیجے۔ (۷) بیرنگ جواب بھی نہ منگائے، بعض اوقات یہ شخص ڈاکیہ کو نہیں ملتا اور وہ اس خط کو واپس کر دیتا ہے، تو بلا ضرورت

مجیب پر تاوان پڑتا ہے (۸) جوابی رجسٹری خط بھیجنا خلافِ تہذیب ہے۔
حفاظت میں تو غیر جوابی رجسٹری کے برابر ہوتی ہے، پھر اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ مکتوب الیہ سے کر انکار نہیں کرسکتا، سو ظاہر ہے کہ اپنے معظم کو بھیجنا گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس پر بھی جھوٹ بولنے کا شبہ کیا جاتا ہے سو کتنی بڑی بے ادبی ہے، یہ قریب سو آداب کے ہیں۔ اور اسی قسم کے آداب معاشرت کسی قدر بہشتی زیور کے دسویں حصہ میں لکھ دیئے ہیں ان کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے جن میں سے بعضے عنقریب ذیل میں بھی مذکور اور خلاصہ ان تمام تر آداب کا یہ ہے کہ اپنے کسی قول فعل یا حال سے دوسرے کی طبیعت پر کوئی بار یا پریشانی یا تنگی نہ ڈالے یہی خلاصہ ہے حسن اخلاق کا جو شخص اس قاعدہ کو مستحضر کرلے گا وہ زیادہ تفصیل سے مستغنی ہوجائے گا۔ اس لئے اس فہرست کو بڑھایا نہیں گیا، البتہ اس قاعدہ کے لحاظ کے ساتھ اتنا کام اور کرنا پڑے گا کہ ہر قول وفعل کے قبل ذرا سوچنا ہوگا کہ ہماری یہ حرکت موجب ایذا تو نہ ہوگی پھر غلطی بہت کم ہوگی اور چند روز کے بعد خود طبیعت میں صحیح مذاق پیدا ہوجاوے گا۔ کہ پھر سوچنا بھی نہ پڑے گا۔ یہ سب امور مثل طبعی کے ہوجاویں گے۔

بعضے آداب بہشتی زیور سے

ادب ۹۶۔ اگر کسی سے ملنے جاؤ تو وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہوجاوے یا اس کے کسی کام میں حرج ہونے لگے۔

ادب ۹۷۔ جب تم سے کوئی کسی کام کو کہے تو اس کو سن کر ہاں یا نہیں ضرور زبان سے کچھ کہہ دیا کرو کہ کہنے والے کا دل ایک طرف ہوجاوے نہیں ایسا نہ ہو کہ کہنے والا تو سمجھے کہ اس نے سن لیا ہے اور تم نے سنا نہ ہو، یا وہ یہ سمجھے کہ تم یہ کام کردو گے اور تم کو کرنا منظور نہ ہو، تو ناحق دوسرا

آدمی بھروسہ بیں رہا۔

ادب ۹۸: کسی کے گھر میں مہمان جاؤ تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کرو۔ بعض دفعہ چیز تو ہوتی ہے بے حقیقت، مگر وقت کی بات ہے گھر والا اس کو پوری نہیں کر سکتا ناحق اس کو شرمندگی ہوگی۔

ادب ۹۹: جہاں دو آدمی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر تھوکو مت، ناک مت صاف کرو، اگر ضرورت ہو تو ایک کنارے جا کر فراغت کر آؤ۔

ادب ۱۰۰: کھانا کھانے میں ایسی چیزوں کا نام مت لو، جس سے سننے والوں کو گھن پیدا ہو۔ بعضے نازک مزاجوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

ادب ۱۰۱: بیمار کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو جس سے زندگی کی ناامیدی پائی جائے، ناحق دل ٹوٹے گا، بلکہ تسلی کی باتیں کرو کہ انشاء اللہ سب دکھ جاتا رہے گا۔

ادب ۱۰۲: اگر کسی کی پوشیدہ بات کرنی ہو۔ اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو تو آنکھ سے یا ہاتھ سے ادھر اشارہ مت کرو ناحق اس کو شبہ ہوگا، اور یہ جب ہے کہ اس بات کا کرنا شرع سے بھی درست ہو۔ اور اگر درست نہ ہو، تو ایسی بات کرنا گناہ ہے۔

ادب ۱۰۳: بدن اور کپڑے میں بدبو پیدا نہ ہونے دو، اگر دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے نہ ہوں تو بدن کے کپڑے ہی دھو ڈالو۔

ادب ۱۰۴: آدمیوں کے بیٹھے ہوئے جھاڑو مت دلواؤ۔

ادب ۱۰۵: مہمان کو چاہئے کہ اگر پیٹ بھر جائے تو تھوڑا سالن روٹی دستر خوان پر ضرور چھوڑ دے تاکہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہو گیا اس سے وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔

ادب ۱۰۶: راہ میں چارپائی یا پیڑھی یا کوئی برتن یا اینٹ پتھر وغیرہ مت ڈالو۔

ادب ۱۰۷: بچوں کو ہنسی میں اچھالو مت، اور کسی کھڑکی وغیرہ سے

مت لٹکاؤ، شاید گر پڑیں،

ادب ۱۰۸ ۔ پردہ کی جگہ کسی کے پھوڑا پھنسی ہو تو اس سے مت پوچھو کہ کہاں ہے۔

ادب ۱۰۹ ۔ گٹھلی چھلکا کسی آدمی کے اوپر سے مت پھینکو۔

ادب ۱۱۰ ۔ کسی کو کوئی چیز ہاتھ میں دینا ہو تو دور سے مت پھینکو کہ وہ ہاتھ میں لے لے گا۔

ادب ۱۱۱ ۔ جس سے بے تکلفی نہ ہو اس سے ملاقات کے وقت اسکے گھر کا حال مت پوچھو۔

ادب ۱۱۲ ۔ کسی کے غم یا پریشانی یا دکھ بیماری کی کوئی خبر سنو تو قبل پختہ تحقیق کے کسی سے نہ کہو، بالخصوص اس کے عزیزوں سے۔

ادب ۱۱۳ ۔ دسترخوان پر سالن کی ضرورت ہو تو کھانے والے کے سامنے سے مت ہٹاؤ، دوسرے برتن میں لے آؤ۔

ادب ۱۱۴ ۔ لڑکوں کے سامنے کوئی بات بے شرمی کی مت کہو۔

تمام ہوئے بعض آداب بہشتی زیور سے، اور یہاں تک اکثر آداب وہ ہیں جن کا برابر والوں یا اکابر کے ساتھ لحاظ رکھنا ضروری ہے، اب دو چار آداب ایسے بھی بتلاتا ہوں جن کا لحاظ بڑوں کو چھوٹوں کیساتھ رکھنا مناسب یا واجب ہے۔

بڑوں کیلئے ضروری آداب

ادب ۱۱۵ ۔ بڑوں کو بھی بہت نازک مزاج نہ ہونا چاہئے کہ بات بات میں بگڑا کریں بات بات پر جھنکا کریں، یہ یقینی بات ہے کہ جیسے دوسرے تم سے بے تمیزی کرتے ہیں تم اگر اپنے سے بڑوں کے ساتھ رہو سہو تو تم سے بھی بہت بدتمیزیاں ہوا کریں یہ سمجھ کر کچھ تسامح بھی کیا کرو۔ اور ایک بار دو بار نرمی سے سمجھا دو جب اس سے کام نہ چلے تو مخاطب کی مصلحت کی نیت سے تندی و درشتی کا بھی مضائقہ نہیں، اگر تم نے تحمل نہ کیا تو صبر کی فضیلت

سے ہمیشہ محروم رہے۔ اور جب خدا نے تم کو بڑا بنایا ہے تو ہر طرح کے لوگ تمہاری طرف رجوع کریں گے، ان میں مختلف طبائع مختلف عقول کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک ہی تاریخ میں سب یکساں کیسے ہو جائیں۔ یہ حدیث قابل یاد رکھنے کے ہے۔ المؤمن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم'

ادب ۱۱۶ ۔ جس شخص کی نسبت تم کو قرائن سے متیقن یا مظنون ہو کہ تمہارے کہنے کو ہرگز نہ ٹالے گا تو اس سے کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرو جو شرعاً واجب نہیں،

ادب ۱۱۷ ۔ اگر بلا فرمائش کے کوئی تمہاری مالی یا بدنی خدمت کرے تب بھی اس کا خیال رکھو کہ اس کی راحت یا مصلحت میں خلل نہ پڑے، یعنی اس کو زیادہ جاگنے مت دو۔ اس کی گنجائش سے زیادہ اس کا ہدیہ مت لو، اگر وہ تمہاری دعوت کرے بہت سے کھانے مت پکانے دو، ہمراہی میں بہت سے آدمیوں کی دعوت مت کرنے دو۔

ادب ۱۱۸ ۔ اگر کسی شخص پر قصداً ناخوش ہونا پڑے یا اتفاقاً ایسا ہو جائے تو دوسرے دن اس کا دل خوش کر دو، اگر تم سے واقعی زیادتی ہو گئی ہے تو بے تکلف اس سے معذرت کر کے اپنی زیادتی کی معافی مانگ لو، عار مت کرو۔ قیامت میں وہ تم برابر ہو گے۔

ادب ۱۱۹ ۔ اگر گفتگو میں کسی کی بدتمیزی پر زیادہ تغیر مزاج میں ہونے لگے تو بہتر ہے کہ بلاواسطہ اس سے گفتگو مت کرو، کسی اور مزاج شناس سلیقہ شعار کو بلا کر اس کے واسطے سے گفتگو کرے تاکہ تمہارا تغیر دوسرے پر اور اس کی بدتمیزی تم پر اثر نہ کرے؛

ادب ۱۲۰ ۔ اپنے کسی خادم یا متعلق کو اپنا ایسا مقرب مت بناؤ کہ دوسرے لوگ اس سے دبنے لگیں یا وہ دبانے لگے، اسی طرح اگر وہ لوگوں کی روایات وحکایت تم سے کہنے لگے منع کر دو۔ ورنہ لوگ اس سے خائف ہو جائینگے

اور تم لوگوں سے بدگمان ہو جاؤ گے، اسی طرح اگر وہ کسی کا پیام یا سفارش تمہارے پاس لائے سختی سے منع کر دو، تاکہ لوگ اس کو واسطہ سمجھ کر اس کی خوشامد نہ کرنے لگیں، اس کو نذرانے نہ دینے لگیں۔ یا وہ لوگوں سے فرمائش نہ کرنے لگے، خلاصہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کا تعلق براہِ راست اپنے سے رکھو کسی شخص کو واسطہ مت بناؤ، ہاں اپنی خدمت کے لئے ایک آدھ شخص خاص کر لو مضائقہ نہیں، مگر اس کو لوگوں کے معاملات میں ذرہ برابر دخل نہ دو۔ اس طرح مہمانوں کا قصہ کسی پر مت چھوڑو، خود سب کی دیکھ بھال کرو گو اس میں تم کو تعب زیادہ ہوگا، مگر دوسروں کو تو راحت وسہولت رہے گی اور بڑے تو تعب کے لئے ہوا ہی کرتے ہیں خوب کہا گیا ہے۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی

کانگشت نمائے عالمے خواہد شد

اب ان آداب وقواعد کو ایک بے قاعدگی کے قاعدہ پر ختم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان میں بعض آداب تو عام ہیں، ہر حالت اور ہر شخص کے لئے اور بعضے آداب وہ ہیں جن سے بے تکلف مخدوم یا بے تکلف خادم مستثنیٰ بھی ہیں، چونکہ اس درجہ کی بے تکلفی تک پہنچ جانے کا ادراک وجدانی وذوقی ہے، اس لئے ایسے آداب کی تعیین بھی وجدانِ ذوق پر چھوڑتا ہوں، اور اس رسالہ کو اس شعر پر جو کہ ادبِ تکلف اور ادب تکلفی دونوں کے لئے جامع ہے تمام کرتا ہوں۔

طرق العشق کلھا آدابٌ

ادبوا النفس ایھا الاصحابُ

وَیوم ختامتہ ہو یوم ختام رسالۃ اغلاط العوام بفضل قدر اکثر من ساعۃ واقل من ساعتین وہو ثامن المحرم ۱۳۳۲ھ فی تھانہ بھون

✻✻✻

اغلاط العوام

حرفِ آغاز

بعد الحمد والصلوٰۃ مقصود بالاظہار یہ امر ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت بفضلہ تعالیٰ علم دین کا سامان یعنی کتب مطبوعہ کی دستیابی اور ارزانی پھر ان کا اردو ترجمہ ہوجانا اور علماء حقانی کا جابجا وجود اور دین پر وعظ کہنا اور بعض حضرات کا حسبِ ضرورت از خود یا بلانے پر جانا بھی یہ سب جس کثرت سے ہے ظاہر ہے اور محل شکر ہے۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی اکثر عوام بلکہ بعض خواص کالعوام میں بھی بعضے ایسے غلط مسئلے مشہور ہیں جن کی کوئی اصلِ شرعی نہیں اور وہ ان کا ایسا یقین کئے ہوئے ہیں کہ ان کو ان میں شبہ بھی نہیں پڑتا تاکہ علماء سے تحقیق ہی کرلیں۔ اور اکثر علما کو بھی ان غلطیوں میں عوام کے مبتلا ہونے کی اطلاع نہیں، تاکہ وہی وقتاً فوقتاً ان کا ازالہ کرتے رہیں۔ جب نہ عوام کی طرف سے تحقیق ہو اور نہ علماء کی جانب سے تنبیہ ہو تو ان غلطیوں کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہ رہی۔ اس لئے مدت سے خیال تھا جو بفضلہ تعالیٰ اب ظہور میں آیا کہ ایسی غلطیوں پر جہاں تک اطلاع ہو ان کو ضبط کر دیا جائے جس طرح علماء نے احادیث میں موضوعات کو مدوّن کیا ہے۔ یہ رسالہ فقہیات کا موضوعات ہے اور گو یا مسائل مختلف ابواب کے ہیں مگر ترتیب وار لکھنا دشواری سے خالی نہ تھا اس لئے مختلط طور پر لکھ دیا ہے۔ بعد ضبط ہو جانے کے اگر کوئی صاحب نظر ثانی کر کے اس کا مرتب کرنا چاہیں اس وقت سہل ہوگا[1] ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب ؎

[1] الحمد للہ اب یہ رسالہ جدید اضافات اور فقہی ترتیب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ۱۲ ناشر

عقیدے

مسئلہ ۱۔ مشہور ہے کہ جو شخص نیا مسلمان ہو اس کو مسہل دینا چاہئے۔ ورنہ وہ پاک نہیں ہوتا، سو یہ بات محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۲۔ مشہور ہے کہ گالی دینے سے چالیس روز تک ایمان سے دور ہو جاتا ہے۔ اگر اس مدت میں مر جاوے تو بے ایمان مرتا ہے سو یہ محض غلط ہے۔ ہاں گالی دینے کا گناہ الگ بات ہے۔

مسئلہ ۳۔ بعض عوام کا یہ اعتقاد ہے کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اُس کا پیر شیطان ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔

مسئلہ ۴۔ بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ چوتھے آسمان پر ہے، جامع مسجد دہلی اس کی نقل ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں مسجد اقصیٰ شام میں ہے اور جامع مسجد دہلی اس کی نقل نہیں۔

مسئلہ ۵۔ اکثر عوام اور خصوصاً عورتیں مرض چیچک اور کنٹھی میں علاج کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اور بعض عوام اس مرض کو بھوت پریت کے اثر سے سمجھتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مسئلہ ۶۔ بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دلہن اپنے گھر یا صندوقی وغیرہ کو قفل لگا دے تو اس کے گھر کا تالا لگ جاتا ہے یعنی ویران ہو جاتا ہے یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مسئلہ ۷۔ بعضے عوام سمجھتے ہیں کہ جو کوئی قل اعوذ برب الناس کا وظیفہ پڑھے اس کا ناس ہو جاتا ہے۔ یہ خیال محض غلط ہے۔ بلکہ اس کی برکت سے تو وہ مصائب سے نجات پاتا ہے۔

مسئلہ ۸۔ بعض عوام خصوصاً عورتیں کہتی ہیں کہ دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے مقروض ہو جاتا ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔

مسئلہ ۹۔ بعض عوام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مُردوں

کی روحیں اپنے اپنے گھروں میں آتی ہیں اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے اگر کچھ ثواب ملے گا تو خیر ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہیں۔

مسئلہ ۱۰۔ بعض عورتیں ایسی عورت کے پاس کہ جس کے بچے اکثر مر جاتے ہوں۔ خود جانے اور بیٹھنے سے رکتی ہیں اور اپنے بچوں کو بھی ایسی جگہ جانے سے روکتی ہیں اور یوں کہتی ہیں کہ مرت بیائی لگ جائے گی یہ بہت بری بات ہے۔ ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ بعض عوام خصوصاً عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہر آدمی پر اس کی عمر کا تیسرا اور آٹھواں اور تیرھواں اور اٹھارواں اور اکیسواں اور اڑتیسواں اور تینتالیسواں اور اڑتالیسواں سال بھاری ہوتا ہے۔ یہ خیال غلط ہے اور برا عقیدہ ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ کتے کے رونے سے کوئی وبا یا بیماری پھیلتی ہے۔ یہ بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۱۳۔ مشہور ہے کہ اگر کسی گھر میں لڑائی کروانی منظور ہو تو اس گھر میں سہ (قنفذ) کا کانٹا رکھ دو سو جب تک وہ کانٹا اس گھر میں رہے گا۔ اہل خانہ لڑتے رہیں گے۔ سو یہ محض غلط بات ہے۔

مسئلہ ۱۴۔ جہلا میں دستور ہے کہ جب کوئی سفر کو جاوے تو عورتیں کہتی ہیں کہ ابھی جھاڑو مت دو۔ کیونکہ فلاں ابھی ابھی سفر کو گیا ہے سو یہ لغو بات ہے۔

مسئلہ ۱۵۔ مشہور ہے کہ جب اولا پڑے تو موسل کو سیاہ کر کے باہر پھینک دیا جائے تو اولے بند ہو جاتے ہیں سو یہ غلط ہے۔

مسئلہ ۱۶۔ مشہور ہے کہ خرمن میں ہاتھ دھو کر کھانا نہ کھانا چاہیئے اور اس سے اخذ کیا جاتا ہے کہ خرمن ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں سو

لہ قنفذ ایک جانور ہے جس کو سہ کہتے ہیں۔ اس کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں۔

یہ غلط ہے مسئلہ ۱۷ مشہور ہے کہ عورت حالت حیض یا حمل میں فوت ہو جائے اس کو سنگل ڈال کر دفن کیا جاوے کیونکہ وہ ڈائن ہو جاتی ہے اور جو اس سے ملے اسے کھاتی ہے سو یہ شرک ہے۔

مسئلہ ۱۸ مشہور ہے کہ جہاں میت کو غسل دیا جائے وہاں تین دن چراغ کیا جائے سو یہ بات بے اصل ہے۔

کتاب الطہارۃ والنجاسۃ

مسئلہ ۱ بعض عورتوں میں مشہور ہے کہ کوا وغیرہ گھڑے میں چونچ ڈال دے تو اس میں اتنا پانی بھرے کہ باہر کو نکل جاوے اس سے پاک ہو جاتا ہے تو اس کی کچھ اصل نہیں جس جانور کا جھوٹا مکروہ یا ناپاک ہے پانی تِر جانے سے بھی ویسا ہی رہیگا اور اگر پاک ہے تو اس کی حاجت نہیں۔

مسئلہ ۲ بعض عوام کہتے ہیں کہ اگر پانی میں ناخن ڈوب جائے تو اس کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔ سو یہ محض غلط ہے۔ البتہ اگر ناخن میں میل مجتمع ہو تو ایسا کرنا لطافت کے خلاف ہے۔

مسئلہ ۳ عوام میں مشہور ہے کہ چراغ کا تیل ناپاک ہوتا ہے مگر یہ محض بے اصل ہے عجب نہیں کہ کسی نے اس سے احتیاط رکھنے کو اس بنا پر کہا ہو کہ لوگ چراغ کو جگہ بے جگہ رکھ دیتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے۔ کہ اس میں سے کتا وغیرہ چاٹ جاتا ہے اس لئے اس تیل سے احتیاط کا مشورہ کسی نے دیا ہوگا عوام نے اس کو یقینی ناپاک ہی قرار دیدیا۔ اور اس کی وجہ بھی بعض عوام سے سُنی گئی ہے کہ وہ جلتا ہے اس لئے ناپاک ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جلنے کو ناپاک ہونے میں کوئی دخل نہیں، غرض دعویٰ اور دلیل دونوں مہمل ہیں۔

مسئلہ ۴ حقہ کے پانی کو بھی عوام ناپاک سمجھتے ہیں اگرچہ اس سے بچنا لطافت کے لئے ضروری ہے لیکن اس سے نجس ہونا لازم نہیں آتا۔

مسئلہ۔ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ اگر کتے سے کوئی چیز کپڑا برتن وغیرہ چھو جائے تو وہ چیز ناپاک ہوجاتی ہے۔ یہ غلط ہے البتہ رال لگنے سے ناپاک ہوجاوے گا۔

وضو و غسل

مسئلہ۱۔ مشہور ہے کہ کسی کا ستر کھلا ہوا نظر پڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۲۔ مشہور ہے کہ سُور کے دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ۳۔ مشہور ہے کہ استنجا کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا چاہیئے سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۴۔ بعضے کہتے ہیں کہ جس وضو سے جنازہ کی نماز پڑھی ہو اس سے پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز نہ پڑھے۔ سو یہ بھی محض غلط ہے۔

مسئلہ۵۔ بعضی عورتیں سمجھتی ہیں کہ باہر پھرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے سو یہ محض غلط ہے البتہ بے ضرورت باہر نکلنا بُرا ہے۔

تیمم و مسح

مسئلہ۔ بعضے آدمی کپڑے یا تکیہ پر تیمم کر لیتے ہیں اگرچہ اس پر زیادہ غبار نہ ہو سو یہ بالکل درست نہیں۔

حیض و نفاس

مسئلہ۱۔ مشہور ہے کہ زچہ جب تک غسل نہ کرے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانا درست نہیں یہ بھی غلط ہے حیض اور نفاس میں ہاتھ ناپاک نہیں ہوتے۔

مسئلہ۲۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ چلّے کے اندر زچہ خانے میں خاوند کو نہ جانا چاہیئے۔ سو اس کی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ۳۔ عوام کہتے ہیں کہ جو عورت حالتِ حیض میں اور زچہ مر جائے اس کو دوبارہ غسل دینا چاہئے۔ یہ محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۴۔ عام عورتیں زچہ خانہ میں چالیس روز تک نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتیں۔ اگرچہ پہلے ہی پاک ہوجائیں سو یہ بالکل دین کیخلاف بات ہے۔ چالیس دن نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ باقی اقل مدت کی کوئی حد نہیں جسوقت پاک ہوجائے غسل کرکے فوراً نماز شروع کرے اسیطرح اگر چالیس دن میں بھی خون موقوف نہ ہو تو چالیس دن کے بعد پھر اپنے آپ کو پاک سمجھ کر نماز شروع کردے۔

اذان واقامت و امامت

مسئلہ۱۔ مشہور ہے کہ اذان نماز کے لئے مسجد میں بائیں طرف ہو اور اقامت یعنی تکبیر داہنی طرف شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ۲۔ مشہور ہے اگر مقتدی عمامہ باندھے ہو اور امام صرف ٹوپی پہنے ہو تو نماز مکروہ ہے۔ یہ محض بے اصل بات ہے۔ البتہ جو شخص خالی ٹوپی سے بازار اور مجمع احباب میں جاتا ہوا منقبض ہو اس کو بدون عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ امام یا مقتدی ہو۔

مسئلہ۳۔ بعض لوگ اذان کے سامنے سے یا دعا کے سامنے سے جانا ناجائز سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ۴۔ عوام متکبرین میں مشہور ہے کہ جس امام کے گھر میں پردہ نہ ہو۔ اس کے پیچھے نماز درست نہیں سو سمجھ لیا جاوے کہ معترضین کی بیبیاں اگر ایک نامحرم کے رُوبرُو بھی آتی ہوں تو ان کو بھی بے پردہ کہا جاوے گا اور امام و مقتدی سب یکساں ہونگے۔ مسئلہ۵۔ بعض کو طاعون میں آذانیں دیتے ہوئے دیکھا ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

نماز وجماعت وخطبہ

مسئلہ۔ مشہور ہے کہ چارپائی پر نماز پڑھنے سے بندر ہوجاتا ہے سو

یہ محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۲: مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہنے کے وقت کھانا پینا منع ہے۔ سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں البتہ وہ وقت توجہ الی اللہ کا ہے اس وجہ سے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے رہا یہ کہ دنیا کے تمام کاروبار بلکہ گناہ تک تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے۔

مسئلہ۳: بعض عورتیں نماز پڑھ کر جانماز کا گوشہ یہ سمجھ کر الٹ دینا ضروری سمجھتی ہیں کہ شیطان اس پر نماز پڑھے گا سو اس میں کسی بات کی بھی اصل نہیں۔

مسئلہ۴: اکثر عوام کا معمول ہے کہ مریض جب جماعت میں شریک ہوتا ہے تو تمام صف کے کنارے پر اور بائیں طرف بیٹھتا ہے۔ گویا درمیان میں کھڑے ہونے کو برا سمجھتے ہیں۔ سو یہ امر محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۵: بعض کا خیال ہے کہ تہجد کے بعد سونا نہ چاہئے۔ ورنہ تہجد جاتا رہتا ہے سو اس کی کوئی اصل نہیں اور بہت آدمی اسی وجہ سے تہجد سے محروم ہیں۔ کہ صبح تک جاگنا مشکل ہے اور سونے کو ممنوع سمجھتے ہیں سو جان لینا چاہئے کہ سو رہنا بعد تہجد کے درست ہے۔

مسئلہ۶: مشہور ہے کہ اندھیرے میں نماز پڑھنا ناجائز ہے سو یہ محض غلط ہے۔ البتہ اتنی اٹکل ضرور ہے کہ قبلہ سے بے رخ نہ ہو۔

مسئلہ۷: بعض عورتیں کہتی ہیں کہ اگر کئی عورتیں ایک جگہ کھڑی ہو کر نماز پڑھیں تو آگے پیچھے کھڑا ہونا درست نہیں محض غلط ہے۔

مسئلہ۸: بعض لوگ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کر کے دونوں طرف سلام بھی پھیرے یہ بھی محض غلط ہے۔

مسئلہ۹: عوام میں مشہور ہے کہ نماز عشاء سے پہلے سو رہنے سے عشاء کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر پھر پڑھے تو قضا کی نیت کرے سو

یہ بالکل غلط ہے البتہ بلا عذر سونا درست نہیں اور نصف شب کے بعد مکروہ وقت ہو جاتا ہے اگرچہ سویا بھی نہ ہو۔

مسئلہ ۱۰: عورتوں میں مشہور ہے کہ عورتیں مردوں سے پہلے نماز پڑھیں، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۱۱: بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ تلاوت کے سجدہ دو ہونے چاہئیں یعنی ایک آیت پڑھے تو دو سجدے واجب ہو جاتے ہیں سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۱۲: عوام میں مشہور ہے کہ نماز میں داہنا انگوٹھا سرک جانے سے نماز جاتی رہتی ہے سو یہ محض غلط ہے البتہ بلا ضرورت اٹھانا بہت عیب ہے۔

مسئلہ ۱۳: بعض عوام کہتے ہیں کہ سنت کے بعد نہ بولے اگرچہ گھوڑے کی ٹاپ میں دب گیا ہو۔ اس کی کچھ اصل نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے میں علاوہ فساد عقائد کے بعض اوقات کوئی واجب شرعی بھی ترک ہو جاوے گا مثلاً کسی نے مسئلہ پوچھا یا کسی امر میں اعانت چاہی۔

مسئلہ ۱۴: بعض کو دیکھا ہے کہ ریل میں سوار ہو کر بلا عذر بھی نماز بیٹھ کر یا بے رُخ پڑھ لینے کو جائز سمجھتے ہیں سو ریل میں کوئی حکم نہیں بدلتا اور جاننا چاہیے کہ تھوڑی سی دشواری بھی نہیں معمولی دقتیں تو گھر میں بھی پیش آجاتی ہیں۔ اسی طرح نمازن بیبیاں بہلی میں بیٹھ کر نماز پڑھ لیتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں بہلی کے ٹھہرانے میں خطرہ نہ ہو وہاں زمین پر اُتر کر نماز پڑھنی چاہیے پردہ برقعہ کا کافی ہے۔ مسئلہ ۱۵: بعضے عوام ایسے مرض میں نماز چھوڑ دیتے ہیں جس میں بدن اور کپڑا پاک رہنا مشکل ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس حالت میں نماز جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں سو یہ خیال محض غلط ہے کہ علماء سے مسائل پوچھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے ایسی حالت میں بھی نماز درست ہو جاتی ہے۔ جب دھونے سے سخت تکلیف ہو یا مرض بڑھنے کا ڈر ہو اور کپڑے بدلنے کے لئے زیادہ نہ ہوں تو اسی طرح نماز درست ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۶۔ بعض عوام کو اس کا بھی پابند دیکھا ہے کہ جب جمعہ کے لئے آتے ہیں اول مسجد میں تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر سنتیں پڑھتے ہیں گو نزدیک ہی سے آئے ہوں اور گو سانس درست کرنے کی بھی ضرورت نہ ہو سو اس کی کوئی اصل نہیں اور سانس کی درستگی تھوڑی دیر کھڑے رہنے سے بھی ممکن ہے یہ کیا ضرور ہے کہ بیٹھ ہی جاویں۔

مسئلہ ۱۷۔ مشہور ہے کہ جن کی سنتیں صبح کی رہ جاویں اس کے درست ہونیکی یہ شرط ہے کہ سورج نکلنے تک اسی جگہ بیٹھا رہے سو یہ بھی غلط ہے بلکہ یہ جائز ہے کہ کسی کام میں لگ جاوے اور بعد آفتاب نکلنے کے ان کو پڑھ لے۔

مسئلہ ۱۸۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ مسجد کا چراغ خود گل نہ کرے سو یہ بات لغو ہے بلکہ جب حاجت نہ رہے گل کر دینا چاہئے۔ ورنہ اسراف بھی ہے اور تنہائی میں چراغ جلتا چھوڑنا منع بھی ہے۔

مسئلہ ۱۹۔ اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ جماعت میں صف بندی کیوقت پاؤں کا انگوٹھا ملا کر سیدھی کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ کندھے اور ٹخنے کی سیدھ کرنے سے صف سیدھی کرنی چاہئے۔

مسئلہ ۲۰۔ اکثر عوام کو اسکا التزام کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ جمعہ کا پہلا خطبہ سننے کے وقت دونوں ہاتھ کو باندھ لیتے ہیں اور دوسرا خطبہ سننے کیوقت دونوں ہاتھ زانو پر رکھ لیتے ہیں۔ یہ بھی بے اصل بات ہے۔

مسئلہ ۲۱۔ اکثر عوام جمعہ کے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں۔ یہ جائز نہیں زبان سے درود شریف نہ پڑھے ہاں دل ہی دل میں پڑھ لینے کا مضائقہ نہیں۔

مسئلہ ۲۲۔ بعضے عوام نماز میں بائیں کہنی کھلی رہنے سے نماز میں خرابی آنا سمجھتے ہیں یہ خاص بائیں کہنی کی تخصیص غلط ہے۔ بلکہ دونوں میں سے خواہ دائیں ہو یا بائیں کھلی رہنے سے نماز مکروہ ضرور ہوگی۔

قرأت و تجوید

مسئلہ۔ قرآن مجید میں بعضے مقامات پر بے موقع وصل کرنے سے کفر کا فتوی بعض نے لکھدیا ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ الحمد شریف میں بعضے حروف کے وصل سے شیطان کا نام پیدا ہونا لکھدیا ہے سو ان دونوں امر کی کچھ اصل نہیں البتہ قواعد قرأت کے اعتبار سے یہ دونوں وصل بے قاعدہ اور قبیح ہیں مگر کفر یا شیطان کے نام کا دعوی محض تصنیف ہے۔

مسئلہ۔ حفاظ وغیرہم میں مشہور ہے کہ سورۂ برأت پر کسی حالت میں بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی سو بات یہ ہے کہ صرف ایک حالت میں اس میں بسم اللہ نہیں ہے کہ اوپر سے پڑھتے پڑھتے سورۂ برات شروع کرے باقی اگر تلاوت اسی سورۃ سے شروع کرے یا درمیان میں کچھ وقفہ کر کے بقیہ سورۃ پڑھے تو بسم اللہ کہے

دعا و ذکر و اذکار

مسئلہ۔ عوام میں مشہور ہے کہ بے وضو درود شریف پڑھنا درست نہیں سو یہ بالکل غلط ہے بلکہ قرآن بھی پڑھنا بلا وضو درست ہے۔ البتہ قرآن شریف کو ہاتھ لگانا بلا وضو درست نہیں۔

مسئلہ۔ مشہور ہے کہ دوپہر کے وقت قرآن پڑھنا ممنوع ہے سو یہ محض غلط ہے البتہ نماز پڑھنا اس وقت ممنوع ہے۔

مسئلہ۔ اس طرف اکثر جاہل بھی التفات نہیں کرتے کہ آیاتِ قرآنیہ کو بے وضو لکھ دیتے ہیں۔ اسیطرح بے وضو آدمی کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اس کا لکھنا اور مس کرنا دونوں بلا وضو ناجائز ہیں۔

مسئلہ۔ ذکر جہر کو بعض مشائخ بلا کسی شرط کے جائز سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اس کے جواز کی ایک بہت ضروری شرط یہ ہے کہ اس سے کسی نماز پڑھنے والے کا دل پریشان نہ ہو اور سونیوالے کی نیند خراب نہ ہو اور جہاں اسکا احتمال ہو آہستہ ذکر کرے اگرچہ پکار کر کرنے کی تعلیم کی گئی ہو۔

مرض الموت و جنازہ

مسئلہ۔ مشہور ہے کہ خاوند بیوی کے جنازہ کا پایا بھی نہ پکڑے سو یہ بھی محض غلط ہے۔ اجنبی لوگوں سے وہ زیادہ مستحق ہے۔

مسئلہ۲۔ مشہور ہے کہ میت اگر گھر میں یا محلہ میں ہو اس کے لیجانے تک کھانا پینا گناہ ہے۔ یہ بات بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۳۔ عوام کہتے ہیں کہ میت کے غسل کے پانی پر پاؤں رکھنا درست نہیں۔ اور اسی خیال سے غسل دینے کے لئے ایک لحد کھودتے ہیں کہ سب پانی اسی میں رہے سو یہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۴۔ بعضے عوام حرم میں قبروں پہ تازہ مٹی ڈالنے کو ضروری سمجھتے ہیں سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ۵۔ بعضے عوام میں اس کا بڑا اہتمام ہے کہ مردے کو گھر کے برتنوں سے غسل نہ دینا چاہئے بلکہ کورے منگا کر غسل دیویں اور پھر ان برتنوں کو گھر میں استعمال نہ کریں بلکہ مسجد میں بھیجدیں یا چھوڑ دیں یہ بھی محض بے اصل ہے

مسئلہ۶۔ عوام کو دیکھا ہے کہ نماز جنازہ کی تکبیرات کہتے وقت منہ آسمان کی طرف اٹھایا کرتے ہیں یہ بے اصل بات ہے۔

مسئلہ۔ اکثر جگہ دستور ہے کہ جنازہ دفن کرتے وقت مردہ کو قبر میں چت لٹا کر صرف اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں بلکہ قبلہ کی طرف بالکل کروٹ دیدینا چاہئے۔

مسئلہ۔ اکثر عوام نزع کی حالت میں شربت پلانے کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ پلانے والے کو ملامت کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ یہ ضروری ہے نہ قابلِ ملامت، بلکہ ایسا سمجھنا خود بُرا ہے۔

روزہ

مسئلہ۔ مشہور ہے کہ ایک روزہ رکھنا اچھا نہیں اس مشہور کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسئلہ۔ بعض میں مشہور ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ نہ رکھے کیونکہ یزید کی ماں نے رکھا تھا۔ محض غلط ہے۔

مسئلہ۔ عوام میں مشہور ہے کہ جو شخص شش عید کے روزے رکھنا چاہے اس کو چاہیئے کہ ایک روزہ ضرور عید سے اگلے ہی دن رکھے ورنہ پھر وہ روزے نہ ہونگے سو یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

مسئلہ۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ نفل روزے کی سحری نہیں ہوتی سو یہ غلط ہے اس میں فرض اور نفل روزے سب برابر ہیں۔

مسئلہ۔ بعض عوام سے سنا گیا ہے کہ نفل روزہ بعد نماز مغرب کے افطار کرے سو اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔

زکوٰۃ و حج و قربانی و عقیقہ و نذر

مسئلہ۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ بقر عید کے روز قربانی کرنے تک روزہ سے رہے یہ محض بے اصل ہے البتہ قربانی سے اوّل کھانا کھانا مستحب ہے لیکن وہ روزہ نہیں ہے نہ تو کھانا فرض ہے نہ روزہ کا ثواب ہے نہ روزہ کی نیت ہے۔

مسئلہ۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ احرام میں دو پاٹ کی چادر جس کے درمیان میں سلائی ہو درست نہیں یہ محض بے اصل ہے مرد کو ممنوع وہ سلائی ہے جس سے کپڑے کو بدن کی ہیئت پر بنایا جاتا ہے جیسے کرتہ پاجامہ وغیرہ مسئلہ۔ بعض لوگ بڈھیا جانور کی قربانی درست نہیں سمجھتے سو یہ نہیں غلط ہے بلکہ بڈھیا جانور کی تو اور زیادہ فضیلت ہے ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے بڈھیا دنبہ کی قربانی فرمائی ہے۔

مسئلہ۔ بہت مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ۔ نانا نانی۔ دادا دادی کو کھانا درست نہیں سو اس کی کچھ اصل نہیں۔ اس کا حکم قربانی کا سا ہے۔

مسئلہ ۵ بعض عوام کا خیال ہے کہ اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم دی جاوے اور کہا نہ جاوے کہ یہ زکوٰۃ ہے تو شاید زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی سو یہ خیال بالکل غلط ہے بدون کہے بھی زکوٰۃ ہو جاتی ہے مگر دل میں ارادہ کرنا ضروری ہے

مسئلہ ۶ بعض عوام کا یہ خیال ہے کہ جو زیور چاندی سونے کا روز پہنا جاتا ہے اس میں زکوٰۃ نہیں سو جان لینا چاہیئے کہ رکھا ہوا زیور اور استعمال میں آنے والا زیور سب برابر ہیں۔ سب میں زکوٰۃ ہے۔

مسئلہ۔ بعض عوام سے سنا گیا ہے کہ قسم کھاتے وقت بائیں ہاتھ کا انگوٹھا موڑ لیا جاوے تو قسم نہیں ہوتی سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۔ اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ منت و نذر کی شیرینی مسجد میں لاکر عام طور پر تقسیم کر دیتے ہیں وہاں ان میں بعض سید اور غنی ہی ہوتے ہیں۔ پس سید اور غنی کو دینے سے نذر ادا نہیں ہوتی ہے۔

نکاح و طلاق و خلع و ظہار

مسئلہ بعض جگہ عوام کا یہ گمان ہے کہ بلا گواہ بھی محض مرد و زن کی رضامندی سے نکاح ہو جانے کو درست سمجھتے ہیں۔ اور اسکا نام تن بخشی رکھا ہے سو یہ گمان باطل محض ہے اسطرح ہرگز نکاح نہیں ہوتا وہ زنا ہو گا۔

مسئلہ ۲ مشہور ہے کہ پیر کو مریدنی سے نکاح درست نہیں یہ محض غلط ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب بیبیوں کے پیر تھے۔

مسئلہ ۳ مشہور ہے کہ بیس اولاد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یہ بھی محض غلط ہے۔

مسئلہ ۴ بعض عوام کہتے ہیں کہ حوا کو برا کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یہ بھی محض غلط ہے البتہ حوا کو برا کہنا جائز نہیں

مسئلہ ۵ عوام میں مشہور ہے کہ اگر شوہر کے مرنے پر اس کا جنازہ گھر سے نکلنے سے پہلے اس کی عورت گھر سے دوسرے گھر چلی جائے تو جائز ہے

بعد جنازہ نکلنے کے جائز نہیں گویا ان عوام کے خیال میں عدت وفات کیوقت سے شروع نہیں ہوتی بلکہ جنازہ لیجانے کیوقت سے شروع ہوتی ہے یہ محض غلط ہے

مسئلہ۔ عام دستور ہے کہ کوئی کافر عورت مسلمان ہو تو مسلمان کرتے ہی اسکا نکاح کسی مسلمان سے کر دیتے ہیں سو یہ بڑی غلطی ہے اگر کافروں کی عملداری میں کوئی کافر عورت مسلمان ہو جائے تو تین حیض گذرنے سے تو اس پر طلاق پڑے گی۔ اسکے بعد پھر تین حیض عدت چھ حیض کے بعد نکاح درست ہوگا۔

مسئلہ۔ بیوی اگر شوہر کو باپ کہہ دے تو عوام سمجھتے ہیں کہ نکاح میں خلل ہو جاتا ہے سو یہ محض بے اصل بات ہے بلکہ اگر شوہر بھی بیوی کو ماں یا بیٹی کہدے تو نکاح میں فرق نہیں آتا۔ البتہ بیہودہ بات ہے۔ ہاں اگر یوں کہہ دے کہ تو مجھ پر مثل ماں بیٹی کے ہے تو اس میں بعض صورتوں میں عورت حرام ہو جاتی ہے جس کی تفصیل ضرورت کے وقت علماء سے معلوم ہو سکتی ہے۔

مسئلہ۔ بعض عوام کو اس میں شبہ رہتا ہے کہ حالتِ حیض میں نکاح شاید درست نہیں ہوتا سو یہ شبہ بے اصل ہے۔ اس حالت میں بھی نکاح درست ہوتا ہے البتہ ناف سے زانو تک اس حالت میں دیکھنا ہاتھ وغیرہ لگانا درست نہیں۔

مسئلہ۔ عوام الناس ممانی اور چچی اور سوتیلی ساس سے نکاح کرنے کو جائز نہیں سمجھتے سو یہ اعتقاد باطل ہے اور یوں کوئی لحاظ کی وجہ سے ان رشتوں سے نکاح نہ کرے وہ اور بات ہے۔

مسئلہ۔ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ غصہ میں یا دھمکانے کی نیت سے اگر طلاق دیدے تو طلاق نہیں پڑتی سو یہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۔ عوام میں مشہور ہے کہ دونوں عیدوں کے درمیان نکاح نہ کیا جاوے کیونکہ میاں بیوی کا نباہ نہیں ہوتا۔ سو یہ خیال خلاف شریعت ہے۔

خرید و فروخت، کرایہ، رہن حق شفعہ وغیرہ

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ غلہ کی تجارت ناجائز ہے مگر یہ امر بالکل غلط ہے البتہ جب قحط کی ایسی حالت ہو کہ غلہ کسی قیمت سے بھی دستیاب نہیں ہوتا ہو اور اب اس کے نہ بیچنے سے خلائق کو تکلیف ہونے لگے ایسی حالت میں غلہ روکنا حرام ہے۔

مسئلہ ۲: مشہور ہے کہ کسی چیز کے خریدنے کے بعد بائع سے کچھ زیادہ مانگنا گناہ ہے جسکو رونگا کہتے ہیں۔ سو یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ بائع کو تنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر خوشی سے دیدے تو کچھ حرج نہیں۔

مسئلہ ۳: بعضے زمیندار سمجھتے ہیں کہ خود رو گھاس محض روکنے سے ملک ہو جاتی ہے اور اسکا فروخت کرنا درست ہے یہ دونوں باتیں محض غلط ہیں

مسئلہ ۴: یہ بھی بعضے زمینداروں کو کہتے سنا ہے کہ پھل آنے سے پہلے بہار کا بیچنا ویسے تو درست نہیں لیکن اگر اس بیع کے ساتھ کچھ زمین کا ٹھیکہ یعنی اجارہ بھی شامل ہو۔ تو درست ہے سو یہ بات بالکل غلط ہے اس اجارہ سے وہ بیع درست نہیں ہو جاتی۔

مسئلہ ۵: عام زمینداروں کا یہ خیال ہے کہ اگر رہن میں راہن زمین مرہونہ کے منافع کو حلال کر دے تو وہ حلال ہو جاتا ہے سو یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ جب رہن میں انتفاع مشروط یا معروف ہوگا حرام ہوگا۔

مسئلہ ۶: بعضے عوام گدھے اور گھوڑے کی جفتی کو برا سمجھتے ہیں سو اس کی بھی کچھ اصل نہیں البتہ اس کی اُجرت لینا جائز نہیں۔

مسئلہ: بعض عوام سمجھتے ہیں کہ حقِ شفعہ رشتہ دار جدی کے ساتھ خاص ہے سو یہ محض غلط بات ہے۔

مسئلہ: بعض عوام میں مشہور ہے کہ اولاد کے ہوتے ہوئے اگر اپنی جائداد کا جزو یا کل کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کے نافذ ہونے کی شرط یہ

ہے کہ وہ جائداد اس واہب کی یکسوئی ہو اگر جدی ہو تو جائز نہیں یہ
محض غلط ہے مکسوب و موروث کا شرعاً ایک ہی حکم ہے۔

شکار و ذبح کا بیان

مسئلہ مشہور ہے کہ ذبح کرنیوالے کی بخشش نہ ہوگی سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۲۔ بعضے کہتے ہیں کہ جس چاقو سے جانور ذبح کیا جاوے اس کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس چاقو میں تین کیلیں ہوں سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۳۔ مشہور ہے کہ ولد الزنا کا ذبیحہ درست نہیں سو یہ محض غلط ہے

مسئلہ۴۔ بعض عوام عورتوں کے ذبیحہ کو درست نہیں سمجھتے سو یہ محض غلط ہے

مسئلہ۵۔ بعضے عوام میں مشہور ہے کہ ذابح کے معین پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔ سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۶۔ بعضے عوام سمجھتے ہیں کہ ذبح کی اعانت کرنیوالا مثلاً جانور پکڑنے والا کافر ہو تو ذبیحہ حلال نہیں یہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۔ مشہور ہے کہ جب انڈا توڑا جاتا ہے تو اس پر پہلے یہ تکبیر پڑھ لی جائے ؎ سفید انڈا تر بتر۔ نہ اس کے ٹانگیں نہ اس کا سر سنت خلیل اللہ اکبر سو اس کی اصل نہیں۔

مسئلہ۔ مشہور ہے کہ عورت کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں سو یہ غلط بات ہے

لباس و زینت و پردہ

مسئلہ۔ عوام میں مشہور ہے کہ مریدنی کو پیر سے پردہ نہیں سو یہ محض غلط ہے جیسے اور مرد ہیں ایسا ہی پیر ہے۔

مسئلہ۲۔ بعضی عورتیں سمجھتی ہیں کہ جس عورت کے ہاتھ میں چوڑی نہ ہو یا کم از کم ایک بھی ناخن میں مہندی نہ ہو اس کے ہاتھ کا پانی مکروہ ہے سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۳۔ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ نیا جوتا اور نیا کپڑا پہننے سے

اسکے ذمہ حساب ہو جاتا ہے۔ لیکن رجب سے رمضان کے آخری جمعہ تک یا آخری جمعہ کو پہننے سے وہ بےحساب ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے نئے کپڑے اسی مدت میں پہن لے۔ بعضے کئی کئی جوڑے ایکدم پہن لیتے ہیں۔ سو یہ سب محض غلط ہے۔

مسئلہ ۴ بعضی عورتیں سمجھتی ہیں کہ عورت کے بائیں ہاتھ میں کوئی نشانی عورت ہونیکی جیسے چوڑی۔ چھلہ ہونا ضروری ہے سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۵ بعض عورتیں صرف عدت میں نامحرم سے سر ڈھانپنے کو لازم سمجھتی ہیں۔ اور ویسے نہیں یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۶ بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ عمامہ باندھنے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور بعضے بیٹھے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسکی کوئی اصل نہیں۔

سلام مصافحہ، اٹھنا بیٹھنا، ملنا چلنا (معاشرات)

بعض لوگ سلام علیک کرتے وقت ماتھے پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں یا جھک جاتے ہیں اور بعض مصافحہ کر کے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہیں یہ سب خلاف شرع اور بے اصل ہے

کھانا پینا

مسئلہ ۱ مشہور ہے کہ دعوت میں بھوکا اٹھنا منع ہے سو اس کی کوئی اصل نہیں مسئلہ ۲ بہت مشہور ہے کہ جھوٹا پانی کھڑے ہو کر پینا ثواب سمجھتے ہیں سو اس کی کوئی اصل نظر سے گذری نہ کسی محقق سے سنا۔

مسئلہ ۳ بعض عوام کہتے ہیں کہ اگر گوشت میں ہڈی نہ ہو تو وہ گوشت مکروہ ہو جاتا ہے۔ سو یہ محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۴ اکثر عورتیں مردوں سے پہلے کھانا کھانے کو شرعاً معیوب سمجھتے ہیں۔ یہ بے اصل بات ہے۔

مسئلہ ۵ اکثر عوام میں دستور ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا کھاتے وقت دوسرے شخص کو کھانا کھانے کے لئے بلاتا ہے اور اس کو منظور نہیں ہوتا تو اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں کہ بسم اللہ کرو بس چونکہ اس موقع پر اس لفظ

کا استعمال کرنا شرعاً ثابت نہیں ہے لہذا ترک کر دینا چاہیئے۔ اور اس کی جگہ اور کلمے جیسے بارک اللہ وغیرہ کہہ دینا چاہیئے۔

شگون وفال

مسئلہ۔ بعضے کہتے ہیں کہ فلاں جانور کے بولنے سے موت پھیلتی ہے۔ سو یہ محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۲۔ بعض طلبہ کو سبق کے باب میں اس کا معتقد دیکھا ہے۔ اذا فات السبت فات السبت سو اسکو اگر قضیہ اتفاقیہ سمجھا جاوے تو خیر لیکن لزومیہ سمجھنا بے اصل اور اختراع ہے اور شعبہ ہے تاثیر ایام کے قائل ہونیکا جو شعبہ ہے نجوم کا۔

مسئلہ۳۔ اسی طرح بعض طلبہ کو بدھ کے روز کتاب شروع کرنے کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کو کسی روایت کی طرح مستند سمجھتے ہیں سو اس بات میں کوئی روایت ثابت نہیں۔

مسئلہ۴۔ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت رنج اور اس کے برعکس ہونے سے خوشی پیش آتی ہے۔ سو یہ محض غلط خیال ہے

مسئلہ۵۔ بعض عوام صبح کے وقت کسی مقام جیسے انوتہ۔ کیرانہ وغیرہ یا کسی جانور جیسے سانپ، سور وغیرہ کے نام لینے کو منحوس اور برا سمجھتے ہیں یہ بالکل لغو بات ہے

مسئلہ۶۔ بعضے عوام کسی خاص دن یا کسی خاص وقت میں سفر کرنے کو برا یا اچھا سمجھتے ہیں۔ یہ کفار یا نجومیوں کا اعتقاد ہے۔

مسئلہ۔ اکثر عوام کہتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے سے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے۔ یہ سب لغو اور مہمل بات ہے۔

مسئلہ۔ بعض عورتیں مکان کی منڈیر پر کوے کے بولنے سے کسی مہمان کی آمد کا شگون لیتی ہیں۔ یہ خیال گناہ ہے۔

مسئلہ ۹۔ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ ڈوئی مارنے سے ہوکا ہو جاتا ہے یعنی جسکے ڈوئی ماریجائے وہ کھانا زیادہ کھانے لگتا ہے۔ یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ عوام میں رائج ہے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے جھاڑو لگ جائے تو وہ معیوب سمجھتا ہے اور برامان کر کہتا ہے کہ میں کنوئیں میں نمک ڈال دوں گا جس سے تیرے منہ پر جھائیاں پڑ جائیں گی۔ یہ بھی محض بے اصل ہے

مسئلہ ۱۱۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جھاڑو مارنے سے مضروب الیہ کا جسم سوکھ جاتا ہے۔ جھاڑو پر تھنکار دو سو یہ بات محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ ہمارے یہاں مروج ہے کہ جب کوئی آدمی کہیں جا رہا ہو اور اسکو پیچھے سے بلایا جائے تو وہ لڑائی لڑنے پر تیار ہو جاتا ہے کہ مجھے پیچھے سے تم نے کیوں بلایا ہے کیونکہ میرا کام نہیں ہوگا سو اس بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۳۔ ہمارے یہاں عورتیں کوے کے بولنے سے مہمان کے آنے کا شگون لیتی ہیں سو یہ بے اصل ہے۔

مسئلہ ۱۴۔ ہمارے یہاں عورتیں چکی کا ہاتھا چھوٹنے سے مہمان کے آنے کا شگون لیتی ہیں۔ سو یہ مہمل بات ہے۔

مسئلہ ۱۵۔ عموماً عورتوں میں مشہور ہے کہ صحنک سے آٹا اٹھنے سے مہمان آتا ہے سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۱۶۔ بعض لوگ جوتے پر جوتا چڑھ جانے سے سفر درپیش آنے کا شگون لیتے ہیں سو یہ بے اصل اور لغو بات ہے۔

مسئلہ ۱۷۔ مشہور ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی میں خارش ہونے سے کچھ ملتا ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۸۔ ہمارے یہاں ایک شعر مشہور ہے ؎ منگل، بدھو نہ جادیں ہاڑ، جوتی ہاڑی آدیں ہاڑ، اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۹۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ شام کے وقت مرغا اذان دے تو اس کو فوراً ذبح کر لو۔ کیونکہ یہ اچھا نہیں سو اس کی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ۲۰۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر مرغی اذان دے تو اسے فوراً ذبح کر دو کیونکہ اس سے وبا پھیلتی ہے۔ سو یہ غلط بات ہے۔

مسئلہ۲۱۔ اگر مریض کے لئے دو آدمی حکیم کو بلانے جاویں تو اُسے بُرا سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اب مریض صحتیاب نہیں ہوگا سو یہ غلط بات ہے۔

مسئلہ۲۲۔ جب کوئی نئی دلہن کوئیں پر پانی لینے جاوے تو اسکو تاکید کیجاتی ہے کہ پہلے کنوئیں پر چراغ جلایا جاوے پھر پانی لایا جاوے سو یہ غلط بلکہ شرک ہے

مسئلہ۲۳۔ دستور ہے کہ جب کہیں کوئی جارہا ہو اور کوئی چھینک دیوے تو جانے والا واپس چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب کام نہیں ہوگا سو یہ غلط ہے۔

متفرق مسئلے

مسئلہ۱۔ عوام میں مشہور ہے کہ ردپے نے بہت دنوں تک (یا عزیز) کا وظیفہ پڑھا ہے۔ سو اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ۲۔ مشہور ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان کھانا پینا بُرا ہے اور اسکی وجہ یہ تصنیف کی ہے کہ مرتے وقت یہی وقت نظر آتا ہے اور شیطان پیشاب کا پیالہ پینے کیلئے لاتا ہے سو اگر کھانے پینے کی عادت نہ ہوگی تو انکار کر دیگا شرع میں اسکی بھی کوئی اصل نہیں

مسئلہ۳۔ مشہور ہے کہ ہاتھ میں بید رکھنا درست نہیں یزید نے ہاتھ میں رکھا تھا یہ بھی محض غلط ہے مسئلہ۴۔ مشہور ہے کہ جھاؤ کی لکڑی کا استعمال درست نہیں سو یہ بھی محض غلط ہے۔ مسئلہ۵۔ مشہور ہے کہ میاں بیوی ایک پیر کے مرید نہ ہوں ورنہ بہن بھائی ہو جاتے ہیں۔ یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۶۔ مشہور ہے کہ حرام مال مطلقاً مول لینے سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے اسیطرح بدل لینے سے حلال ہو جاتا ہے مثلاً کسی نے کوئی چیز چرائی یا پھل آنے سے پہلے بہار خریدلی پھر وہ چیز یا پھل بازار میں فروخت ہونے کیلئے آیا تو بعضے آدمی یوں سمجھتے ہیں کہ جب ہم نے دام دے کر مول لیا تو وہ ہمارے لئے درست ہے اسی طرح اگر کسی نے رشوت لی پھر کسی سے روپیہ بدل لیا تو یوں

سمجھتے ہیں کہ بدلہ کا روپیہ درست ہو گیا سو یہ دونوں باتیں محض غلط ہیں وہ مسئلہ اور ہے جس کو لوگوں نے غلط سمجھ لیا ہے۔

مسئلہ مشہور ہے کہ ڈھیکلی کا پانی پینا درست نہیں سو یہ بھی محض غلط ہے

مسئلہ مشہور ہے کہ رات کے وقت درخت نہ ہلائے کہ وہ بے چین ہوتا ہے یہ بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۹ مشہور ہے کہ تسبیح اس طرح سیدھی اس طرح اُلٹی اور اسطرح پڑھے اور اسطرح نہ پڑھے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۰ مشہور ہے کہ سوتے میں قطب شمالی کی طرف پاؤں نہ کرے سو اسکی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۱ بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ اگر بلی نقصان بھی کرے تو بس صرف موسل میں گالا روئی کا باندھ کر مارنا درست ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح مارا تھا۔ تو یہ مسئلہ اور حدیث دونوں غلط ہیں۔ مسئلہ ۱۲ غسلخانہ اور پاخانہ میں بات کرنے کو عوام ناجائز سمجھتے ہیں سو اسکی کچھ اصل نہیں۔ البتہ بلا ضرورت باتیں نہ کریں

مسئلہ ۱۳ عوام میں بعض اعمال چور کے معلوم کرنے کے لئے جائز اور حجت سمجھتے ہیں سو سمجھ لینا چاہیئے۔ نہ جائز ہیں۔ نہ شرعاً حجت ہیں۔ اور جس فن کا وہ عمل ہے۔ اُس کے اصول سے وہ عمل قابل اعتماد نہیں وہ بالکل خیال کے تابع ہے حتیٰ کہ اگر دو عامل مختلف دو شخصوں پر گمان چوری کا رکھتے ہوں تو ہر عامل کے عمل کا الگ الگ نام نکل آوے گا۔ بلکہ ان عاملوں کا فرضی نام بھی بتلا دیئے جاویں تو اس عمل سے وہی نام نکل آویں گے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عمل کوئی چیز نہیں۔

مسئلہ ۱۴۔ یہ عادت بہت شائع ہے کہ اگر نعوذ باللہ قرآن مجید کی بے ادبی ہو جائے تو اس کے برابر اناج تول کر تصدق کرتے ہیں اس میں اصل مقصود تو بہت مستحسن و قرین مصلحت ہے کہ بطور کفارہ اور جرمانہ کے صدقہ دیا جاتا ہے

اس میں نفس کا بھی انتظام ہے کہ آئندہ احتیاط رکھے لیکن دو امر اس میں بے اصل اور قابل اصلاح ہیں ایک یہ کہ قرآن مجید کو ترازو میں اناج کے برابر کرنے کے لئے رکھتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اسکو واجب شرعی سمجھتے ہیں اگر ایسا کریں کہ محض مصلحت مذکورہ کی بنا پر تخمینہ سے کچھ غلہ دیدیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ ۱۵ بعض کہتے ہیں کہ عورتوں کو استرہ سے ناپاکی کے بال لینا منع ہیں سو یہ غلط بات ہے طباً مناسب نہ ہو مگر شرعاً گناہ نہیں۔

مسئلہ ۱۶ بعض لوگ رات کو جھاڑو دینے کو یا منہ سے چراغ گل کرنیکو یا دمرے کے کنگھا کرنے کو اگرچہ با اجازت ہو برا سمجھتے ہیں۔ اسکی کچھ اصل نہیں

مسئلہ ۱۷ بعض سے مہر کے بارے میں سنا گیا ہے کہ اذا ثنی ثلث یعنی اگر کسی ضرورت سے دوسری بار مہر لگانا پڑے تو تیسری بار بھی ضرور لگاوے اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۸ بعض کو خاص استخارہ اس غرض سے بتلاتے دیکھا ہے کہ اس سے کوئی واقعہ ماضیہ یا مستقبلیہ معلوم ہو جاوے گا سو استخارہ اس غرض کیلئے شریعت میں منقول نہیں بلکہ وہ تو محض کسی امر کے کرنے نہ کرنے کا تردد رفع کرنے کے لئے ہے نہ کہ واقعات معلوم کرنے کے لئے بلکہ ایسے استخارہ کے ثمرہ پر یقین کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسئلہ ۱۹ بعض عاملوں کو تو گو وہ اہل علم ہی ہوں بعض عملیات میں دن وغیرہ کی قید کی رعایت کرتے ہوئے دیکھا ہے سو یہ شعبہ نجوم کا ہے۔ اور واجب الترک ہے۔ اور یہ خیال کہ یہ عمل کی شرط ہے محض غلط ہے۔ میں نے ایسے اعمال میں یہ قید بالکل حذف کر دی ہے اور پھر بھی بفضلہ تعالیٰ اثر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ عمل کا اثر زیادہ تر خیال سے ہوتا ہے ان قیود کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ سب دعوے ہیں عاملوں کے۔

مسئلہ ۲۰ مشہور ہے کہ زمین پر نمک گرا دینے سے قیامت کے

دن پلکوں سے اٹھانا پڑے گا۔ یہ بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۲۱۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ جمائی آنے پر ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں تھوک دیتا ہے۔ یہ غلط ہے البتہ حدیث سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ اسوقت ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان پیٹ میں گھس کر ہنستا ہے

مسئلہ ۲۲۔ مشہور ہے کہ مریض کے لئے جب حکیم کو بلانے جانا ہو تو گھوڑے پر زین مت لگاؤ۔ سو یہ غلط ہے۔

مسئلہ ۲۳۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ سرمہ کی سلائی پر تین مرتبہ سورۂ اخلاص دم کرکے آنکھوں میں سرمہ لگانا چاہئے۔ یہ بے اصل بات ہے۔

*****

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ

خلاصہ

قَصْدُ السَّبِيْل

مُصَنَّفہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

تلخیص وتشریح

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

(صدر، دار العلوم کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

تصوف و طریقت کے متعلق عام غلط فہمیاں

دین کی جو تعلیمات تصوف و طریقت کے نام سے معروف ہوئیں، وہ درحقیقت شریعتِ اسلام کا ایک نہایت اہم حصہ ہیں جن کے بغیر ایمان و اسلام کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور درحقیقت شریعت پر مکمل عمل کرنے ہی کا دوسرا نام طریقت و تصوف ہے۔ لیکن ایک عرصہ دراز سے کچھ لوگوں کی غفلت اور کم علمی سے اور کچھ غلط کار لوگوں کی مداخلت سے اس کی حقیقت کچھ ایسی مبہم اور مختلط ہوگئی کہ کسی نے محض درویشوں کی چند رسوم و عادات کا نام تصوف رکھ لیا، کسی نے غیر امتیازی طور پر پیش آنے والے وجدی حالات و کیفیات ہی کو تصوف سمجھ لیا۔ کسی نے کشف و کرامات کا نام تصوف رکھ لیا اور بعض لوگوں نے غلطی سے اس طریق میں کچھ بدعت کے اعمال شامل کرلیے اور انہیں کو تصوف سمجھنے لگے۔ تصوف کا اصل مقصود اکثر لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوگیا۔ اور اس مقصود و غیر مقصود کے اختلاط سے طرح طرح کے نقصان پہنچے۔ مثلاً جن لوگوں نے غیر اختیاری وجدی حالات و کیفیات کو یا کشف و کرامات کو تصوف سمجھ لیا، جو درحقیقت نہ تصوف کے لیے لازم ہیں اور نہ ہر ایک کو حاصل ہوتی ہیں، نہ اُن کے حاصل نہ ہونے سے کسی دینی کمال میں کوئی نقصان یا مقصد تصوف میں کوئی کمی آتی ہے۔ ایسا سمجھنے والے سالکین طریق جب محنت و مجاہدہ کے باوجود یہ کیفیات حاصل ہوتی نہیں دیکھتے تو انہیں مایوسی ہونے لگتی ہے، کہ ہمیں اس طریق کا مقصد حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔ اور کچھ ناقص العمل بلکہ فاسق فاجر لوگوں کو کسی وظیفہ یا عمل کے پڑھنے سے یہ کیفیات حاصل ہوگئیں تو وہ انہیں کو مقصودِ تصوف سمجھ کر مغرور ہو جاتے ہیں کہ ہمیں اس طریق میں کمال

حاصل ہوگیا۔ حالانکہ احکامِ شرعیہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پابندی کے بغیر کسی کو تصوّف کا مقصد حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ تمام آئمۂ صوفیہ کی تصریحات اس بارے میں معروف و مشہور ہیں۔

اس زمانے میں حق تعالیٰ نے سیدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کو مجددانہ خدمات اور دینی اصلاحات کے لیے چن لیا تھا۔ جس پر ان کی سینکڑوں تصانیف شاہد ہیں۔

تصوف و طریقت کی حقیقت کو واضح کرنے اور اس کے مقصود و غیر مقصود میں امتیاز کرنے اور اس راہ میں صحیح اور کامیاب عمل کے طریقے بتلانے کے لیے حضرت قدس سرہٗ نے بہت سی تصانیف فرمائی ہیں۔ مثلاً التکشف فی مسائلِ تصوف۔ التشرف فی مسائل التصوف۔ مسائل السلوک۔ تعلیم الدین وغیرہ۔ پھر ان سب تحقیقات کا ایک مختصر مجموعہ اور سالکین طریق کے لیے اُن کے مختلف حالات کے اعتبار سے الگ الگ دستور العمل ایک رسالہ میں بنام "قصد السبیل" تصنیف فرمایا۔ پھر اُس کے ساتھ تصوّف و طریقت کی حقیقت کو واضح کرنے اور اس کو آسان کرنیوالے چند مضامین کا اضافہ بطورِ ضمیمہ فرمایا اور مجموعۂ مضامین کو خمسۂ تصوف اور پنج حاسۂ باطنی سے ملقب فرمایا یہ رسالہ رجب ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا۔

چونکہ اس رسالہ کی زبان علمی تھی کم علم لوگوں کو اس سے استفادہ میں دشواری پیش آتی تھی۔ اس لیے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے قدیم خلیفہ اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ مولانا شاہ لطف رسول صاحب نے حضرت کی اجازت سے اس رسالہ کی تسہیل آسان زبان میں لکھی۔ جو بنام "تسہیل قصد السبیل" بار بار شائع ہو چکی ہے جس کیساتھ کچھ اہم مضامین بطور ضمیمہ شامل کیے گئے تھے لیکن آج کل کچھ تو علمی استعداد کی کمی اور کچھ لوگوں کی سہولت پسندی نے ایسا کر دیا کہ وہ کسی رسالہ کو پڑھیں پھر اسکے مضامین کو الگ دیکھیں پھر سب کے مجموعہ سے کچھ نتیجہ نکالیں یہ سخت مشکل ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرح کے لوگوں نے بزرگوں کے ان علمی جواہر پاروں

کو دیکھنا ہی کم کر دیا۔ یہ مختصر رسالہ چونکہ حضرت کی نظر میں تصوف و طریقت کی حقیقت کو واضح کرنے اور اس کے مقصود و غیر مقصود میں امتیاز کرنے اور اس طریق کو آسان کرنے میں دریا بکوزہ کا مصداق ہے جسمیں اس طریق کے مبتدی سے لیکر منتہی تک سب کیلیے اہم ہدایات ہیں اس لیے حضرت نے اسوقت اسکی ضرورت محسوس کی کہ مبتدی لوگوں کی سہولت کیلیے اس رسالہ کے مضامین کا خلاصہ اسطرح لکھ دیا جائے کہ تمام کے مضامین کو اصل کیساتھ لکھ دیا جائے اور اصل رسالہ میں جس جگہ کوئی اجمال ہے اسکی تشریح بھی ہو جائے چنانچہ زیر نظر رسالہ میں ابتدائی پانچ ہدایتوں تک کچھ تشریحات بھی شامل کی گئی ہیں چھٹی ہدایت سے آخر تک تقریباً تسہیل قصد السبیل کا پورا مضمون اسی کی عبارت میں لکھا گیا ہے اور یہی مضمون دراصل اس رسالہ کا مقصود ہے یہ خلاصہ مبتدی لوگوں کے لیے لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ سے کچھ مناسبت پیدا ہو جانے کے بعد اصل رسالہ قصد السبیل کا پورا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ھُوَ الۡمَوۡلَی الۡجَلِیۡلُ ۝ وَعَلَیۡہِ مُنۡتَھٰی قَصۡدُ السَّبِیۡلِ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الَّذِیۡ لَیۡسَ لَہٗ فِی الۡکَمَالِ الۡعَدِیۡلِ ۝ وَھُوَ لِذٰلِکَ السَّبِیۡلُ خَیۡرُ الدَّلِیۡلِ ۝ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہِ الۡبَاذِلِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَاَمۡوَالَھُمۡ فِی اللّٰہِ مِنۡ کُلِّ کَثِیۡرٍ وَّ قَلِیۡلٍ ۝ اَلۡمُبَلِّغِیۡنَ لِلۡاٰیَاتِ وَالرِّوَایَاتِ بِعِزِّ عَزِیۡزٍ وَّذُلِّ ذَلِیۡلٍ

اما بعد۔ تصوف و طریقت جو درحقیقت شریعت ہی پر مکمل عمل کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اس میں ایک زمانہ دراز سے کچھ ایسا اختلاط و التباس پیش آرہا تھا کہ بہت سے ناواقف لوگ کچھ بزرگوں کی رسوم و عادات کو اور بہت سے اُن کی غیر اختیاری کیفیات اور وجدی حالات ہی کو تصوف سمجھ بیٹھے تھے۔ مقصود و غیر مقصود میں امتیاز نہ رہنے سے بعض لوگ تو اس طریق کو نہایت دشوار نا قابلِ عمل سمجھ کر مایوس ہونے لگے اور بعض لوگ خلافِ شرع امور کے ارتکاب اور غیر شرعی عادات و اخلاق کے باوجود کچھ حالات اور اچھے خواب دیکھ کر نفس کی اصلاح اور اعمال کے اہتمام سے بے فکر ہونے لگے۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے اس مختصر رسالہ میں طریقت و تصوف کی حقیقت اور اس کے اصل مقصود اور حصولِ مقصود کے طریقوں کے متعلق چند اہم اور ضروری مضامین بعنوانِ "ہدایات" لکھے جاتے ہیں۔

پہلی ہدایت۔ شریعت و طریقت کے بیان میں۔

سلوک و طریقت جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں، اُس کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان[لہ] اپنے ظاہر و باطن کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ کرے اور اعمالِ بد سے بچائے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ:۔

اصل مقصود تو حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اور اس کا ذریعہ شریعت

لہ یہ مضمون حضرتؒ کے اس جگہ مختصر اور آخر میں تذییل قصد السبیل کے عنوان سے بحوالہ التکشف مفصل بیان فرمایا ہے۔ احقر نے سہولت کیلئے دونوں کو اسی جگہ جمع کر دیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔ ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ اور جیسے نکاح، طلاق اور ادائے حقوقِ زوجین اور قسم و کفارۂ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات و شہادت، وصیت تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام کلام اور طعام و منام اور قعود و قیام اور مہمانی و میزبانی وغیرہ کے احکام ان سب مسائل کو علمِ فقہ کہتے ہیں۔

اور بعضے متعلق باطن کے ہیں۔ جیسے خدا تعالیٰ سے محبت رکھنا۔ اور اُس سے ڈرنا۔ خدا کو یاد رکھنا۔ دنیا سے محبت کم کرنا۔ خدا کی مشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا۔ عبادت میں دل کا حاضر رکھنا۔ اس کے کاموں کو اخلاص کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرنا۔ کسی کو حقیر نہ سمجھنا۔ خود پسندی نہ ہونا۔ غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔ ان اخلاق کو سلوک اور طریقت و تصوّف کہتے ہیں۔

اور جسطرح احکام ظاہرہ نماز روزہ وغیرہ پر عمل فرض و واجب ہے۔ اسی طرح ان پر عمل بھی از روئے قرآن و سنت فرض و واجب ہے۔ اور باطنی خرابیوں سے بچنے کا اہتمام اسلیے زیادہ ضروری ہے کہ ان باطنی خرابیوں کا اثر ظاہری اعمال پر بھی پڑتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی محبت کم ہونے سے نماز میں سُستی ہوگئی یا جلدی جلدی رکوع سجدے کا حق ادا کیے بغیر پڑھ لی یا بُخل کے سبب زکوٰۃ یا حج ادا کرنے کی ہمت نہ ہوئی یا تکبر اور غصہ کے غلبہ سے کسی پر ظلم ہوگیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت و طریقت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ شریعت کے تمام احکام ظاہرہ باطنہ پر پورا پورا عمل کرنے کا نام ہی طریقت ہے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ کی تعریف ہی ایسی کی ہے جس میں اعمالِ ظاہرہ اور اعمالِ باطنہ سب داخل ہیں۔

مگر متاخرین نے سہولتِ تحصیل کے لیے اعمال ظاہرہ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ نکاح طلاق۔ تجارت اجارہ وغیرہ کو الگ جمع کر کے اس کا نام فقہ رکھ دیا اور اعمالِ باطنہ اخلاص، صبر، شکر، زہد وغیرہ اعمال باطنہ کے احکام کو الگ جمع کر کے اس کا نام تصوّف و طریقت رکھ دیا۔ اس اصطلاح کے مطابق

ایک کو دوسرے سے الگ الگ بھی اس طرح کہہ سکتے ہیں جیسے نماز الگ اور روزہ الگ عبادت ہے انسان کا ہاتھ الگ ایک عضو ہے پاؤں الگ دوسرا عضو ہے۔ آنکھ اور چیز ہے کان اور۔ قلب و جگر سب الگ الگ اعضاء ہیں۔ لیکن مجموعۂ انسانیت کی تکمیل ان سب کے مجموعہ ہی سے ہوتی ہے ان میں سے کسی ایک کو لے کر دوسرے سے استغناء نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح متاخرین کی اصطلاح کے مطابق۔ علم عقاید، علمِ فقہ، علمِ تصوف بلاشبہ الگ الگ علوم و فنون ہیں۔ مگر انسان کامل یا مؤمن و مسلم ان سب کے مجموعہ ہی سے بنتا ہے۔ اور قرآن و سنت کی پیروی ان سب ہی پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ان میں سے صرف کسی ایک حصہ کو لیکر دوسرے[1] کو نظر انداز کرنا ایسا ہی مہلک ہے جیسے کانوں کی حفاظت کیجائے آنکھوں کو ضائع کر دیا جائے۔ یا روزہ کی حفاظت کی جائے، نماز کو ضائع کر دیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا ہے:۔

"شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ و الحاد۔"

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا:۔

"جس شخص کا ظاہر پاک نہ ہو اس کا باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا۔"

ظاہر کے پاک ہونے سے مراد اعمال ظاہرہ کی پابندی جو علمِ فقہ میں بیان کی جاتی ہے اور باطن کے پاک ہونے سے مراد اعمال باطنہ کی پابندی ہے جن کا بیان علمِ تصوف و سلوک میں ہوتا ہے۔

اور امام سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں صوفیاء کرام کو پیش آنے والے حالات و کیفیات کے متعلق فرمایا کہ حضرت سہل بن عبد اللہؒ نے فرمایا ہے کہ:۔

---

[1] یہ مضمون حضرتؒ نے پانچویں ہدایت میں مستقل تحریر فرمایا تھا۔ سہولت کیلئے اس کو اسی پہلی ہدایت میں لکھ دیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

كُلُّ وَجْدٍ لَّا يَشْهَدُ لَهُ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ فَبَاطِلٌ

"جس وجدی کیفیت کی کوئی شہادۃ کتاب وسنت میں موجود نہ ہو وہ باطل ہے"

اور پھر فرمایا کہ صوفیائے کرام کا تو اتباعِ سنت کے مقابلہ میں یہ حال ہے اسلئے جو جاہل صوفی اس کے خلاف حالات کا مدعی ہو وہ فتنہ میں پڑا ہوا کذاب ہے۔ (عوارف بر حاشیہ احیاء العلوم ص۲۸۰ ج ۱)

چوتھی صدی ہجری کے مشہور امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک پیغام اپنے زمانہ کے صوفیاء کرام کے نام بنام "رسالہ قشیریہ" لکھا ہے اس میں بھی اتباعِ سنت ہی کو تمام صوفیائے کرام کا اصل وظیفہ قرار دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل مدعیانِ تصوف جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت وطریقت الگ دو راہیں ہیں، ایک کام جو شریعت میں حرام ہے، ہو سکتا ہے کہ طریقت میں حلال ہو۔ یہ قطعاً گمراہی اور کھلی بے دینی اور تمام صوفیائے کرام کے مسلک کے خلاف ہے۔

دوسری ہدایت۔ توبہ کے بیان میں

پہلی ہدایت میں جب یہ ثابت ہو گیا کہ تصوف وطریقت کی یہی حقیقت ہے کہ شریعت کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان تمام احکام شرعیہ پر عمل ہر مسلمان کیلئے فرض وواجب اور ضروری ہے۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس میں نہ غفلت برتے اس صراطِ مستقیم پہ چلنے میں پوری ہمت سے کام لے۔ اور جو شخص اس کا ارادہ کرے، اُس کے لیے سب سے پہلا کام پچھلے کئے ہوئے گناہوں سے مکمل توبہ کرنا ہے۔ توبہ کا طریقہ آگے مفصل بیان کیا جاتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق جو قابل ادائیگی ہیں اُن کی ادائیگی، اور خصوصاً

بندوں کے حقوق[1] جو کسی کے ذمہ ہیں۔ خواہ مالی حقوق ہوں کہ کسی کا مال ناجائز طور پر لے لیا ہو یا جسمانی حقوق ہوں کہ کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا ہو ان سب حقوق کی ادائیگی یا اصحاب حقوق سے معافی شرط، توبہ ہے کہ جب تک کوئی آدمی ان حقوق سے سبکدوش نہ ہو۔ اگر عمر بھر بھی عبادت میں محنت و ریاضت کرتا رہے ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچے گا۔

توبہ کی حقیقت اور اُسکا طریقہ

صرف زبان سے توبہ توبہ کہہ لینے یا استغفار کے الفاظ پڑھ لینے سے توبہ نہیں ہوتی۔ بلکہ توبہ کے لیے تین رکن ضروری ہیں:۔ اول یہ کہ پچھلے کیے ہوئے گناہوں پر ندامت و افسوس اور دل میں ایک تڑپ اور رنج و صدمہ پیدا ہو۔ دوسرے:۔ یہ کہ بالفعل ان سب گناہوں کو چھوڑ دے۔ تیسرے یہ کہ آئندہ کے لیے دل میں پختہ ارادہ کرے کہ ان میں سے کسی گناہ کے پاس نہ جاؤنگا۔

توبہ کا پہلا رکن یعنی پچھلے کیے ہوئے گناہوں پر ندامت اور دل میں رنج وغم پیدا ہونا۔ اس کا کوئی ذریعہ بجز علم کے نہیں، کہ اول انسان کو یہ معلوم ہو کہ کیا کیا کام گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہو کہ ان گناہوں کا وبال دنیا و آخرت میں کیا ہے۔ یہ باتیں احقر کے رسالہ "گناہ بے لذت" سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں اور بزرگوں کی دوسری کتابوں سے بھی۔ مثلاً بہشتی زیور۔ جزاء الاعمال۔ تعلیم الدین۔ حیوٰۃ المسلمین۔ تبلیغ دین وغیرہ۔ ان کتابوں کو مسلسل مطالعہ میں رکھنے سے انشاء اللہ تعالیٰ دل میں اپنے گناہوں پر ندامت افسوس اور رنج وغم پیدا ہو گا۔ پھر توبہ کا دوسرا رکن سب گناہوں کو فوراً چھوڑنا ہے۔ یہ کام بغیر ہمت کے نہیں ہو سکتا۔ اور ہمت پیدا کرنے کا طریقہ بزرگوں اور نیک لوگوں کی صحبت اور اُن کے حالات پڑھنے سُننے کے سوا کچھ نہیں۔ توبہ کا تیسرا رکن آئندہ کے لیے گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ قصد

---

[1] اس ہدایت کا مضمون کچھ تو قصد السبیل سے لیا گیا اور کچھ احقر نے بطور تشریح حضرت کی دوسری کتابوں سے لکھا ہے۔ محمد شفیع

ہے وہ آدمی کے اپنے اختیار میں ہے، ہر وقت کر سکتا ہے۔ مگر ہمت ہر کام میں ضروری ہے۔ اس معاملہ میں بھی اس کو یہ پختہ ارادہ کرنا ہوگا کہ اللہ و رسول کا حکم ماننے میں چاہے جتنی اپنے آپ کو تکلیف ہو اور چاہے جتنا بڑا نقصان جان کا یا مال کا ہو جاوے اور چاہے کوئی دنیوی فائدہ جاتا رہے اور چاہے جتنی لوگ ملامت کریں سب گوارا کریں گے مگر اللہ و رسول کی فرمانبرداری نہ چھوڑیں گے۔ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ اللہ کا طالب نہیں۔

حقوق واجبہ کی ادائیگی

جب آپ گناہوں کی تفصیل مذکورہ کتابوں میں دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان گناہوں میں بعض تو ایسے ہیں جن سے صرف اللہ تعالیٰ کے حق کی خلاف ورزی ہوئی کسی انسان کو اُس سے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور بعض وہ ہیں جن سے دوسرے انسان یا انسانوں کو ایذا رو تکلیف پہنچی ہے۔ پہلی قسم حقوق اللہ کہلاتے ہیں اور دوسری قسم حقوق العباد ہیں، پھر حقوق اللہ میں ایک وہ حقوق جن کی قضا یا کفارہ ہو سکتا ہے جیسے کچھ نمازیں یا روزے فوت ہو گئے تو ان کی قضاء واجب ہے۔ یا زکوٰۃ پچھلے زمانہ میں ادا نہیں کی تو اب ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حج فرض ہونے کے باوجود نہیں کیا تو اب کرنا ہے۔ یا جیسے قسم کھا کر توڑنے کا کفارہ کہ پہلے ادا نہیں کیا تو اب کرنا ضروری ہے۔

اور دوسری قسم حقوق اللہ کی وہ ہے کہ جس کا شریعت میں کوئی کفارہ مقرر نہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنے کا گناہ یا نفسیاتی خواہشات میں کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب وغیرہ۔ اس دوسری قسم کی توبہ تو صرف یہ ہے کہ پوری زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے اور ہمیشہ استغفار کرتا رہے۔

اور حقوق اللہ کی پہلی قسم جن کی قضاء یا کفارہ شریعت میں مقرر ہے اُن تمام حقوق کی ادائیگی بذریعہ قضاء یا کفارہ لازم ہے۔ مثلاً غور کر کے

یادداشت لکھ لے کہ عمر بھر میں کتنی نمازیں فوت ہوئیں کتنے روزے نہیں رکھے، اب ان سب کو ادا کرے۔ اگر فوت شدہ نمازیں مقدار میں زیادہ ہیں تو روزانہ بقدر ہمت و فرصت کچھ ادا کرنا شروع کرے اور ہمیشہ کرتا رہے جب تک وہ پوری ہوں۔ اسی طرح اگر گذشتہ زمانے میں مال کی زکوٰۃ نہیں نکالی تو تخمینہ سے حساب کر کے متعین کرے کہ کتنی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے، اُس کو ہو سکے تو فوراً ورنہ تھوڑا تھوڑا ادا کرتا رہے۔

اسی طرح اگر صدقۂ فطر یا قربانی واجب ہونے کے باوجود ادا نہیں کیا ہے تو اب ادا کرنا اور قربانی کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قسم توڑی ہے اُس کا کفارہ واجب ہے وہ ادا کرے۔ کوئی روزہ رکھ کر بالقصد توڑا ہے اور اُس کا کفارہ واجب ہے تو وہ کفارہ بھی ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اللہ میں جتنے حقوق کی قضاء ہو سکتی ہے اُن کی قضا کرے اور جن کا کفارہ دیا جا سکتا ہے اُن کا کفارہ ادا کرے۔ جب تک ان تمام فوت شدہ عبادات کی قضاء اور کفارہ سے سبکدوش نہ ہو محض زبانی توبہ ہرگز کافی نہیں۔

حقوق العباد دوسری قسم حقوق کی بندوں کے حقوق ہیں۔ وہ بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک مالی حقوق، جیسے کسی سے قرض لیا پھر ادا نہیں کیا۔ یا کسی کا کچھ مال کسی معاہدہ معاملہ کی وجہ سے اس پر لازم تھا وہ ادا نہیں کیا۔ کسی سے ناجائز طور پر مال چھین لیا یا بطور رشوت کے لے لیا اس طرح کے تمام حقوق کی بھی فہرست بنائے اور سب کو ادا کرے۔ اگر بیک وقت ادا نہیں کر سکتا، اپنی وسعت کے مطابق ادا کرنا شروع کرے۔ یہ حقوق جن لوگوں کے ہیں اگر وہ زندہ ہیں اور اُن کے پتے معلوم ہیں تو ادا کرنا آسان ہے۔ اگر وہ مر گئے تو ان کے وارثوں کو تلاش کر کے ادا کرنا ضروری ہے اگر تلاش کے باوجود ان کے پتے معلوم نہ ہوں تو اُن کے حق کے مطابق رقم

اُن کی طرف سے صدقہ کر دی جائے۔

دوسری قسم حقوق العباد کی جسمانی حقوق ہیں جیسے کسی کو ہاتھ یا زبان سے بلاوجہ شرعی کوئی ایذاء و تکلیف پہنچائی ہو کسی کو گالی دی ہو، کسی کی غیبت کی ہو اس سے معاف کرانا ضروری ہے۔ کسی کو مارا پیٹا ہو تو اُس کا بدلہ دینے کے لیے تیار ہو کر اُس سے کہنا ہے کہ تم کو اختیار ہے، مجھے مار کر بدلہ لے لو یا معاف کر دو۔

جب تک اس تفصیل مذکور کے ساتھ تمام مالی اور جسمانی حقوق العباد سے سبکدوشی حاصل نہ کرے، توبہ مکمل نہیں ہوسکتی اور بغیر تکمیل توبہ کے نفلی عبادات اور ذکر شغل میں کتنی بھی محنت عمر بھر کرتا رہے کبھی خدا تک نہ پہنچے گا نہ سیدھا راستہ حاصل ہوگا۔ غرض تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد جو قابلِ ادائیگی ہیں اُن کو ادا کرنا یا معاف کرانا توبہ کے لیے ضروری ہے۔ خصوصاً حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سنگین ہے کہ وہ جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے کسی طرح معاف نہیں ہوسکتے۔ اس لیے اللہ کی راہ میں قدم رکھنے والے کے لیے سب سے پہلا کام تکمیل توبہ ہے۔

تیسری ہدایت۔ علم دین حاصل کرنیکے بیانمیں

جب دوسری ہدایت کے مطابق پچھلے گناہوں سے توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے یہ پختہ عہد کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پوری پوری پابندی کریں گے۔ اس میں کتنی محنت مشقت یا دنیاوی نقصان یا لوگوں کی ملامت ہو اس کو برداشت کریں گے تو ظاہر ہے کہ یہ کام دین کا ضروری علم[۱] حاصل کیے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے بقدرِ ضرورت شرعی

---

[۱] علم دین حاصل کرنے کا یہ مضمون حضرتؒ نے پہلی ہدایت کے ضمن میں تحریر فرمایا تھا۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس رسالہ میں اس کو ایک مستقل ہدایت کے عنوان سے لکھدیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع۔

احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا ضروری ہوگا. خواہ کتابیں پڑھ کر ہو یا علماء سے زبانی مسائل معلوم کر کے اور اگر پڑھیں تو خواہ عربی میں پڑھیں یا فارسی اردو وغیرہ مقامی زبانوں میں سے کسی زبان میں ضروری مسائل دین پڑھ لیں. اس کیلئے آسان اردو زبان میں حضرت سیدی حکیم الامت کی تصنیف بہشتی زیور اور بہشتی گوہر اس کو کسی جاننے والے سے سبقاً پڑھ لیں یا خود ہی مطالعہ کریں۔ اور حضرت کا رسالہ صفائی معاملات اور آداب معاشرت اور تیسرا باب مفتاح الجنۃ کا پڑھ لیں تو دین کی روزمرہ کی ضرورتوں کے لیے کافی ہیں۔ پھر جو مسئلے سیکھے ان پر عمل کرنے کا پکا ارادہ کرے تاکہ نفسی خواہشات اور لوگوں کی ملامت عمل سے مانع نہ ہوں۔

چوتھی ہدایت. مرشد کی ضرورت اور اُسکی پہچان

ظاہری اعمال اور اُن کے مسائل سیکھنے کے لیے بھی عادتاً استاد کی ضرورت ہوتی ہے. بغیر استاد کے یہ کام بھی درست نہیں ہوتا. لیکن اعمالِ باطنہ جن میں فرائض و واجبات ہیں کچھ حرام و مکروہ ہیں جو تصوف و طریقت میں بیان کیے جاتے ہیں، اُن کا علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے استاد کی ضرورت اُس سے زیادہ ہے۔ ان مسائل کے استاد کو اصطلاح میں شیخ یا مرشد یا پیر کہا جاتا ہے۔

باطنی رذائل کو سمجھنا اور اُن کا علاج کرنا عادتاً شیخ و مرشد کے بغیر نہیں ہو سکتا. اس لیے جو شخص اس طریق میں قدم رکھے، اس کے لیے ضروری ہے کہ شیخ و مرشد کی تلاش کرے جب وہ مل جاوے تو اُس کی طرف رجوع کرے اور اُس کی تعلیم کا پورا پورا اتباع کرے۔ توبہ جس کا بیان دوسری ہدایات میں آیا ہے جب کوئی اُس پر عمل کرنا شروع کریگا تو معلوم ہوگا کہ

اُس کی تکمیل میں بھی جگہ جگہ پیر مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر شیخ کامل کی رہبری کے توبہ بھی مکمل ہونا مشکل ہے۔

پیر کامل کی پہچان

پیر کامل وہ ہے جسمیں یہ باتیں موجود ہوں (۱) ضرورت کے موافق دین کا علم اس کو ہو (۲) عقیدے اور عمل اور عادتیں اسکی شرع کے موافق ہوں (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کامل ہونے کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کی ایک شاخ ہے (۴) کسی کامل پیر کے پاس کچھ دنوں تک رہا ہو (۵) اس کے زمانے میں جو عالم اور درویش منصف مزاج ہوں وہ اسکو اچھا جانتے ہوں (۶) عام لوگوں کی نسبت خاص لوگ یعنی جو لوگ سمجھدار اور دیندار ہیں وہ اسکے زیادہ معتقد ہوں (۷) اسکے مریدوں میں اکثر مرید شرع کے پابند ہوں اور ان کو دنیا کی طمع نہ ہو (۸) وہ پیر اپنے مریدوں کی تعلیم جی سے کرتا ہو اور چاہتا ہو کہ یہ درست ہو جاویں اور اگر مریدوں کی کوئی بُری بات دیکھتا ہو یا سنتا ہو تو اُن کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے (۹) اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو (۱۰) خود بھی وہ ذکر وشغل کرتا ہو۔ کیونکہ بغیر عمل کے پختہ ارادہ کیے ہوئے تعلیم میں فائدہ نہیں ہوتا۔ جس شخص میں یہ نشانیاں موجود ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی ہوتی ہے یا نہیں یا پوشیدہ یا آئندہ ہونیوالی باتیں اسکو معلوم ہوتی ہیں یا نہیں۔ یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے یا نہیں یا یہ اپنی باطنی قوت سے کچھ کام کر دیتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ باتیں پیر یا ولی کے لیے ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ تڑپتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ یہ بزرگی کے لیے ضروری نہیں۔ اصل میں اس قسم کا اثر نفس کے متعلق ہے جو مشق کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔ جو شخص پرہیزگار بھی نہیں، بلکہ جو مسلمان بھی نہیں وہ بھی کر سکتا ہے اور اس توجہ دینے سے کچھ زیادہ نفع بھی نہیں ہوتا کیونکہ توجہ کا اثر باقی نہیں رہا کرتا۔ بس توجہ کا اتنا فائدہ ہے کہ جو مُرید ایسا ہو کہ اس میں ذکر کا اثر

بالکل نہ ہوتا ہو اس کو پیر چند روز تک توجہ دے تو اس میں توجہ دینے سے ذکر کا اثر ہونے لگتا ہے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جاوے۔

پانچویں ہدایت۔ پیری مریدی کا مقصد

جب پیر کامل مل جاوے اور اس سے مرید ہونیکا ارادہ کرے تو پہلے یہ سمجھ لے کہ مرید ہونے سے غرض کیا ہے۔ کیونکہ مرید ہونے سے لوگوں کی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں۔ کوئی تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کرامت والے ہو جاویں اور ہم کو کشف سے وہ باتیں معلوم ہونے لگیں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتیں۔ سو تیسری ہدایت میں ابھی تمکو معلوم ہو چکا ہے کہ خود پیری میں یہ ہونا ضروری نہیں کہ اس سے کرامتیں ہوں اس کو کشف سے ایسی باتیں معلوم ہو جایا کریں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتی ہیں تو بیچارہ مرید اُس کی کیا ہوس کرے گا۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مُرید ہونے سے پیر صاحب بخشش کے ذمہ دار ہو جاویں گے۔ قیامت میں وہ دوزخ میں نہ جانے دینگے خواہ کیسے ہی بُرے کام کرتے رہو، یہ بھی محض غلط ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا "یَافَاطِمَۃُ اِنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ" اے فاطمہ اپنے کو دوزخ سے بچاؤ" یعنی عمل کرو۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پیر صاحب ایک نگاہ میں کامل کر دیں گے، ہمکو نہ محنت کرنا پڑے گی نہ گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا پڑیگا۔ اگر اسی طرح کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا۔ گو کہیں بطور کرامت کے ایسا ہو بھی گیا ہے کہ کسی بزرگ نے ایک نگاہ میں کامل کر دیا۔ لیکن کرامت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہوا کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ولی سے کرامت ہوا کرے۔ اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ خوب جوش و خروش و شورش و مستی پیدا ہو خوب نعرے لگایا کریں۔ گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں

گناہ کی خواہش مٹ جاوے نیک کاموں کا ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، آپ سے آپ ہو جایا کریں، دل کے وسوسے اور خطرے سب مٹ جاویں۔ بس ایک بیخبری کی کیفیت رہا کرے۔ یہ خیال پہلے سب خیالوں سے اچھا سمجھا جاتا ہے لیکن سبب اس کا ناواقفیت ہے۔ یہ سب باتیں کیفیات اور حالات کہلاتی ہیں اور حالات کا پیدا ہونا آدمی کے اختیار سے باہر ہے اور حالات اگرچہ بہت عمدہ چیز ہیں مگر مقصود نہیں۔ مقصود وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا حاصل کرنا اختیار میں ہو۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی خواہشوں میں نفس کا چھپا ہوا مکر ہے۔ وہ یہ کہ نفس آرام اور مزہ اور ناموری چاہتا ہے۔ ان کیفیتوں میں یہ سب باتیں حاصل ہیں۔ جو شخص اللہ کی رضامندی کا طالب ہوگا جس کے متعلق آگے بیان آتا ہے کہ درویشی سے مقصود یہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ ایسے شخص کو ان خواہشوں سے کیا تعلق وہ تو اپنی حالت ایسی رکھے گا جیسے گویا یوں کہہ رہا ہے ۔

فراق و وصل چہ باشد رضا، دوست طلب ، کہ حیف باشد از و غیر او تمنائی

یعنی جس کو تم فراق سمجھتے ہو اور جس کو وصال سمجھتے ہو یہ دونوں برابر ہیں۔ اصل چیز اسکی رضامندی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اللہ کے سوا دوسری چیز چاہنا افسوس کے قابل بات ہے ۔

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

یعنی کیفیتیں اور حالات اگر جاتے رہے تو کوئی افسوس کی بات نہیں۔ اللہ کا تعلق رہنا چاہیے جس کی برابر کوئی چیز پاک نہیں ۔

بس زبون وسوسہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا

" یعنی اے دل ابھی تو خیال فاسد ہی میں مغلوب ہے اگر تو راحت اور مصیبت میں فرق سمجھے۔ پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کیفیتیں یا حاصل ہونگی یا نہیں۔ اگر حاصل ہو گئیں تب تو بوجہ اس کے کہ یہ شخص اسی کو درویشی سمجھتا تھا، اپنے کو کامل سمجھنے لگتا ہے اور ان ہی کیفیات پر بس کر کے

پرہیزگاری اور عبادت سے بیفکر ہو جاتا ہے اور عبادات کی ضرورت اپنے لیے نہیں سمجھتا ہے یا کم سے کم عبادات کو بے قدر ضرور سمجھنے لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہو ئیں تو غم میں مرنے گھلنے لگتا ہے۔ اور کچھ اسی کی خصوصیت نہیں بلکہ جو شخص بھی ایسی باتوں کی خواہش کریگا جو اختیار سے باہر ہیں، غم اور پریشانی میں مبتلا رہے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ پیر صاحب کے پاس عمل بڑے بڑے اچھے ہیں جب ضرورت ہوگی ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے۔ یا پیر صاحب کی دُعا بہت قبول ہوتی ہے، مقدموں میں اور دنیا کی ضرورتوں میں اُن سے دعا کرا لیا کریں گے اور سب کام ہماری مرضی کے موافق ہو جایا کریں گے۔ گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضہ میں ہے، یا ہم اُن سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم برکت والے ہو جاویں گے کہ ہمارے دم کر دینے اور ہاتھ پھیر دینے سے بیمار اچھے ہو جاویں گے۔ بلکہ ایسے لوگ بزرگی ان ہی عملوں کو اور ان کے اثر کو سمجھتے ہیں۔ چونکہ ان عملوں کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ نیت بالکل دنیا ہی کا چاہنا ہے۔ اس لیے غلطی در غلطی ہے۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ روشنی دکھائی پڑے گی یا کوئی آواز سنائی دیگی، یہ بھی بالکل غلط خیال اور ناسمجھی ہے کیونکہ اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے روشنی معلوم ہو یا آواز سنائی دے اور نہ ذکر و شغل کرنے سے روشنی وغیرہ کا دکھلائی پڑنا مقصود ہے۔ دوسرے ذکر و شغل کرنے میں جو روشنی نظر آوے یا جو رنگ دکھلائی دے یا جو آواز سنائی دے بعض دفعہ یہ ذکر و شغل کرنے والے کے دماغ کا فعل ہوتا ہے غیب کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ تیسرے اگر مان بھی لیا جاوے کہ غیب کی کوئی چیز دکھلائی پڑی، یا غیب کی آواز سنائی پڑی تو اس سے کیا فائدہ ہوا۔ غیب کی آواز معلوم ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل نہیں ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی تو اسکی عبادت اور فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض دفعہ شیطانوں کے فرشتے دکھائی دیتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کافروں کو غیب کی بہت سی باتیں معلوم ہو جاویں گی۔ تو جو بات کافر کو بھی حاصل

ہو جاوے اگر وہ بات معلوم ہوگئی تو کیا کمال ہوگا۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ جتنی باتیں مذکور ہوئیں مقصود درویشی سے ان میں سے کسی کا حاصل ہونا بھی نہیں اس لیے ان سب خیالوں کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود درویشی سے اللہ کی رضامندی سمجھے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب حکموں کو بجالاوے اور ذکر پابندی سے کرے۔ پیر یہی بتلاتا ہے اور مرید اسی پر عمل کرتا ہے، اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے خیال میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں ذکر اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بجالانے کا فائدہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، ظاہر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ دوزخ سے نجے گا۔

بیعت اور پیری مریدی کی حقیقت

اور حقیقت پیری مریدی کی یہی ہے کہ پیر وعدہ کرتا ہے ذکر اور اللہ کے حکموں کے بتلانیکا اور مرید اقرار کرتا ہے کہ پیر جو بتلادے گا اس پر عمل ضرور کرے گا۔ اور اگرچہ پیر کیطرف سے یہ تعلیم اور مرید کیطرف سے پیر کے بتلائے ہوئے پر عمل بدوں اس خاص طریقہ کے بھی ہو سکتا ہے کہ جس طریقہ سے مرید ہونیکا دستور ہے لیکن اس خاص طریقہ سے مرید ہونے میں یہ خاصیت ہے کہ پیر کی توجہ مرید پر زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پیر کا کہنا ماننے کا زیادہ خیال ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی پیر کرے اور اپنے پیر کو اس زمانہ کے سب بزرگوں سے اچھا سمجھے، اسکی مصلحت فقط یہ ہی ہے کہ اس صورت میں دونوں طرف سے تعلق بڑھ جاتا ہے۔ رہا ہاتھ میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو پکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو، یہ بزرگوں کی ایک نیک رسم ہے اس اقرار کی مضبوطی کے واسطے جو کہ پیر اور مرید میں ہوتا ہے۔ باقی یہ اقرار دونوں طرف سے بدون اس کے بھی ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے جو شخص دور سے مرید ہونا چاہے اس کو بدوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے مرید کر لیتے ہیں۔ اور حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا

ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کا طریقہ اچھا ہے. چنانچہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت فرماتے تھے تو مریدوں کا ہاتھ اپنے دست مبارک سے پکڑ کر بیعت فرماتے تھے. اور کپڑے وغیرہ کو پکڑا دینا یہ بجائے ہاتھ پکڑنے کے ہے.

چھٹی ہدایت. مرید کے لیے دستور العمل

جب کہ مرید موافق چوتھی ہدایت کے اپنی نیت درست کرے تو اُس کو چاہیے کہ اگر مرید ہونے کے بعد فرصت ملے تو چند دن اپنے پیر کے پاس رہے اور اگر اس کی نوبت نہ آوے تو دور ہی سے اس کی تعلیم پر عمل کرے. بلکہ اگر مرید ہونے کیلئے بھی پیر کی خدمت میں نہ پہنچ سکے تو جہاں ہو وہیں سے بذریعہ خط کے یا کسی معتبر آدمی کے واسطے سے مرید ہو سکتا ہے، حاضر ہونیکی ضرورت نہیں۔ اور طریقہ تعلیم ہر پیر کا جدا ہے. ان سب طریقوں کو اس کتاب میں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک چھوٹا سا دستور العمل لکھے دیتا ہوں جو بوجہ اس کے کہ انتہا درجہ کا اس میں نفع ہے اس قابل ہے کہ اس کو عطر تصوف کہا جاوے اور یہ طریقہ بہت خاک چھان کر ہاتھ لگا ہے اور اصلی سبب اس کتاب کے لکھنے کا اسی طریقہ کو بیان کرنا ہے.

یہ دستور العمل سب راہ درویشی کے چلنے والوں کیلئے بھی ہے جبتک وہ اپنے پیر تک نہ پہنچیں اور جو میرے دوست ہیں اُن کے لیے ہمیشہ کے عمل کرنے کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید رکھتا ہو کہ اس دستور العمل کے موافق عمل کرنیوالا محروم نہ رہے گا. پھر اگر کوئی شخص اس دستور العمل پر عمل کرے اور اس کا پیر اسی دستور العمل کو پسند کرے اور اجازت دیدے تب تو قصہ آسان ہوا اور اگر اس کے وظیفوں میں اور جو ذکر و شغل اس میں لکھے ہیں اُن میں کچھ کمی بیشی کرے یا اس کے علاوہ اور کچھ بتلا دے تو جیسا وہ کہے ویسا کرے. البتہ اس دستور العمل میں جو ضروری باتیں شروع میں لکھی ہیں ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی

ہے وہ ویسی ہی رہیں گی۔ اب سمجھنا چاہیے کہ خلاصہ اس دستور العمل کا یہ ہے کہ اس راہ کا چلنے والا یا عامی ہے یعنی عالم نہیں۔ یا عالم ہے اور ہر ایک میں سے یا کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق کے ادا کرنے سے بے فکر ہوگا یا بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے اور کمانے کی فکر میں لگا ہوگا۔ یہ کل چار قسمیں درویشی کی راہ چلنے والوں کی ہیں ایک وہ عامی جو کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے سے بےفکر ہے۔ دوسرا وہ عامی جو کہ کمانے اور بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ تیسرا وہ عالم جو دنیا کے کاموں سے خالی ہے۔ چوتھا وہ عالم جو روزگار کے کام میں لگا ہوا ہے ہر ایک کے لیے ایک ایک دستور العمل ہے۔

دستور العمل اس شخص کا جو عالم نہیں اور دنیا کے کام سے بےفکر نہیں ہے۔

یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے عقیدے ٹھیک کرے اور ضروری ضروری مسئلے سیکھے اور بہت اہتمام سے ان مسئلوں کی پابندی کرے اور جو کسی نئے مسئلے کی ضرورت پڑے کسی عالم سے پوچھ لے اور اگر پیر اس کا عالم ہے تو وہ سب سے بہتر ہے۔ جو کچھ ضرورت ہو اس سے پوچھ لے۔ اور اگر ہو سکے تو تہجد اخیر رات میں پڑھے۔ ورنہ عشا کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں تہجد کی جگہ پڑھ لیا کرے اور بعد پانچوں نمازوں کے، اور پانچوں نمازوں کے بعد چھٹی نہ ہو۔ تو جن نمازوں کے بعد چھٹی ہو، سبحان اللہ سو بار اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ سو بار اور اللہ اکبر سو بار اور سوتے وقت اَستَغفِرُ اللہَ رَبِّی مِن کُلِّ ذَنبٍ وَّاَتُوبُ اِلَیہِ سو بار پڑھا کرے اور ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے اس میں وضو اور کسی گنتی کی ضرورت نہیں ہے۔ وضو اور بے وضو ہر حال میں درود شریف پڑھا کرے۔ لیکن تسبیح ہر وقت میں لیے نہ پھرے[1] اور اگر قرآن شریف پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر

[1] یعنی بلاضرورت لیکن اگر تسبیح ہاتھ ذکر کرنا یاد نہ رہے تو تسبیح لینے کا مضائقہ نہیں۔ ۱۲ منہ

قرآن شریف کی تلاوت بھی کرلیا کرے اور اس کتاب کے اخیر میں جو مردوں اور عورتوں کو نصیحتیں لکھی ہوئی ہیں اُن کو کبھی کبھی دیکھ لیا کرے اور ان پر عمل کرے اور کبھی کبھی اپنے پیر کے پاس یا اور کوئی ایسے بزرگ اگر موجود ہوں جو پرہیز گار ہوں اور عقیدے ان کے اچھے ہوں ان کے پاس جا بیٹھا کرے۔ لیکن پیر کے پاس جانے میں اس کی پابندی نہ کرے کہ کچھ نہ کچھ لیکر ہی جانا چاہیے یہ تکلف سچی محبت کے خلاف ہے۔ اور باقی جو وقت بچے، بال بچوں کیلئے حلال روزی تلاش کرنے میں لگا رہے کہ بال بچوں کے لیے کمانا بھی عبادت ہے اور اگر یہ عامی عورت ہے تو جو وقت بچے اس میں گھر کا کاروبار خاصکر اپنے شوہر کی خدمت کرنا اس کیلئے عبادت ہے۔ اس کام میں لگی رہے۔ مگر عورت بدون اپنے شوہر کی اجازت کے پیر کے یہاں نہ جاوے اور جن دنوں میں حیض آوے ان دنوں میں بھی وظیفوں کے وقت میں وضو کر کے وظیفے پڑھ لیا کرے۔ سوائے قرآن مجید کے، کہ اس کا پڑھنا اس حالت میں درست نہیں۔

دستور العمل اس شخص کا جو عالِم نہ ہو اور دنیا کے کام سے بیفکر ہو

اس شخص کا دستور العمل وہی ہے جو پہلے شخص کے لیے بیان کیا گیا مگر اتنی باتیں اور زیادہ ہیں وہ یہ کہ اگر ہو سکے تو پیر کے پاس جا پڑے۔ لیکن اپنے کھانے پینے کی فکر ایسے طریقہ سے کرے کہ کسی دوسرے پر اسکا بوجھ نہ پڑے اور اگر کوئی سامان ظاہری کھانے پینے کا نہ ہو تو اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ دوسرے کے بھروسہ پر نہ رہے یا تو کچھ مزدوری کرے اور اگر ہمت نہ ہو تو اللہ پر بھروسہ کرے۔ مل جاوے تو کھالے نہ ملے، صبر کرے۔ اور اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے تو اپنے وطن میں رہے۔ خواہ گھر میں یا کسی مسجد میں۔ مگر جہاں تک ہو سکے آدمیوں سے الگ رہے۔ کسی کے پاس زیادہ آوے جاوے نہیں جبتک کوئی دنیا یا دین کا کام نہ ہو میل جول نہ کرے۔ اور جب کسی ضرورت سے ملنا ہو تو زبان کا بہت خیال رکھے۔ کوئی بات ایسی جو شرع میں منع ہو جیسے کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہنا یا اور کوئی

بات ایسی ہی منہ سے نہ نکلنے پائے۔ لیکن نماز جماعت کیساتھ پڑھے اور تنہائی میں جو وقت ضروری کام اور راحت وآرام سے بچے اس میں قرآن شریف کی تلاوت کرے اور مناجات مقبول پڑھے یا نفلیں یا درود شریف یا استغفار رہے اور اگر کچھ پڑھا ہو تو تھوڑے وقت میں دین کی کتابیں بھی جو اردو زبان میں ہیں کسی عالم کو دکھلا کر دیکھا کرے۔ لیکن جہاں سمجھ میں نہ آوے اپنی عقل سے اس کا مطلب نہ بنالے۔ کسی عالم سے پوچھ لے اور اگر اس بستی میں کہیں طالب علم یا اللہ اللہ کرنیوالے موجود ہوں تو ان کی خدمت کرنے میں اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ خرچ کرے۔ اس سے دل میں نور بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی بڑائی بھی دل میں نہیں آتی اور کبھی کبھی نفل روزہ بھی رکھ لیا کرے۔ باقی دونوں قسم کے آدمیوں کو جو عالم نہ ہوں کوئی شغل نہ تبلانا چاہیے کیونکہ اسمیں بہت باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ ان سے خرابی کا ڈر ہے اور ان کی سہار عالم کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہیں کرسکتا ہے۔ البتہ اگر اس میں شوق دیکھے اور قابل اس کے سمجھے تو ذکر اللہ اللہ کا تین ہزار سے چھ ہزار مرتبہ تک تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے کو تبلادے مگر آواز اور ضرب کیساتھ نہ ہو چپکے چپکے پڑھے، اس سے زیادہ مناسب نہیں۔ باقی دوسرے وظیفے اور نفلیں جسقدر جی چاہے، پڑھے۔ البتہ اگر وہ شخص جو عالم نہیں ہے عالموں کی صحبت میں رہنے سے مثل عالموں کے سمجھدار ہوگیا ہو وہ عالم کی مثل ہے۔ اسکو شغل تبلانے میں حرج نہیں۔

دستور العمل اس عالم کا جو دینی یا دنیوی کام میں لگا ہو!

یہ ہے کہ جو وقت فرصت کا ہو اور دل فکر سے خالی ہو۔ اور پیٹ نہ بھرا ہو بھوک لگی ہو۔ ایسے وقت کو مقرر کر کے اسمیں بارہ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار مرتبہ جتنا ہو سکے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ وضو کیساتھ ہلکی آواز ہلکی ہلکی ضرب کیساتھ دل کو ذکر کی طرف لگا کر پڑھا کریں اور تہجد کی پابندی کریں اور کسی وقت قرآن شریف

کی تلاوت اور مناجات مقبول عربی یعنی قربات عند اللہ وصلوٰۃ الرسول کی ایک منزل روزانہ ہمیشہ پڑھا کریں۔ اور اگر مدرس ہیں تو بہتر ورنہ تھوڑا وقت علم دین پڑھنے والوں کے پڑھانے میں ضرور صرف کیا کریں اور کبھی کبھی جب ضرورت دیکھیں یا سننے والے شوق ظاہر کریں ضروری مسئلوں کا وعظ بیان کر دیا کریں۔ مگر وعظ میں جو باتیں ضروری نہ ہوں اُن کو بیان نہ کریں اور جو ضروری بات ہو اور عام لوگ اُس سے بھڑکتے ہوں۔ اس کو نہ تو گول گول کہیں اور نہ سختی سے کہیں بلکہ صاف کہیں لیکن نرمی کے ساتھ۔ اور وعظ کا عوض نہ لیں۔ نہ عام لوگوں کے زیادہ پیچھے پڑیں نہ ان کو سخت کہیں کہ اس سے خواہ مخواہ عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور احیاء العلوم اور جو ایسی کتاب ہو دیکھا کریں۔ لیکن اپنے پیر سے دور رہ کر شغل نہ کریں۔ البتہ اگر تھوڑے دن پیر کے پاس رہ کر یہ کام کیا ہو اور وہ اب بھی اسکو کرنے کو کہے تو حرج کچھ نہیں۔

دستور العمل خاص اس عالم کا جو کام میں لگا ہوا نہ ہو۔

اگرچہ یہ فرصت چند ہی دنوں کی ہو جس کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے یہ ہے کہ تھوڑے دن اپنے پیر کے پاس رہ کر ذکر کریں اور ان کے لیے فقط اتنا ذکر کافی ہے کہ بعد تہجد کے بارہ تسبیح یعنی لا اِلٰہ اِلّا اللہ دو سو بار اور اِلّا اللہ چار سو بار اور اللہ اللہ اسطرح کہ پہلے لفظ اللہ میں پیش ہو اور دوسرے لفظ اللہ میں جزم چھ سو بار اور فقط اللہ سو بار۔ یہ تیرہ تسبیحیں ہوئیں۔ مگر نام ان کا بارہ تسبیح ہے ان کو تھوڑی آواز اور ہلکی ضرب سے کریں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ زور سے ذکر کرنا اور ضرب لگانا خود کوئی ثواب کی بات نہیں ہے۔ ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے۔ اور حدیث میں جو آیا ہے اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا " یعنی نرمی کرو تم اپنی جانوں پر کیونکہ نہ تم بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ اُس شخص کو جو دور ہے"۔ یہ ممانعت میرے نزدیک

اسی صورت میں ہے جب ذکر زور سے اُسی اعتقاد سے کرے۔ اور بعض عالموں نے اس حدیث کا مطلب یہ کہا ہے کہ اتنا چلّا کر ذکر نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ مثلاً سونیوالے پریشان ہوں۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے جو زور سے ذکر کرنے کو منع فرمایا ہے اس کی بھی یہی وجہیں ہیں جو بیان ہوئیں۔ ورنہ زور سے ذکر کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز ختم ہونیکی یہ علامت تھی کہ لوگ زور زور سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے تھے۔ اور حدیث کی کتابوں میں وتر کے بعد سُبْحَانَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْس کہتے وقت آواز بلند کرنیکی حدیث موجود ہے۔ اور فائدہ زور سے ذکر کرنے میں یہ ہے کہ اس سے وسوسے اور خیالات کم آتے ہیں۔ کیونکہ اپنی آواز جو کان میں آتی رہے دل آسانی سے اُدھر متوجہ رہسکتا ہے۔ سو یہ فائدہ تھوڑی آواز سے ذکر کرنے میں بھی حاصل ہے۔ اسی طرح ضرب لگانے میں بھی ثواب نہیں ہے۔ اس میں بھی طِب کے قاعدے سے ایک فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک سخت جھٹکا سے دل میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور گرمی سے دل نرم ہوجاتا ہے اور دل کی نرمی سے ذکر کا اثر ہوتا ہے اور ذکر کے اثر سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا خیال اور اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں دین میں مقصود ہیں۔ پس ضرب خود دین میں مقصود نہیں بلکہ جو باتیں مقصود ہیں جیسے محبّت وہ ان کے حاصل ہونیکا ذریعہ ہے اور اُن کا ذریعہ بن جانے سے ذریعہ کے درجہ میں ضرب بھی مقصود ہوگئی۔ لیکن بہت زور سے ضرب لگانے میں خفقان ہوجانیکا ڈر ہے اسلیے اوسط درجہ کی ضرب لگادے اور اس سے زیادہ نہ بڑھائے۔ اور ایک بات قابل سمجھنے کے ہے وہ یہ کہ تصوف کی کتابوں میں ذکر کرنے وقت گردن دائیں اور بائیں طرف لیجانے کو لکھا ہے۔ سو جان لینا چاہیے کہ پہلے زمانہ میں لوگ طاقتور تھے اور دماغ ان کے مضبوط تھے اسکی سہار کرلیتے تھے۔ بلکہ بوجہ طاقتور ہونے کے بدون اس کے انمیں ذکر کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

اسلیے ان کو اس کی ضرورت تھی کہ گردن کو دائیں طرف لیجا کر ضرب دیں تاکہ زور سے ضرب لگے۔ اور اب لوگ کمزور ہیں ہلکی ضرب سے بھی دل میں اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلیے اب ایسا نہ کیا جاوے ورنہ دماغ کے خراب ہو جانیکا ڈر ہے۔ بس اتنا ہی کافی ہے لاالٰہ کیساتھ سارے بدن کو آہستہ آہستہ دائیں طرف ذرا جھکا دیں اور الا اللہ کیساتھ بائیں طرف لے آویں۔ اور اتنی حرکت بھی اسلیے ہے کہ بدن کو ایک حالت پر رکھ کر جی تنگ ہونے لگتا ہے بدن کو اس طرح ہلانیسے ذرا آسانی ہوتی ہے۔ ورنہ ضرورت اس کی بھی نہیں ہے۔ اور پھر ضرب لگانے کے وقت گردن کو جھٹکا دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ ضرب لگانے کیوقت جہاں الا کا ہمزہ یعنی الف نکلتا ہے اُسپر ذرا آواز کا زور ڈالدیا جاوے، چونکہ سینہ اس آواز کے نکلنے کی جگہ سے یعنی حلق سے قریب ہے اس پر زور ڈالنے سے سینہ تک اثر پہنچ جاویگا۔ اسی طرح باقی ذکروں میں بھی ضرب تو اسی طرح لگاوے اور بدن کو حرکت دینا اس سے بھی کم کافی ہے۔ یہ سارا بیان بارہ تسبیح کا ہوا۔ پھر ذکر بارہ تسبیح کے کرنیکے بعد اگر نیند کا زور ہو تو ذرا سو رہے اور اگر نیند نہ آوے تو اس کو اختیار ہے چاہے ان بارہ تسبیح کے ذکروں میں سے کسی ذکر کو اور زیادہ کرے یا کچھ نہ کرے خالی رہے۔ پھر بعد نماز صبح کے قرآن شریف کی تلاوت کرے اور منزل مناجات مقبول پڑھے۔ اس کے بعد بارہ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار بار تک جسقدر ہو سکے اَللّٰہ اللہ کا ذکر تھوڑی آواز وسط درجہ کی ضرب سے تنہائی میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر کو ذرا سو رہے۔ بعد ظہر کے اسی طرح اللہ اللہ کا ذکر کرے بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جتنا آسانی سے عصر کی نماز تک ہو سکے اور عصر کی نماز کے بعد اگر پیر کو کچھ کام نہ ہو تو پیر کے پاس بیٹھا رہے اور اگر پیر کسی کام میں لگا ہو یا وہاں موجود نہو یا اس کے دل میں زیادہ شوق پیر کے پاس بیٹھنے کا نہ ہو تو جنگل باغ نہر ندی وغیرہ کی سیر کو چلا جاوے اور اگر پیر موجود

لے یہ دو مرتبہ ہوا اور آخریں دونوں جگہ پر جزم ہے اور زیادہ تر جو اللہ اللہ جو دو مرتبہ لکھا جاتا ہے اور ایک بار گنا جاتا ہے۔ ۱۲

ہو تو اُس سے پوچھ کر جاوے اور اس وقت جب سیر کے لیے جاوے تو عام مسلمانوں کی قبروں اور اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت بھی کر لیا کرے۔ پھر بعد مغرب کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک جی لگے موت کا اور موت کے بعد جو کچھ حساب کتاب ہونیوالا ہے اسکا مراقبہ کرے۔

مراقبۂ موت

اور مراقبہ موت کا یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر یہ سوچے کہ مرنیکے بعد باتیں ہونگی۔ بلکہ ان باتوں کو یہ خیال کرے کہ گویا اسی وقت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنیسے اللہ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا سے نفرت پیدا ہوگی یہی محبت اور نفرت اسکا کام بنا دینے کیلئے انشاء اللہ کافی ہونگی اور باقی جو وقت بچے اسمیں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے یا اور جس ذکر میں جی لگتا ہو وہ ذکر کیا جاوے پاس انفاس جو مشہور ہے اسکا مطلب یہی ہے کہ کوئی دم اللہ کی یاد سے خالی نہ جاوے۔ جونسا ذکر ہو اور جو طریقہ اس کا مشہور ہے، خاص اسی طریقہ سے کرنا ضروری نہیں بلکہ وہ بھی ایک طریقہ ہے اس کے طریقوں میں سے پھر اگر اس ذکر کرنیکے وقت دیکھے کہ یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور دن بدن بڑھتی جاوے اور خیالات کم آویں اور جی ذکر میں لگا کرے۔ جب تو میرے نزدیک شغل[1] کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیشہ پرہیزگاری کا خیال رکھنا اور مراقبہ جس کا بیان ہوا ہمیشہ کرتے رہنا کافی ہے عمر بھر اسی کو کرتا رہے آخرت میں تو اس کا پھل یقیناً ملیگا۔ اور اصل وعدہ پھل ملنے کا آخرت ہی میں ہے۔ لیکن دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو اس کے دل میں عجیب عجیب طرح کے علم اور معرفت کی باتیں پیدا ہونگی اور نئی نئی کیفیتیں پیدا ہوں گی۔ کبھی ذوق و شوق سے، کبھی محبت و انس کی کیفیت سے کبھی ہیبت سے اور احکام شرعی کی حکمتیں ظاہر ہونگی اور اسکا برتاؤ اللہ تعالیٰ کیساتھ اور اللہ تعالیٰ کا برتاؤ اس کیساتھ درست ہو جاویگا اور جو بات اس سے

[1] شغل صوفیاء کی اصطلاح میں ایسی تدبیروں کو کہا جاتا ہے جن سے حادثہ دلجمعی اور یکسوئی پیدا ہوتی ہے

[2] یکسوئی کا پیدا ہونا کچھ نہیں یہ نسبت کا مقدمہ قریب ہے اور نسبت کی نسبت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

ایسی واقع ہوگی کہ اس پر ہوشیار کرنیکی ضرورت ہے اس پر ہوشیار کر دیا جاویگا اور معلوم ہو جایا کریگا کہ یہ بات مجھ سے اچھی طرح واقع نہیں ہوئی۔ ان باتوں میں ہو لذت ہے اس کے سامنے سارے جہان کی بادشاہت بھی مٹی کے برابر ہے اور ان باتوں کو حالات کہتے ہیں۔ چونکہ اول تو ہر شخص کو نئے حالات پیدا ہوتے ہیں ان سب کو لکھنا ممکن نہیں ہے۔ ایسے وقت پیر کے پاس آنا ضروری ہے وہی ان حالات کی حقیقت بیان کرتا ہے اور اگر حاجت ہوئی تو جو کچھ ذکر و شغل مرید کر رہا ہے اس میں جو اسکو مناسب ہوتا ہے تبدیلی کرتا ہے۔ اور پیر کے پاس رہنے میں جو فائدے ہیں اس ہدایت کے آخر میں بیان ہونگے ان باتوں کے جاننے کو کشف الٰہی کہتے ہیں۔ باقی کشف کونی (یعنی پوشیدہ چیزوں کا حال معلوم ہو جانا یا جو بات آگے چل کر ہونیوالی ہے اس کا ظاہر ہو جانا) کشف الٰہی کی برابر نہ اسمیں لذت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہونے میں اسکی برابر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کشف الٰہی میں زیادہ تھے اور خضرؑ کشف کونی میں۔ پھر ظاہر ہے کہ کس کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے رہی یہ بات کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا تو ان کو اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے پاس جانیکا کیوں حکم فرمایا سو حضرت خضرؑ کے پاس بھیجنے سے اس بات کا سکھلانا منظور تھا کہ بات کرنے میں بے دھڑک منہ سے کوئی بات نہ نکال دیا کریں سوچ سمجھ کر بات کہا کریں۔ کیونکہ ان سے کسی نے پوچھا تھا کہ اسوقت سب سے بڑا عالم دین کون ہے۔ آپ نے فرمایا اَنَا اَعْلَمُ کہ سب سے بڑا عالم میں ہوں۔ یہ آپکا فرمانا اس اعتبار سے صحیح تھا کہ جو علم ضروری ہیں ان کو سب سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ لیکن بات آپ نے ایسی کہی تھی جس سے سننے والے کو دھوکہ ہو سکتا تھا کہ کہ ہر قسم کے علموں کے جاننے کا دعویٰ ہے اسلیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دکھلا دی کہ دیکھو کشف کونی میں خضر علیہ السلام تم سے زاید ہیں اگرچہ یہ کشف درجہ میں کشف الٰہی کے برابر نہ ہو۔ مگر پھر بھی بلاقید یہ کہنا تو غلط ٹھہرا کہ میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اسلیے بات کہنے میں یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ کشف کونی میں سب سے

زیادہ نہیں ہوں اور جسکو کشفِ الٰہی ہوتا ہو اگر اس کے متعلق پیری مریدی کی خدمت اور مخلوق کے باطن کی اصلاح و درستی بھی ہو جاوے تو وہ قطب التکوین کہلاتا ہے

جو وقت بچے اسمیں کچھ نہ کچھ ذکر زبان سے دل کی توجہ کیساتھ کرتا رہے خواہ درود شریف پڑھا کرے۔ اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر ہے۔ خواہ استغفار پڑھے خواہ کلمہ طیبہ خواہ اور کچھ جس میں دل لگے اور ان اوقات میں دل سے ذکر کرنے پر بس نہ کرے کیونکہ اکثر اس میں یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو یہ خیال نہیں رہتا کہ اس وقت دل میں اللہ کی یاد نہیں رہی اور اس سے بڑھ کر کبھی یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اللہ کی بھول کو آدمی یوں سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں اللہ کی یاد میں بالکل غرق ہو گیا ہوں۔ اور دو چیزوں سے بچنے کا خیال ہر وقت رکھے، ایک یہ کہ کسی دم اللہ کی یاد دل سے دُور نہ ہونے پائے۔ جس کی تدبیر یہ ہے کہ ہر وقت ذکر کرتا رہے، دوسرے گناہ سے بہت بچے خواہ چھوٹا گناہ ہو یا بڑا۔ دل سے ہو یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں آنکھ کان سے اللہ کی یاد نہ رہنے سے دل کا نور جاتا رہتا ہے اور گناہ سے بھی دل کا نور جاتا رہتا ہے اور اللہ سے دوری بھی ہو جاتی ہے۔ اور یہ بڑا نقصان ہے اور اگر اتفاقاً کبھی خیال نہ رہنے کی وجہ سے یا نفس کی شرارت سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً نہایت شرمندگی اور عاجزی کیساتھ توبہ کرے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے۔ خاصکر بعض گناہوں سے تو اس راہ میں بہت ہی نقصان ہوتا ہے، ایک ریا یعنی لوگوں کے دکھانیکی نیت سے کوئی عمل کرنا۔ دوسرے تکبر یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا۔ جب آدمی میں تکبر ہوتا ہے تو اس سے کبھی کوئی آدمی فخر کرنے لگتا ہے اور کبھی بڑائی کا گمان ہو جاتا ہے خواہ دنیوی کمال میں ہو یا دینی کمال میں تیسرے زبان سے کسی کی غیبت یا شکایت کرنا یا کسی پر طعن یا اعتراض کرنا، بلکہ اکثر بیکار اور بے ضرورت باتیں کرنیسے بھی دل کی نورانیت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس راہ میں قدم رکھنے والے کو لوگوں سے بیضرورت میل جول نہ رکھنا چاہیے۔ چوتھے کسی نامحرم عورت یا لڑکے کی طرف شہوت سے نظر کرنا

یا اُس کا خیال دل میں لانا. پانچویں بیجا اور حد سے زیادہ غصہ کرنا یا بد خلقی اور سختی کیساتھ کسی سے بات کرنا. اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں نہ رہنے کی بھی بعض قسم خاص طور پر زیادہ نقصان کی چیز ہے. یہ قسم وہ ہے جو دنیا کے تعلقات کے سبب ہو. یہ قسم ذکر کرنیسے بھی دور نہیں ہوتی. جب ذکر میں مشغول ہوگا بار بار اس کی طرف کھچے گا اور اس دستور العمل میں ایک بات ضروری یہ ہے کہ جبتک اس شخص کو جسکا ذکر ہو رہا ہے کسی قدر مضبوطی کیساتھ نسبت باطنی حاصل نہ ہو جاوے (جس کا مطلب ابھی آگے آتا ہے) اس وقت تک لوگوں کو نفع پہنچانے میں مشغول نہ ہو نہ ظاہری نفع پہنچانے میں مشغول ہو نہ باطنی نفع پہنچانے میں یعنی نہ طالب علموں کو پڑھاوے نہ عام لوگوں کو وعظ سناوے نہ بیماروں کا علاج کرے نہ تعویذ گنڈے لکھے نہ پیری مریدی کرے بالکل ایک کونہ میں مجبور پڑا رہے. ہاں اگر ان باتوں میں سے کسی بات کے کرنے میں بالکل مجبور ہو جاوے تو اور بات ہے.

نسبتِ باطنی

اور علامت نسبت باطنی کے حاصل ہونے کی دو ہیں. ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل میں ایسی جم جاوے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو اور اللہ کیطرف زیادہ کوشش اور فکر رکھنے کی ضرورت نہ پڑے. دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنے کیطرف چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں. اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں بندوں کو آپس میں معاملہ کرنیکے طریقے بتلائے ہیں اور چاہے وہ احکام ہوں جنہیں اچھی عادتوں کا حکم فرمایا ہے اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں بات چیت کرنیکا طریقہ بتلایا ہے اور چاہے وہ احکام ہوں جنہیں نشست و برخاست اور تمام کاموں کا طریقہ بتلایا ہے. ان سب حکموں کی طرف ایسی رغبت ہو جاوے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے اُنسے ایسی نفرت ہو جاوے جیسی کہ ان چیزوں کیطرف رغبت ہوتی ہے جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جیسی کہ ان چیزوں سے نفرت

ہوتی ہے جو اپنے جی کو بُری معلوم ہوتی ہیں اور حرص دنیا کی دل سے نکل جاوے اور اسکی سب عادتیں مطابق قرآن شریف کے ہو جاویں۔ البتہ اگر طبعی سستی کسی حکم کے بجالانے میں واقع ہو یا کوئی بُرا وسوسہ دلمیں آوے اور اس پر عمل نہ کرے تو اسکو یہ نہ سمجھا جاویگا کہ شریعت کے حکموں کی رغبت اور شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان سے نفرت پیدا نہیں ہوتی اور یہی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور فرمانبرداری حاصل ہو جانیکا ہے جس کو ہم نے علامت نسبتِ باطنی کے حاصل ہو جانیکی تبلایا ہے، محبت الٰہی کہلاتا ہے۔ اور اگر نسبتِ باطنی حاصل ہو جانیکے ساتھ غیب سے بعض علم کی باتیں اور بھید کی باتیں بھی اس کے دل میں آنے لگیں تو یہ شخص عارف کہلا ویگا۔

اب بعد حاصل ہونے نسبت باطنی کے، پڑھانے، وعظ کہنے، کتابیں تصنیف کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ بلکہ علم دین کی خدمت کرنا سب عبادتوں سے بڑھکر ہے۔ اور اگر پیر اسکو مرید کرنے اور ذکر شغل تبلانیکی اجازت بھی دیدے تو اللہ کے بندوں کو اس فائدہ کے پہنچانے میں بخیلی نہ کرے لیکن اپنے کو بڑا نہ سمجھے بلکہ خلق کا خدمت گذار اپنے کو سمجھے۔ اور اگر پیر اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرے اور نہ اپنی طرف سے اجازت مانگے۔ کیونکہ یہ ہوس ہے بڑائی کی اور اگر پیر اجازت مانگنے سے بھی اجازت دیدے تو رعایتی اجازت کام کی نہیں۔ بلکہ بڑا بننے سے چھوٹا رہنا بہت اچھا ہے۔ البتہ پیر کا حکم ہو جانے کے بعد حکم نہ ماننا بھی مناسب نہیں۔ اگر سب ایسا ہی کرتے تو سلسلہ ہی درویشی کا بند ہو جاتا۔ لیکن مریدوں سے امیدوار مال کا نہ رہے بلکہ اگر وہ کچھ نذرانہ بھی دیں تو مرید ہونیکے وقت تو بالکل قبول نہ کرے کہ یہ صورت بدلہ لینے کی سی ہے اور دوسرے وقت اگر خوشی سے اور حلال آمدنی سے موافق اپنی آمدنی کے اتنا دیں جس کے دینے سے اس کو پریشانی نہ ہو تو ایسی صورت میں ہدیہ قبول کرلینا سنت ہے۔ اور انکار کرنے میں مسلمان کی دل شکنی ہے اور اللہ کی ناشکری ہے اگرچہ وہ ہدیہ تھوڑا ہی ہو، اور اگرچہ لوگوں کے سامنے دے۔ جب بھی لینے میں عار نہ کرے کہ اس کا سبب بھی تکبر ہے۔ یہاں تک دستور العمل مذکور

تمام ہوا اور اس دستور العمل کی عبارت اس وجہ سے ذرا لمبی ہو گئی کہ اسمیں گفتگو ذرا علم والوں ہی سے ہے ان کی تسلی بدون تفصیلی بیان کے نہ ہوتی اور بے ان کو مزہ آتا ورنہ حاصل مطلب تھوڑا ہی ہے جسکو اب پھر دوبارہ اسلیے لکھے دیتا ہوں کہ اصلی مطلب کے ٹکڑے اس لمبے مضمون میں بکھر گئے ہیں اسکی فہرست یہ ہے۔ تہجد تہجد کے بعد بارہ تسبیح، بعد نماز فجر تلاوت قرآن شریف اور ایک منزل مناجات مقبول کے بعد ذکر اللہ اللہ کا بارہ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک، بعد عصر پیر کے پاس حاضر رہنا یا جنگل وغیرہ کی سیر کرنا اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنا، بعد مغرب مراقبۂ موت، باقی جو وقت بچے اس میں درود شریف پڑھنا بلا تعداد۔ اگر ضرورت ہو تو شغل انحد کرنا، پرہیزگاری کا خیال رکھنا، ذکر پابندی سے کرنا۔ گناہوں سے اور اللہ کی یاد نہ رہنے سے بچنا۔ اور ان گناہوں سے خاصکر بچنا۔ یعنی لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کوئی عمل کرنا، اپنے کو بڑا سمجھنا، فخر کرنا، اپنے جی ہی جی میں اپنے کمالات پر خوش ہونا اور نفس کا پھولنا، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا، بیکار باتیں کرنا اور لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا۔ شہوت سے نامحرم عورت اور لڑکے کو دیکھنا یا اسکا خیال دل میں شہوت کیساتھ لانا۔ بہت غصہ کرنا۔ کج خلقی سے رہنا۔ دنیوی تعلقات بڑھانا اور جو باتیں اس قسم کی ہوں انسے بچنا۔ اور بقیہ فہرست یہ ہے، نسبت باطنی حاصل ہونے تک وعظ اور پڑھانے وغیرہ کو ترک کرنا۔ بدوں اجازت پیر کے پیری مریدی نہ کرنا اور ذکر و شغل کی تعلیم نہ کرنا۔ اور میزان کل ان سب باتوں کا دو چیزیں ہیں ایک اللہ اور رسول کے حکموں پر چلنا دوسرے ذکر کی پابندی کرنا گناہ سے اللہ اور رسول کی تابعداری میں فرق آجاتا ہے اور یاد الٰہی نہ رہنے سے ذکر میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلیے چاہیے کہ اپنا اصلی کام ہمیشہ تابعداری اور ذکر کی پابندی کو اور گناہ سے بچنے اور اللہ کی یاد بھلانے سے بچنے کو سمجھے اگر ایک مدت تک اس کی پابندی رہے گی تو انشاء اللہ محروم نہ رہیگا۔ اور یوں تو اول ہی سے فائدہ ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک وقت ایسا آویگا کہ یہ بھی سمجھنے لگے گا۔ لیکن نہ گھبراوے نہ جلدی کرے

نہ سستی کرے۔ کیونکہ فائدے کیلئے نہ کوئی مدت مقرر ہے نہ کوئی اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے البتہ اسقدر امید کر سکتے ہیں ؎

اندریں راہ می خراش و می تراش، تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

تا دمِ آخر دمے آخر بود ✦ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

یعنی اس راہ میں جو قدم رکھے اسکو چاہیے کہ اس ادھیڑبن میں لگا رہے۔ مرتے دم تک ایک گھڑی بیکر نہ بیٹھے، آخر دم تک کوئی نہ کوئی وقت ایسا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوگی اور بیڑا پار ہو جاویگا۔ اور اگر ان سب باتوں کے ساتھ ابتدا میں ذرا زیادہ اور اس کے بعد کبھی کبھی پیر کی خدمت میں رہنے کا بھی اتفاق ہو جاوے تو نور علیٰ نور ہے۔ اس کے پاس رہنے میں جو فائدے ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کو دیکھ کر اسکی عادتیں اختیار کریگا، ذکر میں عبادت میں روح کو تازگی ہوگی ہمت بڑھیگی، جو نیا حال ہوگا اسکے بارے میں پوری تسلی ہو جاویگی اور اس کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں جو پاس رہنے سے خود ہی وارد ہوتے ہیں۔ موٹی بات ہے کہ مریض کا حکیم کے پاس ہونا اور دور رہنا دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

مقام امن و مے بےغش و رفیق شفیق ✦ گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی اگر اطمینان کی جگہ اور شرابِ خالص محبتِ الٰہی کی اور شفقت رکھنے والے پیر کی صحبت ہمیشہ کیلئے میسر ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ یعنی اللہ تعالیٰ سچی بات کا کہنے والا اور راہِ راست کا دکھلانیوالا ہے۔

ساتویں ہدایت۔ دلجمعی کے بیان میں

ذکر کرنیوالے کو چاہیے کہ جو باتیں دل کو پریشان کرنیوالی ہیں اُن سے بچے۔ کیونکہ اطمینان دل کا بڑی دولت ہے اور یہ باتیں بہت سی ہیں۔ ایک اپنی بے احتیاطی سے صحت خراب کر لینا اس لیے صحت کی بہت حفاظت کرے۔ دماغ کو تر و تازہ رکھنے

کی اور دل کو قوت پہنچانیکی فکر رکھے، دوا سے بھی اور غذا سے بھی۔ غذا میں نہ اتنی کمی کرے کہ ضعف اور خشکی ہوجاوے نہ اتنی زیادتی کرے کہ ہضم نہ ہو۔ کہ اس سے بھی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ صحبت کی کثرت نہ کرے کہ اس سے بھی اعضاء رئیسہ خاصکر دل و دماغ کمزور ہوجاتے ہیں۔ جبتک بھی بھوک لگے کھانا کھاوے اور ایک آدھ لقمہ کی خواہش باقی رہنے پر کھانا چھوڑ دے اور جبتک طبیعت میں سخت تقاضا نہ ہو صحبت نہ کرے۔ اسی طرح سونے میں اوسط درجہ کا خیال رکھے۔ نہ بہت زیادہ سووے کہ سستی ہوجاوے نہ کمی بہت کرے کہ خشکی ہوجاوے۔ دوسری بات دل کو پریشان کرنیوالی بلاضرورت عمدہ غذاؤں کی فکر میں لگا رہنا ہے۔ تیسری بات ہر وقت اپنے بدن کی آرائش میں لگا رہنا ہے کہ اسی بارے میں کہا گیا ہے ؂

عاقبت ساز دترا از دیں بری این تن آرائی و این تن پروری

یعنی انجام اس بدن کی آرائش اور پیٹ کے پالنے ہی میں رہنے کا یہ ہوگا کہ دین رخصت ہوجاویگا۔ مطلب یہ کہ پورا دین نہ رہے گا۔ البتہ بالکل میلا کچیلا رہنا بھی برا ہے کہ اس سے بھی دل میلا ہوتا ہے۔ سادہ اور صاف رہے البتہ اگر بدون فکر کے اچھا لباس اور عمدہ غذا میسر ہو اور نفس میں کسی برائی کے پیدا ہونیکا ڈر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، کام میں لاوے اور شکر بجالاوے۔ چوتھی بات مال کی حرص اور اس کے جمع ہونیکی فکر میں لگا رہنا یا یہ کہ جو مال پاس ہے اسکو بیکار خرچ کرکے اڑا ڈالنا کہ دونوں کا نتیجہ دل کا پریشان ہونا ہے۔ حریص آدمی تو ہر وقت اسی دھن میں لگا رہیگا اور فضول خرچ مال ختم ہونیکے بعد آخر پریشانی میں مبتلا ہوگا یا پرائے مال پر نظر دوڑائیگا۔ پانچویں بات کسی سے دوستی یا دشمنی باندھ لینا دوست اس کو گھیر کر اس کا وقت ضائع کریں گے اور دشمن اس کو ایذا پہنچا کر پریشانی میں ڈالیں گے۔ اسی طرح اور جو باتیں پریشانی کا سبب ہوں اور خود ضروری نہ ہوں ان سب سے جہاں تک ہوسکے بہت بچنا ہے۔ البتہ اگر کوئی پریشانی اس طرح پیش آجاوے کہ اس نے کام پریشانی کا نہیں کیا تھا یا اس نے کسی شرعی ضرورت سے کیا تھا پھر اسمیں کوئی پریشانی آگئی ہے مثلاً کسی سود خوار نے کوئی چیز

اسکو دی اس نے لینے سے انکار کر دیا وہ اس کا دشمن ہو گیا تو ایسی پریشانی سے باطنی کا نقصان نہ ہوگا۔ اگر ایسی پریشانی میں مبتلا ہو جاوے تو بے چین نہ ہو حق تعالیٰ پر نظر اور بھروسہ رکھے مدد فرما دیں گے۔ اگر کچھ تکلیف بھی پہنچے تو اس میں حکمتِ الٰہی سمجھ کر اس پر راضی رہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی اور رضامندی اور زیادہ حاصل ہوگی۔

آٹھویں ہدایت۔ اختیاری اور غیر اختیاری اعمال کے متعلق

جو باتیں اختیاری ہیں ان میں تو کمی نہ کرے اور جو باتیں اختیاری نہیں اگر وہ اچھی ہیں تو ان کے پیچھے نہ پڑے اور اگر ناگوار ہونیوالی ہیں تو انکے دور کرنے کی فکر میں نہ پڑے۔ مثلاً نماز یا تلاوت قرآن یا ذکر کے اندر یہ تو اختیار میں ہے کہ اپنے دل کو اگرچہ زور لگا کر ہو متوجہ رکھے۔ جس کے کئی طریقے ہیں مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کا خیال باندھے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظوں کے معنی و مطلب کیطرف دھیان رکھے یا فقط لفظوں کیطرف خیال رکھے اسطرح کہ ہر ہر لفظ سوچکر زبان سے نکالے۔ پس اسمیں تو کمی نہ کرے باقی نماز میں یا تلاوت قرآن کے وقت جی نہ لگنا یا مزہ نہ آنا یا وسوسوں اور خطروں کا کثرت سے آنا خواہ وہ کتنے ہی برے ہوں یہ بات اختیار سے باہر ہے اسکی فکر نہ کرے اپنا اختیاری کام کیے جاوے اسکی خاصیت یہ ہے کہ وہ خیالات خود ہی کم ہو جاتے ہیں خاصکر وسوسوں کیطرف تو ذرا بھی توجہ نہ کرے نہ وسوسہ کے آنیسے رنج و غم کرے کہ اس سے وسوسوں کی دونی ترقی زیادہ ہوتی ہے پھر سخت پریشانی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اس کا عمدہ علاج یہی ہے کہ اپنے ذکر وغیرہ کی طرف اپنی توجہ کو پھر تازہ کر لیا کرے اور اس وسوسہ سے بالکل بے پرواہی اختیار کر لے اس سے وہ آپ ہی آپ جاتا رہے گا اور مثلاً اللہ کی فرمانبرداری اختیاری ہے اس میں سستی نہ کرے اور یہ باتیں اختیار سے باہر ہیں اچھا خواب دیکھنا دعا قبول ہونا، ذکر کے اثر سے تڑپنے لگنا، بے اختیار رونا آنا وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں کے ہونے کی فکر نہ کرے۔ یا مثلاً گناہ اختیاری ہے اس کے پاس نہ جاوے اور یہ چیزیں اختیاری نہیں، برا خواب، طبیعت میں تازگی نہ ہونا، رزق میں تنگی ہونا، ذکر میں کسی چیز کا نظر

نہ آنا یا کوئی اثر معلوم نہ ہونا، بیمار ہو جانا وغیرہ ان سے پریشان نہ ہو یا مثلاً کسی سے
بے ارادہ عشق ہو جانا اختیاری نہیں اسمیں کوئی گناہ اور نقصان نہیں اگرچہ تکلیف
ہے۔ لیکن یہ باتیں اختیاری ہیں اسکو دیکھنا اس سے باتیں کرنا اسکی آواز سننا،
اس کے پاس آنا جانا، اس کا خیال دل میں لانا، اس کو سوچ کر دل سے لذت لینا
ان سے بچنا ضروری ہے اور اکثر اس تدبیر سے وہ عشق بھی کم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسمیں
کوتاہی کریگا گنہگار ہوگا اور دل سیاہ ہو جاویگا یا مثلاً کسی گناہ کیطرف مائل غیر اختیاری
ہے اسکے دور کرنیکی فکر میں نہ پڑے۔ البتہ گناہ اختیاری ہے اس سے بچے، اس خواہش
پر عمل نہ کرے۔ جو شخص غیر اختیاری چیزوں کے حاصل کرنے یا دور کرنیکی فکر میں رہتا
ہے تمام عمر اسکی پریشانی میں گذرتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے انہی وجوہ
سے اپنے کو مردود سمجھ لیا پھر بعض نے تو خودکشی کرلی ہے اور بعض ذکر و عبادت
چھوڑ کر گناہ بیدھڑک کرنے لگے۔ غرضیکہ ان لوگوں نے ایمان کا نقصان کیا یا ایمان کے
ساتھ جان کا بھی نقصان کیا۔ کیونکہ خودکشی کرنے میں جان بھی گئی اور گنہگار بھی ہوئے۔
یہ تو ایمان اور جان کا نقصان ہے اور ذکر و عبادت چھوڑنے اور گناہ کرنے میں
ثواب سے محروم رہے اور گنہگار ہوئے۔ یہ ایمان کا نقصان ہے۔ اصل بات یہ ہے
کہ جو باتیں غیر اختیاری ہیں انمیں جو باتیں ایسی ہیں کہ ان کے ہونے کو جی چاہتا ہے انکا
ہونا کبھی درویشی کی راہ چلنے والے کیلئے خرابی کا سبب بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً اپنے کو
کامل سمجھنے لگا اور اس سے اپنے اوروں سے اچھا سمجھنے لگا یا کمال کا دعویٰ کرنے لگا
یا اسکی وجہ سے بزرگ مشہور ہوگیا اور اس سے نقصان ہوا۔ اسی طرح ان چیزوں کا
حاصل نہ ہونا اس کے نفع کا سبب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اپنے کو ناکارہ حقیر سمجھنے لگا۔ اور
باتیں غیر اختیاری ایسی ہیں کہ ان کا ہونا آدمی کو ناگوار ہوتا ہے انکا ہونا کبھی مفید ہو جاتا
ہے۔ مثلاً اس کے برداشت کرنے میں مشقت ہوتی ہے جو ایک طرح کا مجاہدہ ہے
اور تنگی ہوتی ہے غم ہوتا ہے جس سے دل کی صفائی ہو جاتی ہے۔ ایسی جگہوں کے لیے
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا

شَیْئاً وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ہونا تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اور واقع میں اس کا ہونا تمہارے حق میں بہتر ہوتا ہے اور بسا اوقات تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو حقیقت میں وہ تمہارے حق میں بُری ہوتی ہے۔ البتہ اگر پسندیدہ باتیں از خود حاصل ہو جائیں تو نعمتِ الٰہی سمجھ کر شکر کرے۔ جیسا کہ ان چیزوں کے نہ حاصل ہونے کو بھی ایک اعتبار سے جس کا ابھی بیان ہوا ہے نعمت سمجھ کر شکر کرے خوب سمجھ لو۔

نویں ہدایت۔ در رسومِ مشائخ

آج کل اکثر درویشوں میں بعض رسمیں رائج ہو گئی ہیں۔ سو بعض رسمیں تو بعض خلافِ شرع ہیں۔ جیسے قبر کے گرد گھومنا یا قبر کو بوسہ دینا یا اس پر غلاف ڈالنا یا بزرگوں کی منت، ماننا یا اُن سے کچھ مانگنا اور بعض رسمیں خود جائز تھیں مگر اُن کے ساتھ ناجائز باتیں مل کر ناجائز ہو گئی ہیں جیسے عُرس یا گانا سننا یا قُل پنج آیت یا مجلس مولود شریف کی کہ عام لوگ اُن باتوں کے منع کرنے یا خود نہ کرنے کو درویشی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان رسموں میں جو خرابیاں ہیں ان کو پورے طور سے احقر نے اصلاح الرسوم وحق السماع وتعلیم الدین کے حصہ پنجم وحفظ الایمان میں لکھ دیا ہے۔ اور بعض اس میں ایسی ہیں کہ اگر ان کو داخلِ بزرگی سمجھا جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو یہ نہایت بڑی بدعت ہے۔ اور اگر اعتقاد میں کوئی خرابی نہ ہو تب بھی محض دنیا ہے جیسے عمل پڑھنا اور حلال جانوروں کا گوشت چھوڑ دینا اور بعض رسمیں اچھی ہیں اگر ان میں عقیدے کی خرابی نہ ہو۔ مثلاً شجرہ پڑھنا کہ اس میں مقبول بندوں کے ناموں کو واسطہ دعا میں قرار دیا جاتا ہے جس کا جواز حدیثوں سے ثابت ہے لیکن اگر شجرہ پڑھنے میں یہ سمجھا جاوے کہ ان حضرات کے نام پڑھنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ ہمارے حال پر متوجہ رہیں گے تو بالکل غلط اور بے سند عقیدہ ہے جس کی ممانعت اس آیت سے ثابت ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ یعنی جو بات تجھ کو معلوم نہ ہو اس پر عملدرآمد نہ کر۔ اور مثلاً درویشی

کی کتابوں کا دیکھنا۔ ہاں اگر کوئی ایسا عالم ہو کہ علم معقول یعنی منطق وغیرہ اور علم منقول یعنی تفسیر حدیث فقہ یہ سب اچھی طرح جانتا ہو اور ایسے بزرگوں کا صحبت یافتہ ہو جو علم درویشی کو خوب جانتے ہوں وہ اگر کتابیں دیکھے تو حرج نہیں ورنہ انکا دیکھنا دین و ایمان کو برباد کرنیوالا ہے۔ اسلئے اس قسم کی کتابیں ہرگز نہ دیکھی جاویں۔ جیسے مثنوی مولانا روم، دیوان حافظ یا دوسرے بزرگوں کے ملفوظ یعنی جو باتیں انہوں نے بیان کیں اور مریدوں نے ان کو جمع کر کے کتاب بنالی جبکہ ان مکتوبات اور ملفوظات میں درویشی کے بھید یا جو کیفیتیں ان بزرگوں میں پیدا ہوئی تھیں ان کا بیان ہو۔ بلکہ جن کتابوں میں ان بزرگوں کی حکایتیں ہوں ان کو بھی نہ دیکھے۔ یہ سب کتابیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ چونکہ بعض آدمی مرد ہوں یا عورت مرید ہو کر بھی اپنی حالت اور عادت درست نہیں کرتے اس لیے اس کے بارے میں بھی کچھ ضروری باتیں لکھے دیتا ہوں۔ باقی پورے طور سے مسئلوں کا بیان دین کی کتابوں میں ہے۔

ہدایت دہم۔ عام مردوں کو نصیحت یعنی جو عالم نہیں

عالموں سے بہت ملتے رہو اُن سے مسئلے پوچھتے رہو۔ اگر پڑھے ہوئے ہو تو بہشتی زیور اور بہشتی گوہر یا اسکی جگہ صفائی معاملات اور مفتاح الجنۃ کو دیکھتے رہو اور اس پر عمل کرتے رہو۔ لباس خلاف شرع مت پہنو جیسے ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا جیسے کوٹ پتلون یا ریشمی یا زردوزی کا کپڑا یا چار انگل سے چوڑی سچی لیس وار ٹوپی یا اتنے ہی کام کا سچا کامدار جوتا، داڑھی مت کٹاؤ اور نہ اس کو منڈواؤ البتہ ایک مٹھی سے جتنی زاید ہو اس کا اختیار ہے چاہے کٹا ڈالو چاہے رہنے دو۔ جتنی رسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریقہ کے خلاف پھیلی ہوئی ہیں، سب کو چھوڑ دو رسمیں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں خواہ دین کے رنگ میں جیسے مولود، فاتحہ، عرس اور شادی میں ساچق اور برات اور مہمانداری یا نام کے لیے کھانا پکانا اور کھلانا یا نام کے لیے دینا دلانا، عقیقہ اور ختنہ اور بسم اللہ کے مکتب میں لوگوں کا جمع ہونا یہ سب ترک کر دو۔ نہ اپنے گھر کرو نہ دوسروں کے یہاں شریک ہو یا غمی میں تیجا،

دسواں، چالیسواں وغیرہ شب برات کا حلوہ یا محرم کو تیوہار منانا۔ نہ خود کرو اور نہ دوسروں کے یہاں جاکر ان کاموں میں شریک ہو۔ میلوں ٹھیلوں میں مت جاؤ نہ اپنے بچوں کو جانے دو اور ان کو ایسی بیہودہ باتوں کے لیے پیسے بھی مت دو جیسے کنکوا (یعنی پتنگ) آتشبازی۔ تصویر دار کھلونے وغیرہ۔ زبان کو غیبت اور گالی گلوچ سے بچاؤ۔ جماعت کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھو۔ کسی عورت یا لڑکے کی طرف بُری نگاہ سے مت دیکھو۔ گانا بجانا مت سنو۔ پیر سے ہر کام کے لیے تعویذ گنڈے مت مانگا کرو بلکہ ان سے دین کی باتیں سیکھو البتہ دعا کرانے کا مضائقہ نہیں۔ ایسا مت سمجھو کہ نذرانہ موجود نہ ہو تو پیر کے پاس کیا جاویں۔ یہ مت سمجھو کہ پیر کو سب خبر رہتی ہے ان سے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ درویشی کی کتابیں مت دیکھو اور نہ ایسی باتیں پوچھو۔ تقدیر کے مسئلے میں مت بحث کرو۔ پیر سے جو بتلا دیا وہ کیے جاؤ۔ رشوت اور سود مت لو۔ رہن کی آمدنی بھی سود ہے اس سے بھی بچو اور جتنے لین دین خلاف شرع ہیں سب سے بچو۔ خواب پر بدون مسئلہ پوچھے عمل مت کرو اگر پیر کے پاس جاؤ اور وہ اپنے کسی کام میں لگا ہو تو اس کے کام میں حرج مت ڈالو۔ ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کا دل تم کو دیکھ دیکھ کر بٹ جاوے۔ کہیں کنارے پر بیٹھ جاؤ جب وہ کام سے چھٹی پاوے اس وقت سامنے جاؤ۔ تعلیم المطالب منگاؤ اور دیکھو تعلیم الدین کے چار حصے اوّل کے دیکھ لو اور جزاء الاعمال بھی دیکھ لو۔

عام عورتوں کو نصیحت

شرک کی باتوں کے پاس مت جاؤ۔ اولاد کے ہونے یا زندہ رہنے کے لیے ٹونے ٹوٹکے مت کرو۔ فال مت کھلواؤ۔ فاتحہ نیاز دیوں کی مت کرو۔ بزرگوں کی مَنّت مانو۔ شب برات محرم، عرفہ، تبرک کی روٹی، تیرہ تیزی کی گھونگھنیاں کچھ مت کرو۔ جس سے شرع میں پردہ ہے چاہے وہ پیر ہو اور چاہے اور کیسا ہی نزدیک کا ناتہ دار ہو جیسے دیور، جیٹھ، خالہ کا یا پھوپی کا یا ماموں کا بیٹا یا بہنوئی یا نندوئی یا منہ بولا

بھائی یا منہ بولا باپ ان سب سے خوب پردہ کرو۔ خلاف شرع لباس مت پہنو جیسے کلیوں دار پائجامہ۔ یا ایسا کرتا کہ جس میں پیٹ، پیٹھ یا کلائی یا بازو کھلے ہوں یا ایسا باریک کپڑا جس میں بدن یا سر کے بال جھلکتے ہوں یہ سب چھوڑ دو۔ لمبی آستینوں کا اور نیچا اور موٹے کپڑے کا کرتہ بناؤ اور ایسے ہی کپڑے کا دوپٹہ ہو اور دھیان کر کے سر پر سے مت ہٹنے دو۔ ہاں اگر گھر میں خالی عورتیں ہوں یا اپنے ماں باپ یا حقیقی بھائی وغیرہ کے سوا گھر میں کوئی اور نہ ہو تو اس وقت سر کھولنے میں ڈر نہیں۔ کسی کو جھانک تاک مت دیکھو۔ بیاہ شادی، مونڈن، چلہ، چھٹی، منگنی، چوتھی وغیرہ میں کہیں مت جاؤ نہ اپنے یہاں کسی کو بلاؤ، کوئی کام نام کے واسطے مت کرو۔ کوسنے اور طعنے دینے اور غیبت سے زبان کو بچاؤ۔ پانچوں وقت نماز اول وقت پڑھو اور جی لگا کر تھام تھام کر پڑھو، رکوع سجدہ اچھی طرح کرو۔ ایام سے جب پاک ہو خوب خیال رکھو کسی وقت نماز ایام بند ہونے کے بعد رہ نہ جائے۔ اگر تمہارے پاس زیور گوٹہ لچکا وغیرہ ہو تو حساب کر کے زکوٰۃ نکالو۔ بہشتی زیور ایک کتاب ہے اسکو یا تو پڑھ لو یا سن لیا کرو اور اس پر چلا کرو۔ خاوند کی تابعداری کرو۔ اس کا مال اس سے چھپا کر خرچ مت کرو۔ گانا کبھی مت سنو۔ اگر تم قرآن پڑھی ہوئی ہو تو روزانہ قرآن پڑھا کرو۔ جو کتاب پڑھنے یا دیکھنے کے لیے مول لینا ہو پہلے کسی عالم کو دکھلا لو اگر وہ صحیح اور معتبر بتلا دیں تو خرید و ورنہ مت لو۔ جہاں رسوم کی مٹھائی وغیرہ تقسیم ہوتی ہو وہاں مت جاؤ۔ اور نہ بانٹنے میں شریک ہو۔

خاص ذکر و شغل کرنے والوں کو نصیحت

اوپر کی نصیحتیں دیکھ لو۔ ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا اہتمام کرو اس سے دل میں بڑا نور پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو صبر کرو جلدی سے کہنے سننے مت لگو خاص کر غصہ کی حالت میں بہت سنبھلا کرو۔ کبھی اپنے کو صاحب کمال مت سمجھو جو بات زبان سے

کہنا چاہو پہلے سوچ لیا کرو. جب خوب اطمینان ہو جاوے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ اس میں دین یا دنیا کی ضرورت یا فائدہ ہے اسوقت زبان سے نکالو. کسی بُرے آدمی کی بھی بُرائی مت کرو نہ سنو. کسی ایسے درویش پر جس پر کوئی حال درویشی کا غالب ہو اور وہ کوئی بات تمہارے خیال میں دین کے خلاف کرتا ہو اس پر طعن مت کرو. کسی مسلمان کو اگرچہ وہ چھوٹے درجہ کا ہو حقیر مت سمجھو. مال و عزت کی طمع و حرص مت کرو. تعویذ گنڈوں کا شغل مت رکھو اس سے عام لوگ گھیرتے ہیں. جہاں تک ہو سکے ذکر کرنیوالوں کے ساتھ رہو. اس سے دل میں نور اور ہمت و شوق بڑھتا ہے. دنیا کا کام بہت مت بڑھاؤ اور بے ضرورت اور بے فائدہ لوگوں سے زیادہ مت ملو اور جب ملنا ہو تو خوش خلقی سے ملو اور جب کام ہو جاوے تو ان سے الگ ہو جاؤ. خاصکر جان پہچان والوں سے بہت بچو. یا تو اللہ والوں کی صحبت ڈھونڈھو یا ایسے معمولی لوگوں سے ملو جن سے جان پہچان نہ ہو ایسے لوگوں سے نقصان کم ہوتا ہے. اگر تمہارے دلمیں کوئی کیفیت پیدا ہو یا کوئی علم عجیب آوے تو اپنے پیر کو اطلاع کرو. پیر سے کسی خاص شغل کی درخواست مت کرو. ذکر میں جو اثر پیدا ہو سوائے اپنے پیر کے کسی سے مت کہو. اگر درویشی کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہو تو پہلے تعلیم الدین کا حصہ پنجم اور کلید مثنوی دیکھو بشرطیکہ تم علم معقول و منقول دونوں خوب جانتے ہو. بات کو بنایا مت کرو بلکہ جب تم کو اپنی غلطی معلوم ہو جاوے فوراً اقرار کر لو ہر حالت میں اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنی حاجت عرض کیا کرو اور دین پر قائم رہنے کی درخواست کیا کرو. والسلام فقط .

تمام شد خلاصہ قصد السبیل

بندہ محمد شفیع. جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ

ﮯ اس کے کہ وہ سب باتیں دین کے موافق کرتا ہو.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

زَادُ السَّعِيْد

فِى الصَّلٰوة

عَلَى النَّبِيِّ الْوَحِيْد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مع

نَيْلُ الشِّفَا بِنَعْلِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

واضافاتِ جدیدہ

تمام المقال فی بعض احکام التمثال

از افاضاتِ قطبِ عالم حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب

محمد شبیر علی تھانوی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا مُّتَوَافِرًا ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّکَ وَرَسُوْلِکَ سَلَامًا مُّتَکَاثِرًا وَّ الرِّضْوَانُ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مُتَوَاتِرًا

اَمَّا بَعْدُ ۔ احقر کو ایک بار سفر قصبہ کیرانہ کا اتفاق ہوا تو جامع الاخلاق والبرکات حافظ سعید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بروقتِ ملاقات یہ تمنا ظاہر فرمائی کہ اگر کوئی رسالہ درباب فضائل درود شریف کے لکھدیا جاوے تو خوب ہے احقر نے دوسرے مؤلفین کے رسائل کے کافی ہونے کا عذر کیا مگر چونکہ ہر ایک کا مذاق جدا ہوتا ہے اس لئے جو طرزِ خاص اُن کے ذہن میں تھا اُس کے لئے پھر اصرار فرمایا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ ایک بزرگ کی فرمائش پوری ہوتی ہے اگر مرتبۂ ضرورت میں بھی نہ ہوتا ہم استحسان میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ ناظرین کو نفع بھی ضرور ہی ہوگا اسلئے بنام خدائے تعالیٰ اس کو شروع کیا اور چونکہ درود شریف طالبِ سعادت کا توشہ آخرت ہے اس معنی کا لحاظ اور حافظ صاحب کے نام کی رعایت کر کے زَادُ السَّعِیْد اس کا نام رکھا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرما کر میرے لئے بھی اس کو زادِ سعادت بنادیں۔ اور اس رسالہ میں ایک مقدمہ اور دس فصلیں اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمہ میں کتب منقول عنہا کے رموز کی شرح ہے۔ فصلوں میں مختلف مقاصد ہیں۔ خاتمہ میں ایک درود شریف منظوم ہے جو موجب ازدیادِ شوق ہے۔

مقدمہ شرح رُموزِ کتب منقُول عنہا میں

(د) ابوداؤد (س) نسائی (ق) ابن ماجہ (حب) ابن حبان (ص) ابویعلی موصلی (طس) معجم اوسط طبرانی (ی) عمل الیوم واللیلۃ لابن السنّی (ی) مسند امام احمد (ت) ترمذی (مس) صحیح المستدرک للحاکم (فض) فضائلِ درود وسلام (ط) معجم کبیر طبرانی (سع) سعایہ (مو) حدیثِ موقوف (خ) صحیح البخاری (نز) نزل الابرار (طا) مؤطا (م) صحیح مسلم (عہ) سنن اربعہ ابوداؤد. ترمذی. نسائی. ابن ماجہ (مص) مصنّف ابن ابی شیبہ (حص) حصن حصین. اور باقی کتابوں کے پورے نام لکھدئے ہیں۔

فصلِ اوّل اِس بیان میں کہ درُود شریف پڑھنے کا امر وحکم وارد ہوا ہے

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے. اے لوگو جو ایمان لائے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھو۔

(۲) حدیث شریف میں ہے ارشاد فرمایا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ مجھ پر درُود پیش ہوتا ہے د س ق حب۔

(۳) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھپر درود کثرت سے پڑھا کرو کہ وہ تمہارے لئے موجبِ پاکی ہے. ص۔

(۴) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے سامنے میرا ذکر آوے اُس کو چاہئیے کہ مجھپر درود پڑھے س طس ص ی۔

(۵) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میرا ذکر

کرے تو اُس کو چاہیئے کہ مجھپر درود بھیجے ص۔

(۶) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود پڑھا کرو مجھپر تمہارا درود مجھ کو پہنچتا ہے خواہ تم کہیں ہو روایت کیا اس کو نسائی نے۔ گلشن رحمت

فصلِ دوم اِس بیان میں کہ تارکِ درود پر زجر و وعید وارد ہے

(۱) حدیث شریف میں ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ ہو قیامت کے روز وہ مجلس اُن لوگوں کے حق میں باعثِ حسرت ہوگی گو ثواب کے لئے جنت ہی میں داخل ہوجاویں حب دت س مت

(۲) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا بخیل وہ شخص ہے کہ اُس کے روبرو میرا ذکر آوے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے ت حب مس۔

(۳) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملیا میٹ ہوجاوے وہ شخص کہ اس کے روبرو میرا ذکر ہو اور وہ مجھپر درود نہ پڑھے ترمذی۔

(۴) ابن ماجہ نے بسندِ حسن اور حافظ ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بھول گیا مجھ پر درود بھیجنا بہک گیا وہ راہِ جنت سے (فض)

فصلِ سوم فضائلِ درود شریف کے بیان میں

(۱) سب سے بڑھ کر تو فضیلت اُس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود صلوٰۃ کی نسبت اپنی اور اپنے ملائکہ کی طرف فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ عہ

(۲) حدیث شریف میں ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے روز جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہی مس

(۳) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس کر دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اُس کے سلام کا جواب دے لیتا ہوں۔

(۴) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ قیامت کے روز میرے ساتھ اس کو قرب ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوگا ت حب۔

(۵) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے بہت سے فرشتے اسی کام کے ہیں کہ سیاحی کرتے رہتے ہیں اور جو شخص میری اُمت میں سلام بھیجتا ہے اُس کو میرے پاس پہنچاتے ہیں س حب مس۔

(۶) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملا انہوں نے مجھ کو خوشخبری سُنائی کہ پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اُس پر رحمت بھیجونگا اور جو شخص آپ پر سلام پڑھے گا میں اُس پر سلامتی نازل کروں گا میں نے

عہ تحقیق اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر۔

یہ سُنکر سجدۂ شکر ادا کیا مس۔

(۷) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ پر صلوٰۃ کی کثرت کیا کرتا ہوں تو کس قدر صلوٰۃ اپنا معمول رکھوں فرمایا جس قدر تمہارا دل چاہے میں نے کہا کہ ایک ربع (یعنی تین ربع اور وظائف رہیں) فرمایا جس قدر تمہارا دل چاہے اور اگر بڑھا دو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے میں نے عرض کیا نصف فرمایا جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو اور بہتر ہے میں نے کہا تو پھر سب درود ہی درود رکھوں گا فرمایا تو اب تمہارے سب فکروں کی بھی کفایت ہو جاوے گی اور تمہارا گناہ بھی معاف ہو جائے گا ت. مس۔

(۸) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں نازل فرماویں اور اس کے دس گناہ معاف ہوں اور اس کے دس درجے بڑھیں اور دس نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاویں س ط۔

(۹) اور ایک روایت میں ہے کہ درود پڑھنے والے پر اللہ تعالےٰ ستّر رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور ملائکہ اُس کے لئے ستّر بار دعا کرتے ہیں

(۱۰) کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ تم چاہتے ہو کہ قیامت کے روز تم کو پیاس نہ لگے عرض کیا ہاں ارشاد ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کثرت کیا کرو روایت کیا اس کو اصبہانی نے (حاشیۃ الحزب)

(۱۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر درود کی کثرت کرے گا وہ عرش کے

سایہ میں ہوگا روایت کیا اس کو دیلمی نے (حاشیۃ الحزب)

(۱۲) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے اُس کو میں خود سُنتا ہوں اور جو مجھ سے فاصلے پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے یعنی بذریعہ ملائکہ کے روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

(۱۳) درمختار میں اصبہانی سے نقل کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر درود پڑھے اور وہ قبول ہو جاوے تو اسّی سال کے گناہ اُس کے محو ہو جاتے ہیں۔

(۱۴) شفا میں ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتہ اُس درود کو لے کر مجھ تک پہنچاتا ہے اور نام لیکر کہتا ہے کہ فلانا ایسا ایسا کہتا ہے یعنی اس طرح درود بھیجتا ہے فض۔

(۱۵) ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کثرت کرو مجھ پر درود بھیجنے کی تحقیق وہ پاکیزگی ہے واسطے تمہارے یعنی بسبب درود کے گناہوں سے پاکی اور ہر طرح کی ظاہری و باطنی جانی و مالی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے فض

(۱۶) امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آدمی مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اُس پر درود بھیجتے ہیں یعنی اُس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے اب اختیار ہے خواہ کم درود بھیجو مجھ پر یا زیادہ مقصود یہ ہے کہ درود بکثرت پڑھنا چاہیئے فض۔

(۱۷) طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص درود بھیجے مجھ پر کسی کتاب میں ہمیشہ فرشتے اُس پر درود بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام اُس کتاب میں رہیگا ف ض۔

(۱۸) امام مستغفری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی ہر روز سو بار درود پڑھے اُس کی سنو حاجتیں پوری کی جاویں تیس[۳۰] دنیا کی باقی آخرت کی ف ض۔

(۱۹) طبرانی نے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص صبح کو مجھ پر دس[۱۰] بار درود بھیجے اور شام کو دس[۱۰] بار قیامت کے روز اُس کے لئے میری شفاعت ہوگی ف ض۔

(۲۰) ابو حفص ابن شاہین رح نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر ہزار مرتبہ درود پڑھے نہ مریگا جب تک کہ اپنی جگہ جنت میں نہ دیکھ لے گا سع۔

(۲۱) دیلمی رح نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے ہول اور خطرات سے وہ شخص زیادہ نجات پاویگا جو دنیا میں مجھ پر درود زیادہ بھیجتا ہوگا سع

فصل چہارم درود شریف کے خواص کے بیان میں

(۱) حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تمام دعائیں رُکی رہتی ہیں جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود نہ پڑھو طس۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا آسمان

وزمین کے درمیان معلّق رہتی ہے اوپر نہیں جاتی جب تک کہ اپنے نبی پر درود نہ پڑھو ت۔

(۳) حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس کا کان بولنے لگے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرے اور آپ پر درود پڑھے اور یوں کہے کہ جس نے مجھ کو یاد کیا ہو اللہ تعالیٰ اس کو خیر و رحمت سے یاد فرماویں ط ی۔

(۴) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس شخص کو منظور ہو کہ میرا مال بڑھ جاوے وہ یوں کہا کرے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَعَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا اس کا پاؤں سو گیا آپ نے فرمایا جو شخص تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اُس کا نام لے اُس نے کہا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسی وقت سُن اُتر گئی موی

(۶) ایک بار حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا آپ نے یہی عمل کیا اُسی وقت سُن اُتر گئی۔ (حاشیہ حصن از مائۃ الفوائد)

(۷) حدیثوں میں نمازِ حاجت تمام حوائج پوری ہونے کے لئے آئی ہے اُس میں بھی بعد نماز کے درود شریف پڑھا جاتا ہے تو درود شریف کو کامیابی حوائج میں دخل ٹھہرا۔

(۸) حفظ قرآن مجید کی دعا حدیث شریف میں آئی ہے اُس دعا کے ساتھ بھی درود شریف پڑھا جاتا ہے پس درود شریف کو حفظِ قرآنِ مجید میں بھی دخل ہوا ۔

(۹) ابوموسیٰ مدینی نے بسندِ ضعیف روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ مجھ پر درود

بھیجو وہ چیز یاد آجائے گی انشاء اللہ تعالیٰ فض۔

(۱۰) سب سے لذیذ تر اور شیریں تر خاصیت درود شریف کی یہ ہے کہ اس کی بدولت عشاق کو خواب میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی دولتِ زیارت میسر ہوئی ہے۔ بعض درودوں کو بالخصوص بزرگوں نے آزمایا ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ نے کتاب ترغیب اہل السعادات میں لکھا ہے کہ شب جمعہ میں دو رکعت نمازِ نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیۃ الکرسی اور گیارہ بار قل ھو اللہ اور بعد سلام سَو بار یہ درود شریف پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ تین جمعے نہ گذرنے پاویں گے کہ زیارت نصیب ہوگی وہ درود شریف یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ۔

(دیگر) نیز شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں بعد الحمد کے پچیس بار قل ھو اللہ اور بعد سلام کے یہ درود شریف ہزار مرتبہ پڑھے دولتِ زیارت نصیب ہو وہ یہ ہے صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ۔

(دیگر) نیز شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ سوتے وقت ستر بار اس درود شریف کو پڑھنے سے دولتِ زیارت نصیب ہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِكَ وَمَعْدَنِ اَسْرَارِكَ وَلِسَانِ حُجَّتِكَ وَعَرُوْسِ مَمْلَكَتِكَ وَاِمَامِ حَضْرَتِكَ وَطِرَازِ مُلْكِكَ وَخَزَائِنِ رَحْمَتِكَ وَطَرِیْقِ شَرِیْعَتِكَ الْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِیْدِكَ اِنْسَانِ عَیْنِ الْوُجُوْدِ وَالسَّبَبِ فِیْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ عَیْنِ اَعْیَانِ خَلْقِكَ الْمُتَقَدِّمِ مِنْ نُوْرِ ضِیَائِكَ صَلٰوةً تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَتَبْقٰی بِبَقَائِكَ لَامُنْتَهٰی لَهَا دُوْنَ عِلْمِكَ صَلٰوةً تُرْضِیْكَ وَتُرْضِیْهِ وَتَرْضٰی بِهَا عَنَّا یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

(دیکھو) اس کو بھی سوتے وقت چند بار پڑھنا زیارت کے لئے شیخ نے لکھا ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَامِ وَرَبَّ الْبَیْتِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّکْنِ وَالْمَقَامِ اَبْلِغْ لِرُوْحِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ مِّنَّا السَّلَامُ مگر بڑی شرط اس دولت کے حصول میں قلب کا شوق سے پُر ہونا اور ظاہری و باطنی معصیتوں سے بچنا ہے فض۔

فصل پنجم حکایات و اخبار متعلقہ درود شریف کے بیان میں

(۱) مواہب لدنیہ میں تفسیر قشیری سے نقل کیا ہے کہ قیامت میں کسی مومن کی نیکیاں کم وزن ہو جاویں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرچہ سر انگشت کے برابر نکال کر میزان میں رکھدیں گے۔ جس سے نیکیوں کا پلہ وزنی ہو جاویگا وہ مومن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جاویں آپ کون ہیں آپ کی صورت اور سیرت کیسی اچھی ہے۔ آپ فرماویںگے میں تیرا نبی ہوں اور یہ درود ہے جو تونے مجھ پر پڑھا تھا۔ میں نے تیری حاجت کے وقت اس کو ادا کردیا حاشیۂ حصن

(۲) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کہ جلیل القدر تابعی اور خلیفۂ راشد ہیں شام سے مدینۂ منورہ کو خاص قاصد بھیجتے تھے کہ اُن کی طرف سے روضۂ شریف پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے (حاشیۂ حصن از فتح القدیر)

(۳) روضۃ الاحباب میں امام اسمٰعیل بن ابراہیم مزنی سے جو امام شافعی رحمہ اللہ کے بڑے شاگردوں میں ہیں نقل کیا ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو بعد انتقال کے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا وہ بولے مجھے بخشدیا اور حکم دیا کہ مجھ کو

تعظیم و احترام کے ساتھ بہشت میں لے جاویں اور یہ سب برکت ایک درود کی ہے جس کو میں پڑھا کرتا تھا میں نے پوچھا وہ کون درود ہے فرمایا یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذّٰاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ (حاشیہ حصن)

(۴) مناہج الحسنات میں ابن فاکہانی کی کتاب فجر منیر سے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ شیخ صالح موسیٰؒ ضریر (نابینا) تھے انہوں نے اپنا گذرا ہوا قصہ مجھ سے نقل کیا کہ ایک جہاز ڈوبنے لگا اور میں اُس میں موجود تھا اُس وقت مجھ کو غنودگی سی ہوئی اُس حالت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ درود تعلیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جہاز والے اس کو ہزار بار پڑھیں ہنوز تین سو بار پر نوبت نہ پہنچی تھی کہ جہاز نے نجات پائی اور بعد الممات کے اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ بھی اس میں معمول ہے اور خوب ہے وہ درود یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اور شیخ مجد الدین صاحب قاموس نے بھی اس حکایت کو بسندِ خود ذکر کیا ہے فض۔

(۵) بعض رسائل میں عبید اللہ بن عمر قواریری سے نقل کیا ہے کہ ایک کاتب میرا ہمسایہ تھا وہ مرگیا میں نے اُس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا

---

[1] اس درود شریف کا بکثرت پڑھنا اور مکان میں لکھ کر چسپاں کرنا تمام امراض وبائیہ ہیضہ و طاعون وغیرہ سے حفاظت کے لئے مفید اور مجرب ہے اور قلب کو عجیب و غریب اطمینان بخشتا ہے اور ترفعنا بھا کے بعد بعض لوگ لفظ عِنْدَکَ بھی پڑھتے ہیں حضرت مولانا مدظلہ نے ایک والا نامہ میں احقر کو اسی طرح تحریر فرمایا تھا۔ حررہ محمد انعام اللہ غفرلہ ۱۲

کہ خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا کہا مجھے بخشدیا میں نے سبب پوچھا کہا میری عادت تھی جب نام پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب میں لکھتا تو صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑھا تا خدائے تعالیٰ نے مجھ کو ایسا کچھ دیا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی دل پر گذرا۔ (گلشن جنّت)

(۶) دلائل الخیرات کی وجہ تالیف مشہور ہے کہ مؤلف کو سفر میں وضو کے لئے پانی کی ضرورت تھی اور ڈول رسّی کے نہ ہونے سے پریشان تھے ایک لڑکی نے یہ حال دیکھ کر دریافت کیا اور کنوئیں کے اندر تھوک دیا پانی کنارے تک اُبل آیا مؤلف نے حیران ہو کر اُس کی وجہ پوچھی اُس نے کہا یہ برکت درود شریف کی ہے جس کے بعد انہوں نے یہ کتاب دلائل الخیرات تالیف کی۔

(۷) شیخ زروق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مؤلفِ دلائل الخیرات کی قبر سے خوشبو مشک و عنبر کی آتی ہے اور یہ سب برکت درود شریف کی ہے۔

(۸) ایک معتمد دوست نے راقم سے ایک خوشنویس لکھنؤ کی حکایت بیان کی کہ اُن کی عادت تھی کہ جب صبح کے وقت کتابت شروع کرتے تو اوّل ایک بار درود شریف ایک بیاض پر جو اسی غرض سے بنائی تھی لکھ لیتے اسکے بعد کام شروع کرتے جب اُن کے انتقال کا وقت آیا تو غلبۂ فکرِ آخرت سے خوف زدہ ہو کر کہنے لگے کہ دیکھئے وہاں جا کر کیا ہوتا ہے ایک مجذوب آنکلے اور کہنے لگے بابا کیوں گھبراتا ہے وہ بیاض سرکار میں پیش ہے اور اُس پر صاد بن رہے ہیں۔

(۹) مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری مرحوم کے داماد نے مجھ سے

بیان کیا کہ جس مکان میں مولوی صاحب کا انتقال ہوا وہاں ایک مہینے تک خوشبو عطر کی آتی رہی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو بیان کیا ارشاد فرمایا یہ برکت درود شریف کی ہے. مولوی صاحب کا معمول تھا کہ ہر شب جمعہ کو بیدار رہ کر درود شریف کا شغل فرماتے۔

(۱۰) ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ آسمان میں فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اس سے سبب حصول اس درجے کا پوچھا اس نے کہا میں نے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جب نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آتا میں درود لکھتا تھا اس سبب سے مجھے یہ درجہ ملا فض۔

(۱۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور حکایت ہے کہ ان کو بعد انتقال کے کسی نے خواب میں دیکھا اور مغفرت کی وجہ پوچھی انہوں نے فرمایا یہ پانچ درود شب جمعہ کو میں پڑھا کرتا تھا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَآ اَمَرْتَ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ اَنْ یُّصَلّٰی عَلَیْہِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّصَلّٰی عَلَیْہِ اس درود کو درودِ خمسہ کہتے ہیں فض۔

(۱۲) شیخ ابن حجر مکیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک صالح کو کسی نے خواب میں دیکھا اس سے حال پوچھا اس نے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخشدیا اور جنت میں داخل کیا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ فرشتوں نے میرے گناہ اور میرے درود کو شمار کیا سو شمار درود کا زیادہ نکلا حق تعالیٰ نے فرمایا اتنا بس ہے اس کا حساب مت کرو اور اس کو بہشت میں لے جاؤ فض۔

(۱۳) شیخ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ ایک مرد صالح نے معمول مقرر کیا تھا کہ ہر رات کو سوتے وقت درود بعد دمعین پڑھا کرتا تھا ایک رات خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس تشریف لائے اور تمام گھر اُس کا روشن ہو گیا آپ نے فرمایا وہ مُنہ لاؤ جو درود بہت پڑھتا ہے کہ بوسہ دوں اُس شخص نے شرم کی وجہ سے رخسارہ سامنے کر دیا آپ نے اُس کے رخسارے پر بوسہ دیا بعد اس کے وہ بیدار ہو گیا تو سارے گھر میں مشک کی خوشبو باقی رہی فضی۔

(۱۴) شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب حضرت حوا علیہا السلام پیدا ہوئیں حضرت آدم علیہ السلام نے اُن پر ہاتھ بڑھانا چاہا ملائکہ نے کہا صبر کرو جب تک نکاح نہ ہو جائے اور مہر ادا نہ کر دو اُنہوں نے پوچھا مہر کیا ہے فرشتوں نے کہا کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھنا اور ایک روایت میں بیس بار آیا ہے۔

فصل ششم مسائل متعلقہ درود شریف کے بیان میں

(مسئلہ ۱) عمر بھر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے بوجہ حکم صَلُّوا کے جو شعبان ۲ھ میں نازل ہوا۔

(۲) اگر ایک مجلس میں کئی بار آپ کا نام پاک ذکر کیا جاوے طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار میں ذکر کرنے والے اور سننے والے پر درود پڑھنا واجب ہے مگر مفتی بہ یہ ہے کہ ایک بار واجب ہے پھر مستحب ہے۔

(۳) نماز میں بجز تشہد اخیر کے دوسرے ارکان میں درود پڑھنا

مکروہ ہے (درمختار)

(۴) جب خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آوے یا خطیب یہ آیت پڑھے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ اپنے دل میں بلا جنبش زبان کے صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے (درمختار)

(۵) بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے اور با وضو نورٌ علیٰ نور ہے۔

(۶) بجز حضرات انبیا و حضرات ملائکہ علی جمیعہم السلام کے کسی اور پر استقلالاً درود شریف نہ پڑھے البتہ تبعاً مضائقہ نہیں مثلاً یوں نہ کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ بلکہ یوں کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ (درمختار)

(۷) درمختار میں ہے کہ اسباب تجارت کھولنے کے وقت یا ایسے ہی کسی موقع پر یعنی جہاں درود شریف پڑھنا مقصود نہ ہو بلکہ کسی دنیوی غرض کا اس کو ذریعہ بنایا جاوے درود شریف پڑھنا ممنوع ہے۔

(۹) درمختار میں ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت اعضا کو حرکت دینا اور آواز بلند کرنا جہل ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رسم ہے کہ نمازوں کے بعد حلقہ باندھ کر بہت چلا چلا کر درود شریف پڑھتے ہیں قابل ترک ہے۔

فصل ہفتم مواقع درود شریف کے بیان میں

(۱) جب نام مبارک زبان پر یا کان میں آوے جیسا کہ مسائل میں گذرا۔

(۲) جب کسی مجلس میں بیٹھے تو اٹھنے سے پہلے درود شریف پڑھے جیسا کہ زجر میں گذرا۔

(۳) دعا کے اوّل و آخر میں پڑھے جیسا خواص میں گذرا۔

(۴) مسجد میں جانے اور اُس سے باہر آنے کے وقت حدیث شریف میں یہ پڑھنا آیا ہے بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ فض

(۵) بعد اذان کے۔ مسلم اور ترمذی میں ہے کہ درود بھیجے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مانگے آپ کے لئے وسیلہ اللہ تعالیٰ سے فض۔

(۶) بوقت وضو کے۔ ابن ماجہ میں ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں وضو ہوتا اُس شخص کا جو صلوٰۃ نہ بھیجے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فض یعنی پورا ثواب نہیں ملتا۔

(۷) بوقت زیارت قبر شریف کے۔ بیہقی نے روایت کیا ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے میں سن لیتا ہوں فض۔

(۸) ابتدائے رسائل و کتب میں بعد بسم اللہ اور حمد کے۔ ابنِ حجر مکی رح نے لکھا ہے کہ یہ رسم اوّل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جاری ہوئی خود انہوں نے اپنے خطوط میں اسی طرح لکھا فض۔

(۹) بوقت جاگنے کے رات میں واسطے تہجد کے۔ نسائی نے سنن کبیر میں ایک حدیثِ طویل میں نقل کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ پسند کرتا ہے ایسے آدمی کو جو رات کے بیچ میں اُٹھے اور کسی کو خبر نہ ہو پھر وضو کرے پھر حمدِ الٰہی کرے اور درود پڑھے پھر قرآنِ مجید پڑھنا شروع کرے (فض)

(۱۰) واسطے دفع بلیات مثلِ وبا و زلزلہ وغیرہ کے۔ جلال الدین سیوطی نے اور دوسرے محدثین نے احادیث سے اس کو استنباط کیا ہے (فض)

فصل ہشتم آداب متفرقہ متعلقہ درود شریف کے بیان میں

(۱) جب اسم مبارک لکھے صلوٰۃ وسلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے اس میں کوتاہی نہ کرے صرف ﷺ یا صلعم پر اکتفا نہ کرے (فض)

(۲) ایک شخص حدیث شریف لکھتا تھا اور بسبب بخل کاغذ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف نہ لکھتا تھا اس کے سیدھے ہاتھ کو مرض آکلہ عارض ہوا یعنی ہاتھ اس کا گل گیا۔

(۳) شیخ ابن حجر مکیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص صرف صلی اللہ علیہ پر اکتفا کرتا تھا وسلم نہ لکھتا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خواب میں ارشاد فرمایا تو اپنے کو چالیس نیکیوں سے کیوں محروم رکھتا ہے یعنی وسلم میں چار حرف ہیں ہر حرف پر ایک نیکی اور ہر نیکی پر دس گنا ثواب لہذا وسلم میں چالیس نیکیاں ہوئیں (فض)

(۴) درود شریف پڑھنے والے کو مناسب ہے کہ بدن اور کپڑا پاک وصاف رکھے۔

(۵) آپ کے نام مبارک سے پہلے سیّدنا بڑھا دینا مستحب اور افضل ہے (درمختار)

فصل نہم بعض نکات متعلقہ درود شریف کے بیان میں

نکتہ۔ ایک سوال مشہور ہے کہ کَمَا صَلَّیْتَ میں آپ کے صلوٰۃ کو صلوٰۃ ابراہیمیہ سے تشبیہ دی گئی اور مشبہ بہ مشبہ سے اکمل ہوتا ہے اس سے صلوٰۃ محمدیہ کا نقصان لازم آتا ہے سب سے مختصر اور سہل جواب یہ ہے کہ یہ ضرور نہیں کہ مشبہ بہ اکمل ہو البتہ اوضح اور اشہر

ہونا ضروری ہے سو صلوٰۃ ابراہیمیہ چونکہ تمام اُمم و ملل اہل کتاب و مشرکین میں مشہور و مسلّم تھی اسی لئے اس کو مشبہ بہ قرار دیا گیا۔

(۲) باوجودیکہ صلوٰۃ و سلام سب انبیا پر نازل و متوجہ رہا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی کیا تخصیص ہے اس کی چند وجہ ہیں اوّل یہ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی شریعت کا طرز بہت ملتا ہوا ہے اور انبیا علیہم السّلام کے ساتھ تو صرف اصول ہی میں توافق ہے اور آپ کے ساتھ بہت فروع میں بھی اسی بناء پر ارشاد ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ عہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ شبِ معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ اپنی اُمّت کو ہمارا سلام کہئے گا۔ اس لئے اس اُمّت کو حکم ہوا کہ صلوٰۃ ابراہیمی کو نماز میں داخل کریں اور خارج نماز بھی پڑھا کریں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس اُمّت کے حال پر نہایت شفقت فرمائی تھی کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے لئے دعا فرمائی تھی اس آیت میں رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا الآیۃ عہ اور آپ نے اس اُمّت کا لقب اُمّۃ مسلمۃ اس آیت میں وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ رکھا تھا اسی لئے ارشاد ہوا ہے هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ

(۳) اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم کو یہ حکم ہوا تھا کہ تم صلوٰۃ

عہ بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ ایمان والے ۱۲

عہ اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے ۱۲

بھیجو اس آیت میں صَلُّوْا عَلَیْهِ تو ہماری طرف سے بظاہر نُصَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ مناسب ہوتا مگر پھر بھی ہم کو اَللّٰهُمَّ صَلِّ سکھلایا گیا جس میں اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست ہے کہ آپ صلوٰۃ بھیجدیجئے۔

حکمت اس میں یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل پاک اور ہم ناپاک ہماری صلوٰۃ آپ کی شایاں نہ ہوتی اس لئے گویا بزبانِ حال یہ کہا جاتا ہے کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری صلوٰۃ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے آپ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنی صلوٰۃ بھیج دیجئے تاکہ نبی طاہر پر رب طاہر کی طرف سے صلوٰۃ ہو۔

(۴) شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا سے پہلے اور پیچھے درود شریف پڑھ لیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ دونوں طرف کے درودوں کو تو ضرور ہی قبول فرماویں گے اور یہ اُن کے کرم سے بعید ہے کہ درمیان کی چیز کو رد کردیں۔

(۵) جس طرح حدیث شریف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ایکبار درود پڑھنے سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع میں ایک گستاخی کرنے سے (نعوذ باللہ منہا) اس شخص پر منجانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بسزائے استہزا یہ دس کلمات ارشاد فرمائے حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۢ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ عُتُلٍّ زَنِيْمٍ مُّكَذِّبٍ

ع بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت ہو۔ طعنے دینے والا ہو۔ چغلیاں لگاتا پھرتا ہو۔ نیک کام سے روکنے والا ہو۔ حد سے گذرنے والا ہو۔ گناہوں کا کرنے والا ہو۔ سخت مزاج ہو۔ حرامزادہ ہو۔ آیتوں کا جھٹلانے والا ہو۔

لِلْاٰیَاتِ بدلالت قولہ تعالیٰ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیَاتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝

فصل دہم درود شریف کے صیغوں کے بیان میں

یوں تو مشائخ کرام نے صدہا صیغے اس کے منقول ہیں دلائل الخیرات اس کا ایک نمونہ ہے مگر اس مقام پر صرف جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیث مرفوعہ حقیقیہ یا حکمیہ میں وارد ہیں اُن میں سے چالیس ۴۰ صیغے مرقوم ہوتے ہیں جن میں (۲۵) صلوٰۃ اور (۱۵) سلام کے ہیں گویا یہ مجموعہ درود شریف کی چہل حدیث ہے جس کے باب میں بشارت آئی ہے کہ جو شخص امر دین کے متعلق چالیس حدیثیں میری اُمت کو پہنچاوے اُس کو اللہ تعالیٰ زمرۂ علماء میں محشور فرمائیں گے اور میں اس کا شفیع ہوں گا۔ درود شریف کا امر دین سے ہونا بوجہ اس کے مامور بہ ہونے کے ظاہر ہے تو ان احادیث شریف کے جمع کرنے سے مضاعف ثواب (اجرِ درود و اجرِ تبلیغ چہل حدیث) کی توقع ہے ان احادیث سے قبل دو صیغے قرآنِ مجید سے تبرکاً لکھے جاتے ہیں جو اپنی عموم لفظی سے صلوٰۃ نبویہ کو بھی شامل ہیں اور ان احادیث کے بعد تین صیغے دو صحابی سے ایک تابعی سے مرقوم ہوں گے اب یہ سب مل کر (۴۵) صیغے ہیں اگر کوئی شخص ان سب صیغوں کو روزانہ پڑھ لیا کرے تو تمام فضائل و برکات جو جدا جدا ہر صیغے کے متعلق ہیں بتمامہا اُس شخص کو حاصل ہو جاویں اور ان احادیث و آثار کے بعد نمبروار ہر ایک کی سند یکجا ذکر کر دی جاوے گی۔

صیغۂ قرآنی

(۱) سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (۲) سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔

چہل حدیث مشتمل بر صلوٰۃ وسلام

صیغ صلوٰۃ

(حدیث اوّل) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ۔

(۲) اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْقَآئِمَةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ ارْضَ عَنِّيْ رِضًا لَّا تَسْخَطُ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔

(۳) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

(۴) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۵) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

عـــہ پارہ ۱۹ سورہ نمل رکوع ۱۴۔ عـــہ پارہ ۲۳ سورۃ صافات کے ختم پر

(۶) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۷) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۸) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۹) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۱۰) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۱۱) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(۱۲) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۱۳) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(۱۴) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(۱۵) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۱۶) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۱۷) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ

وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۱۸) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۱۹) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۲۰) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۲۱) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًی وَّلَهٗ جَزَاۤءً وَّلِحَقِّهٖ اَدَاۤءً وَّاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ اَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰی جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصّٰلِحِيْنَ يَاۤ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

(۲۲) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ

الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۲۳) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَصَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔

(۲۴) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(۲۵) وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔

صِيَغُ السَّلَامِ

(۲۶) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(۲۷) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(۲۸) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(۲۹) اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(۳۰) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔

(۳۱) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(۳۲) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَاهْدِنِيْ۔

(۳۳) اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ وَالصَّلَوَاتُ وَالْمُلْکُ لِلّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

(۳۴) بِسْمِ اللّٰہِ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ اَلصَّلَوَاتُ لِلّٰہِ اَلزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ شَھِدْتُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ شَھِدْتُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

(۳۵) اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔

(۳۶) اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔

(۳۷) اَلتَّحِیَّاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔

(۳۸) اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ اَلصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

(۳۹) اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ اَلصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (۴۰) بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ

آثار موقوفہ

(۱) اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوْکَاتِ وَ

اے اللہ زمینوں کا فرش بچھانے والے اور بلند آسمانوں کے پیدا کرنے والے۔ اور

جَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِھَا شَقِیِّھَا وَسَعِیْدِھَا

شقی اور نیک دلوں کو اُن کی فطرت کے موافق جوڑنے والے

اِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِیَ بَرَکَاتِكَ

کر دیجئے اپنی بزرگ ترین رحمتیں۔ اور بڑھنے والی برکتیں

وَرَأْفَةَ تَحَنُّنِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ

اور اپنی مہربانیاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو آپ کے بندہ اور آپ کے رسول ہیں

اَلْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ

جو اپنے سے پہلے کو ختم کرنے والے۔ اور سربند چیزوں کو کھولنے والے ہیں۔ اور حق کو حق طریقہ سے ظاہر کرنے

بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَیْشَاتِ الْاَبَاطِیْلِ کَمَا حُمِّلَ

والے ہیں۔ اور باطل کے لشکروں کا سر توڑنے والے ہیں۔ وہ مستعد ہو گئے جس طرح

فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِكَ بِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِیْ

اُن پر ذمہ داری ڈالی گئی۔ آپ کے حکم سے آپ کی فرمانبرداری کے لئے جلدی کرتے ہوئے

مَرْضَاتِكَ بِغَیْرِ نُکُلٍ عَنْ قَدَمٍ وَّلَا وَھْنٍ فِیْ

آپ کی مرضیات میں۔ بغیر قدم پیچھے ہٹانے کے۔ اور بغیر کسی سستی کے

عَزْمٍ وَّاعِیًا لِّوَحْیِكَ حَافِظًا لِّعَھْدِكَ مَاضِیًا

ارادہ میں آپ کی وحی کی نگہداشت کرنے والے۔ اور آپ کے عہد کی حفاظت کرنے والے۔ آپ کے

عَلٰی نَفَاذِ اَمْرِكَ حَتّٰی اَوْرٰی قَبَسًا لِّقَابِسٍ

حکم کو نافذ کرنے میں عزم پر قائم رہنے والے۔ یہاں تک کہ دیدیا شعلہ نور کا روشنی لینے والے کے لئے

اٰلَاءُ اللّٰہِ تَصِلُ بِاَھْلِہٖ اَسْبَابُہٗ بِہٖ ھُدِیَتِ الْقُلُوْبُ

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اللہ والوں کے ساتھ اسباب کو ملادیتی ہیں۔ آپ ہی کے ذریعہ قلوب کو ہدایت کی گئی

بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاٰثَامِ وَاَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ

بعد اُن کے فتنوں اور گناہوں میں ڈوب جانیکے۔ اور زینت دی آپ نے چمکتے ہوئے

الْاَعْلَامِ وَمُنِيْرَاتِ الْاِسْلَامِ وَنَائِرَاتِ

نشانوں کو۔ اور اسلام کو روشن کرنے والی چیزوں کو۔ اور روشن

الْاَحْكَامِ فَهُوَ اَمِيْنُكَ الْمَامُوْنُ وَخَازِنُ عِلْمِكَ

احکام کو پس وہ آپ کے امین معتمد ہیں ۔ اور آپ کے پوشیدہ علم کے

الْمَخْزُوْنِ وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعِيْثُكَ

محافظ ہیں اور آپ کے گواہ ہیں قیامت کے دن۔ اور آپ کی بھیجی ہوئی

نِعْمَةً وَّرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ مَفْسَحًا

نعمت ہیں۔ اور آپ کے رسول برحق ہیں۔ جو سراپا رحمت ہیں۔ اے اللہ کشادہ کردے انکے لئے جگہ

فِيْ عَدْنِكَ وَاجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ

اپنی بہشت میں۔ اور جزا دے اُن کو نیکیوں کی چند در چند اپنے

فَضْلِكَ مُهَنَّاٰتٍ لَهٗ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِّنْ فَوْزِ

فضل سے جو خوشگوار ہوں اُن کے لئے ۔ اور بے کدورت ہوں (یعنی) آپ کا

ثَوَابِكَ الْمَضْنُوْنِ وَجَزِيْلِ عَطَائِكَ الْمَخْزُوْنِ

عظیم ثواب جو محفوظ ہے اور بڑی عطا جو جمع کی گئی ہے

اَللّٰهُمَّ اَعْلِ عَلٰى بِنَاءِ الْبَانِيْنَ بِنَاءَهٗ وَاَكْرِمْ مَثْوَاهُ

اے اللہ بلند کر دوسرے منزل والوں کی منزل سے انکی منزل کو ۔ اور مکرم فرما انکی آرام گاہ

لَدَيْكَ وَنُزُلَهٗ وَاَتْمِمْ لَهٗ نُوْرَهٗ وَاجْزِهٖ مِنْ

اور ان کی مہمانی کو اپنے پاس۔ اور پورا فرما دے اُن کے نور کو ان کے واسطے اور جزا دے

ابْتِعَاثِكَ لَهٗ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ وَمَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ

ان کو دین کے لئے کھڑے ہوجانے کی اس طرح کہ آپ مقبول الشہادت اور پسندیدہ گفتگو ہیں

ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَخُطَّةٍ فَصْلٍ وَحُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ

آپ کا کلام انصاف اور عادت فیصلہ کن اور حجت اور برہان

عَظِيْم.

عظیم ہیں۔

(۲) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَ

اے اللہ نازل کر درود اپنا اور رحمت اپنی اور

بَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ

برکتیں اپنی رسولوں کے سردار اور پرہیزگاروں کے امام

وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ

اور نبیوں کے ختم کرنیوالے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو آپ کے بندہ اور آپکے رسول ہیں

وَاِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ

اور بھلائی کے امام اور خیر کے قائد ہیں۔ اور رسول رحمت ہیں ۔ اے اللہ

ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهٗ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ

مبعوث فرما اُن کو مقام محمود پر کہ رشک کریں اس پر پہلے

وَالْاٰخِرُوْنَ.

اور پچھلے۔

(۳) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِهٖ وَ

اے اللہ درود بھیج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اُن کی آل اور

اَصْحَابِهٖ وَاَوْلَادِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَ

اُن کے اصحاب اور اُن کی اولاد اور اُن کی ازواج اور اُن کی ذریت اور

اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَصْهَارِهٖ وَاَنْصَارِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ

اُن کے اہل بیت اور اُنکی سسرال والوں اور ان کے مدد دینے والوں اور اُنکی پیروی کرنیوالوں اور

وَاُمَّتِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

انکے محبت کرنیوالوں اور ان کی امت پر اور اُن سب کے ساتھ ہم پر اے ارحم الراحمین۔

اسانید چہل حدیث صلوٰۃ وسلام بالترتیب

(۱)ؔ روایت کیا اس کو بزار و طبرانی رحؒ نے صغیر اور اوسط میں ویفع سے مرفوعاً کہ جو اس کو پڑھے اُس کے لئے میری شفاعت واجب اور ضروری ہے سع (۲) روایت کیا اس کو مسند احمد میں حصن۔ (۳) روایت کیا اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو سعید خدری سے مرفوعاً کہ جس شخص کے پاس خیرات کرنے کو مال نہ ہو تو اپنی دعا میں یہ درود پڑھے وہ اس کے لئے باعث تزکیہ ہوگی سع۔ (۴) روایت کیا اس کو بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً کہ تشہد کے بعد یہ درود پڑھا کرو سع (۵) روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم اور نسائی نے کعب بن عجرہ رضؓ سے مرفوعاً۔ سع (۶) روایت کیا اس کو مسلم رحؒ نے سع۔ (۷) روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے سع۔ (۸) روایت کیا اس کو نسائی نے سع۔ (۹) روایت کیا اس کو ابوداؤد رحؒ نے سع (۱۰) روایت کیا اس کو ابوداؤد رحؒ نے سع۔ (۱۱) روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد اور مسلم رحؒ نے حدیث ابو مسعود انصاری رضؓ سے (۱۲) روایت کیا اس کو نسائی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابو حمید ساعدی رضؓ سے سع۔ (۱۳) روایت کیا اس کو مسلم رحؒ نے سع۔ (۱۴) روایت کیا اس کو ابوداؤد نے حدیث ابوہریرہ رضؓ سے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ ہمارے گھرانے والوں پر درود پڑھتے وقت ثواب کا پورا پیمانہ لے تو یہ دُرود پڑھے سع (۱۵) روایت کیا اس کو طبری نے اپنی تہذیب میں ابوہریرہ رضؓ سے مرفوعاً کہ جو شخص یہ درود پڑھے قیامت کے دن اُس کے لئے گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا سع۔

ؔ چونکہ یہاں سے صرف کتابوں کے حوالے تھے۔ کوئی مضمون مقصود نہیں تھا۔ اس لئے اس مرتبہ یہاں سے ۴۳ تک خط خفی کر دیا گیا۔ ۱۲ شبیر علی۔

(۱۶) روایت کیا اس کو خیرو بری نے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت علی رضؓ سے۔ مرفوعاً سع (۱۷) روایت کیا اس کو مجد الائمہ ترجمانی نے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور جابرؓ سے مرفوعاً سع (۱۸) روایت کیا اس کو اصحاب صحاح ستہ نے اور یہ سب صیغوں سے بڑھ کر صحیح ہے حرز ثمین۔ (۱۹) ح س کی حصن (۲۰) س حص (۲۱) بخاری نے القول البدیع میں بروایت ابنِ ابی عاصم مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو کوئی سات جمعے تک ہر جمعے کو سات بار اس درود کو پڑھے واجب ہو اُس کے لئے شفاعت میری حاشیہ دلائل (۲۲) روایت کیا اس کو احمد نے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن مسعود سے نقل کیا سن (۲۳) روایت کیا اس کو دار قطنی نے اپنی سنن میں ابن مسعود سے مرفوعاً سن (۲۴) روایت کیا اس کو احمد نے بریدہؓ سے سن (۲۵) س حصن (۲۶) روایت کیا اس کو نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے (۲۷) روایت کیا اس کو نسائی نے حضرت ابوموسےٰ اشعری سے (۲۸) روایت کیا اس کو نسائی نے حضرت ابوموسےٰ اشعری سے (۲۹) روایت کیا اس کو نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے (۳۰) روایت کیا اس کو نسائی نے حضرت جابرؓ سے (۳۱) مو مس طا حصن (۳۲) ط س حصن (۳۳) د حص یہ روایت صرف الملك للہ تک مذکور ہے مگر غالباً راوی نے اختصار کیا ہے اس لئے صیغۂ سلام بھی تتمیماً میں نے لکھدیا (۳۴) روایت کیا اس کو امام مالک نے موطا میں کہ ابنِ عمر پڑھتے تھے نسع ہر چند کہ اس کے مرفوع ہونے کی تصریح نہیں ہے مگر چونکہ تعلیم تشہد سے قبل صحابہؓ جو اپنی رائے سے پڑھا کرتے تھے اسکا متروک ہونا مصرح ہے اس لئے مظنون یہ ہے کہ یہ اور اسکی امثال مرفوع ہیں نیز رائے سے کسی ذکر کا داخل صلوٰۃ کرنا بھی مستبعد ہے لہٰذا مرفوع میں ذکر کیا گیا (۳۵) روایت کیا اس کو امام مالک نے کہ حضرت عائشہؓ اس کو پڑھا کرتی تھیں سع (۳۶) روایت کیا

اسکو مالک نے نیز حضرت عائشہؓ سے سع (۳۷) روایت کیا طحاویؒ نے حضرت ابوموسٰی اشعری سے سع (۳۸) روایت کیا اس کو ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سع (۳۹) م عد حب حص (۴۰) مص حص (آثار) نمبر (۱) سلامۃ الکندی سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ یہ لوگوں کو سکھلاتے حاشیۂ دلائل از شفائے قاضی عیاضؒ روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے باسناد حسن موقوفاً حضرت ابی مسعودؓ سے سع ۲ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جو حوض کوثر کا بھرا پیالہ چاہے وہ یہ درود پڑھے حاشیہ دلائل از شفاء:

خاتمہ درود منظوم میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

(۱) صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رَأْسِ فَرِیْقِ النَّاسِ
مِنْہُ لِلْخَلْقِ اَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَأْسِ

(۲) صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ ہُوَ فِیْ حَرِّ غَدٍ
کُلَّ مَنْ یَّظْمَأُ یُسْقِیْہِ رَحِیْقَ الْکَاْسِ

(۳) صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ بِرَجَاءِ الْکَرَمِ
خَصَّ مَنْ جَاءَ اِلَیْہِ لِعُمُوْمِ النَّاسِ

(۴) صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مُوْنِسِ کُلِّ الْبَشَرِ
مُبْدِلِ الْوَحْشَۃِ فِی الْقَبْرِ بِاِسْتِیْنَاسِ

(۵) صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رُوْحِ رَئِیْسِ الرُّسُلِ
نَقْتَدِیْ نَحْنُ عَلٰی اَرْجُلِہٖ بِالرَّأْسِ

(۶) صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی ذِیْ نِعَمٍ دَآئِمَۃٍ
اَنْعَمَ الْیَوْمَ عَلَی الْخَیْرِ بِلَا مِقْیَاسِ

(۷) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی صَاحِبِ شَرْعٍ حَسَنٍ
فَرَّقَ النَّاسَ مَتٰی جَآءَ مِنَ النَّسْنَاسِ

(۸) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی ذِیْ کَرَمٍ اُمَّتُهٗ
تَدْخُلُ الْجَنَّةَ فِی الْحَشْرِ بِلَا وَسْوَاسِ

(۹) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ لَوْلَاهُ لَمَا
یَشْمَلُ النَّامِیَةَ الْکَوْنَ مَعَ الْحَسَّاسِ

(۱۰) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ مِنْ عِصْمَتِهٖ
یَعْصِمُ الْحَقُّ مُحِبِّیْهِ مِنَ الْخَنَّاسِ

(۱۱) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ مَنْ عَاذَ بِهٖ
لَمْ تَصِلْ قَطُّ اِلَیْهِ یَدَیِ الْوَسْوَاسِ

(۱۲) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ مِنْ بَارِقَةِ
السَّیْفِ قَدْ اَذْهَبَ قَطْعًا بَصَرَ الشَّمَّاسِ

(۱۳) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی صٰحِبِ نَوْعِ الشَّرَفِ
مَیَّزَ النَّاسُ بِهِ الْفَصْلَ مِنَ الْاَجْنَاسِ

(۱۴) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ لِنَخِیْلِ الْکَرَمِ
فِیْ رِیَاضِ الْاُمَمِ الْیَوْمَ لَنَا الْغَرَّاسِ

(۱۵) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ بِغِنَآءِ الْکَرَمِ
مِنْ بُیُوْتِ الْفُقَرَآءِ یَذْهَبُ بِالْاِفْلَاسِ

(۱۶) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی عِتْرَتِهِ الطَّاهِرَةِ
وَعَلَی الصَّحْبِ مَعَ الْحَمْزَةِ وَالْعَبَّاسِ

(۱۷) صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ لَّا وَبِیْ مِنْہُ
طُہْرُ الْقَالِبِ وَالْقَلْبِ مِنَ الْاَدْنَاسِ

تمت

جَمَعَ ہٰذِہِ الْاَوْرَاقَ اَشْرَفُ عَلِی فِی
شُہُوْرِ سَنَۃِ ۱۳۲۰ مِنَ الْہِجْرَۃِ

نیل الشفا بنعل المصطفیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کے کثرتِ معاصی سے جو کچھ ہجومِ بلیات صوریّہ و معنویہ ہے ظاہر ہے اس کا علاج بجز اصلاحِ اعمال و توبہ و استغفار کے کچھ نہیں ہے مگر ہم لوگوں کے قلب و زبان کی جو کیفیت ہے معلوم ہے البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اُس کی برکت سے حضور قلب بھی میسّر ہو سکتا ہے اور امیدِ قبول بھی قریب ہے منجملہ اُن وسائل کے تجربہ بزرگانِ دین نقشہ نعل مقدس حضورِ سرورِ عالم فخرِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت قوی البرکت سریع الاثر پایا گیا ہے اس لئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خیر النعال صلی اللہ علی صاحبہ فوق عدد الرمال حسبِ روایت امام زین الدین عراقی محدث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنے حاجات و معروضات جنابِ باری تعالیٰ میں قبول کرائیں۔ اس نقشہ شریف کے آثار و خواص و فضائل کو کون شمار میں لاسکتا ہے مگر اس مقام پر نہایت اختصار کے ساتھ کتب معتبرہ علمائے محدثین و محققین سے چند برکات اور کچھ ابیات مشتمل بر ذوق و شوق نقل کئے جاتے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعشق اور محبت پیدا ہو اور بوجہ غلبۂ محبت بلاتکلف آپ کا اتباع نصیب ہو جو حاصل مقصود اور سرمایۂ نجاتِ دینوی و اخروی ہے۔

طریق توسل. بہتر ہے کہ آخر شب میں اُٹھکر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے اس کے بعد گیارہ بار درود شریف گیارہ بار کلمۂ طیبہ گیارہ بار استغفار پڑھکر اس نقشہ کو باادب اپنے سر پر رکھے اور تبضرع تمام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی میں جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشۂ نعل شریف کو سر پر لئے ہوں ان کا ادنیٰ درجے کا غلام ہوں الٰہی اس نسبتِ غلامی پر نظر فرما کر برکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرمائیے مگر خلافِ شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر پر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بمحبت بوسہ دے اشعارِ ذوق وشوق بغرض ازدیاد عشقِ محمدی پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

بعض آثار وخواص نقشہ نعل شریف

علامۂ محدث حافظ تلمسانی کتاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال میں فرماتے ہیں کہ اس نقشۂ شریف کے منافع ایسے کھلم کھلا ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں منجملہ اُن کے ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے ایک طالب علم کیلئے یہ نقشہ بنوا دیا تھا وہ میرے پاس ایک روز آکر کہنے لگا کہ میں نے شب گذشتہ میں اس کی عجیب برکت دیکھی کہ میری بی بی کے اتفاقاً ایسا سخت درد ہوا کہ قریب بہ ہلاکت ہوگئی میں نے یہ نقشہ شریف درد کی جگہ رکھ کر عرض کیا کہ یا الٰہی مجھ کو صاحب نعل شریف کی برکت دکھلائیے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفا عنایت فرمائی قاسم بن محمد کا قول ہے کہ اس کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص اس کو تبرکاً اپنے

پاس رکھے ظالموں کے ظلم سے دشمنوں کے غلبے سے شیطانِ سرکش سے
حاسد کی نظرِ بد سے امن وامان میں رہے اور اگر حاملہ عورت دردِ زہ
کی شدت کے وقت اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھے بفضلہ تعالیٰ اسکی
مشکل آسان ہو شیخ ابن حبیب النبی روایت فرماتے ہیں کہ اُن کے
ایک دُمل نکلا کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا نہایت سخت درد ہوا کسی
طبیب کی سمجھ میں اس کی دوا نہ آئی انہوں نے یہ نقش شریف درد کی
جگہ رکھ لیا معاً ایسا سکون ہو گیا کہ گویا کبھی درد ہی نہ تھا ایک اثر خود
میرا (یعنی صاحبِ فتح المتعال کا) مشاہدہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار سفر
دریائے شور کا اتفاق ہوا ایک دفعہ ایسی حالت ہوئی کہ سب ہلاکت
کے قریب ہو گئے کسی کو بچنے کی اُمید نہ تھی. میں نے یہ نقشہ ناخدا کے پاس
بھیجد یا کہ اس سے توسل کرے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا
فرمائی اور محمد ابن الجزری ؒ سے منقول ہے کہ جو شخص اس نقش شریف (
کو اپنے پاس رکھے خلائق میں مقبول رہے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ
وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہو اور یہ نقش شریف جس لشکر میں
ہو اُس کو شکست نہ ہو اور جس قافلے میں ہو لوٹ مار سے محفوظ رہے
جس اسباب میں ہو چوروں کا اُس پر قابو نہ چلے جس کشتی میں ہو غرق
سے بچے اور جس حاجت میں اس سے توسل کریں وہ پوری ہو یہ تمام
مضامین کتاب القول السدید فی ثبوت استبراك نعل سَیّد
الاحرار والعبید سے نقل کئے گئے ہیں اور کتاب المرتجی بالقبول
فی خدمۃ قدام الرسول میں علمائے محققین وصلحائے معتبرین سے
بہت آثار وخواص وحکایات نقل کئے ہیں جس کو شوق ہو دیکھ لے اب

چند اشعار شوقیہ مع ترجمے کے لکھے جاتے ہیں کہ اُن کو پڑھ کر سمجھ کر اپنے شوق و محبت کو بڑھاویں۔

قَالَ الْاِمَامُ ابُوالْخَیرُ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَزَرِیُّ علیہ الرحمۃ

يَا طَالِبًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهِ

اے طلب کرنے والے نقش نعل شریف اپنے نبی کے

هَا قَدْ وَجَدْتَّ اِلَى اللِّقَاءِ سَبِيْلًا

آگاہ ہو جا تحقیق پا لیا تو نے اُس کے ملنے کا راستہ

فَاجْعَلْهُ فَوْقَ الرَّأْسِ وَاخْضَعْ لَهُ

پس رکھ اس کو سر پر اور خضوع کر اس کے لئے

وَتَغَالَ فِيْهِ وَاَوْلِهِ التَّقْبِيْلًا

اور مبالغہ کر خضوع میں اور پیا پے اس کو بوسے دے

مَنْ يَّدَّعِي الْحُبَّ الصَّحِيْحَ فَاِنَّهُ

جو شخص دعوے کرے سچی محبت کا پس بے شک وہ

يُثْبِتُ عَلٰى مَا يَدَّعِيْهِ دَلِيْلًا

قائم کرتا ہے اپنے دعوے پر دلیل کو

عن السید محمد الجمازی الحسینی المالکی

(۱) لَمَّا رَأَیْتُ مِثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفٰی

جب دیکھا میں نے نقشہ نعل شریف حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا

اَلْمُسْنَدِ الْوَضْعِ الصَّحِیْحِ مُعَرَّفًا

جس کی وضع سند صحیح سے بتلائی ہوئی ہے

(۲) فَمَسَحْتُ وَجْهِیْ بِالْمِثَالِ تَبَرُّکًا

تو میں نے مل لیا اپنے چہرے پر اُس نقشے کو واسطے برکت کے

فَشُفِیْتُ مِنْ وَّقْتِیْ وَکُنْتُ عَلَی الشَّفَا

سو مجھ کو اُسی وقت شفا ہوگئی حالانکہ میں قریب بہ ہلاکت ہوگیا تھا

(۳) وَظَفِرْتُ بِالْمَطْلُوْبِ مِنْ بَرَکَاتِہٖ

اور پہنچ گیا میں مطلب کو اُس کی برکتوں سے

وَوَجَدْتُّ فِیْہِ مَا اُرِیْدُ مِنَ الصَّفَا

اور پایا میں نے اُس میں جو کچھ میں چاہتا تھا صفائی سے

قال فی التحفۃ الرّسولیۃ

ہر کہ بقرطاس مثالش کشد
تاج وش آں رابسرِ خود نہد

فتح و ظفر یابد و گردد عزیز
نورِ دل افزاید و عقل و تمیز

آتشِ سوزندہ نسوزد ورا	سوزنِ سیلاب ندوزد ورا
از ہمہ آفات سلامت بود	روزِ قیامت بکرامت بود
وانکہ بخانہ نہدش با ادب	غم رود از خانۂ و آید طرب
ہر کہ بہ بیند بدلش بر نہد	شجرۂ امید ورا بر دہد
میکشم ایں جا بہ تبرک مثال	تا شود ایں نسخہ گرامی مقال

ضروری عرض

اس نقشۂ شریف کو ادب و احتیاط سے رکھیں مگر ایسا غلو نہ کریں کہ خلافِ شرع کوئی بات ہو جائے اور اس کو وسیلہ برکت و محبت سمجھیں یہ نہیں کہ تمام احکام دین و اعمالِ خیر کو رخصت کر کے اس پر کفایت کریں والسّلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ۔

ضروری توضیح و تنبیہ متعلقہ رسالہ نیل الشفا بنعل المصطفیٰ

بعد الحمد والصلوٰۃ رسالہ نیل الشفاء میں سے نقشہ نعل مبارک اور طریق توسل کو بعض حضرات نے مستقل شائع کرنا چاہا اور حضرت مصنف دامت برکاتہم سے اس کی اجازت چاہی تو حضرتِ والا نے اس سے منع فرمایا یہ خط اور جواب مکتوبات خیرت حصہ سوم صہ ۱۵ بابت ۱۳۳۳ھ سے بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

سوال. خاکسار کا قصد ہے کہ محض نقشہ نعل شریف جو زاد السّعید میں شامل ہے علیحدٰہ طبع کرا کے افادۂ عام کی غرض سے صاحبان ضرورت کو تقسیم کر دوں۔

الجواب. تجربہ و تامل سے اس کا انجام عوام کے لئے اچھا معلوم نہیں ہوتا بہت جلد غلو و بدعت میں مبتلا ہو جاتینگے۔ مجھ کو زاد السّعید میں شائع ہونا بھی مصلحت معلوم نہیں ہوا مگر خیر وہ ایک کتاب ہے اس میں عبارت بھی

موجود ہے اس سے انسداد مفسدہ کا ممکن ہے اور صرف نقشہ کی اشاعت میں غلو کا احتمال زیادہ ہے۔ فقط

پھر رنگون کے بعض دولتمند مسلمانوں نے نیل الشفا میں یہ نقشہ اور اس کے فضائل اور خواص اور طریقِ توسل دیکھ کر نعل مبارک کے نقشے کو علیٰحدہ کاغذ پر بہت خوبصورت اور خوش وضع چھپوایا اور نقشہ نعلِ مبارک پر کچھ عبارتیں اور کلماتِ متبرکہ بھی چھپوا دئے اس پر بعض اہلِ علم اور دردمندانِ شریعت کو کچھ شبہات پیش آئے اور اہلِ افراط و تفریط کی جانب سے نامناسب لہجہ میں خدشات کا اظہار کیا گیا۔

کسی بزرگ نے ان شبہات و خدشات کو بصورتِ سوال لکھ کر حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہٗ کی خدمت بابرکت میں بھیجدیا۔ حضرت مولانا نے ۱۳۴۱ھ میں اس سوال کا جو جواب ارشاد فرمایا تھا وہ النور نمبر ۹ جلد سوم بابت محرم ۱۳۴۲ھ کے صفحہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس کے متعلق مفصل خط و کتابت اور مکرر سوال و جواب کی تفصیل رسالہ اتمام المقال فی بعض احکام التمثال میں مستقلاً شائع کر دی گئی ہے جس کا خلاصہ اور نتیجہ حضرت ہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

یہ تو طالبعلمانہ کلام ہے جس میں جانبین کو بہت وسعت ہے۔ ہر جواب پر شبہ اور ہر شبہ کا جواب ہو سکتا ہے لیکن شیخ شیرازی کا ارشاد یاد آتا ہے ؎

ندانی کہ مارا سرِ جنگ نیست ۔ و گرنہ مجالِ سخن تنگ نیست

اس لئے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا۔ چنانچہ مکتوباتِ خبرت کے حصہ سوم بابت ۱۳۳۳ھ کے صفحہ ۱۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے۔ مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا۔ لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلافِ آراء سے نفسِ مسئلہ میں تردد پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے

ساتھ عوام کے اختلاف ہوا ہے جس سے میرا ذہن خالی تھا مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم دع ما یریبک الی ما لا یریبک الحدیث اپنے رسالہ نیل الشفاء سے رجوع کرتا ہوں۔ اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہو گیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار او تکرار کرتا ہوں

أرى انني راض بان احمل الهوى واخلص منه لا علي ولا ليا

والسلام

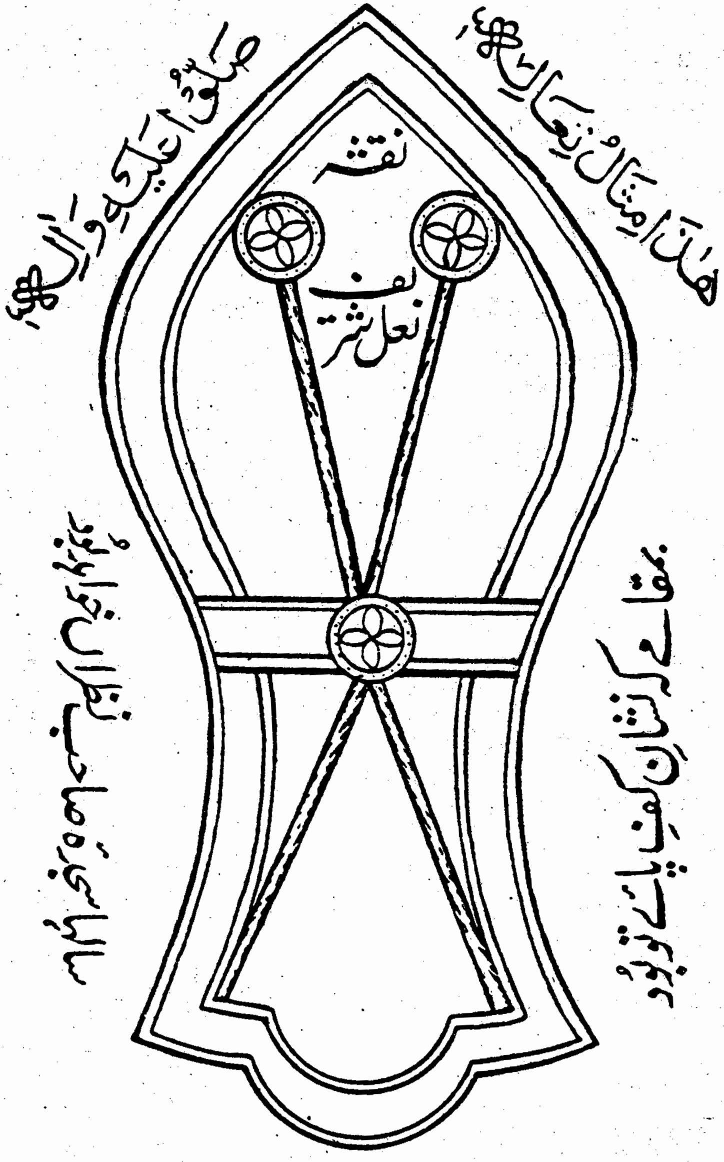
نوٹ۔ اگر ممکن ہو کم از کم اس مضمون کو مکملاً یا ملخصاً جلدی شائع فرما دیں پھر خواہ مستقلاً وہو یا دلی یا اخبار میں۔ اشرف علی ۴ جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ

ضروری توضیح

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے رسالہ نیل الشفاء سے اس اعلان رجوع کا مطلب یہ ہے کہ رسالہ نیل الشفاء سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ نقشہ نعل شریف سے استبراک وتوسل کی مسلمانوں کو تلقین وترغیب اور نقشہ کی تشہیر واشاعت کی تحریص مقصود ہے۔ اب حضرت مولانا دام فیضہم نے عوام کے تجاوز عن الحد اور غلو کو مدنظر رکھ کر استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر واشاعت کی تلقین سے رجوع فرمالیا ہے رہا کسی عاشق صادق اور مجذوب محبت کا والہانہ طرز عمل تو وہ بجائے خود مذموم نہیں بلکہ مسکوت عنہ ہے۔ اسی طرح نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو جانے کا جو ذکر ہے اس کا حاصل بھی بجائے جزم جواز سابق کے عدم جزم جواز ہے نہ کہ جزم عدم جواز۔ پس عشاق پر طعن نہ کیا جائے۔

حضرت مولانا کے اعلان رجوع سے کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اس نظریہ سے یہ ضروری توضیح کر دی گئی اور حضرت مولانا کی اجازت سے شائع کی گئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ


هذا مثال نعال النبي
صلوات الله عليه وآله
نقشه
نعل شريف

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْرَجَنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْھَادِیْ اِلٰی مَایُوْجِبُ السُّرُوْرَ الْحُبُوْرَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الَّذِیْنَ نَشْرَطَ الْحَقَّ طَبِیْعَھُمُ الْمَشْکُوْرِ

اس زمانے میں اکثر مسلمانوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنی رسومِ اختراعیہ کے اس قدر پابند ہیں کہ فرض وواجب کے قضا ہوجانے کا غم نہ ہو مگر ان رسوم میں رائی برابر بھی کمی نہ ہو اور ان کی بدولت طرح طرح کی پریشانی اور تنگدستی اور مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور دین دنیا دونوں کھوتے ہیں اور چونکہ ان کا رواج عام ہے اس لئے ان کی برائی بھی دل میں بس برائے نام ہے، بلکہ بعض امر تو بعض کے نزدیک اچھا بلکہ ثواب کا کام ہے، یہی وجہ ہے کہ ناصحین سے الجھتے ہیں اور لغو شبہات وتاویلیں کر کے

پہلا باب

پہلی فصل

ا۔ ان رسوم میں جن کو اکثر کرنے والے بھی گناہ سمجھتے اور کرتے ہیں ان میں ایک رسم شادی میں ناچ کرانے کی ہے۔ جس میں یہ قبائح (۱) ہیں۔ نامحرم (۲) عورتوں کو اہل مجلس دیکھتے ہیں جو آنکھ کا زنا ہے۔ اس کے بولنے اور گانے کی آواز سنتے ہیں جو کان کا زنا ہے۔ اس سے باتیں کرتے ہیں جو زبان کا زنا ہے۔ اس کی طرف قلب کا میلان (۳) ہوتا ہے جو دل کا زنا ہے۔ جو زیادہ بے حیا ہیں اس کو ہاتھ بھی لگاتے ہیں جو ہاتھ کا زنا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ مضمون صراحتاً موجود ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول مقبول ﷺ نے بہت سے لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھا منجملہ ان کے ایک مقام پر دیکھا کہ ایک غار بشکل تنور کے ہے جو اوپر سے تنگ ہے اور نیچے سے فراغ ہے، اس میں آگ بھری ہے اور اس میں بہت مرد اور عورتیں ننگی ہیں جس وقت آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ سب اوپر آجاتے ہیں اور جب وہ شعلہ نیچے جاتا ہے تو اس کے ساتھ وہ سب بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنا کار لوگ ہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا

(۱) برائیاں ۱۲۔ (۲) غیر ۱۲۔ (۳) رجحان ۱۲

رسول مقبول ﷺ نے لعنت کرے اللہ تعالیٰ بدنگاہ کرنے والے کو اور جس کی طرف بدنگاہ کی جائے۔ یعنی جب بھی وہ اس کا قصد کرے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص بدنگاہ سے دیکھے قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں پگھلا ہو سیسہ ڈالا جائے گا۔

۲۔ اتنے گناہوں کا علی الاعلان ہونا کیونکہ یہ بات مقرر ہے کہ پوشیدہ گناہ کرنے سے اعلانیہ زیادہ برا ہے۔ حدیث میں ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے علامات قرب قیامت میں فرمایا کہ جب فلاں فلاں امر واقع ہوں اور گانے والیاں اور باجے والے علی الاعلان ظاہر ہونے لگیں اس وقت لوگوں کو اندیشہ کرنا چاہئے سرخ ہوا کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنس جانے کا اور صورت مسخ (۱) ہو جانے کا اور پتھر برسنے کا اور بڑی بڑی سخت نشانیوں کا کہ اس طرح لگا تار آئیں گی جیسے کسی لڑی کا تاگا ٹوٹ جائے اور اس کے دانے لگا تار گرنے لگتے ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ واقعی یہ حدیث گویا ناچ ہی کی پیشین گوئی ہے کہ کسی وقت ایسا بھی ہوگا کہ جو لوگ بے باکی سے اس میں شریک ہوتے ہیں وہ سن لیں کہ اس میں کیسی وعیدیں ہیں اور حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول مقبول ﷺ نے کہ نہیں ظاہر ہوئی بے حیائی اور فحش کسی قوم میں یہاں تک کہ اس کو کھلم کھلا کرنے لگیں، مگر پھیل پڑتا ہے طاعون ان میں اور ایسی بیماریاں کہ ان کے گزشتہ بزرگوں میں کبھی نہیں ہوئی۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور کوئی شک نہیں کہ ناچ میں شریک ہونے سے زیادہ اور کیا بے حیائی ہوگی۔ طاعون اور نئی نئی بیماریوں کا پھیلنا ہمارے ملک میں ظاہر ہے، یہ نتیجہ ان ہی فحش افعال کا ہے۔

۳۔ بانی (۲) اور مہتمم مجلس کے لئے خصوصاً یہ کہ وہ اتنے آدمیوں کو گناہ کی طرف بلاتا اور جمع کرتا ہے، پس جس قدر جدا جدا سب کو گناہ ہوتا ہے اسی قدر سب کو ملا کر اکیلے اس بانی و مہتمم کو ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی دیکھا دیکھی جو بھی اس قسم کا جلسہ کرے گا

(۱) اصلی صورت کے بگڑنے کا۔ (۲) ابتداء کرنے والا۔

اس میں بھی یہ شخص شریک گناہ(۱) ہوگا۔ بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی جب تک اس کا بنیاد ڈالا ہوا سلسلہ چلے گا اس وقت تک برابر اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے جائیں گے۔ حدیث میں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص راہ ہدایت کی طرف بلائے، جتنے آدمی اس کی پیروی کریں گے جس قدر ان سب کو ثواب ملے گا اسی قدر اس کو بھی ثواب ہوگا اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص کسی گمراہی کے طریقے کی طرف بلائے جتنے اس کی پیروی کریں گے جس قدر ان سب کو گناہ ہوگا اتنا اس اکیلے کو ہوگا اور اس کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

۴۔ وہ لوگ مجلس میں موجود نہیں دور دراز رہتے ہیں۔ ان کو بذریعہ خطوط کے اور رنگین رقعوں کے اطلاع دیتا ہے کہ اس طرح فسق و فجور کروں گا۔ یہ کیا ہے۔ یہ بھی خود ایک سخت گناہ ہے۔ حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب کے لئے معافی ہے مگر جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں اور یہ بھی کھلم کھلا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاری فرمائی تھی، مگر صبح کو اس نے خود اپنے کو فضیحت کرنا شروع کیا کہ میاں فلانے ہم نے فلانے دن کام کیا تھا، خود اپنی پردہ دری کی، حالانکہ خدائے تعالیٰ نے چھپالیا تھا، ظاہر ہے کہ شادی کے رقعوں میں شادی کی اطلاع دور دور کی جاتی ہے اور اس مضمون میں اس فعل کا استحسان اور دوسروں کو ترغیب شرکت اور اپنی منت کشی ہوتی ہے۔

۵۔ اس مجلس میں معازف (۲)، مزامیر (۳) بے دھڑک بجائے جاتے ہیں، جو خود سامان معصیت (۴) ہیں۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حکم فرمایا ہے مجھ کو میرے پروردگار نے معازف اور مزامیر کے مٹانے کا۔ روایت کیا اس کو احمدؒ نے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ جس چیز کے مٹانے کے لئے تشریف لائیں اس کے رونق دینے

(۱) یعنی حصہ دار ہوگا۔ (۲) ہاتھ سے بجانے کے باجے۔ (۳) منہ سے بجانے کے باجے۔
(۴) یعنی گناہ ہیں۔

والے کے گناہ کا کیا ٹھکانہ ہے۔

۶۔ شرکاءِ مجلس کو تو نماز کیا خاک نصیب ہوتی اور پاس پڑوس والوں کی نماز میں گانے بجانے کی آواز سے خلل ونقصان واقع ہوتا ہے، بعض لوگوں کو اس پریشانی میں نیند بے وقت آتی ہے اور نماز قضا ہو جاتی ہے۔ سوان نمازوں کے برباد ہونے کا وبال اس شخص پر پڑتا ہے، ایک ایک نماز کے ترک پر حدیث میں جہنم کی وعید آئی ہے۔ جس شخص نے اتنے آدمیوں کی نماز خراب کی اس کے عذاب کا کیا ٹھکانہ ہے۔

۷۔ اکثر ناچ دیکھنے کی جب عادت ہو جاتی ہے اس کی برائی دل سے نکل جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ گناہ کر کے غم ہوتا اور الٹی فرحت (۱) ہوتی ہے۔ یہ مقام بڑے اندیشہ کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان ہونے کی یہ علامت فرمائی ہے کہ اگر نیکی کر کے دل خوش ہو اور گناہ کر کے دل برا ہو تو بھی تم مومن ہو، جب گناہ کر کے دل خوش ہونے لگا، پھر فرمایئے ایمان کہاں رہا۔ یہ تو ہر دیکھنے والے کا حال ہوا، اور جس نے سب کو دکھلایا ہے وہ اکیلا ان سب کی برابر عقوبت (۲) کا مستحق ہوتا ہے۔

۸۔ بعض لوگ ناچ والی کے عشق میں مبتلا ہو کر اپنا سب۔ مال اور آبرو اور دین برباد کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہی بانی مجلس ہوا تو اس تمام تر وبال میں یہ بھی شریک ہوگا اور عشق مجازی (۳) ایسی بری بلا کی چیز ہے کہ آدمی کو بعض اوقات کافر بنا کر رہتی ہے۔ کیونکہ انسان کا قلب تو ایک ہی ہے، اس میں ایک ہی محبت سما سکتی ہے، جب کسی مردار کی محبت اس میں آئے گی خالق کی محبت گھٹتی جائے گی یہاں تک کہ جب قلب کو بالکل محیط (۴) ہو جائے گی تو وہ بالکل دل سے نکل جائے گی اور یہی مقام کفر ہے۔ ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ اپنے گھر کی ڈیوڑھی پر کھڑا تھا اور دروازہ اس کے گھر کا حمام کا سا دروازہ تھا۔ ایک خوبصورت لڑکی وہاں سے گذری اور پوچھا کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر ہے۔ اس شخص نے کہا حمام منجاب یہی ہے۔ وہ اندر چلی گئی اور یہ اس کے

(۱) یعنی خوشی۔ (۲) یعنی عذاب۔ (۳) غیر حقیقی۔ (۴) گھیرنے والا، احاطہ کرنے والا۔

پیچھے پیچھے چلا۔ جب لڑکی نے یہ حالت دیکھی تو سمجھ گئی کہ اس نے دھوکا دیا۔ اس نے براہ چالاکی بشاشت ظاہر کی اور کہا کہ کچھ سامان عیش ونشاط مہیا کر لینا چاہئے۔ کہنے لگا جو کہو ابھی تیار ہو جاتا ہے۔ اس نے کچھ فرمائش کی۔ یہ گھر سے اس کا سامان کرنے کے لئے باہر نکلا اور اس کو گھر میں چھوڑ گیا۔ یہ لڑکی نکل کر چل دی۔ وہ شخص لوٹ کر جو آیا اور اس کو نہ پایا تو بہت پریشان ہوا اور اکثر اس کو یاد کرتا اور گلی کوچوں میں کہتا پھرتا:

یارب قائلة یوماً وقد تعبت
این الطریق الیٰ حمام منجاب

خلاصہ شعر کا یہ ہے کہ وہ جو حمام منجاب کا راستہ پوچھتی تھی وہ کہاں گئی، اسی طرح تمام عمر مصیبت میں گذری، جب مرنے کا وقت آپہنچا اور لوگ کلمہ پڑھنے کو کہتے تھے اور وہ بجائے کلمہ کے یوں کہتا تھا:

یارب قائلة یوماً وقد تعبت
این الطریق الیٰ حمام منجاب

آخر اسی میں ختم ہو گیا۔ نعوذ باللہ من سوء الخاتمہ۔

ایک اور شخص کی حکایت ہے کہ کسی پر عاشق ہو گیا اور اس غم میں صاحب فراش ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معشوق کو لانے پر آمادہ کیا۔ یہ سن کر عاشق تازہ ہو گیا اور منتظر وعدہ ہو کر بیٹھا۔ دفعتاً ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ وہ میرے ساتھ آنے کو چلا تھا، راستہ میں کہنے لگا کہ میں موضع تہمت (۱) میں نہیں جاتا۔ میں نے ہر چند سمجھایا مگر اس نے نہ مانا اور واپس ہو گیا۔ اس کو سنتے ہی اس کی پہلے سے بدتر حالت ہو گئی اور علامات مرگ ظاہر ہونے لگے اور اس حالت میں یہ کہنا شروع کیا:

اعلم یاراحت العلیل
ویاشفاء المدنف الخلیل

---

(۱) الزام کی جگہ

رضاک اشھی الیٰ فؤادی
من رحمة الخالق الجلیل

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے معشوق کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ تیری رضامندی نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زیادہ مرغوب ہے۔

ایک شخص کہنے لگا کہ کمبخت خدا سے ڈر، کیا کہتا ہے۔ کہنے لگا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ ناصح اٹھ کر دروازہ تک پہنچا تھا کہ اس کی روح قبض ہوگئی۔

ایک اور حکایت ہے کہ مصر میں ایک شخص مسجد میں رہتا تھا اور اس کے چہرے پر نور عبارت کا چمکتا تھا۔ ایک روز اذان کہنے کے لئے مینار پر چڑھا، اس مینار کے نیچے ایک نصرانی کا گھر تھا۔ اس کی دختر پر نظر پڑ گئی اور عاشق ہوگیا اور اذان چھوڑ چھاڑ نیچے اترا اور اس کے گھر پہنچا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس شخص نے اپنا حال بیان کیا اور کہا کہ میں اس لڑکی کو چاہتا ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ تو مسلمان میں نصرانی، میرا باپ تجھ سے ہرگز نکاح نہیں کرسکتا۔ کہنے لگا کہ اگر نصرانی ہو جاؤں تو، اس نے کہا اس وقت ممکن ہے۔ یہ شخص نکاح کی امید میں نصرانی ہوگیا۔ ابھی نکاح نہیں ہوا تھا کہ کسی کام کے لئے کوٹھے پر چڑھا۔ وہاں سے اتفاقاً گرا اور مر گیا۔ خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃُ

یہ آفتیں عشق (۱) صورت کی ہیں۔ اکثر لوگ اس بلا کو خفیف سمجھتے ہیں اور بعض اس کو نعوذ باللہ موجب قرب الٰہی و آئینہ مشاہدہ جمال حقیقی جانتے ہیں۔ جو سراسر الحاد (۲) و زندیقی کا اعتقاد ہے اور بزرگوں کے بعض کلام سے جو سند پکڑتے ہیں اس کے کچھ معنی نہیں سمجھتے۔

۹۔ بعضے بدکردار اکثر ناچ کرانے والے اس کو سبب ناموری اور آبرو کا جانتے ہیں اور اس کے نہ ہونے کو موجب اہانت و بے رونقی شادی کا سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ

(۱) صورت عشق ظاہری۔ (۲) بددینی۔

جب گناہ پر آدمی فخر کرنے لگے اور اس کے نہ ہونے کو بے عزتی سمجھے تو اس میں گناہ کا استخفاف (۱) بلکہ استحسان (۲) لازم آتا ہے۔ جس کو علماء نے موجب زوال ایمان فرمایا ہے۔

۱۰۔ اس میں مال خوب دل کھول کر برباد کرتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اسراف کرنے کی حرمت اور وعید موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے ہودہ اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اس شخص نے بڑی ناشکری اور بے قدری نعمت کی کی کہ اس کو اس طرح برباد وتلف کیا۔

۱۱۔ جن جن لوگوں کو دور دور اطلاع ہوتی ہے اور مبارک باد کے خطوط بھیجتے ہیں ان کو بھی ایسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا کہ شرکاء مجلس کو۔ ابوداؤد میں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص گناہ میں شریک نہ ہو، مگر اس سے راضی ہو وہ مثل اسی شخص کے ہے جو اس میں شریک وحاضر ہو اور اسی طرح اس کی بہت سی خرابیاں اس میں جمع ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں، صاف ظاہر ہیں۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کیا کریں، لڑکی والا نہیں مانتا۔ بااصرار فرمائش کرتا ہے۔ ان سے پوچھنا چاہئے کہ اگر لڑکی والا کوئی ایسی بات کے لئے زور ڈالے جو تم کو ناگوار ہو۔ مثلاً فرض کرو یونہی کہے کہ تم اپنی ماں بہن کو لاکر نچاؤ گے تو ہم لڑکی دیں گے ورنہ نہ دیں گے۔ اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے۔ اس بے عزتی کو محض لڑکی لینے کی ضرورت سے گوارا کریں گے یا نہایت برہم ہو کر غیظ وغضب میں آکر مرنے مارنے کو تیار ہو جائیں گے اور لڑکی نہ ملنے کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں گے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ شریعت نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے اس سے ایسی نفرت ہونی چاہئے جیسا اپنی طبیعت کے خلاف امور سے ہوتی ہے، اور جیسے اس میں شادی ہونے نہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی، اسی طرح خلاف شرع امور میں صاف جواب دے دینا

(۱) ہلکا سمجھنا ۱۲۔ (۲) اچھا جاننا ۱۲

چاہئے کہ خواہ شادی کرو یا نہ کرو، ہم ہرگز ناچ نہ ہونے دیں گے۔ غرض یہ کوئی عذر اور وجہ مجبوری کی نہیں۔

اسی طرح برادری اور احباب کو چاہئے کہ اگر کوئی شخص نہ مانے تو ہرگز اس کے ساتھ شرکت نہ کریں، صاف جواب دے دیں کہ جب تم کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ نہیں تو ہم کو تمہاری ناراضگی کی پرواہ نہیں:

ہزار خویش کہ بے گانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بے گناہ کاشنا باشد

دوسری فصل

منجملہ ان رسوم کے اکثر نوجوانوں کو گنجفہ، شطرنج وغیرہ کھیلنے اور کبوتر بازی اور مرغ اور بٹیر لڑانے اور کنکوا وغیرہ اڑانے کی عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں شراب و قمار کے حرام ہونے کو فرمایا ہے اور اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ شیطان یوں چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کردے اور تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے دور کرے، سو ظاہر ہے کہ جب حرام ہونے کی علت یہ ٹھہری تو جس چیز میں یہ علت پائی جائے گی اس کو حرام کہا جائے گا۔

ان سب کھیلوں میں جس قدر قلب کو مشغولی ہوتی ہے اس کو دیکھنے والے جانتے ہیں جو بشری طبعی حوائج ہیں۔ جیسا کہ کھانا پینا، پیشاب پاخانہ، اس کی خبر بھی نہیں رہتی۔ نماز کا تو ذکر کیا ہے اور ان کھیلوں کی بدولت اکثر آپس میں گالی گلوچ اور رنج و تکرار بلکہ کبھی کبھی ہاتھا پائی کی بھی نوبت آجاتی ہے۔ پھر اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہے۔

شطرنج وغیرہ کا بیان

حدیث میں ہے جو شخص نرد (۱) سے کھیلا اس نے اللہ و رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابن ماجہ اور مالک نے۔ اور حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص نرد سے کھیلے، پھر اٹھ کر نماز پڑھے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرے اور پھر اٹھ کر نماز پڑھ لے۔ روایت کیا احمد نے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ شطرنج اہل عجم کا قمار ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے کہ شطرنج نہیں کھیلتا مگر گناہ گار۔ یعنی اس کے کھیلنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اور ان ہی سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے شطرنج کھیلنے کو پوچھا۔ فرمایا کہ یہ باطل ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو پسند نہیں کرتا۔ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور ہدایہ، درمختار وغیرہ میں شطرنج کو صریحاً حرام لکھا ہے۔ خواہ اس میں بازی بدی جائے یا ویسے ہی کھیلیں۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ان سے ذکاوت بڑھتی ہے اور فنون حرب (۲) میں اس سے مدد ملتی ہے۔ سو اول تو یہ بات بالکل لغو ہے۔ اس کو ذکاوت سے کیا علاقہ۔ بلکہ اور عقل خبط ہو جاتی ہے۔ اس میں ایسا انہماک ہوتا ہے کہ اور کسی چیز کی خبر نہیں رہتی۔ البتہ عجب نہیں کہ کھیلتے کھیلتے خاص شطرنج بازی میں خوب چالیں یاد ہو جاتی ہوں اور اس میں ذہن دوڑنے لگتا ہو۔ سو اس سے کیا کام نکلا اور کون سا فائدہ ہوا۔ اسی طرح فنون حرب سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اس میں تو اصطلاحی چالیں ہیں کہ اسپ (۳) اس طرح چلتا ہے اور فیل (۴) اس طرح وعلیٰ ہذا القیاس۔ واقعی لڑائی میں یہ چالیں تھوڑی ہیں۔ اس کے جداگانہ اصول وقواعد ہیں۔ غرض دونوں عذر واہیات ہیں اور علی سبیل التسلیم (۵) دلائل شرعی کے روبرو قیاسی گھوڑے دوڑانا سخت گناہ اور بے باکی کی

(۱) گوٹ چوسر (۲) جنگ کی چالیں۔ (۳) مہرہ شطرنج گھوڑا۔ (۴) ہاتھی۔ (۵) اگر مان لیا جاوے

بات ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے مذہب میں درست ہے۔ ہم ان کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ سو اول تو اپنے امام کا مذہب جب کہ وہ قرآن و حدیث کے موافق ہو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کرنا محض حظ نفس (۱) کے واسطے بلا ضرورت شدید جائز نہیں۔ اگر ایسی گنجائش دی جائے تو دین کا ایک کھیل ہو جائے گا۔ ہر امر میں کسی نہ کسی کا مذہب تو موافق خواہش نفسانی ضرور نکل آئے گا۔ مثلاً وضو کر کے خون نکل آیا جو کسی نے کہا کہ وضو ٹوٹ گیا پھر کر۔ یوں کہنے لگے۔ ہم نے امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کر لیا۔ پھر اتفاق سے عورت کو بہ شہوت ہاتھ لگایا جو کسی نے کہا کہ اب تو شافعیؒ مذہب کے موافق بھی وضو ٹوٹ گیا۔ اب تو دوسرا وضو کر لو۔ کہنے لگا اس میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کر لیا۔ حالانکہ اس کا وضو بالا جماع (۲) باطل ہو گیا۔ مگر اس نے بے وضو نماز ٹرخائی۔ اسی طرح ہزاروں خرابیاں دین کے اندر لازم آئیں گی۔ اسی وجہ سے علماء معبرین نے اجماع کیا ہے کہ ایک مذہب معین کی تقلید واجب ہے تا کہ دین میں خبط نہ کرے اور بندۂ نفس نہ بن جائے۔ پھر یہ کہ امام شافعیؒ کا یہ قدیم قول ہے اور اس میں بھی انہوں نے یہ شرط ٹھہرائی ہے کہ کثرت سے نہ ہو اور اس میں ایسا انہماک نہ ہو کہ نماز اپنے وقت سے ٹل جائے۔ سو ظاہر ہے کہ یہ شرطیں کہیں بھی نہیں پائی جاتیں۔ پھر یہ کہ اس سے بھی امام شافعیؒ نے رجوع (۳) فرمایا ہے۔ چنانچہ نصاب الاحتساب میں خلاصہ سے نقل کیا ہے، اب کسی حال میں امام شافعیؒ کے مذہب کو آڑ بنا کر شطرنج کھیلنے کی گنجائش نہیں رہی اور اس میں انہماک ایسا وبال ہے کہ خدا کی پناہ! جواب کافی میں ایک شاطر کی حکایت لکھی ہے کہ سکرات موت میں اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا، بجائے کلمہ پڑھنے کے کہتا ہے کہ شہ رخ تجھ پر غالب ہوا اور وہ فوراً مر گیا۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی چیز دل میں رچ جاتی ہے اور رگ و پے میں سما جاتی ہے تو مرتے وقت اس کا غلبہ ہوتا ہے اور اسی دھندے میں آدمی مر جاتا ہے۔ مصرعہ

(۱) مزہ جی کا۔ (۲) سب کے نزدیک۔ (۳) لوٹا لیا

''چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔''

کبوتر بازی

اب کبوتر بازی کی نسبت سنئے: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے دوڑا جارہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے پیچھے جارہا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ اور بیہقی نے۔ پھر کبوتر بازوں کی عادت دوسروں کے کبوتر پکڑنے کی بھی ہے۔ یہ سراسر ظلم وغصب ہے۔ جس کی نسبت حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کا حق کسی کے ذمہ رہ گیا ہوگا تو قیامت کے روز ظالم کی نیکیاں مظلوم کو اور مظلوم کے گناہ ظالم کو دیئے جائیں گے۔ پھر ظالم دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اگر کوئی کبوتر باز یوں کہے کہ دوسرے بھی ہمارا کبوتر پکڑ لیتے ہیں، ہم نے ان کا پکڑ لیا تو کیا مضائقہ ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مبادلہ شرعاً اس وقت صحیح ومعتبر ہے جب باہمی رضامندی کے ساتھ ہو اور تمام شرائط انعقاد بیع کی موجود ہوں۔ جس طرح تمام دنیا میں خرید و فروخت ہوتی ہے، اور چھینا جھپٹی کا مبادلہ سراسر ظلم ہے۔ کبھی ایک شخص ظلم میں بڑھ گیا، کبھی دوسرا، جس پر ظلم کیا ہے اس کی بھی نیت تو آخر خراب ہی رہتی ہے کہ جس قدر زیادتی ہو سکے دریغ نہ کروں گا۔ قابو نہ پڑنے کی وجہ سے مجبور ہے۔ سو جب ظلم زائد کی نیت کرلی اس کا گناہ لکھا گیا۔ خواہ اس فعل پر قادر ہوا یا نہ ہوا۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب دو مسلمان ناحق آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کردے تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قاتل کا دوزخ میں جانا تو سمجھ میں آ گیا مگر مقتول کے جانے کی کیا وجہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا

کہ جی اس کا بھی یہی چاہتا تھا کہ اپنے مقابل کو قتل کرے۔ اور اگر کوئی کہے کہ کبوتر بازوں کا گروہ اس مبادلہ پر رضامند ہے کہ جس کے ہاتھ آئے لے جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ رضامندی تسلیم بھی کرلی جائے تو جوئے میں داخل ہے، جوا رضامندی سے حلال نہیں ہوتا۔ اس کا حرام ہونا قرآن مجید میں منصوص (۱) ہے۔ غرض کسی طرح اس میں جواز کی صورت نہیں ہے۔ پھر اس میں جو مشغولی ہوتی ہے جس میں نہ نماز کی خبر رہتی ہے نہ اہل حقوق کے حقوق ادا کرنے کی نہ اہل وعیال کی خدمت گزاری کی وہ خود ایک مستقل وجہ اس شغل کے حرام ہونے کی ہے۔ کیونکہ عبادات وحقوق مذکورہ واجب ہیں، اور ترک واجب حرام ہے۔ اور یہ شغل اور حرام کا سبب ہوجاتا ہے۔ اور حرام کا سبب حرام ہے۔ چنانچہ سب مقدمات ظاہر ہیں اور ان لوگوں کا بے دھڑک کوٹھوں پر چڑھ جانا اور پردہ داروں کی بے پردگی کی کچھ پرواہ نہ کرنا اور کبوتروں کو ڈھیلے مارنا، اسے پڑوسیوں کا پریشان ہونا یہ ایک معمولی بات ہے، جس کا قبیح اور موجب بے غیرتی ہونا محتاج بیان نہیں۔ درمختار میں ایسی صورت کی نسبت لکھا ہے کہ اگر منع کرنے سے باز نہ آئے تو محتسب (۲) کو کرنا چاہئے کہ ان کبوتروں کو ذبح کرڈالے۔ الغرض جس چیز میں اس قدر مفاسد ہیں وہ کسی طرح جائز نہیں ہوسکتی۔

کنکوّا اڑانا

اب کنکوے بازی کی نسبت بھی سن لیجئے۔ جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں، قریب قریب اس میں بھی موجود ہے۔

۱۔ کنکوے کے پیچھے دوڑنا، جس میں پیغمبر ﷺ نے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا ہے۔

---

(۱) قرآن کی نص یعنی صریح آیت سے ثابت ہے۔ (۲) منہیات سے روکنے والا

۲۔ دوسرے کے کنکوے کو لوٹ لینا، جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحتاً وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں لوٹتا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں، اور پھر بھی وہ مومن رہے۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔ یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے خواہ کچھ ہی معنی ہوں مگر ظاہراً تو پیغمبر صاحب ﷺ نے ایسے شخص کو خارج از ایمان فرمادیا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس لوٹنے میں تو مالک کی اجازت ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ وعید متعلق نہیں ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، مالک کی ہرگز اجازت نہیں ہوتی۔ چونکہ عام رواج اس کا ہو رہا ہے۔ اس لئے خاموش ہو جاتا ہے۔ دل سے ہرگز رضامند اور خوش نہیں۔ اگر اس کا بس چلے تو خود ڈورے اور کنکوا ہرگز بھی دوسرے کو نہ لینے دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کنکوا کٹ جاتا ہے تو وہ بڑی کوشش سے جلدی جلدی ڈور کھینچتا ہے کہ جو ہاتھ لگ جائے غنیمت ہے۔

۳۔ ڈور کو لوٹ لینا، بلکہ اس میں ایک اعتبار سے کنکوے کے لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے۔ کیونکہ کنکوا تو ایک ہی کے ہاتھ آتا ہے۔ ایک ہی آدمی گناہ گار ہوتا ہے اور ڈور تو بیسیوں کے ہاتھ لگتی ہے۔ بہت سے آدمی گناہ میں شریک ہوتے ہیں اور باعث ان تمام آدمیوں کے گناہ گار ہونے کے وہی کنکوا اڑانے والے ہیں تو حسب وعدہ مذکورہ بالا ان سب کے برابر اس اکیلے اڑانے والے کو گناہ ہوتا ہے۔

۴۔ ہر شخص کی نیت کہ دوسرے کے کنکوے کو کاٹ دوں اور اس کا نقصان کردوں۔ سو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ اس حرام فعل کی نیت سے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔

۵۔ نماز سے غافل ہو جانا، جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی علت فرمائی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔

۶۔ اکثر کوٹھوں پر کھڑے ہو کر کنکوا اڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی

ہونا۔

۷۔ بعض اوقات کنکوا چڑھاتے چڑھاتے پیچھے ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے آ گرتے ہیں۔ چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں صریح اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جو کہ آیت قرانی سے حرام ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہی احتمال ہے کہ شاید گر پڑے۔ سبحان اللہ! ہمارے پیغمبر ﷺ ہم پر کس قدر شفیق ہیں کہ ایسے ایسے احتمالات مضرت سے ہمیں روکیں اور ہم ان احکام کی ایسی بے قدری کریں۔ افسوس صد افسوس!!

۸۔ ایک خرابی خاص اس میں یہ ہے کہ کاغذ جو کہ آلات علم سے ہے اس کی اہانت ہوتی ہے اور گڈی آٹے سے بنتی ہے۔ اس کی اہانت ہوتی ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ روٹی کا اکرام کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہانت رزق کی ممنوع ہے اسی طرح علم کے ادب کو کون نہیں جانتا کہ ضروری ہے، اس میں دونوں کی اہانت ہے۔

۹۔ ان سب کھیلوں میں مفت مال ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا اوپر قرآن مجید سے ثابت ہو چکا ہے۔

مرغ بازی وغیرہ

اب مرغ بازی و بٹیر بازی کی نسبت ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث میں ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کرانے سے درمیان بہائم کے۔ اس حکم میں مرغ و بٹیر و تیتر و مینڈھے وغیرہ سب آ گئے۔ اور واقعی عقل کے بھی خلاف ہے۔ خواہ مخواہ بے زبان جانوروں کو بلا کسی ضرورت و مصلحت کے تکلیف دینا ہے اور کبھی اس میں جوا

بھی ہوتا ہے۔ یہ دوسرا گناہ ہوا اور نماز اور ضروری امور سے غفلت ہونا اور تمام تماشائیوں کے گناہ کا باعث بننا یہ مزید برآن ہے۔ جن کی برائی جدا جدا کئی بار بیان ہو چکی ہے۔

تیسری فصل

منجملہ ان رسوم کے آتش بازی ہے، اس میں بھی متعدد خرابیاں جمع ہیں۔

۱۔ مال کا ضائع کرنا، جس کا حرام ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے۔

۲۔ اپنی جانوں کو یا اپنے بچوں کو یا پاس پڑوس والوں کو خطرہ میں ڈالنا۔ صدہا واقعات ایسے ہو چکے ہیں جس میں آتش بازوں کا ہاتھ اڑ گیا۔ منہ جل گیا یا کسی کے چھپر میں آگ لگ گئی، جس کی حرمت قرآن مجید میں منصوص ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مت ڈالو اپنی جانوں کو ہلاکت میں۔ اسی واسطے حدیث شریف میں بلا ضرورت آگ کے تلبس (۱) وقرب سے ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ کھلی آگ اور جلتا چراغ چھوڑ کر سونے کو منع فرمایا ہے۔

۳۔ بعض آلات آتش بازی میں کاغذ بھی صرف ہوتا ہے جو آلات علم سے ہے اور آلات علم کی بے ادبی خود امر قبیح ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پھر غضب یہ ہے کہ لکھے ہوئے کاغذ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ خواہ اس پر کچھ بھی لکھا ہو۔ قرآن یا حدیث۔ چنانچہ مجھ سے ایک معتبر شخص نے بیان کیا کہ میں نے کاغذ کے بنے ہوئے کھیل دیکھے، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ورق ہیں۔

۴۔ بچوں کو ابتدا سے تعلیم معصیت (۲) کی ہوتی ہے۔ جن کے واسطے شرعی حکم ہیکہ ان کو علم وعمل سکھاؤ۔ گویا نعوذ باللہ حکم شرعی کا پورا مقابلہ ہے۔ بالخصوص شب برأت

---

(۱) خلط ملط۔ (۲) گناہ، نافرمانی

میں یہ خرافات کرنا جو کہ نہایت متبرک شب ہے۔ یہ بات مقرر ہے کہ اوقات متبرکہ میں جس طرح طاعت کرنے سے اجر بڑھتا ہے اسی طرح معصیت کرنے سے گناہ بھی زائد ہوتا ہے۔

۵۔ بعض آلات آتش بازی اوپر کو چھوڑے جاتے ہیں۔ جیسے بیل اوراڑن انار وخدنگا وغیرہ اول تو بعضوں کے سر پر آ کر گرتے ہیں اور لوگوں کو چوٹ لگتی ہے۔ علاوہ اس کے اس میں یاجوج ماجوج کی مشابہت ہے۔ جس طرح وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور کفار کی مشابہت حرام ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ میں ایام حج میں تو توپیں چلتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آتش بازی درست ورنہ وہاں ایسا کیوں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو عوام لشکریوں کا فعل شرع میں حجت نہیں۔ البتہ عالم محقق دیندار کا فتویٰ جو مطابق قواعد شرعیہ کے ہو حجت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ توپیں وغیرہ چلانا لشکریوں کا فعل ہے نہ کسی عالم کا فتویٰ۔ دوسرے اس میں کچھ مصالح بھی نکل سکتے ہیں۔ اظہار شوکت اسلام و تعظیم شعائر حج و اعلان ارکان وغیرہا اور آتش بازی میں کون سی شوکت ہے۔ البتہ اگر کسی مقام پر ضروری امر کے اعلان کی اصطلاح ٹھہرالی جائے تو بقدر ضرورت جائز ہوگی۔ جیسے وقت افطار وسحر کے اعلان کے لئے ایک آدھ گولہ چھوڑ دینا۔ اس کا مضائقہ نہیں اور اگر اس کی حاجت سے زائد ہوگا تو وہ بھی ممنوع ہے۔

چوتھی فصل

منجملہ ان رسوم کے داڑھی منڈانا یا کٹانا اس طرح کہ ایک مشت سے کم رہ جائے یا مونچھیں بڑھانا جو اس زمانہ میں اکثر نوجوانوں کے خیال میں خوش وضعی سمجھی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ بڑھاؤ داڑھی کو اور کتراؤ مونچھوں کو۔ روایت کیا اس کو

بخاری و مسلم نے۔ حضور ﷺ نے صیغہ امر سے دونوں حکم فرمائے اور امر حقیقت وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام واجب ہیں اور ترک کرنا حرام ہے۔ پس داڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا دونوں حرام فعل ہیں۔ اس سے زیادہ دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا رسول کریم ﷺ نے جو شخص اپنی لبیں نہ لے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور نسائی نے۔ جب اس کا گناہ ثابت ہو گیا تو جو لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور داڑھی بڑھانے کو عیب جانتے ہیں، بلکہ داڑھی والوں پر ہنستے ہیں اور اس کی ہجو کرتے ہیں۔

ان سب مجموعہ امور سے ایمان کا سالم رہنا ازبس دشوار ہے۔ ان لوگوں کو واجب ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور ایمان و نکاح کی تجدید کریں اور اپنی صورت موافق حکم اللہ و رسول ﷺ کے بنائیں اور عقل بھی کہتی ہے کہ داڑھی مردوں کے لئے ایسی ہے جیسے عورتوں کے لئے سر کے بال کہ دونوں باعث زینت ہیں۔ جب عورت کا سر منڈانا بدصورتی میں داخل ہے تو مردوں کا داڑھی منڈانا خوبصورتی کیسے ہے؟ کچھ بھی نہیں، رواج نے بصیرت (۱) پر پردہ ڈال دیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ترک بھی منڈاتے ہیں۔ ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کا وہی جواب ہے کہ عام لشکریوں کا فعل جو خلاف شرع ہو حجت نہیں۔ جو منڈاتا ہے برا کرتا ہے۔ خواہ کسی ملک کا رہنے والا ہو۔ بعض لوگ اپنے کو کم عمر ظاہر کرنے کو منڈاتے ہیں کہ بڑی عمر میں تحصیل کمال کرنا موجب عار (۲) ہے۔ یہ بھی ایک لغو خیال ہے۔ عمر تو ایک خداوندی عطیہ ہے۔

جتنی زیادہ ہو نعمت ہے۔ اس کا چھپانا یہ بھی ایک قسم کا کفران نعمت ہے اور بڑی عمر میں تو کمال حاصل کرنا زیادہ کمال کی بات ہے کہ بڑا ہی شوقین ہے کہ اس عمر میں

(۱) دلوں پر۔ (۲) شرمندگی۔

بھی کمال کی دھن میں لگا رہتا ہے، اور ہر چند بے عقلوں کے نزدیک یہ موجب عار ہے تو بہت سے کافروں کے نزدیک مسلمان ہونا موجب عار ہے تو نعوذ باللہ کیا اسلام کو بھی جواب دے بیٹھیں گے۔ جیسے کفار کے عار سمجھنے سے مذہب اسلام کو ترک نہیں کرتے۔

فساق (۱) کے عار سمجھنے سے وضع اسلام کو کیوں عار سمجھا جائے۔ یہ سب شیطانی خیالات ہیں۔ سخت افسوس یہ ہے کہ بعضے طالب علم عربی پڑھنے والے بھی اس بلا میں مبتلا ہیں۔ ان کی شان میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ "چار پائے بروئے (۲) کتابے چند۔" ان لوگوں پر سب سے زیادہ وبال پڑتا ہے۔ اول تو اوروں سے زیادہ واقف پھر اوروں کو نصیحت کریں۔ مسئلے بتائیں۔ خود بدعمل ہوں، عالم بے عمل کے حق میں کیا کیا وعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں، پھر ان کو دیکھ کر اور جاہل گمراہ ہوتے ہیں۔ ان کی گمراہی کا وبال انہی کے برابر ان پر پڑتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ جو شخص باعث ہوتا ہے کسی گناہ کا وہ بھی شریک اس کے وبال کا ہوتا ہے، میرے نزدیک مدرسین و مہتممین مدارس اسلامیہ پر واجب ہے کہ جو طالب علم ایسی حرکت کرے یا اور کوئی امر خلاف وضع شرعی کرے، اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ مدرسہ سے خارج کر دینا چاہئے۔ ایسے شخص کو مقتدائے قوم بنانا تمام مخلوق کو تباہ کرنا ہے۔

بے ادب را علم و فن آموختن
دادن تیغ ست دستِ راہزن

ترجمہ:۔ بے ادب کو علم وفن کا سکھانا ایسا ہے کہ تلوار ڈاکو کے ہاتھ میں دینا اور یاد رہے کہ نائی کو بھی جائز نہیں کہ کسی کے کہنے پر ایسا خط بنائے جو شرعاً ممنوع ہو۔ خواہ ڈاڑھی کا یا سر کا۔ کیونکہ گناہ کی اعانت بھی گناہ ہے۔ اس کو چاہئے کہ عذر وانکار کرے۔

---

(۱) گناہ گاروں۔ (۲) گدھوں پر کتابیں

پانچویں فصل

منجملہ ان رسوم کے داڑھی کا سیاہ خضاب کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے کہ سیاہ خضاب کریں گے، جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔ اور عقل بھی اس فعل کے قبیح ہونے کو مقتضی ہے کیونکہ سیاہ خضاب کر کے اپنے بڑھاپے کو چھپاتا ہے اور دیکھنے والے کو دھوکا دیتا ہے اور فطرت الٰہی کو بدلنا چاہتا ہے اور یہ سب امور قبیح ہیں۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سفید بال مت نوچو، پس بلاشک وہ نور ہے مسلمان کا۔ اور حدیث شریف میں بعضی عورتوں پر لعنت آئی ہے جو اپنے بناؤ سنگھار کے واسطے اپنی خلقی (۱) وضع کو بدلیں۔ اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں المغیرات (۲) لخلق اللّٰہ۔ سفید بال نوچنے کی ممانعت سے بڑھاپے کو چھپانے کی برائی اور دوسری حدیث سے قدرتی وضع کو بدلنے کی برائی معلوم ہوئی۔ سیاہ خضاب میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اس لئے عقلاً بھی ممنوع ہوا۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ وسمہ کا سیاہ خضاب اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں مہندی اور نیل کے خضاب کی اجازت آئی ہے اور مہندی اور نیل سے سیاہ رنگ ہوجاتا ہے۔ مگر یہ امر لازم نہیں، کیونکہ مہندی اور نیل کی ترکیبیں مختلف ہیں۔ بعضے اہل تجربہ کا قول ہے کہ اگر دونوں کو مخلوط کرلیں تو سیاہ رنگ ہوتا ہے اور اگر دونوں کو جدا جدا لگائیں تو سرخ ہوتا ہے۔ بعض سے سیاہی ہوتی ہے، بعض سے نہیں ہوتی۔ جب حدیث میں سیاہ خضاب سے مطلقاً ممانعت آئی ہے تو حنا اور نیل کا خضاب اسی ترکیب سے جائز ہوگا جس میں سیاہی نہ آئے، جیسا کہ ظاہر ہے اور سیاہ خضاب کے

---

(۱) قدرتی۔ (۲) جو بدلنے والیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتی بنائی ہوئی ہیئت کو۔

ممنوع ہونے کی جو علت ہے وہ تو وسمہ میں برابر ہے۔ علت کے اشتراک سے حکم کا اشتراک ضروری ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خضاب وہ منع ہے جس میں نیلگونی ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کبوتر کے سینے سے تشبیہ دی ہے اور کبوتر کا سینہ اسی رنگ کا ہوتا ہے اور جو بالکل سیاہ ہو جائز ہے۔ اس تقریر پر سخت تعجب ہوتا ہے۔ تشبیہ سے تو استدلال کیا حالانکہ تشبیہ میں ادنیٰ مشارکت بھی کافی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ گہرے رنگ ہونے میں تشبیہ دی ہو یا مطلق سیاہی میں ہو اگرچہ اوصاف سیاہی کے متفاوت ہوں۔ محاورات میں برابر اس قسم کی تشبیہات استعمال کی جاتی ہیں اور حدیث میں جو لفظ ''سواد'' تصریحاً موجود ہے اس پر نظر نہ کی اور بلاضرورت تاویل کی۔ غرض سواد میں تاویل کرنے سے تشبیہ میں توجیہ کرنا زیادہ اقرب (۱) ہے۔ جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ دوسری علت ممانعت کی جو اوپر مذکور ہوئی، سیاہی میں زیادہ پائی جاتی ہے اور نیلگونی میں کم، تو تعجب ہے کہ جس میں علت ادنیٰ درجہ کی پائی جائے وہ تو ممنوع ہو اور جس میں اعلیٰ طریق پر پائی جائے وہ جائز ہو پھر یہ کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ کبوتر کا سینہ نیلگوں ہی ہوتا ہے۔ بعض کبوتر کا سینہ نہایت گہرا سیاہ ہوتا ہے۔ غرض کوئی دلیل قوی اس کے جواز کی نہیں پائی گئی۔ اگر کسی کو زیادہ تحقیق ہو حسبۃً للہ وہ اس رسالہ کے حاشیہ پر ثبت فرمائیں۔ البتہ اعداء دین کے مقابلہ کے وقت بغرض ہیبت دلانے کے فقہاء نے جائز کہا ہے، سو ممکن ہے کہ آیت تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ اور حدیث اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کے عموم میں اس کو داخل کر لیا جائے۔

بعض لوگ امام ابو یوسفؒ کی روایت کو پیش کیا کرتے ہیں سو بشرط ثبوت اس روایت کے اور ان کے رجوع نہ کرنے کے جواب یہ ہیں کہ رسم المفتی میں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ صاحبین میں اگر اختلاف ہو تو جس کے ساتھ امام اعظمؒ ہوں گے

(۱) بہت قریب ۱۲

اس قول پر فتویٰ ہوگا۔ خصوصاً جب کہ وہ قول دلیل صریح صحیح سے مؤید بھی ہو، اس لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا خلاف اصول مقررہ مذہب حنفی ہے اور بوجہ موجود ہونے دلیل صحیح صریح کے خلاف دیانت بھی ہے۔ البتہ اور رنگوں کا خضاب جائز ہے کہ اس میں اخفا (۱) پیری کا نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول میں کچھ مناسب تاویل (۲) کر لینا چاہئے۔ جس سے مخالفت نص کا شبہ نہ رہے۔

چھٹی فصل

منجملہ ان رسوم کے داڑھی چڑھانا ہے یہ بھی حرام ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ اعفوا (۳) اللحی وارد ہے چونکہ امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ پس نیچے کو چھوڑنا داڑھی کا واجب ہوا اور اس واجب کا ترک کرنا حرام ہوا۔ ظاہر ہے کہ داڑھی چڑھانے میں اس واجب کا ترک لازم آتا ہے۔ اس لئے وہ بھی حرام ہوا اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے حضور پر نور ﷺ نے حضرت رویفعؓ سے فرمایا کہ شاید میرے بعد تمہاری عمر زیادہ ہو تو لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص داڑھی میں گرہ لگائے اور فلاں فلاں کام کرے پس بلاشک محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں۔ گرہ لگانے میں داڑھی اپنی اصلی ہیئت سے بدلتی ہے اور اس میں بل پڑتا ہے۔ جہاں یہ امر پایا جائے گا وعید مطلق ہوگی۔ داڑھی چڑھانے میں ہیئت کا بدلنا اور اس میں بل پڑنا ظاہر ہے۔ عقلاً بھی غور کیا جائے تو وہ ہیئت تکبر کی ہے۔ تکبر اور اس کی ہیئتوں کا حرام ہونا قرآن و حدیث میں منصوص ہے۔ بہر حال عقلاً و نقلاً یہ عادت مذموم ہے۔ اس سے توبہ کرنا واجب ہے۔

(۱) پوشیدہ۔ (۲) وہ تاویل یہ ہے کہ مراد ابو یوسفؒ کی سیاہی سے گہرا سرخ ہے۔ کیونکہ گہرے سرخ میں سیاہی آجاتی ہے۔ (۳) چھوڑ دو لٹکا دو داڑھی

ساتویں فصل

منجملہ ان رسوم کے سر بیچ میں سے کھلوانا یا آگے سے بال لینا جس کو عربی میں قزع کہتے ہیں اور خود حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ کہیں سے منڈا دیا جائے اور کہیں سے چھوڑ دیا جائے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قزع سے ممانعت فرماتے ہیں۔ بعضے یوں سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے لئے بے شک ممنوع ہے، مگر بچوں کے لئے کیا حرج ہے۔ وہ غیر مکلّف ہیں۔ یہ خیال بالکل باطل ہے۔ اگر بچے غیر مکلّف ہیں تو گناہگار نہ ہوں گے مگر ان کے بزرگ تو غیر مکلّف نہیں۔ ان کو گناہ ہوگا کہ بچوں کا ایسا سر کیوں بنوایا اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس کا کچھ سر منڈا ہے اور کچھ رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا تو سب منڈاؤ یا سب رہنے دو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو خود اس فعل کا مذموم ہونا۔ دوسرے آپ ﷺ نے بچہ سمجھ کر خاموشی نہیں اختیار فرمائی بلکہ اس کے والی وارثوں کو منع فرمایا، جس سے ثابت ہوا کہ بچوں کے لئے بھی اجازت نہیں۔

آٹھویں فصل

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا لنگی پہننا یا بہت لمبی آستین بنانا بہت لانبا شملہ چھوڑنا۔ حدیث بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نظر رحمت نہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف جو اپنی ازار کو اترانے کی راہ سے نیچے لٹکائے۔ دوسری حدیث میں اس لٹکانے کی حد آئی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو ازار ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ تیسری

حدیث میں دوسرے لباسوں میں بھی اس کا حرام ہونا مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا رسول مقبول ﷺ نے کہ اسبال یعنی دراز کرنا اور حد سے بڑھانا ازار میں بھی ہوتا ہے اور کرتہ میں بھی اور عمامہ میں بھی۔ جو شخص ان میں سے کسی لباس کو تکبر کی راہ سے حد سے زیادہ بڑھائے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہ کریں گے قیامت کے روز۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے اور اسی کی مؤید (۱) ایک اور حدیث ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے کپڑے کو اترا (۲) کر بڑھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے روز نظر رحمت نہ فرمائیں گے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔ اس میں مطلقاً کپڑے کو فرمایا، جس میں تمام کپڑے آ گئے، جس میں ازار کے بڑھانے کی حد تو حدیث میں آ گئی ہے۔

اور دوسری پوششوں کی نسبت علماء محققین نے فرمایا ہے کہ آستین کا انگلیوں سے آگے بڑھانا اور شملہ کا نصف کمر سے نیچے ہونا۔ یہ سب اسبال ممنوع ہے۔ بعض کج فہم یوں کہتے ہیں کہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی ہے جو براہ تکبر ہو۔ ہم تو تکبر سے نہیں کرتے، اس لئے ہمارے لئے جائز ہے۔

سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اول تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم تکبر سے نہیں کرتے، اچھا پھر کیوں کرتے ہو۔ وضع مسنون کیوں اختیار نہیں کرتے ہو، اس لئے اختیار کرنے میں دل یوں تنگ ہوتا ہے۔ اونچے پائنچوں کو حقیر کیوں جانتے ہو۔ اگر یہ تکبر نہیں تو کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ حدیث میں جو تکبر کی قید آئی ہے یہ کیا ضرور ہے کہ قید احترازی ہو، ممکن ہے کہ قید واقعی ہو، چونکہ اکثر لوگ اس قصد سے کرتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے یہ قید ذکر فرمائی اور ممنوع ویسے بھی ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں ہے جو شروع فصل ہذا میں لکھی گئی ہے، جس میں ٹخنوں کی حد کا ذکر ہے، اس میں یہ قید تکبر کی

(۱) تائید کرنے والی۔ (۲) یعنی اکڑ کر ۱۲

مذکور نہیں، مطلقاً ارشاد ہوا ہے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ خواہ تکبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں ممنوع ہے۔ ہاں تکبر میں ایک گناہ تکبر کا اور مل کر معصیت شدید ہو جائے گی۔ یہ دوسری بات ہے اور بلا تکبر ایک ہی معصیت رہے گی مگر رہے گی تو سہی۔ برأت (۱) اور جواز کی تو صورت نہ نکلی، اگر کوئی کہے ہم اس مطلق کو بھی اس مقید پر محمول کرلیں گے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امر اصول حنفی میں بدلیل ثابت ہو چکا ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہا کرتا ہے۔ غرض کوئی گنجائش جواز کی نہیں۔

بعض لوگ تقویٰ جتلانے کو نماز میں اوپر کرلیتے ہیں۔ سو نماز سے خارج بھی تو گناہ سے بچنا واجب ہے۔ اس حیلہ سے کیا ہوتا ہے۔ بعض لوگ پائنچے تو لمبے لمبے بناتے ہیں مگر بوتام (۲) ٹخنوں سے اونچے لگا لیتے ہیں کہ ٹخنوں سے اوپر چوڑیاں پڑی رہتی ہیں۔ یاد رکھو کہ اصل گناہ تو کپڑا برباد کرنے کا ہے۔ خواہ ٹخنے ڈھکیں یا کھلے رہیں۔ اس سے کیا بچاؤ ہوا اور یاد رہے کہ درزی کو بھی ایسا کپڑا سینا جائز نہیں کیونکہ گناہ کی اعانت گناہ ہے، صاف انکار کر دینا چاہئے کچھ رزق ایسے ہی کپڑے سینے پر منحصر نہیں ہے۔

نویں فصل

منجملہ ان رسوم کے گھر میں تصویروں کا لگانا اور بلا ضرورت کتوں کا رکھنا ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''نہیں داخل ہوتے فرشتے (رحمت کے) جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔'' روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے اور حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سب سے زیادہ عذاب اللہ تعالیٰ کے نزدیک تصویر بنانے والے کو ہوگا۔ اور حدیث میں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص بجز ان تین

(۱) چھٹکارا۔ (۲) بٹن

غرض کے کتا پالے۔(۱) مویشی کی حفاظت۔(۲) شکار۔(۳) کھیت کی حفاظت۔ اس کے ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط (۱) کم ہوتا رہے گا۔ روایت کیا اس کو مسلم و بخاری نے۔ ان حدیثوں سے تصویر بنانا، تصویر رکھنا، بلاضرورت کتا پالنا سب کا حرام ہونا ثابت ہوگیا۔ اس زمانہ میں تہذیب جدید کے لوازم میں سے یہ دونوں امر ہوگئے۔ تصویر جزو مکان اور کتا داخل اہل و عیال سمجھا جاتا ہے۔ ذرا بھی دل کو انقباض (۲) اور روک ٹوک نہیں، بے دھڑک دونوں چیزیں برتی جاتی ہیں۔

بعض لوگوں پر اس قدر عقل پرستی کا غلبہ ہے کہ کتے کے اوصاف حمیدہ بیان کر کے وجہ ممانعت دریافت کرتے ہیں۔ گویا در پردہ نعوذ باللہ اس حکم شرعی کے عبث اور لغو ہونے کے مدعی ہیں۔ اگر سچ مچ ان کے دلوں میں ایسا خیال ہے تو تجدید ایمان ضروری ہے۔ مسلمان بننے کے بعد احکام شرعیہ کی علت ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ احکام مجازی کے بہت سے قوانین و احکام کی علت سمجھ میں نہیں آتی اور پھر بے چوں چراں کو مانتے ہیں تو حاکم حقیقی کے احکام میں کیوں چوں و چرا کی جائے۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارا دین تو عقل کے موافق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقل کے موافق ضرور ہے مگر عقل کی رسائی تو وہاں تک ضروری نہیں۔ مثلاً بہت سی چیزیں حس بصر سے دریافت کرنے کے قابل ہیں۔ مگر اندھوں کو تو ادراک نہیں ہوسکتا۔ یہ عقل والے کا کام ہے کہ علت احکام کو سمجھ لے، یہ عقل انبیاء اور اولیاء کاملین و علماء (۳) راسخین کو عطا ہوئی ہے۔ عوام کی عقل میں اس قدر قوت نہیں اور کوئی ڈگری یا پاس حاصل کر لینے سے زمرۂ عوام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ پھر یہ کہ مراد اس سے دین کے اصول ہیں کہ وہ عقلی ہیں۔ یعنی جو قرآن و حدیث کو بھی نہ مانتا ہو۔ اس کو توحید و رسالت کی تعلیم دلیل عقلی سے ممکن ہے۔ رہ گئے فروع، مثلاً فلاں چیز حرام کیوں ہے، فلاں چیز حلال کیوں

(۱) دوسری حدیث میں اس عالم کی قیراط کی مقدار پہاڑ احد کے برابر آئی ہے۔ (۲) رکاوٹ
(۳) پکے عالم

ہے۔اس کا عقلی ہونا بایں معنی ضروری نہیں۔ بلکہ اس کو دلیل شرعی سے مان لینا چاہئے اور عقل کے موافق بھی یہی بات ہے کہ حاکم کو حاکم ماننے کے لئے جتنی حجتیں چاہئیں کر لی جائیں، جب حاکم ہونا تسلیم کر لیا، پھر اس کے ہر ہر حکم میں حجتیں کرنا صریح بغاوت ہے۔ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ ہر حکم کی علت ڈھونڈھنا اور اس کے تسلیم میں علت کا انتظار کرنا بالکل الحاد کا پھاٹک ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ غرض حکم شرعی کو بلانزاع مان لینا واجب ہے۔ ہاں ماننے کے بعد تحقیق حکمت کے لئے بطور استفادہ کے اگر غور کیا جائے تو وجہ بھی نکل آتی ہے۔ چنانچہ راقم ریل میں ایک بار سفر کر رہا تھا، ایک نوجوان کتا لئے ہوئے سوار تھے۔ اور انہوں نے کتے کے کمالات بیان کر کے یہی سوال کیا۔ میں نے عرض کیا کہ جناب بے شک کتے میں یہ کمالات ہیں مگر اس میں ایک عیب ایسا سخت ہے جس نے تمام کمالات پر خاک ڈال دی ہے، اس لئے شرعاً خبیث قرار پایا۔ پوچھنے لگے وہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں۔ اپنے ہم جنس کو دیکھ کر اس کی جو کیفیت ہوتی ہے سب کو معلوم ہے۔ چونکہ جواب صحیح تھا اور سائل کے مذاق کے موافق بھی تھا۔ بس دم بخود ہو گئے، بلکہ خوش ہو کر موافقت کر لی۔ بعض لوگ زبردستی کی ضرورتیں تراش لیتے ہیں کہ ہم نے حفاظت مکان کے لئے پالا ہے۔ صاحب اللہ تعالیٰ ارادہ اور نیت کو دیکھتے ہیں۔ جب خاص مقصد تفریح سے پالتے ہیں تو ایسی تصنیفی ضرورت سے اجازت نہیں ہو سکتی۔ پھر کتے سے تو حفاظت وہ کرے جس کے پاس نوکر، دربان، پہرہ دار نہ ہو۔ جب ماشاء اللہ ایک ایک کام کے لئے متعدد نوکر ہیں تو کتوں کی کون سی ضرورت رہ گئی۔ اسی طرح شکار کا پورا سامان بندوق، چھرہ جس کو میسر ہو وہ کتے کیوں پالے۔

اسی طرح بعض لوگ تصویر کے مقدمہ میں معارضہ کرتے ہیں کہ ہم پوری تصویر نہیں بناتے اور نہیں رکھے، بلکہ صرف گردن تک ہوتی ہے اور جب تصویر میں ایسا عضو کم ہو جائے جس کے بغیر حیات ممکن نہیں تو ایسی تصویر جائز ہوتی ہے۔ ان حضرات

نے بھی ناحق دخل در معقولات دیا۔
اصل یہ ہے کہ عضو کے کم ہو جانے سے حرکت اس لئے نہیں رہتی کہ وہ تصویر نہیں معلوم ہوتی، بلکہ جھاڑ یا درخت وغیرہ معلوم ہونے لگتا ہے اور چہرہ تو تمام تصویر کی ناک ہے۔ جب یہ باقی ہے بس پوری تصویر کے قائم مقام ہے اور ہرگز اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔
لوگ مانعین پر اعتراضاً کہتے ہیں کہ صاحب تم روپیہ گھر میں کیوں رکھتے ہو۔ اس میں بھی تو تصویر ہے۔ یہ طعن بھی نہایت بے جا ہے۔ بات یہ ہے کہ روپیہ تو ایک ضرورت کی چیز ہے، ضرورت میں تنگی کم ہو جاتی ہے اور یہ لوگ محض زینت و آرائش کے شوق میں تصویر لگاتے ہیں۔ کجا یہ کجا وہ، بعض لوگ فوٹو کو حرمت تصویر سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں کہ اس میں خود بخود تصویر اتر آتی ہے۔ کوئی بناتا نہیں۔ ماشاء اللہ کیا غضب کا اجتہاد ہے۔ اس کا سامان جمع کرنا، صاحب تصویر کے روبرو اس کا رکھنا، یہ تصویر کشی نہیں تو کیا ہے۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے غیر مذہب والوں کی وضع بنانا ہے۔ لباس میں یا طرز نشست و برخاست میں خورد و نوش میں یا کسی اور امر میں۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص مشابہت اختیار کرے کسی قوم کے ساتھ پس وہ انہیں میں سے ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔
حضرت عبداللہ بن عمر بن ابی العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے ملاحظہ فرمائے۔ پس ارشاد فرمایا کہ یہ

شک یہ کپڑے کافروں کے ہیں ان کومت پہنو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

حضرت ابی ریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس چیزوں کو منع فرمایا۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ فرمایا کوئی اپنے کندھے پر حریر کا ٹکڑا لگانے لگے مثل اہل عجم کے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ یہود ونصاریٰ خضاب نہیں کرتے تم ان کی مخالفت کرو۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔ اور اس باب میں اس کثرت سے حدیثیں آئی ہیں کہ حصر دشوار ہے۔ ان سب حدیثوں سے صاف تشبہ (۱) بالکفار کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں لباس کی مشابہت کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں ان کے رنگنے نہ رنگنے کا حال مذکور ہے۔ ایک میں مطلق تشبہ ممنوع ہے جو اپنے اطلاق کی وجہ سے تمام امور کو شامل ہے۔ اس زمانہ میں بعض لوگوں کے دل کو یہ بات ہرگز نہیں لگتی۔ کوئی صاحب تو حدیثوں کا انکار فرماتے ہیں کہ حدیث کا اعتبار ہی نہیں۔ غضب ہے، ظلم ہے۔ جس علم کا ایک ایک ٹکڑا مؤلف سے بلکہ اس وقت کے راوی سے لے کر جناب رسول مقبول ﷺ تک بسند متصل وصحیح ثابت ہو اور ہر زمان میں ایک ایک راوی کے حالات ولادت (۲) و وفات وسفر شیوخ وتلامذہ (۳) وکیفیت تدوین (۴) وصدق و قوت حافظہ وصحت عقیدت وغیرہ سے کھود کرید ہوتی رہی ہو اور ذرا بھی کسی بات میں فرق یا شبہ پڑا۔ فوراً اس کو ترک کر دیا گیا ہو جو فن اس تنقید وتحقیق سے مدون (۵) ہوا ہو اس کا تو اعتبار نہ ہو اور تاریخ جس میں ہزاروں رطب (۶) ویابس بھرے ہوں، مورخ کے قیاسات قرار پا گئے ہوں۔ مورخین میں اس شدت وکثرت سے اختلاف ہو کہ تطبیق کی صورت ہی نہ بن سکے، ان لوگوں کا ایماندار اور سچا ہونا محدثین کی برابر قوت حافظہ کا ہونا ثابت ہوا ہو، اس کا ہر ہر جزو گویا جزو ایمان سمجھا جائے، اس بے انصافی کی

(۱) کفار جیسی صورت بنانا ۱۲ (۲) پیدائش۔ (۳) شاگرد۔ (۴) دینداری۔
(۵) مرتب۔ (۶) بھلا برا

کوئی حد بھی ہے۔ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث تشبہ کی ضعیف ہے۔ اللہ اکبر جن صاحبوں کو اتنی خبر نہ ہو کہ حدیث ضعیف کیا ہے۔ وہ حدیث پر ضعف کا حکم لگائیں۔ اچھا صاحب ایک حدیث ضعیف ہی سہی، مگر یہ بے شمار حدیثیں کیا سب بلا دلیل ضعیف مان لی جائیں گی۔ پھر یہ مسئلہ تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ ان کی تفسیر اور شان نزول تو ذرا تحقیق فرمایئے۔ اور خود حکم کاف کو جو تشبیہ کے لئے ہے ملاحظہ فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ پھر کیا قرآن مجید کو بھی ضعیف کہہ دیا جائے گا۔ خدا خیر کرے، بعض لوگ عقلی شبہات اس میں پیدا کرتے ہیں کہ صاحب اگر تشبہ حرام ہے تو کھانا بھی مت کھاؤ، چہرہ پر سے ناک بھی اڑا دو کیونکہ دوسری قوموں کے ساتھ اس میں بھی شرکت ہے۔

اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص زنا کے حرام ہونے پر یہ شبہ کرے کہ صاحب اگر یہ حرام ہے تو نکاح میں جو صحبت ہوتی ہے وہ بھی حرام ہونا چاہئے کیونکہ صورت فعل میں تو دونوں کو شرکت ہے۔ بات یہ ہے کہ جس فن میں آدمی کو دخل نہ ہو اس میں گفتگو نہ کرے، کیوں بے فائدہ اپنی بے قدری ظاہر کرے، یہ مسئلہ شرعی ہے، اہل شرع سے اس کی تحقیق کر لینا چاہئے کہ تشبہ حرام کیوں ہے۔ اس کو سمجھ کر پھر جو کچھ کہنا ہو کہے۔

سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ جو امر خود مذموم و ممنوع ہو، اس میں تو تشبہ مطلقاً حرام ہے۔ مثلاً پتلون میں جس میں ٹخنے ڈھکے ہوں، اگر اس میں تشبہ سے بھی قطع نظر کی جائے تو بوجہ ٹخنے ڈھک جانے کے یہ ممنوع ہے۔ جیسا اوپر حدیث آچکی ہے اور اب چونکہ اس میں تشبہ بھی ہے، مضاعف (۱) گناہ ہو جائے گا اور اگر وہ فعل فی نفسہ غیر مذموم اور مباح (۲) ہے تو اگر بقصد تشبہ اس کو کیا جائے یا کسی ایسی قوم کا عرفاً خاصہ ہو تو

(۱) دو گناہ۔ (۲) جائز رکھا گیا۔

بھی ناجائز ہوگا اور اگر خود وہ فعل حلال ہے اور قصد تشبہ کا بھی نہیں، نہ کسی قوم کا خاصہ ہے، تو درست ہے قواعد واحکام شرعیہ کو ٹٹولنے سے اس قاعدہ کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ اب ناک کاٹنے اور کھانا چھوڑنے کا شبہ بالکل دفع ہوگیا اور جس تشبہ حرام میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں، نظر انصاف سے سب کا حال معلوم ہوگیا۔ اول تو جن چیزوں میں مشابہت اختیار کر رکھی ہے وہ ایک قوم کا عرفاً خاصہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے اہل وطن کو اس وضع میں دیکھ کر جمہور خلائق کو وحشت ہوتی ہے اور خاصہ کا ممنوع ہونا اوپر گذر ہی چکا اور اگر کھینچ تان کر کوئی شخص ان اوضاع کو خاصہ کے افراد سے نکال کر تمام ملک اور تمام قوموں میں عام وشائع قرار دے۔ گو یہ دعویٰ غلط ہے۔

ان اوضاع میں ایسا عموم وشیوع نہیں کہ عرفاً اس قوم کا خاصہ نہ سمجھا جائے، جو لوگ کسی حکومت پر ہیں یا اس قسم کی صحبت زیادہ رہتی ہے بجز ان کے تمام ملک اور تمام قوم اپنی پرانی وضع لئے ہوئے ہیں اور اگر فرضاً تسلیم بھی کرلیا جائے تو خاصہ نہ سہی مگر جو شخص اس وضع کو اختیار کرتا ہے اس کا قصد تو تشبہ ہی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر اوقات بے ساختہ اقرار بھی کرلیتے ہیں کہ صاحب اس وضع سے لوگوں کی نظر میں وقعت اور ان پر ہیبت ہوتی ہے۔ کیونکہ اہل حکومت کی وضع ہے، اس مصلحت سے یہ وضع اختیار کی گئی ہے۔ غرض اقرار بھی ہے اور قرائن (۱) قویہ سے بھی یہ یقینی ہے۔ جب قصد تشبہ کا ہوا، حرام ہوگیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے ٹوپی ترکی پہن لی ہے، اب تو تشبہ نہیں رہا۔ اب تو وہ ترکی ٹوپی بھی ہمارے ملک میں نیچریوں کا شعار ٹھہر گیا۔ اس کا پہننا کون سا تعریف کا کام ہے۔ پھر یہ کہ اگر ٹوپی بدل جائے تو چلو ٹوپی میں مشابہت نہیں رہی۔ ایک گناہ ہلکا ہوا باقی جتنے عددوں میں تشبہ ہے اتنے گناہ اس پر رہے۔ اس میں برأت کی

(۱) پکی علامتیں ۱۲۔

صورت کیا نکلی۔ اس طرح کے اور بھی لچر شبہات (۱) پیش کیا کرتے ہیں۔ جن کا جواب اصول مذکورہ کی تحقیق کے بعد ہر شخص سمجھ لے گا۔

اب دو دلیلیں ان حضرات کے مزاج کے موافق عرض کرتا ہوں۔ ایک نقلی جوان کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ دوسری عقلی جو بوجہ غلبہ عقل پرستی کے اس سے بھی زیادہ تسلیم کے قابل ہوگی۔ نقلی دلیل وہ جملہ ہے جس کو اپنے ہر لیکچر میں اسلام کی خوبیاں کرنے کے ضمن میں فرمایا جاتا ہے **لا رهبانية في الاسلام**۔ حد متوسط سے زیادہ اپنے نفس پر تشدد کرنے کی نہی اور نفی لفظ رہبانیۃ سے کیوں فرمائی گئی۔ رہبانیۃ کے کیا معنی ہیں۔ یہ لفظ رہب سے بنایا گیا ہے یا نہیں اور راہب کس کو کہتے ہیں۔ درویش نصرانی کو کہتے ہیں یا نہیں۔

اگر یوں فرمادیتے، اپنے نفس پر زیادہ تشدد مت کرو جب بھی تو مطلب حاصل ہو جاتا، یہ کیوں فرمایا کہ اسلام میں راہب بننے کی اجازت نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ غلو (۲) اور تشدد کے مذموم ہونے کی علت بتلانا منظور ہے کہ اس میں راہبوں کی مشابہت ہوتی ہے تو مسلمان ہو کر کیوں راہب بنتے ہو۔ اب بتلایئے تشبہ کا حرام و مذموم ہونا ثابت ہوا یا نہیں۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ اگر کسی صاحب سے جو مسئلہ تشبہ میں الجھ رہے ہیں، مخلی (۳) بالطبع ہونے کے وقت مجمع عام میں ایک زنانہ جوڑا پیش کر کے عرض کیا جائے کہ اس کو زیب بدن فرمالیجئے، تو یقین ہے کہ اگر ان کا قابو چلے تو مستدعی (۴) کی جان تک لینے میں دریغ نہ فرمائیں۔

کیوں صاحب تشبہ کا مسئلہ اگر کوئی با وقعت نہیں تو اس مقام پر عورت کے ساتھ تشبہ ہونے سے تھوڑے فرق کی وجہ سے یہ ناگواری ہے تو کافروں کے ساتھ تشبہ کرنے سے تو بوجہ اختلاف دین زیادہ غیرت ہونی چاہئے اور واضح رہے کہ حکم وردی اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کہ وہ شعار منصب کا ہے۔ اس کو تشبہ سے کوئی علاقہ نہیں۔

(۱) علامت ۱۲۔ (۲) حد سے بڑھنا ۱۲۔ (۳) خالی الذہن۔ (۴) درخواست کرنے والا

دوسرا باب

پہلی فصل

منجملہ ان رسوم کے شادی کی اکثر بلکہ تمام رسمیں ہیں جو دنیا میں آنے کے وقت سے اپنے اصلی وطن کی روانگی کے وقت تک عمل میں لائی جاتی ہیں اور جو بڑے بڑے ثقہ اور عاقل لوگوں میں طوفان عام کی طرح پھیل رہی ہیں اور جن کی نسبت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس میں گناہ کی کون سی بات ہوتی ہے۔ مرد یا عورتیں جمع ہوتی ہیں، کچھ کھلانا پلانا ہوتا ہے، کچھ دینا دلانا ہوتا ہے، کوئی ناچ رنگ نہیں، پھر اس میں شرع کے خلاف ہی کیا ہے جس سے روکا جائے۔

حضرات اس غلط گمان کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ رواج عام نے قوت نظریہ(۱) کو ضعیف کر دیا کہ چند امور جو ظاہراً مباح ہیں ان کو دیکھ لیا اور جو ان کے اندر پنہانی اور اندرونی مفاسد اور خرابیاں ہیں وہاں تک نظر نہ پہنچ سکی۔ جیسا کوئی نادان بچہ مٹھائی کا ذائقہ و رنگ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے اور مضرتوں پر نظر نہیں کرتا جو اس میں مخفی ہیں اور جن کو ماں باپ سمجھتے ہیں اور اس لئے روکتے ہیں اور وہ ان خیر خواہوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ حالانکہ ان رسوم میں جو خرابیاں ہیں وہ زیادہ پوشیدہ اور

(۱) سوچ سمجھ کی قوت ۱۲۔

مخفی نہیں ہیں، بلکہ اکثر لوگ ان خرابیوں کے مقر اور ان کی وجہ سے پریشان ہیں۔ مگر مرگ انبوہ کے طور پر سب خوشی خوشی اس کو کرتے ہیں اور ناصح سے منقبض (۱) ہوتے ہیں۔ سو ان میں سے ایک رسم اولاد کے پیدا ہونے کے وقت کی ہے۔ جس میں یہ مفاسد ہوتے ہیں۔

ا۔ یہ ضروریات زمانہ سے سمجھا جاتا ہے کہ حتی الامکان پہلا بچہ باپ کے گھر ہونا چاہئے، جس میں بعض اوقات جب وہ عورت سسرال میں موجود ہو، قریب زمانہ میں باپ کے گھر بھیجنے کی پابندی میں یہ بھی تمیز نہیں رہتی کہ آیا یہ سفر کے قابل بھی ہے یا نہیں، جس سے بعض اوقات کوئی بیماری لگ جاتی ہے، حمل کو نقصان پہنچتا ہے۔ مزاج میں ایسا تغیر واقع ہوتا ہے کہ اس کو اور بچہ کو مدت تک بھگتنا پڑتا ہے۔ بلکہ اہل تجربہ کا قول ہے کہ اکثر بیماریاں بچوں کو زمانہ حمل کی بداحتیاطیوں سے ہوتی ہیں۔ غرض دو جانوں کا اس میں نقصان پیش آتا ہے۔ پھر یہ کہ ایک اور امر غیر ضروری کی اس قدر پابندی کہ کسی طرح ٹلنے نہ پائے، اپنی طرف سے ایک جدید شریعت تصنیف کرنا ہے۔ بالخصوص جب کہ اس کے ساتھ یہ عقیدہ ہو کہ اس کے خلاف کرنے سے کوئی نحوست ہوگی یا ہماری بدنامی ہوگی۔ اعتقاد نحوست تو شعبہ (۲) شرک کا ہے کہ غیر اللہ کو نافع (۳) یا ضار (۴) سمجھا، اسی واسطے حدیث میں اس کی صاف نفی آئی ہے کہ بدشگونی کوئی چیز نہیں اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ٹوٹکا شرک ہے اور بدنامی کا اندیشہ ہے، یہ شعبہ تکبر کا ہے۔ جس کا حرام ہونا قرآن و حدیث میں منصوص ہے۔ اور اکثر خرابیاں اور پریشانیاں اسی ننگ و ناموس کی بدولت طوق گلو (۵) ہوگئی ہیں۔

۲۔ بعض جگہ قبل پیدائش چھاج یا چھلنی میں کچھ اناج اور سوا روپیہ مشکل کشا

(۱) گھٹتے ہیں۔ (۲) شاخ ۱۲۔ (۳) نفع دینے والا ۱۲۔ (۴) ضرر دینے والا ۱۲۔
(۵) یعنی گلے میں پڑگئی ہیں۔

کے نام کا رکھا جاتا ہے، یہ صریح شرک ہے۔

۳۔ بعد پیدائش کے گھر والے کے ساتھ کنبہ کی عورتیں بھی بطور نوتہ کے کچھ جمع کر کے دائی کو دیتی ہیں اور ہاتھ میں نہیں دیتیں، بلکہ ٹھیکری میں ڈال دیتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے، یہ کون سا طریقہ دینے کا معقول ہے کہ ہاتھ کو چھوڑ کر ٹھیکری میں ڈالا جائے، اور ٹھیکری میں نہ ڈالیں، ہاتھ میں دیں، تب بھی غور کرنے کی بات ہے کہ ان دینے والوں کا مقصود اور نیت کیا ہے۔ جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی ہوگی، اس وقت کی تو خبر نہیں کہ کیا مصلحت ہو شاید بوجہ مسرت (۱) طبعی کے ہو کہ سب عزیزوں کا دل خوش ہوا، بطور انعام کے سب نے کچھ دے دیا۔ مگر اب تو یقینی بات ہے کہ خواہ مسرت ہو یا نہ ہو ضرور دینا ہوتا ہے۔ بعض عورتیں کنبہ کی نہایت مفلس اور نادار مگر باصرار ان کو بلایا جاتا ہے۔ اگر نہ جائیں تو تمام عمر شکایت گائی جائے اور اگر جائیں تو اٹھنی چونی کا انتظام کر کے لے جائیں نہیں تو بیبیوں میں سخت ذلت اور شرمندگی ہے۔ غرض جاؤ اور جبراً قہراً دے کر آؤ۔ کیسا صریح ظلم ہے کہ گھر بلا کر لوٹا جائے۔ بجائے مسرت کے بعضوں کو پورا جبر گزرتا ہے مگر یہ امکان نہیں کہ یہ ٹیکس نہ ادا کیا جائے۔ سرکاری مالگذاری میں اکثر مہینوں کی دیر ہو جاتی ہے مگر اس میں ایک منٹ کا توقف بھی نہیں ہوتا، بلکہ میعاد سے پہلے مہیا کر لینا واجب ہے۔ فرمائیے کہ اس طرح اور اس نیت سے مال کا خرچ کرنا یا لینے والے کو یا گھر والوں کو اس لینے دینے کا باعث بننا کہاں جائز ہے۔ کیونکہ دینے والی کی نیت تو محض تعزز و ترفع ہے۔ جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے گا قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے۔ یعنی جو کپڑا خاص شہرت کی نیت سے پہنا جائے معلوم ہوا کہ کوئی کام شہرت کی غرض سے کرنا جائز نہیں۔ یہاں تو خاص یہی نیت ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کہیں گے کہ فلاں نے یہ دیا، ورنہ مطعون (۲) کریں گے کہ ایسے

(۱) دلی خوشی۔ (۲) ملامت

آنے کی کیا ضرورت تھی۔ دینے والے کو تو یہ گناہ ہیں۔ اب آپ لینے والے کو سنئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں بدون اس کے دل کی خوشی کے، جب ایک شخص نے جبراً کراہیت سے دیا، لینے والے کو لینے کا گناہ ہوا۔ اگر دینے والا باوسعت ہے اور اس کو جبر بھی نہیں گزرا مگر غرض تو اس کی بھی ترفع اور افتخار ہے۔ جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے ان لوگوں کی دعوت کرنے سے جو فخر کے لئے کھانا کھلائیں۔ غرض ایسے شخص کا کھانا یا اس کی چیز لینا بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی معصیت کی اعانت ہے اور اعانت معصیت خود معصیت ہے۔ غرض لینے والا بھی گناہ سے نہ بچا۔ اب گھر والوں کو لیجئے کہ وہی لوگ بلا بلا کر باعث اس معصیت کے ہوئے۔ وہ یوں مبتلا ہوئے۔ غرض اچھا نوتہ پڑا کہ سب کو گناہ میں نوت دیا اور رسم نوتہ کی اکثر تقریبات میں ادا کی جاتی ہے۔ جس میں علاوہ مفاسد مذکورہ کے یہ خرابی ہے کہ حسب قاعدہ ''المعروف بالمشروط'' یہ تو طے ہوگیا کہ یہ قرض لینا ممنوع ہے، اور نوتہ میں کچھ ضرورت پر نظر نہیں ہوتی۔ ثانیاً وقت وسعت کے ادا کر دینا چاہئے۔ اگر نوتہ کا بدل کوئی شخص اگلے دن دینے لگے تو ممکن نہیں کہ کوئی شخص قبول کر لے۔ ثالثاً گنجائش ہو یا نہ ہو، مگر اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ غرض تینوں حالتوں میں شریعت کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ رسم نوتہ کی جس طرح متعارف ہے جائز نہیں رہی۔

۴۔ پھر نائن گود میں کچھ اناج ڈال کر سارے کنبہ اور برادری میں بچہ کا سلام کہنے جاتی ہے اور وہاں سب عورتیں اس کو کچھ اناج دیتی ہیں۔ اس میں بھی وہی خیالات اور نیتیں ہیں جو نمبر ۳ میں مذکور ہوئی ہیں۔

۵۔ گھر پر سب کمینوں کو حق دیا جاتا ہے جس کو ۳۶ تہانبہ کہتے ہیں۔ ان میں بعض تو خدمت گزار ہیں، ان کو تو خواہ حق سمجھ کر یا انعام سمجھ کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ بلکہ مستحسن ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اپنی گنجائش کا لحاظ رکھے۔ یہ نہیں کہ مطعون

ہونے کے اندیشہ سے خواہی نخواہی قرض لے۔ گو سودی ملے، اپنی زمین، باغ کو فروخت کرے یا گروی رکھے۔ اگر ایسا کرے گا تو بوجہ ارتکاب نمود کے یا بلا ضرورت قرض لے کر لوگوں کے مال تلف کرنے کے اور سود دینے کے جو کہ گناہ میں سود لینے کے برابر ہے یا تکبر وافتخار کے جو کہ نصاً حرام ہے یا اسراف کے، جس کی حرمت بھی منصوص ہے، ان وجوہ میں ضرور گناہ گار ہوگا۔ خدمت گاروں کے انعام میں گفتگو تھی۔ بعض کمین وہ ہیں جو کبھی مصروف نہیں، نہ وہ کوئی خدمت کریں نہ کسی کام آئیں نہ ان سے کوئی ضرورت متعلق مگر قرض خواہوں سے بڑھ کر تقاضا کرنے کو موجود اور خواہی نخواہی ان کو دینا ضرور، اس میں بھی جو خرابیاں اور وجوہ معصیت کے دینے والوں اور لینے والوں کے لئے ہیں، جمع ہیں، ان کا بیان اوپر آچکا ہے۔ حاجت اعادہ نہیں۔ علاوہ بریں جب ان کا کوئی حق واجب نہیں، ان کو دینا محض احسان ہے اور احسان میں زبردستی حرام ہے۔ اور اس رسم کو جاری رکھنا تائید فعل حرام کی ہے اور حرام کی تائید بھی حرام ہے۔

۶۔ پھر دھیانیوں کو دودھ دھلائی کے عنوان سے کچھ دیا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہی ضروری سمجھنا اور جبراً اور قہراً (۱) دینا، یا اگر خوشی سے دیا تو ناموری اور سرخروئی کے لئے دینا سب ظلمتیں موجود ہیں اور کفار کے ساتھ تشبہ جدا رہا جس سے اس میں بھی جواز کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

۷۔ اچھوانی پھر گوند اور پنجیری سارے کنبہ اور برادری میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں بھی اسی قدر مفاسد اور نماز روزہ سے بڑھ کر ضروری سمجھنے کی علت موجود ہے۔ بالخصوص پنجیری میں تو اناج کی ایسی بے قدری ہوتی ہے کہ الٰہی توبہ! تقریب والے کی تو اچھی خاصی لاگت لگ جاتی ہے اور وہ کسی کے منہ تک بھی نہیں جاتی، پھر اناج کی ایسی بے ادبی کہیں جائز نہیں ہوسکتی۔

(۱) زبردستی۔

۸۔ نائی اطلاعی خط لے کر بہو کی سسرال میں جاتا ہے اور وہاں اس کو کچھ انعام دیا جاتا ہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جو کام ایک پیسہ کے کارڈ میں نکل سکتا ہے اس کے لئے خاص کر ایک آدمی کو جانا یہ کونسا امر معقول ہے۔ پھر خواہ سسرال میں کھانے کو میسر ہو یا نہ ہو مگر نائی صاحب کا قرض نعوذ باللہ خدا کے فرض سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے۔ ادا کرنا ضروری ہے اور وہی ناموری کی نیت ہونا وغیرہ جو ظلمات ہیں وہ یہاں بھی رونق افروز ہیں۔ اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

۹۔ پھر سوا مہینے کا چلہ نہانے کے وقت پھر سب عورتیں کنبہ کی جمع ہوتی ہیں اور کھانا وہاں کھاتی ہیں اور رات کو کنبہ یا برادری میں دودھ چاول تقسیم ہوتے ہیں۔ بھلا صاحب یہ زبردستی کھانے کی پخ لگانے کی کیا وجہ؟ دو قدم پر گھر مگر کھانا کھائیں یہاں! وہی مثل مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ ان کی طرف سے تو یہ زبردستی اور گھر والوں کی نیت ناموری اور طعن تشنیع سے بچنے کی، یہ دونوں وجہ اس کی ممانعت کے لئے کافی ہیں۔ اسی طرح دودھ چاول کی تقسیم یہ بھی محض لغو ہے۔ ایک بچے کے ساتھ تمام بزرگان کنبہ کو شیر خوار بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ پس اس میں بھی وہی نام ونمود کا زہر اس رسم کو ممنوع ہونے کے لئے کافی ہے۔

۱۰۔ اس سوا مہینے تک زچہ کو نماز کی ہرگز توفیق نہیں ہوتی۔ بڑی بڑی پابند نماز بے پرواہی کر جاتی ہیں۔ مسئلہ شرعیہ ہے کہ نفاس کے اقل درجہ کی کوئی حد نہیں۔ جس وقت خون بند ہوجائے فوراً غسل کرلے اور غسل نقصان کرے تو تیمّم کرکے نماز پڑھنا شروع کرے۔ ایک وقت کی فرض نماز بھی بلا عذر شرعی چھوڑنا سخت گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسا شخص دوزخ میں ہوگا، فرعون، ہامان اور قارون کے ساتھ۔

۱۱۔ پھر باپ کے گھر سے سسرال میں آنے کے لئے چھوچھک کی تیاری ہوتی ہے جس میں حسب مقدور سب سسرال والوں کے جوڑے اور برادری کے لئے پنجیری اور لڑکی کے لئے زیور، برتن، جوڑے وغیرہ ہوتے ہیں۔ جب بہو چھوچھک

لے کر سسرال میں آئی، وہاں سب عورتیں چھوچھک دیکھنے آتی ہیں اور ایک وقت کھانا کھا کر چلی جاتی ہیں۔ ان سب امور میں جو کچھ پابندی ہے کہ پابندی فرائض سے بڑھ کر برتی جاتی ہے۔ اور وہی نیت نمائش و ناموری کی ہونا، وہ ظاہر ہے جس میں حدود شرعیہ سے تجاوز اور تکبر و افتخار کوٹ کوٹ کر بھرا گیا ہے، جس کے حرام ہونے میں آیات واحادیث بکثرت موجود ہیں۔ آداب مسنونہ تولد کے وقت یہ ہیں کہ جب لڑکا پیدا ہوا اس کو نہلا دھلا کر اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی جائے اور کسی بزرگ متقی سے تھوڑا چھوہارا چبوا کر اس کے تالو کو لگا دیا جائے، اور باقی تمام امور مذکورہ یا اذان کی مٹھائی یہ سب فضول اور غیر معقول اور مکروہ ہیں۔

دوسری فصل

منجملہ ان کے وہ رسوم ہیں جو عقیقہ کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ اس روز لڑکے کے لئے دو بکرے، لڑکی کے لئے ایک بکرا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کچا یا پکا تقسیم کر دینا اور بالوں کی برابر چاندی وزن کر کے تقسیم کر دینا۔ بس یہ سنت و مستحب ہے۔
باقی جو فضولیات اس میں تصنیف ہوئے ہیں ملاحظہ کے قابل ہیں:

ا۔ برادری اور کنبہ کے مرد جمع ہو کر بعد موتراشی (۱) بچہ کی کٹوری میں بطور نوتہ کے کچھ ڈالتے ہیں جو نائی کا حق سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ عرفاً صاحب خانہ کے ذمہ سمجھا جاتا ہے۔ جس کا ایسے ہی موقعہ پر ادا کرنا وہی پابندی ہے کہ اگر پاس نہ ہو تو قرض لو، گو سودی ملے جو سراسر تعدی (۲) حدود شرع سے ہے۔ اور وہی نیت ناموری اور طعن و الزام سے بچنے کی جو شعبہ تکبر حرام کا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ قرض کا قاعدہ یہ ہے

(۱) بال کٹوانا۔ (۲) تجاوز۔

کہ آدمی حاجت کے وقت ادا کر دیتا ہے۔ یہ عجیب قرض ہے کہ خواہ حاجت ہو یا نہ ہو مقروض بنو اور پھر جس وقت ادا کرنا چاہو ادا نہ کر سکو۔ اگر کوئی شخص اگلے دن نوتہ کا روپیہ ادا کرنے کے لئے جائے، تو صاحب نوتہ ہرگز ہرگز نہ لے اور یہی کہے کہ ہم نے کیا آج کے لینے کے واسطے دیا تھا۔ ہمارے یہاں جب کوئی تقریب ہوگی تو تم دے دینا۔ سو احادیث میں جو دین (۱) کے باب میں وعیدیں آئی ہیں اس سے مراد وہی قرض ہے جو بلا حاجت ہو، خواہ مخواہ بے ضرورت مقروض ہونا، بلا شک مرضی شارع علیہ السلام کے خلاف ہے۔ پھر ایک شخص ایک حق واجب سے سبکدوش ہونا چاہے اور اس کو کوئی شخص گرانبار رکھنے کی کوشش کرے تو یہ بھی امر مذموم ہے۔ سو اس نوتہ کی رسم میں یہ دونوں خرابیاں ہیں۔ ایک لینے والے کے واسطے، دوسری دینے والے کے واسطے۔

۲۔ دھیانیاں (۲) یہاں بھی وہی اپنا حق جو واقع میں ناحق ہوتا ہے لیتی ہیں، جس میں تشبہ کفار کے علاوہ یہ خرابیاں ہیں:۔

۱۔ دینے والے کی نیت فاسد ہونا۔ کیوں کہ یہ یقینی بات ہے کہ بعض اوقات گنجائش نہیں ہوتی اور دینا گراں گزرتا ہے۔ مگر صرف اس وجہ سے کہ نہ دینے میں طعن وخجالت (۳) ہوگی، دینا پڑتا ہے۔ اس کو ریاء ونمود کہتے ہیں اور ریاء وشہرت کے لئے مال خرچنا حرام ہے۔

۲۔ لینے والے کی یہ خرابی کہ دینا فی ذاتہ تبرع (۴) ہے اور تبرعات میں شرعاً جبر حرام ہے اور یہ بھی شرعاً جبر ہی ہے کہ اگر وہ نہ دے تو اس پر لعن طعن ہو، بدنام ہو، خاندان بھر میں نکّو بنے اور اگر خوشی سے بھی دے تب بھی شہرت اور ناموری کی نیت ہونا یقینی ہے۔ جس کی ممانعت قرآن وحدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔

۳۔ نجیری کی تقسیم کا قضیہ یہاں بھی ہے جس کا نامعقول ہونا اوپر مذکور ہو چکا

---

(۱) قرض۔ (۲) بہن بھانجیاں وغیرہ۔۱۲۔ (۳) شرمندگی۔ (۴) احسان

ہے اور طلب شہرت وریاء کی وجہ سے ممنوع ہونا ظاہر ہے اور یہی خرابیاں اس رسم میں ہیں جو دانت نکلنے کے وقت ہوتی ہیں کہ کنبہ میں گھونگدیاں تقسیم ہوتی ہیں اوران کا ناغہ ہوجانا فرض وواجب کے ناغہ ہوجانے سے بڑھ کر مذموم وعیب سمجھا جاتا ہے اوراسی طرح وہ رسم جو دودھ چھوڑنے کے وقت رائج ہے مبارکباد کے لیے عورتوں کا جمع ہونا اور خواہی نخواہی ان کی دعوت ضروری ہونا اور کھجوروں کا برادری میں تقسیم ہونا۔ غرض یہ سب ایک حالت میں ہیں۔

تیسری فصل

منجملہ ان رسوم کے مکتب کی رسم ہے، جس طرح اہتمام والتزام کے ساتھ لوگوں میں شائع ہے اس میں یہ خرابیاں ہیں:

۱۔ چار برس چار مہینہ چار دن کا اپنی طرف سے مقرر کرلینا، جس کی کوئی اصل صحیح نہیں پائی گئی، جیسا کہ خاتمہ مجمع البحار میں شیخ علی متقیؒ کا فتویٰ اس معمول کے بے اصل ہونے میں منقول ہے۔ پھر اس کا ایسا اہتمام اور اصرار کہ جس طرح ہو اس کے خلاف نہ ہونے پائے اور عوام تو اس امر کو شرعی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے عقیدہ میں فسادات اور شریعت کے احکام میں ایک حکم کا ازدیاد(۱) وایجاد لازم آتا ہے۔

۲۔ تقسیم شیرینی کا لازم سمجھنا اس طرح کہ اس کے ترک کو موجب بدنامی و اہانت سمجھیں، تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ محض ادائے شکر مقصود نہیں، ورنہ ادائے شکر کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ان میں سے جس کو چاہتا بے تکلف اختیار کرلیتا۔ کبھی کھانا کھلادیتا۔ کبھی غریب محتاجوں کو غلہ یا نقد کپڑا تقسیم کردیتا، کبھی کسی مسجد یا مدرسہ

(۱) زیادتی کرنا

میں ادا کر دیتا اور کبھی جب گنجائش نہ ہوتی زبانی شکر یا ایک آدمی کا کھانا دے کر اس پر اکتفا کرتا۔ تمام عمر ایک طریق کی پابندی کرنا صرف رواج کی وجہ سے ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے لوگ مطعون کریں گے تو اس میں بھی وہی خرابی ریاء و نمود و اشتہار و افتخار کی موجود ہے۔

۳۔ بعض مقدور والے چاندی کی قلم دوات سے چاندی کی تختی پر لکھا کر بچہ کو اس میں پڑھواتے ہیں۔ سونا چاندی کا استعمال خود کرنا یا دوسرے کو کرانا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا سب حرام ہے۔

۴۔ بعض لوگ اس وقت بچہ کو غیر مشروع لباس پہناتے ہیں۔ ریشمی یا زری کا یا کسم و زعفران کا رنگا ہوا۔ ایک گناہ یہ ہوا۔

۵۔ کمینوں اور دھانیوں کا اس میں بھی فرض سے بڑھ کر حق سمجھا جاتا ہے۔ جو مر مار کر جس طرح ہو ادا کرو، ورنہ نکو بنو۔ جبراً کسی کے مال لینے کی یا ریاء کسی کو دینے کی برائی اوپر گزر چکی ہے، یہ بھی موقوفی کے قابل ہے۔ بس جب لڑکا بولنے لگا اس کو کلمہ سکھاؤ۔ جیسا مجمع البحار اور شرح شرعۃ الاسلام اور ابن السنیؒ میں منقول ہے اور شرح شرعۃ الاسلام میں ان آیتوں کی تلقین کو زیادہ کیا ہے۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ آخر سورۂ مومنون تک۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تا آخر سورۂ حشر۔ اور ایک روایت میں اس کی تعلیم آئی ہے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔ ابن السنیؒ نے اس کا حضور سول مقبول ﷺ کے معمولات شریف سے ہونا حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اور کسی معتبر بزرگ کی خدمت میں اس کو لے جا کر بسم اللہ کہلاؤ اور اس نعمت کے شکریہ میں اگر دل سے بلا پابندی جو توفیق ہو خفیہ طور سے راہ خدا میں کچھ خیر خیرات کر دو۔ باقی سب پکھنڈ ہیں۔

چوتھی فصل

منجملہ ان کے وہ رسوم ہیں جو ختنہ میں عوام نے اضافہ کر رکھی ہیں:

ا۔ لوگوں کو آدمی اور خطوط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا، جو بالکل خلاف سنت ہے۔ مسند احمدؒ میں حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو کسی نے ختنہ میں بلایا۔ آپ نے تشریف لے جانے سے انکار فرمایا۔ آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم لوگ عہد رسول ﷺ میں نہ جاتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں جس امر کا اعلان ضروری نہیں اس کے لئے لوگوں کو جمع کرنا، بلانا خلاف سنت ہے۔ اس میں بہت سی رسمیں آ گئیں۔ جن کے لئے لمبے چوڑے اہتمام ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض موقع پر لڑکا قریب بلوغ کے ہوتا ہے۔ جس کا بدن مستور دیکھنا بجز ختنہ کرنے والے کے دوسروں کو بلا ضرورت حرام ہے۔ سب بے تکلف دیکھتے ہیں اور گناہ گار ہوتے ہیں اور ان گناہوں کا باعث بلانے والا ہوتا ہے۔

۳۔ کٹوری میں نوتہ پڑنے کا فضیحتہ یہاں بھی ہے۔ جس کی خرابیاں اسی باب کی فصل اول و دوم میں مذکور ہو چکی ہیں۔

۴۔ بچہ کی ننھیال کی طرف سے کچھ نقد و پارچہ دیا جاتا ہے۔ جس کو عرف عام میں بھات کہتے ہیں جس کی اصل فاسد یہ ہے کہ کفار ہند اولاد دختری کو میراث نہیں دیتے۔ جاہل مسلمانوں نے ان کی دیکھا دیکھی یہ شیوہ اختیار کیا اور اگر فرضاً اس کی تقلید نہیں کی، خود ہی یہ رسم ایجاد کی ہو تب بھی بری رسم ہے۔ کسی حقدار کا حق جس کو اللہ و رسول ﷺ نے مقرر فرمایا ہو اس کو نہ دینا اور بلا طیب خاطر ذی حق کے اس سے خود منتفع ہونا عقلاً و شرعاً ہر طرح سے برا ہے۔ غرض جب دختر (۱) کو میراث سے محروم کیا تو

(۱) لڑکی ۱۲

طفل تسلی کے طور پر اس کا تدارک یہ اختراع کیا گیا کہ مختلف موقعوں اور تقریبوں میں ان کو کچھ دے دیا جایا کرے گا۔ گویا ان کا حق جو ہمارے ذمے تھا وہ اس بہانہ سے ادا ہو گیا۔ سو ظاہر ہے کہ اس طرح دینے دلانے سے ہرگز ان کا وہ حق ادا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ادائے حق کی شرعاً دو صورتیں ہیں۔ یا تو عین حق یا اس کے عوض دوسری شے ادا کی گئی ہو۔ سو یہ معاوضہ ہے۔ اس میں معاوضہ کی تمام شرائط جن کی رعایت شرعاً واجب ہے، موجود ہونا ضروری ہے جو کہ کتاب فقہ کے کتاب البیع میں مذکور ہیں اور اگر دونوں صورتیں نہ ہوں تو اصل حق ذمے رہتا ہے۔

مثلاً کسی شخص کے ذمے کسی کا روپیہ آتا ہو اور وہ اس کی دعوت کر کے اس میں ایک روپیہ کی شیرینی یا طعام کھلائے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس سے وہ روپیہ ادا نہ ہوگا بلکہ بدستور واجب رہے گا۔ سو ظاہر ہے کہ بھات میں جو دیا جاتا ہے وہ نہ عین حق ہے اور نہ اس میں معاوضہ کی شرائط جمع ہیں، یونہی اپنی من سمجھوتی ہے۔ غرض وجہ اس ایجاد کی یا تو رسم کفار کا اتباع ہے کہ وہ بھی حرام ہے اور یا بنا اس کی ظلم ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ دو خرابیاں تو اس کی یہ ہیں۔ تیسری خرابی اس میں یہ ہے کہ خواہ اس موقع پر نہیال والوں کے پاس ہو یا نہ ہو، ہزار جتن کرو، سودی قرض لو، کوئی چیز گروی رکھو، جسمیں آج کل یا تو نقد سود دینا پڑتا ہے یا پیدوار۔ اس جائیداد کی مرتہن لیتا ہے کہ وہ بھی سود ہی ہے۔ گو زمینداروں کے فرقے نے اس کو حلال سمجھ لیا ہے۔ (رسالہ صفائی معاملات میں بفضلہ تعالیٰ سب شبہات اس کے متعلق رفع کر دیئے گئے ہیں۔)

بہرحال سود کی پرواہ نہیں رہتی۔ غرض کچھ ہو، مگر یہاں کا سامان ضرور ہو۔ اب فرمائیے، جب ایک امر غیر ضروری بلکہ معصیت کا اہتمام ایسے زور و شور سے کہ فرائض و واجبات کا بھی وہ اہتمام نہ ہو تو یہ تعدی حدود شرعیہ سے ہے یا نہیں۔ چوتھی خرابی یہ ہے کہ نیت اس میں بھی وہی شہرت اور تفاخر کی ہے جس کا حرام ہونا بار بار مذکور ہو چکا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اپنے عزیزوں سے سلوک کرنا عبادت ہے۔ جواب

یہ ہے کہ صلہ رحمی وسلوک منظور ہوتا تو بلا پابندی رسم جب ان کو حاجت ہوتی ہے ان کی خدمت کرتے، اب تو عزیزوں پر خواہ فاقے گزر جائیں خبر بھی نہیں لیتے۔ اپنے نام و نمود کے لئے تاویل صلہ رحمی کی سوجھنے لگی۔

۵۔ بعض شہروں میں یہ آفت ہے کہ اس تقریب میں یا خصوصیت سے غسل صحت کے روز خوب راگ باجہ ہوتا ہے اور کہیں ناچ ہوتا ہے، کہیں ڈومنیاں گاتی ہیں۔ جن کا مذموم (۱) ہونا اول میں لکھا گیا ہے۔ اور جس کے مفاسد (۲) انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مذکور ہوں گے۔ غرض ان خرافات ومعاصی کو موقوف کرنا چاہئے۔ جب بچہ میں قوت برداشت کی دیکھی جائے، چپکے سے نائی کو بلا کر ختنہ کرادیں۔ جب اچھا ہوجائے غسل کرادیں۔ اگر گنجائش ہو اور بار بھی نہ ہو اور پابندی بھی نہ کرے اور شہرت ونمود اور طعن وبدنامی کا بھی خیال نہ ہو، شکر میں دو چار اعزہ واحباب یا دو چار مساکین کو ماحضر کھلادے۔ اللہ اللہ خیر صلاح!

پانچویں فصل

منجملہ ان رسوم کے منگنی کی رسم ہے، جس کی قیامت کبریٰ یعنی شادی کی تمہید ہونے کی وجہ سے قیامت صغریٰ کہنا زیبا ہے۔ اس میں یہ واقعات ہیں:

۱۔ جب منگنی ہوتی ہے تو خط لے کر نائی آتا ہے۔ لڑکی والے کی طرف سے شکرانہ بنا کر حجام کے روبرو رکھا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہی غیر لازم امر کا اپنے ذمے لازم کرالینا ہے کہ فرض وواجب ٹل جائے مگر یہ نہ ٹلے۔ ممکن ہے کہ کسی کے گھر میں اس وقت دال روٹی ہو، مگر جہاں سے ہو شکرانہ کرو، ورنہ منگنی مشکوک ہوگئی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور التزام مالا یلزم اور تعدی حدود شرعیہ کا ہونا مذکور ہوچکا ہے۔ ایک تو یہ امر

(۱) برا۔ (۲) برائیاں

خلاف شرع ہوا، پھر اس بے ہودہ امر کے لئے اگر سامان موجود نہ ہوتو قرض لینا جس کا بلاضرورت لینا ممنوع اور ایسے ہی قرض پر وعید آئی ہے۔ گو قلیل ہی قرض ہو دوسرا امر خلاف شرع یہ ہوا۔

۲۔ حجام کو کھانا کھلا کر خوان میں سو روپیہ جس قدر لڑکی والے نے دیئے ہوں ڈال دیتا ہے۔ لڑکے والا اس میں سے ایک یا دو روپیہ اٹھا کر باقی واپس کر دیتا ہے اور یہ روپیہ اپنے کمینوں کو تقسیم کر دیتا ہے۔ بھلا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک یا دو روپیہ لینا دینا منظور ہے تو خواہ مخواہ سو روپیہ کو کیوں تکلیف دی اور اس رسم کے پورا کرنے کے واسطے بعض اوقات بلکہ اکثر سودی قرضہ لینا پڑتا ہے جو حدیث میں موجب لعنت ہے۔ اور اگر قرض بھی نہ لیا تب بھی بجز افتخار اور اظہار عظمت اس میں کون سی مصلحت عقلی ہے۔ جب یہ عادت سب کو معلوم ہوگئی کہ ایک یا دو سے زیادہ نہ لیا جائے تو پھر سو کیا ہزار روپیہ میں بھی وہ عظمت اور شان نہیں رہی۔ عظمت تو جب ہوتی جب دیکھنے والے یہ سمجھتے کہ تمام روپیہ نذر کیا گیا ہے۔ اب تو بجز تمسخر اور بازیچۂ طفلان (۱) کے اور کچھ نہیں۔ مگر لوگ کرتے ہیں اسی تفاخر اور عظمت کے دکھلانے کو اور افسوس کہ بڑے بڑے عقلاء جو اوروں کو عقل سکھلائیں، اس رسم دشمن عقل میں گرفتار ہیں۔ غرض اس میں بھی اصل وضع کے اعتبار سے ریاء کا گناہ اور باعتبار تقریر خیر کے ایک فعل لایعنی موجود ہے۔ ریاء کا گناہ ہونا تو ظاہر ہے اور اوپر مذکور بھی ہو چکا ہے اور فعل لایعنی کا مذموم ہونا بھی حدیث میں ہے:

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو ترک کردے۔ غرض افعال لایعنی بھی مرضی شارع علیہ السلام کے خلاف ہیں۔ اور اگر سودی روپیہ لیا گیا تو اس کی وعید سب ہی جانتے ہیں۔ غرض اتنی خرابیاں اس رسم میں موجود ہیں۔

(۱) بچوں کا کھیل ۱۲

۳۔ پھر لڑکی والا حجام کو ایک جوڑا مع کچھ نقد روپیہ کے دیتا ہے اور یہاں بھی وہی دل لگی کہ دینا منظور ہے۔ ایک یادداور دکھلائیں سو۔ واقعی رواج عجب چیز ہے کہ کیسی ہی عقل کے خلاف کوئی بات ہو مگر عقلاء بھی اس کو کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔ اس کی خرابیاں ابھی مذکور ہو چکی ہیں۔

۴۔ حجام کی واپسی کے قبل عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ڈومنیاں گاتی ہیں۔ عورتوں کے جمع ہونے اور ڈومنیوں کے گانے کی خرابیاں اور خرابیوں کی وجہ سے اس کے خلاف شرع ہونا قیامت کبریٰ میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ:

۵۔ حجام پہنچتا ہے اور اپنا جوڑا مع روپیوں کے گھر میں بھیج دیتا ہے۔ وہ جوڑا تمام برادری میں گھر گھر دکھلا کر حجام کو دے دیا جاتا ہے۔ غور فرمائیے، جہاں ہر ہر قدم پر معائنہ و ملاحظہ ہو وہاں کہاں نیت درست ہو سکتی ہے۔ بالیقین جوڑا بنانے کے وقت ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ ایسا بناؤ کہ کوئی نام نہ رکھے۔ غرض ریاء بھی ہوئی اور اسراف بھی ہوا۔ جن کا گناہ قرآن وحدیث میں منصوص ہے اور مصیبت یہ ہے کہ بعض اوقات اس اہتمام پر بھی دیکھنے والوں کو پسند نہیں آتا۔ وہی مثل ہے کہ مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانے والے کی داڑھ بھی گرم نہ ہوئی اور بعض عالی دماغ دیکھنے والے اس میں خوب عیب نکالتے ہیں اور بدنام کرتے ہیں۔ تو یہ غیبت کا گناہ ان کو ہوا اور اس کا باعث وہی جوڑا ہے۔ اس لئے بنانے والا بھی اس گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ غرض بنانے والے کے پاس ریاء اور اسراف اور غیبت کی دولتوں کا ذخیرہ جمع ہوا۔ اور یہ دیکھنے والے غیبت کا سرمایہ لے بیٹھے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عیب بھی نہ نکالا تو ریاء کے گناہ سے بھی بچنا ان کا مشکل ہے کیونکہ ان تعریف کرنے والوں ہی نے تو ریاء کرائی۔ اگر لوگ ایسے موقع میں جوڑا دیکھتے اور تعریف نہ کرتے تو کرنے والوں کی کیوں نیت بگڑتی۔ بہر حال اچھا دائرہ ہے کہ کوئی بھی اس کے محیط سے خارج نہیں۔

۶۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکی والے کی طرف سے کچھ مٹھائی مع انگشتری اور رومال

اور کسی قدر روپئے کہ جس کو عرف میں نشان کہتے ہیں بھیجی جاتی ہے اور یہ روپیہ بطور نوتہ کے جمع کر کے بھیجا جاتا ہے یہاں بھی وہی ریاء اور اسراف کی علت موجود ہے اور نوتہ کی خرابیاں کچھ بیان بھی ہو چکی ہیں اور عنقریب قیامت کبریٰ میں مع جواب شبہ عوام کے بیان ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

۷۔ جو حجام اور کہار اس شیرینی کو لے کر آتے ہیں تو حجام کو جوڑا اور کہاروں کو پگڑیاں اور کچھ نقد دے کر رخصت کر دیا جاتا ہے۔ اور شیرینی کو کنبہ کی عمر رسیدہ عورتیں جمع ہو کر ساری برادری میں گھر گھر تقسیم کرتی ہیں اور اسی کے گھر کھانا کھاتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ان کہاروں کی کوئی اجرت معین نہیں کی جاتی نہ اس کا لحاظ ہوتا ہے کہ یہ خوشی سے جاتے ہیں یا ان پر جبر ہو رہا ہے۔ اکثر اوقات جانے والے اپنے کسی کاروبار یا اپنی بیماری یا کسی بیوی بچہ کی بیماری کا عذر پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ بھیجنے والے اگر کچھ قابودار ہوئے تو خود ورنہ دوسرے قابودار (۱) بھائی سے ان کی کفش کاری (۲) کرا کے جبراً و قہراً بھیجتے ہیں اور اس موقع پر اکثر ان لوگوں سے جبراً کام لیا جاتا ہے جو کہ بالکل ظلم اور معصیت ہے اور دنیا میں بھی اکثر ظلم کا وبال پڑتا ہے اور آخرت میں جزا بالمثل موجود ہے اور اجرت کا مجہول ہونا یہ دوسرا امر خلاف شرع ہے۔

یہ تو اس کمیشن کی روانگی کے پھول کھلے۔ آگے تقسیم کا موجب ریاء ہونا محتاج بیان نہیں۔ پھر تقسیم میں جو انہماک ہوتا ہے اکثر نمازیں بانٹنے والے کی اڑ جاتی ہیں اور وقت کا تنگ ہو جانا تو ضروری بات ہے، ایک امر خلاف شرع یہ ہوا اور جن کے گھر یہ حصے جاتے ہیں ان کے نخرے اور بلا عذر شرعی ہدیہ کا واپس کر دینا محض کسی دنیوی رنج کی بناء پر یہ خود ایک امر شرع کے خلاف ہے۔ بلکہ قبول کرنا بھی اس رسم ریائی کی اعانت اور ترویج ہے۔ اس لئے یہ بھی شرعاً ناپسند ہے۔ ایک خلاف یہ ہوا۔

(۱) اثر و رسوخ والے۔ (۲) ڈانٹ ڈپٹ ۱۲

غرض یہ سب خرافات واجب الترک ہیں۔ بس ایک کارڈ سے یا زبانی گفتگو سے پیغام نکاح ادا ہوسکتا ہے۔

جانب ثانی اپنے طور پر ضروری امور کی تحقیق کر کے جب اطمینان ہو جائے ایک کارڈ یا زبانی وعدہ کر سکتا ہے۔ لیجئے منگنی ہوگئی۔ اگر استحکام کے لئے یہ رسمیں برتی جاتی ہیں تو اول کسی مصلحت کے واسطے معاصی کا ارتکاب جائز نہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود ان قصوں کے بھی جہاں مرضی نہیں ہوتی جواب دے دیتے ہیں۔ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

چھٹی فصل

منجملہ ان رسوم کے قیامت کبریٰ کی رسم ہے جس کو عرف میں شادی کہتے ہیں اور واقعی بربادی کہنا لائق ہے۔ اور بربادی بھی کیسی، دنیا کی بھی اور دین کی بھی۔ اس کا لقب قیامت کبریٰ رکھا گیا۔ اس کے ہولناک واقعات یہ ہیں:

ا۔ سب سے پہلے برادری کے مرد جمع ہو کر لڑکی والے کی طرف سے خط تعین تاریخ شادی کا لکھ کر نائی کو دے کر رخصت کرتے ہیں۔ یہ رسم ایسی ضروری ہے کہ چاہے برسات ہو، راہ میں ندی نالے پڑتے ہوں، جس میں حجام صاحب کے بالکل رخصت ہونے کا بھی احتمال ہو۔ غرض کچھ بھی ہو، مگر یہ ممکن نہیں کہ ڈاک کے خط پر اکتفا کریں یا حجام سے زیادہ کوئی معتبر آدمی جاتا ہو اس کے ہاتھ بھیج دیں۔ بتلایئے شریعت نے جس چیز کو ضروری نہیں ٹھہرایا اس کو اس قدر ضروری سمجھنا کہ شریعت کے ضروری بتلائے ہوئے امور سے زیادہ اس کا اہتمام کرنا، انصاف کیجئے، شریعت کا مقابلہ ہے یا نہیں اور جب مقابلہ ہے تو واجب الترک ہے یا نہیں۔ اسی طرح مردوں

کا اجتماع ضروری ہونا، اس میں بھی یہی التباس مذکور ہے۔ اگر کہا جائے کہ مشورہ کے لئے جمع کیا جاتا ہے تو بالکل غلط ہے۔ وہ بے چارے تو خود پوچھتے ہیں کہ کون سی تاریخ لکھیں، جو پہلے سے گھر میں خاص مشورہ کر کے معین کر چکے ہیں۔ وہ بتلا دیتے ہیں اور وہ لوگ لکھ دیتے ہیں اور اگر مشورہ ہی کرنا ہے تو جس طرح اور امور میں مشورہ ہوتا ہے کہ ایک دو عاقل مصلحت اندیش سے رائے لے لے۔ بس کفایت ہوئی، گھر گھر کے آدمیوں کو بٹورنا کیا ضروری ہے۔ پھر اکثر لوگ نہیں آسکتے، اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بجائے اپنے بھیج دیتے ہیں وہ مشورہ میں کیا تیر چلائیں گے۔ کچھ بھی نہیں۔ یہ نفس کی تاویلیں ہیں۔ سیدھی بات کیوں نہیں کہتے کہ صاحب یونہی رواج چلا آتا ہے۔ اسی رواج کا عقلاً و نقلاً مذموم ہونا اور واجب الترک ہونا بیان ہو رہا ہے۔ غرض اس رسم کے سب اجزاء خلاف شرع ہیں۔ پھر اس میں ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ سرخ ہی خط ہو اور اس پر گوٹہ بھی لپٹا ہوا ہو۔ یہ بھی اس التزام مالا یلزم کی فہرست میں داخل ہے۔ جس کا خلاف شرع ہونا ثابت اور مذکور ہو چکا ہے۔

۲۔ گھر میں برادری اور کنبہ کی عورتیں جمع ہو کر لڑکی کو علیحدہ مکان میں معتکف کر دیتی ہیں۔ جس کو مائیوں (۱) بٹھلانا کہتے ہیں۔ اس کے آداب یہ ہیں کہ اس کو چوکی پر بٹھلا کر اس کے داہنے ہاتھ پر ابٹنا رکھتے ہیں اور گود میں کچھ کھیلیں بتاشے رکھتے ہیں اور کچھ کھیلیں بتاشے حاضرین میں تقسیم ہوتے ہیں اور اسی تاریخ سے برابر لڑکی کے ابٹنا ملا جاتا ہے اور کثیر تعداد میں پینڈیاں برادری میں تقسیم ہوتی ہیں۔ یہ رسم بھی مرکب چند خرافات سے ہے۔ اول اس کے علیحدہ بٹھلانے کو ضروری سمجھنا خواہ گرمی ہو، حبس ہو، گو جالینوس و بقراط بھی کہیں کہ اس کو کوئی بیماری ہو جائے گی، مگر کچھ بھی ہو، یہ فرض قضا نہ ہو۔ وہی غیر ضروری کو ضروری سمجھنا یہاں بھی جلوہ افروز ہے اور اگر احتمال اس کے بیمار ہونے کا ہو تو دوسرا گناہ کسی مسلمان کو ضرر پہنچانے کا ہوگا۔ جس میں

(۱) یہ ہندوانی رسم ہے ۱۲

ماشاء اللہ ساری برادری شریک ہے۔ دوسرے بلاضرورت چوکی پر بٹھانا، اس کی کیا ضرورت ہے۔ کیا فرش پر اگر ابٹنا ملا جائے گا تو بدن میں صفائی نہ آئے گی؟ اس میں بھی وہی التزام مالایلزم جس کا خلاف شرع ہونا بار بار مرقوم ہو چکا ہے۔ تیسرے داہنے ہاتھ پر ابٹنا رکھنا اور گود میں کھیلیں بتاشے بھرنا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کوئی ٹوٹکا اور شگون ہے اور اگر ایسا ہے تو شرک ہے اور شرک کا خلاف شرع ہونا کون مسلمان نہیں جانتا۔ ورنہ التزام مالایلزم تو ضرور ہے۔ اسی طرح بتاشوں کی تقسیم کی پابندی، یہ سب التزام مالایلزم اور سب ریاء وافتخار ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ چوتھے عورتوں کا ضرور جمع ہونا، جوان فسادوں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ اب عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہے۔ اگر بمصلحت بدن کی صفائی اور نرمی کے ابٹنا ملنے کی ضرورت ہو تو اس کا مضائقہ نہیں۔ مگر معمولی طور سے بلاقید کسی رسم کے مل دو، بس فراغت ہوئی۔ اس کا اس قدر طومار کیوں باندھا جاتا ہے۔

۳۔ جب حجام خط لے کر دولہا کے گھر گیا تو وہاں برادری کی عورتیں جمع ہو کر دو خوان شکرانے کی بناتی ہیں۔ جس میں ایک نائی کا، دوسرا ڈومنیوں کا ہوتا ہے۔ نائی کا خوان باہر بھیجا جاتا ہے اور ساری برادری کے مرد جمع ہو کر نائی کو شکرانہ کھلاتے ہیں۔ یعنی اس کھانے والے کا منہ تکا کرتے ہیں اور ڈومنیاں دروازہ پر بیٹھ کر گالیاں گاتی ہیں۔ اس میں بھی خوان بنانا اسی التزام مالایلزم میں داخل اور خلاف شرع ہے۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ ڈومنیوں کو ان کے گانے کی اجرت دینا حرام لکھا ہے۔ پھر گانا بھی گالیاں، جو خود موجب گناہ ہیں اور حدیث شریف میں اس کو علامات نفاق فرمایا ہے۔ یہ تیسرا گناہ ہوا۔ جس میں سب سننے والے شریک ہیں کیونکہ جو شخص گناہ کے مجمع میں شریک ہے وہ بھی گناہ گار ہوتا ہے۔ چوتھے مردوں کے اجتماع کا ضروری سمجھنا جو کہ التزام مالایلزم میں داخل ہے۔ معلوم نہیں نائی کو شکرانہ کھانے میں اتنے بزرگوں کو کیا مدد کرنی پڑتی ہے۔ بس کچھ بھی نہیں۔ بقول شخصے اوپر سے یونہی ہوتی آئی

ہے۔

۴۔نائی شکرانہ کھا کر مطابق ہدایت اپنے آقا کے ایک روپیہ یا دو روپیہ خوان میں ڈال دیتا ہے اور یہ روپیہ دولہا کے حجام اور ڈومنیوں میں نصفا نصف تقسیم ہوتا ہے۔ اور دوسرا خوان بجنسہٖ ڈومنیاں اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ پھر برادری کی عورتوں کے لئے شکرانہ بنا کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہی ریاء وشہرت والتزام مالا یلزم موجود ہے۔اس لئے بالکل شرع کے خلاف ہے۔

۵۔صبح کو برادری کے مرد جمع ہو کر خط کا جواب لکھتے ہیں اور ایک جوڑا حجام کو نہایت عمدہ بیش قیمت مع ایک رقم کثیر کے یعنی سو دو سو روپیہ کے دیتے ہیں۔وہی تمسخر جو اول ہوا تھا وہ یہاں بھی ہوا ہے کہ دکھلائے جاتے ہیں سو اور لئے جاتے ہیں ایک دو۔ پھر اس ریاء وحرکت لایعنی کے علاوہ احیاناً اس مہم کو پورا کرنے کو سودی قرض کی ضرورت پڑنا، یہ جداگانہ گناہ ہے۔جس کا ذکر مفصل اوپر آ چکا ہے۔

۶۔اب نائی رخصت ہو کر دلہن والوں کے گھر پہنچتا ہے۔وہاں برادری کی عورتیں پہلے سے جمع ہوتی ہیں۔حجام اپنا جوڑا گھر میں دکھلانے کے لئے دیتا ہے اور پھر ساری برادری میں گھر گھر دکھایا جاتا ہے۔اس میں وہی عورتوں کی جمعیت اور جوڑا دکھلانے میں ریاء ونمود کی خرابی ظاہر ہے۔

۷۔اس تاریخ سے دولہا کے ابٹنا ملا جاتا ہے اور تاریخ معینہ شادی تک کنبہ کی عورتیں جمع ہو کر دولہا کے گھر بری کی اور دلہن کے گھر جہیز کی تیاری کرتی ہیں اور اس درمیان میں جو مہمان فریقین کے گھر آتے ہیں ان کا آنے کا کرایہ دیا جاتا ہے۔اس میں وہی عورتوں کی جمعیت اور التزام مالا یلزم تو ہے ہی اور کرایہ کا اپنے پاس سے دینا خواہ دل چاہے یا نہ چاہے محض نمود، اظہار شان کے لئے یہ مزید برآں ہے۔اسی طرح آنے والوں کا یہ سمجھنا کہ کرایہ ان کے ذمے واجب ہے، یہ ایک قسم کا جبر ہے۔ریاء و جبر دونوں کا خلاف شرع ہونا ظاہر ہے اور اس سے بڑھ کر قصہ بری و جہیز کا ہے جو

شادی کے اعظم ارکان سے ہیں اور ہر چند کہ یہ دونوں امر یعنی بری یا ساچق جو درحقیقت زوج یا اہل زوج کی طرف سے زوجہ یا اہل زوجہ کو ہدیہ ہے اور جہیز جو درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے، فی نفسہ امر مباح بلکہ مستحسن ہے۔ مگر جس طور سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہوگئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ہدیہ مقصود رہا، نہ صلہ رحمی بلکہ ناموری اور شہرت اور پابندی رسم کی نیت سے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بری اور جہیز دونوں کا اعلان ہوتا ہے۔ بری بڑی دھوم دھام اور تکلف سے جاتی ہے اور اس میں اشیاء بھی معین ہیں۔ برتن بھی خاص طرح کے ضروری سمجھے جاتے ہیں، اس کا عام طور پر نظارہ بھی ہوتا ہے، موقع بھی معین ہوا ہے۔ اگر ہدیہ مقصود ہوتا تو کیف (۱) ما اتفق جب میسر آتا اور جو میسر آتا بلا پابندی کسی رسم کے اور بلا اعلان کے محض محبت سے بھیج دیا جاتا۔ اسی طرح جہیز کے اسباب بھی معین ہیں کہ فلاں چیز ضروری ہو اور تمام برادری اور بعض جگہ صرف اپنا کنبہ اور گھر والے اس کو دیکھیں گے اور دن بھی وہی خاص ہو۔ اگر صلہ (۲) رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق جو میسر آتا اور جب میسر آتا بطور سلوک کے دے دیتے۔ اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لئے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا، لیکن ان دونوں رسموں کے پوری کرنے کو اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں، گو سود ہی دینا پڑے اور گو حویلی اور باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے۔ پس اس میں بھی التزام مالا یلزم اور نمائش اور شہرت اور اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں۔ اس لئے یہ بھی بطریق متعارف فہرست ممنوعات میں داخل ہوگیا۔

۸۔ برات سے ایک دن قبل دولہا والوں کا حجام مہندی لے کر اور دلہن والوں کا حجام نوشہ کا جوڑا لے کر اپنے اپنے مقام سے چلتے ہیں اور یہ منڈھے کا دن کہلاتا ہے، دولہا کے یہاں اس تاریخ پر برادری کی عورتیں جمع ہو کر دلہن کا چولہ تیار کرتی ہیں اور ان

(۱) جس طرح ممکن ہوا ۱۲۔ (۲) سلوک کرنا ۱۲

کوسلائی میں کھلیں اور بتاشے دیئے جاتے ہیں اور تمام کمینوں کو ایک ایک کام پر ایک ایک پروت، اس میں بھی وہی التزام مالا یلزم ہے اور نیز عورتوں کی جمعیت جو کہ مبنی مفاسد بے شمار کا ہے۔ ان تقریبات میں عورتیں چند موقعوں پر جمع ہوتی ہیں، چنانچہ کچھ مواقع مذکور ہو چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ آئندہ مذکور ہوں گے۔ اس اجتماع میں جو جو خرابیاں ہیں ان کا شمار نہیں ہے۔ تمثیلاً بعض کا بیان ہوتا ہے:

جب برادری میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ فلاں گھر، فلاں تقریب ہے۔ ہر ہر بی بی کو نئے جوڑا قیمتی کی فکر ہوتی ہے۔ کبھی خاوند سے فرمائش ہوتی ہے، کبھی خود بزاز کو دروازہ پر بلا کر اس سے ادھار لیا جاتا ہے یا سودی قرض لے کر اس سے خریدا جاتا ہے، شوہر کو اگر وسعت نہیں ہوتی تب بھی اس کا عذر قبول نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ جوڑا محض ریاء و تفاخر کے لئے بنتا ہے۔ ایک گناہ تو یہ ہوا، پھر اس غرض سے مال خرچ کرنا اسراف ہے، یہ دوسرا گناہ ہوا۔ خاوند پر اس کی وسعت سے زیادہ بلا ضرورت فرمائش کرنا اس کو ایذا پہنچانا ہے، یہ تیسرا گناہ ہوا۔ بزاز کو بلا کر بلا ضرورت اس نامحرم سے باتیں کرنا، بلکہ اکثر تھان لینے دینے کے واسطے ہاتھ آدھا آدھا جس میں چھلے چوڑی، مہندی سب ہی کچھ ہوتا ہے باہر نکال دینا کس قدر غیرت اسلامی کے خلاف ہے، جو چوتھا گناہ ہوا۔ پھر اگر سودی لیا تو سود دینا پڑا، یہ پانچواں گناہ ہوا۔ اگر خاوند کی نیت ان بے جا فرمائشوں سے بگڑ گئی اور حرام آمدنی پر اس کی نظر پہنچی، کسی کا حق تلف کیا، رشوت لی اور فرمائشیں پوری کی گئیں اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ حلال آمدنی سے یہ بے جا فرمائشیں پوری نہیں ہوتیں تو اس گناہ کا باعث یہ بی بی ہوئی اور اس گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے، یہ چھٹا گناہ ہوا۔ اکثر ایسے جوڑے کے لئے گوٹہ، ٹھپہ، مصالحہ بھی لیا جاتا ہے اور بوجہ بے علمی یا بے پروائی کے اس کی بیع میں اکثر سود لازم آجاتا ہے۔ کیونکہ چاندی سونے کی خرید و فروخت کے مسائل بہت نازک ہیں۔ چنانچہ رسالہ صفائی معاملات میں اس کے مسائل بھی بیان کئے ہیں، بہر حال یہ ساتواں گناہ ہوا۔ پھر غضب یہ ہے کہ ایک

شادی کے لئے جو جوڑا بنا وہ دوسری شادی کے لئے کافی نہیں۔ اس کے لئے پھر دوسرا جوڑا چاہئے ورنہ عورتیں نام رکھیں گی یہ اور یہی گناہ دوبارہ بھی جمع ہوں گے۔ گناہ کا بار بار کرنا ایک قسم کا اصرار ہے جو خود مستقل گناہ ہے، یہ آٹھواں گناہ ہوا۔ یہ تو پوشاک کی تیاری تھی، اب زیور کی فکر ہوئی۔ اگر اپنے پاس نہیں ہوتا تو مانگا تانگا پہنا جاتا ہے۔ اور اس کی عاریت (۱) ہونے کو پوشیدہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کو اپنی ہی ملکیت ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا کذب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہ تکلف اپنی آسودگی ظاہر کرے، ایسی چیز سے جو اس کی نہیں ہے، اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو کپڑے جھوٹ اور فریب کے پہن لئے۔ یعنی سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا، یہ نواں گناہ ہوا۔ پھر اکثر زیور بھی ایسا پہنا جاتا ہے جس کی جھنکار دور تک جائے، تاکہ محفل میں جاتے ہی سب کی نگاہیں انہیں کے نظارہ میں مشغول ہو جائیں۔ بجتا زیور پہننا خود ممنوع ہے۔

حدیث میں ہے ہر باجے کے ساتھ ایک شیطان ہے، یہ دسواں گناہ ہے۔ اب سواری کا وقت آیا تو نوکر کو ڈولی لانے کا حکم ہوا یا صاحب تقریب کے یہاں سے ڈولی آئی تو بی بی کو غسل کی فکر پڑی، کچھ کھلی پانی کی تیاری بھی دیر ہوئی، کچھ نیت غسل کے باندھنے میں دیر ہوئی، غرض اس دیر دیر میں نماز جاتی رہی، تب بھی کچھ پرواہ نہیں اور کسی کام ضروری میں حرج ہو جائے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں اور اکثر ان بھلے مانسوں کو غسل کے روز یہی مصیبت پیش آتی ہے۔ اگر نماز قضا ہو گئی تو گیارہواں گناہ ہوا۔ اب کہار دروازہ پر پکار رہے ہیں۔ بی بی اندر سے ان کو گالیاں اور کوسنے سنا رہی ہیں۔ بلاوجہ کسی غریب کو دور دبک کرنا یا گالی سنا دینا صریح ظلم ہے، یہ بارہواں گناہ ہوا۔ اب خدا خدا کر کے بی بی تیار ہوئیں، کہاروں کو ہٹا کر سوار ہوئیں، بعض عورتیں ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی کے اندر سے پلہ لٹک رہا ہے کسی طرف سے پردہ ہی کھل رہا

(۱) مانگا ہوا

ہے یا عطر و پھلیل اس قدر ملا ہے کہ راستہ میں خوشبو مہکتی جاتی ہے، یا نامحرموں کے روبرو اظہار زینت ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت گھر سے عطر لگا کر نکلے، یعنی اس طرح کہ دوسروں کو بھی خوشبو پہنچی تو وہ ایسی (۱) ویسی ہے۔ یہ تیرہواں گناہ ہوا۔ اب منزل مقصود پر پہنچیں، کہار ڈولی دروازے میں رکھ الگ ہوئے اور بے دھڑک اتر کر گھر میں داخل ہوئیں، یہ احتمال ہی نہیں کہ شاید گھر میں کوئی نامحرم مرد پہلے سے ہو اور بارہا اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر نامحرم کا سامنا ہو جاتا ہے مگر عورتوں کو تمیز ہی نہیں کہ اول گھر میں تحقیق کر لیا کریں۔ شبہ قوی کے موقع پر تحقیق نہ کرنا یہ چودھواں گناہ ہوا۔ اب گھر میں پہنچیں، حاضرین کو سلام کیا خوب ہوا، بعضوں نے تو زبان کو تکلیف ہی نہیں دی، فقط ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا، بس سلام ہو گیا۔ جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔ بعضوں نے لفظ سلام بھی کہا تو صرف سلام۔ یہ بھی سنت کے خلاف ہے۔ السلام علیکم کہنا چاہئے۔ اب جواب ملاحظہ فرمائیے۔ جیتی رہو، ٹھنڈی رہو، سہاگن رہو، بھائی جئے، بچہ جئے، غرض کنبہ بھر کی فہرست شمار کرنا آسان اور وعلیکم السلام جو سب کو جامع ہے مشکل، یہ مخالف سنت کی ہمیشہ ہمیشہ کو کرنا پندرہواں گناہ ہوا۔ اب مجلس جمی تو شغل اعظم یہ ہوا کہ غیبتیں (۲) شروع ہوئیں جو حرام قطعی اور سخت ممنوع ہے۔ یہ سولہواں گناہ ہوا۔ باتوں کے درمیان میں ہر ہر بی بی اس کوشش میں ہے کہ میری پوشاک اور زیور پر سب کی نظر پڑ جانا چاہئے۔ ہاتھ سے، پاؤں سے، زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے، جو صریح ریاء ہے اور جس کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے، یہ سترہواں گناہ ہوا۔ اور جس طرح ہر ہر بی بی دوسروں کو اپنا مایۂ افتخار دکھاتی ہے اسی طرح دوسری کی مجموعی حالت دیکھنے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو اپنے سے کم پایا تو اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا اور اپنے کو بڑا، یہ صریح تکبر اور گناہ ہے، یہ اٹھارہواں گناہ ہوا۔ اور اگر دوسرے کو اپنے سے بڑھا ہوا پایا تو حسد اور ناشکری اور

(۱) وہ زانیہ کے حکم میں ہے (بخاری شریف)۔ (۲) غیبتیں۔

حرص اختیار کی، یہ تینوں گناہ ہے، یہ انیسواں اور بیسواں اور اکیسواں گناہ ہوا۔ اکثر اس طوفان اور بے ہودہ مشغولی میں نمازیں اڑ جاتی ہیں، ورنہ وقت تو تنگ ضرور ہو جاتا ہے۔ یہ بائیسواں گناہ ہوا۔ پھر اکثر ایک دوسرے کو دیکھ کر یا ایک دوسرے سے سن کر ان رسوم خرافات کی تعلیم بھی پاتی ہیں۔ اور اس تعلیم (۱) و تعلم (۲) کا سلسلہ بلا کسی نصاب و سبق کے اس ملاقات ہی کی بدولت قائم ہے۔ معاصی کی تعلیم و تعلم دونوں گناہ ہیں، یہ تیئیسواں گناہ ہوا۔

یہ بھی ایک دستور ہے کہ ایسے موقع پر جو سقہ پانی لاتا ہے، اس سے پردہ کرنے کے لئے بند مکان میں عورتیں نہیں جاتیں، بلکہ اس کا حکم ہوتا ہے کہ تو منہ پر نقاب ڈال کر چلا آ، اور کسی کو دیکھنا مت۔ اب اس کا ایمان جانے چاہے دزدیدہ نظر سے مجمع کو دیکھ لے تو کسی کو کچھ غیرت نہیں۔ ایسے منظر پر قصداً بیٹھنا کہ نامحرم دیکھ سکے حرام ہے، یہ چوبیسواں گناہ ہوا۔ اب کھانے کے وقت جس قدر طوفان مچتا ہے کہ ایک ایک بی بی چار چار طفیلیوں کو ہم رکاب لاتی ہیں اور ان کو خوب بھر بھر دیتی ہیں اور گھر والے کے مال یا آبرو جانے کی کچھ پرواہ نہیں کرتیں، یہ پچیسواں گناہ ہوا۔ اب بعد فراغت جب گھر جانے کو ہوتی ہیں کہاروں کی آواز سن کر وہ یاجوج ماجوج کی طرح وہ تموج ہوتا ہے کہ ایک پر دوسری اور دوسری پر تیسری، غرض سب دروازہ کو جا لپٹتی ہیں کہ پہلے میں سوار ہوں کہار بھی اکثر اوقات ہٹنے نہیں پاتے، اچھی طرح سامنا ہوتا ہے، یہ چھبیسواں گناہ ہوا۔ پھر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو بلا دلیل کسی کو تہمت لگانا بلکہ بعض اوقات اس پر تشدد کرنا اکثر شادیوں میں پیش آتا ہے۔ یہ ستائیسواں گناہ ہوا۔ پھر اکثر تقریب والے گھر کے مرد بے احتیاطی اور جلدی میں بالکل دروازے میں گھر کے روبرو آ کھڑے ہوتے ہیں، اور بہتوں پر نگاہ پڑتی ہے، ان کو دیکھ کر کسی نے منہ پھیر لیا، کوئی کسی کی آڑ میں آ گئی، کسی نے فقط سر نیچا کر لیا، بس یہ پردہ ہو گیا۔ اچھی

(۱) تعلیم دینا ۱۲۔ (۲) تعلیم پانا۔

خاصی روبرو بیٹھی رہتی ہیں۔ یہ اٹھائیسواں گناہ ہوا۔ پھر دولہا کی زیارت، بارات کے تماشہ کو دیکھنا فرض اور تبرک سمجھتی ہیں۔ جس طرح عورت کو اپنا بدن وغیرہ مرد کو دکھلانا جائز نہیں، اسی طرح بلاضرورت غیر مرد کو دیکھنا بھی وجہ احتمال فتنہ کے ممنوع ہے، یہ انتیسواں گناہ ہوا۔ پھر واپسی دولت خانہ کے بعد کئی کئی روز تک آنے والی بیبیوں اور اہل تقریب کی کارروائیوں میں جو عیب نکالے جاتے ہیں اور کیڑے ڈالے جاتے ہیں، وہ تیسواں گناہ ہوا۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی خرابیاں اور گناہ کی باتیں اس مجمع مستورات میں جمع ہیں جو عاقل دیندار کو مشاہدہ اور تامل سے بے تکلف معلوم ہو سکتی ہے۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ام المفاسد (۱) یہ جمع ہونا ہے، اس کا انسداد سب سے زیادہ ضروری ہے۔

۹۔ حجام آرندہ جوڑے کو بروقت پہنچانے کے کچھ انعام دیتے ہیں اور پھر یہ جوڑا نائن لے کر ساری برادری میں گھر گھر دکھلانے جاتی ہے اور رات کو برادری کی عورتیں جمع ہو کر کھانا کھاتی ہیں۔ ظاہر ہے جوڑا دکھلانے کا منشاء بجز ریاء کے اور کچھ بھی نہیں اور عورتوں کے جمع ہونے کی برکات ابھی مذکور ہو چکی ہیں، غرض اس موقع پر بھی معاصی کا خوب اجتماع ہوتا ہے۔

۱۰۔ علی الصباح دولہا کو غسل دے کر شاہانہ جوڑا پہناتے ہیں اور پرانا جوڑا مع جوتے کے حجام کو دیا جاتا ہے اور چوٹی سہرے کا حق کمینوں کو دیا جاتا ہے۔ اکثر اس جوڑے میں خلاف شرع بھی لباس ہوتا ہے اور سہرا چونکہ کفار کی رسم ہے اس لئے اس حق کا نام چوٹی سہرے سے مقرر کرنا بے شک مذموم اور تائید رسم کفار کی ہے، یہ بھی خلاف شرع ہے۔

۱۱۔ اب نوشہ کو گھر میں بلا کر جوڑا پہنا کر کے دھیانیاں سہرا باندھ کر اپنا حق لیتی

(۱) تمام خرابیوں کی جڑ

ہیں اور کنبہ کی عورتیں کچھ ٹکے نوشہ کے سر پر پھیر کر کمینان حاضرین کو دے دیتی ہیں۔ ... کے گھر میں جانے کے وقت کوئی احتیاط نہیں رہتی۔ بڑی گہری پردہ والیاں آرائش زیبائش کئے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں، اور یہ سمجھتی ہیں کہ یہ تو اس کی شرم کا وقت ہے یہ کسی کو نہ دیکھے گا۔ بھلا یہ غضب کی بات ہے۔ اول تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نہ دیکھے گا۔ مختلف طبائع کے لڑکے ہوتے ہیں جن میں اکثر تو آج کل شریر بھی ہیں۔ پھر اگر اس نے نہ بھی دیکھا تو کیوں اس کو دیکھ رہی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ لعنت کرے اللہ تعالیٰ دیکھنے والے پر اور جس کو دیکھے۔ غرض اس موقع پر دولہا اور عورتیں سب گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر سہرا باندھنا، یہ دوسرا امر خلاف شرع ہوا، کیونکہ یہ رسم کفار کی ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو تشبہ کرے کسی قوم کے ساتھ وہ انہیں میں سے ہے، پھر لڑ جھگڑ کر اپنا حق لینا اول تو ویسے بھی کسی پر جبر کرنا حرام ہے اور پھر خاص کر ایک معصیت کا ارتکاب کر کے اس پر کچھ لینا بالکل گند در گند ہے۔ نوشہ کے سر پر سے پیسوں کا اتارنا یہ بھی ایک ٹوٹکا ہے، جس کی نسبت حدیث میں ہے کہ ٹوٹکا شرک ہے۔ غرض یہ بھی سرتاسر خلاف شرع امور کا مجموعہ ہے۔

۱۲۔ اب برات روانہ ہو جاتی ہے۔ یہ برات بھی شادی کا رکن اعظم سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے کبھی دولہا والے کبھی دولہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں۔ غرض اس سے ناموری اور تفاخر ہے اور کچھ عجب نہیں کہ کسی وقت میں جب کہ راستوں میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں اور قزاقوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بہ مصلحت حفاظت دولہا دلہن و اسباب زیور وغیرہ کے برات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی اور اسی وجہ سے گھر پیچھے ایک آدمی برات میں ضرور جاتا تھا۔ مگر اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو (۱۰۰)۔ اول تو بے بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دعوت میں بلا بلائے

جائے وہ گیا تو چور ہو کر، اور نکلا لٹیرا ہو کر۔ یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کا۔ پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے۔ کسی کو سوار کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا۔ پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانبین میں ایسی ضد اضدی اور بے لطفی ہوتی ہے کہ عمر بھر اس کا اثر قلوب میں باقی رہتا ہے۔ چونکہ نا اتفاقی حرام ہے اس لئے اس کے اسباب بھی حرام ہوں گے۔ اس لئے یہ فضول رسوم ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ راہ میں جو گاڑی بانوں پر جہالت سوار ہوتی ہے اور گاڑیوں کو بے سدھ بلا ضرورت بھگانا شروع کرتے ہیں اس میں سینکڑوں خطرناک واردات ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مہلک اور خطرہ میں پڑنا بلا ضرورت کسی طرح جائز نہیں اور کوئی شخص گھوڑ دوڑ کا شبہ نہ کرے کہ اگر اس میں قمار نہ ہو تو وہ اس وقت جائز ہے۔ حالانکہ اس میں بھی خطرہ ہے۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اول تو گھوڑ دوڑ میں جس قدر سوار ہیں سب ماہر ہیں۔ اس سے یہ احتمال کم ہے اور یہاں بہلیوں کے سوار سب اناڑی، یہاں احتمال ضرر کا غالب ہے۔ دوسرے وہاں ضرورت تعلیم و مشق فن کی ہے۔ یہاں بجز مفاخرت (۱) کے اور کیا ضرورت ہے۔

۱۳۔ دولہا اس شہر کے کسی مشہور متبرک مزار پر جا کر کچھ نقد چڑھا کر شامل برات ہو جاتا ہے۔ اس میں جو عقیدہ جاہلوں کا ہے وہ یقینی شرک تک پہنچا ہوا ہے۔ اگر کوئی فہیم (۲) اس بدعقیدے سے پاک ہو تب بھی اس رسم سے چونکہ ان فاسد الاعتقاد لوگوں کے فعل کی تائید و ترویج ہوتی ہے اس لئے سب کو بچنا چاہئے۔

۱۴۔ حجام آرندہ مہندی کو بروقت پہنچاتے ہیں۔ مہندی کے وہ مقدار انعام دیتا ہے کہ جس مقدار انعام پر دولہا والا اس مقدار خرچ کا اندازہ کر لیتا ہے جو اس فرد کمینان میں دینا پڑتا ہے۔ یعنی فرد اس انعام سے آٹھ حصہ زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بھی زبردستی کا ٹیکس ہے کہ پہلے سے نوٹس دیا جاتا ہے کہ ہم تم سے اتنا روپیہ دلوائیں گے۔

---

(۱) تکبر ۱۲۔ (۲) کوئی سمجھدار ۱۲

چونکہ اس طرح سے جبراً دلوانا حرام ہے۔ اس لئے اس کی تمہید اور اطلاع کے لئے ایک اصطلاح مقرر کرنا بھی اسی کے حکم میں ہے۔ کیونکہ معصیت کا عزم بھی معصیت ہے۔

۱۵۔ کچھ مہندی دلہن کے لگائی جاتی ہے اور باقی تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں امر بھی خواہ مخواہ التزام مالا یلزم ہیں۔ اس طرح کہ اس کے خلاف کو عیب سمجھتے ہیں۔ پس صریح تعدی حدود شرعیہ سے ہے۔

۱۶۔ برات آنے کے دن دلہن کے گھر عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ اس مجمع کے ظلمات و نحوستیں اوپر عرض کر چکا ہوں۔

۱۷۔ اور ہر کام پر پروت (۱) تقسیم ہوتے ہیں۔ مثلاً نائی نے دیگ کے لئے چولھا کھود کر پروت مانگا تو اس کا ایک خوان میں اناج اور اس پر گڑ کی ایک بھیلی رکھ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ہر خفیف کام پر بھی جرمانہ ہوتا ہے۔ خدمت گزاروں کو دینا بہت اچھی بات ہے۔ مگر اس ڈھونگ کی کون سی ضرورت ہے۔ اس کا جوحق الخدمت سمجھا جائے اس کو ایک دفعہ دے دیا جائے۔ اس کی بنا بھی وہی تشہیر ہے۔ پس علاوہ اس کے اس کو اجرت خدمت تو کہہ نہیں سکتے کیونکہ اجرت کے لئے شرعاً تعین مقدار ضروری ہے، اور یہاں ہرگز ایسا تعین نہیں کہ پاؤ سیر کا بھی فرق نہ ہونے پائے۔ پس لابد انعام و احسان ہوگا، اس میں اس طرح زبردستی لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے اور اگر اس کو اجرت کہا جائے تو بوجہ مجہول ہونے کے اجارہ فاسد حرام ہے۔

۱۸۔ برات پہنچنے پر گاڑیوں کو گھاس دانہ اور مانگے کی گاڑیوں کو گھی اور گڑ بھی دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر اکثر گاڑی بان ایسا طوفان برپا کرتے ہیں کہ گھر والا بے آبرو ہو جاتا ہے اور باعث اس کے وہی برات لانے والے ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ امر

(۱) انعام

مذموم کا سبب بننا بھی امر مذموم ہے۔

۱۹۔ برات ایک جگہ قیام کرتی ہے اور طرفین کی برادری کے سامنے بری کھولی جاتی ہے۔ اب وقت آیا ہے اس معصیت ریاء وافتخار کے ظہور کا جو اصل مقصود تھا اور اسی سبب سے یہ رسم ممنوع ہے۔

۲۰۔ جس میں بعض اشیاء تو بہت ضروری ہیں۔ شاہانہ جوڑا، انگوٹھی، پاؤں کا زیور، سہاگ پوڑا، عطر و تیل، مسی، سرمہ دانی، کنگھی، پان، کھیلیں، اور باقی غیر ضروری۔ جس قدر جوڑے بری میں ہوتے ہیں اتنی ہی مٹکیاں ہوتی ہیں۔ ان سب مہملات کا التزام مالا یلزم ہونا ظاہر ہے جس کا خلاف شرع ہونا بارہا مرقوم ہو چکا ہے اور ریاء و نمود تو سب رسموں کی جان ہے اس کو تو کہنے کی حاجت ہی کیا۔

۲۱۔ اس بری کو لے جانے کے واسطے دلہن کی طرف سے کمین خوان لے کر آتے ہیں اور ایک ایک آدمی ایک ایک چیز سر پر لے جاتے ہیں۔ دیکھئے اس ریاء کا اور اچھی طرح ظہور ہوا، گو وہ ایک ہی آدمی کے لے جانے کا بوجھ ہو مگر لے جائے اس کو ایک قافلہ تاکہ سلسلہ دراز معلوم ہو، کھلا تکاثر و تفاخر ہے۔

۲۲۔ تمام مرد کنبہ کے بری کے ساتھ جاتے ہیں اور بری زنانہ مکان میں پہنچا دی جاتی ہے۔ اس موقع پر اکثر بے احتیاطی ہوتی ہے کہ مرد بھی گھر میں چلے جاتے ہیں اور مستورات کا بالکل بے حجابانہ سامنا ہوتا ہے۔ نہیں معلوم کہ اس روز تمام گناہ اور بے غیرتی کی باتیں کس طرح حلال اور عین تہذیب ہو جاتی ہیں۔

۲۳۔ اس بری میں شاہانہ جوڑا اور بعض چیزیں رکھ کر باقی چیزیں واپس ہو جاتی ہیں۔ جس کو دولہا والا بجنسہ صندوق میں رکھ لیتا ہے، جب واپس لینا تھا تو خواہ مخواہ بھیجنے کی کیوں تکلیف کی، بس وہی نمود و شہرت جب واپس آنا یقینی ہے تب تو عقلاء کے نزدیک کوئی شان کی بات بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ کسی کی مانگ لایا ہو۔ پھر گھر واپس آ کر دے دے گا اور اکثر ایسا واقعہ بھی ہوتا ہے۔ تمام لغویات شرع کے بھی خلاف

اور عقل کے بھی خلاف، پھر لوگ ان پر خوش ہیں۔

۲۴۔ بری کے خوان میں دلہن والوں کی طرف سے ایک یا سوا روپیہ ڈالا جاتا ہے۔ جس کو بری کی چنگیر کہتے ہیں اور وہ دولہا کے نائی کا حق ہوتا ہے۔ اس کے بعد ڈومنی ایک ڈوری لے کر دولہا کے پاس جاتی ہے اور خفیف انعام دو آنے یا چار آنے دیا جاتا ہے، اس میں بھی وہی التزام مالا یلزم اور جبر فی التبرع سرتاسر ہے اور معلوم نہیں کہ ڈومنی صاحبہ کا کیا استحقاق ہے اور یہ ڈوری کیا واہیات ہے۔

۲۵۔ برات والے نکاح کے واسطے بلائے جاتے ہیں۔ خیر غنیمت ہے۔ خطا معاف ہوئی۔ ان خرافات میں اکثر اس قدر دیر لگتی ہے کہ اکثر تمام شب اسی کی نذر ہو جاتی ہے۔ پھر بدخوابی سے کوئی بیمار ہو گیا، کسی کو سوء ہضم ہو گیا، کوئی غلبہ خواب سے ایسا سویا کہ صبح کی نماز ندارد ہو گئی۔ ایک رونا ہو تو رویا جائے، یہاں تو سر سے پاؤں تک رونا ہی رونا بھرا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

۲۶۔ سب سے پہلے سقہ پانی لے کر آتا ہے۔ اس کو سوا روپیہ بیر گھڑی کے نام سے دیا جاتا ہے، گو دل نہ چاہے مگر زکوٰۃ سے بڑھ کر فرض ہے کہ ضرور دو۔ غضب ہے کہ اول تو تبرعات میں جبر محض حرام ہے اور جبر کے کیا یہی معنی ہیں کہ لاٹھی ڈنڈا مار کر کسی سے کچھ لے لیا جائے بلکہ یہ بھی جبر ہے کہ اگر نہ دیں گے تو بدنام ہوں گے۔ پھر لینے والے خود مانگ کر جھگڑ جھگڑ کر لیتے ہیں۔ پھر یہ بیر گھڑی تو ہندوانہ رسم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے یہ رسم سیکھی ہے، یہ رسم دوسری ظلمت ہوئی۔

۲۷۔ اس کے بعد ڈوم شربت گھولنے کے واسطے آتا ہے۔ جس کو سوا روپیہ دیا جاتا ہے اور شکر شربت کی دلہن والوں کے یہاں سے آتی ہے۔ یہاں بھی وہی جبر تبرعات موجود ہے۔ پھر یہ ڈوم صاحب کس مصرف کے ہیں۔ بے شک شربت گھولنے کے لئے بہت ہی موزوں ہیں، کیونکہ آلات نشاط بجاتے بجاتے ہاتھ میں مادہ سرور کا پیدا ہو گیا ہو گا، تو شربت مل جانے سے پینے والوں کو سرور زیادہ ہو گا۔

۲۸۔ قاضی صاحب کو بلا کر نکاح پڑھواتے ہیں۔ پس یہ ایک امر ہے جو تمام غیر مشروعات میں ایک مشروع ہے۔ مگر اس میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر جگہ قاضی صاحبان مسائل نکاح و متعلقات اس کے سے محض ناواقف ہوتے ہیں کہ بعض موقع پر یقیناً نکاح بھی درست نہیں ہوتا۔ تمام عمر بدکاری ہوا کرتی ہے اور بعض ایسے طماع کو روپیہ سوا روپیہ کے لالچ میں آ کر جس طرح سے فرمائش کی جائے کر گزرتے ہیں۔ خواہ نکاح ہو یا نہ ہو۔ اس میں بہت اہتمام چاہئے کہ نکاح پڑھنے والا خود عالم ہو یا کسی عالم سے خوب تحقیق سے نکاح پڑھوائے۔

۲۹۔ اور ان کو کچھ دے کر رخصت کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ یہ لوگ اس کو اپنا حق واجب الادا سمجھتے ہیں اور حتیٰ اگر کوئی نہ دے یا معین مقدار سے کم دے تو اس سے تکرار کرتے ہیں، تقاضا کرتے ہیں، بڑی تہذیب کا مظاہرہ فرمایا تو یہ زبان سے نہ بولیں گے، مگر دل میں ضرور ناخوش ہوتے ہیں۔ تو ایسی کی نسبت رفاہ المسلمین شرح مسائل اربعین میں خزانۃ الروایات سے حرام ہونا نقل کیا ہے اور اس سے بڑھ کر ایک رواج یہ ہو رہا ہے کہ اکثر جگہ قاضی لوگ اپنا نائب بھیج دیتے ہیں، اور ان کو جو کچھ ملتا ہے اس میں زیادہ حصہ قاضی کا اور تھوڑا سا اس نائب کا ہوتا ہے۔ یہ استحقاق قاضی صاحب کا محض بلا دلیل ہے اور اس پر کدا و رمطالبہ کرنا بالکل ناجائز ہے۔ یہ امر قابل یاد رکھنے اور لحاظ کرنے کے ہے کہ البتہ خوشی سے اگر صاحب تقریب کچھ دے دے، تو لینا جائز ہے، اور جس کو دیا ہے اس کی ملک ہے۔ مثلاً اگر نائب کو خوشی دے دیا تو تمام تر اس کی ملک ہے۔ منیب صاحب اس سے اس وجہ سے لیتے ہیں کہ ہم نے تم کو مقرر کیا ہے سو اس وجہ سے لینا رشوت اور حرام ہے اور راشی (۱) و مرتشی یعنی نائب اور منیب دونوں عاصی (۲) ہوتے ہیں۔

۳۰۔ اس کے بعد اگر دولہا والے چھوہارے لے گئے ہوں تو وہ لٹا دیتے ہیں یا

---

(۱) رشوت لینا اور دینا۔ (۲) گناہ گار

تقسیم کردیتے ہیں۔ ورنہ وہی شربت خواہ گرمی ہو یا سردی علاوہ التزام مالایلزم کے جو کہ شربت میں ہے، کسی کو بیمار ڈالنے کا سامان کرنا جیسا کہ بعض فصلوں میں شربت پینے سے واقع ہوتا ہے، کہاں جائز ہے۔

۳۱۔اب دلہن کی طرف کا نائی ہاتھ دھلاتا ہے، اس کو سوا روپیہ ہاتھ دھلائی دیا جاتا ہے۔ یہ انعام فی نفسہ ایک تبرع واحسان ہے مگر اس کو دینے والے حق واجب اور نیگ سمجھتے ہیں۔ اس طرح سے دینا لینا حرام ہے۔ کیونکہ تبرع میں جبر حرام ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اور حق الخدمت کہا جائے تو دلہن والوں کا خادم ہے۔ اس کے ذمہ ہونا چاہئے۔ دولہا والوں سے کیا واسطہ، یہ تو مہمان ہیں۔ علاوہ خلاف شرع ہونے کے خلاف تہذیب بھی کس قدر ہے کہ مہمانوں سے فیس اور اجرت نوکروں کی وصول کی جائے۔

۳۲۔اور دولہا کے لئے گھر میں سے شکرانہ بن کر آتا ہے، خوخالی رکابیوں میں سب براتیوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس میں التزام مالایلزم کے عقیدہ کا بھی فساد ہے، یعنی اگر یہ شکرانہ بنایا نہ جائے تو باعث نامبارکی سمجھتے ہیں بلکہ اکثر رسوم میں یہی عقیدہ ہے۔ یہ خود شعبہ شرک کا ہے۔

حدیث میں ہے کہ تبرع یعنی بدشگونی اور نامبارکی کی کچھ اصل نہیں۔ شریعت جس کو بے اصل بتلائے اور لوگ اس پر پل بنا کر کھڑا کریں اب آپ ہی بتلایئے کہ یہ شریعت کا مقابلہ ہے کہ نہیں۔

۳۳۔اس کے بعد سب براتی کھا کر چلے جاتے ہیں۔ لڑکی والے کے گھر سے نوشہ کے لئے پلنگ سجا کر بھیجا جاتا ہے اور کیسے اچھے وقت بھیجا جاتا ہے جب تمام شب زمین پر پڑے پڑے ہڈیاں چور ہو چکیں، اب مرہم آیا واقعی حقدار تو ابھی ہوا ہے اس سے پہلے تو اجنبی شخص تھا۔ بھلے مانسو اگر داماد نہ تھا تو بے چارہ بلایا ہوا مہمان تو تھا۔ آخر مہمان کی مدارات کا بھی حکم شرع میں اور عقل میں ہے یا نہیں اور دوسرے براتی

اب بھی فضول ہی رہے۔ ان کی اب بھی کسی نے بات نہیں پوچھی، صاحبو! وہ بھی تو مہمان ہیں۔

۳۴۔ حجام آرندۂ پلنگ کو سوا روپیہ دیا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ چارپائی اس علت کے لئے آئی تھی۔ استغفر اللہ اس میں بھی وہی جبر فی التبرع ظاہر ہے۔

۳۵۔ پچھلی شب کو ایک خوان میں شکرانہ بھیجا جاتا ہے۔ جس کو برات کے سب لڑکے مل کر کھاتے ہیں، چاہے ان کم بختی ماروں کو تداخل ہی ہو جائے، مگر شادی والوں کو اپنی رسمیں پوری کرنے سے کام! پہلے جہاں شکرانہ بنانے کا ذکر آیا ہے وہاں بدلیل بیان ہو چکا ہے کہ یہ بھی خلاف شرع ہے۔

۳۶۔ حجام آرندۂ (۱) خوان کو سوا روپیہ دیا جاتا ہے، کیوں نہ دیا جائے اس حجام صاحب کے بزرگوں نے اس بے چارے براتی کے باپ دادا کو قرض روپیہ دیا تھا۔ یہ بے چارہ اس کو ادا کر رہا ہے ورنہ اس کے باپ دادا جنت میں جانے سے اٹکے رہیں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

۳۷۔ صبح کو برات کے بھنگی دلہن والوں کے گھر دف بجاتے ہیں۔ یہ دف برات کے ساتھ آئی تھی اور دف فی نفسہ جائز تھی مگر شریعت نے اس میں یہ مصلحت رکھی ہے کہ اس سے اعلان نکاح کا ہو جائے جو مطلوب ہے لیکن اب یقینی بات ہے کہ اظہار شان وشوکت وتفاخر کے لئے بجایا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو مباح ذریعہ معصیت بن جائے، وہ بھی معصیت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ دف بھی موقوف کرنے کے قابل ہے۔ اعلان کے ہزاروں طریقے ہیں اور اب تو ہر کام مجمع میں ہوتا ہے۔ پہلے سے ذکر مذکور ہوا کرتا ہے، بعد میں مدتوں تذکرہ رہتا ہے۔ بس یہ اعلان کافی ہے اور اگر دف کے ساتھ شہنائی بھی ہو تو کسی حال میں جائز نہیں، عربی میں اس کو تبرع کہتے ہیں، حدیث میں اس کا مذموم ومکروہ ہونا آیا ہے۔

(۱) لانے والا۔

۳۸۔ اور دلہن والوں کی طرف کا بھنگی برات کے گھوڑوں کی لید اٹھاتا ہے، اور دونوں طرف کے بھنگیوں کو برابر نیگ لید اٹھائی اور صفائی کا ملتا ہے۔ بھلا اس ٹھیٹیرہ بدلائی سے کیا فائدہ، دونوں کو جب برابر ملتا ہے تو اپنے اپنے کمینوں کو دے دیا ہوتا، خواہ مخواہ دوسرے سے دلا کر تبرعات میں جبر لازم کرا دیا۔ جس کا حرام ہونا اوپر گزر چکا۔

۳۹۔ دلہن والوں کی ڈومنی دولہا کو پان کھلانے کے واسطے آتی ہے اور اپنا پروت موافق دستور کے لے کر جاتی ہے، اور اس کو کچھ انعام ملتا ہے۔ بے چارے کو آج ہی لوٹ لو، کچھ بچا کر لے جانے نہ پائے بلکہ اور قرض کر جائے۔ اسی جبر فی التبرع کو یاد کرلو۔

۴۰۔ اس کے بعد نائن دلہن کا سر گوندھ کر کنگھی کو ایک کٹورہ میں ڈال کر لے جاتی ہے اور اس کو سر بندھائی اور پوڑے پسائی کے نام سے کچھ دیا جاتا ہے۔ کیوں نہ دیا جائے، یہ بے چارے سب کا مقروض بھی ہے یہاں بھی اسی جبر کو یاد کرلو۔

۴۱۔ اس کے بعد فرد(۱) انعام کمینان دلہن والوں کی طرف سے تیار ہو کر دولہا والوں کو دی جاتی ہے۔ وہ خواہ اس کو تقسیم کردے یا یکمشت روپیہ دلہن والوں کو دے دے۔ اس میں بھی وہی تبرع میں جبر لازم آتا ہے۔ جس کا حرام ہونا کئی بار مذکور ہو چکا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب یہ لوگ ایسے ہی موقع کی توقع سے عمر بھر خدمت کرتے رہیں۔ جواب یہ ہے کہ جس کی خدمت کی ہے اس سے حق الخدمت لینا چاہئے۔ یہ کیا لغو حرکت ہے کہ خدمت کریں زید کی اور حق الخدمت ادا کرے عمرو۔

۴۲۔ نوشہ گھر میں بلایا جاتا ہے، اس وقت پوری بے پردگی ہوتی ہے اور بعض باتیں بے حیائی کی اس سے پوچھی جاتی ہیں، جس کا گناہ اور بے غیرتی ہونا محتاج بیان نہیں۔

(۱) فہرست انعام ۱۲۔

۴۳۔ اگر بہت غیرت کو کام فرمایا گیا تو اس کا رومال گھر میں منگایا جاتا ہے، اور اس وقت سلامی کا روپیہ جمع کر کے جو بطور نوتہ کے ہوتا ہے دولہا کو دیئے جاتے ہیں اور شادیوں میں کئی موقعوں پر نوتہ جمع ہوتا ہے۔ جس کی اصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے زمانہ میں کسی غریب آدمی کو کوئی تقریب پیش آئی، اس کے عزیزوں نے بطور امداد کے کچھ جمع کر کے دے دیا، چونکہ اس وقت ان امور میں اس قدر طول نہ تھا تھوڑے سے سرمائے میں سب ضروری کام انجام پا گئے، نہ اس کو بار ہوا کہ مفت رقم ہاتھ آ گئی، نہ دینے والے پر گراں ہوا۔ کسی کا زیادہ خرچ نہیں ہوا۔ اگر بطور تبرع و احسان کے دیتے ہوں گے تو اس کا عوض نہ چاہتے ہوں گے، گو دوسرا شخص باقاعدہ ھل (۱) جزاء الاحسان الا الاحسان کے اس کی ضرورت کے وقت اس کی اعانت کر دیتا ہو۔ بشرط گنجائش و بلا لحاظ کمی و بیشی کے اور اگر بطور قرض کے ہوتا ہوگا تو اس کو یہ قرض بتدریج ادا کرنا آسان ہوتا تھا۔ واقعی اس وقت یہ مصلحت نہایت مفید تھی، اور اب تو اس میں کوئی بھی مصلحت نہیں رہی، جس قدر صرف ہوتا ہے اس کا کوئی جزو معتدبہ نوتہ میں جمع نہیں ہوتا۔ پھر ناحق مقروض بننے سے کیا نفع۔ پھر اکثر اس پر تکرار اور رنج بھی ہوتا ہے۔ غرض بے ضرورت مقروض ہونا بھی منع ہے۔ رنج و تکرار بھی منع ہے۔ پھر گنجائش کے وقت ادا نہیں کر سکتے۔ جب دوسرے شخص کے یہاں کوئی تقریب ہو تب ہی ادا کرنا ممکن ہے۔ اگر اس وقت پاس نہ ہو تو بعض اوقات سودی قرض لے کر دینا پڑتا ہے۔ یہ بھی گناہ ہی ہے۔ جس دستور میں اتنے گناہ ہوں بے شک وہ واجب الترک ہے۔

۴۴۔ اس میں ڈومنی اور نائن کا نیگ بقدر آٹھ آنہ نکالا جاتا ہے۔ اللہ میاں کی زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ اتنا فرض نہیں سمجھتے، کھیت کا دسواں حصہ واجب نہیں جانتے، مگر ان کا حصہ نکالنا سب فرائض سے بڑھ کر فرض ہے۔ یہ التزام مالا یلزم کس قدر لغو امر

(۱) احسان کا بدلہ احسان ہی ہے ۱۲

ہے۔ پھر یہ کہنا ان کو خدمتی بھی ہے، بھلا یہ ڈومنی کس مصرف کی دوا ہے جو ہر جگہ اس کا سا اچھا اور حق رکھا ہوا ہے۔ بقول شخصے بیاہ میں نیچ کا لیکھا شاید گانے بجانے کا حق الخدمت سمجھا جائے تو اس خدمت کی کیفیت سن لینا چاہیے۔

اکثر لوگ یہ سن کر شادی میں گیت درست ہے بے دھڑک ڈومنیاں گواتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ درست کس طرح تھا اور اب رواج کس طرح پر ہے۔ اس کی تو مثال ایسی ہے کہ کوئی کسی کی روٹی غصب کر کے لاوے اور مفتی سے پوچھے کہ روٹی حرام ہے یا حلال، اور اس سے حلال سن کر خوب غصب کیا کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسے فتویٰ سے کام نہیں چل سکتا۔ اس کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ میرے پاس غصب کی روٹی ہے وہ حلال ہے یا حرام، پھر دیکھو اس کو کیا جواب ملتا ہے۔ غرض یہ کہ گیت ڈومنیوں کا جس طرح رائج ہے اس کو دیکھنا چاہیے کہ اس میں کچھ خرابی ہے یا نہیں۔ تو اب میں پوچھتا ہوں کہ ڈومنیاں لے اور گت سے گاتی ہیں یا نہیں۔ بے شک گت سے گاتی ہیں۔ تو ذرا کسی عالم سے پوچھو تو سہی کہ یہ غنا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں حرام ہے یا نہیں، اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ عید کے روز پیغمبر ﷺ کے روبرو دو لڑکیوں نے گایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ نابالغ لڑکیاں تھیں، دوسرے وہ اتار چڑھاؤ سے نہ گاتی تھیں۔ چنانچہ حدیث میں لفظ جاریتین اس معنی کی دلیل ہے اور یہ بتلاؤ کہ ان کی آواز اجنبی مردوں کے کانوں میں پہنچتی ہے یا نہیں اور محرم عورتوں کی آواز کسی غیر مرد کے کانوں میں جانا اور اس طرح سے کہ سننے سے خرابی پیدا ہو، حرام ہے یا نہیں۔ پھر اس راگ میں یہ بھی خاصیت ہے کہ جو صفات قلب میں غالب ہوتے ہیں ان کو اور زور ہو جاتا ہے۔ تو بتلاؤ کہ ہم لوگوں کے قلب میں صفات خبیثہ کا غلبہ ہے یا نہیں اور صفات خبیثہ کا قوت دینا حرام ہے یا نہیں۔ پھر یہ کہ آدھی آدھی بلکہ تمام رات دائرہ اور کہیں کہیں ڈھولک بھی بجتی ہے۔ جس سے پاس والوں کو عموماً اور حاضرین مجلس کی خصوصاً نیند ضائع ہوتی ہے۔ اور صبح ہوتے ہی سب مردہ کی طرح پڑ

پڑ کر سوتے ہیں۔ پس صبح کی نمازیں ان کی قضا ہوتی ہیں یا نہیں، اور نماز کا قضا کرنا اور جس شغل کی وجہ سے نماز قضا ہو وہ شغل حرام ہے یا نہیں اور کہیں کہیں مضامین گیت کے خلاف شرع بھی ہوتے ہیں پس ان کی گانے اور سننے سے سب کو گناہ ہوتا ہے یا نہیں۔

اب بتلاؤ کہ اس طرح کا گیت گانا اور گوانا حرام ہے یا نہیں۔ پھر جب وہ حرام ہوا تو اس کی اجرت دینا دلانا کس طرح جائز ہوگا اور اجرت بھی کس طرح کہ گھر والا تو اس لئے دیتا ہے کہ اس نے بلایا، اس کے یہاں تقریب ہے بھلا اور آنے والوں کی کمبختی ہے کہ ان سے بھی جبراً وصول کیا جاتا ہے اور جو نہ دے اس کی تذلیل (۱) و تحقیر (۲) اور طعن و تشنیع (۳) کی جاتی ہے۔ وہی جبر تبرعات کا قصہ یاد کر لیا جائے۔ پس ایسے گانے کو اور ایسے حق کو کیونکر حرام نہ کہا جائے۔

۲۵۔ بعد فراغت کھانے کے جہیز کی تمام چیزیں مجمع عام میں لائی جاتی ہیں اور ایک ایک چیز سب کو دکھلائی جاتی ہے اور زیور کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ فرمایئے کہ یہ پوری ریا ہے یا نہیں۔ علاوہ اس کے زنانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھلانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے۔

۲۶۔ اور سوا روپیہ نیگ کمینوں کا جہیز کے خوان میں ڈالا جاتا ہے۔ وہی جبری اخراج کا مضمون یاد دلایا جاتا ہے۔

۲۷۔ اب لڑکی کے رخصت ہونے کا وقت آیا، میانا یا پالکی دروازہ میں رکھ کر دلہن کے باپ یا بھائی وغیرہ اس کے سر پہ ہاتھ دھرنے کو گھر میں بلائے جاتے ہیں اور اس وقت بھی اکثر مردوں عورتوں کا آمنا سامنا ہو جاتا ہے۔ جس کا مذموم ہونا ظاہر ہے۔

۲۸۔ اور لڑکی کو رخصت کر کے ڈولہ میں بٹھاتے ہیں اور مقتضائے عقل کے

---

(۱) دوسرے کو ذلیل کرنا۔ (۲) حقیر کہنا۔ (۳) عیب گیری کرنا

خلاف سب میں رونا پیٹنا مچتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض کو مفارقت کا قلق ہو مگر اکثر تو رسم ہی پورا کرنے کو روتی ہیں کہ کوئی یوں کہے گا کہ ان لوگوں پر لڑکی بھاری تھی۔ اس کو دفع کرکے خوش ہوئے، اور یہ جھوٹا رونا ناحق کا فریب ہے جو کہ عقلاً و نقلاً گناہ ہے۔

۴۹۔ اور دلہن کے دوپٹے کے ایک پلے میں کچھ نقد اور دوسرے میں ہلدی کی گرہ اور تیسرے میں جائفل چوتھے میں چاول اور گھاس کی پتی باندھتے ہیں۔ یہ ایک شگون اور ٹوٹکا ہے جو علاوہ خلاف عقل ہونے کے شعبہ شرک کا ہے۔

۵۰۔ اور ڈولہ میں مٹھائی کی چنگیر رکھ دیتے ہیں جس کا مصرف آگے آتا ہے۔ اس سے اس کا بے ہودہ اور ممنوع ہونا معلوم ہو جائے گا۔

۵۱۔ اول ڈولہ دلہن کی طرف کے کہار اٹھاتے ہیں اور دولہا والے اس پر سے بکھیر شروع کرتے ہیں۔ اگر اس میں کوئی اثر شگونی بھی سمجھتے ہیں کہ اس کے سر پر سے آفات اتر گئیں تب تو فساد اعتقاد بھی ہے۔ ورنہ نام و نمود و شہرت کی نیت ہونا ظاہر ہے۔ غرض ہر حال میں مذموم ہے۔ پھر لینے والے اس بکھیر کے بھنگی ہوتے ہیں جس سے تاویل صدقہ کی بھی نہیں چل سکتی ورنہ غریبوں محتاجوں کو دیتے۔ کیا بھنگی سب سے زیادہ دنیا میں فضول ہیں۔ ان کو بلاؤں کا لینے والا سمجھ لیا ہے۔ اس لئے اس کا مصرف قرار دیا۔ پس یہ ایک طرح کا اسراف بھی ہے کہ مستحقین کو چھوڑ کر غیر مستحقین کو دیا۔ پھر اس میں بعض کے چوٹ بھی لگ جاتی ہے۔ کسی کے تو بکھیر کی وجہ سے اور کسی کو خود روپیہ پیسہ لگ جاتا ہے۔ یہ خرابی مزید برآں ہے۔

۵۲۔ اس بکھیر میں سے ایک مٹھی ان کہاروں کو دی جاتی ہے بابت بکھیر کے، اور یہ سب کمینوں کا حق ہوتا ہے۔ وہی جبر فی التبرع کا ناجائز ہونا یاد کر لیا جائے۔

۵۳۔ جب بکھیر کرتے ہوئے شہر کے باہر پہنچتے ہیں تو یہ کہار ڈولہ کسی باغ میں رکھ کر اپنا نیگ سوا روپیہ لے کر چلے جاتے ہیں وہی جبر تبرع یہاں بھی ہے۔

۵۴۔ اور دلہن کے عزیز و اقارب جو اس وقت تک ڈولہ کے ساتھ ہوتے

ہیں۔ رخصت کر کے چلے جاتے ہیں اور وہاں پر وہ چنگیری مٹھائی کی نکال کر براتیوں میں بھاگ دوڑ چھینا جھپٹی شروع ہوتی ہے۔ اس میں علاوہ التزام مالا یلزم کے اکثر یہ بے احتیاطی ہوتی ہے کہ اجنبی مرد ڈولے میں اندھادھند ہاتھ ڈال کر وہ چنگیری لے لیتے ہیں۔ اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ پردہ کھل جائے گا، نائن یا دلہن کو ہاتھ لگ جائے گا، اور بعض غیرت منداعزہ دلہن یا دولہا کے اس پر جوش کھا کر سخت وست کہتے ہیں۔ جس میں بڑی دور نوبت پہنچتی ہے مگر اس منحوس رسم کو کوئی نہیں چھوڑتا۔ تمام تھکا وٹیں منظور، مگر اس کا قضا کرنا منظور۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۵۵۔ راستے میں جو اول ندی ملتی ہے تو کہار لوگ اس ندی پر پہنچ کر ڈولہ رکھ دیتے ہیں کہ ہمارا حق دو تب ہم پار جائیں اور یہ حق کم از کم ایک روپیہ ہوتا ہے جس کو دریا اتروائی کہتے ہیں۔ یہ وہی جبر فی التبرعات ہے۔

۵۶۔ جب مکان پر ڈولہ پہنچتا ہے تو کہار ڈولہ نہیں رکھتے جب تک ان کو ایک روپیہ چار آنے ڈولہ ٹکوائی نہ دیا جائے، اگر یہ انعام ہے تو انعام میں جبر کیسا اور اگر اجرت ہے تو اجرت کی طرح ہونا چاہئے کہ جب کسی کے پاس ہوا دے دیا۔ اس وقت معین کر کے مجبور کرنا بجز اتباع رسم اور کچھ بھی نہیں جس کو التزام مالا یلزم کہنا چاہئے۔

۵۷۔ جب کہار ڈولہ رکھ کر چلے جاتے ہیں تو دھیانیاں بہو کو ڈولہ میں سے نہیں اتارنے دیتیں، جب تک ان کو حق نہ دیا جائے گا ہم دلہن کو گھر میں نہ گھسنے دیں گے۔ یہ بھی جبر فی التبرع ہے۔

۵۸۔ اس کے بعد نوشہ کو دروازہ میں بلا کر ڈولہ کے پاس کھڑا کیا جائے۔ اس کی بھی سخت پابندی ہے اور یہ ایک قسم کا شگون ہے جس کی بنا فساد اعتقاد ہے اور اکثر اسوقت پردہ دار عورتیں بھی بے تمیزی سے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔

۵۹۔ عورتیں صندل اور مہندی پیس کر لے جاتی ہیں اور دلہن کے داہنے پاؤں اور کوکھ پر ایک ایک ٹکیہ لگاتی ہیں، یہ صریح ٹوٹکہ ہے جو شعبہ شرک ہے۔

۶۰۔ تیل اور ماش صدقہ کر کے بھنگن کو دیا جاتا ہے اور میانہ (۱) کے چاروں پاؤں پر تیل چھڑکا جاتا ہے۔ دیکھئے وہی فساد عقیدہ کا روگ اس لغو حرکت کا منشاء ہے۔

۶۱۔ اور اس وقت ایک بکرا گڈریئے سے منگا کر نوشہ اور دلہن کے اوپر سے صدقہ کر کے اس گڈریئے کو مع کچھ نیگ کے جس کی مقدار دو آنہ چار آنہ ہوتے ہیں دے دیا جاتا ہے۔ دیکھئے یہ کیا حرکت ہے، اگر بکرا خریدا ہے تو اس کی قیمت کہاں ہے؟ اگر دو آنہ یا چار آنہ قیمت ہے تو بھلا ویسے تو اتنے کو خرید لو اور اگر خریدا نہیں تو گڈریہ کی ملک ہے غیر کے مال میں صدقہ کیا معنی۔ وہی بات ہے کہ حلوائی کی دوکان پر نانا جی کی فاتحہ۔ پھر صدقہ کا مصرف گڈریہ بہت موزوں ہے۔ غرض سرتاپا لغو حرکت ہے اور بالکل اصول شریعت کے خلاف ہے۔

۶۲۔ اس کے بعد بہو کو اتار کر گھر میں لاتے ہیں اور ایک بوریہ پر قبلہ رخ بٹھاتے ہیں اور سات سہاگنیں مل کر تھوڑی تھوڑی کھیر بہو کے داہنے ہاتھ پر رکھتی ہیں اور اس کھیر کو ان میں سے ایک سہاگن منہ سے چاٹ لیتی ہے۔ یہ رسم تمام تر شگونوں اور فالوں سے مرکب ہے جس کا مبنیٰ فساد عقیدہ ہے اور قبلہ رخ ہونا بہت برکت کی بات ہے مگر جب اس کی پابندی فرائض سے بڑھ کر ہونے لگے اور اس کے ترک کو موجب بدشگونی سمجھیں تو یہ تعدی حدود میں داخل ہو جائے گا۔

۶۳۔ یہ کھیر دو طباقوں میں اتاری جاتی ہے۔ ایک ان میں سے ڈومنی کو (شاباس ری ڈومنی تیرا تو سب جگہ ظہورا ہے) اور ایک نائن کو معہ کچھ انعام کے جس کی مقدار کم سے کم پانچ ٹکے ہیں دیئے جاتے ہیں۔ یہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

۶۴۔ اس کے بعد ایک یا دو من کی کھیر برادری میں تقسیم کی جاتی ہے جس میں بجز ریاء کے اور کچھ بھی نیت نہیں۔

۶۵۔ اس کے بعد بہو کا منہ کھولا جاتا ہے اور سب سے پہلے ساس یا سب سے

---

(۱) چھپرکھٹ یا پلنگ ۔۱۲

بڑی عورت خاندان کی، بہو کا منہ دیکھتی ہے اور کچھ منہ دکھلائی دیتی ہے جو ساتھ والی کے پاس جمع ہوتا ہے۔ اس کی ایسی سخت پابندی ہے کہ جس کے پاس منہ دکھلائی نہ ہو وہ ہرگز ہرگز منہ نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ لعنت وملامت کا اتنا بھاری بوجھ اس پر رکھا جائے گا جس کو وہ کسی طرح اٹھا ہی نہ سکے۔ غرض اس کو واجبات سے قرار دیا ہے جو صریح تعدی حدود شرعیہ ہے، پھر اس کی کوئی وجہ معقول سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے ذمہ منہ پر ہاتھ رکھنا بلکہ تمام ہاتھوں پر منہ رکھنا یہ کیوں فرض کیا گیا ہے۔ اس طرح اگر کوئی نہ کرے (گویا قضیہ فرضیہ ہے) تو تمام برادری میں بے حیا اور بے شرم اور بے عزت مشہور ہو جائے گا بلکہ ایسا تعجب کریں کہ جیسے کوئی سمجھدار مسلمان کافر بن جائے، پھر بتلایئے یہ بھی تعدی حدود ہے یا نہیں۔ اس شرم شرم میں اکثر دلہنیں نماز قضا کر ڈالتی ہیں۔ اگر ساتھ والی نے پڑھوادی تو خیر ورنہ مذہب مستورات میں اس کو اجازت نہیں کہ خود اٹھ کر یا کسی سے کہہ سن کر نماز کا انتظام کر لے۔ اس کو حس وحرکت کرنا، بولنا چالنا، کھانا پینا، اگر کھجلی بدن میں اٹھے تو کھجلانا، اگر جمائی یا انگڑائی کا غلبہ ہو تو جمائی یا انگڑائی لینا یا نیند آنے لگے تو لیٹ رہنا یا اگر پیشاب پاخانہ خطا ہونے لگے تو اس کی اطلاع تک کرنا بھی اس مذہب زنان (۱) میں حرام بلکہ کفر ہے، خدا جانے کیا جرم کیا تھا جو سخت کال کوٹھری میں یہ مظلومہ مقید کی گئی ہے، ہائے یہ شان تو بندے کی اپنے مالک حقیقی کے روبرو ہونا زیبا تھی اور جن کی ہے ان کی بھی ہے:

اے قلم بنگر گرا جلا لیتی　　　　درمیان اصبعین کیستی

یا الٰہی! اپنی رحمت کا صدقہ مجھ نالائق کو ایسا انقیاد وتسلیم نصیب فرمادیجئے اور شہروں میں یہ خرافات ہیں کہ مرد بھی دلہن کا منہ دیکھتے ہیں۔ استغفر اللہ، نعوذ باللہ!

۶۶۔ پھر سب عورتیں منہ دیکھتی ہیں۔ اس کے بعد کسی کا بچہ بہو کی گود میں بٹھاتے ہیں اور کچھ مٹھائی دے کر اٹھا لیتے ہیں۔ وہی خرافات شگون، مگر کیا ہوتا ہے

(۱) عورتوں کے مذہب میں ۱۲

اس پر بھی بعضوں کے تمام عمر اولاد نہیں ہوتی، توبہ توبہ! کیا برے خیالات ہیں۔

۶۷۔ اس کے بعد بہو کو اٹھا کر چارپائی پر بٹھاتے ہیں، پھر دلہن کے داہنے پیر کا انگوٹھا نائن دھوتی ہے اور وہ روپیہ یا اٹھنی وغیرہ جو بہو کے ایک پلہ میں بندھا ہوتا ہے، انگوٹھا دھلوائی میں نائن کو دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی شگون ہے۔

۶۸۔ بعد آنے دلہن کے شکرانہ کے دو طباق ایک اس کے لئے دوسرا نائن کے لئے جو بہو کے ساتھ آتی ہے بنائے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی وہی سات سہاگنیں مل کر کچھ دانہ بہو کے منہ کو لگا کر (اس بے چاری کو للچانے کے لئے) آپس میں سب مل کر کھالیتی ہیں (شاباش) یہ بھی شگون معلوم ہوتا ہے۔

۶۹۔ پھر دولہا والوں کی نائن دلہن والوں کی نائن کا ہاتھ دھلواتی ہے اور یہ نائن موافق تعلیم اپنے آقا کے کچھ نقد ہاتھ دھلوائی میں دیتی ہے اور کھانا شروع کر دیتی ہے۔ یہ التزام مالا یلزم اور جبر فی التبرع ہے۔

۷۰۔ بوقت کھانا کھانے کے ڈومنیاں گالیاں دیتی ہیں۔ کم بختوں پر خدا کی مار! اور اس نائن سے نیگ لیتی ہیں۔ ماشاء اللہ ہمارے بھائیوں کی نائن بھی بادشاہوں سے کم نہیں۔ گاہے بدشنامے خلعت دہند مگر گاہے کا فرق ہے کیونکہ ان کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے یہ دولت لکھی ہے کہ گالیاں کھاؤ اور انعام دو۔ نعوذ باللہ من الجہل۔

۷۱۔ جب جہیز کھولا جاتا ہے تو ایک جوڑا ساتھ والی نائن کو دیا جاتا ہے اور ایک جوڑا سب دھیانیاں آپس میں تقسیم کر لیتی ہیں۔ چہ خوش! مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ اگر کوئی کہے کہ نہیں صاحب سب مانے ہوئے ہیں۔ حضرت مانے ہوئے ہیں، آپ ہی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ نہ ماننے سے نکو بنائے جائیں گے۔ ایسا زبردستی کا ماننا تو وہ بھی مان لیتا ہے جس کے چوری ہوتی ہے اور خاموش ہو کر بیٹھا رہتا ہے۔ یا کوئی ظالم غصب کر لیتا اور یہ ڈر کے مارے نہیں بولتا، ایسے ماننے سے کسی کا مال نہیں جاتا۔ اسی طرح بعض جگہ بھی دستور ہے کہ جہیز میں بٹوے اور کمر بند اور تلے دانیاں ہوتی

ہیں۔ وہ سب دھانیاں آپس میں تقسیم کرلیتی ہیں اور حصہ رسد بہو کو بھی دیتی ہیں۔

۲۷۔ شب کا وقت تخلیہ کے واسطے ہے۔ جس میں بے حیا عورتیں جھانکتی تاکتی ہیں اور مطابق مضمون حدیث کے داخل دائرہ لعنت ہوتی ہیں۔

۳۷۔ بوقت صبح بے حیائی ہوتی ہے کہ شب خوابی کا بستر چادر وغیرہ دیکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بعض جگہ یہ غضب ہے کہ تمام کنبہ میں نائن کے ہاتھ پھرایا جاتا ہے۔ کسی کا راز معلوم کرنا مطلقاً حرام ہے۔ بالخصوص ایسی بے حیائی کی بات کی تشہیر سب جانتے ہیں کہ کس قدر بے غیرتی کی بات ہے مگر افسوس ہے کہ عین وقت پر کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا، اللہ بچائے!

۴۷۔ بوقت شام یعنی درمیان عصر و مغرب بہو کا سر کھولا جاتا ہے اور اس وقت ڈومنیاں گاتی جاتی ہیں اور ان کو ایک روپیہ چار آنہ یا پانچ ٹکے مانگ بھرائی اور سر کھلائی کے نام پر دیئے جاتے ہیں۔ اس میں بھی التزام مالا یلزم اور گانے کی اجرت کی خرابی موجود ہے۔

۵۷۔ بہو کے آنے سے اگلے دن اس کے عزیز قریب دو چار گاڑیاں اور مٹھائی وغیرہ لے کر آتے ہیں، اس آمد کا نام چوتھی ہے۔ اس میں بھی التزام مالا یلزم کی علت لگی ہے۔ علاوہ اس کے یہ ماخوذ ہے کفار ہند سے، اور تشبہ بالکفار کا ممنوع ہونا ظاہر ہے۔

۶۷۔ بہو کے بھائی وغیرہ گھر میں بلائے جاتے ہیں اور بہو کے پاس علیحدہ مکان میں بیٹھتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ لوگ شرعاً نامحرم بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس کی کچھ تمیز نہیں ہوتی کہ نامحرم کے پاس تنہا مکان میں بیٹھنا خصوصاً زیب و زینت کے ساتھ کس قدر گناہ اور بے عزتی کی بات ہے۔ وہ اکثر بہو کو کچھ نقد دیتے ہیں اور کچھ مٹھائی کھلاتے ہیں اور چوتھی کا جوڑا مع تیل و عطر و خرچ کمینان گھر میں بھیج دیتے ہیں۔ یہ سب التزام مالا یلزم میں داخل ہے۔

۷۷۔ جب نائی ہاتھ دھلانے آتا ہے تو وہ اپنا نیگ جو زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ چار آنے اور کم سے کم چار آنے ہے لے کر ہاتھ دھلواتا ہے، اس فرضیت کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے۔ جتنے حقوق اللہ وحقوق العباد ہیں ان میں توقف ہو جائے، مگر اس تصنیفی حق میں جو واقع میں ناحق ہے کیا ممکن کہ فرق آ جائے، پہلے اس کا قرض ادا کر دو اس کے بعد کھانا نصیب ہو۔ استغفر اللہ! مہمانوں سے دام لے کر کھانا کھلانا یہ انہیں بندگان رسم کا کام ہے، یہ التزام مالا یلزم وتعدی حدود ہے۔

۷۸۔ بروقت کھانا کھانے چوتھی والوں کے ڈومنیاں دروازہ میں بیٹھ کر اور گالیاں گا کر اپنا نیگ لیتی ہیں۔ خدا تم کو سمجھے! ایسے ہی لینے والے اور ایسے ہی دینے والے! اہل حاجت کو خوشامد اور دعاؤں پر پھوٹی کوڑی نہ دیں اور ان بدذاتوں کو گالیاں کھا کر روپیہ بخشیں۔ واہ رے رواج تو بھی کیسا زبردست ہے، خدا تجھے ہمارے ملک سے ہمیشہ کے لئے غارت کرے!

۷۹۔ دوسرے روز چوتھی کا جوڑا پہنا کر مع اس مٹھائی کے جو بہو کے گھر سے آئی تھی رخصت کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ عطائے تو بہ لقائے تو کے یہی معنی ہیں، بھلا صاحب اس کے بھیجنے اور پھر واپس لے جانے سے کیا حاصل ہوا۔ گویا اس مبارک گھر سے مٹھائی میں برکت آ جانے کے لئے بھیجی ہوگی۔ خیال تو کیجئے، رسم کی پابندی میں عقل بے چاری کی بھی تو حکومت گئی گزری، اور التزام مالا یلزم کا شرعی گناہ والزام تو قائم ہی ہے۔

۸۰۔ اور بہو کے ساتھ نوشہ بھی جاتا ہے اور رخصت کرنے کے وقت وہی چاروں چیزیں پلو میں باندھی جاتی ہیں جو رخصت کے وقت وہاں سے بندھ کر آئی تھیں، یہ بھی خرافات اور شگون ہے۔

۸۱۔ وہاں جا کر جب دلہن اتاری جاتی ہے تو اس کا داہنا انگوٹھا وہاں کی نائن دھو کر وہ اٹھنی یا روپیہ جو بہو کے پلے میں بندھا ہوتا ہے لیتی ہے، وہی شگون یہاں بھی

ہے۔

۸۲۔ دولہا جب گھر میں جاتا ہے تو سالیاں اس کا جوتا چھپا کر جوتا چھپائی کے نام پر کم از کم ایک روپیہ لیتی ہیں۔ شاباش! ایک تو چوری کریں اور الٹا انعام پائیں۔ اول تو ایسی مہمل ہنسی کہ کسی کی چیز اٹھائی چھپادی۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ پھر یہ کہ ہنسی دل لگی کا خاصہ ہے کہ اس سے ایک بے تکلفی بڑھتی ہے۔ بھلا اجنبی مرد سے ایسا تعلق وارتباط پیدا کرنا خود شرع کے خلاف ہے۔ پھر اس انعام کو حق لازمی سمجھنا، یہ بھی جبر فی التبرع وتعدی حدود ہے۔ بعض جگہ جوتا چھپانے کی رسم نہیں، مگر اس کا انعام باقی ہے۔ کیا واہیات بات ہے۔ اس سے بدتر رسم چوتھی کھیلنا ہے جو بعض شہروں میں رائج ہے۔ اس میں جس درجہ بے حیائی و بے غیرتی ہوتی ہے اس کا کچھ پوچھنا نہیں، پھر جن کی عورتیں اس چوتھی کھیلنے میں شریک ہوتی ہیں ان کے شوہر باوجود اطلاع کے انتظام وانسداد نہ کرنے کی وجہ سے دیوث بنتے ہیں اور مشابہت کفار کی ان سب کے علاوہ ہے۔

۸۳۔ جب دولہا آتا ہے تو وہاں کا نائی اس کے داہنے پیر کا انگوٹھا دھو کر اپنا حق لیتا ہے جو ایک روپیہ کے قریب ہوتا ہے اور باقی کمینوں کا خرچ گھر میں دیتے ہیں، یہ سب شگون التزام مالا یلزم ہے، ان سب مواقع میں نائی کا حق سب سے زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ کفار ہند کی رسم کا اتباع ہے۔ ان کے رواج میں چونکہ نائی کے اختیارات بہت وسیع ہیں اس لئے اس کی بڑی قدر ہے، بے علم مسلمانوں نے اختیارات تو سب کر لئے، مگر تنخواہ وہی رکھی جو اکثر جگہ محض ناحق لینا دینا ہے اور جہاں کوئی شرعی تاویل بھی نہیں ہو سکتی۔

۸۴۔ دو چار دن کے بعد پھر دولہا والے دلہن کو لے جاتے ہیں، اس کو بہوڑہ کہتے ہیں اور اس میں بھی وہی سب رسمیں ہوتی ہیں جو چوتھی میں ہوئی ہیں، جو مکروہات ومعاصی اس میں تھے وہی سب یہاں بھی سمجھ لئے جائیں۔

۸۵۔ اس کے بعد بہو کے باپ کے گھر سے کچھ عورتیں بہو کو لینے آتی ہیں اور اپنے ساتھ کھجوریں لاتی ہیں، وہی التزام مالا یلزم ہے۔

۸۶۔ اور یہ کھجوریں ساری برادری میں تقسیم ہوتی ہیں، وہی ریاء ونمود۔

۸۷۔ پھر جب یہاں سے رخصت ہوتی ہے تو نئی کھجوریں اس کے ساتھ کی جاتی ہیں وہی التزام مالا یلزم ہے۔

۸۸۔ اور وہ باپ کے گھر جا کر برادری میں تقسیم ہوتی ہیں، وہی فخر وریاء۔

۸۹۔ اس کے بعد اگر شب برات اور محرم ہو تو باپ کے گھر ہوگا، یہ پابندی کون سی وحی سے ثابت ہے۔ صرف وجہ اس کی ایک خیال جاہلیت ہے کہ محرم اور شب برات کو نعوذ باللہ نامبارک سمجھتے ہیں۔ اس لئے دولہا کے گھر اس کا ہونا نازیبا جانتے ہیں۔

۹۰۔ اور رمضان بھی وہیں ہوگا۔ قریب عید سواری بھیج کر بہو کو بلاتے ہیں۔ غرض یہ کہ جو تہوار غم اور بھوک اور سوزش کے ہیں۔ محرم خود زمانہ حزن کا سمجھا جاتا ہے۔ رمضان میں بھوک اور پیاس کا ہونا ظاہر ہے۔ شب برات کو عوام جلتا مہینہ کہتے ہیں، غرض یہ سب باپ کے حصہ میں اور عید جو خوشی اور شیرینی کا تہوار ہے وہ شوہر کے گھر ہونا چاہئے۔

۹۱۔ اور وہاں سے دو تین من جنس مثل سویاں، چاول، آٹا، میوہ وغیرہ بھیجا جاتا ہے اور دولہا دلہن کا جوڑا مع کچھ نقدی گھی کے نام سے اور کچھ شیرینی دی جاتی ہے۔ یہ ایسا فرض ضروری ہے کہ گو سودی روپیہ قرض لینا پڑے مگر یہ قضا نہ ہو صریح تعدی حدود ہے۔

۹۲۔ بعد نکاح کے سال دو سال تک بہو کی روانگی کے وقت کچھ مٹھائی اور کچھ نقد اور جوڑے وغیرہ طرفین سے بہو کے ہمراہ کر دیئے جاتے ہیں اور عزیزوں میں بھی خوب دعوتیں ہوتی ہیں مگر دہی جرمانہ کی دعوت کہ بدنامی سے بچنے کو یا ناموری د

سرخروئی حاصل کرنے کو سارا بکھیڑا ہوتا ہے۔ پھر اس میں معاوضہ و مساوات کا پورا لحاظ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات خود شکایت و تقاضا کر کے دعوت کھاتے ہیں۔ غرض تھوڑے دنوں تک یہ آؤ بھگت سچی یا جھوٹی ہوتی رہتی ہے۔ پھر اس کے بعد ''کس نمی پرسد کو بھیا کون ہو۔'' سب خوشیاں منانے والے اور جھوٹی وفاداری کرنے والے علیحدہ ہوئے، اب جو مصیبت پڑے بھگتو۔

کاش جس قدر روپیہ بے ہودہ اڑایا ہے ان دونوں کے لئے اس سے کوئی جائیداد خرید کر دی جاتی۔ یا تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا، کس قدر راحت ہوتی۔ ساری خرابی اس التزام مالایلزم کی ہے۔

۹۳۔ شیرینی طرفین کی برادری میں تقسیم ہو جاتی ہے جس کی بناء وہی ریاء ہے اور اگر شیرینی سب کو نہ پہنچے تو اپنے گھر سے منگا کر اس میں ملاؤ، یہ بھی جرمانہ ہے۔

۹۴۔ بعض جگہ کنگنا(۱) باندھنے کا بھی دستور ہے جو لوجہ رسم کفار ہونے کے منع ہے۔

۹۵۔ بعض جگہ آرسی مصحف کی رسم ہے، اس میں بھی طرح طرح کی رسوائیاں اور فضیحتیاں جو بالکل عقل اور شرع کے خلاف ہے۔

۹۶۔ بعض جگہ آرائش و آتش بازی کا سامان ہوتا ہے، جس کا سراسر اسراف اور حرام ہونا حدیث میں موجود ہے۔

۹۷۔ بعض جگہ باجے ہندوستانی اور انگریزی ہوتے ہیں۔ معازف و مزامیر کا حرام ہونا حدیث میں موجود ہے۔

۹۸۔ بعض جگہ چوتھی کھیلنے کا رواج ہے جو سراسر بے غیرتی اور بے حیائی اور تشبہ بالکفار ہے، جیسا اوپر مفصل مذکور ہے۔

۹۹۔ بعض جگہ دولہا دلہن کو گود میں لے کر ڈولہ میں اتارتا جاتا ہے۔ کس قدر بے

(۱) شادی کے موقع پر دولہا کے ہاتھ پر رنگین پٹہ باندھتے ہیں یہ ہندوانی رسم ہے۔

غیرتی کی بات ہے۔
۱۰۰۔ بعض تاریخوں اور مہینوں اور سالوں مثلاً اٹھارہ سال کو منحوس کہتے ہیں اور اس میں شادی نہیں کرتے۔ یہ اعتقاد بھی عقل اور شرع کے خلاف ہے۔

یہ ایک سو واقعات ہیں جن میں سے کسی میں ایک گناہ، کسی میں دو گناہ، کسی میں چار، پانچ اور بعض میں تمیں تک مجتمع ہیں۔ اگر اوسط فی واقعہ تین گناہ رکھے جائیں تو واقعات مذکورہ تین سو گناہوں کا مجموعہ ہے۔ جس عقد میں تین سو حکم شرعی کی مخالفت ہوتی ہو، اس میں خیر و برکت کا کیا ذکر۔

غرض واقعات مذکورہ ان معاصی سے پُر ہیں۔ اسراف، افتخار و نمائش، التزام مالا یلزم، تشبہ بالکفار(۱)، سودی قرض یا بلا ضرورت قرض لینا، جبر تبرعات، بے پردگی، شرک، فساد عقیدہ، نمازوں کا یا جماعت کا قضا ہونا، اعانت معصیت، اصرار و استحسان معاصی کا جن کی مذمت قرآن وحدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔ چنانچہ مختصراً ذکر ہوتا ہے:

ارشاد فرمایا ہے کہ اسراف مت کرو، بے شک اللہ جل شانہ پسند نہیں کرتا اسراف کرنے والوں کو، اور دوسری جگہ فرمایا کہ بے ہودہ اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ اور حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص دکھلاوے کا کوئی کام کرے دکھلائے گا اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی کو۔ اور جو شخص سنانے کے واسطے کوئی کام کرے سنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب قیامت کے روز۔ اور حدیث میں ہے کہ اپنی نماز میں سے شیطان کا حصہ مت بناؤ کہ نماز پڑھ کر داہنی طرف سے پھرنے کو ضروری سمجھنے لگو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضروری قرار دینا شیطان کی رضا و خوشی کا باعث ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ جب مندوبات پر اصرار کرنے کا یہ حال ہے تو مباح پر اصرار

(۱) کفار کے ساتھ مشابہت ۱۲

کرنے کا تو کیا حال ہوگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر معاصی پر اصرار کرے تو کیا حال ہوا۔ اور حدیث میں ہے کہ لعنت فرمائی رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے کو اور قرض کے باب میں جو تہدیدیں آئی ہیں وہ مشہور و معروف ہیں۔ وہ بلاضرورت قرض لینے سے روکنے کے لئے کافی ہے اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص کا مال حلال نہیں ہے بدون اس کی خوش دلی کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبرعات میں جبر حرام ہے اور حدیث میں ہے کہ لعنت کرے اللہ تعالیٰ دیکھنے والے کو اور جس کی طرف دیکھا جائے۔ اس سے بے پردگی کی مذمت و حرمت ثابت ہوئی۔

شرک کی مذمت کون نہیں جانتا، اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہ سمجھتے تھے، بجز نماز کے۔ اور حدیث میں ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جان میری اس کے قبضہ میں ہے کہ میرا ارادہ یوں ہوا کہ اول لکڑیاں جمع کراؤں اور پھر نماز کے لئے اذان کہلواؤں، پھر جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کی طرف چلوں اور ان کے گھروں کو جلادوں۔

اس سے جماعت میں حاضر نہ ہونے کی کس درجہ وعید معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی مدد مت کرو گناہ اور ظلم میں۔ اور حدیث میں ہے کہ جب نیکی کرنے سے تیرا جی خوش ہو اور برا کام کرنے سے جی برا ہو، پس تو مومن ہے اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کو مستحسن سمجھنا اور اس پر اصرار کرنا ایمان کا ویران کرنے والا ہے...... اور حدیث میں بالخصوص ان رسوم جہالت کی نسبت بہت سخت وعید آئی ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سب سے زیادہ بغض اللہ تعالیٰ کو تین شخصوں کے ساتھ ہے، ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اسلام میں آ کر جاہلیت کی رسمیں برتنا چاہتا ہے اور بہت سی احادیث مضامین مذکورہ کی موجود ہیں، چونکہ ان خرابیوں کی

برائی بدیہی (۱) ہے۔ اس لئے زیادہ دلائل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔ پس مسلمانوں کو فرض و واجب و مقتضائے ایمان و عقل یہ ہے کہ ان خرابیوں کی برائی جب عقلاً ونقلاً ثابت ہوگئی، ہمت کر کے سب کو خیر باد کہے اور نام و بدنامی پر نظر نہ کرے۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ عزت و نیک نامی ہوتی ہے اور ان رسوم کی موقوفی کے دو طریق ہیں، ایک تو یہ کہ سب برادری متفق ہو کر یہ سب بکھیڑے موقوف کریں۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ اگر کوئی اس کا ساتھ نہ دے تو خود ابتدا کر دے، دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس طرح چند روز میں عام اثر پھیلے گا اور ابتدا کرنے کا ثواب اس شخص کو ملے گا اور مرنے کے بعد بھی وہ ثواب لکھا جایا کرے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب جس کو گنجائش ہو وہ کرے جس کو نہ ہو وہ نہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو گنجائش والوں کو بھی گناہ کرنا جائز نہیں۔ جب ان رسوم کا معصیت ہونا ثابت ہو گیا پھر گنجائش سے اجازت کب ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب گنجائش والے کریں گے تو ان کی برادری کے غریب آدمی بھی اپنی حفظ آبرو کے لئے ضرور کریں گے۔ اس لئے ضروری امر اور مقتضاء یہی ہے کہ سب ہی ترک کر دیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ رسوم موقوف ہو جائیں تو پھر میل ملاپ کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو میل ملاپ کی مصلحت سے معاصی کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا، پھر یہ کہ میل ملاپ اس پر موقوف بھی نہیں۔ بلا پابندی رسوم اگر ایک دوسرے کے گھر جاوے یا اس کو بلائے، اس کو کھلائے پلائے، کچھ امداد و سلوک کرے، جیسے یار دوستوں میں راہ و رسم جاری ہیں تو یہ ممکن ہے، بلکہ اب تو ان رسموں کی بدولت بجائے محبت والفت کے جو کہ میل ملاپ سے اصلی مقصود

---

(۱) ظاہر ہے۔۱۲

ہے اکثر رنج و تکرار اور شکایت اور پرانے کینوں کا تازہ کرنا اور صاحب تقریب کی عیب جوئی اور تذلیل کے درپے ہونا، اور اس طرح کی دوسری خرابیاں دیکھی جاتی ہیں، اور چونکہ ایسا لینا دینا، کھانا اور کھلانا عرفاً لازم ہو گیا ہے، اس لئے کچھ فرحت و مسرت بھی نہیں ہوتی، نہ دینے والے کو کہ وہ ایک بے گار سی اتارتا ہے نہ لینے والے کو، کہ وہ اپنا حق ضروری یا معاوضہ سمجھتا ہے۔ پھر لطف کہاں اس لئے ان تمام خرافات کا حذف کرنا واجب ہے۔

منگنی میں زبانی وعدہ کافی ہے نہ حجام کی ضرورت نہ جوڑا اور نشانی اور شیرینی کی حاجت، اور جب دونوں نکاح کے قابل ہو جائیں زبانی یا بذریعہ خط و کتابت کوئی وقت ٹھہرا کر دولہا کو بلالیں، ایک اس کا سرپرست اور ایک خدمت گزار اس کے ہمراہ کافی ہے۔ نہ بری کی ضرورت اور نہ برات کی حاجت، نکاح کے فوراً یا ایک آدھ روز مہمان رکھ کر ان کو رخصت کردیں، اور بقدر اپنی گنجائش کے جو ضروری اور کارآمد چیزیں ہیں جہیز میں دینا منظور ہوں بلا اعلان ان کے گھر بھیج دیں یا اپنے گھر میں اس کے سپرد کردیں۔ نہ سسرال کے جوڑوں کی ضرورت نہ چوتھی بھوڑوں کی حاجت اور جب چاہیں دلہن والے بلالیں اور جب موقع ہو دولہا والے بلالیں۔ اپنے اپنے کمینوں کے فریقین بذریعہ گنجائش دے دیں۔ منہ پر ہاتھ رکھنا بھی کچھ ضروری نہیں، بکھیر بھی فضول ہے۔ اگر توفیق ہو شکریہ میں حاجت مندوں کو دو۔ کسی کام کے لئے قرض مت کرو، البتہ ولیمہ مسنون ہے۔ وہ بھی خلوص نیت واختصار کے ساتھ، نہ کہ فخر و اشتہار کے ساتھ ورنہ ایسا ولیمہ بھی جائز نہیں۔ حدیث میں ایسے ولیمہ کو شر الطعام فرمایا گیا ہے۔ نہ ایسا ولیمہ جائز نہ اس کا قبول کرنا جائز۔ اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اکثر کھانے جو برادری کو کھلائے جاتے ہیں ان کا کھانا کھلانا کچھ جائز نہیں۔ دیندار کو چاہئے کہ نہ خود ان رسموں کو کرے اور جس تقریب میں یہ رسمیں ہوں ہرگز وہاں شریک نہ ہو، صاف انکار کردے۔ برادری کنبہ کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے روبرو

کچھ کام نہ آئے گی۔ واللہ الموفق بس نکاح ہو گیا۔

تتمہ: ان ہی رسوم مذکورہ میں سے مغالاۃ فی المہر یعنی مہر کے زیادہ ٹھہرانے کی رسم ہے، جو خلاف سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ نے کہ خبردار مہر بڑھا کر مت ٹھہراؤ، اس لئے کہ اگر یہ عزت کی بات ہوتی دنیا میں اور تقوے کی بات ہوتی اللہ کے نزدیک تو تمہارے پیغمبر ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بی بی سے نکاح کیا ہو یا کسی صاحبزادی کا نکاح کیا ہو بارہ اوقیہ سے زیادہ۔ پھر روایت کیا اس کو ترمذی وغیرہ نے۔

بعض کہتے ہیں کہ زیادہ مہر اس لئے مقرر کرتے ہیں تاکہ شوہر چھوڑ نہ سکے۔ یہ عذر بالکل لغو ہے۔ اول تو جن کو چھوڑنا ہوتا ہے چھوڑ ہی دیتے ہیں، بعد میں جو کچھ بھی ہو اور جو مطالبہ مہر کے خوف سے نہیں چھوڑتے، وہ چھوڑنے سے بدتر کر دیتے ہیں۔ یعنی تطلیق کی جگہ تعلیق عمل میں لاتے ہیں کہ نکاح سے تو نہیں نکالتے، مگر حقوق بھی ادا نہیں کرتے۔ ان کا کوئی کیا کر لیتا ہے؟ یہ سب عذر فضول ہیں۔ اصل یہ ہے کہ افتخار کے لئے ایسا کرتے ہیں کہ خوب شان ظاہر ہو، سو فخر کے لئے کوئی کام کرنا گو اصل میں مباح ہو حرام ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ فی نفسہ بھی خلاف سنت اور مکروہ ہو، وہ تو اور بھی ممنوع ہو جائے گا۔ مسنون تو یہی ہے کہ ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب ٹھہرا لیں اور خیر اگر ایسا ہی زیادہ باندھنے کا شوق ہے تو ہر شخص کی وسعت کے مطابق کر لیں، اس سے زیادہ نہ کریں۔

نکاح حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اس دولت عظمیٰ کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے صغر سنی کا عذر

فرمادیا۔ پھر حضرت علیؓ نے اپنے اہل وخواص کے اصرار اور بحسب بعض روایات حضرات شیخین کے ترغیب دلانے سے شرماتے ہوئے خود حاضر ہوکر زبانی عرض کیا۔ آپ ﷺ پر فوراً وحی نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے ان کی عرض کو قبول کرلیا۔

مؤلف کہتا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ منگنی میں یہ تمام بکھیڑے جو آج کل رائج ہیں سب لغو اور خلاف سنت ہیں۔ پس زبانی پیغام وجواب کافی ہے، اور اس وقت عمر حضرت فاطمہؓ کی ساڑھے پندرہ سال کی اور حضرت علیؓ کی اکیس سال کی تھی۔

مؤلف: اس سے معلوم ہوا کہ عمر کے بعد توقف نکاح میں اچھا نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دولہا دلہن کی عمر میں تناسب بھی ملحوظ رکھنا مناسب ہے اور بہتر یہ ہے کہ دولہا کسی قدر دلہن سے عمر میں بڑا ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے انسؓ! جاؤ اور ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وطلحہؓ وزبیرؓ اور ایک جماعت انصار کو بلالاؤ۔

مؤلف: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کی مجلس میں اپنے خاص لوگوں کو مدعو کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور حکومت اس میں یہ ہے کہ نکاح میں اشتہار واعلان ہوجائے جو کہ مطلوب ہے۔ مگر اس اجتماع میں غلو ومبالغہ نہ ہو۔ وقت پر بلا تکلف جو دو چار آدمی قریب نزدیک کے ہوں جمع ہوجائیں۔ یہ سب صاحب حاضر ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ایک بلیغ (۱) خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرایا۔

مؤلف:۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا چھپے چھپے پھرنا یہ بھی خلاف سنت ہے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ باپ خود اپنی دختر کا نکاح پڑھ دے۔ کیونکہ یہ ولی ہے دوسرا وکیل۔ ولی کو بہر حال وکیل سے ترجیح ہے اور چار سو مثقال (۲) چاندی مہر مقرر ہوا۔ کذافی تحفة الزوجين وغيرها من الرسائل النبوية

مؤلف: اس سے معلوم ہوا کہ مہر لمبا چوڑا ٹھہرانا بھی خلاف سنت ہے، پس مہر

(۱) الخطبۃ الماثورہ میں وہ خطبہ نقل بھی کردیا گیا ہے۔۱۲۔ (۲) جس کی مقدار اس وقت انگریزی سکہ سے ۱۲ ماشہ کے روپیہ سے ڈیڑھ سو روپے ہوتے ہیں۔۱۲

فاطمی کافی وموجب برکت ہے اور اگر کسی کو وسعت نہ ہو اس سے بھی کم مناسب ہے، پھر آپ ﷺ نے ایک طبق خرمہ کا لے کر بکھیر دیا۔

مؤلف: اس روایت کو ذہبی وغیرہ محدثین نے ضعیف کہا ہے، اور غایت مافی الباب سنت زائدہ ہوگا۔ مگر قاعدہ شرعیہ ہے کہ جہاں امر مباح یا مستحب میں اقتران کسی مفسد کا ہو جائے اس کو ترک کر دینا مصلحت ہے۔ اس معمول میں آج کل اکثر رنج وتکرار کی نوبت آجاتی ہے۔ اس لئے تقسیم پر کفایت کریں۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو حضرت ام ایمنؓ کے ہمراہ حضرت علیؓ کے گھر بھیج دیا۔

مؤلف: صاحبو! یہ دونوں جہاں کی شہزادی کی رخصتی ہے جس میں نہ دھوم دھام نہ میانہ پالکی نہ بکھیر نہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کمینوں کا خرچ دلایا نہ کنبہ برادری نے کھانا کھایا۔ ہم لوگوں کو بھی لازم ہے کہ اپنے پیغمبر سردار دو جہاں ﷺ کی پیروی کریں اور اپنی عزت کو حضور ﷺ کی عزت سے بڑھ کر نہ سمجھیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

پھر حضور پر نور ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ سے پانی منگایا۔ وہ ایک پیالہ چوبیں میں پانی لائیں۔

مؤلف: اس سے معلوم ہوا کہ نئی نئی دلہن کو شرم میں اس قدر مبالغہ کرنا کہ چلنا پھرنا، اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا عیب سمجھا جائے، یہ بھی سنت کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈال دیا اور حضرت فاطمہؓ کو فرمایا کہ ادھر منہ کرو، اور ان کے سینہ مبارک اور سر مبارک پر قدرے پانی چھڑکا اور دعا کی کہ الٰہی ان کو ان کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ادھر پشت کرو اور آپ ﷺ نے ان کے شانوں کے درمیان پانی چھڑکا اور پھر وہی دعا کی۔ پھر حضرت علیؓ سے پانی منگایا اور یہی عمل ان کے ساتھ بھی کیا۔ مگر پشت کی طرف پانی نہیں چھڑکا۔

مؤلف: مناسب ہے کہ نکاح کے بعد دولہا دلہن کو ایک جگہ جمع کر کے یہ عمل کیا

کریں کہ موجب برکت ہے۔ ہندوستان میں ایسی بری رسم ہے کہ باوجود نکاح ہو جانے کے بعد دولہا و دلہن میں پردہ رہتا ہے اور ایک دوسرا عمل جو مشہور ہے کہ دلہن کے پاؤں دھو کر گھر میں جا بجا پانی چھڑکا جاتا ہے۔ تذکرۃ الموضوعات میں اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ بسم اللہ، برکت کے ساتھ اپنے گھر جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ نکاح کے دن حضور ﷺ نے بعد عشاء حضرت علیؓ کے گھر تشریف لا کر اور ایک برتن میں پانی لے کر اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دعا کی۔ پھر حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کو علی الترتیب حکم فرمایا کہ اسے پئیں اور وضو کر لیں۔ پھر دونوں صاحبوں کے لئے دعا تطہیر و تالیف برکت اولاد، خوش نصیبی کی فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا جاؤ آرام کرو۔

مؤلف: اگر داماد کا گھر قریب ہو تو یہ عمل بھی کرنا موجب برکت ہے اور جہیز حضرت سیدۃ النساءؓ کا یہ تھا۔ دو چادر یمانی جو سوسی کے طور پر ہوتی تھیں، دو نہالی جس میں السی کی چھال بھری تھی اور چار گدے، دو بازو بند چاندی کے اور ایک کملی اور ایک تکیہ اور ایک پیالہ اور ایک چکی اور ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن، یعنی گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے۔ ازالۃ الخفاء

مؤلف: صاحبو! جہیز میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اول اختصار کہ گنجائش سے زیادہ تنگ و دو نہ کرے۔ دوم ضرورت کا لحاظ جن چیزوں کی سر دست ضرورت واقع ہوگی وہ دینا چاہئے۔ سوم اعلان نہ ہونا کیونکہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔ دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کے فعل سے جو اس روایت میں مذکور ہے تینوں امر ثابت ہیں اور حضور ﷺ نے کام اس طرح تقسیم فرمایا کہ باہر کا کام حضرت علیؓ کے ذمے اور گھر کا کام حضرت فاطمہؓ کے ذمے۔

مؤلف: معلوم نہیں ہندوستان کی شریف زادیوں میں گھر کے کاروبار سے کیوں عار کی جاتی ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے ولیمہ کیا اور ولیمہ میں یہ سامان تھا جو چند صاع

(ایک صاع نمبری سیر سے ساڑھے تین سیر کے قریب ہوتا ہے) اور کچھ خرمہ اور کچھ مالیدہ۔

مؤلف: پس ولیمہ کا مسنون طریق یہ ہے کہ بلا تکلف و بلا تفاخر اختصار کے ساتھ جس قدر میسر ہوجائے اپنے خاص لوگوں کو کھلا دے۔

نکاح ازواج مطہراتؓ

مہر حضرت خدیجہؓ پانچ سو درہم یا اس قیمت کے اونٹ تھے جو ابوطالب نے اپنے ذمے رکھے، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی برتنے کی چیز تھی۔ جو دس درہم کی تھی اور حضرت جویریہؓ کا چارسو درہم تھے اور حضرت ام حبیبہؓ کا چارسو دینار تھے جو شاہ حبشہ نے اپنے ذمے رکھے، اور حضرت سودہؓ کا چارسو درہم تھے اور ولیمہ حضرت ام سلمہؓ کا قدرے جو کا کھانا اور حضرت زینبؓ بنت جحش کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح ہوئی تھی اور گوشت روٹی لوگوں کو کھلائی گئی، اور حضرت صفیہؓ کا جو جو کچھ صحابہؓ کے پاس حاضر تھا سب جمع کرلیا گیا۔ یہی ولیمہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ نہ اونٹ ذبح ہوا نہ بکری، سعد بن عبادہ کے گھر سے ایک پیالہ دودھ کا آیا تھا، بس وہی ولیمہ تھا۔

مؤلف: اور مفصل حالات نکاح بنات مقدسات و ازواج مطہرات کے کتب سیر میں مذکور ہیں مگر اس مقام پر ایک نکاح کی مفصل حالت لکھ کر باقی عقود کے واقعات میں سے صرف بعض مہر و ولیمہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا کہ زیادہ غرض اس مقام پر یہ دکھلانا ہے کہ یہ تکلفات و اسرافات وغیرہا سب ہمارے سردار دو جہاں ﷺ کے طریقہ محبوبہ مرضیہ مقبولہ کے خلاف ہے اور یہ غرض اس اجمال سے حاصل ہے اور ایک

درہم تخمیناً سوا چار آنہ کا ہوتا ہے اور ایک دینار دس درہم کا، اس سے معلوم ہو جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا مہر کس قدر ہلکا تھا اور کوئی شخص ناداری کی تاویل نہیں کر سکتا۔ حضور اکرم ﷺ اگر چاہتے تو دنیا بھر کے خزائن آپ ﷺ کے پائے مبارک پر تصدق کر دیئے جاتے اور چار سو دینار صرف ایک بی بی کا مہر ہوا سو وہ بھی ایک بادشاہ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس پر بھی وہ ہمارے ملک کے رواج سے پھر بھی بہت کم ہے۔ اہل اسلام پر لازم ہے کہ اسی طریقہ سے اپنا معمول مقرر کریں ورنہ کیوں خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق بنتے ہیں۔

نکاح کے مسائل

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند مسائل ضروری نکاح کے متعلق جن کی بہت ضرورت ہے لکھ دیئے جائیں۔ سب کو بالخصوص نکاح خواں قاضیوں کو ان کا یاد کر لینا ضروری ہے۔ ان کے نہ جاننے سے اکثر اوقات نکاح میں خرابی ہو جاتی ہے۔

۱۔ مسئلہ: نابالغہ کا نکاح بدون اجازت ولی کے صحیح نہیں ہے اور خود اس منکوحہ کا زبان سے کہنا قابل اعتبار نہیں خواہ اس کا پہلا نکاح ہو یا دوسرا نکاح ہو۔

۲۔ مسئلہ: اگر نابالغہ کا نکاح ولی نے غیر کفو سے کر دیا، سو اگر باپ دادا نے کسی ضروری مصلحت سے کیا ہے تو صحیح ہے، بشرطیکہ ظاہراً کوئی امر خلاف مصلحت نہ ہو، ورنہ صحیح نہ ہوا اور اگر باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نکاح کیا ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ بالکل جائز نہ ہوگا۔

۳۔ مسئلہ: بالغہ کا نکاح بلا اجازت اس کے جائز نہیں۔ پس اگر یہ اس کا دوسرا نکاح ہوتا ہے تب تو زبان سے اجازت لینی چاہئے اور اگر پہلا نکاح ہے تو اگر

اجازت لینے والا ولی ہے تب تو دریافت کرنے کے وقت اس کا خاموش ہوجانا ہی اجازت ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص ہے تو اس کا زبان سے کہنا ضروری ہے بدون اس کے اجازت معتبر نہ ہوگی۔

۴۔ مسئلہ: بالغہ اگر بلا اجازت ولی کے خود اپنا نکاح کرلے، کفو میں تو جائز ہے اور غیر کفو میں فتویٰ یہی ہے کہ بالکل جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی عورت کا کوئی ولی ہی نہ ہو، اور اگر ولی اس کی کارروائی پر رضامند ہو تو غیر کفو میں جائز ہوگا۔

۵۔ مسئلہ: اگر ولی نے بالغہ کا نکاح بلا اس کی اجازت کے کردیا اور بعد میں وہ سن کر خاموش ہوگئی۔ اب نکاح صحیح ہوگیا اور اگر غیر ولی نے ابتداء اجازت لی تھی مگر وہ خاموش ہوگئی تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا، لیکن اگر صحبت کے وقت اس کی ناراضی ظاہر نہ ہوئی تو وہ نکاح اب صحیح ہوجائے گا۔

۶۔ مسئلہ: ایجاب وقبول کے الفاظ ایسی بلند آواز سے کہنے چاہئیں کہ گواہ اچھی طرح سن لیں۔

۷۔ مسئلہ: ولی سب سے اول باپ ہے، پھر دادا، پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی۔ پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے پھر حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر چچازاد بھائی۔ اسی ترتیب سے اور عصبات بترتیب فرائض کے، جب کوئی عصبہ نہ ہو تو ماں، پھر دادی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر اخیافی بہن بھائی، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بہن، پھر اور ذوی الارحام۔

۸۔ مسئلہ: ولی کے قریب ہوتے ہوئے ولی بعید کو ولایت نہیں پہنچتی۔

۹۔ مسئلہ: طلاق تین طرح پر ہے، رجعی، بائن (۱)، مغلظ۔ رجعی میں عدت کے اندر اگر شوہر نے رجوع کرلیا تو نکاح باقی رہے گا، دوسرے سے نکاح جائز نہیں۔ اگر عدت کے اندر رجعت نہ کی تو نکاح جاتا رہے گا۔ بعد عدت کے اس عورت کا دوسرے

(۱) طلاق بائن میں اسی شوہر سے عدت میں اور بعد عدت ہر وقت نکاح جائز ہے۔

شخص سے نکاح جائز ہے اور مغلظ میں رجوع جائز نہیں ہے۔ مگر عدت کے اندر دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں۔ البتہ بعد عدت جائز ہے۔

۱۰۔ مسئلہ: عدت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بی بی شوہر کے پاس نہیں بھیجی گئی اور شوہر نے طلاق دے دی تو عدت بالکل واجب نہیں، اور اگر شوہر کے پاس بھیجی گئی ہے سو اگر ابھی اس کو حیض شروع نہیں ہوا یا عمر زیادہ ہونے سے حیض بند ہو گیا اور اس کو طلاق دی گئی ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر اس کو حیض آتا ہے تو تین حیض ہے، اور اگر اس کو حمل ہے تو عدت اس کی یہ ہے کہ بچہ پیدا ہو جائے اور اگر شوہر مر گیا ہے تو اس وقت سب کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔ مگر حمل والی کی عدت یہاں بھی بچہ کا پیدا ہونا ہے۔

غرض جس عورت کی جو عدت ہو اس کے اندر دوسرا نکاح جائز نہیں۔ جو عورت کافر مسلمان ہو جائے، اور اس کا خاوند مسلمان نہ ہو تو اس کا حکم مثل طلاق کے ہے۔ اس میں بھی عدت واجب ہے۔ جب تک تین حیض اس وقت سے نہ آ جائیں یا اگر حمل والی ہو تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے کسی شخص سے اس کا نکاح جائز نہیں۔ اس کا اکثر لوگ احتیاط نہیں کرتے۔

۱۱۔ مسئلہ: نکاح کے وقت یہ بھی تحقیق کر لینا ضروری ہے کہ ناکح منکوحہ میں علاقہ حرمت نسبی یا رضاعی کا تو نہیں۔

حجاب کے مسائل

۱۔ مسئلہ مرد کو ناف سے زانو کے نیچے تک بدن ڈھانکنا فرض ہے۔ مردوں سے اور عورتوں سے بھی۔ بجز اپنی بی بی کے اس سے کوئی عضو ڈھانکنا ضروری نہیں۔ گو بلا ضرورت بدن دکھانا خلاف اولیٰ ہے۔

۲۔ مسئلہ: عورت کو عورت کے روبرو بھی ناف سے نیچے زانو تک بدن کھولنا جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں جو نہاتے وقت دوسری عورت کے روبرو ننگی بیٹھ جاتی ہیں، یہ بالکل گناہ ہے۔

۳۔ مسئلہ: عورت کو اپنے محرم شرعی کے روبرو ناف سے زانو تک اور کمر اور شکم کھولنا حرام ہے، باقی سر اور چہرہ اور بازو اور پنڈلی کھولنا گناہ نہیں۔ گو بعض اعضاء کا بلا ضرورت ظاہر کرنا مناسب بھی نہیں، اور محرم شرعی وہ ہے جس سے عمر بھر کسی طرح نکاح صحیح ہونے کا احتمال نہ ہو۔ مثلاً:

باپ، بیٹا، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی یعنی باپ دونوں کا ایک ہو اور ماں دو ہوں یا اخیافی بھائی، یعنی ماں ایک ہو اور باپ دو ہوں۔ یا ان بھائیوں کی اولاد یا انہیں تین طرح کی بہنوں کی اولاد مثل ان کے جس جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو اور جس سے عمر میں کبھی نکاح صحیح ہونے کا احتمال ہو وہ شرعاً محرم نہیں بلکہ نامحرم ہے اور جو حکم شریعت میں محض اجنبی اور غیر آدمی کا ہے وہی ان کا ہے۔ گو کسی قسم کا رشتہ قرابت کا رکھتا ہو۔ جیسے چچا کا یا پھوپھی کا، بیٹا یا ماموں کا یا خالہ کا بیٹا یا دیور یا بہنوئی یا نندوئی وغیرہم یہ سب نامحرم ہیں ان سے وہی پرہیز ہے جو نامحرم سے ہوتا ہے۔ چونکہ (۱) ایسے موقعوں پر فتنہ کا واقع ہونا سہل ہے اس لئے اور زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔

۴۔ مسئلہ: علماء نے فساد زمانہ کو دیکھ کر بعض محرموں کو مثل نامحرموں کے قرار دیا ہے۔ بوجہ انتقام و احتیاط کے جیسے جوان خسر اور جوان عورت کا داماد اور شوہر کا بیٹا اور اس کی دوسری بی بی اور دودھ شریک بھائی وغیرہم اہل تجربہ کو معلوم ہے جو کچھ ایسے علاقوں میں فتنہ وفساد واقع ہو رہے ہیں۔

۵۔ مسئلہ جو شرعاً نامحرم ہو اس کے روبرو سر اور بازو اور پنڈلی وغیرہ بھی کھولنا حرام

(۱) چونکہ ایسے لوگوں سے فتنہ کا واقع ہونا آسان ہے اس وجہ سے ان لوگوں سے خاص احتیاط رکھی جائے۔ یعنی زیادہ خلاملانہ کیا جائے۔۱۲

ہے اور اگر بہت ہی مجبوری ہو مثلاً عورت کو ضروری کاروبار کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے یا کوئی رشتہ دار کثرت سے گھر میں آتا جاتا رہتا ہے اور گھر میں تنگی ہے کہ ہر وقت کا پردہ نبھ نہیں سکتا، ایسی حالت میں جائز ہے کہ اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی کے جوڑ تک، دونوں پاؤں کے ٹخنے کے نیچے تک کھولے رکھے اور اس کے علاوہ اور کسی بدن کا کھولنا جائز نہ ہوگا۔ پس ایسی عورتوں کو لازم ہے کہ سر کو خوب ڈھانکیں، کرتہ بڑی آستین کا پہنیں، پاجامہ غرارہ دار نہ پہنیں اور کلائی اور ٹخنے نہ کھلنے پائیں، کوئی مجبوری نہ ہو تو ایسا بھی ظاہر نہ کریں بلکہ گھر میں بیٹھیں اور بضرورت شرعی یا طبعی نکلیں تو برقعہ پہنیں، جیسے شرفاء میں معمول ہے۔ گونا عاقبت اندیش اس پردہ کو بھی اڑانا چاہتے ہیں اور اس کو خلاف شرع بتاتے ہیں۔ مگر واقع میں شرعاً وعقلاً یہ مامور بہ ہے، چنانچہ تفصیل مسئلہ پردہ کی بوجہ احسن رسالہ لطائف رشیدیہ مصنف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے لکھی ہے اور اس میں یہ مسئلہ نہایت بسط و وضاحت سے مذکور ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

۶۔ مسئلہ: جس عضو کا ظاہر کرنا جائز نہیں، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس کو مطلقاً دیکھنا حرام ہے۔ گو شہوت بالکل نہ ہو اور جس عضو کا ظاہر کرنا اور نظر کرنا جائز ہے اس میں یہ قید ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اگر ذرا شک بھی ہو تو دیکھنا اس وقت حرام ہے۔ اب یہاں سے سمجھئے کہ عجوزۂ (۱) ضعیفہ جس کی طرف اصلاً احتمال رغبت کا نہ ہو، تو اس کا چہرہ تو دیکھنا جائز ہوگا، مگر سر اور بازو وغیرہ دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ ایسی عورتیں گھروں میں اس کی احتیاط نہیں کرتیں۔ اپنے اپنے نامحرم رشتہ داروں کے روبرو ننگے سر بے آستین کرتہ پہنے بیٹھی رہتی ہیں اور خود بھی گناہ گار ہوتی ہیں اور مردوں کو بھی گناہ گار کرتی ہیں۔

۷۔ مسئلہ: جس عضو کا دیکھنا حرام ہے اگر معالجہ کی ضرورت سے دیکھا جائے تو

(۱) بڑھیا عورت۔

جائز ہے بشرطیکہ نظر اس سے نہ بڑھائے۔

۸۔ مسئلہ: جو شخص شرعاً نامحرم ہے اس کا اور عورت کا تنہا مکان میں ہونا حرام ہے۔ اسی طرح اگر تنہائی نہ ہو بلکہ دوسری عورت موجود ہو مگر وہ بھی نامحرم تب بھی مرد کا اس مکان میں ہونا جائز نہیں۔ البتہ اگر عورت کا کوئی محرم یا شوہر یا اس مرد کی کوئی محرم عورت یا زوجہ بھی اس مکان میں ہو تو مضائقہ نہیں۔

۹۔ مسئلہ: جس عضو کا دیکھنا جائز ہے اور چھونے میں اندیشہ شہوت کا ہے، تو دیکھنا جائز ہوگا اور چھونا حرام ہوگا، البتہ ضرورت علاج معالجہ کی مستثنیٰ ہے۔ لیکن حتی المقدور اپنے خیال کو ادھر ادھر بانٹ دے، دل میں خیال فاسد نہ آنے دے۔

۱۰۔ مسئلہ: اگر قابلہ (۱) یعنی بچہ جنانے والی کافر ہو، زچہ کو اس کے روبرو جس قدر بدن کھولنے کی ضرورت ہے اس کا کھولنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اس ملک کی عورتیں اکثر مہترانیوں کے یا مالنوں کے آنے جانے میں اس کی احتیاط نہیں کرتیں۔

۱۱۔ مسئلہ: اگر قابلہ یعنی بچہ جنانے والی کافر نہ ہو، زچہ کو اس کے روبرو جس قدر بدن کھولنے کی ضرورت ہے اس کا کھولنا تو جائز ہے باقی سر اور بازو کھولنا ناجائز ہے۔

۱۲۔ مسئلہ: نامحرم مرد و عورت میں باہم ہمکلامی بھی بلا ضرورت ممنوع ہے اور ضرورت میں بھی فضول باتیں نہ کرے، نہ ہنسے نہ مذاق کی کوئی بات کرے، نہ اپنے لہجہ کو کم کر کے گفتگو کرے۔

۱۳۔ مسئلہ: گانے کی آواز مرد کی عورت کو یا عورت کی مرد کو سننا دونوں ممنوع ہیں۔ اس سے معلوم ہوا یہ جو بعض جگہ عادت ہے کہ بعضے رسمی واعظ مناجات یا قصیدہ آواز بنا کر عورتوں کو سناتے ہیں، یہ بہت برا ہے

۱۴۔ فقہاء نے نامحرم جوان عورت کو سلام کرنے یا سلام لینے سے منع کیا ہے۔

۱۵۔ مسئلہ: مرد کا جھوٹا کھانا پینا نامحرمہ کو اور عورت کا جھوٹا نامحرم مرد کو جب کہ

(۱) دائی ۱۲

احتمال التذاذ کا ہو مکروہ ہے۔

۱۶۔ مسئلہ: اگر نامحرم کا لباس وغیرہ دیکھ کر طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہو، اس کو بھی دیکھنا حرام ہے۔

۱۷۔ مسئلہ: جو لڑکی نابالغ ہو مگر اس کی طرف مرد کو رغبت ہوتی ہو اس کا حکم مثل عورت بالغہ(۱) کے ہے۔

۱۸۔ مسئلہ: جس طرح بری نیت سے نامحرم کی طرف نظر کرنا، اس کی آواز سننا، اس سے بولنا، اس کو چھونا حرام ہے، اسی طرح اس کا خیال دل میں جمانا اور اس سے لذت لینا بھی حرام ہے اور یہ قلب کا زنا ہے۔

۱۹۔ مسئلہ: اسی طرح نامحرم کا ذکر کرنا یا ذکر سننا یا اس کا فوٹو دیکھنا یا اس سے خط و کتابت کرنا، غرض جس ذریعہ سے خیالات فاسد پیدا ہوتے ہوں یہ سب حرام ہیں۔

۲۰۔ مسئلہ: جس طرح مرد کو اجازت نہیں کہ نامحرم عورت کو بلاضرورت دیکھے بھالے، اسی طرح عورت کو بھی جائز نہیں کہ بلاضرورت نامحرم کو جھانکے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو عورتوں کی عادت ہے کہ دولہا کو یا برات کو جھانک جھانک کر دیکھتی ہیں یہ بری بات ہے۔

۲۱۔ مسئلہ: ایسا باریک کپڑا پہننا جس میں بدن جھلکتا ہو، مثل برہنہ ہونے کے ہے۔ حدیث میں ایسے کپڑے کی مذمت آئی ہے۔

۲۲۔ مسئلہ: مرد کو غیر عورت سے بدن دبوانا جائز نہیں۔

۲۳۔ مسئلہ: بجتا ہوا زیور جس کی آواز نامحرم کے کان میں جائے یا ایسی خوشبو جس کی مہک غیر محرم کے دماغ تک پہنچے، استعمال کرنا عورتوں کو جائز نہیں...... یہ بھی بے پردگی میں داخل ہے اور جو زیور خود بجتا ہو، مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہو، ایسے زیور میں یہ احتیاط واجب ہے کہ پاؤں زمین پر آہستہ رکھے تاکہ افشا نہ ہو۔

---

(۱) یعنی پردہ کرے۔۱۲

۲۴۔مسئلہ: چھوٹی لڑکی کو بھی بجتا زیور نہ پہنائے۔

۲۵۔مسئلہ: پیر بھی اگر نامحرم ہو تو مثل دوسرے نامحرم مردوں کے ہے، اس کے روبرو بلا حجاب آجانا برا ہے، البتہ اگر وہ بہت بوڑھا ہو مریدنی بہت بڑھیا ہو تو صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں ٹخنے سے نیچے کھول دینا جائز ہے، مگر باقی اعضاء دکھلانا یا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔

۲۶۔مسئلہ: جس عضو کو حیات میں دیکھنا جائز نہیں، بعد موت کے بھی جائز نہیں، اور اسی طرح بدن سے جدا ہونے کے وقت بھی جائز نہیں۔ اسی طرح زیر ناف بالوں کو یا عورت کے سر کے بالوں کو بھی اترنے یا ٹوٹنے کے بعد دیکھنا مرد کو جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں جو کنگھی کر کے بالوں کو ویسے ہی پھینک دیتی ہیں کہ عام طور سے سب کی نگاہ سے گزرتے ہیں، یہ جائز نہیں۔

۲۷۔مسئلہ: ہیجڑا یا خواجہ سرا یا عنین سب کا حکم مثل نامحرم مرد کے ہے۔ اسی کی احتیاط ان سے لازم ہے۔

۲۸۔مسئلہ: امرد یعنی بے ریش لڑکا بعض احکام میں اجنبی عورت کے ہے۔ یعنی وقت اندیشہ شہوت کے اس کی طرف دیکھنا، اس سے مصافحہ یا معانقہ کرنا، اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنا، اس کا گانا سننا یا اس کے موجود ہوتے ہوئے گانا سننا یا اس سے بدن دبوانا اس سے بہت پیار و اخلاص کی باتیں کرنا، یہ سب حرام ہے۔

۲۹۔مسئلہ: عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سفر میں نماز قضا کرنا جائز نہیں، اور نہ بیل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ برقعہ یا چادر پہن کر نیچے اتر کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے۔ برقعہ کا پردہ ایسے وقت پر کافی ہے۔

۳۰۔مسئلہ: سفر میں اگر کوئی مرد محرم ہمراہ نہ ہو تو عورت کو سفر کرنا حرام (۱) ہے۔

۳۱۔مسئلہ: عورت کو مساجد یا مقابر پر جانا مکروہ ہے۔ البتہ بہت بڑھیا کو مسجد

(۱) اگرچہ حج کا ہی سفر کیوں نہ ہو، یعنی بغیر محرم کے حج کا سفر بھی تنہا صحیح نہیں ہے۔

میں حاضر ہونا جائز ہے۔

۳۲۔ مسئلہ: بعضے لوگ جوان لڑکیوں کو اندھے یا بینا مردوں سے پڑھواتے ہیں، یہ بالکل خلاف شریعت ہے۔

ساتویں فصل

منجملہ ان رسوم کے بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو عار سمجھنا ہے۔ جس میں مسلمانان ہند اور شرفاء خصوصاً مبتلا ہیں۔ شرعاً وعقلاً جیسا نکاح اول ویسا نکاح ثانی۔ دونوں میں فرق سمجھنا محض بے وجہ ہے۔ صرف کفار ہند کے اختلاط سے اور کچھ جائیداد کی محبت سے یہ خیال فاسد جم گیا ہے جس کو بناء الفاسد کہنا زیبا ہے۔ مقتضائے ایمان اور عقل یہ ہے کہ جس طرح نکاح اول بے روک ٹوک کر دیتے ہیں اسی طرح نکاح ثانی بھی کر دیا کریں۔

اگر نکاح ثانی سے دل تنگ ہوتا ہے تو نکاح اول سے کیوں نہیں ہوتا، بلکہ اس کو عیب سمجھنے میں خوف کفر ہے کہ حکم شرعی کو باعث توہین وتحقیر سمجھتا ہے۔ ترویج نکاح ثانی میں کیوں کوشش کرتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ بعض حالات میں نکاح ثانی بھی مثل نکاح اول کے فرض ہے۔ مثلاً عورت جوان ہے، قرائن سے طبیعت میں تقاضا معلوم ہوتا ہے۔

تجرد میں اندیشہ فساد ہے یا نان ونفقہ کی تنگی ہے اور افلاس میں آبرو اور دین کے ضائع ہونے کا احتمال ہے تو بے شک ایسی عورت کا نکاح ثانی کرنا فرض ہوگا، اور اگر ایسی نہ بھی ہو تب بھی چونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جس عمل سے دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے اور اس کو موجب عار وننگ سمجھنے لگے ہیں، تاوقتیکہ اس عمل کو عام طور پر شائع نہ کیا جائے وہ تنگی دل سے نہیں نکلتی۔

اس لئے اصل مقصود علماء کا تو یہی ہے کہ اس کو عیب نہ سمجھیں مگر چونکہ یہ موقوف ہے اس کے عمل میں لانے پر اس لئے ترویج عملی میں کوشش کرنا ضروری جانتے ہیں اور واقع میں بھی ضروری ہے۔

آٹھویں فصل

منجملہ ان رسوم کے طالب علموں کا بڑے بڑے عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے باوجود ضائع ہونے دین کے انگریزی پڑھنا یا معقول و فلسفہ میں دینیات سے زیادہ توغل (۱) وانہماک (۲) کرنا ہے۔ چونکہ ان دونوں چیزوں کا ضرر ہونا تجربہ و مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے، اس لئے داخل وعید قرآنی ہو کر واجب المنع ٹھہریں گے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَالَايَضُرُّهُمْ وَلَايَنْفَعُهُمْ۔

ہر چند کہ مصلان انگریزی یہ کہتے ہیں کہ انگریزی ایک زبان ہے، اس میں کیا برائی ہے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے غایت مافی الباب خود اس کی اباحت ذاتی ثابت ہوتی ہے اور بس۔ لیکن مباح جب ذریعہ معصیت کا ہو جائے یا بہ نیت ارتکاب معصیت کے اس کو اختیار کیا جائے تب تو مباح معصیت ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

چلنا فی نفسہ مباح ہے، مگر جب بہ نیت چوری کرنے کے چلے عقلاً ونقلاً اس وقت یہ چلنا ضرور حرام ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ یہ جو بڑے بڑے پاس حاصل کئے جاتے ہیں ان سے بجز اس کے کہ بڑے بڑے عہدے اور منصب جو بالکل خلاف شرع ہیں حاصل کئے جائیں، اور کوئی بھی غرض نہیں۔ جب وہ معصیت ہیں تو کوئی بھی زبان جب اس کا ذریعہ بنایا جائے کیونکر معصیت نہ ہوگی۔ تو اگر اس میں اور مفاسد بھی نہ ہوتے جو کہ غالب الوقوع ہیں، جیسے کہ دین کی پرواہ نہ رہنا، عقائد میں

(۱) مشغول رہنا۔ (۲) کسی کام میں انتہائی کوشش کرنا۔

فساد آ جانا، نخوت وترفع (۱) وتکبر وطول امل کا پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ، اور دینیات کا ہر طرح سے پابند رہنا اور علم وعمل دونوں درست رہتے ہیں، تب بھی بوجہ نیت مذکورہ کے اس کی تحصیل حرام ہوتی ہے اور جب سب جمع ہو جائیں، تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔

البتہ اگر اپنی کارروائی روزمرہ کے لئے پڑھے یا ضرورت دینیہ کے لئے پڑھے اس وقت یہ وجہ حرمت کی نہ رہیں گی، مگر اس میں کسی پاس وغیرہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف استعداد کافی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے تو اس کے صدق وکذب کا معیار وامتحان یہی ہے کہ اگر پاس حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے تو سچا ہے ورنہ جھوٹا۔

اسی طرح معقولات کے توغل سے اکثر فساد عقیدہ اور نخوت وکبر وعدم مبالاۃ فی الدین وغیرہ یہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس عارض کی وجہ سے کہ مثل لازم ہے وہ بھی حرام ہوگا۔ اگر یہ امور بھی نہ ہوں تو اکثر نیت اس کی تحصیل مباہات (۲) وحصول جاہ ہوا کرتا ہے کہ کوئی شخص ناقص التحصیل سمجھ کر حقیر نہ جانے تو اس حالت میں ذریعہ معصیت ہونے سے معصیت ہو جائے گا، البتہ اگر ان سب غوائل سے پاک ہو تو مضائقہ نہیں، مگر قدر ضروری پر اکتفا کرنا واجب ہوگا۔

نویں فصل

منجملہ ان رسوم کے بعض مصنفین اور اہل مطابع کا حق تالیف یا تحشیہ بیچنا یا خریدنا اور رجسٹری کرانا ہے۔ چونکہ حق محض شرعاً مملوک نہیں، جیسا کہ اہل حدیث وفقہ پر ظاہر ہے۔

اس لئے اس میں کوئی تصرف مالکانہ کرنا اور دوسروں کو اس سے منتفع (۳) ہونے

(۱) بڑائی کا جذبہ۔ (۲) فخر ۱۲۔ (۳) نفع اٹھانے سے ۱۲

سے روکنا، سب حرام اور معصیت ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ مت کھاؤ اپنے مالوں کو اپنے آپس میں غیر مشروع طریقہ سے۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے اکثر تاجروں اور ثقہ لوگوں کا بلکہ بعض اہل علم و اہل فقر کا کھیل تماشوں کے مجمع میں تفریح کے لئے چلا جانا ہے۔ مثلاً گھوڑ دوڑ، اکھاڑہ، کشتی، نمائش گاہ و میلہ ہنود یا تھیٹر وغیرہ چونکہ ایسے مجمعوں میں اکثر امور خلاف شرع واقع ہوتے ہیں۔

ڈھول نقارہ وغیرہ سے خالی نہیں ہوتے، بازاری عورتوں کی آمد و رفت سے پاک نہیں ہوتے، گھوڑ دوڑ میں قمار بھی ہوتا ہے۔ کشتی میں گھٹنا، ران پہلوانوں کے کھلے ہوتے ہیں۔ میلہ کفار میں تو کفریات کا اجتماع محتاج بیان نہیں۔ اس لئے ایسے مجمعوں میں جانا معاصی و کفریات کی تائید اور ترویج کرنا اور مجمع فسق و کفر بڑھانا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص بڑھائے مجمع کسی قوم کا وہ انہیں میں سے ہے۔ حتیٰ کہ رسول مقبول ﷺ نے صحابہؓ کو لب سڑک بیٹھک مقرر کرنے سے منع فرمایا تھا۔ کیونکہ ایسے مواقع میں آدمی معصیت سے بچ نہیں سکتا۔

اسی طرح قرب قیامت میں ایک لشکر کے دھنسنے کی حضور ﷺ نے خبر سنائی جو خانہ کعبہ کی اہانت کے لئے آتا ہوگا۔ حضرت ام سلمہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان میں تو دوکان دار لوگ بھی ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت سب دھنس جائیں گے۔

تاجرو! شاید تم ضرورت کا عذر کرو۔ تو یہ حدیث سن لو اور اللہ خیر الرازقین آیت قرآنی پڑھ کر اپنی تسلی کر لو۔

تیسرا باب

پہلی فصل

منجملہ ان رسوم کے مولود شریف کی محفل ہے، اس کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا جدا حکم ہے۔

پہلی صورت

محفل جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ سب قیود سے مطلق ہو۔ مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے۔ کسی نے ان کو اہتمام کر کے نہیں بلایا یا کسی اور مباح ضرورت سے بلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پرنور سرور عالم فخر بنی آدم ﷺ کے حالات ولادت شریفہ و دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مبارک صحیح صحیح روایات سے بیان کر دیا گیا، اور اثنائے بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جائے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا یا اصل میں اجتماع استماع وعظ و احکام کے لئے ہو اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ و فضائل کا بیان بھی آ گیا۔ یہ وہ صورت ہے کہ بلا نکیر جائز بلکہ مستحب و سنت ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے اپنے حالات و کمالات اسی طریق سے بیان فرمائے ہیں،

اور آگے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو روایت کیا، جس کا سلسلہ محدثین میں آج تک بفضلہ تعالیٰ جاری ہے اور تا بقائے دین رہے گا۔

دوسری صورت

وہ محفل جس میں قیود غیر مشروعہ موجود ہوں، جو کہ اپنی ذات میں بھی قبیح و معصیت ہیں۔ مثلاً: روایات موضوعہ خلاف واقعہ بیان کی جائیں۔ یا خوشرو، خوش الحان لڑکے اس میں غزل خوانی کریں یا رشوت یا سود وغیرہ کا حرام مال اس میں خرچ کیا جائے یا حد ضرورت سے زیادہ اس میں روشنی فرش و آرائش مکان وغیرہ کا تکلف کیا جائے، یا لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام بہت مبالغہ سے کیا جائے کہ اس قدر اہتمام نماز و جماعت و وعظ کے لئے بھی نہ ہوتا ہو یا نثر و نظم میں حضرت حق تعالیٰ شانہ یا حضرات انبیاء علیہم السلام کی توہین و گستاخی صراحۃً یا اشارۃً کی جائے یا اس مجمع میں جانے سے نماز یا جماعت فوت ہو جائے، یا وقت تنگ ہو جائے یا اس کا قوی احتمال ہو، یا بانی مجلس کی نیت شہرت و تفاخر کی ہو، یا رسول مقبول ﷺ کو وہاں حاضر و ناظر جانا جائے یا کوئی اور امر اسی قسم کا خلاف شرع اس میں پایا جائے۔ یہ وہ صورت ہے جو اکثر عوام و جہلاء میں شائع و ذائع ہے اور شرعاً بالکل ناجائز و گناہ ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص نے جھوٹ بولا مجھ پر جان کر پس اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لینا چاہئے اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آدمی کو جھوٹ بولنے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو سنا کرے اس کو بیان کر دیا کرے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ روایات کو بیان کرنے میں بڑی احتیاط کرنا چاہئے، بدون علم و تحقیق کے بیان کرنا گناہ ہے۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی

غلط امر کو منسوب کرنا سخت ہی وبال ہے اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ گانا جماتا ہے نفاق کو قلب میں جس طرح جماتا ہے پانی زراعت کو۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔ اس حدیث سے گانے کی مذمت معلوم ہوئی۔ بالخصوص جہاں احتمال فتنہ کا ہو، جیسے کہ خوشرو عورت کا گانا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، نہیں قبول کرتا، مگر پاک حلال مال کو، اور اسی روایت میں ہے کہ ایک شخص بڑا سفر دراز کرے اور اس کے بال بھی پریشان ہیں اور بدن ولباس بھی میلا ہے، اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا بڑھا کر یارب یارب کرتا ہے (یعنی تمام سامان قبولیت دعا کے بظاہر مجتمع ہیں) مگر ساتھ ہی اس کے یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام اور پانی حرام اور لباس حرام اور حرام ہی سے غذا دی گئی۔ پس ایسے شخص کی دعا کب قبول ہو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کیسے خلوص سے کوئی عبادت کرے مگر حرام مال سے سب اکارت ہو جاتا ہے بلکہ حرام مال لگانے کا گناہ اس کے اوپر جو رہتا ہے وہ جدا۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تم اسراف مت کرو اور فرمایا کہ بے شک فضول اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گذار ہے۔ جس صرفہ میں کوئی مشروع غرض نہ ہو، وہ سب اس میں داخل ہو گیا۔ خواہ روشنی ہو یا اور تکلفات ہوں، لباس ووضع غیر مشروع کے باب میں جو حدیثیں آئی ہیں باب اول میں مذکور ہو چکی ہیں، حاجت اعادہ کی نہیں۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قسم اس ذات کی کہ جان میری اس کے قبضہ میں ہے کہ تم لوگ یا تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو، نہیں تو عنقریب بھیجے گا اللہ تعالیٰ عذاب تم پر اپنے پاس سے پھر تمہاری یہ حالت مردودیت کی ہو جائے گی کہ تم اس سے دعا کرو گے اور قبول نہ ہو گی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کسی ختنہ میں بلائے گئے، آپ نے انکار فرمادیا، کسی نے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہم لوگ ختنہ میں نہیں جاتے تھے، اور نہ اس کے لئے بلائے جاتے تھے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کام کے لئے لوگوں کو بلانا سنت سے ثابت نہیں، اس کے لئے بلانے کو صحابیؓ نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ بلانا دلیل ہے اہتمام کی، تو شریعت نے جس امر کا اہتمام نہیں کیا، اس کا اہتمام کرنا دین میں ایجاد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ نے لوگوں کو جب مسجد میں چاشت کی نماز کے لئے مجتمع دیکھا تو براہ انکار اس کو بدعت فرمایا اور اسی بناء پر فقہاء نے جماعت نافلہ کو مکروہ کہا ہے اور حضرت حق تعالیٰ اور انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی گستاخی کا مذموم و کفر ہونا محتاج بیان نہیں۔ کون مسلمان اس کا منکر ہے، گو بہت سے جاہل شاعر اس میں مبتلا ہیں۔ نہ ایسے اشعار کا تصنیف کرنا جائز نہ ان کا پڑھنا، سننا جائز، اسی طرح نماز باجماعت یا وقت کا ضائع کرنا ظاہر ہے کہ حرام ہے، اور جو ذریعہ گناہ کا ہو وہ بھی گناہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں عشاء کے بعد باتیں کرنے سے ممانعت آئی ہے اور اس کی وجہ شراح حدیث نے یہی لکھی ہے کہ اس سے صبح یا تہجد کی نماز میں خلل پڑے گا۔ اسی طرح نمائش اور فخر کا حرام ہونا سب جانتے ہیں اور ذریعہ حرام کا حرام ہی ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا اور حدیث میں ہے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور حاضر ناظر ہونا موقوف ہے علم وقدرت پر چونکہ حق تعالیٰ کا علم وقدرت دونوں کامل ہیں۔ اس لئے وہ ہر زمان و مکان میں حاضر و ناظر ہیں۔ یہ اعتقاد حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ یا انبیاء اور اولیاء کے ساتھ کرنا اگر اس بناء پر ہے کہ آپ کے لئے علم وقدرت ذاتی ثابت کرتا ہے جیسا کہ بعض جہلاء کا عقیدہ ہے تب تو یہ شرک ہے۔ گو اللہ تعالیٰ

سے کم ہی سمجھتا ہو۔ کیونکہ مشرکین عرب بہ نص قرآن مشرک ہیں اور یہ بھی قرآن ہی سے ثابت ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، اور اگر یوں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اطلاع اور اذن دیتا ہے، تو شرک تو نہیں ہے مگر بلا حجت شرعیہ گناہ ضرور ہے۔ اس لئے کہ جھوٹ سب جانتے ہیں کہ حرام ہے اور جھوٹ جیسا زبان سے ہوتا ہے دل سے بھی ہوتا ہے۔ مگر اصل تو دل ہی میں ہوتا ہے، وہاں سے زبان پر آتا ہے۔ حتیٰ کہ بدگمانی کہ محض فعل قلب ہے۔ اس کی نسبت حق تعالیٰ نے ان بعض الظن اثم فرمایا ہے اور حدیث میں فان الظن اکذب الحدیث آیا ہے۔

غرض کہ ان امور ناجائز سے وہ مجلس بھی ناجائز ہو جاتی ہے اور اس میں شرکت درست نہیں ہوتی۔ اور آج کل اکثر ایسی ہی مجلسیں ہوتی ہیں کہ ان میں اگر کل امور ناجائز نہیں ہوتے تو بعض تو غالباً ضرور ہوتے ہیں اور مجلس کے ناجائز ہونے کے لئے ایک ناجائز بھی کافی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

تیسری صورت

وہ محفل جس میں نہ تو پہلی صورت کا سا اطلاق و بے تکلفی ہو اور نہ دوسری صورت کی طرح اس میں قیود حرام ہوں، بلکہ قیود تو ہوں مگر ایسے قیود ہوں جو خود اپنی ذات میں مباح وحلال ہیں۔ یعنی روایات بھی صحیح ومعتبر ہوں، بیان کرنے والا بھی ثقہ دیندار ہو، اور محل شہوت بھی نہ ہو، مال بھی اس میں حلال وطیب صرف کیا جائے، آرائش وزیبائش بھی حد اسراف تک نہ ہو، حاضرین محفل کا لباس ووضع موافق شرع کے ہو اور جو اتفاقاً کوئی خلاف شرع ہیئت سے حاضر ہو جائے تو بیان کرنے والا بشرط قدرت امر بالمعروف سے دریغ نہ کرے۔ اسی طرح حسب موقع اور ضروری احکام بھی بیان کرتا جائے، اگر کچھ نظم ہو تو قواعد موسیقی سے نہ ہو، مضمون اس کا حد شرع سے

متجاوز نہ ہو، لوگوں کو بلانے اور اطلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو، کسی ضروری عبادت میں اس مجمع میں حاضر ہونے سے خلل نہ پڑے، بانی کی نیت بھی خالص ہو، محض امید برکت ومحبت سرور عالم ﷺ اس کا باعث ہو، اور اگر صیغہ ندا کسی کلام میں ہو تو قرائن قویہ سے اعتماد کامل ہو کہ حاضرین کم فہم نہیں جو آپ ﷺ کو حاضر و ناظر و عالم الغیب سمجھیں گے اور بھی جمیع منکرات سے پاک ہو۔ مگر اس میں یہ امور بھی ہیں، شیرینی و قیام وفرش ومنبر وبخور وعطر اور مثل اس کے جو اپنی ذات میں خلاف شرع نہیں۔ یہ وہ محفل ہے جو نہایت احتیاط والوں میں شاید کہیں شاذ ونادر پائی جاتی ہو۔ پس ایسی محفل نہ تو پہلی محفل کی طرح علی الاطلاق جائز ہے اور نہ دوسری محفل کی طرح علی الاطلاق ناجائز اور جائز ہونے میں تفصیل ہے جو عنقریب معروض ہوتی ہے۔ مگر قبل بیان اس میں تفصیل کے چند قواعد شرعیہ معروض ہوتے ہیں جو فہم (۱) تفصیل کے سمجھنے میں معین ہوں گے۔

قاعدہ اول

کسی امر غیر ضروری کو اپنے عقیدہ میں ضروری اور مؤکد سمجھ لینا یا عمل میں اس کی پابندی اصرار کے ساتھ اس طرح کرنا کہ فرائض وواجبات کی مثل یا زیادہ اس کا اہتمام ہو اور اس کے ترک کو مذموم اور تارک کو قابل ملامت وشناعت جانتا ہو، یہ دونوں امر ممنوع ہیں۔ کیونکہ اس میں حکم شرعی کو توڑ دینا ہے۔ تقیید وتعیین وتخصیص والتزام وتحدید وغیرہ اسی قاعدہ اور مسئلہ کے عنوانات وتغیرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ کی حدود سے پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ تم میں ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی نماز

---

(۱) تفصیل کے سمجھنے میں مددگار ہوں گے۔۱۲

میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے، وہ یہ کہ نماز کے بعد داہنی طرف سے پھرنے کو ضروری سمجھنے لگے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں جانب سے بھی پھرتے دیکھا ہے۔ روایت کیا ہے اس کو بخاری و مسلم نے۔ قطبی شارح مشکوٰۃ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات نکلی ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب پر اصرار کرے اور عزیمۃ اور ضروری قرار دے لے اور کبھی رخصت پر یعنی اس کی دوسری مقابل پر عمل نہ کرے تو ایسے شخص سے شیطان اپنا حصہ گمراہ کرنے کا حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا تو کیا کہنا ہے جو کسی بدعت یا امر منکر یعنی خلاف شرع عقیدہ یا عمل پر اصرار کرتا ہو۔ صاحب مجمع نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات نکلی کہ امر مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ یہ اپنے رتبہ سے بڑھ جائے گا۔ اسی بناء پر فقہاء حنفیہ نے نمازوں میں سورت مقرر کرنے کو مکروہ فرمایا ہے۔ خواہ اعتقاداً پابندی ہو، یا عملاً۔ فتح القدیر نے اس تعلیم کی تصریح کر دی ہے اور مسلم میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مت خاص کرو شب جمعہ کو شب بے داری کے ساتھ، اور شبوں میں سے اور مت خاص کرو یوم جمعہ کو روزہ کے ساتھ اور ایام میں سے، ہاں اگر اس کے کسی معمولی روزہ میں جمعہ آ ہی پڑے تو وہ اور بات ہے۔

قاعدۂ دوم

فعل مباح بلکہ مستحب بھی کبھی امر غیر مشروع کے مل جانے سے غیر مشروع و ممنوع ہو جاتا ہے۔ جیسے دعوت میں جانا مستحب بلکہ سنت ہے۔ لیکن وہاں اگر کوئی امر خلاف شرع ہو، اس وقت جانا ممنوع ہو جائے گا۔ جیسے احادیث میں آیا ہے اور ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے، اور اسی طرح نفل پڑھنا مستحب ہے مگر اوقات مکروہ میں ممنوع و گناہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر مشروع بوجہ اقتران و انضمام غیر مشروع کے غیر

مشروع ہوجاتا ہے۔

قاعدۂ سوم

چونکہ دوسرے مسلمانوں کو ضرر سے بچانا فرض ہے اس لئے اگر خواص کے کسی غیر ضروری فعل سے عوام کے عقیدہ میں خرابی پیدا ہوتی ہو تو وہ فعل خواص کے حق میں بھی مکروہ وممنوع ہوجاتا ہے۔ خواص کو چاہئے کہ وہ فعل ترک کردیں۔

حدیث شریف میں قصہ آیا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے حطیم کو بیت اللہ کے اندر داخل فرمانے کا ارادہ کیا، مگر اس خیال سے کہ جدید الاسلام (۱) لوگوں کے عقیدہ میں فتور اور قلوب میں خلجان پیدا ہوگا اور خود بنا کے اندر داخل ہونا کوئی امر ضروری تھا نہیں۔ اس لئے آپ نے اس قصہ کو ملتوی فرمادیا اور تصریحاً یہی وجہ ارشاد فرمائی۔ حالانکہ بناء کے اندر داخل فرمادینا مستحسن تھا۔ مگر ضرر عوام کے اندیشہ سے اس امر مستحسن کو ترک فرمایا اور ابن ماجہ میں حضرت ابوعبداللہ کا قول ہے کہ اہل میت کو اول روز طعام دینا سنت تھا، مگر جب لوگ اس کو رسم سمجھنے لگے پس متروک وممنوع ہوگیا۔ دیکھئے خواص نے بھی عوام کے دین کی حفاظت کے لئے اس کو ترک کردیا۔

حدیثوں میں سجدۂ شکر کا فعل مباح ہے۔ مگر فقہاء حنفیہ نے حسب قول علامہ شامیؒ اس لئے مکروہ کہا ہے کہ کہیں عوام اس کو سنت مقصودہ نہ سمجھنے لگیں اور عالم گیری میں ہے کہ یہ لوگ نمازوں کے بعد کیا کرتے ہیں، مکروہ ہے۔ اس لئے کہ جاہل لوگ اس کو سنت اور واجب سمجھنے لگیں گے اور جس فعل مباح سے یہ نوبت آجائے وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر وہ خود شرعاً ضروری ہے تو اس فعل کو ترک نہ کریں گے، اس میں جو مفاسد پیدا ہوگئے ہیں ان کی اصلاح کردی جائے گی۔ مثلاً جنازہ کے ساتھ کوئی نوحہ

(۱) نومسلم۔۱۲

کرنے والی عورت ہو تو اس امر مکروہ کے اقتران سے جنازہ کے ہمراہ جانا ترک نہ کریں گے، خود اس نوحہ کو منع کریں گے، کیونکہ وہ ضروری امر ہے۔ اس عارضی کراہت سے اس کو ترک نہ کیا جائے۔ بخلاف قبول دعوت کے کہ وہاں امر مکروہ کے اقتران سے خود دعوت کو ترک کرنا ہے کیونکہ وہ ضروری امر نہیں۔ علامہ شامی نے ان مسئلوں میں بھی فرق کیا ہے۔

قاعدہ چہارم

جس امر میں کراہت عارضی ہو اختلاف ازمنہ وامکنہ واختلاف تجربہ ومشاہدہ اہل فتویٰ سے اس کا مختلف حکم ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ ایسے امر کو ایک زمانہ میں جائز کیا جائے کیونکہ اس وقت اس میں وجوہ کراہت کی نہیں تھی اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جائے۔ اس لئے اس وقت علت کراہت کی پیدا ہوگئی یا ایک مقام پر اجازت دی جائے۔ دوسرے ملک میں منع کر دیا جائے۔ اس فرق مذکور کے سبب یا ایک وقت اور ایک موقع پر ایک مفتی جائز کہے اور اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی خرابی کیا کیا پیدا کر دی ہیں۔ دوسرے مفتی ناجائز کہے کہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہو گیا ہے تو واقع میں یہ اختلاف ظاہرہ ہے حقیقی نہیں۔ اور تعارض صوری ہے معنوی نہیں۔ حدیث وفقہ میں اس کے بے شمار نظائر مذکور ہیں۔

دیکھو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں آ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا اور صحابہؓ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرما دی۔ اسی طرح امام صاحبؒ وصاحبینؒ کے بہت سے اختلافات اسی قبیل کے ہیں۔

قاعدۂ پنجم

اگر کسی امر خلاف شرع کرنے سے کچھ فائدہ اور مصلحتیں بھی ہوں جن کا حاصل کرنا شرعاً ضروری نہ ہو یا اس کے حاصل کرنے کے اور طریقے بھی ہوں اور ایسے فائدوں کے حاصل کرنے کی نیت سے وہ فعل کیا جائے، یا ان فائدوں سے مرتب دیکھ کر عوام کو اس سے نہ روکا جائے یہ بھی جائز نہیں۔ نیک نیت سے مباح تو عبادت بن جاتا ہے اور معصیت مباح نہیں ہوتی۔ خواہ اس میں ہزار مصلحتیں اور منفعتیں ہوں، نہ اس کا ارتکاب جائز نہ اس پر سکوت کرنا جائز، اور یہ قاعدہ بہت ہی بدیہی ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے غصب و ظلم کرے کہ مال جمع کر کے محتاجوں اور مسکینوں کی امداد کریں گے تو ہرگز ہرگز غصب و ظلم جائز نہیں ہوسکتا۔ خواہ لاکھوں فائدے اس پر مرتب ہونے کی امید ہو۔ جب یہ قواعد اور مقدمات سمجھ میں آ گئے تو اب تیسری صورت کے جواز و ناجواز کی تفصیل سننا چاہئے۔ وہ یہ کہ یہ قیود مذکورہ چونکہ فی نفسہ امر مباح میں ہیں۔ اس لئے ان کی ذات میں کوئی خرابی نہیں نہ ان کی وجہ سے محفل میں کوئی دقت ان امور اور اس محفل کو اس عارض کی وجہ سے ممنوع و ناجائز کہا جائے گا اور اگر کسی قسم کی کوئی خرابی لازم نہ آئے تو وہ امور بھی بحال خود مباح رہیں گے۔

چنانچہ قاعدۂ دوم سے یہ حکم واضح ہے۔ اب دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ آیا ہمارے زمانہ میں اس مباحات کی وجہ سے کوئی خرابی لازم آ رہی ہے یا نہیں۔ اگر لازم آتی ہوئی دیکھو تو اس محفل کو منع سمجھو اور نا جائز، اور یہ امر تجربہ و مشاہدہ سے بخوبی بلاتردد معلوم ہوسکتا ہے۔ اس میں کوئی بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں، سو راقم کا جو کئی سال کا تجربہ ہے اس کی رو سے عرض کیا جاتا ہے کہ بلاشک اکثر بلکہ قریب قریب کل عوام ان

قیود کو مؤکد ضروری ولوازم مجلس سے جانتے ہیں اور مثل ضروریات دین کے بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ ان کے ساتھ عملدرآمد کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے کرنے میں جس قدر اہتمام ہوتا ہے نماز جمعہ و جماعت میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیکھا جاتا اور ان کے ترک سے جس قدر ناگواری ہوتی ہے، فرائض وواجبات کے ترک سے ہرگز ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ خود ترک کرنا تو بہت ہی بعید ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص انکار کرے تو درکنار، اگر ترک بھی کردے تو اس پر لعن طعن حد سے زیادہ ہوتا ہے۔ کفار و مبتدعین و فساق سے زیادہ اس کے مخالف اور آمادۂ ایذا رسانی و بدزبانی ہوجاتے ہیں۔ جب عوام نے اپنے اعتقاد و عمل سے ان امور کی یہاں تک نوبت پہنچادی کہ فرض واجب سے بھی زیادہ ان کی شان بڑھادی تو لاریب اس التزام واصرار کی وجہ سے یہ امر مکروہ و ممنوع ہوجائیں گے۔ جیسا کہ قاعدہ اول میں ثابت ہوچکا ہے۔ جب یہ امور ممنوع ہوئے تو ان کے ملنے سے وہ محفل بھی غیر مشروع اور ممنوع ٹھہرے گی۔ جیسا کہ قاعدۂ دوم میں بیان کیا گیا اور گو کسی خاص فہیم شخص کا یہ عقیدہ فاسد نہ ہو اور وہ ان امور کو مؤکد نہ سمجھتا ہو اور نہ تارک کو قابل ملامت ونفرت جانتا ہو۔ گو اس وقت میں ایسے لوگ عنقا صفت ہیں لیکن فرضاً اگر کوئی ہو بھی تو غایت مافی الباب وہ اپنے فساد عقیدہ و عمل کے گناہ سے بچ گیا، مگر اس کے کرنے سے اگر دوسرے فاسد الاعتقاد و فساد العمل لوگوں کو سہارا لگا، ان کے فعل کو تقویت و تائید پہنچی تو ان کے فعل مکروہ کے ترویج و تائید کے الزام سے یہ شخص کیسے بچ سکے گا۔ جیسا کہ قاعدۂ سوم میں مذکور ہوچکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں یہ مفاسد مذکورہ نہ ہوں گو اس کی توقع عوام کی حالت پر نظر کرنے سے بہت ہی بعید ہے لیکن اگر فرضاً کسی وقت یا کسی موقع پر ایسا ہو تو وہاں اجازت دی جائے گی۔ مگر اس وقت اجازت کے فعل میں بھی ضرور ہوگا کہ ان قیود کو جس طرح عقیدۂ غیر مؤکد سمجھیں اسی طرح اپنے عمل سے بھی ان کا مؤکد نہ ہونا بار بار ظاہر کرتے رہیں۔

مثلاً: کبھی شیرینی تقسیم کردیں، کبھی نقد یا غلہ یا کپڑا مساکین کو خفیہ دے دیں اور کبھی جب گنجائش نہ ہو یا محض رخصت شرعی پر عمل کرنے کے لئے کچھ بھی نہ دیا کریں، کبھی اثنائے بیان فضائل وشمائل نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں اگر شوق و جذبہ غالب ہو جائے کھڑے ہو جائیں، پھر اس میں کسی خاص موقع کی تعین کی کوئی وجہ نہیں۔

جب کیفیت غالب ہو خواہ اول میں یا وسط میں یا آخر میں اور خواہ تمام بیان میں ایک بار یا دو بار یا چار بار اور جب یہ غلبہ نہ ہو بیٹھے رہا کریں، کبھی باوجود غلبہ کے اسی طرح ضبط کر کے بیٹھے رہیں اور نہ محفل مولود کی تخصیص کریں، اور اگر اور موقع پر بھی حضور ﷺ کے ذکر سے غلبہ وشوق ہو وہاں بھی گاہ گاہ کھڑے ہو جایا کریں۔ علیٰ ہذا القیاس سب قیود مباحہ کے ساتھ یہی عمل رکھیں تو اس طرح کی محفل گو سلف صالحین سے منقول نہیں۔ مگر بوجہ مخالف نہ ہونے قواعد شرعیہ کے ممنوع بھی نہ کہی جائے گی۔ یہ حکم ہے صورت سوم کا باعتبار فتویٰ کے۔ لیکن مصلحت انتظام دین کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے بھی احتیاط رکھیں۔ کیونکہ یہ خود نہ تو ضروریات دین سے ہے، نہ کسی ضروریات دین کا موقوف علیہ ہے اور ایک بار یہی ہیئت اجتماعیہ مباحہ مفضی الی المفاسد ہو بھی چکی ہے۔ جیسا کہ پیش نظر ہے اور جہل روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے مرتبہ تقویٰ احتیاط ہی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

اب بعض لوگوں کے کچھ شبہات کا مختصر جواب لکھا جاتا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث شریف تو خود حضور سرور عالم ﷺ سے منقول ہے ورنہ ہم تک روایت کیونکر پہنچتی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جو منقول ہے وہ پہلی صورت ہے اور گفتگو صورت سوم میں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء مثل سیوطیؒ وابن حجرؒ وملا علی قاریؒ وغیرہم نے اس کا اثبات کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو اس وقت بھی بعض علماء نے

ان کے ساتھ اختلاف کیا تھا اور قطع نظر اس سے یہ کہ ان کے زمانہ میں مفاسد مذکورہ پیدا نہ ہوئے تھے۔ اس وقت انہوں نے اثبات کیا۔ اب مفاسد پیدا ہو گئے ہیں، وہ حضرات بھی اگر اس زمانہ میں ہوتے اور ان مفاسد کو ملاحظہ فرماتے تو خود منع فرماتے۔ اس لئے اب نفی کی جاتی ہے۔ جیسا قاعدۂ چہارم میں لکھا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علماء حرمین اس کے جواز پر اتفاق رکھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اول تو اتفاق غیر مسلم، پھر یہ کہ ان کے فتووں میں قیود مباحہ کو فی نفسہا جائز لکھا ہے، جس محفل کو جن عقائد و مفاسد کی وجہ سے ہم روک رہے ہیں ان مفاسد کا اظہار سوال میں کرنے کے بعد فتویٰ منگا دو، اس وقت تمہارا یہ شبہ معقول ہو سکتا ہے۔ جب فتویٰ آ جائے گا اس وقت جواب ہمارے ذمہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ کثرت سے علماء جواز کی طرف ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اول تو کسی نے دنیا بھر کی علماء شماری نہیں کی، دوسرے یہ کہ جس خرابی کی وجہ سے ممانعت کی جاتی ہے اس خرابی کو کون سے علماء کثیر بلکہ قلیل نے جائز کیا ہے۔ فتوے تو استفتاء کے تابع ہے۔ مستفتی اپنا عیب کب کھولتا ہے، بلکہ ہر طرح اپنی خوش اعتقادی کو جتلا کر پوچھتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بہانہ سے غریب غرباء کو خیر خیرات پہنچ جاتی ہے یا اس سے اسلام کی شوکت بڑھتی ہے، ناواقف لوگوں کے کان میں کچھ مسائل پڑ جاتے ہیں۔

سو اول تو خود یہ امر مسلم نہیں، اکثر جگہ امیروں کو حصہ بٹتا ہوا اور غریبوں کو دھکے ملتے ہوئے دیکھا جاتا ہے اور ایسے سامانوں سے جس کی خبر بعض اوقات محلّہ میں بھی نہیں ہوتی کیا احتشام اسلام کا متصور ہے اور احکام کا ذکر بھی نہیں آتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو خیر خیرات اور احتشام (۱) اسلام اور تبلیغ احکام کے جب اور طریقے بھی

(۱) شکوہ و شان ۱۲

مشروع ہیں تو غیر مشروع طریقوں کے اختیار کرنے کی شرعاً کب اجازت ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ قاعدۂ پنجم میں مذکور ہوا اور بھی شبہات اس کے قریب قریب ہیں۔ جن کا جواب بعد میں ضبط کر لینے اصول مذکورہ کا ہر عاقل سمجھ جاسکتا ہے۔ یہ کلام تھا اس مسئلہ مولود شریف میں جو بہت سلامت اور اختصار اور جامعیت کے ساتھ لکھنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔

اب امید ہے کہ اہل انصاف کو اس مسئلہ میں شبہ نہ رہے گا اور افراط وتفریط سے سب باز آئیں گے اور علمائے مصلحین امت سے عداوت و بدگمانی اور ان کی شان میں اہانت و بدزبانی گوارانہ رکھیں گے اور شب و روز محبت واتباع سنت نبویہ ﷺ میں کوشش کریں گے۔ **اللھم ارزقنا حبک وحب نبیک واتباع سنته وتوفنا علی ملته واحشرنا فی زمرته**

دوسری فصل

منجملہ ان رسوم کے اولیاء اللہ کا عرس و فاتحہ مروجہ ہے جو کسی وقت میں بمصلحت ایصال ثواب بارواح بزرگان واستفادہ برکات اجتماع صلحاء شروع ہوا تھا، مگر اب اس میں بھی مثل دیگر امور کے بہت سے مفاسد پیدا ہوگئے۔ چنانچہ عرس میں تو یہ امور ہوگئے۔

۱۔ بعض جگہ تو خوب بازاری عورتوں کا ناچ ہوتا ہے جس کا حرام ہونا ظاہر ہے اور باب اول میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً قبور پر جب کہ وہ جگہ عبرت وتذکرہ موت و تذکرہ آخرت کی ہے۔ پھر خاص کر قبور اولیاء پر جن کو اپنی حیات میں بول و براز سے زیادہ معاصی سے نفرت تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے مجمع میں جانا لاریب فسق ومعصیت

ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم تو بہ نیت زیارت جاتے ہیں ہم کو ان منکرات سے کیا ضرر۔ جواب یہ ہے کہ اول تو ممکن نہیں کہ مجمع فسق میں جائے اور ضرر نہ ہو، کچھ نہ کچھ میلان معصیت کی طرف یا چشم و گوش کا تلوث ضرور ہی ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زیارت دوسرے وقت بھی ہو سکتی ہے۔ تیسرے زیارت کچھ فرائض و واجبات سے نہیں۔ فرض و واجب کے ادا کرنے میں اقتران معصیت پر نظر نہیں کی جاتی ہے اور مباح بلکہ مستحب میں اگر ایسا اتفاق ہو تو خود اس مستحب کو ترک کر دینا واجب ہے۔ جیسا کہ ابھی فصل اول کے قاعدہ دوم میں ذکر ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ اس کی حرکت سے دوسروں کو ضرر ہوتا ہے اور اہل معصیت کے فعل کی تائید ہوتی ہے، اس وجہ سے بھی ان سے بچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ فصل اول کے قاعدہ سوم میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ بعض جگہ بازاری عورتیں نہیں ہوتیں اور بجائے ان کے قوال اور معازف و مزامیر ہوتے ہیں۔ ایسے سماع کے متعلق اس عاجز نے ایک رسالہ حق السماع مفصل طور پر لکھا ہے۔ اس میں آداب و شرائط سماع کے اور جو جو اس میں مفاسد ہو گئے ہیں۔ ان سب کا ذکر بالتفصیل کیا ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس زمانہ کے مجالس سماع حسب اقوال ائمہ تصوف ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

۳۔ بعض جگہ یہ قصہ بھی نہیں، صرف معین تاریخ پر اجتماع اور قرآن خوانی و تقسیم طعام یا شیرینی ہوتا ہے اور بس۔ اور ایسے عرس کو اس زمانہ میں مشروع عروس سمجھتے ہیں۔ مگر اس میں بھی وہی خرابی اصرار و تعین و التزام مالا یلزم وغیرہا کی یقیناً موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کے عقائد بھی فاسد ہوتے ہیں اور بعض اوقات مہتمم عرس کو اس کے انجام دینے کے لئے قرض لینا خاص کر سودی اور لوگوں کے ہاتھ کو پڑتا ہے جس کا منشاء حرص و طمع ہے۔ ظاہر ہے کہ شرعاً اور عقلاً سخت مذموم ہے۔ حدیث میں اس دست نگری کی نسبت آیا ہے کہ وما(۱) لا فلا تتبعہ نفسک اور اصرار و التزام

(۱) جو چیز تمہارے ہاتھ نہ آئے اپنے جی کو اس کے پیچھے مت ڈالو۔ ۱۲

وغیرہ کا غیر مشروع ہونا فصل اول کے قاعدہَ اول میں بیان ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مجلس بھی غیر مشروع ہو جائے گی۔ جیسا قاعدہَ دوم میں بیان ہوا اور اس عذر کا جواب اسی فصل کے آغاز میں ہو چکا ہے کہ کوئی شخص کہنے لگے کہ ہماری نیت تو اچھی ہے ہم کو دوسروں کے عقیدہَ فاسد سے کیا بحث ہے۔ البتہ افادہ و استفادہ اہل قبور بطریق مشروع شریعت مستحسن ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ گاہ گاہ ان مزارات پر حاضر ہوا کرے اور جو کچھ توفیق ہو بخش دے اور اپنی موت کو یاد کرے اور اگر صاحب نسبت ہے اور دل چاہے تو حسب طریقہ معمولہ اہل تصوف ان سے استفادہ برکات کا کرے اور اگر عبادات مالیہ کا ان کو ثواب بخشنا ہو تو اپنے گھر پر حسب توفیق پکا کر کھلا کر یا نقد و غلہ وغیرہ مساکین کو خفیہ دے کر ان کی روح کو بخش دے۔ نہ تاریخ معین کرنے کی حاجت ہے اور نہ شہرت دینے کی، اسی طرح زمانہ عرس بلکہ غیر عرس میں اولیاء اللہ کے مزارات پر چادر ڈالتے ہیں جو مکروہ اور اسراف ہے اور عوام کا جو اس میں اعتقاد ہے وہ بالکل شرک ہے۔ پھر غضب یہ ہے کہ اس کی نذر و منت مانی جاتی ہے۔ بعض لوگ دور دراز سے سفر کر کے اپنے بچوں کا چلہ چھٹی وہاں کرتے ہیں اور یہ نذر پوری کرتے ہیں۔ بعضے آسیب اتروانے کے لئے آتے ہیں۔ بعضے وہاں چراغ روشن کرتے ہیں، قبریں پختہ بناتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے صاف صاف ان سب امور سے توبہ کا حکم ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا رسول مقبول ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ حکم نہیں فرمایا کہ قبروں کو کپڑے پہنائے جائیں۔ اس سے قبروں پر غلاف ڈالنے کا ناپسند ہونا صاف ظاہر ہے۔

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے **یکرہ (۱) الستور علی القبور** ۔ بعض لوگ دھوکہ دینے کے لئے حجت لاتے ہیں کہ دیکھو عورت کے جنازہ پر گہوارہ بنا کر چادر

(۱) قبروں پر چادریں چڑھانی مکروہ ہے۔ ۱۲

ڈالتے ہیں۔ گہوارہ بھی قبر کے مشابہ ہے، جب یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے۔ اس تقریر کا لغو ہونا صاف ظاہر ہے۔ اول تو یہ قیاس ہے کہ جو نص کے مقابلہ میں خود باطل ہے۔ دوسرے قیاس بھی مع الفارق گہوارہ پر تو پردہ کی غرض سے چادر ڈالتے ہیں۔ قبر جب بند ہو گئی اب پردہ کی کون سی ضرورت رہی۔ یہاں تو محض زیب و زینت و تکلف اور تقریب و رضامندی صاحب مزار مقصود ہے، و بس، اور اسراف رہا جدا اور خود یہ امور جدا جدا ممنوع ہیں۔ اور سب کا جمع ہونا اور بھی شدید ہے۔ جب اس کا ممنوع ہونا ثابت ہو گیا اور معصیت کی نذر جائز نہیں۔ بلاشک ایسی نذر باطل ہو گی جس کا ایفا بالکل ناجائز ہے اور وہاں ایسے فضول کاموں کے لئے جانا خود سفر معصیت ہے۔ بالخصوص عورتوں کا لے جانا جس میں علاوہ مفاسد مذکورہ کے انواع انواع کی بے پردگیاں ہوتی ہیں اور فساد عقیدہ رہا جدا، ایسے ہی عورتوں کی نسبت ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔

اور حدیث شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ لعنت کرے اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ یہ حدیث مطلب مذکور کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ اور اسی حدیث سے قبر کو سجدہ کرنے کی حرمت بھی ثابت ہو گئی، اور دوسری حدیث میں ہے ایک صحابیؓ نے حضور سرور عالم ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے سوال کیا کہ اگر تم ہمارے بعد ہماری قبر پر گزرو گے، کیا جب بھی سجدہ کیا کرو گے۔ صحابیؓ نے عرض کیا کہ اس وقت تو نہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو اجازت سجدہ کی ہوتی تو عورت کو اجازت دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ مطلب آپ ﷺ کے جواب کا یہ ہوا کہ جب تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ بعد موت کے کوئی مستحق سجدہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مستحق سجدہ وہی ہے جو دائم و قیوم و قائم ہے۔ سجدہ اسی کا حق ہے، اس لئے زندہ مردہ سب کو سجدہ کرنا حرام ٹھہرایا۔ یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ بعض

لوگ جو زندہ پیروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔ اور اگر کسی بزرگ سے قولاً یا فعلاً منقول ہو تو بحسن ظن اس میں تاویل سکر و غلبہ حال کی جائے گی۔ جس میں معذوری ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے کہ قبروں پر چراغوں کا سامان کیا جائے اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے اور اس سے کہ اس پر لکھا جائے اور اس سے کہ ان پر کوئی عمارت بنائی جائے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

بعضے لوگ قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ چونکہ مقصود اس سے تقریب و رضامندی اولیاء کی ہوتی ہے اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔ یہ اعتقاد شرک ہے اور وہ چڑھاوا کھانا بھی جائز نہیں۔ **لعموم (۱) قوله تعالیٰ وما اهل به لغير الله**

بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ مقصود اصلی ہمارا مساکین کو دینا ہے۔ چونکہ یہ لوگ وہاں جمع رہتے ہیں اس لئے وہاں لے جاتے ہیں۔ مگر یہ محض حیلہ ہے۔ کیونکہ اگر وہی مساکین اس شخص کو راہ میں مل جائیں اور سوال کریں تو ہرگز ان کو اس چڑھاوے میں سے ایک ذرہ بھی نہ دے اور یہی جواب ملے کہ جہاں کے لئے لائے ہیں وہاں تو ابھی پہنچا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر مقصود ہے، مساکین مقصود نہیں۔ پھر وہاں پہنچ کر ویسے بھی تو مساکین کو تقسیم کر سکتے ہیں، قبر پر رکھنے کی کیا وجہ ہے۔

بعض لوگ پھولوں کی چادر اور ہار نہایت مکلّف بنا کر قبروں پر ڈالتے ہیں اور دلیل لاتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے دو قبروں پر ایک شاخ کھجور کے دو حصے کر کے گاڑ دیا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ جب تک یہ خشک نہ ہو جائیں امید ہے کہ ان سے عذاب ہلکا ہو جائے۔

---

(۱) چڑھاوے کا کھانا جائز نہیں۔ ۱۲

جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو بعض لوگوں نے اس کو حضور ﷺ کی خصوصیات سے کہا ہے اور اگر عام ہی کہا جائے تب بھی قیاس مع الفارق ہے، دوسرے اول تو کجا شاخ اور کجا پھولوں کے ہار اور چادریں کہ وہاں مقصود محض ایصال اثر ذکر ہے اور یہاں تکلف وآرائش اور تکلف قبور کے ساتھ خود ممنوع ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور ﷺ نے اس عمل کو تخفیف عذاب کے لئے کیا تھا۔ اگر یہ لوگ بھی تخفیف عذاب کے لئے کرتے تو جن حضرات کو کامل اور مقبول مانتے ہیں اور ان میں عذاب کا احتمال بھی ان کو ہرگز نہیں ہوسکتا ان کی قبروں کے ساتھ یہ عمل نہ کرتے بلکہ فاسقوں اور فاجروں کی قبور کے ساتھ کرتے۔ حالانکہ معاملہ بالعکس ہے اس سے معلوم ہوا کہ مقصود تخفیف عذاب نہیں بلکہ وہی تقرب اور خوشنودی اولیاء اللہ کی، جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور نہ وہ ان امور سے خوش ہوتے ہیں، اور خوش تو جب ہوتے جب ان کو کوئی نفع پہنچتا، ان تکلفات سے ان کو کیا فائدہ اور فاتحہ مروجہ میں یہ امور پیدا ہو گئے ہیں۔

ا۔ اکثر عوام حضرات اولیاء اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اس نیت سے فاتحہ و نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہمارے کاروبار کو ترقی ہوگی، مال و اولاد ہوگی، ہمارا رزق بڑھے گا اور اولاد کی عمر بڑھے گی۔ لہذا ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس طرح کا عقیدہ صرف شرک ہے۔ تمام قرآن مجید اس عقیدہ کے ابطال سے بھرا پڑا ہے۔ بعض لوگ زبردستی تاویل کرتے ہیں کہ ہم قادر مطلق عالم الغیب حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں مگر آخر بزرگوں کا توسل تو جائز اور ثابت ہے۔

جواب یہ ہے کہ توسل کے یہ معنی نہیں کہ ان وسائل کو کارخانہ تکوین میں کچھ دخیل سمجھا جائے، خواہ تو ان کو فاعل سمجھیں، اس طرح کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کارخانے سپرد کر رکھے ہیں اور خواہ یوں سمجھیں کہ فاعل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر ان حضرات کے عرض و معروض کرنے سے ضرور ہی اللہ میاں کو کرنا ہی پڑتا ہے، ایسا فعل تو شرک محض

ہے۔ مشرکین عرب کے عقائد اسی قسم کے تھے، وہ بھی اصنام و ارواح کو فاعل بالاصالت نہ جانتے تھے۔ اسی طرح کارکن سمجھتے تھے، جیسا کہ آیت: وَلَئِنْ (۱) سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ، مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

اس کی شاہد ہے۔ ایک موٹی بات سمجھنے کے قابل ہے کہ کسی شخص سے کسی چیز کی توقع رکھنے کے لئے کئی امر کا جمع ہونا ضروری ہے۔ اول اس شخص کو اس کی حاجت کی اطلاع ہو، دوسرے اس کے پاس وہ چیز بھی موجود ہو، تیسرے اس کو دینے کی قدرت بھی ہو، چوتھے اس سے بڑا کوئی روکنے والا نہ ہو، پانچویں اس کے پاس ذرائع اس چیز کو اس شخص تک پہنچانے کے بھی ہوں۔

اب خیال فرمایئے کہ جو شخص بزرگوں سے اولاد و رزق وغیرہ کی توقع رکھتا ہے اس سے پوچھنا چاہئے کہ اول تو ان اولیاء کو تمہاری حاجت کی اطلاع کیسے ہوئی اور اگر کہو کہ ان کو تو سب کچھ خود معلوم ہے تو یہ شرک صریح ہے اور اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اطلاع کر دیتا ہے، سو یہ محال تو نہیں، مگر کچھ ضرور بھی نہیں۔ بلا حجت شرعیہ کسی امر ممکن کے وقوع کا عقیدہ کرنا محض معصیت و کذب قلب ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (۲) وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الْاٰيَةَ۔ پھر یہ ان کے پاس رزق و اولاد کہاں جمع رکھا ہے جو نعمتیں ان کے پاس ہیں وہ اور چیزیں ہیں۔ بچے اور روپیہ کا ڈھیر ان کے پاس نہیں لگا۔ پھر یہ کہ قدرت کو اگر ذاتی سمجھا جائے تب تو شرک ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تصرف دیا ہے تو اس کے لئے دلیل شرعی کی حاجت ہے اور بدون اس کے یہ اعتقاد بھی باطل و افتراء محض ہے بلکہ قرآن و حدیث میں تو لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا صاف صاف موجود ہے جس سے دوسروں کو ایسی

---

(۱) اور البتہ اگر آپ پوچھیں ان لوگوں سے کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو وہ کہیں گے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا۔ (۲) اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کرو۔۱۲

قدرت کی نفی ہو رہی ہے۔ پھر یہ کہ کس طرح معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے وہ ہرگز اس تصرف سے نہ روکیں گے، جس طرح چاہتے ہیں وہی ہو جائے گا۔ اگر ایسا کوئی سمجھے تو اس نے تمام قرآن کی تکذیب کی۔ پھر وہ ذرائع دریافت کئے جائیں کہ اولاد اس کو کس طرح دی، روپیہ کس طرح ان کے پاس بھیجا اور اگر ان تمام اشکالات کے جواب میں کوئی یوں کہے کہ وہ لوگ دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ویسا ہی کر دیتے ہیں۔

اس کا جواب یہی ہے کہ دعا کے لئے تو اول ان کی اطلاع کی ضرورت ہے اور اس کی دلیل کوئی نہیں، پھر بعد اطلاع کے اس کی دلیل کیا ہے کہ وہ دعا کر ہی دیتے ہیں۔ پھر دعا کے بعد اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضرور ہی قبول ہو جاتی ہے۔ غرض توسل کے یہ معنی نہیں ہیں۔ البتہ توسل جو احادیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یاالٰہی فلاں مقبول بندہ کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما دیجئے۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دعا مانگی تھی، ایسا توسل بلاشک جائز ہے اور جیسے جہلاء کا عقیدہ ہے وہ محض شرک ہے۔ غرض یاد رکھو کہ جن کمالات کا اختصاص حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ عقلاً و نقلاً ثابت ہے ان کمالات کا کسی دوسرے میں اعتقاد کرنا شرک اعتقادی ہے۔ اور جن معاملات اور افعال کا خاص ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہے وہ برتاؤ کسی سے کرنا شرک فی العمل ہے۔ اس قاعدہ کے لحاظ کرنے سے انشاء اللہ کسی بلا میں مبتلا نہ ہوگا۔

۲۔ وہی تحقیقات و تعینات کا ضروری سمجھنا جس کی کراہت کا چند بار ذکر ہو چکا ہے، یہاں بھی موجود ہے۔

۳۔ اکثر عوام کی عادت ہے کہ بہت سے طعام سے تھوڑا سا کھانا کسی طباق یا خوان میں رکھ کر اس کو روبرو رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اس میں علاوہ مفاسد مذکورہ کے یہ امر قابل استفسار ہے کہ جتنا کھانا تم نے پکایا ہے آیا اس کا ثواب بخشنا منظور ہے یا

صرف اس طباق ہی کا، یہ تو یقیناً کوئی نہ کہے گا کہ صرف اس طباق ہی کا ثواب بخشنا منظور ہے، اور عمل اور برتاؤ سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا۔ پس ضرور یہ کہا جاوے گا کہ تمام کھانے کا ثواب بخشنا منظور ہے۔ تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ آیا کھانے کا ثواب پہنچانے کے لئے کھانا روبرو ضرور ہے یا نہیں۔ اگر ضرور ہے تو صرف ایک طباق رکھنے سے کیا ہوتا ہے اور اس سے تو تمہارے قاعدے کے موافق صرف اس طباق کا ثواب پہنچنا چاہئے۔ باقی تمام کھانا ضائع گیا اور اگر یوں کہو کہ اس چیز کا روبرو ہونا ضروری نہیں صرف نیت کافی ہے، اور اسی بناء پر تمام طعام کا ثواب پہنچ سکتا ہے، تو پھر طباق کے رکھنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ اس میں بھی نیت کافی تھی۔ کیا توبہ! توبہ! حق تعالیٰ کو نمونہ دکھلانا ہے کہ دیکھئے اس قسم کا کھانا دیگ میں ہے۔ اس کا ثواب بخش دیجئے۔ غرض اس حرکت کی کوئی معقول وجہ نہیں نکلتی۔ محض رواج کی پابندی ہے اور بس! پھر پابندی بھی کیسی کہ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ بدون اس ہیئت خاصہ کے ثواب بھی نہ پہنچے گا۔

۴۔ ایک امر قابل دریافت یہ ہے کہ جس چیز کا ثواب بخشنا منظور ہو، اگر اس کا روبرو رکھنا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ طعام وشیرینی کو تو رکھا جاتا ہے اور اگر روپیہ یا کپڑا یا غلہ وغیرہ ایصال ثواب کے لئے دیا جائے تو اس میں اس طریق سے فاتحہ کیوں نہیں پڑھی جاتی، اور اگر روبرو رکھنا ضروری نہیں تو اس طعام وشیرینی ہی میں یہ تکلف کیوں کیا جاتا ہے اور اگر طعام وغیر طعام میں کچھ فرق ہے تو دلیل شرعی سے اس کو بیان کرنا چاہئے تو قیامت تک بھی یہ ممکن نہیں۔

۵۔ ایک عادت و رواج یہ ہے کہ کھانا کھلانے اور دینے کے قبل بطریق متعارف ثواب بخشتے ہیں، سو اس میں دو امر قابل تحقیق ہیں۔ ایک تو یہ ثواب پہنچانے کی حقیقت کیا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی نیک کام کیا اور اس پر اس کو کچھ ثواب ملنے کی توقع ہوئی جو کچھ اس کو ثواب ملا اس نے اپنی طرف سے دوسرے کو دے دیا۔

دوسرا امر قابل تحقیق یہ ہے کہ ثواب کس چیز کا ملتا ہے۔آیا نفس طعام کا یا اس کے کھلانے اور دینے کا تو ظاہر ہے کہ خود کھانے کی ذات تو کوئی ثواب کی چیز نہیں، جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہرگز نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کا گوشت اور نہ اس کا خون، لیکن تمہارا تقویٰ وہاں پہنچتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شے کا ثواب نہیں پہنچتا، بلکہ عمل کا ہوتا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ خود طعام کی ذات کا ثواب نہیں ہوا، بلکہ کھلانے پلانے اور دینے کا ہوا کیونکہ وہ عمل ہے، جب یہ دونوں امر تحقیق ہو چکے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ جس وقت کھانا پک کر تیار ہوا ہے اور ابھی نہ کسی کو دیا گیا اور نہ کھلایا گیا، اس کا ثواب ملا یا نہیں، اگر نہیں ملا تو یہ مردہ کو کیا پہنچا تا ہے۔ ابھی خود تو کچھ لے لے، پھر دوسرے کو دے، اور اگر اس کا ثواب ملا ہے تو کس چیز کا ملا ہے۔کوئی عمل ابھی پایا نہیں گیا۔پھر کاہے کا ثواب بخشتا ہے۔

غرض یہ حرکت بھی محض بے معنی ہے۔بلکہ بعض عوام کے طرز عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ذات طعام کو موجب ثواب سمجھتے ہیں۔دلیل اس کی یہ ہے کہ بعض نذر و نیاز میں آپ ہی کھا پی لیتے ہیں یا اغنیاء احباب کو کھلا دیتے ہیں، جن کے دینے کو کوئی شخص بھی موجب ثواب نہیں جان سکتا۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ دینے کھلانے کو موجب ثواب نہیں جانتے ورنہ ایسے لوگوں کو دیا کرتے جن کے دینے کو ثواب جانتے بلکہ خود ذات طعام یا شیرینی میں ثواب سمجھتے ہیں تو یہ خود ایک عقیدہ فاسدہ ہے اور قرآن کے خلاف ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے اور اگر کوئی کہے کہ ہم طعام کو موجب ثواب نہیں سمجھتے مگر جب ہم نے نیت طعام کی کرلی تو نیت بھی تو عمل ہے۔ اس لئے ایصال ثواب بے معنی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ نیت عمل ہے مگر نیت کا ثواب بخشنا چاہتے ہو یا کھانا کھلا دینے کا، کیونکہ نیت کا ثواب اور ہے اور طعام کا ثواب اور۔پھر یہ کہ نیت تو قبل کھانا پکانے کے بھی ہو گئی تھی اس وقت کیوں نہیں بخش دیا کرتے۔غرض اس

عادت کی بھی کوئی منقول وجہ نہیں ہے۔ محض رواج کی پابندی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ البتہ ایصال ثواب بطریق مشروع نہایت خوبی کی بات ہے۔ اس کا سیدھا طریقہ وہی ہے جو ان مفاسد کے بیان سے ذرا قبل مذکور ہوا ہے کہ بلا تعین و پابندی رواج حسب توفیق جو میسر ہو مستحقین کو دے دے اور ثواب بخش دے۔

اس تقریر سے ان سب معمولات کا حکم معلوم ہو گیا۔ گیارہویں، سہ ماہی، توشہ وغیرہ کیا بلا تقیید و بلا تخصیص و بلا فساد عقیدہ تو بلا کلام جائز ہے اور قیود مکروہہ و مفاسد مذکورہ کے ساتھ بلا تردد نا جائز ہے اور قیود مباحہ کے ساتھ جس کو نہ خود ضرر ہو نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے کو ضرر ہو خفیہ طور پر اس کو گنجائش دی گئی ہے۔ اس کو بھی چاہئے کہ ان قیود میں گاہ گاہ تغیر و تبدیل کر دیا کرے تا کہ کہیں اسی کے نفس میں یا شاید دوسرے کے نفس میں کوئی   نہ پیدا ہو جائے۔ مگر پھر بھی اطلاق کا طریقہ افضل و مسنون ہے۔ کیونکہ اس طریق مباح ہی سے آخر خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں تو آئندہ بھی اندیشہ ہی ہے اس لئے مقتضائے انتظام الٰہی یہی ہے کہ ان قیود سے بالکل ہی احتیاط رکھے اور تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ قیود کی پابندی میں اگر ابتداء میں بالفرض خلوص بھی ہو، مگر بعد چند دن کے پھر اس کو نباہنے کے لئے کرنا پڑتا ہے اور نیت درست نہیں رہتی۔

تیسری فصل

منجملہ ان رسوم کے شب برات کا حلوہ اور عید کی سویاں، عاشورہ محرم کا کھچڑا اور شربت وغیرہ ہے۔ شب برات میں حدیث سے اس قدر ثابت ہے کہ حضور ﷺ بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لئے استغفار فرمایا۔

اس سے آگے سب ایجاد ہے۔ جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کا دندان مبارک جب شہید ہوا تو آپ ﷺ نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔ یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے، اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں۔

۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی تھی، یہ ان کی فاتحہ ہے یہ بھی محض بے اصل ہے اور اول تو تعین تاریخ کی ضرورت نہیں۔ دوسری خود یہ واقعہ بھی غلط ہے۔ آپ کی شہادت بھی شوال میں ہوئی تھی، شعبان میں نہیں ہوئی۔

۳۔ بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برات وغیرہ میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لئے کچھ پکایا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا امر مخفی بجز دلیل نقلی کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور وہ یہاں ندارد ہے۔

۴۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب شب برات سے پہلے کوئی مرجائے تو جب تک کہ اس کے لئے فاتحہ شب برات نہ کیا جائے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ بھی محض تصنیف یاراں اور بالکل لغو ہے۔ بلکہ رواج ہے کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مرجائے تو کنبہ بھر میں پہلا تہوار نہیں ہوتا۔ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب مردہ مرتا ہے تو مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں جا پہنچتا ہے، یہ نہیں کہ شب برات تک اٹکا رہتا ہے۔

۵۔ حلوے کی ایسی پابندی ہے کہ بدون اس کے سمجھتے ہیں کہ شب برات ہی نہیں ہوئی۔ اس پابندی میں اکثر فساد عقیدہ بھی ہوجاتا ہے کہ اس کو مؤکد ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔ فساد عمل بھی ہوجاتا ہے۔ فرائض وواجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرنے

لگتے ہیں اور ان دونوں کا معصیت ہونا فصل اول میں بالتشریح مذکور ہو چکا ہے۔ ان خرابیوں کے علاوہ تجربہ سے ایک اور خرابی ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نیت بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ثواب وغیرہ مقصود نہیں رہتا۔ خیال ہو جاتا ہے کہ اگر اب کے نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ اب کے خست اور ناداری نے گھیر لیا ہے، اس الزام کے رفع کرنے کے لئے جس طرح بن پڑتا ہے مرمار کرتا ہے۔ ایسی نیت سے صرف کرنا محض اسراف وتفاخر ہے جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہو چکا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لئے قرض سودی لینا پڑتا ہے۔ یہ جدا گناہ ہے۔

۶۔ جو لوگ مستحق اعانت ہیں ان کو کوئی بھی نہیں دیتا۔ یا ادنیٰ درجہ کا پکا کر ان کو دیا جاتا ہے، اکثر اہل ثروت و برادری کے لوگوں کو بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں اور نیت اس میں بھی یہی ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے یہاں بھیجا ہے۔ اگر ہم نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا۔ غرض کہ اس میں بھی وہی ریاء وتفاخر ہو جاتا ہے۔

۷۔ بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں۔ اس کی ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ مؤکد سمجھنا بلاشک معصیت ہے، یہ تو کھانا پکانے میں مفاسد ایجاد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آتش بازی کی رسم اس شب میں شامل ہے۔ اس کی نسبت باب اول میں بیان ہو چکا ہے۔ حاجت اعادہ نہیں۔

تیسری زیادتی اس میں یہ کی گئی ہے کہ بعض لوگ شب بیداری کے لئے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر چند کہ اجتماع سے شب بیداری سہل تو ہو جاتی ہے مگر نفل عبادت کے لئے لوگوں کو ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا یہ خود خلاف شریعت ہے۔ جیسا اسی باب کی فصل اول میں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو گئے اس کا مضائقہ نہیں۔

۸۔ بعض لوگوں نے اس میں برتنوں کا بدلنا اور گھر لیپنا اور خود اس شب میں

چراغوں کا زیادہ روشن کرنا عادت کرلی ہے یہ بالکل رسم کفار کی نقل ہے اور حدیث تشبہ سے حرام ہے۔

حدیث سے اس زمانہ میں تین امر ثابت ہوئے ہیں۔ ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات کا ہے۔ اول پندرہویں شب کو گورستان میں جاکر اموات کے لئے دعاء استغفار کرنا اور کچھ صدقہ وخیرات دے کر بھی اگر مردوں کو اس کا ثواب بخش دیا جائے تو وہی دعا و استغفار اس کے لئے اصل نکل سکتی ہے کہ مقصود دونوں سے نفع رسانی اموات کی ہے۔ مگر اس میں کسی بات کا پابند نہ ہو، اگر وقت پر میسر ہو خفیہ کچھ دے دلا دے، باقی حدود شرعی سے تجاوز نہ کرے۔

دوم اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ خلوت میں ہو یا دو چار آدمیوں کے ساتھ جن کے جمع کرنے کے لئے کوئی خاص اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

سوم پندرہویں تاریخ کو روزہ نفل رکھنا، ان عبادتوں کو مسنون طور پر ادا کرنا نہایت احسن ہے اور عید الفطر میں سویاں پکانا فی نفسہ مباح ہے۔ مگر لوگوں نے اس میں خرابیاں پیدا کرلی ہیں۔

۱۔ اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر سویاں نہ پکائی جائیں تو گویا عید ہی نہیں ہوتی۔ ایسے التزام و اہتمام کا خلاف شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

۲۔ اس پابندی کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اگر پاس خرچ نہ ہو تو قرض لے کر گو سودی ہی ملے ضرور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

۳۔ اس کی نسبت ایک موضوع روایت مشہور ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ نے آٹا پکا کر مروڑیاں جمع کر کے سویاں پکائی تھیں، یہ محض تہمت ہے، کہیں ثابت نہیں۔

۴۔ اور دینے لینے میں ریاء و تفاخر ہونا یہاں بھی موجود ہے۔ اکثر اعزاء و اقارب کے بچوں کو شرم اتارنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ خواہ گنجائش ہو یا نہ ہو، پھر جانب ثانی سے اسی دن یا اگلی عید بقر عید کو نہایت ضروری سمجھ کر اس کا عوض ادا کیا جاتا

ہے۔ جو مصیبت نوتہ میں تھی وہ یہاں بھی ہے۔ اسی طرح سویوں کا طباق جہاں اس نے اس کی بہو کو اور اس نے اس کی بہو کو دیا لیا، جس کو ٹھیرا بدلوائی کہا جائے تو نہایت زیبا ہے۔ اسی دل لگی میں جانبین پر پورا بار ہو گیا۔ اس تاریخ میں حضرت پیغمبر ﷺ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ چند خرما نوش فرما کر عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ اگر رغبت ولذت کے لئے دودھ سویاں وغیرہ بھی اضافہ کرلے تو مباح ہے۔ مگر اس کا ایسا پابند نہ ہو جس سے مفاسد مذکورہ لازم آئیں، کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیا کریں۔ گنجائش نہ ہونے کے وقت خواہ مخواہ تردد میں نہ پڑے اور گنجائش کے وقت بھی رسوم کا اتباع نہ کرے۔ بے تکلفی سے جو ہو جائے اس پر بس کرے۔

عشرۂ محرم میں حدیث سے دو امر ثابت ہیں۔ نویں دسویں کا روزہ اور دسویں تاریخ اپنے گھر والوں کے خرچ میں قدرے وسعت کرنا جس کی نسبت وارد ہوا ہے کہ اس عمل سے سال بھر تک روزی میں وسعت رہتی ہے۔ باقی امور حرام یہ ہیں۔

۱۔ تعزیہ بنانا۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کا فسق وشرک صادر ہے۔ بعض جہاد کا اعتقاد ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اس میں حضرت امام حسینؓ رونق افروز ہیں اور اس وجہ سے اس کے آگے نذر و نیاز رکھتے ہیں۔ جس کا مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر کھانا حرام ہے اس کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس طرف پشت نہیں کرتے، اس پر عرضیاں لٹکاتے ہیں۔ اس کے دیکھنے کو زیارت کہتے ہیں اور اس قسم کے واہی تباہی معاملات کرتے ہیں جو صریح شرک ہیں۔ ان معاملات کے اعتبار سے تعزیہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہیں۔ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (۱)۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ یا تو اس کی بے حد تعظیم و تکریم ہو رہی تھی اور یا دفعتاً اس کو جنگل میں لے جا کر توڑ پھوڑ کر برابر کیا۔ معلوم نہیں آج وہ ایسا بے قدر کیوں ہو گیا...... واقعی جو امر خلاف شرع ہوتا ہے وہ عقل کے بھی خلاف ہوتا ہے۔ بعضے نادان یوں کہتے ہیں

(۱) کیا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو۔

کہ صاحب اس کو حضرت امام عالی مقامؓ کے ساتھ نسبت ہو گئی اور اس کا نام لگ گیا۔ اس لئے تعظیم کے قابل ہو گیا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نسبت کی تعظیم ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر جب کہ نسبت واقعی ہو۔ مثلاً حضرت امام حسینؓ کا کوئی لباس ہو یا اور کوئی ان کا تبرک ہو۔ ہمارے نزدیک بھی وہ قابل تعظیم ہیں اور جو نسبت اپنی طرف سے تراشی ہوئی ہو وہ ہرگز اسباب تعظیم سے نہیں ورنہ کل کو کوئی خود امام حسینؓ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے تو چاہئے کہ اس کو اور زیادہ تعظیم کرنے لگو۔ حالانکہ بالیقین اس کو گستاخ و بے ادب قرار دے کر اس کی سخت توہین کے در پے ہو جاؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ نسبت کاذبہ سے وہ شے معظم نہیں ہوتی، بلکہ اس کذب کی وجہ سے زیادہ اہانت کے قابل ہوتی ہے۔ اس بناء پر انصاف کرلو کہ یہ تعزیہ تعظیم کے قابل ہے یا اہانت کے۔

۲۔ معازف و مزامیر کا بجانا جس کی حرمت حدیث میں صاف صاف مذکور ہے اور باب اول میں وہ حدیث لکھی گئی ہے اور قطع نظر خلاف شرع ہونے کے عقل کے بھی تو خلاف ہے۔ معازف و میزامیر تو سامان سرور ہیں۔ سامان غم میں اس کے کیا معنی، یہ تو در پردہ خوشی منانا ہے، برچنیں دعویٰ الفت آفریں۔

۳۔ مجمع فساق و فجار کا جمع ہونا جس میں وہ فحش واقعات ہوتے ہیں کہ ناگفتہ بہ ہیں۔

۴۔ نوحہ کرنا جس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ لعنت فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والے اور اس کی طرف کان لگانے والے کو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

۵۔ مرثیہ پڑھنا، جس کی نسبت حدیث میں صاف ممانعت آئی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔

۶۔ اکثر موضوع روایات پڑھنا جس کی نسبت احادیث میں سخت وعیدیں آئی

ہیں۔

۷۔ ان ایام میں قصداً زینت ترک کرنا جس کو سوگ کہتے ہیں اور حکم اس کا شریعت میں یہ ہے کہ عورت کو صرف خاوند پر چار ماہ دس دن یا وضع حمل تک واجب ہے، اور دوسرے عزیزوں کے مرنے پر تین دن جائز ہے، باقی حرام۔ سو اب تیرہ سو سال کے بعد یہ عمل کرنا بلاشک حرام ہے۔

۸۔ کسی خاص لباس یا کسی خاص رنگ میں اظہار غم کرنا۔ ابن ماجہ میں حضرت عمران بن حصینؓ سے ایک قصے میں منقول ہے کہ ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ غم میں چادر اتار کر صرف کرتہ پہنے ہیں، یہ وہاں غم کی اصطلاح تھی۔ آپ ﷺ نہایت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ جاہلیت کے کام کرتے ہو یا جاہلیت کی رسم کی مشابہت کرتے ہو، میرا تو یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ تم پر ایسی بددعا کروں کہ تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔ پس فوراً ان لوگوں نے اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر کبھی ایسا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی خاص وضع و ہیئت اظہار غم کے لئے بنانا بھی حرام ہے۔

۹۔ بعض لوگ اپنے بچوں کو امام حسینؓ کا فقیر بناتے ہیں اور ان سے بعضے بھیک بھی منگواتے ہیں۔ اس میں اعتقادی فساد تو یہ ہے کہ اس عمل کو اس کی طول حیات میں موثر جانتے ہیں۔ یہ صریح شرک ہے اور بھیک مانگنا بلا اضطرار حرام ہے۔

۱۰۔ حضرات اہل بیت کی اہانت برسر بازار کرتے ہیں۔ اگر ایام غدر کے واقعات جس میں کسی خاندان کی عورتوں کا ہتک ہوا ہو، اس طرح علی الاعلان گائے جائیں تو اس خاندان کے مردوں کو کس قدر غیظ و غضب آئے گا۔ پھر سخت افسوس ہے کہ حضرات اہل بیت کے حالات اعلان کرنے میں غیرت بھی نہ آئے اور اس طرح کے بہت سے امور قبیحہ ہیں جو ان دنوں میں کئے جاتے ہیں۔ ان کا اختیار کرنا اور ایسے مجمع میں جانا سب حرام ہے اور یہی تمامتر فضیحتیں پھر چہلم کو دہرائی جاتی ہیں اور

بعض امور فی نفسہ مباح تھے مگر بوجہ فساد عقیدہ یا عمل کے وہ بھی ممنوع ہو گئے۔

۱۔ کھچڑا یا اور کچھ کھانا پکانا اور احباب یا مساکین کو دینا اور اس کا ثواب حضرت امام حسینؓ کو بخش دینا اس کی اصل وہی حدیث ہے کہ جو شخص اس دن میں اپنے اہل وعیال پر وسعت کرے اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس پر وسعت فرماتے ہیں۔ وسعت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ بہت سے کھانے پکائے جائیں، خواہ جدا جدا یا ملا کر کھچڑے میں کئی جنس مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اس وسعت میں داخل ہو سکتا ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے ولا باس بالمعتاد خلطا دیوجه۔ جب اہل وعیال کو دیا، کچھ غریب غرباء کو بھی دے دیا۔ حضرت امامینؓ کو بھی ثواب بخش دیا۔ مگر چونکہ لوگوں نے اس میں طرح طرح کی رسوم کی پابندی کر لی ہے گویا خود اس کو ایک تہوار قرار دے دیا ہے۔ اس لئے رسم کے طور پر کرنے سے ممانعت کی جائے گی۔ بلا پابندی اگر اس روز کچھ فراخی خرچ میں، کھانے پینے میں کر دے تو مضائقہ نہیں۔

۲۔ شربت پلانا یہ بھی اپنی ذات میں مباح تھا کیونکہ جب پانی پلانے میں ثواب ہے تو شربت پلانے میں کیا حرج تھا۔ مگر وہی رسم کی پابندی اس میں ہے، اور اس کے علاوہ اس میں اہل رفض کے ساتھ تشبہ بھی ہے۔ اس لئے یہ بھی قابل ترک ہے۔ تیسرے اس میں ایک مضمر خرابی یہ ہے کہ شربت اس مناسبت سے تجویز کیا گیا ہے کہ حضرات شہداء کربلا پیاسے شہید ہوئے تھے اور شربت مسکن عطش ہے اس لئے اس کو تجویز کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عقیدہ میں شربت پہنچتا ہے جس کا باطل اور خلاف قرآن مجید ہونا فصل دوم میں مذکور ہو چکا ہے اور اگر پلانے کا ثواب پہنچتا تو ثواب سب یکساں ہے نہ کہ ان کے زعم میں اب تک شہدائے کربلا نعوذ باللہ سامنے ہیں۔ یہ کس قدر بے ادبی ہے۔ ان مفاسد کی وجہ سے اس سے بھی احتیاط لازم ہے۔

۳۔ شہادت کا قصہ بھی بیان کرنا یہ بھی فی نفسہ چند روایات کا ذکر کر دینا ہے۔ اگر صحیح ہوں تو روایات کا بیان کر دینا فی ذاتہ جائز تھا مگر اس میں یہ خرابیاں عارض ہو گئیں۔

(۱) مقصود اس بیان سے ہیجان اور جلب غم اور گریہ وزاری کا ہوتا ہے۔ اس میں صریح مقابلہ شریعت مطہرہ کا ہے کیونکہ شریعت میں ترغیب صبر مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مزاحمت شریعت کی سخت معصیت اور حرام ہے۔ اس لئے گریہ وزاری کو بھی قصداً یاد کر کے لانا جائز نہیں۔ البتہ غلبہ غم سے اگر آنسو آ جائیں تو اس میں گناہ نہیں۔

(۲) لوگوں کو اس لئے بلایا جاتا ہے اور ایسے امور کے لئے انصرام واہتمام خود ممنوع ہے۔

(۳) اس میں مشابہت اہل رفض کے ساتھ بھی ہے اس لئے ایسی مجلس کا منعقد کرنا اور اس میں شرکت کرنا سب ممنوع ہے۔ چنانچہ مطالب المومنین میں صاف منع لکھا ہے اور قواعد شرعیہ بھی اس کے شاہد ہیں اور یہ تو اس مجلس کا ذکر ہے جس میں کوئی مضمون خلاف نہ ہو اور نہ وہاں نوحہ و ماتم ہو اور جس میں مضامین بھی غلط ہوں یا بزرگوں کی توہین یا نوحہ حرام ہو، جیسا کہ غالب اس وقت میں ایسا ہی ہے تو اس کا حرام ہونا ظاہر ہے اور اس سے بدتر خود شیعہ کی مجالس میں جا کر شریک ہونا۔ بیان سننے کے لئے یا ایک پیالہ فیرنی اور دو نان کے لئے۔

چوتھی فصل

منجملہ ان رسوم کے وہ رسوم ہیں جو کسی کے مرنے میں برتی جاتی ہے۔ اول تجہیز وتکفین یا نماز میں اس وجہ سے دیر کرتے ہیں کہ فلاں عزیز شریک ہو جائے یا جمعہ میں

زیادہ مجمع ہوگا وہاں نماز ہونا زیادہ اچھا ہے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ بالکل شریعت کے خلاف ہے۔ حدیث میں صاف حکم ہے کہ جنازہ میں ہرگز دیر مت کرو۔ فقہاء نے بعض وقتی نمازوں سے اس کو مقدم لکھا ہے اور اگر رونے پیٹنے میں دیر لگائی جائے تو وہ اور بھی زیادہ برا ہے۔

دوم بعض لوگ جنازہ کے ساتھ اناج اور پیسے وغیرہ لے جاتے ہیں اور اس کو وہاں خیرات کر دیتے ہیں، سو چونکہ یہ فعل بالیقین ناموری کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے خلاف شرع ہے اور اکثر اس مقام پر غیر مستحقین زیادہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ جو کچھ دینا ہو اپنے گھر پر خفیۃً مستحقین کو سوچ سمجھ کر دیں اور وہ بھی مشترک ترکہ سے نہ ہو، جیسا آئندہ آتا ہے۔

سوم اکثر کفن کے ساتھ جانماز اور اوپر کے ڈالنے کی چادر بھی ترکہ میت سے خریدی جاتی ہے۔ سو چونکہ یہ دونوں چیزیں کفن مسنون سے خارج ہیں اس لئے ترکہ میں سے جو کہ سب ورثہ میں مشترک ہے اور ممکن ہے کہ ان میں بعض نابالغ رہے ہوں یا بعض یہاں حاضر نہ ہوں اس کا خریدنا ان کے مال میں ناجائز تصرف کرنا ہے۔ اول تو ان چیزوں کی حاجت نہیں بلکہ اس کی پابندی التزام مالا یلزم ہے۔ اور اگر بلا پابندی کسی مصلحت سے اس کو کیا جائے تو کوئی شخص بالغ خاص اپنے مال سے خریدے تو مضائقہ نہیں۔ البتہ عورتوں کے جنازہ پر پردہ کے لئے ضروری ہے۔ اس وجہ سے ترکہ سے خریدنا بھی جائز ہے۔

چہارم رسم ہے کہ مردہ کے مرتے ہی اس کے کپڑے لتے نکال کر حاجتمندوں کو دیتے ہیں۔ اس میں بھی وہی خرابی ہے جو امر رسوم میں ذکر کی گئی۔ تاوقتیکہ ترکہ تقسیم نہ ہو جائے، ہرگز اس میں ایسے تصرفات نہ کریں۔ البتہ اگر سب وارث بالغ ہوں اور وہاں موجود ہوں اور بطیب خاطر سب متفق ہو کر دے دیں تو تقسیم کی حاجت نہیں، بلا تقسیم بھی جائز ہوگا۔

پنجم اکثر تیسرے روز مردہ کے مکان پر یا اس کے محلّہ کی مسجد میں برادری کے لوگ اور مساکین وغیرہ جمع ہو کر قرآن مجید اور کلمہ طیبہ ختم کر کے مردے کو بخشتے ہیں اور کہیں کھانا اور کہیں نقد اور کہیں نخود بریاں پڑھنے والوں کو تقسیم ہوتے ہیں اور جلسہ برخاست ہونے کے قبل جس جس کا دل چاہے کچھ متفرق رکوع، کچھ معین سورتیں باآواز بلند پڑھ کر جس کو پنج آیت کہتے ہیں دعا کر کے ختم کر دیتے ہیں۔ یہ عمل بظاہر تو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے مگر اس کی اندرونی حالت دیکھنے کے قابل ہے۔

تجربہ و مشاہدہ سے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ دوست آشنا اور برادری کے لوگ تو محض رفع شکایت کی غرض سے آتے ہیں۔ ایصال ثواب ہرگز مقصود نہیں ہوتا۔

حتیٰ کہ اگر کوئی عزیز اپنے گھر بیٹھ کر پورا قرآن ختم کر کے بخش دے تو اہل میت ہرگز راضی نہ ہوں اور شکایت ان کی رفع نہ ہو اور یہاں حاضر ہو کر یوں ہی تھوڑی دیر بیٹھ کر اور کوئی بہانہ حیلہ کر کے چلا جائے تو شکایت سے بچ جائے گا۔

اور بار بار بیان ہو چکا ہے کہ جو عمل ایسے فاسد اغراض سے ہوتا ہے اس کا کچھ ثواب نہیں ملتا۔ جب اس کا ثواب نہ ملا مردے کو کیا دے گا۔ رہ گئے مساکین ان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں جا کر صرف پڑھنا پڑے گا ملے ملائے گا کچھ نہیں تو ہرگز ایک بھی نہ آئے، سو ان کا آنا محض اس توقع سے ہوتا ہے کہ کچھ ملے گا۔ جب ان کو عوض دنیوی مقصود ہو گیا، ان کا پڑھنا بھی خالصاً للہ نہ رہا۔ اس لئے اس کا ثواب بھی نہ ملے گا۔ پھر مردہ کو کیا بخشے گا۔

غرض یہ ساری مشقت اور سامان سب رائیگاں ہے بلکہ قرآن خوانی کو جو ان لوگوں نے ذریعہ جاہ و مال کا بنایا اس کا گناہ سر پر الگ رہا، اور جس طرح قرآن کا عوض لینا جائز نہیں اسی طرح دینا بھی جائز نہیں۔ اس بناء پر نخود و طعام تقسیم کرنے والا بھی اس الزام سے بری نہ رہا اور التزام و تعین کی کراہت ان سب کے علاوہ ہے اور بعض موقعوں پر پھول وغیرہ بھی تقسیم ہوتے ہیں یہ صاف تشبہ بالکفار ہے۔ اسی طرح پنج

آیت میں بھی ہر شخص اپنی قرأت کا اظہار کرتا ہے اور ریا کا معصیت ہونا ظاہر ہے۔ پھر وہی التزام اور تعین کا قصہ اس میں بھی ہے۔

ششم، اکثر جگہ دستور ہے کہ کچھ معین تاریخوں میں یا ان کے قریب قریب آگے پیچھے کچھ کھانا پکا کر برادری میں تقسیم ہوتا ہے اور کچھ مساکین کو کھلاتے ہیں، اور اس کا ثواب مردے کو بخشتے ہیں۔ اس میں بھی وہی قصہ ریاء وتفاخر کا ہے اور اتباع رسم کی وجہ سے اس کی ایسی پابندی ہے کہ بعض اوقات قرض لے کر کرتے ہیں اور اگر کوئی ان سے کہے کہ جتنے دام اس میں صرف کرتے ہیں وہ دام خفیہ طور پر دے دو تو یہ ہرگز گوارا نہ ہو اور یہی خیال کریں کہ واہ اس قدر خرچ بھی کیا اور کسی کو اطلاع بھی نہ ہوئی، اور اکثر ترکہ مشترکہ میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ جس کا ممنوع ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے، اس کے علاوہ اس میں برادری کا کیا حق ہے۔ غیر مستحقین کو دینا یہ بھی اضاعت مال ہے جس کی ممانعت حدیث وقرآن میں موجود ہے۔ اس قدر مفاسد اس تقسیم طعام میں مجتمع ہیں۔ اس لئے یہ بھی واجب الترک ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھر ایصال ثواب کس طرح کریں۔ جواب یہ ہے کہ جس طرح سلف صالحین کرتے تھے۔ بلاتقیید وتخصیص اپنی ہمت کے موافق حلال مال سے مساکین کی خفیہ مدد کریں اور جو کچھ توفیق ہو بطور خود قرآن وغیرہ ختم کر کے اس کو پہنچا دیں یا قبرستان میں قبل دفن جو فضول خرافات میں وقت گزار دیتے ہیں، اس وقت کچھ کلام الٰہی ہی پڑھتے رہا کریں۔ بلکہ یہ وقت مردہ کی زیادہ دست گیری کے قابل ہے۔

اور حدیث میں بھی ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو دفن کر کے کچھ تسبیح وغیرہ پڑھیں، جس سے ان کو ضیق قبر سے نجات ہوئی۔ غرض ایصال ثواب سے کوئی منع نہیں کرتا۔ البتہ منکرات ومکروہات سے منع کرتے ہیں۔ جن سے ثواب بھی نصیب نہیں ہوتا اور مال بھی برباد ہوتا ہے۔

ہفتم، میت کے گھر عورتیں کئی کئی بار جمع ہوتی ہیں اور وہاں پان چھالیہ اور کھانا کھاتی ہیں۔ سو اس میں کئی امر مکروہ جمع ہیں۔ اول تو کئی کئی بار تعزیت کرنا جس کو درمختار میں تصریحاً ممنوع لکھا ہے۔ اور عقل میں بھی لو یہ بات آتی ہے کہ بار بار غم کو یاد دلانا ایک نامعقول حرکت ہے۔ تعزیت کی حرکت تو یہ ہے کہ یادشدہ غم کو بھلا دیا جائے نہ یہ کہ بھولے ہوئے غم کو یاد دلایا جائے۔ پھر یہ کہ جو تعزیت کے معنی ہیں کہ اہل میت کو تسلی دیں کہ ان کو صبر کی فہمائش کریں اس کا تو کہیں پتہ بھی نہیں ہوتا۔ بعض تو اس قصہ کو زبان تک نہیں لاتیں۔ اگر مجمع میں بیٹھ گئیں تو شکایتیں جہان بھر کی شروع ہو جاتی ہیں۔ ذرا کوئی پوچھے تو کہ تمہاری تشریف آوری سے کیا فائدہ ہوا۔ بس ایک الزام اتارنا ہے اور کچھ بھی نہیں اور بعض جو دردمند ہیں وہ عقل مند بجائے اس کے کہ صبر دلائیں اور الٹا صاحب خانہ کے گلے لگ کر رونا پیٹنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس میں بڑی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ استغفر اللہ نوحہ اور چلانے کا جو گناہ ہے وہ الگ رہا۔ خود عقل کے بھی تو خلاف ہے۔ ہمدردی کے تو معنی یہ ہیں کہ اہل میت کے دل کو تھاما جائے نہ کہ اور زیادہ برانگیختہ کیا جائے تو غرض یہ بھی تعزیت نہ ہوئی تو عورتوں کا آنا محض بے کار ٹھہرا اور ان کے جمع ہونے میں اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جو تجربہ سے معلوم ہوتی ہیں اور باب دوم میں کسی قدر اس جمعیت نامبارک کا بیان بھی ہو چکا ہے۔

دوسرے میت کی گھر آ کر اپنی مہمانداری کرانا، ان سے پان چھالیہ لینا یا کھانا لینا خود ایک امر مذموم ہے، چنانچہ کتب فقہ میں تصریح موجود ہے۔ البتہ جو دور کا مہمان ہو اور تعزیت کے لئے آیا، اس کے لئے جائز ہے۔ چنانچہ درمختار میں ''کتاب الوصیت'' میں مذکور ہے۔

غرض کہ اہل میت پر اس قسم کا بار ڈالنا اور ان کو تکلیف پہنچانا بالکل خلاف شرع اور نہایت ہی بے دردی کی دلیل ہے۔ ہمارے اطراف میں ایسا برا دستور ہے کہ

مدتوں میت کے گھر گاڑیوں کی چڑھائی رہتی ہے۔گھر والا دانہ گھاس دیتے دیتے اور ان مہمانوں کی خاطر داری کرتے کرتے تنگ ہوجاتا ہے۔ حدیث میں بالتصریح میزبان کو تنگ کرنے کی حرمت وارد ہے اور غضب در غضب یہ ہے کہ بیوہ عورت کو ایک بار تو شوہر کی موت پر اس طرح تنگ کیا تھا کہ ابھی وہ اس بار سے ہلکی نہ ہونے پائی تھی کہ انقضائے عدت کے وقت پھر وہی فوج کشی ہے۔ گویا عدت کوئی تنگ کوٹھری ہے کہ اس میں سے نکالنے کے واسطے مجمع عظیم کی ضرورت ہے کہ کوئی ہاتھ پکڑے گا، کوئی پاؤں پکڑے گا اور سب مل کر اس سے نکالیں گے۔ نعوذ باللہ!

تیسرے یہ خرابی ہے کہ ان تمام نزدیک و دور کے مہمانوں کا خرچ گھر والا ترکہ مشترکہ میں سے لٹاتا ہے، یہ بھی صریح ظلم اور حق تلفی دوسرے ورثہ کی ہے جس کو مہمانداری کرنا ہو اپنے حصہ میں سے کرلے۔ دوسروں کے مال میں تصرف کرنا بلا اذن (۱) معتبر شرعی بالکل حرام ہے اور یہ عذر کرنا کہ میرا حصہ ان مصارف کے لئے کافی نہیں، بالکل لچر بات ہے۔ اگر یہ سب حصے بھی کافی نہ ہوں تو کیا پڑوسیوں کی چوری بھی حلال ہوجائے گی۔

غرض یہ قافلہ مہمانوں کا اس گناہ کا بھی باعث ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ جو مرد عورت قریب کے ہیں وہ کھڑے کھڑے آئیں اور تعزیت کرکے چلے جائیں۔ پھر دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں، نہ کوئی تاریخ معین کرنے کی حاجت۔ جب جس کو فرصت ملے ہوجایا کرے اور جو دور کے ہیں اگر سمجھیں کہ بدون ہمارے گئے ہوئے اہل مصیبت کو ہرگز صبر نہ آئے گا تو اس مصلحت اور ضرورت سے آئیں، تو مضائقہ نہیں۔ ورنہ خط سے تعزیت ادا کریں کہ یہ بھی سنت ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے تو حضرت معاذ بن جبل ؓ کو ان کے بیٹے کے مرنے میں خط ہی سے تعزیت فرمائی تھی۔

---

(۱) بلا اجازت

ہشتم، دستور ہے کہ اہل میت کے لئے اول روز کسی عزیز قریب کے گھر سے کھانا آتا ہے، یہ فعل فی نفسہ جائز بلکہ مسنون اور قرین مصلحت ہے، مگر اس میں چند مفاسد پیدا ہوگئے ہیں۔ ان کی اصلاح واجب ہے۔

اول تو اس میں ادلا بدلا ہونے لگتا ہے کہ انہوں نے ہمارے یہاں دیا تھا ہم ان کے گھر دیں۔ یہ کوئی تجارت نہیں۔ غم زدوں کی دست گیری ہے۔ اس میں غضب یہ ہے کہ قرض چلنے لگا۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایک تبرع ہے اور تبرع میں جبر حرام ہے۔ جب ایک شخص نے محض رسم کی وجہ سے واجب ادا سمجھا تو یہ جبر صریح ہے۔ بعض اوقات جب گنجائش نہیں ہوتی، قرض لینے کی نوبت آتی ہے تو ایسی پابندی بلاشک مکروہ ہے۔ اس میں بے تکلفی و سادگی مناسب ہے۔ جس عزیز کو توفیق ہو کھانا بھیج دے، نہ اس میں ادلے بدلے کی ضرورت ورعایت چاہئے اور نہ ترتیب قرابت کے لحاظ کی ضرورت ہے کہ ہائے فلاں کس طرح بھیجے، میں اس کی نسبت زیادہ نزدیک کا رشتہ دار ہوں۔ اس پر تکرار ہے، اصرار ہے، ہرگز دور کے رشتہ دار کو نہیں بھیجنے دیتے۔ مرتے ہیں مارتے ہیں، قرض کرتے ہیں اور بھیجتے ہیں۔ بس وہی مصیبت بدنامی مٹانے کی۔

دوم اہل میت کے دو چار آدمی ہوں، مگر کھانا پکتا ہے دور تک کے کنبے کا۔ یہ بھی محض حد شرعی سے تجاوز ہے۔ اہل میت پر چونکہ غلبہ غم کا ہوتا ہے اس لئے وہ پکانے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، سارے کنبہ پر ہرگز ایسا غلبہ نہیں ہوتا کہ ان کے چولھے بھی سرد ہو جائیں، نہ ان کو کھانا جائز نہ ان کے لئے پکانا جائز۔ بس مختصر سا کھانا کافی ہے۔

نہم، دستور ہے کہ قبر پر یا گھر پر حفاظ کو بٹھلا کر کہیں دس روز، کہیں چالیس روز یا کم وبیش قرآن مجید ختم کراتے ہیں۔ پھر ان کو کچھ اسباب کچھ نقد وغیرہ دیتے ہیں۔ گو اس کو لوگ کوشش کرکے درست بنانا چاہتے ہیں مگر بات کھلی ہوئی ہے کہ جب مقصود جانبین کا اجرت دینا لینا ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں اس لئے یہ فعل ہرگز

درست نہیں۔ نہ ایسے قرآن پڑھنے کا ثواب ملے۔ جب پڑھنے والے کو نہ ملا تو مردہ کو کیا پہنچے گا۔

بعض لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے کہ آخر ضرورت کے واسطے متاخرین نے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز فرمایا ہے جواب خود اس سوال میں موجود ہے۔ یعنی وہاں کی ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا کہ اندیشہ قرآن مجید کے ضائع ہو جانے کا تھا۔ یہاں کون سے دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ دوستوں کو بطور خود پڑھ کر بخشنا موجب نفع ہے۔ بعض ملکوں میں یہ غضب ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھانے پر قبر کی زیارت کرنے پر اجرت لیتے ہیں۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دہم، اہل میت مدتوں تک سوگ کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلا تہوار آتا ہے اس میں خوشی نہیں کرتے، حد شرعی سے بڑھ کر سوگ کرنا بھی حرام ہے۔

پانچویں فصل

منجملہ ان رسوم کے رمضان المبارک کے بعض معمولات ہیں جو لوگوں میں شائع ہیں۔ اول حفاظ کی عادت ہے کہ اپنا قرآن سنا کر دوسرے حفاظ کا سنتے پھرتے ہیں۔ ہر چند کہ قرآن مجید کا سننا اور ان کے لئے جانا بہت خوبی کی بات ہے۔ مگر ان حضرات کی اکثریت یہ ہوتی ہے کہ اس کی غلطی پر مطلع ہو کر ان کو فضیحت کریں گے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کی عیب جوئی کرنا خود حرام ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی حرمت موجود ہے۔ پھر اس کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہے اور گناہ کے ارادہ سے چلنا، کہیں جانا یہ بھی گناہ ہے۔ البتہ اگر صرف برکات قرآنی حاصل کرنے کے لئے

جائیں یا کسی خوش آواز کا سن کر دل ہی خوش کرنا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ پہلی ضرورت عبادت، دوسری مباح ہوگی۔

بعضے لوگ اس پر یہ طرہ کرتے ہیں کہ دوسری جگہ کھنکارتے ہیں، کہیں لکڑیاں زمین پر یا دیوار پر مارتے ہیں یا لالٹین کا رخ بدل بدل کر اپنی تشریف آوری سے اطلاع دیتے ہیں۔ جس سے پڑھنے والا پریشان ہو کر بھولنے لگے۔ ظاہر ہے کہ کسی عبادت میں خلل ڈالنا خود یہ شیطان کا کام ہے۔ بعضے نماز میں شریک ہو کر قصداً غلط بتلانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کے یاد او عدم یاد کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سب گناہ کی باتیں ہیں۔ اگر کہیں سننے کے لئے جائے، چپکے سے جا کر یا تو بیٹھ جائے، یا بہتر ہے نماز میں شریک ہو جائے اور جب مقصود حاصل ہو جائے، اسی طرح واپس آ جائے۔

دوم، قرآن مجید جلد ختم کرنے کو یا بہت سے قرآن مجید ختم کو فخر سمجھتے ہیں اور اس مقصود کو حاصل کرنے کو خوب تیز پڑھتے ہیں کہ حرف بھی صاف ادا نہیں ہوتے۔ قرآن مجید میں ترتیل کو فرض فرمایا ہے۔ خود اس فرض کا ترک کرنا موجب گناہ ہے۔ خاص کر جب ریاء و نمود و فخر کے لئے ہو تو مضاعف گناہ ہے۔ بعض اس قدر زیادہ پڑھتے ہیں کہ مقتدی گھبرا جاتے ہیں۔ حدیث میں امام کو تخفیف صلوٰۃ کا حکم آیا ہے، اس میں اس حکم کا ترک لازم آتا ہے۔ یہ بھی برا ہے۔ غرض بقدر تحمل مقتدیوں کے پڑھنا چاہئے اور صاف صاف گو کئی ختم نہ ہوں۔

سوم بعض حفاظ کی عادت ہے کہ اجرت لے کر قرآن مجید سناتے ہیں۔ طاعت پر اجرت لینا حرام ہے۔ اسی طرح دینا بھی حرام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے سے مقرر نہیں کیا اس لئے یہ معاوضہ نہیں ہوا۔

جواب یہ ہے کہ گو پہلے سے نہیں ٹھہرایا، نیت تو دونوں کی یہی ہے، اور نیت بھی مرتبہ خطرہ و خیال میں نہیں بلکہ مرتبہ عزم میں، اگر کسی طور سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ وصول نہ ہوگا تو ہرگز وہاں پڑھیں نہیں اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ معروف

مثل مشروط کے ہے۔ جب اس کا رواج ہوگیا اور دونوں کی نیت یہی ہے تو بلا شک وہ معاوضہ ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے شبہ کا جواب فصل چہارم میں گزر چکا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب بلا اجرت پڑھنے والا تو ہم کو ملتا ہی نہیں اور اجرت دے کر سننا جائز نہیں، تو پھر قرآن کیونکر سنیں۔

جواب یہ ہے کہ پورا قرآن سننا فرض نہیں، ایک امر مستحب کے لئے مرتکب حرام کا ہونا ہرگز جائز نہیں۔ الم ترکیف سے تراویح پڑھ لو، ایسی حالت میں قرآن مجید کا ختم ہونا ضروری نہیں۔

چہارم بعض حفاظ کی عادت ہے کہ لیلۃ القدر میں یا اور کسی شب میں سب جمع ہوکر ایک یا کئی شخص مل کر قرآن مجید ختم کرتے ہیں اور عرف میں اس کو شبینہ کہتے ہیں۔ اول تو بعض علماء نے ایک شب میں قرآن مجید کو ختم کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ اس میں ترتیل وتدبیر کا موقعہ نہیں ملتا۔ مگر چونکہ سلف صالحین سے ایک روز میں ختم کرنا بلکہ بعض سے کئی کئی ختم کرنا منقول ہے۔ اس لئے اس میں گنجائش ہوسکتی ہے، مگر اس میں اور بہت سے مفاسد شامل ہوگئے، جس کی وجہ سے یہ عمل شبینہ کا بطریق مروج بلاشک مکروہ ہے۔

۱۔ ہر شخص کوشش کرتا ہے جس طرح ممکن ہو شب بھر میں قرآن مجید ختم ہوجائے اور اس وجہ سے نہ ترتیل کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ غلطی رہ جانے کا غم ہوتا ہے۔ بعض اوقات خود پڑھنے والے یا سننے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مقام پر غلطی پڑھی گئی ہے مگر اس ختم کرنے کے خیال سے اس کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں۔

۲۔ اکثر پڑھنے والوں کے دل میں ریاء وتفاخر ہوتا ہے کہ زیادہ اور جلدی پڑھنے سے نام ہوگا کہ فلاں نے ایک گھنٹے میں اتنے پارے پڑھے اور ریاء وتفاخر کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

۳۔ بعض جگہ نوافل میں یہ ختم ہوتا ہے اور نوافل کی جماعت خود مکروہ ہے اور اگر تراویح میں پڑھا، اس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اگر سب مقتدی شریک تب تو ان پر پورا جبر ہے اور اگر وہ نہ شریک ہوئے تو آج کی تراویح میں جماعت سے محروم رہے۔ یہ جبر اور حرمان دونوں امر مذموم ہیں۔

۴۔ بعض لوگ شوق میں شریک تو ہو جاتے ہیں مگر پھر ایسی مصیبت پڑتی ہے کہ توبہ توبہ کھڑے کھڑے تھک جاتے ہیں، پھر بیٹھ کر سنتے ہیں، پھر لیٹ جاتے ہیں، ادھر قرآن ہو رہا ہے، ادھر سب حضرات آرام فرما رہے ہیں۔ بعضے آپس میں باتیں کرتے جاتے ہیں۔ غرض قرآن مجید کی بہت سی بے ادبی ہوتی ہے اور صورت اعراض کی سی ہوتی ہے۔ اس میں سحری کا وقت آجاتا ہے تو اس ختم کرنے کے خیال سے پڑھنے والے کو سب کے ساتھ سحری میں شریک نہیں کرتے، وہ کھڑا ہوا قرآن سنا رہا ہے اور سب کھانا کھا رہے ہیں۔ قرآن کریم سننے کے وقت دوسرا کام کرنا ہرگز جائز نہیں۔

۵۔ بعض حفاظ نماز سے خارج ہو کر پڑھنے والے کو بتلاتے رہتے ہیں اور سب کی نماز تباہ کرتے ہیں۔

۶۔ بعض جگہ سحری کے لئے چندہ ہوتا ہے اور دبا کر، شرما کر بھی وصول کیا جاتا ہے، جس کا حرام ہونا آگے آتا ہے۔

۷۔ بعض اوقات صبح صادق ہو جاتی ہے اور قرآن کچھ رہ جاتا ہے۔ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اس کو پورا کر ڈالتے ہیں۔ بعد صبح صادق کے اور نوافل پڑھنا مکروہ ہے بجز دو سنت کے۔

پنجم، ختم کے روز اکثر مساجد میں معمول ہے کہ شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ ہر چند کہ قرآن مجید کا ختم ہونا نعمت عظمٰی ہے، جس کے شکریہ اور فرحت میں کوئی چیز تقسیم کرنا بہت خوب امر ہے مگر اس میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں:

۱۔ چونکہ اس کا عام رواج ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر شیرینی تقسیم نہ ہو تو عام لوگ ملامت وطعن کرتے ہیں۔ اس لئے تقسیم کرنے والوں کی نیت اکثر اچھی نہیں رہتی۔ اسی الزام سے بچنے کے لئے لامحالہ تقسیم کرتے ہیں۔ خواہ گنجائش ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تردد کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہی خیال ہوتا ہے کہ بھلا کیسے تقسیم نہ ہو، لوگ کیا کہیں گے اور ریاء وتفاخر کا حرام ہونا اور اس نیت سے جو فعل ہو اس کا معصیت ہونا چند بار بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ اکثر جگہ چندہ سے شیرینی آتی ہے اور اہل محلہ اور نمازیوں سے جبراً چندہ لیا جاتا ہے اور یہ بھی جبر ہے کہ ان کو مجمع میں شرمایا جائے یا ایسے شخص مانگنے اٹھے جس کی وجاہت کا اثر پڑے۔ چونکہ حدیث میں وارد ہے کہ کسی مسلمان کا مال بلاطیب خاطر اس کے حلال نہیں۔ اس لئے ایسے چندہ سے جو چیز خریدی جائے گی سب ناجائز ہے۔

۳۔ اس روز مٹھائی کے لالچ سے ہر طرح کے لوگ مسجد میں بھر آتے ہیں۔ بے نمازی یا برہنہ تن برہنہ لونڈے جن کی طہارت کا، نجاست کا کچھ اعتبار نہیں اور تمام مسجد اور فرش کو ملوث کرتے ہیں۔ اور غل غپاڑہ اس قدر رہتا ہے کہ نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے۔

۴۔ مجمع کو سنانے کے لئے خود حافظ صاحب بھی اس روز خوب بنا کر پڑھتے ہیں۔ ریاء کا مذموم ہونا اور اس کے اسباب کا مذموم ہونا سب جانتے ہیں۔

۵۔ پھر تقسیم کے وقت جو کچھ دھول دھپا، شور وغل، گالی گلوچ ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اسی طرح اور بہت سی خرابیاں ہیں۔ البتہ شکریہ کے واسطے اگر دل چاہے، حسب گنجائش بلا اعلان جو کچھ میسر ہو نقد یا غلہ یا طعام یا شیرینی مستحقین کو بلا پابندی دے دینا بہت مستحسن ہے۔

ششم، مساجد میں روزانہ اور ختم کے روز کثرت سے روشنی کرنا، اس میں بہت

سی مکروہات ہیں:

ا۔ اسراف: کہ اس قدر تیل اور بتی مفت ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر یہی رقم مسجد کے کسی ضروری کام ڈول، رسی، فرش، لوٹا وغیرہ میں صرف کی جائے تو کس قدر مدد پہنچے اور اسراف کا حرام ہونا بار بار مذکور ہو چکا ہے۔

۲۔ اکثر روشنی کرنے والوں کی نیت وہی ناموری ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ایسا اہتمام کیا۔

۳۔ مسجد تماشا گاہ بنتی ہے۔ عبادت گاہ کا تماشا گاہ بنانا کس قدر معیوب ہے۔

۴۔ نمازیوں کی توجہ اس طرف مبذول رہتی ہے۔ نماز میں خیال بٹتا ہے۔ خشوع فرض ہے، جو چیز مخل خشوع ہوگی بلاشک مذموم ہوگی۔ بالخصوص مہتمم کی طبیعت بالکل اس میں مشغول رہتی ہے کہ فلاں چراغ بجھتا ہے، فلاں بھڑکتا ہے، فلاں کو ابھارنا چاہیے، فلاں کو کم کرنا چاہیے، نماز و ماز خاک نہیں۔

ہفتم بعض جگہ شب قدر میں لوگ جمع ہو کر شب بیداری کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ اس کا مکروہ ہونا فصل سوم میں بیان ہو چکا ہے۔ اتفاقاً اگر دو چار آدمی جمع ہو جائیں وہ اور بات ہے۔ غرض بطور خود ہر شخص حسب ہمت عبادت میں مشغول رہے۔ خاص اہتمام اور انتظام خلاف شرع ہے۔

چھٹی فصل

منجملہ ان رسوم کے بعض عورتوں کا یہ معمول ہے کہ رمضان المبارک میں حافظ کو گھر میں بلا کر اس کے پیچھے قرآن مجید سنتی ہیں۔ اس میں علاوہ ان مفاسد کے جو باب دوم میں عورتوں کے جمع ہونے میں لکھے گئے ہیں یہ مفاسد زائد ہیں:

ا۔ جو شخص قرآن مجید سناتا ہے حتی الامکان آواز کو بنا کر لہجہ کو دلکش کر کے پڑھتا

ہے۔ مردوں کا ایسا نغمہ عورتوں کے کان میں پڑنا بلاشک موہم فتنہ وفساد قلب ہے۔ حدیث میں اس کی دلیل واضح ہے۔

۲۔ عورتوں کے مزاج میں چونکہ بے احتیاطی ہوتی ہے اس لئے سلام پھیر کر پکار پکار کر باتیں کیا کرتی ہیں اور امام صاحب سنا کرتے ہیں۔ بلاضرورت عورتوں کا اپنی آواز اجنبی مردوں کے کان میں ڈالنا شرعاً ناپسندیدہ(۱) ہے۔

۳۔ بعض مجمع میں تمام عورتیں اس مرد کے اعتبار سے نامحرم ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی بھی اس کی بی بی یا ماں نہیں ہوتی۔ ایک گھر میں مرد کا اتنی نامحرم عورتوں کے ساتھ جمع کرنا بلاشک حکم شرعی کے خلاف ہے اور یہ موٹی بات ہے کہ شرعاً عورتوں کا مسجد میں جانا منع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ مردوں وعورتوں میں مباعدت (۲) رہے۔ پس جب عورت کو مردوں کے مجمع میں جانے کی ممانعت ہے اسی طرح مرد کو عورتوں کی مجمع میں جانے سے اور عورتوں کو مرد کے مجمع میں جانے سے کیوں نہ ممانعت ہوگی۔

عورتوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ اپنے گھروں میں الگ الگ تراویح پڑھیں۔ ہاں کسی کا بھائی بیٹا حافظ ہو، اور دو چار بیبیاں گھر کی جمع ہو کر اس کے پیچھے قرآن سن لیں تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ شخص فرض جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھے اور اگر دو چار میں کوئی پردہ دار ہو تو درمیان میں کوئی دیوار یا پردہ وغیرہ حائل ہو اور عورتوں کے جمع ہونے کا اہتمام نہ کیا جائے۔

ساتویں فصل

منجملہ ان رسوم کے مدارس یا مساجد کے لئے چندہ جمع کرنے کی رسم ہے۔ اس

(۱) یعنی ناجائز ہے۔ (۲) دوری ۱۲

طرح سے کہ دینے والے مجمع کی شرم سے یا اس مہتمم کے دباؤ یا لحاظ سے دے نکلیں۔ یا نادہندگی و خست کی شہرت کے اندیشہ سے دیتے ہیں، اور قرائن تو یہ سے معلوم ہو جائے کہ اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو یہ شخص نہ دیتا تو ایسی صورت میں ان ذرائع سے وصول کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اس باب میں حدیث بھی مذکور ہو چکی ہے اور امام غزالیؒ نے اس مسئلہ کی تصریح کردی ہے۔ رہا یہ سوال کہ صاحب بلا دباؤ تو کوئی دیتا نہیں اور یہ کام کرنا ضرور ہے، پھر کیا کریں۔ یہ بات بالکل ہی پوچ ہے۔ اول تو یہی غلط ہے کہ بلا دباؤ تو کوئی دیتا نہیں۔ بہت سے بندگان خدا خود تقاضا کر کے دیتے ہیں۔ دوسری جن اغراض کے لئے اس طرح چندہ لیا جاتا ہے وہ اغراض خود شرعاً ضروری نہیں۔ کیونکہ اکثر مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فضول خرچیوں کے لئے اتنی بڑی رقموں کی حاجت ہوتی ہے۔ اگر رقم کم ہو، مسجد کچی بنالو۔ چھپر ڈال لو، نماز کے لئے بہت ہے۔ مدرسہ مختصر بنالو یا کسی کرایہ کے مکان میں رکھ لو یا کسی مسجد میں بیٹھ جاؤ، معقولات کا درس کم کرو۔ قطبی تک پڑھانے والا تھوڑی تنخواہ کا مدرس کافی ہے۔ فرش و سامان میں تکلف مت کرو۔

غرض جہاں تک اختصار ممکن ہو اختصار کرو اور ضروری ضروری کاموں پر نظر رکھو۔ اگر اتنا بھی حلال طور سے نہ ملے، کام بند کردو۔ یہ سب مسلمانوں کا کام ہے کچھ اکیلے مہتمم کا نہیں ہے۔ چلے چلاؤ نہ چلے بند کردو۔ بلکہ دین کا کام دین کے خلاف ہو کر کرنا اور بھی زیادہ برا ہے اور جو کام سرے سے ضروری نہیں، جیسا قحط یا وبا میں مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ۔ اس لئے چندہ کرنا اور بھی زیادہ برا ہے اور مشاہدہ ہوا ہے کہ قحط و وبا کے چندہ میں مساکین کو بہت ہی کم پہنچتا ہے۔ مہتممین (۱) کے گھروں میں اور ان کے اقارب و اصحاب کو خوب حصے پہنچتے ہیں۔

---

(۱) قوم کے خادمین انتظام کے لئے چنے ہوئے ۱۲۔

آٹھویں فصل

منجملہ ان رسوم کے بعض مدارس کی رسم ہے کہ جب طالب علم نے کتابیں پڑھ لیں، خواہ اس کو استعداد ہو یا نہ ہو اور خواہ اپنے علم کے موافق عامل ہو یا نہ ہو اس کو سند فضیلت دے دیتے ہیں اور دستار بندی کر دیتے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ رسم دستاویز واقع میں اساتذہ مشائخ کی طرف سے عوام کے روبرو اس امر کا اظہار اور شہادت ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک اس قابل ہے کہ دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے مسائل پوچھ کر عمل کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ یہ شخص آج سے مقتدائے دین ہے۔ جب حقیقت اس کی یہ ہے تو جو شرائط شہادت کی ہیں وہ اس میں بھی ہونا واجب ہے اور شہادت کی بڑی شرط یہ ہے کہ شاہد کو اس امر کا پورا علم اور یقین ہو جس کی شہادت دے رہا ہے وہ صحیح ہے تاکہ اس کو جھوٹ کا گناہ اور دوسروں کو دھوکہ دینے کا گناہ نہ ہو اور کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے۔ اسی طرح یہاں بھی اس شخص کی نسبت پوری تحقیق ہونا چاہئے کہ قابل مقتدا الدین (۱) بننے کے ہے یا نہیں۔ اگر علمائے حاضرین کو اس پر پورا اطمینان ہو اور اس کی حالت علمی و عملی قابل قناعت ہو تو دستار بندی بہت خوب رسم ہے کہ اس میں اظہار ناواقفوں کے روبرو ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ تکلفات زائد جس میں کہ ریاء و اسراف لازم آئے نہ کئے جائیں، بلکہ اگر واعظوں کے لئے بھی کوئی ایسی شرط ہو جائے کہ بلا امتحان و سند علماء کے وعظ نہ کہنے پائیں اور عوام بھی بدون پیش کرنے سند کے کسی اجنبی کا وعظ نہ سنا کریں تو بڑی ضروری مصلحت کی بات ہے۔ اس سند و دستار بندی کی یہ حکمت ہے اور بدون اہلیت کے ہرگز دستار بندی نہ کی جائے نہ سند دی جائے کہ بجز اضلال خلق کے اس کا اور کیا ثمرہ ہے۔

---

(۱) دین کا پیشوا ۱۲

نویں فصل

منجملہ ان رسوم کے تبرکات کی زیارت ہے جس میں اکثر عوام کا مجمع زیادہ ہوتا ہے۔اس میں بھی بکثرت بے احتیاطیاں ہوتی ہیں۔

ا۔ بعض جگہ تو تبرکات ہی بے اصل ہیں۔حضور پر نور ﷺ کی طرف غلط نسبت کرنا کس قدر موجب وعید ہے۔اسی طرح اولیاء اللہ و بزرگان دین پر افتراء کرنا بھی جھوٹ تو ضرور ہے بلکہ بعض تبرکات کے غلط ہونے پر دلیل عقلی یا نقلی شہادت دیتی ہے۔چنانچہ قدم شریف کے قصے کا اکثر محدثین نے انکار کیا ہے اور بعض قرآن پر اعراب لگائے ہوئے حضرت علیؓ کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔اس زمانہ میں یہ اعراب اصطلاحی نہ تھے۔البتہ جہاں کوئی دلیل مکذب نہ ہو ہم کو تکذیب کی حاجت نہیں۔بالخصوص جہاں قرآئن سے صدق غالب ہو وہ ظناً تبرک ہے۔گو یقیناً نہ سہی کیونکہ دلائل یقین کے مفقود ہیں۔

۲۔ زیارت کرانے پر معاوضہ لیا جاتا ہے۔فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسے امور پر معاوضہ لینا حرام اور رشوت ہے۔

۳۔زیارت کے وقت اکثر مردوں عورتوں کا اختلاط جسمی یا نظری ہو جاتا ہے۔

۴۔ بعض تبرکات نبویہ ﷺ کے زیارت کرانے کے وقت عوام کے مجمع میں اشعار ندائیہ پڑھے جاتے ہیں اور ہیئت بھی حضور ﷺ کی سی بنائی جاتی ہے۔جس سے عوام کو ایہام رونق افروزی حضور پر نور ﷺ کا احتمال ہوتا ہے۔اس عقیدے کی تفصیل فصل اول بحث عام قیام میں ہو چکی ہے۔

۵۔اس کا اہتمام تداعی فرائض و واجبات سے زیادہ ہوتا ہے اور محتاط کو نشانہ ملامت بناتے ہیں۔یہ صریح تعدی حدود ہے۔اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس ہیئت

سے زیارت نہ کی جائے بلکہ خلوت میں یا خلوت خاص میں بلا پابندی ان رسوم کی زیارت سے مشرف ہو جائے اور کبھی کبھی بلا تعین وقت بطور خدمت کے خادم تبرکات کی خدمت میں کچھ پیش کر دیا کرے، اس کا مضائقہ نہیں۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے مساجد کی زینت و تکلف ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو، فقہاء نے فرمایا ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ مساجد کے استحکام کے لئے اہتمام و صرف کرنا تو مضائقہ نہیں، مگر زیب و زینت و نقش و نگار مکروہ ہے، بلکہ اگر مال وقف سے کرے گا تو متولی کو اپنے گھر سے اتنا روپیہ بھرنا پڑے گا اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے کہ مسجد کس غرض کے لئے شرعاً موضوع ہوئی ہے۔ غرض یہی ہے کہ اس میں عبادت کی جائے اور عبادت کی روح اعظم حضور قلب و خشوع ہے تو لامحالہ جو چیز مخل خشوع ہوگی وہ مخل عبادت ہے اور وہ موضوع مسجد کے خلاف ہے تو ضرور مسجد میں اس کا منتظم کر دینا ممنوع ہونا چاہئے۔

اسی واسطے حدیث بخاری میں حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی ﷺ کے مستری کو رنگ آمیزی کرنے سے منع فرمایا اور یہی وجہ بیان فرمائی کہ اس میں لوگوں کے دل کو مشغولی ہوگی، گویا عبادت گاہ تماشا گاہ بن جائے گا۔ واقعی کس قدر قلب موضوع ہے اور حدیث ابوداؤد میں ایسی زیب و زینت کو یہود و نصاریٰ کا فعل بتایا گیا ہے۔ ان کے ساتھ مشابہت کرنا بھی بالیقین برا ہے۔ پھر اس میں اسراف بھی ہے۔ علاوہ اس کے اکثر تفاخر و شہرت کا قصد بھی ہوتا ہے اور اکثر اس قدر تکلف کے لئے حلال مال بھی کم میسر آتا ہے کیونکہ حلال مال اول تو اس قدر کس کے پاس ہے، پھر اس کو اس طرح بے دریغ خرچ کرنا بھی مشکل ہے، حرام مال مسجد میں لگانا اور زیادہ وبال ہے۔

غرض اتنی خرابیاں اس میں ہیں۔ اس لئے مساجد کو سادہ اور مستحکم بنانے پر اکتفا کریں، ان سب زوائد کو حذف کردیں۔ جس قدر اس میں خرچ کرنا ہو مصلحت اس کی یہ ہے کہ اول اس کی کوئی جائیداد یا دکان وغیرہ خرید کر اس کے مصارف کے لئے وقف کردیں اور بعض لوگوں کا حضرت عثمانؓ کے قصہ بناء مسجد نبوی ﷺ اور اس میں ساج وغیرہ کے منقش کرنے کے قصے کو دلیل نقلی میں پیش کرنا اور مصلحت اعزاز و رفعت دین کو دلیل عقلی میں پیش کرنا محض ناکافی ہے۔

حضرت عثمانؓ نے اس قدر تکلف نہیں فرمایا تھا نہ ان کی نیت میں تفاخر تھا نہ مشتبہ مال اس میں لگایا ان کے قصے پر اپنے فعل کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

اور دین کا اعزاز و ترفع ایسے امور سے نہیں ہوتا بلکہ سادگی میں اس کا حسن اور دوبالا ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد نحن (۱) قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام آب زر سے لکھ کر حرز جاں بنانے کے قابل ہے، اور اس کے حاشیہ پر حافظ شیرازی کا شعر چڑھانے کے لائق ہے:

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی ست!
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

اسی طرح مساجد بہت پاس پاس بنانا بالخصوص تفاخر و تزاحم کے لئے بھی بالکل دین اور عقل کے خلاف حرکت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین کے کام کو دین کے طور پر کرو ورنہ نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون ہو جاتا ہے۔

---

(۱) ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ عزت دی ہے۔

غرض اتنی خرابیاں اس میں ہیں۔اس لئے مساجد کو سادہ اور مستحکم بنانے پر اکتفا کریں، ان سب زوائد کو حذف کردیں۔ جس قدر اس میں خرچ کرنا ہو مصلحت اس کی یہ ہے کہ اول اس کی کوئی جائیداد یا دکان وغیرہ خرید کر اس کے مصارف کے لئے وقف کردیں اور بعض لوگوں کا حضرت عثمانؓ کے قصہ بناء مسجد نبوی ﷺ اور اس میں ساج وغیرہ کے منقش کرنے کے قصے کو دلیل نقلی میں پیش کرنا اور مصلحت اعزاز و رفعت دین کو دلیل عقلی میں پیش کرنا محض ناکافی ہے۔

حضرت عثمانؓ نے اس قدر تکلف نہیں فرمایا تھا نہ ان کی نیت میں تفاخر تھا نہ مشتبہ مال اس میں لگایا ان کے قصے پر اپنے فعل کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے:

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

اور دین کا اعزاز و ترفع ایسے امور سے نہیں ہوتا بلکہ سادگی میں اس کا حسن اور دوبالا ہوجاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد نحن (۱) قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام آب زر سے لکھ کر حرز جاں بنانے کے قابل ہے، اور اس کے حاشیہ پر حافظ شیرازی کا شعر چڑھانے کے لائق ہے:

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی ست!
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اسی طرح مساجد بہت پاس پاس بنانا بالخصوص تفاخر و تراخم کے لئے بھی بالکل دین اور عقل کے خلاف حرکت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین کے کام کو دین کے طور پر کرو ورنہ نیکی بعباد گناہ لازم کا مضمون ہوجاتا ہے۔

(۱) ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ عزت دی ہے۔

اصلاح الرسوم

جس کو طبع ثانی کے وقت مؤلف نے اضافہ کیا، اس میں بھی چند فصلیں ہیں اور ہر فصل میں ایک رسم کا بیان ہے۔

پہلی فصل

ایک رسم یہ ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے ورثہ میں سے جو موقع پر موجود ہوتے ہیں اس کے کپڑے نکال نکال کر غریبوں کو محتاجوں، مدارس میں مساجد میں تقسیم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ بعض وارثین جو حاضر نہیں ہیں انہیں ان کا بھی حصہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس تقسیم کو پسند نہ کریں یا ان کی مرضی اور کسی جگہ دینے کی ہو۔ اسی طرح بعض ورثہ بالغ ہوتے ہیں، ان کے حصے میں بھی تصرف کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ اجازت بھی دے دیں تب بھی عقد و تبرع و ہبہ میں ان کی اجازت شرعاً معتبر نہیں ہے۔

اسی طرح کفن کے علاوہ اوپر کی چادر اور جانماز یہ سب کفن سے خارج ہے اور عام رواج یہی ہے کہ یہ ترکہ مشترکہ میت سے بنایا جاتا ہے۔ سو ان چیزوں میں وجہ تصرف فی حق الغیر کے غصب اور ظلم کا گناہ ہوتا ہے اس لئے اس میں احتیاط کرنا ضروری ہے۔ پس اگر میت نے وصیت صراحۃً کی ہو کہ میرے کپڑے مساکین یا صلحاء کو دے دیئے جائیں تو یہ وصیت ثلث ترکہ میں جاری ہوگی۔ یعنی جس قدر کپڑوں کے لئے وہ وصیت کر گیا ہے اگر کل ترکہ کے ثلث سے قیمت میں زائد نہ ہوں تو بلا کسی وارث کے دریافت کئے ہوئے وہ تقسیم کر دیئے جائیں۔ ورنہ ان کو اول تقسیم کرنا چاہئے۔ جب ہر شخص اپنے حصہ پر قابض ہو جائے پھر ہر ایک کو اپنی چیز کا

اختیار ہے، جس کو چاہے دے یا نہ دے اور نابالغوں کا حصہ اگر ان کے بکار آمد ہو رکھا جائے، ورنہ فروخت کر دیا جائے اور رقم ان کے کام میں لگا دی جائے۔

البتہ اگر کسی جگہ سب وارث بالغ ہوں اور تصریحاً دلالۃً بقرائن تو یہ اجازت دے دیں تب بلا تقسیم میں صرف کر دینا جائز ہے اور جس جگہ لینے والے کو حال معلوم نہ ہو تو چونکہ غالب بے احتیاطی ہے اس لئے واجب ہے کہ خوب تفتیش کر لیا کرے یہ نہیں کہ مردہ کے مال کو غنیمت سمجھیں۔ اہل مدارس و مساجد کو اس کا بہت خیال رکھنا ضروری ہے، ان کی احتیاط سے عوام متنبہ ہو جائیں گے۔

دوسری فصل

ایک رسم یہ ہے کہ جب کسی شیخ کی وفات ہوئی اس کے مردوں نے جمع ہو کر اس کے کسی بیٹے کو یا کسی خادم کو سجادہ نشین کر دیا اور سند کے لئے دستار بندی کر دی۔ خواہ اس میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جو لوگ ابھی خود اس راہ سے نا آشنا ہیں ان کی اجازت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جتنے لوگ ایسے رسمی سجادہ نشین سے بیعت ہوں گے ان سب کی گمراہی کا وبال اس سجادہ نشین کی برابر ان ارباب جلسہ کو بھی مل جائے گا کہ یہ لوگ بانی ضلالت ہوئے۔ حدیث شریف میں علامات قیامت سے آیا ہے کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس لئے سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب تک کوئی شیخ کامل جامع شریعت و طریقت، جس کو اس زمانہ کے اچھے لوگوں نے اہل مان لیا ہو اجازت نہ دے، بیعت لینے پر جرأت نہ کرنا چاہئے۔

تیسری فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر بعد مرنے مورث اعلیٰ کے کوئی چچا یا بھائی وغیرہ کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح اسی کے حصے سے جو ترکہ سے اس کو پہنچا ہے کر دیتے ہیں اور فضول اخراجات میں اس کو برباد کر دیتے ہیں اور اپنے ذہن میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو ان کی چیز اس کو لگا دی، کون سا گناہ کیا۔

اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ کسی مسخرہ میزبان نے دعوت کر کے مہمانوں کی جوتیاں بیچ کر ان کو مٹھائی کھلا دی تھی اور کہا تھا کہ یہ آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کچھ قرضہ بھی ہو جاتا ہے تو وہ اس لڑکے کے ذمے رکھا جاتا ہے اور اس سے ادا کرایا جاتا ہے۔ یہ کس قدر ظلم صریح ہے۔

پس اول تو فضول رسوم خود ناجائز ہیں اور جو مصارف مباح و جائز بھی ہوں، تب بھی اس کے حصہ سے بارضائے صریح کے جب کہ وہ بالغ ہو صرف کرنا حرام ہے۔ اور اگر وہ نابالغ ہے تو صریح اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں یا ویسے ہی رسمی اجازت ہے بوجہ لحاظ کے یا عرف کے یہ سب غیر معتبر ہے۔

چوتھی فصل

ایک رسم یہ ہے کہ لڑکیوں کو بہنوں کو ترکہ سے حصہ نہیں دیتے جو صریح نص قطعی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں فرمایا ہے کہ مردوں کا بھی حصہ ہے جو کچھ ماں باپ یا تو سب نے چھوڑا اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے، جو کچھ ماں باپ یا اقارب نے چھوڑا قلیل ہو یا کثیر یہ حصہ مقرر کیا ہوا فرض کیا ہوا ہے۔ الخ۔ ایسے صاف

صاف حکم کے خلاف پر کس طرح جرات ہوتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب وہ لیتی نہیں۔ ان سے پوچھنا چاہئے کہ تم نے کب دیا تھا کہ انہوں نے انکار کیا۔ البتہ لحاظ سے مروت سے مانگا نہیں۔ اس سے کسی کا مال حلال نہیں ہو سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دینا چاہا تھا۔ انہوں نے نہیں لیا۔ یہ عذر بھی ناکافی ہے۔ ایک نہ لینا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لینے سے خلقت ملامت کرے گی۔ یہ شرعاً معتبر نہیں۔ ایک نہ لینا محض طیب خاطر سے ہوتا ہے۔ سو اس کا فیصلہ ہر شخص انصاف سے خود کر سکتا ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ اکثر لوگ حاجت مند و مفلس ہیں اور مال کی محبت اکثر قلوب میں راسخ ہے، اس لئے رسمی اجازت کا اعتبار نہیں، بلکہ ضرور ہے کہ بعد مرنے مورث کے سب کا نام بھی درج کرایا جائے۔ اور ششماہی یا سالانہ آمدنی پر سب حساب کر کے ہر ایک کا حصہ روپیہ یا غلہ اس کو اصرار کر کے دیا جائے۔ اگر اعلان سے لینا اس کو ناگوار ہو تو اخفاء کے ساتھ اس کا پورا حق دے یا اس کی جائیداد وغیرہ تقسیم کر کے اس کو حوالہ کرے اور جو وہ انتظام نہ کر سکے تو یہ شخص وکالتاً اس کی جانب سے انتظام کرے یا اس کی خوشی سے خود مناسب طور سے ٹھیکہ پر لے لے اور رقم ٹھیکہ اس کو ادا کرتا رہے۔

بعض لوگ اپنے جی کو سمجھا لیتے ہیں کہ ہم نے تقریبات میں پھوپھی کو بہن کو بھات دیا ہے، جوڑے دیئے ہیں اور ہمیشہ دیا کرتے ہیں۔ یہ گویا اس کا حصہ ترکہ کا ادا کر دیا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں وہی حکایت مسخرہ میزبان کی جو فصل سوم میں لکھی گئی کافی ہے۔

پانچویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ مسجد کی چیز اپنے برتنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ کوئی آگ لے جاتا ہے یا سقاوہ میں سے پانی لے جاتا ہے۔ کوئی بیمار کے لئے پانی پڑھوا کر مسجد کے لوٹے میں لے جاتا ہے۔ کوئی وہاں کا فرش اپنے دعوتیوں کو بٹھلانے کے لئے لے جاتا ہے، کوئی استنجے کے ڈھیلے اپنے گھر استنجا کرنے کے لئے لے جاتا ہے اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ مسجد کا مال وقف ہے، اس میں سب کو حق انتفاع ہے۔

صاحبو! یہی تو ممانعت کی دلیل ہے، کیونکہ وقف کا حکم یہ ہے کہ جس غرض کے لئے جس قید کے ساتھ وقف ہو اس کے سوا دوسری طرح استعمال جائز نہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اشیاء مذکورہ ان اغراض کے لئے وقف نہیں کی گئیں بلکہ جو ضرورتیں نمازیوں کو وہاں نماز پڑھنے کے وقت پیش آتی ہیں ان کے لئے یہ اشیاء وقف ہوتی ہیں۔ اس لئے اس شرط وقید سے تجاوز کرنا حرام ہوگا۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو پانی پینے کے لئے وقف کے طور پر رکھا گیا ہے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وقف کے یہی معنی ہیں تو مسجد کی اینٹیں بھی تو وقف ہیں، انسے اپنا مکان بنالینا جائز ہونا چاہئے۔ وہاں کے کواڑ تختے سب وقف ہیں، یہ بھی لے جانا جائز ہونا چاہئے۔ نعوذ باللہ منہ! اسی طرح بعض قومیں بڑے بڑے مجمعوں کو مسجد میں کھانا کھلاتی ہیں۔ گویا مسجد چوپال ہے یا ان کی بیٹھک ہے۔ یہاں وہی مسئلہ یاد کرنا چاہئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں۔ اس لئے یہ فعل ناجائز ہوگا۔

بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ معلم لوگ جو تنخواہ لے کر قرآن وغیرہ پڑھاتے ہیں، ان کو مسجد میں لڑکے لے کر بیٹھنا جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد عبادت گاہ ہے، تجارت گاہ

نہیں، ان سب امور سے اجتناب واجب ہے اور منجملہ احترام مسجد کے یہ بھی ہے کہ وہاں بدبودار چیز نہ لے جائے۔ حتیٰ کہ مٹی کا تیل اس کے اندر نہ جلائے، دیا سلائی اس کے اندر نہ کھینچے، باہر چراغ روشن کر کے اندر رکھ دے۔ تمبا کو کھانے پینے والا جب تک خوب منہ کو صاف نہ کر لے اس میں داخل نہ ہو۔

چھٹی فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر قصبات میں عیدین کی امامت اور بعض جگہ جمعہ اور نماز پنجگانہ کی بھی محض موروثی بناء پر یہ دعویٰ ریاست کی طرح چلی آتی ہے۔ خواہ امام صاحب میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ بعض جگہ تو امام قران بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ ایسی صورت میں نماز ہی سب کی باطل ہوگی اور اگر الٹا سیدھا صحیح بھی پڑھ لیا، مگر مقتدی لوگوں کو اس کی امامت ناگوار ہے اور جبراً و کرہاً بہ خیال احتمال فتنہ کے ساکت ہیں تو اس امام کو سخت گناہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایسے امام کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ساتویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ عیدین یا جمعہ میں یا اور نمازوں میں پہلے سے خود یا کسی نوکر چاکر دوست آشنا کی معرفت مسجد میں اپنا کپڑا یا تسبیح قبضہ کے لئے رکھ دیتے ہیں اور آزاد اور بے فکری سے جب جی چاہتا ہے تشریف لے جاتے ہیں۔ سو یہ بات بالکل شریعت کے خلاف ہے۔

ہمارے حضور ﷺ سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ ہم حضور ﷺ کے لئے منیٰ میں پہلے خیمہ وغیرہ لگادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، کیونکہ وہاں ٹھہرنے کا استحقاق اس کو حاصل ہے جو پہلے پہنچ جائے۔الخ۔ البتہ کسی جگہ جب آدمی بیٹھ گیا اور نماز ہونے تک بیٹھے رہنے کا ارادہ کرلیا، اگر اتفاقاً درمیان میں عارضی طور پر اٹھنا پڑے۔ مثلاً: وضوٹوٹ گیا، کھنکارنے گیا، اس وقت یہی شخص اس جگہ کا مستحق ہے۔ دوسرے شخص کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔ایک حدیث اس مضمون کی بھی آئی ہے۔

آٹھویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ممتاز اور بلند ہے۔بعض جگہ امام بالکل محراب کے اندر کھڑا ہوتا ہے ان دونوں صورتوں کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ بس اس میں احتیاط کرنی چاہئے کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ایک بالشت بھی بلند نہ ہو اور کم از کم پاؤں محراب سے باہر رہنے چاہئیں۔

نویں فصل

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ دوچار نسخے یاد کرکے مطب اور علاج شروع کردیتے ہیں۔ نہ کلیات سے واقف نہ جزئیات کے احکام معلوم۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص طب میں ماہر نہ ہو اور علاج کرے اور اس کے علاج سے کوئی نقصان ہوجائے وہ ضامن، یعنی دنیا میں قابل ملامت اور آخرت میں موجب عذاب ہے۔ نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان مسلم ہے۔

دسویں فصل

منجملہ ان رسوم کے یہ رسم ہے کہ قربانی کے جانور میں لازم سمجھتے ہیں کہ پائے حجام کا حق ہے اور سری سقہ کا حق ہے۔ اسی طرح عقیقہ میں اپنے اپنے حقوق لازم کرر کھے ہیں، ان کو دینے والا اور لینے والا ضروری سمجھتے ہیں وگرنہ وہ شکایت اور مذمت و ہجو کرتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ بلا اجازت مالک کے یہ چیزیں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

پس سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت میں اس لزوم کی دلیل نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس میں بڑی خرابی لازم آتی ہے۔ وہ یہ کہ قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ المعروف کالمشروط۔ پس جب اس درجہ کا عرف ہو جائے تو ایسا ہوگا جیسا ان لوگوں سے شرط ٹھہرائی گئی ہو، اور اگر کوئی شرط اس طرح ٹھہرائے کہ تم ہمارا فلاں کام کیا کرو تم کو اس خدمت کے معاوضہ میں فلاں چیز دیں گے۔ وہ چیز اس صورت میں اجرت ہوگی، اور اجرت بذمہ کام لینے والے کے دین ہے تو گویا اس شخص نے قربانی کے اجزاء سے اپنا دین ادا کیا اور یہ حکم بیع میں ہے اور حرام اور باطل ہے، صرف تبرعات میں اس کا صرف کرنا جائز ہے۔

اسی طرح کھال کو یہ سمجھنا کہ موذن کا حق ہے، اس میں بھی بعینہ وہی خرابی ہے، جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے۔ چاہئے کہ اس رسم کو موقوف کریں اور بلا تعین اور بلا اعتقاد و استحقاق مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے دے دیا کرے، اسی طرح قربانی میں اور بھی بے احتیاطیاں کرتے ہیں۔

مثلاً عام رواج ہے کہ گائے بھینس کا بچہ پرورش کے لئے حصہ پر دے دیتے ہیں۔ یعنی زید اپنی گائے کا بچہ عمرو کو یہ شرط کر کے دیتا ہے کہ تم اپنے طور پر اس کی

خدمت کرو، کھاؤ پلاؤ، جب بڑا ہو جائے آدھا ہمارا اور آدھا تمہارا، اور یہی اس کا حق الخدمت واجرت پرورش ہے۔

پس کبھی وہ زید کے پاس رہتا ہے اور وہ اجرت و قیمت عمرو کو دیتا ہے۔ کبھی بالعکس، چونکہ یہ کسی عقد صحیح میں شرعاً داخل نہیں، اس لئے معاملہ حرام ہے اور اگر خدمت کرنے والے کے پاس وہ جانور رہا تو اس کی ملک خبیث ہے پس بعض لوگ ایسا جانور خرید کر اس پر قربانی کیا کرتے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں وہ بملک خبیث حاصل ہوگا۔ اس لئے قربانی اس کی مردود ہونی چاہئے کہ اس معاملہ کو بھی ترک کردیں اور ایسے جانور کی قربانی بھی نہ کریں اور دوسری قسم کی بے احتیاطیاں بھی قربانی میں ہو جاتی ہیں۔ علماء سے تحقیق کر کے سب سے احتراز کریں۔ فقط

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

اِصلاحِ انقلابِ اُمّت

جلد اوّل

مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں پھیلی ہوئی کوتاہیوں کی نشان دہی نیز
عبادات، نکاح وطلاق، حقوق العباد اور دیگر معاشرتی معاملات سے متعلق
معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا شریعت کی روشنی میں حکیمانہ علاج

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہٗ

اِدارۃ المعارف کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حرفِ آغاز

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

"اصلاحِ انقلاب امت" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی وہ مجددانہ تصنیف ہے جس میں انہوں نے اپنے زمانہ کے مطابق زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی تعلیمات کی توضیح فرمائی ہے۔ مسلمانوں کی عملی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں وہ اپنے دین کی اصل تعلیمات سے دور نہ ہٹتے چلے گئے ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں عمل کی ان ہی کوتاہیوں کی انتہائی جزرسی کے ساتھ نشان دہی فرمائی ہے اور پھر انہیں دور کرنے کی موثر تدبیریں بتائی ہیں۔

یہ کتاب درحقیقت ایک سلسلۂ مضامین ہے جو دارالعلوم دیوبند کے معروف ماہنامہ "القاسم" میں قسط وار شائع ہوتا رہا، بعد میں اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

احقر نے اپنے ماہنامہ البلاغ میں اس سلسلۂ مضامین کی کچھ قسطیں القاسم سے نقل کرکے شائع کی تھیں، اور اس بات کی آرزو تھی کہ یہ مضامین یکجا طور سے کتابی صورت میں شائع ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سینکڑوں تالیفات بار بار شائع ہوتی رہی ہیں، لیکن حیرت ہے کہ ایسی جامع مفصل اور مفید کتاب غالباً صرف ایک بار شائع ہو کر رہ گئی، اور اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے متوسلین بھی اس کے نام تک سے واقف ہیں۔

اسی دوران احقر کے شیخ ومربی سیدی وسندی حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب دامت برکاتہم نے "اصلاح انقلابِ امّت" کا ایک نسخہ جناب محمد حنیف اللہ لاری صاحب سے حاصل کرکے احقر کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ اس کی طباعت واشاعت کا انتظام کیا جائے۔

احقر نے کتاب کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ موجودہ دور میں اس کو شائع کرنے کے لئے اس پر کچھ کام کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے دور میں لکھی گئی تھی جب عام مسلمان بھی دینی اصطلاحات اور علمی اسلوبِ بیان سے پوری طرح مانوس تھے اور اس سے پورا استفادہ کرسکتے تھے، لیکن اب ہماری شامتِ اعمال سے عوام اس اندازِ بیان سے بہت نامانوس ہوگئے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ تشریحی حواشی وغیرہ کے ذریعہ اسے بالکل عام فہم بنانے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے عہدِ حاضر کے مذاق کے مطابق کتاب میں پیراگراف قائم کرنے اور ذیلی عنوانات لگانے کی بھی ضرورت تھی۔

جہاں تک پہلے کام کا تعلق ہے، میں اس کے لئے فرصت کا متلاشی رہا، لیکن جب یہ دیکھا کہ فرصت کی تلاش میں یہ کام ٹلتا جائے گا اور اس طرح ہوسکتا ہے کہ اصل کتاب کی طباعت ہی میں غیر معمولی تاخیر ہوجائے، تو والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی نے حکم دیا کہ اب تسہیل وتشریح کے انتظار میں کتاب کی طباعت کو مؤخر نہ کیا جائے، کتاب ایک مرتبہ وجود میں آگئی تو انشاء اللہ اس پر اس نوعیت کے کام ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ اس کام سے صرفِ نظر کرکے احقر نے صرف دوسرے کام پر اکتفا کرنے کو مناسب سمجھا، اور اس کے لئے برادرِ عزیز مولوی محمد علی صاحب کو (جو آج کل جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائلپور میں نظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں) کتاب حوالہ کردی۔ انہوں نے پوری کتاب کو نقل کرکے اس کے بڑے حصے پر پیراگراف قائم کئے۔ عنوانات لگائے اور بعض مقامات پر مختصر تشریحی حواشی کا اضافہ کیا، پھر وہ اپنی بعض مصروفیات کی بنا پر کام کی تکمیل نہ کرسکے تو میں نے برادرِ عزیز مولوی عبدالغفار ارکانی صاحب (فاضل دارالعلوم کراچی) سے اس کام کی تکمیل کرائی، چنانچہ کتاب کا نصف سے زائد حصہ انہوں نے ہی نبٹایا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں صاحبان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

بہرکیف ! اب اس کتاب کا پہلا حصہ آپ کے سامنے ہے، انشاء اللہ دوسرا حصہ بھی جلد از جلد پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، اگرچہ تسہیل و تشریح کا کام اس مرتبہ نہیں ہو سکا، لیکن امید ہے کہ انشاء اللہ کتاب کے بیشتر مباحث عام اردو خواں حضرات پوری طرح سمجھ سکیں گے۔ جہاں دشواری محسوس ہو وہاں کسی اہل علم سے سمجھ لیا جائے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

احقر

محمد تقی عثمانی

مدیر: ماہنامہ البلاغ

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی ،

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اپنے دین کی نشر و اشاعت کے لئے منتخب فرمالیا تھا، آپ نے مختلف موضوعات پر تقریباً ایک ہزار تصانیف کا دہ بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے جو انشاء اللہ رہتی دنیا تک مسلمانوں کی رہنمائی کرے گا، ان تصانیف میں حضرتؒ نے اپنے زمانہ کی بیشتر ضروریات سے متعلق بڑی نادر تحقیقات و ہدایات جمع فرمادی ہیں، اور شاید ہی عہدِ حاضر کی ضرورت کا کوئی موضوع ایسا ہو جس پر آپ کی تصانیف یا مواعظ و ملفوظات میں کم از کم اصولی ہدایات موجود نہ ہوں،

حضرتؒ کے مجددانہ کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ زیرِ نظر کتاب یعنی "اُصلاحِ انقلابِ امت" ہے، اس کتاب میں حضرتؒ نے اُن تمام خرابیوں اور بیماریوں کا انتہائی باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیا ہے جو ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کے سبب سرایت کر گئی ہیں اور پھر اُن کا علاج بھی تجویز فرمایا ہے، دراصل یہ ایک سلسلۂ مضامین ہے جو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ماہنامہ القاسم دیوبند کے لئے تحریر فرمایا تھا، اور اس میں کئی سال تک قسط وار چھپتا رہا، بعد میں اسے کتابی صورت بھی دیدی گئی،

عرصہ سے احقر کی خواہش تھی کہ یہ کتاب دوبارہ شائع ہو کر افادۂ عام کا سبب بنے، لیکن چونکہ اس کتاب سے استفادہ کو آسان بنانے کے لئے اس پر کچھ کام کی ضرورت تھی، اس لئے اشاعت ٹلتی رہی، بالآخر کتاب کے پہلے حصہ پر برادرِ عزیز مولوی محمد علی صاحب سلمہٗ نے عنوانات وغیرہ لگا کر اسے مکمل کر دیا، چنانچہ "ادارۃ المعارف" سے یہ پہلا حصہ جو عبادات سے متعلق تھا عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے؛

دوسرا حصہ احقر کی نظر میں بیحد اہم تھا، اس لئے کہ وہ زیادہ تر اُن احکام پر مشتمل ہے جو نکاح وطلاق اور گھریلو زندگی کے دوسرا اہم مسائل سے متعلق ہیں، اور جن کو ہمارے معاشرے نے دین سے بالکل خارج تصوّر کر رکھا ہے، لیکن مولوی محمد علی صاحب اس دوسرے حصہ پر کام کرنے سے معذور ہو گئے اس لئے اس کی اشاعت میں پھر تاخیر ہو گئی، بالآخر ہمارے محبّ محترم جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب نے یہ کام اپنے ذمّہ لیا، اس پر عنوانات لگائے، اور مشکل الفاظ کی تشریح فرمائی، اس کے بعد برادرِ عزیز مولانا حسین احمد صاحب نجیب رفیق دارالتصنیف دارالعلوم کراچی نے اس پر محنت سے نظرِ ثانی کی، اور اس کی تسہیل و تزیین میں مفید اضافے فرمائے، اب یہ کتاب آپ کے سامنے ہے،

اس کتاب میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ان خرابیوں کا انتہائی بالغ نظری کے ساتھ حکیمانہ جائزہ لیا ہے جو ہماری گھریلو زندگی میں بُری طرح پھیل گئی ہیں، اور جن کی بنا پر ہمارا معاشرہ گوناگوں آفتوں کا شکار ہو رہا ہے، اس میں نکاح، مہر، نفقہ، عدل، رضاعت، طلاق، لقطہ اور دوسرے حقوق العباد سے متعلق شرعی احکام کی تشریح بھی ہے، اور اس بات کی مؤثر نشان دہی بھی کہ ہمارے معاشرہ میں کس کس طرح غلط فہمیاں یا بے عملیاں پھیلی ہوئی ہیں، اور اُن کے نتائج کتنے تباہ کُن ثابت ہو رہے ہیں،

امراض کی یہ تشخیص اور ان کا یہ علاج اُس حکیم الامّت کی طرف سے ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ صدی میں تجدیدِ دین کے لئے منتخب فرمایا تھا، اور جسے اُمّت کی نبض شناسی کی خاص توفیق مرحمت فرمائی تھی،

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ان احکام کے سمجھنے اور اُن پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین،

احقر
محمد تقی عثمانی
۴ صفر ۱۳۹۹ھ

دارالعلوم کراچی ۱۴

تعارف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَوۡلِیَآءِہٖ
وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا ط

امابعد! "اصلاحِ انقلابِ امت" حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے، جو حقیقی معنی میں حکیم الامت، مصلح ملت اور مسیحِ وقت تھے، ان کی تابندہ و درخشندہ حیاتِ مبارکہ بالکل اس آیۂ مبارکہ کے مصداق تھی اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ط وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ط عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ۝ اور وہ صحیح معنوں میں اِس شعر کی عملی تصویر تھے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مورخِ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے مقالہ "حکیم الامت کے آثارِ علمیہ" کے باب "اصلاحیات" میں حضرت والاؒ کی اصلاحی تصانیف کتاب ہٰذا (اور حیوٰۃ المسلمین اور اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، اصلاحِ امت وغیرہ) میں بطور تعارف تحریر فرماتے ہیں:

"ان کتابوں میں ہر ایک کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی خالص اسلامی طریق اور شرعی نہج پر ہو، اور اُن کے سامنے وہ صراطِ مستقیم کھل جائے جو ہدایت کی منزلِ مقصود کی طرف جاتی ہے"،

(ماہنامہ معارف، صفر ۱۳۶۳ھ بحوالہ حیاتِ اشرف، ص ۱۵۵)

پاکستان میں پہلی بار اس نادر کتاب کی جلد اوّل اِدارۃُ المعارف کراچی ۱۴ نے شائع کی تھی، دورانِ خط و کتابت احقر نے برادرِ محترم محب مکرم مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہم سے اس کتاب کی جلد دوم کی اشاعت کے بارے میں استفسار کیا، اور یہ بھی عرض کیا کہ اگر اشاعت میں تاخیر دورِ حاضر کے مذاق کے مطابق ذیلی سرخیاں وغیرہ لگنے کے سبب ہو رہی ہے تو بندہ اس کیلئے

حاضر ہے، مولانا عثمانی صاحب مدظلہم نے اسے منظور فرمالیا، اور کتاب روانہ فرمادی، درحقیقت بندہ اس کام کا بالکل اہل نہ تھا، "صلاحِ کار کجا و من خراب کجا"

تاہم حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی ایک نادر اصلاحی تصنیف کی خدمت کو سعادت جان کر توکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کیا، اور ان باتوں کا اہتمام کیا۔

(۱) ہر باب میں ذیلی سرخیاں قائم کرکے شروع میں ایک مکمل فہرست مضامین لگادی ہے، اس فہرست پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے ہی کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

(۲) کتاب کی زبان چونکہ علمی ہونے کی وجہ سے خاصی مشکل ہے، اس لئے قارئین کی سہولت کے مدِنظر بعض مقامات میں مشکل الفاظ کا مفہوم قوسین میں لکھ دیا ہے،

(۳) اس کے علاوہ قرآنی آیات و احادیث، فقہی عبارات اور فارسی اشعار کا ترجمہ بھی قوسین میں کر دیا ہے، فقہی عبارات کے ترجمہ کے سلسلہ میں برادرم علامہ اختر علی صاحب سینیر اورنٹیل ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول ہارون آباد نے بڑا تعاون فرمایا، بلکہ بعض عبارات کی تصحیح اور حل کے لئے اصل فتاویٰ سے مراجعت فرمائی، حق تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین،

(۴) فقہی اصطلاحات (مثلاً طلاق بائن، خلع وغیرہ) کی تشریح حواشی میں کر دی گئی ہے،

(۵) جدید اردو میں بعض مقامات پر واؤ کا استعمال متروک ہو چکا ہے مثلاً "جاوے" "کھاوے" وغیرہ میں واؤ کو حذف کرکے "جائے" "کھائے" وغیرہ کر دیا گیا ہے،

غرض کہ کتاب کو حتی المقدور عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے، جو صاحب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں وہ احقر سراپا گناہ خاکپائے اہل اللہ کے لئے بطورِ خاص دُعاء فرمائیں، کہ حق تعالیٰ شانہٗ زندگی کی بقیہ ساعات میں اپنی مرضیات پر چلنے، نامرضیات سے بچنے کی توفیق بخشتے ہوئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے افادات زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی توفیق بخشیں، اور اس ناکارہ کو بھی اُن پر عمل کی توفیق عنایت فرمائیں ؎ انہی کے طرزِ عمل پر ہوا ہے خدا جینا

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

آخر میں دوبارہ عرض ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ اس پر عمل کی نیت سے کیا جانا چاہئے،

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، آمین،

دعاؤں کا محتاج

بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہٗ

شب جمعہ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

مُسلمان کیوں بدل گئے

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اُمّتی مِن حیث ھو اُمّتی کے اعتبار سے دینوی انقلاب تو مطمح نظر ہو نہیں سکتا، گو اس سے بحث کرنے کو بھی میں بیکار نہیں سمجھتا، مگر حیثیت مذکورہ سے یہ بحث مقصود نہیں، بلکہ انقلاب دینی سے بحث مقصود ہے۔ اسی کے نسبت اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔

افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے! کہ جس مرتبہ کا انقلاب عظیم اکثر آحاد امت میں واقع ہوا ہے اس کو دیکھتے ہوئے بے اختیار یہ زبان پہ آتا ہے ؎

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب

ترجمہ:۔ اے وہ ذات! جو مدینہ میں محو خواب ہے۔

خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

ترجمہ:۔ اٹھیئے!! کہ مشرق و مغرب برباد ہو گئے۔

س انقلاب کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہاتھ میں ایک کتاب تفاصیل احکام شرعیہ کی لے لیجئے اور ایک نظر سے ایک ایک حکم جزئی کو دیکھتے جائیے، اور ایک نظر سے کسی غیر مطیع امتی

کی ایک ایک حالت کو جو اس جزئی کا محل اور متعلق ہے۔ دیکھتے جایئے، اور دونوں کو ملاتے جایئے، تو ایک حیرت عظیم ہوگی، کہ ــــ یا اللہ! ان حالتوں کے مرتکب کو کیا ان احکام سے کچھ مس معلوم ہوتا ہے ــــ؟

دین کے یہ اجزاء ہیں:۔

(۱) عقائد ــــ (۲) دیانات (مثل نماز، روزہ، طلاق، نکاح وغیرہ) ــــ (۳) معاملات (مثل۔ بیع وشراء وغیرہ) ــــ (۴) معاشرات (مثل طعام، لباس، کلام وسلام وغیرہ) (۵) اخلاق باطنہ (مثل ریا و اخلاص وکبر و تواضع وغیرہ)

عقائد میں مسلمانوں نے غنیمت ہے "انکار کا انقلاب" نہیں پیدا کیا، گو اُن میں تدیُّن کے رنگ میں کچھ تغیر وتبدل ہوا۔ جس سے وہ حد بدعت میں داخل ہوگئے، اور جس نے اہل باطل کو اسی تغیر کی اصلاح کے سبب سے اہل حق کا مخالف بنا دیا۔ غرضکہ نصوص کا انکار نہیں کیا گیا۔ البتہ تاویل باطل کی گئی ــــ یہ حالت عام مسلمانوں کی ہے۔!!

متجددین میں انکار کا انقلاب

مگر خاص خاص جدید تعلیم یافتوں نے "انکار کا انقلاب" بھی اختیار کیا، بلکہ انکار سے متجاوز ہوکر جمہور کے عقائد کے ساتھ استہزاء اور تمسخر سے پیش آنے لگے، جس پر حافظانِ حدود دین نے کُفر کا فتویٰ لگایا۔ اور اس فتویٰ کی بدولت دوسری طرف سے ان کو "متعصب" کا لقب عطا ہوا۔ گو جو شخص کفر کی حقیقت سمجھے گا، وہ ان علماء کو اس فتویٰ میں نہ صرف معذور بلکہ خود بھی اس میں ان کے ساتھ بالاضطرار اتفاق کرے گا ــــ یہ تو پہلے جزو کے انقلاب کی کیفیت تھی۔

رہا دوسرا جزو ــــ دیانات ــــ اس میں عام مسلمانوں نے درجۂ بدعت کا بھی تغیر وتبدل نہیں کیا، مگر "ترک واہمال کا انقلاب"، البتہ اختیار کیا، کہ کسی نے نماز وروزہ کو اس طرح خیرباد کہا، گویا اس کے ذمہ فرض ہی نہیں، کسی نے نکاح وطلاق کے ساتھ یہ ہی معاملہ کیا کہ عقیدے میں تو یہ ہی سمجھا کہ مسائل نکاح وطلاق دین میں داخل ہیں۔ ہماری رائے و اختیار پر نہیں ہیں اسی طرح جس طرح علمائے دین بتلاتے ہیں۔

اسی لئے احکام دین کے مقابلہ میں ــــ اور احکام مخترع نہیں کیئے گئے ــــ مگر عمل

اس کے ساتھ یہ رکھا کہ جہاں نفس کا غلبہ ہوا، وہاں تمتع کے لئے نکاح کا بھی انتظام نہیں کیا، جہاں کوئی دنیوی ننگ وناموس کے باقی رکھنے میں مصلحت دنیوی دیکھی، وہاں باوجود طلاق کے بدستور بیوی کو گھر میں رکھا، اور اس سے متمتع ہوتے اور بچے جنواتے رہے۔ اور خاص خاص جدید تعلیم یافتوں کو تو یہاں بھی انکار میں تردد نہیں ہوا۔

بہرحال عام مسلمانوں میں، جزو اوّل میں انقلاب تغیر ہوا تھا، اور یہاں جزو ثانی میں انقلاب ترک واہمال ہوا ہے۔

معاملات، معاشرات اور اخلاق اجزائے دین ہیں۔

اب رہ گئے بقیہ اجزائے ثلثہ ـــــ معاملات ـــــ معاشرات ـــــ اخلاق ـــــ ان تینوں میں مذکورہ "انقلابوں" سے بڑھکر انقلاب ہوا ہے۔ یعنی عام مسلمانوں نے بھی اپنی بے خبری سے اُن کو جزو دین نہیں سمجھا، بلکہ دنیوی کارروائی سمجھ کر اس کے دستور العمل کو اپنی رائے واختیار پر مُفوَّض سمجھا، اور چونکہ اغراض فاسدہ تھیں اور رائے میں زیغ تھا اس لئے اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ ہر ہر حکم شرعی کے مقابلے ایک ایک کارروائی اور ایک ایک رسم اور ایک ایک عادت اختراع کی اور اس مجموعہ کو اپنا دستور العمل قرار دیا اور اس قرارداد میں ذرا بھی اپنے کو قصوروار یا خطاکار نہیں سمجھا، بلکہ بعض امور کو الٹا ہنر اور فخر سمجھا۔ اس طرح سے کہ مجموعی حالت کے دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے قصداً ہر ہر حکم رحمانی کے مقابلے میں ایک ایک حکم نفسانی مستحسن سمجھکر ایجاد کیا ہو۔

اور استحسان کی یہ علامت ہے کہ ان امور میں احکام حقّہ کے داعی سے سخت مزاحمت کی جاتی ہے ـــــ سو درحقیقت یہ انقلاب بہت ہی بڑا انقلاب ہوا ـــــ کیونکہ اوّل کے دو انقلابوں میں اجزائے دین کو، دین سے خارج نہیں کیا گیا تھا اور ان اجزاء کے مقابلہ میں دوسرے امور کو من حیث الاستحسان تجویز کیا گیا تھا گو ایک جگہ تغیر وہ بھی من حیث التدین، اور دوسری جگہ ترک، وہ باعتقاد تقصیر واقع ہوا تھا، اور ان تینوں میں اجزائے دین کو، دین سے خارج کر دیا گیا اور بجائے ان اجزاء کے دوسرے احکام اختراع کئے گئے، اور اُن مخترعات کو اصل پر ترجیح دی گئی تو ظاہر ہے کہ یہ انقلاب اجزائے ثلثہ اخیرہ کا ان انقلابین اولین سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اور وقوع میں اظہر اور اکثر یہی اجزائے ثلثہ اخیرہ ہیں۔

کیوں کہ "عقائد" کا حصّہ گو الزام ہے مگر اظہر نہیں۔ اور "دیانات" کا حصّہ خاص خاص اوقات میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس وقوع میں اکثر نہ ہوا۔ اور یہ ثلثۂ اخیرہ اظہر بھی ہیں، اکثر بھی ہیں اور ان ہی میں یہ انقلاب عظیم واقع ہے۔

مسلمانوں سے اپیل

پس اس بنا پر دیکھنے والوں کو اکثر احاد امت میں بر وقت یہ انقلاب عظیم ہی نظر آوے گا، تو جو شخص بر وقت انقلاب عظیم دیکھے اور پھر یہ دعویٰ بھی سنے کہ "انا امتی لمحمد"، تو وہ سخت تحیر میں واقع ہو جاوے گا، کہ یا اللہ! یہ شخص کس امر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے، جو ایسا دعویٰ کرتا ہے؟

مسلمانو! اب بھی اپنی حالت پر آپ کو تنبیہ ہوا؟ اگر نہیں ہوا تو انا للہ!! اگر ہوا ہے، تو کیا اس کی اصلاح ضروری نہیں ہے؟ اگر ہے، تو کب اصلاح شروع ہوگی؟ کیا ان میں سے کسی چیز کا انتظار ہے؟ ـــــ شغل مانع ـــــ مرض معطل ـــ موت ـــــ یا وحی جدید، سو اس کی تو امید نہیں، فبای حدیث بعدہٗ یومنون (اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لاؤ گے) اور امور بالا کا واقع ہونا مستبعد نہیں، بلکہ موت تو متیقن ہے مگر کیا اس وقت کچھ کر سکو گے؟؟

مسلمانو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اسی انقلاب کی، جس کا اس زمانہ میں وقوع ہو رہا ہے بطور پیش گوئی کے خبر دی تھی، الناس کابل مائۃ لاتجد فیھا راحلۃ (عوام سواونٹوں جیسے ہیں تم ان میں ایک بھی سواری کے لائق نہیں پاؤ گے) ورنہ وہ زمانہ تو خیریت کا تھا واللہ اعلم وھو الموافق۔

طریق اِصلاح اِنقلاب

جاننا چاہیئے، کہ یہ "انقلاب" ایک روحانی مرض ہے اور جس طرح جسمانی امراض کے خاص اسباب ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح و معالجہ ان اسباب کے ازالہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اس مرض روحانی (انقلاب) کے بھی خاص اسباب ہیں اور ان کا ازالہ ہی اس کے معالجہ و اصلاح کا طریق ہے۔ اب اسباب کی تشخیص اور ان کے ازالہ کی تدبیر، بس یہ ہی دو امر مرجع اہتمام قرار پائے۔

امر اول:- یعنی "تشخیص اسباب انقلاب" اس میں تامل و تدبر و تتبع کرنے سے معظم اسباب دو امر ثابت ہوئے۔

(۱) ایک قلّت علم یعنی ناواقفی و بے خبری۔

(۲) دوسرا ضعف ہمت، یعنی قصد و ارادہ کی کمی یا فقدان

سبب اوّل سے خود احکام ضروریہ وواقعیہ ہی مخفی رہتے ہیں۔ اور سبب ثانی سے باوجود خبر اور آگاہی کے نوبت، عمل کی نہیں آتی۔

امر ثالث :- یعنی " ان اسباب کے ازالہ کی تدبیر" اور یہ ہی بڑا امر ہے۔ جس کے لئے توجہ تام و قوت متفقہ کی سخت احتیاج ہے۔

سو دونوں سببوں میں سے ہر ایک کے ازالہ کی تدبیر جدا ہے۔ پس بے خبری کے ازالہ میں تو معلم اور متعلم یعنی خواص، علماء احکام اور عوام و طالبان احکام دونوں کو دخل ہے۔ اور ہر ایک کے لئے جداگانہ ضروری دستور العمل ہے۔

مردوں کا دستور العمل

طالبان احکام کا دستور العمل یہ ہے کہ ان میں جو زیادہ فارغ ہیں۔ جیسے اہل تنعم و اہل ثروت، وہ اپنی اولاد کو علوم دینیہ کے لئے فارغ کر دیں۔ گو ضروریات دنیاوی کے لئے لسان ملک و فنون رائجہ کی بھی تحصیل کا مضائقہ نہیں، مگر یہ درجہ تبعیت سے متجاوز نہ ہونے پاوے۔ پس اولاد تو یوں درست ہوئی۔ اور خود کوئی وقت معین کر کے کسی عالم یا کامل الاستعداد طالب علم کے پاس جاکر یا اس کو بلا کر، اگر علوم عربیہ سے مناسبت ہو تو وہ زیادہ بصیرت کا آلہ ہے۔ ورنہ اردو ہی کے مفید اور ضروری رسائل کو کسی محقق کے مشورہ سے تجویز کر کے سبقاً سبقاً، بہتر تو یہ ہی ہے کہ دو تین بار، ورنہ اقل درجہ تحصیلاً ایک ہی بار پھر مطالعتہً چند بار ان پر عبور کر لیں۔ مگر یہ رسائل ایسے ہوں۔ جن میں سب اجزاء دین کافی بیان ہوں۔ عقائد ــــ دیانات ــــ معاملات ــــ معاشرات ــــ اخلاق باطنہ (جن کا ذکر اس سے پہلے مضمون میں بھی ہو چکا ہے)

اور جن کو معاش کی ضرورت سے زیادہ فراغ نہیں ہے اور ۳، ۴ حرف شناس ہیں یا بآسانی ہو سکتے ہیں وہ اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی بجائے علوم عربیہ کے وہی رسائل دینیہ اردو کے بطور درس طالب علمانہ کے تجویز کر لیں اور پھر بطور ورد کے، ان کا بار بار مطالعہ کیا کریں۔ اور جب تک درس کا انتظام نہ ہو سکے، بطور خود ہی دو چار ورق روزانہ بالالتزام مطالعہ کر لیا کریں اور موقع خلجان

میں خودرائی سے کام نہ لیں۔ بلکہ نشان بناکر چھوڑدیں۔ اور ماہر کے میسر ہونے کے وقت اس کی تحقیق کرلیں۔

اور جولوگ حرف شناس نہیں ہیں۔ اور نہ باآسانی ہوسکتے ہیں۔ اور نہ ہی اپنے بچوں کو کسی وجہ سے اس کام کے لیئے فارغ کرسکتے ہیں۔ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہفتہ میں، بہتر تو یہ ہے کہ روزانہ ایک ہی روز خاص مجلس علمی کے لیئے بالالتزام مقرر کریں۔ اور کوئی عالم یا صحبت یافتہ اہل علم جو ان رسائل کو اچھی طرح سمجھا ہو، تجویز کریں۔ اور اگر کسی عالم سے تجویز کرالیں، زیادہ احتیاط ہے۔ اور اس روز سب لوگ کسی خاص مقام، مسجد وغیرہ میں جمع ہوکر اس خواندہ وفہمیدہ شخص کو لاکر ایک معیّن وقت تک (مثلاً ایک گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ) ان رسائل کو سنا کریں، اور سمجھا کریں۔ اور اگر ایسا شخص مفت نہ ملے۔ تو اس کی کچھ مالی خدمت کریں۔ اور اس سنانے والے شخص کو جہاں شبہ رہے پنسل وغیرہ سے نشان بناکر اس وقت اس کو رہنے دیں۔ پھر جب کوئی عالم میسر ہو۔ اس سے حل کریں۔ اور سب مجمع کو پہنچادیں۔

اور جہاں دیہات وغیرہ میں ایسا شخص نہ ہو۔ تو آپس میں مشروع طریقہ سے چندہ کرکے، اس چندہ سے کوئی ایسا آدمی باہر سے بلاکر رکھ لیں۔ اور یہ طریقہ جاری کریں۔

اور یہ تمام طبقات مذکورین، علاوہ اس تحصیل یا مطالعہ یا سماع رسائل کے، دو امر کا اور بھی التزام رکھیں۔

(۱) ایک یہ کہ اپنے اعمال واحوال میں جب کوئی امر جس کا حکم معلوم نہ ہو۔ پیش آوے فوراً علماء حقانی سے اس کو دریافت کریں۔ اور اگر بوجہ بُعد کے زبانی نہ پوچھ سکیں۔ تو بذریعہ خط کے تحقیق کریں۔ اگر اوسط ایک مسئلہ روزانہ کے حساب سے تقریراً یا تحریراً پوچھ پاچھ رکھے تو سال بھر میں ساڑھے تین سو سے زائد، اور دس سال میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ مسئلے معلوم ہوسکتے ہیں۔ کہ بعض نام کے یا جدید عالموں کو بھی اتنے مسائل معلوم نہیں! اور کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے۔

(۲) دوسرے اس امر کا التزام رکھیں کہ علماء کی مجلس میں جایا کریں۔ خواہ خاص مجلس ہو جیسے جلسہ ملاقات وزیارت، خواہ عام مجلس ہو۔ جیسے جلسہ وعظ ونصیحت، اور جو سنیں دل سے

یاد رکھیں۔ یہ تو مردوں کا انتظام ہوا۔

عورتوں کا دستور العمل

اب عورتیں رہ گئیں، سو یہ مجموعی انتظام مذکورہ ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں، اس لئے سہل تران کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر معلمہ عفیفہ، دین دار مل جاوے، تو کمسن لڑکیوں کو اس کے ذریعہ سے قرآن مجید اور ایسے رسائل کی تعلیم دلاویں اور ان کے لئے "بہشتی زیور" کے دس حصہ بالکل انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہیں بلکہ بانضمام گیارھویں حصہ مسمیٰ "بہشتی گوہر" کے مردوں کے لئے بھی کافی ہیں۔ اور اگر کوئی معلمہ ایسی نہ ملے یا کسی لڑکی کو فراغ یا مناسبت نہ ہو تو ان کو بھی بڑی عورتوں کے انتظام میں شامل سمجھا جائے اور وہ انتظام دو ہیں۔

ایک یہ کہ گھر کے مردوں میں سے اگر کوئی خواندہ ہو تو وہ روزانہ کچھ وقت معین کر کے سب گھر والیوں کو اس وقت جمع کر کے رسائل بالا سنایا کریں، سمجھایا کریں بلکہ کئی دورے کر دیں۔

دوسرا انتظام یہ ہے کہ گاہ گاہ کسی متورع متبع سنت عالم کا گھر میں وعظ کہلا دیا کریں، کہ یہ عجیب موثر عمل ہے۔ یہ سب دستور العمل، طالبان احکام کے متعلق ہے۔

علماء کا دستور العمل

اب علماء احکام کا دستور العمل باقی رہا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اس میں ساعی رہیں کہ ناواقفوں تک احکام پہنچائیں اور اس کی یہ صورتیں ہیں۔

(۱) درس (گو بعوض ہو) اس میں علوم ضروریہ کو مقدم اور مُہتم بالشان رکھیں۔ دینیات سے حتی الامکان طالب علم کو پہلے فارغ کر دیں۔ اگر طالب علم دینی مختصرات یا اردو کے رسائل بھی پڑھے۔ اور اپنے پاس وقت ہو۔ تو ہرگز اس کے درس کو خلاف شان نہ سمجھے۔ طالب علم کے فضول سوال پر اس کو متنبہ کرے، جواب نہ دے۔

(۲) دوسری صورت وعظ ہے۔ جس میں خطاب عام ہے۔ اس میں ضرورت وقت کا لحاظ رکھیں۔ جن امور میں لوگ اس زمانہ میں مبتلا ہوں، یا جن ضروریات میں فروگذاشت کرتے ہوں۔ مدار بیان، اس پر رکھے۔ دوسرے مضامین اگر ہوں، تو بالتبع اور بقلت ہوں۔ اور یہ ضروری مضامین جمیع ابواب کے ہوں۔ صرف عقائد و دیانات پر اقتصار نہ کرے بلکہ معاملات و

معاشرات واخلاق سے بھی مشبع بحث کرے بلکہ بوجہ متروک ہونے کے یہ ثلثہ اخیرہ زیادہ اہم ہو گئے ہیں۔ اور وعظ میں بات صاف کہے کہ سننے والوں کی سمجھ میں خوب آجاوے۔ مگر خشونت اور اشتعال انگیز طرز سے بچے۔ اور وعظ پر عوض نہ لے۔ البتہ اگر وعظ کا نوکر ہو، وہ اور بات ہے۔

(۳) تیسری صورت جواب ہے، استفتار کا خواہ زبانی سوال ہو، یا تحریری ہو۔ اس میں ان امور کا لحاظ رکھے۔

(۱) حتی الامکان جواب میں توقف نہ کرے۔

(۲) لایعنی سوال کا جواب نہ دے، بلکہ سائل کو متنبہ کردے۔

(۳) اگر سوال محتمل دو صورتوں کو ہو تو تشقیق سے جواب نہ دے۔ کیونکہ بعض اوقات سائل دونوں شقوں کا حکم سن کر ایک شق کو اپنے مفید مطلب سمجھ کر سوال میں اسی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے سائل کا یا اس کے مقابل کا ضرر دینی یا دنیوی ہو جاتا ہے۔

(۴) عامی کو دلیل بتلانے کا التزام نہ کرے کہ اکثر اس کے فہم سے خارج ہوگی۔

(۵) ہاں! دوسرے علماء مصححین کی سہولت کے لئے اگر دلیل کی طرف اشارہ کردے یا کوئی عبارت بلا ترجمہ نقل کردے، مستحسن ہے۔

(۶) اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سائل غائب، اس تحریری جواب کو اچھی طرح نہ سمجھے گا۔ یا سمجھنے میں غلطی کرے گا جواب لکھ کر لکھدے کہ کسی عالم سے اس جواب کو زبانی حل کرے۔

(۷) اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سوال برائے تعنت ہے، جواب نہ دے۔ غرض اہل سے دریغ نہ کرے، نااہل کو منہ نہ لگاوے۔

(۴) چوتھی صورت تالیف وتصنیف ہے۔ خواہ اشتہار ہو، یا اخبار ہو یا رسالہ وکتاب ہو۔ اس میں بھی ضرورت وقت کا لحاظ اور عبارت میں سلامت اور کفایت کی رعایت ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ معاش کی کوئی صورت اور سبیل عطا فرمادے تو اپنی تصانیف کی خود تجارت نہ کرے۔

یہاں تک بیان تھا، بے خبری کے ازالہ کی تدبیروں کا، آگے بیان ہے، ضعف ہمت کی ازالہ کی تدبیر کا۔

ضعف ہمت کی ازالہ کی تدبیر؟ صحبت شیوخ کاملین۔

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ امور ذیل کو تقویت ہمت میں خاص اثر اور دخل ہے۔

ایک ان میں سے صحبت شیوخ کاملین کی ہے۔ جن کی یہ علامتیں ہیں۔

(۱) بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔

(۲) عقائد واعمال واخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

(۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔

(۴) کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو، یہ بھی شعبہ دنیا ہے۔

(۵) کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔

(۶) اس زمانے کے منصف علماء ومشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

(۷) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم، دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

(۸) اس سے جو لوگ بیعت ہیں، ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع وقلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔ وہ شیخ تعلیم وتلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو۔ اور ان کی کوئی بری بات دیکھے یا سنے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو، کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

(۹) خود بھی وہ ذاکر شاغل ہو۔ اس لئے کہ بدون عمل یا عزم عمل، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ اور صدور کشف وکرامت استجابت دعا وتصرفات لوازم شیخت سے نہیں۔

غرض ایسے حضرات کی صحبت، خاص طور پر مؤثر ہے۔ مگر اس صحبت کی تاثیر میں شرط یہ ہے کہ اس میں نیت بھی یہی ہو کہ میرے قلب میں رغبت طاعت اور نفرت معاصی پیدا ہو۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھی التزام رہے کہ اپنی کیفیات قلبیہ کی شیخ کو اطلاع دیکر جو معالجہ تجویز فرمایا جائے اس پر کاربند ہو۔

دوسرا امر، ان میں سے بوقت میسر نہ آنے صحبت کاملین کے اہل اللہ کے، حالات کا مطالعہ یا استماع ہے مگر ان سے مقالات متعلقہ اسرار مسائل غامضہ تصوف ہیں۔

ان میں ہرگز مشغول نہ ہو۔ البتہ علوم معاملہ یعنی تربیت باطن و تہذیب نفس کے بارہ میں جو کچھ ان کے اقوال ہیں۔ وہ سرتاپا عمل درآمد بنانے کے قابل ہیں۔

تیسرا امر، ان میں سے مراقبہ موت و مابعد الموت ہے۔ مراد اس سے ابتدا نزع روح سے دخول جنت یا نار تک جو احوال پیش آنے والے ہیں۔ مثلاً سوال نکرین و عذاب و نعیم قبر و حشر و وزن اعمال و حساب و جزاء و عبور صراط وغیرہ۔ سب کو کسی وقت فراغ میں بالالتزام روزانہ کم از کم بیس منٹ سوچا کرے   تقویت ہمت میں جن ملکات کو دخل ہے۔ اس مراقبہ سے ان کا کمال پیدا ہو جاوے گا۔ جیسے زہد و خشیت و امثالہا۔

پس یہاں پر بیان ختم ہو گیا۔ یعنی اسباب انقلاب کے ازالہ کی تدبیر کا، پس طریقہ اصلاح مکمل طور پر مشخص ہو گیا۔ وللہ الحمد۔

اور لطف یہ ہے کہ نہایت سہل اور ایسا عام اور تام کہ ادنیٰ توجہ سے تمام امت باسرع اوقات اپنی اصلاح کر سکتی ہے آگے نفع حاصل کرنے والوں کی توفیق ہے ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم — روزگارے درین بسر بردیم

ترجمہ: ہم نے اپنی جگہ یہ نصیحت کردی — ترجمہ: کتنا عرصہ اس میں صرف کیا

گر نیاید بگوش رغبت کس — بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ترجمہ: اگر ہماری یہ نصیحت کسی کو پسند نہ آئے — ترجمہ: تو پھر جان لو کہ ایلچی پر صرف پہنچانا ہے اور بس

(تذییل)

علماء احکام کے دستور العمل کا متمم ایک اور امر بھی ہے۔ یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اس میں بعض مواقع پر غیر علماء بھی شریک ہیں۔ یعنی خاص اپنے ان متعلقین پر احتساب کرنا جن پر قدرت ہے۔ علماء کے ساتھ مخصوص نہیں۔ البتہ عام احتساب، یہ خاص ہے علماء کے ساتھ اور عوام کی تصدی اس کے لئے اکثر موجب فتنہ و عداوت ہو جاتی ہے نیز عوام اکثر احتساب کی حدود بھی نہیں جانتے۔ اس سے غلو فی الدین کی نوبت آجاتی ہے۔ نیز اکثر عوام نفس کو مہذب کئے ہوئے نہیں ہوتے۔ اور ان کے احتساب میں بکثرت

نفسانیت ہوتی ہے۔

اس معنی کے افادہ کے لئے بعض مفسرین نے وَلْتَكُن مِّنكُمْ میں مِن کو تبعضیہ کہا ہے۔ اور یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کہیں واجب ہوتا ہے، جہاں فاعل بے خبر ہو یا فاعل پر پوری قدرت ہو۔ یا قبول کی پوری توقع ہو، ورنہ مستحب ہے۔

منجملہ اس کے آداب کے یہ ہے کہ اول خلوت میں کہے اور نرمی سے کہے اس کے بعد اگر مصلحت ہو، علانیہ کہے اور سختی سے کہے ورنہ اعراض کرے اور دعا کرے۔

منجملہ اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے۔ خواہ بذریعہ تقریر خواہ بذریعہ تحریر اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی اور یہ بوجہ عموم شیوع احکام دینیہ کے گو اس وقت واجب نہیں رہا لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت ہے اور اس غرض کی تحصیل وتکمیل کے لئے اگر ان اقوام کی زبان بھی سیکھ لے تو بشرط خلوص نیت عین طاعت ہے جیسا اس وقت کوئی شخص انگریزی وغیرہ اسی غرض سے حاصل کرنا چاہئے۔

تکمیل

تبلیغ احکام کے متعلقات ہی میں سے ان احکام کی ایک خاص حفاظت بھی ہے۔ یعنی اصول و فروع اسلام پر جو حملے یا آمیزشیں ہیں خواہ وہ اہل کفر ہوں یا اہل بدعت، ان کو دفع کرنا۔۔۔۔۔ تاکہ طالبان حق شبہات سے محفوظ رہیں۔ اور اس مقصود کے لئے اگر اہل باطل پر ردّ وقدح کرنے کی حاجت ہو، یا ان سے مناظرہ کرنا مصلحت ہو، اس سے بھی پہلوتہی نہ کرے۔ اور اس زمانہ پرآشوب میں مناظرہ اگر مشروع ہے تو اسی غرض سے ورنہ تعصّب اس درجہ ترقی پر ہے کہ مناظرہ سے احقاق حق، مقصود ہی نہیں رہا۔ اور اس ردّ وقدح یا مناظرہ کے لئے اگر اہل باطل کے علوم وفنون حاصل کرنا ضروری ہو۔ وہ بھی طاعت ہے۔ جیسے اس وقت سائنس وغیرہ سیکھنا۔

یہاں تک تدبیریں ہیں اصلاح کی اور اس کے بعد بھی بڑی ضرورت دعا والتجا بجناب حق ہے ؎

این ہمہ گفتیم ولیک اندر بسیچ
بے عنایات خدا ہیچم وہیچ

ترجمہ: ہم نے سب کہدیا، لیکن حقیقت میں بات یہ ہے
ترجمہ: کہ حق تعالیٰ کی عنایتوں اور بندگان حق

بے عنائیات حق وخاصان حق | گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ترجمہ: حق کی مہربانیوں کے بغیر اگر کوئی | ترجمہ: فرشتہ بھی ہو تو اس کا اعمال نامہ بھی سیاہ ہوگا

سدّ موانع اِصلاح اِنقلاب

اس سے سابق انقلاب امت کی اصلاح کی تدبیر کی تعیین وتفصیل مذکور تھی چونکہ ہر تدبیر پر عمل کرنے کے لئے، ساتھ اس کے موانع تاثیر سے تحرز بھی واجب ہوتا ہے۔ جس طرح امراض جسمانی میں پرہیز کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے ان تدابیر اصلاح کے ساتھ ان امور سے بچنا بھی ضروری ہوگا جو ان کے اثر میں خلل انداز ہیں۔

بیان اس کا یہ ہے کہ ان تدابیر میں سے بعض علماء کے متعلق تھیں۔ یہاں ان کے باب میں کلام مقصود نہیں۔ کیونکہ وہ خود جانتے ہیں۔ صرف ان میں جو عوام کے متعلق ہیں۔ ان پر بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے۔ سو اس باب میں یہ امور بتلائے گئے تھے۔

(۱) کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا،

(۲) علماء دین سے مسئلہ پوچھنا،

(۳) وعظ سننا۔

(۴) صحبت اہل کمال

(۵) گھر والوں کو خود پڑھانا یا سنانا یا کسی کے ذریعہ سے پڑھوانا، سنوانا،

ان امور پنجگانہ میں سے ہر ایک میں بعض لوگ بے احتیاطیاں کرتے ہیں۔ جو معالجہ مطلوب میں بد پرہیزی کا حکم رکھتی ہیں۔ بالترتیب ہر ایک کے متعلق مختصراً تنبیہ ضروری ہے۔

امر اوّل یعنی کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا

اس کے متعلق آج کل بعض بکثرت یہ غلطی کرتے ہیں کہ جو کتاب دین کے نام سے دیکھی یا سنی خواہ اس کا مضمون حق ہو یا باطل خواہ اس کا مصنف ہندو ہو یا عیسائی یا دہری ہو یا مسلمان پھر مسلمان بھی گو صاحب بدعت ہی ہو ــــــ غرض کچھ تفتیش نہیں کرتے اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔

اور اسی میں وہ مضامین آگئے جو کسی مسئلہ کے متعلق اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ سو اس میں چند مضرتیں ہیں۔

بعض اوقات بوجہ کم علمی کے یہ ہی امتیاز نہیں ہوتا کہ ان میں کون مضمون صحیح ہے؟ کون غلط؟ کسی غلط کو صحیح سمجھ کر، عقیدہ یا، عمل میں خرابی کر بیٹھتے ہیں۔ بعض اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ امر غلط ہے مگر بعض مصنفین کا طرز بیان ایسا تلبیس آمیز یا دل آویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فی الفور اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کر کے بعض دفعہ تو اس پہلے کو غلط اور اس پچھلے کو صحیح سمجھ لیتا ہے۔ اور بعض دفعہ اس کو گو قبول نہیں مگر متزلزل و مذبذب ہو کر کبھی دل میں دکھتا ہے۔ اور پریشان ہوتا ہے اور کبھی دوسروں سے تحقیق کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ اس میں کچھ غموض ہوتا ہے جس کے ادراک کے لئے اس کا علم وذہن کافی نہیں ہوتا، اس لئے سمجھ میں نہیں آتا اور بے سمجھے لایعنی سوال کر کے دوسروں کو پریشان کرتا ہے۔ اور اپنے فہم کا قصور، فہم میں نہیں آتا۔ اور جواب دینے والوں کو جواب سے عاجز سمجھ کر ان کے علم یا اخلاق میں تنگی کا حکم لگا کر ان سے بدگمان ہو جاتا ہے اور بھی انواع مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔

عالم دین کی ضرورت

ان سب کا انسداد یہ ہے کہ کوئی کتاب کوئی رسالہ کوئی تقریر تاوقتیکہ کسی محقق عالم کو نہ دکھلائیں۔ اور اس سے رائے نہ لیں، ہرگز نہ دیکھیں۔

اخبارات کے بعض مفاسد اس قسم کے احقر نے ایک مستقل تحریر مسمیٰ بہ "اخبار بینی" میں ایک زمانہ میں لکھے تھے۔ جس پر بلا تدبر بعض معترضین نے غل مچایا مگر وہ تحریر بغور پڑھنے کے قابل ہے اُس سے یا اِس سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ کسی اخبار یا کسی کتاب کا مطالعہ ہر حالت میں حرام ہے!

مقصود صرف یہ ہے کہ چونکہ ان چیزوں میں بعض اوقات ایسے مفاسد ہوتے ہیں اور ان مفاسد سے بچنا ملت اسلامیہ میں واجب ہے اور بچنا بدون معرفت یعنی عالم محقق سے مشورہ لے کر اس کا اتباع ضروری ہوگا۔ افسوس ہے! کہ باوجود وضوح اس امر کے پھر اس ممانعت کو تنگ خیالی و تعصب پر محمول فرمایا جاتا ہے۔ کیا کوئی خیر خواہ باپ اپنے بچے کو زہر ملی ہوئی مٹھائی کے کھانے سے روکے، کوئی عاقل، اس باپ کو متعصب یا تنگ خیال کا لقب دے گا؟ یا غایت رافت کے ساتھ اس کو متصف

کہے گا؟ ـــــ اور اگر کوئی کہے کہ ہم خذ ما صفا ودع ماکدر۔ ترجمہ اچھی چیز کو لے لو اور بری چیز کو چھوڑ دو) کے طور پر اس کو دیکھتے ہیں۔

سو اس کا جواب، اوپر کی تقریر سے واضح ہو گیا ہے کہ اس امتیاز کے لئے علم کامل و فہم وافی کی حاجت ہے اور کلام اس کے فاقد[ف] میں ہے۔ رہا کسی کا اپنے کو فاقد نہ سمجھنا، یہ معتبر نہیں۔ بلکہ کسی عالم ماہر کا کسی کو فاقد کہنا۔ اس کے اثبات کے لئے کافی ہے۔

توراۃ کے مطالعہ سے ممانعت۔

اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسول کریم و نبی حکیم علیہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ والتسلیم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے راسخ العلم والعمل شخص کو ـــــ توراۃ کے مطالعہ سے منع فرمایا۔ باوجودیکہ وہ فی نفسہٖ آسمانی کتاب تھی۔ گو اس میں تحریف بھی ہو گئی تھی اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا بلکہ خود...... حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا رہے تھے۔ اور اس میں جزو محرف کا معین و مبین ہو جانا ظاہر تھا۔ اس کے بعد کسی فساد کے ترتب کا احتمال ہی نہ تھا مع ہذا پھر اس مصلحت سے کہ آئندہ کو یہ عمل ان مفاسد کے باب، مفتوح ہونے کا سبب نہ بن جائے کس سختی سے منع فرمایا؟ اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی! جیسا کہ حدیث دارمی میں مذکور ہے۔

ان دلائل حسیہ و حدیثیہ کے بعد امید ہے، کہ اہل انصاف، مصلحت اندیش کو، کوئی خدشہ نہ رہا ہوگا اور جبکہ اس تقریر سے وہ کتابیں وغیرہ بھی تحرز قرار پائیں۔ جن میں مصالح کے ساتھ بعض مفاسد بھی ہوں۔ سو جن میں سرتا سر مفاسد ہی ہوں، جیسے ناول وغیرہ، جن سے اعمال و اخلاق کا بڑا حصہ نہایت گندہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مطالعہ کس طرح جائز سمجھا جائے گا؟ بالخصوص نوجوانوں اور عورتوں کو بلکہ اگر ایسی کتابیں گھر میں دیکھی جائیں، آگ میں جلا دینا چاہئے۔ یہی ان کا حق ادا کرنا ہے۔

مختصر نصاب

آپ ذیل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے لئے ایک مختصر نصاب، قابل مطالعہ کتب کا معین کر دیا جائے تاکہ ان میں مشغول رہ کر مخدوش کتب سے محفوظ رہیں۔

[ف] اس جگہ فاقد سے مراد وہ شخص ہے جو کامل دینی سمجھ نہ رکھتا ہو ۱۲ - محمد علی عفی عنہ

(۱) بہشتی زیور گیارہ حصے (۲) تعلیم الدین (۳) فروع الایمان (۴) جزاءالاعمال (۵) تبلیغ دین (۶) قصد السبیل (۷) شوق وطن ـــ اگر اس سے زیادہ مطول ومفصل کی ضرورت ہو۔ کسی عالم محقق سے دریافت کرلیا جائے۔ تمام ہوا بیان امر اول کا۔

امر دوم یعنی علماء دین سے مسئلہ پوچھنا

اس میں چند غلطیاں کی جاتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ کیف ما اتفق کسی سے مسئلہ پوچھ لیتے ہیں۔ بعض اوقات تو یہ بھی نہیں تحقیق کرتے کہ یہ شخص واقعی میں عالم بھی ہے یا نہیں؟ کسی کا نام ـــ "مولوی" سن لیا اور اسی سے دین کی باتیں پوچھنے لگے اور بعض اوقات عالم ہونا معلوم ہوتا ہے مگر یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کس مشرب کا؟ کس عقیدہ کا ہے۔ ایسے شخص کے جواب سے بعض اوقات تو عقیدہ یا عمل میں خرابی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تردد وشبہ میں پڑ کر پریشان ہوتا ہے یا پریشان کرتا ہے۔ جیساکہ امر اول کے بیان میں گذر چکا ہے۔

(۲) دوسری غلطی یہ کی جاتی ہے کہ ایک مسئلہ کو کئی کئی جگہ پوچھتے ہیں اور بعض اوقات جواب مختلف ملتا ہے تو اس وقت یا تو تعیین راجح میں پریشان ہوتے ہیں یا جس میں نفس کی مصلحت ہوتی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہیں اور کبھی اس کی عادت ہو جاتی ہے تو استفتار سے یہ ہی مقصود ہوتا ہے ـــ کہ نفس موافق جواب ملے اور جب تک ایسا جواب نہیں ملتا، برابر اس کد وکاوش میں رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وضع تدین سے بمراحل بعید ہے سراسر اتباع ہوئی وتلعب فی الدین ہے

(۳) ایک تیسری غلطی، اس دوسری غلطی سے یہ پیدا ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک مجیب کا جواب دوسرے مجیب کے سامنے نقل کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ بعض اوقات طبیعت کا رنگ خاص ہوتا ہے۔ بعض اوقات نقل کا لب ولہجہ کچھ معارضانہ ہوتا ہے اس لئے کبھی اس مجیب کی زبان سے دوسرے مجیب کی نسبت یا اس کے جواب کی نسبت کوئی نا ملائم لفظ نکل جاتا ہے پھر یہ ہی ناقل یا دوسرا اس مجیب تک اس کو پہنچا دیتا ہے پھر وہ کچھ کہہ دیتا ہے اس کی خبر اس پہلے تک پہنچتی ہے۔ اور بعض دفعہ بلکہ اکثر ان منقولات میں بھی بہت کچھ لفظی یا معنوی تغیر وتبدل کر دیا جاتا ہے۔ اور اس طور

پھر باہم ایک فساد عظیم ان میں برپا ہو جاتا ہے۔

ایک غلطی یہ ہے کہ غیر ضروری مسئلے پوچھے جاتے ہیں۔

ایک غلطی یہ ہے کہ مسائل کے دلائل دریافت کئے جاتے ہیں جن کے سمجھنے کے لئے علوم درسیہ کی حاجت ہے اور چونکہ مسائل کو وہ حاصل نہیں اس لئے دلیل کو سمجھتا نہیں اور اگر اسی خیال سے کوئی مجیب دلیل بتلانے سے انکار کرتا ہے تو اس مجیب غریب کو بد خلقی پر محمول کیا جاتا ہے۔

ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ کسی سے کسی مسئلہ میں مباحثہ شروع کرتے ہیں۔ پھر اپنی تائید کے لئے فتویٰ حاصل کرتے ہیں اور وہ فتویٰ اپنے مخالف کو دکھلا کر اس پر احتجاج کرتے ہیں پھر وہ اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح خواہ مخواہ باہم جنگ وجدل کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ عوام کو اس میں پڑنا موجب خطر ہے۔ اگر ان سے کوئی اہل باطل اُلجھے تو علماء کا حوالہ دیکر اس کو قطع کر دیا جائے۔ اگر غرض ہو گی آپ پوچھے گا۔

غلطیوں کی اِصلاح کا طریق

ان سب غلطیوں کی اصلاح اس سے ہو سکتی ہے کہ اپنا دستور العمل اس باب میں یہ رکھیں کہ جب کوئی ضروری بات پیش آوے، اپنے عمل کرنے کے لئے نہ کہ مباحثہ کے لئے، ایسے شخص سے مسئلہ پوچھیں جس کا معتبر و محقق ہونا صحیح ذریعہ سے پہلے معلوم ہو۔ اور اس پر اعتماد و اعتقاد بھی ہو۔ اور دلیل دریافت نہ کریں۔ اور کسی دوسرے عالم سے بلا ضرورت نہ پوچھیں۔ اور اگر باوجود ان سب رعائتوں کے اس کے جواب میں شبہ رہے۔ اور شفا نہ ہو تو ایسے ہی صفت کے دوسرے عالم سے پوچھ لیں اور اگر جواب پہلے کے خلاف ہو تو پہلے کا جواب اس کے سامنے اور اس کا جواب پہلے کے سامنے نقل نہ کریں۔ اور جس قول پر قلب مطمئن ہو۔ اس پر عمل کر لیں اور یہ ہی عمل اس حالت میں کریں، جبکہ بلا مراجعت دوسرے عالم کے خود بخود جواب، اول کے خلاف کوئی جواب اس باب میں گوش زد ہو جائے۔

استفتاء کے آداب

اور اگر استفتاء تحریراً ہو۔ تو ان رعایات کے علاوہ اور بھی بعض رعائتوں کا لحاظ رکھیں یعنی

* سوال کی عبارت اور خط بہت صاف ہو۔

* حتی الامکان فضول، غیر متعلق باتیں اس میں نہ لکھیں۔
* اپنا پتہ اور نام صاف لکھیں۔ اگر کئی بار ایک ہی جگہ استفتے آجاویں تب بھی ہر خط میں ......
* اپنا پتہ اور نام صاف لکھیں۔ اور جواب کے لئے ٹکٹ ضرور رکھدیا کریں۔ بلکہ اگر سوال دستی بھی بھیجیں تب بھی جواب کے لئے ٹکٹ رکھدیں اور پتہ اپنا پورا لکھدیں۔ شاید اس وقت جواب مسئلہ کا نہ دے سکیں تو بعد میں ڈاک میں بھیج دیں گے۔ ورنہ ٹکٹ واپس آجائے گا۔
* اگر کئی سوال ہوں تو کارڈ پر نہ بھیجا کریں۔ اور کبھی ایسا اتفاق ہوجائے تو ان سوالوں پر نمبر ڈال کر ان کی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھ لیں اور مکتوب الیہ کو اطلاع دیدیں کہ ہمارے پاس سوالات کی نقل نمبروار ہے۔ آپ اعادہ سوال کی تکلیف نہ کریں۔ نمبروں کی ترتیب سے صرف جواب لکھدیں۔

امر سوم یعنی وعظ سننا

جس قسم کی غلطیاں امر اوّل میں کی جاتی ہیں۔ اسی قسم کی غلطیاں لوگ یہاں کرتے ہیں کیوں کہ تحریر و تقریر دلالت و احکام و آثار میں متقارب ہیں۔ یعنی لوگ ہر قسم کے واعظوں کا وعظ سن لیتے ہیں۔ اس کے وہ ہی مفاسد ہیں۔ جو امر اوّل میں تھے اور ان کا وہ ہی انسداد ہے جو مفاسد متعلقہ امر اول کا تھا۔

وعظ سننے کے آداب

جب کوئی واعظ جدید آوے، اپنے شہر یا قریب کے کسی عالم معتبر سے اس واعظ کی حالت پوچھ لے۔ اگر وہ اطمینان دلاوے تو وعظ سنے، ورنہ، نہ سنے کیونکہ بعض واعظ جاہل ہوتے ہیں اور بعض بدمذہب اور ان میں بعض اپنے مدعا کو ذہن میں جما دینے میں ملکہ رکھتے ہیں۔ اور بعض ایسے چالاک ہوتے ہیں کہ اوّل اوّل مخاطبین کے موافق کہتے ہیں پھر بعد مناسبت و موانست اپنے مسلک کی دعوت شروع کرتے ہیں بقول مولانا رحمۃ اللہ علیہ ؎

زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر

شکاری سیٹی کی آواز نکالتا ہے

تا کہ گیرد مرغ را آں مرغ گیر

اس لئے کہ وہ پرندہ کو پکڑ لے

پس محتاط کو یہ طریقہ رکھنا چاہئیے ؎

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت

دشمن اگرچہ آپ کو دوست خطاب کرکے پکارے

دام دان گرچہ زدانہ گویدت

تو اس کو فریب سمجھو، اگرچہ وہ کہے کہ یہ موتی ہے

اور یہ شیوہ اختیار نہ کریں ؎

لختے بردازدل گذرد ہر کہ بہ پیشم

جو میرے سامنے سے گذرتا ہے وہ میرے جگر کا ایک ٹکڑا لیجاتا ہے

من تاشش فروش دل دیوانہ خویشم

میں اپنے دل دیوانہ کی پھانک بیچنے والا ہوں۔

اور اگر باوجود احتیاط کے کوئی بات مشتبہ کان میں پڑ جائے، علماء محققین سے اس کی تحقیق کرلیں۔

امر چہارم یعنی اہل کمال کی صحبت

اس میں جو دھوکہ ہوتا ہے وہ بہت عام ہے یعنی جو علامتیں اہل کمال کی شناخت کی ہیں ان کی رعایت نہیں کی جاتی جن کو احقر نے مضمون سابق میں "قصد السبیل" سے نقل کیا ہے اس کا انسداد ان علامات کی رعایت ہے۔ بقول مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

خبردار! بہت شیطان انسان کی شکل میں ہیں

پس بہر دستے بناید داد دست

پس ہر ہاتھ کو ہاتھ سے نہ ملانا چاہیئے

بری صحبت کے نقصانات

اسی کے ذیل میں اس صحبت کی مضرت بھی سمجھ لینا چاہیئے جو مقتدا بنا کر نہ ہو۔ محض دوستی کے طور پر ہو مگر وہ دوست بدین ہو ـــــ یہ بھی غلطی عظیم ہے۔ تجربہ سے ایک دوست کا اثر طبعًا دوسرے دوست پر ضرور آتا ہے اور مضر اثر، جلد آتا ہے۔ اس لئے ارشاد نبوی ہے المرء علی دین خلیلہ فلینظر من یخالل ـــ (انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے۔ چاہیئے کہ وہ دیکھ لئے کہ کون اس سے دوستی گانٹھتا ہے؟) ـــــ البتہ جو ملاقات بضرورت ہو، وہ مستثنیٰ ہے۔

امر پنجم یعنی گھر والوں کو خود پڑھانا

اس میں جو غلطیاں ہوتی ہیں، ان کا مجموعہ امور اربعہ مذکورہ کے بیان میں، منتشر طور پر علاج آگیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے، کہ گھر والوں کے لئے جو کتابیں تجویز کی جاویں۔ یا جو واعظ بلایا جائے ان میں رعایت امور سابقہ ملحوظ ہوں۔ اور یہ امر تصریح وتخصیص کے ساتھ اس میں قابل ذکر ہے کہ سیانی لڑکی کا مُعلّم نامحرم جوان یا میانی عمر کا جائز نہ رکھا جائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوانا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

قرآن مجید کے بارے میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ قرآن مجید)

اس سے سابق کے مضامین میں انقلاب و اصلاح کے باب میں جو کلام ہوا تھا۔ وہ مجملی اور کُلی طریق پر تھا چونکہ جزئیات خاصہ کو ان پر منطبق کرنا، طلب صادق وفہم صائب کو مقتضی ہے اور اُن دونوں کی کمی اکثر طبائع میں مشاہد ہے اس لئے مضمون مذکور کے نفع میں تام ہونے کے لئے اس کی حاجت محسوس ہوئی کہ بعض ایسی جزئیات کو جو کہ مہم اور کثیر الوقوع ہیں، لبطور انموذج مگر بقدر کافی، اسی سلسلہ میں مفصلاً و مصرحاً بھی بیان کردیا جاوے۔ چنانچہ اس مضمون سے اس کا آغاز ہے اور یہ امر بھی ضروری الذکر ہے کہ زیادہ حصہ اس سلسلہ کا اعمال ـــــ اخلاق ـــــ معاملات ـــــ معاشرات کے متعلق ہوگا۔ اور یوں اتفاقاً کسی عقیدہ سے سادہ طرز پر کوئی بحث آجائے ممکن ہے، اب اس کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔

قرآن مجید کے معاملہ میں کوتاہیاں

قرآن مجید کے معاملہ میں چند کوتاہیاں کی جارہی ہیں۔

ایک یہ کہ بعض لوگ تو اس کے پڑھنے کو قابل اہتمام نہیں سمجھتے۔ پھر ان میں بھی دو گروہ ہیں۔

ایک یہ کہ ان کا عدم اہتمام محض عملاً ہے۔ یعنی اس کا استحسان یا نافع ہونا تو ان کے اعتقاد میں ہے مگر بوجہ غفلت کے اشتغال یا دوسری حاجات معاشیہ کے اس کو حاصل نہیں کرتے، نہ اپنی اولاد کے لئے اس کی سعی کرتے ہیں اس گروہ کی حالت ایک درجہ میں اخف ہے کیونکہ یہ لوگ ایک امر نافع کے تارک ہیں۔ کسی امر مضر کے مباشر و مرتکب نہیں، کیونکہ پورے قرآن کا پڑھنا مجموع امت کے اعتبار سے بغرض اس کی حفاظت کے فرض الکفایۃ ہے، البتہ قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ فرضٌ علی العین ہے۔ اور قدر ما یتادیٰ بہٖ واجب القرأۃ واجبٌ علی العین ہے۔ تو یہ لوگ کسی فرض یا واجب علی العین کے تارک نہیں ہوئے۔ گو ایک برکت سے محروم ہیں اسی وجہ سے ہم نے اس کو، کوتاہی کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

مکاتب قرآن کی ضرورت اور چندے کے آداب

علاج اس کا یہ ہی ہے کہ ان لوگوں کو ادھر متوجہ کیا جائے۔ اور جتنا ان کا خرچ دنیوی سمجھا جائے کسی قدر امداد مالی سے اس کا تدارک کیا جائے۔ کم از کم اُن بچوں ہی کو خوراک و پوشاک کے لئے وظیفہ دیا جائے۔ اور ہر بڑے گاؤں میں ایک ایک مکتب قرآن مجید کا قائم کیا جائے اور وہاں کے گرد و نواح کے دیہات کے بچوں کو اس میں تعلیم دی جائے۔

بڑوں کو بھی جب فرصت میسر ہو، تھوڑا وقت اس میں دیا جائے۔ یہ ممکن ہے کہ جنہوں نے شروع کیا ہے بوجہ قلت مناسبت کے یا بسبب عروض عوارض کے سب ختم نہ کر سکیں۔ لیکن تاہم ایک عدد عظیم ختم کرنے والوں کا اس سے بھی حاصل ہو جائے گا اور ایسے مکتبوں کا چونکہ خرچ زیادہ نہ ہوگا۔ اس لئے بیرونی امداد کی طرف مضطر نہ ہوں گے، ہر جگہ کے مکتب کے لئے خود وہاں کے چند صاحبوں کی امداد کافی ہو سکتی ہے مگر اس امداد سے اس کا لحاظ رہے کہ ـــــ "کسی شخص پر دباؤ ڈال کر یا شرما کر اس سے وصول نہ کیا جاوے کہ علاوہ خلاف دین ہونے کے اور بے برکتی کے ایسے چندوں کو ثبات بھی نہیں ہوتا۔"

۲ دوسرا گروہ وہ ہے کہ ان کے اس عدم اہتمام کا منشا رسوء اعتقاد ہے یعنی تحصیل الفاظ کو ایک فضول ولا یعنی حرکت بلکہ معاش مخل سمجھ کر مضر جانتے ہیں اور پڑھنے والوں کو احمق

اور تاریک دماغ خیال کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی تلبیس میں ڈالتے ہیں۔

کوئی صاحب کہتے ہیں کہ جب معنے نہ سمجھے تو طوطے کی طرح پڑھنے سے کیا فائدہ ؟ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ جب دو سال اس میں صرف ہو گئے یا حفظ کرنے میں دماغ صرف ہو گیا، پھر علوم معاش کے وقت میں گنجائش نہیں ہو گی یا اس میں دماغ کام نہ دے گا۔ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھانے میں اس کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ لڑکے بے وضو ہاتھ لگاتے ہیں۔ سیپارے پھاڑتے ہیں کہیں بے تعظیمی سے رکھ دیتے ہیں۔ اس لئے ادب کا مقتضا یہ ہے کہ ان کو پڑھایا نہ جائے .... اس قسم کی باتیں ابلہ فریب تراشتے ہیں۔

یہ حضرات غور فرمائیں کہ فضول اس کو کہتے ہیں، جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور جو شخص خدا کو خدا، رسول کو رسول اور دونوں کے کلام کو صادق مانتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا ہے۔ کہ فائدہ منحصر نہیں ہے فائدہ دنیویہ میں، پھر محض اس کے انتفاء سے مطلق کا انتفاء کیسے لازم آیا ؟ ... یہ مسئلہ عقلیہ ہے۔ کہ خاص کا انتفاء مستلزم نہیں ہوتا عام کے انتفاء کو۔

ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں

جب مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کلام ہدایت فرجام سے ثابت ہے کہ خالی الفاظ پڑھنے سے بھی ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور ثابت ہے کہ خالی الفاظ کا پڑھنا بھی اعظم سبب ہے، حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب کا،

ہاں ! کوئی ان نیکیوں کو اور حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب ہی کو مد فضول میں شمار کرے تو اس مقام پر اس سے گفتگو نہیں ہے۔ مخاطب خاص وہ ہی شخص ہے جو خدا اور رسول کی عظمت اور صدق کا قائل ہو۔ اور جو اسی کا منکر ہو۔ اس کو بجائے اس وقت مخاطب بنانے کے قیامت کے روز انشاء اللہ تعالیٰ دکھا کر کہا جائے گا۔ ھٰذا الذی کنتم بہٖ تکذبون (مطففین) یہ ہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

احمق کون ؟

یہ حضرات غور فرمائیں کہ اب پڑھنے والے احمق ہوئے یا ان کو احمق کہنے والے ؟ اور اگر اب بھی سمجھ نہ آیا ہو تو بس یہ کہہ کر بات کو ختم کیا جائے، ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم ہو[۳۰] یعنی اگر تم ہنستے ہو ہم سے، تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو - اب جلد جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اس کو اور اترتا ہے اس پر عذاب دائمی۔

یہ حضرات غور فرمائیں کہ جب الفاظ کا فائدہ علاوہ معانی کے فائدہ کے مستقل بھی ہے تو پھر اس کو طوطے کی سی پڑھائی کہنا کیسے صحیح ہے ؟ ہم نے بہت سے انگریزی طالب علم دیکھے ہیں کہ وہ اقلیدس کی کسی شکل کا ثبوت نہیں سمجھتے مگر پھر بھی اس امید پر عبارت یاد کر لیتے ہیں، کہ امتحان میں عبارت لکھ دیں گے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے ہیں، اور پاس ہو جاتے ہیں - چونکہ سمجھنے کے علاوہ اس پر بھی یہ فائدہ خاص، پاس ہو جانے کا مرتب ہوتا ہے۔ ہم نے کسی کو اس پر بیکار ہونے کا حکم لگاتے نہیں دیکھا۔ پھر ان سارے فضایا کی مشق کے واسطے بس دین ہی رہ گیا ہے - افسوس ! افسوس !

یہ حضرات غور فرمائیں کہ کیا کبھی جاہ و عزت کی طلب کے لئے کوئی بڑا سفر انگلستان وغیرہ کی طرف کرنے میں یا کسی دربار میں رسائی کی کوشش کرنے میں یا کسی حاکم اعلیٰ کی خوشنودی و تقرب کی امید میں مالی خرچ یا بار گوارا نہیں کیا جاتا ؟ تو کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے ؟ کہ خدا کی رضا و قرب و عنایت کی اتنی بھی وقعت نہیں ہے ؟ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ - اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جتنا اس کی قدر کا حق تھا۔

حفظِ قرآن سے قوتِ حافظہ بڑھتی ہے اور علومِ معاشیہ میں کام دیتی ہے۔

یہ حضرات غور فرمائیں کہ حفظ کرنے میں اگر اعتدال کے ساتھ مشقت ہو تو اس میں دماغ کا زیادہ کام نہیں، زیادہ کام ذہانت کا ہے، جیسا کہ ایک ڈاکٹر نے بھی بیان کیا، البتہ کسی قدر

اشتراک قوت حافظہ کا ہے۔ جو کہ قوی دماغیہ سے ہے، سو حکمار نے اس کی تصریح کی ہے، کہ جس قوۃ سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جائے، تو وہ اس کی ریاضت ہے، اور اس ریاضت سے اس قوت میں ترقی ہوتی ہے۔ سو اس بنا پر تو "حفظ قرآن سے قوت حافظہ بڑھے گی جو آگے علوم معاشیہ میں کام دے گی"، اور اس حافظہ کے بڑھ جانے سے دوسرے علوم میں دوسرا شخص جو کام چھ ماہ میں کر سکتا ہے۔ یہ شخص اتنا کام چار ماہ میں کر سکے گا۔ سو حفظ قرآن میں اتنی مدت بھی صرف نہ ہوگی۔ جتنی کفایت آگے نکل آئے گی .... !!

البتہ جس کو حفظ سے مناسبت ہی نہ ہو۔ اس کا ذکر نہیں ہے۔ ایسے شخص کے لئے حفظ کرانے کا ہم بھی مشورہ نہیں دیتے۔

یہ عذر تو سب سے زیادہ عجیب ہے !کہ قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے کیا یہ حضرات، خدا کو عالم الضمیر پر حاضر و ناظر اعتقاد اور خیال کر کے اس پر قسم کھا سکتے ہیں ؟ کہ بچوں کو قرآن نہ پڑھانے کی رائے اس نیت پر مبنی ہے کہ قرآن کی بے حرمتی نہ ہو کیا خدا سے بھی اپنے اس مخفی حیلے کو چھپا سکتے ہیں ؟ اگر یہ ہی نیت تھی تو اچھا ہوش و عقل آنے کے بعد کتنے صاحبوں نے تحصیل قرآن کی طرف توجہ کی، بہرحال اس گروہ کی حالت پہلے گروہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ اور پڑھنے کا اہتمام نہ کرنا دونوں میں مشترک ہے پس ایک کوتاہی تو یہ کی جاتی ہے۔

دوسری کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بہت لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ مگر پڑھ کر پھر اس کا نام تک نہیں لیتے بلکہ ان میں جو ـــــ حافظ ہیں وہ فخر کرتے ہیں کہ ہم نے سال بھر تک کھول کر بھی نہیں دیکھا باوجود اس کے ہم نے رمضان میں سنا دیا۔ اس ناواقفی کی بھی کوئی حد ہے ؟ کہ جو بات عیب کی تھی اس کو ہنر سمجھکر اس پر فخر کیا جاتا ہے .... !!

جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے کسی نہ کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے۔

ان صاحبوں کو سمجھنا چاہیئے کہ مقصود پڑھنے سے تو یہ تھا کہ ہمیشہ اس کی تلاوت سے برکات حاصل کی جائیں، جب یہ نہ ہوا تو پڑھا نہ پڑھا برابر ہوگیا۔ پھر تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور ایک حدیث میں بھی یہ ہی مضمون آیا ہے کہ قرآن مجید نہ پڑھنے سے اس سے ایسی بے مناسبتی ہو جاتی

ہے کہ پھر دیکھ کر بھی نہیں چلتا۔ یہ تو ناظرہ خواں کے بھولنے کی حد ہے اور حافظ کے بھولنے کی حد یہ ہے کہ حفظ نہ پڑھ سکے، صحیح یہ ہی ہے اور نسیان قرآن پر حدیثوں میں وعید شدید آئی ہے، پھر یہ کہ اتنے دنوں کی، کی کرائی محنت جو کہ پڑھنے میں برداشت کی تھی۔ اس کے ضائع کر دینے کیلئے دل کیسے گوارا کرتا ہے؟ دوام تلاوت میں بعض لوگ کم فرصتی کا عذر کرتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے کسی نہ کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے۔ خاص کر جبکہ کام بھی آسان ہو۔ کیا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے؟ کہ ۲۴ گھنٹے میں سے آدھا گھنٹہ کہ مجموعہ روز و شب کے ساتھ ۱/۴۸ کی نسبت رکھتا ہے، نکال کر اس میں اگر ناظرہ خواں ہے تو ایک پارہ اور اگر حافظ ہے تو ایک یا ڈیڑھ پارہ بے تکلف پڑھ لیا کرے اور اتفاقاً ناغہ ہو جانا دوسری بات ہے اس سے زیادہ وقت تو فضولیات وخرافات میں صرف ہو جاتا ہے جس میں نہ نفع دین نہ نفع دنیا۔

کیا تو بہ توبہ قرآن مجید کی ان فضولیات کی برابر بھی وقعت نہیں ہے! کہ فضولیات کے لیے تو فرصت ہو جایا کرے اور قرآن مجید کے لیے نہیں ہوتی؟

تیسری کوتاہی یہ ہے کہ بعض دواماً بھی پڑھتے ہیں مگر اس کی تصحیح کی طرف اصلاً توجہ نہیں فرماتے نہ مخارج کی خبر نہ صفات کا اہتمام نہ نقص وزیادت سے تحاشی،

کوئی صاحب "ض" کو صاف مخرج "ظ" سے ادا کرتے ہیں اور کوئی صاحب مخرج "ذ" سے ث — س — ص میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں، الف کے موقع پر نرا فتح پڑھنا اور فتح کی جگہ الف ملا دینا، بعض کی عادت ہو گئی ہے۔ نہ بے موقع وقف کر دینے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے بعض مواقع پر معنی میں فساد ہو جاتا ہے۔ اگر سانس ٹوٹنے سے اس کی طرف مضطر ہو۔ تو ایسا کرے کہ جس لفظ پر وقف کیا ہے۔ اس کا پھر آگے بڑھنے میں اعادہ کرے۔ البتہ وصل سے ایسا فساد لازم نہیں آتا۔

اہل علم کی کوتاہیاں

نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے! کہ اس کوتاہی میں اہل علم کا نمبر غیر اہل علم سے کچھ بڑھا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ایک صاحب سورہ ناس میں "من الجنّۃ والناس" کو اس طرح پڑھتے ہیں۔

من الجنات والنس " پھر بعضے ان میں مساجد کے امام ہوتے ہیں۔ اس وقت اس غلطی کا اثر دوسروں تک بھی دو طور سے پہنچتا ہے۔

ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خوان ہوا۔ تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی اور چونکہ غلط خواں کا حکم صحیح خواں کی نسبت سے اُمّی کا سا ہے بہ نسبت قاری کے، اس لئے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ دوسرے مقتدیوں کی، پس کتنی بڑی تباہی کی بات ہے؟

دوسرے اس طور سے کہ یہ امام صاحب اگر زمرہ اہل علم ہوئے، تو علماء کی عوام میں سخت بے وقعتی ہوتی ہے جس کا اثر ایک گونہ علماء کے اتباع واقتداء تک بھی سرایت کر سکتا ہے ہر چند کہ تجوید کے وجوب کے متعلق کلام طویل ومقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کی تصحیح واجبٌ علی العین ہے جب تک کہ عدم قدرت وعدم مساعدت لسان متیقن نہ ہو جائے۔ جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ بدون اس قدر تصحیح کے قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی اور عربیت بدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہے۔ پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہے گا۔ پس اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہو سکتا ہے؟

اس میں قرآن کی یا عربی کی کیا تخصیص ہے؟ ہر زبان کی صحت اس کے خاص طرز ادا پر موقوف ہے مثلاً لفظ "پنکھا" اور "رنگ" میں اخفا ہے۔ اگر نون، میں اظہار کیا جاوے یقیناً لفظ غلط ہو جاوے گا ـــ اور لفظ "کھنبا" اور "دنبہ" میں اقلاب ہے، اگر یہ نہ ہو تو یقیناً لفظ غلط ہو جائے گا۔ مگر بات یہ ہے کہ قلوب میں ادراک نہیں رہا۔ نعماء آخرت کی رغبت، نعماء دنیا کے برابر نہیں رہی انا للہ وانا الیہ راجعون (بقرہ ۱۵۶) (ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

تصحیح قرآن صرف دو ہفتہ میں

کل حروف اٹھائیس ہیں۔ ان میں بعض بعض تو قریب قریب صحیح نکلتے ہیں۔ ان کو مستثنیٰ کر کے جن میں اہتمام کی حاجت ہے، تقریباً ایک ربع یعنی سات ہیں، جیسے ث ـ ح ـــ

د ـ ص ـ ض ـ ط ـ ظ اور جو بالکل دیہاتی ہیں۔ ان کے لئے اتنے ہی اور ہیں جیسے خ ـ ز ـ ش ـ ع ـ غ ـ ف ـ ق ـ اگر کسی ماہر کو تلاش کرکے ایک گھنٹہ روزانہ مشق کے لئے نکالا جائے تو روزانہ ایک حرف کی ضروری مشق ہو سکتی ہے جس میں ایک ہفتہ اور دیہاتی کے لئے دو ہفتہ کافی ہیں۔ اگر احتیاطاً اس سے دونی مدت لی جائے۔ تو آدھا مہینہ اور ایک مہینہ غایت غایت صرف ہوتا ہے تو کیا دین کی اتنی بڑی ضرورت کے لئے اپنی اتنی بڑی عمر میں سے اتنا حصہ بھی نہیں دے سکتے ہو؟ کتنا بڑا غضب اور ستم ہے؟

اسی طرح فتح اور الف کی مقدار کا فرق، اگر ایک پارہ میں اس کی درستی ہو جائے تو تمام قرآن یکساں ہی تمام کے لئے کافی ہے۔ اگر ایک رکوع روزانہ درست کرلیا جائے، تو یہ کام بھی پندرہ بیس روز سے زیادہ کا نہیں ہے۔ پھر بقیہ قرآن بھی ہے۔ تھوڑا تھوڑا کرکے کسی ماہر کو سنا دینا۔ جو متفرق اوقات میں نہایت سہل ہے زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات ہے۔

بعض لوگوں کو ماہر قرآۃ میسر نہ آنے کا بہانہ ہوتا ہے لیکن اول تو اتنی تھوڑی مہارت رکھنے والے اکثر جگہ ایک دو پائے جاتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی میسر نہیں تو چند آدمی مل کر کسی ماہر کو بلا کر رکھ سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جہاں کوئی طبیب نہیں رہا۔ بستی والوں نے چندہ کرکے تنخواہ دار طبیب کو رکھا ہے۔ پس فرق وہی ضرورت اور عدم ضرورت کے اعتقاد یا استحضار اعتقاد کا ہے۔ یا بستی میں سے دو چار ہونہار شخصوں کو سفر میں بھیج کر ماہر بنوا سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے عموم کلام میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منهم طائفۃ لیتفقهوا فی الدین التوبہ [۱۲۱] سو کیوں نہ نکلا؟ ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں) بلکہ اگر باہر سے کسی ماہر کو بلا کر رکھا جائے یا بستی میں سے کسی کو باہر بھیج کر ماہر بنوایا جائے تو اس میں ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے کہ بچے جس وقت قرآن پڑھیں، پڑھنے کے ساتھ ہی اس تصحیح کا اہتمام رہے یعنی اس میں گونہ تکلیف ہے کہ غلط یاد کرکے پھر تصحیح کی جائے اگر ابتدا ہی سے صحیح پڑھایا جائے، پھر بالخصوص زمانہ صبا میں تو یہ صحت ان کے لئے مثل امر طبعی کے ہو جائے اور مشقت کا ایک بڑا حصہ مختصر ہو جائے۔

امام مقرر کرنے کے آداب

اس کا بھی التزام رکھیں کہ جب کسی کو مسجد میں امام مقرر کریں۔ کسی ماہر کو اس کی متعدد مختلف سورتیں سنوادی جاویں۔ اگر وہ صحت کی تصدیق نہ کرے تو کسی ماہر کو تلاش کریں۔ اگر ارزاں نہ ملے گراں لاویں۔

کیسی ظلم کی بات ہے؟ کہ ہر دنیوی کام کے لئے ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی ڈھونڈا جاتا ہے حتی کہ لوہار۔ معمار۔ نجار۔ بلکہ گانے بجانے والا تک بھی، اور خدا کے روبرو جو سب کیطرف سے وکیل بن کر کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جس میں نہ کمال نہ جمال، تمام محلہ میں جو ناکارہ۔ اندھا۔ چندھا۔ فاتر الحواس۔ گنوار۔ بدتمیز۔ جاہل۔ ہو غرض جو کسی مصرف کا نہ رہے، اس کو امامت کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون البقرہ [۱۵۵] ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

مشائخ اور اہل مدارس کیلئے دستور العمل

اہل مدارس اس کا التزام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدرسہ میں داخل ہونا چاہیں امتحان داخلہ کا ایک جزء اور اجزاء سے زیادہ نہیں، تو برابر درجہ میں سہی صحت قرآن کو بھی قرار دیں۔ اور بدون تجربہ صحت یا بعض حالات میں کم از کم وعدہ تصحیح تو ضرور لے لیا جاوے بدون اس کے داخل نہ کریں اور وعدہ کی صورت میں جتنے سبقوں کا وہ مستحق ہے ان میں سے ایک سبق کی جگہ اس تصحیح کو رکھیں اور اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد پورے سبقوں کی اجازت دیں۔ اور نیز جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو ایک مدرس تجوید کا مدرسہ میں بڑھانا ضرور ہے۔ اس طریق سے یہ فن عام ہو سکتا ہے۔

اسی طرح مشائخ کو چاہیئے کہ اپنے مریدوں کو خصوصی خلفاء کو صحت قرآن پر مجبور کریں۔ کیا ظاہر یا باطن کا مقتدا بنایا جائے؟ اور بچوں سے بھی کم ہو، کیا یہ معیوب نہیں؟

تجوید میں افراط و تفریط

چوتھی کوتاہی یہ ہے کہ بعضے تصحیح و تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں مگر کاوش اور بحث ہی تک پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔ جیسا اس وقت لوگ ض ـــ ظ میں الجھنے والے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ ادا کے نام خاک بھی نہیں، بعضے عمل تک پہنچنے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ یعنی صرف لہجہ کا نام قرارت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اتار لیتے ہیں اور اتار چڑھاؤ صحت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحسنات قرأۃ بھی فوت ہو جاتے ہیں، یعنی حُرف گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔ یا غُنہّ یا مدّ حذف کر دیتے ہیں تاکہ وزن ٹھیک رہے!!

سو اس کی نسبت سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اقرءوا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق واهل الکتابین[1]۔ (تم قرآن شریف کو عربوں کے طریقے اور ان کے لہجے میں پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو)

یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا ہے اور اسکو لحون عرب سمجھنا خطاءِ عظیم ہے۔ جیسا شُراح حدیث نے تصریح کی ہے بلکہ یہ لحن اہل عشق و اہل کتاب میں داخل ہے جس کو منع فرمایا ہے اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تو لحن اہل عشق کون ہوگا؟ پس خود حدیث کے الفاظ تو اس زعم کا تخطیہ کر رہے ہیں۔ اور لہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط ہے اور بعضے حقیقت صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین فوت نہ ہونے پائے اور کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے۔ مثل تفریط مذکور کے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے۔

حسنِ صوت اور گانے کا فرق

زینّوا القرآن باصواتکم اور نحوہ حدیث قولی (قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۱ عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ، بحوالہ بیہقی ۱۲ محمد علی عفرلہ۔

کرو) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عرض پر کہ لو علمت انک تستمع لقرائی لحبّرتہٗ تحبیراً ۵؎ او نحوہٗ (اگر میں جانتا کہ آپ میری قرأۃ سُن رہے ہیں تو میں اس کو اور سنوارتا) آپ کا انکار نہ فرمانا حدیث تقریری اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت و مطلوبیت میں نص صریح ہیں - اور یہ ہی ہے وہ تغنی جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے اور اس میں اور گانے میں فرق ظاہر ہے یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہیں۔ اگر لہجہ کے بنانے میں قواعد رہ جاویں تو پروا نہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھکر خوش آوازی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پروا نہیں کی جاتی ہے ———— اور بلا مقصد اگر کسی شخص کی قرأۃ کا کوئی جز کسی قاعدہ موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جاوے تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں، جیساکہ خود قرآن مجید میں شعریت کی جا بجا نفی کی گئی ہے، مگر بعض عبارت یقیناً اوزان شعر پر منطبق ہیں۔

جیسے ثم اقررتم وانتم تشھدون ثم انتم ھٰؤلاء تقتلون البقرہ [۸۴] پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم جانتے ہو پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں) فاعلاتن فاعلاتن فاعلات پر منطبق ہے مگر باوجود انطباق، ہرگز اس کے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔

البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا شعر پڑھنے والا، اور قرآن میں ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والے کہا جائے گا۔ بس یہی حالت لہجہ کی بالقصد تطبیق کے ہے غرض اس چوتھی کوتاہی کی دو جانبین ہیں۔ تفریط، افراط، دونوں سے بچنا یہ وہ ہے جس کو لحون عرب واصواتہا (عربوں کا طریقہ اور ان کی آوازیں) فرمایا گیا ہے۔

تجوید لارضاء خلق؟

پانچویں کوتاہی یہ کہ بعضے تجوید پر قدرت حاصل کرلیتے ہیں۔ مجالس یا حالت امامت میں جب پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے اس پر عمل بھی کرتے ہیں مگر جب خلوت میں تلاوت یا حالت

انفرادیں نماز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے جس سے معلوم ہو کہ قرآن کی تصحیح سے غرض، ارضاء خلق تھی نہ کہ ارضاء خالق! کیا کسی فعل سے کسی ثمرہ کے ترتب کے لئے قوت واستعداد کا مرتبہ کافی ہے؟ یا صدور وفعلیت کی ضرورت ہی کیا تجوید پر صرف قدرت ہونے سے تجوید کے ثمرات مثل ادائے واجب وتضاعف اجر ورضائے حق وادائے حق حاصل ہو سکتے ہیں؟ یا اس کے عمل واجراء کی بھی ضرورت ہے؟

کیا کسی خارشی کو محض نسخہ کے یاد کر لینے سے اچھا ہوتا ہوا بھی دیکھا ہے؟ یا اس کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے؟ بالخصوص سری نمازوں میں تو غنہ اور مدو اظہار واخفاء کا تو کیا ذکر ہے؛ غالباً بلکہ یقیناً مخارج وصفات حروف پر بھی نظر نہیں ہوتی جو کہ لوازم حروف سے ہیں اور وہ نہیں تو حروف نہیں، اور جب حروف نہیں، جو کہ بسائط ہیں تو قرآن کی عبارت نہیں جو کہ مرکب تھی، اور جب عبارت نہیں تو قرأت نہیں، تو نماز کہاں؟ فلیتدبروا الیذکروا (بار بار غور وفکر کریں) اور یوں ابتلاء عام کو پیش نظر رکھ کر اس پر فتویٰ نہ دینا یہ دوسری بات ہے مگر ترک واجب کے گناہ سے بچنے کے لئے بھی عموم بلویٰ کافی ہو سکتا ہے۔ ومن لنا بذلک (اس کی گارنٹی دیتا ہے؟) اور اگر مستحسنات سے قطع نظر کی جائے مگر ضروریات کی حفاظت سے تو چارہ نہیں!

معانی قرآن سے غفلت

چھٹی کوتاہی یہ ہے کہ قرآن کے معنی جاننے کی رغبت جس قدر کہ کم پائی جاتی ہے، قریب قریب نہ ہونے کے ہے، سخت افسوس کی بات ہے! کہ جو اصل مدار ہے اسلام کا، جو منبع ہے تمام دینی علوم کا، جو اساس ہے دارین کے فلاح کا، جو خاص علاقہ ہے معاملہ وخطاب کا، اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی امت کو نہ خبر، نہ خبر کا شوق، ہماری اس جمود وخمود کی کوئی انتہا بھی ہے!! ...... شاید بعض طالب علم ناز کرتے ہوں کہ ہم کو تو شوق تھا جب ہم نے تفسیر پڑھی سو کہنا تو اور بات ہے۔ اور انصاف سے کہنا اور بات ہے۔

اگر انصاف سے غور کریں تو اس کا نام رغبت رکھنے سے خود ان کو ضرور شرم آوے گی۔ غور

کر کے بتلادیں کہ اگر تفسیر، درس میں داخل نہ ہوتی، کیا اُس وقت بھی پڑھتے ؟ چنانچہ جو کتاب تفسیر کے درس میں داخل ہے۔ اس سے زیادہ بھی کوئی پڑھتا ہے؟ بلکہ اس سے بھی مختصر کر دینے پر نظر ہوتی ہے۔ اگر آخر سال میں پانچ پارے جلالین کے رہ جاویں تو کیا آئندہ سال یا پھر کسی موقع پر اس کو پڑھتے ہیں؟ یا مر مار کر جلالین ہی ختم کرلی، تو کیا تمام ضروری مضامین پر اس سے عبور ہو گیا ؟

کیا مدارک یا ابو السعود یا پوری بیضاوی[۲] میں کوئی مضمون جلالین سے زائد نہیں ہے، پھر اس کو کوئی پڑھتا ہے ؟ میں سچ کہتا ہوں، اگر جلالین بھی درس میں نہ ہوتی تو اس کو کوئی بھی نہیں پڑھتا، اور جلالین بھی پڑھی تو کیا پڑھی ؟ اس کو ختم کر کے اتنی استعداد بھی تو نہ ہوئی، کہ اگر بدون جلالین کے خالی غیر مترجم قرآن ان کے ہاتھ میں دیدیا جائے، کہ ایک رکوع کا ترجمہ اور ضروری حل کردو، تو اسی کو حل کر سکیں ؟ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ ہاں جلالین منگا کر دے دو، تو کچھ دال دلیا کرلیں گے، اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کے معنی مقصود حاصل کرنے نہ تھے، بلکہ جلالین مقصود تھی۔ پھر کیا اس کو شوق و رغبت قرآن کہا جا سکتا ہے ؟ میری رائے میں خاص اس جزو کا کہ بدون جلالین کے مطلبِ قرآن نہ بیان کر سکیں گے۔

اہل مدارس کو مشورہ

تدارک یہ ہے کہ اہل مدارس طرزِ تعلیم میں کچھ ترمیم کریں، جیسے بعضی متون بدون شرح کے پڑھائی جاتی ہیں۔ اسی طرح جلالین سے پہلے قرآن مجید بھی بدون کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے[۱]۔

یا تو پورا قرآن پہلے پڑھا دیا جائے یا ایسا کریں کہ مثلاً ربع پارہ اوّل خالی قرآن میں پڑھا دیا پھر اسی قدر جلالین پڑھا دی اور مدرس اپنی سہولت کے لئے خواہ جلالین پاس رکھیں یا اور کوئی مبسوط تفسیر، تو طلبا کو اسی طرح پڑھنے میں اسی طرح یاد کرنے کی اور مطالعہ کر کے حل کرنے کی عادت

---

[۱] الحمد للہ دار العلوم کراچی میں شروع ہی سے اس مبارک طریق پر کام جاری ہے ۱۲ محمد علی عفی عنہ

[۲] جلالین، مدارک، ابو السعود، بیضاوی اتقان قرآن شریف کی مشہور تفاسیر ہیں ۱۲ محمد علی

پڑ جاوے گی۔

پس اس جزو کا بہت آسانی سے تدارک ہو جاوے گا۔ چونکہ جلالین میں جمیع فنون تفسیر مذکور نہیں، اس لئے کم از کم اتقان کو ضرور داخل درس کیا جاوے، یہ بیان تھا بد رغبتی کی کوتاہی کا۔

معانی قرآن میں رغبت کرنے والوں کی بے پرواہی۔

ساتویں کوتاہی ان کی ہے، جن کو معانی قرآن کی کسی درجہ میں رغبت ہے..... مگر کوتاہی یہ ہے کہ وہ بدون اس کے، کہ کسی استاد سے یہ فن حاصل کیا ہو یا دوسرے علوم عالیہ و درسیہ پڑھے ہوں اردو کا کوئی ترجمہ یا تفسیر خرید کر (گو مصنف کا معتبر ہونا بھی محقق نہ ہو یا اس میں احتیاط ہی کی ہو) بطور خود اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ان میں بھی دو قسم کی جماعت ہیں — ایک معتقد علماء کی — دوسرے کچھ انگریزی پڑھ کر یا انگریزی خوانوں کے پاس رہ کر خود اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے — مشترک خرابی تو یہ ہے کہ اس حالت میں فہم معانی میں بکثرت غلطیاں رہ جاتی ہیں چنانچہ اس پر واقعات کثیرہ شاہد ہیں اور راز اس میں یہ ہے کہ

(۱) اوّل تو ایک زبان جب دوسری زبان میں ترجمہ ہو کر آتی ہے۔ ضرور بعض مفہومات اصلی رنگ پر نہیں رہتے۔

(۲) دوسرے بہت سے مقامات میں خود اجمال ہے، جو بدون تفصیل کے وجوہ متعددہ کو محتمل ہوتا ہے، بعض وجوہ کی تعیین بلا دلیل کر لی جاتی ہیں، جس طرح قانون کی کوئی کتاب اردو کے بڑے فاضل کو دی جائے اور وہ اس کو بیان کرے مگر قانون دان اس کو سن کر بہت جگہ غلط بتلا دے گا۔

(۳) تیسرے یقیناً فہم قرآن میں بعض دوسرے فنون نقلیہ و عقلیہ کی حاجت ہے، جو شخص اُن سے بے خبر ہے وہ قطعاً غلطی میں پڑے گا۔

دوسری جماعت میں بالخصوص یہ خرابی ہے کہ ان کی غلطی پر بھی اگر کوئی مطلع کرے تو وہ اپنے کو اس بتلانے والے سے افضل اور عاقل سمجھ کر اس کی نہیں سنتے اور عقیدے میں یا عمل میں اس غلطی پر جم جاتے ہیں، پھر بعض اوقات بنا فاسد علی الفاسد کے طریق پر دوسرا اور فاسد کو اس پر

متفرغ کر لیتے ہیں۔

طریق اصلاح

ان دونوں یعنی چھٹی اور ساتویں کوتاہی کے مجموعہ کی اصلاح یہ ہے کہ اگر کسی قدر علم یا صحبت علماء کی برکت سے فہم مع حرف شناسی حاصل ہو۔ تب تو کسی محقق عالم سے کوئی ترجمہ یا مختصر یا متوسط تفسیر دریافت کر کے ان ہی عالم سے سبقاً سبقاً تمام قرآن کا ترجمہ بالتفسیر خوب سمجھ کر ختم کر لیں اور بعض مقامات جو باوجود سمجھانے کے سمجھ میں نہ آویں، یا کچھ شبہ رہے، اس کے درپے نہ ہوں، بس زبانی مقصد شرع، اس عالم سے دریافت کر کے اس پر اعتقاد رکھ کر تفتیش چھوڑ دیں۔ اور ایسے مقامات پر نشان بنا دیں۔ پھر جب تلاوت کریں تو تھوڑا سا مطالعہ اس ترجمہ یا تفسیر کا بھی کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح معانی قرآن سے مناسبت بڑھ جائے گی کہ یاد اور فہم دونوں میں سہولت اور ترقی ہو گی اور اس میں سہولت اور ترقی ہونے سے طبعاً رغبت بڑھے گی، پھر دوام آسان ہو جائیگا اور تدبر و عمل میں بھی جن کا ذکر آگے آتا ہے اس سے اعانت ہو گی۔ اور اگر اس قدر استعداد نہیں ہے تو پھر اس کے معانی پر مطلع ہونے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ

معانی قرآن پر مطلع ہونے کا سہل طریقہ

چند اشخاص مل کر، اگر کوئی عالم بلا تنخواہ میسر ہو جاویں تو فبہا، ورنہ تنخواہ پر رکھ کر ان سے استدعا کریں کہ روزانہ یا چوتھے پانچویں روز معین وقت پر ایک یا نصف رکوع کا خلاصہ، مطلب، عام فہم زبان میں بطور وعظ فرما دیا کریں۔ اسی طرح قرآن کو ختم کر دیں۔ اگر ہمت ہو تو پھر دورہ شروع کر دیں اور جو شبہ پیدا ہو، اس کو زبانی پوچھیں جو سمجھ میں نہ آوے اس کو چھوڑ دیں اور حکم شرعی پوچھ کر اس پر کاربند رہیں۔

قرآن کے الفاظ و معنی میں کوتاہیاں۔

آٹھویں کوتاہی، جو الفاظ و معنی دونوں کے متعلق ہے وہ یہ ہے ـــــ کہ بعضے لوگ الفاظ

یا معانی کو کسب دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں مثلاً

* بعض تراویح میں اجرت پر سناتے ہیں۔
* بعضے مردوں پر پڑھکر اُجرت لیتے ہیں —— یہ طلب مال تھا۔
* بعضے تعریف کرانے کی غرض سے مجالس میں یا محاریب میں امام بن کر پڑھتے ہیں —— یہ طلب جاہ ہے، اور یہ سب الفاظ کے ذریعہ سے ہے۔
* بعضے واعظ کہہ کر نذرانہ لیتے ہیں۔ بلکہ پہلے ہی نرخ طے کر لیتے ہیں۔
* بعضے شہرت کے لیے وعظ کہتے ہیں —— یہ معانی کے ذریعہ مال یا جاہ کی تحصیل ہے

مسئلہ منصوصہ و اجماعیہ ہے کہ طاعت پر اُجرت لینا اور اسی طرح کار یاءً کرنا معصیت ہے البتہ الفاظ میں تعلیم پر اُجرت لینا بقول مفتیٰ بہ اور رُقیہ پر اجرت لینا بناءً علیٰ انہٗ من اعمال الدنیوۃ .... اسی طرح معانی میں اگر وعظ کا نوکر ہی ہو اس وقت تنخواہ لینا یہ مستثنیٰ ہے۔ یہ مستثنیٰ اور بعض کتب فقہیہ میں جو مذکر (واعظ) کو کچھ مال لینے کی اجازت لکھی ہے۔ اس کا محمل یہ ہی ہے ورنہ مجتہدین کے کلیہ سے غیر مجتہدین کا کسی جزئیہ کو استثنار کرنا غیر معتبر ہے۔

اصلاح کی ضرورت

اس کی اصلاح میری رائے میں دو ہیں۔

ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کوئی دنیا کا کام بھی سکھلایا جائے تاکہ وہ مضطر ہو کر دین کو حرفہ نہ بنائیں۔ اور اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ امراء چندہ کر کے جا بجا صنعت و حرفت کے مدرسے کھلوا دیں اور بچپن ہی سے سب کو کوئی نہ کوئی دستکاری ضرور سکھلائی جاوے۔

دوسری یہ کہ جو کسی وجہ سے نہ سیکھیں یا سیکھنے سے معذور ہوں اور اس لئے وہ خدمت دین ہی کے لئے فارغ ہوں تو بلا تعین لوگوں کو اتنی خدمت کرنی چاہیئے کہ ان کی ضروری حاجات تو پوری ہوتی رہیں تاکہ ان کی نیت بگڑنے نہ پائے۔

یہ کوتاہی الفاظ و معانی کے متعلق تو وہ تھی جس میں الفاظ و معانی کو بحال خود باقی رکھکر اس سے دنیوی غرض حاصل کی گئی۔ اس سے اقبح اور اشنع وہ ہے کہ ایسی اغراض مال و جاہ کے لئے

الفاظ یا معانی میں تحریف کا ارتکاب کیا جائے، جیسے بعض جاہل حُفّاظ کو دیکھا جاتا ہے کہ امتحان کے طور پر پوچھا کرتے ہیں . . . . . کہ بتلاؤ کہ الحمدُ میں شیطان کا نام کے جگہ آیا ہے ؟ پھر خود افادہ فرماتے ہیں کہ سات جگہ،

- ڈُلِل
- ہرَب
- کَنس [1]
- کنع

اسی طرح سات گنوا دیتے ہیں ــــ پہلے انہوں نے دلل کو ترکیب دی ہے۔ الحمدُ کے آخر اور للہ کے اول سے اور ہرب کو للہ کے آخر اور ربّ العٰالمین کے اول سے اور کنع کو ایّاک کے آخر اور نَعبدُ کے اول سے اور کنس کو ایاک کے آخر اور نستعِینُ کے اول سے، . . . .

اس کے لغو ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے ؟ یہ امر قیاسی تو ہے نہیں، نقل کی ضرورت ہے۔ پس ان سے تصحیح نقل کا مطالبہ کافی ہے۔

بچپن میں ایک حافظ صاحب سے سُنا تھا کہ بتلاؤ " لکو بل " کہاں آیا ہے ؟ پھر فرمایا مِن قبلک وبالاٰخرۃ الخ

ایک صاحب نے فرمایا تھا، کہ قرآن میں ایک جگہ ہے اِدھر اللہ اُدھر اللہ، بیچ میں اونٹنی کا بچہ، یعنی اس آیت میں فقال لھم رسولِ اللہ ناقۃ اللہ' الشمس [۱۲] (پھر کہاں ان کو اللہ کے رسول نے، خبردار رہو! اللہ کی اونٹنی سے) اور بہت سی ایسی خرافات گڑھ رکھی ہیں۔ یہ تصرف فی الالفاظ ہے۔

معانی میں تصرف فاسد

بعضے معانی میں تصرف فاسد کرتے ہیں بعضے محض بعض لوگ شہرت یا تجارت کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر محض اپنی رائے سے یا اہل زمانہ کے مذاق کے اتباع سے لکھ لکھ کر شائع کرتے

---

[1] پانچواں نام کیو، چھٹا تعل اور ساتواں لعل ہے ۱۲ مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب مدظلہ

ہیں اور اس زمانہ میں اس کا فسادِ عظیم برپا ہے، ائمہ فن نے تصریح کردی ہے کہ جبتک فنون عربیہ وعلوم شرعیہ میں کہ تعداد ان کی چودہ، پندرہ تک پہنچی ہے طاقت ومہارت نہ ہو تو تفسیر میں کلام کرنا حرام ہے۔ کیا اہل تحقیق کے تراجم وتفاسیر کافی نہیں ہیں؟ جو ان آرا ر کاسدہ واہوا رِ فاسدہ کی حاجت ہوئی ؎

فی طلعۃ الشمس ما یغنیک عن زحل

سورج کے ہوتے ہوئے زحل کی کیا ضرورت ہے؟

اس لئے ساتویں کوتاہی کے آخر پر جو مضمون عرض کیا ہے اس کو پھر یاد دلاتا ہوں کہ ــــــــ ایسے تراجم وتفاسیر کی خرابیوں میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

آدابِ تلاوت میں کوتاہیاں

نویں کوتاہی یہ ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت اس کے آداب کا لحاظ نہیں کیا جاتا نہایت بے دلی سے، بے رغبتی سے، بے عظمتی سے، جتنا پڑھنا ہوا جھٹ پٹ بوجھ سا اتار کر نام کرکے اٹھ کر چلتے ہوئے، بالخصوص رمضان میں تو بعض حفاظ ایسا پڑھتے ہیں کہ قرآن کے حقوق بھی فوت ہوتے ہیں اور مقتدیوں کے حقوق بھی!

بعض نے تلاوت میں ایک اور طریق اختراع کیا ہے کہ ــــ ایک قاری نے ایک آیت پڑھی دوسرے نے دوسری بلکہ کبھی ایک نے آیت کا ایک ٹکڑا پڑھا اور دوسرے نے پورا کیا، بعض دفعہ سب مل کر گلا ملا کر پڑھتے ہیں اور اگر ایک کی سانس لینے سے دوسرا آگے بڑھ گیا تو وہ پھر درمیان کے اجزاء چھوڑ کر آگے سے شریک ہوجاتا ہے۔

یہ سب ظاہر ہے کہ ادبِ قرآن کا ضائع کرنا ہے اور اس میں تغنّی مذموم وقطعِ کلمات اور اختلالِ نظم یہ مفاسد علیحدہ رہے۔

تلاوت کے آداب

تلاوت کے آداب بہت ہیں مگر طریق ذیل انشاء اللہ تعالیٰ سب کا جامع ہے۔

* - جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے، وضو کرکے روبقبلہ، اگر سہل ہو، ورنہ جیسے موقع ہو خشوع کے ساتھ بیٹھے۔

* - یہ تصور کرے کہ حق تعالیٰ مجھکو فرمائش کرتے ہیں کہ ہم کو پڑھ کر سناؤ۔

* - یہ تصور کرے کہ اگر کوئی مخلوق مجھ سے ایسی فرمائش کرتی تو میں کیسا پڑھتا؟ تو خدا تعالیٰ کی فرمائش کی تو زیادہ رعایت چاہیئے اور اس کے بعد تلاوت شروع کرے۔

اور جب یہ تصور ضعیف ہو جائے تلاوت بند کرکے اسی مراقبہ کو پھر تازہ کرے، البتہ اگر تکثیرِ تلاوت مقصود ہو اور اتنی مہلت نہ ہو کہ مقید ہو کر بیٹھ سکے تو ان آداب میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ مگر تجوید بقدر واجب میں تخفیف ممکن نہیں۔

عمل سے بے غفلت

دسویں کوتاہی یہ ہے کہ بعضے سب طرح کے لیپ پوت کر لیتے ہیں مگر جو نزول سے مقصود اعظم ہے، اور قرآن کا سب سے بڑا حق ہے یعنی ــــ عمل، اس کا کچھ بھی اہتمام نہیں کرتے، چونکہ اس کے اعتقاد کی ضرورت میں کسی کو کلام نہیں اس لئے ہم اس میں تطویل نہیں کرتے۔ البتہ یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ "عمل کا طریقہ وہی معتبر ہے جو سلف نے بتایا" اور عمل کرنے میں ان سب علوم کو دخل ہے جن کا صحیح و حجت ہونا خود قرآن نے بتلایا ہے یعنی حدیث و فقہ و کلام و فسنر الکِض و تصوف، جو سلف کے خلاف نہ ہو۔

افسوس! بعضے لوگ اس وقت قرآن کا اتنا ہی حق سمجھتے ہیں کہ اس کی قسم کھالی، بیمار کو اس کی ہوا دے دی، اس سے فال نکال لی، بچہ کا نام نکال لیا، چوری کے شبہ میں لوٹے پر "یسین" پڑھ کر اس کو گھما دیا، کوئی مر گیا دو چار ختم پڑھوا دیئے، یا کہیں کہیں دستور ہے کہ ایک قرآن کے عوض میت کے سارے گناہ فروخت کر ڈالے یا تعویذ بنا کر بازو پر باندھ لیا۔

افسوس! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس سال تک اس کا نزول اور مخالفین کی اذیت پر تحمل بس ان ہی مقاصد کے لیئے تھا ؟؟

یہ دس کوتاہیاں ہیں جو بطور نمونہ کے بیان کی گئیں کسی میں ایک ہے، کسی میں متعدد، کسی

ہیں مجموع اور یہ سب متعلق تحصیل کے تھیں، اب اس کے ملحقات میں سے ایک کوتاہی۔ استماع کے متعلق ذکر کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

الفاظ و معنی کے آداب میں کوتاہیاں

وہ گیارہویں کوتاہی یہ ہے کہ اس کے الفاظ یا معنیٰ کا ادب بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ چناں چہ جہری نماز میں "قرأۃِ امام" کی طرف توجہ نہیں کی جاتی حالانکہ امر فاستمعوا لہ سورہ الاعراف [۲۰۳] (تو اس کی طرف کان لگائے رہو) کو داخل نماز کے وجوب کے لئے کہا گیا ہے، خارج نماز کے تلاوت کرنے والے کی آواز پر اپنے دنیوی مخاطبات میں آواز کو بلند کیا جاتا ہے حالانکہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوتِ النبی (سورہ الحجرات) [۱] یعنی بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے) علماء نے درس حدیث کے وقت رفع صوت کو منع کیا ہے۔ فضلاً عن القرآنِ (چہ جائیکہ قرآن مجید)۔

اگر کوئی پڑھنے والا غلط پڑھتا ہے اس کو بتلایا نہیں جاتا، حتیٰ کہ اساتذہ اپنے شاگردوں سے سنتے ہیں اور نہیں ٹوکتے اور وہ غلطیاں عمر بھر کے لئے ان کی گلوگیر ہو جاتی ہیں ...!!

بعض حفاظ تراویح میں دوسری جگہ جا کر پڑھنے والوں کو کبھی کھنکھٹا کر، کبھی کھنکھار کر، کبھی غلط بتلا کر پریشان کرتے ہیں، کیا قرآن مجید سننے کا یہی ادب ہے؟

اور اسی طرح استماع معانی یعنی وعظ کے وقت بعضے آدمی آپس میں باتیں کیا کرتے ہیں۔ حالاں کہ آیۃ واذا قرئ القرآن الخ (اور جب قرآن پڑھا جائے)۔ سے اور آیہ فما لھم عن التذکرۃِ معرضین (پھر کیا ہوا ہے ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں) سے یہ حرام ہے ہاں کسی عذر سے وہاں نہ بیٹھ سکنا یا اٹھ کر چلے جانا، مضائقہ نہیں وہاں حاضر رہ کر دوسری طرف مشغول ہونا یہ مذموم ہے۔

غرض یہ سب مذکورہ کوتاہیاں اور جو ان کے اشباہ و نظائر ہوں ان سب کا تدارک کرنا ضروری ہے۔ جیسا ہم مضمون کے درمیان میں ہر ایک کے تدارک کا نہایت آسان، آسان طریقہ بھی بتلاتے آئے ہیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ قیامت میں کہیں ہماری وہی حکایت نہ ہو۔ وقال الرسولُ یارب انّ قومی اتخذوا ھذا القرآنَ مھجوراً۔ الفرقان [۲۹] (اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک) پھر اس وقت کی حالت دیکھ کر یہ کہنا پڑے۔

نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ (یعنی ہم اللہ سے اللہ کے غضب سے اور اللہ کے رسول کے غضب سے پناہ پکڑتے ہیں) مگر وقت ہوگا کہ لاینفع النادم ندمہ حیث ان الندم عمل وھو دار الجزاء لادار العمل۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ واجعل آخرتنا خیرًا من الاولیٰ (یعنی شرمسار کو شرمندگی نفع نہ دے گی اس وجہ سے کہ ندامت ایک عمل ہے اور وہ دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل۔

قرآن سے نام نکلوانا ادب کے خلاف ہے

نیز بعض متفرق کوتاہیاں قرآن مجید کے معاملہ میں کہ اس کے الفاظ یا معانی یا نقوش یا اس کے مقاصد واغراض ادب کے خلاف ہیں۔ اور بھی خیال میں آئیں وہ بلالحاظ کسی خاص ترتیب کے معروض ہیں۔

(۱) بعض کی عادت ہے کہ بچہ کا نام رکھنے کے لئے قرآن مجید میں کسی خاص طریقہ سے جو خود ان کا مقرر کیا ہوا یا ان کے کسی معتقد فیہ سے (عام اس سے کہ اس اعتقاد کا مبنی صحیح ہو یا غلط) منقول ہوتا ہے غور کرتے ہیں تو اتفاق سے اس موقع پر کوئی نام لکھا ہوا مل گیا تو وہ، ورنہ کوئی حرف جو شروع سطر وغیرہ میں مل گیا لے کر اس حرف سے جو نام شروع ہو وہ نام متعین کر دیتے ہیں۔ اور اگر جاہل ہوئے تو خود سمجھتے ہیں ورنہ دوسرے جاہل کو یوں سمجھاتے ہیں کہ قرآن مجید سے اس نام کا رکھنا نکلا ہے بعضے اس نام نکلوائی پر کچھ نذرانہ بھی وصول کرتے ہیں اور جہلا یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ حضرت نے بڑی توجہ سے عالم غیب کا راز منگا دیا ہے ان کی خدمت ضروری ہوگئی ہے۔ —— قرآن مجید میں جس غرض کے لئے موضوع نازل ہوا ہے جس کی تصریح خود کلام مقدس میں ہے۔ کتابٌ انزلناہ الیک مبارکٌ لیدّبّروا آیاتہ ولیتذکّر اولوا الالباب (ص: ۳۸) (یعنی با برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی باتوں پر اور تاکہ سمجھیں عقل والے)۔ جس کا حاصل دین کا علم وعمل ہے، اور اگر اس پر کوئی شخص کاربند ہو اور برکت کے لئے اپنی کسی مباح غرض میں بھی اس سے کچھ اقتباس کرلے تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس میں کسی حد شرعی سے تجاوز نہ ہو لیکن قرآن مجید سے ان اغراض میں ایسے طور پر کام لینا کہ گویا قرآن

اسی کام کا رہ گیا ہے۔ جس کا قرینہ اور علامت یہ ہے کہ اس کے علم اور اس پر عمل کی طرف کبھی توجہ نہ کی جائے مگر ایسے موقعوں پر قرآن یاد آئے کیا یہ ظلم وضع الشئی فی غیر محلہ (بیجا استعمال) نہیں ہے؟ پھر اس پر اور مزید اگر یہ سمجھا جائے کہ اس بچہ کا یہ نام ہونا یہ مفہوم قرآنی ہے، کیا یہ افترا علی اللہ نہیں ہے؟ خاص کر دوسری صورت کہ اگر حرف "خ" نکل آیا تو خدابخش نام کو قرآن مجید کی طرف منسوب کرنا افترا در افترا ہے ...!!

پھر اس پر کچھ وصول کر لینا کریلا اور نیم چڑھا کی مثال کا مصداق ہے۔ کیا یہ اشترا دنیا بالقرآن کی اقبح الافراد نہیں ہے؟

اگر نام برکت کا مقصود ہے اول تو وہ قرآن کے ایسے مطالعہ پر موقوف نہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام پر، نام رکھدو، اور "اسماء حسنی الہیہ" میں سے کسی نام کے ساتھ عبد لگا کر رکھدو، بالخصوص عبداللہ وعبدالرحمان کی بالتعیین تو ترجیح وارد ہے، اور اگر قرآن سے ہی اس نام کا تلبس مقصود ہے تو کسی عالم محقق سے رجوع کیجئے، وہ قرآن کے کسی مضمون یا کسی لفظ کی مناسبت کے لحاظ سے خواہ، قرآن دیکھ کر ایسے طریقہ سے کہ اس میں غلو نہ ہو جیسا عنقریب نمبر ۲ میں آتا ہے۔

یا قرآن کی بے دیکھے کسی اپنی محفوظ آیت سے کوئی نام بتلادیں گے، نہ بس کی ضرورت، اور نہ اس اعتقاد کی اجازت کہ قرآن میں اس نام رکھنے کا حکم نکلا ہے،

اس قسم کی خرابیاں ان بندگان زر نے پھیلائی ہیں جو عوام کی نظر میں کوئی دینی امتیاز رکھتے ہیں۔ مثلاً خود مکر وفریب سے پیر بن گئے ہیں، یا کسی بزرگ کی اولاد میں ہوئے فی الواقع یا بالادعا ایسے امور کی نسبت حضرت عارف شیرازی[1] کا ارشاد ہے۔ د

دام تزویر مکن چوں دیگراں قرآن را (قرآن کو دوسروں کی طرح جھوٹ کا پھندہ نہ بناؤ۔

---

[1] خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۵ھ/ ۱۳۱۵ء) ان کی زندگی میں سات بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمراں ہوئے۔ حافظ قرآن، عارف باللہ تھے، تفسیر، کشاف کا حاشیہ لکھا، معقول ومنقول کی تطبیق کی۔ شیراز کے سبزہ زار "خاک مصلّےٰ" میں (۷۹۱ھ/ ۱۳۸۵ء) میں دفن کئے گئے۔ تاریخ وفات بھی "خاک مصلّےٰ" سے برآمد ہوئی ہے۔ بجو تاریخش از خاک مصلےٰ ع ۷۹۱ یعنی اس کی تاریخ کو خاک مصلےٰ سے تلاش کرو۔ ۱۲ محمد علی

قرآن سے فال نکالنا

(۴) بعضے کسی مقصدِ مباح یا غیر مباح میں اوفق بالمصلحۃ پہلو کی تعیین کے لیے اور بعضے اس سے بڑھ کر کسی گذشتہ واقعہ کے معلوم کرنے کے لیے قرآن مجید میں فال دیکھتے ہیں اس کے کسی مضمون سے اپنے مطلب کے مناسب کوئی بات نکال لیتے ہیں، اور اس کی صحت کے معتقد ہوتے ہیں۔

افسوس! یہ آفت نیم علم لوگوں میں ہے، کیونکہ بے علم آدمی مضمون ہی کو نہیں سمجھے گا جو ماخذ ہے "فال" کا بخلاف امرِ اول کے نام لکھا ہوا دیکھ لینا، یا کسی حرف کا کوئی نام سوچ لینا یہ تو عامی بھی کر سکتا ہے۔

ہاں زبردستی کوئی بے علم یہاں بھی بین السطور ترجمہ دیکھ کر یا کسی ذی علم سے اس آیت کا ترجمہ پوچھ کر نیم عالموں میں داخل ہو جائیں تو اور بات ہے،

بہر حال یہ کام وہ کریگا جو اول قرآن کو الٹا سیدھا کچھ سمجھے اس لیے ان لوگوں پر زیادہ افسوس ہے، اور اس ناتمام علم سے اس کو "استخارہ" پر قیاس کیا جاتا ہے جب مقیس علیہ ثابت نہ ہو مقیس کبھی جائز!

بعض فال دیکھنے والوں کا یا اکثر ان عام لوگوں کا جو جلسۂ فال میں موجود ہوں، یہ اعتقاد ہوتا ہے، کہ گویا خدائے تعالیٰ نے قرآن سے یہ خبر دیدی ہے، تو اب اس میں احتمال نقیض کا احتمال محال ہے، اور نہایت جرأت سے کہتے ہیں کہ واہ صاحب! کیا قرآن میں غلط لکھا ہے؟ افسوس! ان حرکات پر ہنسی شروع ہو کر اخیر میں رونا آتا ہے!

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ نمبر ایک میں جو بعضی شکائتیں مذکور ہوئی ہیں کہ ——— قرآن مجید کے علم و عمل کو چھوڑ کر، اس سے یہ کام لینا، یا اس کو مدلول قرآن اور فرمودۂ حق سمجھنا جو کہ افرادِ ظلم و افترا سے ہیں، یہاں بھی یاد دلائی جاتی ہیں کہ دونوں جگہ مشترک ہیں، اور ان کے علاوہ اور بھی بعض خاص تنبیہات قابل عرض ہیں۔

قرآن مجید میں تمام علوم ہونے کے معنی

مثلاً اس میں اس اعتقاد کے ساتھ کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق یہ خبر نکلی ہے ۔
" قرآن مجید میں تحریفِ معنوی لازم آتی ہے "، کیونکہ ظاہر بات ہے، کہ قرآن کی تفسیر دوسری ہے جس میں یہ واقعہ ہرگز داخل نہیں اور اگر کسی پڑھے لکھے ...... کو یہ شبہ ہو کہ قرآن مجید میں تمام علوم ہیں جیسا کسی بزرگ کا قول ہے ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن	تقاصر عنہ افہام الرجال ط
تمام علم قرآن میں ہے لیکن لوگوں کی ،	عقلیں اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں

سو یہ واقعہ بھی اسمیں ضرور ہے ، چنانچہ بعض اہلِ کشف نے قرآن مجید سے قیامت تک کی پیشن گوئیاں کی ہیں، اور وہ صحیح بھی ہوئی ہیں، سو جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم کے ہونے کے یہ معنی ہی مسلّم نہیں کہ علم " کونیات " کو بھی عام ہے بلکہ وہ ...... علم شرعیات ہے کہ قرآن اس کے تمام اصول پر حاوی ہے مگر وجہ دلالت و طریق استنباط، بعض علوم میں غامض ہے ، کہ بعضے علماء بھی نہیں سمجھ سکتے ، اس لیئے دوسرے کی حاجت واقع ہوئی ۔

رہا بعض عرفاء کا کچھ " کونیات " کو مستنبط کرنا تو وہ از قبیل تفسیر نہیں ہے ، جیسا اہلِ فال کا اعتقاد ہے، بلکہ از قبیل تعبیر ہے کہ ______ اصول اس کے خود دقیق ہیں، جو اہلِ فال کے خواب میں بھی نہیں آئے ، اور باوجود اس تمام دقت کے پھر وہ ظنّی ہیں، کیونکہ وہ خود اصول ہی کشفی ہیں، جن کی ظنی ہونے پر اہلِ حق کا اتفاق اور ان کے کلام میں اس کی تصریح ہے ، پھر اس فال دیکھنے والے کو بزرگوں کے اس قول و عمل سے انتفاع کا کیا حق رہا ؟

فال اور استخارہ کا فرق ؟

مثلاً اس کا استخارہ پر قیاس کرنا، کہ محض قیاس باطل ہے کئی وجہ سے ایک، تو یہ کہ استخارہ دلیل شرعی سے ثابت ہے ، اور یہ بقیود مذکورہ کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں۔

؎ استخارہ کا مفہوم خیر طلب کرنا ہے نہ کہ خبر ! عبدالرؤف

دوسرے یہ کہ خود مقیس علیہ بھی واقعاتِ گذشتہ کی تحقیق کے لئے نہیں،

مثلاً کسی کے یہاں چوری ہو جائے، تو استخارہ اس غرض کے لئے نہ جائز، اور نہ مفید کہ چور معلوم ہو جائے، جیسا فال والے، اس قسم کی حکائتوں کو نہ بطور ظرافت کے بلکہ بطور اعتقاد کے بیان کیا کرتے ہیں۔

استخارے کے ساتھ اعتقادِ باطل کا ہونا

کسی بادشاہ کا موتیوں کا ہار گم ہو گیا تھا، اس نے دیوانِ حافظ میں فال دیکھی، رات کا وقت تھا، چراغ ایک کنیز کے ہاتھ میں تھا، یہ مصرع نکلا ؎

چہ دلاور ست دُزدی کہ بکف چراغ دارد

یعنی چور کتنا بہادر ہے، جس کے ہاتھ میں چراغ ہے

بس بادشاہ نے فوراً اسی کنیز کو پکڑ لیا، اور تلاشی لینے سے اس کے پاس برآمد ہوا۔ اوّل تو ان قصّوں کی کوئی سند صحیح نہیں، ثانیاً اگر ایسا واقعہ ہوا ہو تو اتفاق پر محمول ہوگا، کیونکہ ملازمت کی کوئی دلیل نہیں، اور اگر تجربہ سے ملازمت پر استدلال کیا جائے، تو ہم بطور معارضہ کہتے ہیں، کہ اگر ایسا ہوا ہے، تو "بیس بار اس کے خلاف ہوا کہ فال میں کچھ نکلا اور واقعہ کچھ اور تھا" تو تجربہ یعنی تکرارِ مشاہدہ سے ملازمت ثابت ہوئی یا عدمِ ملازمت؟

غرض فال کا مقیس علیہ یعنی استخارہ، واقعۂ گذشتہ کے "علم" کیلئے نہ مفید اور نہ جائز،

تا بفال چہ رسد

اور اگر کوئی استخارہ کو اس غرض کے لئے سمجھے ہوئے ہے تو وہ اپنے غلط خیال کی اصلاح کرے کہ "بالکل اعتقادِ باطل ہے"

اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس سے واقعۂ گذشتہ نہیں معلوم ہوتا، اسی طرح واقعۂ آئندہ بھی کہ فلاں بات یوں ہوگی، معلوم نہیں کیا جا سکتا،

بس استخارہ کا صرف ..... اتنا اثر ہے، کہ جس کام میں تردد ہو، کہ یوں کرنا بہتر ہے ؟ یا یوں ؟ یا یہ کہ، کرنا بہتر ہے ؟ یا نہ کرنا ؟ تو اس عملِ مسنون سے (کہ حاصل اس کا دعا ہے اس امر کی کہ جو میرے لئے مصلحت ہو میرا قلب اس پر مطمئن ہو جائے اور ویسا ہی سامان غیب سے ہو جائے) دو اثر ہوتے ہیں۔

* قلب کا اس شق پر مجتمع ہو جانا،
* اور اس مصلحت کے اسباب میسّر ہو جانا، بلکہ خواب نظر آنا بھی ضروری نہیں ۔

من قال سوی ذاک فقد قال محالا۔ یعنی (جس نے اس کے علاوہ کہا بیجا کہا)

اور بعض بزرگان دین سے جو بعضے "استخارے" اس قسم کے منقول ہیں جس سے واقعہ صراحۃً یا اشارۃً خواب میں نظر آجائے، سو وہ استخارہ نہیں ہے، بلکہ خواب نظر آنے کا عمل ہے۔ پھر یہ اثر بھی اس کا لازمی نہیں، خواب کبھی نظر آتا ہے، کبھی نہیں۔

اور خواب بھی اگر نظر آیا تو وہ محتاج تعبیر ہے، اگرچہ صراحت سے نظر آئے، پھر تعبیر بھی جو کچھ ہوگی وہ ظنی ہے یقینی نہیں، اس میں اتنے شبہات تو بتو ہیں پس اس کو استخارہ کہنا یا مجاز ہے اگر ان بزرگوں سے یہ تسمیہ منقول ہو، ورنہ اغلاط عامہ سے ہے۔

اسی لئے محققین ایسے امور، اپنے خاص ہی لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ ان کے قلوب بھی منور ہوتے ہیں اور عقائد بھی مطہر ہوتے ہیں، طہارتِ عقیدہ کی بدولت غلو فی الدّین (دین میں حد سے زیادہ بڑھنا) سے محفوظ ہوتے ہیں، اور نورانیت کے قلب کے سبب ان کا انکشاف و منام راجح الصدق ہوتا ہے جو حقیقت ہے ظن کی، ورنہ عوام پر تو اضغاث احلام (پراگندہ خواب) ہی غالب ہوتے ہیں مثلاً ایسی فال وغیرہ کی بنا اور اعتماد پر کسی مسلمان سے بدگمان ہو جانا اور کسی قول یا فعل یا خیال غیر مشروع کا مرتکب ہو جانا یہ خاص خرابیاں اس عمل فال میں ہیں اور یہی حکم سب ہے عارفین کے کلام سے فال لینے کا غرض یہ عمل مروج طریق پر بالیقین مذموم ہے۔

ـــ[1] اگر کوئی مندرجہ ذیل دعا ۱۰۰ مرتبہ بعد نماز فجر ہر روز پڑھا کرے اور اپنے جائز مقصد کے لئے دعا کرے تو انشاءاللہ حاجت پوری ہوگی۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ "محمد علی"

اگر کسی طالب کو یہ وسوسہ ہو کہ اس تقریر سے تو فال کا محض بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں صاف موجود ہے یعجبہُ الفال الصالح او نحوہٗ ۔ اسی طرح اکثر بعضے معتبر بزرگوں سے قرآن یا کلام عرفا سے تفاؤل لینا منقول ہے۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ منشا ر اس شبہ کا اشتراک لفظی ہے، ایک شریعت کی اصطلاح ہے وہ ثابت اور ایک غلاط کی اصطلاح ہے وہ غیر ثابت۔

اس ثابت بالسنہ وعن الاکابر کی اصل آتنی ہے کہ کسی شخص کو کچھ تشویش یا فکر ہے اس وقت اتفاق سے یا کسی قدر قصد سے کوئی لفظ خوشی وکامیابی کا اس کے کان میں پڑا یا نظر سے گذرا تو رحمتِ الٰہیہ " سے جو امید ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کو پہلے سے بھی تھی، وہ اس لفظ سے اور قوی ہوگئی پس حاصل اس کا ـــــ تقویتِ رجاء رحمت ہے اس سے آگے اختراع اور ابتداع ہے۔

قرآن مجید، عملیات اور ناجائز اغراض

(۳) بعضے قرآن مجید کو ناجائز اغراض میں، بطورِ عملیات برتتے ہیں، یہ تو عملی تقصیر ہے اور پھر غضب یہ کہ اس کو برا نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ صاحب ہم کوئی "سفلی عمل" تو نہیں کرتے قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں ـــــ یہ علمی یعنی اعتقادی تقصیر ہے۔

اول تو اگر جائز ہی اغراض میں عملیات کے طور پر مگر غلو کے ساتھ برتتے، یعنی نہ علم سے غرض رکھے نہ عمل سے، جب قرآن کی یہ آیتیں ڈھونڈھی جائیں تو اسی غرض سے کہ اس سے دنیا کا فلاں کام ہو جاتا ہے اور اس سے فلاں مطلب نکلتا ہے۔ جیسے بعض امرار کے گھر میں اسی غرض سے رکھا رہتا ہے کہ

* جب کوئی بیمار ہو گیا، اس کو قرآن کی ہوا دیدی۔
* ایک مصحف نہایت خفی قلمی یا مطبوع تعویذ بنا ہوا رکھا رہتا ہے، جب کوئی بیمار ہوا گلے میں ڈال دیا۔ وَمِثْلُ ذٰلِكَ

سلہ

اس کا بھی اس تقریر سے جو نمبر اول میں مذکور ہے غیر مرضی ہونا ثابت ہے اور اگر وہ اغراض بھی ناجائز ہوں جیسے :۔

(۱) یٰسین پڑھ کر چور کا نام نکالنا۔

(۲) ناجائز موقع پر محبت کی تدبیر یا زوجین میں یا باہم اقارب میں تفریق کی یا بلا اذنِ شرعی مطلق دو شخصوں میں تفریق کی تدبیر کرنا۔

(۳) کسی کو ہلاک کر دینا۔

(۴) دستِ غیب کے ایسے عمل کرنا کہ روپے رکھے ہوئے مل جایا کریں۔

(۵) جنات کو تابع کر کے ان سے کام لینا گو جائز ہی کام ہو اور ناجائز کا تو کیا پوچھنا... ؟

پس اگر ایسے ناجائز اغراض ہوں تو ناجائز کام کے قصد و اہتمام کا معمولی گناہ تو ہے ہی جو سب جانتے ہیں، یہاں وہ گناہ اس لئے اور بھی شدید ہو جائے گا کہ اس شخص نے " کلام پاک کو ناپاک غرض کا آلہ بنایا "

پس اس کی ایسی مثال ہو گئی جیسے نعوذ باللہ کوئی قرآن کو بازاری عورت کی خرچی میں دیکر منہ کالا کیا کرے کوئی مسلمان جس میں ذرا بھی دین کی عظمت ہو اس کو جائز سمجھ سکتا ہے ؟

اور اگر ان اغراض کے ناجائز ہونے میں خفا رہو، تو مفصلاً اہل فتویٰ سے تسلی کر لیجئے۔

مختصراً اتنا یہاں بھی لکھے دیتا ہوں کہ اوّل تو چور کا نام نکلنا اس عمل سے کچھ تعلق نہیں رکھتا، یہ عامل کے یا کسی صاحبِ مجلس کے خیال کا تصرف ہے، اس کا سمجھنا مسمریزم جاننے پر موقوف ہے اور حاضرات وغیرہ جو عامل لوگ کرتے ہیں وہ اگر سب نہیں تو اکثر تو اسی قبیل سے ہیں تو اس صورت میں قرآن پڑھنا یہ نرا دھوکہ دینا ہے !

پھر یہ کہ جو نام نکلتا ہے اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے جب چاہے آزما لیا جائے کہ ایک عامل کے عمل سے ایک شخص کا نام نکل آیا، دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا، مگر جو شخص پہلے کو چور سمجھتا ہو وہ اس دوسرے عامل کے پاس سے اس وقت بالکل علیحدہ ہو جانا چاہیئے، جب یہ ایسی بودی ـــــ بنیاد ہے تو کسی شخص کو محض اس بنیاد پر چور سمجھ لینا یقیناً یا ظناً کہاں جائز ہو گا ؟ پھر اگر اس پر تشدد کیا یا زبان سے اوروں کے

روبرو اس کا نام لیا تو یہ گناہ اور بڑھنے شروع ہوئے۔

دست غیب سے آمدنی اور تسخیرِ جنات ناجائز ہے

اور حُبّ و بغض مذکورین اور اہلاک کا ناجائز ہونا تو محتاجِ بیان نہیں۔ شاید دستِ غیب بالمعنی المذکور یا تسخیرِ جنّات بغرضِ مباح میں شبہ ہو، تو سمجھ لیجئے کہ اس دستِ غیب میں یہ ہوتا ہے کہ جنّات اس کام پر مسلّط ہو جاتے ہیں کہ بعضے عمل میں تو وہی روپیہ جس کو یہ خرچ کر چکا ہے وہ جہاں بھی ہو وہاں سے اٹھا لاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ سے ان کے ہاتھ آئے نکال لاتے ہیں۔

سو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کر کر کے مجھکو دیا کرو، اس نے یہی کام جنّات سے لیا۔ اور چوری کے ناجائز ہونے کا کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ اور اگر شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی؟ سو اوّل تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہو سکتی، دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لاویں تب بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہیں لاتے۔ ورنہ اوروں کو لاکر کیوں نہیں دیتے؟ محض جبرِ عمل سے لاتے ہیں تو کسی کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھ کو دیدے خود حرام ہے اور اس تقریر سے تسخیرِ جنات کا ناجائز ہونا سمجھ میں آجائے گا۔

یعنی کسی آدمی سے جو نہ اس کا غلام شرعی ہو، نہ نوکر ہو، نہ اس کے زیرِ تربیت ہو، کوئی کام جبراً لیا جائے گو وہ کام گناہ کا نہ ہو تو یہ ظلم اور تعدّی ہے اس عامل نے اسی طرح اس جن سے کام لیا ہے جو عمل سے مقہور ہو چکا ہے اور یہ وسوسہ تو نرا جاہلانہ ہے کہ اسماء و کلماتِ الٰہیہ سے عمل چلانا کیسے گناہ ہو گیا؟

دیکھئے اگر کوئی شخص بڑا مجلّد قرآن زور سے کسی کے سر میں اس طرح مار دے کہ وہ مر جائے تو کیا یہ قتل اس وجہ سے کہ بواسطہ قرآن مقدس کے ہوا ہے، جائز ہو جائے گا؟ اور کیا عدالت اس پر دار و گیر نہ کرے گی؟ کہ اس نے تو قرآن سے مارا ہے، اس لئے مجرم نہیں، بس اسی سے اس کو بھی سمجھ لیجئے البتہ اگر قرآن مجید کے علم و اتباع کو اصلی کام سمجھکر اس پر کاربند ہو اور کسی موقع

پر کسی جائز کام کے لئے کوئی آیت پڑھ لکھ لے تو ناجائز نہیں۔

قرآن مجید کو آلۂ کسب بنانا

(۴) بعض لوگوں نے قرآن مجید کو آلۂ کسب دینا و جلب مال کا بنا رکھا ہے، مختلف طور سے۔

بعض تو تراویح میں اُجرت پر سُناتے پھرتے ہیں، بعضے مردوں پر تیجے میں یا چالیسویں تک یا اس کے بعد بھی پڑھنے کا پیشہ کر لیتے ہیں، ان کا ناجائز ہونا منکرات و مُرّات علماء کے فتاویٰ میں طے ہو چکا ہے۔

بعض تو اور بھی غضب کرتے ہیں یعنی یہ بھی نہیں کہ صرف عقدِ اجارہ کے بعد ہی پڑھا کریں بلکہ پہلا جو پڑھا ہوا ہے، اس کو کچھ لے کر بخشتے ہیں یہ تو اچھا خاصہ مبادلہ اور بیع ہے، جو اس اجارہ سے بھی بڑھکر ہے کہ اجارہ میں بعض اہل تحمل تاویل تو چلاتے ہیں گو چلتی نہیں، یہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔

بعض اس کے مطالب کے بیان، یعنی وعظ پر نذرانہ لیتے ہیں اور فی نفسہٖ اس کے جائز و ناجائز ہونے میں تو سرِ دست اس لئے کلام نہیں کرتا کہ اس میں طول ہے، لیکن جو ہیت اس کی شائع ہے کہ اس کو پیشہ مستقل بنا لیا ہے، اسی لئے سفر کرتے ہیں، زبان سے مانگتے ہیں، جس امرِ حق سے نذرانہ میں کمی آنے کا اندیشہ ہو اس کو بیان نہیں کرتے اور اس "حرفہ" میں سہولت دیکھ کر سینکڑوں جاہل ..... واعظ بن کر خلقِ خدا کو گمراہ کر رہے ہیں کیا ان مفاسد پر نظر کر کے بھی اس کو جائز کہا جا سکتا ہے؟

البتہ تعلیم قرآن کی نوکری اور اسی طرح واعظ کی نوکری، اس میں اگر اور کوئی خرابی نہ ملالے تو مضائقہ نہیں۔

قرآن میں تحریف

(۵) قرآن مجید کی آیات کو بعض اوقات غیر معنی مقصودہ میں نطقاً یا کتابتہً برتا جاتا ہے۔

مثلاً جنتری پر یہ آیت لکھدی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین) [-۳] یعنی (ہم نے بنایا آدمی خوب سے انداز سے پر) جس کا حاصل یہ دعویٰ ہے کہ ہماری جنتری " احسن تقویم " یعنی عمدہ جنتری ہے، یا کسی کتاب کی لوح پر کوئی آیت لکھدی جس میں مطبع یا صاحب مطبع کے نام کے نام کے مناسب کوئی لفظ یا معنی ہوں یا کوئی شخص گذرا ہے " باؤ " یہ کہہ دیا کہ اس کی مذمت قرآن میں ہے باؤ بغضب من اللہ (البقرہ) [۹۰] (پھر اللہ کا غصہ لے کر) یہ سب تحریف ہے جس سے توبہ واجب ہے، اور بعض اوقات اس میں بعضے اہل علم جن کو کسی دوسرے فن میں زیادہ عفو و انہماک ہوتا ہے مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ احقر نے ایک معقولی کے کلام میں اس جملۂ قرآنیہ الا لنعلم من یتبع (البقرہ) [-۱۴۲] (مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا) کے مشہور اشکال کے جواب میں یہ توجیہ دیکھی ہے کہ مراد یہاں "علم تفصیلی" ہے۔ جو حادث ہے، پس اب وہ اشکال نہ رہا، حالانکہ یہ کھلی تحریف ہے کیوں کہ اصطلاحِ معقول پر علم تفصیلی عینِ معلومات ہے، تو اس کو علم کہنا محض اصطلاح ہے بطور اس کے علم کے ہو گیا ہے، سو وہ معنی مصدری نہیں ہے کہ اس سے نعلم کا اشتقاق ماننا صحیح ہو اور علم تفصیلی جس سے نعلم مشتق ہو سکتا ہے، وہ معنی مصدری لغوی ہے اور اس کے معنی ہیں انکشاف ایک جزئی کا، سو وہ جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اس کا مصداق و منشا رانتزاعِ قدیم ہوگا اور اس کے مقابل جو اجمالی ہے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ اور جو علم اجمالی اہلِ معقول کی اصطلاح ہے وہ عین ذات ہے۔ سو ان اصطلاحوں کے خلط سے کس قدر خبط ہو گیا۔

اسی طرح "صوفیہ کی تفسیر کو تفسیر سمجھنا جائز ہے" تحقیق اس کی احقر نے "کلید مثنوی" میں لکھی ہے اور اقتباس ہماری اس مبحث سے خارج ہے کہ حقیقت میں اس کا ایراد من حیث القرآن نہیں ہے بلکہ تشبیہ بالوارد فی القرآن وشتان بین التمثیل والتبدیل۔

ل مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب نے ایک صاحب سے کہا کہ ہمارا نام قرآن شریف میں نہیں ہے؟ انہوں نے کہا حضور! موجود ہے۔ دیکھیے قرآن میں کان من الکٰفرین ۔ "کان" کو کانا پڑھا، رنجیت سنگھ کانے تھے ۱۲

(۶) بعض لوگ قرآن کو بے وضو چھوتے ہیں یا لکھتے ہیں، اس میں کاپی نویس اور تعویذ لکھنے والے بہت مبتلا ہیں، اسی طرح ورق بردار اور پتھر جمانے والے یا پریس مین، ان سب کو باوضو رہنا چاہیئے۔ ورنہ پاک کپڑے سے چھوئیں۔

(۷) بعضے لوگ قرآن مجید کو پشت کی طرف یا اپنی نشست کی جگہ سے نیچے یا متبذّل جگہ پر رکھدیتے ہیں۔ یا قرآن کے اوپر کوئی کتاب یا قلم دوات وغیرہ رکھدیتے ہیں یا قرآن میں دوسرے کاغذات یا غلاف میں قرآن کے اوپر عینک وغیرہ رکھدیتے ہیں، یہ سب خلاف ادب ہے۔ البتہ سفر میں اگر اسباب وصندوق وغیرہ میں مسطور ہو تو بمجبوری بعض آداب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس پر بہت متبذّل میلے کپڑے کا غلاف باوجود وسعت بدلنے کے ایک گونہ قلتِ ادب ہے، گو درجہ حرمت تک نہ سہی،

(۸) قرآن مجید جب ایسا کہنہ ہو جائے کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو، تو اس کو پاک جگہ دفن کر دینا چاہیئے۔ مگر اس پر مٹی نہ ڈالے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھ کر مٹی دیتے ہیں اسی طرح کرنا چاہیئے۔

ایسے ہی اگر کوئی قرآن ایسا غلط لکھا ہو کہ اصلاح دشوار ہو تو اس کو بھی دفن کر دینا چاہیئے اس میں اکثر لوگ جو سستی کرتے ہیں وہ "ردیدہ" ہو کر منتشر ہو جاتا ہے اور افسوس ہے! کہ وہ ردی میں جاکر دواؤں کی پڑیوں میں یا بچوں کے بعض کھلونوں میں استعمال کیا جاتا ہے ایسا کرنا ہم لوگوں کی کتنی بے غیرتی ہے ....!!

(۹) جس روشنائی میں کسی نجس چیز کا میل ہو اس سے قرآن لکھنا یا جس کپڑے میں ایسا قوی شبہ ہو اس کا غلاف بنانا یا جس وارنش میں ایسی چیز ہو اس کو جلد پر ملنا یہ سب گناہ ہے، چنانچہ ظاہر ہے۔

(۱۰) قرآن کی کتابت یا طباعت میں تصحیح کا اہتمام نہ کرنا یہ ایسی بلا کی بات ہے جس کا ضرر دور تک اور دیر تک وبالِ جان رہے گا، جتنے لوگ پڑھیں گے اور جب تک (خواہ دو سو برس کیوں نہ ہوں) یہ مصاحف رہیں گے، اس بانی مسبّب کو اس گناہ کا حصہ ملتا رہے گا۔

اس وقت ذہن میں یہی "امورِ عشرۃ" حاضر ہوئے لیکن اگر کوئی امر رہ بھی گیا ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ ان میں جو اصول کی جا بجا تقریر ہوئی ہے وہ امر بھی ان میں داخل ہوگا۔

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِکُلِّ مَا یَرْضٰی اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ متعلق بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ کے جو احسانات و عنایات امت کے حال پر متوجہ و مبذول ہیں، ان کی کمیت و کیفیت پر نظر کر کے یہ حکم یقینی ہے، آپ کے حقوق امت کی گردن پر اس قدر کثیر ہیں کہ قیامت تک ان سے سبکدوشی قریب بہ محال ہے، لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق تین کلی کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔

(۱) محبت!

(۲) متابعت،

(۳) عظمت،

اور ہر چند کہ ان تینوں میں اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے باہم ایسا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ممکن ہی نہیں، لیکن بلا خیالِ معنی اگر صرف صورت کے درجہ کا لحاظ کیا جائے تو یہ تینوں کہیں کہیں علیحدہ علیحدہ بھی خیال میں آسکتے ہیں۔

اس وقت چونکہ اکثر طبیعتیں محض صورت پر قناعت کئے ہوئے ہیں، اس لئے ان امور کا جُدا جُدا موجود ہونا بکثرت واقع ہو رہا ہے اور اس معاملہ میں یہی بڑا جدید انقلاب ہے جس سے سلف صالح مُبرّا تھے، چنانچہ ان حضرات کے تاریخی واقعات کو جو کہ مشہور اور کتب

احادیث سیر میں مذکور ہیں۔

اس وقت کے اکثر مسلمانوں کے معاملات کے ساتھ (جن میں کچھ بطورِ نمونہ کے ذیل میں بعنوان کوتاہی مرقوم ہوتا ہے) موازنہ کرنے سے اس حکم کی صحت بداہۃً معلوم ہو سکتی ہے اور اس مضمون سے اسی انقلاب پر تنبیہ اور اس کی اصلاح کی طرف ترغیب توجہ مقصود ہے۔

جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متجددین کا معاملہ

حاصل اس کا اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ جو طبائع زمانہ کے "جدید رنگ" میں رنگے گئے ہیں ان میں تو یہ کوتاہی مشاہد ہے کہ وہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسری اقوام یا مذاہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپ کی سوانح عمری میں سے یا آپ کے بعض اقوال و افعال کی حکمتوں میں سے (خواہ ان کی حقیقت تک ان کے ذہن کو رسائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو) صرف وہ حصہ جس کو تمدن سے تعلق ہے محض اس غرض سے بیان کر دیتے ہیں کہ آپ کی عظمت اور آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہو جاوے، اور اسی کو —— اسلام کی خدمت اور آپ کے "ادائے حقوق" کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں، نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے۔

بلکہ اتباع کو تعصب اور محبت کو وحشت سمجھتے ہیں اور سببِ خفی اس کا یہ ہے کہ اس زمانہ میں سب سے بڑا مقصد —— جاہ و عزت کو دیا گیا ہے، جس کے مطلوب ہونے کا ہم کو بھی انکار نہیں، مگر کلام اس میں ہے کہ آیا وہ مطلوب بالعرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے؟

بہرحال چونکہ اس کو کمال بالذات سمجھا جاتا ہے، اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعدُّ ولاتُحصیٰ کمالاتِ حقیقیہ عظیمۃُ الشان میں سے ان کی نظر اسی کا انتخاب کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا مثل محبتِ الٰہی و خشیت و زہد، صبر و تربیتِ روحانی، و مجاہدہ، و شغل بحق و دیگر فضائل علمیہ و عملیہ کا کبھی ان کی زبان پر نام بھی نہیں آتا۔

جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ خاص اسی غرض کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ ایک

جماعت کو قوم بنا کر، اس کو دنیاوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرما دیں، تاکہ وہ دوسری قوموں پر سابق وفائق رہ کر، دنیا میں شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

کیا قرآن مجید و حدیث میں گہری نظر کرنے والا آپ کی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے؟

اہل اللہ کی صحبت و ملازمت کا التزام ضروری ہے

ان صاحبوں کو اپنی اصلاح کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ علماء محققین و عرفاء متحققین اہل دل کی صحبت و ملازمت کا التزام کریں اور ان کی خدمت میں کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کر کے رہیں، خود ان کے اقوال متفرقہ و ارشاداتِ مختلفہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہو جاوے گی، اس کے بعد جو شبہات رہ جاویں ان کو ادب کے ساتھ ان کے حضور میں پیش کریں اور توجہ و انصاف کے ساتھ جواب سنیں۔

ان کو اس زمانۂ سکوت میں جو اصول و قواعد سننے اور ذہن نشین کرنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ اصول ان جوابوں کے سمجھنے میں نہایت معین ہوں گے اور اطمینان و شفائے کلی میسر ہوگی۔

اس طریقِ اصلاح کو جو کہ مجرب ہے، سرسری خیال نہ فرما دیں اور نیز حدیث میں "کتابُ الرّقائق و ابوابُ الزّھد" کا بار بار مطالعہ فرما دیں یہ کلام تو ان لوگوں کے مذاق پر تھا جو نئی روشنی کے تابع ہو رہے ہیں۔

اہلِ محبت کی کوتاہیاں

اب دوسرے باقی حضرات کی کیفیت معروض ہے کہ ان میں سے بعض میں محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار مدحیہ پڑھنا یا شوق سے سننا ان سے متاثر ہونا، کیفیت طاری ہو جانا، کبھی نعرہ لگانا، کثرت سے آپ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا، وَمِثلِ ذَالِکَ

لیکن ان میں یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے کہ اس کو کافی سمجھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ فرمودہ احکام کی بجا آوری اور متابعت کے اہتمام کو ضروری نہیں جانتے، اول تو

خود ان اعمال مذکورہ میں بھی، جن کو وہ محبت کے عنوان سے اختیار کرتے ہیں بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے، پھر دیگر اعمال و معاملات میں تو نہ عنوان محبت رہتا ہے، نہ اعمالِ محبت!

- کسی کو نماز کا یا جماعت کا اہتمام نہیں
- کسی کو رشوت و ظلم سے باک نہیں
- کوئی مسکرات اور حرام لذات میں مبتلا ہے۔
- کوئی شرکیات و بدعیات کو دین سمجھکر کر رہا ہے، سبب اس کا بے علمی یا کم علمی ہے یا غلط علمی!!

اس کی اصلاح یہ ہے کہ کتب حدیث میں سے ★ ابوابُ الایمان ★ وابوابُ العلم ★ وباب الاعتصام؟ بالکتاب والسنۃ ★ ابوابُ الفتن ★ ابواب الصفۃ جہنم واحوالُ القیامۃ کو مدت تک مطالعہ میں رکھیں اور ان ابواب کے مطالعہ سے علمارِ متبعین سنت سے محبت اور ان کی شناخت ہو جاوے گی اس وقت ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنا، اس اصلاح اور علاج کی تکمیل اور پختگی ہوگی۔

اپنے کو مقدس اور دوسروں کو جہنمی سمجھنے والوں کی کوتاہیاں

اب صرف ایک جماعت اور رہ گئی کہ جن کو "احکام" کی متابعت کا ضروری ہونا پیشِ نظر ہے اور کم و بیش اس کا اہتمام بھی ہے، مگر کوتاہی اتنی ہے کہ ان میں کیفیتِ خشوع اور لین کی نہیں آئی، جو غلبۂ محبت کو لازم ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان میں اتباع کی حلاوت جو کہ محبتِ خاصہ کا اثر ہے پیدا نہیں ہوئی۔

پس ان کا طرزِ عمل بالکل ایسا ہے، جیسے کسی نوکر کو اپنے آقا سے صرف "ضابطہ کا تعلق ہو کہ خدماتِ مفوضہ میں تو فروگذاشت نہیں کرتا ——— مگر وقت پورا کر دینے کے بعد، نہ ایک منٹ ٹھیرتا ہے، نہ کبھی کوئی زائد خدمت کرتا ہے، نہ آقا کا کبھی ذکر خیر کرتے ہوئے دیکھا گیا، نہ آقا کے اہل و عیال کا ادب و احترام کرتا ہے نہ اپنے خواجہ تاش لوگوں سے (یعنی ایک آقا کے نوکروں سے) کوئی واسطہ سلام و کلام کا رکھتا ہے یہ تو خشکی ہی تھی اس سے بڑھکر

یہ کرتا ہے کہ بجز اپنے سب خواجہ تاشوں کو نافرمان اور حقیر سمجھکر ان سے لڑتا بھڑتا ہے اور اپنی بجاآوریٔ خدمت پر ہمیشہ ناز اور فخر کرتا ہے اور اس وجہ سے سب سے الجھتا ہے اور جن گی فہمائش کرنے کا آقا نے نرمی کے ساتھ حکم دیا ہے، ان سے یہ سختی کرتا ہے اور جن "کوتاہیوں" سے آقا درگذر کر دیتا ہے، یہ ان میں بھی مدعی بن کر کسی کو مارتا ہے اور کسی کو گالی دیتا ہے ظاہر ہے اس صورت میں یہ "نوکر" آقا کی نظر سے گر جائے گا۔ اور ان بداخلاقیوں کی بدولت، جو کہ آقا کی مرضی کے بھی خلاف ہیں، اس کی خدمت کا اثر اور ثمرہ بھی ضعیف ہو جائے گا۔

بعینہ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو کسی قدر نماز، روزہ اور بعض معاملات بھی درست کر کے، اپنے کو مقدس اور متبع اور تمام دنیا کو فاسق، بدعتی، کافر، جہنمی سمجھ بیٹھتے ہیں اور خفیف خفیف امور میں بھی ان سے الجھتے ہیں اور ہر شخص سے فساد و فتنہ کرتے ہیں۔

بعضے ان عوام سے گذر کر علماء اور بعض ائمہ یا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگمانی کر کے بدزبانی کرنے لگتے ہیں، اسی کو دین کی بڑی حمایت اور خدمت سمجھتے ہیں ......!!

جس ذات مقدسہ کے اتباع کا دعویٰ ہے، خود آپ کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ آپ کا نام مبارک ادب سے لیتے ہیں، نہ کبھی آپ کا ذکرِ مبارک شوق سے کرتے ہیں، نہ کبھی ذکرِ مبارک سن کر گداختہ ہوتے ہیں، نہ درود کا کوئی معمول انہوں نے ٹھہرایا ہے نہ آپ کے محبوبوں (یعنی علماء و صحابہ و اہل بیت) سے ان کو کوئی تعلق، محبت و احترام کا معلوم ہوتا ہے!

ان امور میں بعض تو موجب خسران و عصیان ہیں اور بعض سببِ حرمان ہیں کیونکہ اخلاق ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح فرائض میں سے ہے، جس میں خلل اندازی عصیان ہے، اسی طرح آپ کے وارثان علوم سے عظمت و احترام کا تعلق اور آپ کی امت سے شفقت و رحمت کا تعلق رکھنا بھی واجب ہے، جس کا ترک یقینی خسران ہے۔

باقی جو آداب خاصہ و حقوق محض عباداتِ نافلہ کے درجہ میں ہیں، ان کی کمی بھی، "خاص برکات" سے محرومی تو ضروری ہے۔

اس کوتاہی کی اصلاح کا ملین اہل اللہ کی صحبت اور کتب سیر نبویہؐ و حقوق مصطفویہؐ مثل "شفاء" قاضی عیاض رحمۃ اللہ وغیرہ اور کتب اخلاق و سلوک کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند تعلقات؟

ہر امتی کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے چند تعلقات ہیں۔

- ایک تعلق یہ کہ آپ نبی اور ہم .... اُمتی!
- آپؐ حاکمؐ اور ہم محکوم،
- آپؐ دارین میں محسن، ہم زیر بارِ احسان
- آپؐ محبوب، ہم ..... مُحب

اوران میں سے ہر تعلق جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر خاص خاص حقوق و آداب کا مرتب ہونا معلوم اور مسلّم، اور معمول ہے پس جب آپ کی ..... ذاتِ بابرکات میں سب تعلقات مجتمع ہوں اور پھر سب اعلیٰ اور اکمل درجے کے تو آپ کے حقوق بھی ظاہر ہیں کہ کس قدر اور کس درجے کے ہوں گے، ان سب کے ادا کرنے کا دل سے اور التزام سے ایسا اہتمام کرنا چاہیئے کہ وہ کثرت عادت اور استحضارِ الفت سے شدہ شدہ طبعی ہو جاویں اور پھر بھی آپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنی اس خدمت کو درحقیقت اس کا نفع اپنی ہی طرف عائد ہے، ناتمام سمجھے۔

یہ مختصر مضمون ختم ہوا اور اس کے ختم ہونے کے وقت یاد آیا کہ احقر نے ایک رسالہ "نشر الطیب" متوسط حجم کا سیرِ نبویہ میں لکھا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس مختصر کی شرح کے لئے کافی اور بقصدِ اعتقاد و عمل اس کا مطالعہ میں رکھنا، ان سب اصلاحات کے لئے ان شاء اللہ کامل ہو سکتا ہے، دعائے[1] اشاعت فرمایئے والسلام۔

---

[1] یہ کتاب شائع ہو گئی ہے اور کتب مکتبہ دار العلوم سے طلب فرمایئے ۱۲

تتمۂ سابقہ

یہ تتمہ پہلے مضمون سے الگ کوئی مضمون نہیں ہے بلکہ ایک درجہ میں گویا اُسی کی تفصیل اور شرح ہے، مضمونِ سابق میں زمانہ کا رنگ قبول کرنے والی طبائع کی نسبت جس کوتاہی کا بیان ہوا ہے اس کا تتمہ یہ ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں حقوق میں تقصیر کئے ہوئے ہیں، متابعت ومحبت کا وجود نہ ہونا تو ظاہر ہے اور پہلے مضمون میں اس کو صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے

البتہ ان کے اس عمل سے کہ ان کی زبان یا قلم سے بعض ایسے مضامین صادر ہوتے ہیں کہ ان سے آپ کی عظمت یا آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہوتی ہے، یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ آپ کا حقِ عظمت ادا کرتے ہیں، لیکن اگر ذرا نظر کو عمیق کیا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ احتمال بھی واقعیت نہیں رکھتا۔

جناب محمد مصطفٰے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بحیثیت حامل وحی ہونے کے

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جس عظمت میں گفتگو ہو رہی ہے وہ عظمت ہے جس کے ساتھ آپ حامل وحی ہونے کی حیثیت سے متصف ہیں اور ان لوگوں کی تحریر و تقریر میں نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب میں آپ کی جو عظمت ہے وہ اس حیثیت سے نہیں بلکہ ایک حکیم تمدن ہونے کی حیثیت سے ہے۔

کیوں کہ ان دو عظمتوں کے آثار کا موجود نہ ہونا ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ چنانچہ اعتقادِ عظمت نبوی کے آثار یہ ہیں کہ آپ کے احکام سنتے ہی یہ معلوم ہو کہ گویا حق تعالیٰ نے ہم سے خود فرما دیا ہے اور یہ کہ اس حکم کے قبول کرنے میں حکمت و مصلحت سمجھنے کا ہرگز انتظار نہ ہو۔

بلکہ اگر بادی النظر میں کسی حکمت کے خلاف بھی معلوم ہو، تب بھی اسی خوشی سے قبول کرے جیسے حکمت معلوم ہونے کے وقت کرتا اور نہ بدون حکمت سمجھے ہی اس حکم کی وقعت میں کچھ کمی

ہو بلکہ جس طرح ادنیٰ خدمت گار شاہی حکم سن کر مغلوب وَالِہٗ[۱] ہو کر دیوانہ وار، اس کی بجاآوری کے لئے دوڑتا ہے اسی طرح اس کی کیفیت ہوجائے اور یہ کہ اس حکم کے خلاف کا مستحسن ہونا خیال میں بھی نہ آئے۔

بلکہ اجمالاً یوں سمجھیئے کہ بس تمام خیر و برکت اور حکمت و مصلحت اور فلاح و صلاح اسی میں منحصر ہے، خواہ ہمارا ذہنِ کوتاہ اس کی تفصیل تک پہنچے یا نہ پہنچے، بقول حضرت عارف گنجوی رحمۃ اللہ ؎

زُبان تازہ کردن بَاقرارِ تو | نینگیختن علّت از کارِ تو

(آپ کے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے نہ کہ آپ کے کام میں کوئی علت نکالنا)

سب سے زیادہ سلیم و صالح طبائع کا حال

صرف حکیم متمدّن ہونے کے لحاظ سے، جو اعتقادِ عظمت ہوتا ہے اس کے آثار یہ ہیں کہ حکم سن کر اتنا ہی اثر ہو، جو ایک مخلوق ذی رائے کی رائے کو سُن کر ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے قبول کرنے میں یا اس کو بنظرِ وقعت دیکھنے میں اس کا بھی انتظار ہو کہ اس میں عقلی (اور عقلی میں بھی دنیوی) مصلحت کیا ہے؟ جب تک مصلحت نہ معلوم ہو اس میں سخت تردد و خلجان رہے اور ہرگز اس پر عمل کرنے میں شرحِ صدر نہ ہو۔

خود بھی ایک قسم کی تنگی اور جبرِ و تحکّم کا سا اثر رہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا دعویٰ کرتے ہوئے، ایک گونہ خجلت اور بیوقعتی کی سی کیفیت رہے۔ اور بار بار اس حکم کی جانب مخالف کی ترجیح کا حکم اور اس کی تمنا کا قلب پر غلبہ رہے اور ہرگز اس کے صحیح ہونے کا دل، کھول کر حکم نہ کرسکے۔

بلکہ اس میں فکر رہے کہ کسی طرح اس کا شرعی ہونا ثابت نہ ہو اور جب اور کچھ نہ ہوسکے تو بعض تاویلات سے اس حکم کے شرعی ہونے کا انکار کردے، کبھی اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں شبہات پیدا کرے، بلکہ اس کو راویوں کی نقل کی غلطی

---

[۱] وَلَہ باب سمع سے آتا ہے وَالِہٗ اسم فاعل کا صیغہ ہے حیران ہونا ۱۲

یا ان کی رائے کی آمیزش کا اثر بتلاوے۔

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کو تسلیم کر کے خود آپ کی نسبت کسی ضرورت و مصلحت وقت کے اتباع کا دعویٰ کرے اور چونکہ وہ مصلحت باقی نہ رہی لہٰذا اس حکم کو بھی موجود نہ سمجھے، غرض ہزاروں حیلے نکالے، مگر اس حکم کو نہ مانے یا اگر مانے تو اعتقاد سے نہ مانے "بلکہ بدنامی سے بچنے کو یا قومی شیرازہ کے منتشر نہ ہونے کی ضرورت سے ملنے یا اعتقاد ہی سے مانے، مگر نشاطِ خاطر کے ساتھ نہ مانے، بلکہ مذہبی مجبوری سمجھکر مانے اور یہ ان سب میں سے زیادہ سلیم و صالح طبائع کا حال ہے)

یہ وہ مراتب ہیں جو کم و بیش سب کفر سے ملے ہوئے ہیں، کوئی صریح کفر ہے کوئی خفی کفر ہے، کوئی کفر بننے کو ہے، کمالا یخفی علی المتفطن السلیم۔

جب دونوں اعتقادوں کے آثار جُدا جُدا معلوم ہو گئے، آگے ہر شخص کو مشاہدہ سے اپنے اندر بھی، ان آثار کا وجود و عدم معلوم ہو سکتا ہے اور اس سے ہمارے دعویٰ سابقہ کا صدق بخوبی واضح ہو جائے گا (اس مضمون کی شرح زیادہ تحقیق کے ساتھ مطلوب ہو، تو مضمون "عظمت وحی" رقمزدہ حضرت شیخ الہند) مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جزو القاسم" کے نمونہ میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے) ہماری اس تقریر کے یہ معنی نہ سمجھیں جائیں کہ احکام شرعیہ حکمت سے خالی اور عاری ہیں معاذ اللہ ــــــــــــ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا اتباع اور ان کی خاص عظمت کا اعتقاد فہم حکمت پر موقوف نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں وہ خود ایک مستقل علم ہے کہ اس کو اسرار شریعت کا لقب دیا جاتا ہے مگر اس کے اہل خواص علمائے دین ہیں عوام الناس کو اس سے بجائے نفع کے ضرر کا احتمال غالب ہے کئی وجہ سے۔

ایک اس لیئے کہ ان میں سب تو منصوص ہیں نہیں اجتہادی بکثرت ہیں جن میں احتمال خطا کا بھی ہے سو اگر کبھی اس کا غیر صحیح ہونا ظاہر ہو گیا اور عامی کے خیال میں اس حکم کی وہی حکمت یقینی تھی تو اس کے صحیح نہ ہونے سے اس حکم کو غیر صحیح سمجھ بیٹھے گا، بخلاف خواص کے کہ وہ اس یقینی علت اور مبنی حکم کا نہ سمجھیں گے۔ اس لیئے حکم میں ان کو کبھی کوئی خدشہ نہ ہو گا۔

دوم اس لئے کہ کبھی کوئی مبنی اور حکمت صحیح معلوم ہوگی لیکن بعض اوقات وہ وجہ اور حکمت اس عامی کی نظر میں باوقعت نہیں ہوگی تو اس حکم کو بھی بے وقعت سمجھنے لگے گا۔

ہر حکمت نہ علّت ہے اور نہ مقصود بالذات

سوم اس لئے کہ ہر حکمت علت نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اس کو علّت اور اصلی سبب سمجھکر کسی موقع میں اس کے موجود ہونے سے حکم ہی کے غیر موجود ہونے کا حکم لگا دے گا۔

چہارم یہ کہ ہر حکمت مقصود بالذات نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اس کو مقصود بالذات سمجھکر کسی محل و موقع میں حکمت کے حاصل ہوجانے کو کافی سمجھکر تحصیل حکم کی ضرورت نہ سمجھے گا اور ان دونوں صورتوں میں (سوم و چہارم) میں اجتہادِ باطل کا باب وسیع ہوجائے گا۔ مثلاً سفر میں مشقت پر نظر کرکے قصر کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ علت نہیں حتیٰ کہ اگر سفر میں مشقت بھی نہ ہو تب بھی قصر ہے اور اس طرح وضو شروع ہوا ہے۔ حکمتِ نظافت و طہارت سے، لیکن اگر طہارت و نظافت حاصل ہو تب بھی وضوء سے استغنا نہ ہوگا۔

کُتّا پالنے کی ممانعت کی حکمت ؟

پنجم یہ کہ عامی مخالفِ دین کے مناظرہ میں اس کو بیان کرے گا اور اور اگر وہ یقینی نہیں تو اس میں مخالف نے اگر خدشہ نکال دیا تو یہ مغلوب ہوجائے گا۔ اور اس میں اسلام کو اور اہل حق کو صدمہ پہنچے گا، مثلاً کسی نے کتا پالنے کی ممانعت کی یہ حکمت بیان کی کہ اس میں صفت سبعیت (درندگی) کی ہوتی ہے تو اگر کسی نے اس میں یہ خدشہ پیدا کیا کہ تعلیم کے بعد سبعیت نہیں رہتی، پھر کیوں ممنوع ہے؟ تو یہ شخص بہ زبان حال اس حکم کو بے بنیاد کہیگا۔ بخلاف راسخ فی العلم کے کہ وہ بجائے اس حکمت کے یہ کہے گا کہ ہمارے آقائے عظیم الشان کا یہ حکم ہے ہم نہیں جانتے کیا مصلحت ہے؟ تو اس شخص پر کوئی خدشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات محکوم[1] الجدّت کی، اس کے بعد اس مضمون سابق میں ان لوگوں

[1] جدت پسندی کے خوگر حضرات مراد ہیں ۱۲

کی کوتاہی کا بیان ہے، جن میں ظاہراً بعض آثارِ محبت کے بھی پائے جاتے ہیں۔
اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ خود اِن اعمالِ مذکورہ میں بھی جن کو عنوانِ محبت سے وہ اختیار کرتے ہیں، بسا اوقات حدودِ شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے، اس کا تتمّہ یہ ہے کہ یہ لوگ بھی درحقیقت تینوں حقوق کو ضائع کرتے ہیں، متابعت کی نفی تو ظاہر ہے۔

متابعت کی حقیقت

لیکن اگر غور کیا جائے تو ان کے قلب میں حقیقی عظمت و محبت بھی نہیں، گو زبان سے تعظیم و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اعتقادِ عظمت کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے ارادے اس معظم و مکرم کے ارادوں کے سامنے فنا ہو جائیں۔
چنانچہ کسی رئیس کے پاس کسی عظیم الشان باختیار افسر کا حکم ضابطہ کا یا نج (ذاتی) کا فوری حاضری کے لئے آئے۔ اور فوری بھی ایسا کہ وہ حاکم دروازہ پر ٹھیر کر جلدی طلب کرے تو اس وقت ہم اس کی حالت کا اندازہ، اس کی حرکات سے کرتے ہیں کہ ان میں اختیاریت کی شان پر اضطراریت کی حالت کو غلبہ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اکثر امور اس وقت معمول کے خلاف اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں اور وقار و متانت سب مرتفع ہو جاتا ہے اور یہ سب علامت ہے فناء ارادہ کی اور منشاء اس کا وہی اعتقادِ عظمت ہے۔
اور فناءِ ارادہ کے لئے یہ لازم ہے کہ متابعت تعمیلِ ارشاد میں مبادرت و سبقت ہو، جب متابعت نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ حقیقی عظمت بھی دل میں نہ ہوئی اور جس طرح غلبۂ عظمت سے ارادہ فناء ہوتا ہے اسی طرح غلبۂ محبت سے بھی فناء ارادہ پیدا ہوتا ہے، گو دونوں کیفیتیں جُدا جُدا قسم کی ہیں مگر فناءِ ارادہ دونوں کے لئے لازم اعم ہے۔
جیسے حرارت کہ نار کو بھی لازم ہے اور دھوپ کو بھی پس جس طرح حرارت کے نہ ہونے سے دھوپ اور آگ کا معدوم ہونا لازم آتا ہے، اسی طرح جب متابعت نہ ہوگی محبت و عظمت دونوں کے معدوم ہونے کا حکم کیا جائے گا۔
اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن المبارک کا ارشاد ہے ؎

لوکان حُبُّکَ صَادِقًا لاطعتہٗ　　　اِنَّ المُحِبَّ لِمَن یُحِبُّ مطیع،

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو، تو اس کی اطاعت کرتا، بیشک عاشق، محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

البتہ ادنیٰ درجہ کی محبت و اعتقادِ عظمت کا انکار نہیں کیا جاتا، لیکن شرعاً مطلوب ہے، ان دونوں کا غلبہ اور قوت جیسا کہ اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے لایومن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والناس اجمعین تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں) اور ان لوگوں کا دیگر امورِ شرعیہ میں متابعت نہ کرنا تو ظاہر ہے۔

حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کی شان میں گستاخی

چنانچہ مضمونِ مذکور میں کچھ اس کی تفصیل بھی ہے لیکن خاص ان امور میں جن کو وہ عنوانِ محبت سے اختیار کرتے ہیں، اس متابعت کا معدوم ہونا اس مضمون میں مجملاً بیان کیا گیا ہے کہ ان میں بھی لبا اوقات " حدودِ شرعیہ" کو محفوظ نہیں رکھتے۔ اس کی تفصیل ان لوگوں کے ان طریقوں کے دیکھنے سے ہو سکتی ہے مثلاً

● — یہ کہ آپ کی مدائح میں اس قدر غلو اور مبالغہ کرتے ہیں کہ اس میں دوسرے حضراتِ انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی شان میں گستاخی ہو جاتی، مثلاً ؎

برآسمان چہارم مسیح بیمار است　　　تبسم تو برائے علاج درکار است

(حضرت مسیح علیہ السلام چوتھے آسمان پر بیمار ہیں اور آپ کی مسکراہٹ علاج کے لئے درکار ہے)

اور مثلاً ؎

"شب و روز ان کے صاحبزادوں کا گہوارہ جنبان[1] تھا۔"

---

[1] ہلنے والا

"عجب ڈھب یاد تھا روح الامین کو بھی خوشامد کا"

نصوص قرآنیہ و حدیثیہ میں ان حضرات مقدسین کی تعظیم و ادب کا حکم وارد ہے پس ایسے طریقہ میں ترک متابعت نبویہ ہے۔

(۲) ● ــ یہ کہ بعض اوقات خود حق جل و علیٰ شانہٗ کے حضور میں گستاخی ہوتی ہے مثلاً ؎

پے تسکینِ خاطر صورتِ پیراہنِ یوسف　　محمدؐ کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

اور مثلاً ؎

طوافِ کعبہ مشتاقِ زیارت کو بہانہ ہے　　کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبوں کی خوشامد کا

نعوذ باللہ منہ اس کو ترکِ متابعت کی سب سے بری مثال سمجھنے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

(۳) ● ــ بعض اوقات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ مثلاً اس مصرع سے حضور پُرنور کو مخاطب بنانا ؎

"اے نرگسِ شہلائے تو اور وہ رسم کافری ؎

الہٰی توبہ اس کو ترکِ متابعت کہہ کر ترکِ تعظیم کی دلیل بنانے کی کچھ ضرورت نہیں اس کا ترک تعظیم ہونا خود ظاہر ہے۔

(۴) ● ــ یہ کہ روایات موضوعہ "فضائل" میں بیان کرتے ہیں جس پر حدیث نبویؐ میں سخت وعید وارد ہے، ظاہر ہے کہ حدیث کے خلاف کرنا ترک متابعت ہے،

(۵) ● ــ ان قدائح و فضائل کے بیان میں بہت سے منکراتِ اعتقادیہ و عملیہ کو منضم کر لیا ہے۔ (۱) ایک ممنوع شرعی تو خود ان چیزوں کو ضم کر لینا اور ملا لینا ہے (۲) پھر ان ناپسند چیزوں کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھنا اور ان پر اصرار کرنا دوسری خرابی ہے (۳) پھر جو ان منکرات کی اصلاح کرے ان سے عناد و بغض رکھنا یہ تیسری خرابی ہے۔

غرض ان کا یہ طریقہ ہمارے اس دعوے کی پوری دلیل ہے کہ ان میں متابعت نہیں ہے

ــه۱

ــه۲

یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات مدّعیانِ محبت کی۔

اس کے بعد اس مضمونِ سابق کے اخیر میں ان لوگوں کی کوتاہی کا بیان ہے جو متابعت ظاہری کا اوروں سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں، مگر ان میں تعظیم و ادب اور شوق و محبت کی شان کم ہے۔

اس بیان کی شرح یہ ہے کہ ان میں غلبۂ ادب اور غلبۂ محبت کی کمی تو ظاہر ہے ہی، لیکن نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متابعت ہی کامل نہیں، کیوں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ قولیہّ وعاداتِ فعلیہ کو دیکھنے سے ہدایتہً بلکہ حسّاً ثابت ہوتا ہے کہ یہ طرزِ خاص:-

(۱) خشونت ــــــ (۲) تقشُّف ــــــ (۳) تعسیر ــــــ (۴) تنفیر[1]

کا، آپ کو سخت ناپسند ہے اور جب یہ امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں اور برخلاف اس کے قرآن حدیث میں، خود حضور کی توقیر و ادب اور محبت میں اپنی جان پر بھی آپ کی ترجیح اور امت کے ساتھ تبشیر و تیسیر کے احکام وارد ہیں۔ تو ان میں خلل اندازی کرنا متابعت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے؟

اور اس میں مراتب مختلف ہیں۔

بعض تو حدِ خسران تک پہونچ گئے ہیں، ادب یا محبت کے حقوقِ واجبہ، اعتقادیہ یا عملیہ کو کھو بیٹھے ہیں، معتزلہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام کو اور اسی طرح جمیع انبیاء علیہم السلام سے تمام ملائکہ علیہم السلام کو افضل بتلاتے ہیں، جس کا جواب کتب کلامیہ میں مفصّل و مدلل مذکور ہے، یہاں صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت، جبرئیل علیہ السلام پر مختصر طور پر سمجھ لینا چاہیئے۔

---

[1] خشونت = درشتی، کھردراپن / تقشف: موٹے جھوٹے کپڑے پہننا اور تھوڑی روزی پر بسر کرنا۔/ تعسیر = تنگی میں ڈالنا، / تنفیر۔ نفرت دلانا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر

ان لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ قرآن مجید سے جبرئیل علیہ السلام کا آپ کے لئے معلّم ہونا منصوص ہے اور ظاہر ہے کہ استاد بحیثیتِ استادی، شاگرد سے افضل ہوتا ہے اور اگر معلّم کے افضل ہونے کو تسلیم نہ کیجئے، تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا امت سے باعتبار علم کے افضل ہونا ثابت نہ ہوگا، حالانکہ آپ اس حیثیت سے بھی بالاتفاق افضل ہیں۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ معلّم کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔

ایک محض مبلّغ وسفیر ہوتا ہے جس کے متعلق محض بات کا پہنچا دینا ہے، اس میں معلم کا افضل ہونا ضروری نہیں، اگر بادشاہ اپنے وزیر کے پاس کسی خاص قاصد کے ہاتھ کوئی پیام بھیجے تو یہ قاصد وزیر سے افضل نہ ہوجائے گا؟

دوسری حیثیت استاد و اتالیق ہونا جس کے متعلق متعلّم و شاگرد کی تربیت بھی ہے اس میں معلّم کا افضل ہونا ضروری ہے۔ سو جبرئیل علیہ السلام آپ کے معلّم بالمعنیٰ الاوّل ہیں نہ کہ بالمعنیٰ الثانی۔

کیونکہ مُربّی بمعنیٰ ثانی اتالیق و تربیت دہندہ حسب تصریح حدیث۔ علّمنی ربی فاحسن تعلیمی وادّبنی ربی فاحسن تادیبی۔ میرے رب نے مجھے تعلیم دی کیا اچھی تعلیم دی۔ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا کیا اچھا ادب سکھایا" خود حضرت جلّ وعلا شانہٗ بلاواسطہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ امت کے لئے معلّم بمعنیٰ ثانی ہیں، پس آپ کی اور جبرئیل علیہ السلام کی معلّمیت میں بڑا فرق ہے پس معتزلہ کی یہ بہت بڑی گمراہی ہے، عقیدہ واجبہ میں۔

لہ ۔ امام مالک رحمۃ اللہ ۹۳ھ ۱۲، ش ۱۷۹ھ ۹۵، ش حضرت ابوعامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ اسوقت تک منصب قضا پر نہ بیٹھے جب تک کہ ستر اہل علم شیوخ نے شہادت نہ دیدی کہ آپ اس کے اہل ہیں۔ آپ کی مجلس وقار کی مجلس تھی صاحب ہیبت، رعب داب والے تھے آپ کی مشہور حدیث کی کتاب موطا میں تمام صحیح روایات ہیں۔ آپ بڑے محدث مفتی اور مجتہد تھے۔ امام مالکؒ تمام عمر مدینہ شریف ہی میں قیام پذیر رہے۔ مذاہب مالکیہ بلاد مغرب اندلس وغیرہ میں زیادہ پھیلا۔ امام شافعی حضرت عبداللہ بن مبارک وغیرہم نے آپ سے روایت کی ہے ۱۲ محمد علی

اور مثلاً میں نے ایک مقام پر بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک صاحب نے ایک حدیث ڈھونڈنے کے لئے مؤطا امام مالک کا نسخہ الماری میں سے نکالا اور اس کو کھڑے کھڑے فرش پر زور سے پٹک کر مارا۔ اہل مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ:۔

"میاں حدیث کی یہ بے ادبی"؟

تو وہ جواب میں فرماتے ہیں "میں نے بے ادبی کیا کی ہے، اس کی گرد جھاڑی ہے" جب قیامت میں ان کی گرد جھڑیگی تب حقیقت معلوم ہوگی، سو یہ اس خشک دماغی کا اضلال ہے عل واجب ہیں، اللّٰھُمَّ احفظنا ولنعم ما قیل ے

از خدا جوئیم توفیق ادب　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

(ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق طلب کرتے ہیں اس لئے کہ بے ادب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم ہوتا ہے)

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(بے ادب نے تنہا اپنے آپ کو ذلیل نہیں کیا ہے: بلکہ ساری دنیا میں آگ لگادی)

از ادب پر نور گشت ست ایں فلک　　از ادب معصوم پاک آمد ملک

ادب کی وجہ سے آسمان پر نور ہوگیا ہے اور فرشتے ادب کی وجہ معصوم اور پاک ہوگئے ھیں)

بد ز گستاخی کسوف آفتاب　　خوشہ عزازیلے ز جرأت ردّ باب

آفتاب کا کسوف گستاخی کی وجہ سے ہوگیا۔ عزازیل (شیطان) بے ادبی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوگیا)

حدیث میں ایک گستاخ کا قصہ آیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے کھانے کو فرمایا۔ اسے براہِ بے ادبی کہا کہ "میں دائیں ہاتھ سے کھا نہیں سکتا" آپ نے فرمایا کہ (خدا کرے) تو اس سے کھا ہی نہ سکے بس وہ فوراً شل گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ادب

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی طرف بیدھڑک نہ دیکھنا اور ایک بزرگ کا اس سوال کے جواب میں کہ تم بڑے ہو ؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ یہ کہنا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، مگر عمر میری زیادہ ہے۔ کیا قولی ادب کا کافی نمونہ نہیں ؟ ایک بزرگ کا اس سننے کے بعد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان ہاتھ میں لی تھی، تمام عمر بلا وضو کمان کو مس نہ کرنا، کیا قابلِ التفات و تقلید نہیں ہے ؟

اسی طرح حضرات صحابہؓ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک و شمائل و طرزِ عمل پوچھتے۔ چنانچہ شمائل ترمذی کی روائتیں اس میں صریح ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خاص آستانۂ مبارکہ پر سلام پہنچانے کے لئے قاصدوں کی ڈاک کا انتظام کرتے تھے، جمہورِ امت مدینہ طیبہؒ کی حاضری کا اہتمام کرتے رہے۔ اکثر سلف درود شریف کی کثرت رکھا کرتے تھے، خود حدیث میں ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف نہ ہو وہ مجلس اہل مجلس کے حق میں موجب حسرت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گویا امور موکدہ نہ ہوں مگر ان کی کمی موجب حسرت حرمان ہے اور جیسے کمی سے حرمان ہوتا ہے اسی طرح ان کے اہتمام و التزام سے گوناگوں برکت و فیضان ہوتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں پھر دنیا میں دینوی بھی اور اخروی بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابیؓ کو جب کہ انہوں نے کئی بار سوال و جواب کے بعد یہ عرض کیا کہ بس اب میں تمام وظائف کی جگہ درود ہی ٹھہرالونگا یہ ارشاد فرمانا کہ " تو پھر تمہارے سب گناہ معاف ہوتے رہیں گے۔ اور سب فکروں کی کفایت

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی ۲۰۹ھ ۸۲۴ ش ۲۷۹ھ ۸۹۲ ش آخر عمر میں کثرت بکا کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ بہت بڑے محدث تھے۔ آپ کی جلالت قدر، فراست، ذکاوت، قوت استدلال، حفظ اور شان اجتہاد کا اعتراف آپ کے اساتذہ نے بھی کیا ہے۔ ترمذی حدیث کی ایک مشہور کتاب اور ترمذ ایران میں ایک جگہ کا نام ہے ۱۲ محمد علی

ہوتی رہے گی" اس کی کافی دلیل ہے۔

عجیب و غریب واقعہ

اس وقت ایک عجیب الشان عظیم المکان فیضان حکایت یاد آتی ہے اسی پر اپنے اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں، جس سے ثابت ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق بڑھانے سے خود آپ کی "عنائتیں" کیسی مبذول ہوتی ہیں، اس حکایت کو امام جلال الدین سیوطی[1] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "شرف مختم" میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں شیخ کمال الدین رح سے اور وہ شیخ شمس الدین جزیری رح سے اور وہ شیخ زین الدین ۳۳ھ سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی رح کے واسطے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحٰق ابراہیم رح سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر سے رحمہم اللہ تعالیٰ کہ میں ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء ہجری میں حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ[2] کے ساتھ سفر حج میں تھا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضۂ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یا جدّی! وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیکم السلام یا ولدی! کہ اس کو تمام اہلِ مسجد نے سنا، حضرت سیّد احمد رفاعی رحمۃ اللہ پر وجدِ شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رویا کئے اور شدّتِ شوق میں عرض کیا یا جدّاہ!

---

[1] حضرت علامہ جلال الدین سیوطی بن عبدالرحمٰن مصری رحمۃ اللہ علیہ چار سو کتابوں کے مصنّف ہیں۔ تمام علوم میں ماہر اور طاق تھے۔ آپ نے ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں وفات پائی ۱۲ عبدالرؤف

[2] حضرت سیّد احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ رجب ۵۱۲ھ / اکتوبر ۱۱۱۸ء کو مقام حسن (عراق) میں پیدا ہوئے اولیاء کرام کے سردار ہیں۔ بہت بڑے عالم باعمل متورع بزرگ تھے۔ حالت شیر خوارگی میں رمضان میں صرف بعد مغرب دودھ پیتے تھے، ۲۰ سال کی عمر میں تمام فنون مروجہ کی تکمیل کرلی ان کی خانقاہ میں لبا اوقات ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ان ایک لاکھ کے طعام قیام کا انتظام حضرت سیّد احمد کبیر صاحب رح کی جانب سے تھا آپ کے خلفاء کی تعداد اسی ہزار ایک سو تھی آپ کی نماز جنازہ کے وقت نو لاکھ مرد و عورت کا مجمع تھا ایک شعر میں آپ کی ولادت، وفات کی تاریخ اور عمر کی مقدار کہی گئی ہے۔ —————— (شعر صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں حاشیہ میں)

ؔ فی حَالۃِ البعدِ روحی کنت اُرسلُھا
تقبل الارضَ عنی وھِیَ نائِبتی

وٰھٰذِہٖ دولۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظیٰ بھا شفتی

(یعنی اے نانا جان! حالتِ بُعد میں، اپنی روح کو حضور میں بھیجا کرتا تھا، وہ نائب بن کر زمین بوس ہوجاتی تھی، اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے، سو ذرا اپنا دایاں دستِ مبارک بڑھا دیجئے؟ تاکہ میرے لب اس کے بوسے سے مشرف ہوجائیں) پس فوراً آپ کا ـــــ دستِ مبارک چمک اور دمک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا، اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سیّد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بوسہ لیا۔

اس کے بعد بلا سند دوسرا قصّہ ان ہی کا لکھا ہے کہ جب سالِ آئندہ پھر حاضر ہوئے تو نہایت انکسار و مسکنت کے ساتھ عرض کیا ؎

اِنْ قِیل زرتم بِمَا رجعتم　　　　یَا اکرَمَ الرّسُلِ مَا نَقُولُ

(یعنی اگر لوگ ہم سے پوچھیں کہ تم زیارت کرکے آئے تو کیا لے کر آئے ہو تو ہم جواب میں کیا کہیں؟) قبر شریف سے آواز آئی جس کو تمام حاضرینِ مسجد نے سُنا" ؎

اِرْجِعنا بِکُلِّ خَیرٍ　　　　وَاجتَمَعَ الفرُوعُ وَالاصُولُ

(یعنی تم یوں کہنا کہ ہم ہر طرح کی خیر لے کر آئے اور فروع و اصول جمع ہوگئے)۔

کیا یہ فضائل قابلِ رشک نہیں؟ سو یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ بجز کمالِ اتباع و کمالِ محبت و کمالِ اعظام و اجلال کے اس دولت کا سبب اور بھی کوئی امر ہے؟ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون (المطففین، [۲۵] اور اس پر چاہیئے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے) و المثلُ ھٰذٰ افلیعمل العاملون (والصّٰفٰت [۶۰] (ایسی چیزوں کے واسطے چاہیئے محنت کریں محنت کرنے والے)

یہ معاملات تو براہِ راست آپ کے ساتھ عمل میں لانے کے ہیں، باقی آپ کے اہلِ تعلق، اہل

صحبت، اہل قرابت، اہل ملت (یعنی خواص وعوام امت) کے ساتھ ادب ومحبت شفقت و رحمت وخدمت کرنا علیٰ حسب تفاوتِ مراتبہم، یہ سب بھی متمم ہیں، آپ کے ساتھ معاملہ رکھنے کے جن میں سے بعض واجب ہیں کہ ان میں خلل اندازی سے خسران ومعصیت ہوتی ہے اور بعض مستحب ہیں جن سے اعراض کرنا مفلسی اور محرومی کا باعث ہے۔

یہ بیان تھا ان لوگوں کا جو شوق میں کمی اور ادب میں خلل کرنے والے ہیں، پس محقق وہ ہے کہ ـــــ سب مراتب حسیہ ومعنویہ واجبہ ومستحبہ کا جامع ہو کما قیل ؎

بر کفِ جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام وسندان باختن

گاہ در درد دل سازگہ دردیدہ جا ہر دو جائے تست یا بدر الدجے

مگر بمقتضائے آیت لاتغلوا فی دینکم (النساء) [۱۷۰] مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں) وآیت تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا (س۔ البقرۃ) [۲۲۸] یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو)

مندوبات میں کمی کرنے والے مستحق ملامت نہیں

یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ان میں جو لوگ مندوبات (مستحبات) میں کمی کرنے والے ہیں ان پر ملامت یا ان کی تحقیر یا ان پر تشدد یا ان سے نفرت رکھنا یہ خود بوجہ تجاوز عن المشروع النبوی کے احداث فی الدین اور موجب ناخوشئ سرکار ہوئی وعلامت ترکِ اتباع وخلافِ ادب ومنافئ تعظیم دربارِ مصطفویؐ ہے۔

مسند احمد میں ایک حدیث اس باب میں صریح ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نوافل کو چھوڑے ہوئے تھے، نماز میں بھی، روزے میں بھی، صدقے خیرات میں بھی، دوسرے صحابی ان سے نفرت رکھتے تھے، حضور پر نور کے دربار میں یہ مقدمہ پیش ہوا آپ نے ان نفرت کرنے والے صحابیؓ کے انکار کو ناپسند فرمایا۔ احقر نے اپنے رسالہ حقیقۃ الطریقۃ میں یہ حدیث پوری نقل کی ہے ولنعم ما قیل ؎

بزھد وورع کوش وصدق وصفا

ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

زہد و تقویٰ اور صدق وصفا میں کوشش کرو مگر مصطفےٰ سے آگے مت بڑھو۔

البتہ ایسے لوگوں کو اگر نرمی و ترغیب سے تکمیلِ مراتب مستحبہ کی طرف متوجہ کیا جاوے، عینِ خیرخواہی و مطلوب فی الدین ہے۔

ضروری تنبیہہ

اور ایک ضروری امر قابل تنبیہہ یہ ہے کہ بعض اوقات شوق و محبتِ نبویہ کی کمی کا غلط شبہ ہو جاتا ہے اور یہ شبہ توقیر و توجہ الی الذات کے غلبہ کے محل میں غیر عارف کو ہو جاتا ہے۔ لیکن فی الواقع وہ بھی محبت نبویہ ہی کا ایک لون ہے۔ شرح اس کی رسالہ نشر الطیب[1] میں بضمن حکمتِ درود شریف کی ہے۔

بس شرح ضروری سب جماعات کی حالت کی ختم ہوئی اور طریق اصلاح سب کا بقدر کافی اصل مضمون میں مذکور ہو چکا ہے، اس میں شرح کی حاجت نہ سمجھی، اصل مضمون کو دیکھ کر سب اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب وان ربی قریب مجیب۔

---

[1] ۔ نشر الطیب ہمارے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کا ایک رسالہ ہے جو سیرت نبویہ پر ہے ۔ محمد علی

نماز کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ نماز)

بعد ایمان اعمال میں نماز کا جو درجہ ہے وہ کسی عمل کو حاصل نہیں اور اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس کا ایسا خاص اہتمام ہوتا کہ اس میں کوئی نقص نہ رہتا مگر ہماری کم توجہی و غفلت نے اس کو بھی کوتاہیوں سے خالی نہ چھوڑا جن میں سے بعض کا بیان اس موقع پر کیا جاتا ہے اور اس کے قبل یہ امر بھی قابل عرض کر دینے کے ہے کہ نماز میں اختلال کا جو وبال ہے وہ اس خاص حیثیت کے اعتبار سے بہ نسبت دوسرے اعمال کے اختلال کے زیادہ ہے کہ نماز فرض ہے اور ہر دن رات میں پانچ بار فرض ہے اس میں کوتاہی کرنا حق تعالیٰ کو دن بھر پانچ بار ناخوش کرنا ہے۔

بخلاف دوسرے اعمال کے کہ بعض فرض نہیں اور یا فرض ہیں تو روزانہ فرض نہیں، جیسے روزہ "کہ سال بھر میں فرض ہوتا ہے اور زکوٰۃ کہ وہ بھی سال بھر میں فرض ہوتی ہے اور "حج" کہ عمر بھر میں ایک بار فرض ہوتا ہے اور زکوٰۃ اور حج تو سب پر فرض بھی نہیں ہوتا، یہ تفاوت تو نماز کو اور افعال سے ہے۔

ترک غیبت، ہر وقت فرض

اب رہ گئے تروک جو فرض ہیں یعنی معاصی کا ترک کرنا کہ وہ بھی روزانہ بلکہ ہر وقت فرض ہیں مثلاً غیبت کا ترک کرنا، ہر وقت فرض ہے اور اس امر میں یہ تروک بھی مثل نماز کے فرض دائمی ہیں، مگر اس پر بھی ان کا اختلال نماز کے اختلال سے دو وجہ سے کم ہے۔

ایک یہ کہ یہ تروک ارکان اسلام سے نہیں، کیونکہ فرائض سب ارکان نہیں، تو اس اختلال سے ارکان کی تفویت لازم نہیں آئی گو معصیت اس سے بھی ہوئی اور نماز رکن اسلام سے ہے تو اس کے اختلال سے ایک رکن کی تفویت لازم آئی اور رکن کو نظرِ شارع علیہ السلام میں ایک خاص مقصودیت و اہمیت ہے، اس لئے رکن کا فوت ہونا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زیادہ ناگوار ہوگا۔

دوسری وجہ یہ بشہادتِ حس، ترک سہل ہوتا ہے فعل سے، کیونکہ ترک میں اکثر اہتمام نہیں اور فعل میں اہتمام کی حاجت ہے اور جو چیز سہل ہوتی ہے اس کا وقوع اکثری ہوتا ہے، اس لئے جو تروک فرض ہیں ان کا وقوع اکثر ہوگا اور اختلال کم اور جو افعال فرض ہیں اگر پورا اہتمام نہ کیا جاوے تو ان کا اختلال اکثر ہوگا اور وقوع کم، پس نماز میں اختلال کا احتمال زیادہ ہوا اور ان تروکِ مفروضہ میں کم اور یہی مدعا تھا، پس ثابت ہوگیا کہ تمام اعمال میں خواہ وہ وجودی ہوں یا عدمی ہوں نماز میں کوتاہی کرنے کا ضرر اکثر اور اشد ہوگا، اس لئے اس کی اصلاح نہایت "مہتم بالشان" ہوئی۔

اس کے بعد بطور نمونہ کے بعض ان کوتاہیوں کا ذکر ہوتا ہے جو کثیر الوقوع ہیں، تاکہ ان پر متنبہ اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ ہو۔

نماز نہ پڑھنے والوں کی کوتاہیاں

سو ایک کوتاہی جس کے کوتاہی ہونے میں کوئی خفاء ہی نہیں یہ ہے کہ بہت لوگ خود نماز ہی کے مطلقاً پابند نہیں ہیں، اس کے معصیت ہونے میں تو کلام کرنے کی اس لئے ضرورت

نہیں کہ متفق علیہ ہے، البتہ یہ حضرات جو اس میں عذر پیش کیا کرتے ہیں ان کی نسبت مختصراً یہ کچھ لکھا جاتا ہے۔

بعضے یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا کی ضرورت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض بہانہ بازی و سخن سازی ہے، سببِ اصل بے پرواہی و لاابالی پن ہے، کم فرصتی مانع نہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس روز یا جس وقت ان کو فرصت ہوتی ہے تب بھی ان کو نماز کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اگر یہ امر مانع تھا تو اس حالت میں تو یہ مانع مرتفع تھا، پھر ترک کی کیا وجہ؟ اس سے معلوم ہوا کہ اصلی مانع بے پروائی ہے، جو اس حالت میں بھی مشترک ہے۔

دوسرے اگر یہ مانع ہوتا تو اگر وقت پر فرصت نہ تھی اور اس لئے ادا نہ پڑھ سکے تھے، تو قضا کے لئے تو کوئی وقتِ خاص نہیں اور کسی نہ کسی وقت تو فرصت ہوتی ہے، اس وقت میں قضا پڑھ لیتے، جیسے نماز کی پابندی والوں کی عادت ہے کہ اگر کسی روز وقت نکل جاتا ہے، تو اہتمام کر کے قضا پڑھتے ہیں۔

تیسرے اگر بے پرواہی سبب نہ ہوتا تو اس کوتاہی پر قلق ہوتا، جیسا مطالب دنیویہ کے فوت ہونے پر مدتوں حسرت ہوتی ہے، اس کی فکر لگ جاتی ہے، اس کی تلافی کی کوشش کرتے ہیں، تدبیریں پوچھتے پھرتے ہیں، کیا ان بے نمازوں کو اس فکر و کوشش اور قلق و سوزش میں دیکھا جاتا ہے؟ ان قرائن سے سبب اصلی کی اچھی طرح تشخیص ہوگئی، اس کے علاج کے لئے دو امر کی ضرورت ہے۔

نمازوں میں بے پرواہی سے بچنے کا طریقہ

ایک یہ کہ تارک نماز کے وعیدوں میں غور کیا کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو کافر فرمایا ہے، خواہ تاویل ہی سے فرمایا ہو اور ایسے شخص کا دوزخ میں جانا، پھر فرعون، ہامان، قارون کے ساتھ جانا ارشاد فرمایا ہے، اور قیامت میں سب سے اوّل پرسش نماز ہی کی ہوگی اور ان وعیدوں کی تقویت کے لئے دوزخ کے حالات پڑھا اور سنا کریں

انشاء اللہ تعالیٰ بے پرواہی جاتی رہے گی۔

دوسرا امر یہ کہ اپنے نفس پر جبکہ کرے کہ بدون ہمت کے کیسا ہی آسان کام ہو دشوار ہو جاتا ہے اور جبر کی دو صورتیں ہیں۔

ایک کہ کسی کو اپنے اوپر مسلّط کردے کہ وہ زبردستی اس کو وقت پر اٹھا کر کھینچ کر نماز پڑھوا دیا کرے۔

دوسری صورت یہ کہ نماز کے ترک ہونے پر کچھ ہی جرمانہ اپنے نفس پر مقرر کرے جس کی مقدار اتنی ہو کہ نہ بہت قلیل ہو کہ نفس کو کچھ ناگواری ہی نہ ہو نہ بہت کثیر ہو کہ اس کا ادار کرنا مشکل ہو جائے، جب نماز ترک ہو وہ جرمانہ مساکین کو دیدیا کریں اور یہ صورت جرمانے کی سنت کے موافق ہے کہ نسائی[لہ] کی روایات میں ترکِ جمعہ وجماع فی الحیض پر تصدق کا امر آیا ہے، دوسروں سے جرمانہ لینا بوجہ حدیث اَلَا لَا یحِلّ مَالُ امرِیٔ الا بطیبِ نفسٍ منہٗ۔ خبردار! کسی کا بھی مال حلال نہیں ہے مگر اس کی خوش دلی سے۔ علماء کے نزدیک منسوخ ہے اور جائز نہیں، یا کوئی بدنی جرمانہ مقرر کرے اس کے بھی دو طریقے ہیں۔

ایک طریقہ یہ کہ اس پر عبادت کی مشقت ڈالے، یعنی مثلاً ایک نماز فوت ہو تو اس کو قضاء کرے اور بیس رکعت نفل مثلاً پڑھے، نفس دو تین چار مرتبہ میں ٹھیک ہو جاوے گا۔

وہ قضاء تہجد پر اپنے بدن پر قمچیاں توڑ ڈالتے تھے

دوسرا طریقہ یہ کہ اس پر عادت کی مشقت ڈالے یعنی مثلاً ایک نماز قضاء ہو تو ایک وقت کا کھانا نہ کھاوے اگر دو نمازیں قضاء ہوں تو دو وقت کا کھانا نہ کھاوے، چونکہ نفس پر یہ بہت شاق ہوگا۔ بہت جلدی اس سے صلح کرے گا۔

بعضے بزرگوں نے یہ معمول کر رکھا تھا کہ جس روز "تہجد" قضاء ہوتی تھی اپنے بدن پر کئی کئی قمچیاں توڑ ڈالتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر تو پھر ایسا کرے گا میں پھر ایسا ہی کروں گا ــــ بعض

لہ حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی ۲۱۴/۳۰۳ھ بہت بڑے محدث اور اپنے زمانے کے بہت بڑے امام تھے نِساء (ایران) میں ایک جگہ کا نام ہے ۱۲ فیض محمد

معاصی پر شریعت میں روزے کے ساتھ کفارہ مشروع ہونا اور خود ترکِ صلوۃ پر فقہار کا تعذیر کو جائز رکھنا اس مشقت عادیہ کا ماخذ ہو سکتا ہے۔

بعض لوگ حالتِ صحت وحضر وفراغ میں تو پابند ہوتے ہیں، مگر مرض وسفر وشغل میں پابند نہیں رہتے، اس کا سبب بھی بجز ضعفِ ہمت وبیفکری کے کچھ نہیں، اگر آدمی کسی کام کا ارادہ وفکر کرتا ہے، کچھ نہ کچھ صورت اس کی بن ہی جاتی ہے، ادنیٰ بات ہے کہ اگر ان حالات میں پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو تو کیا اس کی ضرورت ہے تھوڑی دیر کے لئے سفر یا شغل کو منقطع کرنا نہیں پڑتا ؟ یا مرض کی حالت میں اٹھنا نہیں ؟ اور کیا اٹھتا نہیں ؟ پھر فرق بجز اس کے کیا ہے ؟ کہ اس کو ضروری سمجھکر اس کا ارادہ کرتا ہے۔ اور یہ احوال مانع نہیں ہوتے اور نماز کو غیر ضروری سمجھکر اس کا ارادہ نہیں کرتا اور وہ مانع ہوجاتا ہے اور اس سے زیادہ کونسی حالت افسوسناک ہوگی !! کہ پیشاب پاخانہ کی ضرورت سے تو عین موانع میں وقت نکل آتا ہے اور نماز کی ضرورت سے وقت نہیں نکلتا ! پھر خاص کر سفر ومرض میں تو رعائتیں وتخفیفیں بھی بہت سی دی گئی ہیں مثلاً

(۱) پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم جائز ہے (۲) قیام پر قدرت نہ ہو تو قعود جائز ہے۔
(۳) ارکان پر قدرت نہ ہو اشارہ جائز ہے (۴) قبلہ معلوم نہ ہو تحری[۱] ہی جائز ہے۔

جن کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے، یہاں سے ریل میں سوار ہوکر نمازیں چھوڑنے والوں کے عذر کا اور گھر کے کاروبار میں مشغول ہونے والوں کے عذر کا بارد ولچر ہونا معلوم ہوگیا ہوگا بالخصوص بیماری میں نماز چھوڑنا اور بھی محل افسوس ہے !

کیونکہ ہر بیماری پیغامِ موت ہے گو اس سے صحت ہی ہوجاوے، مگر وہ حالت تو اس کی متحمل ہے کہ شاید موت کا سبب ہوجاوے، سو اس حالت میں تو نماز وانابت الی اللہ (رجوع الی اللہ) کا اور زیادہ اہتمام چاہیئے، تاکہ اگر مرے تو خاتمہ بالخیر ہو، اس میں غفلت سخت تعجب انگیز ہے . . . . !

بعضے بیمار اس لئے نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ ان کا کپڑا اور بدن پاک نہیں ہوتا، خواہ بیماری

---

[۱] خوب غور وفکر کر کے قبلہ کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا ۱۲ فیض محمد سراوانی

چند روز ہو یا ممتد مثل سلسل بولٌ وغیرہ کے ہو مگر یہ عجیب ہے! اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں۔
یا تو وہ ان کے پاک کرنے پر بلا ضرر قادر ہیں یا نہیں، اگر یہ قادر ہیں تو عذر کیسا؟
اور اگر قادر نہیں؟ تو وہ معذور ہیں، ان کو اسی حالت میں نماز کا حکم ہے اور وہ نماز ان کی صحیح اور کامل ہے اور پھر ان کو اپنی رائے اور طبیعت سے اس کو نا جائز یا بیکار اور ناقص سمجھنے کا کیا منصب ہے؟

عورتوں کی بے پرواہی

ایک حالتِ خاص عورتوں کو علی الدوام پیش آتی ہے، جس کے احکام نہ جاننے سے یا جان کر بے پرواہی کرنے سے، بڑی بڑی پابند اور دین دار عورتوں کی نماز میں کھنڈت پڑ جاتی ہے۔
اور وہ حالت انقطاعِ حیض کی ہے، حکم تو یہ ہے کہ اگر انقطاعِ حیض کے وقت نماز کا آخر وقت ہو اور اتنا ہی باقی ہو کہ جلدی جلدی بدون سر میں سرسوں یا کھلی ڈال کر دھوئے یا بدن کا میل اتارے تمام بدن پر پانی بہا کر کپڑے پہن کر ایک بار "اللہ اکبر" کہہ سکے تو اس وقت کی نماز اس کے ذمے فرض ہو جاتی ہے اور گو اس وقت تکمیل کی گنجائش نہیں مگر ثمرہ اس فرض ہونے کا قضا میں ظاہر ہوگا، یعنی اس نماز کو دوسرے وقت قضاء کرنا پڑے گا اور جن نمازوں کا پورا وقت انقطاع کے بعد ملا ہے، ان نمازوں کا تو ادا پڑھنا فرض ہوگا۔
اب عموماً عورتوں میں بے پرواہی دیکھی جاتی ہے کہ اول تو اس کا خیال نہیں رکھتیں کہ حیض کس وقت منقطع ہوا ہے، ممکن ہے کہ وہ کسی نماز کے اتنے اخیر وقت میں منقطع ہوا ہو، جس میں غسل ضروری ہے و تکبیر تحریمہ کی گنجائش ہو اور اس لئے وہ نماز ان پر فرض ہو گئی ہو، لہٰذا ان کے ذمہ یہ ضرور ہے کہ ہر نماز کے اخیر وقت میں ضرور پاکی و ناپاکی کو دیکھ لیا کریں، تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ فلاں وقت کی نماز بھی ہمارے ذمہ فرض ہو گئی۔
دوسرے بعد علمِ انقطاع کے بھی پورے پورے کئی کئی وقت غسل میں دیر کر کے ٹال دیتی ہیں اور پھر ــــ غضب یہ ہے ادا نہ کرنے کا گناہ تو اپنے سر لیا ہی تھا، ان اوقات

ٌ ایک بیماری ہے جس میں پیشاب قطرے قطرے ہو کر آتا ہے۔ ۱۲ فیض محمد سرادانی

کی نمازوں کو قضا بھی نہیں پڑھتیں! اور اس طرح سے ہر مہینہ ان کے ذمہ کئی کئی نمازیں چڑھتی چلی جاتی ہیں جن کا مجموعہ عمر بھر میں ایک بڑی مقدار کو پہنچتا ہے، اگر ہر مہینہ تین ہی تین نمازیں جمع ہوتی رہیں تو سال بھر میں چھتیس اور تیس برس میں ایک ہزار سے زیادہ ہوتی ہیں، پھر ان کی نہ حیات میں قضاء ہے، نہ مرتے وقت ان کے فدیہ کی وصیت ہے، آخر انہوں نے قیامت کے لیئے کیا جواب تیار کر رکھا ہے؟ اور پھر اس پر یہ گمان کہ ہم نماز کے پابند ہیں جب قیامت میں یہ غلطی خلاف توقع ظاہر ہوگی، اس وقت کیا حال ہوگا؟

بے پرواہی کا علاج

ان سب کا علاج بھی وہی دو امر ہیں جو اوپر مذکور ہوئے یعنی

(۱) وعیدوں میں غور کرنا، نفس پر جبر کرنا، اور جو غلطی، احکام نہ جاننے سے ہے اس کے لیئے احکام کا سیکھنا پوچھنا۔

چونکہ عورتوں کو غالب احوال میں پوچھنے کا سامان کم میسر ہوتا ہے، اس لیئے مردوں پر واجب ہے کہ اپنے متعلقین کو احکامِ شرعیہ بتلاتے رہیں جو نہ معلوم ہوں علماء سے تحقیق کر کے بتلاویں اور عورتوں پر واجب ہے کہ جو صورت پیش آوے گھر کے مردوں کو فرمائش کریں کہ وہ علماء سے پوچھکر ان کو بتلاویں، اور اگر گھر کے مرد غفلت کریں، دوسرے شخص کے واسطے سے تحقیق کریں، اگر کوئی توجہ نہ کرے تو خود علماء کے گھر جاکر ان کے محارم یا بیبیوں کے ذریعہ سے دریافت کریں، ورنہ گناہ گار ہوں گی۔

اور ضروری احکام پوچھنے کے لیئے جب جانے کی ضرورت ہو اگر شوہر جانے سے منع کرے تو اس کی اطاعت واجب، بلکہ جائز بھی نہیں، اور اگر لکھنا آتا ہو تو جانے کی ضرورت نہیں بذریعہ خط کے دریافت کرتی رہیں، اور یہ سب، جب ہے جب کہ کوئی مرد خاندان کا ان کے کہنے سے علماء سے مسئلہ پوچھ کر ان کو نہ بتلاوے، ورنہ کسی کو خط لکھنا یا کہیں جانا اپنے شوہر کے خلافِ مرضی جائز نہیں۔

بعضی عورتوں کے پابند نہ ہونے کا ایک سبب اور ہے، وہ یہ کہ ایسی طبائع کم ہیں جو

محض خدا کے خوف سے بجاآوری احکام کا اہتمام کرتی ہوں، زیادہ سبب مدامت کا عادت ہے سو چونکہ عورتوں کو ہر ماہ میں بوجہ ایامِ معمولی کے کئی کئی روز تک نماز پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوتا، اس کا اثر بعد پاک ہونے کے بھی یہ رہتا ہے، کہ بعض اوقات نماز میں سستی ہو جاتی ہے، گو اس کا اصلی علاج تو یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کیا جاوے، مگر سبب ظاہری کا علاج کہ وہ بھی ایک درجہ میں کافی ہے، وہ ہے جس کو فقہاء نے ذکر فرمایا ہے۔

کہ عورت کو حالتِ حیض میں بھی مستحسن ہے کہ نمازوں کے اوقات میں وضو کر کے مصلے پر جا بیٹھے اور تھوڑی دیر تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے، اس سے وہ عادت محفوظ رہتی ہے اور جو سستی ترکِ عادت کے سبب ہو سکتی ہے وہ نہیں ہوتی۔

بے نمازیوں کا بہانہ

بعضے بے نمازوں کا عذر، شرعی پیرایہ لئے ہوئے ہے، کہتے ہیں کہ نماز بدون حضورِ قلب کے ہوتی ہی نہیں اور حضور قلب ہم سے ہو نہیں سکتا، اس لئے نماز ہی چھوڑ دی، درحقیقت اس استدلال میں انہوں نے خلط و تلبیس سے کام لیا ہے، کیونکہ جس حضور قلب پر نماز کی صحت یا کمال موقوف ہے وہ اور ہے اور جو ہمارے امکان سے خارج ہے وہ اور ہے، تو دونوں مقدموں میں حدِ اوسط (علمِ منطق کی ایک اصطلاح) مکرر نہیں لہٰذا یہ استدلال غلط ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضور قلب کے مراتب مختلف ہیں۔

ایک مرتبہ وہ ہے جس کو فقہاء نیت[ا] کہتے ہیں اور وہ موقوف علیہ ہے صحتِ صلوٰۃ کا، یعنی بدون اس کے نماز ادا ہی نہیں ہوتی۔

اور دوسرا مرتبہ وہ ہے جس کو خشوع کہتے ہیں جس کی حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مذکور ہوگی اور وہ موقوف علیہ ہے کمالِ صلوۃ کا یعنی اس کے نہ ہونے سے نماز تو صحیح ہو جاتی ہے مگر کامل نہیں ہوتی۔

[ا] نیت دل سے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں زبان سے کہنا ضروری نہیں ۱۲ محمد علی

ایک معقولی استدلال

تیسرا مرتبہ وہ ہے جس کو قطع وساوس سے تعبیر کرنا مناسب ہے، یعنی اصلاً کسی قسم کا خطرہ نہ آوے اور یہ ایک قسم کا استغراق اور حال ہے اس پر نہ صحت، صلوٰۃ کی موقوف ہے۔ اور نہ کمال صلوٰۃ کا، البتہ فی نفسہٖ ایک محمود حالت ہے، گو مقصود نہیں،

اوّل اور دوسرا مرتبہ اختیاری اور مقدور اور شرعاً مامور بہ بھی ہے اور اول مقدمہ میں یہی مراد ہے اور تیسرا مرتبہ غیر اختیاری اور غیر مقدور اور شرعاً غیر مامور بہ ہے اور دوسرے مقدمہ میں یہی مراد ہے،

جب حدِّ اوسط مشترک نہیں تو نتیجہ کیسے نکلے گا؟ اور اگر دونوں مقدموں میں ایک ہی مراد ہو تو پھر ایک مقدمہ باعتبار مادہ کے غلط ہوگا، مثلاً دونوں جگہ مرتبۂ اوّل وثانیہ مقدورہ ہے، جیسا ابھی بیان ہوا اور مقدور کو غیر مقدور کہنا غلط ہوگا، اور اگر دونوں جگہ مرتبہ ثالثہ مراد لیا جاوے تو دوسرا مقدمہ صحیح ہوگا مگر پہلا مقدمہ غلط ہوگا، کیونکہ مرتبۂ ثالثہ شرعاً غیر مامور بہ ہے، جیسا ابھی بیان ہوا اور غیر مامور بہ کو مامور بہ کہنا غلط ہوگا، جیسا مقدمہ اول میں لازم آتا ہے۔

کیونکہ کسی امر کا صلوٰۃ کے لئے صحۃً یا کمالاً موقوف علیہ ہونا، مستلزم ہے اس امر کے مامور بہ ہونے کو، جیسا کہ ظاہر ہے، جب ایک مقدمہ غلط ہوا تب بھی انتاج صحیح نہ ہوا۔

غرض خواہ ہیئت قیاس کی غلط ہو یا مادہ، نتیجہ دونوں حال میں غلط ہوگا، پھر علاوہ فی نفسہٖ غلط ہونے کے ان لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ ان کے اس استدلال سے نصِ قطعی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ البقرہ [۲۸۵ - ۲۸۶] ترجمہ: (اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے) کی تکذیب لازم آتی ہے۔ کیونکہ جو مرتبہ حضور کا ایسا ہے کہ بدون اس کے نماز نہیں ہوتی، خواہ مرتبہ صحت میں یا مرتبۂ کمال میں، لامحالہ شریعت میں اس کے حاصل کرنے کا حکم ہوگا۔ اور جس امر کا حکم ہوتا ہے اس کا داخل وسعت ہونا بنص بالا لازم ہے پھر اس کو وسعت سے خارج کہنا نص کی تکذیب ہے یا نہیں۔۔۔؟

عقل کے پتلوں سے سوال اور جہل کا علاج

پھر ان عقل کے پتلوں سے کوئی پوچھے کہ نماز میں جتنے فرائض موقوف علیہ صلوٰۃ کے ہیں اگر وہ کبھی وسعت سے خارج ہو جاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت سے اس کا کوئی بدل اس کے قائم مقام کر کے اس کی اجازت دیتی ہے مثلاً قیام فرض ہے اگر قدرت نہ رہے، قعود اس کے قائم مقام ہوتا ہے، علیٰ ھذا پس اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حضورِ قلب کا مرتبۂ ضروریہ وسعت سے خارج ہے، تو ضرور ہے کہ شریعت میں کوئی اس کا بدل ہو گا؟ سو اس بدل کے ساتھ نماز پڑھنا ضرور ہوا پھر ترک کی کیسے گنجائش نکلی ......؟

یہ اس وقت ہے جبکہ حضورِ قلب اس کا رکن ہو اور اگر رکن نہ ہو، تو اس صورت میں سوچنا چاہئے کہ نماز بلا حضور پڑھنے میں تو نماز کے ایک تابع متعلق کا فوت ہے اور نماز نہ پڑھنے میں خود اصل متبوع ہی کا فوت ہے۔ تو متبوع کا فوت کر دینا اشد ہے یا تابع کا؟ پھر چونکہ تابع کا وجود بدون متبوع کے نہیں پایا جاتا اور متبوع کو فوت کر دیا ہے، تو لامحالہ تابع بھی فوت ہو گا، تو نماز پڑھنے میں تو صرف حضورِ قلب ہی فوت ہوتا اور نہ پڑھنے میں وہ حضور بھی گیا، اور نماز بھی گئی، تو صرف تابع کا فوت ہونا اھون ہے یا متبوع و تابع ہر دو کا؟

خوب سمجھ لو! چونکہ سبب ان کی غلطی کا جہل ہے، ہماری اس تقریر میں غور کرنا اس جہل کا علاج ہے۔

بعضے لوگوں کے نماز نہ پڑھنے کا یہ مبنی ہے کہ وہ باوجود دعویٰ اسلام کے نماز کو فرض نہیں سمجھتے پھر ان میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ (۱) بعض فلسفیت کے رنگ میں ہیں (۲) بعض تصوّف کے رنگ میں،

اہلِ فلسفہ کا دعویٰ اور اس کا ردّ

قسم اوّل کی تقریر یہ ہے کہ اصل مقصود شارع کو تہذیبِ اخلاق ہے زمانۂ نزول حکم صلوٰۃ میں لوگوں میں صفات ذمیمہ کبر و ظلم وغیرہ کا غلبہ تھا، نماز کی ہیئات و اوضاع و اذکار تواضع و لین

کی تعلیم دیتے ہیں، اس لیئے ان کو نماز کا حکم کیا گیا، ہم چونکہ مہذب ہوچکے ہیں لہٰذا ہم کو نماز کی ضرورت نہیں ..... !!

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ سب اس پر مبنی ہے کہ احکام شرعیہ کو مقصود بالذات نہ کہا جاوے مقصود بالغیر کہا جاوے اور پھر وہ غیر بھی وہ ہی امور ہوں، جو تم دعویٰ کرتے ہو، سو اس میں دو دعوے تمہاری طرف سے ہوئے ہیں جن کا ثابت کرنا تمہارے ذمہ ہے، "جس پر تم قیامت تک بھی قادر نہ ہوگے" بلکہ یہ احکام خود بھی مقصود بالذات معلوم ہوتے ہیں، بس ایسے بے سروپن شبہات سے یہ قطع ویقین زائل نہیں ہو سکتا۔

غرض عقلاً وسمعاً ایسا اعتقاد یقیناً الحاد وزندقہ ہے اور ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں اس کو نماز کے ساتھ تجدید ایمان کا خطاب کرنا ضروری ہے، یہ جواب جب ہے کہ ہم اس کو مان لیں کہ واقعی یہ لوگ اپنی تہذیب نفس سے فارغ ہوچکے ہیں، حالانکہ ہنوز اس میں کلام ہے ترفع وتجبر وتعلّی وتکبر وظلم ونخوت وقساوت وغفلت جس درجہ ان مدعیوں میں بڑھی ہوئی ہے، اس زمانہ میں اس کا عُشرِ عَشیر بھی نہ تھا۔ اگر مشروعیت صلوٰۃ کی ان ہی مصالح کے لیئے ہوتی تب بھی یہ لوگ بہ نسبت اس زمانے والوں کے نماز کے زیادہ محتاج ہوتے۔

اس مرض کا کہ جہل ہے ... نیز علاج ہماری اس تقریر میں غور کرنا۔ اور یہ کافی نہ ہو، تو محققین سے اپنے شبہات کو دفع کرلینا ہے۔

اہلِ تصوّف کی تقریر اور اس کا جواب

قسم ثانی کی یعنی جو تصوف کے رنگ میں ہیں ان کی تقریر یہ ہے کہ اصل مقصود قرب الٰہی ہے اور نماز دیگر طاعات بھی اس کا واسطہ ہے اور واسطہ بھی بالصورت نہیں بلکہ بالحقیقت اور وہ حقیقت ذکر ہے، پس اگر کسی کو ذکر دائم میسّر ہوجائے، اس کو نماز کی حاجت نہیں، یا نماز ہی پڑھ پڑھ کر مقام قرب میسّر ہوجاوے، پھر بھی نماز کی حاجت نہیں اگر پڑھتا بھی رہے تو اس پر فرض نہیں رہی، فرائض اس کے حق میں نوافل ہوگئے۔

اس کے جواب میں بھی وہی تقریر بالا جو نفس سفر کے مقابلہ میں لکھی گئی کافی ہے۔ اور اس پر بھی وہی فتویٰ اور وہی علاج عرض کیا جائے گا۔

اور دونوں کے خطاب میں اس مثال کا پیش کرنا مفید اور معین رفع شبہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بعض ادویہ طبیہ میں باوجود بعض فاعل بالکیفیت ہونے کے بعض فاعل بالخاصیہ ہوتے ہیں، اور اس کی تعیین اطبار ماہرین کے حکم سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ان سب عبادات شرعیہ کو محض اپنی صورت نوعیہ وخاصہ کے اعتبار سے خاص ثمرات، مثل اخلاق مرضیہ حق ونجات وقرب ورضا میں فاعل اور موثر کہا جائے اس کی نفی کی کیا دلیل ہے ....؟

اور اس بات کی دلیل نصوص کا سیاق واطلاق ہے کہ کہیں ان کا فاعل بواسطہ ہونا نہیں بتلایا گیا اور جو کہیں بعض طاعات کی حکمت بتلائی گئی ہے تو غایت مافی الباب اس حکمت کا مرتب علی الاحکام ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ کہ مرتب علیہ الاحکام ہونا اور دعویٰ کا موقوف ہے ثبوت امر ثانی پر، یہ سب صورتیں تھیں ایک کوتاہی کی یعنی نماز نہ پڑھنے کی؛

بعض مشائخ میں تاخیر صلوٰۃ کی عادت اور اس کا علاج

ایک کوتاہی نماز کے متعلق یہ ہے کہ بعضے آدمی حتی الامکان تو نماز فوت نہیں ہونے دیتے مگر وقت کا اہتمام نہیں کرتے اکثر تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں بعض دفعہ قضا بھی ہوجاتی ہے گو کم سہی اور گو پھر فوراً قضا پڑھ بھی لیتے ہیں۔ پھر بعض کو تو کوئی مجبوری ظاہری ہوئی ہے گو وہ مجبوری اس لئے معتبر نہیں کہ اگر اس میں سعی وتوجہ کرتے تو ضرور کوئی صورت انتظام کی نکل آتی مگر بعض تو محض بیکار گپوں میں مشغول رہ کر وقت کو اخیر کر دیتے ہیں اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ بعض ان میں مشائخ ہیں اور محض تذلیل شیطانی یا تسویل نفسانی سے تاخیر صلوٰۃ کے خوگر ہوگئے ہیں، چنانچہ ہر ایک کے متعلق مختصر کلام کیا جاتا ہے۔

جو لوگ ظاہراً کوئی مجبوری بتلاتے ہیں ان میں بعض کو تو کسی درجہ میں بھی مجبوری نہیں جیسے تاجر ومزدور وحاکم اجلاس واہل حرفہ وامثالہم کہ یہ لوگ بالکل آزاد ہیں، تھوڑی دیر کے کام چھوڑ سکتے ہیں، سو ان کے عذر کے متعلق تو کسی جواب کی ضرورت نہیں۔

بعض کو البتہ کسی درجہ میں مجبوری ہے، جیسے نوکر ایسے افسر کا جس کے سامنے اپنی

دلائے سے کچھ نہیں کر سکتا، سواس کے متعلق یہ ہے کہ اول تو اوقاتِ نمازیں اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور دیکھا سُنا اکثر یہی ہے کہ باستثنار شاذونادر کوئی افسر نماز سے منع نہیں کرتا اور اگر کسی طرح اجازت حاصل نہ ہو، نہ خود اس سے، نہ اس کے بالا افسر سے تو اس صورت میں ایسی نوکری ہی جائز نہیں، خدا تعالیٰ دوسرا سامان رزق کا کر دے گا، ایسی نوکری چھوڑ دینی چاہیئے ؟

البتہ جس شخص کے پاس بظاہر سرِدست کوئی سبیل ضروری معاش کی بھی نہ ہو، نہ نوکری ہیں نہ سرمایہ ہو کہ تجارت کرے، نہ مزدوری کی عادت ہو اور بدون عادت چلنا دشوار ہوتا ہے تو ایسی حالت میں نوکری چھوڑنے میں تعجیل نہ کرے اس فکر میں لگا رہے، دوسرے خیرخواہوں سے بھی سعی کراوے اور تا حصول کسی سبیل کے ہمیشہ اس بلائے اختلالِ وقتِ صلوۃ سے" استغفار اور دعائے استخلاص " اور دوسری سبیل کے استحصال کی کرتا رہے۔

اور جن کو برائے نام بھی مجبوری نہیں محض بیکار وقت ضائع کرتے ہیں، ان کو اپنی حالت پر خاص طور پر نظر کرنا چاہیئے اور نفس سے محاسبہ کرنا چاہیئے کہ جب پانچوں وقت نماز پڑھنا پڑے، تو تاخیرِ اوقات سے کون سی آسان و تخفیف نکلی اور مجبوری کچھ نہیں ہے تو نہ کوئی مصلحت تھی کہ تاخیر کے اختیار کرنے کا مرجح ہو، نہ کوئی مجبوری تھی کہ تاخیر بالاضطرار کا سبب ہو، پھر وبال لینے سے کیا حاصل ہوا ؟

اگر نفس یہ کہے کہ تاخیر کرنے سے مشغلۂ تفریح کا وقت زیادہ مل سکتا ہے، تو اس کو جواب دینا کہ اگر دو نمازیں اول وقت میں پڑھی جاویں تب بھی ان کے مابین اتنی ہی گنجائش ہوگی جتنی ان دونوں نمازوں کو اخیر وقت پر پڑھنے سے ملتی ہے۔

مثلاً اگر کسی نے ظہر چار بجے پڑھی اور عصر سات بجے تو درمیان میں تین گھنٹے ملے، سو اگر ظہر دو بجے پڑھتا اور عصر پانچ بجے تب بھی درمیان میں تین گھنٹے ملتے، تو جتنا کام درمیان میں تاخیر کی صورت میں کر سکتا ہے اتنا ہی تعجیل کی صورت میں کر سکتا ہے پھر تاخیر میں بجز مضرت کے کون سی مصلحت ہوئی ... ؟

تفضیلِ شیطانی

اور ایسے مشائخ کو اوّلاً تو تفضیل شیطانی اور کبھی تسویلِ نفسانی اس تاخیر کا سبب ہوتی ہے۔ تذلیلِ شیطانی اس طرح کہ انہوں نے اپنی تجویز سے یا اپنے شیخ کی تعلیم سے کوئی معمول یا ورد ایک خاص مقدار سے مقرر و ملتزم کر لیا اور اس میں وقت کی تعین محض کسی مصلحتِ زائدہ غیر ضروریہ کے سبب سے تھی، مگر بروئے غلو اس عالم ملتزم نے اس کو ایسا ضروری سمجھا کہ اس کی حفاظت کے لئے مہمات دینیہ کی بھی پروا نہ رہی! مثلاً بعض اوراد مابین سنّت و فرض فجر کے پڑھے جاتے ہیں۔

میں نے بعض متشددین و مصرین کو دیکھا ہے، جماعت کھڑی ہو گئی، مگر وہ اپنے ورد میں مشغول ہیں حتیٰ کہ جماعت فوت کر دی! اور بعض اوقات خود وقت بھی تنگ ہو گیا، مگر اس ورد کی ترتیب میں تغیر و تبدیل کو ہرگز جائز نہ رکھیں گے، حالانکہ یہ تغیّر فی نفسہٖ جائز تھا۔ اور جب عدم تغیر سے جماعت فوت ہو کُلاً یا بعضاً یا وقت تنگ ہو جاوے، اس وقت تغیر واجب تھا، مگر ان کو ترکِ واجب کی ذرا پروا نہیں! پھر اپنے اس التزام پر اس قدر شاداں و نازاں ہیں کہ اپنے کو صاحبِ استقامت سمجھتے ہیں کہ کبھی کوئی معمول میں تغیر نہیں ہوتا ...!

میں نے ایک شخص کو یہ فخر کرتے سُنا ہے کہ صاحب میری فرض نماز کو ناغہ ہو جاتی ہے، مگر پیر صاحب نے جو کچھ بتلا دیا ہے وہ کبھی قضا نہیں ہوتا۔ غلو فی الدین اور اتخاذ احبار و رہبان کی یہ افسج افراد میں سے ہے، سبب اس کا جہل ہے علوم شرعیہ سے کہ حدود اعمال کی معلوم نہیں خواہ یہ بے علمی بسیط ہو یا مرکب ہو علےٰ اختلاف الاقوال یہ تو تفضیلِ شیطانی تھی۔

تسویلِ نفسانی

اور تسویلِ نفسانی اس طرح سے ہے کہ افراط فی الشفقۃ علی الخلق کے سبب یہ خیال ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لینے سے بہت لوگ جماعت سے رہ جائیں گے، خوب انتظار کرنا چاہیئے، تاکہ

سب جماعت میں مل جاویں، اور کوئی محروم نہ رہے، اس کا نام "تسویل" اس لئے رکھا گیا کہ صورۃً یہ خیال نہایت محمود ہے اور نفسانی اس لئے کہا گیا کہ منشاء اس کا ایک صفت ہے صفاتِ نفسانیہ سے کہ وہ شفقت ہے اور گو وہ فی نفسہٖ صفتِ محمودہ ہے اور اس لئے جو خیال اس سے ناشی ہے کہ وہ خیر خواہی ہے آنے والے نمازیوں کی کہ کوئی محروم نہ رہ جاوے وہ بھی نیک ہے، مگر ہر محمود اسی وقت تک محمود ہے جب تک وہ کسی امر مذموم کو متضمن نہ ہو اور یہاں یہ شفقت اور یہ خیر خواہی سبب ہو گئی تضییقِ وقت کی حدِ غیر مشروع تک اور یہ مذموم ہے اس لئے وہ منشاء اور ناشی سب مذموم ہو گیا۔

اور ان سب نمازوں میں سب سے زیادہ قابلِ نظر ایسے حضرات کے لئے جمعہ کی نماز ہے، کیونکہ اور نمازوں کا اگر وقت نکل گیا اور علم نہ ہوا تو وہ فردِ قضاء کی تو بن سکتی ہیں گو بعض فقہاء کے نزدیک سہی اور جمعہ کا وقت اگر نکل گیا تو اس کی قضاء ظہر سے ہو سکتی تھی نہ کہ جمعہ سے، پس جب جمعہ پڑھا تو وہ نہ ادا ہوا کیونکہ وقت نہ تھا اور نہ قضاء کیونکہ قضاء میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا، تو بس یہ نماز ان سب کے ذمہ پر واجب رہی اور رہی وہ مصلحت کہ کوئی رہ نہ جاوے اوّل تو جب اس میں اتنا بڑا مفسدہ لازم ہے تو اس مصلحت کا کیا اعتبار؟

پھر وہ مصلحت بھی کچھ تاخیر کے ساتھ خاص نہیں، تجربہ سے یہ امر یقینی ہے کہ اس باب میں جس جگہ جیسی عادت کا التزام کر لیا جاتا ہے تمام لوگ اسی کے تابع ہو جاتے ہیں جہاں سویرے نمازیں ہوتی ہیں سب کو تقاضا رہتا ہے کہ جلدی چلو چنانچہ سب فوراً جمع ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی بھی متخلّف نہیں رہتا اور جو رہنے والے ہیں وہ مشاہدہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس تاخیر میں بھی رہ جاتے ہیں، بلکہ اکثر رہتے ہیں، ان کو بے فکری رہتی ہے کہ میاں ابھی کیا جلدی ہے وہاں تو بہت دیر میں جماعت ہوا کرتی ہے، بس اسی میں رہ جاتے ہیں، تو تاخیر کی وہ بھی غرض حاصل نہ ہوئی اور اگر حاصل بھی ہوتی تب بھی وہ لاحاصل ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔

علماء میں بھی تاخیرِ صلوٰۃ!

بہرحال وقت کا اس قدر مؤخر کرنا نماز کا بالکل تباہ کرنا ہے، چنانچہ احادیث میں اس پر سخت زجر آیا ہے اور ایسی نماز کو منافقوں کی نماز فرمایا ہے اور گاہ گاہ اہل علم میں سے بھی

بعض کو اس میں ابتلا ہوتا ہے جس کا اکثر موقع یہ ہوتا ہے کہ مدرّس کو کوئی کتاب ختم کرانا ہے ۔ یا سبق کسی خاص مقام تک پہنچانا ہے یا ممتحن کو کسی جماعت کو امتحان سے فارغ کرنا ہے ۔ یا مصنف کو کسی مضمون کا پورا کرنا ہے۔

تو ان مقاصد کو رعایتِ وقت پر بسا اوقات ترجیح دی جاتی ہے اس کا وقوع علماء سے بہ نسبت مشائخ کے اور بھی زیادہ عجیب ہے ، کیونکہ یہ اصلِ وضع میں مقتدائے دین ہیں ، جب مقتدا ایسا کرے گا پھر مقتدی کا کیا پوچھنا ہے ؟

(۳) ایک کوتاہی (گو ایسا شاذ ہوتا ہے مگر ہوتا ہے) اس کوتاہی مذکور کے مقابل کوتاہی ہے یعنی نماز میں اس قدر تعجیل کرنا کہ وقت بھی آنا یقینی نہ ہو۔

بعض لوگ فجر کی نماز صبح صادق سے پہلے شروع کرتے ہوئے دیکھے سنے گئے ۔ بعض اہلِ افراط جمعہ کے روز دن بھی نہیں ڈھلنے دیتے اور کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ بعضے مریضوں کو دیکھا گیا کہ مغرب کی تھوڑی ہی دیر بعد آسانی کے لئے عشاء پڑھ لیتے ہیں وقت بھی نہیں آتا اور جس کے مسلک پر مثلین کا قول بھی قوت رکھتا ہو اس کے لئے عصر کی نماز مثلین کے قبل پڑھ لینا احتیاط کے خلاف ضرور ہے۔

بہر حال وقت میں افراط و تفریط کرنا دونوں واجب التحرز ہیں ، اگر اجلاس پر حاضری کا معین وقت پر حکم ہو تو قبل از وقت آکر اظہار وفا یا وقت ختم کر کے آنا دونوں بیکار ہیں ۔ تو شریعت کی تعیین کی وقعت و عظمت کیوں نہ کی جائے ؟

عورتوں میں نماز کا اہتمام نہ ہونا

(۴) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ شرائط وارکان میں ذرا سے عذرِ موہوم سے اسی رخصت پر عمل کرنے لگتے ہیں جو کہ عذر قوی کے متعلق ہے ، مثلاً ذرا حرارت کا شبہ ہوا یا ذرا ہوا میں خنکی ہوئی بجائے وضو و غسل کے تیمم کر لیا ، ذرا طبیعت میں کسل ہوا بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے ، ریل میں ذرا جگہ کی تنگی ہوئی جس کا آسانی سے انتظام ہو سکتا تھا ، بیٹھ کر اور بعض دفعہ بے رخ ، بعض دفعہ اشارہ سے نماز پڑھنا شروع کر دی ، بلکہ ریل میں تو بالکل نماز ہی

اڑادی جاتی ہے، بالخصوص عورتیں تو ریل میں شاذ و نادر ہی نماز پڑھتی ہوں گی، اپنے دل کو سمجھالیتی ہیں کہ یہاں نہ تو پانی کا انتظام ہے نہ جگہ گنجائش کی رہی۔ نہ تختہ پاک ہے، نہ رُخ معلوم ہے، یا رخ کی طرف پڑھنا دشوار ہے نہ پردہ کا پورا انتظام ہے اور ان عذروں سے مستورات کی نماز بیل گاڑی کے سفر میں بھی اکثر برباد ہوتی ہے۔

حجاج کی نمازوں میں کاہلی و سستی

اور ان سے زیادہ ان لوگوں کی حالت قابلِ حسرت ہے جو حج کو جاتے ہیں اور ریل یا جہاز میں بیہودہ وساوس سے یا کاہلی سے نماز نہیں پڑھتے، ایک عبادت ادا کرنے چلے اور پانچ فرض روزانہ برباد کئے، اگر جہاز ہی کی ضائع شدہ نمازیں شمار کی جاویں اور ایک پھیرے میں پندرہ دن کی رفتار فرض کی جاوے تو پانچ نماز روز کے حساب سے پچھتر نمازیں ہوتی ہیں، اسی طرح اگر واپسی کا پھیرا لیا جاوے تو اتنی ہی اس میں ہوکر ڈیڑھ سو ہوئیں، کتنے افسوس کی بات ہے! کہ ایک فرض ادا کیا اور ڈیڑھ سو فرض برباد کئے!!! کیا ایسے شخص کے حج کو کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا فرض سمجھکر کیا گیا ہے؟ اگر یہ تھا تو ڈیڑھ سو فرض بھی تو خدا ہی کے تھے ان کو کس دل سے ضائع کرنا گوارا کیا؟ سچ ہے کہ......... ہم لوگوں کو باعث عبادت کا بھی اکثر امورِ نفسانیہ امتیاز یا دفعِ ملامت وغیرہ ہوتا ہے یا اگر مجرد نہیں ہوتا تو امیزش زیادہ ضرور ہوتی ہے۔

بہرحال اگر ان لچر بناؤں پر نماز ترک کردی تب بھی اور اگر اس میں بلا فتویٰ شرعی رخصت پر عمل کرلیا کہ وہ بھی ترک ہی کے حکم میں ہے تب بھی نہایت بد دلی کی دلیل ہے، ایسی نماز پر تو خاصہ شبہ ہوتا ہے کہ محض دکھلاوے کے لئے نام کرنے کو پڑھتے ہیں، ایسے نمازیوں کی شان میں فرمایا گیا ہے واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراؤن الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا ہ النساء [۱۴۱ - ۱۴۲] اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کو دکھانے اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا۔

بڑی وجہ اس کی دو امر ہیں:۔

(۱) مسائل کی ناواقفی

(۲) نماز کی عظمت دل میں نہ ہونا،

اول کا علاج "علم وواقفیت ہے" جس کا طریق سہل یہ ہے کہ نماز کے متعلق جو صورتیں پیش آجادیں یا جو جو احتمال ذہن میں آتے ہیں ان سب کو حافظہ میں یا کتابت میں مقید ومحفوظ کر کے زبانی یا بذریعہ خط علماء ماہرین سے پوچھتے رہیں۔

دوسرے کا علاج یہ ہے کہ دل میں وعیدیں مخالفتِ احکام کی سوچیں تاکہ ان احکام کی عظمت پیدا ہو، جب عظمت پیدا ہوگی تو ضرور اس کی کوشش وارادہ کرے گا، جب کوشش وارادہ کرے گا خود ان عذروں کا لغو ہونا سمجھ میں آجاوے گا، کیا کسی تقریب میں جانے کے وقت یا کسی معزز مہمان کے آنے کے وقت جبکہ بدن اور کپڑے میلے ہوں یہی شخص جو ادنیٰ بہانہ سے تیمم کرتا ہے، غسل کر کے کپڑے بدلتا ہوا نہیں دیکھا جاتا... ؟ کیا ایسے ہی موقع پر اگر دیر تک کھڑا ہونا پڑے، بلکہ چلنے کی ضرورت ہو تو کیا اس کو آسان نہیں ہو جاتا ؟ مگر نماز میں کھڑا نہیں ہوا جاتا ! کیا ریل میں اپنی آسائش کی ضرورت سے یا اپنے کسی مریض رشتہ دار کے آرام دینے کے لئے مسافروں سے جگہ دینے کی اس نے کبھی درخواست نہیں کی ؟ تو نماز کے لئے مہر سکوت منہ پر کیوں لگائی جاتی ہے۔

نماز کا اثر اور برکت

بلکہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ نماز میں وہ اثر اور برکت ہے کہ جب نماز کے لئے جگہ دینے کی درخواست کی جاتی ہے، تو شواذ تو ہر جگہ مستثنیٰ ہوتے ہیں اور شمار میں نہیں آیا کرتے، باقی کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے ذرا بھی عذر کیا ہو، مخالف مذہب والے تک رعایت کرتے ہیں، مگر خود ہی کوئی کچا اور کم ہمت ہو تو کیا علاج ؟ ورنہ ریل میں اچھے خاصے کھڑے ہو کر رکوع وسجدہ کے ساتھ اور رخ کی طرف نماز ہوتی ہے اور اگر کبھی موقع پر واقعی عذر ہو تو وہاں شریعت نے تنگ نہیں کیا۔ رخص پر عمل جائز ہے۔

اور بعضے عذر بالخصوص مستورات کے جو عذر مذکور ہوئے مسائل جاننے سے رفع ہو جائینگے

ان ہی میں سے ایک عذر پردہ کا ہے کہ بہلی سے اتر کر نماز پڑھنے میں بے پردگی ہے تو اس کے متعلق حکم شرعی سمجھ لینا چاہئیے کہ ایسے وقت میں صرف برقعہ کا پردہ کافی ہے بہلی کے احاطہ میں رہنا ضروری نہیں اور حجاج کا نماز ترک کرنا اگر احکام کی عظمت نہ ہونے سے ہے تو اس کا علاج ابھی مذکور ہوا کہ وعیدیں مخالفت احکام کی سوچے اور اگر جہاز میں پاکی کا اہتمام نہ ہونا اس کا سبب ہے تو اس کے متعلق اول کی کوتاہی کے ضمن میں جہاں بیماروں کا نماز چھوڑ دینا بخیال نجاست بدون پارچہ کے مذکور ہے بیان کیا گیا ہے۔

اور اگر یہ حج نفل ہے اور کسی سبب سے اہتمام نماز کا نہ ہو سکے تو اس شخص کو اس حج کے لئے سفر کرنا ہی جائز نہیں وہ اپنے گھر رہ کر کام میں لگے وعلیٰ مثلہٖ تحمل ما قال العارف مسعود بک رحمۃ اللہ علیہ ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　　معشوق دریں جاست بیائید بیائید

تعدیل ارکان نہ کرنا

(۵) ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ تعدیل ارکان و اتیان سنن کا اہتمام نہیں کرتے نہ قومہ ہے نہ جلسہ ہے رکوع بھی ہیئت مسنونہ پر نہیں قیام کبھی قدر قراءۃ مسنونہ سے کم ہے قراءت میں بھی غلط صحیح کی خبر نہیں، نماز کیا پڑھتے ہیں بیگار ٹالتے ہیں، ایک حدیث میں ایسے شخص کو نماز کی چوری کرنے والا فرمایا ہے اور ایک حدیث میں ایک ایسے شخص کو نماز کے اعادہ کا حکم اس ارشاد کے بعد دیا کہ جا پھر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی یعنی یہ نماز تیری نہیں ہوئی۔

یہ مسئلہ فقہیہ تو الگ رہا کہ اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ لیکن اگر ہوئی بھی تو وہ بھی ایسی ہی ہوئی جیسے ایک کنیزک لنگڑی، لنجھی، اندھی، بہری، گونگی، اپاہج، بیمار ہو اور وہ ایک درجہ میں آدمی تو ہے مگر قابل اس کے نہیں کہ کسی صاحب کمال، صاحب جلال بادشاہ کی نظر میں پیش کی جا سکے اور وہ اس کو قبول کرے، اسی طرح یہ نماز ایک درجہ میں نماز کہلائی جاوے گی مگر جب اس کے ارکان جو بمنزلہ اعضاء کے ہیں ناقص ہیں تو وہ قابل اس کے نہیں کہ حق تعالیٰ کے حضور میں قبول ہو سکے، یا اعضاء درست ہوں مگر ہیئت مسنونہ پر نہ

ہونے سے ایسی ہوگی جیسے تندرست کنیزک خال وخط، نازو ادا سے خالی ہو، جو بادشاہ کو مطبوعِ خاطر ہے پس درجۂ کمال میں مقبول نہ ہوگی یعنی محبوب نہ ہوگی گو لے لی جاوے اس لئے اس کی تعدیل اور تکمیل ضروری ہے۔

رکوع وسجود وغیرہ کی درستی کے لئے تو خالی ارادہ کافی ہے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں، البتہ قیام بقدرِ مسنون کے لئے کچھ سورتیں خاص سیکھنا ضروری ہوں گی جس کے لئے عم کا سیپارہ حفظ ہونا کافی ہے کہ اس میں سورۂ بروج تک طِوالِ مفصّل ہے اور لم یکن تک اوساط اور اس سے سورۂ ناس تک قصار کہ ان کے یاد کرنے سے مختلف نمازوں میں سنت ادا ہوسکتی ہے اور تصحیح قرآن کے لئے کچھ توجہ کرنا پڑے گی، جس کے متعلق اس سے قبل عنوان "اصلاح معاملہ بہ قرآن مجید" کے ذیل میں عرض کرچکا ہوں اس کا ملاحظہ فرمانا اس باب میں کافی ہوگا۔

اور جس طرح اپنا قرآن صحیح کرنا ضروری ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے گھر والوں کی نماز اور قرآن جس قدر نماز میں پڑھا جاتا ہے اہتمام کرکے درست کراویں، اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کام میں چند روز صرف کریں تو بہت آسانی سے اس میں کامیابی ہوسکتی ہے غرض اس طرح سے نماز کی تکمیل و تعدیل میسر ہوجاوے گی۔

بعض بارہ مہینے اچھی خاصی نماز پڑھتے تراویح میں تعجیل کی مشق کرنے لگتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

نمازی امراء کی کوتاہیاں

(۶) ایک کوتاہی کہ وہ نمازی امراء میں بالخصوص کثرت سے ہے، جماعت کا ترک کرنا ہے، نصوص سے اس کا حد درجہ اہتمام ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے ترک پر جو وعیدیں آئی ہیں ان پر نظر کرکے بہت علماء نے اس کو واجب کہا ہے اور بعض محققین فقہاء حنفیہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور واجب عمل میں اور ترک کے گناہ اور سزا میں برابر فرض کے ہے، پس ایک فرض کو ادا کرنا اور اس کے مساوی کو ادا نہ کرنا یہ کس درجہ کی غلطی ہے؟ اور تتبع سے

جہاں تک دیکھا گیا سبب ترکِ جماعت کا اکثر دو امر ہیں۔

(۱) سستی کہ اتنی دور کون جاوے دھوپ میں کون جائے؟

(۲) تکبر کہ ذلیل لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا یا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پڑے گی۔

اور کبھی اس کا سبب مسجد میں ان لوگوں کی شان وعادت کے موافق سامانِ آسائش کا مفقود ہونا ہوتا ہے، چنانچہ میں نے ایک صاحب کو یہ عذر کرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں وضو کا موقع ایسا ہے کہ وہاں بیٹھیں تو کپڑوں کو کائی لگ جاتی ہے، چٹائیاں سڑی ہوئی جن میں گردوغبار بھرا ہوا بچھی ہیں، جن سے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں، ہوا کا گذر نہیں دل پریشان ہوتا ہے۔

سستی کے متعلق تو اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ اگر اسی وقت میں کوئی دنیا کا کام جس میں مال وجاہ کا نفع ہو نکل آوے یہی حضرات اس کی طرف اس طرح دوڑیں کہ ذرا بھی کسل نہ ہو نہ گرانی ہو، افسوس! کیا آخرت کی ضرورت اس درجہ پر بھی نہ رہی!

میں نے ایک صاحب کو دیکھا ہے کہ ان کے دروازہ پر مسجد تھی مگر وہاں کبھی تشریف نہ لاتے تھے، ایک بار ان کے یہاں لڑکے کی تقریب بسم اللہ کی تھی اور ان کے ایک غریب بھائی کسی بات پر اینٹھ گئے تھے، عین جیٹھ بیساکھ کی دوپہر میں ایک بچہ کی چھتری کو وہ پورا سایہ بھی نہ کر سکتی تھی لگا کر ان کے پاس ایک دور محلہ میں گئے اور ان کو منا کر لائے۔ یاد اگر دنیا کی مصلحت کے وقت وہ سستی کہاں چلی جاتی ہے؟؟ علاج اس کا وہی وعیدوں کا یاد کرنا ہے۔

اور تکبر کے باب میں یہ معروض ہے کہ اول تو آپ کی شان ہی کیا ہے؟ شاید وہ مساکین خدا تعالیٰ کے نزدیک تم سے زائد محبوب ومقبول وذی جاہ ہوں، اس کے سامنے دنیوی عزت گرد ہے، بلکہ عجب نہیں کہ قیامت میں تم کو ان ہی مساکین کی التجا کرنی پڑی اور ان کی استدعا سے تمہاری رہائی ہو تو باوجود قیامِ احتمال کے تم کو ان کے حقیر سمجھنے کا کیا حق حاصل ہے....؟

دوسرے اگر تمہاری شان ان مساکین سے زیادہ بھی مان لی جاوے تو تم مساجد میں ان مساکین کی تعظیم کے لئے تو نہیں بھیجے جاتے کہ خلاف شان ہو بلکہ تم اور وہ سب ایک ایسے عظیم الشان کی تعظیم

کے لئے جمع ہوئے ہو جس کی تعظیم سے تمہاری شان بڑھتی ہے، کیا کسی بادشاہ کے دربار عام کے موقع پر کوئی شخص محض اس بنا پر حاضر ہو کر سلام کرنے سے اعراض یا اغماض کرنے کی ہمت کر سکتا ہے کہ وہاں تو غربا بھی جا کر سلام کرتے ہیں؟ اور اس سلام کے لئے جانا اہانت ہے، کیا سچ مچ ایسے دربار کے موقع پر سلام کرنا اہانت ہے؟ ہرگز نہیں، ______ ہرگز نہیں، کیا کوئی ایسا سمجھ کر نہ جاوے تو وہ سرکش اور گستاخ نہ سمجھا جاوے گا؟ ضرور، ضرور، تو تعجب ہے کہ دربار شاہی کے ساتھ تو یہ برتاؤ اور دربار الٰہی کے ساتھ یہ برتاؤ .... !! صَدَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَاقَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ الحج [۷۳-۷۴] (اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اس کی قدر ہے بیشک اللہ زور آور زبردست ہے)

اور اگر کسی مسکین کے امام ہونے سے عار آتی ہے تو اول تو وہ عار کی بات نہیں، کیا حُکام کے درباروں میں حاضر ہونے کے وقت اردلی خاص کہ رتبہ اور ریاست میں تمہاری برابر نہیں، پیشی کرنے کے وقت تمہارا پیش رو نہیں ہوتا؟ پھر اس وقت عار کیوں نہیں آتی؟ یہ ساری عار خدا ہی کے معاملہ میں کیوں ہے؟ اصل یہ ہے کہ وہاں تو خوشنودی مقصود ہے وہ جس طریق سے بھی حاصل ہو اور یہاں یہی مقصود نہیں ورنہ کسی طریق سے بھی عار نہیں آتی، وللّٰہ درالعارف الرومی[1] رحمۃ اللہ علیہ حیث یقول ؎

شاد باد اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما — اے تو افلاطون و جالینوس ما

دوسرے اگر پھر بھی عار ہے تو آپ لیاقت علمی و عملی ان مساکین سے زیادہ حاصل کیجئے پھر آپ کے ہوتے ہوئے وہ غریب خود ہی امام نہ بنے گا، آپ امام بنئے! اس مسکین کو عار نہ آوے گی، وہ اقتدار کرے گا اور جماعت ہو جاوے گی، افسوس خود تو الحمد اور قل ھو اللہ بھی صحیح

---

[1] حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بلخ میں ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ ۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء میں پیدا ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ نے مثنوی شریف کی تصنیف ۶۲۲ھ / ۱۲۲۵ء میں شروع کی اس کے سات دفتر ہیں جس میں ۴۵ ہزار سے زائد اشعار ہیں۔ سب سے زیادہ مثنوی شریف کی شروحات لکھی گئی ہیں۔ آپ نے ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ / ۱۲ ستمبر ۱۲۷۳ء کو وفات پائی ۱۲ فیض محمد سراوانی

نہ جانتے ہوں! اس تک کی خبر نہ ہو کہ سجدہ سہو کن صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے اس لئے تو خود امامت کے قابل نہ ہوں اور جو دوسرا اس قابل ہو اس سے عار کریں یہ عار نہیں ــــ نار ہے ــ

زینہار از چنیں تکبر و عار　　　　وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

رہ گیا عذر مسجد میں سامانِ آسائش نہ ہونیکا، تو اس عذر کو تو زبان پر لاتے ہوئے بھی ان حضرات کو شرمانا چاہیئے، کیونکہ اس عذر کے معنی تو غور کرنے سے یہ نکلتے ہیں کہ مسجد غربار کا گھر ہے، وہ اگر ہم کو بلاتے ہیں تو ہماری شان کے لائق اس کو سامان سے درست کرنا چاہیئے ورنہ ہم نہیں جاتے۔

کیوں صاحب؟ کیا وہ سچ مچ غربار کا گھر ہے، اگر ان کا گھر نہیں تو پھر اس عذر کے کیا معنی؟ اگر یہ معنی ہیں کہ خدا کا گھر ہے، خدا کو ایسا کرنا چاہیئے، تو کیا اس کہنے کی جرأت کر سکتے ہو؟ اگر نہیں کر سکتے تو اس کے جواب کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر کر سکتے ہو تو جواب سنو! خدا تعالیٰ نے آپ کو اور غربار کو سب کو غلام بنایا ہے، اور منجملہ دوسری خدمتوں کے یہ خدمت بھی سپرد کی ہے کہ اس دربار میں آسائش و ضروریات کا سامان جمع کرو اور اس کے انتظام کے لئے سب کو رقم بھی دی ہے کیونکہ سب اموال ملوک خدائے تعالیٰ کی ہیں پس غربار سے زیادہ تمہارے ذمہ واجب ہے کہ اس دربار یعنی مسجد کا انتظام کرو اور جس سامان نہ ہونے سے آپ وہاں نہیں جاتے اس کو خود درست کرو اور وہاں جاؤ تو یہ عذر کرنا حقیقت میں اپنی کوتاہی کا اظہار و اقرار ہے کہ ہم نے خدمتِ دربار کے متعلق جو احکام تھے ان کی بجاآوری نہیں کی تو یہ غربار کے الزام کی بات ہوئی یا تمہاری شرم کی بات ہوئی؟ یہ تو دنیا دار امرار کے متعلق مضمون تھا،

بعض لوگ دیندا روں میں شمار ہوتے ہیں اور امام میں شرعی عیب نکال کر جماعت ترک کرتے ہیں، کبھی تو اصلی سبب اس کا کوئی دنیوی رنج ہوتا ہے بہانہ کے لئے کوئی عیب ڈھونڈ کر اس کی آڑ لیتے ہیں کہ وہ تو فلاں معصیت میں مبتلا ہے، فلاں بدعت میں مبتلا ہے، بعض متکبروں کو اصل مانع تکبر و غربار کی تحقیر ہوتی ہے، مگر چونکہ دین دار کہلاتے ہیں اس لئے شرعی عنوان نکال کر اپنی غرض حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً مفتی سے پوچھتے ہیں کہ جناب جس کی بیوی بے

پردہ پھرتی ہو وہ دیوث ہے یا نہیں؟ اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ وعلیٰ ھذا۔

اور کبھی اصلی سبب تدین بھی ہوتا ہے، مگر احکام کے نہ جاننے سے یا اہتمام نہ کرنے سے غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دل سے بدعت سے نفور ہیں اس لئے امام سے بغض للدین ہے اور کوئی رنج دینوی نہیں ہے، مگر اس مسئلہ کی ان کو خبر نہیں کہ انفراد سے ہر حالت میں جماعت کی نماز افضل ہے، اگرچہ امام مبتدع ہو بشرطیکہ بدعت اس کی حد کفر تک نہ پہنچ گئی ہو، اگر اصلی سبب دنیوی رنج ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ دین کو اپنی اغراض دنیویہ کا ذریعہ بنانا سخت نازیبا و ناپسندیدہ اور بے ادبی و گستاخی ہے جس کا قبیح ہونا محتاج بیان نہیں۔ اگر خلق سے اپنا عیب چھپالیا تو حق تعالیٰ پر تو ظاہر ہے اس کو کیا جواب دو گے؟

اگر اصلی سبب تکبر ہے تب بھی یہی جواب ہے اور اس سے کچھ اوپر بھی مفصل بیان تکبر کا ہو چکا ہے اور یہ بے پردگی کا بہانہ جو تراشا گیا ہے، سو اس کا کلی جواب تو یہی ہے نفسانی غرض کو دین کی آڑ کیوں بناتے ہو اور جزئی جواب یہ ہے کہ خود معترض بھی اس اعتراض سے کم محفوظ ہوں گے، کیونکہ پورا پردہ شریعت کے موافق بڑے لوگوں میں بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر ان کے متعلقات دور و نزدیک کے اعزہ کے روبرو بے حجاب آتے ہیں، اتنا فرق ہے کہ بعض غریبوں کی عورتیں خود گھر سے نکل کر نامحرموں کا سامنا کرتی ہیں اور امیروں کی عورتیں گھروں کے اندر بیٹھکر نامحرموں کا سامنا کرتی ہیں، تو دونوں برابر ہوئیں، بلکہ غریبوں کی بیویوں میں اتنی ترجیح ہے کہ وہ میلی کچیلی ہو کر نامحرموں کے سامنے آتی ہیں اور امراء کی عورتیں زیب و زینت کے ساتھ آتی ہیں، تو اب خود دیکھ لیجئے کہ یہ اقبح ہے یا وہ اقبح ہے، تو اس حیثیت سے بھی اکثر غرباء اولیٰ بالامامت ہوئے اکثر امراء سے۔

اور اگر تدین ہی سبب ہے تو اس میں جو غلطی ہے وہ مسئلہ کے جاننے سے جاتی رہیگی، جیسا اوپر بیان کیا گیا کہ انفراد سے جماعت افضل ہے، رہی کراہت تو اول تو کراہت اقتداء اس کیلئے ہے جو اس امام کے معزول کرنے پر قادر ہو، پھر یہ کہ کراہت اخف ہے ترک جماعت کی کراہت یا حرمت سے البتہ اگر ایسے مقام پر شریک جماعت ہونے سے احتمال فتنہ کا ہو تو یکسوئی بہتر ہے۔

ان تارکانِ جماعت میں بعض مشائخ دیکھے جاتے ہیں، ان کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ جماعت میں اختلاطِ خلق ہوتا ہے اور اختلاط خلق ذاکر و سالک کو مضر ہے،

اور بعض نے تنہا بیان کیا کہ یہ پڑھنے میں وساوس و خطرات کم آتے ہیں، اور جو نماز حضور قلب کے ساتھ ہو وہ افضل ہوتی ہے عدمِ حضور والی نماز سے اور جماعت میں یہ حضور میسر نہیں ہوتا، اس دھوکہ کا منشاء یہ ہے کہ یہ حضرات مواجید و کیفیاتِ ذوقیہ کو مقصود بالذات سمجھ بیٹھے اور وہ بعض اوقات خلوت میں زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت جلوت کے، لیکن واقع میں مقصود بالذات رضائے حق ہے جس کا ذریعہ بجا آوریٔ احکام ہے کہ منجملہ ان کے جماعت کی نماز ہے۔ اگرچہ اس میں ذوقیات و وجدانیات کی قلت ہو، پھر تجربہ ہوا ہے کہ بعض افعال شرعیہ گو سردست کسی کیفیتِ خاص کی قلت کا سبب معلوم ہوتے ہیں مگر ان کی مداومت سے دوسری کوئی کیفیت بتدریج ایسی حاصل ہوتی ہے کہ اس کیفیت فائتہ سے اعلیٰ و اقویٰ و ابقیٰ ہو اس وقت اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

خشوع کا فقدان

(۷) ایک کوتاہی جس کو عوام تو عوام بعضے خواص بھی کوتاہی شمار نہیں کرتے اور اس حیثیت سے وہ خاص طور پر اہتمام کے قابل ہے نماز میں خشوع و حضور قلب کا نہ ہونا ہے، جس کے مطلوب ہونے کے لئے آیۃ قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون ۞ المؤمنون [۱ـ۲] یعنی کام نکال لے گئے ایمان والے، جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں۔
اور اس میں تقصیر کرنے کی مذمت کے لئے آیت الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم الخ الحدید [۱۵ - ۱۶] (کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل)
کافی ہے اور سبب اس کا بالاستقرار دو امر ہیں:
(۱) بعض کو تو اہتمام ہی نہیں ان کے لئے تو یہ بے اعتنائی،
(۲) بعض کو اہتمام ہے مگر اس کی حقیقت نہ جاننے سے اس کو اختیار اور قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اس لئے اس کی تحصیل کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔

پہلے سبب کا علاج تو آیاتِ بالا کے مضمون میں غور کرنا ہے،

اور دوسرے سبب کا علاج اس کی حقیقت سمجھنا ہے جس کو مختصراً بیان کرتا ہوں جس کا وعدہ اس کوتاہی کے ضمن میں کیا گیا ہے کہ بعضے ترکِ نماز کا یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم سے حضور قلب نہیں ہوسکتا اور نماز بدون اس کے ہوتی نہیں۔

خشوع کی حقیقت

سو حقیقت لغویہ خشوع کی، سکون ہے اور حقیقتِ شرعیہ اس کی، سکونِ ارادی ہے قلب اور جوارح کا۔ اور سکون مقابل ہوتا ہے حرکت کے، سو جیسی حرکت ویسا سکون تو جوارح کی حرکت اینیہ یعنی مکانیہ ہوتی ہے ان کا سکون یہی ہے کہ جس حرکت کا شرعاً امر نہیں وہ حرکت نکرے یعنی ارادہ سے ہاتھ پاؤں عبث نہ ہلاوے ادھر ادھر گردن یا نظر سے التفات نہ کرے، سر اوپر کو نہ اٹھاوے، بالوں کو، کپڑوں کو بار بار نہ سنوارے، بدون ضرورت نہ کھجلاوے، نہ کھنکارے ونحو ذالک

اور قلب کی حرکتِ فکریہ ہے اس کا سکون عدم الفکر ہے یعنی اپنے ارادہ سے کسی بات کو نہ سوچے، سو جیسی حرکت جوارح کی اگر بلا قصد ہو مثلاً رعشہ سے کسی کی گردن ہلتی ہو تو وہ منافی خشوع کے نہیں کیونکہ اختیار سے خارج ہے اور اضطراریات امر و نہی کے تحت میں نہیں ہیں، اسی طرح اگر حرکت قلب کی بلا مقصد ہو یعنی کوئی خیال خود بخود آجاوے تو وہ بھی اسی دلیل سے منافی خشوع کے نہیں پس غلطی لوگوں کی یہ ہے کہ خشوع کے معنی یہ ہیں کہ بالکل خیال نہ آوے اور اسی بنا پر اس کو محالِ عادی سمجھتے ہیں مگر اس بنا کا فاسد ہونا ہماری تقریر سے معلوم ہو چکا ہے، جس سے محرر ہو گیا کہ خشوع اختیاری فعل ہے اور ہر شخص اس پر قادر ہے اور بہت آسان ہے البتہ ارادہ و توجہ کی ضرورت ہے۔

حصول خشوع کا طریقہ

پس جیسے سب افعالِ ارادیہ کی شان ہے کہ ارادہ کرو تو آسان ارادہ نہ کرو تو مشکل حتیٰ کہ اگر منہ میں لقمہ لے کر بیٹھ جاوے اور نگلنے کا ارادہ نہ کرے تو وہ بھی آسان

نہیں پس اگر لقمہ نگلنا آسان ہے تو خشوع بھی اتنا ہی آسان ہے اور اگر خشوع محال ہے تو لقمہ نگلنا بھی اتنا ہی محال ہے، دونوں کے یُسر اور عُسر میں کچھ فرق نہیں اور سہل طریقہ اس کا یہ ہے۔

کہ نماز میں جو کچھ بھی منہ سے نکلے محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کرکے اس کو منہ سے نکالے کہ اب سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہوں گا اب وَبِحَمْدِكَ کہہ رہا ہوں اب وَتَبَارَكَ اسْمُكَ منہ سے نکل رہا ہے وعلیٰ ھذا،

پس جب ہر لفظ پر خاص توجہ رہے گی لامحالہ حسبِ قاعدہ عقلیہ کہ النفس لاتتوجہ الیٰ شیئین فی آنٍ واحدٍ دوسرے خیالات بند ہو جاویں گے۔ ترجمہ: نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

اس مراقبہ کو اوّل سے آخر تک بالالتزام کرے انشاء اللہ تعالیٰ اول تو بلا قصد بھی کوئی خیال نہ آوے گا اور اگر فرضاً آجاوے تو پھر اس سوچ میں نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے، یہ سوچ بھی خیال غیر ہے، بلکہ اسی عمل تجدید تعلقِ ارادہ و توجہ کو بطریقِ مذکور آئندہ کے لئے پھر تازہ کر دی پھر وہ خطرات دفع ہو جاویں گے۔ وھذا من افادات استاذی استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب علیہ رحمۃ اللہ علام الغیوب [۱]

اور اس احقر کا ایک وعظ خشوع کے ہر پہلو پر مفصّل بحث میں شائع ہو چکا ہے جس کا نام "مواعظ اشرفیہ" ہے اس کے ملاحظہ سے انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں کسی قسم کا خفاء باقی نہ رہے گا۔

متفرق کوتاہیاں

ایک کوتاہی کہ ذی شعب مختلفہ ہے اور اسی پر اپنی تحریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں یہ ہے

[۱] حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نانوتوی ولد مولانا مملوک علی صاحبؒ ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ / جون ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام منظور احمد ہے۔ حدیث شریف آپ شاہ عبدالغنی رح سے ۔۔۔ھ سے پڑھی (حاشیہ دیکھیں صفحہ ۱۱۶)

کہ نماز اتنی بڑی ضروری چیز اور پھر روزانہ پانچ بار ـــــ واقع ہونے والی اور اس کے شرائط وارکان کے ہر جزو اور ہر موقع پر بے شمار صورتیں پیش آتی ہیں، جن کے احکام بہت لوگوں کو معلوم نہیں، مگر باوجود اس کے بہت کم دیکھا جاتا ہے کہ ان احکام ومسائل کو لوگ دریافت کرتے ہوں!

(۱) بہت لوگ ناواقفی سے بلا اضطرار اس طرح جمائی لیتے ہیں یا بلا عذر کھنکارتے ہیں کہ حروف ظاہر ہو کر نماز جاتی رہتی ہے،

(۲) بہت لوگ ایسے لباس غیر مشروع سے نماز پڑھتے ہیں کہ نماز ان کی قبول نہیں ہوتی بالخصوص بعض اقسام ریشم ومخمل کے استعمال میں تو خواص تک بے احتیاطی کرتے ہیں۔

(۳) بعض لوگ ہجوم میں امام سے پہلے نیت باندھ لیتے ہیں کہ وہ نماز ہی نہیں ہوتی۔

(۴) بعض لوگ امام کے ساتھ رکوع میں اس طرح شامل ہوتے ہیں کہ اللہ اکبر کہتے ہی رکوع میں پہنچ جاتے ہیں اور اول قیام نہیں کرتے ان کی نماز بھی نہیں ہوتی۔

(۵) بعضے لوگ قعدۂ اخیرہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں مگر ان کی تکبیرِ تحریمہ ختم کرنے سے پہلے امام سلام پھیر دیتا ہے تو وہ اقتداء صحیح نہیں ہوتی اور نیت اقتداء موضع انفراد میں مفسدۂ صلوٰۃ ہے ان کی نماز بھی نہیں ہوتی از سر نو نماز شروع کرنا چاہیے۔

(۶) اسی طرح بعض اوقات امام سہواً بعد قعدۂ اخیرہ کے کھڑا ہو جاتا ہے تو مسبوق بھی اقتداء کی حیثیت سے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے حالانکہ اس وقت مسبوق کو اقتداء جائز نہیں تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے

(۷) علیٰ ھذا اگر امام مسافر بعد دو رکعت کے سہواً کھڑا ہو جاوے مقتدی مقیم کو اس کے ساتھ مقتدی رہنا بھی مفسد صلوٰۃ فرض ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۰) معقولات، منقولات غرض کہ تمام فنون میں کامل تھے شاعری میں کسی کی شاگردی نہ کی۔ مگر کبھی جب طبیعت حاضر ہوتی تو اردو فارسی عربی میں بہترین شعر کہتے تھے شاعری میں غلو نہ تھا۔ بلا تکلف اگر کہہ لیا کہہ لیا ورنہ نہیں۔ گمنام تخلص فرماتے تھے۔ یکم ربیع الاول ۱۳۰۳ھ مطابق دسمبر ۱۸۸۴ء میں ہیضہ کی وبا میں وفات پائی! ۲ محمد میں،

اس مقام پر مسائل کا استیعاب مقصود نہیں اور نہ ممکن ہے، محض بعض مثالیں پیش کرنا ہے کہ ایسی صورتیں کس کثرت سے واقع ہوتی ہیں جنھیں نماز نہیں ہوتی اور لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اسی طرح شرائط میں بھی بے پروائیاں کیجاتی ہیں :۔

(۸) بعضے آدمیوں کو دیکھا گیا ہے کہ کپڑے پر تکیہ پر اگرچہ غبار نہ ہو تیمم کر لیتے ہیں۔

(۹) بعض کو دیکھا ہے کہ اگر وضوء وغسل میں کہیں پاؤں وغیرہ خشک رہ جاتا ہے ویسے ہی تر ہاتھ پھیر لیتے ہیں جو کہ مسح ہے، پانی ڈال کر نہیں دھوتے۔

(۱۰) بعض آدمی باوجود اندیشۂ قطرہ کے فوراً صرف پانی سے استنجا کر لیتے ہیں اور پھر قطرہ آجاتا ہے، اگر خبر بھی ہوگئی اور وضوء بھی دہرالیا مگر پاجامہ پاک نہیں کرتے اور اس طرح کئی بار میں مقدار عفو سے بڑھ جاتا ہے اور اسی کپڑے سے نماز پڑھتے رہتے ہیں اور اگر علم نہ ہوا تو بے وضو ہی نماز پڑھی جاوے گی اور اگر شبہ ہو کہ بے خبری میں معذور ہے؟ جواب یہ ہے کہ معذور اس وقت ہے کہ جب نقضِ وضو کا احتمال غالب نہ ہو ورنہ اس احتمال کا انسداد واجب ہوگا اور جب قوی کا ضعف مشاہدہ ہو تو قطرہ کا قطع کرنا ضروری ہوگا اور تجربہ سے اس باب میں کلوخ سے بہتر کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی۔

نااہل کو امام بنالینا

اسی طرح بہت جگہ امام ایسے ہیں کہ نماز لوگوں کی فاسد یا مکروہ ہوتی ہے، پھر بعض جگہ تو مقتدی ہی اس خرابی کا سبب ہوتے ہیں، یعنی امام تقرر کرنے کے وقت اس کی صلاحیت واہلیت کو نہیں دیکھتے بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ محلہ بھر میں جو شخص سب سے نکما ہوتا ہے اس کو ارزاں سمجھ کر امامت کے لئے تجویز کیا جاتا ہے، چاہے اس کو قرآن پڑھنا بھی نہ آتا ہو، خواہ اس کو مسائل بھی یاد نہ ہوں اور بعض جگہ مقتدیوں کا کچھ دخل ہی نہیں ہوتا خود ہی براہ تکبر بعضے اہلِ وجاہت امام بن بیٹھتے ہیں اور قصبات میں جمعہ وعیدین کے اکثر ائمہ اسی شان کے ہیں اور اس خرابی کی ابتدا امامت کا موروث ہونا ہے جس کی بنا

بعض سلاطین کے وقت سے پڑی ہے اس وقت گو اس میں کوئی مصلحت ہو، مگر اب تو اس میں اس قدر مفاسد ہو گئے ہیں کہ اس کا توڑنا اور ایسے امام کو چھوڑنا واجب ہے، اگر اس کے معزول کرنے پر قدرت نہ ہو تو خود تو عزلت کرنا ممکن ہے۔
یعنی سب مل کر کسی دوسری جگہ جماعت کا انتظام کر لیں، اور کسی اہل کو امام تجویز کر لیں۔ البتہ جہاں امام سے ضرر رسانی کا اندیشہ ہو تو یہ بے چارے معذور ہوں گے، صبر کرنا چاہیئے، یہ تھے شعبے اس لاحق الذکر کوتاہی کے۔

علم دین، سب کا علاج

ان سب کا علاج ——— علم دین ہے، جو پڑھنے سے یا علماء کے پاس آنے جانے سے اور پوچھتے رہنے سے نہایت سہولت سے ممکن الحصول ہے۔
یہ تھا مختصر ضروری بیان ان کوتاہیوں کا جو کثیر الوقوع ہیں اور جن کا وقوع قلیل ہے ان کا ذکر مطوی (ختم) کیا گیا، اول بوجہ قلتِ وقوع کے دوسرے اس لئے کہ ان کا مذموم ہونا کسی پر مخفی نہیں، سو تنبیہ کے لئے یہ علم ہی کافی ہے۔
(۱) جیسے شرم سے بے وضو نماز پڑھ لینا یا پڑھا دینا
(۲) وضو کر کے سو رہنا اور کسی کے جگانے کے بعد سب کو جھٹلا لینا کہ میں تو نہیں سویا تھا اور اسی طرح نماز پڑھ لینا۔
(۳) نماز میں اخلاص نہ ہونا، یعنی صرف اسی لئے نماز پڑھنا کہ لوگ مجھکو نمازی سمجھیں جس کو ریاء کہتے ہیں ونحو ذالک

وسوسہ، کفر نہیں!

گو یہ امور واقع ہوتے ہیں مگر کثرت نہیں ہے اور گو ریاء کثیر الوقوع ہے مگر استقراء سے معلوم ہوا کہ صرف نفل عبادات میں کثیر الوقوع ہے اور یہاں زیادہ بیان کرنا غیر نفل کا مقصود ہے اور نفل عبادات و ذکر وغیرہ میں بھی ریاء وہیں ہے جس جگہ

س کا قصد ہو اور جو شخص اس کو برا سمجھے، دفع کرے، وہاں اس کا شبہ کرنا اور اس
غم میں مبتلا ہو جانا جیسے بعض سالکین کو پیش آتا ہے مضر ہے، جس خطرہ پر ان کو یہ گمان
ہو جاتا ہے، وہ وسوسہ ہے، ریا نہیں ہے، سو وسوسہ پر مؤاخذہ نہیں، اس کی موٹی
ور تسلی بخش مثال یہ ہے کہ :-

بالاجماع وسوسہ کفر نہیں اور اس پر مؤاخذہ نہیں اسی طرح اس کو سمجھئے یہ نکتہ
گرچہ بہت چھوٹا ہے مگر نفع میں اگر اس کو علم عظیم کہا جاوے تو بجا ہے، والحمد للہ علیٰ
اعلمنیہ وفہمنیہ اور کبھی بعض کوتاہیاں ہوتی ہیں جس کی عدم ذکر کی وجہ ذکر
کی گئی۔

روزے کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ صیام)

ارکانِ اسلام میں سے ایک "روزہ" رمضان شریف کا ہے جو مثل نماز کے عبادت بدنیہ ہے اس میں جو انقلاب ہوا ہے نماز کے بعد اس کا بیان بقدرِ ضرورت مع اصلاح ضروری معلوم ہوتا ہے اور بعض اعمال رمضان المبارک کے متعلق اور بھی ہیں روزے کے ساتھ ان کا بیان بھی مناسب ہے مجموعہ ان اعمال کا یہ ہے :

(۱) رویتِ ہلال (۲) صوم (۳) سحر (۴) افطار (۵) قیامِ رمضان یعنی تراویح اور دو عمل جو عید کے متعلق ہیں ان کو بھی اس کے ملحقات سے کہہ سکتے ہیں یعنی

(۱) صدقۂ فطر، (۲) نمازِ عید)

یہ کل سات ہوئے ان سب کے متعلق مختصر مختصر مضامین مذکور ہوتے ہیں

رویتِ ہلال

اس میں (جہاں اسلامی ریاست نہیں ہے) ایک بے احتیاطی عظیم ہوگئی ہے وہ یہ کہ قریب قریب ہر شخص گو وہ علمِ دین بھی نہ رکھتا ہو اس میں بلا مراجعت علماء کے اپنی تحقیق پر گو کہ

وہ کسی اصل شرعی پر مبنی نہ ہو اعتماد کرتا ہے، جس روایت کو چاہا قبول کر لیا، اگرچہ وہ قابل قبول نہ ہو اور جس کو چاہا رد کر دیا اگرچہ وہ قابل رد نہ ہو،

اور ظاہراً رمضان کے چاند کی نسبت قبول کرنے میں زیادہ احتیاط معلوم ہوتی ہے اور لوگوں کو اکثر یہی دھوکہ ہو جاتا ہے کہ روزہ ہی تو رکھواتے ہیں اس میں کیا برائی ہے، لیکن ایک بے احتیاطی تو فی الحال ہو جاتی ہے کہ بدون ثبوت رمضان نیت با اعتقاد رمضان یعنی بہ نیتِ فرض روزہ رکھا جاتا ہے اور غیر رمضان روزہ رکھنا ممنوع آیا ہے چنانچہ حدیث نہی عن صوم یوم الشک کا یہی حاصل ہے جس کی لم اور راز ــــ یہ ہے کہ حدود شرعیہ کی اس میں توہین اور ہتک لازم آتی ہے گویا شارع علیہ السلام کے نزدیک تو رمضان مثلاً ہفتہ کے دن سے شروع ہوگا، مگر اس شخص کے نزدیک جمعہ ہی سے شروع ہو گیا، حدود کی مزاحمت کے جرم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

ایک اور بے احتیاطی جو اس سے اشد ہے بعض اوقات فی المآل ہو جاتی ہے وہ یہ کہ مثلاً اسی بناء غیر صحیح پر روزہ شروع کیا اور ختم رمضان پر آفاق سے ابر وغیرہ ہوا تو یہ شخص اکمالِ ثلثین کے قاعدہ پر (یعنی تیس پورے کر کے) عید کرے گا اور ممکن ہے کہ وہ عین تیس تاریخ رمضان کی ہو تو کس قدر سخت بات ہے اور اس شخص کے اثر سے جتنوں نے عید کی اور ایک ایک فرض ان کا برباد ہوا سب کا وبال اس کی گردن پر رہا اور چونکہ اپنے نزدیک رمضان پورا کر چکے ہیں، اس لئے اس روز کی قضا بھی کوئی نہ کریگا تو سب کے ذمہ ایک ایک فرض چڑھا رہا اور اسی پر موت آ گئی ۔۔۔!

پس جب ایسی بے احتیاطیاں اس قبول کرنے میں ہوئیں تو اس قبول کرنے کو احتیاط نہیں کہا جا سکتا اور بلا وجہ شرعی رد کرنے میں تو بے احتیاطی کا لزوم ظاہر ہے، فرض روزہ کا ضائع کرنا لازم آتا ہے اور یہی خود رائی بعض اوقات ہلال عید میں ہوتی ہے تو وہاں دونوں شقوں میں صریح خرابی ہے یعنی اگر قابل قبول کو رد کر دیا تو عید کا روزہ رکھوایا جو حرام ہے اور قابل رد کو قبول کر لیا تو رمضان کا روزہ تڑوایا جو اس سے بڑھ کر حرام ہے۔

تار برائے شہادت کیوں معتبر نہیں؟

میں نے بے علموں کو دیکھا ہے کہ محض افواہی خبر سن کر قبول کر لیتے ہیں، ان کو یہ خبر نہیں کہ خبر کی حجت ہونے کی کیا شرائط ہیں؟ کبھی کہیں سے تار آجانے پر اعتبار کر لیتے ہیں اور ان کو اس کے احکام فقیہہ کی اطلاع نہیں جو کہ مخصوص ہے علمار محققین و متقین کے ساتھ، بس بڑا مدارِ استدلال اس کے قبول پر ان کے نزدیک یہ ہے کہ صاحب لاکھوں روپے کی تجارت تار پر چلتی ہے پھر اس کے اعتبار نہ کرنے کا کیا سبب ...؟

لیکن اگر ان سے کوئی پوچھے کہ گواہ کے پاس سمن آنے کے بعد اگر تار پر شہادت ادا کردے تو قانوناً کیوں معتبر نہیں؟ اور معاملات تجارت اور اس شہادت میں کیوں فرق ہے؟ اور اس شہادت میں اور رویت ہلال کی شہادت میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا معقول جواب نہیں دے سکتے، اسی طرح میں نے بعض بے علموں کو محض اس بنار پر شہادت کو رد کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ شہادت ادا کرنے والا گنوار ہے کوئی معزز آدمی نہیں، اگرچہ وہ گنوار دین میں ان معززین سے ہزار درجہ افضل ہو مگر ان کے نزدیک وہ آدمی بھی نہیں! پھر اسی قسم کے لوگوں کو یہاں تک تنزل کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ کہتے ہیں میرے چماروں نے دیکھا ہے، ہمارے محلے کے فلاں فلاں (نابالغ) بچے نے دیکھا ہے، پس یا بآن شور اشوری یا باتیں بے نمکی اور اس تمام تر خرابی کا منشار صرف یہی ایک امر ہے کہ علمار سے اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں بلکہ افسوس ہے! کہ بعض اوقات ان کا فتویٰ سُن کر ان سے مزاحمت کرتے ہیں اور اس میں جرح نکالتے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ....!!

طریق علاج

سو اس کی اصلاح یہ ہے کہ ہر شخص اس میں دخل نہ دیا کرے، دوسرے کی رویت پر حکم لگانا تو بڑی بات ہے مصلحت یہ ہے کہ خود اپنی رویت یعنی دیکھنے کو بھی ہر ایک کے روبرو

رویت ہلال کے موضوع پر دیکھئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ "رویت ہلال" ۱۲

بیان کرتا نہ پھرے کہ اور لوگ حکم لگاویں گے، البتہ حاضرین مجلس رویت یا عقلاء کے روبرو ظاہر کرنا مضائقہ نہیں، بلکہ سب خبروں اور مشاہدات کو جمع کر کے کوئی عالم معتبر متدین قریب ہوں تو ان کے پاس جا کر اور اگر فاصلہ سے ہوں اور خود نہ جا سکے تو دو تین عاقل دین دار آدمیوں کو ان کی خدمت میں حاضر کرا کے پوری صورت حال واقعہ کی عرض کر کے وہ جو فتویٰ دیں اس پر عمل کریں اور اگر اس فتوے میں کوئی شبہ خیال میں آوے تو عوام کے روبرو اس کو ظاہر نہ کریں کہ انتظام دین میں خلل پڑے گا بلکہ بواسطہ یا بلاواسطہ اس کو بھی ان ہی عالم سے یا اور کوئی صحبت یافتہ علماء کا قریب ہو اس سے پیش کر کے حل کرے۔

علماء کو مشورہ

بلکہ میں تو بروئے تجربۂ واقعات یہاں تک ضروری سمجھتا ہوں کہ جس جگہ متعدد علماء ہوں وہاں ایک عالم بھی بدون مشورہ دوسرے علماء کے اس باب میں اپنی تحقیق و رائے عوام کے روبرو ظاہر نہ کرے، کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے عالم کی رائے میں کچھ اختلاف ہو اور اقوالِ مختلفہ کے شیوع سے عوام میں تشویش پھیل جائے بلکہ سب مشورہ کر کے اور اگر اختلاف ہو تو باہم طے کر کے ایک قول منقح کر کے وہی قول منقح عوام تک پہنچے اور جس عالم سے استفسار کیا جائے ایک ہی جواب سب جگہ سے ملے اور اگر رائے میں اتفاق نہ ہو تو جو شخص زیادہ مرجع خلائق و کبیر ہو فتویٰ اس کے سپرد کر دیں، باقی سکوت کریں، اگر ان سے کوئی پوچھے تو اسی مرجع موصوف کی طرف حوالہ کریں، خود خاموش رہیں اس میں ان شاء اللہ کبھی بدنظمی نہیں ہو سکتی،

میں نے تو ایسی تشویشات کو دیکھ کر ایک مقام پر یہ انتظام کیا تھا کہ سب علماء کو متفق کر کے خاص ایک عالم کو اس باب خاص میں محط خبر و مدار حکم ٹھہرا لیا کہ جو خبر ہلال سے متعلق جس عالم کے پاس آوے، وہ ان کی خدمت میں پہنچائی جاوے اور جو شخص جس سے فتویٰ پوچھنے آوے وہ سائل کو ان ہی کے پاس بھیج دے اور جس کو کوئی اختلاف کرنا ہو انہیں سے ظاہر کرے، غرض عوام کو اختلاف کی اطلاع نہ ہو اور حکم حاصل کرنے میں ان کو تشویش نہ ہو اور اس قرارداد کے بعد عام لوگوں میں اس کا اشتہار دے دیا گیا

پس سب خلجانوں سے نجات ہوگئی تھی اگر سب جگہ ایسا انتظام کرلیا جاوے تو اقرب الی الاتفاق دابعد من الافتراق ہے۔

ضروری احتیاط

اور ایک انتظام یہ ضروری ہے کہ چاند دیکھنے پر یا اس کی خبر سننے پر بلا ضرورت دوسرے مقامات پر تار نہ دوڑایا کریں، بلکہ کسی عامی کے پوچھنے پر بھی جواب نہ دیا کریں کہ دوسری جگہ عوام کی ہاتھ میں ایسی خبریں پہنچ جانے کے بعد چونکہ اس وقت خود رائی کا غلبہ ہے ضرور مفاسد پیش آتے ہیں کہ ان کا انسداد تدارک سے باہر ہے، اور شرعاً کوئی ضروری امر ہے نہیں کہ ازخود دوسری جگہ خبر بھیجا کرو،

البتہ کوئی عالم دریافت کرے تو جواب دے دو، پھر وہ خود ہی حکم شرعی کے موافق عمل کریں گے اور کسی مفسدہ کا احتمال نہ ہوگا اور جب ایسے استدلالات کہ کسی درجہ میں صلاحیت استدلال ہونے کی رکھتے ہیں، بدون حکم علماء کے قابلِ اطمینان نہیں، تو جو استدلال اپنی ذات میں بھی صلاحیت استدلال ہونے کی نہیں رکھتے ان سے دلیل پکڑنا تو کس قدر مذموم اور اختراع فی الدین ہوگا۔

مثلاً رجب کی چوتھی کا لامحالہ غرہ رمضان کے موافق ہونا چاند کا بڑا ہونا یا دیر تک ٹھہرنا اونچا ہونا یا بدر کامل ہونا بیٹھ کر اٹھنا دو شب تک غائب رہنا، فلاں جنتری میں ۲۹ یا ۳۰ کا لکھا رہنا و مثل ذالک یہ سب شرع میں غیر معتبر ہیں۔

اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اکثر ایسے امور حسابی اور مطابق واقع کے ہیں تو شرع نے امور واقعیہ کی نفی کیسے کی اس میں تو اس کی طرف نسبت کذب کی لازم آتی ہے؟ وجہ اس شبہ کے وارد نہ ہونے کی یہ ہے کہ شرع نے ان امور کے وقوع کی نفی نہیں کی کہ یہ محذور لازم آئے بلکہ ان امور کے اعتبار کی نفی کی ہے یعنی ہم ان امور کے وقوع پر اپنے احکام کا مدار نہیں رکھتے تو یہ حق ہر صاحب قانون کو حاصل ہے۔

مثلاً کوئی نوکری مشروط ہو بی اے کے ساتھ تو وہ انٹرینس والے کو نہ ملے گی تو اس کے یہ

معنی نہیں کہ اس شخص کے انٹرینس ہونے کی نفی کی گئی ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ انٹرینس ہونا معتبر اور مدار استحقاق نوکری کا اس موقع پر نہیں ہے تو اگر غرہ شرعی غرہ حسابی نہ ہو تو اس کو یکم کہنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ واقع میں یکم ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ خواہ وہ واقع میں کسی دوسرے حساب سے دوم ہو مگر بروئے قواعد فلاں فلاں روزہ اسی سے شروع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور روزہ شروع کرنے کی تاریخ کو ہماری اصطلاح میں یکم کہا جاوے گا اور لغت و اصطلاح کا تطابق ضروری نہیں۔

جیسا اہل حساب تاریخ کو طلوع سے شروع کرتے ہیں اور اس کو کوئی محل اعتراض نہیں سمجھتا۔ یہاں تک رویت ہلال کے متعلق کلام ہو چکا۔

صوم

روزہ میں تفریط کرنے والوں کا ذکر

اس میں چند کوتاہیاں کی جاتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ بعض تو بلا کسی وجہ قوی یا ضعیف کے روزہ نہیں رکھتے، میں نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے عمر بھر کبھی روزہ نہیں رکھا تھا، پھر ان میں بعض تو کم ہمت ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے روزہ پورا نہ ہو سکے گا، چنانچہ وہ شخص اسی بلا میں مبتلا تھا۔ میں نے کہا کہ تم بطور امتحان ہی رکھ کر دیکھو، چنانچہ رکھا اور پورا ہو گیا اور پھر اس کی ہمت بندھ گئی اور رکھنے لگا۔

کیسے افسوس کی بات ہے؟ کہ رکھ کر بھی نہ دیکھا تھا اور پختہ یقین کر بیٹھا تھا کہ کبھی رکھا ہی نہ جاوے گا ..... !!

یہ لوگ سوچ کر دیکھیں کہ اگر طبیب کہہ دے کہ آج دن بھر نہ کچھ کھاؤ نہ کچھ پیو، ورنہ فلاں مرض مہلک پڑ جاوے گا، تو اس نے تو ایک ہی دن کے لئے کہا ہے یہ شخص دو دن نہ کھاوے گا کہ احتیاط اسی میں ہے، افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ دن، دن کا کھانا، پینا چھڑادیں

اور کھانے پینے سے عذاب مہلک کے وعید فرماویں اور قولِ طبیب کے برابر بھی اس کی وقعت نہ ہوا ناللہ وانا الیہ راجعون ۔۔۔۔!!

(۲) اور بعض ان سے بھی بدتر بدعقیدت ہیں کہ روزہ کی ضرورت ہی میں ان کو کلام ہے، پھر بعضے تو ان میں مہذب ہیں، کہتے ہیں کہ روزہ جس غرض سے مشروع ہوا تھا کہ قوتِ بہیمیہ منکسر ہو جاوے، وہ غرض ہم کو بدولت علم وتہذیب کے حاصل ہے، اس لئے اب روزہ کی ضرورت نہیں،

ان کا جواب یہ ہے کہ اول تو تم کو اس غرض کا حاصل ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے' قوتِ بہیمیہ کے آثار فخر وتعلی وظلم وقساوت جس قدر تم میں ہیں دوسروں میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں، دوسرے اگر غرض حاصل بھی ہو جاوے تب بھی یہ مسلّم نہیں کہ روزہ بس اسی غرض کے لئے مشروع ہے، بلکہ خود اس کی صورتِ نوعیہ بھی مطلوب ہے، تفصیل اس جواب کی نماز کے مضمون میں بیان ہو چکی وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

روزہ وہ رکھے جس کے گھر میں اناج نہ ہو!

(۳) اور بعضے تہذیب سے بھی گذر کر گستاخی اور تمسخر کے کلمات کہتے ہیں۔ مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر میں اناج نہ ہو، یا یہ کہ بھائی ہم سے بھوکا نہیں مرا جاتا، یا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحب کو علانیہ رمضان میں کھاتے ہوئے جو ایک دیندار نے ٹوکا کہ رمضان میں دن کو کھاتے ہو؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ "رمضان" کیا چیز؟ اس دیندار نے کہا کہ صاحب رمضان مہینہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ جنوری فروری' لغ اس میں رمضان تو کہیں نہیں آیا۔ اور امثال ان اقوال کے !!

سو یہ دونوں فریق بوجہ انکارِ فرضیتِ روزہ کے زمرۂ کفار میں داخل ہیں اور پہلے فریق کا قول محض ایمان شکن ہے اور دوسرے کا ایمان شکن بھی اور دل شکن بھی۔ اور فریقِ اول اس تاویل سے کفر سے نہیں بچ سکتا، کیونکہ یہ تاویل ہے ضروریات دین میں اور ایسی تاویل دافعِ کفر نہیں ہوتی کما تقرر فی محلّہٖ اور یہ مہذب فریق ظاہراً اس غیر مہذب سے

اہون ہے مگر عند التامل ضرر میں اس سے اشد ہے، کیونکہ غیر مہذب عنوان خود اپنے لبطلان پر دلیل ہے اور مہذب عنوان میں تلبیس زیادہ محتمل ہے اور جس طرح بد عقیدت لوگوں میں دو۲ فریق ہیں مہذب اور غیر مہذب جیسا ابھی بیان ہوا، اسی طرح کم ہمت لوگوں میں بھی دو فریق ہیں۔ ایک مہذب جو باوجود روزہ نہ رکھنے کے علانیہ نہیں کھاتے پیتے، بلکہ اپنے اس عیب کا اخفار کرتے ہیں اور ظاہر ہونے پر شرماتے ہیں۔

دوسرے غیر مہذب جو ذرا شرم نہیں کرتے علانیہ کھاتے پیتے ہیں اور روکنے پر کہتے ہیں کہ جب خدا کی چوری نہیں تو بندہ کی کیا چوری؟ حالانکہ یہ مضمون محض تلبیس ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے تو کسی معصیت کا اخفار ہو ہی نہیں سکتا، اور خلق سے اخفار ہو سکتا ہے، تو ممکن کا قیاس محال پر یہ خود سفسطہ[۱] ہے دوسرے مخلوق سے معصیت کے اخفار کا خود خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے ترک سے اور بھی معصیت اشد ہو جاتی ہے تو بلاوجہ اشد میں کیوں مبتلا ہو۔

روزہ افطار کرنے کے لئے ادنیٰ بہانہ!

(۲) بعض بلا عذر تو روزہ ترک نہیں کرتے مگر اس کی تمیز نہیں کرتے کہ یہ عذر قوی اور شرعاً معتبر ہے یا نہیں ادنیٰ بہانہ سے روزہ افطار کر دیتے ہیں خواہ ابتداء ہی سے نہیں رکھتے، یا رکھکر توڑ ڈالتے ہیں، ذرا پیاس لگی روزہ افطار کر دیا خواہ ایک ہی منزل کا سفر ہوا روزہ افطار کر دیا۔ کچھ محنت مزدوری کا کام ہوا اور روزہ افطار کر دیا اور ایک طرح سے تو یہ لوگ بلا عذر روزہ توڑنے والوں سے بھی زیادہ قابل مذمت ہیں وہ یہ کہ بلا عذر نہ رکھنے والے خود بھی اپنے کو صاحب عذر نہیں سمجھتے، اپنے کو فعل قبیح کا مرتکب سمجھتے ہیں اور یہ لوگ اپنے کو معذور جان کر بے گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ شرعاً وہ معذور نہیں، اس لئے گناہ گار ہوں گے، ان لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں پر نظر کریں جو سخت سے سخت حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے۔

---

[۱] قیاس سفسطی:۔ وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جو محض وہمی اور جھوٹے ہوں جیسے ہر موجود شئے اشارہ کے قابل ہے اور جو اشارہ کے قابل ہے جسم والا ہے پس ہر موجود جسم والا ہے یا جیسے گھوڑے کی تصویر کی نسبت کہیں یہ گھوڑا ہے۔ اور ہر گھوڑا ہنہنانے والا ہے پس یہ ہنہنانے والا ہے ۱۲ عبد الرؤف

عادت وعزم سے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے

میں نے ریلوے کے ایک ڈرائیور کو دیکھا ہے کہ ہر وقت انجن میں رہتا تھا اور سخت گرمی کی فصل تھی اور روزے رکھتا تھا، بہت سے کھیتی کاٹنے والے دیکھے گئے ہیں کہ جیٹھ بیساکھ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھکر کھیتی کاٹتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں، تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ قدرے عادت اور زیادہ ہمت یعنی پختہ ارادہ ان دونوں کے جمع ہونے سے مشکل سے مشکل کام بھی سہل ہو جاتا ہے۔ اور ذوق وجدان سے کام لیا جاوے تو روزہ میں تسہیل وتائید خداوندی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہے، پھر اس پر بھی ہمت توڑ دینا اور بہانہ ڈھونڈنا سخت محرومی ہے!

عذرِ اختیاری کا حکم

(۵) بعضے لوگ عذر کی حد کو تو سمجھتے ہیں لیکن عذر اپنے اختیار سے قصداً پیدا کر لیتے ہیں مثلاً شرعی سفر واقع میں عذر ہے مگر اس شخص کو درحقیقت سفر کی ضرورت نہیں تھی، صرف اس نیت سے بلا ضرورت سفر کیا ہے کہ روزہ نہ رکھنا پڑے، رہا قضاء تو وہ چونکہ شرعاً موسع ہے اس لئے اس کے واسطے خاص فروری کو انتخاب کر لیا جاتا ہے،

نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ تھوڑے دنوں سے ایک نئے اجتہاد کی بدولت قضاء کے عوض فدیہ کے کافی ہونے کے اعتقاد سے نفع اٹھایا جا رہا ہے، جس پر میں نے مجمل کلام اپنے بعض[۱] رسائل میں بزبان اردو اور اسی رسالہ کے حاشیۂ ملحقہ بالآخر میں بعبارت عربیہ کیا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس باب میں نہ رائے محض معتبر ہے، اور نہ کسی آیت یا حدیث کے ظاہری مفہوم پر غیر مجتہد کو عمل درست ہے اور نہ عامی کو محض مطالعہ فقہ کا کافی ہے، بعد انقراض زمانہ اجتہاد کے عالم کو کتب فقیہہ کا اتباع، اور عامی کو علماء سے استفسار

[۱] اصلاح ترجمہ دہلویہ پوری تفصیل

کرکے عمل کرنا واجب ہے، اور یہی معیار ہے عذر کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا، بے علمی میں بعض اوقات قصد ہوتا ہے قرآن وحدیث وفقہ کے اتباع کا اور لازم آجاتا ہے اتباع اپنی رائے اور ہویٰ کا، کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے؟ کہ جو شخص طبیب نہ ہو وہ اگر کتاب دیکھ کر کسی مریض کے لئے نسخہ لکھدے تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ نسخہ قواعدِ طب کے بھی خلاف ہو، اور جس جگہ اتباع کتاب وسنت وفقہ کا قصد بھی نہ ہو اس کا ذکر ہی کیا۔

ایک اور کوتاہی

(۶) بعضے لوگوں کا افطار تو عذرِ شرعی سے ہوتا ہے مگران سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ بعض اوقات اس عذر کے دفع ہونے کے وقت کسی قدر دن باقی ہوتا ہے اور شرعاً بقیہ دن میں امساک یعنی کھانے پینے سے بند رہنا واجب ہوتا ہے، مگر وہ اس کی پروا نہیں کرتے مثلاً سفر شرعی سے ظہر کے وقت واپس آگیا، یا عورت حیض سے ظہر کے وقت پاک ہوگئی تو ان کو شام تک کھانا پینا نہ چاہیئے علاج اس کوتاہی کا —— مسائل و احکام کی تعلیم وتعلّم ہے۔

بچوں کو روزہ نہ رکھوانے میں غفلت

(۷) بعض لوگ خود تو روزہ رکھتے ہیں لیکن بچوں سے (باوجود ان کے روزہ رکھنے کے قابل ہونے کے) روزہ رکھوانے کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ بعض ان کے نابالغ ہونے کو دلیل بناکر اپنی رائے وعمل کو صواب سمجھتے ہیں اور روزہ رکھوانے کو سختی سمجھتے ہیں، خوب سمجھ لیا جاوے کہ عدمِ بلوغ سے ان بچوں پر واجب نہ ہونا تو لازم آتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اولیاء پر بھی ان سے روزہ رکھوانا واجب نہ ہو، جس طرح نماز کے لئے باوجود عدمِ بلوغ کے ان کو تاکید کرنا، بلکہ مارنا ضروری ہے، اسی طرح روزہ کے لئے بھی اتنا فرق ہے کہ نماز میں عمر کی قید ہے اور روزہ میں تحمل پر مدار ہے۔ (یعنی جب روزہ کی تکلیف کو برداشت کرنے کی قابلیت وطاقت آجائے رکھوانا واجب ہے) اور اس میں راز یہ ہے کہ کسی کام کا دفعتہً پابند ہونا دشوار ہوتا ہے، تو اگر بالغ ہونے

کے بعد ہی تمام احکام شروع ہوں تو اس پر ایک بار گراں پڑ جاوے گا، اس لئے شریعت کی رحمت ہے کہ پہلے ہی سے شدہ شدہ سب اعمال کا خوگر بنانے کا قانون مقرر کیا، تاکہ مکلف ہونے کے وقت دشواری نہ ہو، پس اس قانون کی تنفیذ سرپرستوں کے ذمہ مقرر کی گئی، سو اگر سرپرستوں پر یہ واجب نہ ہو تو اس قانون کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا، کیونکہ واجب نہ ہونے کی صورت میں ان کو ترک بھی جائز ہوگا، تو اگر اس جائز سے یہ منتفع ہوئے تو بلوغ کے بعد اس نئے نئے مکلف کو اسی مصیبت کا سامنا ہوگا، تو قانون کا عدم وجود برابر ہوا تو لامحالہ اولیاء پر اس کا وجوب ہوگا، تو ان لوگوں کی دو غلطیاں ہیں، ایک اس کو ضروری نہ سمجھنا،

دوسرے اس ضروری کو سختی سمجھنا جس میں شرع پر دھبہ لگتا ہے، کیونکہ نصوص میں بتلایا گیا ہے کہ شرع میں سختی نہیں ہے، قال اللہ تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ہ (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا) اور وما جعل علیکم فی الدین من حرج (تمہارے لئے اللہ نے دین میں تنگی نہیں کی) وفی الحدیث الدین یسر (دین آسان ہے)

اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ نومسلم بالغ تو دفعۃً جمیع احکام کا مکلف ہوجاتا ہے، کیونکہ شرع نے تو اس کے لئے بھی وہی قانونِ تسہیل مقرر کیا تھا، مگر یہ خود اس کی اور اس کے خاندان والوں کی غلطی ہے کہ اسلام میں دیر لگانے سے وہ سہولت ضائع کردی، اسی لئے مراہق قبل بلوغ جبکہ وہ عاقل ہو ایک درجہ میں مخاطب بالایمان ہے جیسا اصولیون نے تصریح کی ہے۔

پس مخاطب ہونے کے بعد توقف کرنا اپنے ہاتھوں سے اس سہولت میں کمی کرنا ہے اور کمی اس لئے کہا کہ دفعۃً واحدۃً بھی جمیع احکام کا بجالانا بوجہ اس کے کہ وہ احکام قلیل اور فی نفسہ سہل ہیں چنداں دشوار نہیں، لیکن شرع نے اور زیادہ سہولت کردی تھی اور جس طرح یہاں تک روزہ میں تفریط کرنے والوں کا ذکر تھا۔

روزہ میں افراطِ کرنے والوں کا بیان

اسی طرح بعض لوگ اس میں افراط کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ظاہر میں تو یہ لوگ اقرب الیٰ الدین ہیں، لیکن چونکہ شریعت میں افراط بھی پسند نہیں اس لیے ان کی حالت کو بھی دین کے موافق نہ کہا جاوے گا مثلاً

بعضے لوگ سفر یا مرض میں جان کو آجاتے ہیں مگر دینداری جتلانے کو یا افطار پر صوم کی ترجیح دینے کو افطار نہیں کرتے اور یہ..... سخت غلطی ہے اگر اول نیت ہے تو بہت ہی برا ہے اور اگر ثانی ہے تو اس لیے جہل ہے کہ صوم کو مطلقاً افطار پر ترجیح نہیں ہے بلکہ ایسی شدت کی حالت میں امر بالعکس ہے۔ ورنہ حدیث لیس من البر الصیام فی السفر (سفر میں روزہ رکھنا، نیکی نہیں ہے) کے کوئی معنی نہ ہوں گے بلکہ یہ جہل بوجہ اس کے کہ اس کا اثر عقیدہ تک پہونچتا ہے اول سے بھی اشد ہے کیونکہ علمی غلطی عملی غلطی سے اقبح و اشنع ہے اور عقیدہ تک اثر اس طرح ہے کہ شرع نے جس کو راجح قرار دیا یہ شخص اس کو مرجوح سمجھتا ہے اور جس کو مرجوح قرار دیا اس کو راجح اعتقاد کر رہا ہے اور رخصت شرعیہ میں اس کا دل تنگ ہے تو گویا اس کو ناقص سمجھتا ہے اور شرع کی طرف تجویز نقص کو نسبت کرنا کتنا برا عقیدہ ہے۔ حدیث اولئک العصاۃ (یہ لوگ نافرمان ہیں) اور حدیث ما بال اقوام یتنزہون الخ ایسے ہی موقع میں ہے۔

یہ ہی حکم ہے ان عورتوں کا کہ باوجود تیقن اس امر کے کہ روزہ رکھنا دودھ پینے والے بچّے کو ضرر کرے گا۔ اپنی ہٹ دھرمی اور سیکڑی سے باز نہیں آتیں بلکہ ان کی حالت پہلے شخص سے بھی زیادہ منکر ہے کیونکہ اس نے تو صرف اپنا ہی نقصان کیا تھا۔ اس نے ایک بے گناہ بچّہ کو بھی ضرر پہنچایا سو کسی کو ضرر پہنچانا پھر وہ بھی بچہ یہ حقوق العباد کی کس درجہ کی فرد ہے۔

اور ان سب صورتوں سے بڑھ کر افراط یہ ہے کہ بعضوں کو بہت چھوٹے کم سمجھ ناتوان بچے کو روزہ رکھانے کا شوق ہوتا ہے کچھ تو خود اس روزہ رکھانے کا فخر ہوتا ہے اور کچھ روزہ کشائی میں حوصلہ نکالنے کا ارمان ہوتا ہے سو اوّل تو مبنی ہی اس کا فاسد ہے پھر

لایکلف اللہ نفسًا الا وسعہا ط البقرۃ [۲۸۵-۲۸۶] واللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہوتی ہے) کی مخالفت پھر اس پر بعض عوارض ایسے مرتب ہو جاتے ہیں کہ معصیت میں تضاعف ہو جاتا ہے۔

حسرت ناک ماجرا

مجھکو ایک جگہ کا قصہ معلوم ہے کہ اسی طرح کے ایک بچّہ کو روزہ رکھوایا اور اپنی امارت اچھالنے کے لئے روزہ کشائی کا بہت زیادہ اہتمام کیا گرمی کے بڑے اور کڑے دن، عصر کے وقت تک جوں توں کرکے اس نے کھینچا آخر طاقت طاق ہوگئی اور صبر و توان نے جواب دیدیا ٹھنڈے پانی کے مٹکے بھرے رکھے تھے ان پر ترکپڑا لپٹا تھا برف گھولنے کا سامان ہو رہا تھا اس سارے سامان نے آگ بھڑکا دی ایک ایک سے خوشامد پانی کے لئے کرتا تھا، لیکن اگر پانی دیتے تھے تو روزہ کشائی کا سامان اکارت جاتا ہے اپنا سامان بچانے کے لئے پانی کو جواب دیدیا آخر سخت بیتاب ہو کر دوڑ کر ایک مٹکے کو جا لپٹا اور محبوب سے وصل ہوتے ہی روح نے قالب کو چھوڑ دیا۔ اس کی نعش زبانِ حال سے سراپا تھی کہ:

"لو بھئی! تم کو تمہارا سامان مبارک ہے ہم اپنی جان تمہارے سامان پر فدا کرتے ہیں"

کس قدر حسرتناک ماجرا ہے، یہ نتیجہ ہے غلو اور افراط کا آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بے معنی تو نہیں؟ لاتغلوفی دینکم (تم دین میں غلو نہ کرو) کیا اس ہلاک اور قتل کی نسبت کو تسببًا سہی ان ظالموں کی طرف نہ ہوگی .... ؟؟

غرض تفریط اور افراط دونوں مذموم ہیں، شرع نے دونوں سے روکا ہے اور ان حدود کا علم بدون صحبت و استفسار و صحبتِ علماء کے نہیں ہونا، پس ان سب کا علاج یہی ہے۔

روزہ محض نام کا

(۸) بعض لوگ نفس روزہ میں تو افراط و تفریط نہیں کرتے لیکن روزہ محض صورت کا نام سمجھ کر صبح سے شام تک اَجوفَین یعنی فم و فرج کو بند رکھنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور اس میں علاوہ مقصود بہ صورتِ نوعیہ کے کہ وہ بھی ثابت ہے اور حکمتیں موجود ہیں جن کی طرف قرآن مجید میں اشارہ بلکہ صراحت ہے لعلکم تتقون یعنی شاید تم متقی ہو جاؤ۔ ان سب کو نظر انداز کر کے اپنے صوم کو جسدِ بلا روح بنا لیتے ہیں، خلاصہ ان حکمتوں کا معاصی و منہیات سے بچنا ہے، سو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ روزہ میں بھی اکثر معاصی سے نہیں بچتے، جو حالت ان کی معصیت میں قبل رمضان ہوتی ہے رمضان کے آنے سے اس میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا۔

اگر غیبت کی عادت تھی وہ بدستور رہتی ہے، اگر نگاہِ بد کے خوگر تھے، وہ نہیں چھوڑتے، اگر حقوق العباد میں مبتلا تھے ان کی صفائی نہیں کی، بلکہ بعض کے معاصی تو تو غالباً بڑھ جاتے ہیں کیونکہ پہلے تو کسی کاروبار میں لگے رہتے تھے اب روزہ میں چلنے پھرنے محنت مشقت کا کام تو ہوتا نہیں دوستوں میں جا بیٹھے کہ روزہ بہلیگا۔ پھر دوستوں میں کوئی شغل تفریح کا بھی ضروری ہے یا تو باتیں شروع کر دیں جن میں زیادہ حصّہ غیبت کا ہوگا اور چوسر گنجفہ، تاش یا ہارمونیم یا باجا یا گراموفون لے بیٹھے اور دن پورا کر دیا۔ بھلا اس روزہ کا کوئی معتد بہ حاصل کیا؟ اتنی بات عقل سے سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا جو کہ فی نفسہ مباح ہے، جب روزہ میں وہ حرام ہو گیا تو غیبت اور دوسرے معاصی فی نفسہ بھی حرام ہیں وہ روزہ میں کس قدر حرام ہوں گے!!

تو مباحِ اصلی سے بچنا اور غیر مباح میں مبتلا ہونا یہ روزہ کس قسم کا ہے؟ حدیث میں ہے کہ جو شخص بدگفتاری اور بدکرداری نہ چھوڑے خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل روزہ ہی نہ ہوگا، کبھی یہ سمجھکر کہ جب روزہ نہ ہوگا تو پھر رکھنے سے کیا فائدہ؟ سو روزہ تو ہو جاوے گا مگر نہایت ادنیٰ درجہ کا، جیسا اندھا، لنگڑا، کانا، گنجا، اپاہج آدمی ہوتا ہے، مگر ناقص درجہ

کا اور بالکل روزہ نہ رکھنا تو اس سے بھی اشد ہے، کیوں کہ ذات کا سلب صفت کے سلب سے سخت تر ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب غیبت چونکہ مباح فی نفسہٖ نہیں لہٰذا زیادہ شدید ہے اور اکل و شرب چونکہ فی نفسہٖ مباح ہیں وہ اس سے خفیف ہیں پس غیبت سے روزہ افطار نہ ہونا خورد و نوش سے افطار ہو جانا کیا معنی ...؟

جواب یہ ہے کہ روزہ جن خصوصیات کے لئے مشروع کیا گیا ہے، ان کے اعتبار سے اس کی ایک خاص ماہیتِ مشخصہ ہے، یعنی امساک عن المفطرات بالنیۃ (نیت کر کے افطار کرنے والی چیزوں سے رکنا) سو اکل و شرب وغیرہ گو اہون ہوں مگر اس ماہیت کے منافی ہیں اور دوسری معاصی گو اغلظ ہوں مگر اس ماہیت کے منافی نہیں، گو اس ماہیت کی اغراض کے منافی ہوں،، سو غایت مافی الباب ان معاصی سے وہ اغراض فوت ہو جاویں گے، سو اس کو ہم بھی مانتے ہیں، چنانچہ اوپر کہا گیا ہے کہ بھلا اس روزہ کا کوئی معتد حاصل؟ اور اصل حقیقت صوم کے متعلق ہو جانے سے یہ اثر ہوگا کہ قیامت میں بازپرس نہ ہوگی کہ روزہ کیوں نہیں رکھا؟ بلکہ پوچھا جاوے گا کہ روزہ کو خراب کیوں کیا؟ سو بڑا فرق ہے! اس میں کہ حاکم کے حکم کے بعد سالانہ کاغذ ہی نہ بنایا اور اس میں کہ بنایا مگر کہیں کہیں غلطیاں رہ گئیں، اور یہ جو کہا گیا کہ ایسے روزہ سے معتد بہ فائدہ نہیں، یہ قید اس لئے لگائی کہ بالکل بے سود بھی نہیں اور وہ فائدہ ایک تو ظاہر ہے کہ کسی قدر تو تعمیلِ ارشاد ہے اور دوسرے ہر عمل میں ایک خاص برکت ہے، جب صبح سے شام تک لذاتِ مخصوصہ سے نفس کو روکا تو اس سے نفس ضرور منفعل و منصبغ (اثر قبول کنندہ و رنگ پزیرندہ) ہو گیا۔ جس کا اثر یا تو آئندہ ظاہر ہو کہ کسی معصیت سے رکنے کی توفیق ہو جائے یا اسی روز یہ اثر ہوا ہو کہ اگر یہ صورتِ صوم بھی نہ ہوتی تو کوئی خاص معصیت سرزد ہوتی اور روزہ کی برکت سے سرزد نہ ہوئی ہو، تو اس وجہ سے بالکل بے سود اور لا حاصل نہیں کہہ سکتے اور تدبیر

ان معاصی سے بچنے کی تین امر کا مجموعہ ہے۔

* ــــ خلق سے بلا ضرورت تنہا اور یکسو رہنا،
* ــــ کسی اچھے شغل میں لگے رہنا مثل تلاوت قرآن مجید وغیرہ،
* ــــ نفس کو سمجھانا اور وقتاً فوقتاً دھیان کرتے رہنا کہ ذرا سی لذت کے واسطے صبح و شام تک کی مشقت کو کیوں ضائع کیا؟ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ نفس پھسلانے سے بہت کام کرتا ہے، سو نفس کو یوں پھسلا دے کہ

ایک مہینہ کے لیئے تو اس دستور العمل کی مجموعہ تین امورِ مذکورہ کا یہ پابندی کرے پھر دیکھا جاوے گا، یہ ایک مہینہ تو وہ پھسلانے میں آکر مرضی کے موافق کرلے گا پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس طرز پر آدمی ایک مدت تک رہ چکا ہو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ بالخصوص اہل باطن کو رمضان میں یہ حالت زیادہ مدرک (معلوم) ہوتی ہے کہ اس مہینہ میں جو اعمال صالحہ کیئے ہوتے ہیں سال بھر تک ان کی توفیق رہتی ہے۔

شیاطین کے رمضان میں قید ہونے کا مطلب

پس اس طریق سے بعد رمضان بھی وہی عادت ترک معاصی کی تھوڑی توجہ سے انشاء اللہ محفوظ رہے گی۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ پھر معصیت کی طرف میلان ہی نہ ہوگا، بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اس میلان کا جس قدر پہلے تقاضا ہوتا تھا اب اس قدر تقاضا نہ ہوگا کہ بہت تھوڑی توجہ اور ضبط سے وہ میلان دفعہ یا مغلوب ہو جاوے گا اور میرے نزدیک یہی اثر ہے شیاطین کے مقید ہو جانے کا رمضان میں کہ قبل رمضان جو نفسانی خواہشیں طبعاً پیدا ہوتی تھیں۔ ان کی اعانت شیاطین بھی کرتے تھے اس لیئے تقاضا شدید ہوتا تھا کہ ضبط میں زیادہ مشقت ہوتی تھی رمضان میں گو ایسی خواہشیں پیدا تو ہوتی ہیں کیونکہ نفس اور طبیعت قید ہوتے مگر شیاطین چونکہ قید ہو گئے اس لیئے ان کی جانب سے اعانت نہیں ہوتی، تو تقاضا اس قدر نہ ہوگا اور رکنا اتنا دشوار نہ ہوگا، چنانچہ یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھ لیا جاوے کہ صحیح ہے اور اس تقریر سے بعض اشکالات بھی حل ہو گئے اور اسی کا ضمیمہ یہ بھی ہے کہ حتی الوسع رمضان میں غذائے حلال کا زیادہ اہتمام رکھے، شرم کی بات ہے کہ حلال سے دن بھر رکا رہے اور حرام سے افطار کرے!!

سحور یعنی سحری

اس میں غالبًا دو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک تعجیل کے متعلق دوسرے تاخیر کے متعلق

(۱) اول کا بیان یہ ہے کہ اکثر لوگ آدھی رات سے سحری کھاکر بیٹھ رہتے ہیں، سو اول تو خود اس قدر تعجیل ہی امرِ شارع وغرضِ مشروعیتِ سحر کے خلاف ہے اور وہ غرض یہ ہے کہ مسلمین واھلِ کتاب میں فرق رہے اور روزہ میں قوت وطاقت رہے اور دوسرے اکثر عوام کا اس کے ساتھ یہ اعتقاد منضم ہو جاتا ہے کہ جب سحر کھاکر روزہ کی نیت کرلی یا سو گئے تو اس کے بعد گو رات باقی ہی ہو مگر اب کھانا پینا جائز نہیں، سو یہ اعتقاد ایک (اختراع فی الدین) ہے جس سے توبہ واجب ہے۔

(۲) ثانی کا بیان یہ ہے کہ بعضے لوگ خصوص جن کے پاس نقشے اور گھڑیاں بھی ہیں اس قدر تاخیر کرتے ہیں کہ بعض اوقات یہ اشتباہ قوی ہو جاتا ہے کہ کہیں صبح صادق کے بعد تو نہیں کھایا گیا، اس قدر مبالغہ ضرور بے احتیاطی ہے، حدیث متفق علیہ کالراعی یرعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ) اس سے صاف روک رہی ہے، اسی طرح گھڑیوں پر اتنا اعتماد کہ اس کی بنا پر اتنے بڑے فرض الٰہی کو خطرہ میں ڈالنے پر اقدام کر بیٹھے جسارت عظیمہ ہے، اور تجربہ کے بھی خلاف، کیونکہ ہزاروں واقعات بڑی بڑی قیمتی گھڑیوں کی غلطی نکلنے پر شاہد ہیں۔

اسی طرح اس کے مقابل بعض کا تشدد کہ گھڑی ہی کو بدعت کہتے ہیں اور نماز روزہ میں اس کے حساب کو کسی درجہ میں معتبر رکھنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں، یہ بھی تعدی حدود ہے اس میں "قولِ فیصل" یہ ہے کہ اصل مدارِ معرفت اوقات میں، علامات خاصہ ہیں، اور ان علامات کی تحقیق میں جیسا مشاہدہ اور حس معتبر ہے اسی طرح اس مشاہدہ وحس کی مطابقت پر کوئی اصطلاح یا آلہ جس کا کثرتِ تکرار مشاہدہ سے صحیح ومطابق ہونا معلوم ہوا ہو مقرر کرلیں یا اور کوئی قدرتی چیز مطابق معلوم ہو تو اس کا اعتبار بھی جائز ہے۔ نہ من حیث الخصوصیت بلکہ من حیث المطابقۃ لتلک العلاماتِ المعتبرۃِ شرعًا (یعنی یہ کوئی خصوصیت اس

آلہ اور اصلاح کی نہیں، بلکہ یہ آلہ چونکہ ایسی علامتوں کے مطابق ہوگیا ہے جو شرعًا معتبر ہیں اس کا بھی اعتبار ہوگیا) پس گھڑی اسی قبیل سے ہے، نظیر اس کی طبلِ سحور ہے، جس کے جواز اعتبار کو فقہاء متاخرین نے تنصیصًا فرمایا ہے، (یعنی صبح صادق کے لئے جو نقارہ بجایا جائے اس پر اعتبار کر لینے کی فقہاء نے تصریح فرمائی ہے)

لیکن بدل کسی طرح اصل کے برابر نہیں ہوسکتا، کیونکہ اصل میں تو غلطی کا احتمال ہی نہیں (مثلاً غروب کا آنکھوں سے دیکھ لینا، ہاں شاید کبھی حس میں غلطی ہوجائے) اور بدل میں احتمال ہے (جیسے گھڑی) اور یہاں سے سحر میں مرغ کی اذان کا اور انطار کے وقت شپرک کے نکلنے کا وقت بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ بدوں تجربۂ کامل کے اس پر اعتماد نہ چاہیئے۔

- بعض لوگ سحر مناسب وقت کھاتے ہیں مگر فضول حقّہ و پان میں اسقدر دیر لگادیتے ہیں کہ روزہ خطرہ میں پڑجاتا ہے۔
- بعضے پان منہ میں دبا کر سو رہتے ہیں یہ سب بے عنوانیاں ہیں۔

سحری میں کوتاہی

- ایک بے عنوانی سحور کے متعلق بعض مقامات پر یہ دیکھی جاتی ہے کہ صبح کی اذان قبل الوقت کہتے ہیں، تاکہ سحر کھانے والے سحر چھوڑ دیں، مگر جن کے نزدیک اذانِ فجر قبل الوقت کافی نہیں (جیسے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ) ان کے نزدیک اس اذان کا اعادہ ضروری ہے اور اعادہ نہیں کیا جاتا تو صبح کی نماز بدون اذان ہوتی ہے، دوسرے اگر لوگوں کو اس کی عادت ہوگئی اور ظاہر ہے کہ مؤذن نہ ایسے دیانتدار نہ ایسے واقف کارِ اوقات ہیں تو اگر کسی روز غلطی سے خلافِ معمول بعد صبح صادق اذان ہوئی، تو تمام لوگوں کے روزے اس اذان کے بھروسہ برباد ہوں گے، اس لئے مصلحت یہ ہے کہ اذان ایسے وقت کہی جایا کرے کہ اس اذان کے اعتماد پر کوئی شخص سحری نہ کھاوے، پھر خود ہی ہر شخص اپنے طور پر تحقیق کر کے اس پر عمل درآمد کرے گا۔

افطار

اس وقت ذہن میں اس کے متعلق بڑی کوتاہی ایک ہی آتی ہے وہ یہ کہ اکثر جگہ دیکھا جاتا ہے کہ افطار کے سامان میں جس کو عرف میں " افطاری " کہتے ہیں اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ اس کے کھاتے کھاتے مغرب کی جماعت بالکل یا کسی قدر فوت ہوجاتی ہے۔ اور یہ بات قصداً اور اکثر ہوتی ہے، جس میں شرعاً معذور بھی نہیں ہوسکتا، جماعت کی جو کچھ تاکید آئی ہے اس کے اعتبار سے یہ عادت نہایت منکر ہے، اول تو اس قدر اہتمام ہی کیا ضرور ہے؟ دوسرے یہ بھی تو ممکن ہے کہ نماز کے بعد یہ شغل ہوا اور افطار کسی مختصر چیز پر ہوکر نماز میں حاضر ہوجاوے،

اس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ افطار خواہ مطوّل ہو خواہ مختصر ہو مسجد میں ہونا چاہیئے، مکان پر روزہ کھولنے سے اکثر جماعت برباد ہوتی ہے، پھر جب جماعت ملنے سے مایوسی ہوجاتی ہے اکثر لوگ گھر ہی پر نماز پڑھ لیتے ہیں، تو روز روز مسجد کی برکات سے بھی محروم رہتے ہیں اگر دو چار کی دعوت ہو تو وہ سب بھی مسجد میں جا سکتے ہیں کیا بندہ کے گھر پہ جانا فخر اور خدا کے در پر حاضر ہونا عار ہے .... ؟ اگر یہی خیال ہے تو یہ تمام افطار بیکار ہی بیکار ہے۔

تراویح

اس عمل میں دو جزو ہیں قرآن پڑھنا، اور نماز، اور ایک ان دونوں کا مجموعہ ہے، اور دونوں جزو میں جو جو کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں اس سے پہلے مفصل بیان کر چکا ہوں اس سے ایک بڑی فہرست تراویح کی کوتاہیوں کی بھی معلوم ہوسکتی ہے، اسوقت صرف ان بعض کوتاہیوں کا مختصراً ذکر کرتا ہوں جو مجموعہ میں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) اکثر لوگ فارغ ہونے کی جلدی میں وقت کے آنے سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے ہیں۔

(۲) اگر کھڑے بھی وقت پر ہوتے ہیں تو اذان ہی وقت سے پہلے کہہ دیتے ہیں۔

(۳) قرآن مجید اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ تجوید کیا تصحیح حروف بھی نہیں ہوتی! بعض دفعہ سامعین کو سمجھنا کجا سنائی بھی نہیں دیتا کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔

(۴) اکثر ثنا و تسبیحات رکوع و سجود و تشہد، مقتدی پورا نہیں پڑھنے پاتا کہ امام صاحب قرأۃ یا قومہ یا جلسہ یا قیام یا سلام کی طرف چل دیتے ہیں۔

(۵) ترویحہ میں بھی بعض جگہ نہیں ٹھہرتے۔

(۶) بعضے لوگ ایک ہی رات میں دو دو جگہ پوری تراویح پڑھا دیتے ہیں۔

(۷) بہت لوگ اجرت پر قرآن سناتے ہیں۔

(۸) بعضے حفاظ اپنا پڑھ کر یا کسی روز ناغہ کر کے دوسرے حفاظ کا اس نیت سے سننے جاتے ہیں کہ اس کی غلطیاں پکڑیں گے یا اس کو غلطی میں ڈالیں گے، خواہ غلط بتلا کر یا اس کے قلب کو مختلف نالائق حرکات سے پریشان کر کے، کہیں لاٹھی کھڑکھڑاتے ہیں کہیں پاؤں زور زور سے زمین پر مارتے ہیں، کہیں کھنکارتے ہیں، کہیں لالٹین کو الٹ پلٹ کر کے دکھاتے ہیں، کہیں کھڑے ہو کر زور زور سے باتیں کرتے ہیں، غلط گیری کا تجسس اور غلط اندازی شیطنت ہے یہ اسی کا خاصا ہے، عبادت میں دوسری طرف مشغول کر کے خلل ڈالنا۔

(۹) بعض ایسے بچوں کو امام بنا دینا جن کو طہارت و نماز کے مسائل ضروری بھی معلوم نہیں، بلکہ ان پر یہ بھی اطمینان نہیں کہ ان کے کپڑے بھی پاک ہوں گے یا ان کو وضو بھی ہوگا اور نابالغ کے پیچھے تراویح کے جائز ہونے میں جو اختلاف ہے وہ اس سبب سے علاوہ ہے اول تو نماز کے بارہ میں احوط پر عمل مطلوب ہے، پھر جواز کی صورت میں بھی ان عوارض بالا کا کیسے انکار ہو سکتا ہے، ایسے بچے نوافل میں پڑھ دیا کریں کافی ہے۔

(۱۰) بعض دفعہ شبینہ اس طرح پڑھنا کہ نماز اور قرآن دونوں کے احترام و تعظیم کا بالکل ضائع ہونا لازم آتا ہے، یہاں تک کہ ایک مقام پر ایک حافظ صاحب چارپائی پر لیٹے ہوئے سب حفاظ کا سنا کیے اور سہواً و متشابہ بھی بتلاتے رہے اور بعضے نمازیں شب بھر کی

برباد کرتے رہے اور بہت سی خرابیاں اس کے متعلق بندہ نے " اصلاح الرسوم" میں لکھ دی ہیں اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے، چونکہ ان مذکورہ دس امور کا حکم کچھ مخفی نہیں نیز مراجعتِ علماء سے بآسانی ہو سکتا ہے اس لئے بخیال تطویل مختصر کر دیا۔

(۱۱) بعض امورِ متفرقہ منکرات میں سے ہیں، جیسے منجھلے روزہ کے لیے خاص طور پر اہتمام کرنا۔

(۱۲) آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا التزام

(۱۳) ختم قرآن کے وقت شیرینی کو لازم و ضروری کرنا۔

(۱۴) بعض جگہ انیسویں شب کو بھی ختم تراویح پر تقسیم شیرینی کا انتظام۔

(۱۵) نامحرم حافظوں کو گھر میں بلا کر عورتوں کا قرآن سننے کے لئے جمع ہونا ونحو ذالک، ان میں بعض کا حکم اصلاح الرسوم میں ہے، بعض کا اہل علم سے معلوم کر لیا جائے، یہ سب رمضان المبارک کے متعلق بیان ہوا، اب دو امر اس کے متعلقات سے رہے جو عید کے متعلق ہیں، ان کے بارہ میں سنئے مگر مختصر ہی ہے۔

صدقۂ فطر

بہت لوگوں کو اس کے مامور بہ ہونے کی خبر نہیں (یعنی یہ بھی نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا اور واجب کیا ہے) بہت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ ان ہی کی طرف سے دیا جاتا ہے جنھوں نے روزے رکھے ہیں، سو وہ بچوں کی طرف سے ادا نہیں کرتے بہت لوگ خاص کر دیہات والے صدقۂ فطر جمع کر کے مسجد کے مؤذن یا امام کو یا کچھ مسجد کے سقہ کو دے دیتے ہیں اور یہ نہیں کہ ان کی حق المحنت واجرت کے علاوہ مسکین سمجھ کر دیدیتے ہوں، بلکہ ان لوگوں کو ایسی ہی شرائط مقرر کرتے ہیں کہ تم یہ کام کرو تم کو یہ ملے گا، ان میں صدقۂ فطر بھی شمار کیا جاتا ہے، تو اسی طور پر وہ ان کے عمل کا عوض ہوا جو کہ اجرت ہے اور اجرت دینے سے وہ ادا نہیں ہوا اس لئے ان دینے والوں کے ذمہ مکرر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

البتہ اگر مقرر کرتے وقت تصریح کر دیں کہ صدقۂ فطر سے تمہارا کچھ واسطہ نہ ہوگا اور پھر

مسکین سمجھ کر دیدیں وہ جائز ہے، بشرطیکہ واقع میں مسکین بھی ہو، ورنہ اگر وہ غنی ہو، جیسا کہ بعض جگہ نہ معطی کو اس کی پرواہ ہے نہ آخذ کو۔ (نہ دینے والوں کو نہ لینے والوں کو) تو اس دینے سے صدقہ فطر ادا نہ ہوگا مکرر دینا پڑیگا، لیکن اس غنی سے جبراً واپس بھی نہ لے سکے گا۔ رہا یہ کہ اس غنی کے لئے بھی وہ حلال ہوگا یا نہیں، اور اگر حلال نہیں تو آیا دینے والے کو واپس کر دینا واجب ہے یا صدقہ کرنا ان مسئلوں میں کسی قدر اختلاف ہے۔ کمافی ردالمحتار باب المصرف تحت قوله ولو دفع بلاتحرّ (چنانچہ شامی میں مستحقینِ صدقہ وزکوٰۃ کے بیان میں لودفع بلاتحرّ کے ذیل میں ذکر کیا ہے)

تنبیہ :- اگر ناواقفیت مسائل یا بے پروائی سے گذشتہ زمانہ میں بچوں کا صدقہ فطر نہ دیا ہو یا مؤذن وغیرہ کو اجرت میں دے دیا ہو یا غنی کو دیدیا ہو، تو یاد کر کے اور حساب لگا کر اب مساکین کو اس مقدار کے موافق دیدیں تاکہ ذمہ فارغ ہو جاوے اور صدقۃ الفطر کے مسائل علماء سے دریافت کر کے یا بہشتی زیور میں مطالعہ کر کے خود بھی عمل کرنا اور دوسروں کو آگاہ کرنا چاہیئے۔

نمازِ عید

اس میں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

(۱)——— ایک یہ کہ بعض لوگ اس نماز کا طریقہ ہی نہیں جانتے اور غضب یہ کہ اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی کہ آٹھ دس دن پہلے یاد ہی کرلیں اس سے زیادہ کیا بے پروائی ہوگی۔!!

(۲)——— ایک یہ کہ اکثر جگہ یہ نماز بہت ہی دیر میں پڑھتے ہیں، حالانکہ صریح سنت اس کے خلاف آئی ہے۔

(۳)——— ایک یہ بہت جگہ امام اور خطیب جاہل ہیں جو بنا بر دعویٰ استحقاق آبائی نماز پڑھاتے آئے ہیں، جن میں اکثر تو ایسے جاہل ہیں کہ خطبہ اور سورۃ تک صحیح نہیں پڑھ سکتے اور اگر نماز میں کوئی سانحہ پیش آجائے جس میں مسائل جاننے کی ضرورت ہو تو کچھ

نہیں کر سکتے، یہ تقدم انہوں نے اختیار تو کیا تھا ترفع کے لئے لیکن اس جہل کی بدولت ان کی اس قدر فضیحتی اور رسوائی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ اور اگر اس درجہ کے جاہل نہ ہوئے تب بھی مدعی مرائی متفاخر متصنع کے پیچھے نماز پڑھنے کو فقہاء نے خود مکروہ کہا ہے۔

اس کا انسدادِ سہل بجز اس کے کچھ نہیں کہ اہلِ حل وعقد یعنی بستی کے عمائد اس امام کو معزول کر کے کسی اہل کو مقرر کریں، اور آئندہ اس رسم کو موقوف کریں کہ امام کا بیٹا ہی امام ہو، بلکہ اس کی وفات کے بعد پھر جو سب میں زیادہ اہل ہو اس کو مقرر کریں وَھَلُمَّ جَرّاً" (اسی طرح آگے تک)

(۴) ـــــ ایک کوتاہی یہ کہ بعضے جو بزعم خود مقتدا ہیں متبوع مستقل بننے کی غرض سے عید گاہ کو چھوڑ کر اپنے محلہ کی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہیں، جس مسجد کی یہ نضیلت ہو کہ وہاں ایک نماز برابر پچاس ہزار نماز کے ہو (یعنی مسجد نبوی) جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تو چھوڑ کر عمر بھر عید گاہ میں تشریف لے جاویں جس سے یہ بھی مستنبط ہو کہ وہ تضاعف مکتوبات کے ساتھ خاص ہے اور یہ مفتے چند مدعی اپنی مسجد کو عید گاہ پر ترجیح دیں ۔۔۔ !!

البتہ معذورین کے لئے اگر کسی شخص کو شہر میں نماز پڑھانے کے لئے چھوڑ دیں مضائقہ نہیں مگر مقتدا لوگ خود نہ رہیں اپنے کسی متعلق قابل امامت چھوڑ دیں یا یہ کہ اتفاقاً کوئی عذر خود مقتدا کو یا عام لوگوں کو پیش آجاوے تو دوسری بات ہے، چنانچہ ایک بار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعذرِ مطر (بارش) مسجد میں نماز ادا فرمائی ۔۔۔

(۵) ـــــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بہت لوگ عید میں غیر مشروع لباس پہن کر یا اپنے بچوں کو پہنا کر جاتے ہیں اور لے جاتے ہیں حالانکہ ایسے لباس سے علاوہ فی نفسہ حرام ہونے کے نماز کا قبول نہ ہونا بھی وارد ہے۔

(۶) ـــــ ایک کوتاہی یہ ہے صفیں نہایت بے ترتیب ہوتی ہیں۔ صفوف کے استوار (یعنی برابر کرنے) کی سخت تاکید آئی ہے۔

(۷) ـــــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ خطبہ سننے کو بالکل امرِ فضول سمجھتے ہیں اگر سب

حاضرین ایسا ہی کریں تو خطیب خطبہ کس کے سامنے پڑھے ؟
اور بعضے بیٹھے ہیں مگر باتیں کرتے رہتے ہیں یہ اور بھی گناہ ہے اور بعضے منکراتِ عید کے متعلق " اصلاح الرسوم" میں مذکور ہوئے ہیں۔ اب اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

زکوٰۃ کے بارے میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملۂ زکوٰۃ)

جس طرح عباداتِ بدنیہ میں نماز سب سے اہم ہے اسی طرح عباداتِ مالیہ میں زکوٰۃ سب سے اہم ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے ساتھ آتُوا الزَّکٰوۃَ آنا اس اہمیت میں شریک ہونے کی تائید کرتا ہے، اس لئے اس کے متعلق کوتاہیوں پر مطلع ہونا بھی نہایت اہم ہوگا، پس مختصراً ان کو لکھا جاتا ہے۔

(۱) — ایک کوتاہی تو جو سب سے بڑی ہے یہ ہے کہ بہت سے لوگ زکوٰۃ ہی نہیں دیتے، اس کی اصلاح یہ ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ کی تاکید و فرضیت کے نصوص اور اس کے ترک پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو دیکھیں سنیں، غور کریں اور اس کا جو اصلی سبب "بخل" ہے اس کا علاج کریں، اس علاج کا حاصل مال کی محبت کا گھٹانا ہے، جس کی سب سے اچھی تدبیر موت کا بکثرت یاد کرنا اور یاد رکھنا ہے۔

اور اگر اس کوتاہی کا سبب فرضیت کا اعتقاد نہ ہونا ہے گو آج کل ایسا شخص سنا نہیں گیا، لیکن اگر نادراً ایسا ہو تو اس کی اصلاح اپنے شبہات کا کسی محقق عالم سے رفع کرنا ہے اور اگر رفع نہ کیا اور منکرِ فرضیت رہا تو وہ کافر ہے۔

(۲) — ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے زکوٰۃ دیتے ہیں مگر حساب سے نہیں دیتے، جو کچھ جی چاہا دیدی، سو یہ بھی نہ دینے ہی میں داخل ہے کیونکہ ایک ہزار کے مال میں پچیس روپے واجب تھے اور اس نے دس روپے دیئے تو چار سو کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور چھ سو کی رہ گئی، تو

ایسا ہو گیا جیسے کسی کے پاس چھ ہی سو روپے ہوں اور بالکل زکوٰۃ نہ دے پس اس میں بھی وہی معروض ہے جو اوپر مذکور ہوا،

کون سے مال پر زکوٰۃ واجب ہے ؟

(۳) ــــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ بعض اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور بعض اموال کی نہیں دیتے، اس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ ان کو یہ خبر نہیں کہ کس کس مال میں زکوٰۃ ہوا کرتی ہے، اس لئے ان اموال کو بتایا جاتا ہے۔

ایک چاندی، سونا، خواہ سکہ کی صورت میں ہو خواہ زیور کی صورت میں ہو، خواہ گوٹہ ٹھپّہ ہو خواہ ویسے ہی ٹکڑے رکھے ہوں، اور خواہ پاس موجود ہو، اور خواہ موجود نہ ہو، مگر اس کا وصول کرنا یا اس سے منتفع ہونا ممکن ہو، جیسے لوٹ لے لئے ہوں یا بینک میں جمع ہو یا کسی کے ذمہ قرض آتا ہو خواہ نقد دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو اور وصول سے ناامیدی نہ ہو، لیکن قرض میں یہ اختیار ہے کہ خواہ اور اموال کے زکوٰۃ کے ساتھ دیدے، خواہ جب وصول ہوتا رہے دیتا رہے لیکن اگر وصول کے وقت دے گا تو تمام ایام گذشتہ کی دینی پڑے گی۔ مثلاً دو سال میں سو روپے وصول ہوئے تو ان کی زکوٰۃ اڑھائی روپے سال کے حساب سے دو سال کی پانچ روپے دینا پڑیگی

★ دوسرا مال تجارت اور مالِ تجارت وہی ہے جس کے خریدنے کے وقت یہ نیت ہو کہ ہم اس کو بیچیں گے، خواہ وہ منقولات میں سے ہو خواہ غیر منقولات میں سے ہو، مثلاً ایک شخص کی یہ عادت ہے کہ مکانات واراضی موقع کی خرید لیتا ہے اور پھر موقع پر بیچ ڈالتا ہے، یہ بھی مال تجارت ہو جاوے گا۔ اور زکوٰۃ اس میں واجب ہوگی اور جس کے خریدنے کے وقت بیچنے کی نیت نہ ہو گو بعد خرید چکنے کے نیت ہو جاوے وہ مال تجارت نہیں اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اسی طرح اگر خریدنے کے وقت تجارت کی نیت تھی مگر حولان حول سے پہلے (یعنی جس وقت ختم سال پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوا کرتی ہے اس ختم سال سے پہلے) وہ نیت تجارت کی فسخ ہو گئی ہو وہ بھی مال تجارت نہیں رہا اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح اگر وہ مال خریدا ہوا نہیں بلکہ میراث میں پہنچا ہے اور مالک ہوتے ہی تجارت کی نیت کر لی یا گھر کا غلہ پیدا ہوا ہے اور تیاری کے وقت نیت تجارت کی کر لی وہ بھی مال تجارت نہیں اور اس میں زکوٰۃ واجب نہیں

★ تیسرا مال وہ مویشی ہیں جن کو نسل بڑھانے کے لیئے پالا ہو جیسے بعضے لوگ بکریاں یا گائیں یا گھوڑیاں پالتے ہیں، ان کے احکام و شرائط میں بہت تفصیل ہے۔ فقہ کی اردو کی کتابوں میں دیکھ لیا جاوے۔

★ چوتھا مال عشری زمین کی حقیقت کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین اس وقت مسلمان کی ملک میں ہو اور اس کے قبل اس کا کسی کافر کی ملک میں آنا معلوم نہ ہو، خواہ واقع میں وہ جب سے اہلِ اسلام کی مفتوحات میں داخل ہوئی ہے کسی کافر کے ہاتھ میں نہ پہنچی ہو، خواہ درمیان میں کوئی کافر بھی برائے چندے اس کا مالک ہو گیا ہو، مگر کسی کو معلوم نہ ہو بس ایسی زمین عشری ہے اس میں جو کچھ پیدا ہو خواہ غلہ، خواہ نیشکر و چری وغیرہ، خواہ خشخاش یا خواہ تمباکو یا اور ادویہ یا پھول جو بغرض نفع بوئے گئے ہو، یا اس میں باغ کسی قسم کے پھل کا ہو ان سب میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، اس زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں اور ہندوستان میں اس سے بڑی غفلت ہے، ان کی دو قسموں کے مال میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور تیسری قسم میں بہت تفصیل ہے جو فقہ کی اردو کی کتابوں میں ملے گی اور چوتھی قسم میں بارانی زمین میں دسواں حصہ کل پیداوار کا ہے اور چاہی اور نہری میں بیسواں حصہ کل پیداوار کا ہے۔

زکوٰۃ کے حساب میں غلطیاں

(۴) - ایک کوتاہی یہ ہے کہ اپنے نزدیک حساب دیتے ہیں مگر واقع میں وہ حساب غلط ہوتا ہے مثلاً مالِ تجارت میں اپنی خرید یا لاگت کا حساب لگا لیتے ہیں فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کچھ کتابیں تاجرانہ نرخ سے خریدیں یا اپنے پریس میں چھاپیں اور ہزار روپے میں اس کو پڑ گئیں مگر بازار میں وہ دو ہزار کی ہیں تو زکوٰۃ دو ہزار کی دینا چاہیئے اور اگر دو ہزار کی زکوٰۃ تو زکوٰۃ پچاس روپے دیتے ہوئے دل دکھے تو سہل یہ ہے کہ خود کتابوں کا چالیسواں حصہ دیدے مثلاً چالیس ہدایہ میں سے ایک ہدایہ دے دے یا ایسی کتاب دیدے جس کی ہدایہ کی برابر قیمت پر نکاسی ہوتی ہو۔

اور اس حساب غلط لگانے کی ایک اور باریک مثال ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک

شخص کے پاس سو روپے کی برابر وزن میں چاندی کا زیور ہے اور قیمت اتنی چاندی کی بوجہ ارزانی اسی روپے ہے، تو اکثر لوگ اس اسی روپیہ کا چالیسواں حصہ یعنی دو روپے دیدیتے ہیں، حالانکہ ہم جنس سے زکوٰۃ ادا کرنے میں صنعت اور سکہ کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا پس اس کے ذمہ اڑھائی روپیہ بھر چاندی واجب ہے، اگر روپیہ دیا تو وہ چاندی کے حساب میں شمار ہوگا اس لئے اڑھائی روپیہ دینے میں زکوٰۃ ادا ہوگی دو روپیہ دینے سے آٹھ آنہ بھر چاندی اس کے ذمہ اور رہی اور اگر اڑھائی روپیہ دینے میں خسارہ سمجھے تو اس کی دو صورتیں اور ہیں۔ ایک یہ کہ روپیہ نہ دے خود چاندی اڑھائی روپیہ بھر دیدے اور وہ مسکین اس کو بیچ کر کارروائی کرے گا۔ دوسرا اس سے بھی سہل یہ ہے کہ دو روپے کے بالکل پیسے ہی پیسے کہ جس میں چاندی کی دوئنی تک نہ ہو مساکین کو دیدے کیونکہ ان پیسوں کی چاندی اڑھائی روپے بھر آسکتی ہے اور خلافِ جنس اس لئے ان پیسوں کی قیمت اڑھائی روپے بھر چاندی کی برابر سمجھی جاوے گی اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔

ایک مثال حساب غلط ہونے کی بہت ہی باریک ہے وہ یہ کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بوجہ اس کے کہ رمضان ہی تک میں ایک ذخیرہ ثواب برابر ستر فرض کے ہے۔ رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ اور پھر رمضان ہی سے سلسلہ حساب کا رکھتے ہیں، پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نصاب کے مالک ہونے کی تاریخ سے جو سال شروع ہوا ہے وہ رمضان کے تین چار ماہ پہلے مثلاً ختم ہو گیا تھا تو اسی شخص نے رمضان شریف سے حساب رکھنے کے لئے ان تین چار ماہ کی زکوٰۃ بھی دیدی پھر آئندہ کے لئے رمضان سے رمضان تک حساب جاری رکھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رمضان سے تین چار ماہ بعد سال ختم ہوتا ہے، تو یہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کر کے اپنے کو جلدی سبکدوش سمجھ لیتا ہے، مگر غلطی اس میں یہ ہوتی ہے کہ جب رمضان میں یہ شخص زکوٰۃ نکالتا ہے تو جتنا مال رمضان شریف میں اس کی ملک میں ہے یہ اسی کی زکوٰۃ نکالتا ہے، حالانکہ احتمال ہے کہ جو ختم سال

اس کا واقعی ہے اس میں نصاب اس وقت سے زیادہ ہوا اور زکوٰۃ واقع میں اسی زیادہ کے حساب سے واجب ہوگی تو اس طور پر حساب سے کچھ زیادہ زکوٰۃ اس کے ذمہ رہ جائیگی،

اور اس طرح سے یہ حساب غلط ہو جاوے گا مثلاً اس کا سال رجب میں ختم ہوتا تھا اور اس وقت اس کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، جس کی زکوٰۃ پچیس روپیہ ہوتی ہے اور رمضان شریف میں اس کے پاس آٹھ سو روپے رہ گئے جس کی زکوٰۃ بیس روپیہ ہوتی ہے، تو اب اگر اس شخص نے اسی وقت کا نصاب دیکھکر بیس روپیہ ادا کئے تو پانچ روپیہ اس کے ذمہ رہ گئے۔ اسی طرح اگر اس کا سال ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے اور رمضان میں اس کے پاس آٹھ سو روپے تھے مگر ذی الحجہ میں ہزار ہو گئے تب بھی بعینہ یہی غلطی ہوئی اسی طرح ہر ختم سال پر یہی احتمال ہے۔

سو فرض کیجئے اگر اتفاق سے پانچ سال تک یہی قصہ رہا کہ ختم سال پر تو ہزار روپے ہوتے ہیں اور رمضان میں آٹھ سو روپے تو پانچ روپیہ سال جمع ہو کر پانچ سال میں پچیس روپیہ اس کے ذمہ واجب الادا رہا، تو ایسا ہو گیا جیسے پانچ سال میں چار سال کی زکوٰۃ دی اور ایک سال کی نہ دی، اس لئے یہ ضرور ہے کہ ختم سال پر کے نصاب کو ضرور دیکھا جاوے اور اس کی زکوٰۃ کی مقدار کو یاد رکھے، پھر اگر سال رمضان سے پہلے ختم ہوا ہے، تو رمضان شریف میں اس مقدار کی برابر خیال کر کے زکوٰۃ دے اور اگر رمضان کے بعد سال ختم ہوتا ہے تو رمضان میں جتنا انداز سے دیا ہے اس کو یاد رکھیں، پھر ختم سال پر جتنی مقدار زکوٰۃ کی ہے اس ادا کی ہوئی کو اس سے ملا دے، اگر کچھ ادا کرنے سے رہ گیا ہو تو پورا کرے اور اگر زیادہ دے دیا ہو تو اگلے سال میں لگا لینا جائز ہے۔

زکوٰۃ کو صحیح مصرف پر نہ دینا

(۵) ـــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی زکوٰۃ نکال کر اس کے مصرفِ شرعی میں صرف نہیں کرتے مثلاً بعضے اپنے پیروں کو دیتے ہیں گو وہ صاحبِ نصاب ہو، بعضے مساجد کے ائمہ و مؤذنین کو ان کی تنخواہ کے حساب میں دیتے ہیں؛ بعضے چندہ مدارس میں

دیتے ہیں اور مہتمم کو اطلاع نہیں کرتے اور وہ اس کو تعمیر یا فرش یا تنخواہِ مدرسین یا خرید کتب میں صرف کر دیتا ہے۔ بعضے مردہ کے کفن میں خرچ کر دیتے ہیں اور ان سب صورتوں میں زکوٰۃ سر پر رہتی ہے ادا نہیں ہوتی، اسی طرح سادات و بنی ہاشم "بقولِ اصح" اس کے مصرف نہیں ہیں اور جن کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ان کو اگر ملنے کے وقت اطلاع ہو جاوے کہ یہ زکوٰۃ ہے تو شامی نے بعض فقہا سے نقل کیا ہے کہ ان کو لینا بھی حرام ہے اور اگر ان قرآئن سے معلوم ہو کہ دینے والے کو ہمارا غیر مصرف ہونا معلوم نہیں تو اطلاع کرنا واجب ہے، اور اخفاء یا سکوت بالاتفاق حرام ہے اور اگر لے لیا تو صاحبِ نصاب کو مکرر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

البتہ کفن میّت میں اس طرح صرف ہو سکتا ہے کہ اس میت کے کسی غریب قریب کو دے دیا جاوے پھر وہ اپنے اختیار اور رائے سے بلا اس کے کہ اس کو کوئی کسی طرح مجبور کرے اس کا کفن لا کر اپنی طرف سے ڈال دے، اسی طرح امام و مؤذن کو ان کے مقرر کئے ہوئے کے علاوہ اگر وہ مسکین ہوں تو زکوٰۃ دے سکتے ہیں،

اسی طرح مدارس میں دینے کے لئے شرطیں ہیں کہ مہتمم کو اطلاع کرے اور یہ کہ اس پر قلب مطمئن ہو کہ یہ غیر مصرف میں صرف نہ کرے گا تاکہ وہ مصرف میں صرف کر سکے اور کر دے، مثلاً مستحق طلباء کو دیدے کہ وہ اپنی خوراک پوشاک وغیرہ میں صرف کریں اور اگر اطلاع نہ ہوئی یا ہوئی مگر وہ مسائل نہیں جانتا یا جانتا ہے مگر محتاط نہیں، تو ان صورتوں میں چونکہ اطمینان نہیں کہ وہ مصرف میں صرف کرے گا، اس لئے ایسے شخص کو دینا ہی جائز نہیں۔

غرض جس جگہ صرف کرنے سے کسی خاص شخص کی ملک نہ ہو اور ملک بھی واقعی جیسے عمارت یا فرش مسجد میں صرف کرنا یا کفن لے کر مردہ پر ڈال دینا، یا ملک تو ہو جاوے مگر وہ شخص مصرف نہ ہو جیسے غنی یا بنی ہاشم یا اس کی خدمت کی اجرت میں دیا جاوے، جیسا مذکورین کی تنخواہوں میں دینا یہ سب غیر مصرف ہیں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور دوبارہ دینا پڑے گی، سنا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے چندہ حجاز ریلوے میں زکوٰۃ دے دی ہے سو

سو ان کو وہ زکوٰۃ دوبارہ دینا چاہیئے۔

اور ملکِ واقعی کے چندہ لگانے سے یہ بات معلوم ہو گئی ہو گی کہ بعض لوگ جو مدارس یا مساجد کے مصارفِ عامہ میں صرف کرنے کے لئے ایک حیلہ کیا کرتے ہیں کہ اوّل کسی مسکین مصرفِ زکوٰۃ کو سمجھا دیا کہ ہم تم کو سو روپیہ دیں گے پھر تم مسجد یا مدرسہ میں دے دینا۔ اور پھر اس کو دیتے ہیں اور وہ مسجد وغیرہ میں دے دیتا ہے اور اس کو "حیلہ تملیک" کہا جاتا ہے چونکہ یقینی بات ہے اس میں دینے والا حقیقتہً اس مسکین کو مالک نہیں بناتا محض صورت تملیک کی ہے اس لئے اس طور سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم مشکل ہے۔

اور ایک خرابی اس میں یہ ہے کہ وہ مجبور ہو کر پھر واپس کر دیتا ہے، تو وہ دینا اس کا بہ طیبِ خاطر نہیں ہوتا جو کہ حلت مال کی شرط ہے، غرض لینا دینا دونوں قواعد کے خلاف ہیں، بعضوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شرع تو ظاہر پر ہے تو خوب سمجھ لو! کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی تفتیش مت کرو، لیکن اگر بلا تفتیش باطن کی اطلاع ہو کہ یہاں تملیک کی نیت نہیں اور طیب خاطر نہیں تو شرع نے یہ کب کہا ہے کہ اب بھی باطن کا اعتبار مت کرو؟ اگر یہ نہ ہوتا تو بنصِّ حدیث جو حلت مال کے لئے طیبِ نفس شرط لگایا گیا ہے جو کہ امرِ مبطن ہے یہ بے معنیٰ ہوتا ہے۔

اگر کہیں ایسے ہی موقع پر زکوٰۃ سے امداد کرنے کی ضرورت ہو اس کی ایک اور تدبیر جو کہ بالکل قواعد کے مطابق ہے یہ ہے کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جاوے کہ تم دس روپیہ مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں سیّد کو دے دو، یا فلاں مسجد و مدرسہ میں دے دو ہم تمہاری اعانت ادائے قرض میں کرائیں گے جب وہ مسکین وہاں دے دے تم اس مسکین کو دس روپے زکوٰۃ میں دے دو پھر اس سے اس کا قرض خواہ وصول کر لے گا، اس میں مسکین کو دینا بھی حقیقتہً ہوا۔ اور اس مسکین پر صدقہ دینے میں جبر بھی نہ ہوا۔ کیونکہ وہ آزاد ہے خواہ قبول کرے یا نہ کرے، بخلافِ حیلہ تملیک کے کہ اگر وہ مسکین موافق تعلیم کے نہ دے تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہو جاوے اور ہر چند کہ بعد مل جانے اس روپیہ کے قرض خواہ اس سے جبراً لے سکتا ہے مگر قرض تو حق واجب عہد کا ہے اور

اس میں جبر جائز ہے اور چونکہ وہ روپیہ حقیقتاً اس مسکین کا ہو گیا اس لئے اس کو جبراً اپنے قرضہ میں لے لینا سہل ہے، جیسے اس مسکین کے پاس خاص اس کا مکسوبہ ہوتا اور اس کو جبراً لینا جائز تھا۔

زکوٰۃ سے دنیوی مقاصد کا حصول

(۶) ـــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض آدمی زکوٰۃ سے دنیوی اغراض نکالنا چاہتے ہیں جو کہ خلوص کے خلاف ہے۔ مثلاً اپنے نوکروں کو زکوٰۃ اس خیال سے دیتے ہیں کہ یہ ہم سے زیادہ دبیں گے۔ اور کام خوب کریں گے اور اس میں کمی ہونے سے ان کو شکایت ہوتی ہے کہ دیکھو یہ لوگ کیسے ہیں کہ اس کا اثر نہیں مانا۔ بلکہ بعض تو زبان سے بھی جتلانے لگتے ہیں کہ نمک حرام تجھ کو اتنی تنخواہ دیتے ہیں اور زکوٰۃ سے بھی تیرا خیال رکھتے ہیں مگر تو ایسا احسان فراموش ہے وغیرہ ذلک گو ضابطہ سے یہ زکوٰۃ ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے لیکن حدیث لا یقبل اللہ الا الطیب کی رو سے یہ زکوٰۃ مقبول نہیں ہوتی، پھر اول اور دوسری کوتاہی والے بعضے عذر بھی پیش کرتے ہیں۔

مثلاً یہ عذر کہ اگر ہر سال زکوٰۃ دیتے رہیں تو بعضے مال تو تقریباً ختم ہو جاویں۔ مثلاً جس روپیہ سے ہم تجارت نہیں کرتے ویسے ہی رکھا ہے، یا زیور کہ تجارت کے کام ہی کا نہیں تو نشوونما تو کچھ ہوگا نہیں اور ہر سال ایک جزو زکوٰۃ کا نکلا کرے گا تو یوں ہی فنا ہو جاوے گا جواب یہ ہے کہ روپیہ سے تجارت کرنے کو کس نے منع کیا ہے اب اگر خود نہ کرو تو شریعت اس کی ذمہ دار نہیں۔

اسی طرح چاندی، سونا، زیور کے لئے اصل میں موضوع نہیں ہے بلکہ اصل خلقت میں وہ "ثمن" ہے جو تجارت کے لئے مخلوق ہوا ہے، سو زیور تم نے خود اپنی خوشی سے بنایا ہے شریعت اس کی ذمہ دار نہیں ہے، جب تم چاہو اس سے سکہ بدل کر تجارت کر سکتے ہو اور بڑھا سکتے ہو جس سے وہ اپنی زکوٰۃ کا خود کفیل و متحمل ہو سکتا ہے۔

اور مثلاً یہ عذر کہ دوکان میں جب مختلف اقسام کا مختلف قیمتوں کا مال موجود ہے

اس کا حساب کیسے ہو سکتا ہے؟ .... اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہاری دوکان میں خرید و فروخت کا حساب لکھا جاتا ہے تو کاغذات سے حساب تیار ہو سکتا ہے، اور اگر ایسا نہیں تو نظری تخمینہ کافی ہے، جو تخمینہ قرار پاوے احتیاط کے لئے کچھ اور بڑھالو۔ مثلاً آٹھ سو روپے کا تخمینہ ہوا تم ہزار سمجھ لو اتنے میں اتنا بڑھا لینے سے احتمال غلطی کا ہرگز نہ رہے گا اور زکوٰۃ میں کل پانچ روپیہ بڑھتے ہیں جو کچھ گراں نہیں اور اسی طرح گوٹہ ٹھپہ کا اور اسی طرح زیور کا جس میں دوسری چیز بھی مرکب ہے تخمینہ کافی ہے۔

اور مثلاً یہ عذر کہ صاحب ہمارا مال تو حلال نہیں ہے، حرام مال میں زکوٰۃ ہی نہیں سو سمجھ لیا جاوے کہ یہ مسئلہ غلط ہے حرام مال جب اپنے مال میں مل گیا وہ ملک میں داخل ہو گیا، گو ملک خبیث ہی ہو، اور وجوبِ زکوٰۃ کے لئے ملک ہونا شرط ہے طیب ہونا شرط نہیں، طیب ہونا مقبولیت کی شرط ہے سو زکوٰۃ واجب ہوگی، گو مقبول نہ ہوگی، پھر دینے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا ہے اس سے محفوظ رہے اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے، تو کیا عذاب ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک بات ہیں؟؟ البتہ خود کسب حرام کا جو عذاب ہے وہ الگ ہے اس کی نفی نہیں کی جاتی، لیکن نہ دینے سے دو عذاب کا استحقاق ہوتا کسبِ حرام کا الگ اور زکوٰۃ نہ دینے کا الگ اور اب ایک ہی ہوگا۔ تو کیا یہ دونوں بھی یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں!

ردّی چیزیں زکوٰۃ میں دینا

(۷) ـــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ میں ایسی چیز دیتے ہیں جو ردّی اور ناکارہ ہو مثلاً تاجرِ کتب ایسی کتاب دے جس کی نکاسی نہ ہوتی ہو اسی طرح تاجرِ پارچہ پرانے تھان نکالے اور تاجرِ غلہ کرم خوردہ غلہ نکالے وعلیٰ ھٰذا سو جس حساب میں اس نے یہ چیزیں لگائی ہیں اگر بازار میں اتنے کو نہ نکل سکے تب تو زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوئی۔ بقدر کمی قیمت اس کے ذمہ رہ گئی اور اگر اتنی قیمت کی ہے تو زکوٰۃ تو ادا ہو گئی مگر بقدر کمی خلوص کے مقبولیت میں کمی رہی۔

دعوت کے ذریعہ زکوٰۃ کا حکم

(۸) ۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ کے روپیہ یا غلہ کا کھانا پکوا کر مساکین کو دعوت میں کھلا دیتے ہیں سو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کھانا پکا کر ان کے ہاتھ میں دے دیا جاوے کہ ان کو اختیار ہو لے جانے کا، یا بیٹھ کر کھا لینے کا اور اس کی ان کو اطلاع کر دی جائے اور وہ کھانا قیمت میں اس قدر ہو تب تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی اور اگر لے جانے کا اختیار نہ ہو بلکہ بٹھلا کر کھلایا جاوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر پکا ہوا کھانا اس قیمت کا ہو جتنی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب تھی تب بھی پوری زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ مثلاً ایک شخص کو بیس روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اس نے جنس خرید کر پکوائی، کچھ خرید میں صرف ہوا، کچھ باورچی کو مزدوری میں دیا، غرض بیس روپے صرف ہو گئے۔ مگر کسی وجہ سے خواہ تو جنس خریدنے میں یہ ٹھگا گیا یا مزدوری زیادہ دیدی یا کھانا بگڑ گیا۔ غرض کسی طور پر تیار کھانا بیس روپیہ کا نہ ہوا بلکہ سترہ اٹھارہ کا ہوا تو یوں نہ کہیں گے کہ اس نے تو بیس ہی روپے خرچ کئے، اس لئے زکوٰۃ ادا ہو جانا چاہئے، بلکہ یوں کہیں گے کہ مساکین کو سترہ، اٹھارہ ہی روپیہ کی چیز پہنچی اس لئے اتنی ہی زکوٰۃ ادا ہوئی، دو یا تین روپے اور اس کے ذمے باقی رہے جس کا ادا کرنا واجب ہے، اس طرح زکوٰۃ کی رقم کا کپڑا خریدا اور سلوایا اگر وہ بعد تیاری کے اتنی رقم کا ہے تب تو اس کے دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی اور اگر کسی وجہ سے قیمت اس کی گھٹ گئی مثلاً کپڑا ناواقفی سے گراں ملا یا سلوانے میں بگڑ گیا تو بقدر گھٹنے کے اور زکوٰۃ دینا پڑے گی ...!

(۹) ۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی دیکھتے ہیں کہ ہم کو پانچ روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور فلاں غریب آدمی کے ذمہ کسی سبب سے ہمارا قرضہ بھی پانچ روپیہ ہیں لاؤ اس کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیں، سو یاد رکھا جاوے کہ اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیکِ کامل شرط ہے اور ابراء من وجہٍ اسقاط اور من وجہٍ تملیک ہے اس لئے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

البتہ ایک تدبیر اور جائز ہے وہ یہ کہ اول یہ پانچ روپیہ اس شخص کو بہ نیت زکوٰۃ دیدے جب وہ اس روپے کا مالک وقابض ہوجاوے، اس سے اپنا قرضہ مانگے اور اگر وہ نہ دے تو جبراً چھین لینا بھی جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔

اغلاط

(۱) — اگر کوئی پہلے زکوٰۃ دینے کا خوگر نہ ہو اور اب توفیق ہو تو گذشتہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اگر درمیان میں بدون تلف کئے ہوئے مال خود تلف ہوکر نصاب سے کم رہ گیا ہو تو اس وقت کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔

(۲) — اگر زکوٰۃ کی نیت سے مال نکال رکھا ہو اور وہ ضائع ہوجاوے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، جداگانہ نکال کر رکھنے سے صرف اتنا فائدہ ہے کہ ہر جزو کے دینے کے وقت نیت ضروری نہیں ہوتی۔

الحاق

صدقۂ فطر اور چرم قربانی

چونکہ صدقۂ فطر کا ادا کرنا اور قیمت چرم قربانی کا بعد فروخت کر ڈالنے چرم قربانی کے تصدق کرنا بھی واجب ہے، اس لئے وہ بھی اس حیثیت سے "ملحق بالزکوٰۃ" ہے اس لئے اس کے متعلق بھی بعض کوتاہیاں زکوٰۃ کے ساتھ بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

● ایک کوتاہی صدقہ فطر کے متعلق بعض دیہات میں یہ ہے کہ اس کو جانتے ہی نہیں اس لئے ادا نہیں کرتے، اہل علم و واعظین کو چاہیئے کہ جمعہ کے خطبہ میں یا کسی موقع پر خود دیہات میں جاکر اس جگہ پر آگاہ کریں۔

● ایک کوتاہی اس کے متعلق یہ ہے کہ غیر مصرف میں صرف کرتے ہیں اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے جن مصارف میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جن کا اوپر بیان

کیا گیا ہے ان میں صرف کرنے سے صدقہ فطر بھی ادا نہیں ہوتا۔

ایک غلطی بنا بر قواعدِ حنفیہ کے اس میں یہ ہے کہ یہ مشہور ہوگیا ہے کہ صدقہ فطر اگر بجز گیہوں کے اور کسی غلہ سے ادا کرے تو گیہوں کے مضاعف وزن میں دیدے اس میں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ بہت چیزوں میں گیہوں کا مضاعف نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ جو چیزیں منصوص ہیں جیسے جو و تمر مثلاً اس میں تو گیہوں کا مضاعف ہے اور جو چیزیں منصوص نہیں جیسے چنا، چاول اس میں یہ حکم ہے کہ کسی منصوص چیز کی برابر قیمت میں ہو مثلاً گیہوں نمبری سیر سے احتیاطاً دو سیر دیئے جاتے ہیں اور تیرہ سیر کے نرخ سے اڑھائی آنہ کے ہوئے۔ تو اگر چنا دینا چاہے تو اڑھائی آنے کے جس قدر چنے آتے ہوں اتنے چنے دینے چاہئیں۔ اسی طرح چاول بھی۔ اور مطلقاً مضاعف دینے میں تو کبھی تو واجب سے زیادہ دیئے جاویں گے تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر کبھی کم کر دیئے گئے تو واجب کا ایک جزو اس کے ذمہ رہ جاوے گا۔ مثلاً اگر کبھی گیہوں آٹھ سیر ہوئے اور چنے چوبیس سیر تو مسئلہ مذکور کی بنا پر چھ سیر چنے واجب ہوں گے اور مشہور خیال کے حساب سے یہ شخص چار سیر دے گا تو ایک ثلث واجب اس کے ذمہ رہا۔

اور قیمت چرمِ قربانی کے متعلق بھی ایک عام غلطی وہی غیر مصرف میں صرف کرنا ہے الفاظِ سابق یہاں بھی ہے یعنی جس قدر صدقہ فطر یا قیمتِ چرم غلطی سے ادا نہیں ہوئی اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر نکال کر رکھنے کے بعد ضائع ہوجاوے پھر ادا کرنا ہوگا۔

حج کے بارے میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ حج)

منجملہ ارکانِ اسلام کے ایک فریضۂ حج ہے جو بنسبت دوسرے ارکان کے اپنی ایک خاص شان کی وجہ سے زیادہ اہتمام کے قابل ہے وہ شانِ خاص ... یہ ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے جس قدر سامان درکار ہے اس کا ہر وقت میسر و مجتمع ہونا، گو پورا اختیاری نہیں اور اس میں موانع کا پیش آجانا چنداں مستبعد نہیں، کیونکہ مال بھی زیادہ چاہئے اور ہمت و قوت بھی زیادہ چاہئے وقت و فراغ بھی زیادہ چاہیئے۔

اگر ایک سال تساہل کیا آئندہ سال تک امورِ مذکورہ میں کلاً یا بعضاً تغیر ہو جانا زیادہ بعید نہیں، یہ مجموعی شان دوسرے ارکان میں نہیں اسی واسطے احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی حج کرنا چاہے وہ بہت جلدی کرے اور عجب نہیں کہ اسی شانِ خاص کے سبب یہ عمر بھر میں ایک ہی بار فرض کیا گیا ہے، اور گو اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار والوں کے لیے یہ اشکال نہیں، مگر بمقابلہ آفاقیوں کے ان کی تعداد ہی کیا ہے؟ قواعدِ انتظامیہ میں اکثری حالات پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور چونکہ اس میں افعال بھی متکثر و متعدد و مختلف ہیں اور متعلق

ہیں ۔ امکنۂ خاصہ و ازمنہ خاصہ کے ساتھ اور اس اعتبار سے بھی یہ دوسرے ارکان سے ممتاز ہے اس لئے اس کے احکام و مسائل بھی لوگوں کو کم معلوم ہیں اور ان کا چرچا بھی کم ہے امرِ اوّل کے سبب اس میں عملی کوتاہی زیادہ واقع ہوتی ہے اور امرِ ثانی کے سبب علمی کوتاہی زیادہ ہوتی ہے۔

★ — عملی کوتاہی تو یہ ہے کہ اس کے ادا میں لوگ سستی بہت کرتے ہیں وہمی ضروریات وخیالی تعلقات سے فارغ ہونے کے منتظر رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فارغ ہو کر چلیں گے، پھر اس کام کے بعد دوسرے کام کا اسی طرح انتظار رہتا ہے۔ حالانکہ یہ سلسلہ عمر بھر منقطع نہیں ہوتا۔ بقولِ شاعر ؎

لا ینقضی ارب الا الی ارب

وقول شاعر ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

اس کا علاج یہی ہے کہ بیچ ہی میں سارے کام چھوڑ کر اور ظاہراً سرسری طور پر ان کا انتظام کر کے اور باطناً خدا کے حوالے کر کے چل کھڑا ہو، اور اس علاج کی ہمت باندھنے کے لئے ان وعیدوں کو یاد کرے جو باوجود فرضیت کے اس کے ترک پر آئی ہیں، قرآن مجید میں ایسے ترکِ حج کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے، اور حدیث شریف میں یہودیت و نصرانیت کی حالت پر موت آجانے کی برابر بتلایا ہے اس سے زیادہ کیا وعید ہوگی ؟؟

اگر فکرِ تعلقات زیادہ مشوش کرے تو یوں سوچے کہ اگر میں ابھی مر جاؤں تو اس تمام کارخانہ کا کیا انتظام ہو ؟ تو سفر کرنا موت سے تو بڑھ کر نہیں، اس وقت ہمیشہ کے لئے ان سب کو چھوڑ دیتا اب تھوڑے روز کے لئے چھوڑنے پر دل کو سمجھا لے اپنے دل کو سمجھا لینا ہی کیا مشکل ہے ؟ اور وہ بھی مہتم بالشان ضرورت کے لئے !

اور علمی کوتاہیاں بکثرت ہیں مگر بعض تو عین موقع کے متعلق ہیں ان کا تو عام کو پہلے سے سمجھنا اور یاد رکھنا دونوں تکلف سے خالی نہیں، اس کی تدبیر بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہاں

پہنچ کر مطوّف ایسے شخص کو مقرر کیا جاوے جو احکامِ حج سے پورا آگاہ اور اپنے تدین کی وجہ سے اپنے حجاج کے افعالِ حج کا پورا نگراں اور مطلع کر دینے والا ہو اکثر لوگ مطوفین کو اپنی دنیوی آسائش کے لئے مقرر کرتے ہیں، دنیوی حوائج تو کسی نہ کسی طرح پورے ہو جاتے ہیں۔ زیادہ ضرورت تو دینی حاجت کے انتظام کی ہے، سو جب حج کو جانے لگے جو علماء حج کر آئے ہیں اول ان سے دربارۂ تعیینِ مطوّف مشورہ کرے ورنہ ناواقفی سے بعض ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ حج ہی فاسد یا کالفاسد ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ علماء کو بھی ہر وقت مسائل حج کے مستحضر نہیں رہتے اس لئے ان کے لئے بھی مناسب ہے کہ مناسک کے معتبر رسالہ خواہ کسی زبان میں ہوں سفر میں ہمراہ رکھے اور ان کا مطالعہ کرتے رہیں۔ اور پھر بھی جہاں اشتباہ واقع ہو وہاں کے علماء حاذقین سے پوچھ لیں کہ ان کو یہ احکام زیادہ مستحضر رہتے ہیں اور پوچھنے میں عار نہ کریں اور دوسروں کو اس وقت بتلادیں جب پورا اطمینان ہو، ورنہ وہاں کے علماء کے حوالہ کر دیں اور جو ان کی زبان نہ سمجھے وہ بذریعہ اپنے مطوّف، یا کسی اپنے ہم وطن بھائی کے جو وہاں مدت سے مقیم ہو اور ترجمہ کر سکے دریافت کر لے

یہ تو بیان تھا ان علمی کوتاہیوں کے متعلق جن کا عین موقع پر صدور ہوتا ہے، بعض علمی کوتاہیاں وہ ہیں جن کا صدور قبل سفر ہوتا ہے اور بعض ان میں باوجود امرِ شرع اس سفر سے مانع ہو جاتی ہیں اور بعضے باوجود نہی شرع اس سفر پر باعث ہو جاتے ہیں چنانچہ ہر ایک میں نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔

حج کے لئے سفرِ مدینہ ضروری نہیں

★ —— سو ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ سفر حج کو اس وقت فرض سمجھتے ہیں جب مدینہ منورہ کے سفر کے لئے بھی وسعت ہو، اور اگر اتنا خرچ ہو کہ صرف حج کر سکتا ہے مدینہ طیبہ نہیں جا سکتا، تو یہ لوگ اس حالت میں حج کو فرض نہیں سمجھتے۔

سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سخت غلطی ہے، مدینہ طیبہ کا سفر ایک مستقل طاعت ہے، واجب ہو یا مستحب علی اختلاف الاقوال، خواہ روضۂ منورہ کے قصد سے جیسا کہ جمہور کا

قول منصور ہے یا صرف مسجد نبوی کے قصد سے جیسا کہ بعض قائل ہوئے (اور یہ مقام اس مسئلہ کی تحقیق کا نہیں ہے ، " نشر الطیب " کی ستائیسویں فصل کے آخر میں بقدرِ ضرورت اس کو لکھ دیا گیا ہے)

بہرحال سفرِ مدینہ کی استطاعت پر فرضیت حج کی موقوف نہیں ہے ، اگر صرف سفرِ حج کی استطاعت رکھتا ہو اور سفرِ مدینہ کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے ذمہ حج فرض ہے اگر نہ کرے گا تو تمام ان وعیدوں کا مورد ہوگا جو ترک حج پر آئی ہیں ، باقی حج کے بعد اگر کچھ سامان سفرِ مدینہ کا ہو جاوے گا یا پیادہ چلنے کی ہمت ہو جاوے جیسا شوق کے غلبہ میں ایسا ہو جاتا ہے ، تو اس شرف کو بھی حاصل کرے ، ورنہ بہر دست واپس آجائے اور عزم رکھے کہ خدا تعالیٰ توفیق دے گا تو مستقل سفرِ مدینہ کا کرلوں گا اور جب سامان ہو جاوے ایسا کرے بھی۔ اور اگر عمر بھر بھی سامان نہ ہوا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس تمنا و عزم کا اجر بھی اس سفرِ مبارک کے اجر کے قریب قریب ہی ہوگا ، جیسا کہ چند حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فعلِ خیر کی نیت بھی اجر میں مثل فعلِ خیر ہی کے ہے۔

★ — اور ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض اوقات اس شخص کے پاس مالِ حرام اس مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ حج کو کافی ہو ، مگر یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو مالِ حرام ہے اس کا حج میں خرچ کرنا اور بھی زیادہ برا ہے اور مالِ حلال میرے پاس اس قدر ہے نہیں اس لئے میرے ذمہ حج فرض نہیں ، اور یہی خیال بعض لوگوں زکوٰۃ میں بھی ہے پس یہ لوگ نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں !!

سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ مدارِ فرضیت حج و زکوٰۃ کا خاص مقدارِ مال کا مالک ہونا ہے اس کے حلال ہونے کو فرضیت میں دخل نہیں ، اس لئے ایسے شخص کے ذمہ حج اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں ، البتہ حرام مال سے جو حج ہوگا وہ مقبول نہ ہوگا ، لیکن فرض ادا ہو جائے گا۔ یعنی اس شخص پر مواخذہ نہ ہوگا کہ حج کیوں نہیں کیا ، گو یہ مواخذہ ہو کہ مال حرام کیوں جمع کیا ؟ اور اس سے کیوں منتفع ہوا ؟ سو ادا ہو جانا اور چیز ہے اور قبول ہونا دوسری چیز ، اگر قبول ہونا بھی چاہتا ہے اور بجز اس مال حرام کے اس کے پاس اور کچھ

نہ ہو تو ایسا کرے کہ کسی کافر سے قرض لے کر اس کو حج کے لئے الگ رکھے، پھر خواہ وہ قرضہ لگے ہی دن خواہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس مال حرام سے ادا کردے۔ تو یہ روپیہ قرض لیا ہوا اس کی نسبت غنیمت ہوگا، اور بعضے جو کہا کرتے ہیں کہ دوسرے کے روپیہ سے بدل لے سو اگر ہاتھ در ہاتھ بدلا تو وہ بدلے کا روپیہ بھی ایسا ہی حرام ہو جاوے گا جیسا اصل کے پاس کا روپیہ تھا، دست بدست لینے کا اور حکم ہے اور قرض لے کر پھر ادا کرنے کا اور حکم ہے۔ اور اس تدبیر کا بتلانے کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ مال حرام جمع کرنے کی اجازت دی جاتی ہے یا ایسا کرنے کے بعد مال حرام جمع کرنے کا گناہ اتر گیا یا اس کے تدارک کی شرعاً ضرورت نہ رہی، حاشا و کلا ہرگز یہ مطلب نہیں حرام مال لینے کا جو گناہ ہے وہ اب بھی باقی ہے اور اس کا تدارک اب بھی واجب ہے یعنی جن لوگوں کا وہ حق ہے ان کو واپس کرنا جس کا مستحق نہ ملے اس کے ورثہ کو دینا اور جہاں معلوم نہ ہو اس قدر مال ان مستحقین کی طرف سے مساکین کو دے دینا اور اس سے سب کے ساتھ توبہ و استغفار کرنا اور اگر بالفعل تدارک پر قادر نہ ہو تو اس کی فکر میں رہنا اور جتنی جتنی گنجائش ہوتی جائے اتنا اتنا ادا کرتے رہنا یہ سب واجب ہے۔

غرض اس حیلہ سے حرام وحلال کے احکام نہیں بدل گئے یا رفع نہیں ہو گئے مقصود اس سے اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ لوگ جو حج وزکوٰۃ اپنے ذمہ فرض نہیں سمجھتے یہ ان کی غلطی ہے۔

یہ دو علمی غلطیاں تو وہ ہیں جن میں حج کے امر شرعی کی ممانعت کی جاتی ہے۔

بھیک مانگ کر حج کرنا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ جن کے پاس نہ تو حج کا سامان ہے اور نہ قلب میں غنا اور قوت توکل ہے مگر لوگوں سے بھیک مانگ کر ان کو پریشان کر کے حج کو جاتے ہیں سو اس طرح حج کو جانا حرام ہے۔

بغیر محرم کے حج کرنا

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی یہ ہے کہ باوجود شوہر یا محرم کے ہمراہ نہ ہونے کے پھر حج کو جاتی ہیں اور گو بعض کو ائمہ کی قول پر بعض خاص قیود و شروط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے لیکن اول تو عوام کو ایسی بے قیدی کی اجازت نہیں کہ جس وقت جس کا قول دل چاہا لے لیا دوسرے جانے والیاں ان قیود و شرائط کو نہ جانتی ہیں، نہ ان کی پرواہ کرتی ہیں۔ ہر حال میں چلی جاتی ہیں جو کہ ان ائمہ کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

تیسرے اس وقت اتنا فساد نہ تھا ثقہ عورتوں کے ساتھ امن غالب تھا اور اس زمانہ میں فساد اس قدر غالب ہے کہ عورتوں کے ہوتے ہوئے بھی شریر طبیعتیں شرارت سے نہیں چوکتیں پھر تعاون و ہمدردی کم ہوتی جاتی ہے اگر بیماری وغیرہ پیش آگئی تو کم عورتوں سے امید ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر ان کی امداد کریں اکثر لوگوں کو خصوصاً ضعفاء و نسوان کو نفسی نفسی میں مشغول دیکھا ہے تو بوجہ مجبوری مرد ہی امداد کریں گے تو لا محالہ اتارنے میں چڑھانے میں اجنبی مرد اس کا ہاتھ بھی پکڑیں گے کمر بھی تھامیں گے تو ایسے وقت فتن سے محفوظ رہنا جانبین کا یا ایک ہی جانب کا مشکل ہے خاص کر قلب اور عین کا فتنہ سے تو ایسے حج کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب شریعت اس کو حاضر ہونے کا حکم نہیں کرتی بلکہ روکتی ہے تو پھر یہ کیوں مصیبت میں پڑتی ہے؟ اگر اس عورت کو مالی استطاعت ہو اور محرم و شوہر موجود نہ ہو یا جانے پر آمادہ نہ ہو کیوں کہ اس کو شرعاً اس کا اختیار حاصل ہے تو اس میں فقہاء مختلف ہیں کہ آیا استطاعت مالی سے نفس وجوب حج کا اس کے ذمہ ہو گیا ہے یا نفس وجوب بھی نہیں ہوا پہلے قول پر اس عورت کے ذمہ حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔ اور دوسرے قول پر نہیں لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ وصیت کی جائے اگر یہ وسوسہ ہو کہ اگر وصیت نافذ نہ کی گئی تو حج میرے ذمہ رہے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ لیکن گناہ گار نہ ہوگی کیونکہ اس نے اپنے ذمہ کے واجب کو یعنی وصیت کو ادا کر دیا اب نفاذ اس کا جبکہ مال چھوڑ جائے ورثہ کی ذمہ واجب ہے اگر وہ کوتاہی کریں گے اس کا مواخذہ ان سے ہوگا۔

یہ کوتاہیاں علمی وہ ہوئیں جن میں شرائط حج سے نہی شرعی کی ممانعت کی جاتی ہے۔ د.
سب کے اوپر ایک عملی کوتاہی تھی یہ سب پانچ کوتاہیاں ہوئیں، جو شرائط حج کے متعلق ہیں علاوہ ان غلطیوں کے جو نفس حج میں ہوتی ہیں جن پر مطوف عالم شفیق مطلع کر دے گا یا علماء کو کتب مناسک مطلع کر دیں گی۔ دو کوتاہیاں حج سے خارج مگر اسی سفر سے متعلق یاد آ گئیں پس وہ پانچ مل کر یہ سب سات ہو جاویں گی۔

ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور ریل میں یا جہاز میں یا اونٹ پر فرض نمازیں برباد کرتے ہیں سو انہوں نے ایک فرض تو ادا کیا اور راستے کیثر فرض فوت کئے اور اگر حج فرض نہیں تھا نفل تھا تو اور بھی غضب ہوا کہ ایک نفل کے لئے اتنے فرض گئے گذرے سو ایسے شخص کو حج کرنا جائز بھی نہیں۔

ایک کوتاہی جو باعتبار تعدیہ ضرر کے سب سے اشنع و اقبح ہے یہ کہ بعض لوگ حج کر کے آتے ہیں اور وہاں کے مصاعب اور مصائب اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والا حج کو جانے سے ڈر جائے ایسے شخص کے یصدّون عن سبیل اللہ (یہ لوگ اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے ہیں) کے مصداق ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اگر وہ شکایات غیر واقعی ہوں چنانچہ اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ بات بہت بڑھا کر کہا جاتا ہے اور نیز اس مصیبت کی بنیاد کو تو ضروری ہی غلط ظاہر کیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اکثر ایسے واقعات کا سبب اپنی حماقت ہوتی ہے تو اپنی حماقت کون بیان کرتا ہے؟ تو اس طور پر وہ شکایات یا ان کے بعض اجزاء غیر واقعی ہوتے ہیں تو اگر ایسا ہو تو یہ لوگ یصدون عن سبیل اللہ کے ساتھ ویبغونھا عوجًا کے بھی مصداق ہوں گے اور چونکہ باوجود علم واقعہ کے غصہ میں ایسا کرتے ہیں اس لئے جملہ وانتم شھداء کے بھی یہ مخاطب ہوں گے اور اس کے جواب میں ان کو بھی وہی کہا جاتے گا۔ وما اللہ بغافل عما تعملون۔

اور عجیب لطیفہ یہ ہے کہ یہ آیت جس کے جملہ اس حالت آخیرہ کی تقریر میں جا بجا نقل کئے گئے ہیں قرآن مجید میں بھی بعد ذکر حج کے متصل وارد ہے اور مجھ کو بھی حج ہی کے اس خاص مضمون کے ساتھ یاد آئی تو قرآن مجید میں یہ اتصال میرے اس استدلال کا ایک خاص لطافت کے ساتھ مؤید ہو گیا اگر مصائب واقعی بھی ہوں تب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ

یہ سفرِ عشق ہے محبوب کے دربار میں حاضری دینے کے لئے تو سفرِ عشق میں خار بھی گل اور زاغ و زغن بھی بلبل معلوم ہونا چاہیئے ونعم ما قیل ؎

ای دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگون باشی
بی زر و گنج بصد حشمت قارون باشی
در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان
شرط اول قدم آن است کہ مجنوں باشی

وصلی اللہ علی سید المرسلین الذی
ولد و نبی فی ذوالاربعین

قربانی سے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ قربانی)

جس طرح ملحقات زکوٰۃ میں سے صدقۂ فطر ہے جس کے متعلق پہلے بقدر ضرورت مضمون لکھا جاچکا ہے، اسی طرح اس کے ملحقات میں سے قربانی بھی ہے انقلاب کے اثر میں مثل دیگر اعمال دینیہ کے یہ بھی شریک اور اس حیثیت سے واجب الاصلاح ہے۔

اس میں ایک کوتاہی جو راس التنزلیات ہے یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ باوجود وسعت اور وجوب کے قربانی نہیں کرتے بلکہ بعض خاندانوں میں کئی پشت سے قربانی نہیں ہوئی، بلکہ بعض دیہات کے لوگ، اس کو جانتے تک بھی نہیں۔ بعض سستی و بے پروائی کے سبب نہیں کرتے۔ بعض بخل کے سبب کوتاہی کرتے ہیں۔

پس اگر سبب اس کا ناواقفی و بے خبری ہے تو اس کی اصلاح یہ ہے کہ ان کو اس کے وجوب سے اور ترک پر جو وعید ہے جیسا ابن ماجہ میں حدیث مرفوع ہے من وجد سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (یعنی جس کے شخص کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش ہو اور پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہرگز ہماری عیدگاہ میں نہ آئے) اس

پر ان کو اطلاع دی جائے بالخصوص واعظین وخطباء یا ان اہل علم کو جو دیہات میں وعظ وتبلیغ کی غرض سے جاتے ہیں، ضرور ہے کہ وہ دیہات کے لوگوں کو جب کہ وہ جمعہ میں حاضر یا خود دیہات میں جاتے ہیں اس کے وجوب پر بلکہ اس کے متعلق ــــ احکام پر بھی آگاہ کردیں۔

بعض باوجود اس قدر وسعت کہ جس پر قربانی واجب ہوتی ہے اپنے ذہن میں اسے اس لئے سبکدوش سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کو اس وسعت کی مقدار معلوم نہیں، تو ان کو اس سے آگاہ کیا جائے کہ جس کے پاس حوائج ضروریہ سے زائد تخمیناً پچاس روپیہ نقد یا مال تجارت یا زیور یا جائیداد و مکانات علاوہ مکان سکونت وکفایت معاش سالانہ کے موجود ہو، پس اتنی وسعت پر قربانی واجب ہو جائیگی۔ خواہ مرد ہو یا عورت البتہ بچوں پر یا بچوں کی طرف سے واجب نہیں۔

اور اگر بے پروائی اس کا سبب ہے تو ان لوگوں کو غور کرنا چاہیئے کہ دنیا کی جلب منافع ودفع مضار کے لئے اگرچہ وہ درجہ ضرورت میں نہ ہوں اور اگرچہ وہ موہوم بھی ہوں، کس قدر روپیہ موقع پر بلکہ ہر روز ہی خرچ کیا کرتے ہیں اور پھر وہ فانی تو کیا آخرت کے اتنے بڑے ثواب کی تحصیل کے لئے کہ اس سے زیادہ کوئی منفعت نہیں اور اتنے بڑے گناہ و عذاب سے بچنے کے لئے کہ اس سے بڑھکر کوئی مضرت نہیں اور پھر دونوں یقینی اور باقی اور ضروری الرعایت بے پروائی اور سستی کی جائے کتنی بڑی نادانی ہے۔

اور اگر سبب اس کا بخل ہے تو فوری علاج تو اس کا ان ہی منافع ومضار کا استحضار ہے جس کا ابھی بیان ہوا اور باقاعدہ علاج اس کا یہ ہے کہ مادہ بخل کا استیفا کیا جائے جس کی تدبیریں کتب فن میں ملیں گے۔

قربانی کے عبادت ہونے میں شبہ

بعض لوگوں کو اس سے بڑھ کر ایک سبب اس ترک کا ہو گیا ہے کہ وہ اس کے عبادت ہونے میں شبہ کرتے ہیں بالخصوص حج کی قربانی کو بوجہ کثرت ذبائح محض اضاعت مال ہی سمجھتے ہیں ان کی اصلاح یہی ہے کہ وہ علماء محققین سے اپنی تسلی مفصل شبہات

پیش کر کے کرلیں۔

مجمل یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت امتثال امر الٰہی ہے جب اس کا مامور بہ ہونا ثابت ہے پھر عبادت ہونے میں کیا شک ہے۔

رہا یہ سوال کہ امر الٰہی کس حکمت سے ہوا گو ایسے سوالات کے جوابات میں اس وقت خاص دلچسپی سے کام لیا جاتا ہے، مگر سچا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہم سے پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہم بانی قانون نہیں جو قانون کی لم جاننے کے مدعی ہوں ہم ناقل وحاکی قانون ہیں جب واضع قانون کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے اگر ہمت ہوگی پوچھ لینا پھر جو جواب ان کے نزدیک مصلحت ہوگا عنایت کردیں گے خواہ تقریر ومقال سے، خواہ تعذیر ونکال سے۔

دفعات قوانین کی علل وکلاء یا مجسٹریٹ و جج سے پوچھنا سخت نادانی ہے۔ اگر کوئی پوچھے بھی ان کو یہ جواب دینے کا حق ہے کہ واضعان قانون سے پوچھو ہم اس کے ذمہ دار نہیں تو علماء ایسے سائلوں کو ایسا جواب کیوں نہیں دے سکتے اور جب دے سکتے ہیں تو کیوں نہیں دیتے؟ کیوں سائل کی بے محل فرمائش کا اتباع کرتے ہیں؟

اسی طرح اضاعت مال کے شبہ کا جواب ہے کہ اضاعت اس وقت ہوتی ہے جب اس میں کوئی فائدہ نہ ہوتا اور جب فائدہ اس میں رضائے حق ہے جس کا مقابلہ کوئی فائدہ نہیں کرسکتا تو اضاعت کیسے ہوئی؟

سستی قربانی کی تلاش

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض وسعت والے قربانی تو کرتے ہیں تو مگر بڑی کوشش اس کی ہوتی ہے کہ کوئی حصہ سستا مل جائے گو اس میں کچھ عجیب بھی ہو مگر ایسا نہ ہو جو مانع جواز قربانی ہو اور وجہ اس کی دو ہیں۔ ایک بخل جس کا علاج اوپر گذر چکا ہے اور دوسرے یہ خیال غیر واقعی کی قیمت کے بڑھنے سے یا مال کے عمدہ ہونے سے ثواب میں زیادتی نہ ہوگی بلکہ ایک حصہ میں جس قدر ثواب ہوتا ہے وہ قانون حال میں برابر ہوگا اگر زیادتی بھی ہوئی

توہم زیادتی کو کیا کریں گے ؟ پس اتنا ہی کافی ہے کہ برأت ذمہ حاصل ہوجائے اس کی اصلاح یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جس قدر مال عمدہ ہوگا یا قیمت زیادہ ہوگی ثواب زائد ہوتا جائے گا لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون (تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنے محبوب اموال میں سے خرچ نہ کرو)

یعنی :۔

اور لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ۔ یعنی (اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت خراب مال دینے کا قصد نہ کرو کہ اس سے خرچ کرو اور (جب کبھی لینے کا موقع ہو تو) تم اسے لینے والے نہیں ہو، اللہ یہ کہ چشم پوشی سے کام لو) اور حدیث سمنوا ضحایاکم (اپنے قربانی کے جانوروں کو فربہ کرو) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ ایک اونٹنی ذبح کی تھی جس کے تین سو دینار ان کو ملتے تھے (رواہ فی التفسیر المظہری) یہ سب دلائل واضح ہیں اس دعویٰ کے۔

اور یہ خیال کہ ہم زیادتی کو کیا کریں گے ؟ صرف براءت ذمہ کافی ہے، اس کا محل وہاں ہوسکتا ہے جہاں صرف مواخذہ سے بچنا ہو اور اس حاکم سے کوئی خاص تعلق نہ ہو نہ خاص تعلق پیدا کرنا مقصود ہو، کیا حق جل وعلیٰ شانہ کے تعلقات کے وجود یا مطلوبیت حصول کا کسی کو انکار ہوسکتا ہے، اگر نہیں ہوسکتا تو اس خیال کی گنجائش کہاں رہی ؟

حقوق العباد چھوڑ کر قربانی کرنا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ محض نادار ہیں یا ذخیرہ سے زیادہ ان کے ذمہ حقوق العباد ہیں جن کا ادا والیفاء فرض مقدم ہے مگر یہ لوگ ان سب حقوق کو نظر انداز اور پشت افگندہ کرکے محض فخر اور وضع قدیم نباہنے کے لئے قربانی کی پابندی کرتے ہیں اور پاس نہیں ہوتا تو ادھار کرتے ہیں۔

بعض کو دیکھا ہے کہ متعدد حصص مردوں تک کے کرتے ہیں اور زندوں کے واجب حقوق کو مردہ کرتے ہیں حالانکہ یقینی بات ہے کہ دس روپیہ قرض میں ادا کرنا اس سے بہتر

ہے کہ ان دس روپے کے حصّے خریدے جائیں تو اضافہ حقوق کا الزام الگ اور فساد نیت یعنی تفاخر و ترفع کا الگ۔

حضرات سلف سے اس مباہات پر انکار منقول ہے اور اس انکار کے ساتھ ان کا یہ قول بھی مروی ہے کہ ہم تو گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کر لیتے تھے یعنی عدم وجوب کی صورت میں ایک نے اپنی طرف سے کر لی اور گھر بھر نے کھا پی لیا کیونکہ ایک حصّہ تو کئی کیطرف سے ہو ہی نہیں سکتا، البتہ کوئی حق ضائع نہ ہوا اور تفاخر بھی نہ ہو تو تطوع کے مستحب اور دلیل محبت ہونے میں کوئی کلام نہیں اسی طرح عام مردوں کی طرف سے یا اپنے بزرگان دینی کی طرف سے بالخصوص حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا بھی احب المندوبات اور مقتضا ان حضرات کے حقوق کا ہے لیکن منفعت جب ہی مطلوب ہے جب اس میں کوئی مفرت نہ ہو۔

ناواقفیت سے ہونے والی کوتاہیاں

اور بعض کوتاہیاں مسائل فرعیہ فقہیہ کے نہ جاننے سے ہوتی ہیں جیسے ایسے جانور کی قربانی کرنا جو رعایا سے گھاس چرانے کے عوض میں لیا گیا ہو یا جو جانور حصّہ پر کسی کو پرورش کرنے کے لیے دیا گیا تھا اور وہ اس پرورش کنندہ کے حصّہ میں لگا دیا گیا پھر اس سے کسی نے خریدا یا خریدنے کے وقت کھال استثنار کر لینا یا جانور خرید کر پھر اس کو کلّا یا بعضاً دوسرے کے ہاتھ بیع ڈالنا یا اپنا حصہ کسی سے بدل لینا یا دوسرا اول خرید کر پھر پہلا بیع ڈالنا کہ ان استبدال کی صورتوں میں غنی اور فقیر کے احکام میں نہایت طویل تفصیل ہے یا ان سب سے بڑھکر ایک ایسی صورت میں جو ایک مقام میں سنی گئی کہ جانور ذبح کرنے کے بعد اس کا ایک حصّہ ایک شخص کے نام زد کر کے اس کی قربانی کے لئے کافی سمجھا گیا یا مشترک گوشت محض تخمینہ سے تقسیم کرنا یا گوشت کے تین حصّہ برابر کرنے کو واجب سمجھنا یا کھال بیع کر کسی کی تنخواہ و اجرت میں لگا دینا، جب بعض دیہات میں امام و مؤذن کو یہی کہہ کر رکھتے ہیں کہ تم کو قربانی کی کھال بھی ملے گی یا ان داموں سے مسجد کے بوریئے وغیرہ خریدنا یا مسجد کی تعمیر میں لگا دینا یا اپنے خرچ میں لئے آنا کیونکہ بعد بیع چرم کے اس کی قیمت کا مصرف

مثل زکوٰۃ ہوتا ہے، یا کہیں منی آرڈر کرے بھیجنے کی صورت میں اسی میں سے فیس ادا کرنا، ومثل ذالک ان سب کی اصلاح مسائل فقیہہ کی تحقیق کرے ان کے موافق عمل کرنا چاہیئے۔

بعض دوسری مالی عبادتوں میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ بعض طاعات مالیہ)

مثل وقف کفارہ یمین، نذر، فدیہ، نماز، روزہ وصدقہ نافلہ وغیرہ، جس طرح زکوٰۃ کے ملحقات میں سے صدقہ فطر و قربانی ہے جن کے متعلق اس کے قبل بیان ہوچکا ہے اسی طرح اس کے ملحقات میں سے دوسری بعض طاعات مالیہ بھی حقوق اللہ میں سے ہیں جن میں سے بعض کا نام سرخی بالا کے ضمن میں ہے ترمذی کی حدیث مرفوع انّ فی المالِ لحقًّا سوی الزکوٰۃِ۔ یعنی (بلاشبہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے) کے عموم میں یہ سب داخل ہیں اور چونکہ ایسی طاعات میں زکوٰۃ راس واساس ہے اور اسی وجہ سے ان سب میں وہی شعائر و ارکان اسلام سے ہے، اور باقی سب اس کے بعد کے درجہ میں اسی بنا پر اوروں کو اس کے ملحقات میں سے کہہ دیا گیا، ورنہ یہ مقصود نہیں ہے، اور نہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ فرض ہے اور دوسرے تطوع، یا یہ کہ جس کے ذمہ زکوٰۃ نہ ہو اس کے ذمہ دوسرے حقوق مذکورہ میں سے کچھ نہ ہوگا، یہ دونوں حکم غلط ہیں۔ واقفان احکام جانتے ہیں کہ صدقہ فطر، قربانی، کفارۂ یمین، ایفاء نذر، فدیہ، صوم وصلوٰۃ کا بھی واجب ہے، گو وقف صدقہ نافلہ واجب نہ ہو،

اور اسی طرح بعض کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہوتی مگر دوسرے حقوق مالیہ واجبہ اس کے ذمہ ہوتے ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ اعمال درجہ میں تو زکوٰۃ کے بعد میں مگر پھر بھی شرعاً مطلوب ہیں جنمیں بعض واجب اور بعض مندوب ہیں چونکہ ان میں بھی مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں اس لئے ان پر مختصراً بقدر ضرورت متنبہ کرنا ضروری ہے چنانچہ تھوڑا تھوڑا عرض کرتا ہوں، اور حقوق اللہ اس لئے قید لگائی کہ جو حقوق مالیہ منجملہ حقوق العباد میں وہ از قبیل معاملات ہیں جن کا یہاں ذکر نہیں ہے اس وقت صرف دیانات کا بیان ہے۔

اس میں بعض کوتاہیاں وقف کرنے والے کے طرف سے ہوتی ہیں، اور بعض منتظم اور متولی کی طرف سے اور بعض واقف کی اولاد سے بعض دوسرے اجنبی لوگوں کی طرف سے۔

چنانچہ واقف کی طرف سے ایک کوتاہی یہ ہوئی ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے اس میں یہ بھی رعایت نہیں کی جاتی کہ حلال سے حاصل ہوئی ہے یا حرام سے محض تفاخر اور شہرت کیلئے نام کرنے کو یہ عمل کرتے ہیں حدیث میں صاف ارشاد ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلَ مِنْهُ وَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكَ لَهٗ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُوا السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ اِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيْثَ رواه احمد وكذا فى شرح السنة۔

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں جو مال حرام کما کر اس سے صدقہ کرے اور اس کا صدقہ قبول ہو جائے، اور کوئی بندہ ایسا نہیں کہ ایسے مال سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے اور اس میں برکت ہو اور کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنے پیچھے مالِ حرام چھوڑ کر جائے، مگر وہ جہنم تک جانے کے لئے اس کا توشہ بن جاتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بری چیز کو بری چیز سے نہیں مٹاتا، لیکن بری چیز کو اچھی چیز سے مٹاتا ہے، گندی چیز گندی چیز کو نہیں مٹاتی"

بلکہ اگر حلال بھی ہو مگر ہو تفاخر کے لئے وہ بھی غیر نافع وغیر مقبول ہے، ریاء کی مذمت معلوم اور ظاہر ہے، خصوص مساجد بنانے والے اس بلا میں بکثرت مبتلا ہیں، یہی وجہ ہے کہ گو کسی جگہ مسجد قدیم موجود ہو مگر محتاج مرمت ہو لیکن اس کی مرمت نہ کریں گے۔ اور اس کو منہدم ہونے دیں گے اور اپنے نام کے لئے ایک مسجد بنا دیں گے اور یہی راز ہے اس کا اکثر بستیوں میں بکثرت مسجدیں ویران ہیں۔

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ خود وقف ہی مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ نیت صرف جائیداد کی حفاظت ہوتی ہے اور اسی کو مقصود بالذات قرار دیتے ہیں اور وقف کو اس کا ذریعہ بناتے ہیں۔

پس دین تو مقصود بالعرض ہے اور دنیا مقصود بالذات ہوئی جس کی نسبت ارشاد نبوی ہے۔

اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَأَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ رواہ الشیخان۔

"بلاشبہ تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور بیشک ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے، پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی طرف شمار ہوگی جس کی اس نے نیت کی"

دیکھئے اس مہاجر نے ہجرت کی مگر نیت اس میں غرض دنیوی کی تھی اس لئے ثواب سے محروم رہا اور اسی قبیل سے ہے بعض اوقات وقف علی الاولاد کرنا۔

اس سے یہ مقصود نہیں کہ وقف علی الاولاد صحیح نہیں یا کسی حالت میں موجب ثواب نہیں، صحیح تو ہر حال میں ہے خواہ نیت کچھ ہی ہو، جیسا کہ نماز کو اگر کوئی تمام شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرے مگر نیت یہ ہو کہ لوگ ہم کو نمازی سمجھیں باجماع اہل علم نماز اس کی صحیح ہو جائے گی مگر ثواب سے محروم رہے گا، اسی طرح سے یہ وقف صحیح تو ہو ہی جائے گا۔ گو ثواب

بعض احوال میں نہ ہو اسی طرح بعض حالات میں ثواب بھی ملے گا جب مقصود اعانت اولاد کی دین کے لئے ہو۔

یعنی یہ غرض ہو کہ معاش سے مطمئن رہیں گے تو دین میں مشغول رہیں گے۔ اور کسی کے حق کا ضائع کرنا بھی مقصود نہ ہو اور اگر مقصود اولاد کی اعانت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ یہ ہمیشہ صاحب ثروت وجاہ رہیں گے یا یہ کہ کسی سے قرض لے کر اندیشہ ہو اکہ اب جائیداد نیلام ہو جائے گی، اس وقت وقف کی پناہ لے کر صاحب حق کا حق ضائع کیا، تو نیکی برباد گناہ لازم ہوگا اور اس سے بڑھ کر ایک دوسری مضمر قبیح غرض ہے کہ اس کا درجہ الحاد تک پہنچتا ہے وہ یہ کہ اصل میں مسئلہ میراث کو خلاف مصلحت و خلاف حکمت اور موجب ضرر اور نامناسب اعتقاد کرتا ہے اور صریح اعتراض کرنے کو بدنامی سمجھکر ایک شرعی عمل کی پناہ لیتا ہے یعنی وقف علی الاولاد کو ترجیح دیتا ہے۔ اور قواعد میراث کو موجب تجزیہ و تفضیع جائیداد خیال کرتا ہے پس مبنی اس کی اس تجوید کا ایک حکم شرعی یعنی میراث کو نامناسب اعتقاد کرنا ہی تو اس کا بد دینی ہونا ظاہر ہے اور شیطان کے کافر ہونے کا اصل سبب یہی ہے کہ اس نے ایک حکم منصوص کو خلاف حکمت قرار دیا۔ اور صرف ترک سجود ایک معصیت تھا نہ کہ کفر پس اس وقت بھی ایسے عقیدہ والوں کی تکفیر کرنے والے کو متعصب کہنا خود تعصب ہے۔ جس کے معنی باطل کی حمایت کرنا ہے نہ کہ دین کی پختگی اور تمسک شریعت کے ساتھ ..... اس وقت تصلب کا نام نافہمی سے تعصب رکھ لیا گیا ہے۔

وقف کا غلط مصرف میں استعمال

ایک کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ اس کے معارف میں بعض بدعات و معاصی کو بھی جزء بناتے ہیں کہ اس کی آمدنی سے فلاں مزار پر عرس کیا جاوے، جس کا مشتمل بر بدعات کثیرہ ہونا ظاہر ہے۔ یا یہ کہ اس کی آمدنی کا ایک حصہ متعارف انگریزی تعلیم میں صرف کیا جاوے جس کا متضمن و مورث قبائح و مفاسد عظیمہ ہونا مشاہد ہے اور بعض کوتاہیاں متولی و منتظم کی طرف سے ہوتی ہے مثلاً بعض وقف کی آمدنی کو اس کے مصارف میں نہیں صرف کرتے۔

بلکہ اپنی راستے کے موافق جائز و ناجائز سے قطع نظر کرکے جو چاہیں تصرف کرتے ہیں بعض اوقات اس کی شرائط کی مخالفت کی جاتی ہے۔ مثلاً اس میں واقف نے ایک جماعت کو مشیر قرار دیا۔ مگر جس کا زور ہوا وہی قابض ہو کر مستقل و مستبد بالرائے بن بیٹھا۔ اور دوسروں کو پوچھتا بھی نہیں۔ اور اگر واقف نے حساب داخل کرنے کی شرط لکھدی اور کوئی دباؤ بھی پڑا تو فرضی حساب تصنیف کرلیا۔ بعض اوقات اپنی دنیوی اغراض کے لئے وقف کی مصلحتیں برباد کی جاتی ہیں مثلاً کوئی خوش معاملہ کاشتکار اس متولی کی دوسری مملوکہ زمین اس شرط پر رکھتا ہے کہ وقف زمین کا ارزاں ٹھیکہ اس کو دیا جاوے اور دوسرا اجنبی کاشتکار گراں کرایہ پر لیتا ہے۔ اور وہ بھی خوش معاملہ ہے۔ مگر اس کو دینے میں اس کی مملوکہ زمین چھوٹتی ہے۔ تو یہ شخص محض اپنے مصلحت کے لئے وقف کا نقصان کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ منتظم تمام آمدنی اس کی خود ہی کھاجاتا ہے۔ پھر کبھی تو اول ہی سے نیت اس کی ادا کی نہیں ہوتی۔ اور کبھی اوّل میں نیت اچھی ہوتی ہے۔ مگر پھر ٹلتے ٹلتے تساہل ہو کر بے فکری ہوجاتی ہے اور وہ رقم ضائع ہوجاتی ہے .... بعض متولی منافع سے متجاوز ہو کر خود رقبہ وقف میں تصرف باطل کرتے ہیں۔ کبھی خوش نیتی سے مگر جہل احکام کے سبب اور کبھی بدنیتی سے اول اس طور سے مثلاً اس وقف کے اچھے دام ملتے ہیں۔ اور اس کی نیت یہ ہے کہ کہ ان داموں سے اور اچھی زمین لے کر اس کو وقف کردیں گے۔ پھر کبھی کبھی وہ روپیہ بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ اور وہ وقف مفت میں برباد ہوتا ہے یا اس کے عوض اس سے اچھی زمین ملتی ہے حالانکہ وقف کا مبادلہ بالکل باطل ہے البتہ جہاں اس کا انکار ہی نہ چلے تو بالکل چھوڑ دینے سے بدل ہی لے لینا کافی ہے۔ اور اس طور سے کہ اس پر مالکانہ تصرف کرنے لگے۔ حتیٰ کہ کبھی اس کو رہن یا بیع بھی کردی۔ ہزاروں اوقاف ان خائنوں کے بدولت بے نام و بے نشان ہوگئے یا اگر معلوم بھی ہے تو ان کا استخلاص بوجہ رقم کثیر و وقت کثیر کے صرف پر موقوف ہونے کے دشوار ہوگیا ہے۔

افسوس ہے بعض مسلمانوں نے مسجدوں کے ساتھ استعمالاً و بیعاً گھروں کا سا معاملہ کرلیا ہے اور بعض کوتاہیاں اولاد واقف کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ کوتاہیاں وہ سب

ہیں۔ جو ابھی منتظم کی کوتاہیوں کی فہرست میں مذکور ہوئیں۔ اور بعض ان سے زائد بھی ہیں۔ اور زائد پر قادر ہونے کا سبب یہ ہو جاتا ہے کہ عرفاً اولاد واقف کو عام لوگ بہ نسبت اجنبی متولی کے وقف میں تصرف کرنے کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں مثلاً لوگوں کو ایسے قبرستان میں دفن کرنے سے روکنا یا کسی کو اپنے باپ دادا کی بنائی ہوئی مسجد میں نہ آنے دینا یا اس کی شکستگی کی حالت میں خود تو بوجہ عدم استطاعت کے اس کی مرمت نہ کر سکنا۔ یا بے پروائی کے سبب نہ کرنا۔ اور اوروں کو بوجہ عار اور سبکی کے اجازت نہ دینا حتیٰ کہ وہ اسی طرح اول منہدم ہو جاتی ہے پھر یہی لوگ اس کا ملبہ بیچ کھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ منہدم ہو جاتی ہے پھر اس کی زمین بیچ لیتے ہیں خواہ اس میں مجالس فسق، ہونے یا کوئی غیر مسلم اس میں گھر بنا کر یا خانہ تک پھرا کرے جو عار اس فضیحت کا سبب ہوئی ہے، اسی کے حق میں کہا جا سکتا ہے

اختار النار علی العار

عار کے مقابلہ میں آگ کو اختیار کر لیا

بعض کوتاہیاں عام اجنبی لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں مثلاً ایک یہ کہ مسجد میں کسی ظالم کا تصرف دیکھ کر یہ رائے گھڑ لینا اور اپنی طرف سے فتویٰ دے لینا کہ اب یہ مسجد ہی نہیں رہی، اس میں ویسا ثواب نہیں ہوگا، یا یہ کہ اس میں اذن عام نہ رہا اس لئے یہاں جمعہ درست نہیں، اور یہ تجویز تراش کر دوسری مسجد کے بنانے کا سامان شروع کر دینا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو دوسری مسجد آباد نہیں ہوتی، یا پہلی ویران ہو جاتی ہے اور آئے دن کے جھگڑے رہتے ہیں وہ الگ، خود یہ مسئلہ ہی سمجھنا غلط ہے۔ کہ ظالم کے تصرف سے وہ مسجد نہیں رہی یا اذن عام باطل ہو گیا۔ مسجد مسجد ہی ہے اور وہ ظلم اس کا مخل اذن عام نہیں ہے۔ اذن عام کا شرط ہونا ارض مملوکہ میں ہے نہ کہ ارض موقوفہ میں، وہاں شریعت کا اذن عام ہے جس کو کسی کا ظلم زائل نہیں کر سکتا، بجائے اس مسئلہ تراشنے کے اس ظلم کو بشرط قدرت روکنا چاہیئے۔ اور وقف کی حفاظت چاہیئے اور مثلاً ایک یہ کہ وقف کو برباد ہوتے ہوئے . . . . دیکھتے ہیں۔ اور وجود قدرت کا التفات نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ ہم کو کیا غرض پڑی ہے صاحبو! کیا دین بھی ایسی چیز ہے کہ جس کی نسبت

بی غرض کا دعویٰ کیا جاوے ۔ ہم کو تو بہت بڑی غرض ہر وقت ثواب کی پڑی ہے ۔ ہاں قدرت نہ ہونے پر مجبوری ہے اور مثلاً ایک یہ کہ بعض لوگ جو مصرف اس وقف کے نہیں ہیں وہ بھی اس سے منتفع ہوتے ہیں ۔ مثلاً ایک مسافر خانہ خاص مساکین کے لئے بنا یا گیا مگر اس میں اغنیاء امراء بھی بوجہ بخل کے قیام کرتے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں نیز ہر طبقہ کی طبقات مذکورین سے اور بھی کوتاہیاں ہیں مگر نمونہ کے لئے انشاء اللہ اس قدر بھی کافی ہے ان ہی محذورات کو دیکھ کر بعض دانشمندوں کی رائے یہ ہونے لگی ہے کہ اکثر اوقات ایسے اوقاف سے تو یہی بہتر ہے کہ بجائے وقف کرنے کے اس جائیداد وغیرہ کو بیچ کر اس کے دام اپنے ہاتھ سے کسی نیک کام میں صرف کر دے لیکن یہ ایک رائی ہے جس کا منشاء ایک تعلق طبعی ہے کوئی حکم شرعی نہیں خائنوں کی خیانت وقف کے مرغوب فیہ ہونے میں مخل نہیں ہو سکتی واقف کو بوجہ نیت کے بقاء ذات وقف تک باقیات باقیات صالحات کا ثواب ملتا رہے گا۔ سے انتفاع منقطع ہو جائے۔

ساری جائیداد وقف کر دینا

ایک کوتاہی اور ہے کہ رنگ اس کا عبادت ہے ۔ مگر اس کے آثار پر نظر کر کے شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا ، یہ ہے کہ کوئی شخص جس کا قلب متحمل تنگی و تہیدستی کا نہ ہو اپنی تمام جائیداد یا متاع کو وقف کر دے ۔ بعض صحابہؓ نے جوش سخاوت میں ایسا ارادہ کیا بھی تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا چنانچہ حدیث میں امسک علیک بعض مالک (اپنے پاس اپنا کچھ مال روک رکھو) مصرح ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ بعض اوقات ناداری میں وساوس پریشان کرتے ہیں کہ تو نے سب دیدیا اگر کوئی حاجت پیش آئی اور آمدنی کی کوئی سبیل نہیں ، تو کہاں سے کام چلے گا ۔ ان وساوس کا بعض اوقات اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ نماز وغیرہ میں خرابی پڑنے لگتی ہے بعض اوقات نیت ڈانواڈول ہو کر غیروں کے مال پر نظر پڑنے لگتی ہے ۔ بعض اوقات حرام ذرائع کا قصد کرنے لگتا ہے ۔ چوری کا جھوٹے مقدمے جھوٹی گواہی کا ، کسی سے قرض لے کر مار لینے کا ونحو ذالک

اور اگر ان وساوس کے بعد اتفاق سے کوئی کلفت و تنگی بھی پیش آگئی تو وہ وساوس

اس وقت عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اور معاصی کا صدور ہونا شروع ہوتا ہے جس سے آخرت کا خسارا تو ظاہر ہی ہے۔ بعض اوقات کسی جرم قانونی کا مرتکب ہو کر گرفتار بلا ہوا بھی ہوتا ہے یہ دنیا کی مغفرت ہوئی تو وقف کرنے سے اتنی خیر نصیب نہ ہوئی تھی جس قدر اس سے شر پیدا ہوا۔ تو شریعت مطہرہ نے جو اس سے روکا ہے تو واقع میں خیر سے نہیں روکا۔ بلکہ ان شرور سے (جن پر شریعت کی نظر پڑی) وہ ہماری نظر سے مستور ہے۔ روکا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد اپنے عموم سے ان صورتوں کو بھی شامل ہے۔ عَسَىٰ اَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

تجربہ سے معلوم ہوا کہ اصلی مفلس کو افلاس سے اس قدر پریشانی نہیں ہوتی جس قدر فقیر بعد الغنیٰ کو کیوں کہ وہ پہلے سے اس کا خوگر ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے وَارْحَمُوا ثَلٰثَةً وَعَدَّ مِنْهُمْ غَنِيَّ قَوْمٍ افْتَقَرَ (تین آدمیوں پر رحم کرو) اور ان میں سے ایک اس شخص کو بھی شمار کیا جو "کسی قوم میں مالدار آدمی تھا، بعد میں فقیر ہو گیا)

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صالحہ بی بی نے اپنی جائیداد کی نسبت ایسی ہی رائے ظاہر کر کے مشورہ طلب کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ بھائی ایسا مت کرنا، آدمی کو اپنے نفس کی تسلی کے لئے بھی کچھ رکھنا ضروری ہے۔ اور اسی نکتہ کے سبب حضرتؒ ضعیف القلوب و مالوف بالاسباب لوگوں کے لئے اسباب و تعلقات مثل تجارت و نوکری وغیرہ کے ترک کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ بعض اوقات یہ مفاسد مذکورہ اس درجہ پر نہیں پہنچتے، مگر اتنا ہوتا ہے وقف کر کے پچھتاتا ہے کہ میں نے یہ غلطی و ناعاقبت اندیشی کی، تو اس خیر کا کیا ثواب مل سکتا ہے جس کو کر کے پچھتاوے اور افسوس کرے؟ البتہ جو خود بھی قلب قوی رکھتا ہو اور اس کے اہل و عیال یا تو ہوں ہی نہیں۔ یا اگر ہوں تو وہ بھی اس شخص کے ساتھ اس میں متفق اور راضی ہوں اور اس کو بھی قرآئن سے شہادت قلب مظنون ہو کہ یہ پھر بھی پریشان نہ ہوں گے اور پریشان نہ کریں گے۔ ایسی حالات میں تمام سرمایہ کا وقف کر دینے کا بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عزیمت اور ہمت کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں تمام نقیر و قطمیر جو کچھ ان کی

ملک میں تھا۔ سب لے آئے۔ اور آپؐ نے اس کو بطیب خاطر جائز رکھا۔ اور اس عمل پر مدح میں وحی نازل ہوئی وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكّٰى الآیۃ۔ (جہنم سے بچالیا جائے گا، اس متقی ترین شخص کو جو اپنا مال دیتا ہے پاک صاف ہوتے ہوئے) ورنہ جس کو یہ قوت نہ ہو اس کے لئے یہ مشورہ وارد ہے۔ افضل الصدقة ما کان عن ظهر غنیً او کما قال (افضل صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے مالداری چھوڑ جائے) اور قوی کے لئے یہ وارد ہے (اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى او مثل ذالک (تم اس حالت میں صدقہ کرو کہ تندرست ہو، مال کی رغبت کرنے والے ہو، فقر سے ڈرتے اور مالداری کی امید رکھتے ہو)

سُبْحَانَ اللہ! شریعت مطہرہ کیا عادل ملت ہے؟ فضل اللہ تعالیٰ من جاءنا بها بیضاء نقیة وغراء سویة زکیة

ایک کوتاہی یہ ہے کہ کئی آدمی رنج وغیرہ کے سبب وارثوں کو محروم کرنا چاہتے ہیں اور اسی غرض سے اپنا متروکہ وقف کردیتے ہیں، تاکہ وارثوں کو نہ ملے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ ورثہ کو ضرر پہنچانا جو کہ اس شخص سے صادر ہولہے خود معصیت ہے۔ قرآن مجید میں غَيْرَ مُضَارٍّ[۱] کی قید موجود ہے۔ حدیث میں ہے۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةَ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَيَجِبُ لَهُمَا النَّارُ وكذا في المشكوٰة۔

"بعض مرتبہ مرد وعورت اللہ کی ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پھر ان کی موت قریب آتی ہے تو وہ وصیت میں اپنے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو ان پر دوزخ کی آگ لازم ہوجاتی ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے

"من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة"

جو شخص اپنے وارث کی میراث قطع کرے، اللہ قیامت کے دن جنت سے اس

---

[۱] یہ الفاظ قرآن مجید میں اس جگہ آئے ہیں جہاں وصیت کے احکام ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنا جائز تو ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس وصیت سے وارثوں کو محروم کرنا یا انہیں نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ محمد تقی عثمانی۔

کی میراث قطع کر دے گا "

بعض آدمی ضرر پہنچانا تو نہیں چاہتے مگر یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کرنے میں تو ثواب ہوگا۔ اور وارثوں کے لئے چھوڑ جانے میں کیا ثواب ہے؟ سو ایسا سمجھنا خود غلط ہے، ثواب صرف وقف میں منحصر نہیں، بلکہ وارثوں کے لئے ترکہ چھوڑ جانے میں بھی اجر اور فضیلت ہیں ہے :-

" انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیرٌ من ان تذرھم عالۃً یتکففون الناس "

کذا فی المشکوٰۃ

" بلاشبہ اگر تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ کر جاؤ، جو لوگوں کے دست نگر ہوں "

غرض بجائے خود وقف بھی موجب ثواب ہے، اور وارثوں کے لئے چھوڑ جانا بھی موجب ثواب ہے۔ اب ایک دوسرے پر ترجیح دینا۔ یا کسی خاص نسبت سے دونوں پر جائیداد کو تقسیم کر دینا یہ محتاج ہے رجوع کا قواعد شرعیہ اور ماہران شریعت سے استفسار کرنے کی طرف۔

وقف کو استعمال کرنے والوں کی کوتاہیاں

ایک کوتاہی غیر وقف کرنے والوں کی اور یہ بہت عام ہے۔ یہ ہے کہ وقف میں ہر قسم کے تصرفات کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور کوئی منع کرتا ہے تو کہتا ہے کہ کیا تمہاری ملک ہے؟۔ یہاں تک کہ اکثر دیندار لوگ تک اس میں مبتلا ہے کہ مسجد کے لوٹے بدھنے میں مریض کے لئے پانی پڑھوا کر لے جاتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ وہ کئی کئی روز تک گھر ہی میں رکھا رہتا ہے۔ اور اگر فوراً بھی واپس آجاوے تب بھی خود لیجانا ہی جائز نہیں کیونکہ جس نے مسجد میں رکھا ہی اس کی نیت صرف مسجد میں کام لینے کی ہے۔ نہ کہ گھر لے جانے کی اور خلاف شرط معطی کے جو کہ اس کی نیت سے متعین ہے اور وہ نیت قرآن سے معلوم ہے اس سے کام لینا جائز نہیں اور مانع سے یہ کہنا کہ کیا تمہاری ملک ہے؟ بالکل لغو عذر ہے کیا منع کرنا اسی پر موقوف ہے کہ وہ دوسرے ہی کی ملک ہو۔ قواعد شریعت نے جس طرح ملک غیر

ہونے کو سبب منع قرار دیا ہے۔ اسی طرح ما فیہہ الاستعمال غیر ما وقف لہ' ہونا بھی شرعاً سبب منع ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ اصل حق منع شرع کو ہے، یہی وجہ ہے کہ ملک غیر ہونا بھی وہاں سبب منع ہے۔ جہاں اس کو شرع نے سبب منع قرار دیا ہے ورنہ نہیں۔ کحالۃ المضطر فی مخمصۃ حیث یباح بل یفرض تناول مال الغیر اذا لم یجد غیرہ وان ضمنہ اسی میں داخل ہے وہ بے احتیاطی بعض طلباء کی مسجد کے لوٹے پنکھے اٹھا اٹھا کر حجروں میں رکھ لیتے ہیں۔ یا بعض آدمی مسجد کے کلوخ استنجے کے لئے یا گرم پانی مسجد کے سقادہ سے وضو کے لئے گھر لے جاتے ہیں، یا بعض آدمی مسجد کا فرش یا شامیانہ لینے یا کسی دوسرے مدرسہ و انجمن و مسجد کی ضرورت میں خلاف نیت معطی کچھ اینٹ چونہ دوسری مسجد میں یہ سمجھ کر کہ مسجد مسجد سب ایک ہے۔ لگا دیتے ہیں یہ سب اسی فہرست میں داخل ہے۔ اسی طرح مدارس میں جو اشیاء خاص غریب طلباء کے لئے آتی ہیں۔ اس میں سے اغنیاء کو لینا یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

کفارہ مالیہ یمین

اس میں ایک بڑی کوتاہی تو یہ ہے کہ بہت لوگوں کا یہی گمان ہے کہ جب قسم ٹوٹے پس کفارہ میں تین روزہ رکھ لینا کافی ہے۔ ان کو یہ خبر ہی نہیں کہ بعض حالتوں میں روزے.... کافی نہیں ہوتے۔ کسی دوسرے طریقے کی ضرورت ہے۔ سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جب قسم ٹوٹنے کے بعد ارادہ ادائے کفارہ کا کرے اس وقت دیکھنا چاہیئے کہ اس شخص کے پاس قدر کفاف کو مستثنیٰ کر کے آیا اتنی گنجائش ہے یا نہیں کہ دس مسکینوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلا سکے یا ان دس مسکینوں کو فی مسکین بقدر ایک حصہ صدقہ فطر کے حسب شرائط مذکورہ کتب فقہ غلہ یا اس کی قیمت دے سکے۔ یا دس مسکینوں کو اس طرح کپڑا دے سکے کہ فی مسکین متوسط قیمت کا کپڑا بقدر ایک جوڑا کے دے سکے۔ جس کی تفاصیل جزئیات کتب فقہ میں مذکور ہے۔

پس اگر اس قدر گنجائش رکھتا، ہو تو اس کا کفارہ میں روزہ رکھنا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ تب کفارہ ادا ہوگا۔ اور اگر گنجائش نہیں ہے تب البتہ تین روزے رکھ لینا درست ہوگا۔ اور اس میں قدر کفاف سے زائد ہونا کفارہ مالیہ کے

وجوب کے لئے کافی ہے۔ صاحب زکوٰۃ ہونا شرط نہیں۔ اور قدر کفاف یہ ہے۔ رہنے کا گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کی خوراک (کذا فی الحاشیۃ الشامیۃ عن الخانیۃ)

اور حنفی مذہب میں اس گنجائش کو عزم ادا ر کفارہ کے وقت دیکھا جاوے گا۔ قسم ٹوٹنے کے وقت نہ دیکھا جاوے گا۔ پس اگر حنث کے وقت گنجائش ہو اور ادا ر کے وقت گنجائش نہ ہو تو روزہ سے کفارہ ادا ہو جاوے گا۔ اور اگر حنث کے وقت گنجائش نہ ہو اور ادا کے وقت گنجائش ہو تو کفارہ مالیہ دینا پڑے گا۔ کذا فی الشامیۃ عن الزیلعی

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ایسے لوگ بہت کم نکلیں گے جن کے لئے روزہ کافی ہو جاوے کیونکہ غربار میں اسی کثرت سے ہیں جن کے پاس کفاف بالتفسیر المذکور سے زائد بقدر خوراک و پوشاک دس مسکینوں کے موجود ہے یہ کتنی بڑی کوتاہی ہے کہ ایک طرف سے سب نے روزہ ہی کو کافی سمجھ لیا ہے

کفارہ کے احکام و شرائط کی تحقیق نہ کرنا

(۲) ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو لوگ کفارہ مالیہ ادا بھی کرتے ہیں وہ بھی اس کے احکام شرائط کی تحقیق و رعایت نہیں کرتے چنانچہ بعض مطلق مسکین کو اس کا مصرف سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا مصرف زکوٰۃ ہونا شرط ہے۔ (کذا فی ردالمختار)

بعضے ایک مسکین کو دو تین حصے ایک تاریخ میں دیدیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اگر ایسا کیا تو ایک ہی حصہ ادا ہو گا (کذا فی الشامیۃ)

لیکن اس غلطی کے معلوم ہونے کے وقت اس مسکین سے زائد کا واپس کرلینا جائز نہ ہو گا اس کو جو کچھ دے دیا وہ اس کی ملک ہو گیا (کذا فی الشامیۃ عن الفتح)

اگر ایک ہی مسکین کو زیادہ نفع پہنچانا مقصود ہو۔ تو اس کو مختلف تاریخوں میں ایک ایک حصہ ہر روز دیدے۔ یہ درست ہے (کذا فی الشامیۃ)

اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تاریخ غروب آفتاب سے بدل جاتی ہی پس اگر ایک مسکین کو دو حصوں کا غلہ یا قیمت دینا ہو اور ایک حصہ دن میں دیدیا اور ایک حصہ بعد غروب آفتاب کے تو یوں سمجھا جاوے گا کہ دو تاریخوں میں دیا۔ اور کافی ہو جاوے گا۔ اور اگر ایک حصہ

غروب آفتاب کے بعد دیا اور دوسرا حصہ اس شب کے بعد دن میں دیدیا۔ تو یوں سمجھا جاوے گا کہ ایک ہی تاریخ میں دونوں حصے دیئے اس لئے ایک ہی حصہ ادا ہوگا۔

بعضے بے خبری سے ایک حصہ دو مسکینوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور صدقہ فطر پر قیاس کرتے ہیں۔ سو جان لینا چاہیئے کہ وہ حصہ ادا نہ ہوگا (کذا فی الشامیۃ عن الجوھرۃ)

بے خبری میں جو کوتاہیاں ہوئیں ان کا تدارک ضروری ہے

(۳) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بے خبری کے زمانہ میں جو کوتاہیاں ہوگئیں ان کو بلا تدارک معاف سمجھ جاتے ہیں۔ یا صرف توبہ کو موجب تدارک سمجھتے ہیں۔ سو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بدون ادا کیئے ہوئے ساقط نہ ہوگا حتیٰ کہ موت سے بھی ساقط نہیں ہوتا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی)

پس اس بنا پر جب ان کوتاہیوں کی اطلاع ہو ان کا تدارک کرے اور جس قدر تاخیر کرے گا گنہگار ہوگا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی ایضًا)

اور اگر قبل تدارک کے موت آجاوے تو مرنے کے وقت اس کے متعلق وصیت کریں۔

"متعدد قسموں کے لئے ایک کفارہ کافی نہیں"

(۴) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے کئی کئی قسموں کے بعد ایک کفارہ کو کافی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ہر قسم کا جدا کفارہ ہے۔ بلکہ شیخینؒ کے نزدیک متعدد یمین میں یہ تعدد کفارہ کا ایسا قوی ہے کہ ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دو قسموں کی طرف سے دو حصہ دینا بھی درست نہیں وہ ایک ہی حصہ سمجھا جاوے گا (کذا فی الشامیۃ عن کافی الحاکم)

پس اس بنا پر اگر دو قسمیں اس کی ٹوٹی ہوں تو اگر ایک تاریخ میں دونوں کفارے ادا کرنا چاہیئے۔ تو ایک کفارہ کے لئے جدا دس مسکین تجویز کرے۔ اور دوسرے کفارے کے لئے جدا دس مسکین اور اگر بیس مسکینوں سے کم کو زیادہ نفع پہنچانا چاہے۔ تو تاریخیں متفرق کردے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

مدرسہ یا انجمن میں کفارہ ادا ہونے کا طریقہ

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ کفارہ یمین[ع] کا داموں سے حساب کر کے یا حساب کرا کے کسی مدرسہ اسلامیہ میں اہل مدرسہ کو سپرد کر دیتے ہیں۔ اور اطلاع نہیں کرتے کہ یہ کفارہ یمین ہے۔ جب ان لوگوں کو اس کی خبر ہی نہ ہو تو وہ کسی طرح رعایت اس کے احکام کی نہیں کر سکتے۔ اور اس لئے نہیں کرتے اور اس صورت میں وہ کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ اور حق واجب اس شخص کے ذمہ رہتا ہے۔ تو دیا بھی اور ادا نہ ہوا اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اصل مدرسہ کو تصریحاً اس کی اطلاع دے دیا کریں۔

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ کسی انجمن وغیرہ میں ایسے کارکن کے سپرد کرتے ہیں۔ جو بیچارہ خود ہی ان احکام سے بے خبر ہے یا اگر باخبر ہے۔ تو قلت تدین کے سبب اس پہ وثوق نہیں کہ وہ ان احکام کی رعایت کرے گا اور اس لئے وہ شخص خواہ بے علمی سے یا قلت مبالاۃ یعنی بے پروائی سے اپنی رائے یا خواہش کے موافق اس رقم یا جنس کو صرف کرتا ہے۔ اور اس دینے والے کا کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ اور خود یہ کارکن بھی وبال میں مبتلا رہتا ہے۔ اس لئے بے حد ضروری ہے کہ ایسے جاہل بیباک آدمی کو ہرگز ایسی چیز سپرد نہ کریں بلکہ جہاں یہ احتمال ہو اور اس کے ساتھ ہی مدرسہ یا انجمن میں پہنچانا بھی ہو تو اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہاں جا کر مستحقین طلباء یا یتامیٰ کو جو کہ مصارف زکوٰۃ ہو تحقیق و انتخاب کر کے اپنے ہاتھ سے حسب احکام شرعیہ تقسیم کر دے اور مدرسہ اور انجمن کے حساب میں جمع کرا دے تاکہ وہ اپنی اعانت کے وقت اسکو محسوب کر سکیں اور طور پر مدرسہ و انجمن کو مدد پہنچ جاوے۔

اگر کسی کے جبر و اکرہ سے قسم توڑ دی اس کا کفارہ بھی واجب ہے

بعض عوام ایک عجیب کوتاہی میں مبتلا ہیں کہ کسی کے مجبور کرنے پر اگر قسم توڑ دیں تو اپنے اوپر کفارہ واجب نہیں سمجھتے یا اس جابر کے کہنے پر کہ میرے ذمہ گناہ رہا یا میں کفارہ دیدوں گا

ع قسم ۱۲

اپنے کو سبکدوش سمجھتے ہیں یا اس کے روزہ رکھدینے کو کافی سمجھتے ہیں سو یہ سب غلطیاں ہیں جو قسم توڑے گا۔ اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ پھر اگر یہ حانث کفارہ مالیہ پر قادر نہیں، تو خود ہی اس کو تین روزے رکھنے پڑیں گے اور اگر قادر ہے تو واجب اسی کے ذمہ ہوگا۔ اس جابر کے کہنے سے بے فکر ہونا درست نہیں۔ بلکہ اگر اس جابر نے ادا بھی کیا۔ لیکن اس حانث نے کہا تھا جب بھی ادا نہیں ہوا۔ البتہ اگر اس حانث نے اس کو وکیل بنا دیا۔ اور اس نے ادا کر دیا صرف اس صورۃ خاصہ میں ادا ہو جاوے گا پس عوام کا تمام تر اس تفصیل سے غض بصر کرنا بڑی غلطی ہے۔ ھذا ما حضرنی الاٰن ولعل عند غیری اسبغ من ھذا البیان

تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور

احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ میرے مضامین مندرجہ رسالہ ھذا کی نسبت بعض ناظرین نے تقریراً و تحریراً عام لوگوں کے سمجھ میں نہ آنے کی بعض اوقات شکایت ظاہر کی بعد تکرر سماع کے مجھ کو بھی کسی کسی وقت اس کی تلافی کا خیال ہوتا تھا۔ یہ تو مجھ سے ہو نہ سکا اور مناسب بھی معلوم نہ ہوا کہ مضمون کے لکھنے کا طرز بدل دوں کہ اس میں تکلف بھی زائد تھا۔ اور اہل علم کو بھی اس سے انس نہ رہتا۔ یہ سہل اور مصلحت معلوم ہوا کہ اول اپنے طرز سابق میں بسیاختہ مضمون لکھ لیا جایا کرے۔ پھر اگر کسی حصہ یا پورے مضمون میں ضرورت ہوئی تو اسی کی عبارت کو دوسرے عنوان سے خوب سلیس کر دیا جایا کرے اس تجویز کے شروع ہونے میں بھی تفاق سے دیر ہوتی رہی مگر آج اس کے نفاذ اور آغاز کا بتوفیقہ تعالیٰ وقت آگیا۔ چنانچہ مضمون کفارہ مالیہ یمین مذکور بالا کو سہل عبارت میں اعادہ کرتا ہوں اور سہولت ہی کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کو مسلسل نہ رکھا جاوے گا۔ بلکہ اس کے چھوٹے چھوٹے جدا جدا ٹکڑے کر دیا جایا کرینگے بعنوان مسئلہ یا اور جو عنوان مضمون کے مناسب ہو۔

خلاصۂ مضمون سابق

اعادہ بغرض تسہیل بعنوان مسائل

مسئلہ: جس شخص کی قسم ٹوٹ جاوے۔ یا وہ توڑ دے۔ تو ہر شخص کو کفارہ میں تین روزہ رکھ لینا کافی نہیں بلکہ جس کے پاس ضروری گذر سے زائد اتنی گنجائش ہو کہ وہ دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر متوسط معمولی کھانا کھلا سکے۔ یا دس مسکینوں کو فی مسکین اتنا اناج دے سکے جتنا عید کے دن صدقۂ فطر میں دیا جاتا ہے۔ یا دس مسکینوں کو فی مسکین معمولی قیمت کا جوڑا مثلاً کرتہ پائجامہ یا چادر لنگی یا کرتہ لنگی یا چادر پائجامہ دے سکے۔ تو اس کا اس وقت ادا ہوگا جب اس طرح دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا یا ان کے دام دے۔

اور ضروری گذر کا مطلب یہ ہے کہ رہنے کا گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کا کھانا اگرچہ غریب ہی ہو۔ اور زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہو۔ اور جس کے پاس اتنی گنجائش بھی نہ ہو اس کا کفارہ البتہ تین روزے پے درپے رکھنے سے ادا ہوجاوے گا۔

اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کا کفارہ روزے سے ادا ہوتا ہو۔ کیونکہ اتنی گنجائش والے تو کثرت سے ہیں۔

مسئلہ: یہ گنجائش ہونا یا نہ ہونا اس وقت دیکھا جاوے گا جب کفارہ ادا کرنے کا قصد ہو۔ قسم ٹوٹ جانے کے وقت نہ دیکھا جاوے گا۔ سو اگر قسم توڑنے کے وقت گنجائش نہ تھی اور ادا کرنے کے وقت گنجائش ہوگئی تو دس مسکینوں کو بطریق مذکور کھانا یا غلہ یا کپڑا یا دام دینا ہوگا اور اگر قسم توڑنے کے وقت گنجائش تھی پھر ادا کے وقت گنجائش نہ رہی تو روزے ہی سے کفارہ ادا ہوجاوے گا۔

مسئلہ: ہر مسکین کو دینا کفارہ میں درست نہیں۔ بلکہ وہ مسکین ایسا ہو سید اور بنی ہاشم میں سے نہ ہو۔ اور اسی دینے والے کا باپ، دادا، نانا، ماں، دادی، نانی، بیٹا، پوتا، بیٹی پوتی، نواسی، نواسہ، میاں بی بی نہ ہو۔ البتہ بیٹے کی بی بی کو یا داماد کو دینا درست ہے۔

مسئلہ ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دو تین حصّہ دینا درست نہیں اگر ایک ہی مسکین کے

ساتھ زیادہ احسان کرنا منظور ہو تو اس کو ہر روز ایک حصہ دے دیا کرے اور تاریخ شریعت میں دن چھپنے سے شروع ہو کر اگلے دن کے چھپنے پر ختم ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر غلطی سے کوئی کفارہ ادا نہ ہوا تو توبہ کافی نہیں بلکہ پھر یاد کر کے ادا کرنا چاہیئے اور بلا عذر دیر کرنے سے گناہ ہوگا۔

"اگر زندگی میں کفارہ ادا نہ کر سکا تو کیا کرے"

مسئلہ: اگر کفارہ ادا نہ کرنے پایا تھا کہ موت آگئی۔ تو اس کے ذمہ واجب ہے کہ وارثوں کو وصیت کرے کہ وہ اس کے ترکہ سے اس کو ادا کریں۔ اور وارثوں پر اس کا ادا کرنا اس شرط سے واجب ہے کہ وہ اس میت کے ترکہ کے تہائی حصہ سے نکل سکے۔ مثلاً اس کے ذمہ چار قسموں کا کفارہ واجب تھا اور وہ پانچ روپے کے غلہ سے ادا ہو سکتا ہے اور میت کا ترکہ اتنا ہے کہ اسکی تجہیز و تکفین کر کے اور قرضہ مہر وغیرہ دے کر پندرہ روپیہ یا زائد بچتے ہیں تو اس صورت میں اس کی وصیت کا پورا کرنا ان کے ذمہ واجب ہوگا۔ اور جو مثلاً ساڑھے سات روپے بچتے ہیں تو صرف دو کفاروں کا ادا کرنا اڑھائی روپے سے واجب ہوگا اور اگر مثلاً تین ہی روپے بچتے ہیں تو ایک کفارے کا بھی ادا کرنا واجب نہ ہوگا۔

اسی طرح نرخ کے اختلاف سے کفارہ کی قیمت کی کمی بیشی کا حساب دیکھ لیا جاوے۔ البتہ ایسی صورت میں اگر کوئی وارث بالغ اپنے حصے ترکہ سے یا اپنے سرمایہ سے ادا کر دے تو بڑا ثواب ہے۔ لیکن وارث کے روزہ رکھنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔

اگر میت کے پاس نقد نہ ہو لیکن غلہ یا کپڑا سلا ہوا یا بے سلا تہائی ترکہ کے اندر اتنا ہو کہ وہ دس مسکینوں کو فی مسکین بقدر صدقہ فطر یا ایک جوڑا تقسیم ہو سکے تب بھی کفارہ دینے کی وصیت کو پورا کرنا واجب ہے۔

"اگر متعدد قسمیں ٹوٹیں تو ایک کفارہ کافی نہیں"

مسئلہ: اگر دو قسمیں ٹوٹیں تو کفارہ (۲) دینا واجب ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور

امام ابو یوسف رح کے نزدیک اگر ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دونوں کفاروں کا ایک ایک حصہ دینا چاہے تو درست نہیں اگر ایسا کیا تو ایک ہی حصہ ادا ہو گا دوسرا اس کے ذمہ رہے گا۔ جیسا ایک قسم کے کفارہ کے دو حصے ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں۔ البتہ اگر ایک تاریخ بدل جائے تو درست ہے۔

"کفارہ ادا ہونے کیلئے تملیک شرط ہے"

مسئلہ: کفارہ کی رقم یا جنس یا کپڑا جب تک کسی خاص مسکین کی ملک نہ کیا جاویگا اس وقت تک وہ کفارہ ادا نہ ہو گا۔ خواہ اپنے ہاتھ سے کسی کو مالک کر دے یا دوسرے شخص کے سپرد کر دے کہ وہ کسی کو مالک کر دے۔ مثلاً کسی مدرسہ کے مہتمم کو دے دیا۔ یا کسی انجمن کے کارکن کو دیدیا۔ اس صورت میں وہ اس کفارہ والے کا وکیل ہو جاوے گا۔ اور کفارہ محض اس کے سپرد کرنے سے ادا نہ ہو گا۔ بلکہ جب وہ وکیل موافق احکام شرعیہ کے مساکین کو دے گا۔ تب ادا ہو گا۔ پس اگر اس وکیل نے کوئی غلطی کی تو کفارہ دوبارہ دینا پڑے گا۔ اس لئے ایسے شخص کو وکیل نہ بناوے جو احکام شرعیہ سے بے خبر ہو۔ یا کہ خبردار ہو مگر دیندار اور احتیاط والا نہ ہو۔

مسئلہ: اوپر کے مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ جن کارخانوں میں کوئی خاص تملک نہیں ہوتا گو وہاں رفاہ عام کے کام ہوتے ہوں وہاں دینے سے ایسی رقمیں جیسے کفارہ ہے، زکوٰۃ ہے، صدقہ فطر ہے، چرم قربانی کی قیمت ہے۔ خواہ خود مالک چرم نے فروخت کی ہو خواہ اس کے وکیل نے۔ اور بھی جن جن رقموں میں تملیک خاص شرط ہے۔ ادا نہیں ہوتے۔ پس جنہوں نے چندہ حجاز ریلوے میں ایسی رقمیں دی ہوں ان کو چاہیئے کہ وہ دوبارہ پھر موافق شریعت کے ادا کرے۔

"وکیل اگر روزہ رکھدے یا بغیر اجازت کے کفارہ ادا کرے تو ادا نہ ہو گا"

مسئلہ: اگر قسم توڑنے والے کی طرف سے دوسرا شخص کفارہ ادا کرنا چاہے۔ تو

اگر کفارہ میں اس دو سے کر نے روزے رکھے تب بھی کفارہ ادا نہ ہوگا - اور اگر دس مسکینوں کو موافق مسائل مذکورہ بالا کھانا یا کپڑا یا غلہ یا دام دیئے تو اگر کفارے والے نے اجازت نہیں دی تھی - تو بھی کفارہ ادا نہ ہوگا - اور اگر تصریحًا اجازت دیدی ہے تو ادا ہو جاویگا فقط (باقی اجزاء مضمون کے آسان ہے محتاج تسہیل نہیں)

"منت مالی کے متعلق کوتاھیاں"

(ایفاء نذر مالی)

منجملہ طاعات ملحقہ بالزکوٰۃ کے نذر مالی کا ایفاء ہے - اس میں بھی مثلاً دیگر طاعات کے چند کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔

اگر نذر کو کسی شرط پر معلق کیا تو اس شرط کے وجود[1] سے ایفاء واجب ہو گیا چاہے اس شرط کا دوام نہ ہو۔

ایک کوتاہی تو یہی ہے کہ بعضے لوگ شوق شوق میں نذر تو کر لیتے ہیں مگر اس کا ایفاء نہیں کرتے یا تو یاد نہیں رکھتے یا یہ سمجھ کر کہ اب تو کام نکل گیا - بے پروائی و سستی کرتے ہیں۔ یا اس کامیابی کا اگر بقاء نہ ہو تو عدم بقاء کو مثل عدم حدوث کے قرار دے کر ایفاء کو واجب نہیں سمجھتے مثلاً کسی نے نذر کی کہ اللہ تعالیٰ فلاں مریض کو شفاء دے تو میں دس روپے خیرات دوں گا - اور وہ تندرست ہو گیا - مگر نذر پورا کرنے سے پہلے وہ پھر بیمار ہو گیا - تو یہ گمان غلط ہو گا کہ اب نذر پورا کرنا ضروری نہیں رہا - کیونکہ معلق تندرست ہونے پر کیا تھا - نہ کہ عمر بھر تندرست رہنے پر جب معلق بہ پایا گیا ایفاء نذر واجب ہو گا علاج ان کوتاہیوں کا مسائل معلوم کرنا اور جزاء معصیت کو پیش نظر رکھنا ہے - تاکہ نہ غلطی ہو نہ بے پروائی۔

○

---

[1] وجود - ۱۲

"غیر اللہ کی منت شرک ہے"

ایک کوتاہی[1] یہ ہے کہ بعضے نذر غیر اللہ کی کرتے ہیں بعض تو کھلم کھلا کہ اے فلاں بزرگ اگر ہمارا کام ہوگیا۔ تو آپ کی نام کا کھانا کریں گے۔ یا آپ کی قبر پہ غلاف چڑھاویں گے۔ یا آپ کی قبر پختہ بنادیں گے یہ تو بالکل شرک جلی ہے۔ کیونکہ نذر بھی عبادت کی ایک قسم ہے (رد المحتار عن الاختیار اول احکام النذور و قبیل باب الاعتکاف)

عبادت میں کسی کو شریک کرنا صریح شرک ہے اس کا علاج توبہ اور عقیدہ کی درستی ہے۔ اور وہ نذر بھی منعقد نہیں ہوتی۔ اس کو پورا نہ کرے۔ اور اگر انتساب بغیر اللہ سے قطع نظر کرکے بھی وہ غیر مشروع ہو۔ تو اس کا مضاعف وبال ہے جیسا قبر پہ غلاف چڑھانا۔ یا قبر پختہ بنانا کہ خود بھی غیر مشروع ہے۔ اور غیر اللہ کے تقرب کا ذریعہ بنانا یہ دوسری معصیت ہے۔ اور ایسا کھانا مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہونے کے سبب مباح التناول بھی نہیں اور ایسا غلاف دوسرے سبب سے بھی کسی کے لئے جائز الاستعمال نہیں۔ جیسا بعض مجاورین اس میں تصرف درست سمجھتے ہیں اور دوسرا سبب مالک کا اس کے لئے اذن نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اس کی نیت صرف قبر پوشی کے لئے ہے نہ کہ مجاور کے گھر لے جانے کی البتہ اگر ناذر[2] توبہ کرے۔ تو پھر وہ کھانا مجاور کے لئے اور وہ غلاف مالک کے اذن سے کھا لینا اور استعمال کر لینا حلال ہے اور اگر کوئی جانور تھا۔ جو اسی نیت پر ذبح ہو چکا۔ تو اب توبہ سے وہ حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح ایسی قبر کی اینٹیں لے جانا غیر مالک کے لئے حلال نہیں۔ البتہ مالک کو اختیار ہے کہ قبر سے اکھاڑ کر جو چاہے کرے۔

قبر کی کوئی چیز نیک کام میں بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے

یہ بے احتیاطی بعض اتقیا سے بھی ہوتی ہے کہ پختہ قبر کو منہدم کر دینے کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہاں تک تو ٹھیک سمجھے مگر آگے یہ بھی گمان کر لیتے ہیں کہ بعد انہدام ان

عـلـه منت ماننے والا ۱۲

اینٹوں کو کسی اچھی جگہ لگادیا جاوے ۔ سو یہ غلط ہے ۔ اسی طرح قبروں پر جو مور چھل یا جاروب وغیرہ رکھی رہتی ہیں یا پھول چڑھے ہوتے ہیں ان کا استعمال کرنا کسی کو جائز نہیں ۔ گو ان کا چڑھانا گناہ ہوا ۔

بعض دفعہ شرک ظاہر نہیں ہوتا بلکہ مدفون ہوتا ہے

اور بعض لفظاً تو اللہ ہی کے لئے نذر کرتے ہیں لیکن اس کے تحت میں شرک مدفون ہوتا ہے کہ ذرا التفات و تامل سے کام لیا جاوے تو اس کا ادراک ہوتا ہے مثلاً نذر کی کہ اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو جاوے تو آپ کے نام کی ایک دیگ کھانے کی پکوا کر کھلا کر بڑے پیر صاحب کو ثواب بخشوں گا ۔ اور یہ نہایت ہی احتیاط کا صیغہ سمجھا جاتا ہے ۔ تو یہ ظاہر میں تو نذر اللہ کے لئے ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ یہ لوگ اس مقصد میں ضرور ان بزرگ کو کسی قدر معین اور دخیل اور متصرف سمجھتے ہیں چنانچہ اگر ان سے کہا جاوے کہ ان بزرگ کو دوسرے وقت ثواب پہنچا دینا اس وقت اس منضم مت کرو خالی نفع مساکین کی نیت رکھو تو ان کے دل میں ضرور یہ خطرہ قریب مرتبہ اعتقاد گذرے گا کہ اس کے منضم نہ کرنے سے اس نذر میں اثر ضعیف ہو جاوے گا جس کا سبب ان بزرگ سے روحانی امداد کا پہنچنا ہے ۔

پس ہر مسلمان اس پر غور کر کے دیکھ لے کہ یہ خلاف توحید ہے یا نہیں اور اس کا ایک امتحان ہے ۔ وہ یہ کہ اگر وہ کام ہو جانے کے بعد اس ناذر سے کہا جاوے کہ صرف اللہ کے نام مساکین کو دیدو اور کسی کو ثواب مت پہنچاؤ ، یا جن کے ثواب پہنچانے کی نیت کی ہے ان کو نہ پہنچاؤ ۔ اور کسی بزرگ کو بخش دو کیونکہ نذر میں ایسی تخصیصات شرعاً لازم و معتبر نہیں ہوتیں ۔ (جیسا آگے بھی آتا ہے) تو اس وقت نذر کرنے والوں کی حالت دیکھنے کے قابل ہے کہ اس کو گوارا کر سکتے ہیں ۔ یا نہیں ۔ اگر گوارا نہ کیا تو سمجھ لیجئے کہ اعتقاد میں خلل ہے اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ اگر عقیدہ میں بھی فساد محسوس نہ ہو تب بھی حاجت کے لئے نذر کرنے کے وقت ہرگز کسی بزرگ کے ایصال ثواب کو منضم نہ کیا کریں ۔ اس کو دوسرے وقت بلا نذر ثواب بخش دیا کریں ۔

اغنیاء کو دینے سے منت پوری نہیں ہوتی

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ نذر کے مصرف میں اغنیاء اور ہر مستحقین کو بھی شامل سمجھتے ہیں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ قبول کی ہوئی شیرینی مسجد میں لاکر سب نمازیوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ جن میں اغنیاء اور ناذر کے اصول وفروع بھی ہوتے ہیں جن کو دینے سے نذر ادا نہیں ہوتی ۔

(ردالمحتار قبیل باب الاعتکاف)

بلکہ جس قدر ان لوگوں کے حصہ میں آیا ہے اسی قدر دوبارہ مساکین کو دینا واجب ہوگا۔ البتہ نذر ہی کرنے کے وقت، یہ کہہ دیا کہ میں اغنیاء وغیرہم کو بھی دوں گا تو ان کے حصے کی نذر ہی منعقد نہیں ہوتی (درالمختار عن القنیۃ)

یہاں سے مانی ہوئی گیارھویں کی شیرینی کے حصے خوش حال دوستوں کے گھر بھیجنے کا بھی حکم معلوم ہوگیا ہوگا۔ اور خود اس گیارہویں کی تحقیقات کا بدعت ہونا یا نیت عوام کا شرک جلی یا خفی ہونا یہ مستقل بحث ہے۔

نذر کی تمام تخصیصات کا التزام ضروری نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ نذر کی تمام تر تخصیصات کو لازم و واجب سمجھتے ہیں مثلاً نذر کی کہ دو روپے کی مٹھائی دوں گا یا کسی مسجد میں دوں گا یا اتنی رقم مکہ معظمہ بھجواؤں گا۔ یا رمضان میں خیرات کروں گا تو اس کا اہتمام کرنا کہ مٹھائی ہو اور مسجد میں جاوے۔ یا مکہ معظمہ ہی میں بھیجے یا رمضان کا انتظار کرے ضروری نہیں۔ بعض اوقات بعض تخصیصات کی ایفاء پر قدرت نہ ہونے سے اصل نذر ہی ادا ہونے سے رہ جاتی ہے۔

مثلاً مکہ لے جانے والا کوئی نہ ملا اور یہاں ادا نہ کی۔ اسی میں موت آگئی۔ تو گنہگار مرا۔ یا اگر ایفاء تخصیصات پر قدرت بھی ہوئی لیکن کسی وجہ سے دوسرا مصرف یا دوسری صورت افضل ہو۔ تو ملتزم تخصیص اسی فضیلت سے محروم رہتا ہے مثلاً اکثر اوقات مسجد میں مٹھائی بانٹنے والوں سے یہ افضل ہے کہ گھر بیٹھنے والوں محتاجوں کو ۲ روپے نقد یا اس

کا غلہ دیدیا جاوے۔ تو ایسے التزام مالا یلزم میں کیوں مبتلا رہو۔ البتہ جو نذر معلق ہو اس میں قبل وجود شرط اداء صحیح نہیں بس اتنی تخصیص شرعًا معتبر ہے اور دوسری تخصیصات نذر معلق میں بھی معتبر نہیں (درمختار)

یہاں سے زنان عوام کی اس تخصیص کا حکم بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ فلاں کام ہوجاوے تو میں مسجد کا طاق بھروں گی سو یہ قید بھی شرعًا معتبر نہیں، البتہ اگر کوئی نذر کرے کہ اگلے سال قربانی کروں گا۔ یہاں تخصیص ایام نحر کی ہو جاوے گی (ردالمحتار) نہ اس وجہ سے کہ زمان مقصود بلکہ اس لئے کہ جو ایام نحر میں نہ ہو وہ قربانی ہی نہیں جو کہ مقصود ہے اور جو صدقہ مکہ میں نہ ہو وہ بھی صدقہ ہی ہے اور صدقہ ہی مقصود ہے یہ فرق ہے دونوں تخصیصوں میں۔

ناجائز فعل کی نذر اور اس کا ایفاء جائز نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم جس فعل کی نذر کر رہے ہیں۔ وہ شرعًا جائز ہے یا ناجائز اور اس لئے بعض معاصی کی نذر کرتے ہیں مثلاً قبروں پر غلاف چڑھانا، عرسوں میں جانا، یا بطریق بدعت مولود شریف کرانا سو ظاہر ہے کہ یہ نذر خود معصیت ہے اور اس کا ایفاء جائز نہیں۔ بلکہ توبہ واجب ہے۔ علاج اس کا علم دین ان ابواب میں حاصل کرنا اور اہل حق کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ البتہ اگر نذر ہو طاعت کی اور معلق کیا ہو۔ اس کو معصیت کے ساتھ وہ نذر منعقد ہو جاتی ہے پھر اگر وہ معصیت سرزد ہو جاوے تو اگر مقصود اس قائل کا اس تعلیق سے اس معصیت کے ترک کا عہد ہے تو خواہ نذر پوری کرے یا کفارہ یمین دے۔ اور اگر مقصود اس معصیت کی تحصیل پر اظہار مسرت ہے یعنی وہ معصیت اس کو مرغوب ہے تو اس نذر کا ایفاء اس پر واجب ہے (درمختار و ردمحتار)

اور اگر وہ فعل جائز بھی ہو مگر قربت مقصودہ نہ ہو، مثلاً وضو تب بھی گو جواز اصلی کی وجہ سے اس فعل کا کرنا جائز ہے مگر نذر منعقد نہ ہو گی اور وہ واجب نہ ہوگا۔ یہاں سے حکم معلوم ہو گیا ہوگا مولد بطریق مشروع کی نذر کا کہ اس کا ایفاء واجب نہیں ہوگا۔

جو چیز ملک میں نہیں ملک کیطرف اضافت کئے بغیر اسمیں نذر منعقد نہیں ہوتی۔

ایک کوتاہی علمی یہ ہے کہ بعض دفعہ جوش میں اس قدر مال کثیر کی نذر کر لیتا ہے جو اس کی ملک میں نہیں۔ اور پھر اس کا پورا کرنا دشوار ہوتا ہے یا ملک غیر میں نذر کر لیتا ہے۔ پھر یا تو ایسے امر میں کوتاہی کرتا ہے جس کو واجب سمجھتا ہے اور یا ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پریشان ہوتا ہے اور تمام محاصل اور مکاسب اس کے نذر کرتا ہے اور دوسرے حقوق واجبہ تلف کرتا ہے حالانکہ جو چیز ملک میں نہ ہو۔ اس کے ساتھ نذر متعلق نہیں ہوتی۔

مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے دینے کی نذر کی۔ اور نذر کے وقت اس کی ملک میں سو روپیہ ہے۔ جب کہ نذر مطلق ہو اور اگر معلق ہو تو وجود شرط کے وقت (کمافی رد المختار) سو روپے یا اتنے کا سامان ہو تو اس شخص پر ہزار روپے واجب نہ ہوں گے۔ (در مختار ورد محتار)

اور اگر ہزار روپے نقد نہ ہوں لیکن اتنا سامان موجود ہو تو اس کو بیچ کر دینا واجب ہوگا (رد محتار) لیکن اگر سب دے ڈالنے میں تکلیف ہو تو بقدر کفاف کے رکھ کر بقیہ دیدے پھر جب گنجائش ہو۔ جتنا پہلے حاجت کی وجہ سے رکھ لیا۔ اتنا پھر دیدے (رد محتار)

اسی طرح اگر نذر کرے کہ فلاں شخص سے گائے خرید کر اللہ کے واسطے ذبح کرونگا یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوتی (در مختار) البتہ اضافت الی سبب الملک حکم ملک میں ہے۔ مثلاً اگر یہ نذر کی کہ اگر فلانی گائے خریدوں تو اس کی ذبح للتصدق کی نذر کرتا ہوں تو گو وہ اس وقت ملک میں نہیں لیکن اسی طور سے نذر منعقد ہو جاوے گی اور بعد اشترار (خریداری) اس نذر کا ایفار واجب ہوگا۔

اور ملک غیر میں نذر کرنے کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ کسی یتیم کے تندرست ہونے پر نذر کرتے ہیں کہ اسی کے روپیہ میں سے اتنے مساکین کو کھانا کھلادیں گے۔ یہ نذر بھی باطل ہے۔

ایسی چیز کی نذر نہ کرے جو اپنی طاقت سے باہر ہو اگر کرلی تو ایفا رواجب ہوگا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جس طرح صورت بالا میں نذر مالی اس قدر کرلی تھی جو ملک میں نہ تھی اسی طرح بعضے ایسے عبادات بدنیہ کی نذر کرلیتے ہیں جو ان کی طاقت سے خارج ہوتی ہے۔ مثلاً یہ نذر کرلی کہ عمر بھر روزے رکھا کروں گا۔ یا تا زیست ہر سال حج کروں گا۔
اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خفیف خفیف نذریں بہت سی جمع ہونے سے وہ ثقیل ہوگئی مثلاً کئی بار میں دس دس روزوں کی نذر کی مگر ادا میں سستی کرنے سے وہ جمع ہوکر ایک ہزار روزے ہوگئے۔ جو تین سال میں جبکہ بلا ناغہ رکھے جائیں پورے ہوسکتے ہیں جس کا موقع بظاہر ملنا نہایت بعید ہے۔ پھر اس کے بعد ناواقفی سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ اس میں سے جتنا جی چاہا پورا کردیا بقیہ کا کوئی تدارک نہیں کیا جاتا سو سمجھ لینا چاہیئے کہ اولاً ایسی نذر نہ کرے اور اگر ہوجائے تو اس کو پورا کریں اور اگر پورا ہونے سے رہ جائے۔ اس کا بدل کرے اور اگر موت آجاوے تو اپنے ترکہ میں اس کے متعلق وصیت کریں۔ مثلاً عمر بھر کے روزے رکھنے کی نذر کرلی تو جتنے روزے نہ رکھ سکے اس کا فدیہ دے (درمختار) اور جو مرنے کے وقت رہ جاویں فدیہ کی وصیت کرے (درمختار و ردالمحتار قبیل از باب اعتکاف) یا تیس حج کی نذر کرلی اور نہ کرسکا تو وصیت کرجاوے (ردالمحتار)

حل شبہ: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نذر مت کرو کہ نذر سے تقدیر نہیں ٹلتی۔ البتہ اس کے ذریعہ سے بخیل کے پاس سے کچھ (نیک کام میں) نکل آتا ہے (جو بلا نذر اس نیک کام میں خرچ نہ کرتا) اھ (بالحاصل) اس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر نذر کا عبادت ہونا ثابت ہوچکا ہے اور عبادت مامور بہ ہوتی ہے گو درجہ ندب ہی میں ہو اور اس حدیث سے اس کا منہی عنہ ہونا ثابت ہوتا ہے گو درجہ کراہت ہی میں ہو پس ان میں جمع ہونے کی کیا صورت ہے۔ جواب یہ ہے کہ نذر خود عبادت مقصودہ نہیں بلکہ اس کا عبادت ہونا اس لئے ہے کہ وہ دوسری عبادت مقصودہ سے متلبس و متعلق اور ان کا ذریعہ اور سبب ہے (فی ردالمختار، احکام الیمین والنذر ما کونہ قربۃ فلما یلازمہ من القرب

كالصلوة والصوم والحج والعتق ونحوها)

اوران عبادات مقصودہ کے عمل میں لانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک بدون نذر کے۔ اور دوسری بعد نذر کے اور اوّل صورت افضل ہے دوسری سے اور مقبول بمقابلہ فاضل و افضل کے اولیٰ بالترک ہوتا ہے۔ پس نہی عن النذر اس درجے میں ہے۔ تو یہ منافی نہیں اس کے مامور بہ فی درجۃ التوسل بہ الی الطاعات المقصودہ (یعنی طاعات مقصودہ کے لئے وسیلہ بننے کے درجہ میں) ہونے کے اس حدیث میں یہ تو عمل کی اصلاح ہے۔ اور ایک عقیدہ کی اصلاح ہے کہ عوام کی طرح یوں نہ سمجھو کہ نذر کرنے کو اس کارروائی میں کچھ خاص دخل اور اثر درجۂ مزعومہ عوام کا ہے۔ اور اگر نذر نہ ہوتی تو یہ کام نہ ہوتا کام تو ہر حال میں اس طرح ہوتا جس طرح مقدر تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اور اسباب طبعیہ یا دعاء جن کا اثر مشاہدہ و سمع سے ثابت ہے نذر میں اتنا اثر بھی ہونے کے لئے دلیل کی حاجت ہے اور ظاہراً یہ حدیث بھی اس کی نفی کر رہی ہے۔ ورنہ نہی نہ ہوتی بلکہ مثل دواؤ دعا اس کی ترغیب ہوتی اور اس میں بھی مثل ان کے تبدیل قدر کے شبہ کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا وذالک من القدر) (اور یہ بھی تقدیر میں سے ہے)

مقصود حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نذر کے دباؤ سے خیر کرنا بخل ہے۔ بلا نذر خیر کرنا زیادہ بہتر ہے اھ

اور اگر شکریہ کارروائی میں خیر کرنے کی نیت ہو تو زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے دل میں رکھے اور موقع پر عمل کرے۔ نیت کرنے سے نذر بھی نہیں ہوتی (لانہ مما یتعلق بالقول (یعنی اس کا تعلق قول سے ہے) کما فی الدر المختار ۔ اور اصل مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے شارع کا بھی کہ نفس عبادت ہے۔ اور اس عامل کا بھی کہ اقتران، انجاح حاجت و قصد طاعت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

خلاصہ مضمون سابق

(تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور)

بعنوان مسائل ؛ مسئلہ شرعی منت کا ادا کرنا فرض ہے۔ مسئلہ اگر منت مانی کہ

تندرست ہو جاؤں تو اتنا خیرات کروں پھر بالکل تندرست ہو گیا۔ اور اتفاق سے پھر بیمار ہو گیا تو پہلی منت اس کے ذمہ رہے گی ادا کرنا ضروری ہے۔ مسئلہ: خدا کے سوا کسی کی منت ماننا جائز نہیں۔ جیسے بعض عوام کا طریقہ ہے کہ بزرگوں سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارا فلاں کام ہو جاوے تو آپ کے نام کی دیگ کریں گے۔ مسئلہ۔ اور اگر صورت مذکورہ میں خود وہ فعل بھی ناجائز ہو تو دوگناہ ہوئے۔ ایک غیر اللہ کی منت دوسرے معصیت کی منت، مسئلہ: ایسی منت کی چیز استعمال میں لانا نہ چاہیے۔ مسئلہ: البتہ اگر نذر کرنے والا توبہ کرے تو وہ چیز درست ہو جاوے گی۔ مسئلہ: اگر اسی نیت پر جانور ذبح ہو چکا تو اب توبہ سے کچھ نہ ہوگا۔ مسئلہ: اگر نیت اللہ کے واسطے ہو تب بھی منت میں کسی کے ایصال ثواب کو ملا دینا خلاف احتیاط ہے۔ عوام کو یہ خیال ہو ہی جاتا ہے کہ ان بزرگ کا نام لگا دینے سے کچھ سہارا ان بزرگ کی طرف سے بھی لگے گا۔ مسئلہ: منت کی چیز خوش حال لوگوں کو یا بنی ہاشم کو جن میں سید بھی داخل ہے۔ یا اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، یا بیٹے، بیٹی، نواسا، نواسی، پوتا، پوتی، کو دینا درست نہیں۔ اگر ایسا کیا تو جتنا ان کو دیا ہے اتنا پھر محتاجوں کو دینا پڑے گا۔ اگر مسجد میں بانٹے تو خوش حال لوگوں کو نہ دے۔ مسئلہ: منت ماننے میں کسی کھانے کی یا کسی مسجد کی یا مکہ کی تخصیص لازم نہیں ہے پس اگر مٹھائی یا کھانے کی منت مانی تو روپے پیسے کپڑے دینا بھی درست ہے۔ داموں میں دونوں چیزیں برابر ہوں۔ اسی طرح بجائے مسجد میں بانٹنے کے گھروں میں دے دینا بھی درست ہے اسی طرح بجائے مکہ معظمہ کے ہندوستان کے حاجت مندوں کو دے دینا بھی درست ہے۔

مسئلہ: جو فعل خود یا کسی خاص طریقے سے شرعاً درست نہ ہو۔ اس کی منت ماننا درست نہیں۔ جیسے یوں کہنا کہ میرا فلاں کام ہو جاوے تو خواجہ صاحب کے عرس میں جاؤں۔ یا جس طرح سے اکثر جہلاء وعوام مولود شریف پڑھتے ہیں ایسے مولود کی نذر کرنا، یہ درست نہیں۔ اور اگر ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق سنت ہو جائز ہے۔ مگر نذر کرنے سے وہ بھی واجب نہیں ہوتا جیسا وضو کے باوجود عبادت ہونے کے اس کی نذر منعقد نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جو چیز اپنی ملک میں نہ ہو۔ اس کی نذر صحیح نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی نے منت مانی کہ اگر فلاں کام ہو جاوے تو ہزار روپیہ دوں گا۔ اور کام ہو گیا اور ہزار روپیہ اس وقت موجود نہیں نہ اتنا سامان ہے تو یہ نذر نہیں ہوئی پس اگر ایک مہینہ کے بعد ہزار روپیہ اس کو مل گئے تو اس نذر کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا۔ البتہ کام پورا ہونے کے وقت جتنے روپیہ یا جتنا سامان اس کی ملک میں ہے اس کا دینا واجب ہوگا۔ اگر نقد نہ ہو تو سامان بیچ ڈالنا واجب ہوگا۔ اگر سب کے بیچنے سے تکلیف اور حرج ہو تو بقدر ضرورت تھام لے پھر گنجائش ہونے کے وقت جتنا تھام لیا تھا وہ بھی بیچ کر دے ڈالے مثلاً ہزار روپیہ کی منت مانی تھی مگر کام ہو جانے کے وقت پانچ سو روپیہ کا سامان موجود ہے تو وہ نذر پانچ سو روپے کے ساتھ متعلق ہو گی۔ اس میں اگر سو روپے کے سامان اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیا تو چار سو اب دیدے اور سو کا سامان پھر دے۔ اسی طرح دوسرے کی ملک میں نذر نہیں ہوئی مسئلہ نذر کرنے سے پہلے سوچ لے کہ جس عبادت کی نذر کرتا ہوں مجھ سے اس کا سرانجام ہو سکے گا یا نہیں۔ کیونکہ جو نذر کرے گا وہ اس کے ذمہ واجب ہو جاوے گی۔ پھر ادا کرنا مشکل ہوگا۔ یا بھول جاوے گا تو اس کے ذمہ وبال اور گناہ رہے گا۔ اگر ہزار روزوں کی نذر کر لی یا کئی نذریں جمع ہو کر ہزار روپئے ہو گئے تو ان سب کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ اور جب طاقت نہ رہے گی فدیہ دینا پڑے گا۔ اور جب مرنے لگے گا تو وصیت کرنا پڑے گی کہ میرے ترکہ میں سے اس قدر فدیہ ادا کر دیا جاوے۔

تتمہ آخر مضمون نذر

(وھو جوھر نفیس لا یجوز ان یطرح)

اور یہ نہی نذر کرنے سے جو حدیث میں وارد ہے جس کی تحقیق اس سے مضمون میں مذکور ہوئی ہے۔ مخصوص ہے نذر معلق کے ساتھ جیسا کہ اس نہی کی اس تعلیل سے صاف ظاہر ہے انہ لا یرد شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل۔ یعنی یہ نذر (تقدیر میں سے) کسی چیز کو نہیں ٹال سکتی بلکہ اس نذر کے ذریعہ بخیل سے (مال) نکالا جاتا ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے - انه لم يخلص من شائبة العوض حيث جعل القربت في مقابلة الشفاء ولم تسمح نفسه بها بدون التعلق عليه مع ما فيه من ايهام اعتقاد التاثير للنذر في حصول الشفاء اھ (یعنی اس کا یہ عمل عوض کے شائبہ سے خالی نہ رہا کیونکہ اس نے ایک عبادت کو شفاء کے مقابلے میں لاکھڑا کر دیا اور ساتھ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ حصول شفاء میں نذر کو مؤثر اعتقاد کرنے لگے (جو ایک خلاف شرع عقیدہ ہے)

بخلاف نذر منجز کے کہ اس میں یہ علت نہیں فهو تبرع محض بالقربة لله تعالیٰ والزام النفس بما عساه لاتفعله بدونه فيكون قربة كذا في ردالمختار ج ۱، ص۱۳) (یعنی نذر منجز ایک زائد چیز ہے جس سے مقصد اللہ کی عبادت ہے اور نفس کو ایک ایسی چیز کے ساتھ لازم کرنا ہے جسے بغیر نذر کے نفس کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا لہٰذا یہ عبادت ہوگی۔

"نماز و روزہ کے متعلق کوتاھیاں"

(فدیہ صوم و صلوٰۃ)

مثل دیگر طاعات مالیہ (مذکورہ سابقہ) اس میں بھی متعدد کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔

اگر کسی کی کچھ نمازیں یا روزے رہ گئے ہوں جو اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکے، مرتے وقت فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہے۔

مثلاً ایک کوتاہی یہ ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ ان کے ذمہ بہت سی نمازیں اور روزے چڑھے ہوتے ہیں۔ مگر مرنے کے وقت بھی فدیہ کی وصیت نہیں کرتے حالانکہ ایسے شخص کو فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

لوجوب الفدية عن الصوم نصًا وعن الصلوٰة قياسًا)

مقدار ایک روزہ اور ایک نماز کی فدیہ کے برابر صدقہ فطر کی ہے۔ خواہ غلہ یا قیمت یا ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلا دینا اور نمازیں ایک دن کی پانچ فرض اور ایک وتر کل چھ ہیں۔

فدیہ کے بھروسہ پر نمازیں اور روزے قضا نہیں کرنے چاہئیں

اس کے مقابل ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی فدیہ کے بھروسہ اپنے اوپر نمازیں اور روزے چڑھاتے چلے جاتے ہیں کہ ہم مالدار ہیں۔ فدیہ کی وصیت کر جائیں گے۔ تو اس میں ایک تو بڑی بیباکی ہے کہ گویا نماز روزہ اس کے نزدیک قابل اہتمام ہی نہیں۔ خصوصًا مالداروں سے گویا اس کا جرمانہ لے کر ان کو سبکدوش کر دیا گیا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

دوسرے چونکہ نمازوں کا بہت عدد بڑھ جاتا ہے۔ اور اس لئے اس کا مجموعہ فدیہ اکثروں کی وسعت سے متجاوز ہو جاتا ہے۔ تو اگر کل ادا کیا گیا تو وارثوں کو ضرر پہنچا یا گیا اور اگر کل ادا نہ ہوا تو اس کے ذمہ بار رہا اور یہ دونوں امر غیر مشروع ہیں۔
اور اسی فدیہ کے بھروسہ پر رہنے کے متعلق اس زمانہ میں نئی غلطی مگر بہت گندی غلطی یہ ایجاد کی گئی ہے کہ روزہ قضا ہو جاوے تو باوجود صحت بدن کے بھی اس کی طرف سے فدیہ دیدینا کافی ہے۔ روزہ رکھنا فرض نہیں (اس کا بطلان اچھی طرح سے احقر نے رسالہ اصلاح ترجمہ دہلویہ کے متن میں مختصرًا اور اس کے خاتمہ پہ بعبادت عربیہ مبسوطًا اور عزیزم مولوی شبیر احمد صاحب سلمہ دیوبندی نے القاسم کے نمبر ۲ جلد میں عقلًا و نقلًا ثابت کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے)

قدرت یا امید قدرت کے ہوتے ہوئے فدیہ دینا درست نہیں ہوتا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ باوجود اس کے کہ وہ نمازیں قضا کر سکتے ہیں۔ اور صحت سے بھی مایوس نہیں ہوئے اور صحت کے بعد روزے قضا کر سکتے ہیں۔ مگر پھر بھی ارزاں نسخہ فدیہ کا یاد کر کے اس کے استعمال کو کافی سمجھتے ہیں۔ سو سمجھ لینا چاہئے، کہ قدرت یا امید قدرت ہوتے ہوئے فدیہ دینا درست نہیں ہوتا۔ پس نماز پر تو انسان ہر وقت قادر ہے۔ اگر رکوع وسجود نہ ہو سکے اشارہ ممکن ہے۔ پس مرض میں بھی وقتیہ کو ادا اور

فائتہ کو قضاء کر سکتا ہے۔ اس کا فدیہ تو اس لئے جائز نہیں رہا۔ روزہ تو جب تک صحت کی امید ہے۔ بعد صحت کے بقدر زمانہ صحت اس پر قضاء کرنا واجب ہوگا۔

البتہ اگر ایسا مرض ہوگیا کہ اب بالکل امید صحت کی نہیں رہی۔ یا ایسا بوڑھا ہوگیا کہ اب بالکل امید قوت کی نہیں رہی۔ یا کسی نے عمر بھر روزہ رکھنے کی نذر کر لی تھی۔ مگر اب اس سے بالکل عاجز ہوگیا۔ حاصل یہ کہ ایسا عذر لازم ہوگیا کہ اب قضاء پر قادر ہونے کا قطعًا احتمال نہیں رہا۔ ان حالات میں حیات میں بھی روزہ کا فدیہ دینا جائز اور کافی ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۹۱)

اور اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر قضاء نمازیں بہت کثرت سے ہوگئیں اور مرض کی ایسی حالت ہو کہ اشارہ سے بھی زیادہ قضاء نہیں پڑھ سکتا۔ اور امید صحت کی منقطع ہوگئی۔ تو بقدر قدرت قضاء کرنا واجب ہوگا۔ اور بقیہ کا فدیہ حیات میں بھی دینا درست ہوگا (لکن لم اراہ فلیراجع)

زندگی میں جواز فدیہ کی صورت

اور جو نمازیں اور روزے قضاء اور فدیہ سے رہ جاویں۔ ان کے فدیہ کے لئے وصیت کرنا واجب ہوگا۔ البتہ اگر نا امیدی کے قبل بھی اس نظریہ سے فدیہ دیدے کہ معلوم نہیں میرے ورثہ وصیت پر عمل کریں یا نہ کریں۔ اور یہ بھی نیت رکھے کہ بعد فدیہ کے اگر قدرت قضاء کی ہوگئی تو قضاء کر دوں گا۔ اور اگر قدرت نہ ہوئی۔ اور مسائل بالا کی رو سے حسب مقدار فدیہ کا ناکافی ہونا ثابت ہوگا وصیت بھی کر دوں گا۔ ایسے فدیہ کا کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ مستحسن اور احتیاط ہے۔ بشرطیکہ اگر مرض الموت میں ہو تو ثلث سے زیادہ نہ دے۔

اور قضاء سے نا امیدی ہونے کی حالت میں جو روزہ کے فدیہ کا جواز اوپر مذکور ہوا ہے اس میں ایک اور بھی شرط ہے وہ یہ کہ یہ روزہ کسی اور واجب کا بدل نہ ہو ورنہ اس میں یا اصل واجب کو ادا کرے۔ اور وہ نہ ہو سکا تو صرف وجوب وصیت متعین ہے فدیہ کسی حال میں نہیں ہو سکتا جیسا کفارہ یمین میں روزہ اس وقت ہوتا ہے جب اعتاق و اطعام و کسوت پر قدرت نہ ہو، پس اس روزہ کا فدیہ حیات میں درست نہیں اگر اصل اور بدل دونوں پر

قدرت نہ ہو تو مرتے وقت ترکہ میں فدیہ کی وصیت واجب ہوگی (ردالمختار ج ۱ ص ۱۹۱)

وارثوں کی کوتاہیاں

ایک کوتاہی[۷] وارثوں کی ہے کہ باوجود وصیت اور وسعت کے اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور میت پر گرانبار رہتا ہے حالانکہ ثلث کے اندر وصیت مقدم ہے ترکہ پر بھی۔

ایک کوتاہی[۸] پہلی کوتاہی سے کم درجہ کی یہ ہے کہ وہ بلا وصیت مرجاوے تو اس فدیہ سے کم درجہ کے مصارف میں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ فضول مصارف میں اور اس سے بھی مزید یہ کہ معاصی میں میت کا ترکہ اڑاتے ہیں۔ مگر اس طرف کسی کو توجہ نہیں ہوتی کہ اور مصارف بند کرکے کچھ فدیہ میں دیدے۔ اور گو ایسی حالت میں دینا بعض فقہاء کے نزدیک مسقط واجب نہ ہوگا لیکن بعض کے نزدیک مثل حالت وصیت کے یہ بھی مسقط واجب ہو جاوے گا۔ اور جو مسقط واجب نہیں ان کے نزدیک بھی اس طرح سے نافع ہونا تو یقینی ہے۔ کہ میت کو اس کا ثواب ہی پہنچ جاوے گا۔ کیا عجب ہے کہ وہ ثواب اس ترک واجب کے عذاب کو زائل کردے۔ (ردالمختار ج ۱ ص ۱۹۱)

اور یہ کوتاہی کم درجے کے اس لئے ہے کہ صورت سابقہ میں بوجہ وصیت کے فدیہ واجب تھا اور اس صورت میں بوجہ وصیت نہ کرنے کے واجب نہیں ہوا۔ لیکن جب اس سے ان محل میں صرف کیا ہے تو یہ اس سے احق واسبق واقدم واہم ہے۔

جو فدیہ قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہو وہ ادا نہیں ہوتا، اس کی ایک مثال

ایک کوتاہی ورثہ ہی کی یہ ہے کہ بعضے مقامات پر بزعم خود فدیہ ادا کرتے ہیں اور وہ بوجہ قواعد شرعیہ پر منطبق نہ ہونے کے ادا نہیں ہوتا اور ورثہ پر ارتکاب منہی عنہ کا اور مورث پر ترک عمل واجب کا بار رہتا ہے۔

اور وہ طریق غیر منطبق یہ ہے کہ میت کی تمام عمر کے نمازوں اور روزوں کا حساب کرکے اس کی ایک رقم مثلاً دس ہزار روپے تجویز کرکے ایک ملا کے ہاتھ ایک قرآن مجید دس ہزار

روپے کو ہدیہ کرتے ہیں، پھر وہ قیمت اس ملا کو بہ نیت فدیہ کے معاف کر دیتے ہیں اور عمل کو اسقاط کہتے ہیں اور یہ صورت ان سب اسقاط کی صورتوں سے اسلم جن کو جہلار عمل میں لاتے ہیں کہ ان میں تو کوئی شائبہ بھی انطباق علی القواعد کا نہیں ان میں سے یہ صورت سرسری نظر میں منطبق سمجھی جاتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ جب یہاں بیع مقصود نہیں تو ثمن بھی واجب نہ ہو گا۔ پھر فدیہ کس رقم سے ادا ہوا۔ اور دلیل بیع مقصود نہ ہونے کے علاوہ وجدان کے یہ ہے کہ اگر ملا کو ثمن معاف نہ کیا جاوے بلکہ اس کا مطالبہ کرنے لگیں تو کیا اور تمام دیکھنے والے اس ثمن کو واجب اور اس مطالبہ کو حق سمجھیں گے ؟ ہرگز نہیں پھر یہ تو ایک قسم کا فریب دینا ہوا۔ البتہ جس کو وسعت کم ہو اس کے لئے دوسرا طریق درمختار میں لکھا ہے۔ وہ قواعد پر منطبق ہے مثلاً ایک روپیہ مسکین کو فدیہ میں دیا اور اس نے بخوشی ولی کو ہبہ کر دیا ولی نے پھر اس کو فدیہ میں دیا۔ اسی طرح اگر ہزار بار کیا تو ہزار روپیہ ادا ہو گئے۔ اور اس میں ہر بار میں اختیار ہے. جب چاہے رکھ لے دوسرے کو نہ دے۔ فقط

تنبیہ: صوم وصلوٰۃ کے فدیہ میں اباحت وتملیک اور ایک مسکین کو نصف صاع سے زائد دیدینا سب درست ہے لیکن نصف صاع سے کم نہ دے یہ یقینی ہو (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۸ ص ۱۸۹) واللہ اعلم بالصواب

خلاصہ مضمون سابق

(تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور)

بعنوان مسائل

مسئلہ: جس شخص کے ذمے کچھ نمازیں اور روزے قضا ہوں اور ان کو قضا نہ کر سکا ہو اس کو واجب ہے کہ مرنے سے پہلے ان کے فدیہ کی وصیت کر جاوے۔

مسئلہ: ایک روزے کا فدیہ اس قدر ہے جس قدر صدقہ فطر دیا جاوے۔ اسی طرح ایک نماز کا بھی اسی قدر ہے اور ہر روز کی چھ نمازیں شمار کی جاتی ہیں۔ پانچ تو فرض اور ایک واجب یعنی وتر۔ مسئلہ: فدیہ کے بھروسہ نماز اور روزہ کا قضار کر ڈالنا

یا جو قضا رہو گئے ہیں ان کی ادا میں سستی کرنا سخت گناہ ہے۔

مسئلہ: بیماری میں جو روزے قضا ہوئے اگر اس بیماری کے بعد زمانہ صحت اتنا ملا جس میں کل روزے یا بعض روزے قضا رکھ سکتا تھا۔ اسی قدر واجب ہوں گے باقی واجب نہ ہوں گے تو اگر بیس روزے قضا ہوئے۔ دس کی طاقت مل سکی اور قضا رکھنے نہ پایا تھا آ موت آ گئی تو دس روزے کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی۔ **مسئلہ:** فدیہ کی وصیت ثلث ترکہ سے زائد میں صحیح نہیں یعنی تجہیز و تکفین اور قرض سے مثلاً تین سو روپے بچ گئے تو سو روپے سے زائد میں وصیت صحیح نہ ہوگی۔ البتہ اگر بالغ وارث اپنے حصہ میں جائز رکھے تو ان کو اختیار ہے۔ **مسئلہ:** جبتک روزہ قضا کرنے کی قدرت رہے اس وقت تک فدیہ دینا کافی نہیں۔ بلکہ قضا ہی رکھنا فرض ہوگا۔ ایک مترجم قرآن کے حاشیہ پر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ الاٰیۃ کی تفسیر میں جو اس کے خلاف لکھدیا ہے وہ بالکل غلط ہے اس پر عمل حرام ہے۔ اہل علم نے اپنی تحریرات میں اس کی غلطی کھول دی ہے۔

مسئلہ: اسی طرح جب تک امید صحت اور قوت کی ہو فدیہ دینا کافی نہیں۔ البتہ اگر کوئی ایسا مرض ہو کہ اس سے صحت کی امید نہ رہے اور مرض کی حالت میں قوت نہ ہو یا بہت بوڑھا ہو گیا اور قوت روز بروز گھٹتی جاتی ہو۔ تو ایسے شخص ادا اور قضا روزہ کے بدلے فدیہ دینا درست ہے۔ اسی طرح سے اگر نادانی سے بارہ مہینہ روزہ سے رہنے کی نذر کر لی تھی اور اب ہار گیا تو اس کو بھی روزانہ روزے کا فدیہ دینا درست ہے۔ **مسئلہ:** لیکن مرض و ضعف میں نماز چونکہ اشارہ سے بھی درست ہے۔ اس لئے قضا نمازوں کا فدیہ اس وقت درست ہو سکتا ہے۔ جب اشارہ سے بھی ان کے پورا کرنے کی امید نہ رہے۔ جیسے مرض الموت میں ایسی حالت ہو جاتی ہے (مگر اس مسئلہ کو زیادہ تحقیق بھی کر لیا جاوے)

مسئلہ: اگر کوئی ایسی حالت میں کہ فدیہ کافی نہ ہو۔ اس نظر سے فدیہ دیدے کہ شاید میری وصیت کو وارث پورا نہ کریں اور یہ بھی نیت رکھے کہ اگر صحت و قوت عود کر آئے تو اس فدیہ کو کافی نہ سمجھوں گا بلکہ نمازیں اور روزے قضا کروں گا تو اس کا مضائقہ نہیں۔ **مسئلہ:** جو روزہ قسم کے کفارہ میں اس پر واجب تھا۔ حیات میں اس کا فدیہ درست نہیں بلکہ اگر اخیر عمر تک ادا سے عاجز رہے تو مرتے وقت فدیہ کی وصیت کرے۔

مسئلہ: اگر میت بلا وصیت مرجاوے۔ تب بھی ورثہ کو بہت ثواب ہوگا۔ اگر اس کی نماز اور روزہ کا فدیہ ادا کردیں۔

مسئلہ: ایک عمل بعض جگہ عوام میں اسقاط کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے فدیہ ادا نہیں ہوتا۔

مسئلہ: جہاں رقم فدیہ بہت زیادہ ہو اور اس قدر گنجائش ہو نہیں تو بالکل اس کو نظر انداز کرنے سے یہ صورت کرلیں کہ مثلاً وارث ۲ روپے کسی مسکین کو بہ نیت فدیہ دیں پھر وہ اپنی خوشی سے اس وارث کو وہ رقم ہبہ کردے۔ یہ وارث پھر اس کو بہ نیت فدیہ کے دیں۔ تو گویا بیس روپے فدیہ میں پہنچے اسی طرح اگر سو بار کیا تو ہزار روپے ادا ہوگئے مگر گنجائش ہوتے ہوئے ایسا نہ کرے۔

مسئلہ: فدیہ میں اختیار ہے خواہ مساکین کو بٹھلا کر کھلا دے۔ خواہ غلہ بقدر صدقہ فطر دیدے یا اتنی قیمت دیدے کہ ایک مسکین کو ایک حصہ سے کم نہ دے۔ زیادہ دینا درست ہے یعنی ایک مسکین کو کئی حصے ایک تاریخ میں دیدینا بھی درست ہے۔

صدقۂ نافلہ کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بصدقۂ نافلہ)

منجملہ طاعات ملحقہ بزکوٰۃ جن کا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے۔ ایک صدقۂ نافلہ ہے اس میں بھی مثل دیگر اعمال کے متعدد کوتاہیاں واقع ہورہی ہیں۔

شریعت میں صدقات نافلہ کا بھی حکم ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ باوجود زائد علی الحاجۃ ہونے اور مصارف دینیہ ضرورّیہ پیش آنے کے محض بوجہ بخل کے بجز زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے صدقہ نافلہ میں ایک کوڑی خرچ نہیں کرتے بلکہ میں نے ان میں سے بعض سے سُنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک فہرست دیدی ہے۔ ہم کو اس سے تجاوز کرنا کیا ضرور۔ تو ایسے لوگ صرف یہی نہیں کہ صدقات نافلہ میں بے رغبت ہوں بلکہ اس سے ترقی کرکے ان کو ناپسند اور ان کو زیادت علی الشرع سمجھتے ہیں۔ یہ شیطان کی بہت بڑی رہزنی ہے جو براہ تلبیس دین کے

پردہ میں کی ہے۔ اور مکروہ کو بصورت مستحسن دکھلایا ہے۔ چونکہ منشاء اس کا بخل ہے۔ اس لئے ناپسندیدہ ہونا اس ترک صدقہ کا ظاہر ہے اور علاوہ قواعد کلیہ شرعیہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کسی درجہ میں مہتم بالشان ہونے کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ۔ یعنی مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی بعض حقوق ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استشہاد میں اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ۔ ترجمہ: اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو

اور وجہ استشہاد ظاہر ہے کہ آتی المال الخ کو اتی الزکوٰۃ سے علیحدہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ علاوہ زکوٰۃ کے ہے۔ اور اس کو صدقات واجبہ کے ساتھ خاص نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ آتی المال کے بعد مصارف کو بعنوان استحقاق و احتیاج کے بیان فرمانا مشیر اس طرف ہے کہ مسوق لہ الکلام ان کے حقوق و حاجات کو پورا کرنا ہے۔ اور ان کے مصارف زکوٰۃ کی حیثیت سے مذکور نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد زکوٰۃ کا مستقلاً بیان ہے جس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ جو اتنا مال ہو وہ اس حیثیت سے مطلوب ہے کہ ان مصارف کی اعانت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صدقات واجبہ میں خود وہ تصدق بھی شرعاً مقصود ہوتا ہے۔ اعانت کی یہ خصوصیت مقصود نہیں ہوتی۔ پس یہ قرینہ ہے اس کا کہ یہ شامل ہے صدقات نافلہ کو بھی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اور بعد استشہاد بالآیت کے اس شبہ کا جواب بھی ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک فہرست دیدی ہے پھر اس سے تجاوز کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جواب یہ ہوا کہ اس فہرست میں صدقہ نافلہ بھی تو داخل ہو گیا۔ چنانچہ ابھی ظاہر ہوا۔ پھر اگر فہرست سے مراد فہرست واجبات کی لی جاوے۔ تو اول تو جب دونوں فہرستیں ہم کو دی گئی ہیں پھر وجہ کیا کہ ایک فہرست کو لیا جاوے اور دوسری کو چھوڑا جاوے۔ دوسرے تجاوز کرنے کے یہ معنی ہی غلط

ہیں۔ کہ نوافل کو ادا کیا جاوے۔ اگر یہ ہے تو نوافل کے فضائل منصوصہ کا کیا جواب ہوگا۔ بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ حدود کو نہ چھوڑا جاوے۔ مثلاً جس جگہ صرف کرنا ممنوع ہے وہاں پر صرف کیا جاوے۔ یا اتفاق غیر واجب کو واجب سمجھ لیا جاوے۔ پہلا تجاوز عملی اور معصیت ہے اور دوسرا تجاوز اعتقادی اور بدعت ہے۔ اور جب یہ نہ ہو تو وہ تجاوز نہیں ہے۔

اور بعض صدقات نافلہ کے اعتبار سے ایک اور بھی جواب ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ بعضے ان میں سے تامل کرنے سے فہرست واجبات ہی میں داخل معلوم ہوتے ہیں اور ان کو نفل کہنا باعتبار ان کی ذات کے قطع نظر خصوصیات سے ہے ورنہ عوارض کے اعتبار سے وہ واجب ہی ہے۔

"واجبات کی دو قسمیں ہیں"

پس واجبات کی مشہور فہرست مطلق واجب کی فہرست نہیں ہے بلکہ وہ واجبات موظفہ کی فہرست ہے۔ یعنی ایک وہ واجبات ہیں۔ جو فی نفسہٖ واجب ہے۔ عوارض و خصوصیات کا اس میں دخل نہیں۔ جیسے زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہما خواہ کوئی مستحق پیش نظر ہو یا نہ ہو مال میں سے مقدار خاص نکالنا ضروری ہے۔ پھر مستحق کو تلاش کر کے اس تک پہنچانا ضروری ہے۔ ان کو واجبات موظفہ کہنا چاہیئے۔

دوسرے وہ واجبات کہ اگر کوئی مستحق معلوم نہ ہو تو اس کا تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اس مرتبہ وہ نفل ہے لیکن اگر کوئی مستحق روبرو آجاوے اور اس کی احتیاج درجۂ اضطرار تک ہو یا کوئی مصرف دینی عارض ہو جاوے اور اس کی تکمیل درجۂ ضرورت تک ہو تو اس وقت اس میں خرچ کرنا واجب ہوگا۔ کہیں علی الکفایہ کہیں علی العین، مثلاً کوئی مسافر محلہ کی مسجد میں اترے اور سب اہل محلہ اپنے گھروں میں کھائیں پئیں اور اس کو نہ پوچھیں تو سب گنہگار ہوں گے۔ اس وقت اس کی اعانت سب اہل محلہ پر اور ان کی اعانت نہ کرنے کی صورت میں جس کو خبر پہنچی ان سب پر واجب ہے علی الکفایہ۔

اور اگر کوئی کھانا لے کر بیٹھا اور کھانا اس کی حاجت سے بہت زائد ہے اور ایسے میں کوئی گرسنہ آیا جس کی جان بھوک سے نکل جاتی ہے اور اس نے آکر اس شخص سے سوال کیا

تو حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کیا کوئی اس کا قائل ہو سکتا ہے۔ کہ اس شخص پر اس سائل کو بقدر ضرورت کھانا دینا واجب نہیں اور یہ وجوب اس وقت علی العین ہو گا۔

پس حاصل یہ ہوا کہ بعض صورتیں صدقہ نافلہ کی بھی واجب ہیں اور تنفل اور وجوب کے اجتماع کا اشکال ابھی مرتفع کر دیا گیا ہے۔ اور بعض صدقات نافلہ جو ہر حال میں نافلہ ہیں گو ایسے بہت کم نکلیں گے لیکن جتنے بھی ہوں وہ گو فہرست واجبات میں داخل نہ ہوں مگر ان میں جواب سابق جاری ہو گا۔ یعنی ہم کو دوسری فہرست بھی ملی ہے۔ پس دونوں فہرستوں پر عمل کرنا چاہئے اور تارکین صدقہ نافلہ کے ذم میں یہ قید جو لگائی گئی کہ محض بخل کی وجہ سے الخ وجہ اس کی یہ ہے کہ سبب اس کا کبھی کوئی مصلحت باطنی ہوتی ہے یعنی افتقار دانکسار واسطے معالجہ عجب و ادلال کے یا عدم حصول خشوع و خلوص یا حسم مادۂ مدح ومثل ذالک سو وہ مذموم نہیں لیکن یہ ترک اس مصلحت کے وجود تک محدود ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ ترک متروک ہو جاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ فن سلوک کا ہے یہ مقام اس کے ذکر کا نہیں ہے۔ ایسے تارک نوافل کو اصطلاح میں قلندر کہتے ہیں۔ یہاں تک بحث تھی ترک صدقات نافلہ کی جو کہ اس کے متعلق ایک کوتاہی ہے۔

"صدقہ نافلہ میں زیادہ غلو بھی درست نہیں"

ایک کوتاہی اس باب میں اس کے مقابل یہ ہے کہ ان کو اس باب میں اس قدر غلو ہوتا ہے کہ گو حقوق واجبہ ضائع ہو جاویں۔ گو قرض خواہ روتے پھریں۔ مگر ان کو اس کا شوق ہے کہ کوئی سائل اور مسافر محروم نہ جاوے۔ خاص خاص تاریخوں میں خاص صدقات قضا نہ ہوں اور اس پر بعض اوقات خود بھی فخر کرتے ہیں اور دوسرے خود غرض لوگ اور بعضے بے غرض مگر کم فہم لوگ مدح بھی کرتے ہیں حدیث وابدأ بمن تعول (اپنے زیر پرورش والوں سے شروع کرو) اس طرز کو ناجائز بتلا رہی ہے حقوق واجبہ اہل و عیال کے ہوں یا قرض

خواہوں کے یہ ان نوافل سے مقدم ہے بلکہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب بھی نہ ہو مگر اپنی طبیعت کے انداز سے جانتا ہے کہ ناداری کا تحمل نہ کر سکے گا تو ایسے شخص کو بھی جائز نہیں کہ تمام ذخیرہ مصارف خیر میں صرف کر کے خالی ہاتھ رہ جاوے۔ حدیث "افضل الصدقۃ ماکان عن ظھر غنی" بہترین صدقہ وہ ہے جو (کہ انسان تمام مصارف ضروریہ سے) بے نیاز ہو کر کرے" اس پر صاف دال ہے۔ اور اکثر تو ایسے لوگ ریاءً یا وافتخاراً خرچ کیا کرتے ہیں۔ سو اس کا مذموم ہونا ظاہر ہی ہے (یہاں چندہ جمع کرنے والوں کو بھی متنبہ ہونا چاہیئے کہ ایسے لوگ جو اپنی حیثیت سے زائد جوش میں آکر دینا چاہیں تو یہ حضرات نہ لیا کریں)

صدقہ صرف اللہ کے نام پر دینا چاہیئے کسی دوسرے کے نام پر دینا شرک ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی جو صدقہ نافلہ نکالتے ہیں ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کریں۔ بلکہ وہ ہر چیز کو کسی پیر فقیر شہید ولی کے نامزد کر دیتے ہیں۔ سو اگر خود وہ بزرگ ہی اس سے مقصود ہے تو وہ ما اھل بہ لغیر اللہ۔ الایۃ (یعنی جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو) میں داخل ہو کر بڑی دور یعنی حد شرک تک پہنچ گیا۔ اور بعض غلاۃ جہلاء کا واقعی یہی عقیدہ ہے۔ سو ایسی چیز کا تناول بھی درست نہیں۔

اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہے اور ان بزرگ کو محض ثواب ہی بخشنا ہے تو وہ اس حد تک تو نہیں پہنچا اور ظاہراً جائز بھی ہے۔ لیکن عوام بلکہ بعض خواص کالعوام کے حالات وخیالات کی تفتیش سے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ محض ثواب ہی پہنچانے کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ فلاں ولی کو ثواب پہنچے گا تو وہ خوش ہوں گے اور ہماری اس حاجت میں مدد کریں گے خواہ تصرف باطن سے اور زیادہ عقیدہ یہی ہے اور اس کا بھی قریب شرک ہونا ظاہر ہے۔ اور خواہ دعاء سے سو احتمال دعاء کا عقیدہ تو ناجائز نہیں۔ لیکن دو عقیدے اس میں بھی فاسدین ایک اس احتمال

کے وقوع کا عقیدہ کرنا کہ جس پر کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل عقیدہ کرنا کذب نفس اور مخالف ہے۔ آیت "لاتقف مالیس لک بہ علم" جس کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ" کی دوسرے بعد فرض وقوع دعا اس دعا کے بالقطع مقبول ہوجانے کا عقیدہ کرنا دعا تو بعض اوقات حضرات انبیاء علیہم السلام کی بھی کسی مصلحت سے قبول نہیں ہوتی۔ تا بغیر انبیاء چہ رسد۔

اس لئے مصلحت یہی ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو اپنی حاجت کا خیال ان میں نہ ملایا کریں۔ کہ توحید کے خلاف ہے کما ذکر۔ اور اگر بہت ہی احتیاط کی تو اخلاص کے تو خلاف ہے۔ ایسی مثال ہوگئی کہ کسی زندہ کو ہدیہ دیا وہ سمجھا کہ محبت سے دیا۔ اور خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کسی مطلب کو دیا فوراً وہ مکدر ہوجاوے گا۔

صدقہ میں ردّی اور خراب چیز نہ دینا چاہئے

ایک کوتاہی یہ ہے۔ کہ اکثر لوگ اللہ کی نام کی وہ چیزیں نکالتے ہیں جو کسی کے کام کی نہ رہی ہو۔ مثلاً کھانا جب دیں گے کہ سڑ جاوے کپڑا جب دیں گے کہ گل جاوے۔ وعلی ھذا حق تعالیٰ کا ارشاد ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا آن تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید اور ردی چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں۔ ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور یہ یقین کر رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں۔ اس باب میں کافی ہدایت ہے۔ حق تعالیٰ کا اس میں یہ ارشاد ہے:-

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون لخ ظ .... تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کروگے۔ اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ پرانا کپڑا مثلاً خدا کی راہ میں دینا ممنوع ہے۔ حدیث میں نیا کپڑا پہن کر پرانا دیدینے کی خود فضیلت آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ برا ہے۔ کہ جب دے ناکارہ چیز ہی دے اور اگر اصل عادت تو عمدہ چیز دینے کی ہو۔ اور پرانی پھٹی چیز بھی دیدیا کرے تو مضائقہ نہیں تو ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پرانی ہی دیا

کرے اور پانی بھی دیا کرے۔ اول مذموم دوسرا ماذون فیہ

وارثوں کو محروم کر کے تمام مال خرچ نہیں کرنا چاہیئے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی صرف وارثوں کو محروم کرنے کے لئے سب اندوختہ خیرات کر ڈالتے ہیں۔ مبنیٰ اس غلطی کا یہ ہے کہ وارثوں کے لئے چھوڑ جانے کے ثواب کی ان کو خبر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر یہ ارشاد فرمایا ہے:۔ وانک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس۔ اور تم اپنے ورثہ کو غنی، چھوڑ نا یہ بہتر ہے تیرے لئے اس سے کہ تم ان کو فقر کی حالت پر چھوڑ دو اور وہ لوگوں سے (بھیک) مانگتا پھرے۔ اور گو وہ ملک اضطراری ہے۔ جس میں مورث کے قصد کو بھی دخل نہیں۔ لیکن حدیث میں ہے کہ کھیت میں سے اگر کوئی بہیمہ کھا جاوے تو کھیت والے کو ثواب ملتا ہے۔ تو کیا مسلمان وارث بہائم سے بھی گئے گذرے ہوئے۔

کوئی تاریخ متعین کر کے صدقہ دینا بدعت ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض صدقات کو بطریق بدعت خرچ کرتے ہیں۔ جیسے خاص تاریخوں کی پابندی سے یا میت کے رسوم میں اس کی تفصیل اصلاح الرسوم میں ملاحظہ فرمائی جاوے۔

میت کی کوئی چیز وارثوں کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا درست نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر شرائط شرعیہ کا لحاظ نہیں کرتے۔ خواہ وہ شرائط ظاہرہ ہوں۔ مثلاً میت کے کپڑے حسب رواج سب نکال کر مدارس و مساجد و مساکین کو دیدیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ترکہ مشترکہ میں بالغین کا اذن شرط ہے اور اذن بھی وہ جو بطیب خاطر ہو شرم اور لحاظ اور پابندی رسم کی مجبوری سے نہ ہو۔ اور نابالغوں کا اذن بھی معتبر نہیں یہ بلا بھی بہت عام ہے۔ اور خواہ شرائط باطنہ ہوں مثلاً قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ ریا و افتخار سے نہ ہو مال حرام سے نہ ہو اس میں بہت بے پروائی ہے۔ اکثر نمائش کے لئے خرچ ہوتا ہے۔ اکثر سود اور رشوت سے نیک

کاموں میں لگاتے ہیں اور یہ بھی شبہ نہ کرے کہ حلال اس زمانے میں کہاں ہے۔ تو کیا نیک کاموں میں خرچ کرنا بالکل ہی چھوڑ دیں۔ جواب یہ ہے کہ یہی غلط ہے کہ اس زمانہ میں حلال نہیں۔ ابواب فقہیہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ معاملات میں بہت توسع ہے۔ پھر اگر حلال غالب بھی ہو تب بھی صرف کرنا امورِ خیر میں جائز ہے۔ گو اس میں جتنا جزء حرام ہے۔ اس کی تحصیل کا گناہ مستقل ہوگا۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ط جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

خلاصۂ مضمون سابق

(تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور)

مسئلہ: علاوہ صدقات واجبہ کے کبھی کبھی کسی قدر نفل صدقہ بھی نکالا کرو اور حاجتمندوں کو دیا کرو اور نیک کاموں میں خرچ کیا کرو۔ مسئلہ: نفل صدقہ میں یہ خیال کیا کرو کہ کسی کا حق واجب ضائع نہ ہو۔ مثلاً اپنے اہل وعیال کو پہلے دو۔ کسی کا قرض آتا ہو۔ اس میں پہلے دو۔ جب ان سب سے بچے نیک راہ میں اٹھاؤ۔

مسئلہ: بعض نفل صدقہ بعض خاص موقع پر واجب ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی بھوکا آجاوے۔ تو تمہارے پاس کھانا زیادہ موجود ہو تو اس کی امداد واجب ہوگی۔ یا کہیں اشاعت علوم دینیہ کی ضرورت ہو۔ اور وہاں مدرسہ قائم کیا جاوے۔ تو سب پر واجب ہوگا کہ چندہ
علوم دینیہ کی ضرورت ہو۔ اور وہاں مدرسہ قائم کیا جائے تو سب پر واجب ہوگا کہ چندہ سے اعانت کریں مسئلہ: اتنا خیرات نہ کر ڈالے کہ خود محتاج ہو کر بیٹھ رہے۔ اور پھر صبر نہ ہو سکے۔ اس لئے گناہوں میں مبتلا ہو جاوے۔ مسئلہ: جو شخص اپنی گنجائش سے زیادہ دے لینے والے کو چاہیئے نہ لے اور سمجھاوے۔ مسئلہ: بعضے لوگ بزرگوں کو اس لئے ثواب پہونچاتے ہیں کہ وہ خوش ہو کر ہمارا کام کر دیں گے۔ سو یہ شرک ہے اور اگر یہ سمجھے کہ دعا کریں گے اور وہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ تو یہ دونوں مقدمات بھی غلط ہیں۔ نہ تو کہیں یہ ثابت ہے کہ وہ ضرور دعا کریں گے۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ پس ایسی مشکوک بات کا پختہ یقین کر لینا بھی گناہ ہے۔ مسئلہ: اللہ کی راہ میں جو چیز دی جاوے وہ اچھی کارآمد ہونا چاہیئے۔ ایسا شخص کبھی پرانے پھٹے بھی دیدے۔

تو اجازت ہے اور ہمیشہ نکمی ہی چھانٹ کر دینا یہ برا ہے۔ مسئلہ: جس کے وارث موجود ہوں۔ اپنا تمام مال خیرات میں نہ لٹا دیوے۔ خاص کر جب وہ حاجت مند ہوں۔

مسئلہ: بعض بدعات کا رواج ہو گیا ہے۔ ان میں صرف کرنے سے ثواب نہیں ہوتا پس ان میں خرچ نہ کرے۔ مسئلہ: مردہ کے سب کپڑے اللہ کی راہ میں اس طرح دیدینا کہ نہ غیر حاضر وارثوں سے اجازت لی جاوے۔ اور نہ نابالغوں کے حصہ بدلا ان کو دیا جاوے۔ جیسا عام رواج ہو رہا ہے جائز نہیں۔

مسئلہ: صدقہ قبول اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں نمائش نہ ہو۔ فخر و قصد شہرت نہ ہو۔ اور مال بھی حلال ہو۔ اگر کسی کے حلال خالص نہ ہو۔ تو حلال غالب ہو۔ مثلاً دس روپے میں اگر چھ حلال۔ اور چار حرام ہوں۔ اور ان سب روپیوں میں تمیز نہ رہے تو مجموعہ کو نیک کام میں کرنا جائز ہے۔ اگرچہ ان چار روپیوں کے کمانے کا گناہ الگ ہو گا۔

مختلف مالی تبرعات کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ تبرعات مالیہ متفرقہ)

منجملہ تطوعات مالیہ ملحقہ بزکوٰۃ کے اور بھی بعض اعمال ہیں۔ جن میں مختلف کوتاہیاں ہوتی ہیں مختصراً ان کا بیان بھی مناسب مقام ہے۔ ایک ان میں سے سائل کو دینا ہے۔ اس میں چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ بعض دینے میں اور بعض نہ دینے میں۔

سائل سے بے رخی اور اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہیئے بلکہ اسے دیکھ کر اللہ کی نعمت یاد کرنا چاہیئے۔

چنانچہ بعضے تو بوجہ بخل یا بے رحمی کے سائل سے نہایت نفرت اور بے رخی کرتے ہیں۔ گو وہ کیسا ہی محتاج یا اپاہج ہو۔ اس کے حال پر ذرا توجہ نہیں کرتے بلکہ بعضے تو بالعکس اس سے تمسخر یا اس کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ دھکے دلوا دیتے ہیں۔ پٹواتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں سائل کا بڑا حق آیا ہے۔ دوسرے سائل کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرنا چاہیئے کہ ہم کسی کے دروازے پر سائل نہیں ہوئے۔ اور اس نعمت کے شکر میں سائل پر رحم اور اس کی اعانت کرنا چاہیئے۔

اس مضمون کو شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم میں خوب ادا فرمایا ہے۔

نہ خواہندہ بر در دیگراں

بشکرانہ خواہندہ از در مراں

البتہ یہ ضروری نہیں کہ جو مانگے وہ ضرور ہی دے۔ یہ اس کی حاجت اور اپنی گنجائش پر ہے اور اگر اتفاق سے دینے کو نہ ہو تو اس کو نرم جواب دیکر سمجھا دے کہ اس وقت میرے پاس گنجائش نہیں ہے۔ اگر دوسرے وقت وسعت ہوئی اور تمہاری حاجت اس وقت تک رفع نہ ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ خیال رکھوں گا۔

صدقہ دیکر احسان جتلانا ممنوع ہے

اور بعضے دے تو دیتے ہیں لیکن دیکر اس کو خریدنا چاہتے ہیں یعنی اس کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ ہمارا احسان مند ہو۔ ہمارا شکریہ ادا کرے۔ جب ہم سے ملے ہم کو سلام کرے۔ اگر ہم کچھ حکم دیں تو وہ اس کا امتثال کرے اور اگر سائل کی طرف سے کسی امر میں کوتاہی ہو تو اس کو سخت تعجب ہوتا ہے اور ناگوار گذرتا ہے اور آئندہ کو سلسلہ احسان کا بند کرنے کا ارادہ کر دیتے ہیں بالخصوص اگر اس کی طرف سے کسی معاملہ میں، گو اس میں وہ سائل ہی حق پر ہو۔ صفائی کا برتاؤ عمل میں آوے تو اس وقت تو صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ بڑا نمک حرام ہے۔ ہم نے اس اس طرح اس پر احسان کئے اور اس نے ہمارا خیال نہ کیا۔

اس طرح بے مروتی کی من واذی جس کی ممانعت قرآن مجید میں آتی ہے وہ یہی ہے۔ اس سے صدقہ کا اجر باطل ہو جاتا ہے حق تعالیٰ شانہ نے ایسے دینے والوں کی مدح وفضیلت بیان فرمائی ہے جو دیکر اس کا صلہ اور شکریہ نہیں چاہتے۔ لوجہ اللہ خدمت کرنا ہی ہے۔ قال اللہ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا۔۔۔۔۔ ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے (اس کا فعلی) بدلہ چاہیں اور (اس کا قولی) شکریہ (چاہیں)

بعضے اس کے مقابل یہ افراط کرتے ہیں کہ ہر سائل کو دینا فرض سمجھتے ہیں بعضے تو تفاخر

کے واسطے کہ نام ہوگا کہ فلاں شخص کے پاس سے کوئی سائل محروم نہیں آتا اور بعضے بوجہ غایت تدین
وقلت علم کے کہ اس کی حاجت روائی کو فرض شرعی سمجھتے ہیں۔ اور بعضے بوجہ طمع یا خوف دینوی،
کے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس پردہ میں کوئی کامل ہو۔ اس کی خدمت کرنے سے ہم مالامال
ہوجاویں گے۔ مال میں اولاد میں ترقی ہوگی۔ اور اگر نہ دیں گے۔ شاید بددعا کریں۔ یا ناراض
ہوجاویں۔ تو ہم برباد ہوجاویں گے اور اس افراط کے سبب (جس کا منشاء مختلف ہے
کہ بعض میں تفاخر بعض میں کثرت تدین ہے اور قلتہ العلم بعض میں غرض دینوی) یہ لوگ
اکثر قرض دار بھی ہو جاتے ہیں اور اس قرض کا خمیازہ کبھی اپنے کو بھگتنا پڑتا ہے۔ کبھی اولاد
کو کبھی ادا نہیں ہوتا۔ اور آخرت کا گناہ سر پر رہتا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہ نہیں اجازت دی
کہ خود ننگے ہوجاؤ مگر سائل کا پیٹ بھرو۔ قال اللہ تعالیٰ لا تجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک
اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ۔ اس میں تفریط مذکور اوّلا کی اصلاح ہے)۔
ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ اور نہ کھول دے اس کو بالکل، پھر تو بیٹھ رہے
الزام کھایا ہارا ہوا (یعنی ایسی کشادہ دستی نہ دکھلاکہ پھر بھیک مانگنی پڑے)

کمانے کے قابل شخص کو سوال کرنا جائز نہیں

بلکہ بعض اوقات باوجود اپنی گنجائش دنیا کے بھی بعض سائل کو دینا بجائے ثواب یا
جائز کے گناہ اور ناجائز ہوتا ہے۔

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر ایک سائل قوی مکتسب ہو۔ یعنی ہاتھ پاؤں سے درست
ہو اور معاش کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے سائل کو سوال کرنا بھی حرام ہے اور سوال پر اس کو
دینا بھی بدیں وجہ کہ اعانت علی المعصیت ہے۔ ناجائز ہے اور جب ناجائز ہوا۔ تو ایسے دینے
سے وہی مثل ہوگئی۔ نیکی برباد گناہ لازم اور اکثر تو بلا ٹالنے کے لئے اس طرح دیتے ہیں کہ ثواب کی
بھی نیت نہیں ہوتی۔ تو اس صورت میں ثواب نہ ملنا اور زیادہ ظاہر ہے۔

اور ان لوگوں نے ایک غلطی یہ کی کہ یہ تو سمجھ لیا کہ ہم پر سے بلا ٹل گئی لیکن یہ نہ سمجھا کہ ہمارے
دینے سے سائل یہ سمجھے گا کہ لپٹنے سے اور سر ہوتے ہی سے ملا کرتا ہے۔ تو یہ سمجھ کر اور بھائی

مسلمانوں کو پریشان کرے گا۔ تو اپنی بلا تو ٹالی مگر وہ بلا اوروں کے سر ڈالی۔ البتہ اگر ایسے قوی مکتسب کو بلا سوال دیدے تو کچھ مضائقہ نہیں یا باوجود قوی مکتسب ہونے کے بعض صورتوں کا استثنار بھی آیا ہے۔ ان مواقع استثنار میں سوال پر دیدے بھی تو جائز ہے۔ کیونکہ ان مواقع میں سوال بھی جائز ہے۔ اور وہ مواقع یہ ہیں۔

لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي الا لذي فقر مدقع او غرم مفظع او لذي دم موجع الحدیث .... صدقہ نہ غنی کے لئے حلال ہے اور نہ قوی و تندرست کے لئے مگر (تین شخصوں کے لئے) ایسے[1] فقیر کے لئے جس کو فقر نے مٹی کے ساتھ ملا دیا ہو یا[2] بھاری قرض دار کے لئے یا[3] ایسے شخص کے لئے جس پر دیت واجب ہو اور اس کو ادا کرنے کی طاقت نہ ہو۔

حاصل ان مواقع کا یہ ہے کہ اس شخص پر بوجہ قرض کے یا کسی مقدمے کے یا ایسے ہی کسی سبب کے مالی بار اتنا پڑا کہ اگر یہ کمانا شروع کرے تب بھی اتنا ذخیرہ جمع نہ ہو سکے کہ روز مرہ کے حوائج پورے ہو کر اس بار سے سبکدوشی حاصل کر سکے تو ایسا شخص اگر سوال نہ کرے تو پھر کیا تدبیر کرے اس لئے ایسے شخص کو سوال کی اجازت ہے جب سوال جائز ہے تو پھر کیا تدبیر کرے اس لئے ایسے شخص کو سوال کی اجازت ہے جب سوال جائز ہے تو اس کے سوال پر دینا بھی جائز ہے اور اسی حکم میں ہے۔ وہ مسافر جس کو سفر میں کوئی خسارہ یا حاجت ایسی پیش آگئی کہ اگر کمانا شروع کرے تو بس سفر ہی میں رہا کرے۔ گھر نہ پہنچ سکے اور گھر سے بھی خرچ منگانا یا تو ممکن نہ ہو، یا اتنی مہلت نہ ہو اور اسی حکم میں وہ شخص بھی ہے جو قوی تو ہے مگر بوجہ خوگر نہ ہونے کے متحمل تعب کا نہیں اس لئے مکتسب نہیں ہو سکتا۔ پس ان سب لوگوں کو سوال پر بھی دینا جائز ہے۔

اور اگر سبب اس افراط کا تفاخر و شہرت یا طمع و خوف دنیوی ہے تو اس دینے کا بیکار ہونا بلکہ موجب گناہ ہونا بہت ہی ظاہر ہے اور بالخصوص اگر یہ طمع و خوف بے شرعی فقیروں سے ہے جیسا اس زمانہ میں اکثر دنیا پرست لوگ ایسے بھنگڑوں کو غوث و قطب سمجھ کر اپنا مال اور دین دونوں خراب کرتے ہیں تو اس کو تو مصداق طلب بعضہا فوق بعض کا کہیں گے۔

یہ ذکر تھا سائل کے دینے نہ دینے کے متعلق کوتاہیوں کا۔ اور ایک ان اعمال مالیہ مقصودہ بالذکر میں سے قرض مانگنے والے کو قرض دینا ہے۔ اس میں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

اگر گنجائش ہو تو قرض مانگنے والے کو قرض دینا چاہیئے

ایک یہ کہ بعضے لوگ باوجود اس کے کہ اپنے پاس حاجت سے زائد رقم رکھی ہے یا بآسانی انتظام کرسکتے ہیں اور مانگنے والا سخت حاجت مند ہے اور بے اعتبار بھی نہیں مگر پھر بھی غایت بے رحمی سے قرض دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ بعض اوقات جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ وجہ اس کی یا بخل ہے یا بے رحمی ہے یا جہل، کہ یہ سمجھتا ہے کہ قرض دینے سے فائدہ کیا ہوگا اس لئے نہ دینا تجویز کرتا ہے اگر بخل یا بے رحمی ہے تو اس کا مذموم ہونا ظاہر اور مسلم ہی ہے۔ محتاج بیان نہیں اور اگر جہل ہے تو اس کا فائدہ سمجھانا ضرور ہے۔ تاکہ اس علم سے وہ جہل مرتفع ہوجاوے سو اول تو جس قلب میں ترحم کا جوش ہوتا ہے وہ اسوقت فائدہ کو بھی نہیں سوچتا خود ترحم حامل علی الاعانۃ ہوتا ہے۔ کیا جو شخص اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے گو اسمیں فائدہ بھی ہے دنیا کا بھی آخرت کا بھی۔ مگر کیا پرورش کے وقت اس فائدہ کو سوچتا ہے کیا اگر فائدہ نہ سوچے تو پرورش نہ کرے گا۔ پس مسلمانوں میں باہم وہی تراحم و توادد ہونا چاہیئے جو اقارب میں ہوتا ہے۔
اگر بدون فائدہ سمجھے ہوئے قرض دینے کی ہمت نہ ہو تو فائدہ بھی سمجھ لینا چاہیئے اور گو فائدہ دنیوی بھی ہے مثلاً ممنون کے قلب میں محسن کی محبت پیدا ہونا باہم الفت و ہمدردی بڑھنا، لیکن مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے فائدہ دنیویہ کو مطمح نظر نہ بنانا چاہیئے اس لئے اس سے قطع نظر کرکے فائدہ اخرویہ سمجھنا چاہیئے اور وہ ثواب ہے جو کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس گنا ثواب ملتا ہے اور قرض دینے سے اٹھارہ گنا اور حدیث میں اس کی وجہ بھی آئی ہے کہ صدقہ تو وہ شخص بھی مانگ لیتا ہے جس کو حاجت نہ ہو۔ مگر قرض بدون حاجت کے (اور حاجت بھی اکثر اضطراری) کوئی نہیں مانگتا کیوں کہ اپنی گردن کو کون بندھائے) یعنی غالب عادت یہی ہے۔ پس صدقہ دینے میں ضروری نہیں کہ رفع اضطرار ہوا ہو اور قرض دینے میں رفع اضطرار ہوتا ہے اور اضطرار اور پریشانی کا رفع کرنا ظاہر ہے کہ کس قدر عظیم راحت پہنچاتا ہے اس

لئے اس کا ثواب زیادہ ہوا۔

رہ گئی تخصیص اٹھارہ عدد کی۔ گو اس کا نکتہ نہ سمجھنا ہم کو ضروری ہے اور نہ سمجھانا۔ کیونکہ طبیب کے نسخہ میں مریض کو منصب نہیں اوزان ادویہ کی لم دریافت کرنے کا بلکہ استعمال اور اعتقاد ضروری ہے۔ اسی طرح ہمارا مذہب بندہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہونا چاہیئے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو

نینگیختن علت از کار تو

حدیث میں اٹھارہ عدد کی تخصیص کیوں کی گئی۔

مگر تبرعاً و تفریحاً اگر کوئی تقریبی بات سمجھ میں آجاوے تو اس کے ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن چونکہ وہ تقریبی اور تخمینی مضمون ہوگا اس لئے اگر اس میں کوئی خدشہ نکل آوے تو مضر بھی نہیں کیونکہ اصل ایمان نص پر ہے نہ کہ اپنے نکات و لطائف پر غرض وہ نکتہ جو خاطر فاتر میں اس کے متعلق آیا ہے یہ ہے کہ اصل میں ثواب قرض کا صدقہ سے بحیثیت مذکورہ دونا ہے۔ پس صدقہ اگر دس تک مضاعف ہوتا ہے تو قرض بیس تک ہونا چاہیئے۔ تو قرض کا ایک درہم صدقہ کے دو درہم کے برابر ہوا لیکن چونکہ وہ درہم واپس آجاوے گا۔ اس لئے بیس کے عدد میں سے دو عدد کم ہوگئے اس لئے اٹھارہ رہ گئے۔ واللہ اعلم

اور جب قرض کا ثواب صدقہ سے مضاعف ہونا معلوم ہوگیا۔ تو اسی سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ نصوص سے ثابت ہے کہ دس حصہ تک ثواب کا بڑھنا یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ ورنہ تفاوت خلوص سے اس سے بڑھ کر سیکڑوں ہزاروں تک پہنچتا ہے۔ پس صدقہ کا ثواب دس سے زائد بھی ہوتا ہے او قرض کا ثواب اس سے مضاعف بھی ہے اور اخیر میں ایک عشر منہا ہو جاتا ہے پس قرض کا ثواب بھی اٹھارہ تک محدود نہیں بلکہ کبھی چھتیس حصہ ہوگا۔ یعنی چالیس حصہ ہو کر چار گھٹ جاوے گا اور کبھی اسی ہو کر اس میں سے آٹھ گھٹ کر بہتر رہ جاوے گا۔ حتیٰ کہ اگر صدقہ کا ثواب سات سو تک ہو تو قرض کا ثواب چودہ سو تک ہوگا جو اخیر میں بارہ سو ساٹھ رہ جاویں گے تو کیا یہ فائدہ نہیں ہے کہ ایک روپیہ قرض دیا اور آخرت میں مثلاً بارہ سو ساٹھ روپے کا ثواب ملا ۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را
کہ بہ یک گل میخری گلزار را

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد
آنچہ در وسعت نیاید آں دہد

اور یہ عدد تو بطور مثال کے فرض کیا گیا ورنہ جب صدقہ میں سات سو کی حد نہیں لقولہ تعالیٰ بعد قولہ۔ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم ط

اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے، اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے، اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

تو قرض میں بھی بارہ سو ساٹھ کی حد نہ ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ توقع ہے۔ کیا اس کو بھی فائدہ نہ کہے گا۔

اور تضاعف ثواب القرض علی ثواب الصدقۃ کی تقریر کی تفصیل میں جہاں خاطر فاترہ کا حوالہ ہے بحیثیت مذکورہ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ اس سے کوئی نہ سمجھ جاوے کہ قرض کا ثواب علی الاطلاق صدقہ سے مضاعف ہوتا ہے۔ اور یہ سمجھ کر یا تو صدقہ کی جگہ بھی قرض ہی دینے لگے۔ اور یا کہ صدقہ میں بے رغبت ہوجاوے۔ اور اس میں خسارہ سمجھے۔ سو یہ بات ہے کہ مختلف احکام مختلف حیثیات سے ہوتے ہیں۔ سو ایک حیثیت سے تو جس کا کہ ذکر ہوا قرض کا ثواب زیادہ ہے مگر دوسری حیثیات سے صدقہ کا ثواب قرض سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً قرض میں واپسی ہوتی ہے۔ صدقہ میں واپسی نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے صدقہ لینے والے کے قلب پر کوئی بار نہیں رہتا۔ اور قرض لینے والے کے قلب پر بار رہتا ہے۔

ایک خدشہ کا ازالہ

اور ہم نے قرض دینے میں فائدہ دنیویہ بیان کیا ہے کہ باہم الفت ومحبت وہمدردی بڑھتی ہے گو یہ فائدہ مقصود نہیں۔ مگر چونکہ واقعی ہے اس لئے اس پر کوئی خدشہ واقع ہو۔

تو اس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ تو اس میں ظاہراً ایک خدشہ ہے وہ یہ کہ ہم تو اکثر اس کے خلاف یہ دیکھتے ہیں کہ قرض دینے سے پہلی الفت بھی قطع ہو جاتی ہے اور ہمیشہ کے لئے باہم رنج و کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک تجربہ کار بزرگ کا ارشاد ہے۔

مدہ شان قرض و ستان نیم حبہ
فان القرض مقراض المحبہ

تو آلہ فصل کو آلہ وصل کہنا کیسے صحیح ہو گا۔ دفع اس خدشہ کا یہ ہے کہ یہ قطع محبت اثر قرض کا نہیں ہے اس کا اثر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی ازدیاد محبت و الفت، بلکہ یہ اثر متقرضین، یعنی لینے والوں کی بد تدبیری کا ہے۔ وہ یہ کہ اکثر لوگوں کی حالت دیکھی جاتی ہے۔ کہ قرض لے کر بے فکر ہو جاتے ہیں۔ باوجود گنجائش کے اور تمام فضول کارروائیوں کے قرض کے ادا کا اہتمام نہیں کرتے۔ بعضے تو بہت ہی ٹال کر دیتے ہیں اور بعضے دیتے ہی نہیں۔ اگر تقاضا کیجئے برا مانتے ہیں۔ اور ان کی اس حرکت سے مقرض (یعنی قرض دینے والے کو) کلفت ہوتی ہے۔ اور جب یہی کلفت روز مرہ مدتوں تک پہنچے تو ضرور اس کا اثر یہ ہو گا کہ محبت قلب سے نکل جاوے گی اور رنج و شکایت پیدا ہو جاوے گی۔ تو اپنی بے عنوانی کے اثر کو قرض کی طرف منسوب کرنا بڑی غلطی ہے۔ پس خدشہ راساً و اساساً منقلع و منقطع ہو گیا۔

لیکن معمولی کلفت سے تنگ دل ہو کر قرض دینے کا سلسلہ بند نہ کرنا چاہئیے کیونکہ یہ بھی اجر سے خالی نہیں۔ احادیث میں اس سے کم تنگ دلی پر وعدۂ ثواب آیا ہے کہ اگر کوئی چیز کہیں رکھ کر بھول جاؤ اور اس کی تلاش میں قدرے پریشانی ہو۔ پھر وہ مل جاوے تو اس میں بھی ثواب ہے۔ تو قرض وصول نہ ہونے پر یا وقت پر وصول نہ ہونے پر تو اس سے بہت پریشانی ہوتی ہے۔ تو اس میں اس سے زیادہ اجر کیوں نہ ملے گا۔ اس لئے بقدر تحمل اتلاف کو بھی برداشت کر لینا چاہئیے لیکن اس کے ساتھ قرض لینے والے کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ اس کو بھی چاہئیے کہ قرض دینے والے کا احسان مانے۔ اور اس کو تکلیف نہ دے۔ اور وقت پر اس کی امانت پہنچا دے تاکہ پھر بھی قرض لینے کا منہ رہے۔

اور اس نادہندی کی بدولت آپس میں قرض نہیں ملتا۔ پھر کافروں سے سودی لیتے ہیں۔

اور تباہ ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر وقت پر دوسرے کا حق پہنچ جایا کرے۔ تو بہت مسلمان ایسے ہیں کہ وہ خود اپنی مصلحت سے اپنے روپیہ کا قرض پر چلتا رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں کہ حفاظت سے بچتے ہیں۔ اور تجارت کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے۔ یا تو بوجہ احتمال خسارہ کے اور یا بوجہ توحش تعلقات کے۔ یا بوجہ عدم مناسبت کے تو ایسے لوگوں کا روپیہ قرض میں باآسانی مل سکتا ہے اور غیر قوموں کو سود دے کر اپنا گھر تباہ ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ لیکن معاملات خراب ہیں کہ لے کر دینا نہیں چاہتے۔ دو چار جگہ ٹھوکر کھا کر سب سے متوحش ہو جاتا ہے اور بقول شخصے دودھ کا منہ جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ وہ کسی کو بھی قرض نہیں دیتا۔ اور ایک باب عظیم خیر کا بند ہو جاتا ہے جس کا وبال ان نادہندوں کی گردن پر ہوگا۔ اس کوتاہی مذکور کا حاصل تو قرض نہ دینا ہے۔ جس کا مفصل بیان ہو چکا۔

نادار کو مہلت دینا قرآن کی رُو سے واجب ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ قرض تو دیدیتے ہیں لیکن تقاضا بیڈھب کرتے ہیں وقت آنے پر مہلت دینا جانتے ہی نہیں۔ حالانکہ بنص قرآنی "وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ" اور اگر وہ تنگ دست ہے تو (اس کو) کشادہ حالی تک مہلت دینی چاہئیے"

تنگ دست نادار کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کی بھی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

رہن کی چیز سے نفع حاصل کرنا سود میں داخل ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے بدون سود کے قرض نہیں دیتے۔ پھر سود کے طریقے مختلف ہیں۔ بعضی صورتیں تو وہ ہیں جن کو یہ لوگ بھی سود سمجھتے اور کہتے ہیں یعنی آدہ آنہ روپیہ پر لینا یا آنہ روپیہ پر لینا۔ اور بعضی وہ صورتیں ہیں جن کو سود نہیں سمجھتے۔ مگر واقع میں وہ سود ہیں۔ جیسے رہن رکھکر اس سے نفع حاصل کرنا۔ اس کا سود ہونا مع جواب شبہات عوام وخواص کے رسالہ صفائی معاملات میں احقر نے ثابت کر دیا ہے۔ اور بھی تاجروں میں بہت صورتیں متعارف ہیں پھران دونوں قسم کے سود لینے والوں میں بعضے ایسے جری ہیں کہ اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ کوئی بعض عبارات فقہیہ سے

بزعم خود تمسک کرتا ہے۔ کوئی تمدنی و قومی مصلحتوں کو شریعت پر مقدم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کوئی حربی کی روایت کو پیش کرتا ہے۔ علماء شکر اللہ تعالیٰ سعیھم (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کا بدلہ دے) نے ان سب کی اچھی طرح اپنی تحقیقات لسانیہ و کتابیہ میں خدمت کر دی ہے۔ بندہ نے بھی بقدر ضرورت رسالہ صفائی معاملات میں جس کا اوپر حوالہ ہے اور رسالہ تحذیر الاخوان میں اور اپنی تفسیر بیان القرآن تحت آیۃ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وذروا ما بقی من الربوا الخ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو بقایا سود کو، میں اس کی کافی بحث لکھدی ہے۔ اور اس کا مطالعہ منصف کے لیئے انشاء اللہ کافی ہے۔

اور سود کی ان صورتوں میں سے کوئی صورت ظاہر میں بھی تو کسی ضابطہ فقیہہ پر منطبق نہیں۔ بجز ایک صورت بیع بالوفار کے اور ایک صورت اس کی بھی خارج از ضابطہ ہے۔

بیع بالوفار کی تحقیق

تفصیل یہ ہے کہ اس وقت کے عرف میں دو معنے بیع بالوفار کے مشہور ہیں۔ ایک تو یہ کہ زید نے عمرو سے کہا کہ ہم کو ایک ہزار روپے قرض دے کر ہمارا باغ رہن رکھ لو اس شرط پر کہ اگر ہم دس سال کے اندر ہزار روپیہ ادا کر دیں تو اپنا باغ چھڑالیں اور اگر نہ ادا کریں تو وہ باغ اسی ہزار روپے میں تمہارے ہاتھ بیع ہے اور دوسرے یہ کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم ہمارا باغ ہزار روپے میں خرید لو اور زر ثمن ہمیں دیدو۔ اور یہ وعدہ ہے کہ اگر ہم دس سال میں تمہارا زر ثمن واپس کر دیں تو تم ہمارا باغ واپس کر دو۔ اور بیع کا اقالہ یعنی فسخ کر دو۔

سو اول معنی کے اعتبار سے تو بالاجماع حرام اور سود ہے اور دوسری صورت کو بھی فقہاء متقدمین نے منع کیا ہے لیکن بعض متاخرین نے لوگوں کو مبتلا سود دیکھ کر اجازت دیدی ہے۔ اگر کسی شخص کا دل بوجہ غایت بے مروتی کے ویسے قرض دینے کو گوارا نہ کرے اور بوجہ ضعف قوت تقویٰ کے وہ متقدمین کے قول کو بھی نہ لے۔ تو خیر سود کی اور صورتوں سے۔ بیع بالوفار (یعنی بالمعنی الثانی) پھر غنیمت ہے کہ حرمت اس کی متفق علیہ تو نہیں لوگوں کی کم ہمتی پر نظر کر کے بادل ناخواستہ کہتا ہوں کہ خیر اسی کو کر لیا کریں اوروں سے تو بچیں۔ یہ بحث تھی قرض کے متعلق کوتاہیوں کی۔

کوئی چیز عاریت دینے میں بخل نہ کرنا چاہیئے

اور ایک ان اعمال مالیہ مقصودہ بالذکر میں سے کسی کو کوئی چیز عاریتاً دینا ہے۔ اس میں بھی بعض لوگ بہت بخل کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس میں بخل کرنے کو ناپسند اور اعمال منافقین سے فرمایا ہے۔ حیث قال فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون الذین ھم یراؤن ویمنعون الماعون (سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز تک نہیں دیتے۔

اور اسی حکم میں ہے وہ چیز جو بطور رعایت نہ مانگی جاوے بطور تملیک ہی مانگی جاوے۔ لیکن وہ بہت کم قیمت جیسے ایک تولہ نمک جیسے ایک لوٹا پانی جہاں پانی کی فراغت ہو۔ جیسے ایک مٹھی گھاس اور عاریت جیسے دیگچی، پتیلی، چمٹا، قلم بنانے کا چاقو، ایک خط لکھنے کے لئے قلم دوات ومثل ذالک البتہ اگر کوئی عذر ہو۔ مثلاً ایک شخص کا تجربہ ہوگیا ہے کہ وہ چیز لے کر نہیں دیتا، یا خراب کر دیتا ہے۔ یا بے پروائی سے کہیں ڈال دیتا ہے اہتمام کرکے ادا نہیں کرتا تو ایسے شخص کو عاریت دینے سے انکار کر دینا جائز ہے لیکن کم قیمت چیز کے دینے سے بھی انکار نہ کرے۔

ان طاعات مذکورہ کے علاوہ اور بھی تطوعات مالیہ ہیں کہ وقتاً فوقتاً ان کو عمل میں لانا موجب نفع خلائق ہے۔ جیسے مہمانوں کی خدمت استادوں کی اور پیروں کی خدمت، دوستوں کو ہدیہ دینا، روزہ داروں کے لئے افطاری لے آنا، اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔ اور بعض صورتوں میں اقارب کی خاص خدمات وانفاق واجبہ ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہیہ میں مذکور ہے بالخصوص جو صدقات جاریہ ہیں۔ جیسے مساجد کی اعانت تعمیر، یا لوٹا بوریہ وتیل سے مدارس اسلامیہ کی اعانت۔ کنواں بنا دینا پل بنا دینا، راہ پر درخت لگا دینا، قرآن مجید یا کتب دینیہ وقف کر دینا، ومثل ذالک کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی لکھا جاتا ہے۔

اب میں طاعات مالیہ کی فہرست میں ان مذکورات بعد الزکوٰۃ پر اکتفا کرتا ہوں۔ طالب دین صاحب فہم اور متروک صورتوں کو اس سے بخوبی سمجھ کر عمل کر سکتا ہے۔

میت کے معاملہ کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بموتے)

یہ معاملے تین قسم کے ہیں۔ ایک قبل الموت (یعنی حالت مرض میں) دوسرے وقت الموت (یعنی موت کے بہت قریب) تیسرے بعد الموت (یعنی موت کے بعد جب تک اس کے متعلق کوئی تذکرہ یا کوئی کارروائی جاری رہے) اور ان تینوں قسموں میں مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔ جو اختصار کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے۔

"حالتِ مرض"

حالت مرض میں بھی حتی الامکان نماز کی پابندی ضروری ہے

اس میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بوجہ غایت ترحم مریض کو نماز کے وقت کی اطلاع نہیں کرتے اور نماز پڑھنے کے لئے اس سے نہیں کہتے کہ اس کو تکلیف ہوگی۔ بعضے مریض تو خود بھی جاہل یا کاہل ہوتے ہیں گو پہلے سے نماز کے پابند ہوں مگر مرض میں (یا وسوسہ سے کہ کپڑے خراب ہیں، بدن ناپاک ہے یا صاف نہیں ہے۔ یا یہ کہ وضو وغسل نہیں کیا جاتا۔ اور تیمم کو دل نہیں گوارا کرتا۔ اور اس سے

طبیعت صاف نہیں ہوتی۔ وشل ذالک) نماز قضا کردیتے ہیں۔ یہ تو جہل ہے۔ یا کم ہمتی سے کہ کون اہتمام کرے تیمم کا یا رخ سیدھا کرنے کا کہ اس میں تکلیف ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ تحمل سے زائد نہیں۔ مگر کسی قدر آرام تو فوت ہوتا ہے۔ اور دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ اچھے ہو کر سب پوری کرلیں گے۔ اس لئے نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ کاہلی ہے۔

اور علاج اس کا یہ ہے کہ اس کو سمجھایا جاوے کہ شریعت نے ہر حال میں آسانی کی رعایت کی ہے۔ بدن یا پارچہ کا صاف ہونا تو کچھ فرض نہیں اگر میلے ہیں ہونے دو۔ اسی طرح نماز پڑھو اور اگر ناپاک ہے تو ان کے پاک کرنے میں زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ تو پاک کرنا کیا دشوار ہے۔ آخر تھوڑی بہت مشقت سے تو کوئی کام بھی خالی نہیں۔ چنانچہ مرض میں دوا پینا کیا مشقت نہیں؟ بعض اوقات کروٹ بدلنا مشقت ہے مگر مصلحت بدنی کے لئے اس کو گوارا کرتے ہیں۔ مگر نماز کے لئے بھی کہ مصلحت روحانی ہے۔ جس کی رعایت بدن سے بھی اہم اور اقدام ہے۔ کسی قدر مشقت گوارا کرلی جاوے۔ تو کیوں گرانی ہے۔ اور اگر پاک ہونے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ تو بدون پاک کئے ہوئے نماز پڑھ لو۔ کہ شرع کی اجازت ہے۔ صرح الفقہاء بہ اور وضو اور غسل اگر نہیں ہوسکتا تو تیمم کی اجازت ہے اور اگر وضو ہوسکتا ہو اور غسل نہ ہوسکتا ہو تو وضو کرلو اور بجائے غسل کے تیمم کرلو اور طبیعت کا صاف ہونا نہ ہونا کوئی چیز نہیں اور اگر نماز نہ پڑھی تو اس سے طبیعت کون سی صاف ہوگئی اگر آدمی کو حس ہو تو معلوم ہو کہ اس سے اور بھی گندی اور میلی ہوجاتی ہے۔ یہ جہل کا علاج ہے۔

اور ناپاک کپڑے اور بدن کے پاک کرنے کے متعلق جو ابھی مضمون لکھا گیا ہے وہ علاج ہے کاہلی کا بھی کہ کم و بیش مشقت تو ہر کام میں ہوتی ہے مثلاً ناگوار دوا پیتے ہی ہیں بلکہ ترقی کرکے کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات غذا کھانے میں بھی بعض مشقتیں لاحق ہوجاتی ہیں مثلاً مرچ لگ گئی منہ جل گیا۔ لقمہ گلے میں اٹک گیا یا شوربے وغیرہ کا بلکہ بعض اوقات پانی کا پھندا پڑ گیا۔ کیسی بری حالت ہوجاتی ہے بعض اوقات پان کھانے میں چونا زیادہ ہوا یا تیز ہوا، اور منہ اور زبان کے ٹکڑے اڑ گئے مگر ان عارضی مشقتوں کے سبب کوئی بھی کھانا پانی نہیں چھوڑتا اگر اسی مریض کو کہا جاوے کہ تم منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل کر اگر فلاں شخص سے جاکر ملو جو کہ یہاں سے ایک فرلانگ پر ہے تو تم کو دس روپیہ یا سو روپیہ یا ہزار روپیہ مل جاویں تو اس وقت یہ ساری

مشقتیں راحت معلوم ہونے لگیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ کے یہاں کا اجر اتنی قدر بھی نہیں رکھتا۔ خصوصاً جبکہ دینوی کاموں سے بہت زیادہ ان دینی کاموں میں سہولت رکھی گئی ہے۔ چنانچہ جب کھڑے نہ ہوسکیں بیٹھ کر پڑھیں۔ اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکیں تو لیٹے لیٹے پڑھیں اور رکوع سجدہ سر کے اشارے سے کریں۔ اور ایسا شاذ و نادر ہے کہ اس قدر ضعف ہوجاوے کہ سر سے بھی اشارہ نہ کرسکیں لیکن اگر اتفاق سے ایسی نوبت آجاوے تو پھر شریعت کی سہولت دیکھئے کہ نماز کا مؤخر کردینا اور بعد میں قضا کرلینا اس حالت میں جائز فرمادیا۔ پس ان سہولتوں کے بعد کسی کے پاس کیا عذر ہے اور یہ خیال کہ اچھے ہوکر قضا پڑھ لیں گے نہایت ہی جرارت کا خیال ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی سند و پروانہ اس معاہدہ کا ہے کہ یہ اس مرض سے ضرور اچھے کردیئے جاویں گے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کا اخیر ہی مرض ہو۔ مرض میں بوجہ اس کے کہ ہر مرض پیام موت ہے۔ آدمی کو زیادہ تنبیہ اور تہیۂ آخرت کی طرف زیادہ توجہ چاہیئے۔

ع شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

یہ تو ان مریضوں کا ذکر تھا جن کو خود بھی جہل یا کسل سے نمازوں کا اہتمام نہیں ہوتا۔ بعض مریض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو پورا اہتمام ہے لیکن مرض کے غلبہ سے ان کو پورے طور سے اوقات وغیرہ کی اطلاع نہیں ہوتی یا نماز کے وقت کچھ نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے یا غایت ضعف سے آنکھیں بند ہوکر غفلت سی ہوجاتی ہے لیکن اگر ان کو نماز کے لئے آگاہ کیا جاوے تو ہرگز کوتاہی نہ کریں۔ مگر اوپر کے لوگ اس وجہ سے کہ ان کو اس مریض کی راحت جسمانیہ کے ساتھ تو اعتناء ہے لیکن دین کی کچھ مبالات نہیں۔ اس مریض کو اطلاع ہی نہیں کرتے۔ یا اگر اس کو کسی طرح اطلاع بھی ہوگئی تو اس کی امداد نہیں کرتے مثلاً اس کے لئے پانی یا تیمم کے لئے کلوخ نہیں لاتے اس کی چارپائی قبلہ کی طرف نہیں بدلتے۔ اس کو پاک کپڑے نہیں بدلوا دیتے۔ اس تساہل میں یا تو مریض پھر غافل ہوگیا۔ یا اس پر بھی کسل غالب آگیا اور ایسی اس کی نماز برباد ہوئی۔ ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اپنے جس عزیز کی تھوڑی سی معمولی تکلیف گوارا نہیں۔ اس کے دوزخ میں جلنے کی تکلیف کیسے گوارا کرلیتے ہیں۔ اور اگر غایت بے رحمی سے اس کی یہ تکلیف گوارا کرلیں تو اپنی کیسے گوارا کرلیں گے۔ اس لئے کہ یہ تعاون فی الدین واجب ہے۔ اور یہ امر بالمعروف بالید کی ایک فرد ہے جو کہ محل قدرت اور

توقع قبول میں فرض ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ جب اس کو اوقات نماز کا ہوش نہیں ہے تو بے ہوشی میں نماز معاف ہوئی تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ اس بے ہوشی میں نماز معاف نہیں ہوتی وہ وہ بے ہوشی ہے کہ جس میں آگاہ کرنے سے بھی آگاہ نہ ہو پھر اس میں بھی مطلقاً معافی نہیں بلکہ یہ تفصیل ہے کہ اگر چھ نمازیں متصل بے ہوشی میں گذر جائے تب تو بالکل معاف ہے یعنی نہ ادا نہ قضا اور اگر اس سے کم بے ہوشی ہوئی ہے مثلاً چار نمازیں یا پانچ نمازیں اس حال میں گذر گئیں تو اس وقت تو ادا کا مکلف نہیں۔ مگر ہوش میں آنے کے بعد ان کی قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر قضاء میں سستی کی تو فدیہ کی وصیت مرتے وقت واجب ہوگی۔ اور اگر وصیت میں بھی غفلت ہوئی تو وارث کو ثواب ہوگا۔ اگر فدیہ ادا کر دیا لیکن اس صورت میں اپنے حصے میں سے ادا کرے مشترکہ ترکہ سے ادا نہ کرے۔

وضو اور قیام کی قدرت ہوتے ہوئے تیمم سے اور بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی

بعضے مریض یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ باوجودیکہ وضو سے کوئی ضرر نہیں پھر تیمم کر لیتے ہیں۔ بعض دفعہ اوپر کے لوگ وضو سے روکتے ہیں کہ میاں تیمم کر لو شرع میں آسانی ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ باوجود قدرت علی القیام بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔ بعض دفعہ نماز ہی میں باوجود قدرت ضبط کے غایت کم ہمتی سے کراہتے ہیں۔ آہ آہ خوب صاف لفظوں سے کہتے ہیں اور اس کی پروا ہی نہیں کرتے کہ ہماری نماز رہیگی یا جائے گی۔ سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ مطلق مرض سے تیمم یا قعود کی اجازت نہیں اس میں ابواب فقہ کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح قدرت ضبط ہوتے ہوئے آہ یا ہائی وغیرہ کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ نماز بڑی احتیاط کی چیز ہے اس کو بے کار نہ سمجھیئے۔

بعضے ان ظاہری بے احتیاطیوں کے مقابل ایک دقیق بے احتیاطی کرتے ہیں۔ جو ظاہراً ان کے زعم میں بڑا تقویٰ ہے وہ یہ کہ خواہ ان پر کچھ ہی مصیبت گذر جاوے۔ خواہ کیسا ہی مرض بڑھ جاوے اور خواہ مر ہی جاویں مگر تیمم جانتے ہی نہیں مریں گے۔ کہیں گے، مگر وضو ہی کرینگے

سو حقیقت میں اس غلو کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے جو واقع میں ناقص ہے اس لئے ہم اس کو قبول نہیں کرتے۔ اصل میں شیطان کی مطرودیۃ[۵] کا مبنیٰ اس کا یہی خیال ہے کہ یہ حکم حق تعالیٰ کا نامناسب ہونے کے سبب قابل عمل نہیں یہ معصیت تو اس کے عقیدے کی ہوئی۔ اور اگر اس کو کوئی ضرر شدید پہنچا ... تو اہلاک نفس سے معصیت عملی ہوگی خوب فرمایا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفٰے

ولیس من البر الصیام فی السفر ...

اور دوسری حدیثیں بھی اس کی صاف ادلہ ہیں۔ یہ کوتاہیاں تو نماز کے متعلق تھیں۔

حالت مرض میں بھی مریض کا ستر بغیر ضرورت کے دیکھنا جائز نہیں

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مریض کا ستر چھپانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اگر زانو کھل گیا تو کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اگر ران کھل گئی تو کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ اگر بضرورت تداوی کسی موقع کے کھولنے اور دیکھنے کی حاجت ہوئی تو اس کی احتیاط نہیں کہ بقاعدہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ اتنا ہی بدن کھلے جس کے کھلنے کی ضرورت ہے۔ یا صرف انہیں لوگوں کے سامنے کھلے جن کا تعلق اس تداوی سے ہے۔ وہ بھی دیکھتے ہیں اور دوسرے حاضرین اور عیادت کرنے والے بھی بے تکلف دیکھیں گے۔ بلکہ اس کو ہمدردی سمجھیں گے۔

غرض نہ دوسروں کو دیکھنا جائز اور نہ مقدار ضرورت سے زیادہ دیکھنا جائز یہاں تک کہ اگر عورت کے جننے کے وقت کافر دائی جاوے تو موقع تولد کا دیکھنا تو اس کو اگر حاجت ہو درست ہے لیکن بوجہ اس کے کہ کافر عورت نامحرم مرد کے حکم میں ہے۔ اس کے روبرو عورت کو سر کھولنا حرام ہوگا۔ کیونکہ اس کا کھولنا بلا ضرورت ہے۔

اسی طرح اگر عورت کے ہاتھ میں فصد لی جاوے تو فصّاد کو تو موقع فصد کا دیکھنا جائز ہے مگر دوسرے حاضرین کو وہاں سے ٹل جانا یا آنکھ بند کر لینا یا منہ پھیر لینا واجب ہے۔ اوروں کو اجازت

[۵] اللہ کے دربار سے دور کیا جانا ۱۲

نہیں کہ اس کے ہاتھ کا وہ حصہ کھلا ہوا دیکھیں۔ اسی طرح ختنہ میں اگر بچہ سیانا ہو جس کا کھلا ہوا بدن دیکھنا جائز نہیں تو ختان کو تو بقدر ضرورت دیکھنا درست ہے۔ دوسروں کو درست نہیں۔ اسی طرح اگر کسی عضو مستور میں دنبل وغیرہ میں شگاف دیا جائے تو جراح یا ڈاکٹر کے سوا یا ایسے شخص کے سوا جس کے دیکھنے میں کوئی مصلحت معالجہ کی ہو دوسروں کو اس موقع کے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ یہ جزئیات استطراداً ذکر کر دیئے گئے اصل مقصود بیان کرنا مریض کے ستر کا ہے کہ اس میں بے پروائی برتی جاتی ہے۔

ناپاک اور حرام دوا سے پرہیز کرنا چاہیئے

ایک کوتاہی دوا کے متعلق یہ کی جاتی ہے کہ دوا کے حلال و حرام طاہر و نجس ہونے کی کچھ پروا نہیں کی جاتی خصوص امراء کے یہاں کہ برانڈی تک سے پرہیز نہیں خواہ تناول یا استعمال کے ساتھ ہی دم نکل جاوے مگر کچھ انقباض ہی نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے حال پر تعجب ہے کہ جس چیز کو طبیعت قابل نفرت بتلاوے مثلاً پیشاب پینا اس سے تو نفرت ہو اور جس چیز کو شریعت قابل نفرت بتلاوے۔ مثلاً شراب پینا اس سے نفرت نہ ہو تو گویا اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہیں کہ یہ شخص اپنے کو نفس کا بندہ سمجھتا ہے خدا کا بندہ نہیں سمجھتا۔ تو کیا مسلمان ہونے کے یہی معنی ہیں مصرع

ببیں کہ از کہ گسستی و باکہ پیوستی

ایک وسوسہ کا ازالہ

اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ دوا کے لئے تو شرع میں بھی اجازت ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا دعویٰ علی الاطلاق محض غلط ہے اصل مذہب میں تو کسی حالت میں بھی دوا کے لئے ایسی چیز کی اجازت نہیں ہاں مضطر بالمخمصہ یا مغصوص باللقمہ کے لئے ایسی چیز سے ابقاء حیوٰۃ مشروع ہے اور تداوی کا اس پر قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ مقیس علیہ میں نفع عادۃً متیقن ہے اور مقیس میں غیر متیقن، چنانچہ اطباء خود فن ہی کو ظنی کہتے ہیں اس لئے نفس معالجہ ہی واجب نہیں بخلاف اساغۃ مغصوص کے کہ واجب ہے اس دوا میں ایسی چیز کی اصلاً اجازت نہیں خواہ مرض کیسا ہی ہلاک ہو

اور نفع یکساں ہو مجرب سمجھا جاوے۔

البتہ بعض متاخرین نے ضرورت شدیدہ اور تجربۂ نفع کی قید کیساتھ اجازت دیدی ہے۔ مگر جو بے احتیاطی کرتے ہیں وہ ان قیدیوں کا کب لحاظ کرتے ہیں بلکہ وہ تو محض احتمال نفع ہی پر سرعت برار یعنی تعجیل صحت ہی کے لئے بلکہ بعض اوقات بدون مرض کے محض تقویت طبیعت ہی کے لئے یا مرض کے غیر خطرناک ہونے پر بھی بے تکلف ان چیزوں کا استعمال کرتے ہیں پس وہ اس فتویٰ سے کیسے تمسک کرسکتے ہیں۔ یہ تو جواز و عدم جواز میں گفتگو تھی باقی جو لوگ قلب سلیم طبع طاہر رکھتے ہیں وہ تو اختلافی اجازت سے بھی منتفع ہونا پسند نہیں کرتے۔ جس طرح بعض لطیفؔ المزاج لوگ بعض اشیاء مکروہ طبعی کو حلق سے اتار نہیں سکتے اور اگر دھوکہ سے اتر جاوے تو معدہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح جن کا مزاج لطافت دینی رکھتا ہے ان کی ان اشیاء مکروہ شرعی کے تناول یا امساک فی المعدہ کے ساتھ یہی کیفیت ہے اور ادویہ محرمہ کچھ برانڈی ہی وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں۔ بہت سی ادویہ طب یونانی میں بھی ایسی ہی حرام و نجس ہیں جیسے جند، بیدستر، دمایہ شتر اعرابی اور لبوب کبیر میں قضیب گاؤ۔

میں نے اپنے ایک طبیب دوست سے استدعا کی ہے کہ ایسے ادویہ کی ایک فہرست شائع کردے۔ اور خاص کر ایسی چیزوں کا استعمال ایسی جگہ کرانا تو ظلم عظیم ہی ہے جہاں مریض خود محتاط اور ایسی اشیاء سے نفور ہو۔ مگر اس کی بے خبری میں یا اس کو دھوکہ دے کر کھلا پلا دیا جاوے۔ کبھی تو اس کو اگر خبر ہوگئی تو بیحد کلفت ہوتی ہے اور اس کلفت سے اس کا مرض بڑھتا جاتا ہے۔ اور اس طرح سے اس کو جسمانی ضرر بھی لاحق ہوتا ہے اور اگر خبر بھی نہ ہوئی تو اس خیر خواہ نے پرائی دنیا کی درستی کے لئے اپنا دین برباد کیا۔ جس کا برباد کرنا خود اپنی دنیا کی درستی کے لئے بھی مذموم و مبغوض عند اللہ ہے۔ اور یہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہوا کہ حظ آخرت تو فوت ہوا ہی کوئی حظ دنیا بھی نصیب نہ ہوا۔ خسر الدنیا والاٰخرۃ کا مصداق بنا۔

دعا غلاموں کی طرح کرنی چاہیئے نہ کہ شکایت کرنے والوں کی طرح

ایک کوتاہی دوسرے قسم کے معالجہ یعنی دعا ختم یا صدقہ و نذر میں ہوتی ہے کہ ان میں حدود شرعیہ

کو ملحوظ و محفوظ رکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی ۔ مثلاً دعا بصیغہ شکایت ہوتی ہے۔ اللہ میاں سے کہا جاتا ہے۔ اے اللہ کیا ہوگا۔ بس میں تو بالکل ہی تباہ ہو جاؤں گا۔ یا تباہ ہو جاؤں گی۔ یہ بچے کس پر ڈالونگی بس جی میرا تو کہیں ٹھکانہ ہی نہ رہے گا۔ اے اللہ ایسا تو نہ کیجیو۔ گویا شکایت الگ کی جاتی ہے۔ اور رائے الگ دی جاتی ہے۔

استغفراللہ، کیا حق تعالیٰ کا یہی ادب ہے۔ یہی عظمت ہے۔ دعا کرو علاموں کی طرح اجازت ہے بلکہ محبوب ہے آگے رضا بالقضا واجب ہے۔ مصرع

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

ختم پڑھا جاتا ہے بعض جگہ تو غیر مشروع الفاظ سے مثلاً یا شیخ عبدالقادرؒ شیئاً للہ اور بعض جگہ اس سے غامض خرابی مضمر ہوتی ہے کہ الفاظ تو مشروع مگر اس کا ثواب بزرگوں کو اس عقیدہ سے بخشا جاتا ہے کہ وہ خوش ہو کر کچھ سہارا لگا دیں گے۔ یا بجائے امداد کے دعا ہی کا اعتقاد ہو امگر اس طرح سے کہ وہ دعا ان کی رد ہو ہی نہیں سکتی۔ جس کے متعلق احقر نے بقدر ضرورت القاسم کی جلد (۳) نمبر ایک(۱) کے پرچہ میں صفحہ ۱۴ پر کچھ مفصل بھی لکھ دیا ہے۔

صدقہ کے متعلق کوتاہیاں

صدقہ میں چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے نام کا کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے نام کا کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں۔ یا کھلاتے ہیں اور مثل ختم مذکور عنقریب کے اس میں بھی اعتقاد امداد روحانی ان بزرگ کے متعلق رکھتے ہیں جس کی نسبت ابھی لکھا گیا ہے بعض لوگ کچھ غلّہ یا بکرا وغیرہ شب بھر مریض کے پاس رکھ کر اور بعض لوگ اس کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس تلبس سے یا اس لمس سے مریض کی تمام بلائیں گویا اس صدقہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں پھر اس کے دینے کے ساتھ وہ بھی چلی جاتی ہیں۔ سو یہ اعتقاد محض خلاف شرع ہے۔

صدقہ دینا جو ایک فعل ہے اس کا اثر حدیث میں آیا ہے کہ بلا دفع ہو جاتی ہے۔ اس فعل کے قبل خود جرم صدقہ میں لپٹ کر مریض سے دور ہو جانے کا اعتقاد یہ مزاحمت ہے منصوص کی

منصوص تو اس کا اندفاع ہے اس فعل سے اور معتقد عوام کا اس کا ایک گونہ اندفاع ہے۔ قبل اس فعل کے، اور مزاحمت نص کی دلیل ضعیف سے بھی جائز نہیں نہ کہ بلا دلیل۔ بعض لوگ مریض کی طرف سے بکرا ذبح کرتے ہیں اور خصوصیت ذبح کو دافع بلا میں موثر سمجھتے ہیں۔ جس کی حقیقت افتداء ہے جس کا ادراک مشاہدہ یا رائے سے تو نہیں ہوسکتا بلکہ ضرورت ہے نقل کی، اور نقل مفقود ہے۔ اس لیے یہ اعتقاد تقول علی اللہ ہونے کے سبب ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی عقیقہ پر قیاس کرے۔ تو وہ خود غیر مدرک بالقیاس ہے۔ اور حکم غیر قیاسی مقتصر رہتا ہے مورد نص پر اس میں قیاس جائز نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں صدقہ کو مقصود سمجھتا ہوں تو اس کی تکذیب کے لئے یہ امتحان کافی ہے کہ اگر اس سے کہا جاوے کہ تم اس بکرے کو خریدنے کے عوض اسی کی قیمت میں گوشت خرید کر کہ وہ یقیناً اس بکرے کے گوشت سے زیادہ آوے گا بساکین کو تصدق کر دو تو ہرگز اس عمل کا التزام کرنے والے اس پر راضی نہ ہوں گے اور یہ سمجھیں گے کہ اس میں وہ اثر نہ ہوگا۔ سو اگر محض تصدق ہی مقصود ہے تب تو بدیں وجہ کہ یہاں تصدق زیادہ گوشت کا ہوا۔ اس میں زیادہ اثر سمجھنا چاہیئے تھا۔ مگر جب اس پر بھی ایسا نہیں سمجھا تو پھر اس میں بجز فعل

ذبح کے کیا چیز کم ہے۔ جس کی کمی سے اثر کم ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عوام الناس اس طریق میں ذبح کو ہی مقصود سمجھتے ہیں۔ پس دعویٰ قصد تصدق کا غلط ٹھہرا۔ بعض لوگ ذبح کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ گوشت خریدتے ہیں۔ لیکن بجائے آدمیوں کے چیلوں کو کھلاتے ہیں سو اس میں دو بدعت ہیں۔ گوشت کے خصوص کا موثر سمجھنا پھر چیلوں کے کھانے کی خصوصیت میں اثر جاننا ایسی تخصیصات پر ابھی گفتگو آتی ہے۔ بعض لوگوں نے صدقہ کے لئے خاص خاص چیزیں تجویز کر رکھی ہیں جیسے ماش اور تیل اور پیسے جن میں امر مشترک سیاہ رنگ کی چیز معلوم ہوتی ہے جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہیں کہ بلا کو ایک کالی چیز سمجھ کر اس کے جلب للسلب کے لئے بھی کالی چیزوں کو تجویز کیا۔ سو اول تو بلا کوئی جسم نہیں جو سواد کے ساتھ موصوف ہو اور اگر کوئی توجیہ اس کی صورت مثالیہ کے اعتبار سے اس کی کر بھی لی جاوے تب بھی خود یہ ایک خلاف شرع دعویٰ ہے کہ اس کا دافع بھی تصدق بالاسود ہی ہوگا۔ نص میں مطلق تصدق کو دافع بتلایا ہے۔ خواہ

بالا سود ہو یا بالا بیض ہو۔ پھر تصدق کا محل سب سے اچھا مسلمان مساکین ہے۔ بعضے بھنگیوں کو اور بعضے چیلوں کو اس کا مصرف متعین قرار دیتے ہیں۔ خود اس مصرف کے مساوی ہونے یا راجح ہونے کا دعویٰ مزاحمت ہے نص کی نہ کہ متعین ہونا۔ اس میں تو نص کا بالکل ابطال ہی ہے۔

وصیت کے متعلق کوتاہی

ایک کوتاہی وصیت کے متعلق ہے وہ یہ کہ بعض اوقات مریض اپنے بعد کے لئے خلاف شرع وصیت کرتا ہے اور کوئی اس کو تنبیہ بھی نہیں کرتا تاکہ اس کی اصلاح دیجاوے اور بعض اوقات دوسرے لوگ مریض کو ایسی وصیتوں کی رائے اور ترغیب دیتے ہیں مثلاً ثلث سے زیادہ کی وصیت یا کسی وارث کیلئے وصیت یا کسی وارث جائز کے محروم کرنے کی وصیت یا کسی معصیت کی وصیت کہ میرے مرنے کے متعلق فلاں کام بدعت کا یا فاخر کا کیجیو۔ مثلاً تیجہ، دسواں وغیرہ کیجیو یا قبر میں عہد نامہ وغیرہ رکھیو یا ایسا ایسا کھانا کیجیو یا میرا عرس کیا کیجیو و مثل ذالک اسی طرح ان کاموں کیلئے کچھ وقف کر جانا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر مریض اسمیں غلطی کرے تو دوسروں کو اصلاح کر دینا چاہیئے اور اگر وہ اصلاح قبول نہ کرے تو وہ وصیت لازم نہیں ہوتی بلکہ بعض پر تو عمل جائز نہیں ہوتا جیسے وصیت بالمعاصی۔ ان احکام میں فقہاء و علماء سے وقت پر تحقیق کرکے عمل کرنا چاہیئے یہ چند کوتاہیاں ہیں حالت مرض میں جو اس وقت خیال میں آئیں۔ تتبع یا تامل سے اور بھی کوتاہیاں نکلیں گی جن کے لئے مذکورہ کوتاہیوں کے ضمن میں جو اصول شرعیہ بیان کئے گئے ہیں یا تو وہی یا بعض کوتاہیوں کے لئے علماء سے رجوع کرنا کافی ہوگا۔ اب دوسری حالت کے متعلق کچھ ضروری امور عرض کرتا ہوں۔

"حالت وقت الموت"

حالت نزع میں رونے پیٹنے کی بجائے اس کو کلمہ کی تلقین اور اس کے خاتمہ بالخیر کی دعا کرنی چاہیئے۔

اس وقت کی کوتاہیوں میں عورتیں زیادہ مبتلا ہیں۔ مثلاً اس وقت بجائے اس کے کہ کچھ کلمہ پڑھیں حق تعالیٰ سے میت کی سہولت نزع و ختم بالخیر کی دعا کریں رونا پیٹنا پھیلاتی ہیں۔ کلمات جزع و فزع کے کہتی ہیں کہ اگر مریض کو کچھ ہوش ہوا تو وہ پریشان ہوتا ہے اور اس پریشانی سے دو

خرابیاں ہیں، کبھی تو ناامیدی وہراس سے دل شکستہ ہوتا ہے اگر اس وقت تک ناامیدی نہ ہوئی ہو اور مریض کے دل شکنی اور اتنا ط خود منہوم ہے حدیث میں نص ہے کہ مریض کو امید دلایا کرو۔ اس سے وقت تو نہیں ملتا۔ لیکن اس کا دل خوش ہو جاتا ہے تو یہ حرکت اس حکم کے کس قدر خلاف ہے اور کبھی اس سے وہ خلق کی طرف مشغول ہوتا ہے حالانکہ وہ وقت خالص توجہ الی اللہ کا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اگر وہ خود بھی اس عالم کی طرف بلا ضرورت شرعیہ (مثل وصیت وغیرہ) متوجہ ہوتا تو اس کی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف منعطف ومنصرف کیا جاتا۔ نہ کہ خود ہی اس ظلمت کدہ کی طرف اس کو متوجہ کرنے کا سبب بن جاویں۔ اور اگر ان کلمات میں کچھ الفاظ اس میت کے غلو فی المدح کی ہوئی کہ تو ایسا تھا اور ایسا تھا تو ایک ضرر میت کا (جیسا کہ حدیث میں ہے) یہ ہے کہ فرشتہ اس کو ڈھکیلتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ کیا ایسا ہی تھا۔

غرض اس نامعقول حرکت سے پریشانی در پریشانی ہوتی ہے۔ اور مثلاً بعضی عورتیں اس وقت اس کی بی بی کو سامنے لاکر کھڑا کرتی ہیں۔ یا کبھی بی بی صاحبہ خود ہی تشریف لاکر کھڑی ہوتی ہیں۔ اور پوچھا جاتا ہے کہ اس کو یا مجھ کو کس پر چھوڑے جاتے ہیں اور اس غریب کو جواب پر مجبور کرتے ہیں اسی طرح بعض اوقات اس کے بچوں کو سامنے لاتی ہیں کہ ان کا کون ہوگا، یا یہ کہ ان کو پیار تو کر لو، ان کے سر پہ ہاتھ تو رکھدے۔ جس سے وہ غریب تو پریشان ہوتا ہی ہے اور توجہ علی المخلوق کا ضرر الگ پہنچتا ہے لیکن بچے کس قدر دل شکستہ اور ناامید ہو جاتے ہیں یہ حماقت شعار اتنا نہیں سمجھتیں کہ اس وقت کا تو مقتضا یہ تھا کہ اگر خود بھی بچوں کو یاد کرتا تو اس کو کہا جاتا کہ تم حق تعالیٰ کی طرف خیال رکھو البتہ اگر بہت ہی یاد کرے تو سرسری طور پر سامنے کر دیں تاکہ اس کا دل ان میں اٹکا نہ رہے لیکن اگر خود یاد نہ کرے تو ہرگز اس کو یاد نہ دلاوے اور یہ بھی مقتضا تھا کہ بچوں کو وہاں سے ہٹا دیا جاتا۔ تاکہ وہ پریشان نہ ہوں اور اگر وہ گھبراتے تو اپنے آنسو پونچھ کر ان کو دلاسا دیا جاتا کہ تم کیوں گھبراتے ہو اس سے زیادہ ہم تمہارے شفیق اور خدمت کرنے والے موجود ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تطییب قلب مسلم اور تسلیہ محزون عبادۃ عظمیٰ ہے۔ اسی طرح بیوی کی تسلی کرتے کہ بھائی لاعلاج کا علاج ہمارے قبضہ سے باہر ہے۔ اور اس کا علاج تمہاری پریشانی سے بھی نہیں ہو سکتا۔ باقی تمہاری راحت رسانی اور دلجوئی کے لئے ہم حاضر ہیں۔ تم اس قدر پریشان نہ ہو۔

غرض اس میں ایک تو یہ پریشانی ہے دوسرے وہی مخلوق کی طرف اس کو متوجہ کرنا جس کا

اوپر ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح بعض مرد بھی جو زنانہ مزاج کے ہیں وہ بھی یہی ناشائستہ حرکت کرتے ہیں۔ اسی واسطے سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ قریب موت کے وقت میت کے پاس عاقل دیندار لوگ ہوں۔ اگر گھر کی عورتیں اتفاق سے ایسی ہوں تو ان کے رہنے کا مضائقہ نہیں ورنہ مردوں میں جو ایسے لوگ ہوں ان کو پاس رہنا چاہیئے۔ اور وہ ان سب امور کی احتیاط اور انتظام رکھیں۔

بعضے لوگ یہ کرتے ہیں کہ بدفالی کے خیال سے یا قلت مبالات بالدین کی وجہ سے نہ اس وقت یٰسین پڑھیں اور نہ پڑھنا گوارا کریں۔ یا اس طرف التفات نہ کریں۔ اور نہ کلمہ کا اہتمام کریں۔ نہ اس کو متوجہ کریں جب کہ اس کو ہوش ہو اور نہ خود اس میں مشغول ہوں۔ جبکہ اس کو ہوش نہ ہو بلکہ دنیا کے فضول قصوں میں خصوص ان بکھیڑوں میں جن کی ضرورت بعد میں ہوگی مگر ابھی سے مشغول ہوجاتے ہیں۔ بعض جگہ تو کوئی اس کے پاس بھی نہیں رہتا اور وہ تنہا ہی ختم ہوجاتا ہے۔ سب ادہر ادہر مال و متاع پر قبضہ کرنے کی فکر میں بھاگتے بھاگتے پھرتے ہیں اور بعض جگہ اس لئے اس کے پاس نہیں پھٹکتے کہ اس کی بیماری لگ جانے کا خوف ہوتا ہے۔ اول تو بعض محققین کے نزدیک نفس تعدیہ ہی غلط ہے دوسرے بعض قول پر کہیں ہو بھی تو بلا اذن خالق نہیں ہوتا اور نہ اذن دائم ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اکثر جگہ کچھ بھی نہیں ہوتا پھر کتنی سنگدلی کی بات ہے کہ اپنے کو تو ضرر متحمل سے بھی بچایا۔ اور اپنے ایک بھائی مسلمان (یعنی اس مریض کو) ضرر متیقن میں مبتلا کیا۔ کیونکہ اس طرح تنہا رہ جانے سے اس کی بعض ضروریات میں فروگذاشت ہونے سے اس کو تکلیف بھی ہوگی اور اس کی دل شکنی بھی ہوگی۔ اور ان کے طرز عمل سے یہ معلوم کرکے کہ میں مرض متعدی مہلک میں گرفتار ہوں مایوس بھی ہوجاویگا۔ تو کتنی کلفتیں اس پر جمع ہوئیں اور ان محتاط صاحب کی ایک وہمی احتیاط ہوئی تو ایسی احتیاط خاک ڈالنے کے قابل ہے۔ اور افسوس تو یہ ہے کہ جو طبقہ ادعاء ہمدردی کے نعرے لگاتا ہے وہی اس لغو احتیاط میں زیادہ حصہ لیتا ہے۔

یہ تو ان کی شکایت تھی جو کہ مریض کے لئے مخواہ پاس رہ کر یا اس کو تنہا چھوڑ کر اس کے متوجہ الی اللہ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

بعض لوگ ان کے مقابلہ میں دوسری طرف غلو کرتے ہیں یعنی بزعم خود اس کو متوجہ الی اللہ کرنے میں اس قدر متشددانہ برتاؤ کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے ہی پڑجاتے ہیں کہ وہ ذرا غافل ہوا اور اس پر تقاضا

شروع ہوا کہ کلمہ پڑھنا استغفار پڑھنا اور اگر اس کو ہوش نہ ہو تو برابر اس کے سر رہتے ہیں۔ جب تک کہ وہ ان کا حکم نہ مانے۔ اور اگر ہوش آگیا اور اس نے پڑھ بھی لیا تو اس پر کفایت نہیں کرتے، پھر پڑھواتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اموختہ کی طرح پڑھتا ہی رہے۔ دم نہ لے۔ اللہ بچاوے۔ اس جاہلانہ زہد خشک سے۔

اس بات میں علماء کا ارشاد یہ ہے کہ اگر وہ ہوش میں ہو تو اس کو بسہولت کلمہ و استغفار کی طرف متوجہ کریں۔ اور جب وہ ایک بار پڑھ لے تو بہ کرے پھر چھوڑ دیں۔ پھر جب تک وہ کوئی دنیا کا کلام نہ کرے دوبارہ پڑھنے کو نہ کہیں وہ مرض میں اور نزع میں پریشان ہوتا ہے اگر اس کے قلب میں تنگی پیدا ہو کر کلمہ و استغفار سے (نعوذ باللہ) کراہت و ناگواری ہوئی یا خدانخواستہ منہ سے انکار نکل گیا تو کس درجہ امر منکر ہے گو اس وقت کا ایسا فعل بھی قواعد شرع سے قابل اعتراض نہیں کیوں کہ وہ وقت پورے شعور اور پورے اختیار کا نہیں ہے لیکن تاہم عام دیکھنے سننے والوں کی نظر میں اس میت کی کتنی رسوائی ہے جس کا سبب یہ زاہد خشک بنا ہے۔ اور اگر وہ بالکل بے ہوش ہے تو اس کو کچھ پڑھنے وڑھنے کے لئے نہ کہیں۔ اس کے قریب پکار پکار کر سورہ یٰسین شریف اور کلمہ کلام وغیرہ پڑھتے رہیں تاکہ اگر قدرے ادراک ہو یا ہو جاوے تو قلب سے تو ادھر متوجہ رہے اور اسی توجہ میں خاتمہ ہو۔

بعضے آدمی اس سے بڑھ کر یہ کرتے ہیں کہ اخیر وقت تک اس سے باتیں کرانا چاہتے ہیں۔ اور بڑھ کر اس لیے کہا کہ ان زاہدان خشک نے تو اس سے کلمہ ہی پڑھوانا چاہا تھا جو کہ دین کا کام ہے انہوں نے دنیا کی باتیں کرانا چاہا یعنی جہاں وہ ذرا بے ہوش ہوا اس کو پکارتے ہیں کہ میاں فلانے ذرا آنکھ تو کھولو مجھ کو تو دیکھو میں کون ہوں تم کیسے ہو کچھ کہو گے کسی بات کو دل چاہتا ہے اور اسی طرح خرافات لغویات میں اس کو دق کرتے ہیں ان عقل کے پتلوں سے کوئی پوچھے کہ یہ ان باتوں کا وقت ہے اگر اس کا مرض مرض موت نہیں ہے اور اچھا ہو جاوے گا تو اچھا ہونے کے بعد جتنی چاہے باتیں کر لیجیو۔ اس وقت اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو مرض میں ایسا تعجب ہوتا ہے کہ بات کرنا تو بڑی بات ہے بات سننا بلکہ کسی طرف دیکھنا خیال کرنا گراں گذرتا ہے اور یہ بزرگ اس سے مجلس آرائی کی توقع رکھتے ہیں اور اگر اس کا مرض مرض موت ہے تو ایسی باتیں کرنا اور بھی برا ہے۔

کیوں کہ قطع نظر تکلیف سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اب اس کو دنیا میں بہت تھوڑا وقت ملے گا سو اس کو تو اچھے مصرف میں صرف کرنا چاہیئے۔

البتہ اگر کوئی ایسی بات ہو جو شرعًا ضروری ہے مثلاً کسی امانت کو پوچھا جاوے کہ تم نے کہاں رکھدی ہے یا قرضہ اور لین دین کے بارہ میں پوچھا جاوے جس کا حال بدون اس کے دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا یا کافی نہیں ہو سکتا یا اور اسی قسم کا کوئی حق واجب ہو اس کے متعلق پوچھ پاچھ کرنے کا مضائقہ نہیں بلکہ ضروری ہے بشرطیکہ اس کو زیادہ تنگی اور تکلیف نہ ہو جو تحمل سے زائد ہو سو ایسی بات درحقیقت دنیا کی بات نہیں ادائے واجب ہے جو طاعت کی فرد اعظم ہے اور چونکہ صورتًا دنیا ہی کی بات ہے اس لئے بہتر ہے کہ ایسی بات کا جواب لینے کے بعد پھر تہلیل و استغفار وغیرہ پڑھوا دیں۔ بشرائط مذکور سابقاً بعض لوگ قریب مرگ کو رو بقبلہ کرنے کا مسئلہ سن کر یہ کرتے ہیں کہ اس کا تمام بدن اور منہ پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اگر وہ نزع روح میں بدن یا گردن کو حرکت دے جو حرکت اضطراریہ ہوتی ہے تو پھر مروڑ تروڑ کر رخ بدل دیتے ہیں۔

سو خوب سمجھ لینا چاہیے اس مسئلے کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اس پر شاق نہ ہو یا وہ بالکل بے حس و حرکت ہو جاوے اس وقت رو بقبلہ کر دیں نہ یہ کہ اس سے کشتا کشتی کر کے اس کو تکلیف پہنچا دیں (درمختار)

نامحرم مرد کو مرنے کے بعد بھی دیکھنا جائز نہیں

ایک بے احتیاطی ہوتی ہے کہ اس وقت اکثر نامحرم عورتیں بھی اس کے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں گویا پردہ ضروری نہیں رہتا سو اگر اس کو اتنا ہوش ہے کہ وہ دیکھتا سمجھتا ہے تب تو اس کے سامنے آنا ایسا ہے جیسا تندرست کے سامنے آنا۔ مرض سے احکام معاف نہیں ہو گئے اور اگر اس کو اتنا ہوش نہیں ہے تو بہت سے بہت اس نے نہ دیکھا مگر ان عورتوں نے اس نامحرم مرد کو بلا ضرورت دیکھا جس کی ممانعت حدیث افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ، کیا تم دونوں بھی اندھی ہو کیا تم دونوں اسے نہیں دیکھ رہی۔

مصرح ہے اور اگر کہا جاوے کہ اس وقت تو کسی مفسدہ کا احتمال نہیں ہے سو جواب یہ

ہے کہ اول تو حکم عام ہے مفسدہ کی قید نہیں ہے دوسرے ہم نے مفسدہ بھی دیکھا بعض عورتیں اس وقت دیکھ کر عاشق ہو گئی ہیں اور عمر بھر خیالات بخس میں مبتلا رہی ہیں گو ان کے ایقاع کی گنجائش نہیں رہی۔ لوالعینان تزنیان، (آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں) اور والقلب یزنی تو صادق آ گیا۔

اگر عورت مرتے وقت شوہر کو مہر معاف کر دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا

ایک کوتاہی جو نہایت عام ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے کہتے ہیں کہ شوہر کو معاف کر دے اور وہ معاف کر دیتی ہے اور شوہر اس معافی کو کافی سمجھ کر اپنے کو دین مہر سے سبکدوش سمجھتا ہے اور اگر کوئی وارث مانگے بھی تو نہیں دیتا اور نہ اس کا دینا ضروری سمجھتا ہے۔

سو خوب سمجھ لیا جاوے کہ اس وقت کی معافی وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی جب تک کہ سب ورثہ بلوغ بشرط بلوغ اس کو منظور نہ کریں۔

اور اگر بعض جائز رکھیں بعض نہ رکھیں تو صرف جائز رکھنے والوں کے حصہ کے قدر نافذ ہو گی۔ باقی باطل ہو گی اور نابالغ تو اگر جائز بھی رکھیں تو صحیح نہیں، پس اس صورت میں جو وارث نابالغ ہیں ان کے حصہ کا مہر اور اسی طرح جو بالغ وارث جائز نہ رکھیں ان کے حصے کا مہر بھی واجب الادا ہو گا۔ اور وہ معافی ان کے حق میں محض باطل ہے مثلاً اس عورت کے وارث علاوہ شوہر کے تین بھائی ہیں ایک نابالغ اور دو بالغ جن میں سے ایک نے اس معافی کو منظور کیا اور دوسرے نے نامنظور کیا اور مہر چھ سو روپے تھا تو اس صورت میں یہ حکم ہو گا کہ تین سو تو حصہ شوہری میں اگر معاف ہو گئے اور سو روپے بالغ منظور کرنے والے کے حصے میں آ کر معاف ہو گئے۔ آگے دو سو روپے رہے سو تو نامنظور کرنے والے کا حق اس شوہر کے ذمہ ہے اور سو اس نابالغ کا حق اس کے ذمہ ہے یہ دو سو روپے ادا کرنا ہوں گے۔ یہ مختصر تذکرہ ہوا حالت موت کے وقت کی بعض کوتاہیوں کا اب حالت بعد الموت کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

حالت بعد الموت

اس میں اس قدر امور غیر مشروعہ شائع ہیں جن کا احصار مشکل ہے ان میں سے اکثر کو میں نے اصلاح الرسوم فصل چہارم میں مفصل و مدلل لکھا ہے یہاں صرف ان کی فہرست لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) دفن میں اعزا وغیرہ کے انتظار میں دیر کرنا۔

(۲) قبر پر اناج لے جانا۔

(۳) جانماز اور اوپر کی چادر ترکہ میں سے خریدنا۔

(۴) میت کے کپڑے بلاتقسیم ورثا کے مساکین کو دے دینا۔

(۵) تیجہ دسواں وغیرہ کرنا۔

(۶) برادری کو یا مساکین کو تفاخراً کھانا دینا۔

(۷) کئی بار عورتوں کا جمع ہونا جس میں ایک اجتماع انقضار عدت کے دن ہوتا ہے۔

(۸) بلاضرورت دور دور سے مدتوں تک مہمانوں کا آنا اور میت والوں پر بار ڈالنا۔

(۹) خاص قواعد کے ساتھ میت کے گھر اوّل روز کسی عزیز کے یہاں سے کھانا آنا۔

(۱۰) حفاظ وغیرہ کو کچھ دیکر قرآن پڑھوانا۔

(۱۱) مدت تک سوگ کرنا یہ تو عام اموات کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اور بعض معاملہ خاص بزرگوں کے ساتھ ہوتے ہیں جس کو رسالہ مذکور کے باب مذکور کی فصل دوم وسوم میں ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے

(۱۲) عرس وفاتحہ مروّجہ کے منکرات اور

(۱۳) شب برات کا حلوہ اور عاشورہ کا کھچڑا اور شربت کہ ان کی بحث بھی بہت مبسوط لکھدی ہے اگر شوق ہو اس میں ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ اب بعض وہ معاملات اس تیسری حالت کے متعلق مختصراً لکھتا ہوں جو اس میں نہیں لکھے گئے۔

میت اگر وصیت نہ کرے تو اس کی نماز روزہ کا فدیہ ترکہ مشترکہ سے نہ دیں

پس ان میں سے ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے تقویٰ کے جوش میں آکر ترکہ مشترکہ میں بلاوصیت میت نماز روزہ کا فدیہ دلواتے ہیں سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر وہ وصیت کرے تو ثلث میں سے دینا حق ورثار پر مقدم ہے اور اگر وہ وصیت نہ کرے جس کو دینا ہو خاص اپنے حصے ترکہ یا اپنے پہلے مال سے دے۔

حیلہ اسقاط مروجہ کی تردید

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگوں نے بجائے فدیہ کے ایک حیلہ اختراع کیا ہے کہ ایک قرآن مجید لاتے ہیں اور تمام عمر کی نماز وروزہ بلکہ کہیں کہیں کے معاصی کا حساب لگا کر اس قرآن کی اتنی بڑی قیمت تجویز کر کے کسی مسکین کو دیدیتے ہیں اور اس کا نام اسقاط رکھا ہے چونکہ وہ رسم کسی قاعدہ فقہیہ پر منطبق نہیں اس لئے محض باطل ہے۔

مُردہ دفن کر کے اذان دینے کا ثبوت نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ مردہ دفن کر کے قبر پر اذان کہتے ہیں۔ چونکہ شریعت میں کہیں وارد نہیں اس لئے واجب الترک ہے۔

اگر کہیں کوئی نماز جنازہ جاننے والا نہ ہو تو کیا کرے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض دیہات میں جہاں کوئی نماز پڑھنے والا میسر نہیں میت کو بدون نماز جنازہ کے دفن کر دیتے ہیں۔ میں نے ایک خطبہ میں جبکہ بہت دیہاتی جمع تھے اس کی تدبیر بتلادی تھی کہ اگر ایک آدمی بھی وضو کر کے جنازہ سامنے رکھ کر کھڑا ہو کر صرف چار بار اللہ اکبر کہدے تو نماز فرض جنازہ کی ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ رکن اس نماز کا یہی چار تکبیریں ہیں۔ باقی دعائیں وغیرہ سنت ہیں۔ سو جہاں ایسا موقع ہو اتنا ہی کر لیں۔ ترک فرض کی معصیت سے تو محفوظ رہیں گے۔

قبر میں رکھ کر میت کے بدن کو روبقبلہ اچھی طرح کروٹ دیدینا چاہیئے

ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ مردہ کو قبر میں رکھ کر صرف منہ تو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ باقی سارے بدن کو کروٹ نہیں دیتے۔ سو کتب فقہ میں مصرح ہے کہ تمام بدن کو اچھی طرح کروٹ دے دینا چاہیئے۔

میت کا منہ کھول کر قبر کو دکھانے کی کوئی اصل نہیں

ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ قبر میں رکھنے کے بعد اس کا منہ کھول کر قبر کو دکھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ سو شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں۔

قبر میں عہدنامہ یا شجرہ وغیرہ نہ رکھنا چاہیئے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ قبر میں عہدنامہ یا شجرہ وغیرہ رکھتے ہیں اور میت کے گلنے سڑنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے سو اس کو بھی ترک کرنا چاہیئے۔ البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں اس درجہ کا نہیں اس کا قبر میں رکھ دینا درست ہے جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔

قبر پختہ کرنا ممنوع ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے قبر پختہ بناتے ہیں جس کی نصًا حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

لڑکیوں کو میراث نہ دینا ظلم ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے جو نبص قرآن حرام اور ظلم ہے۔

بیوہ کو تمام منقولات کا مالک سمجھنا بھی ظلم ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے بیوہ عورتیں اپنے کو تمام منقولات کا مالک سمجھتی ہیں۔ یہ بھی ظلم ہے جو چیز شوہر نے اس کو ہبہ کر دی ہو وہ بیشک اس کی ہے۔ ورنہ اور سب ترکہ مشترکہ ہے۔ حسب فرائض سب کو دینا چاہیئے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو چیز جس وارث کے قبضہ میں آجاتی ہے وہ اس کو چھپا ڈالتا ہے مگر یاد رہے کہ قیامت کو سب اگلنا پڑے گا۔

اگر دلہن میکے میں یا سسرال میں مرجاوے تو اس کا مال سب ورثہ کو ملے گا

ایک کوتاہی یہ بھی کا شعبہ یہ ہے کہ اگر دلہن اپنے میکے میں مرجاوے تو اس کے تمام سامان پر وہ لوگ قبضہ کرلیتے ہیں اور اگر سسرال میں مرجاوے تو وہ قابض ہو جاتے ہیں ہم نے کہیں تقسیم شرعی ہوتے سنا ہی نہیں اس میں بھی اوپر کی وعید کو یاد رکھنا چاہیئے۔

میت پر کسی قسم کا قرض اگر دلیل سے ثابت ہو تو انکار نہ کرنا چاہیئے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بجز قرضۂ تمسک کے وست گردان قرض جو میت کے ذمہ ہو اور دلیل شرعی سے ثابت ہو اس کو کوئی شاذ و نادر ترکہ سے ادا کرتا ہے۔ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ میت کا جو ایسا ہی قرضہ اوروں کے ذمہ ہے اور لوگ اس کو بھی مکر جاتے ہیں۔ دونوں امر صریح ظلم ہیں۔ خصوصاً میت پر اگر قرضہ ہو تو ورثہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ بروئے حدیث اس کی روح جنت میں جانے سے معلق رہے گی جب تک قرض نہ ادا ہو تو کیا اپنے عزیز کے لئے اتنا بڑا حرمان گوارا ہوگا۔

اگر میت کا کوئی وارث بطن مادر میں ہو تو اس کے تولد تک میراث تقسیم نہیں ہوگی

ایک کوتاہی یہ ہے کہ کبھی میت کے وارثوں میں وہ بچہ بھی ہوتا ہے جو ابھی لبطن مادر میں ہے۔ ہم کو یاد نہیں کہ کسی مستفتی نے سوال میں کبھی اس کو ظاہر کیا ہو۔ اور ہم جواب دینے والے لوگوں کی بھی کوتاہی ہے اس کا احتمال ہی نہیں ہوتا اور سائل سے اس کی تحقیق ہی نہیں کرتے۔ مذہب کا ضروری مسئلہ ہے۔ بہت زیادہ قابل اعتناء کے ہے۔ بدون اس کے تولد کے تقسیم ترکہ کی صورت معلق رہے گی۔ بعد تولد کے صحیح سوال قائم ہوگا۔

کفن میں میت کی لنگی باندھ دینا بدعت ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ کفن میں میت کی لنگی باندھی جاتی ہے۔ جو بالکل بدعت ہے۔ بعض اردو خوانوں کو ازار یا اس کا ترجمہ لنگی دیکھ کر دھوکہ ہوا ہے سو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بھی پورا چادر ہوتا ہے۔

چونکہ لنگی کے حصہ کا وہ چادر امشروع ہوا ہے اس لئے اس کا نام یہی ہوگیا۔

شوہر اپنی مُردہ بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے اور اس کے جنازہ کا پایہ بھی پکڑ سکتا ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ شوہر کو اس کی مردہ بیوی کا منہ نہیں دیکھنے دیتے نہ اس کے جنازہ کا پایہ پکڑنے دیتے ہیں یہ محض لغو ہے۔ میت کو ہاتھ لگانا تو بلاضرورت جائز نہیں لیکن منہ دیکھنا درست ہے اور پایہ پکڑنا مستحب ہے۔ بلکہ اگر کوئی محرم قبر میں اتارنے والا نہ ہو تو اور اجنبیوں سے شوہر احق ہے اور عورت کے لئے تو مردہ شوہر کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

کثرت آدمی کیلئے جنازہ کو دیر کرنا جائز نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ نماز جمعہ کے انتظار میں جنازہ کو رکھے رکھتے ہیں کہ زیادہ نمازی نماز پڑھیں گے۔ سو یہ بالکل جائز نہیں۔ جس قدر جلد ممکن ہو نماز اور دفن سے فراغت کرنا واجب ہے

اگر میت نے کسی خاص شخص سے نماز پڑھوانے یا کسی خاص جگہ دفن کرنے کی وصیت کی تو شرعاً ایسی وصیتیں لازم نہیں ہوتیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض اموات کسی خاص شخص سے نماز پڑھوانے یا کسی خاص مقام پر دفن ہونے کی وصیت کر جاتے ہیں تو احیاء اس کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ بعض اوقات بعضے واجبات شرعیہ بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ سو جان لینا چاہیئے کہ ایسی وصیتیں شرعاً لازم نہیں ہوتیں اگر کوئی امر خلاف شرع لازم آوے تو اس پر عمل جائز بھی نہیں۔

الحمد للہ قسم سوم سے بھی فراغت ہوئی اس وقت ذہن میں یہی امور ظاہر ہوئے جو انشاء اللہ تعالیٰ قریب قریب کافی ہیں باقی اگر کوئی اور بات قابل تحقیق خیال میں آوے تو علماء سے رجوع کر لیا جاوے۔ جیسا حالت قبل موت کے بیان کے ختم پر بھی عرض کیا ہے۔

سفر کے معاملے میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بسفر)

منجملہ ان امور کے جن میں انقلاب واجب الاصلاح واقع ہوا ہے۔ سفر بھی ہے جو ایک معمولی روزانہ کی حالت ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے انقلاب کی طرف ذہن بھی نہیں جاتا مگر ہماری بے علمی اور بدعملی سے اتنا بڑا خفیف امر بھی اس انقلاب سے محفوظ نہیں رہا۔ چنانچہ مختصراس کو بھی لکھا جاتا ہے۔

بلا ضرورت سفر نہیں کرنا چاہیئے

سو منجملہ ان کوتاہیوں کے جو سفر کے متعلق ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بکثرت سفر بلا ضرورت کیا جاتا ہے جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد میں ناپسند فرمایا ہے کہ جب سفر میں تمہاری حاجت پوری ہوجاوے تو اپنے گھر جلدی لوٹ آؤ۔ اس واسطے کہ سفر سے کھانے پینے سونے میں خلل پڑتا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب بلا ضرورت البقاء سفر پسند نہیں تو اس کا احداث تو بدرجۂ اولیٰ ناپسند ہوگا۔ کیونکہ احداث سے البقاء اہون اور اسہل ہے اور واقعی جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ سفر میں تمام سامان ضروری آسائش کا مختل ہوجاتا ہے۔

اور جس طرح طبعی آسائش میں خلل پڑتا ہے۔ اسی طرح شرعی زندگی میں یعنی دینی معمولات میں بھی اختلال واقع ہوتا ہے۔ جو مبتدی کے لئے خصوصیت کے ساتھ اور منتہی کے لئے بھی ایک درجہ میں مضر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ایک حدیث میں نص ہے کہ اگر مرض یا سفر کے سبب معمولات میں خلل پڑتا ہے تو حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کے لئے اتنا ہی ثواب لکھنا جتنا حالت صحت وحضر میں لکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختلال معمولات اوراد کا مضر نہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ اس سفر کیلئے ہے جو بضرورت ہو۔ اس لئے کہ اوپر غیر ضروری سفر کا ناپسندیدہ ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس کو اجر کے باب میں عذر کیسے کیا جاوے گا۔ اور اجر کی قید اس لئے لگائی کہ ایسے سفر میں قصر صلوٰۃ کی مشروعیت پر شبہ نہ ہو۔ حتیٰ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو سفر معصیت میں بھی قصر مشروع ہے تو اس قید سے یہ شبہ جاتا رہا۔ حاصل یہ ہے کہ قصر تو احکام دنیویہ سے ہے۔ اس کے سفر کا مرضی یا نامرضی ہونا مانع نہیں بخلاف اجر کے کہ احکام اخرویہ میں سے ہے۔ اس کا مدار رضا پر ہے جیسے ایک شخص کسی دنیوی غرض سے قتال کر کے شہید ہو جاوے تو اس کے متعلق جو احکام دنیویہ ہیں مثلاً غسل نہ دینا وغیرہ۔ وہ تو اس صورت میں بھی مرتب ہو جاویں گے باقی جو احکام اخرویہ ہیں مثلاً اجر و ثواب و درجات وہ مرتب نہ ہوں گے جب تک وہ قتال عنداللہ مرضی و پسندیدہ نہ ہو کہ نیت خالص اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو۔

ایک اور شبہ کا ازالہ

اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ کھانے سونے میں خلل پڑنا تو مجاہدہ ہے۔ اور مجاہدہ بھی اصل طریق ہے تو اس کا سبب کہ سفر ہے کسی حال میں ناپسندیدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اول تو ہر اختلال فی الطعام والمنام مجاہدہ نہیں۔ مجاہدہ وہی ہے جو بغرض اصلاح نفس کیا جاوے تو اگر ایسا ہے تو اس میں کلام نہیں چنانچہ عنقریب اس کے جواز کی تحقیق آتی ہے کلام تو اس سفر میں ہے جو محض بلا مصلحت معتد بہا کیا جاوے مثلاً صرف تعطیل پوری کرنے کو، یا محض شہروں کی سیر کرنے کو، یا نمائش دیکھنے کو، ونحو ذلک یا اس سے بڑھ کر کسی معصیت کی تحصیل و تکمیل کو اس میں

کون سی اصلاح نفس ہے پس اس میں جو اختلال ہوگا وہ مجاہدہ کس طرح ہوگا۔

ایک تیسرے شبہ کا ازالہ

اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی تمام عمر ہی سیر سیاحت میں گذار دی۔ ایک جگہ قرار ہی نہیں لیا۔ اور ظاہر ہے کہ تمام عمر کسی کو حاجت نہیں رہتی تو انہوں نے کیا حدیث کے خلاف کیا؟

جواب یہ ہے کہ حاجت منحصر دنیوی اور نفسانی ہی حاجت میں نہیں ہے۔ اس سے زیادہ اپنی اصلاح اور حفظ دین کی حاجت ہے۔ سو بعضے بزرگوں کو اپنے تجربے سے یا کسی شیخ کامل کی تشخیص سے قیام میں مفرتیں محسوس ہوئیں مثلاً مخلوق سے زیادہ تعلق ہو جانا، لوگوں کا معتقد ہو جانا۔ جبکہ اس سے عجب وغیرہ کا اندیشہ ہو یا بد اندیشیوں سے اندیشہ ضرر لاحق ہونا ومثل ذالک۔ اور سفر میں ان آفات سے نجات دیکھی اور غوائل سفر سے محفوظ رہنے کی امید دیکھی۔ اس لئے سفر اختیار کر لیا سو وہ سفر بلا ضرورت نہ ہوا۔ جیسا کہ سیر میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر سفر میں رہتے تھے سو اختلاف مذاق سے مصلحتیں بدل جاتی ہیں مگر اس کا تشخیص کرنا کہ ہمارے لئے سفر نافع ہے یا مضر موقوف ہے۔ بڑی بصیرت پر ہر شخص کو اپنی رائے پر وثوق نہ کر لینا چاہئے۔ کسی شیخ کامل سے ضرور مشورہ کر لے کہ اس کی اور اس کے متعلقین اہل حقوق کے مصالح پر عمیق نظر کر لے۔ اور جس طرح دینی مصلحت مبیح سفر ہے۔ اسی طرح دنیاوی مصلحت بھی جو حسب قواعد شرع بھی مصلحت ہو مجیز سفر ہے۔ جیسا تلاش معاش حلال کے لئے سفر کرنا، یا تعدیل مزاج کے لئے سفر کرنا جبکہ طبیب نے تجویز کیا ہو یا کسی دوست یا قریب سے ازدیاد محبت وسرور کے لئے سفر کرنا، یا کسی نافع تحقیق کے لئے سفر کرنا بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو جیسا کہ بعض شائقان تحقیقات جدیدہ کو غلو ہو گیا ہے۔ کہ ان کی مساعی شاقہ اس مثل کا مصداق ہو جاتی ہیں۔ کوہ کندن وکاہ برآوردن جن کی مذمت اس آیت میں بھی ہے وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھم اشد منھم بطشا فنقبوا فی البلاد آلایۃ

اور جب بلا ضرورت سفر مذموم ہے تو معصیت کے لئے سفر کرنا تو بہت ہی قبیح ہوگا۔ پھر بعض امور تو صورۃً بھی معصیت ہیں۔ جیسے کسی نامحرم عورت سے نفسانی خواہش پورا کرنے کو سفر کرنا، یا ناچ رنگ دیکھنے کے لئے سفر کرنا، یا نامشروع رسم شادی میں شریک ہونے کے لئے سفر کرنا۔ ومثل ذالک۔

اور بعض امور عوام کے نزدیک طاعات وقرب ہے مگر اہل علم کے نزدیک معصیت ہے۔ جیسے آج کل کے اعراس میں جانا مزارات پر نذر ونیاز کے لئے حاضر ہونا۔ یا عوام کے نزدیک مباح ہے اور اہل علم کے نزدیک قبیح ہے۔ جیسے ان شادیوں میں یا براتوں میں شریک ہونا جن میں ناچ رنگ وغیرہ نہ ہو۔ لیکن تفاخر و ناموری کے سارے کام ہوں عوام تو یہ سمجھ کر تسلی کر لیتے ہیں کہ اس میں ڈومنی نہیں، ناچ نہیں گناہ کی کیا بات ہے۔ لیکن اہل علم کے نزدیک جس طرح یہ امور معصیت ہیں اسی طرح کبر وفخر وریا وجاہ کا سامان سب معصیت ہے۔ ان دونوں میں فرق کرنا اہل علم کی نظر میں محل تعجب ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

ریا حلال شمارند وجام بادہ حرام
زہے شریعت وملت زہے طریقت وکیش

اور بعض امور ایسے دقیق ہیں کہ بعض اہل علم بھی ان کو مباح یا قربت سمجھتے ہیں۔ مگر محققین راسخین فی العلم ہی اس کی تہ تک پہنچ کر اس کو روکتے ہیں مثلاً شیخ کامل کی زیارت کے لئے سفر کرنا، جبکہ والدین مانع ہوں۔ ظاہر بین اہل علم بھی اس خیال میں مبتلا ہیں کہ پیر کا حق والدین سے زیادہ ہے کیونکہ وہ مربی روح ہے اور والدین مربی جسم ہے۔

سو حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ مقدمہ علی الاطلاق بھی ہو تو دوسرا مقدمہ ہنوز محتاج اثبات ہے۔ یعنی ہر مربی روح کا حق ہر مربی جسم سے زیادہ ہے۔ بات یہ ہے کہ تربیت روح کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ تو تربیت فی الفرائض والواجبات کا ہے اس میں تو واقعی شیخ کا حکم مقدم ہے حکم والدین پر۔ اور وہ بھی نہ اس وجہ سے کہ وہ شیخ ہے۔

بلکہ اس وجہ سے کہ وہ واجبات شرعیہ کی طرف رہبری کر رہا ہے اور اگر والدین اس سے روکتے ہیں تو معصیت کی طرف بلا رہے ہیں اور لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (ترجمہ) (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں) قانون شرعی ہے پس واقع میں یہاں خالق کی اطاعت مقدم ہوئی مخلوق کی اطاعت پر نہ کہ شیخ کی اطاعت مقدم ہوئی اطاعت والدین پر۔

اور ایک مرتبہ تربیت فی التطوعات کا ہے سو اس میں والدین کا حکم مقدم ہے تطوعات پر نہ اس وجہ سے کہ یہاں والدین کی اطاعت مقدم ہو گئی ہے خالق کی اطاعت پر بلکہ اس وجہ سے کہ یہاں خالق کا امر ہی نہیں۔ ان تطوعات کے لئے بلکہ خالق نہ مخلوق کی احتیاج کی رعایت

فرماکر خود یہ حکم فرما دیا کہ اسی کی مصلحت کی رعایت کرو سو فی الواقع یہاں بھی خالق ہی کی اطاعت ہوئی۔

دوسری مثال جن کی قعر تک راسخین فی العلم ہی پہنچتے ہیں۔ سفر کرنا طلب علم دین کے لئے جبکہ والدین مانع ہوں کہ یہاں بھی ظاہراً تحصیل علم دین مقدم ہے۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ آیا ہر درجہ تحصیل علم کا واجب وفرض ہے کہ وہ اطاعت والدین پر مقدم ہو۔ سو اس میں مثل بھی امر بالا وہی تفصیل ہے۔ کہ ایک درجہ واجب کا ہے وہ مقدم ہے حقوق والدین پر مگر وہ اردو میں بھی حاصل ہو سکتا ہے اور وہ عربی کے ملخص نصاب سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے تبحر فی العلوم النقلیۃ کی کون سی ضرورت ہے۔ کہ خواہ والدین کو کیسی ہی جسمانی یا روحانی کلفت ہو مگر یہ بدون زواہد ثلثہ کے ایک ایک حرف کے دھوئے ہوئے ادھر رخ نہ کریں گے۔ اور ایسے مضیعین حقوق تو عاصی ہوتے ہی ہیں۔ میرے نزدیک تو جو لوگ ان کے طبق وسبق کا انتظام کرتے ہیں وہ بھی ملامت سے نہ بچیں گے کہ اعانت کرتے ہیں امر غیر مشروع پر۔

اور ایک مضمون اس باب میں اس سے زیادہ نازک ہے وہ یہ کہ بعض ظاہر بین یہاں تک تو پہنچ جاتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں شیخ کی یا استاد کی خدمت وصحبت میں رہنا نہ چاہیئے بلکہ والدین کی خدمت واطاعت کرے مگر ان کو اس میں اس قدر غلو ہو جاتا ہے کہ اس سے نیچے کی تہ کو نہیں دیکھتے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ طالب جس کام میں مشغول ہے وہ مندوب ہے اور اطاعت والدین کی واجب ہے اور واجب مقدم ہے مندوب پر پس اس شخص کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنے شغل کو چھوڑ کر والدین کے پاس جاوے۔ سو اس نے اتنا تو صحیح سمجھا کہ واجب مقدم ہے۔ مندوب پر۔ مگر غلطی یہ ہوئی کہ اس کو مندوب سمجھ لیا اور غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے جزو حالی کو دیکھا جزو مالی کو نہیں دیکھا بعض امر ایسا ہوتا ہے کہ باعتبار حال کے وہ غیر ضروری نظر آتا ہے لیکن باعتبار مآل کے مقدمہ ہوتا ہے کسی امر واجب کا اور ظاہر ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے۔

پس اس بنا پر وہ واقع میں واجب ہی ہوتا ہے اور واجب کا تقدم حق والدین پر ہوتا ہے اس لئے ان ظاہر بینوں کا حکم اس میں غلط ہو جاوے گا۔ اور یہ امر اس قدر دقیق ہے کہ بعض دفعہ اہل ظاہر اس کو قبول کرنے میں بھی تامل کرتے ہیں۔ محققین نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر خلوت و ریاضت سے طبیعت ملول ہو جاوے اور قرائن سے معلوم ہو کہ اگر اس حالت کو امتداد ہو گا تو طبیعت

بے کار ہو جاوے گی تو اس شخص پر واجب ہے کہ خلوت چھوڑ کر تفریح مباح میں مشغول ہو۔ باہر نکلے، دوستوں سے ہنسے بولے۔ جب طبیعت میں تازگی و نشاط پیدا ہو جاوے۔ تب پھر خلوت میں بیٹھ جاوے۔

ان محققین پر بڑی ملامت کی گئی ہے۔ کہ اوراد کو جو طاعات ہیں منہی عنہ اور مزاح کو جو کہ دین کا کام بھی نہیں واجب کہتے ہیں مگر جو شخص علوم شرعیہ میں اتقان و امعان کا درجہ رکھتا ہے اس کو اس حکم میں کچھ بھی تعجب نہ ہوگا۔ حدیث تو اس سے زیادہ کی تصریح کر رہی ہے وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب و پاخانہ کے دباؤ کے وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ سو دیکھیے کہ پیشاب و پاخانہ تو مزاح سے بھی ادون ہے۔ اور فرض نماز اوراد سے بھی اعلیٰ ہے۔ جب اس شخص پر خاص حالت میں نماز کو تو حرام اور تغوط کو تو واجب فرمایا۔ تو ان بعض محققین پر ملامت کی کیا گنجائش ہے تو اس مزح کے وجوب کا سبب یہی ہے کہ تعطل و بطالت و کسل کا علاج واجب ہے تاکہ اس کا اثر فرائض و واجبات تک نہ پہنچ جاوے۔ اور اس واجب کا طریق عادۃً اس شخص کے لیے یہی مزاح ہو گیا تھا اس لئے یہ مزاح بھی واجب ہو جاوے گا۔

اسی طرح بعض حالات میں مبصر کو کسی خاص شخص کی استعداد دیکھ کر ادراک ہوتا ہے کہ اگر اس کو تبحر فی العلوم و احاطہ نقلیات و عقلیات کا نہ ہوا یا یہ شخص کسی شیخ کامل کے پاس چندے نہ رہا تو آئندہ کسی وقت اس کے کسی ضروری جزو دین میں خلل واقع ہونا غالب ہے اور اس کی حفاظت ہے واجب۔ اور اس کا طریقہ یہی تبحر و تفرغ للعبادۃ الی مدۃ معدودۃ ہے اس لئے یہ مبصر اس شخص کے لئے اس مندوب ظاہری کو واجب کہے گا اور اس ظاہر بین کے حکم و تجویز کو غلط سمجھے گا۔ چنانچہ محققین کے کلام میں ایسی تصریحات موجود ہیں۔ پس اس ظاہر بین کو چاہیئے کہ وہ حدیث الشاھد یری مالا یراہ الغائب پر عمل کر کے اپنی رائے پر وثوق نہ کرے اور اس طالب کو تقدیم حق والدین کی رائے نہ دے۔

حضر علیہ السلام کے تصرفات کا مبنی یہی مآل بینی تھی گو وہ کمال موسوی سے اس لئے بڑھا ہوا نہ تھا کہ منشا اس مال بینی کا کشف تھا اور ان واقعات کو فراست اور بصیرت سے کوئی تعلق نہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام یہی تھا۔ اس لئے ان کی نظر سے یہ امور غائب رہے اور ادراک بصیرت

ادراک کشف سے افضل و اکمل ہے اس لئے افضل موسیٰؑ ہی تھے۔

بعض جگہ اس مبصر کے نزدیک خود اس طالب پر اندیشہ اس کا نہیں ہوتا کہ بدون تبحر فی العلوم کے اس کا کوئی ضروری دینی جزو مختل ہو جاوے گا۔

مگر یہ طالب ہے ایسے مقام کا رہنے والا جہاں جہل و فساد غالب ہے اور اس کے ساتھ ہی کسی کو تحصیل علم دین کی طرف توجہ نہیں جس سے ان کی اصلاح ہو پس گو اس نواح والوں پر بطریق فرض کفایہ ہی تبحر واجب ہے مگر کوئی اس میں مشغول نہیں تو سب ہی گنہگار ہوں گے اور ان سب میں یہ طالب بھی گنہگار ہوگا اور گناہ سے بچنا واجب ہے اس لئے اس واجب پر نظر کر کے یہ مبصر اس طالب کو رائے دے گا کہ تم والدین کے امر کو چھوڑ کر تبحر علوم میں حاصل کرو۔ اور اپنی قوم کی اصلاح کرو۔ اس لئے ایسے مشتبہ مواقع میں اپنی یا محض ظاہر پرست کی رائے پر وثوق نہ کرے کسی محقق حکیم مبصر جامع ظاہر و باطن سے فتویٰ لے کر اس کا اتباع کرے۔

تیسری مثال ایسے امور دقیقہ کی جن کو بعض اہل علم بھی مباح یا قربت سمجھتے ہیں مگر محققین راسخین اس کو روکتے ہیں۔ سفر کرنا حج نفل کے لئے ظاہراً قربت معلوم ہوتا ہے مگر بعض اشخاص کے خاص حالات سے محقق کو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا حج کرنا اس لئے مضر ہوگا کہ یا تو اس سے فرض نماز کی پابندی نہ ہوگی یا اہل و عیال کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے۔ یا قلت زادراہ کے سبب تکلیفیں اٹھاوے گا اور اس کے قلب میں بیت اللہ یا صاحب البیت سے تنگی و شکوہ پیدا ہوگا جیسا بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے یا یہ کہ سوال حرام میں مبتلا ہوگا ونحو ذلک۔ اور یہ سب معاصی ہیں اور معصیت کا سبب بھی معصیت ہے اس لئے وہ محقق اس شخص کو حج سے منع کرتا ہے اس لئے کہ جس طرح مقدمۃ الواجب واجب قاعدہ ہے۔ اسی طرح مقدمۃ الحرام حرام بھی ایک قاعدہ ہے جس میں بعض اوقات مثل قاعدہ بالا ظاہر بینوں سے غلطی بھی اور ان کو اہل بصیرت کے بعض احکام پر استعجاب بھی ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ ایک محقق کا یہاں تک قول ہے کہ اگر کسی شخص کو شریعت سفر حج کی اجازت نہ دے اور قرائن قویہ سے یہ معلوم ہو کہ اگر وہاں کے حالات اس شخص کے سامنے بیان کئے جائیں گے تو اس کو اس قدر شوق ہوگا کہ یہ اضطراراً سفر میں چل کھڑا ہوگا۔ تو ایسے شخص کے سامنے ایسے شوق انگیز حالات بیان کرنا تک جائز نہیں۔ ان محقق پر اس حکم میں بے حد ملامت ہوئی

کرتوبہ توبہ وہاں کے حالات بیان کرنے کو منع کر دیا۔ مگران بزرگ معترضوں نے یہ نہ دیکھا کہ جس دلیل سے یہ منع کر رہے ہیں آیا اس کے کسی مقدمہ میں کوئی خدشہ ہے اگر ہے تو اس کو صاف کرنا چاہیئے اگر نہیں ہے تو ماننا چاہیئے مقدمات کو تسلیم کرکے نتیجہ میں کلام کرنا محض تحکم واعتساف وکج روی وبے راہی ہے۔ یہی ہے وہ قاعدہ جس کی بنا پر محققین اکثر بدعات کو منع کرتے ہیں اور عامی نظر کے لوگ، یا اہل تعنت اُن سے اُلجھتے ہیں اسی کو کہا ہے:

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفتہ من الفہم السقیم

سفر شروع کرنے کے بعد کی کوتاہیاں

یہاں تک ذکر تھا اس کوتاہی کا جو سفر شروع کرنے سے متعلق واقع ہوتی ہے۔ بعض کوتاہیاں بعد سفر شروع کرنے کے ہوتی ہیں مثلاً بعضے آدمی رفیقان سفر سے ذرا ذرا بات پر اُلجھتے ہیں کہیں اس پر کہ تم اپنی باری میں جاگے کیوں نہیں؟ کہیں اس پر کہ اسباب ہم اٹھاتے ہیں تم کیوں نہیں اٹھاتے اس پر کہ تم نے گاڑی کا کرایہ زیادہ دیا یا کہیں اور زیادہ خرچ کر دیا خصوص سفر حج میں کہ گنوار بھی نوابی مزاج کا ہو جاتا ہے سو یہ بات سخت بد خلقی میں داخل ہے اول تو یہ امور قابل خیال ومطالبہ کے نہیں دوسرے اگر ان کا مطالبہ ہی رفیق سے مطلوب ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ یہ اس کے عیب چھانٹے اور وہ اس کے عیب نکالے۔ بلکہ طریقہ سہل اور مجرب النفع یہ ہے کہ تم اس سے کچھ مت کہو خود برابر کام کیے جاؤ اس سے خود وہ شرماوے گا۔ اور خود بھی کام کرے گا۔ اور اگر وہ اس سے بھی متاثر نہ ہو اور تم میں صبر وتحمل نہ ہو تو بہتر ہے کہ اس سے عقد رفاقت قطع کر دو اور جواب دے دو کہ اب سے ہم تم رفیق نہیں بس مثل دیگر مسافروں کے اس سے معاملہ رکھو کہ نہ دوستی وشرکت اور نہ دشمنی ومزاحمت۔

بعض لوگ رفیقوں سے تو اچھا معاملہ رکھتے ہیں لیکن دوسرے مسافروں سے بد خلقی کرتے ہیں کبھی اپنے نفس کے لئے اور کبھی اپنے رفیق کے لئے۔ خصوص ریل میں کہ اکیلا آدمی یا دو آدمی کئی کئی آدمیوں کی جگہ گھیر کر کچھ خود پھیل کر کچھ اسباب وبستر پھیلا کر بیٹھتے ہیں اور نئے آنے والوں کو تو اکثر آنے ہی نہیں دیتے۔ طرح طرح کے حیلے کرتے ہیں۔ کبھی زور وظلم سے بھی کام لیتے ہیں اور اگر وہ چلے

ہی آئے تو ان کو بیٹھنے کی جگہ نہیں دیتے کسی کسی اسٹیشن وہ لوگ کھڑے ہو کر قطع کرتے ہیں اور ان کو ذرا مروت و رحم نہیں آتا۔ یہ نہیں سوچتے کہ اگر ہم ان کی جگہ ہوتے اور یہ ہماری جگہ تو ہم اس وقت ان سے کس معاملہ کے متمنی ہوتے۔ پس وہی معاملہ ہم کو ان سے کرنا چاہیئے اور نہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ شرعاً بھی جائز نہیں۔ جیسے کہ اور بھی بعض ناجائز امور کا ریل میں ارتکاب کیا جاتا ہے جس کی جزئیات کو بقدر ضرورت ہمارے محب و مکرم مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے ایک رسالے کی شکل میں جمع فرمایا ہے جس کا نام رفیق سفر یا زاد المسافرین ہے اور انشاء اللہ عنقریب طبع ہو جائے گا۔ اس لئے ہم ایسے جزئیات کے ذکر کا اس جگہ اہتمام نہیں کرتے اور یوں بلا قصد کوئی جزئیہ قلم میں آجاوے وہ اور بات ہے۔

بعضے آدمی مشترک سواری میں (جیسے گھوڑا گاڑی یا اونٹ گاڑی یا موٹر ریل) ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے۔ خاص کر ایسے غربا کو اذیت جو ان کی وجاہت کے سبب ان کے سامنے ...... دم بھی نہ مار سکیں۔ مثلاً سگریٹ پینا اور دھواں باہر چھوڑنے کا کوئی خاص اہتمام نہ کرنا۔ یا شب کے وقت غل مچا کر باتیں کرنا یا گانا بجانا اور کوئی بیہودہ ہنسی مذاق کرنا یا قول یا فعل فحش اختیار کرنا اور اس کو مشغلہ سفر سمجھنا چاہیئے۔ تو یہ کہ دوسروں کو راحت پہنچاوے اور اگر اس کی توفیق نہ ہو تو کم از کم اس پر تو عمل رکھیں۔ مصرعہ

مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان

بعضے آدمی مالک سواری سے بدعہدی کرتے ہیں مثلاً معاہدہ ہوا ہے چار آدمی کے بٹھلانے کا اور بٹھا دیئے پانچ چھ۔ اگر وہ نزاع بھی نہ کریں۔ تب بھی اس کو جائز نہ سمجھنا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جب خاموش ہو گیا تو راضی ہی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات خاموشی بوجہ مروت و لحاظ کے ہوتی ہے مگر دل سے رضا نہیں ہوتی۔ تو ایسی خاموشی کافی نہیں۔ اور بعض دفعہ وہ نزاع بھی کرتا ہے مگر خواہ مخواہ اس کو دباتے ہیں کبھی کہتے ہیں میاں ایسی کیا بے مروتی ہے ؟ کبھی کہتے ہیں کہ میاں سواریاں ہی کیا ہیں دو تو بچے ہی ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ارے بھائی دو پیسے زیادہ لے لینا۔ کبھی کہتے ہیں کہ کسی دوسرے وقت سمجھ لینا اور واہی تباہی عذروں سے کام لیتے ہیں۔ اور اس سے بحث نہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ جب معاہدہ بدلے تو مالک سے صاف اطلاع کرے اور اس کے متعلق مستقل گفتگو کرکے جس طرح باہم طے ہو جائے اس کے موافق عمل کرے محض اپنے جی کو سمجھا لینا کافی نہیں۔

مزدوری کے متعلق کوتاہی

بعضے آدمی مزدور کی مزدوری نہیں ٹھہراتے، پھر بعضے تو بلا کسی ضابطہ کے جو جی میں آیا دے دیا۔ خواہ دوسرا راضی ہو یا نہ ہو اس کا ظلم ہونا تو ظاہر ہی ہے اور بعضے اپنے زعم میں بے راہی سے بچتے ہیں اور ضابطہ کی پابندی کرتے ہیں یعنی اس محکمہ کے قواعد کے موافق کہ فی عدد اس قدر دیا جاوے کہ دیدیتے ہیں اسی طرح گاڑی وغیرہ کا کرایہ گھنٹوں کے حساب سے دینے کو کافی سمجھتے ہیں ہم نے خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات دوسرا آدمی یعنی مزدور اور گاڑی والا اپنی ناراضا مندی تصریحاً ظاہر کرتا ہے کہ صاحب ایک پیسہ تو فلانا ہی لے لیگا۔ دیکھئے! کیا وزنی اسباب ہے، اس کا تو زیادہ دینا چاہیئے۔ فی عدد کا حساب تو مختلف مقدار کی گٹھریوں میں ہے۔ دیکھئے! چاروں گٹھریاں بڑی ہی بڑی ہیں۔ مشکل سے اٹھائی ہیں ایک ایک عدد دو آدمیوں کے اٹھانے کا ہے۔ آپ اس کا بھی اسی حساب سے دیتے ہیں؟

غرض اس طرح سے وہ اپنی ناراضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ مگر یہ حضرات ان سب معروضات کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ صاحب ان لوگوں کی یہ عادت ہی ہوتی ہے۔ غرض التفات ہی نہیں کرتے اگر وہ زیادہ بولا دھمکاتے ہیں۔ حملہ بھی کرتے ہیں وہ غریب خاموش ہو کر رہ جاتا ہے۔

عقد اجارہ میں مزدور یا مالک کی رضامندی شرط ہے

سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ عقد اجارہ میں مزدور یا مالک کی رضامندی شرط ہے کوئی ضابطہ مقرر ہو جانا شرعاً کافی نہیں یہ مسئلہ تسعیر کا ہے جس کو فقہاء نے ناکافی لکھا ہے۔ البتہ اس سے منتفع ہونے کی ایک صورت ہے جو شرع کے موافق ہے وہ یہ کہ پہلے سے یہی کہہ دیا جاوے کہ دیکھو! ہم اس ضابطہ کے موافق دیں گے اس کے بعد جب اس نے کام شروع کر دیا یا سواری میں بٹھلا لیا اب وہ اس کے حق میں حجۃ اور لازم ہو گیا۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

بعضے آدمی اسباب شرط سے زیادہ لادلیتے ہیں بلکہ بعضے کچھ شرط ہی نہیں کرتے اور سواری والا یہ سمجھ کر خاموش ہو جاتا ہے کہ معمول کے موافق ہوگا۔ مگر عین وقت پر اس کے زعم میں ثابت ہوتا ہے زیادہ تو وہ تکرار کرتا ہے۔ اور باہم اختلاف اور نزاع ہوتا ہے پھر جو بھی غالب آ گیا سو اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ جہاں سواری کا مالک خود کہدے کہ اس سے زیادہ اسباب نہ رکھا

جاوے اور پھر اس سواری کو یہ کرایہ کرے تو اس شرط کو اس نے منظور کر لیا پھر اس سے زیادہ لے جانا کسی طرح جائز نہیں جب تک وہی راضی نہ ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مالک کا راضی ہونا شرط ہے جس نے شرط ٹھہرائی ہے کسی دوسرے ملازم وغیرہ کا راضی ہونا کافی نہیں۔ البتہ اگر ملازم کو اختیارات شرط ٹھہرانے کے بھی دیئے گئے ہوں تو پھر اس کی رضا بھی کافی ہے۔

ریل وغیرہ میں قانون سے زائد اسباب لے جانا جائز نہیں

یہاں سے ریل میں قانون سے زائد اسباب لے جانے کا حکم اور یہ بھی کہ اگر ریلوے سے ملازم چھوٹے بڑے زیادہ کی اجازت دیدیں تو اس کا ناجائز ہونا بھی معلوم ہو جاوے گا خواہ وہ کچھ لے کر اجازت دیں یا ویسے ہی رعایت کریں۔ کیونکہ وہ ریل کے مالک نہیں اور اگر مالک کی طرف سے کوئی شرط وقانون وغیرہ نہیں ہے تو پھر اس سے کرایہ کرتے وقت دکھلاوے کہ یہ اسباب ہے یا وزن بتلادے کہ اتنا ہوگا اس سے زیادہ ناجائز ہوگا۔

میں نے اپنے بعض اساتذۂ کتب ابتدائیہ سے رئیس الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین صاحب قدس سرہ کی حکایت سنی ہے کہ اسباب دکھلانے کے بعد اگر کوئی شخص ایک خط بھی دیتا تھا کہ فلاں شخص کو دیدیجئے تو فرمادیتے تھے یہ گھوڑے والے سے اجازت لے لو کیونکہ یہ مشروط سے زیادہ ہے۔ میرا اس حکایت کے نقل کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ یہاں تک رعایت واجب ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دیکھئے! احتیاط والے امر غیر واجب تک کی رعایت واہتمام کرتے ہیں۔ جس سے غرض یہی ہوتی ہے کہ دوسرے دیکھنے والے واجب کا تو خیال کریں گے تو مطمح نظران کا تعلیم ہی ہے۔ اب اس کے بعد شبہ غلو یا تقشف کا بھی زائل ہوگیا سو اس حالت میں ہم کو امور واجبہ کی تو رعایت واہتمام کرنا چاہیے یہ غلطیاں تو معاملات کے متعلق تھیں جو سفر میں ہوتی ہیں۔

سفر میں نماز چھوڑنا دیانات کے خلاف ہے

بعض غلطیاں دیانات کے متعلق ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض آدمی سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جی کو سمجھا لیتے ہیں کہ وضو اور نماز میں بڑی مشکلیں پڑتی ہیں اس لئے قضا کر لیں گے مگر کوئی ان سے پوچھے کہ وہ مشکلیں قابل برداشت ہیں یا ناقابل برداشت ہیں۔ اگر قابل برداشت ہیں تو فرض کے لئے برداشت کرو اور ناقابل برداشت ہیں تو جو لوگ سفر میں نماز کے پابند ہیں وہ کیسے برداشت

کرتے ہیں ؟ واللہ اگر کسی خفیف سی دنیوی غرض کی تکمیل میں اس سے بدرجہا زائد اہتمام کرنا پڑے تو خوشی خوشی سب گوارا کریں مگر وہ تو دین ہی کے نام سے زدح قبض ہوتی ہے۔ بعض نماز تو پڑھتے ہیں لیکن اس کے شرائط وارکان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ کوئی تیمم ہی کر رہا ہے اور پانی اسٹیشن پر پائپ کے اندر موجود مگر طبیعت قبول نہیں کرتی کہ وہ پانی پاخانہ کا ہے گو اس میں پاخانہ ملا ہوا نہیں مگر منسوب پاخانہ کی طرف ہے۔

غضب کی بات ہے کہ شریعت کے ہوتے ہوئے دینیات میں طبیعت کو ترجیح دی جاوے۔ پھر تیمم بھی کپڑے پر جس پر غبار بھی ندارد جو اجازت تیمم کی صورت میں بھی جائز نہیں۔ اور تختہ پر گرد موجود ہے مگر اس کو یہ کہہ کر اڑا دیا کہ اس کا کیا اعتبار۔ کاش اگر مسائل شرعیہ کی تحقیق کرتے تو یہ مسئلہ بھی ان کو معلوم ہوتا کہ ایسی صورت میں ان کے اس وہم ہی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اصل اشیاء میں طہارت ہے جب تک تختہ کا نجس ہونا یقینی نہ ہو اس وقت تک طاہر ہی ہے۔

بعضے استقبال قبلہ ہی کی ضرورت نہیں سمجھتے محض اس لئے کہ رخ سیدھا کرنے میں قدرے تکلیف کرنا پڑتا ہے۔ سو اگر دیکھا جاتا کہ یہ لوگ دنیا کے کسی کام کے لئے خفیف مشقت بھی گوارا نہیں کرتے تو ان کے اس عذر کو سنا جاتا۔ گو سننے کے بعد اس کا غلط ہونا سمجھا دیا جاتا کہ دینی احکام کو دنیاوی مصالح پر قیاس نہیں کر سکتے کہ یہ تمہارے اختیاری امور ہیں اور وہ بوجہ ایجاب الٰہی کے غیر اختیاری تو ایک کا قیاس دوسرے پر چہ معنی ؟ لیکن جب دنیوی مقاصد کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی جاتی ہیں اس حالت میں تو نماز کے باب میں ان کا یہ عذر قابل سماعت بھی نہیں تا بقبول چہ رسد

بعضے آدمی کھڑے ہو کر نہیں پڑھتے باوجودیکہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ سو ان کی نماز بھی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر قیام پر قدرت نہ ہو یعنی کسی سہارے سے بھی کھڑے نہ ہو سکیں۔ تب البتہ بیٹھ کر پڑھنا درست ہے اس مسئلہ میں لوگ بحالت مرض بھی سخت غلطی کرتے ہیں یعنی ذرا مشقت ہوگئی اور بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے درمختار وردالمحتار میں تصریح ہے کہ اگر کسی سہارے سے کھڑا ہو سکے تب بھی کھڑا ہونا فرض ہے۔ اسی طرح اگر آدھی قرأۃ میں کھڑا ہو سکتا ہے یا بقدر تکبیر تحریمہ کھڑا ہو سکتا ہے تو اتنا ہی کھڑا ہونا فرض ہے۔

بعضے آدمی باوجودیکہ جماعت کر سکتے ہیں مگر پھر تنہا تنہا پڑھ لیتے ہیں بعضے آدمی سمجھتے ہیں کہ جماعت کے لئے اتحاد مکان شرط ہے اور ہر درجہ جدا مکان ہے ایک درجہ میں اتنی جگہ نہیں اس لئے جماعت

نہیں کرتے۔ سو ہمارے نزدیک تو دوسری گاڑی تو بیشک دوسرا مکان ہے لیکن ایک گاڑی کے متعدد درجے سب ایک ہی مکان ہیں۔ ان میں جماعت ہوسکتی ہے اور اگر کسی صاحب علم کی یہی تحقیق ہو یا کسی عالم کی اس تحقیق میں کوئی تقلید کرتا ہو کہ ہر درجہ جدا مکان ہے خیر لیں کریں کہ ایک ایک درجے میں دو دو آدمی جماعت کرلیں اگر اصوات کا تزاحم نہ ہو تو ایک ہی وقت میں ورنہ آگے پیچھے اور چونکہ یہ مسجد محلہ نہیں اس لئے اس میں تکرار جماعت کا اختلاف بھی نہ ہوگا۔

حد سے زیادہ تشدد بھی نہیں کرنا چاہیئے

بعضے آدمی ان بے احتیاطیوں کے مقابلہ میں اس قدر محتاط بنتے ہیں کہ ان کی احتیاط درجۂ تشدد تک پہنچ جاتی ہے مثلاً ریل کے اندر ہرگز نماز نہ پڑھیں گے۔ اسٹیشن ہی پر اترنا فرض سمجھیں گے جس میں بعض اوقات طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے مثلاً اسباب ریل ہی میں رکھا ہے اور کچھ جاتا رہا یا کم از کم طبیعت ادھر مشغول رہی یا دوسرے مسافروں نے ان کی جگہ پر قبضہ کرلیا یا نہیں کیا لیکن ان کو اس احتمال پر پریشانی رہی اور مثلاً گاڑی نے سیٹی دیدی اور ان کو نیت توڑنا پڑی یا ایسا نہیں کیا لیکن مضطرب ہو گئے اور بعض اوقات گاڑی چھوٹ گئی۔ اور ان کے اسباب کا نقصان یا سفر کا حرج ہوا اس وقت خود نماز سے قلب میں خدانخواستہ تنگی پیدا ہوگئی یا خود ان کو تنگی نہیں ہوئی لیکن جو لوگ ہمیشہ دین کو مخل دنیا کہا کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کو دین سے توحش ہے ان کا تنفر اور توحش اور بڑھ گیا۔ اور ان کی فہرست میں ایک عدد اور بڑھ گیا کہ دیکھئے دین پر عمل کرنے سے یہ پریشانی اور مضرت ہوتی ہے اور اس جاہل کو کون سمجھائے کہ اس کی پریشانی کا سبب خود اس کا تشدد ہے نہ کہ دین سو حدیث "یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا" ترجمہ (تم دونوں کو چاہیئے کہ آسان طریقہ اختیار کرو اور لوگوں کو تنگی میں نہ ڈالو اور لوگوں کو بشارت سناؤ ان کو نفرت نہ دلاؤ) ظاہراً قول اور فعل دونوں کو عام ہے۔

اور اس پر بعض اوقات ایک طرہ اور ہوتا ہے کہ اسٹیشن پر اتر کر جماعت کرانے کے لئے امام صاحب ایسے تجویز ہوتے ہیں کہ وہ فرصت کا وقت پاکر قرأت میں تطویل اور رکوع اور سجود میں اطمینان سے تعدیل شروع کر دیتے ہیں اگر گاڑی نہ بھی نکلے تب بھی مقتدیوں کو خصوص اس لئے کہ مجمع میں مختلف طبائع کے لوگ ہوتے ہیں کیسی بیتابی ہوتی ہے۔ گویا ان بزرگ کو عمر بھر میں آج ہی موقع امامت

کا ملا ہے۔ نہ تو اس سے پہلے کبھی میسر ہوا اور نہ آئندہ کو امید ہے اس لئے اس وقت کو غنیمت سمجھا اور عمر بھر کا ارمان آج ہی نکالنا ضروری ہو گیا۔

دو جاہل صوفیوں کی حکایت

اسی طرح دو بزرگواروں کی حکایت ہے کہ بہلی میں اپنے رفقاء کے ساتھ سوار تھے ایک صاحب نے تو یہ کیا کہ نماز ظہر کے لئے اترے اور پڑھکر مصلے ہی پر وظیفہ شروع کر دیا کہ میں تو عصر پڑھ کر اٹھوں گا۔ بے چارے رفیق مصیبت میں آگئے کہ منزل دور اور عصر تک کا حبس۔ اور ایک صاحب مغرب کے وقت اترے اور نماز کے بعد صلوٰۃ الاوابین شروع کر دی اور تاریکی بڑھنا شروع ہوئی۔ اور منزل کسی قدر فاصلے پر اور مقام خطرناک سو شریعت ایسے تشددات کو پسند نہیں کرتی۔ جس سے خود کو یا اس سے بڑھ کر دوسروں کو کلفت و ضیق ہو۔ یہاں راز معلوم ہوا ہو گا اس ارشاد کا۔ ان اللہ یحب ان یوتی رخصہ کما یحب ان یوتی عزائمہ " یعنی رخصت پر عمل کرنے میں بہت سی مصلحتیں ہیں کہ وہ سبب ہو جاتا ہے دین کے ساتھ انس اور بشاشت اور انشراح اور انبساط اور دلچسپی کا اور یہ مقصد عظیم ہے۔ مقاصد نوامیس الیہ سے یہ کوتاہیاں قطع مسافت کے متعلق تھیں۔

عارضی قیام کے متعلق کوتاہیاں

بعض کوتاہیاں عارضی قیام کے متعلق ہیں، یعنی کسی مقام پر ایک دو شب مثلاً قیام کیا خواہ سرائے میں یا کسی خاص میزبان کے پاس اگر سرائے میں قیام کیا ہے تو وہاں بھی ان امور کا لحاظ ضروری ہے کہ دوسرے مسافروں کو اس سے کلفت نہ ہو اور سرائے کے ٹھیکہ دار کو بھی تکلیف نہ دی جاوے مثلاً بعضے لوگ بلا ضرورت شور و غل مچاتے ہیں بلا ضرورت جاگتے ہیں اور رفقہ کے ساتھ قصہ کہانیاں ہانکتے ہیں۔ بعضے آدمی گاتے بجاتے ہیں جس سے دوسرے مسافروں کے آرام و نوم میں خلل پڑتا ہے۔ بعضے ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے مسافر کے کمرہ میں سے جبکہ وہ کہیں چلا گیا ہو چارپائی اٹھا لاتے ہیں وہ غریب آکر پریشان ہوتا ہے اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ بھٹیارہ سے مانگ لیں اور اگر نہ ملے مجبوری ہے۔ ان کو کیا حق ہے کہ دوسرے کی سابق قبضہ کی ہوئی لے لیں کہ شریعت کے بھی خلاف ہے اور مروت سے بھی بعید ہے اگر یہی معاملہ ان کے ساتھ ہو تو کیسی دل پر گذرے تو انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ "آنچہ بخود نہ پسندی بردیگراں مپسند " اور مثلاً بعضے لوگ باوجودیکہ پیشاب پاخانہ کے لئے خاص مواقع ہیں مگر کوٹھری ہی میں موت لیتے ہیں۔ یا کہیں گذرگاہ مسافران پر ایسا کرتے

ہیں جس سے بعض اوقات ٹھیکہ دار کو صاف کرانا پڑتا ہے اور بعض اوقات دوسرے مسافر کو تکلیف ہوتی ہے مثلاً بعض لوگ چلتے وقت ٹھیکہ دار کا حساب صاف کرکے نہیں جاتے یا تو چپکے نکل گئے یا نزاع واختلاف کرکے گئے۔ اس میں علاوہ گناہ کے جس میں حق اللہ وحق العبد دونوں ضائع کئے جاتے ہیں۔ ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ دوسرے مسافروں کا بھی اعتبار جاتا ہے اور ان کے لئے ضوابط سخت تجویز کئے جاتے ہیں اور اس کے سبب یہ شخص بنتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت حدیث میں "مفتاح الشر و مغلاق الخیر" آیا ہے۔

اگر کسی کے پاس جانا ہو تو اسے پہلے سے اطلاع دینی چاہیئے

اور اگر کسی میزبان کے پاس ٹھہرے ہیں۔ تو اس میں بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ بدون اس کے کہ اس کو اپنی آمدنی کی اطلاع دیں اس کے پاس بدون کھانا کھائے بے وقت جا پہنچتے ہیں کہ اس وقت اس کو کھانا تیار کرانے میں کلفت ہوتی ہے۔ اگر حساب سے پہنچنے کا وقت ناوقت ہو تو چاہیئے کہ کھانے کا انتظام پہنچنے کے وقت بطور خود کرلیں۔ اور فارغ ہو کر وہاں جاویں اور جاتے ہی اطلاع کر دیں۔

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ اول اس کو اپنی آمد کے وقت سے اطلاع تو دیدی ہے مگر اس وقت پہنچتے نہیں وہ بے چارہ اسٹیشن پر آیا سواری کا کرایہ دیا وقت صرف کیا کھانا پکوایا اور یہ نواب صاحب ذرا رائے بدلنے سے یا کسی دوسرے میزبان کے اصرار کرنے سے پھسک گئے۔ بعض اوقات کئی کئی وقت اسی طرح تکلیف اٹھاتا ہے اور ان کو یہ توفیق بھی نہیں ہوتی کہ وقت موعود آنے کے قبل اس کو مکرر اس ارادہ کے فسخ یا تبدیل کی اطلاع کر دیں۔

خوب یاد رکھو کہ یہ سب اسلام کے خلاف ہے گو لوگ اس کو سرسری سمجھتے ہیں۔ حدیث میں نص ہے "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" ترجمہ: مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)

پھر جب اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا سالم نہ رہا تو مسلم بدرجۂ مقصودہ فی الحدیث کہاں رہ گیا۔ مشکل یہ ہے کہ آج کل بزرگی تسبیح پڑھنے کا نام رہ گیا کسی کی راحت وکلفت کی پرواہ ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاص کوتاہی میں بہت سے ثقات ومنسوبین الی العلم والدین بھی مبتلا ہیں۔ اور اس

کا قبح ذرا ان کے قلب میں نہیں۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھا کر پہنچے مگر جاتے ہی اس کو یہ اطلاع نہیں کی کہ میں کھانا کھا چکا ہوں اس وقت اہتمام نہ کیا جاوے۔ وہ بے چارہ نہ تو علم غیب پڑھا ہوا ہے اور نہ لحاظ سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ آپ کھانا تو نہیں کھا چکے۔ غرض اس نے احتمال پر کھانا تیار کیا جب ان کے سامنے کھانا آیا۔ تو آپ نے نہایت بیرحمی سے ایک جملہ میں اس کے تمام انتظام کا خون کر دیا کہ میں تو کھا چکا تھا۔ بندۂ خدا پہلے کس نے منہ بند کر لیا تھا۔ کہہ دینا تھا۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھانے بیٹھے اس وقت فرماتے ہیں کہ میں تو گوشت نہیں کھاتا میں تو مرچیں نہیں کھاتا۔ ظالم اگر پہلے ہی اس کو اطلاع دے دی جاتی تو کیا مشکل تھا۔ اب وہ مظلوم فکر میں پڑ گیا۔ کہیں پڑوس سے بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ کہیں گھر میں گھی شکر تلاش کرتا ہے۔ غرض "زر دادن و درد سر خریدن کا مصداق بن گیا"

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ بے اطلاع میزبان کے کہیں چلدیئے۔ اب وہ تلاش کرتا پھرتا ہے اور گھر بھر کھو کا بیٹھا ہے یا تو وقت گذر کر آئے۔ تب سب کا روزہ کھولا، یا آکر کہدیا کہ مجھ کو فلاں شخص نے اصرار کر کے کھلا دیا تھا۔ میں نے انکار بھی کیا مگر اس نے مانا ہی نہیں۔ اس بیڈھنگے کو یہ خبر نہیں کہ کسی کی ایسی دلجوئی کب جائز ہے کہ دوسرے کی دل شکنی ہو۔ اور وہ بھی ایسے شخص کی جس کا حق مقدم اور سابق ہو۔

بعض آدمی ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے کی دعوت قبول کر لی اور میزبان سے اجازت لینا تو کجا اس کو اطلاع بھی نہیں کی۔ بعض ایسا کرتے ہیں کہ رخصت ہونے کا قصد دل میں کر لیا۔ مگر میزبان کو نہیں بتلایا۔ اب عین وقت پر آرڈر سنا دیا کہ میں اس گاڑی میں جاؤں گا۔ سواری کا انتظام کر دو۔ اس کا سامان ضیافت بھی ضائع گیا اور بعض اوقات خصوص قصبات عین وقت پر سواری کے انتظام میں دشواری ہوتی ہے۔ غرض یہ سب پریشان کرنے کی باتیں ہیں۔ جن سے احتیاط و احتراز واجب ہے۔

مسافر کی گھر کے متعلق کوتاہیاں اب بعض کوتاہیاں اپنے گھر والوں کے متعلق رہ گئیں۔ ان کے ذکر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں مثلاً سفر میں جا کر گھر والوں کو ایسے

بھولے کہ ان کو اپنی خیریت تک کی اطلاع نہیں دی۔ ان سے اپنا اطمینان کر لیا کہ سب کو بعافیت چھوڑ کر آیا تھا۔ اب بھی بعافیت ہوں گے۔ مگر وہ تو پریشان ہیں کہ سفر میں ہزاروں حوادث محتمل ہوتے ہیں۔ ان کو بھی مطمئن کرنا چاہیئے تھا۔ اور مثلاً ان کو اپنی واپسی کے وقت کی اطلاع دی۔ مگر اس وقت نہیں پہنچے وہ بے چارے اس اجنبی میزبان سے بھی زیادہ پریشان ہوتے ہیں۔ اس کو صرف اپنی تکلیف سے پریشانی ہوئی اور گھر والوں کو تو تعلق محبت کے سبب یہ بھی پریشانی ہوتی ہے کہ خدا جانے خیریت بھی ہوگی اور مثلاً باوجود اطلاع کر سکنے کے بلا کسی مصلحت کے دفعۃً گھر آجانا احادیث میں اس کی بھی ممانعت ہے جس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ شریف عورتیں شوہر کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے زیب وزینت چھوڑ دیتی ہیں۔ سو ایسا نہ ہو کہ اس مبتذل حالت میں دیکھ کر اس کو نفرت ہو جاوے جو بنیاد ہو جاوے مصالح خانہ داری کے انہدام کی اگر پہلے سے اطلاع ہو تو وہ آراستہ اور پیراستہ تو ہو جاوے۔

ممکن ہے کہ سفر کی کوتاہیاں کی فہرست اور بھی طویل ہو سکے مگر فی البدیہہ جو خیال میں آئیں۔ وہ لکھ دیں فہیم آدمی ان ہی کے اصول سے دوسری کوتاہیوں کی بھی اصلاح کر سکتا ہے فقط

واللہ الموفق لسبیل لا وکس فیہ ولا شطط

تعلیم نسواں کے متعلق کوتاہیاں

اصلاح معاملہ بہ تعلیم نسواں

ہر چند کہ بعد ورود حدیث " طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ ، ترجمہ (علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) وغیر ذالک من النصوص الموجبۃ لتحصیل العلم علی الرجال والنساء ، اس مبحث پر مستقل کلام کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ خصوص جبکہ اس کے بہت قبل اس میں مجملاً اس سے تعارض بھی ہو چکا ہے لیکن بعض واقعات وخصوصیات کے (کہ زیادہ ان میں ہندوستانی مستورات کے حالات ہیں جن کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے) اس باب میں مستقل اور کسی قدر مفصل گفتگو کئے جانے کو مقتضی ہونے کے سبب اس کا بقدر ضرورت مکرر ذکر کیا جاتا ہے

تعلیم نسواں کے متعلق لوگوں کی تین قسمیں سو جاننا چاہیئے کہ اس مقدمہ میں جہاں تک تتبع کیا گیا ۔ تین خیال کے لوگ ہیں ۔ ایک وہ کہ تعلیم نسواں کے نہ مخالف ہیں ۔ نہ حامی مگر تعلیم کا اہتمام نہیں ۔

دوسرے وہ کہ اس کے مخالف ہیں ۔

تیسرے وہ کہ اس کے حامی ہیں اور ان سب سے مختلف کوتاہیاں واقع ہو تی ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں کی غلطی اور ان کے شبہات کا جواب

چنانچہ اول طبقہ کی کوتاہی جو سب کوتاہیوں سے اشد و اعظم ہے یہ ہے کہ سرے سے مستورات کو تعلیم دینے ہی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ نہ مردوں کے نزدیک اور نہ خود ان مستورات کے نزدیک اور دلیل ان لوگوں کی جو ان کے اشتباہ کا منشا ہو گیا ہے یہ ہے کہ کیا عورتوں کو کوئی نوکری کرنا رہ گیا ہے جو ان کے پڑھانے کا اہتمام کیا جاوے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ تعلیم کی غرض سمجھی اور نہ ان نصوص و روایات میں غور کیا۔ جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ایک درجہ میں تحصیل علم کو فرض و واجب قرار دے رہے ہیں اور نہ اس تعلیم کو سمجھا جو کہ فرض ہے۔

علوم سے غرض نوکری نہیں ہے

سو سمجھ لینا چاہیئے کہ علوم سے غرض نوکری نہیں ہے کیونکہ جو علم علی العین واجب التحصیل ہے وہ علم معاش نہیں ہے بلکہ وہ علم دین ہے جس سے انسان کے عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق درست ہوں۔ جس کا ثمرہ دنیا میں اولئک علی ھدی من ربھم" ترجمہ (یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے) کی دولت اور آخرت میں۔ اولئک ھم المفلحون (یہی لوگ ہی کامیاب ہیں) کی بشارت ہے۔ سو اس کا وجوب ظاہر ہے۔ سمعاً بھی عقلاً بھی۔

دلائل سمعیہ یہ ہیں۔

(۱) طلب العلم واجب علی کل مسلم (ھب عن انس)

(۲) طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم (الدیلمی عن علی)

(۳) طلب الفقہ حتم واجب علیٰ کل مسلم (ک فی تاریخہ عن انس)

(۴) تعلموا العلم وعلموہ الناس (قط عن ابی سعید وھب عن ابی بکر)

(۵) تعلموا العلم قبل ان یرفع (الدیلمی عن ابن مسعود وعن ابی ھریرۃ)

(۶) یا ایھا الناس علیکم با لعلم قبل ان یقبض (طب والخطیب عن ابی امامۃ)

(۷) یا ایھا الناس خذوا من العلم قبل ان یقبض العلم (حم والدارمی طب وابو الشیخ

فی تفسیرہ وابن مردویہ عن ابی امامۃ)

(۸) ویل لمن لا یعلم رحل عن حذیفۃ) کذا فی کنز العمال وغیر ذلک من النصوص العامۃ للرجل والمرأۃ۔

دلیل عقلی اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اصلاح عقائد واعمال کی فرض ہے اور وہ موقوف ہے۔ ان کی تحصیل پر، چنانچہ ظاہر ہے۔ اور فرض کا موقوف علیہ فرض ہے۔ پس تحصیل علم فرض ہوا۔ اور ہر چند کہ موقوف ہونا عمل کا علم پر بالکل بدیہی ہے۔ مگر اس سے ترقی کرکے کہا جاتا ہے کہ حسی بھی ہے۔ چنانچہ بے علم عورتیں جس حالت میں ہیں سب دیکھتے ہیں کہ نہ ان کو شرک کفر کی کچھ تمیز ہے؟ نہ ایمان اور اسلام کی کچھ محبت ہے۔ جو چاہیں خدا تعالیٰ کی شان میں بک دیتی ہیں۔ جو چاہیں احکام شرعیہ کے مقابلہ میں زبان درازی کر بیٹھتی ہیں۔ اولاد کے لئے یا شوہر کو مسخر کرنے کے لئے ٹونے ٹوٹکے، جادو منتر، جو کچھ کوئی بتلا دیتا ہے بلا امتیاز مشروع نامشروع کے سب ہی کچھ کر گذرتی ہیں۔

جب عقائد ہی میں یہ حالت ہے تو نماز روزہ کا کیا ذکر ہے۔ حتیٰ کے بعض کی نوبت ترک سے گذر کر استخفاف بلکہ تشاؤم وتطیر (بدفالی) تک پہونچ جاتی ہے یعنی بعض تو باوجود فرض سمجھنے کے اس کو ترک ہی کر دیتی ہیں۔ اور بعض اس کی وقعت بھی نہیں کرتیں۔ کوئی ضروری امر نہیں سمجھتیں اور بعض اس کو منحوس وموجب مضرت اعتقاد کرتی ہیں۔ اور یہ دو درجہ کفر صریح ہیں۔ اور اوّل فسق وکبیرہ ہے۔

جب نماز روزہ میں یہ کیفیت ہے جس میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا تو زکوٰۃ وحج، جس میں پیسہ کا بھی خرچ ہے اس کو تو پوچھو ہی مت .....! اور جب عقاید واعمال دیانت کا یہ حال ہے۔ تو معاملات کا درستی کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نماز روزہ کی صورت تو دین کی ہے۔ اور معاملات تو عوام کی نظر میں بالکل دنیا ہی کی شکل رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی درستی کا اہتمام تو خاص لوگ کرتے ہیں۔ جاہل مستورات کیا درستی کریں گی۔

پھر جب معاملات کے ساتھ یہ طرز عمل ہے تو معاشرت کی اصلاح تک تو کہاں ذہن جائے گا کیوں کہ معاملات کو حقوق العباد تو سمجھا جاتا ہے۔ بخلاف معاشرت کے کہ اس میں یہ پہلو بھی ظاہر نہیں ہے اس لئے اس کا بالکل ہی اہتمام کم ہے۔ پھر جب معاملات ومعاشرت سے اتنی بے پروائی

ہے تو اخلاق باطنی مثل تواضع و اخلاص وخوف ومحبت وصبر وشکر ونحو ذلک، کی طرف تو کیا توجہ ہوگی۔ کیوں کہ معاملات کا زیادہ اور معاشرت کا اس سے کم دوسروں تک تو اثر پہنچنا معلوم ہے۔ نیز ان پر بعض اوقات نیک نامی وبدنامی کا ترتب بھی ہوجاتا ہے۔ بخلاف اخلاق باطنی کے کہ اس کا غالب اثر بھی اپنی ہی ذات تک محدود ہے۔ اور بوجہ خفا کے دوسروں کو ان کا علم بھی کم ہوتا ہے جس سے نیک نام یا بدنام کرسکیں۔ اس لئے اس کا اہتمام تو بالکل ہی ندارد ہے حتیٰ کہ بہت سے خواص میں بھی تا بہ عوام چہ رسد(

بہرحال ان سب امور دینیہ میں قلّت مبالات کا اصل منشار وسبب قلّت علم دین ہے۔ پھر جہاں بالکل ہی علم نہ ہو (اور اس سے بڑھ کر یہ فطرۃً عقل بھی کم ہو۔ کیوں کہ طبقۂ اناث قدرتی طور پر ناقص العقل ہیں۔ غرض جہاں نہ عقل ہو نہ علم ہو) تو وہاں امور مذکورہ میں کوتاہی کی کیا حد ہوگی؟

غرض عقل اور مشاہدہ دونوں شاہد کہ بدون علم کے عمل کی تصحیح ممکن نہیں اور عمل کی تصحیح واجب اور فرض .... پس تحصیل علم دین کا فرض ہونا جیسا اوپر دعویٰ کیا گیا ہے۔ عقلاً بھی ثابت ہوگیا اور سمعاً فرض ہونا اس سے اوپر بیان کیا گیا ہے تو دونوں طرح تحصیل علم دین فرض ہوا۔

پس ان لوگوں کا یہ خیال کہ جب عورتوں کو نوکری کرنا نہیں ہے۔ تو ان کی تعلیم کیا ضرور ہے؟۔ محض غلط ٹھہرا۔ یہ جواب ہوا۔ ان کی مذکورہ کوتاہی کا۔

تعلیم نسواں کی فرضیت پر ایک شبہ اور اس کا جواب

البتہ اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ علم دین کی فرضیت سے تعلیم بطرق متعارف کا واجب ہونا لازم نہیں آتا کہ مستورات کو کتابیں بھی پڑھائی جائیں۔ بلکہ یہ فرض اہل علم سے پوچھ پاچھ رکھنے سے ادا ہوسکتا ہے۔

سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ واقعی یہ بات صحیح اور ہم تعلیم متعارف کو فی نفسہٖ واجب بھی نہیں کہتے۔ لیکن یہاں تین مقدمے قابل غور ہیں۔

اوّل یہ کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے گو بالغیر سہی۔ جیسے جو شخص پیادہ سفر حج قطع کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور اس شخص کے زمانہ میں ریل اور آگبوٹ (اسٹیمر) ہی ذریعہ قطع سفر کا متعین ہو۔ اور اس کے پاس اس قدر وسعت واستطاعت بھی ہو۔ تو اس شخص پر واجب ہوگا کہ سفر کا عزم کرے

اور ریل اور آگبوٹ کا ٹکٹ خرید کر اس میں سوار ہو۔ سو ریل اور آگبوٹ کا ٹکٹ خریدنا اور اس پر سوار ہونا فی نفسہٖ شرعاً فرض نہیں۔ لیکن چونکہ ایک فرض کا ذریعہ ہے اس لئے یہ بھی فرض ہو گا۔ گویا لغیرہٖ یہ مقدمہ تو ثابت ہو چکا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ علم کا اذہان میں قابل اطمینان درجہ میں محفوظ رہنا موقوف ہے۔ کتب کے پڑھنے پر جو کہ تعلیم کا متعارف طریق ہے اور محفوظ رکھنا علم دین کا واجب ہے۔ پس بناء بر مقدمۂ اولیٰ بطریق متعارف تعلیم کا جاری رکھنا بھی واجب ہے۔ البتہ یہ واجب علی الکفایہ ہے۔ یعنی ہر مقام پر اتنے آدمی دینیات پڑھے ہوئے ہونے چاہئیں کہ اہل حاجت کے سوالوں کا جواب دے سکیں۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ بھی تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضروریات دینیہ کے لئے کافی وافی نہیں۔ دو وجہ سے اولاً پردہ کے سبب (کہ وہ بھی اہم الواجبات ہے) سب عورتوں کا علماء کے پاس جانا قریباً ناممکن ہے اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جاوے تو بعض مستورات کو تو گھر کے ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا بھی اہتمام نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کے لئے سوال کرنے کا کیا اہتمام کریں گے۔

پس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق از بس دشوار ہے اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہو گئی یا کسی کے گھر میں باپ بیٹا، بھائی وغیرہ عالم ہیں تب بھی بعض مسائل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں۔ ایسی بے تکلفی شوہر سے ہوتی ہے تو سب شوہروں کا ایسا ہونا خود عادتاً ناممکن ہے۔ تو ان کی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں۔ اور عام مستورات ان سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کیا کریں پس کچھ عورتوں کو بطریق متعارف تعلیم دین دینا واجب ہوا۔

پس اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ لکھے پڑھے مردوں کی طرح عورتوں میں ایسی تعلیم ہونا ضروری ہے اور اس غلط خیال عدم ضرورۃ تعلیم نسواں کا بالکلیہ استیصال ہو گیا۔

دوسرے طبقہ والوں کے شبہات اور ان کا جواب

اب دوسرے طبقہ کے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے جو تعلیم نسواں کے مخالف

ہیں اور اس کو سخت ضرر رساں سمجھتے ہیں۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ ہم نے لکھی پڑھی عورتوں کو اکثر آزاد اور بے باک اور قلیل الحیا اور مکار اور عفت سوز دیکھا ہے۔ خاص کر اگر لکھنا بھی جانتی ہوں تو اور بھی شوخ چشم ہو جاتی ہیں جس کو چاہا خط لکھ بھیجا۔ جس کو چاہا پیام و سلام پہنچا دیا۔ اسی طرح دوسروں کو بھی طمع ہوتی ہے کہ اپنے نفسانی جذبات کو ان تک بذریعہ تحریر پہنچا دیتے ہیں۔ اور ان کے پاس پہنچتی ہیں کبھی تو وہ بھی متاثر ہو کر نرم جواب دیتی ہیں اور سلسلہ بڑھتا ہے یہاں تک کہ جو کچھ واقع ہوتا ہے۔ واقع ہوتا ہے۔ اور کبھی جواب نہیں دیتیں اور سکوت کرتی ہیں تو مریض القلب لوگ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ان کے نیم راضی ہونے پر۔ پھر وہ لوگ آئندہ کے پیام و سلام و تحریر سے اس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ گوش زدہ اثرے دارد، قاعدہ اکثریہ ہے پھر بعض کا طرز بیان جادو نشان ہوتا ہے پھر نسوانی طبائع معمولی طور پر نرم بھی ہوتی ہیں تو شیطان کا جال پھیل جانا زیادہ عجیب نہیں ہوتا اور اگر کسی مکتوب الیہا نے ناراضی بھی ظاہر کی اور اس ناراضی کا جواب کاتب تک بھی پہنچا دیا ہے مگر اپنے شوہر یا خاندان کے خوف سے کہ خدا جانے کیا گمان کریں گے۔ اور کیا معاملہ کریں گے اپنے گھر والوں سے اس کا اخفاء کرتی ہیں اور اسطور پر وہ کاتبین ہر طرح کی مضرت سے محفوظ رہتے ہیں اس لئے ان کی جسارت بڑھتی ہے۔ اور پھر دوسرے موقع پر اس کی سلسلہ جنبانی کرتے ہیں۔

اور ان سب واقعات کا مبنی ان مستورات کا تعلیم یافتہ ہونا ہے اگر وہ ناخواندہ ہوں تو ان کے پاس مضمون بھیجنے سے اندیشہ ہوگا۔ دوسرے کہ مطلع ہونے کا یہ سبب ہو جاوے گا اس باب کے مسدود ہو جانے کا۔

اور یہ مفسدہ اس صورت میں زیادہ محتمل ہے جبکہ کسی عورت کے مضامین اخباروں میں بھی چھپنے لگیں اور ان مضامین کو دیکھ کر سخن شناس شیاطین انداز کرتے ہیں۔ کاتبہ کے رنگ طبیعت اور جذبات اور خیالات کا تو اس شرارت کے شرارے وہاں زیادہ پھیلتے ہیں بالخصوص اگر وہ کلام نظم بھی ہو تو اور بھی آفت اور اس زمانے میں تو ایک اور غضب ہے کہ افتخار کے لئے صاحب مضامین کا نام اور پتہ تک صاف لکھدیا جاتا ہے کہ فلانے کی بیوی فلانے کی بیٹی، فلاں جگہ کی رہنے والی اور یہ تمام ترخرابیاں ان کے لکھے پڑھے ہونے سے پیدا ہوتی ہیں اور اگر ان خفیہ ریشہ دوانیوں کی کسی طور پر شوہر یا اہل خاندان کو اطلاع ہی ہو گئی تو چونکہ لکھا پڑھا آدمی ہوشیار اور سخن سازی پر زیادہ قادر ہوتا ہے وہ ایسی تاویلیں کرینگی

کہ کبھی ان پر حرف ہی نہ آوے گا اور الٹا منہ ناک بنا دیں گی۔ مکاری سے رو دیں گی کہ ہم کو یوں کہا کہیں خودکشی اور کنویں میں ڈوبنے کی دھمکی دیں گی۔ حتیٰ کہ اس غریب بازپرس کرنے والی کو خوشامد کرنا پڑیگی اور ڈر کے مارے پھر کبھی زبان تک نہ ہلاوے گا۔

ایک خرابی اس تعلیم یافتہ طبقہ اناث میں یہ ہوتی ہے کہ ہر طرح کی کتابیں منگا کر پڑھتی ہیں۔ عشق بازی کے قصے سازش اور لگاوٹ کے ناول شوق انگیز غزلیں پھر ان سے طبیعت بگڑتی ہے کبھی ایسی غزلیں ذرا کھل کر پڑھتی ہیں کہ دروازہ میں یا پڑوس اور محلہ میں یا سڑک پر آواز جاتی ہے۔ اور آواز پر کوئی فریفتہ ہو کر درپے ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ناکام بھی رہا تاہم رسوائی اور پریشانی کا سبب تو بن ہی جاتا ہے۔

یہ خلاصہ ہے ان صاحبوں کے خیالات کا اور میں ان واقعات کی تکذیب نہیں کرتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ان صاحبوں نے کوتاہ نظری سے کام لیا۔ واقعات کے حقائق میں غور نہیں کیا اصل یہ ہے کہ ان سب خرابیوں کا ذمہ دار تعلیم نہیں ہے بلکہ طرز تعلیم ہے یا نصاب تعلیم ہے یا طرز عمل ہے یا سوء تدبیر ہے یعنی یا تو یہ ہوا کہ ایسی کتابیں نہیں پڑھائی گئیں جن سے احکام حرام و حلال اور تفصیل ثواب و عقاب اور طریقہ تہذیب اخلاق معلوم ہو اور جس سے خوف و خشیت و معرفت و عظمت حق حاصل ہو ان کو صرف حرف شناس بنا کر چھوڑ دیا ہے انہوں نے اپنی رائے سے اردو کے مختلف رسالوں کا مطالعہ کر کے لکھنے پڑھنے کی مہارت بڑھائی ہے اور تعلیم یافتہ کا لقب پا کر اس طرح تعلیم کو بدنام کیا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ محض حرف شناس کو نہ تعلیم کہہ سکتے ہیں اور نہ حرف شناسی اصلاح اعمال و احوال کی کفالت کر سکتی ہے۔

اور یا یہ ہوا ہے کہ باوجود نصاب تعلیم کے مفید و کافی ہونے کے اس نصاب کے مضامین کو قلب میں جمانے کی کوشش نہیں کی گئی اور عمل کی نگرانی نہیں کی گئی۔ مثلاً اس کی ضرورت ہے کہ جس روز کسی لڑکی نے یہ مسئلہ پڑھا کہ غیبت گناہ ہے اس کے بعد اگر وہ غیبت کرے تو فوراً اس کو یاد دلا دے کہ دیکھو تم نے کیا پڑھا تھا۔ اس کے خلاف کرتی ہو اور مثلاً ان کو پردہ کی ضرورت یا پست آواز بولنے کی تاکید پڑھائی گئی اور پھر اس میں کوتاہی یا غفلت کا مشاہدہ ہوا۔ فوراً اس کو روکنا چاہیئے یا ان کو حرص مال و زیور کی مذمت پڑھائی تھی۔ پھر انہوں نے کسی تکلف کے کپڑے یا غیر ضروری زیور کی ہوس کی تو فوراً ان کو متنبہ کیا جاوے۔ اسی طرح امید ہے کہ اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ کا ملکہ ان میں پیدا ہو جاوے گا۔

اور یا یہ ہوا ہے کہ ان کی خود طبیعت اور طینت ہی میں صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے تو اس صورت میں تربیت نا اہل را چوں گردگان برگنبد ست کا اور شعر ہے ؎

شمشیر نیک ز آہن بد چون کند کسے
ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

کا مضمون ہے۔

یہ گفتگو تو خود ان کے احوال و اعمال کے متعلق تھی اور جو افعال دوسرے شریر لوگوں کے شمار کرائے ہیں ان کا امتداد سوء تدبیر سے ہوتا ہے اس کے انسداد کی اچھی تدبیر یہ ہے کہ واسطہ کے ساتھ نہایت سختی کی جاوے اور اپنے مردوں کو بالکل صاف اطلاع دیدی جاوے۔

غرض مفاسد کے اسباب یہ ہیں جب یہ ہے تو اس میں عورتوں کی کیا تخصیص ہے۔ یہی اسباب فساد اگر مردوں کو پیش آویں۔ وہ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ پھر کیا وجہ کہ عورتوں کو تعلیم سے روکا جاوے۔ اور مردوں کو تعلیم میں ہر طرح کی آزادی دی جاوے بلکہ اہتمام کیا جاوے۔

اس فرق کی وجہ بعد تأمل بجز اس کے کچھ نہیں معلوم ہوئی کہ عورت سے صدور قبائح یا اس کی طرف نسبت قبائح عرفاً موجب ذلت اور رسوائی ہے اور وہی امور اگر مرد سے صادر ہوں، یا اس کی طرف منسوب ہوں تو وہ عرفاً موجب ذلت اور رسوائی نہیں ہے اس لئے عورت کے لئے ان مفاسد کے احتمال کو موانع تعلیم سے قرار دیا ہے۔ اور مردوں کے لئے نہیں۔ باقی شرعاً ظاہر ہے کہ اس باب میں مرد و عورت یکساں ہیں۔ اگر عورت کے لئے معصیت مذموم و قابل لوم ہے تو اسی درجہ میں مرد کے لئے بھی۔ اور اگر مرد کے لئے موجب طہارت و نزاہت ہے تو اسی درجہ میں عورت کے لئے بھی۔ پس جب شرعاً دونوں برابر ہیں اور عرفاً متفاوت۔ پس اس تفاوت سے عملاً متاثر ہونا یعنی ایک کے لئے ان احتمالات کا اعتبار کرنا دوسرے کے لئے نہ کرنا صاف عرف کو شرع پر ترجیح دینا ہے۔ جو بہت بڑا شعبہ ہے جاہلیت کا جس کا منشا کبر اور ترفع ہے۔ و بس اور یہ صرف میرا ہی دعویٰ نہیں بلکہ مدعا علیہم کا اقرار بھی ہے چنانچہ بکثرت ان لوگوں کی زبان سے سنا گیا ہے کہ میاں مرد کا کیا ہے۔ اس کی مثال تو برتن کی سی ہے کہ دس دفعہ سن گیا اور جب دھویا صاف ہو گیا اور عورت کی مثال موتی کی آب کی سی ہے کہ اگر ایک دفعہ اتر گئی تو پھر چڑھ نہیں سکتی۔ اس کے معنے دوسرے لفظوں میں صاف یہ بھی ہیں کہ مردوں کے لئے معصیت کو خفیف سمجھتے ہیں۔ اور عورتوں کے لئے شدید

تو علاوہ کبر کے اس میں تو فتویٰ استخفاف کے جاری ہونے کا بھی اندیشہ اور سخت اندیشہ ہے۔

تیسرے طبقہ والوں کی غلطیوں کی نشاندہی

اب صرف تیسرے طبقہ کے متعلق کلام باقی رہ گیا جو تعلیم کے حامی تو ہیں لیکن اس تعلیم کے تعین میں یا اس کے طریقہ کی تجویز میں ان سے غلطی ہوئی چنانچہ ان میں سے بعض کا بیان بضمن اصلاح خیال طبقہ ثانیہ کے اوپر ہو چکا ہے مثلاً ان کو صرف حرف شناس بنا کر چھوڑ دینا۔ پھر ان کا اپنی رائے سے مختلف رسالوں کا مطالعہ کرنا۔ اور مثلاً بعد تعلیم کے عمل کی نگرانی نہ کرنا جس کی متعدد مثالیں بھی ساتھ ساتھ مذکور ہوئی ہیں۔

عورتوں کو دنیوی علوم بغیر ضرورت کے نہیں پڑھانے چاہئیں

اور بعض کا بیان اب کیا جاتا ہے مثلاً بعض مستورات کو بجائے علوم دینیہ پڑھانے کے ان کو تاریخ و جغرافیہ یا اس سے بڑھ کر انگریزی پڑھاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انجیل پڑھاتے ہیں جس کی وجہ صرف تقلید اہل یورپ کی ہے یعنی ان کے نصاب تعلیم میں شائستگی کو منحصر سمجھنا اس کی بنا ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم میں اور ان میں اگر رسوم و عادات و طبائع و خواص کا بھی فرق نہ ہوتا، تاہم سب سے بڑا فرق مذہب ہی کا ہے کہ ہم مذہب اسلام کا التزام کئے ہوئے ہیں اور وہ یا تو کوئی مذہب نہیں رکھتے اور زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں اور یا ہمارے مذہب کے مغائر دوسرا مذہب رکھتے ہیں۔

اس لئے ان کے یہاں یا تعلیم مذہبی بالکل نہ ہوگی صرف زبان کی تعلیم ہوگی یا دنیوی معلومات کی تعلیم ہوگی اور یا دوسرے مذہب کی تعلیم ہوگی۔

بہرحال ان لوگوں کی اس تعلیم کا تو ایک خاص مبنی ہے۔ لیکن ہم لوگ اگر ان کی تعلیم کو اختیار کریں تو اس کا کیا مبنی ہے جب غرض تعلیم سے ان کی اور ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اور ہماری غرض اور ہے جس کا مختصر بیان طبقہ اولیٰ کی اصلاح خیال کے ذکر میں ہوا ہے، یعنی اصلاح عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق اور یہ غرض منحصر ہے علم دین میں تو ظاہر ہے کہ ہم ان کی تعلیم کا اختیار کرنا ہر طرح بے ربط ہے البتہ اگر کسی کو تحصیل معاش کی بھی حاجت واقع ہونے والی ہو تو بعد علوم دینیہ کے اس کو ان علوم کا حاصل کر لینا بھی مضائقہ نہیں۔ جو اس زمانہ میں معاش کا موقوف علیہ ہو۔ جیسے اس وقت انگریزی و تاریخ جغرافیہ وغیرہ باقی انجیل کی اس شخص کو بھی ضرورت نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ

کسب معاش کی حاجت صرف مردوں کو ہوتی ہے اور عورتیں اول اس وجہ سے کہ ان کا نان و نفقہ مردوں کے ذمہ ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اسلام میں پردہ کی تاکید ہے اور وہ ابواب خاصہ معاش کے جو خاص علوم پر موقوف ہیں۔ پردہ کے ساتھ حاصل نہیں کئے جاسکتے اس لئے عورتوں کے لئے یہ تعلیم بالکل فضول اور ان کے وقت کی اضاعت ہوگی بلکہ فضول سے متجاوز ہو کر ہر طرح مضر ہوگی جیسا کہ عنقریب ان مضار کا بیان بھی آوے گا۔

بہرحال یہ علوم جن کا لقب تعلیم جدید ہے عورتوں کے لئے ہرگز زیبا نہیں۔ البتہ فنون دنیا میں سے بقدر ضرورت لکھنا اور حساب اور کسی قسم کی دستکاری کہ اگر کبھی وقت کوئی سرپرست نہ رہے تو عفت کے ساتھ چار پیسے کما سکے یہ مناسب ہے۔ رہا قصہ شائستگی کا جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے۔ کہ علم دین کی برابر دنیا بھر میں کوئی دستور العمل اور کوئی تعلیم شائستگی اور تہذیب نہیں سکھلاتا۔ چنانچہ ایک وہ شخص لیجئے جس پر علم دین نے پورا اثر کیا اور ایک وہ شخص لیجئے جس پر تہذیب جدید نے پورا اثر کیا ہے۔ پھر دونوں کے اخلاق اور معاشرت و معاملہ کا موازنہ کیجئے تو آسمان و زمین کا تفاوت پائیے گا البتہ اگر تصنع و تکلف کا نام کسی نے تہذیب رکھ لیا ہو تو اس کی یہی غلطی ہوگی کہ ایک مفہوم کا مصداق اس نے غلط ٹھہرا لیا اور اگر کسی کے ذہن میں اس وقت کوئی دین دار ایسا آیا جس میں تہذیب حقیقی کی کمی ہو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے علوم دینیہ کا پورا اثر نہیں لیا۔

دین صرف نماز روزہ ہی کا نام نہیں ہے

یعنی دین کے اجزاء متعدد ہیں۔ عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق باطنہ بعضے لوگ صرف نماز و روزہ کے احکام کے جاننے کو علم دین اور احکام کی پابندی کرنے والے کو دین دار لقب دیتے ہیں سو خود یہی غلط ہے سب اجزاء مذکورہ کے احکام ضروریہ کا اچھی طرح جاننا علم دین اور سب کی پابندی دینداری ہے۔ سو جس کو دین دار لقب دے کر قلیل التہذیب قرار دیا گیا ہے وہ واقع میں سب اجزاء دین کا متوجب نہیں اور کلام اس میں ہے جس نے سب اجزا لئے کا اثر لیا ہو پس وہ شبہ رفع ہوگیا بندہ نے اس قسم کے شبہات کے جواب کے لئے رسالہ حقوق العلم لکھا ہے (جو قابل ملاحظہ ہے)

غرض تہذیب علم دین کے برابر کسی علم سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہی علم دین تو تھا جس نے سلف میں اپنے اثر سے وہ اخلاق و شائستگی پیدا کی کہ خود یورپ کو بھی اس کا اعتراف بلکہ اس سے اغتراف بھی ہے مگر ہم اپنے گھر کی دولت سے بے خبر ہو کر دوسروں سے اس کی دریوزہ گری کر رہے ہیں۔ واللہ

دو العارف الرومی حیث قال ؎

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر | تو ہمیں جوئی لب نان در بدر
تا بزانوئی میان قعر آب | وز عطش وز جوع گشتی خراب

بعضے آدمی اپنی لڑکیوں کو
لڑکیوں کے لئے آزاد اور بیباک اُستانی مقرر نہیں کرنی چاہئے
آزاد بیباک عورتوں سے

تعلیم دلاتے ہیں یہ تجربہ ہے کہ ہم صحبت کے اخلاق و جذبات کا آدمی میں ضرور اثر ہوتا ہے خاص کر جب وہ شخص ہم صحبت ایسا ہو کہ متبوع اور معظم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات کا کون جامع ہوگا تو اس صورت میں وہ آزادی و بیباکی ان لڑکیوں میں بھی آوے گی۔ اور میری رائے میں سب سے بڑھ کر جو عورت کا حیا اور انقباض طبعی ہے اور یہی مفتاح ہے تمام خیر کی۔ جب یہ نہ رہا تو اس سے پھر نہ کوئی خیر متوقع ہے نہ کوئی شر مستبعد ہے ہر چند کہ " اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت " حکم عام ہے لیکن میرے نزدیک ماشئت کا عموم النساء کے لئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اس لئے کہ مردوں میں پھر بھی عقل کسی قدر مانع ہے اور عورتوں میں اس کی بھی کمی ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی مانع ہی نہ رہے گا۔

اسی طرح اگر استانی ایسی نہ ہو لیکن ہم سبق اور مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی اسی کے قریب مضرتیں واقع ہوں گی۔

اس تقریر سے دو جزئیوں کا حال بھی معلوم ہوگیا ہوگا جن کا اس وقت بے تکلف شیوع ہے ایک لڑکیوں کا عام زنانہ اسکول بنانا اور مدارس عامہ کی طرح اس میں مختلف اقوام اور مختلف طبقات اور مختلف خیالات لڑکیوں کا روزانہ جمع ہونا۔ گو معلّمہ مسلمان ہی ہو اور یہ آنا ڈولیوں ہی میں ہو اور گو یہاں آکر بھی پردہ ہی کے مکان میں رہنا ہو لیکن تاہم واقعات نے دکھلا دیا ہے اور تجربہ کرا دیا ہے کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کا ان کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے اور یہ صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوئی ہے اور اگر استانی بھی کوئی آزاد یا مکار مل گئی تو کریلہ اور نیم چڑھا کی مثال صادق آجاتی ہے۔

اور دوسری جزئی یہ کہ اگر کہیں مشن کی میم سے بھی روزانہ یا ہفتہ وار انگریزی تعلیم یا صنعت سکھلانے

کے بہانہ سے اختلاط ہونے تب تو نہ آبرو کی خیر ہے اور نہ ایمان کی۔ مگر افسوس صد افسوس ہے کہ بعضے لوگ ان آفات کو مایۂ افتخار سمجھ کر خود اپنے گھروں میں بلاتے ہیں میرے نزدیک تو ان آفات مجسمہ سے بچی تو بچی اور تابع ہو کر تو کیا ذکر کسی بڑی بڈھی مسلمان عورت کا متبوع ہو کر بھی عمر بھر میں ایک بار ہمکلام ہونا بھی خطرناک ہے جن مضرتوں کے ذکر کا اوپر وعدہ تھا ان میں سے بعض یہی ہیں اور بعض کا ذکر اوپر دوسرے طبقہ کے منشاء خیال کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم کا اسلم طریقہ اسلم طریق لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانۂ دراز سے چلا آتا ہے کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان اگر ایسی استانی مل جاوے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت اور باثر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی استانی نہ ملے۔ اپنے گھر کے مرد پڑھا دیا کریں پڑھانے کا تو یہ طرز ہوا۔

نصاب تعلیم اور نصاب تعلیم یہ ہو کہ اول قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے۔ پھر کتب دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزائے دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کے لئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مرد تعلیم دے تو جو مسائل، شرمناک ہوں ان کو چھوڑ دے اپنی بی بی کے ذریعہ سمجھوا دے اور اگر یہ انتظام بھی نہ ہو سکے تو ان پر نشان کر دے تاکہ ان کو یہ مقامات محفوظ رہیں پھر وہ سیانی ہو کر خود سمجھ لیں گی یا اگر عالم شوہر میسر ہو اس سے پوچھ لیں گی یا شوہر کے ذریعہ سے کسی عالم سے تحقیق کرا لیں گی۔ (چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو ٹائیٹل پر مطبوع ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے مگر بعضے لوگ اس کو دیکھتے ہی نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اگر کوئی مرد پڑھانے لگے تو ایسے مسائل کس طرح پڑھاوے۔ اس لئے ان کا لکھنا ہی کتاب میں مناسب نہ تھا کیسی کچی سمجھ ہے) بہشتی زیور کے اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے جن کا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہے اگر سب نہ پڑھے ضروری مقدار پڑھ کر باقیوں کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں۔ اور تعلیم کے ساتھ ان کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی انتظام کریں کہ ان کو تدریس کا شوق ہو، تاکہ عمر بھر علمی شغل رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید و تحریز ہوتی رہتی ہے اور اس کی بھی ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ سے کبھی

غافل نہ رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں۔ تاکہ قرآن وحدیث وفقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جاویں اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں اس لئے اکثر کے لئے مناسب نہیں یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی۔

عورتوں کو لکھنا سکھلانے کے متعلق حکم

رہا لکھنا تو اگر قرآن سے طبیعت میں بے باکی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ضروریات خانگی کے لئے اس کی بھی حاجت ہو جاتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلب مصالح غیر واجب سے اہم ہے۔ ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھلاویں اور نہ خود لکھنے دیں اور یہی فیصلہ ہے عقلا کے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کے لئے کیسا ہے اب مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

"استاذ شاگرد اور ہم جماعت ساتھیوں کے حقوق کے متعلق کوتاہیاں"

(اصلاح معاملہ بہ ادائے حقوق معلم ومتعلم وشریک تعلّم)

علوم دینیہ کا جس طرح تعلیم وتعلم ضروری ہے اسی طرح اس تعلیم وتعلم کے سبب جن لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں۔ ان تعلقات کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اور یہ حقوق جس طرح فی نفسہا دلائل سے ضروری ہیں۔ اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوا کہ برکات علمیہ کے موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے بھی ضروری ہے یہیں اور جن سے یہ تعلقات ہوتے ہیں وہ تین جماعتیں ہیں اول معلمین یعنی اساتذہ دوسرے متعلمین، یعنی تلامذہ۔ تیسرے شرکاء فی التعلم یعنی ہمدرس وہم سبق، پس تینوں جماعتوں کے کچھ حقوق وآداب ہیں اور مثل دیگر اعمال کے ان میں بھی کم وبیش کوتاہیاں کی جاتی ہیں۔

متعلمین کی کوتاہیوں کی تفصیل چنانچہ مشاہدہ ہے کہ بعضے تو استاد کے حقوق وآداب بھی ادا نہیں کرتے۔ پھر ان میں بھی دو قسم کے ہیں بعض تو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں اور بعض اس زمانہ میں تو کسی قدر رعایت کرتے ہیں مگر بعد

مفارقت پھر مطلق اس کا اہتمام نہیں کرتے اور جو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں یہ دو قسم کے ہیں۔ بعضے تو ظاہر ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اور بعضے ایسا تو نہیں کرتے مگر جن حقوق وآداب کے سمجھنے میں کسی قدر سلیقہ کی حاجت ہے۔ ان میں کوتاہی کرتے ہیں اور ان سب میں اکثر عدد وہ ہیں جو بعد مفارقت پھر استاد کو یاد نہیں رکھتے اور سب میں بدتر وہ بدنصیب ہیں جو کسی نفسانی مقتضی سے استاد کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اقسام ان لوگوں کے ہیں جو استادوں کا حق ادا نہیں کرتے۔ اور ان مضیعین حقوق اساتذہ سے زیادہ عدد میں وہ حضرات ہیں کہ اپنی استادی کے زمانہ میں شاگردوں کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے اور اپنے حقوق واجبہ سے گذر کر غیر واجب بلکہ غیر جائز کے ادا کے بھی متوقع و منتظر رہتے ہیں اور قالاً یا حالاً ان کا مطالبہ ان سے کرتے ہیں اور ان سے بھی زیادہ وہ لوگ ہیں بلکہ غالباً قریب قریب کل کے ایسے ہی ہیں کہ ہم سبقوں کے حقوق کا تو ان کے دل میں خطرہ بھی نہ گذرتا ہوگا۔

گو کہیں دوسرے اسباب سے باہم دوستی بھی ہو جاتی ہو لیکن یہ بات کہ محض اس علاقہ سے باہم دوسرے کے کچھ حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہوں یہ بات بہت نادر بلکہ قریب قریب معدوم ہے اور جب سمجھتے ہی نہیں تو سمجھ کر ادا کرنے کے اہتمام کا تو کیا ذکر ہے بلکہ بعض جگہ تو نہایت افسوس کی بات ہے کہ بجائے باہم اخوت و وفاق و رعایت حقوق کے ایک طرف سے یا کہیں دونوں طرف سے بغض وحسد وخلاف وعقوق دیکھا جاتا ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان سب حقوق کی کچھ کچھ جزئیات بطور نمونہ لکھدی جاویں۔ خود ان جزئیات کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسے اصول ہاتھ آجاویں گے کہ ان اصول سے دوسری غیر مذکور جزئیات کا سمجھنا اور رعایت کرنا سہل ہو جائے گا۔ اور ہر چند کہ یہ تینوں قسم کے حقوق اور آداب میرے نزدیک فطری ہیں اور ذرا بھی فطرت میں سلامتی ہو تو ان کے معلوم کرنے اور نیز عمل پر تقاضا کرنے کے لئے صرف وجدان کافی ہے لیکن اس خیال سے شاید کسی احتمال پرست کو گمان ہو کہ مثل دیگر حقوق کے یہ حقوق شریعت میں منقول نہیں۔ ترین مصلحت معلوم ہوا کہ

اولاً نصوص کو نقل کر کے ساتھ ساتھ ان حقوق کی تقریر کرتا جاؤں اور حتی الامکان ترتیب کا بھی لحاظ رکھوں اس طرح کہ اول حقوق استاد کے پھر شاگرد کے، پھر ہمدرس کے۔ بیان کروں اور

حتی الامکان اس لئے کہا کہ ممکن ہے کہ کسی نص سے دو یا تین جماعتوں کے حقوق مفہوم ہوتے ہوں تو خاص اس میں وہ ترتیب ملحوظ نہ رہے گی۔ گو ایسا قلیل ہو گا۔

اور جاننا چاہیئے کہ استاد عام ہے۔ سبق پڑھانے والے اور پوچھنے پر مسئلہ بتلانے والے اور ابتدا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے اور اصلاح نفس کے طریقے بتلانے والے یعنی پیر کو، اسی طرح شاگرد عام ہے، تلمیذ متعارف اور سائل عن الدین اور مرید کو، اسی طرح ہمدرس عام ہے متعارف ہم سبق اور کسی عالم کی مجلس میں شرکت کرنے والوں اور پیر بھائیوں کو،

اور ثانیاً بعد سوق نصوص کے بطور تفریع یا توضیح یا تفصیل یا تتمیم کے کچھ جزئیات کی بھی تقریر کر دوں کہ وہ بھی گویا اصل ہی کے ساتھ ملحق ہو گا۔

حقوق و آداب معلّم

آیۃ ۔ لقد من اللہ علی المومنین (الی قولہ تعالیٰ) یعلمھم الکتاب والحکمۃ الآیۃ

(البتہ احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر (الی قولہ) سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت)

اس آیۃ کریمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بعثت پر منت ہونے کی علت میں تعلیم کتاب وحکمت کو ذکر فرمانا صاف دلیل ہے کہ جو شخص کسی کو دین کی تعلیم کرے وہ اس شخص کے حق میں نعمت الٰہی ہے اور اس کی قدر و تعظیم اس پر لازم ہے اور اس تعلیم میں سبق پڑھانا اور مسئلہ بتلانا وغیرہ سب داخل ہیں کہ یہ سب تعلیم کے طریقے ہیں حتیٰ کہ کسی کی تصنیف سے منتفع ہو جانا اس قاعدہ سے اس کے شاگردوں میں داخل ہو جانا ہے اس کے حقوق بھی مثل استادوں کے ثابت ہو جاویں گے۔

آیۃ ۔ قال لہ موسیٰ ھل اتبعک الی آخر القصہ

(حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے کہا کہ کیا میں تمہاری پیروی کروں)

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ہے اس سے چند حقوق و آداب ثابت ہوتے ہیں اول استاد کی خدمت میں خود شاگرد جایا کرے ان کو تکلیف نہ دے

کرآکر پڑھادیا کریں اگراستاد کسی اعتبار سے شاگرد سے رتبے میں کم بھی ہو تب بھی اس کا اتباع کرے۔

سوم :۔ جس بات کے پوچھنے کو وہ منع کریں نہ پوچھا کرے۔ اس کی مخالفت یا اس کو تنگ نہ کرے۔

چہارم :۔ اگر کبھی غلطی سے اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجاوے تو معذرت کرے۔ پنجم اس کے تنگ ہونے یا مرض وغیرہ سے کسل مند ہونے کے وقت سبق بند کردے

استاد کے ساتھ گفتگو کے آداب ملحوظ رکھنا

آیۃ ۱۴ یاایھاالذین آمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا ط الایۃ

(ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا اور کہو انتظار کرو ہمارا اور سنو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استاد کے ساتھ گفتگو میں بھی ادب ملحوظ رکھے۔ تا بمعاملات چہ رسد۔

آیۃ ۱۵ انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہٗ علی امرٍ جامعٍ لم یذھبوا حتی یستاذنوہ ط

(ترجمہ) جزایں نیست کہ مؤمن وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور جب ہوتے ہیں ساتھ رسول کے کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جب تک اجازت نہ لے لیں۔

استاد کی خدمت میں بلا اجازت نہ جاوے

اس آیت سے استاد کا یہ حق ثابت ہوا کہ اس کی خدمت سے بلا اذن نہ جاوے خواہ اذن صراحۃً ہو یا دلالۃً

تعلیم دین بھی احسان ہے

حدیث :۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہٗ من صنع الیکم معروفًا فکافئوہ فان لم تجدوا ماتکافئونہ فادعوالہٗ حتیٰ تروا انکم قد کافاتموہ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی مستدرکہ کذا فی العزیزی)

(ترجمہ) جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کی مکافات کرسکتے ہو تو کردو ورنہ اس کے لئے دعا کرو۔ یہاں تک کہ تم سمجھ لو کہ تم نے اس کی مکافات کردی۔

کیا کوئی شخص تعلیم دین کے معروف یعنی احسان ہونے سے انکار کرسکتا ہے۔ جب اس کا احسان ہونا مسلّم ہوگیا تو اس کے مکافات میں اس کی ہر قسم کی خدمت مال سے جان سے داخل ہوگئی جو

حدیث ہٰذا میں مامور بہ ہے۔

اور جب کسی قسم کی استطاعت نہ رہے تو اس وقت اقل درجہ دعا ہی سے یاد رکھنا ضروری ہے

حدیث:۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ رواہ احمد والترمذی۔

ترجمہ:۔ جس نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ ادا کیا۔

اس حدیث کے عموم میں استاد بدرجہ اولیٰ داخل ہے کہ بہت بڑی نعمت یعنی علم دین کا واسطہ ہے اس کی حق شناسی میں کوتاہی کرنا بنص حدیث حق تعالیٰ کی ناشکری ہے جس کا محل وعید ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال تعالیٰ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم (مقابل شکرتم) ان عذابی لشدید ۵ الآیۃ۔

ترجمہ:۔ اگر تم شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ دیں گے اگر تم کفران نعمت کرو گے تو یاد رکھو ہمارا عذاب شدید ہے۔

یہ حدیثیں تو بعمومہا مدعا پر دال ہیں۔ آگے خصوص کے ساتھ دلالت کرنے والی احادیث منقول ہیں۔

اُستاد اور شاگرد ایک دوسرے کو مغالطہ میں نہ ڈالے

حدیث: عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نہی عن الاغلوطات رواہ ابوداؤد

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (علوم میں) مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے۔

اس سے ایک ادب استاد کا ثابت ہوا وہ یہ کہ بعض طلباء کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ کتاب میں احتمالات نکال کر استاد کے سامنے بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور خود بھی سمجھتے ہیں کہ مہمل اعتراض ہیں مگر اپنی ذہانت جتلانے اور استاد کا امتحان کرنے کے لئے ایسی نامعقول حرکت کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ یہ مغالطہ ہوا کہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ مقام مشتبہ ہے حالانکہ خود اپنے نزدیک بھی مشتبہ نہیں اور اسی سے شاگرد کا بھی ایک حق ثابت ہو گیا وہ یہ کہ بعض مدرسین کی عادت ہے

کہ کسی مقام پر خود بھی شبہ ہے مگر شاگرد پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے کچھ گڑھ مڑھ کر تقریر کر دیتے ہیں۔ گویا اس کو دھوکا دیتے ہیں کہ اس مقام کی یہی تقریر ہے حالانکہ خود بھی یہ اطمینان نہیں۔

علم دین پڑھانے والا سب سے زیادہ سخی ہے۔

حدیث :۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تدرون من اجود جوداً قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال اللہ اجودُ جوداً ثم انا اجودُ بنی آدم واجودھم من بعدی رجل علم علماً فنشرہ یاتی یوم القیامۃ امیراً وحدہٗ رواہ البیہقی۔

ترجمہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے ؟۔ انہوں نے (ازراہِ ادب) عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کا نبی دانائے حال ہے تو آپ نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے کہ جس نے علم دین سیکھا اور اس کو پھیلایا یہ شخص قیامت میں تنہا بمنزلہ ایک امیر کے آوے گا (بیہقی)

اس حدیث میں بعد اللہ ورسول کے سب سے زیادہ صاحب جود اس عالم کو فرمایا ہے جو علم کو شائع کرے جس طریق سے بھی ہو خواہ تدریس سے یا وعظ وتلقین سے خواہ تصنیف سے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر جود کرے اس کا کتنا حق ہوتا ہے پس یہ مشیعین للعلم جن لوگوں پر جود خاص کر رہے ہیں اور وہ متعلمین ہیں بالقیاس ہم ان پر ان کا کیسا کچھ حق ہو جاوے گا۔

اگر استاد کسی کتاب پڑھنے سے منع کرے تو شاگرد کو اس پر عمل کرنا چاہئیے

حدیث :۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الامیر السریۃ کتاباً وقال لا تقراہ حتی تبلغ مکان کذا وکذا فلما بلغ ذلک المکان قراہ علی الناس واخبرھم بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ البخاری)

ترجمہ : یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امیر لشکر کو حکم نامہ لکھ کر دیا اور (ایک مصلحت کے سبب) یہ فرمایا کہ جب تک فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ اس کو مت پڑھنا۔ چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے ایک ادب ثابت ہوا جو طالب علموں پر لازم ہے وہ یہ کہ استاد اگر کسی کتاب

پڑھنے سے کسی خاص وقت میں منع کرے مثلاً اس کے نزدیک شاگرد کی استعداد سے زیادہ ہے اس مصلحت سے اس وقت پڑھنے سے منع کرتا ہے تو طالبِ علم کو چاہیئے اس پر عمل کرے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہر طرح مبارک ہی تھا اور اس کا پڑھنا اور جاننا ہر وقت عبادت تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مصلحت سے ایک وقت معین کے قبل تک اس کے مطالعہ سے منع فرمایا اور ان صحابی نے ویسا ہی کیا۔

شاگرد کے بے ڈھنگے سوال پر اگر اُستاد غصہ کرے تو صبر کرنا چاہیئے

حدیث:۔ عن زید بن خالد الجھنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سألہ رجل عن اللقطۃ فقال اعرف وکاءھا او قال وعاءھا وعفاصھا ثم عرفھا سنۃ ثم استمتع بھا (ای ان کنت فقیراً والا تصدق بھا) فان جاء ربھا فادھا الیہ قال فضالۃ الابل فغضب حتی احمرت وجنتاہ او قال احمر وجھہ فقال مالک ولھا معھا سقاءھا وحذاءھا ترد الماء وترعی الشجر فذرھا حتی یلقاھا ربھا الحدیث رواہ البخاری۔

ترجمہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز کے پانے کا) مسئلہ دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس کا سر بند اور ظرف پہچان لے۔ اور سال بھر تک اس کی تعریف کر اگر کوئی مالک نہ ملے (اور تو محتاج ہو تو اس سے نفع اٹھا ورنہ صدقہ کردے) پھر اگر اس کا مالک آوے تو اس کو دیدے۔ اس سائل نے کہا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے۔ اس سوال سے آپ پر آثارِ غصہ نمودار ہوئے حتی کہ رخسارہائے مبارک سُرخ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا۔ تجھے اس سے کیا کام ہے اس کے ساتھ اس کی مشک ہے اور اس کے موزے۔ پانی پر جاکر پانی پیتا ہے اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بیڈھنگے سوال پر استاد غصہ کرے تو شاگرد کو چاہیئے کہ اس کو گوارا کرے مکدر نہ ہو۔ جس طرح یہاں اس صحابی نے برا نہیں مانا۔

جہاں تک ہوسکے استاد کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں

حدیث:۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل

وان ابا هريرة رضـ كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع لبطنه ويحضر ما لا يحضرون ويحفظ ما لا يحفظون (البخاری)

ترجمہ:۔ ایک طویل حدیث میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے۔ اس قدر اور لوگ حاضر نہ رہ سکتے تھے اور احادیث اس قدر یاد کرتے تھے کہ اور لوگ نہ یاد کر سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پیٹ بھرائی کھانا مل جاوے تو حتی الامکان استاد سے جدا نہ ہو کہ اس کی عنایت بھی بڑھ جاتی ہے اور فوائد علمیہ بھی حاصل ہوتے ہیں اور اس کی خدمت کا بھی موقع ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوھریرہ رضـ سے موقع پر خدمتیں لینا بھی احادیث میں وارد ہے۔

استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش رہنا چاہیئے

حدیث:۔ عن جریر رضی اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہٗ فی حجۃ الوداع استنصت النّاس (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش اور متوجہ رہنا چاہیئے کسی سے بات نہ کرے کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

اگر استاد کسی بات پر ناراض ہو تو ان کو خوش کرنا چاہیئے

حدیث:۔ عن جابر رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول اللہ ھٰذہ نسخۃ من التوراۃ فسکت فجعل یقرء ووجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ ورسولہ (الحدیث) (رواہ الدارمی)

ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نسخہ توراۃ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نسخہ توراۃ

کا ہے۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ حضرت عمرنے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر رووین تجھ کو رونے والیاں۔ رسول اللہ صلی اللہ کے روئے انور کو تو دیکھ کہ خوشی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے غصے سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے غصہ سے (دارمی)

اس حدیث سے ایک حق استاد کا ثابت ہوا کہ اگر وہ کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اس کو خوش کرنا ضروری ہے۔ دوسرا حق شاگرد کا ثابت ہوا کہ اگر اس سے کوئی امر نامناسب صادر ہو تو اس کو تنبیہ کرنا ضرور ہے اور اس سے اس کی اصلاح ہوتی ہے تیسرا حق شریک علم کا ثابت ہوا کہ اس کی غلطی پر جس پر وہ خود مطلع نہ ہوا۔ خیرخواہی سے مطلع کردے کہ وہ اس کا تدارک کرے اور وہ بھی اس کو قبول کرے۔ جیسا حضرات شیخین سے واقع ہوا۔

اہل علم اور استاد کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آنا چاہئے

(حدیث) فی الترغیب والترہیب للمنذری عن ابی ہریرۃ رضؓ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا العلم وتعلموا للعلم السکینۃ والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منہ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم سیکھو اور علم کے لئے سکینہ اور وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ تواضع اور ادب سے پیش آؤ (ترغیب وترہیب)

اس حدیث میں ترغیب علم و اختیار وضع اہل علم کے ساتھ استاد کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آنے کا صریح امر ہے۔

استاد کے حقوق کے متعلق مختلف کوتاہیاں

اب بعد سوق نصوص کے واقعات پر نظر کرکے کچھ کوتاہیاں اس باب کے متعلق عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سو جاننا چاہئے کہ جو لوگ استاد کے حقوق ضائع کرتے ہیں جیسا کہ تمہید مضمون میں بیان کیا گیا

مختلف اقسام ہیں بعض تو خود زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں۔ پھر ان میں بعضے تو ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جیسے ان کا ادب کرنا مثلاً آنے جانے کے وقت سلام نہ کرنا اس کی طرف پشت کرکے بیٹھنا، یا ادھر پاؤں پھیلا دینا، اور جیسے اطاعت کم کرنا، مثلاً کوئی بات مان لی۔ کسی بات کو ٹال دیا اور جیسے خلوص میں کمی کرنا، مثلاً اس سے فریب کرنا، جھوٹ بولنا، اپنی خطا کی تاویل کرنا اور جیسے خدمت میں کمی کرنا، خواہ بدنی ہو، مثلاً اس کو پنکھا جھلنا، اس کا بدن دابنا۔ ومثل ذالک۔ اور خواہ مالی ہو مثلاً حق تعالیٰ نے اپنے کو وسعت دی ہے اور استاد نادار ہے۔ اس وقت اس کی خدمت میں کچھ نقد یا متاع یا طعام بطور ہدیہ کے پیش کرنا۔ اس میں ایسے منکر ہیں کہ وہ بدنی خدمت کو عار اور ذلت سمجھتے ہیں۔ اور بعض مال سے دریغ کرتے ہیں۔ خصوصاً اگر استاد ان کا تنخواہ دار ہو تو تنخواہ دے کر سب حقوق سے اپنے کو سبکدوش سمجھ بیٹھتے ہیں۔ واقعی پھر کوئی حق واجب تو نہیں رہتا لیکن کیا واجب کے بعد تطوع کا کوئی درجہ نہیں خصوص جبکہ اس میں اپنا ہی نفع ہو۔ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ استاد کا دل جس قدر خوش رکھا جاوے گا۔ اس قدر علم میں برکت ہوگی۔

استاد کا حق پورا نہ کرنے کے متعلق ایک عجیب حکایت

میں نے ایک جگہ کسی بہت بڑے عالم کی حکایت لکھی دیکھی ہے کہ ان کے استاد ان کے وطن کی طرف اتفاق سے آئے تھے۔ سو سب شاگرد ان کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوئے اور یہ عالم بوجہ اس عذر کے کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے حاضر نہ ہو سکے۔ چونکہ ایسی مشغولی نہ تھی کہ حاضر ہونے سے ضروری خدمت میں کوئی حرج واقع ہوتا۔ کسی قدر سستی سے بھی کام لیا۔ استاد کو یہ کم توجہی ناگوار ہوئی اور یہ فرمایا کہ بہ برکت خدمت والدہ کے ان کی عمر تو طویل ہوگی مگر ہمارے حقوق میں کمی کرنے کے سبب ان کے علم میں برکت نہ ہوگی۔ چنانچہ عمر تو بہت ہوئی لیکن تمام عمر گذر گئی نشر علم کے اسباب ان کے لئے جمع نہ ہوئے۔ کچھ ایسے اتفاقات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے کہ کبھی شہر میں رہنا ہی نصیب نہ ہوا۔ ہمیشہ گاؤں میں رہتے رہے۔ جہاں نہ درس و تدریس کا موقع ملا نہ دوسرے طرق اشاعت علم کا۔

غرض کہ استاد کے تکدر سے علم کی برکت جاتی رہتی ہے اور اس کی خوشی سے برکت ہوتی ہے۔

پس جو حقوق واجب نہیں ہیں۔ ان کی رعایت کرنے سے اپنا ہی نفع ہے۔

اور کہ غور کرنے کے قابل بات ہے کہ اگر استاد بھی اسی قاعدہ پر عمل کرے کہ تعلیم واجب سے زیادہ ایک حرف نہ بتلاوے ایک منٹ زیادہ نہ دے۔ تقریر ایک بار سے زیادہ ہرگز نہ کرے تو کیا اس طرح سے اس کو علم حاصل ہو سکتا ہے وہ بے چارہ اس کی تعلیم وتفہیم میں واقعی خون جگر کھاتا ہے تو اس کو کیا زیبا ہے کہ اس کے حقوق میں ضابطہ سے ایک انگل نہ بڑھے۔ یہ تو نری بے حسی وقساوت ہے۔

کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی استاد کے حقوق میں داخل ہے۔

اور بعضے ایسے موٹے موٹے حقوق کی تو رعایت کرتے ہیں لیکن ایسے حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں جن کے سمجھنے میں سلیقہ کی ضرورت ہے۔ مثلاً مطالعہ کم دیکھنا جس سے یا عبارت پڑھنے میں غلطیاں ہونے سے یا مقام کے کم سمجھنے کے سبب استاد کو کئی بار تقریر کرنے کی ضرورت واقع ہونے سے یا اسی کم سمجھنے کے سبب فضول سوال کرنے سے استاد کو تنگی وانقباض و پریشانی ہو تو کیا محسن کا یہی حق ہے کہ اس کو بلا ضرورت پریشان کیا جاوے اور یہاں بلا ضرورت ہی ہے کیونکہ مطالعہ کے اہتمام سے یہ سب خلجانات رفع ہو سکتے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مطالعہ دیکھنے سے پھر عبارت میں غلطی یا فہم مطالب میں کمی نہیں ہوتی۔ ضرور پھر بھی ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے استادوں کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہے کہ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے اپنی کوشش صرف کی ہے یا نہیں۔ پس باوجود بذل جہد کے جو کمی رہ جاتی ہے وہ چونکہ اس کی وسعت سے خارج ہے اس سے طبعاً تنگدلی نہیں ہوتی اس میں اس شاگرد کو معذور سمجھا جاتا ہے۔
اور بے پروائی اور سستی معلوم ہونے سے بے حد ناگواری ہوتی ہے۔

استاد کی تقریر کے وقت ادھر ادھر نہیں دیکھنا چاہئے

اور مثلاً استاد کی تقریر کے وقت دوسری طرف التفات کرنا کہ استاد تو اس کی طرف متوجہ اور یہ دوسری طرف متوجہ اس سے استاد کو بہت کوفت ہوتی ہے خصوص ایسی حالت میں جب کہ کوئی سوال بھی کرے۔ ایسا کہ اگر توجہ سے تقریر سنتا تو پھر یہ سوال ہی نہ کرتا۔ اس وقت استاد کو سخت شکایت ہوتی ہے کہ ناحق ہی مجھ کو پریشان کر رہا ہے۔

مہمل اور لغو اور اپنی ذہانت دکھلانے کیلئے سوال نہیں کرنا چاہئے

اور مثلاً ایسا سوال کرنا جس کا جواب

یا جس کی لغویت خود بھی معلوم ہے۔ جس طرح بعض طلبار کی عادت ہے کہ محض اپنی ذہانت دکھلانے یا استاد کا امتحان لینے یا محض مشغلہ و تفریح کی غرض سے دور از کار بھل بھل سوالات کیا کرتے ہیں۔

ایک حکایت جیسے ایک طالبِ علم کی حکایت سنی ہے کہ انہوں نے حدیث میں پڑھا کہ طلوع شمس کے وقت نماز نہ پڑھو۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ لاتصلوا بھی عام اور طلوع شمس بھی عام خواہ کسی مقام کا طلوع شمس ہوا ور یہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع ہوتا ہی رہتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ کسی شخص کو کسی وقت بھی نماز پڑھنا جائز نہ ہو۔ ہر چند کہ اس کو سمجھایا گیا کہ بھائی جہاں کا طلوع شمس ہو وہیں کے لوگوں کو اس وقت کے اعتبار سے لاتصلوا کا حکم ہے۔ مگر ان بزرگوار نے مانا ہی نہیں۔ یہی فرماتے رہے کہ نہیں صاحب دونوں ہی میں عموم ہے۔ ان سے کہا گیا کہ بھائی اس سے تو نماز کی فرضیت ہی لغو ہوئی جاتی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ خواہ کچھ ہو جائے انصاف ہے۔ کیا یہ سوال قابل پیش کرنے کے ہے؟ اور کیا سچ مچ اس پاگل کو یہ شبہ تھا۔ محض فضول دق کرنے کے لئے اس نے یہ حرکت کی اور بجائے اس کے کہ اس کے زعم کے موافق اس کی ذہانت ظاہر ہوتی۔ اور الٹا اس کا کوڑھ مغز ہونا ثابت ہو گیا۔ ایسے طالب علموں کو کبھی علم نصیب نہیں ہوتا۔

غرض استاد کو کبھی پریشان نہ کرے۔ بلکہ ادب کی بات تو یہ ہے کہ اگر اور کسی سبب سے یا اور کسی کے سبب سے وہ پریشان ہو تو اس وقت یا تو سبق ملتوی کر دے یا بجز بہت ہی ضروری بات کے زائد باتیں نہ پوچھے۔

اور مثلاً تعیین سبق یا مقدار سبق میں استاد کی رائے نہ ماننا جیسے بعض طلبار کی عادت ہے کہ باوجود استاد کی رائے معلوم ہونے کے پھر اپنی رائے پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم تو فلاں ہی کتاب شروع کریں گے۔ یا اتنا ہی سبق پڑھیں گے یا فلاں ہی شخص سے پڑھیں گے۔ ان امور میں تو طالب علم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ "ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون"۔

ترجمہ: یعنی کہاں تجربہ کار اور کہاں ناتجربہ کار، اس کو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کنایہ است از خلاف نفس کردن نہ کہ خلاف حق کردن یہ وہ حقوق ہیں کہ جن کے سمجھنے کے لئے سلیقہ کی ضرورت ہے۔ یہاں تک یہ سب جزئیات ہوئیں ان اضاعات حقوق کی جو زمانہ تحصیل علوم میں سرزد ہوتی ہیں۔

فراغت کے بعد کی کوتاہی ایک قسم وہ ہے جو بعد مفارقت استاذ کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہوں مگر عمل کا اہتمام نہیں کرتے۔ اور اس بلا میں بہت زیادہ ابتلاء ہے اور تو کیا کرتے کبھی خط بھیجنے کی اور استاد کی خیریت پوچھنے کی توفیق نہیں رہتی۔ سمجھتے ہیں کہ اب کیا علاقہ رہا۔ کیا صاحب محسن کا حق صدور احسان ہی کے زمانہ تک ہوتا ہے۔ پھر نہیں رہتا؟ اگر یہ بات ہے۔ پس بعد بالغ ہو جانے کے والدین کے حقوق بھی رخصت ہو جاویں گے۔ ولا قائل بہ۔

پھر یہ ہے کہ گو صدور احسان کا اس وقت استاد سے نہیں ہو رہا ہے لیکن اس احسان کے آثار کا ظہور و ترتب تو اس وقت بھی ہو رہا ہے بلکہ زیادہ اسی وقت ہو رہا ہے کیونکہ جتنا کمال علمی اس وقت تمہارا ظاہر ہو رہا ہے اس کا منشاء و مبداء وہی انعام تعلیمی استاد ہی کا تو ہے ونعم ماقیل فی نحو ھٰذا المعنی

فعادوا فاثنوا بالذی کان اھلہ
ولو سکتوا اثنت علیہ الحقائب

غرض یہ ناسپاسی ہی ہے کہ اپنا کام نکالا اور الگ ہوئے یہ تو پوری خود غرضی ہے سپاس گذاری یہی ہے کہ ہمیشہ جب تک جان میں جان ہے وہ وقت یاد رکھے کہ جب یہ اس کے سامنے کتاب رکھکر بیٹھتا تھا اور یہی سمجھے کہ گویا ابھی اس کے پاس سے پڑھکر اٹھکر آیا ہوں اور پھر پڑھنے کے لئے جاتا ہے تو اس وقت جتنے حقوق کو ضروری سمجھتا تھا جن کی بقدر ضرورت تفصیل بھی ہو چکی ہے وہی حقوق اب بھی باقی ہیں ایسا کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ یوماً فیوماً علوم و برکات میں ترقی ہوگی۔ قال تعالیٰ لئن شکرتم لازیدنکم۔

بلکہ ان حقوق کو ایسا مستمر سمجھے کہ استاد کی وفات کے بعد بھی وہ حقوق ملحوظ رکھے جو اس وقت ادا کئے جاسکتے ہیں اور ان کا خلاصہ دو امر ہیں۔ ایک اس کے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت کرنا دوسرا اس کے اہل و اقارب کی تعظیم و خدمت کرنا اسی طرح استاد کے دوستوں اور معاصرین کا احترام کرنا

اور اگران کو حاجت ہو تو ان کی خدمت کرنا۔

احادیث میں اس قسم کے حقوق والدین کے لئے آئے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو بعد وفات نبویہ آپ کے اہل کی خدمت کریں گے اور آپ کی عزت سے محبت رکھیں گے اب صرف ان مضیعین حقوق استاد میں سے وہ لوگ رہ گئے جن کو میں نے تمہید میں بدنصیب کہا ہے۔ یعنی جو نفسانی اغراض سے استاد کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ ان کی شان میں تقریراً یا تحریراً گستاخی کرکے ان اشعار کا مصداق بنتے ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب ❊ بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق ❊ باشد او در لجۂ حیرت غریق

بدر گستاخی کسوف آفتاب ❊ شد عزازیلے ز جرأت رد باب

استاد تو وہ چیز ہے کہ اگر بضرورت دینیہ بھی اس کے خلاف کرنا پڑے تب بھی کافر باپ کی طرح دین کے باب میں تو اس کی موافقت نہ کرے لیکن ادب اور احترام اس کا ترک نہ کرے۔ کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا یعنی روحانی باپ ہے۔ گو تعارض حقوق کے وقت باپ سے یہ مرجوح ہو مگر حقوق غیر متعارضہ میں تو اس کا بھی وہی حکم ہے۔ آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اسی تربیت روحانیت و تعلیم دینی ہی کے سبب تو یہ ارشاد ہوا ہے۔

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم وفی بعض القرآت وھواب لھم۔

پس استاد بھی آپ کا وارث و نائب ہے گو اس درجہ میں نہ سہی۔ چنانچہ آپ کے حقوق، علی الاطلاق آبائے نسبیہ پر مقدم ہیں۔ اس وجہ سے کہ آپ کے حقوق حقوق الہٰیہ ہیں جو سب پر مقدم ہیں۔ یہ مختصر بیان ہوا اقسام مضیعین حقوق و آداب اساتذہ کا۔

تنخواہ دینے سے استاد کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہوجاتا

ان سب اقسام میں ایک ایک مشترک شکایت ہے وہ یہ کہ جو اساتذہ کسی مدرسہ سے تنخواہ پاتے ہیں۔ ان کے حقوق اور بھی ضعیف سمجھتے ہیں۔ افسوس یہ نہیں سمجھتے کہ جو بناء ہے ان حقوق کی وہ تنخواہ پانے سے منعدم نہیں ہو گئی تو

مبنی کیسے مفقود ہو جاوے گا اول تو تنخواہ کیا اس احسان کا بدل ہو سکتی ہے دوسرے وہ تنخواہ انہوں نے بھی دی ہو اس سے زیادہ اس نے ان کو دیا۔

اور اگر کہا جاوے کہ جب نیت اس کی دنیا کی تھی تو احسان کم ہو گیا یہ بھی محض غلط ہے۔ ثواب خواہ کم ہو جاوے مگر احسان تو ویسا ہی ہے اور شاید اس مقام پر بعض کو یہ خیال ہو کہ ہم فلاں استاد کے بہت حقوق ادا کرتے ہیں تو تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نرا استاد سمجھ کر حقوق ادا کم کرتے ہیں۔ جس استاد کے حقوق کچھ ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی دوسرا احتمال بزرگی وغیرہ کا سمجھ کر ایسا کرتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ جہاں نری استادی ہو وہاں کیا ہوتا ہے۔ اگر وہاں بھی رعایت حقوق کی ہو تو قابل مدح و تحسین ہے اسی طرح بعض اساتذہ کو جاہ دینوی حاصل ہونے سے اس کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے وہ بھی کوئی دلیل شاگرد کی خوبی کی نہیں۔ وہ اس سے خود اپنی بڑائی کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ اگر استاد جاہ شہرت میں شاگرد سے کم ہوتا ہے۔ بعض ناخلف اپنے کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے عار کرتے ہیں۔ اگر ایسے استاد کا بھی حق ادا کرے تو مبارک حالت اور قابل قدر ہے

شاگرد کے حقوق

اب بعد بیان حقوق و آداب معلم کے اسی طرز مذکور پر کچھ حقوق متعلم یعنی شاگرد وغیرہ کے بیان کرتا ہوں کہ اولاً بعض نصوص اور ثانیاً بعض جزئیات از قبیل واقعات مذکور ہونگے۔

آیت: ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔

ترجمہ: بلا خدا کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کر اچھا اور نرم طریق سے۔

شاگرد کے ساتھ نرمی اور ان کی استعداد کی رعایت کرنی چاہیئے

اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ مستفیدین کے ساتھ اگرچہ وہ طالب نہ ہوں۔ کیونکہ آیت میں مدعوین ایسے ہی لوگ ہیں۔ رعایت ان کے مذاق و استعداد اور

رفق و ملاطفت کی رکھنا چاہیئے اور اگر طالب ہوں جیسے بالمعنی المتعارف طالب علم وغیرہم تو ان کے ساتھ تو رعایت مذکورہ نہایت درجہ ضروری ہیں ان کے ساتھ ابتدائی خطاب میں بھی مثلاً کتاب کی تقریر میں کا ادع میں بھی ابتدائی خطاب مراد ہے۔ اور ان کے سوالات کے جوابوں میں بھی خواہ تحقیقی جواب ہو یا الزامی کہ جادلہم سے یہی مقاولت مراد ہے۔

آیۃ ۱ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر الایۃ مع قولہ تعالی السابق ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الایۃ۔

ترجمہ تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کیئے گئے ہو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو۔ تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے کہ خیر کی طرف لوگوں کو بلائے۔

"لوگوں کو دینی نفع پہنچانا علماء پر واجب ہے" اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے علماء کو لوگوں کے نفع دینی پہنچانے کے لئے (کما یدل علی النفع الام وعلی تفسیرہ بالامر والنھی) پیدا کیا ہے اور یہ نفع پہنچانا ان پر واجب ہے (کما یدل علیہ صیغۃ الامر) پس اس صورت میں مستفیدین پر اپنا احسان سمجھ کر ان کو بے وقعت سمجھنا اور ان پر حکم چلانے میں حد سے تجاوز کرنا ان پر محض براہ کبر سختی کرنا نہایت نازیبا امر ہے وہ اگر اپنی خواہش سے استفادہ کرتے ہیں تو گویا ادائے واجب میں معلّم کے معین ہیں۔ پس ان کے ساتھ اقل درجہ ایسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ جیسا اپنے معین فی الدنیا کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ایسے طریقے سے پیش آنا چاہیئے جس سے ان کو نفع پہنچے (الذی ھو مقتضی الامر) اور ظاہر ہے کہ ایسی سختی یا بے وقعتی یا بے پروائی کی حالت میں ان کا نفع مفقود ہے۔ یا ناقص ہو جاتا ہے خصوص ان کے سوال کے جواب میں جب وہ سوال تعنت وعناد سے نہ ہو زجر میں شدت کرنا عموم ارشاد خداوندی (و اما السائل فلا تنھر) یعنی سائل کو مت جھڑکیئے کے بھی خلاف ہے یا بدون ان کے کسی مصلحت کے محض اپنی بڑائی اور اس کی برائی ظاہر کرنے کو ان پر اس طرح احسان رکھنا اور اپنے احسان کو جتلانا کہ جس سے ان کی تحقیر یا ان کو اذیت ہو۔ آئندہ ارشاد خداوندی کے خلاف ہے۔

آیت ۳۱ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی الآیۃ بعد تعمیم تفسیر قولہ۔

وممّا رزقناهم ینفقون کما نقله البیضاوی ومما رزقناهم من انوار المعرفۃ یفیضون۔

(ترجمہ) صدقہ دیکر احسان نہیں جتاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دیتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں جیسا کہ نقل کیا اس کو بیضاوی نے یعنی جو ہم نے انوار معرفت ان کو عطا کئے ہیں لوگوں پر ان کا فیضان کرتے ہیں۔ ۱۲

طالب علم کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

حدیث ۱ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان الناس لکم تبع وان رجالاً یأتونکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بہم خیراً (رواہ الترمذی)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور لوگ تمہارے تابع ہیں تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ علم دین سیکھنے اور سمجھنے کو آویں گے ان کے بارے میں میری وصیت کے موافق بھلائی سے پیش آنا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص علم دین طلب کرنے کے لئے آوے اس کے حق میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی اور حسن معاملہ کی وصیت فرماتے ہیں گو ابھی تحصیل بھی شروع نہیں کی اور بعد تحصیل کے تو اور بھی تعلقات وخصوصیات جو کہ مقتضیات زیادتِ تاکید حقوق ہیں زائد ہوں گے۔

پس حقوق اور بھی کمّاً وکیفاً کثیر اور قوی ہو جائیں گے اور چونکہ دوسرے نصوص سے صاحب افادہ کو تنگ کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ ولا یضار کاتب ولا شہید آیۃ: یعنی لکھنے والے اور گواہ کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے۔

اس سے یہ بھی مفہوم ہو گیا کہ طلباء کو بھی اپنی حوائج علمیہ وما یتعلق بہا کی درخواست معلمین اور مہتممین سے اسی درجہ تک کرنی چاہیئے کہ ان کو کلفت نہ ہو، یہ ان کے ذمہ واجب نہیں کہ جتنے طلباء آویں سب کے لئے طبق اور سبق کا انتظام ضرور ہی کر دیا کریں۔ البتہ بشرط سہولت اس کا انتظام اور پھر بعد کام شروع کر دینے کے ان کے مصالح علمیہ کی رعایت حسب حدیث ضروری ہے۔

کسی مقام کی غلط تقریر کرنا یا کسی سائل کو غلط مسئلہ بتلانا جائز نہیں

حدیث ۲ عن سمرۃ

بن رض جندب و المغیرۃ بن رض شعبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین (رواہ مسلم)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی بات بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ تو جھوٹ ہے وہ جھوٹا ہے (مسلم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سبق کی تقریر میں غلط مطلب بتلا دینا یا مستفتی کو غلط مسئلہ بتلا دینا یہ حرام ہے۔ جیسا بعض مدرسین و مفتیین کی عادت ہے کہ طالب علم یا سائل سے اپنا جہل چھپانے کے لئے غلط سلط ہانک دیتے ہیں اور اگر طالب علم قبول نہیں کرتا اور کچھ خدشہ کرتا ہے۔ کبھی مغالطات و تلبیسات سے اور کبھی غضب اور سب و شتم سے اس کو خاموش کر دیتے ہیں۔ اتنا کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آیا پھر سوچیں گے۔ یا یہ کہ دوسرے مدرس سے خود پوچھ لیں یا اس طالب علم ہی کو پوچھنے کی اجازت دیدیں اس سے عار آتی ہے حالانکہ یہ کوئی عار کی بات نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون عالم ہوگا۔ آپ نے بہت سے سوالوں پر لاادری فرمادیا اور جب وحی نازل ہوئی اس وقت بتلا دیا اور واقعی جب احاطہ کل علوم کا خاصہ حق تعالیٰ جل شانہ کا ہے تو بعض چیزوں کا نہ جاننا ممکن کے لوازم سے ہے۔ تو اس لازم کا اگر اقرار کر لیا تو کون سی نئی بات ہوئی بلکہ واقع میں تو غیر معلومات عدد میں معلومات سے زیادہ ہی ہیں۔ قال تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

اور تم کو تو بہت تھوڑا علم دیا گیا۔

ایک حکایت میرے ایک ابتدائی کتب کے استاد علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ انہوں نے کسی معلم سے فارسی پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے کہا کہ، بھائی پڑھنے سے پہلے یہ سن لو کہ تم مجھ کو عالم الکل سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہو یا عالم البعض اگر شق اول ہے تو بھائی مجھ کو معاف رکھو کیونکہ میں عالم الکل نہیں اور اگر ثانی ہے تو بے شک مجھ میں یہ صفت ہے لیکن اس کے مقتضاء سے کبھی یہ بھی ہوگا کہ کسی مضمون کی نسبت یہ کہہ دوں گا کہ مجھ

کو معلوم نہیں تو مجھ کو پریشان مت کرنا اور دوسری جگہ حل کر لینا۔

سبحان اللہ کیسی پاکیزہ بات انہوں نے کہی۔ پس یہی سمجھنا ہر عالم پر ضروری ہے۔

اسی طرح اگر اولاً اپنی غلطی معلوم نہ ہوئی لیکن بعد تقریر کے از خود یا طالب متنبہ کرنے سے اطلاع ہوگئی تو چاہیے کہ معاً اسی تقریر سے اپنا رجوع ظاہر کر دے ورنہ غلط تقریر کرنے میں یا غلطی پر اڑے رہنے میں چند خرابیاں ہیں۔ ایک تو گناہ جیسے حدیث موصوف سے معلوم ہوا، اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ تو تصرف حدیث کے ساتھ خاص ہے۔ بات یہ ہے کہ جتنے علوم دینیہ ہیں۔ سب حکایت عن الرسول ہیں۔ خواہ لفظاً یا معناً (ومن ثمّ قیل ان القیاس مظہر لا مثبت)

اور جتنے علوم آلیہ ہیں وہ علوم دینیہ کے تابع ہیں۔ والتابع لہ حکم المتبوع

پس اس طرح سے اس حدیث کا مضمون تمام علوم مقصودہ ومبادی للمقصودہ کو عام ہے۔ پس غلط تقریر یا اس پر اصرار کرنے میں گناہ ہونا ان سب میں عام ہے۔ ایک خرابی یہ ہوئی۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر طالب علم کو معلوم ہو گیا کہ یہ تقریر غلط ہے تب تو طبعاً استاد سے تنفر اور اس کی تحقیر قلب میں پیدا ہو گئی اور اس کے ہوتے ہوئے پھر حقوق استادی کا ادا کرنا سخت دشوار ہے۔ تو یہ فعل استاد کا اخلال بالواجب کا سبب ہوا اور اعانت معصیت معصیت ہے اور اگر طالب علم کو پتہ نہ لگا تو وہ بے چارہ عمر بھر کے لئے جہل میں مبتلا رہا۔ پھر یہی سلسلہ آگے معلوم نہیں کہاں تک چلے گا۔ پھر اس وبال کی کوئی حد ہے۔ ذراسی عار پر نار کو اختیار کرنا۔ کون عقل یا دین کی بات ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ استاد کے اخلاق اکثر تلمیذ میں سرایت کرتے ہیں۔ یہی ہٹ دھرمی اور سخن پروری کی صفت ذمیمہ اس میں پیدا ہو جاوے گی۔ اور استاد صاحب اس حدیث کے مصداق بنیں گے۔ من سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بہا من بعدہ الحدیث رواہ مسلم، یعنی جو شخص کوئی برا کام جاری کرتا ہے اس کو اس پر بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو بھی یہ کام کرے گا اس کا بھی گناہ ہوگا۔

بہرحال گناہ بھی اور شاگرد کے حقوق کی اضاعت بھی۔ گناہ کی تقریر ہوچکی اور اضاعت حقوق ظاہر ہے کہ اس کی خیر خواہی کے خلاف اس کے واجب کا اتلاف اس کے اخلاق کا افساد اس کو جہل میں مبتلا کرنا کہ ایک قسم کا غش اور خیانت ہے چنانچہ ذیل میں خصوص کے ساتھ اس سے تعرض ہے،

بغیر علم کے مسئلہ بتانا جائز نہیں

حدیث ۳۱ عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ ومن اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ (رواہ ابوداؤد)

کسی سائل کو کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتلا دیا تو اس کا وبال اس بتانے والے پر ہے۔ اور جس شخص نے اپنے بھائی مسلمان کو مشورہ دیا اور جانتا ہے کہ وہ مشورہ ٹھیک نہیں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں غلط مسئلہ بتلانے کا گناہ ہونا اور غلط بات بتلا دینے کا (جس میں دین کی بات بھی آگئی) خیانت ہونا صاف منصوص ہے۔

اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو کہہ دے کہ معلوم نہیں اپنی طرف سے نہ کہے

حدیث ۳۲ عن عبد اللہ رض قال یا ایھا الناس من علم شیئاً فلیقل بہ ومن لم یعلم فلیقل اللہ اعلم فان من العلم ان یقول لما لا یعلم اللہ اعلم قال اللہ تعالیٰ قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین متفق علیہ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رض نے فرمایا کہ اے لوگو جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ بتا دے اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہیئے کہ کہدے کہ اللہ جاننے والا ہے۔ کیونکہ یہ کہدینا بھی علم کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی کہدو کہ میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور نہ میں تکلیف کرنے والوں میں سے ہوں (کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کہہ دوں) ـــ رواہ البخاری ومسلم۔

اس حدیث میں صریح تاکید ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو کہہ دے کہ معلوم نہیں۔ پس تقریر سبق میں بھی اس پر عمل کرنا علم اور طالب علم دونوں کا حق ہے۔

شاگردوں کے نشاط و شوق باقی رکھنے کی بھی رعایت کرنی چاہیے

حدیث ۵ عن شفیق قال کان عبد اللہ بن مسعود رض یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمٰن لوددت انک ذکرتنا فی کل یوم قال اما انہ یمنعنی من ذالک انی اکرہ ان املکم وانی اتخولکم بالموعظۃ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بہا مخافۃ السآمۃ علینا متفق علیہ۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رض ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت روز وعظ کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے روز وعظ کہنے سے یہ امر مانع ہے کہ میں تم کو ملول نہیں کرنا چاہتا اور تمہاری خبر گیری اور نگہداشت ایسی ہی کرتا ہوں جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہماری خبر گیری فرمایا کرتے تھے کہ ہم ملول نہ ہوں (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے مستفیدین للعلوم کا ایک حق یہ معلوم ہوا کہ ان کے نشاط و شوق کے باقی رکھنے کو بھی رعایت کرے پس اس میں یہ بھی داخل ہو گیا۔ سبق اتنا نہ پڑھاوے اسی طرح کتابیں اتنی نہ شروع کراوے کہ اکتا جاویں۔ اور اگر وہ اس مقدار کی متحمل بھی نہ ہوں یعنی اس کا مطالعہ اور تکرار و ضبط دشوار ہو تو بدرجہ اولی محل منع ہوگا اسی طرح وقت میں اس کی رعایت کریں کہ ان کی طبیعت تازہ ہو، کھانے کا تقاضا کسل اور اسی طرح نیند کا غلبہ یا اور کسی سبب سے دماغ پریشان نہ ہو جیسے بعض مدرسین طلبہ کو ان امور کے اہمال سے اس قدر زچ کر دیتے ہیں کہ یا تو وہ بھاگ جاتے ہیں یا استعداد حاصل نہیں ہوتی اور وہ اسی میں مست ہیں کہ ہم طلبہ کے ساتھ خوب محنت کرتے ہیں حالانکہ وہ سب محنت اکارت جاتی ہے اسی کی نظیر ہے۔ ارشاد حق تعالیٰ کا یہ مضمون " الذین ضل سعیہم فی الحیٰوۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا۔ الآیۃ

(ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی اور (وہ بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں)

اسی طرح ہفتہ میں کم از کم ایک روز کی تعطیل ہونا ضرور ہے۔ بعضے تعطیل میں بھی طالب علموں کی جان مارتے ہیں اور اس کو اپنی بڑی کارگزاری سمجھتے ہیں۔

ع دوستی بے خرد چوں دشمنی است

نااہلوں کا دینی خدمات کا متولی بننا قیامت کی علامت ہے۔

حدیث ۵۔ عن ابی ہریرہؓ فی حدیث طویل قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ (بخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دینی خدمات نالائقوں اور نااہلوں کے سپرد ہوجاویں تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ (بخاری)

اس حدیث کے عموم میں یہ بھی داخل ہوگیا کہ اگر کسی طالب علم کا کوئی سبق کسی دوسرے کے سپرد کرے تو اس کا لحاظ رکھے کہ وہ شخص اس کا اہل ہو اگر ناقابل و بد استعداد یا غیر شفیق کو سپرد کرے گا تو شرعاً مذموم ہوگا یہ بھی شاگرد کا ایک حق ہے۔

شاگرد کے تین حقوق

حدیث ۶۔ عن عبد اللہ ابن عمرؓ قال تخلف عنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرۃ سافرناھا فادرکنا وقد ارھقنا الصلوٰۃ ونحن نتوضا فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادی باعلی صوتہ ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلاثا (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے آپ ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں بہت جلدی کی کہ کچھ سوکھا رہ گیا آپ نے دیکھ کر دو تین بار فرمایا خبردار ہوجاؤ عذاب دوزخ ان ایڑیوں کے لئے ہے جو سوکھی رہ جاویں (بخاری)

اس حدیث سے تین حق شاگردوں کے ثابت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ صرف ان کے تعلیم علوم ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ ان کے اعمال و اخلاق کی بھی حتی الامکان نگرانی رکھے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے پاؤں کے خشک رہ جانے پر متنبہ فرمایا۔ اور یہ باب بالکل ہی مسدود ہوگیا ہے۔ اساتذہ صرف سبق پڑھا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ تربیت کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور علمی غلطی پر متنبہ نہ کرنا تو اور بھی غضب ہے کیونکہ اس کا تو انہوں نے بالتصریح التزام کیا ہے جیسا بعض معلمین قرآن کی عادت دیکھی گئی ہے کہ شاگرد پہلو میں بیٹھا ہوا غلط پڑھ رہا ہے اور یہ بہرے گونگے بنے بیٹھے ہیں۔ اور اس سے بدتر یہ ہے کہ بعضے اساتذہ شاگردوں سے ایسے کام لیتے

ہیں کہ ان کے اخلاق اور تباہ ہوتے ہیں تو اگر اصلاح نہ کرے تو فساد تو نہ کرے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی وجہ سے احتمال ہو کہ بدون آواز بلند کئے ہوئے آواز نہ پہنچے گی مثلاً حلقہ درس بڑا ہے یا اور کوئی عارض ہے تو بلند آواز سے تقریر کرنا حق ہے شاگرد کا۔ ورنہ تقریر ہی بیکار رہے دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح باآواز بلند فرمایا۔

تیسرے اگر احتمال ہو کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلبار نہ سمجھا ہوگا تو دوسری تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین بار فرمایا۔

اور آئندہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت مستمرہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث

۸ عن انس رض انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثہ حتی تفہم عنہ (رواہ البخاری)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات مہتم بالشان فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے کہ لوگ خوب سمجھ لیں (بخاری)

یہ حدیث فائدہ ثالثہ مذکورہ حدیث سابق میں نص ہے۔

کبھی کبھی شاگرد سے امتحان بھی لینا چاہیئے

حدیث ۹ عن عبد اللہ ابن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشجرۃ شجرۃ لایسقط ورقہا وانہا مثل المسلم فحدثونی ماھی فوقع الناس فی شجر البوادی، قال عبد اللہ رض وقع فی نفسی انہا النخلۃ فاستحییت ثم قالوا حدثنا ماھی یا رسول اللہ قال ھی النخلۃ (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رض فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک ایسا درخت ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا اور مثل مسلم کے ہے۔ بتاؤ وہ کیا ہے۔ سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کون سا درخت اس شان کا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے مگر چونکہ میں چھوٹا تھا اس لئے میں نے حیا کی اور چپ رہا پھر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمایئے کہ کون سا درخت ہے تو آپ نے فرمایا کھجور کا درخت (بخاری)

اس حدیث سے طلبار کے امتحان لینے کی محمودیت نکلتی ہے جس کے فوائد مشاہد ہیں۔ پس ان فوائد کے اہتمام کے لئے امتحان لینا یہ بھی منجملہ حقوق تلامذہ ہے۔

تعلیم میں شاگرد کی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہیئے

حدیث: قال علی حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ (رواہ البخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ایسی بات کرو جو وہ سمجھیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں (بخاری)

اس حدیث سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ طالب علم کی تعلیم میں اس کے فہم و استعداد کا لحاظ رکھے اور اسی کے لحاظ سے ترتیب کتب و مقدار و عدد سبق تجویز کرے جیسا کہ ارشاد حق کونوا ربانیین کی ایک تفسیر امام بخاری نے یہ بھی نقل کی ہے۔ الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ۔ حدیث آئندہ سے بھی مرفوعًا اس کی اصل نکلتی ہے۔

کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالب علم کیلئے مضر ہو تو اس کو اس سے روکنا چاہیئے

حدیث: عن انس رض قال ذکرلی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لمعاذ رض من لقی اللّٰہ لا یشرک بہ شیئاً دخل الجنۃ قال الا ابشر بہ الناس قال لا انی اخاف ان یتکلوا (رواہ البخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رض سے فرمایا کہ جو شخص مرے اور خدا سے ملے۔ اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت معاذ رض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں۔ فرمایا کہ مت سناؤ۔ کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس پر تکیہ کرلیں گے۔ (بخاری)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ باوجود کہ یہ مضمون من لقی اللّٰہ الخ کا مقاصد عظیمہ شرعیہ سے تھا مگر بعض لوگوں تک اس کا پہنچنا اس لئے پسند نہیں کیا گیا کہ وہ اس سے متضرر ہوتے پس اسی طرح جو کتاب یا کوئی فن کسی خاص طالب علم کے لئے نامناسب ہو اس کو اس سے روکنا بذمہ معلم لازم ہے اور اس طالب علم کو بھی اس میں اطاعت ضروری ہے۔

شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہیئے

حدیث ۱۲ عن انس رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا رواہ البخاری

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دینی امور میں لوگوں سے آسانی کرو تکلیف میں مت ڈالو خوش خبری سناؤ۔ دین سے نفرت مت دلاؤ (بخاری)

اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے ساتھ درس میں بھی تیسیر و عدم تنفیر کی رعایت رکھے۔ تقریر بھی ایسی صاف و سلیس کرے جو ذہن نشین ہو جاوے۔ و مقدار و اعداد سبق میں بھی اس پر زیادہ بار نہ ڈالے اسی طرح ایک حق یہ بھی معلوم ہوا کہ تنبیہ و تادیب میں اتنی سختی نہ کرے کہ شاگرد کو وحشت ہو جاوے اس میں میاں جی لوگ بکثرت مبتلا ہے۔

شاگرد کے لئے اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا بھی کرنی چاہیئے

حدیث ۱۳ عن ابن عباس رض قال ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم علمہ الکتاب (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سینہ سے لگایا اور یوں فرمایا کہ یا اللہ اس کو قرآن کا علم عطا فرمادے (بخاری)

اس حدیث سے شاگرد کا حق علاوہ تعلیم کے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے حق تعالیٰ ایک سے دعا بھی کیا کرے کہ اس کو علم نافع عطا ہو۔

شاگرد کی دلجوئی کے متعلق ایک مثال

حدیث ۱۴ عن ابن عمر رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینما انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت حتی انی لاری الری یخرج فی اظفاری ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اولت یا رسول اللہ قال العلم (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رض فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خواب میں مجھے ایک پیالہ دودھ کا دیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا کہ ناخن تک سیرابی کا اثر محسوس ہوا پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر رض کو دیدیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اس کی تعبیر کیا ہوئی

فرمایا دودھ سے مراد علم ہے (بخاری)

اس حدیث سے دو امر معلوم ہوئے ایک باعتبار صورت لبن کے ایک باعتبار معنی لبن کے اول یہ کہ شاگرد کو گاہ گاہ اپنے کھانے پینے میں بھی شریک کر لیا کرے کہ اس کا دل بڑھتا ہے۔ اور محبت زائد ہوتی ہے جس قدر اس کو استاد سے محبت ہوگی اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی باطنی برکت عطا فرماوے تو شاگرد سے اس کو دریغ نہ کرے۔ غرض غذا ظاہری و باطنی کا کچھ حصہ اس کو بھی دیدے۔

اگر کوئی بات غصہ کی صورت میں کہنے سے شاگرد کیلئے بہتر ہو تو اس صورت میں کہے

حدیث ۱۵ عن

ابی مسعود الانصاری رضہ قال قال رجل یا رسول اللہ لا اکاد ادرک الصلوٰۃ مما یطول بنا فلان فما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظۃ اشد غضبا من یومئذ فقال یا ایھا الناس انکم منفرون فمن صلی بالناس فلیخفف فان فیھم المریض والضعیف وذا الحاجۃ (رواہ البخاری)

حضرت ابو مسعود انصاری رضہ نے کہا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص نماز طول کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پا سکوں (یعنی بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں) تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر برافروختہ ہوئے کہ ایسے کبھی میں نے برافروختہ ہوتے آپ کو نہ دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو۔ جو آدمی نماز میں امامت کرے اس کو چاہیئے کہ (قرأت) تخفیف کرے کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں (بخاری)

اس حدیث سے دو امر متعلق طالب علموں کے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق کسی اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کئے جاویں اور وہ طالب علم اس کی شکایت کرے تو شکایت سننا چاہیئے اور تحقیق کے بعد اس کا انتظام کرنا چاہیئے یہ نہیں کہ محض اس کے طالب علم ہونے کے سبب اس کو اور اس کی بات کو محض لاشئے سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاوے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی امر نامناسب صادر ہو اور کسی طور سے معلوم ہو جاوے

یہ غضبناک ہوکر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا۔ تو وہاں اس کی مصلحت کے واسطے غصہ ہی کرنا افضل ہے۔ جس سے اس کی اصلاح کامل ہو جاوے۔

اگر مصلحت ہو تو تقسیم اوقات اور جماعت بندی کی جا سکتی ہے

حدیث ۱۶۰ عن ابی سعید الخدری رض

قال قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا... الرجال فاجعل لنا یومًا من نفسک فوعدھن یومًا ولقیھن فیہ فوعظھن وامرھن الحدیث (رواہ البخاری)

حضرت ابوسعید خدری رض سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم پر مرد غالب ہو گئے کہ آپ کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا۔ ہمارا بھی ایک دن مقرر کر دیجئے۔ آپ نے ان کے لئے وعظ ونصیحت اور احکام الہٰی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا (بخاری)

اس حدیث سے تعیین وتقسیم اوقات وجماعت بندی طلبار کا مصلحت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک عظیم مصلحت یہی ہے کہ ہر ایک کے لئے جدا سبق مناسب ہے۔ تو سب ایک میں کیسے مجتمع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مورد حدیث میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بعض احکام خاص عورتوں ہی کے مناسب ہوتے ہیں۔ وہ مستقل خطاب میں اچھی طرح مفہوم اور اوقع فی النفس ہوتے ہیں

اگر استاد کو کسی ایک بات پر غصہ آجائے تو دوسری بات پر اس کا اثر نہ رہنا چاہیئے۔

حدیث ۱۶۱۔ عن زید بن خالد الجھنی رض فی حدیث طویل بعد السؤال عن لقطۃ الابل وغضبہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضالۃ الغنم قال (صلی اللہ علیہ وسلم) لک ولاخیک او للذئب۔ (رواہ البخاری)

حضرت زید بن خالد جہنی رض سے ایک طویل حدیث میں اونٹ کے لقطہ کے سوال پر آپ غصہ ہونے کے بعد یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ سائل نے عرض کیا کہ کھوئی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بکری تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیا کے لئے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طالب علم پر کسی بیڈھنگے سوال پر غصہ کیا جاوے اور اس

کے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصے کا اثر نہ آنا چاہئیے اور اس سے زیادہ اثر نہ رکھنے کا محل وہ ہے کہ جب دوسرا طالب علم کوئی بات پوچھنے لگے۔ وہاں تو بدرجہ اولیٰ پہلا اثر نہ آنے پاوے۔ بعض جھلے مزاج کے استاد ایک پر خفا ہوئے تو بس اب ختم درس تک سب ہی پر برستے رہیں گے۔

حدیث ۱۸، ان عائشۃ رض زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لاتسمع شیئًا لاتعرفہ الا راجعت فیہ حتی تعرفہ وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حوسب عذب قالت عائشۃؓ فقلت اولیس یقول اللہ عزوجل فسوف یحاسب حسابا یسیراً قالت فقال انما ذالک العرض ولکن من نوقش الحساب یہلک (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں سنتی تھیں کہ جوان کو معلوم نہ ہو تو برابر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ گچھ کرتی تھیں یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حساب میں گرفتار رہا وہ عذاب میں مبتلا ہوا۔ تو حضرت عائشہ رض نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ حساب آسان کیا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پیشی ہے ورنہ جس سے مناقشہ کیا گیا حساب میں وہ ہلاک ہو گیا (بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر استاد کی تقریر میں کوئی شبہ رہے اور طالب علم اس کو پوچھنے لگے تو نازک مزاج سے ناخوش نہ ہو البتہ اگر فضول سوال ہو تو ناخوشی کا اظہار بھی جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں لقطہ ابل کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برہم ہونا مذکور ہے۔

اگر طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر معلوم ہو تو کرنی چاہئیے

حدیث ۱۹ عن ابی ھریرۃ رض قال قلت یارسول اللہ انی اسمع منک حدیثا کثیراً انساہ قال ابسط ردائک فبسطتہ فغرف بیدیہ ثم قال ضم فضممتہ فما نسیت شیئا بعد (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلا۔ میں نے چادر پھیلا دی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ

اس پر لگادیئے اور فرمایا کہ اس چادر کو اپنے سینہ سے لگالے میں نے اس کو اپنے سینہ سے لگالیا تو اس کی برکت سے پھر کچھ نہ بھولا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر اگر اپنے علم وقدرت میں ہو تو مقتضار شفقت یہ ہے کہ اس کے مشورہ اور سعی کا اہتمام فرماوے۔

حدیث ۲۰ شاگرد کے سوال کے جواب میں اگر ضروری اور مفید باتوں کا اضافہ ہو سکے تو کرے

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلاً سارما یلبس المحرم فقال لا یلبس القمیص والعمامة ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوبًا مسه الورس او الزعفران فان لم یجد النعلین فیلبس الخفین ولیقطعهما حتی یکون تحت الکعبین (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم میں کیا کپڑا پہنے، فرمایا کہ کرتہ اور عمامہ اور پاجامہ اور باران کوٹ اور ورس وزعفران کا رنگا ہوا نہ پہنے جوتہ نہ ہو تو موزے پہنے اور ان کو جوتہ کی طرح کاٹ لے کہ ٹخنہ سے نیچے رہیں (بخاری فی باب من اجاب السائل باکثر مما سالہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کوئی بات پوچھے مگر کوئی اور ضروری بات پوچھنے سے رہ جاوے تو شفقت کا مقتضا یہ ہے کہ صرف اس کے سوال کے جواب پر اکتفا نہ کرے بلکہ وہ دوسری بات از خود بتلادے۔

یہاں تک یہ بیس حدیثیں اس باب میں ہوئیں اور اتفاق سے ان حدیثوں کا عدد حقوق معلم متعلقہ حدیثوں سے مضاعف بلا قصد ہو گیا۔ جس میں ایک قدرتی نکتہ خیال میں آیا کہ بندہ نے تمہید میں عرض کیا تھا کہ اضاعت حقوق تلامذہ میں زیادہ ابتلاء ہے تو قدرتی انتظام اس کی اصلاح کا یہ ہوا کہ اس کے دلائل کا عدد بھی مضاعف ہو گیا۔ کیونکہ تکثیر دلائل سے تنبیہ کا زیادہ ہونا امر طبعی ہے اور یہ محض نکتہ ہے پس اس پر شبہ نہ کیا جاوے کہ پھر حقوق مشترکہ تعلم کے دلائل میں اس سے بھی تضاعف ہونا چاہیئے۔ سو اول تو یہ نکتہ ہے اس کا اطراد ضروری نہیں دوسرے جتنے تعلقات استاد و شاگرد کے قوی ہیں اتنی قوت اس حق اخیر کو ہے بھی نہیں۔ تو حق اقوی

زیادہ احق ہے زیادت تنبیہ کا اور ہرچند کہ بعد سوق احادیث مثل باب اول یعنی بیان حقوق معلم یہاں بھی واقعات جزئیہ کے طرز پر کچھ مضمون ہونا چاہیئے تھا چنانچہ اس باب ثانی کے اول میں اس کا وعدہ بھی ہے اور اس وقت ارادہ بھی تھا لیکن اتفاق سے جو جو کچھ اس کے ضمن میں لکھنا وہ بذیل احادیث مذکورہ مذکور ہو چکا اس لیئے اس باب ثانی کو ختم کر کے اب باب ثالث یعنی حقوق شرکاء فی التعلیم کے متعلق بقدر ضرورت عرض کرتا ہوں اور عجب نہیں کہ اس میں بھی سوق دلائل اور اس کے ضمن میں واقعات کا آجانا کافی ہو جاوے۔ (والدلائل ھذا)

"ساتھیوں کے حقوق"

آیت ۱۔ قال اللہ تعالیٰ واعبدوا اللہ (الی قولہ) والصاحب بالجنب الآیۃ

عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنے قرابتیوں اور یتیموں اور فقیروں اور قرابتی ہمسایہ اور راجنبی ہمسایہ اور جو تمہارا ہم صحبت پاس بیٹھنے والا ہو ان سب کے ساتھ احسان کرو۔

اس آیت سے شرکاء تعلّم کا حق دو طرح ثابت ہوتا ہے۔ ایک اس لفظ سے والجار الجنب اور دوسرا اس لفظ سے والصاحب بالجنب، کیونکہ اس کا جار ہونا بھی ظاہر ہے اور صاحب بالجنب ہونا بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ مفسرین نے شریک فی التعلّم کے ساتھ اس کی تفسیر بھی کی ہے

ہمسایہ دینی بھائی ہے لہٰذا اس سے بھائیوں جیسا معاملہ کرنا چاہیئے

آیت ۲۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً الآیۃ۔

اللہ تعالیٰ کی رسی کو اکٹھے ہو کر مضبوط پکڑ لو اور متفرق مت ہوا اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے کنارے پر تھے تم کو اللہ تعالیٰ

نے اس سے بچایا۔ الخ
ظاہر ہے کہ تعلم علوم دینیہ اعتصام بحبل اللہ ہے۔ اور یہاں ایسی جماعت صحابہ کو اخوان فرمار ہے ہیں کہ وہ معتصم بحبل اللہ اور تعلم دین میں شریک تھے جب یہ اعتصام اور شرکت مقتضی ہوگئی اخوۃ کو پس جو حقوق اخوان کے ہوں گے وہ اس تعلق میں بھی قابل رعایت ہوں گے۔

ساتھیوں کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم

آیت ۲۳ یاایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزوا۔ الآیتہ

(ترجمہ) جب کہا جاوے تم کو کشادگی کردو مجلس میں تو فوراً کشادگی کردو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کردے گا۔ (یعنی دنیا و آخرت میں) اور جب کہا جاوے تم کو اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو درجے بلند کردے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکار تعلم کو بیٹھنے کی جگہ دینے کے لئے اہتمام کرنا چاہئیے جو امکان میں ہو۔

اگر کسی عذر کی بنا پر کوئی ساتھی سبق میں نہ آسکے تو دوسرے کو چاہیئے کہ ناغہ شدہ سبق اس کو تکرار کردے

حدیث ۱۰۔ عن عمر رض قال کنت انا وجارلی من الانصار فی بنی امیۃ بن زید وھی من عوالی المدینۃ وکنا نتناوب النزول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل یوما وانزل یوما فاذا نزلت جئتہ بخبر ذالک الیوم من الوحی وغیرہ واذا نزل فعل مثل ذالک (رواہ البخاری)
حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ میں اور ایک شخص میرا پڑوسی انصاری عوالی مدینہ میں کچھ فاصلہ پر رہا کرتے تھے اور باری باری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ایک دن میں اور ایک دن وہ جس دن میں جاتا تو جو سن کر آتا اس سے بیان کردیتا۔ اور

جس دن وہ جاتا تو جو سن کر آتا مجھ سے بیان کر دیتا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا شریک فی التعلم اگر کسی سبق میں حاضر نہ ہو تو ناغہ شدہ سبق کا اس کو تکرار کر دیا جاوے اور یہ اس کا حق ہے اور یہاں سے مدارس میں باری باری پڑھنے کی بھی اصل نکلتی ہے۔

حدیث ۲۷۔ عن ابی شریح فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیبلغ الشاھد الغائب (رواہ البخاری)

حضرت ابوشریح رض سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ احکام بیان فرمائے اور بعد میں فرمایا کہ جو لوگ حاضر ہیں اور وعظ سنا ہے وہ غائبوں کو پہنچا دیں (بخاری)

اس حدیث سے بھی مثل حدیث سابق حق بالا ثابت ہوتا ہے۔

مجلس میں بعد میں آنے والوں کے متعلق نصیحت

حدیث ۲۸ عن ابی واقد اللیثی رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما ھو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلثۃ نفر فاقبل اثنان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذھب واحد قال فوقفا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما احدھما فرای فرجۃ فی الحلقۃ فجلس فیھا واما الآخر فجلس خلفھم واما الثالث فادبر ذاھبا فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا اخبرکم عن النفر الثلاثۃ اما احدھما فاوی الی اللہ واما الآخر فاستحی فاستحی اللہ منہ واما الآخر فاعرض فاعرض اللہ عنہ (رواہ البخاری)

حضرت ابو واقد لیثی رض سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع کچھ آدمیوں کے مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ناگاہ تین آدمی آئے دو تو مجلس میں بیٹھ گئے۔ ایک کنارہ پر سب کے پیچھے اور ایک مجلس میں کشادگی پا کر اندر بیٹھ گیا اور تیسرا چلا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ان تین شخصوں کے حال کی اطلاع نہ دوں ایک شخص نے تو اللہ کی طرف ٹھکانہ ڈھونڈا اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھکانہ دیدیا۔ ایک نے شرم کی اور کنارہ پر بیٹھ گیا۔ اللہ نے اس سے شرم کی اور تیسرے نے اللہ سے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا (رواہ البخاری)

اس حدیث سے شرکا مجلس علم کا یہ حق معلوم ہوا کہ بعد میں آنے والے کو چاہیئے کہ دیکھ لے کہ حلقہ میں گنجائش ہے یا نہیں اگر گنجائش ہو تو برابر میں بیٹھ جانا مضائقہ نہیں ورنہ لوگوں کو پریشان نہ کرے ان کے پیچھے بیٹھ جاوے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیچھے بیٹھنے سے عار کرنا سبب ہے اعراض حق تعالیٰ کا۔ (بخاری)

اگر کوئی ساتھی دیر سے آوے تو اس کو جگہ دینا چاہیئے

حدیث ۷۔ عن واثلۃ بن الخطاب قال دخل رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی المسجد قاعد فتزحزح لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فقال الرجل یا رسول اللہ ان فی المکان لسعۃ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للمسلم لحقا اذا راٰہ اخوہ ان یتزحزح لہ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت واثلہ بن خطاب سے روایت کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے آپ اس کے لئے ذرا سرکے کہ جگہ فراغ ہو جائے تو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جگہ وسیع ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب اس کو دیکھے تو اس کے لئے کچھ ہلے اور جنبش کرے (شعب الایمان للبیھقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک فی التعلم کا بدرجہ اولیٰ یہ حق ہے کہ اس کے آنے کے وقت فوراً اس کو بیٹھنے کی جگہ دے بعض طلباء اس میں بہت مروتی کرتے ہیں۔

حدیث ۸۔ عن علی رضی بن ابی طالب قال کنت رجلاً مذاءً فامرت المقداد ان یسال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ فقال فیہ الوضوء (رواہ البخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو مذی بہت آتی تھی (اس کا مسئلہ پوچھنا تھا خود) تو (یہ بسبب شرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں) حضرت مقداد رضی سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ حضرت مقداد رضی نے پوچھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضوء آتا ہے (یعنی غسل نہیں آتا) بخاری)

اس حدیث سے یہ حق معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنا ہم سبق استاد سے کوئی بات پوچھتا ہوا شرماوے اور اس سے پوچھنے کی درخواست کرے تو خود غرضی کو چھوڑ کر پوچھ لے البتہ اگر نا معقول سوال ہو تو عذر کر دے یا استاد کسی مصلحت سے کہے کہ جس کا سوال ہے وہ خود کرے تو اس وقت اسی

پر عمل کرے یہ تو چند نصوص قناعت اجمالیہ طالب کے لئے اس باب میں نقل کر دیئے گئے ہیں باقی اس کی تفصیل و تکمیل کے لئے حضرات صحابہ رض کا طرز عمل باب معاشرت میں دیکھ لینا کافی ہے۔ اب تو ادائے حقوق تو درکنار بعضے سلسلوں میں تو مصرع۔

مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان

پر بھی عمل نہیں رہا بلکہ استاد بھائیوں اور پیر بھائیوں میں باہم تحاسد و تباغض اور تنافر و تزاحم اغراض میں اور استاد یا پیر سے ایک دوسرے کی چغلی اور غیبت اور دوسروں کے سامنے تحقیر و تنقیص کرتے ہیں الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے ہمارے سلسلہ کو ہمارے بزرگوں کی برکت سے اس بلا سے تو بہت کچھ محفوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے۔

اب ان ابواب ثلاثہ کو ختم کرتا ہوں جس میں بفضل اللہ تعالیٰ دس آئتیں اور پینتیس ۳۵ حدیثیں یعنی سب پینتالیس ۴۵ نصوص ہیں۔ اگرچہ اس سے زیادہ نصوص ذکر نہیں کی گئیں محض نمونہ بتلانا مقصود تھا جو کہ ایک بڑے عدد سے معدود ہونے کے سبب اس غرض کے لئے کافی ہو گیا کہ یہ حقوق بھی منصوص ہیں یہاں ان ابواب کے مناسب ایک باب رابع اور بھی تھا یعنی خود علم کے حقوق جو بذمہ اہل علم ہیں یا بذمہ غیر اہل علم ہیں اور گو یہ مناسبت بدرجہ جزئیت تو نہیں کیوں کہ ان ابواب کے مقسم میں خاص معلم و متعلم و شرکاء تعلم مضاف الیہ حقوق کے واقع ہوتے ہیں لیکن بدرجۂ تعلق ضرور ہے اور یہ تعلق مقتضی ہو سکتا تھا کہ اس کا بھی یہاں ذکر ہوتا گو تبعًا سہی۔ لیکن اتفاق سے اس کے قبل احقر اس مبحث خاص میں نہایت مفصل مضمون بشکل ایک رسالہ جس کا نام حقوق العلم ہے۔ لکھ چکا ہے۔ اور وہ چھپ بھی گیا ہے اس لئے وہ مستغنی عنہ ہو گیا۔ اب آخیر میں بطور تذنیب کے بعض جزئیات متعلقہ مقام کی تنبیہ میں لکھ کر فارغ ہوتا ہوں۔

تذنیب = (تنبیہ اول) ہر چند کہ مفہوم معلم کا استاد بالمعنی متعارف اور پیر اور واعظ اور مصنف یعنی ہر صاحب افادہ دینیہ کو جب کہ کسی کو استفادہ ہو سب کو عام ہے لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سب حقوق میں متساوی نہیں ہیں۔ ان سب میں استاد بالمعنی المعروف کا حق زیادہ ہے۔ دو وجہ سے۔ ایک تو یہ کہ استاد جس قدر مشقت افادہ تلامذہ کے لئے برداشت کرتا ہے۔ اس قدر دوسرے اہل افادہ نہیں کرتے۔ بعض طرق افادہ میں تو چنداں مشقت ہی

نہیں۔ اور بعض میں گو مشقت ہے مگر وہ اس مستفید کے لئے برداشت نہیں کرتا۔ اور نص قطعی ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه کرها ووضعته کرها سے مشقت سے حق کا عظیم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ وجہ تو تمام مفضل علیہم یعنی پیر و واعظ و مصنف کو عام ہے۔

اور دوسری وجہ جو صرف بعد میں متحقق ہے یہ ہے کہ شاگرد نے استاد کی تابعیت کا التزام کیا ہے اور التزام ایک وعدہ ہے اور وفاء عہد لازم ہے۔ عام لوگوں کو اس میں یہ غلطی واقع ہو رہی ہے کہ پیر کی تعظیم و خدمت واطاعت میں حدود شرعیہ سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور استاد کے حقوق ادا کرنے میں حد شرعی کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ وھذا الاتغییر للمشروع۔

(تنبیہ ثانی) آیا استاد و پیر کا حق زیادہ ہے یا باپ کا، اس میں بھی عام طور پر لوگ اشتباہ والتباس میں مبتلاء ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ پیر اور استاد روحانی مربی ہے اور باپ جسمانی مربی ہے۔ اور روحانی مربی بڑھا ہوا ہے جسمانی مربی سے۔ اس دعوے کی غلطی اجمالاً تو اسی سے سمجھ لینا کافی ہے کہ نصوص میں جس شد و مد سے باپ کے حقوق بتلائے گئے ہیں استاد و پیر کے نہیں بتلائے گئے۔ اور تفصیل یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے اوامر میں کچھ تعارض نہ ہو تب تو تحقیق تقدیم حق کی ضرورت ہی نہیں اور اگر تعارض ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ ان میں سے کوئی امر شرعاً واجب ہے یا نہیں اگر واجب ہے تو وہ مقدم ہے خواہ اس کا باپ آمر ہو یا استاد یا پیر ہو اور اگر واجب نہیں دونوں طرف مباح ہے بس یہ محل بحث ہے اور اس میں نصوص سے باپ کا حق مقدم معلوم ہوتا ہے۔ کما ھو ظاھر

رہا جواب اس دلیل کا سو اگر صغریٰ مان بھی لیا جاوے اس طرح سے کہ کوئی باپ ایسا ہو جس نے روحانی تربیت بالکل نہ کی ہو صرف کھلایا ہی پلایا ہو تب بھی کبریٰ باعتبار اس کے مراد کے محتاج دلیل ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ پس اگرچہ مربی روحانی درجہ میں افضل ہو مربی جسمانی سے، لیکن جو اس سے مقصود ہے کہ مربی روحانی کا حق اور اطاعت زیادہ ہے مربی جسمانی سے اس کے لئے دلیل کا مطالبہ کیا جاوے گا۔ اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تب بھی مقصود مستدل کا حاصل نہیں، کیونکہ استاد اور پیر سے زیادہ مربی روحانی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہیں اور حق تعالیٰ تو جسم اور روح دونوں کے مربی ہیں اور خدا اور رسول نے باپ کا حق زائد کیا ہے۔ پس اس کی اطاعت میں بھی ایک بڑے مربی روحانی کی تقدیم حق ہے۔ ایک چھوٹے مربی روحانی پر خوب سمجھ لو۔

(تنبیہ ثالث) آیا معقول اور فارسی اور حساب کے استاد بھی ان حقوق مذکورہ میں شریک ہیں یا نہیں۔ اور اسی طرح کافر استاد بھی۔ اس میں قواعد سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ ان میں جو چیزیں مضر ہیں ان کا استاد تو خود مضل اور مضر ہے۔ اور استاد کا حق تھا بوجہ مفید اور محسن ہونے کے، اور جو چیزیں مضر نہیں ان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر علوم دینیہ میں نافع و معین ہیں تب تو چونکہ مقدمہ بحکم مقصود ہوتا ہے اس لئے ایسے اساتذہ حقوق مذکورہ کے مستحق ہوں گے۔ گو درجہ استاد المقاصد میں نہ سہی جس طرح اقارب کے حقوق میں قوت قرابت کے تفاوت سے حقوق میں تفاوت ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہ مضر ہیں اور نہ مفید تب بھی ایک دنیوی احسان ہے اور خود دنیوی احسان پر بھی شکر گذاری نصوص عامہ سے ثابت ہے اس لئے اس کا بھی حق ثابت ہوگا۔ گو دینی احسان کی برابر نہ سہی۔

اب یہ دعا کر کے قلم کو راحت دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہم طالب علموں کو ان حقوق کے ادا کی توفیق دے اور بوجہ اس کے کہ مضمون بعنوان سہل لکھا ہے۔ تسہیل جدید کی احتیاج نہیں سمجھی گئی۔ البتہ احادیث کا ترجمہ جہاں رہ گیا ہے اگر حضرات مہتممین اشاعت حاشیہ میں ثبت فرما دیں ناظرین کی قناعت اور میری منت کا سبب ہوگا۔ الحمدللہ حصہ اول ختم ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِصلاحِ انقلابِ امّت (حصّہ دوم)

اِصلاح متعلّق بہ نکاح

مثل عبادات مقصودہ (ایسی عبادتیں جو اصل مقصود ہیں جن کا بیان حصہ اوّل میں ہو چکا ہے، مثلاً عقائد[1]، دیانات[2] مثل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، معاملات[3] بیع وشراء، معاشرت[4] مثل طعام، لباس وکلام وغیرہ، اخلاق باطنہ مثل ریاء وغیرہ) کے امر نکاح میں بھی مختلف کوتاہیوں کا وقوع شائع ہے (یعنی مختلف کوتاہیاں پھیلی ہوئی ہیں) اس لئے مختصراً ان پر بھی متنبہ کرنا ضروری ہے وَھِیَ ھٰذا:۔

ناکارہ ہونے کے باوجود بلاضرورت محض عرفی رسم سمجھ کر نکاح کرنا؛

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ بالکل ضرورت نہ ہونے، بلکہ باوجود از کار رفتہ (نکاح کے لئے بیکار ہونے کے) محض خاندانی یا عرفی (رواجی) رسم سمجھ کر اپنی خدمت کی مصلحت سے جوان عورت یا لڑکی سے نکاح کرتے ہیں، اور اپنے ناکارہ ہونے کو منکوحہ واولیاءِ منکوحہ (جس سے نکاح کرنا ہو اور نکاح کرنے والے کے ولی) سے چھپاتے ہیں، تو یہ لوگ اپنی وہمی مصلحت کے سبب دوسرے آدمی کو یقینی مفسدہ (خرابی) میں مبتلا کرتے ہیں، نتیجۃً اس کے دو امر ہوتے ہیں؛

(۱) اگر وہ عورت عفیفہ (پارسا) یا متعففہ (خود کو پارسا رکھنے والی) ہوئی، تب تو وہ تمام عمر کے لئے قیدِ شدید میں مبتلا ہوئی، اور اگر اس صفت سے معرّا (خالی) ہوئی تو بدکاری میں مبتلا ہوئی، اور دونوں حالتوں میں زوجین (میاں بیوی) میں ناگوار رنجش ونا اتفاقی امر مشترک ہے۔

(۲) دوسری صورت میں دونوں کی بے آبروئی بلکہ دونوں کے خاندان کی بھی ساتھ رسوائی ہے،

مال و زر کی طمع و حرص سے اپنی لڑکی کی زندگی برباد کرنا،،،

بعضے لوگ یہ اندھیر کرتے ہیں کہ باوجود شہرت اس امر کے پھر بھی اپنی لڑکی ایسے شخص سے بیاہ دیتے ہیں جس کا سبب اکثر مال و زر کی طمع و حرص ہوتی ہے، جس کی اُن کو اپنے لئے توقع ہے، یا پہلے ہی لے لیتے ہیں،

بعض سادہ لوح نکاح کی غایت کھانا پینا سمجھتے ہیں

اور ان سے بھی زیادہ عقل کے دشمن وہ ہیں جو خود بھی منتفع نہیں ہوتے صرف اولاد کی احمقانہ خیرخواہی ہی اس کا باعث ہوتی ہے، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ خیر فراغت سے کھائے پہنے گی، تو ان سادہ لوحوں (بیوقوفوں) کو یہ خبر نہیں کہ نکاح کی غایت (مقصد) آیا کھانا پینا ہے یا مصالحِ زوجیت؟ اگر امر اول غایت ہوتی تو چاہئے تھا کہ جو لوگ کھلانے پلانے کی وسعت رکھتے ہیں یا خود وہ منکوحہ صاحبِ وسعت (مالدار) ہے تو ایسی جگہ نکاح ہی نہ کیا جایا کرتا حالانکہ مشاہد (دیکھا جاتا) ہے کہ بناتِ سلاطین (بادشاہوں کی بیٹیاں) تک اس سے مستغنی (بے نیاز) نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے مقصود دوسرے ہی مصالح ہیں،

بدونِ موافقتِ تام کے نکاح کے مصالح پورے نہیں ہوسکتے،

اور وہ بدون موافقت تام (پورے) نہیں ہوسکتے، اور موافقت حالتِ مذکورہ میں ہو نہیں سکتی، پس وہ مصالح بھی اس حالت میں تام نہ ہوں گے، بلکہ بعض مصالح جو کہ مقتضا ہیں طبیعت بشریہ کے وہ تام کیا، حاصل بھی نہیں ہوتے، اس لئے نکاح میں اس امر کی رعایت سخت ضروری ہے، تاکہ زندگی تلخ نہ ہو پھر مرد کو اگر عورت سے ناگواری پیش آئے تو وہ طلاق دے کر استخلاص (آزاد ہونے) پر قادر ہے، یا بدون طلاق دوسری عورت سے نکاح کر کے اس ناگواری کی تلافی (کمی پوری) کرسکتا ہے، مگر عورت بیچاری کیا کرے کہ عمر بھر سوختہ و افروختہ (جلی بھنی) رہا کرے، اور تفریقِ قاضی (حاکم کے عورت کو شوہر سے الگ کردینے) کا سامان ہر جگہ میسّر نہیں ہوسکتا، اور بعض عورتیں اس اظہار کو خلافِ غیرت سمجھتی ہیں، بعض جگہ ایسے مواقع ہیں کہ عورت کو تپِ دق لگ گئی ہے اور گھُل گھُل کر خاتمہ ہوگیا، کیا یہ ظلم نہیں، خواہ عورت ایسا کرے یا اولیاء منکوحہ ایسا کریں،

عمر کے تناسب کا خیال نہ رکھنے سے بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں،

اور اسی کے قریب ہے عمر کے تناسب کا خیال نہ کرنا جبکہ لڑکی بے زبان یعنی کنواری یا مثل کنواری (کنواری جیسی) کے غیر ذی رائے (یعنی اپنی رائے نہ رکھنے والی) ہو، جیسا بعضے لوگ ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں سے تیرہ تیرہ برس کی لڑکیوں کو بیاہ دیتے ہیں، یہاں بھی وہی مفاسد مرتب ہوتے ہیں، جو اوپر مذکور ہوئے، اور اس سے ایک مفسدہ زیادہ وہ یہ کہ اکثر بوڑھا پہلے مرجاتا ہے، اور وہ مظلومہ اکثر بوجہ

عرفاً (رسم ورواج میں) عار ہونے کے جیسا بہت قوموں میں اب تک یہ جہالت موجود ہے، بیوہ بیٹھی رہتی ہے، علاوہ مفاسدِ مذکورہ کے بعض اوقات یہ غریب کھانے پینے سے محتاج ہوجاتی ہے اگر شرافتِ عرفیہ (رسمی شرافت) لئے ہوئے ہے کسی کی مزدوری نہیں کرسکتی، اور اگر مزدوری گوارا کی دوسرے گھر بلکہ بعض اوقات رہنا پڑتا ہے، چونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا، بدنفس (برے خیالات کے) لوگ اس بیچاری کے درپے ہوتے ہیں، اور کبھی ترغیب سے اور کبھی ترہیب (ڈرادھمکاکر) کبھی کسی حیلہ (بہانہ) سے خاص کر جب اُس میں بھی کوئی نفسانی تقاضا (نفسانی خواہش) ہو اس کی آبرو اور دین خراب کردیتے ہیں، رہی مصلحتِ خدمت تو وہ دوسرے طریقہ سے بھی حاصل ہوسکتی ہے،

بغرضِ خدمت نکاح مقصود ہو تو کیسی عورت سے نکاح کرنا چاہئے؟

اور اگر نکاح ہی پر موقوف ہو تو ایسی عورت سے نکاح کرے جو خود مختار ہو اور وہ اپنے لئے پورے طور سے رائے قائم کرسکے، اور اس سے اس کی حالت (مصلحت پوشیدہ (چھپی ہوئی) بھی نہ ہو، اور بہتر یہ ہے کہ اس کی حالت سے بوجہ زیادتِ سن (عمر زیادہ ہونے کے سبب) یہ بھی گمان غالب ہو کہ اس میں تقاضائے نفسانی (نفسانی خواہش) نہیں رہا تو اس طرح سے کوئی مفسدہ مظنون (خرابی کا گمان) نہ ہوگا ہاں یہ ممکن بلکہ غالب ہے کہ ایسی عورت ہم کفو (ہم مرتبہ) کم ملے گی، تو خدمت کے لئے کفو ہی کی کیا ضرورت ہے، اس کا زیادہ لحاظ توالد وتناسل (اولاد کے ہونے اور نسل کے بڑھنے) میں کیا جاتا ہے، کہ اگر اولاد غیر کفو سے ہوئی اہلِ برادری عرفاً اس کو اپنے برابر نہیں سمجھیں گے اور ان کے ازدواج (شادی کرنے) وغیرہ میں تنگی ہوگی، تو جب یہ مرد از کار رفتہ فرض کیا گیا ہے تو توالد وتناسل کی نوبت ہی کہاں آئے گی جس کے لئے غیر کفو ہونا نامناسب ہے،

مرد کو دھوکہ دے کر نکاح کردینے کے مفاسد

ایک کوتاہی اس کا مقابل ایک امر ہے وہ یہ کہ منکوحہ کسی وجہ سے ایسی ہو کہ غالب ظن (گمان غالب) میں مرد اس کو پسند نہ کرے گا، اور اولیاء منکوحہ نے دھوکہ دے کر کسی سے نکاح کردیا، مثلاً اس کو کوئی ایسا مرض ہے جو ہمبستری سے مانع ہے، کہیں کہیں ایسا مشاہدہ ہوا ہے کہ عورت رتقاء (جس کی تنگی فرج کے سبب جماع کرنا محال ہو)، یا قرناء (فرج میں ایک زائد گوشت کا پیدا ہونا جو لذتِ جماع میں حارج ہوتا ہے) ہے، ایک جگہ مجنونہ (پاگل) کا نکاح ایک اندھے سے کردیا تھا، اس نے شوہر کے کاٹ لیا وہ بھاگا، اور بیحد رسوائی ہوئی، آخر طلاق ہوئی، مہر کا جھگڑا پڑا، ایک جگہ عورت بالکل بھوری تھی، یعنی جلد

ایسی سفیدی جیسے برص کے مرض میں ہوجاتی ہے، سو مرد تو کہیں صابر شاکر بے نفس ہوتا ہے اور اس کو سرد ھیلتا ہے، مگر تمام زندگی اس کی بے حلاوت (بے مزہ) ہوتی ہے، اور گو استخلاص بعض کو ممکن ہے مگر طبائع (طبیعتیں) مختلف ہیں، بعض اس کو بے مروّتی سمجھتے ہیں، بعضے وسعت کم رکھتے ہیں، اس لئے وہ اس کا اہتمام نہیں کرتے تو جن لوگوں نے اس کو دھوکہ دیا ہے اُن پر تو اس تلبیس (دھوکہ دہی) وایذاء رسانی (تکلیف پہنچانے) کا وبال ضرور ہی ہوگا،

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ آسیب زدہ لڑکی کو کسی کے سر مڑھ دیا اور جب وہ متوجہ ہوا تو جنّ صاحب اُس کی طرف متوجہ ہوئے، غرض یوں ہی صبر کرکے رہ گیا، اور خدمت اس کی جدا اس کے ذمہ رہی، زر دادن و درد سر خریدن (رقم دے کر سر کا درد خریدنے) کی مثل صادق آگئی، تو یہ لوگ لڑکی کے لئے شوہر تجویز نہیں کرتے، بلکہ اس کے لئے ایک مزدور تلاش کرلیتے ہیں، اور خاصکر ان عوارض (پیش آنے والی چیزوں) کے ساتھ بی بی صاحبہ بدزبان و بدمزاج بھی ہوں تب تو اچھی خاصی شوہر کے لئے دوزخ ہے،

اسی طرح اگر وہ اندھی ہو، کانی ہو، مبروص (برص کے مرض میں مبتلا) ہو، مجذوم (جذام کے مرض میں مبتلا) ہو، ان سب کا نتیجہ بُرا ہے، اگر مرد بے نفس ہوا تو اس کی زندگی ان عنایت فرماؤں کی بدولت برباد ہوئی، اور اس سے صبر نہ ہوسکا تو اس نے اس عورت کو تکلیف پہنچانا شروع کیا جس سے اس پر ایک مصیبت مرض وغیرہ کی تو پہلے ہی سے تھی ہی، دوسری اور بڑھ گئی اور ان دونوں سے یہ ناچاقی (نااتفاقی) متجاوز (حد سے آگے) ہوکر دونوں کے خاندانوں تک مؤثر ہوتی ہے

مرد اور عورت کے مزاج ناموافق ہونے کے مختلف عوارض،

ان میں باہم عداوت (دشمنی) ہوجاتی ہے، مقدمہ بازی ہوتی ہے، کبھی تفریق (علیحدگی) کی کوشش کی جاتی ہے، اور مرد انکار کرتا ہے، کبھی مہر کی نالش (دعویٰ) ہوتی ہے، کبھی جھوٹے گواہ معافی کے بنائے جاتے ہیں، اور کبھی باوجود معاف کردینے کے جھوٹا حلف معاف نہ کرنے کا گوارہ کرلیا جاتا ہے، غرض ہزاروں خلجان (الجھاؤ) کھڑے ہوجاتے ہیں، اُن سب کی جڑ مرد و عورت کا ناموافق ہونا ہے، جس کے اسباب کہیں مرد کے عوارض ہیں کہیں عورت کے،

نکاح کے معاملہ میں زوجین اور اولیاء زوجین کو نہایت دیانت اور صفائی سے کام لینا چاہیئے

چونکہ نکاح بھی ایک معاملہ ہے، جس کا تعلق ۲ دو نئے آدمیوں سے ہے اس لئے زوجین و اولیاء زوجین کو اس میں نہایت دیانت و صفائی سے کام لینا واجب ہے، کہ کسی قسم کا خلجان محتمل (الجھاؤ کا احتمال)

نہ رہے، جہاں تک اپنا ذہن رسائی کرے ہر بات کو صاف کردے،

باوجود ضرورت نہ ہونے کے براہِ ہوسناکی کئی کئی بیویاں کرنے کے مفاسد

ایک کوتاہی یہ ہے کہ باوجود ضرورت نہ ہونے کے بعض لوگ براہِ ہوسناکی کئی کئی بیبیاں نکاح میں جمع کرلیتے ہیں، اور یا تو بوجہ اس کے کہ مرد میں دین یا وسعت کم ہے اُن میں عدل نہیں ہوسکتا، یا بوجہ اس کے عورتوں میں دین یا عقل کم ہے باوجود شوہر کے عدل رکھنے کے پھر بھی وہ باہم لڑتی جھگڑتی ہیں، یا شوہر سے بگڑتی ہیں، اور عدل نہ رکھنے کی صورت میں مرد پر مخالفِ شرع (شریعت کی مخالفت) کا الزام ظاہر ہی ہے، جس سے احتراز (بچنا) واجب ہے، اور جہاں غالب گمان اس عدل کا ہو اس عدم کے سبب سے بھی کہ تعددِ ازواج (بیویوں کے ایک سے زائد ہونے) سے بناء بر اس کے کہ مقدمہ ناجائز کا ناجائز ہے احتراز واجب ہوگا، اور عدل رکھنے کی صورت میں مرد پر یہ الزام تو نہیں، لیکن پریشانی میں تو پڑگیا، جس کے بڑھ جانے سے بعض اوقات دین میں خلل پڑنے لگتا ہے اور بعض اوقات صحت و عافیت میں، اور اس کے واسطہ سے احیاناً دین میں بھی خرابی آجاتی ہے،

پریشانی کے بڑھ جانے سے دین میں خلل آنے کا ظنِ غالب ہو تو اس پریشانی اور اس کے اسباب سے بچنا واجب ہے،

جہاں اس کا ظنِ غالب ہو ایسی پریشانی سے بچنا ضروری ہے، اور اس کے ساتھ ہی پریشانی کے اسباب سے بھی کہ اس .... موقع پر تعددِ ازواج ہے، بچنا لازم ہوگا، اگر یہ لزوم بدرجۂ وجوبِ شرعی بھی نہ ہوتا تاہم عقل کا اقتضاء (تقاضا) تو ضرور ہی، اور شرعاً بھی مرضی و مستحسن (پسندیدہ اور اچھا) اور اس کا خلاف ناپسندیدہ وغیر مستحسن ہوگا، اور اس کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ تعددِ ازواج میں فی نفسہٖ کوئی کراہت ہے، نعوذ باللہ، کیونکہ اس کی اباحت بلا کراہت منصوص قطعی (قرآن سے ثابت) ہے، اور سلف میں بلا نکیر شائع (رائج) تھا،

تعددِ ازواج کا انکار تقلیدِ ملاحدۂ یورپ کا سبب ہے،

اس میں کراہت یا حرمت کا اعتقاد یا دعویٰ اور اس کی بناء پر آیاتِ قرآنیہ میں تحریف کرنا جیسا کہ اس وقت تقلیدِ ملاحدۂ یورپ بعض مسلمانوں کے لئے اس کا سبب ہوگئی ہے سراسر الحاد و بددینی ہے، اصل عمل میں شائبہ (شک) بھی کراہت یا ناپسندیدگی کا نہیں، اور نہ اُس کا جواز (جائز ہونا) بمعنی صحت و نفاذ متیقن، عدل کے ساتھ مقید (یعنی نکاح کا صحیح اور نافذ ہونا عدل کرسکنے کی شرط کے ساتھ پابند ہے)، بلکہ اگر عدمِ عدل (انصاف نہ ہوسکنے) کا تیقن (یقین) بھی ہو تب بھی

صحت و نفاذ اس کا یقینی،

بعض عوارض کے سبب تعدّدِ ازدواج گناہ ہو سکتا ہے | البتہ بعض عوارض کے سبب اس کا جواز بمعنی عدم الاثم (گناہ نہ ہونے کے) مرتفع ہو جاتا ہے، یعنی جب احتمال غالب عدمِ عدل کا ہو تو اس وقت باوجود استحسان فی نفسہ (بنفسہ اچھا ہونے) کے اس عارضِ خاص کی وجہ سے اس تعدّد سے منع کیا جائے گا، لقولہ تعالیٰ:۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً، (النساء، آیت ۳) | (پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو)

لیکن خود عورتوں کی بے اعتدالیوں کا اندیشہ ہو تو اس وقت تعدّد سے نہی شرعی (شرعی ممانعت) تو نہیں، لیکن قواعدِ شرعیہ (شریعت کے اصولوں) کی رُو سے مشورۃً ایک پر کفایت کرنے کے لئے کہا جائے گا، اور یہ مشورہ بھی اس معنی کو شرعی ہوگا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا تھا:۔

هَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ ( ) | "کیا کوئی کنواری نہیں تھی کہ تم اس سے جی بہلاتے اور وہ تم سے دل بہلاتی"

بالغ ہونے کے بعد کنواری لڑکیوں کی بلد شادی نہ کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں | اور اس کے مقابل ایک کوتاہی عورتوں کے متعلق ہے، یعنی کوتاہی مذکور کا حاصل تو مردوں کے لئے توسّع (وسعت کرنا) تھا کہ کئی کئی عورتوں سے شادی کرتے ہیں، اور اس آئندہ کوتاہی کا حاصل عورتوں کے حق میں تنگی کرنا ہے، وہ یہ کہ بعض احوال میں ان غریبوں کے لئے خود شادی ہی کو مہتم بالشان نہیں سمجھتے، کہیں صرف عملاً کہیں اعتقاداً بھی، صرف عملاً ایسا کہ بعضے ناعاقبت اندیش کنواری لڑکیوں کو بالغ ہو جانے پر بھی کئی کئی سال بٹھلائے رکھتے ہیں، اور محض ناموری کے سامان کے انتظار میں ان کی شادی نہیں کرتے، حتیٰ کہ بعض بعض جگہ تیس تیس[۵] اور کہیں چالیس چالیس برس

---

[۵] بہتر اور مناسب تو یہی ہے کہ بچیوں کا جوان ہونے کے بعد فوراً نکاح کر دیا جائے، اور محض خیالی توہمات کی بناء پر زیادہ تاخیر نہ کی جائے، چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر تمھارے پاس ایسا شخص آئے جس کے اخلاق اور دینداری کو تم پسند کرتے ہو تو تم اپنی لڑکی کا (نکاح) اس سے نکاح کر دو، ورنہ زمین میں بڑا فتنہ و فساد ہوگا، اسی طرح جمع الفوائد میں بحوالہ رزین

کی عمر کو پہونچ جاتی ہیں، اور اندھے سرپرستوں کو کچھ نظر نہیں آتا کہ اس کا کیا انجام ہے، حدیثوں میں جو اس پر وعید آئی ہے کہ اگر اس صورت میں عورت سے کوئی لغزش ہوگئی تو وہ گناہ باپ پر بھی یا جو ذی اختیار اس پر بھی لکھا جاتا ہے،

بالغ ہونے کے بعد کنواری لڑکیاں جلد شادی نہ کرنے کے دنیوی مفاسد

اگر کسی کو اس وعید کا خوف نہ ہو تو دنیا کی آبرو کو تو دنیادار بھی ضروری سمجھتے ہیں، سو اس میں تو اس کا بھی اندیشہ ہے، چنانچہ کہیں حمل گرائے گئے ہیں، کہیں لڑکیاں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہیں، اگر کسی شریف خاندان میں ایسا بھی نہ ہو تب بھی وہ لڑکیاں ان سرپرستوں کو تو دل ہی دل میں کوستی ہیں، اور چونکہ وہ مظلوم ہیں[1] اُن کا کوسنا خالی نہیں جاتا، ان لوگوں کو یہ بھی شرم نہیں آتی کہ خود تو باوجود بوڑھے ہو جانے کے ایک بُڑھیا کو کہ وہ اس لڑکی کی ماں ہے خلوت میں لے جا کر اس کے ساتھ عیش وعشرت کرتے ہیں، اور جس غریب مظلوم کی عیش کا موسم ہے وہ پہرہ داروں کی طرح ماما (نوکرانی) کے ساتھ اُن کے گھر کی چوکسی کرتی ہیں، کیسا بے ربط خبط (بے جوڑ دیوانگی) ہے،

جہیز کے انتظار میں نکاح میں تاخیر نہ کرنی چاہئے،

اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جس انتظار میں یہ ٹال مٹول کی ہے وہ بھی نصیب نہیں ہوتا، یعنی سامان اور زیور اور فخر کے لئے وہ سرمایہ بھی میسّر نہیں ہوتا، اور مجبوری کو جھک مار کر خشک نکاح ہی کرنا پڑتا ہے، پھر اُن سے کوئی پوچھے کہ دیر کرنے سے بجز خسارۂ دنیا و آخرت کے کیا حاصل ہوا، بلکہ اس دیر میں تو اور بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت ابن نجیحؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں منقول ہے مِسْكِيْنَةٌ مِسْكِيْنَةٌ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ، قَالُوْا وَاِنْ كَانَ كَثِيْرَةَ الْمَالِ قَالَ وَاِنْ كَانَ كَثِيْرَةَ الْمَالِ، یعنی محتاج ہی محتاج ہے وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا اگر وہ بہت مالدار ہو (تب بھی محتاج ہے) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ بہت مالدار ہو، (بندہ احقر قریشی غفرلہٗ)

[1] جیسا کہ حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ " یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور حق شانہٗ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے "، حضرت شیخ سعدیؒ نے گویا اس شعر کا ترجمہ کیا ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن ٭ اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

خلائق کے نزدیک بدنامی ہی کہ میاں اتنے دن بھی لگائے اور پھر خاک نہ ہوسکا، لڑکی کو اگر ایسا ہی دینے کا شوق ہو تو بعد نکاح کے دینے کو کس نے منع کیا ہے، اگر دعوتِ عامّہ ہی کا شوق ہو تو دعوت کے ہزار ہا حیلے ہر وقت نکل سکتے ہیں، یہ کیا فرض ہے کہ سارے ارمانوں کی اسی مظلومہ پر مشق کی جائے، یہ بالکل ظلم صریح اور عملِ قبیح (بُرا کام) ہے،

موقع کا رشتہ نہ ملنے کا عذر بالکل صحیح نہیں، اور بعضے لوگ دیر میں یہ عذر کرتے ہیں کہ کیا کریں کہیں سے موقع کا رشتہ ہی نہیں آتا، تو کیا کسی کے ہاتھ... پکڑا دیں؟ یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح تھا، یعنی سچ مچ اگر موقع کا رشتہ نہ آتا تو واقعی یہ شخص معذور تھا، لیکن خود اسی میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں آیا وہ سب ہی بے موقع ہیں، بات یہ ہے کہ بے موقع کا مفہوم خود انھوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے، جس کے اجزاء یہ ہیں:۔

لائق داماد کی ذہنی تراشیدہ صفات (۱) حسب نسب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جیسا ہو، (۲) اور اخلاق میں جنیدؒ جیسا ہو، (۳) اور علم میں اگر وہ دینی ہے تو ابوحنیفہؒ کے برابر ہو اگر دنیوی ہی تو بوعلی سینا کا مثل ہو، (۴) حسن میں یوسف علیہ السلام کا ثانی ہو (۵) اور ثروت وریاست میں قارون و فرعون کے ہم پلّہ ہو،

بس اس کا لقب کہیں لائق داماد ہوگا، ان صفات کے لحاظ کا مضائقہ نہیں، بلکہ منجملہ حقوقِ اولاد کے ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی دو امر اور بھی لحاظ کے قابل ہیں،

غلو ہر امر میں مذموم ہے ایک یہ کہ ہر امر میں استدلال مدِّ نظر رکھنا چاہئے، غلو ہر امر میں مذموم ہے، دوسرے یہ کہ ایک شخص میں تمام صفات کا مجتمع ہونا بھی شاذ و نادر ہے، پس اگر صفات مذکورہ بقدر ضرورت کسی میں مجتمع ہوں مگر ان میں جو اہم ہیں وہ موجود ہیں، اور وہ تین امر ہیں،

نکاح کرتے وقت لڑکے میں تین امر کا دیکھنا ضروری ہے ایک قوتِ اکتساب (کمانے کی قوّت) دوسرے کفاءت (برابری) میں زیادہ تفاوت نہیں، تیسرے دینداری، ان دونوں صورتوں میں زیادہ کاوش (کھوج) چھوڑ دے، ورنہ وہی بات پیش آئے گی جس کا ذکر حدیث میں[۱] ہے کہ جب خُلق و دین میں

---

[۱] وہ حدیث یہ ہے اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ (رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃؓ کذا فی المشکوٰۃ)

(بندہ احقر قریشی غفرلہٗ)

کفاءت ہو تو نکاح کر دیا کرو ورنہ زمین میں فساد کبیر ہوگا، یہ تو تحقیقی جواب ہے اُن لوگوں کی غلط فہمی کا،

موقع کا رشتہ نہ ملنے کے عذر کے تین الزامی جوابات

اور تین جواب الزامی میں بھی اُن کے جواب میں قابلِ احتجاج ہیں؛ ایک یہ کہ جن صفات کو جس درجہ میں تم دوسروں میں ڈھونڈھتے ہو تم کو جس شخص نے لڑکی دی تھی جس کی بدولت آج اپنی لڑکی کے باپ بن کر یہ جولانیاں دکھا رہے ہو کیا اس شخص نے بھی تمھارے لئے ایسی ہی تفتیش وکاوش (تحقیق اور جستجو) کی تھی، اگر وہ ایسا کرتا تو تم کو عورت ہی میسر نہ ہوتی، اور ان باتوں کے بنانے کا موقع ہی نہ ملتا، غرض اس نے ایسا نہیں کیا، تو اس نے جب ایسا نہ کیا تو تم نے یا تمھارے باپ نے دوسرے بھائی مسلمانوں کی بدخواہی کیوں کی، کہ باوجود تمھارے اندر ان اوصاف کے علیٰ سبیل الکمال (مکمل طور پر) مجتمع نہ ہونے کے اس کی لڑکی پر نکاحی قبضہ کرلیا، آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں میسند (جو چیز تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو) پر عمل کیوں نہیں کیا؟

دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ جب تم اپنی دختر کے لئے ان صفات کا شوہر تلاش کرتے ہو، انصاف کرو تم جب اپنے فرزند کے لئے کسی کی لڑکی کی درخواست کی تھی، یا کرنے کا خیال ہی کیا، اپنے صاحبزادہ میں بھی یہ صفات اسی درجہ کی دیکھ لی ہیں یا دیکھنے کا ارادہ ہے، افسوس! آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں میسند کے مقولہ کا یہاں بھی خون کیا،

تیسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح لڑکوں میں بے شمار خوبیاں ڈھونڈھی جاتی ہیں اگر دوسرا شخص تمھاری لڑکیوں میں اُس سے عُشر (دسواں حصہ) خوبیاں اور ہُنر بھی دیکھنے لگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام عمر ایک لڑکی بھی بیاہی نہ جائے، یہاں بھی وہی آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں میسند کا اہمال (چھوڑ دینا) لازم آتا ہے،

غرض یہ عذر کہ رشتہ موقع کا نہیں آتا اکثر احوال میں بے موقع ہے، یہ تو بیان تھا عورتوں کے حق میں شادی کے باب میں عملاً تنگی کرنے کا،

اعتقاداً بیوہ کے نکاحِ ثانی کو معیوب سمجھنا جہالت ہے،

اور اعتقاداً تنگی کرنا اور اہتمام نہ کرنا ایسا کہ جیسے اکثر لوگ بوجہ افراطِ جہل (بسبب کثرتِ جہالت) کے بیوہ کے نکاحِ ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں، بعض جگہ تو یہاں تک غضب سُنا ہے کہ منگنی ہونے کے بعد اگر لڑکا مرگیا تو پھر لڑکی کو تمام عمر بٹھلائے رکھا، اور یہ تو بکثرت ہو کہ بعد شادی کے بچپن میں یا جوانی میں بیوہ ہوگئی، بس اب

اس کی شادی کرنا گویا بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے، بعض لوگ اگرچہ بوجہ جابجا علم دین اور وعظ کے چرچوں کے اب اس درجہ کا عیب نہیں سمجھتے مگر تاہم جس طرح اس لڑکی کی پہلی شادی کی فکر تھی دوسری شادی کی فکر اس سے آدھی بھی نہیں، یعنی اہتمام نہیں،

بیوہ کا نکاح ثانی نہ کرنے سے اس کی صحت، آبرو اور دین برباد ہونے کا اندیشہ ہے ؛؛؛

اگر اس میں اور اُس میں فرق کیا ہے بلکہ اگر غور صحیح سے کام لیا جائے تو بہ نسبت نکاح اوّل کے نکاح ثانی اس بیوہ کا اہم ہے، کیونکہ پہلے تو وہ خالی الذہن تھی، مصالحِ زوجیت کا یا تو علم ہی نہ تھا یا تھا تو علم الیقین تھا، اور اب اس کو عین الیقین ہوگیا ہے، اس حالت میں اس پر وساوس و حسرات کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے، جس سے کبھی صحت، کبھی آبرو، کبھی دین، کبھی سب برباد ہوجاتے ہیں،

بیوہ کو شفقت اور محبت سے نکاحِ ثانی کی ترغیب دینی چاہئے

بعض لوگ کہتے ہیں ہم نے پوچھا تھا وہ راضی نہیں ہوتی، صاحبو! مجھ کو اس میں بھی کلام ہے کہ جو طریقہ پوچھنے کا ہوتا ہے اسی طرح پوچھا تھا؟ یا چلتی ہوئی بات کہہ کر الزام اُتار دیا؟ پوچھنے پر جو بیوہ انکار کرتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتی ہے کہ اگر میں ایک دم سے راضی ہوجاؤں گی تو خاندان کے لوگ یوں کہیں گے کہ یہ تو منتظر ہی بیٹھی تھی خاوند کو ترس رہی تھی اس میں بدنامی ہوگی، اس خوف سے وہ ظاہرًا انکار کردیتی ہے، چاہئے یہ کہ اس کو اچھی طرح مصلحتیں بتلاؤ، اس کے وسوسے رفع کرو، شفقت اور اہتمام سے گفتگو کرو، اگر اس پر بھی وہ راضی نہ ہو تو تم معذور رہو،

بچوں والی عمر رسیدہ، صاحبِ وسعت بیوہ کو نکاح ثانی کرنا ضروری نہیں،

غرض حتی الامکان بیوہ کا نکاح ہی کردینا مناسب ہے، البتہ اگر کوئی بیوہ بچّہ والی ہو اور عمر بھی ڈھل گئی ہو، اور کھانے پینے کی بھی گنجائش ہو اور وہ انکار کرتی ہو، اور قرائن سے استغناء (بے نیاز ہونا) اس کا زوج (شوہر) سے معلوم ہو تو اس کے لئے اہتمام ضروری نہیں،

زوجین کی مرضی کے خلاف نکاح کردینے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر بلکہ قریب قریب کُل ہی مواقع میں متناکحین (نکاح کرنے والے جوڑے) کی مرضی حاصل نہیں کی جاتی، تعجب ہے کہ نکاح جو کہ عمر بھر کے لئے دو شخصوں کا تعلق ہے، جس کے ساتھ ہزاروں معاملات وابستہ ہیں، وہ تو کسی کا اور رائے ہو دوسرے کی، گو ان دو شخصوں کے مصالح کے یقیناً خلاف ہی ہو، اور گو وہ اپنی ناخوشی بھی ظاہر کرتے ہوں مگر ان کو ذرا نہ پوچھا جائے اور زبردستی نکاح کردیا جائے، بعض دفعہ عین وقت تک متناکحین یا ان میں سے ایک برابر

انکار کرنا ہے مگر اس کو گھونٹ اور جبر کر کے خاموش اور لب بند کر دیا جاتا ہے، اور عمر بھر کی مصیبت میں اس کو جوت دیا جاتا ہے، کیا یہ عقل اور نقل کے خلاف نہیں ہے، اور کیا اس میں ہزاروں خرابیوں کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا اور پھر کیا ان خرابیوں کا کوئی انتظام یا انسداد (روک تھام) کیا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جگہ لڑکے لڑکی سے کہلوانا ضروری ہے،

صغیر یا صغیرہ پر ولایتِ جبریہ حاصل ہے

یا صغیر و صغیرہ پر ولایتِ جبریہ کوئی چیز نہیں، یا بالغہ پر ولایتِ استیذانیہ سکوتیہ (ایسی ولایت جس میں ولی نکاح کی اجازت مانگنے پر صرف خاموشی کافی ہے) کا انکار ہے، یا اولیاء کو مصالح مشخص کرنے کا حق نہیں، سو یہ مطلب نہیں' کیونکہ یقیناً بعض جگہ لڑکا اور لڑکی ذی رائے اکثر جگہ ذی رائے نہیں ہوتے، تو ان نادانوں کی رائے کیا، اور اس پر اعتماد ہی کیا، نابالغ ہونے کی حالت میں اگر شاذ و نادر ذی رائے بھی ہوں تو شاذ و نادر کا کیا اعتبار، یا بالغ اور ذی رائے ہونے کے باوجود حیاء جو خاصۂ فطریہ ہے انوثت و بکارت (عورت اور دوشیزگی) کا وہ طبعاً مانع ہوتی ہے تکلم (بات کرنے) اور اظہارِ رائے سے، بعض جگہ بلوغ و عقل کے انتظار میں موقع صالح ہاتھ سے نکل جاتا ہے، جو ظاہراً عاقد (عقدِ نکاح کرنے والے) کی سعی سے عمر بھر بھی نصیب نہ ہوگا،

نیز اکثر جگہ اولیاء... اپنے تجربہ اور شفقت سے جو تجویز کریں گے وہ مصلحت ہی ہوگی، اسی واسطے شریعتِ مقدسہ نے اپنے احکام و قواعد میں ان سب واقعات کا لحاظ کر کے مکمل قانون بنا دیا، اس لئے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں اور نہ کوئی عاقل یہ بات تجویز کر سکتا ہے کہ بالکل متناکحین کی رائے پر رکھ دو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اولیاء اپنے تجربہ و شفقت سے مصالح پر پوری نظر کر کے اس کے بعد بھی احتیاطاً و نظراً الی العواقب (احتیاط کے ساتھ نتائج پر غور کرتے ہوئے) اگر لڑکا لڑکی بالغ ہوں جو (بوجہ اس کے کہ اکثر بلوغ سبب ہوتا ہے ذی رائے ہونے کا) شرعاً ذی رائے قرار دیا گیا ہے،

نکاح سے قبل زوجین سے ان کی مرضی اور رائے معلوم کرنے کا احسن طریقہ

اس صورت میں قبل اس کے کہ باضابطہ اُن کی رضاء واذن (رضامندی واجازت) حاصل کی جائے، یعنی باکرہ بالغہ (بالغ کنواری) کو سُنا کر اس کے سکوت (خاموشی) کو معیارِ رضا قرار دیا جائے، اور ناکح بالغ سے مجلس میں قاضی کہلوادے کہ میں نے قبول کی، سو اس کے قبل بھی خاص طور پر اُن کی رائے دریافت کر جائے، جس کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ جن سے وہ بے تکلف ہیں، جیسے ہم عمر دوست

اور سہیلیاں ان کے ذریعہ سے اس طور پر کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ ہمارے بزرگ ہم سے یہ دریافت کر رہے ہیں، ان کا مافی الضمیر معلوم کر لیا جائے، اور تجربہ کی بات ہے کہ اس طریقہ سے ضرور ان کے خیالات معلوم ہو جاتے ہیں، اور بعض دفعہ تو بے دریافت کئے وہ خود ہی ایسے بے تکلف دوستوں سے اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ظاہر کر دیتے ہیں، اور اولیاء تک وہ خبریں پہنچ جاتی ہیں،

موجودہ زمانہ میں نکاح سے قبل متناکحین کی رائے معلوم کر لینا بہت ضروری ہے

مگر ظلم و ستم ہے کہ پھر بھی بعض مہمل موہوم مصلحتوں (فضول خیالی مصلحتوں) کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے اس خیال کی پرواہ نہیں کی جاتی، اور ان کو گھونٹ داب کر اس بلا میں پھنسا دیا جاتا ہے، خصوص اس زمانہ میں کہ بحد ہوشیاری کا وقت ہے اس کی بہت ضرورت ہے، بہت مقامات ایسے ہوئے ہیں کہ ناپسندیدگی کی حالت میں نکاح کر دیا گیا ہے، پھر ناکح صاحب نے عمر بھر اس منکوحہ کی خبر نہیں لی اور فہمائش (سمجھانے) پر صاف جواب دیدیا کہ میں نے تو اپنی رائے ظاہر کر دی تھی جنھوں نے اس پر بھی یہ عقد کیا ہے نفقات (اخراجات) کے وہ ذمہ دار ہیں،

خلاف مرضی نکاح کر دینے کے مفاسد

اب بتلایئے اس مصیبت کا کیا علاج ؟ ان بوسیدہ عقل بزرگوں کی تو مصلحت ہوئی اور غریب مظلوم تمام عمر کے لئے قیدِ غیر میعادی (غیر معینہ) میں گرفتار ہوئی، کہاں ہیں یہ فرسودہ عقل؟ اب آئیں اور اس مظلومہ کی کچھ مدد کریں، مگر مدد کیا کرتے، اول تو اس وقت تک مر کھپ بھی گئے، اور زندہ بھی رہ گئے تو ڈھیٹ تو دیکھئے یہ کہہ کر صاف الگ ہو گئے کہ صاحب کوئی کسی کی قسمت میں تو گھس ہی نہیں نکلا، ہم کیا کریں اس کی قسمت، ہائے غضب، کیا غضب کا جواب ہے، جس سے وہ مظلومہ تو درکنار غیر آدمی کے تن بدن میں بشرطیکہ تھوڑا منصف ہو آگ لگ جاتی ہے، بھلے مانسو کو قسمت کی خبر نہیں تھی، اس کی تو خبر تھی کہ خود صاحبِ معاملہ کانوں پر ہاتھ دھر رہا ہے جو ظاہراً و عادتاً اس کی علامت ہے کہ تقدیر میں بھی یوں ہی ہوگا کہ انجام اس کا پریشانی ہوگی،

غلطی کر کے تمسک بہ تقدیر کا عذر غلط ہے،

اور اگر ایسا ہی تمسک بتقدیر (تقدیر کو تھامنا) ہے تو بس کل کسی کو قتل کر دیجیو، جب سزائے موت کے لئے پکڑے جاؤ تو کہدینا کہ ہم تو صرف ایک گولی ماری تھی، تقدیر کی کیا خبر تھی کہ ایک گولی سے مر ہی جائے گا، دیکھیں تو سہی اس عذر سے تم کو کون چھوڑ دے گا، خدا نکردہ (خدا نہ کرے) اگر وہ مقتول تمھارا ہی کوئی لگتا ہو تو دیکھیں گے کہ تم قاتل کا یہ عذر قبول کر لو گے، یہ سب بیہودہ باتیں ہیں، کاش! اگر بجائے اس کے

اس وقت اپنی غلطی کا اعتراف ہی کر لیتے تو مظلوم کی کچھ تو تسلی ہو جاتی، ان بیہودہ جوابوں سے تو دُگنا اس کے زخم پر نمک چھڑکا جاتا ہے کہ ایک تو مجھ کو پھنسایا پھر کیسی صفائی سے بَری ہوتے ہیں،

پسندیدہ زمانہ نکاح بعد بلوغ کے ہی ہے،

اگر ناکح و منکوحہ نابالغ ہوں اور اچھا موقع فوت ہوتا ہو تو دوسری بات ہے اور اگر ایسی کوئی ضروری مصلحت نہیں ہے محض رسم ہی کا اتباع ہے تو خود یہ رسم مٹانے کے قابل ہے، گو نکاح صحیح ہو جاتا ہے، انکار نہیں ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء، آیت ۶)

("اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہونچ جائیں")

صاف مشیر ہے کہ پسندیدہ زمانہ نکاح کا بعد بلوغ کے ہے،

قانونِ شرعیہ سے زیادہ جامع اور مراعیِ مصالح کوئی نہیں ہو سکتا،

اور اس کوتاہی کے مقابل ایک غلو ہے، جو اس وقت اکثر نو تعلیمیافتوں میں بڑھتا جاتا ہے، وہ یہ کہ خلافِ مرضی نکاح کے بعض واقعات مضرۃ (نقصان دہ) انھوں نے احکامِ شرعیہ پر طعن اور ان احکام کے مقابلہ میں یورپ کے رسم و رواج کو ترجیح دینا شروع کیا مجھ کو ان صاحبوں سے تعجب ہے کہ یہ حضرات اتباعِ فطرت و تحقیقِ واقعات (انسانی فطرت کی تقلید اور واقعات کی چھان بین) کے ازحد مدعی ہیں، اور پھر اُن کی نظر سے یہ واقعہ کیسے مخفی رہا کہ ہر قسم کے مواقع پیش آتے ہیں جن کے لئے کوئی ایک کلیہ کافی نہیں ہو سکتا اس کے لئے پورے قانون کی ضرورت ہے، جو قانونِ شرعیہ سے زیادہ جامع اور مراعیِ مصالح (مصلحتوں کی رعایت کرنے والا) کوئی نہیں ہو سکتا، چنانچہ خود جن کی یہ لوگ تقلید کر رہے ہیں یعنی اہلِ یورپ وہ خود روزانہ اس قانونِ شرعی کے استحسان کا اعتراف کرتے جاتے ہیں، پھر اُن کی نظر سے یہ فطرت کیسے مخفی رہی جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیم المزاج طبقۂ اُناث (صحیح مزاج والی عورتوں کے طبقہ) میں ودیعت کر رکھا ہے، کہ حیاء اُن کے لب پر مُہرِ سکوت لگائے ہوتے ہے،

عورتوں میں فطری طور پر ایک حیاء کی شان پائی جاتی ہے

افسوس! ان صاحبوں نے اس امر فطری کی ذرا رعایت نہیں کی اور اگر ان کی نظر میں کوئی ایسی جماعت ہو جس میں یہ امر فطری نہیں پایا جاتا اور اس وجہ سے اس کے فطری ہونے میں شبہ ہو جائے، تو جواب یہ ہے کہ علامت فطری ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ عوارض مرتفع ہوں وہاں اس کا ظہور ہو، سو اس معیار پر اگر تحقیق کیا جاتا تو اُناث میں اس سکوت کا فطری ہونا ثابت ہوگا،

ایسا خاص طرزِ تعلیم جس سے عورتوں میں حیا کا نام و نشان باقی نہ رہے ان کے واسطے سخت مضر ہے،

سبب اس کا خاص طرز ہی تعلیم کا جو خود ہی اُناث کے لئے نامناسب ہے، ورنہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں تک میں کہ جس میں نہ علم ہے نہ پردہ ہے ایک شان حیا کی پائی جاتی ہے،

شریعتِ مقدسہ نے تمام روئے زمین کے انسانوں کے جذبات کی رعایت فرمائی ہے،

قربان جائیے شریعتِ مقدسہ کے کہ تمام روئے زمین کے اصلی جذبات تک کی رعایت احکام میں فرمائی ہے، ان اہلِ غلو میں سے بعض کی میں نے یہ حکایت سُنی ہے کہ انھوں نے اپنی ناکتخدا (کنواری) لڑکی کے نکاح کے وقت علیٰ رؤس الاشہاد (گواہوں کی موجودگی میں) اس سے پوچھا کہ فلاں شخص سے تمہارا نکاح کیا جاتا ہے، تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ خاموش رہی، اس پر جبر کیا، کہ مار ڈالوں گا ورنہ رائے ظاہر کرو، مجبوراً بیچاری کو کہنا پڑا کہ ہاں میری مرضی ہے، سبحان اللہ، کیا خوب[1] صورتی سے رائے لی ہے، ان سے کوئی پوچھے کہ کیوں صاحب کیا سچ مچ تمھارے نزدیک اس طریقہ سے اس کا اصلی مافی الضمیر معلوم ہوگیا؟ بس اسی عقل و دانش پر شریعت پر اعتراض کئے جاتے ہیں، اگر شریعت آپ سے قانون بنوائے تو بس ایسا ہی بناؤ،

زوجین میں نکاح کے وقت سب سے زیادہ قابلِ التفات چیز دین اور سب سے کم قابلِ التفات مال و جمال ہے،

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اس زمانہ میں منکوحہ میں زیادہ تر جمال کو ناکح (نکاح کرنے والے) میں زیادہ تر مال کو دیکھتے ہیں اور سب سے کم دین کو دیکھتے ہیں اور باقی اوصاف میں آراء مختلف ہیں، حالانکہ سب سے کم قابلِ التفات یہی مال و جمال اور سب سے زیادہ قابلِ التفات دین ہی ہے، اسی واسطے حدیث میں عورت کے باب میں:

تُنْکَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِحَسَبِهَا وَلِمَالِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ،

یعنی عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، شرافت کی وجہ سے، مال کی وجہ سے خوبصورتی کی وجہ سے اور دینداری کی وجہ سے، اے مخاطب تجھ کو (دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہیے (۱۲ من المصنفؒ)۔

---

[1] اس کے برعکس شریعت نے کنواری منکوحہ کی خاموشی ہی کو رضامندی کے لئے کافی سمجھا ہے، زبان سے کہنے پر زور نہیں دیا، (احقر قریشی عفی عنہ)

اور مرد کے باب میں:

اِذَا جَآءَ کُمْ مَّنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَہٗ وَ دِیْنَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ ۝	"یعنی اگر تمھارے پاس ایسا شخص آئے جس کے اخلاق اور دینداری کو تم پسند کرتے ہو تو تم اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کردو، ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا"

وارد ہے، جس میں مال وجمال پر نظر نہ کرنے کا اور دین پر نظر کرنے کا امر فرمایا ہے۔

نکاح کا مقصدِ اعظم زوجین میں باہم محبت ومودت اور توافق ہے،

اور وجہ بھی اس کی ظاہر ہے کیونکہ نکاح جن مصالح کے لئے موضوع اور مشروع ہے، وہ زیادہ تر سب موقوف ہیں توافق زباہمی موافقت، دوستی اور توادد (آپس میں محبت) پر، وَالیہ الاشارۃ فی قولہ علیہ السلام

تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ اُبَاھِیْ بِکُمُ الْاُمَمَ،	"یعنی ایسی عورت سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنیوالی ہو

کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا"

حتیٰ کہ توالد جو کہ غرض اعظم ہے نکاح سے، جہاں اس کے لئے صحتِ بدن وسلامتِ مزاج وغیرہ احوالِ طبیعیہ شرط ہیں وہاں بھی یہی توادُد (محبت) ہے کہ بمنزلہ جزو اخیر علتِ تامہ کے ہے توالد کیلئے، کیونکہ وہ موقوف ہے احبال (حمل ہونے) پر اور احبال طبّاً (حکمت کی رُو سے) موقوف ہی توافق انزالین (دونوں کے ایک ساتھ انزال ہونے) پر، اور ظاہر ہے کہ وہ محبت ومودت پر موقوف ہے، غرض بڑا مدار مصالح کا نکاح میں توادُد ٹھیرا،

محبت ومودت میں بڑا دخل دین کو ہے

اور یہ یقینی بات ہے کہ توادُد میں جس قدر دخل دین کو ہے اتنا کسی چیز کو نہیں، سب علائق (تعلقات) قطع ہوجاتے ہیں بجز دین کے، حتیٰ کہ قیامت میں جو کہ وقت ہے تمام تعلقات کے قطع ہوجانے کا،

فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ، (المؤمنون، آیت ۱۰۱)	"اور ان میں جو رشتے ناتے تھے اس روز نہ رہیں گے"
وقال تعالیٰ: وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ۔	
وقال تعالیٰ: مَوَدَّۃَ بَیْنِکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُ بَعْضُکُمْ	"بس یہ تمھارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے، پھر قیامت میں تمھارا یہ

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ط (العنکبوت، آیت ۲۶)
حال ہوگا کہ تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہوگا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا،،)

یہ علاقۂ دنیویہ اس وقت بھی ختم نہ ہوگا، قال اللہ تعالیٰ:

اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ○ (الزخرف، آیت ۶۷)
(تمام دنیوی دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے سوائے متقی لوگوں کے،،)

بغیر دین کے صرف مال وجمال بقاءِ محبّت کے لئے کافی نہیں

خصوص مال وجمال کہ ان کی عمر تو بہت ہی کم ہے، مال تو ایک شب میں بے وفائی کرجاتا ہے، اور جمال ایک بیماری میں ختم ہوجاتا ہے، اور بعض امراض میں پھر عَود (دوبارہ آنا) ہی نہیں کرتا، جیسے آنکھ پھوٹ جائے یا چیچک نکل آئے اور داغ نہ جائیں یا سر کے بال گرجائیں وَنَحْوُ ذٰلِکَ (اور اسی طرح دوسری بیماریاں)

پھر جب مقصود مال وجمال تھا اور وہ رخصت بلا عوض ہوگیا، تو تمام تر محبّت والفت بھی جو اس پر مبنی (قائم) تھی وہ بھی ختم ہوئی، اور پھر زوجین میں ایک دوسرے کی نظر میں مبغوض (ناپسندیدہ) ہوگیا اور نباہ ہمیشہ کے لئے مشکل ہوگیا، اور چندے (بعض اوقات) اس کو بقاء ہی رہا تب بھی جہاں دین نہیں وہاں دیکھا ہے کہ مال وجمال بقائے محبت کے لئے کافی نہیں، کیونکہ جب دین نہیں اور ظاہر ہے کہ بد دین آدمی کے نہ اخلاق درست ہوتے ہیں نہ اعمال و معاملات اور بداخلاقی و بدمعاملگی و بداعمالی کی جس میں مضاعتِ حقوق (حقوق ضائع کرنا) وخود پرستی وخود غرضی بھی آگئی، جو خاصہ ہے مبغوضیت پورا کردینے کا، پس جب شب و روز ایسے اسباب برابر واقع ہوتے رہیں گے، تو کہاں تک اُن میں محبت رہ سکتی ہے، پس باہم کدورت (رنجش) ونااتفاقی وغیظ وطیش پیدا ہونا شروع ہوگا حتیٰ کہ تمام مصالحِ زوجیت ضائع ہوجائیں گے، ہم نے خود دیکھا ہے بی بی حسن وجمال میں حور کا بچّہ اور شوہر مال ومنال میں قارون کے فرزند، مگر میاں کی بد دینی سے تو اکثر اور کہیں بی بی کی بدخُلقی و بدمزاجی یا بدچلنی کے سبب میاں بیوی میں بول چال تک نہیں، وہ اس کو دیکھ کر منھ پھیرلے یہ اس کو دیکھ کر ناک بھویں چڑھائے، یہ دوسری جگہ روٹی پھولتے پھریں وہ باوجود مال ہونے کے الگ ایک ایک پیسہ کو ترسے، بعض جگہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ بی بی غایت نفرت کے سبب میاں سے پردہ کرتی ہے، یہ ثمرات ہیں بد دینی کے باوجود مال وجمال ہونے کے، پس اس کا مقصود سمجھنا ہی حماقت ہے،

دین کے ساتھ اگر مال و جمال بھی جمع ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے ، | ہاں اگر دین کے ساتھ یہ بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے ، چنانچہ حدیث میں ہے اَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوْكٌ (یعنی جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے وہ مسکین ہیں)

اور اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَيْهَا فَانْظُرْ، او کما قال ، | (اگر ہو سکے تو نکاح سے پہلے اس عورت کو دیکھ لینا ، ،)

مشیر بھی ہے ، اور ایک درجہ میں مال و جمال کی رعایت کی طرف ، لیکن غلو اس میں بھی بیشک مذموم ہے ، جیسا اوپر حدیث ہی سے ثابت ہے ،

نکاح سے قبل داماد کے مسلمان ہونے کی تحقیق ضرور کرنی چاہئے | اسی مضمون پر تفریع کے طور پر ایک یہ امر بھی قابلِ تنبیہ ہے کہ آجکل نو تعلیم یافتہ طبقہ میں بعضے لوگ ایسے آزاد اور بیباک پائے جاتے ہیں جو بلا تکلف بدولتِ تقلیدِ ملاحدہ یا بطفیل ہوا پرستی وخود رائی قطعیات (یقینی عقائد و احکام) میں مخالفانہ کلام کرتے ہیں ، کسی کو رسالت میں کلام ہے ، کسی کو نماز و روزہ کے احکام پر نکتہ چینی ہے ، کسی کو واقعاتِ یقینیہ معاد (قیامت کے یقینی واقعات) پر شبہات ہیں ، سو خوب سمجھ لو کہ :-

مِثْلُ ذٰلِكَ الرَّجُلِ كَافِرٌ وَّ اِنْ زَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ ، | (ایسا آدمی کافر ہے خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہو ، ،)

اور مسلمہ کا نکاح کافر مرد سے نہیں ہوتا ، یا اگر مسلمان ہونے کے بعد کوئی ان امور سے کسی کا مرتکب ہوا تو کافر ہو جاتا ہے ، اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے ، اور عمر بھر حرام کاری ہوتی ہے ، پس بیحد ضرورت ہے کہ نکاح کے قبل داماد صاحب کے داڑھی اور فیشن کو اگر نہ دیکھو تو اس کے مسلمان ہونے کی تو تحقیق کر لیا کرو ، اور بعد نکاح ایسا امر پیش آئے تو توبہ کرا کر تجدیدِ نکاح کرا دیا کرو ، بہت مہتم بالشان (انتہائی اہمیت والا) امر ہے ،

ضرورت اور وسعت ہونے پر نکاحِ ثانی کرنا واجب ہے | ایک کوتاہی اس باب میں جو کہ سبب اوّل کوتاہی کے مقابل ہے یہ ہے کہ بعضے لوگ باوجود ضرورت کے اور باوجود وسعت کے نکاح ..... نہیں کرتے ، بعضے تو اوّل ہی سے نہیں کرتے اور بعضے ایک بیوی کے مرنے یا طلاق دیدینے کے بعد پھر نہیں کرتے ، سو خوب جان رکھو کہ جب ضرورت یعنی نفس میں تقاضا ہو اور وسعت بھی ہو گو اس قدر ہو کہ روز کے روز کماؤں گا اور کھلاؤں گا تو نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہے ، اور اس کے ترک سے گناہگار ہوگا ،

نکاح کس صورت میں فرض ہے | اور اگر وسعت کے ساتھ بہت زیادہ تقاضا ہے کہ بدون (بغیر) نکاح

کئے ہوئے فعل حرام میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہے تو نکاح کرنا فرض ہوگا،

وَمِنَ الْفِعْلِ الْحَرَامِ النَّظرالمحرم والاستمناء بالكف،	(فعل حرام میں نظرِ حرام اور جلق بازی بھی شامل ہے،،)

نکاح کس صورت میں سنت ہے اور کونسی صورت میں ممنوع؟ اور اگر ضرورت کا درجہ نہیں لیکن قدرت ہے ادائے حقِ زوجہ پر تب بھی سنت ہے، البتہ اگر اندیشہ ہو بی بی کے حق ادا نہ کرسکنے کا خواہ حقِ نفس خواہ حقِ مال تو ایسے شخص کے لئے البتہ نکاح کرنا ممنوع ہے،

صرف ضرورت ہو اور وسعت نہ ہو تب بھی نکاح واجب ہے اور اگر ضرورت ہو اور وسعت نہ ہو اس میں اقوال مختلف ہیں، احقر قولِ وجوب کو راجح (افضل) سمجھتا ہے، اور وسعت کا تدارک محنت، مزدوری یا قرض سے کرلے، جس کے ادا کی نیت مصمّم (پکی) رکھے، اور ادا کی کوشش بھی کرے، اور اگر اس پر بھی ادا نہ کرسکا تو امید ہے حق تعالیٰ اس کے مخاصم (قرضخواہ) کو راضی فرمادیں گے کیونکہ اس نے دین کی حفاظت کے لئے نکاح کیا تھا، اس میں مقروض ہوگیا تھا، مگر فضولیات کے لئے یہ قرض جائز نہیں، بلکہ صرف نان نفقہ کے لئے یا مہر کے لئے جہاں کہیں مہر کُلّاً یا بعض (پورا یا اس کا کچھ حصہ) فوراً لیا جاتا ہو، بہرحال اس مقام پر کلام اس میں ہے کہ جب ضرورت اور وسعت دونوں ہوں تو نکاح واجب یا فرض ہوگا، پھر بھی بعض لوگ نہیں کرتے، جس کے اسباب مختلف ہیں،

نکاح کا ترک فی نفسہٖ عبادت نہیں، بعض تو نکاح نہ کرنے کو قربت وعبادت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اعتقاد رہبانیت اور بدعت فی الدین (دین میں نئی بات گھڑنا) ہے، اصل عمل مامور بہ شرعاً (جس عمل کا شریعت نے حکم دیا ہے) نکاح ہی ہے، تو اس کا ترک فی نفسہٖ عبادت نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ظاہر ہے، اور بعضے بیوی کے مرنے سے..... بد دل ہوکر بزعم خود تارکِ دنیا بنتے ہیں، بہرحال یہ دونوں ترکِ دنیا کا قصد کرتے ہیں، ایک ابتداء ہی سے، اور ایک بی بی کی وفات کے بعد سے،

حالتِ ضرورت میں عدمِ نکاح سے فتنِ کثیرہ میں مبتلا ہوگا حالانکہ جب حالت ضرورت کی ہے تو ترکِ نکاح سبب ہوجائیگا فتنِ کثیرہ (بہت سے فتنوں) کا، چنانچہ وساوس وخطرات کا ہجوم جو عبادات میں حلاوت وطمانیت (لذت اور اطمینان) کو بالکل ہی برباد کردے گا، یہ تو ایک حالتِ مشترکہ ہے، اور بعض ان وساوس وخطرات سے متأثر ہوکر اُن کے مقتضا پر عمل بھی

صادر ہوجاتا ہے، چنانچہ بعض تو عورتوں سے مبتلا ہوجاتے ہیں، اور بعضے اپنے ظاہری تقدّس کی حفاظت کے لئے عورتوں سے بچتے ہیں کہ اس میں آدمی جلد بدنام ہوجاتا ہے نوعمر لڑکوں سے مبتلا ہوجاتے ہیں،

نوعمر لڑکوں میں مبتلا ہونا فتنۂ عظیم ہے

اور یہ اس سے بڑھ کر فتنہ ہے، کیونکہ وہ کسی حالت میں تو محل ہے حلّت کا (حلال ہونے کا مقام ہے) بخلاف اس کے محرّم محض (قطعی حرام) کہ پھر ان میں سے بعض تو اصل فعل سے بچے رہتے ہیں، مگر اس کے مقدمات میں مثل قُبلہ ولمس (بوسہ اور چھیڑ چھاڑ) وغیرہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں، جس میں دوسرے بدگمان نہ ہوں، حتیٰ کہ خود متمتّع (جس سے لذّت اندوز ہوا) کہ وہ اس کو بزرگانہ شفقت پر محمول کرے گا، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (ہم اللہ سے تمام ظاہری و باطنی فتنوں سے پناہ چاہتے ہیں)۔

ترکِ دنیا سے ترکِ معصیت زیادہ ضروری ہے

تو ترکِ دنیا اتنا ضروری نہ تھا جتنا ترکِ معصیت، پس ان لوگوں کی وہی مثل ہوئی کہ گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز، یہ اسباب تو مردوں کے ترکِ نکاح کے ہیں، خواہ نکاح اوّل ہو یا نکاحِ ثانی،

عورتیں باختیارِ خود بے نکاح رہنے کو ترجیح نہیں دیتیں

اور عورتیں ایسی بہت کم ہیں یا نہیں ہیں کہ باختیارِ خود دل سے بے نکاح بیٹھنے کو ترجیح دیں، اور کسی عارض (معذوری) کے سبب نکاح کی صورت نہ بن پڑے تو اور بات ہے، جیسے اس کو کوئی مرض ہے، کوئی قبول نہیں کرتا، یا دھوم دھام کے سامان کا ان کو انتظار ہے، گو یہ انتظار مذموم ہے، مگر تاہم ان لوگوں نے ترکِ نکاح کو فی نفسہٖ نکاح پر ترجیح نہیں دی، لیکن

بعضی عورتوں کا نکاحِ ثانی کو عیب یا ذلت کا موجب سمجھنا سخت قابلِ گرفت غلطی ہے

ایسی عورتیں بکثرت ہیں جو نکاحِ ثانی کے ترک کو اس کے فعل پر ترجیح دیتی ہیں، جس کا سبب بکثرت تو یہی ہے کہ وہ نکاحِ ثانی کو عیب سمجھتی ہیں، اور بعضی زبان سے بھی ایسی باتیں کہہ ڈالتی ہیں جن میں بعض باتیں تو حدِ کفر تک پہنچ جاتی ہیں، اور بعضی عیب بھی نہیں سمجھتیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عورتیں بھی بے نکاح بیٹھے رہنے کو زیادہ عزّت کا سبب سمجھتی ہیں، اور یہ بھی درحقیقت ایک چھپا چور ہے، جس کا وطن اس سرحدِ کفر میں داخل نہیں، مگر اس کے جوار (قرب) میں تو ضرور ہے، ورنہ کامل مسلمان کیا وجہ کہ خلافِ سنت کو زیادہ اعزاز کا سبب سمجھے، اور بعض غریب ایسی بھی ہیں جو نکاح کو ہر طرح مستحسن سمجھتی ہیں، اس سے ذرا بھی انقباض (ناپسندیدگی) نہیں، مگر جانتی ہیں

کہ بچے ضائع ہوجائیں گے، یا یہ کہ کوئی اس کو قبول نہیں کرتا، یہ دونوں معذور ہیں، بلکہ پہلی تو ماجور (ثواب پانے والی) ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے،

منکوحہ کے مال پر نظر رکھنا بڑی بے غیرتی ہے،

ایک کوتاہی ناکحین (نکاح کرنے والوں) میں یہ ہے کہ منکوحہ (جس سے نکاح کرنا مطلوب ہو) کے مال کو دیکھتے ہیں، اور درحقیقت یہ اس سے بھی بدتر ہے کہ منکوحہ یا اس کے اولیاء مرد کے مال کو دیکھیں، کیونکہ یہ تو کسی درجہ میں اگر اس میں غلو نہ ہو امر معقول ہے، کیونکہ مرد پر نفقہ و مہر عورت کا واجب ہوتا ہے، تو اس پر استطاعت رکھنے کو دیکھنا مضائقہ نہیں، بلکہ ایک قسم کی ضروری مصلحت ہے، البتہ اس میں ایک قسم کا غلو ہوجانا کہ اس کو اور ضروری اوصاف پر ترجیح دی جائے یہ مذموم ہے، لیکن عورت کے مالدار ہونے پر نظر کرنا محض اس غرض سے کہ ہم اس سے منتفع (فائدہ اٹھانے والے) ہوں گے، یا ہم پر نفقات وغیرہ کا بار کم پڑے گا بڑی بے غیرتی اور بے حمیتی ہے ؎

چو باز باش کہ صیدی کنی و لقمہ دہی
طفیل خورہ مشو چوں کلاغِ بے پر و بال

اس کے علاوہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مالدار عورت نادار مرد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی، اس کو حقیر اور خادم سمجھتی ہے، اور ناکح کے والدین کا اس پر نظر کرنا کہ ایسی بہو کو بیاہ کر لائیں کہ جہیز بہت سا لائے اور بھی احمق ہیں، ان کی بھی وہی مثل ہے کہ ع

چو موش بر سرِ دُکانِ روستا خورسند

اوّل تو وہ جہیز ملک بہو کا، کسی کو اس سے کیا، لیکن اگر یہ بھی سمجھا جائے کہ گھر میں رہے گا تو ہمارے بھی کام آئے گا (اس سے) اوّل تو وہی بے حمیتی (بے غیرتی) دوسرے اگر اس کو گوارہ بھی کر لیا جائے تو اس خیال کے ناکح کو تو کسی درجہ میں گنجائش ہے مگر ساس سسر کو کیا واسطہ، آج صاحبزادہ صاحب اپنی رائے سے یا بیوی کے کہنے سے جدا ہوجائیں بس ساری امیدوں پر پانی پھر جائے،

اپنے برابر والوں سے تعلق نکاح قائم کرنے سے ہر قسم کے مصالح محفوظ رہتے ہیں،

البتہ اگر منکوحہ کے زیادہ مفلس نہ ہونے پر ایک مصلحت کی تحصیل کیلئے اور ایک مضرت کے دفع کے لئے نظر کی جائے تو وہ نازیبا نہیں، بلکہ مناسب ہی، وہ منفعت تو یہی ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مفلس محض میں دو امر کی کمی ہوتی ہے، ایک سلیقہ کی دوسری سیر چشمی کی، پس سلیقہ کی کمی سے اس میں خدمت کی لیاقت نہیں ہوتی، اور اس سے کلفت ہوتی ہے، اور سیر چشمی کی کمی سے بعض اوقات ضروری خرچ

میں تنگی کرتی ہے جس سے بعض اہلِ حقوق کے حقوق بھی ضائع ہوتے ہیں، اور بعض مقامات پر شرمندگی بھی ہوتی ہے، کسی مہمان کو روٹی کم دیدی، کسی سائل حاجتمند کو محروم کردیا، اور اگر وہ بچپن سے کھانے پینے، دینے دلانے، کھلانے پکانے میں رہی ہوگی تو راحت اور انتظام کی زیادہ امید ہے، اور وہ مضرت (نقصان) یہ ہو کہ بعض کو دیکھا گیا ہے کہ دفعتاً مال و دولت کو دیکھکر آنکھیں پھٹ جاتی ہیں اور اُچھلنے لگتی ہیں، اور سلیقہ ہوتا نہیں، پس بے تمیزی سے اس کو اُڑانا شروع کردیتی ہیں، چنانچہ اکثر نو دولتوں کو یا بخل کی بلا میں مبتلا پایا یا اسراف کی، ان میں اعتدال کم ہوتا ہے، کیونکہ عادت نہیں تھی اموال سے منتفع ہونے کی جو اعتدال سیکھتی، اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاوند کے گھر سے اس کو محبت نہیں ہوتی، نقد الگ، جنس الگ کبھی ظاہر میں کبھی خفیہ (چھپاکر) جس طرح بن پڑتا ہے اپنے میکے والوں کو بھرنا شروع کردیتی ہے، اور عمر بھر یہی نزلہ بہتا رہتا ہے، اور اس سے گھر میں بے حد بے برکتی ہوتی ہے، مرد کماتا کماتا تھک جاتے مگر وہ اُڑانے سے نہیں تھکتی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اپنی برابر والوں میں تعلق نکاح کا کرئے تاکہ سب مصالح محفوظ رہیں، اور یوں کسی کی طبیعت ہی خاص رنگ کی ہو اس کا ذکر نہیں،

چھوٹی عمر میں نکاح کر دینے کی خرابیاں

اور ایک کوتاہی بعض قوموں میں یا بعض لوگوں میں یہ ہے کہ اکثر بہت تھوڑی عمر میں شادی کر دیتے ہیں، کہ جس وقت اُن متناکحین کو کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی، کہ نکاح کیا چیز ہے، اور اس کے کیا حقوق ہوتے ہیں، اس میں بہت سی خرابیاں نکلتی ہیں، بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے، جس کو منکوحہ سیانی ہو کر یا اولیا منکوحہ پسند نہیں کرتے، اب فکر ہوتی ہے تفریق کی، کوئی مسئلہ پوچھتا پھرتا ہے، کوئی بے مسئلہ پوچھے ہی دوسری جگہ نکاح کر دیتا ہے، کوئی تفریق یا خلع کی دیوانی میں درخواست کرتا ہے، کوئی منکوحہ کو اختیارات فسخ حاصل ہونے کی تحقیق بلکہ کوشش کرتا پھرتا ہے، لڑکا ہے کہ براہِ سرکشی نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے، غرض ایک بلائے بے درماں (لاعلاج مصیبت)

---

۵ خلع: اگر میاں بی بی میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے تو عورت قاضی شرع کی عدالت میں کچھ مال دے کر یا اپنا مہر معاف کر کے شوہر سے درخواست کرے کہ میری جان چھوڑ دے اور شوہر اس پر راضی ہو کر اسکے جواب میں کہ میں نے تیری جان چھوڑ دی ہو، اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑتی ہو جس کے بعد مرد کو اس عورت کو روک رکھنے کا اختیار نہیں ہوتا، عورت کے اس طرح اپنی جان چھڑانے کو شرع میں خُلع کہتے ہیں، البتہ خلع کیلئے قاضی کی شرط ایک لازمی امر ہے، (احقر قریشی غفرلہٗ)

ہوگئی، بعض اوقات دونوں بچپن میں ایک جگہ کھیلتے اور لڑتے ہیں، جس کا اثر بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے شوہر کی وقعت (قدر و عزت) عورت کے دل میں نہیں ہوتی، اور اس کی جو خرابیاں ہیں ظاہر ہیں، اور بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ باہم تنافر و تباغض (آپس میں نفرت اور بغض) پیدا ہو جاتا ہے، اور چونکہ ابتداء سے دونوں ساتھ رہے تو شوہر کو کوئی خاص میلان، کیفیتِ شوقیہ کے ساتھ نہیں ہوتا، جیساکہ بلوغ کے بعد نئی منکوحہ کے ملنے سے ہونا متوقع و مظنون ہے، اور اس قلتِ میلان کا ثمرہ بھی ہر طرح بُرا ہی بُرا ہے،

بڑی عمر کی لڑکی سے چھوٹے عمر کے لڑکے کا نکاح کر دینے کے مفاسد اور خرابیاں

اور اس سے اقبح و اشنع (بہت زیادہ بُرا) یہ ہے کہ جس کا ارتکاب بعض حمقاء (محض اپنی خاندانی مصلحتوں سے، قطعِ نظر زوجین کے مصالح سے) کرتے ہیں کہ لڑکا چھوٹا اور لڑکی بہت بڑی، اب لڑکی تو پہلے ... جوان ہوگئی، اور لڑکا ابھی چُوں چُوں کا بچہ ہے، بلکہ کہیں اتنا تفاوت (فرق) ہے کہ لڑکا اس کی گود کے کھلانے کے لائق ہے، ان بے عقلوں نے یہ تو دیکھ لیا کہ آپس میں رشتہ ہو جائے آگے کو بھائی بہن کی اولاد میں تعلق و ارتباط رہے، مگر یہ نہ دیکھا کہ ان سب تعلقات و ارتباطات کی اصل بنیاد زوجین کا توافق ہے، اور اس صورت میں خود اسی کی امید نہیں، چنانچہ ایسے مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکی میں جوانی کا تقاضا پیدا ہوگیا اور لڑکا کسی قابل ہی نہیں، پس یا تو وہ اور کسی سے خراب و خستہ ہوگئی، یا گھُٹ گھُٹ کر مدقوق (تپِ دق میں مبتلا) ہوگئی، اور پھر وہ اگر جوان بھی ہوا تو اس کے جوڑ کا نہیں، ابتدائی تنافر (باہمی نفرت) کا اثر موجود، اور اس سے بڑھ کر ناکح کی وقعت مفقود (شوہر کی عزت ختم)

بعض جگہ کم سنی میں تناکح (نکاح کرنے سے) یہ ہوا کہ بعد جوان ہونے کے وہ لڑکی اس لڑکے کو پسند نہیں، وہ اپنے لئے کہیں اور تلاش کر لیتا ہے، اور اس کی نہ خبر گیری کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے خبر گیری کی نسبت تو عذر کر دیتا ہے کہ مجھ کو خبر ہی نہیں کہ میرا نکاح کب ہوا؟ جنہوں نے کیا وہ ذمہ دار ہیں، اور طلاق دینے کو عرفاً عار سمجھتا ہے، پس وہ عورت ازیں سو راندہ ازاں سو ماندہ[1] کی مصداق ہو جاتی ہے، کیا ان خرابیوں سے بچنے کی کوشش کرنا ضرور نہیں؟

بعد بلوغ اور درستیِ عقل کے نکاح میں سلامتی ہے،

جس کا سیدھا طریقہ یہ ہے کہ بعد بلوغ اور درستیِ عقل کے نکاح کیا جائے تاکہ جس کا معاملہ ہے وہ اس کو سمجھ لے،

---

[1] یعنی وہ عورت ایک طرف سے دھتکاری گئی اور دوسری طرف سے چوٹ کھا گئی، ۱۲

منکوحہ کے نو تعلیم یافتہ ہونے کو دیکھنا غلطی ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جس طرح بعض لڑکے کے ایف اے ۔ ایم اے ہونے کو دیکھتے ہیں افسوس ہے کہ بعضے نئے مذاق کے لوگ منکوحہ ایسی تلاش کرتے ہیں جس نے نئی تعلیم حاصل کی ہو، یا تعلیم کے ساتھ ڈاکٹری یا پروفیسری کا پاس بھی حاصل کر چکی ہو، کوئی ان عقلاء سے پوچھے کہ اس سے مقصود کیا ہے، ؟ اگر یہ ہے کہ ان کا بار ہم پر کم ہو، یہ خود بھی کمانے میں امداد دیں تب تو بے حد بے حمیتی ہے، کہ مرد ہو کر عورت کے ہاتھ کو تکا جائے، عورت کا ممنون ہونا تو بدون خلوص کامل کے خود خلافِ غیرت ہے،

مہر کو معاف کر دینے کے باوجود ادا کر دینا ہی مناسب ہے

وہ اگر مہر بھی معاف کر دے تو حتی الامکان اس معافی کو قبول نہ کرے اس کو ادا ہی کر دے، حق تعالیٰ نے ایک آیت میں اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے:۔

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ (فیسقط النصف)[1] اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ (ای الزوج بان یؤدی تاماً) وَاَنْ تَعْفُوْٓا (ایها الرجال) اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (والیق لشانکم لکونکم رجالاً)۔	(تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف واجب ہے (پس آدھا مہر ساقط ہو جائیگا) یا کہ وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق رکھنا اور توڑنا ہے (یعنی خاوند پورا مہر ادا کر دے) اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنیکے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (اور مرد ہونے کی شان کے لائق تمہارا درگذر کرنا زیادہ لائق ہے ۔))

شوہر کی خواہش وغیرہ کے بغیر عورت اگر خلوص کامل سے اسکی کوئی مالی خدمت کرے تو اس کا مضائقہ نہیں

البتہ اگر خلوصِ کامل سے شوہر کی کچھ خدمت کی جائے بدون اس کے کہ شوہر کو اس کی خواہش یا اس پر نظر یا اس کی نگرانی و انتظار ہو تو مضائقہ نہیں، وہو معنی قولہ تعالیٰ:۔

وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ، (الضحیٰ، آیت ۸)	(اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا، سو مالدار بنا دیا۔)
وَاشتراط عدم التطلع والتشرف	(اور اطلاع و انتظار نہ ہونا شرط ہے جیسا کہ

---

[1] نصف مہر اس وقت ساقط ہوگا جبکہ عورت کو نکاح کے بعد قبل صحبت اور خلوت صحیحہ طلاق دیدے، (احقر قریشی)

بقولہ علیہ السلام مَا آتَاكَ مِنْ غَیْرِ اِشْرَافٍ فَخُذْهُ وَ مَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ او کما قال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کچھ تمہارے پاس بغیر اشراف نفس کے آجائے اسے لے لو، اور جو تمہارے پاس نہیں آتا نفس کو اس کے پیچھے مت لے جاؤ،،

عورت صرف سلیقہ سے اپنی شوہر کی خدمت نہیں کرسکتی بلکہ اس کے لئے اس میں خدمتگذاری وغیرہ کا مادہ ہونا ضروری ہے،

اور اگر یہ مقصود ہے کہ ایسی عورت سلیقہ دار ہوگی ہم کو راحت زیادہ پہنچائے گی، سو خوب سمجھ لو، راحت رسانی کے لئے صرف سلیقہ کافی نہیں، بلکہ اطاعت و خلوص و خدمت گذاری کے مادّہ (جذبہ) کی اس سے زیادہ ضرورت ہے، اور سلیقہ میں کچھ کمی بھی ہو تو اس کو برداشت کرلیا جاتا ہے، اور گو کسی قدر وقتی کلفت ہوتی ہے لیکن وہ بہت جلد دفع ہوجاتی ہے اس کا اثر باقی نہیں رہتا، اور اگر نرا سلیقہ ہو اور وہ اوصاف نہ ہوں تو اوّل تو وہ خدمت ہی کیوں کرے گی؟

عورتوں کو انگریزی تعلیم دینے سے ان میں بہت سے اخلاقِ ذمیمہ پیدا ہوجاتے ہیں،

کیونکہ تجربہ سے اس تعلیم جدید کا اثر خاصکر اگر عورتوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ فطرۃً ہی ضعیف العقل و ضعیف القلب (کم عقل اور کمزوردل) ہوتی ہے جس کے لئے زیادتِ تأثر (اثر قبول کرنا) لازم ہے، یہ ثابت ہوا ہے کہ اس سے تکبر و خود غرضی و خود رائی و بے باکی و آزادی و بیحیائی و چالاکی و نفاق وغیرہ اخلاقِ ذمیمہ (بُرے اخلاق) جو تمام اخلاقِ ذمیمہ کی جڑ ہیں، پیدا ہوتے ہیں، پس جب ان کا دماغ تکبّر و نخوت سے پُر ہے تو وہ تمہاری خدمت ہی کیوں کرے گی؟ جس سے تم کو راحت پہونچے،

نو تعلیم یافتہ عورت بجائے شوہر کی خدمت کرنے کے اس سے خدمت لینے کی طالب ہوگی،

بلکہ برعکس بوجہ خودغرضی کے وہ خود تم ہی سے اپنے حقوق کا اعلیٰ پیمانہ پر مطالبہ کرے گی، جس سے تمہاری عافیت (سلامتی) تنگ ہوجائے گی، غرض وہ خود تم ہی سے اپنی خدمت چاہے گی، اور اگر تم اُن سے وہ خدمتیں چاہوگے بھی جو ایک شریف سادہ طبیعت کی عورت اس کو اپنا فخر سمجھتی ہے تو وہ تم کو ضابطہ کا جواب دیں گی کہ یہ کام ہمارے ذمّہ نہیں، بلکہ جو ان کے ذمہ بھی قاعدہ سے ہوگا، اس میں بھی خلاف تہذیب ہونے کا یا مخلِ صحت (صحت خراب کرنے) کا عذر کرکے ٹکا سا جواب دیں گی، اور اپنے حقوق تم سے پورے وصول کرینگی

تنخواہ تم سے کُل رکھوالیں گی، اور تین پانچ (ٹال مٹول) کروگے تو عدالت پہنچیں گی، اور اگر کہو کہ یہ بہت کم ہوتا ہے تو جواب میں عرض کروں گا کہ پھر وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے، اور اگر کہو کہ ہم ایسی تعلیمیافتہ نہیں چاہتے تو خیر وہ بے شک اس قدر خطرناک نہ ہوگی، لیکن آزادی، بے حیائی، مکروفریب، چالاکی، اور نفاق تو تمغۂ مشترکہ (سب کا مشترک اعزازی نشان) ہے جو پوری اور ادھوری تعلیم سب میں ہے، تو اس کے خطرات بھی ایک شریف اور غیور آدمی کے لئے کچھ کم نہیں ہوں گے،

اگر عورت میں سب ہنر ہوں اور حیا نہ ہو تو وہ صحیح معنوں میں عورت نہیں،

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر عورت میں کوئی ہنر نہ ہو لیکن حیا، ہو تو وہ اور کچھ نہیں مگر عورت تو ہے، اور اگر سب ہنر ہوں لیکن حیا نہ ہو تو وہ سب کچھ ہے مگر عورت نہیں، اور نکاح کے مصالح کے لئے چاہئے عورت، جب وہ حکماً عورت ہی نہیں تو پھر اس سے مصالح نکاح کیسے حاصل ہوں گے پھر نکاح سے کیا فائدہ؟ بالائی مصالح کے لئے چار مہذب نوکر رکھ لو، اور آب ریزی (شہوت کی ہوس پوری کرنے) کے لئے اہلِ فرانس نے بہت سے طریقے ایجاد کردیئے... اُن پر کفایت کرلو، رہی اولاد سو وہ اختیار ہی سے خارج ہے، اس کی فکر ہی کیا؟ پھر وہ ہر بدہنر عورت سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، اس کے لئے اتنی کنج دکاو (جستجو اور تلاش) بیکار ہے، اور اس کی کیا ضرورت ہے کہ سب مصالح ایک ہی شخص سے حاصل ہوں، غرض نکاح میں مصالح نکاح کی رعایت سب سے مقدم ہے، جو عورت کی بیحیائی کے ہوتے ہوئے سب گرد ہے،

عورتوں میں دینی تعلیم کا ڈھونڈھنا ضروری ہے،

البتہ اگر عورتوں میں دینی تعلیم ڈھونڈی جائے تو وہ علومِ دینیہ کی تعلیم ہی جو انسان کو مہذب کامل بنادیتی ہے، جبکہ اس پر عمل کرے، اور غالب یہ ہی کہ جب علمِ دین حاصل ہوتا ہے تو کبھی نہ کبھی عمل کی بھی توفیق ہو ہی جاتی ہے، سو اگر بے عملی سے فرضاً (فرض کرو) کچھ کلفت بھی ہوئی تو وہ دائمی نہ ہوگی، عارضی ہوگی، جو ایک منٹ میں ختم ہوسکتی ہے، غرض اصل تعلیم قابلِ اہتمام تعلیمِ دینی ہے،

دینی تعلیم سب تہذیبوں کی جڑ ہے،

اور اس کے اساس التہذیب (تہذیبوں کی جڑ) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، اور جس کے قلب میں خدا کا خوف ہوگا وہ اس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھے گا کہ اس سے احتمال ہی نہیں ہوگا کہ وہ کسی کا ذرا حق ضائع کرے، یا کسی کو اس سے تکلیف پہونچے، یا وہ اپنی غرض کو دوسرے کے حق پر

مقدّم کرے، یا کسی کی بدخواہی کرے، یا کسی کو دھوکا دے، اور اس سے بڑھکر کونسی تہذیب ہوگی؟

آجکل کی تہذیب تعذیب ہی

اور جس کا نام آجکل تہذیب رکھا گیا ہی جس کا حاصل تصنّع و تلبیس وخداع و نفاق (بناوٹ، اپنا عیب چھپانا، دھوکہ دینا اور منافقت) ہے، وہ سراسر تعذیب (عذاب دینا) ہے، جس کا پایا جانا عورت میں اس کو اس شعر کا مصداق بناتا ہے ؎

زنِ بد در سرائے مردِ نکو ٭ ہم دریں عالم است دوزخِ او

(بُری عورت نیک مرد کے گھر میں بعینہٖ اس عالم میں اس کے لئے دوزخ ہے)

اس تقریر سے بعض اجزائے تعلیمِ نسواں کے متعلق بھی حل ہوگئے، اور مکمل بحث اس کی ایک مستقل تقریر میں بندہ نے لکھی ہے، جو القاسم شوال ۱۳۳۱ھ کے پرچہ میں شائع بھی ہوچکی ہے،

عورتوں کو علمِ دین گھر پر ہی پڑھانا چاہیئے؛

جس کی روح دو امر ہیں، ایک یہ کہ اُن کو صرف علمِ دین پڑھایا جائے دوسرے یہ کہ یہ تعلیم خاص طرز سے متفرق طور پر گھروں میں ہونا چاہیئے، مدارس کے طرز پر مجتمع طور پر نہ ہونا چاہیئے، کہ شریعت نے بلاضرورتِ شدیدہ اُن کے اجتماع و خروج عن البیوت (گھروں سے نکلنے) کو پسند نہیں کیا، اور واقعات نے بھی اس کے مفاسد ایسے دکھلائے کہ بجز متعامی (خود اندھا بننے والے) کے اعمیٰ (اندھے) نے بھی ان کو دیکھ لیا، اور راز اس میں یہ ہی کہ اس اجتماع کو جس درجہ کی نگرانی کی ضرورت ہے وہ عورتوں سے بن نہیں پڑتا کہ وہ خود مُستتر (پردے میں رہنے والی) ہیں، اور مردوں کے دخل میں وہ نگرانی پھر کہاں رہی، کہ اس نگرانی کا حاصل یہی عدمِ اختلاط بالرجال (مردوں سے میل جول نہ رکھنا) تو تھا ہی، تو نگرانی تو کم اور خروج عن البیت کے بعد مواقع فساد میں وسعت ہوگئی، دوسرے معلّمہ اگر شریف ومتدیّن وشفیق و ذی اثر و باوجاہت و بارعب ہو تو اس کا نوکر رکھنے کے لئے میسّر ہونا قریب بہ محال اور جو نوکر رکھنے کے لئے مل سکتی ہے وہ ان اوصاف سے معرّٰی (خالی) جس کی صحبت مردوں سے زیادہ خطرناک، خیر یہ جملہ معترضہ استطراداً (بر سبیل تذکرہ) آگیا، اصل بحث یہ ہے کہ منکوحہ میں تعلیم پر نظر کرنا کیسا ہے؟

نو تعلیم یافتہ ہونے سے عورت کا بے علم ہونا اچھا ہے،

اصل بات یہ ہے کہ اگر اس میں علمِ دین ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے، اور اگر علمِ دین نہ ہو تو اس کا بے علم ہونا یقیناً اس کے نئے علوم کے عالم ہونے سے اسلم (محفوظ ترین) اور بے خطر ہے، کیونکہ بے علم میں اگر اخلاقِ حمیدہ نہ ہوں گے تو وہ اخلاقِ رذیلہ جو جڑ ہیں تمام اخلاقِ رذیلہ اور افعالِ ذلیلہ کی وہ بھی تو نہ ہوں گے، تو اس مصرعہ کا مضمون ہاتھ آئیگا،

۶ "مرا بخیر امید نیست و بد مرساں"

(یعنی مجھے آپ سے بھلائی کی توقع اور امید تو نہیں ہی، لیکن بدی بھی تو نہ پہونچاؤ)

نکاح کے لئے اخبارات میں ناکح و منکوح کی اشتہار بازی مذموم ہے،

آجکل تو یہ طوفان ہوگیا کہ اشتہاری دواؤں کی طرح ناکح و منکوح کے اشتہار بھی اخباروں میں چھپنے لگے ... کبھی ناکح صاحب اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ جائداد، یہ نوکری یہ کمالات ہیں، اور ہم کو ان اوصاف کی منکوحہ چاہئے جس کو منظور ہو ہم سے خط و کتابت کرے، پھر اس کے جواب میں کوئی بی بی صاحبہ اخبار میں یا خاص طور پر جواب لکھتی ہیں اور اپنا جامع اوصاف اور حسین ہونا اپنے بے شرم قلم سے لکھتی ہیں، اور کچھ شرطیں کرتی ہیں، بس اسی طرح خط و کتابت ہو کر کبھی سودا بن جاتا ہے کبھی نہیں بنتا، کبھی نکاح سے پہلے ہی دو چار ملاقاتیں ہوجاتی ہیں، تاکہ تجربہ و بصیرت کے بعد نکاح ہو، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، ... کیسی آفتیں نازل ہو رہی ہیں اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ (اے اللہ ہم تجھ سے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں جو اُن میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں)۔

عاقلہ بالغہ کا بلاضرورت از خود نکاح کرنا مذموم ہے،

اس میں کلام نہیں کہ عاقلہ بالغہ خود اپنے نکاح کی بات چیت ٹھہرالے اور ایجاب و قبول کرلے تو نکاح منعقد ہوجائے گا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا بلاضرورت و بلامصلحت معتد بہا ایسا کرنا کیسا ہے، سو یہ امر نہ شرعًا محمود (پسندیدہ) ہے نہ عقلاً، شرعًا تو اس لئے کہ تخریج زیلعی میں دارقطنی و بیہقی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے:

لَاتَنْکِحُوا النِّسَاءَ اِلَّا مِنَ الْاَکْفَاءِ وَلَا یُزَوِّجْھُنَّ اِلَّا الْاَوْلِیَاءَ وَلَا مَھْرَ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَۃِ دَرَاھِمَ (دارقطنی و بیہقی)	"یعنی عورتوں کا نکاح نہ کرو مگر ان کے کفو میں اور ان کی شادی نہ کرو مگر ان کے ولی کی موجودگی میں، اور اُن کا مہر دس درہم سے کم مقرر نہ کرو"،

گو بوجہ دوسری حدیث کے :-

اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِھَا مِنْ وَلِیِّھَا، (رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی ومالک فی الموطا لَایُزَوِّجْھُنَّ)۔	"یعنی بالغ عورت اپنے نکاح کے معاملہ میں) اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے"،

کو نہی کہیں گے نفی نہ کہیں گے جو کہ مستلزم ہو عدمِ صحت کو لیکن نہی بھی تو عمل ہی کے واسطے ہے، اور کوئی باطنی راز ہے، جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توسط اولیاء کا تجویز فرمایا ہے، اگرچہ ہم کو اس کی لِم بھی معلوم نہ ہو،

بزرگوں کے تجویز کردہ نکاح میں آثارِ برکت ہوتے ہیں!

مگر ہمارے پاس دلیل اِنّی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس میں ضرور ہے، اور وہ دلیل اِنّی یہ ہے کہ ہم نے جو آثارِ برکت کے بزرگوں کے تجویز کئے ہیں نکاح میں دیکھے ہیں وہ اُس نکاح میں نہیں دیکھے جو براہِ راست خود زوجین کر لیتے ہیں، باقی خاص خاص مواقع ضرورت مستثنیٰ ہوا ہی کرتے ہیں، اور عقلاً اس لئے محمود نہیں کہ ظاہر ہے کہ بلا ضرورت شدیدہ خود نکاح کی بات چیت یا خط و کتابت کرنا دلیل اس کی وقاحت (بیحیائی) کی ضرور ہے،

وَاِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ

(یعنی جب تم میں حیاء کا مادہ نہ رہا تو بس جو چاہے کرو ع بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن) کے موافق قلیل الحیاء آدمی سے جو رذیلہ بھی صادر ہو جائے بعید نہیں، عاقل آدمی کو ایسی عورت سے بچنے کے لئے یہی علامت کافی ہے کہ وہ بے حیاء ہے،

متدین آدمی کا بازاری عورت سے نکاح کرنا خلافِ احتیاط ہے

اس جگہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بعضے آدمی بازاری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں، گو نکاح بھی ہو جاتا ہے، اور بلا وجہ اس پر بدگمانی بھی نہ چاہئے کہ یہ اب بھی بے قید و آوارہ ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ متدین آدمی کے لئے خلافِ احتیاط ضرور ہے، اسی واسطے شریعتِ غرّا نے ایک درجہ اس کو نامناسب قرار دے کر قانون مقرر فرمایا ہے،

اَلزَّانِىْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۚ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور، آیت ۳)

("یعنی زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہ کرے بجز زانیہ اور مشرکہ کے اور اسی طرح زانیہ کے ساتھ اور بھی کوئی نکاح نہ کرے بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام اور (موجبِ گناہ) کیا گیا ہے")

گو عموم نصوص و اطلاق دلائل سے یہ تحریم نفی کے درجہ میں نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہ ہو، بلکہ نہی کے درجہ میں ہے، اور نہی بھی بالذات نہیں کہ یہ نکاح معصیت ہو بلکہ لغیرہ بعارض لزوم

دیوثیت کے ہے، اور اسی لئے یہ تحریم اس صورت میں ہے، کہ اس نے توبہ نہ کی ہو، اور توبہ کی صورت میں یہ تحریم لغیرہ بھی نہیں، لیکن جب کہ اس کی ناپسندیدگی کا مدار اس کا زانیہ ہونا ہے، سو وہ جہاں متیقن ہوگا وہاں ناپسندیدگی اقوی درجہ میں حرمت ہوگی، اور جہاں محتمل ہوگا وہاں ناپسندیدگی بنسبت درجہ خلاف اولیٰ میں ہوگی، اور حدیث :

تَخَيَّرُوْا لِنُطَفِكُمْ

میں اس کی صریح تائید ہے، کہ کسی نبی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایسی عورت بھی پسند نہیں فرمائی جو اس میں کبھی بھی ملوث ہوئی ہو، گو توبہ ہی کر لی ہو، اور یہی معنی ہیں اس آیت شریفہ کے :

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ ..... ، | ("پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں")

البتہ اگر توبہ خالص کرے جس سے وہ احتمال نہ رہے اور اس کو کوئی قبول نہ کرے تو اس کی عفت کی حفاظت کے لئے یا جبکہ اس شخص کو اس سے تعشق (عشق و محبت) ہو تو یہ محل اس سے مستثنیٰ ہے، لعموم قولہ علیہ السلام :

لَمْ يُرَ لِلْمُتَحَابِّيْنَ مِثْلُ النِّكَاحِ

نکاح سے متعلق بعض ایسی کوتاہیاں جن کا تعلق مسائل فقہیہ سے ہے

اب نکاح کے متعلق بعض وہ کوتاہیاں مذکور ہوتی ہیں جن سے زیادہ تر مسائل فقہیہ کا تعلق ہے،

خفیہ نکاح خلافِ سنت ہے | ان میں سے ایک کوتاہی گو درجۂ ترکِ واجب میں نہیں یہ ہے کہ بعض لوگ بمصلحتِ نفسانیہ خفیہ نکاح کر لیتے ہیں، جس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ سنت کے یقیناً خلاف ہے، حدیث میں مصرح ہے :

اِعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ ... | "اس نکاح کا اعلان کرو ......"

اور جن ائمہ کے نزدیک اعلان شرطِ نکاح ہے ان کے نزدیک ایسا نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، تو ان کے نزدیک واجب کا بھی ترک ہے، جو ترک سنت سے بھی اشد ہے، اور گو ہمارے نزدیک اس نکاح کا انعقاد ہو جاتا ہے جبکہ اس میں ضروری شہود (گواہ) ہوں، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت، مگر تاہم علماء کے اختلاف میں بلا وجہ پڑنا خود ناپسندیدہ ہے خصوص معاملہ بُضع (شرمگاہ) میں، کہ اس میں (شرمگاہ میں) اصل حرمت ہے، تو یہ دوسری خرابی ہوگئی، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ ایک مفسدۂ عظیمہ (بہت بڑی خرابی) کی طرف مفضی (پہنچانے والا) ہے، یعنی یہ طریقہ اگر معمول بہ

ہو جائے تو بہت سے مرد عورت زنا میں مبتلا ہونے کے بعد جب سل سر یا کسی کو اطلاع ہو جانے سے رسوائی ہوتے دیکھیں گے بہت آسانی سے خفیہ نکاح کے دعوے کی آڑ لے لیا کریں گے، اور اس کے قبائح و فضائح (برائیاں اور خرابیاں) ظاہر ہیں کہ کس قدر کبیرا ور کثیر (بڑی اور زیادہ) ہیں، چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض عوام کو خود بھی معلوم نہیں کہ ادنیٰ درجہ شہادت کا صحتِ نکاح میں کیا ہے، جب وہ کسی خفیہ نکاح کو سنیں گے، اور خفیہ ہونے کے سبب اُن کو گواہوں کا عدد معلوم نہ ہوگا عجب نہیں کہ اس کے معنی نکاح بلا شہود دے کر شہادت کے شرط نہ ہونے کا اعتقاد کرلیں اور کسی موقع پر اس پر عامل بھی ہو جائیں، تو اس میں اعتقادی و عملی دونوں خرابیاں جمع ہو گئیں تو اس میں چوتھی کے ساتھ پانچویں خرابی بھی آگئی، خصوص اس زمانے میں جہل بسیط سے بڑھ کر جہل مرکب شائع ہے،

نکاح، معاملاتِ بیع و شرا، میں سے نہیں،

چنانچہ خاص اس مسئلہ اشتراطِ شہود (گواہوں کے شرط ہونے) میں بھی افسوس ہے کہ بعض متجرئین (جری قسم کے لوگ) کلام کرنے لگے، ایک شخص کا تو یہ مقولہ سنا گیا ہے کہ شہودِ نکاح میں شرط مقصود نہیں، اصل شرط تراضیِ جانبین ناکح اور منکوحہ کا راضی ہونا) ہے، کیونکہ بعد تراضی کے احیاناً (بسا اوقات) انکارِ تراضی کا بھی احتمال تھا، قطع نزاع (جھگڑا ختم کرنے) کے لئے شہود کا حکم کیا گیا تاکہ اختلاف رفع ہونے میں آسانی ہو، ورنہ نفسِ حِل و صحتِ نکاح شہود پر موقوف نہیں، انتہی کلام الشنیع،

اور ایک شخص کا یہ مقولہ معلوم ہوا کہ نکاح بھی مثل معاملاتِ بیع و شرا، (معاملاتِ خرید و فروخت) کے ایک معاملہ ہے، پس جس طرح دوسری چیزوں کا لین دین باہم متعاقدین (معاملہ کرنے والوں) کی رضا سے ہوتا ہے، اسی طرح اس میں بھی اس کو کافی سمجھا جائے گا، پس عورت سے نکاح کرنا مثل گائے اور بکری کے خرید لینے کے ہے، انتہیٰ مقولہ الفضیح،

اس شخص نے شرطِ شہود کو بالکل حذف کر دیا، پس پہلے شخص کا قول تو الحاد (بے دینی) تھا، اور یہ زندقہ (کفر) ہے، جو الحاد سے اشد ہے، اور ان دونوں قولوں کے ابطال (باطل ہونے) کے لئے اتنا کافی ہے کہ یہ رائے محض ہے، بمقابلہ نصِ صریح اور اجماع کے، جو احد الامرین یعنی شہادت یا اعلان کے اشتراط پر منعقد ہے، پس غیر مسموع (غیر معتبر) ہے

جہلِ مرکب کی سیئات سے ایک مثال

. . . . حسیات (محسوس کی جانے والی چیزوں) میں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی جاہل گنوار سے جس کی بغل میں دو من

پختہ کشمش کا بورہ تھا، ریل میں جب ڈپٹی کلکٹر نے بلٹی مانگی تو اس نے پھر اپنا ہی ٹکٹ پیش کر دیا اس نے کہا اس کا ٹکٹ الگ لاؤ، اس نے جواب دیا یہی اس کا ٹکٹ بھی ہے، بابو نے کہا اس ٹکٹ میں پندرہ سیر سے زیادہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے، اس نے جواب دیا کہ نہیں جتنا جو شخص آسانی سے اٹھا لے وہی اس کا پندرہ سیر ہے، تم لوگ ضعیف ہو پندرہ سیر سے زیادہ نہیں اٹھا سکتے ہم قوی ہیں ہم زیادہ اٹھا سکتے ہیں، پس اس گنوار کے قول کے اگر یہ معنی ہیں کہ پندرہ سیر کا قانون تو ٹھیک ہے مگر معلل ہے علتِ مذکورہ سے تو اس کا جواب مشابہ ہے قائلِ اول کے قول کے، اور اگر یہ معنی ہیں کہ قانون ہی لغو ہے تو مشابہ ہے قائلِ ثانی کے قول کے، اور دونوں حال میں کیا قانون کے مقابلہ میں اس کا قول مانا جا سکتا ہے؟ یہی حال سمجھ لیجئے ان دونوں قولوں کا، بہرحال یہ کیفیت ہے اس زمانہ میں جہلِ مرکب کے شیوع (عام ہونے) کی، پس خفیہ نکاح کرنے میں چونکہ شہود کی اطلاع عام نہ ہوگی بہت قریب ہے کہ اس کو نکاح بلا شہود سمجھا جائے اور ان دونوں اقوالِ باطلہ کے قائلین اس سے اپنی رائے کی تائید کا کام لیں، اور ظاہر ہے کہ الحاد و زندقہ کا مؤید بننا گو بالتسبب (سبب بننے کے ساتھ) ہی ہو بالمباشرت (عملاً) نہ ہو کیسا امرِ قبیح ہوگا، یہ چھٹی خرابی ہوگئی،

خط وکتابت کے ذریعہ ایجاب وقبول کرنے سے نکاح صحیح نہیں ہوتا

بعضے لوگ اس مسئلہ شہود کے متعلق ایک جہلِ بسیط میں مبتلا ہیں، اور اس جہل پر عمل بھی کرنے لگے، وہ یہ کہ بعضے مرد وعورت دونوں محض خط وکتابت سے ایجاب وقبول کر لیتے ہیں، اور اس کو کافی سمجھتے ہیں، پھر بعضے تو صرف اپنے ہی خطوط پر اکتفا کر لیتے ہیں، اور بعضے اپنے مضمون پر دو گواہوں کے بھی دستخط کرا دیتے ہیں، اور نکاح کو صحیح سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ دونوں صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوتا، صورتِ اول میں تو بوجہ عدمِ شہود (گواہ نہ ہونے) کے اور صورتِ ثانیہ میں اس لئے کہ شہود میں حسبِ تصریحِ فقہاء یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایجاب وقبول کے الفاظ کو ایک ہی مجلس میں سن بھی لیں، غرض دونوں صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوگا، پس خفیہ نکاح میں ان دونوں غلطیوں کی بھی تقریب ہے، یہ ساتویں خرابی ہوگئی،

خفیہ نکاح کی ایک نئی ایجاد جو سراسر معصیت اور ضلالت ہے

بعضے لوگوں نے خفیہ نکاح میں ایک اور ایجاد کی ہے اور بزعمِ خود سب گناہوں سے بچنے کی پوری تدبیر کر لی ہے، اور یہ خبر نہیں کہ: فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَفَ تَحْتَ الْمِيزَابِ (یعنی بارش سے بھاگے اور پرنالے کے نیچے آکر کھڑے ہو گئے)۔

کے مصداق بنے ہیں، اور وہ ایجاد یہ ہے کہ نکاح بلا شہود تنہائی میں اس شرط پر کر لیتے ہیں کہ صحبت وغیرہ کچھ نہ ہوگی، خالی نکاح کئے لیتے ہیں، تاکہ تنہائی میں بیٹھنا، ایک دوسرے کو دیکھنا، باہم ہنسنا بولنا یہ امور جائز ہو جائیں، اور صحبت سے مجتنب (بچے) رہیں، تو ان لوگوں کے اعتقاد میں گویا نکاح کے دو درجے ہیں، ایک وہ جس سے صحبت حلال ہو جائے، اس درجہ کے تحقق (وجود) کے لئے تو شہود شرط ہیں، اور دوسرا درجہ وہ جس سے صحبت حلال نہ ہو لیکن خلوت ومس ونظر (تنہائی، چھونا، اور دیکھنا) وغیرہ حلال ہو جائیں، اس درجہ کے تحقق کے لئے شہود شرط نہیں، صرف مرد وعورت کا ایجاب وقبول اور تراضی (باہم رضامندی) کافی ہے، اس جہل میں ایک بدعت، ضلالت (گمراہی) کی بھی آمیزش ہے، کہ تصرف فی الحکم الشرعی (شریعت کے حکم میں دخل اندازی) ہے، نیز بدون ایسے نکاح کے معاصی (گناہ) کو معاصی بھی سمجھتے تھے، اور اس نکاح کے بعد خلوت وغیرہ کو حلال سمجھنے لگے، معصیت کو حلال سمجھنا کتنی بڑی سخت بات ہے، سو خفیہ نکاح میں اس ایجاد کے لئے بھی استناد (دلیل پکڑنا) ہے، یہ آٹھویں بات ہے، اور یہ سب احتمالات فرضی واختراعی (بناوٹی) نہیں ہیں، مجھکو یہ سب واقعات معلوم ہوئے ہیں،

خفیہ نکاح کے دعوے سے عورت پر صریح ظلم ہو سکتا ہے،

نویں خرابی یہ ہو کہ اس دعوے کے ذریعہ سے کسی ایسی عورت پر ظلم ہو سکتا ہے، جس سے یہ شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو، اور وہ قبول نہ کرتی ہو، پس کسی وقت اگر اس کو شیطان اغواء (گمراہ) کرے تو دو مُردہ شخصوں کا نام لے کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اُن کے سامنے اس سے خفیہ نکاح ہو گیا تھا، اور اس دعوے کے بعد دو چار مددگاروں کی اعانت (مدد) سے اس پر جبر (زیادتی) کرے اور عام لوگ اس شبہ میں خاموش رہیں کہ نکاحی عورت پر قبضہ کرنے کا حق ہی ہم کیوں تعرض کریں۔

خفیہ نکاح کی دسویں خرابی

دسویں خرابی یہ کہ کسی منکوحہ عورت کی نسبت یہی دعویٰ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دوسرے شخص کے علانیہ نکاح کے قبل کی تاریخ میں ہمارے عزیز سے خفیہ نکاح ہو چکا تھا، چنانچہ ان ایام میں ایک ایسا ہی حادثۂ خونبار ایک شہر میں واقع ہو رہا ہے، جس کے واقعات سن کر رونگٹا کھڑا ہوتا ہے،

خفیہ نکاح کے انسداد کے لئے شریعت نے اعلانِ نکاح کا حکم فرمایا ہے،

اور عجب نہیں کہ انہی مفاسد کے انسداد کے لئے شریعت نے اعلان کا حکم فرمایا ہو، اور بعض ائمہ نے اس حکم کو انہی وجوہ سے وجوب (واجب ہونے) پر محمول کیا ہو، مگر اکثر علماء نے سنیت (سنت ہونے)

پر اس لئے محمول کیا ہے کہ:

بعض اوقات بوجہ عذرِ شرعی خفیہ نکاح جائز ہوگا،

بعض اوقات عذرِ شرعی سے بھی اس کی ضرورت واقع ہوتی ہے مثلاً ایک بیوہ عورت ... نکاح ثانی کسی سے کرنا چاہتی ہے، مگر اعلان میں اپنے جاہل ورثہ سے اس کو اندیشۂ عضل یا ہلاک ہے، اور دوسری جگہ جاکر نکاح کرنے میں سفر میں کوئی محرم[لہ] نہیں ہے، اس لئے اس نے خفیہ نکاح کرلیا، پھر اسی کے ساتھ امن میں دوسری جگہ چلی گئی، اسی لئے میں نے شروع مضمون میں مصلحتِ نفسانیہ کی قید لگائی تھی،

نکاح خواں کو ایجاب کے وقت منکوحہ کا بلند آواز سے نام لینا ضروری ہے،

ایک کوتاہی وہ بھی خفیہ نکاح کے ساتھ ملحق (ملی ہوئی) ہے یہ ہے کہ اکثر جاہل نکاح خواں ایجاب کے وقت منکوحہ کا نام بہت ہی آہستہ آواز سے لیتے ہیں، صرف ناکح تو سُن لیتا ہے، لیکن آس پاس والے بالکل نہیں سنتے، تو ایسا نکاح بھی بلاشہود ہوگا، کیونکہ شہود کا صرف مجلسِ نکاح میں حاضر ہونا کافی نہیں، بلکہ صحتِ نکاح کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایجاب وقبول کے الفاظ کو بھی صاف صاف سُنیں، سو جب انھوں نے منکوحہ کا نام ہی نہ سُنا تو یہ شرط صحت کی نہیں پائی گئی، اس واسطے نکاح صحیح نہیں ہوگا، نکاح خوانوں کو اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے، اور اگر وہ ناواقفی سے ایسا کریں تو اہلِ مجلس کو خصوصًا ناکح ومنکوحہ کے سرپرستوں کو چاہیئے کہ نکاح خواں سے دوبارہ ایجاب (وقبول) کرائیں، اور تاکید کریں کہ بلند آواز سے منکوحہ کا نام لے،

بضرورتِ شرعیہ عورت کا نام مردوں کی مجلس میں لینا شرم وحیاء کے خلاف نہیں،

اپنے نزدیک اس میں بڑا حق شرم کا ادا کرتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اوّل تو بضرورتِ شرعیہ عورت کا نام مردوں کی مجلس میں ظاہر کرنا کچھ شرم کے خلاف نہیں، پھر مجلس کے اکثر حاضرین اہلِ تعلق ہوتے ہیں جن کو منکوحہ کا نام بھی معلوم ہوتا ہے، البتہ اس معلوم ہونے سے نکاح منعقد نہیں ہوسکتا، تاوقتیکہ صیغۂ ایجاب میں اس کا نام نہ سنیں، سو جب معلوم ہے تو نکاح خواں کی زبان سے سننے میں کونسی نئی بات ہوگی، جو موجبِ شرم ہے، علاوہ اس کے اگر نام سنانا بے حیائی ہے تو نکاح صحیح نہ ہونے کی صورت میں جو عمر بھر بلا نکاح استعمال میں رہی گی کیا اس سے بڑھ کر بے حیائی نہیں ہے؟ دیکھا تو یہی جاتا ہے کہ شرع کو چھوڑ دینے سے عقل بھی چھوٹ جاتی ہے؛

لہ عورت کا قریبی رشتہ دار جس سے نکاح ناجائز ہو، ۱۲

اِصلاحِ بعض اغلاط
متعلّق بہ تحلیلِ حرام وتحریمِ حلال

اب بعض کوتاہیاں تحلیل بعض محرّمات (بعض حرام چیزوں کو حلال کرنے) اور تحریم بعض محلّلات (بعض حلال چیزوں کو حرام کرنے) کی مذکور ہوتی ہیں؛

یعنی احکامِ شرعیہ کی ناواقفی یا تجاہل سے بعضی ایسی عورتوں سے جو کہ حرام ہیں نکاح کر لیا جاتا ہے، اور بعضی ایسی عورتوں سے جو کہ حلال ہیں نکاح کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ایک جگہ کا واقعہ خبر متواتر سے سنا گیا ہے کہ ایک مدّعی تحقیق نے اپنی علّاتی (سوتیلی) بہن سے نکاح کیا، لوگوں نے جو ملامت کی کہ یہ تو بنصِ قرآنی حرام ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ وَبَنٰتُکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ، (النساء، آیت ۲۳)

(تم پر حرام کی گئیں تمھاری مائیں، اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں")

تو جواب دیا کہ آیت میں اخوت سے مراد حقیقی بہنیں ہیں، یہ علّاتی بہن کو شامل نہیں، استغفر اللہ من الجرأۃ فی الدین (میں اللہ تعالیٰ سے دین کے معاملہ میں ایسی جرأت کرنے سے پناہ مانگتا ہوں) اگر کسی شخص کو بلا دلیلِ شرعی ایسی تفنّنات کا اختیار حاصل ہو تو دوسرا شخص یہ کہہ دے گا کہ عَلَیْکُمْ میں ضمیر خطاب کی ہے، اور اصل مقتضا خطاب کا مخاطب کا موجود عند التکلم ... (بولنے کے وقت موجود) ہونا ہے، اور ہم نزولِ آیت کے وقت موجود تھے نہیں، پس اس کے مخاطبِ خاص اسی زمانے کے حضرات ہیں، جن کو یہ خطاب ہی نہیں، اور اس لئے وہ شخص حقیقی بہنوں کو بھی حلال سمجھے، اسی طرح اُمّہات وبنات (ماؤں اور بیٹیوں) کو بھی حلال سمجھے، تو

اس متجری فی الدین (دین میں جرأت کرنے والے) سے سوال ہے کہ تمھارے پاس اس شخص کے دعویٰ کے ابطال کی ایسی کونسی دلیل ہے جو تمھارے فعل کے کرنے والے کے پاس نہ ہو، اگر تمھاری وہ دلیل اس کے مقابلہ میں کافی ہے تو تمھارے منکر کی بھی دلیل تمھارے مقابلہ میں کافی ہے اور اگر تمھارے منکر کی دلیل کافی نہیں تو تمھاری دلیل بھی کافی نہیں،

اجتہاد بالکل عام ہو تو شریعت کا ایک جزو بھی باقی نہیں رہ سکتا،

حضرت اجتہاد ایسا عام اور اختیاری نہیں ہے ورنہ شریعت کا ایک جزو بھی باقی نہ رہے، اس کے خاص شرائط ہیں، اس کے خاص محل (مواقع) ہیں جہاں اجتہادِ مجتہد جامع شرائط کا مقبول ہے اور اس محل کے غیر میں کسی کا اجتہاد مقبول نہیں، اور محض حرف شناسی (کتابی علم) سے اس کی اہلیت و معرفت نہیں ہو سکتی ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(یعنی ہر خوب صورت شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو، اور رہر وہ شخص جو آئینہ بناتا ہو اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو)

ایک مدعیِ اجتہاد کا جدِّ حقیقی کی منکوحہ سے فتویٰ جوازِ نکاح

ایک دوسرے مدعیِ اجتہاد کا فتویٰ منقول دیکھا گیا کہ جدِّ حقیقی (حقیقی دادا) کی منکوحہ (بیوی) سے نکاح حلال کر دیا گیا اور جو کسی نے نصِ قرآنی پیش کی؛

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ، الآیۃ (النساء، آیت ۲۲)

("اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ (دادا یا نانا) نے نکاح کیا ہو")

تو جواب میں کہہ دیا کہ یہ آباء (والدین) کے منکوحات کے لئے ہے، اور آباء میں اجداد (دادا) داخل نہیں، نعوذ باللہ من الرائے فی القرآن المبین (ہم قرآن پاک میں اپنی رائے دینے سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگتے ہیں)

تفسیر بالرائے کی چند سنگین مثالیں

یہاں بھی مثل سابق کے معروض ہے کہ اگر ایسی تفسیریں مقبول ہو دیں تو دوسرا شخص کہہ دے گا کہ جدّہ (دادی) سے نکاح حلال ہے، کیونکہ قرآن سے امّہات (مائیں) کی حرمت ثابت ہے اور امّہات میں

جدّات (دادیاں) داخل نہیں تو اس مدعی کے پاس بجز اطلاق لفظ امّہات کے (لفظ امّہات کے اطلاق کے علاوہ) اشتمالِ جدّات کی کونسی دلیل ہے، سو ویسا ہی اطلاق لفظ آبار اشتمال اجداد (لفظ آبار دادا نانا کو شامل ہونے)... کی بھی دلیل ہے، اور جمع بین الاختین (دو بہنوں کا جمع کرنے) کی آفت تو حدّ احصار (حدِّ شمار) سے خارج ہے، یعنی بے شمار مواقع پر جہلاء اس کا ارتکاب کر رہے ہیں، اور گو وہ اس کے حلال ہونے کا شاید مُنہ سے دعویٰ نہ کرتے ہوں، لیکن بیباکی اور استخفاف (ہلکا سمجھنا) اور اصرار اور اس کو عیب نہ سمجھنا اور منع کرنے والوں کو بے پروائی سے جواب دینا، بلکہ ان سے رنج ونزاع (جھگڑا) کرنا ایسا ہی ہے کہ اس کو استحلال (حلال سمجھنا) کہہ سکتے ہیں، جس میں زوالِ ایمان (ایمان جاتے رہنے) کا قوی اندیشہ ہے،

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک صاحب فارغ عن الدرسیات کلہا او اکثرہا درسیات کی مکمّل یا بیشتر کتابوں کے فارغ التحصیل) کی نیت اپنے حقیقی ہمشیرہ زادہ کی دختر (حقیقی بہن کی پوتی) پر ڈانوا ڈول ہوتی، اور ان کو اس کی حِلّت (حلال ہونے) کا بھی احتمال ہوا، مگر کچھ تردّد (شک) ہونے سے مجھ سے سوال کیا، خیر اُن کو حرمت کا فتویٰ دیا گیا، یہ بھی حیرت انگیز قصہ ہے، قرآن مجید میں بنات الاخت (بہن کی بیٹیاں) اپنے اطلاق سے اجماعًا بنت ابن البنت (نواسے کی بیٹی) کو بھی شامل ہے، فقہاء نے اس کے محرمات (نکاح کے لئے حرام ہونیوالیوں) میں سے ہونے کی تصریح کی ہے، پھر ان کو گنجائش کا احتمال ہوا، اللّٰہمّ احفظنا من الزیغ والہویٰ،

یہ سب خرابیاں قلّتِ مناسبتِ علمِ دین وغلبۂ اتّباع آراء وہویٰ (علمِ دین سے تعلق کی کمی اور اپنی رائے ونفسانی خواہش کے غلبہ کی وجہ) سے ہیں، اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَى الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَالْيَقِيْنِ الْقَوِيِّ (اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم اور کامل یقین پر ثابت قدم رکھ)

حرمتِ مصاہرت سے متعلق چند کوتاہیاں

حرمتِ مصاہرت (رشتۂ دامادی) کے متعلق بعض واقعات ہیں، بعضے لوگ ایک عورت سے ایک مدّت تک ناجائز تعلق رکھتے ہیں، جب وہ دل سے اُتر جاتی ہے اور اس درمیان میں اس کی کوئی لڑکی سیانی ہوجاتی ہے اس کی طرف میلان ہوتا ہے، اور اپنے نزدیک گناہ سے بچتے ہیں، کہ اس لڑکی سے نکاح کر لیتے ہیں، حالانکہ حرمتِ مصاہرت کے قاعدہ سے اس شخص پر اطلاق مدلول:۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ	(اور تمھاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمھاری پرورش میں رہتی ہیں اُن بیبیوں سے کہ

(النساء، آیت ۲۳) | کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو"۔)

میں داخل ہونے سے حرام ہے، اور بعضے دونوں ماں بیٹی کو استعمال میں رکھتے ہیں، حالانکہ بیٹی سے منقطع (علیحدہ) ہونے کے بعد اس کی ماں سے نکاح تک حرام ہوگیا، اور بلا نکاح تو دو حرمتیں جمع ہوگئیں، ایک وطی بلا نکاح (بغیر نکاح کے ہمبستری) دوسری امہات نسائکم سے انتفاع،

بیوی کی ماں یا بیوی کی بیٹی پر شہوت سے ہاتھ پڑ جانے سے بیوی حرام ہوجاتی ہے،

بعضے عمداً تو اسباب حرمت کے مرتکب نہیں ہوتے، مگر احیاناً غلطی سے بیوی کے دھوکہ میں اس بیوی کی ماں پر یا اس بیوی کی بیٹی پر شہوت سے ہاتھ پڑ جاتا ہے اور بعد تنبہ کے فوراً دست کش ہوجاتا ہے، لیکن اس سے بھی اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے، اس میں بہت لوگوں کو کلام ہوتا ہے، کہ عمداً (جان بوجھ کر) تو اس فعل کا ارتکاب نہیں کیا گیا،

مذکورہ حرمت کا مدار سزا نہیں بلکہ اس فعل کا خاصہ ہے

سو یہ کلام کرنا غلطی ہے، اس حرمت کا مدار سزا نہیں ہے جو یہ سوال کیا جائے جس طرح بعض اعیان (چیزوں) میں بعض خواص ایسے ہوتے ہیں کہ بلا قصد (بغیر ارادہ) کے بھی اُن کے تناول سے وہ خواص ظاہر ہوتے ہیں، جیسے سنکھیا کھانے سے ہلاک ہوجانا اور اس کو اطباء اور کبھی بعض عوام بھی جانتے ہیں، اسی طرح بعض افعال میں بھی بعض خواص ایسے ہوتے ہیں کہ بلا قصد ان کے صدور سے وہ خواص واقع ہوتے ہیں اور اس کو شارع علیہ السلام اور ماہرانِ شریعت بارشادِ شارع جانتے ہیں، پس ان اسباب حرمتِ مصاہرت میں یہ خاص اسی قبیل (قسم) کا ہے، البتہ آخرت میں جو مضار (نقصانات) بعض افعال کے واقع ہوں گے وہ سزا ہیں، وہ عمد و قصد (جان بوجھ کر اور ارادہ کے ساتھ کرنے) پر موقوف ہیں،

بہو پر براہِ شرارت ہاتھ ڈالنے سے وہ اپنے بیٹے پر بھی حرام ہوجائے گی،

اسی طرح بعض ایسے ہی دھوکہ میں یا براہِ شرارت کوئی شخص اپنے بیٹے کی بیوی پر ہاتھ ڈال دیتا ہے تو یہ بیوی اپنے شوہر پر یعنی اس شخص کے بیٹے پر حرام ہوجاتی ہے، اس میں عوام کو پہلے سے زیادہ کلام ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں تو جس شخص پر حرمت ہوئی ہے اس کی اتنی کوتاہی تو تھی کہ اس نے تحقیق کرنے میں بے احتیاطی کی، مگر یہاں جس شخص پر حرمت ہوئی ہے اس بیچارے کی کیا خطا اور اس کا کیا دخل جو اس پر سختی کی گئی، اس کا جواب بھی اوپر کی تقریر سے ہوچکا ہے کہ یہ سزا نہیں ہے، اس فعل کے خاصہ کا ظہور ہے، اور خاصہ ہونا دلیلِ شرعی سے ثابت ہے اور گو یہ مسئلہ حرمتِ مصاہرت بدون النکاح کا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے،

کسی مسئلہ میں محض نفس پرستی کے لئے کسی دوسرے امام کی تقلید دین سے مذاق ہے،

مگر جو شخص ایسے مجتہد کی تقلید کا التزام کئے ہوئے ہو جو حرمت کے قائل ہوں اس شخص کا محض اتباعِ ہوی (صرف نفسانی خواہش کی پیروی) سے اس حرمت پر عمل نہ کرنا نفس پرستی ولعب فی الدین (دین کو کھیل بنانا) ہے، اور اس مسئلہ میں کچھ شرائط وتفاصیل بھی ہیں جن کا محل کتبِ فقہ ہیں، ان سے یا علماء سے وقوعِ حوادث کے وقت تحقیق کرنا ضروری ہے، تاکہ حرمت کی جگہ حلت اور حلت کی جگہ حرمت نہ سمجھ لی جائے کہ اول میں حقوقِ شرع کا اتلاف (ضیاع) اور دوسری میں حقوقِ زوجہ کا اتلاف ہے،

بلا قصد بھی حرمتِ مصاہرت ہو جاتی ہے

اور چونکہ یہ مسئلہ بہت نازک ہے، اور بعض صورتوں میں بلا قصد بھی حرمت ہو جاتی ہے،

بیوی سے مباشرت سے قبل سخت احتیاط کی ضرورت ہے

اس لئے اس کی احتیاط کا بہت ہی اہتمام رکھے، یعنی اول تو جہاں بیوی سوتی ہو اس کی ماں یا بیٹی وہاں نہ ہونا چاہیئے، اسی طرح وہاں اپنے بیٹے کی بیوی یا باپ کی بیوی نہ ہونا چاہیئے، اور اگر کسی ضرورت سے ایسا ہو تو جب تک بیوی کو پکار کر اس کی آواز نہ سن لے اور خوب پہچان نہ لے اس کو ہاتھ نہ لگائے،

اسی طرح ان مذکورہ عورتوں کے ہاتھ سے اگر کوئی چیز لے تو اس کا بہت خیال رکھے کہ اس کے ہاتھ کو ان کا ہاتھ نہ لگ جائے، نفس کا کیا اعتبار، اگر ہاتھ لگنے کے وقت مرد کے دل میں یا عورت کے دل میں شہوت کا اثر ہو گیا تو حرمتِ مصاہرت کا طوق (پٹہ) پڑ گیا، پھر بعض اوقات تو ایک کو دوسرے کی کیا خبر کہ اس وقت اس کے نفس میں کیا کیفیت تھی، جب خبر ہی نہیں تو حرمت پر عمل کیسے کرے گا، اور اگر اپنے نفس کی خبر بھی ہو گئی تو دنیا کی شرم یا خوف سے زبان سے نکالنا مشکل، تو تمام عمر ارتکابِ حرام، یا یہ شخص مباشر یا مسبب (یعنی خود کرنیوالا یا سبب بننے والا ہو گیا) کتنی مصائب جمع ہو گئیں،

حرمتِ رضاعت کے متعلق کوتاہی

ایک کوتاہی حرمتِ رضاع کے متعلق ہے کہ وہ بھی مثل حرمتِ مصاہرت کے کثیر الوقوع (اکثر واقع ہونے والی) ہے، اکثر لوگ تو بوجہ دقیق وغیر مشہور ہونے .... اس کے مسائل کے باوجود علمِ رضاع اس میں بے احتیاطی کرتے ہیں، مثلاً بعض عوام کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر ایک لڑکا اور لڑکی ایک ہی عورت کا دودھ پئیں، لیکن ایک ہی زمانہ میں نہ پئیں بلکہ چار پانچ سال (کے فرق) سے پئیں تو یہ بھائی بہن نہیں بنتے، حالانکہ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے، اور مثلاً بہت لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر ایک شخص کی ایک بی بی نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا اور ایک ہی زمانہ میں یا دوسرے زمانہ میں اس شخص کی دوسری بی بی نے کسی

لڑکی کو دودھ پلایا تو بہتوں کو معلوم نہیں کہ یہ لڑکا لڑکی آپس میں بہن بھائی ہوگئے، اور ان کا نکاح بھی باہم ناجائز ہے، یہ ضرور نہیں کہ وہ ایک ہی عورت کا ہو بلکہ دونوں کا دودھ چونکہ ایک ہی مرد کے سبب سے ہے اس لئے دونوں کا دودھ بحکم ایک ہی دودھ کے ہے،

انا کا دودھ بلاضرورت پلانا خلاف احتیاط ہے،

اور بعض اوقات خود رضاع ہی کی تحقیق نہیں کرتے، اور ایسی غلطی ان مقامات پر ہوتی ہے جہاں مائیں دودھ کم پلاتی ہیں، انائیں نوکر رہ کر زیادہ دودھ پلاتی ہیں، جیسے شہروں کے امراء ہیں، اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ اوّل تو انا کا دودھ بلاضرورت پلانا خلاف احتیاط ہے، اور اگر ایسا اتفاق ہو تو اس کو خوب مشہور کردینا چاہئے، اس کا سہل (آسان) طریقہ یہ ہے کہ جس انا کا دودھ پلوائے اس سے بھی تحقیق کرلے کہ تو نے کہاں کہاں دودھ پلایا ہے اور اس کی یادداشت لکھ کر اپنے خاندان میں محفوظ رکھے، تاکہ رشتہ ناطہ کے وقت اس کا لحاظ رکھنا آسان ہو، اور بعض جگہ سب سے بڑھ کر یہ غضب ہوتا ہے کہ اولاً رضاع کا علم نہ ہونے سے نکاح ہوگیا، اور پھر بعد میں معتبر طریقہ سے علم بھی ہوگیا، لیکن اب تفریق سے عار آتی ہے کہ لوگ ہنسیں گے، اور طعن کریں گے کہ ان لوگوں نے کیا حماقت کی تھی، اور بھائی بہن میں مثلاً نکاح کردیا تھا، اس لئے کبھی وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رضاع کسی طرح ثابت نہ ہو، اور کبھی اور طرح طرح کے حیلے نکالتے ہیں، کبھی دوسرے علماء کے اقوال کی تلاش کرتے ہیں، حتیٰ کہ کل جن فرقوں کو برا بھلا کہتے تھے آج ان سے استفتاء کرکے ان کے جواب کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر رضاعی بہن بھائی کے نکاح میں ایسی ہی غلطی ہوگئی، جب علم ہوا تو بہت پریشان ہوئے، مجھ سے سوال کیا، میں نے حرمت کا فتویٰ دیا، کہنے لگے صاحب اب تو بڑی بدنامی ہوگی، میں نے کہا اوّل تو حکم شرعی کے ماننے میں اگر بدنامی بھی ہو تو کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے،

حکم شرعی ماننے میں بجائے بدنامی کے نیک نامی ہوتی ہے،

دوسرے بدنامی بھی نہ ہوگی بلکہ نیک نامی ہوگی، کہ ایسے حق پرست دیندار لوگ ہیں کہ جب غلطی کا علم ہوا فوراً تدارک کردیا، البتہ بدنامی اب ہے کہ کیسے بے حیاء اور بددین ہیں کہ باوجود علم ہوجانے کے پھر بھائی بہن حرام کرتے ہیں، جب یہ بات نہ چلی تو کہنے لگے کہ اس لڑکے نے اس لڑکی کی ماں کا دودھ ایک ہی بار پیا تھا، میں نے کہا تب بھی حرمت ثابت ہوگئی، کہنے لگے کہ صاحب وہ تو انگل رتے کے ذریعہ باہر نکال) بھی دیا تھا، میں نے کہا، تب بھی حرمت باقی رہی، کہنے لگے، خدا کے واسطے کوئی صورت تو حلّت کی نکالو، میں نے کہا دیوانے ہوئے ہو، کیا احکام شرعیہ میں تحریف کردوں، غرض مایوس ہوکر چلے گئے، ایک مقام پر ایک اہل حدیث میں سے

کسی نے کہہ دیا کہ پانچ گھونٹ سے کم میں حرمت نہیں ہوتی، پس فوراً انھوں نے سوال تراش لیا کہ اگر پانچ گھونٹ سے کم پیا تو کیا حکم ہے؟ اور اسی قائل کے کسی ہم مشرب نے جواب لکھ دیا کہ حرمت نہیں ہوئی، پس فتویٰ لے کر بے فکر ہو گئے، حالانکہ اوّل تو یہ لوگ (اہلِ معاملہ) ان مفتیوں کو اس دن تک اہلِ حق میں سے بھی نہ سمجھتے تھے، پھر یہ کہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) مرگئی، زمانہ دراز ہو گیا، اب یہ کس طرح معلوم ہوا کہ پانچ گھونٹ سے کم پیتے تھے، اس کو بجز دین کو دنیا کے تابع بنانے اور دین کو دنیا کے لئے بدلنے کے کیا کہا جائے گا؟ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا (اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے سے بچائے)

مخطوبہ (یعنی منسوبہ لڑکی) قبل نکاح بالکل حرام ہے،

بعض لوگوں کو اس میں مبتلا پایا کہ مخطوبہ (منگنی کی ہوئی عورت) کے ساتھ جو کہ قبل نکاح حرام ہے مثل منکوحہ کے معاملہ کرتے ہیں، یوں سمجھتے ہیں کہ یہ جب عنقریب حلال ہونے کو ہے تو ابھی سے حلت شروع ہو گئی، اس کا بطلان (باطل ہونا) عقلاً وسمعاً ظاہر ہے، اور شاید کسی کو اس سے شبہ واقع ہو کہ مخطوبہ کو قبلِ خطبہ کے دیکھ لینا جائز ہے، تو یہ بھی ایک قسم کا استمتاع (حصولِ لذّت) ہے، اور استمتاع سب برابر ہیں، سو جواب اس شبہ کا خود ہی سوال میں موجود ہے، یعنی خطبہ کے قبل ہی تو دیکھ لینا جائز ہے، جس سے مقصود استمتاع نہیں بلکہ اس کا اندازہ کرنا ہے کہ اس عورت میں جو وصف حُسن وغیرہ میں نے سُن کر یا سمجھ کر اس کے استمتاع کے حلال ہونے... یعنی انعقادِ نکاح کی تجویز سوچی ہے آیا وہ وصف اس میں ہے یا نہیں ہے، چونکہ نہ ہونے کی صورت میں سوءِ معاشرت کا خوف تھا شریعت نے محض اس غرض کے لئے ایک بار چہرہ دیکھ لینے کی اجازت دیدی، سو اس نظرِ ضروری پر جو کہ بغرض استمتاع نہیں ہے دوسری نظر غیر ضروری بعد الخطبہ کو اور اسی طرح مس وغیرہ کو جو کہ محض بغرض استمتاع بلا ضرورت ہی کیونکہ وہ ضرورت ایک بار دیکھنے سے مرتفع ہو چکی... کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے،

محصنات کے بارے میں چند کوتاہیاں

منجملہ محرمات (جن عورتوں سے نکاح حرام ہے) کے بنصِ قرآنی محصنات یعنی شوہر والی بیبیاں ہیں، اور شریعت میں شوہر والی کا مفہوم عام ہے، یعنی کسی کے نکاح میں ہو وہ بھی اور جو کسی کی عدت میں ہو وہ بھی اس میں داخل ہی، اس میں بھی بکثرت حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے، چنانچہ بعضے تو صرف خاوند کی مدت تک خبر گیری نہ کرنے سے اور بعضے عورت کے اپنے خاوند کو چھوڑ کر نکل آنے سے اور بعضے عورت کے فاحشہ (بدکار) ہو جانے سے اور ایک مدت.... اسی حالت میں گذر جانے سے سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اب نکاح نہ رہا ہو گا، بس بے تکلف اس سے نکاح کر لیتے ہیں، اور بعضے عدت کے اندر یہ سمجھ کر کہ جب شوہر نے

طلاق دیدی یا وہ مرگیا، تو نکاح تو رہا نہیں، اور عدت[۱] ویسے ہی ایک امر زائد ہے تو اس من نکاح کرنیکی سے کون امر مانع ہے، معتدّہ (عدت گذارنے والی عورت) سے نکاح کر لیتے ہیں، سخت افسوس ہے، یہ لوگ نص کے مقابلہ میں اپنی رائے چلاتے ہیں،

ایامِ عدت نکاح کے بقیہ اثر میں سے ہیں، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عدت بھی بقیہ اثر اسی نکاح کا ہے، خواہ شوہر نے طلاق دیدی ہو یا مرگیا ہو، اور یہ بقیہ اثر احکام تزویج غیر (دوسرے کے ساتھ نکاح حرام ہونے) میں بعینہٖ مثل نکاح کے ہے، پس ایسا نکاح اصلاً منعقد نہیں ہوتا، اور تمام عمر حرام ہوتا ہے، اور بعضے یہ غضب کرتے ہیں کہ نکاح کو تو جائز نہیں سمجھتے، مگر اس لئے کرتے ہیں کہ یہ عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرے، اس کے مفاسد بعض بعض وجوہ سے اور بھی شدید ہیں، ایک تو دھوکہ دینا جو صریح گناہ ہے، دوسرا جہلاء و عوام کو صحتِ نکاح کا گمان ہونا جس سے ان کا اعتقاد اور ایسے ہی موقع پر ان کا عمل بھی فاسد ہوتا ہے، تیسرے بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ پھر نکاح ہی نہیں کرتے، چوتھے غلبۂ نفس میں اس سے استمتاع کرنے لگے تو وہ بگمانِ صحتِ نکاح کے انکار نہیں کرتی جس سے ایقاء فی المعصیۃ (گناہ میں پڑنا) لازم آیا، بعض جگہ انکار کرنے پر ظلم بھی کیا گیا اور دوسرے لوگ اس مظلومہ کی اس لئے نُصرت (مدد) نہیں کرتے، کہ اس کو منکوحہ سمجھتے ہیں، جس پر زوج (خاوند) کو حقِ جبر (مجبور کرنے کا حق) حاصل ہے،

مفقود یعنی گم شدہ کے متعلق چند کوتاہیاں اور ایک کوتاہی اس نکاح محصنات (شوہر والی بیبیوں سے نکاح کرنے) کے متعلق بعض خواص میں ہو رہی ہے کہ مفقود (گم شدہ) کی بی بی سے بزعمِ خود امام مالکؒ کے مذہب پر چار برس کے بعد حکم بالموت (موت کا حکم کرنے) کے لئے قضاء قاضی کے اشتراط کی کتبِ مالکیہ میں تصریح ہے، اور اگر ان کے نزدیک اس کی تصریح بھی نہ ہوتی تب بھی ہمارے فقہاء نے اس اشتراط (شرط ہونے) کی تصریح کی ہے، باقی یہ شبہ کہ ہمارے فقہاء نے مالکیہ کے قول پر عمل کو جائز کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بجائے نوّے سال کے چار سال کی مدت کو لے لینا جائز کہا ہے، باقی یہ اشتراط مطلق ہے، کسی حال میں اس کے استثناء کی کوئی دلیل نہیں،

---

[۱] عدت:۔ اگر کسی کا شوہر طلاق دیدے تو اس عورت کو (اگر حاملہ نہیں تو) تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں رہنے کا حکم ہے، اور گھر سے نہ دن کو نکلنے کی اجازت ہے اور نہ رات کو، یہ عدت پوری ہونے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور شوہر کی موت واقع ہونے پر چار مہینے دس دن تک عدت بیٹھنے کا حکم ہے، (احقر قریشی عفرلہٗ)

بلکہ نوے سال کے بعد حکم بالموت کرنے کے لئے بھی قضاءِ قاضی (حاکم شرعی کے فیصلہ) کی حاجت ہے، علاوہ اس کے بہت جگہ ایسے نکاح کے بعد شوہر اوّل آگیا ہے، اور یہ ضرور نہیں کہ وہ بھی مالکی بن جائے بلکہ وہ مالک بن کر جھگڑتا ہے، اور مفاسدِ عظیمہ برپا ہوتے ہیں، ان مفاسد سے بچنا بھی شرعاً ضروری ہے باقی یہ کہ عورت بلا نکاح نہیں رہ سکتی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خاوند مفقود نہ ہو اس کا نشان و مقام سب معلوم ہو مگر زوجہ کے حقوق ادا نہ کرے تو آخر یہ عورت اُس وقت کیا کرے، بس وہی اب بھی کرے، اگر شبہ ہو کہ اس صورت میں تو اس پر دعویٰ کر سکتی ہے، تو جواب یہ ہے کہ اگر دوسری سلطنت میں ہو تو دعویٰ کیسے کرے؟ بہرحال ان سب صورتوں میں صبر کرنا پڑتا ہے، بس اب بھی صبر اختیار کرے البتہ جن ریاستوں میں قاضی شرعی با اختیار موجود ہو وہاں جا کر رجوع کرنے سے اگر وہ (تفریق کا) حکم دے تو احقر کے نزدیک گنجائش معلوم ہوتی ہے، دوسرے علماء سے بھی اس کی تحقیق فرمالیں،

پردیسن عورت کے شوہر فوت ہونے یا طلاق کے بعد عدت گزر جانے کے دعوے کا حکم،

ایک صورت اسی نکاحِ محصنات کی ایک اور بھی شائع ہے، کہ ایک پردیسن عورت نے دعویٰ کیا کہ میرا شوہر مر گیا، یا اس نے طلاق دیدی، اور عدت بھی گذر گئی، اور اُس عورت کی ظاہری حالت قابلِ وثوق (اعتبار کے قابل) نہیں ہے، جس سے خدا ترس حلال و حرام کی احتیاط کرنے والے مسلمان کا قلب اس کے صدق پر شہادت دیتا ہے، پھر بھی بعضے لوگ غرضِ نفسانی کے غلبہ سے ایسی عورت سے نکاح کر لیتے ہیں، پھر بعد میں پتہ لگتا ہے کہ وہ خاوند والی ہے، پھر بعضے اس حالت میں بھی نہیں چھوڑتے، گویا اتنے دنوں کے قبضہ سے یہ موروثی کاشتکار ہو گئے، جن کے سامنے اصلی زمیندار کا حقِ تصرف (استعمال کا حق) مضمحل ہو گیا، فقہاء نے ایسی عورت سے نکاح کے جواز میں شہادتِ قلب کو شرط ٹھہرایا ہے،

دورِ حاضر میں شہادتِ قلب معلوم کرنے کا طریقہ،

اور یہ شہادت پہلے زمانہ میں تو جلد متحقق ہو جاتی تھی، مگر اب سے زمانہ شیوعِ کذب و فساد (جھوٹ اور فساد کے عام ہونے) کا ہے بدون جرح و قدح و تحقیقِ تام و امتحانِ تدینِ مخبرہ (بغیر چھان بین اور مکمل تحقیق نیز خبر دینے والے کی دینداری کا اچھی طرح امتحان) جس کا نام شہادتِ قلب ہے وہ جلدی حاصل نہیں ہوتی، مغلوب الغرض (نفسانیت سے مغلوب شخص) دھوکہ سے غیر شہادت کو شہادت سمجھ لیتا ہے، اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے،

نومسلم عورت کا فوراً نکاح کر دینا صحیح نہیں،

اسی طرح محصنات کی ایک صورت یہ ہے کہ نومسلم عورت کا نکاح فوراً ہی کسی سے کر دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ شوہر والی تھی، تو بدون عرضِ اسلام علی الزوج (شوہر کے سامنے اسلام پیش کرنے) اور اِباءِ زوج دارالاسلام میں یا بدون تین حیض آئے ہو

غیر دار الاسلام میں تفریق جو بحکم تطلیق (طلاق) ہے واقع نہیں ہوتی، پھر اس تفریق کے بعد عدتِ جدیدہ میں اختلاف ہے، اور احوط (زیادہ احتیاط) اختلاف سے بچنا ہے، واعظین و ائمہ مساجد کو اس کا زیادہ یاد رکھنا چاہئے،

نکاحِ موقت اور متعہ بالاتفاق حرام ہیں، بعضے پڑھے لکھے لوگوں پر افسوس ہے کہ نکاحِ موقّت (معینہ مدت کے لئے نکاح) کے حرام ہونے میں اور نکاح موقت کے قیاس پر متعہ کے حرام ہونے میں شبہ کرتے ہیں، ہماری کتبِ فقہ میں دونوں کی حرمت کی تصریح ہے، اور نکاح موقت میں جو بعض کا اختلاف منقول ہے دراصل ان بعض علماء نے اس نکاح کو موقت ہی قرار نہیں دیا، بلکہ تصریحاً فرمایا کہ یہ توقیت باطل ہے، اور نکاح تابیداً (ہمیشہ کے لئے) صحیح رہے گا، باقی جو عقد موقت ہوگا وہ بالاتفاق باطل ہے، چنانچہ متعہ کو تمام اہلِ حق نے باطل کہا ہے، خود وہ مؤطا میں اس کے تحریم (حرام ہونے) کی حدیث لائے ہیں، اور ان کے مذہب کی کسی کتاب میں وہ نسبت واقع نہیں ہوئی، پس یقیناً غلط ہے،

خریدی ہوئی عورتیں یا لڑکیاں شرعاً کنیز کہلانے کی مصداق نہیں، بعض لوگ ایسی خریدی ہوئی عورتوں یا لڑکیوں کو جن میں کنیز ہونے کے شرائط شرعیہ نہیں پائے جاتے، حلال سمجھتے ہیں، ان سے جبراً خدمت لیتے ہیں، اور بعضے ان سے صحبت کرتے ہیں، یہ بھی تحلیلِ محرمات میں داخل ہے،

تین طلاق کے بعد بدون حلالہ اسی عورت سے نکاح درست نہیں، بعضے لوگ بی بی کو تین طلاق دے کر پھر اس کو نکاح میں داخل سمجھتے ہیں، یا بلا حلالہ[۱] اس سے تجدید نکاح کر لیتے ہیں، بعض کو بعض روایات سے شبہ ہو گیا ہے، لیکن یہ مسئلہ اپنے مقام پر حل ہو چکا ہے کہ تین طلاق خواہ مجتمعاً (ایک ساتھ اکٹھی) دے، خواہ متفرقاً تینوں واقع ہو جاتی ہیں، گو ایک جلسہ میں ایسا کرنا معصیت (گناہ) ہے لیکن طلاق مغلظہ[۲] ہو جاوے گی، اور بدونِ حلالہ نکاح جدید درست نہ ہوگا، البتہ جس سے صحبت، یا خلوت[۳] صحیحہ نہ ہوئی اس کو

---

[۱] حلالہ:۔ عورت اگر تین طلاق ہو جانے کے بعد پھر اسی شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہو کہ پہلے کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی کرے (صرف نکاح کافی نہیں، بلکہ شوہر کے ساتھ اس کی وطی ہونا بھی ضروری ہے) پھر اس شوہر کے مرجانے یا طلاق دیدینے پر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اس کو حلالہ کہتے ہیں، [۲] طلاقِ مغلظہ:۔ یعنی ایسی طلاق جس کے دینے کے بعد میاں بیوی اگر دونوں بھی نکاح کرنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح نہ ہو سکے، ایسی طلاق کو طلاقِ مغلظہ کہتے ہیں، جس کے بعد مرد کو اس عورت کو رکھنے کا اختیار نہیں ہوتا، [۳] خلوت صحیحہ:۔ یعنی میاں بیوی کا ایسی تنہائی میں یکجا ہونا جس میں صحبت ممکن ہو، ۱۲ قریشی

تین طلاق متفرقاً (علیحدہ علیحدہ) دے، اس طرح کہ تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، اس میں ایک پہلی ہی واقع ہوگی، دو لغو ہوں گی، باقی سب صورتوں میں تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی،

بیک وقت چار عورتوں سے زائد نکاح درست نہیں

ایک کوتاہی اسی تحلیل محرمات کے متعلق یہ ہے کہ بعض لوگ خصوص اہل امارت و ریاست چار سے زائد عورتیں نکاح میں جمع کرنے کو حلال سمجھتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کو میں نے دیکھا جن کے پاس سات منکوحہ مجمع سُنی جاتی تھیں، انھوں نے کسی کا فتویٰ مجھ سے نقل کیا کہ وہ اٹھارہ تک جمع کرنے کو حلال بتلاتے تھے، میں نے اس فتوی کی تغلیط کی، اور ان کو سمجھایا جس سے وہ ساکت (خاموش) ہوئے، باقی یہ تحقیق نہیں کہ زائد علی الاربع (چار عورتوں سے زائد) کو انھوں نے چھوڑ دیا یا نہیں، خدا بچائے ایسے خوشامدی بدنام کنندہ علماء سے جو دنیوی اغراض کی تکمیل و تحصیل کے لئے امراء کی خوشامد میں اس طرح دین فروشی کرتے ہیں، گو یہ قول بعض کی طرف کتب میں بھی منسوب دیکھا گیا ہے، لیکن بالیقین غلط ہے، اور بالیقین اس غلطی کا سبب وہاں تدین (دینداری) ہی تھا، اور اُس وقت اُس کا بالاجماع (بالاتفاق) اس قائل پر منکشف (ظاہر) بھی نہ تھا، اور اب تو بعد وضوحِ حق (حق واضح ہونے) کے جو ایسا کرے وہ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ کے مصداق ہے،

مسئلہ مصاہرت کے متعلق ایک محرِّف فی الدین کا فتوی،

ایسے ہی ایک محرف فی الدین (دین میں تحریف پیدا کرنے والے) کا لکھا ہوا بندہ نے فتویٰ مسئلہ مصاہرت (داماد بنانے) کے متعلق دیکھا ہے، اس شخص نے سائل سے ایک ہزار روپیہ لے کر ایک تاویل باطل سے ساس کے ساتھ نکاح کی اجازت دیدی، وہ سائل اپنی ساس پر فریفتہ (عاشق) ہوگیا تھا، اس مفتی نے ترکیب یہ لکھی کہ ساس وہ ہے جو منکوحہ کی ماں ہو، تو کسی عورت کا ساس ہونا موقوف (منحصر) ہوا منکوحہ کے ماں ہونے پر، اور یہ منکوحہ جاہل ہے، اور جاہلوں کے اکثر اقوال و افعالِ شرکیہ و کفریہ صادر ہوا کرتے ہیں، اور نکاح پڑھنے کے وقت کسی نے منکوحہ کو تجدید ایمان نہیں کرائی، اور مرتدہ (دین سے پھر جانے والی) کا نکاح مسلم سے صحیح نہیں، پس یہ نکاح نہیں ہوا، اس لئے نہ وہ منکوحہ ہوئی، اور نہ اُس کی ماں ساس ہوئی رہی حرمتِ مصاہرت بمحض الوطی (صرف ہمبستری کے سبب دامادی رشتہ سے حرام ہونا) یہ صرف امام ابوحنیفہ رح کا مذہب ہے، سائل پر فرض نہیں کہ ان کی تقلید کرے، پس اس لئے وہ ساس سائل پر حلال ہوگئی،

افسوس اس شخص نے ایک شخص کی دنیوی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے بلکہ اپنی ایک رقم سیدھی کرنے کے لئے ایک مسلمان عورت کو کافر بنایا اور اتنی مدت تک زوجین (میاں بیوی)

کو مرتکب زنا (زنا کرنے والے) قرار دیا، پھر محض اتباعِ ہوی (نفسانی خواہش کی پیروی) کے لئے ایک مقلّد مذہب معیّن (ایک مقررہ مذہب کی تقلید کرنے والے یعنی حنفی مسلمان) کو اجازت ترکِ تقلید وارتحال الی المذہب الغیر (تقلید کو چھوڑ کر اجازت دوسرا مذہب اختیار کرنے) کی دی، جس کے خطرناک ہونے کے متعلق ایک حکایت ...... عنقریب عرض کروں گا، اس طرح پھیر پھار کر محرّمہ (جس سے نکاح حرام تھا) کو حلال کیا، ایسے لوگوں میں اور علماءِ یہود کاتمین للحق وملبسین للحق بالباطل (حق کو چھپانے اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے والوں) میں کیا فرق ہے،

وہ حکایت موعودہ (جس کا وعدہ کیا گیا) ... یہ ہے:-

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ رح خطب الی رجل من اصحٰب الحدیث ابنتہ فی عھد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترک مذھبہ فیقرأ خلف الامام ویرفع یدیہ عند الانحطاط ونحو ذلک فاجابہ فزوجہ فقال الشیخ بعد ما سائل عن ھذہ واطرق رأسہ النکاح جائز ولکن اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بمذھبہ الذی ھو حق عندہ وترکہ لاجل جیفۃ نتنۃ کذا فی الشامیۃ عن التاتر خانیۃ قبیل کتب السرقۃ

("حکایت ہے کہ ابوبکر جوزجانی رح کے زمانہ میں ایک شخص نے جو امام ابوحنیفہ رح کے متبعین میں سے تھا، ایک اہلِ حدیث کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دیا، اس اہلِ حدیث نے چند شرائط پر منظور کیا، وہ یہ کہ اپنا حنفی مذہب چھوڑ دے، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے، اور رفع یدین کرے، اس حنفی نے ان شرائط کو قبول کرلیا، اور نکاح ہوگیا، جب شیخ ابوبکر جوزجانی رح سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے اپنا سر جھکا لیا، پھر فرمایا کہ نکاح تو صحیح ہوگیا، لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں نزع کے وقت اس کا ایمان نہ چلا جائے، کیونکہ اس نے ایک بدبودار مردار کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر جو اس کے نزدیک حق تھا)"

چند ٹکوں کی خاطر ایک شخص کی اپنی حقیقی ہمشیرہ کو زانیہ قرار دینے کی کوشش،

اسی کی نظیر (مثال) ایک اور قصہ میرے سامنے پیش ہوا تھا، کہ اس میں بھی ایک شخص نے محض ایک نفسانی غرض سے ایک منکوحہ کو زانیہ قرار دیا تھا، یہ تو دین کے خلاف ہوا، اور وہ منکوحہ اس شخص کی بہن تھی، اس کو زانیہ کہنا، یہ حیاء وغیرت کے خلاف ہوا، وہ قصہ یہ ہے کہ ایک سنّی شخص کی سگی بہن کا نکاح ایک شیعی

مرد سے ہوا، اور وہ عورت لاولد ہزاروں روپے کا ترکہ چھوڑ کر مرگئی، تو شرع سے اس کے دو ہی وارث تھے، ایک زوج (شوہر) کہ نصف اس کا تھا، دوسرا یہ بھائی کہ نصف اس کا تھا، یہ بھائی یوں چاہتا تھا کہ زوج کو کچھ نہ ملے، سب میں ہی لے لوں، تو اس کے متعلق اس ترکیب سے سوال لکھا کہ چونکہ سنیہ کا نکاح شیعی سے حسب فتویٰ کثیر من العلماء (بہت سے علماء کے فتوی کے مطابق) صحیح نہیں ہوتا، اس لئے وہ مرد اس کا زوج ہی نہیں، پس وہ وارث نہ ہونا چاہیئے، صرف ایک بھائی وارث ہے، تو اس طرح کل ترکہ کس کو ملے گا؟

میں نے کہا، افسوس! اوّل تو جس وقت یہ نکاح ہوا تھا اس وقت تم کہاں سوتے تھے، کیوں ہونے دیا تھا؟ یہ مسئلہ اور غیرت کہاں گئی تھی؟ پھر ہوجانے کے بعد شور وغل کیوں نہیں کیا! اتنے دنوں زنا ہوتا رہا، اس کو گوارہ کیا، پھر ایمان سے کہو کہ اگر اتنا ہی ترکہ شوہر چھوڑ کر مرجاتا اور اس کا کوئی وارث نہ ہوتا اور تم کو یہ توقع ہوتی کہ اگر میری بہن کو بوجہ فتویٰ ردّ علی الزوجین عند عدم وارث کے یہ کل ترکہ مل جائیگا تو بوجہ اس کے لاولد ہونے کے پھر سب مجھ کو مل سکتا ہے، تو کیا اس وقت بھی تم اس نکاح کے غیر معتقد وغیر ثابت (منعقد اور ثابت نہ) ہونے کے لئے کرتے؟ یا اگر کوئی ایسا فتویٰ بھی سناتا تو کہتے کہ نہیں صاحب سب کا فتویٰ اس پر نہیں ہے، اور جواز (جائز ہونے) کا فتویٰ زیادہ معتبر اور صحیح ہے، اور میں نے کہا کہ شیعی سنی کے تناکح (شیعہ سنی سے نکاح کرنے) کا مسئلہ وہ ایک مستقل بحث ہے، میں اس وقت اس میں گفتگو نہیں کرتا، مگر تم سے صرف یہ استفسارات (چند سوال دریافت) کرتا ہوں، تاکہ تم کو اس کوشش کا مبنی (بنیاد) معلوم ہو، غرض بالکل لاجواب ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے، یہ صورت مذکورہ مختصر نمونہ تھا، تحلیل محرمات کا جن میں لوگ بکثرت مبتلا ہیں،

اُن عورتوں کا بیان جن سے شرعاً نکاح درست ہے،

اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسری فہرست ان کوتاہیوں کی جو تحریم بعض محللات (نکاح کے لئے بعض شرعاً حلال عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں) کے متعلق مذکور ہوتی ہیں، یعنی احکامِ شرعیہ کی ناواقفی سے بعضی عورتوں کو جو شرعاً حلال ہیں حرام اعتقاد کرلیا گیا ہے، مثلاً بہت سے عوام ممانی سے، چچی سے، اسی طرح پیرانی اور استانی سے، اسی طرح شاگردنی اور مریدنی سے نکاح کرنا حرام سمجھتے ہیں، اسی طرح رضاع (دودھ پلانے) کا ایک مسئلہ بڑھا دیا ہے کہ ایک برتن میں میاں بی بی کے دودھ کھانے کو موجبِ حرمت رضاع و فسادِ نکاح سمجھتے ہیں،

اسی طرح ایک حکم مصاہرت میں بڑھا دیا، کہ سوتیلی ساس یعنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں، اور اگر کوئی ایسا کرلیتا ہے تو اس پر بے حد طعن و ملامت کرتے ہیں، یہ سب زیادت فی الدین (دین میں زیادتی کرنا) ہے، البتہ سوتیلی ساس کو زندہ بی بی کے ساتھ جو اسکی

سوتیلی بیٹی ہے، نکاح میں جمع کرنا اس کو بعض علماء نے منع کیا ہے، سو اس میں اگر احتیاط کرے افضل ہے، اور باقی صورتیں بالاجماع حلال ہیں، گو بدنامی کی بات نہ کرنا اس نیت سے کہ لوگ طعن کر کے گنہگار ہوں گے احسن ہے، اور ان علاّت کو محرمات میں داخل سمجھنے پر علاوہ فسادِ اعتقاد کے ایک اور عملی مفسدہ مرتب ہوتا ہے، وہ یہ کہ مسئلہ سب کا سنا ہوا ہے، کہ محرمات سے پردہ نہیں ہے' پس بے تکلف اُن رشتوں میں بے حجابی (بے پردگی) اختیار کی جاتی ہے خصوص مریدنی تو اگر پردہ کرنے لگے، بعض اقالیم الجہالت (جہالت کے علاقوں) میں اس کی بُری گت بنتی ہے، بلکہ بعض تو بے شرع پیر بھی بُرا مانتے ہیں، سو یاد رکھو ان سب تعلقات سے محرمیت شرعیہ (شرعی حرمت) نہیں ہوتی، اس لئے پردہ واجب ہوگا،

سالی کو بھی پَردہ کرنا واجب ہے

اسی طرح سالی گو اپنی بہن کے بقاءِ نکاح (نکاح کے باقی رہنے) تک حرام ہے، مگر محرم ابدی (ہمیشہ کے لئے حرام) نہیں، اس لئے بھی پردہ واجب ہے،

بہ یک وقت چار عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھنا سراسر ضلالت ہے

ایک مخترع فرد (ایک نئی صورت) اس تحریمِ حلال کی اس وقت ملاحدہ کی تقلید کور (بے دینوں کی اندھی تقلید) سے پیدا ہوئی، یعنی بعض مریدان فطرت نے بعض اقوام یورپ کی دیکھا دیکھی دعوی کیا ہے کہ ایک عورت سے زیادہ دوسری تیسری چوتھی عورت سے نکاح جائز نہیں، اور یہ غلطی پوری مقابل ہے، فہرست سابق کی بالکل آخیر غلطی کی کہ وہاں چار سے زائد کو حلال کیا گیا، یہاں ایک سے زائد چار تک کو بھی حرام کہا گیا؛ اور منشاء تو اس قول کا استحسان ہے، آراء واہواء اہلِ یورپ کا، لیکن چونکہ اپنے کو اسلام کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں، اس لئے اس دعوے کو زبردستی قرآن میں بھی ٹھونس دیا، کہ دو جگہ سے دو آیتیں لیں اور ہر ایک کے معنی میں تحریف کی، اس طرح سے اپنا مطلب پورا کیا، چونکہ وہ علمی مضمون ہے، اور اس کے جواب سے احقر اپنی تفسیر[1] میں فارغ ہو چکا ہے، اسی لئے یہاں اسی قدر پر اکتفاء کیا گیا، یہ صورتیں تو تحریمِ حلال (حرام کو حلال کرنے) کی اعتقاداً (عقیدے کے اعتبار سے) تھیں،

---

[1] احقر نے یہ تفسیر بیان القرآن سے کتاب ھذا کے رسالہ "الخطوب المذیبہ للقلوب المنیبہ" کی ذیلی سُرخی "........ تعددِ ازواج میں عدل نہ ہونے کا احتمال قوی اور غالب" کے حاشیہ میں من وعن مکمل نقل کر دی ہے جسے آپ آگے ملاحظہ فرمالیں گے، (بندہ احقر قریشی غفرلہ)

شوہر سے فسخ نکاح کی خاطر مرتد ہونے سے نکاح باطل نہیں ہوگا

ایک صورت اس کی عملی ایجاد کی گئی ہے، وہ یہ کہ کسی عورت کو خود یا کسی ناجائز تعلق کے سبب شوہر کے پاس رہنا منظور نہ ہوا اور وہ طلاق وغیرہ دیتا نہیں، نعوذ باللہ وہ مرتد ہوگئی، جس سے نکاح فسخ ہوگیا، پھر مسلمان ہوکر آزاد رہنے لگی، یا اس ناجائز موقع پر نکاح کرلیا، اللہ تعالیٰ حبائلِ شیطان (شیطان کے پھندے) سے محفوظ رکھے ہمارے فقہاء نے ایک قانونِ شرعی سے اس کا خوب انتظام فرمایا ہے، کہ مسلمان ہونے کے بعد (خواہ اپنی رضا سے ہوجائے ورنہ جبر کرکے مسلمان کیا جائے گا اس کے بعد) جبراً شوہر اوّل ہی سے نکاح کرایا جائے گا، اور ایک روایت یہ ہے کہ ایسے ارتداد سے وہ نکاح سے خارج ہی نہ ہوگی۔ (کذا فی الدر المختار و رد المحتار، ج ۲، ص ۲۹۳)

جوش میں تین طلاق کی قسم کھانے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں

بعضے لوگ کسی جوش میں قسم کھا بیٹھتے ہیں کہ میں اگر فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو تین طلاق، اور اس حلف کے بعد پھر وہ نکاح کرتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہئے کہ اس منکوحہ پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور اس مسئلہ میں زائد تفصیل ہے، اس سب کے لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں، اگر کسی نے ایسی حرکت کی ہو اس کو چاہئے کہ درمختار کی کتاب الحدود سے قبل کی یہ عبارت، حلف لا یتزوّج فزوّجه فضولی فاجاز بالقول یحنث (یعنی کسی نے قسم کھائی کہ میں شادی نہیں کروں گا، کسی اور نے بغیر اس کی اطلاع کے اس کا نکاح کرادیا اور اس نے اس کی اجازت دیدی تو وہ حانث ہوگا[۱]) اور اس کے متعلق ردّالمحتار (شامی) کا حاشیہ کسی عالم محقق کے پاس جاکر تحقیق کرلے،

اولاد کی تعداد بیس تک پہونچ جائے تو جاہل عوام کے اعتقاد کے مطابق نکاح ٹوٹ جاتا ہے،

ایک صورت تحریم حلال کی عوام سے اور سنی گئی ہے، وہ یہ کہ جس عورت کے بیس اولاد ہوجائیں، اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، محض لغو اور باطل ہے،

متبنیٰ کی بی بی سے نکاح حرام نہیں

اور بعض متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) کی بی بی سے نکاح کو بھی مذموم سمجھتے ہیں، یہ فرد تحریم حلال کی خاص اس جاہلیت کا مسلک ہے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر میں طعن کیا تھا، اور حق تعالیٰ نے اس رسم جاہلیت کے ابطال کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا مامور فرمایا؛

---

[۱] حانث سے مراد یہ ہے کہ نکاح کے ہوتے ہی اس کی منکوحہ کو طلاق ہوجائے گی، ۱۲ مجیب

بیوہ کے نکاح کے اظہار میں ننگ وعار بالکل لغو ہے، | آخر میں ایک جزئیہ اس کلیہ کا جس میں اعتقاداً تو نہیں عملاً وحالاً عوام سے خواص تک اور نساء (عورتوں) سے رجال (مردوں) تک سب ہی مبتلا ہیں، اِلَّامَنْ شَاءَ اللہ (مگر جسے اللہ چاہے) اور وہ بیوہ عورت کا نکاح ہے، کہ گو اعتقاد سے تو سب اس کو حلال ہی سمجھتے ہیں، مگر اس سے اس قدر عار وننگ ہے کہ بعض اوقات اس کے اظہار میں کفر تک لازم آجاتا ہے، چونکہ اس کا ستحسان بالکل طے شدہ مسئلہ ہے، اس لئے تطویلِ کلام کی حاجت نہیں،

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ،

("اے اللہ ہمیں راہِ حق دکھلا اور اس پر چلنے کی توفیق بخش اور راہِ باطل واضح کردے اور اس سے محفوظ رکھ")

ضمیمہ فہرست بالا

ایک صورت تحریم حلال کے قبیل سے جو جہلاء کا مزعوم ہے
یہ ہے کہ عنّین یعنی نامرد سے نکاح کو منعقد نہیں سمجھتے؛

نامرد کے ساتھ نکاح بالکل صحیح ہوجاتا ہے،

یعنی اس کو مثل عورت کے سمجھ کر عورت کے ساتھ اس کے نکاح کو باطل سمجھتے ہیں، سو یہ بالکل ہی غلط ہے، اور صریح دلیلِ فقہی اس کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اس صورت میں منکوحہ کے مطالبہ پر اس کو علاج کے لئے مہلت دی جاتی ہے، اور اگر شفاء ہوجاوے تو اس نکاحِ سابق پر اکتفاء کیا جاتا ہے، نکاحِ جدید کا حکم نہیں کیا جاتا، معلوم ہوا کہ پہلا نکاح منعقد و صحیح ہوجاتا ہے،

نامرد کو از خود نکاح کرنا گناہ ہے

البتہ ایسے شخص کو جبکہ اس کو علامات سے اپنا عاجز ہونا معلوم ہو تو خود نکاح کرنا ہی گناہ ہے، تو تحریم بمعنی گناہ تو واقع ہے، مگر تحریم بمعنی عدمِ انعقاد نکاح (نکاح صحیح نہ ہونا) واقع نہیں، اسی لئے اس کے لئے احقر نے اوپر یہ عنوان تجویز کیا ہے "تحریم حلال کے قبیل سے" (حلال کو حرام سمجھنے کی قسم سے) کیونکہ یہ ایک وجہ سے تحریم ہے ایک وجہ سے نہیں،

نامرد کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز صحیح ہوجاتی ہے !!!

اور اس شخص کے اسی الحاق بالنساء (عورتوں میں شامل ہونے) کے خیال پر ایک دوسری غلطی جو کہ اس باب سے نہیں ہے، جہلاء مبتلا ہیں، یعنی اس شخص کے پیچھے نماز کو ناجائز یا مکروہ سمجھتے ہیں، جس کی کچھ اصل نہیں،

خصی اور ہیجڑے کی امامت مکروہ ہے،

اور یہی حکم ہے خصی و مجبوب کا، یعنی جس کے بیضے نکال دیئے گئے ہوں جسکو خوجہ یا خواجہ سرا کہتے ہیں، یا جس کا خاص اندام (عضو مخصوص) قطع کردیا گیا ہو جس کو ہمارے محاورہ میں مخنّث یا ہیجڑا کہتے ہیں، وہ بھی مرد ہے اور اس کا حکم مردوں کا سا ہے، گو بصورت اس کے فاسق ہونے یا اس سے جماعت کی نفرت کرنے کے اس کی امامت مکروہ ہے، اوّل صورت میں تحریماً دوسری میں تنزیہاً،

نامرد، خصی اور ہیجڑے وغیرہ سے پردہ واجب ہے

ان ہی احکام ۔۔۔ میں سے یہ بھی ہے کہ اُس سے عورتوں کو پردہ بھی واجب ہے، جس طرح عام مردوں سے، اس میں بھی ناواقف بکثرت مبتلائے غلطی ہیں،

عنینیت مرض ہے اور قطع عضو سخت گناہ ہے !!!

اس میں اور عنین میں اتنا فرق ہے کہ عنینیت مرض ہے جس میں کوئی گناہ نہیں، اور قطعِ عضو سخت گناہ ہے، اگر خود کسی نے اپنے لئے ایسا تجویز کیا وہ فاسق ہے، جب تک توبہ نہ کرے، اور جو اس کے بلا علم یا بلا اختیار کسی اور نے کیا ہے وہ فاسق ہے،

مہلا بھی مردوں میں شامل ہے

اور اسی کے ساتھ حکم سمجھنا چاہئے ایسے شخص کا جس کی چال ڈھال یا بول چال میں زنانہ پن ہو، اس کو ہمارے محاورے میں مہلا کہتے ہیں، سو وہ بالکل مرد ہے، البتہ اگر اس کی یہ مشابہت بالنساء خلقی (عورتوں سے مشابہت قدرتی) ہے تو وہ معذور ہے، اور اگر قصداً (جان بوجھ کر) ہے جس کو تشبہ کہتے ہیں تو حدیث[1] میں ایسے شخص پر لعنت آئی ہے،

نامرد سے عورت کی تفریق کرانے کا خاص قانون ہے

اور ایک غلطی عنین کے متعلق کم واقفیت لوگوں کو واقع ہوتی ہے، کہ وہ تحلیلِ حرام کی فہرست میں داخل ہوجاتی ہے، وہ یہ کہ اس کے نکاح کو تو منعقد سمجھتے ہیں، مگر شوہر سے اس کی تفریق کردینے کو عورت یا برادری کے اختیار میں سمجھتے ہیں، کہ جب چاہا دوسری جگہ اس کا نکاح کردیا گیا، سو یہ بھی شرع کے خلاف ہے، اس کی تفریق کا شرعاً خاص قانون ہے، جو کتبِ فقہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور احقر نے بہت عام فہم اور سلیس عبارت میں اس کو تتمہ امداد[2] الفتاویٰ، ص ۱۶۳ مطبوعہ مجتبائی پر لکھ دیا ہے، اس کا مطالعہ ضروری ہے،

---

[1] چنانچہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَعَنَ اللّٰہُ الْمُتَشَبِّہِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَالْمُتَشَبِّہَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ (یعنی اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شباہت بناتے ہیں اور اُن عورتوں پر جو مردوں کی شباہت بناتی ہیں) احقر قریشی غفرلہٗ

[2] احقر ناکارہ کے پاس امداد الفتاویٰ کی مذکورہ جلد نہیں، اس لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ہی تصنیف "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" کے رسالہ "المرقومات للمظلومات" سے وہ قانون نقل کرتا ہوں جو عام فہم بھی ہے اور مفصل بھی، وہو ھٰذا:۔ (بندہ احقر قریشی غفرلہٗ) "زوجۂ عنین کے لئے تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، یعنی اوّل خاوند سے دریافت کرے

مرض رتقاء والی عورت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے،

ایسے ہی ایک غلطی اسی قسم کی اس عورت کے متعلق ناواقفوں کو ہورہی ہے جس میں بوجہ حائل (آڑ) ہوجانے کسی ہڈی یا جلد وغیرہ کے خاص موقع پر، ہمبستری کی صلاحیت نہیں ہے، جس کو عربی میں رتقاء کہتے ہیں اس کو ملحق بالرجال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اگر وہ خود اقرار کرے کہ بیشک میں اس عورت سے ہمبستری پر قادر نہیں تو اس کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے، اور اگر وہ اقرار نہ کرے بلکہ جماع کا دعویٰ کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ اگر عورت باکرہ ہونے کا دعویٰ کرے تب تو مرد سے حلف لیا جائے گا، اور اگر اس نے حلف کرلیا تو عورت کو تفریق کا حق حاصل نہ ہوسکے گا، اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کردیا تو اس کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دیدی جائے گی، اور اگر عورت باکرہ ہونے کی مدعی ہو تو قاضی عورتوں سے اس کی بیوی کا معائنہ کرائے، ایک عادل تجربہ کار عورت کا معائنہ بھی کافی ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ دو عادل عورتیں معائنہ کریں، آگے بعد معائنہ کے دو صورتیں ہیں، (۱) ایک صورت یہ کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ یہ عورت باکرہ یعنی کنواری نہیں رہی، تب تو خاوند سے اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے جماع کیا ہے، اور اگر وہ حلف کرے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور عورت کو تفریق کا حق باقی نہ رہے گا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کردے تو تاجیل یعنی ایک سال کی مہلت کا حکم کردیا جائے، (۲) اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ ابھی تک یہ لڑکی باکرہ (کنواری) ہے، تو پھر قاضی بدون کسی سے حلف لئے ہوئے شوہر عنین کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے، ——— خلاصہ یہ کہ جب کسی دلیل سے متحقق ہوجائے کہ عورت باکرہ نہیں بلکہ ثیبہ ہے، خواہ ثیبہ ہونا اس طرح معلوم ہو کہ وہ بیوہ ہو اور شوہر اول سے اولاد ہوچکی ہو، یا خود عورت کے اقرار سے یا عورتوں کے معائنہ سے، ان تینوں حالتوں میں مرد کا قول حلف کے ساتھ قبول کیا جائیگا کہ وہ ہمبستری کرچکا، اور عورت کو علحدگی کا حق نہ دیا جائے گا، اور اگر تینوں حالتوں میں مرد حلف سے انکار کردے تو عورت کا دعویٰ درست مان کر مرد کو ایک سال کی مہلت دیدیں، اور اگر عورتوں کے معائنہ سے زوجہ کا باکرہ ہونا ثابت ہو تو بدون حلف ہی ایک سال کی مہلت دیدی جائے، اور اس مدت کے لئے ظاہر الروایۃ میں قمری سال کا اعتبار کیا گیا ہے، لیکن روایت حسن میں شمسی سال کو لیا ہے، اور بعض صحابِ ترجیح نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے، اور عموماً متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، اور اب بھی عام اہل فتویٰ کا یہی معمول ہے، اور یہ سال حاکم کی مہلت دینے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا، اس سے پہلے خواہ کتنی ہی مدت گذر گئی ہو معتبر نہ ہوگی، پھر ایک سال بھر کے عرصہ میں اگر شوہر کسی طرح علاج کراکے تندرست اور

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

(آدمیوں کے مشابہ) سمجھ کر اس سے بھی نکاح کو منعقد نہیں سمجھتے، یہ بھی محض غلط ہے،

خنثیٰ کا کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا،

البتہ انسان کی ایک خاص قسم ہے جس میں شبہ الحاق بالنساء (عورتوں کے مشابہ ہونے) کا بھی ہے، اور الحاق بالرجال (مردوں کے مشابہ ہونے) کا بھی، اس کو شریعت کی اصطلاح میں خنثیٰ کہتے ہیں کہ اس میں تمام علامات ذکورت و انوثت کے (مردوں اور عورتوں کی پوری علامتیں) برابر درجہ میں متعارض ہیں، سو اس کا نکاح کسی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جماع پر قادر ہوگیا، اور ایک مرتبہ بھی ہمبستری کرلی تو عورت کو فسخِ نکاح کا حق جاتا رہا بلکہ ہمیشہ کے لئے (یہ) حق باطل ہوگیا، اب کبھی علحدگی کا مطالبہ نہیں کرسکتی، اور اگر اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ کرسکا تو عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے، اگر خود شوہر نے اقرار کرلیا کہ بیشک میں قادر نہیں ہوا تب تو عورت کا دعویٰ بلا غبار صحیح ہوگیا، اس صورت میں قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ اگر علحدگی درکار ہو تو طلب کرو، ورنہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو گوارا کرو، اس پر وہ اگر اسی مجلس میں علحدگی چاہے تو خاوند سے طلاق دلوادی جائے، اگر وہ انکار کرے تو قاضی تفریق کردے، (جیساکہ آئندہ عنقریب آئے گا) اور اگر خاوند اقرار نہ کرے، بلکہ جماع ہوچکنے کا دعویٰ کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہو کہ مہلت دینے کے وقت اگر عورت کا ثیبہ ہونا ثابت ہوچکا تھا، یا اب عورت اقرار کرے کہ کسی طرح بکارت زائل ہوچکی ہے، مگر ہمبستری نہیں ہوئی، تب تو خاوند سے حلف لیا جائے، اگر وہ قسمیہ کہدے کہ میں نے جماع کیا ہے تو مرد کا قول معتبر ہوگا، اور تفریق نہ ہوسکے گی، اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کردیا تو تو عورت کو طلبِ فراقت کا اختیار دیدیا جائے گا، اور اگر مہلت دینے کے وقت سے معائنہ سے باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا، اور اگر اب دوبارہ معائنہ میں بھی باکرہ ہونے کی تصدیق ہو تب بھی عورت سے بدون حلف لئے ہوئے قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ اپنے خاوند کے نکاح میں رہے، یا تفریق کا مطالبہ کرے، اور جن صورتوں میں قاضی عورت کو اختیار دے چکا اُن میں حکم یہ ہو کہ عورت اگر اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہوسکتی ہے ورنہ نہیں، پس اگر عورت نے اسی مجلسِ تخییر (اسی اختیار دیئے جانے والے مجلس) میں یہ کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے علحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دیدو، اس پر اگر خاوند نے طلاق دیدی تو طلاقِ بائنہ واقع ہوجائے گی، اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے یعنی مثلاً یہ کہدے کہ میں نے تجھ کو اس نکاح سے الگ کردیا، یہ تفریق بھی شرعاً قائم مقام طلاق بائنہ کے واقع ہوجائے گی،" (الحیلۃ الناجزہ، ص ۲۳۶ تا ۲۳۹)

جائز نہیں، نہ مرد سے کیونکہ شاید وہ بھی مرد ہو اور نہ عورت سے کیونکہ شاید وہ بھی عورت ہو اور کسی دوسرے خنثیٰ مشکل سے کیونکہ شاید دونوں مرد ہوں یا دونوں عورت ہوں اور اس کے تمام احکام میں دونوں شبہوں کا لحاظ کرکے بے حد رعایت کی گئی ہے، جس سے فقہائے اسلام کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے، اور فقہ میں اس کا ایک مستقل باب منعقد کیا ہے، کیونکہ ایسے شخص کا وجود بہت ہی نادر ہی اس لئے اس کے احکام کا بیان یہاں ضروری نہیں سمجھا گیا،

ولد الزنا سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے | ایک صورت تحریم حلال کی بعض عوام سے سُنی گئی کہ ولد الزنا (حرامی اولاد) کے نکاح کو بھی باطل سمجھتے ہیں، سو یہ بھی غلط ہے، اپنے کفو سے بھی درست ہے، اور غیر کفو سے بھی، جہاں کفاءت کا شرط ہونا شرعاً ضروری نہ رہے، نیز درست ہے، جس کی تفصیل کے لئے فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے،

نان ونفقہ کی خبرگیری نہ کرنے سے از خود نکاح باطل نہیں ہوتا | ایک صورت تحلیلِ حرام کی عوام نے ایک اور تراش رکھی ہے، یعنی جو مرد نان ونفقہ کی خبرگیری نہ کرے، یا مقدور (طاقت) نہ رکھے اس کے نکاح کو از خود منفسخ (ختم) سمجھ کر اس کا نکاح دوسری جگہ کردیتے ہیں، اسی طرح جو عورت شوہر کے گھر سے نکل کر بدکاری کرنے لگے، یا شوہر اس کو نکال کر ایک عرصہ دراز تک اس سے تعلق نہ رکھے اس کو بھی نکاح سے خارج سمجھ کر اس کو نکاح ثانی کی اجازت دیدیتے ہیں، یہ سب بالکل غلط در غلط ہے، البتہ تفریقِ معسر (ناداری کے باعث تفریق) میں امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ مسلمان حاکم جس کو سلطنت سے ایسے مقدمات کا باضابطہ اختیار دیا گیا ہو، اعسار (ناداری) کی حالت میں نکاح فسخ کردیگا، اور بدون اس شرط کے وہ بھی از خود منفسخ نہیں کہتے، جیسا عوام نے غلط سمجھ رکھا ہے، جس طرح مفقود کی تفریقِ نکاح میں امام مالکؒ کے مذہب پر قضاءِ قاضی شرط ہے جس کو بندہ نے اوپر بھی لکھا ہے، کہ اس اشتراط کی کتبِ مالکیہ میں بھی تصریح ہے، اس وقت اس کا پتہ بھی عرض کئے دیتا ہوں، زرقانی مالکیؒ نے شرح موطا میں ایک ہی عبارت میں چار جگہ اس کی تصریح کی ہے، بندہ کے تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ، ص ۱۶۸ میں وہ عبارت بعینہٖ منقول ہے ضرور ملاحظہ فرمائی جائے[1] بہرحال حلت وحرمت میں سخت احتیاط درکار ہے،

یہ ضمیمہ ختم ہوا، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

---

[1] جہاں ایسے مسائل کی ضرورت پڑے تو علماءِ محققین یا کسی معروف دارالافتاء سے رجوع کرنا چاہئے۔ (قریشی)

ضمیمۂ ثانیہ

در نقل رسالہ

الخطوب المذیبۃ للقلوب المنیبۃ

متعلقہ بعض اغلاط متعلقہ تعدد محللات

کہ خطیکے از کار انست ؛

برادر عزیزم سلمہٗ ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ ، آں عزیز کے استفساری خط کی رسید اور تعجیل (جلدی) جواب نہ ہوسکنے کا عذر اُس خط کے آنیکے ساتھ ہی جس کو آئے ہوئے تقریباً پچیس روز ہوگئے ہوں گے، ایک کارڈ پر لکھ چکا ہوں گو مجھ کو بفضلہٖ تعالیٰ بخار سے نجات ہوگئی ہے، لیکن ضعف ونقاہت سے کسی معمولی سے معمولی کام کی بھی ہمت نہیں ہوتی، مگر ساتھ ہی آنعزیز کے انتظار کے تصور سے اضطراب اور خود اس جواب کا بھی غالباً بعض مضامین مفیدہ کو متضمن ہونا (شامل ہونا) یہ دونوں امر متقاضی ہیں کہ بنامِ خدا جواب شروع تو کر ہی دوں، اتمام قبضۂ قدرتِ الٰہیہ میں ہے، اس لئے اختصار کے ساتھ مگر قدرے ضروری تفصیل کے ساتھ جوابِ خط لکھتا ہوں،

آنعزیز نے لکھا ہے کہ اتنا معلوم ہوا کہ اس جدید تعلق سے بھابی صاحبہ کی حالت میں بہت تغیر ہوگیا ہے، اور آپ کو بھی کچھ باعثِ مسرت نہ ہوا،

عزیز من! یہ دونوں امر صحیح ہیں، اس تفصیل کی تو حاجت نہیں کہ کیا تغیر ہوا؟ اور اس تغیر کے سبب مجھ کو کیا تکدر رہا؟ کیونکہ اوّل تو اس کی حقیقت معلوم ہونا مشاہدہ پر موقوف ہے، دوسرے کم شخص ایسے ہوں گے جنھوں نے اس کے نظائر کا مشاہدہ نہ کیا ہو اس لئے یہ تفصیل بیکار ہے،

تغیر کے اسباب

البتہ نتیجہ خیز بات اس تغیر کے اسباب کی تحقیق ہے، جس کی تقریر سے خود نتیجہ تک ذہن پہنچ جائے گا، اور ممکن ہو آخر میں اس کی کچھ تصریح بھی کردی جائے، سوان اسباب کا مجموعہ راجع ہے دو امر کی طرف، ایک حد سے زیادہ جاہل ہونا طبقۂ اناث (عورتوں) کا، خواہ جہل علمی یعنی ناواقفی شرائع (علمی جہالت یعنی شریعت سے ناواقفیت ہونا) خواہ جہل عملی جس کو ہمارے محاورہ میں جہالت کہتے ہیں، جس کے شعبوں میں زیادہ تر دخل بدگمانی و بدزبانی وکبر

حسد و حبِ دنیا و نسیانِ آخرت (دنیا سے محبت اور آخرت کو بھلانے) کو ہے، دوسرا حد سے زیادہ محبت ہونا بیبیوں کو شوہروں سے، امر اول کا ظہور خود منکوحہ اُولیٰ سے زیادہ جو کہ صاحبِ معاملہ ہے دوسری عورتوں میں زیادہ معلوم ہوا، چنانچہ ایسے موقع پر جو اقوال ان جہلاء کے سننے میں آئے وہ اس کی بیّن (واضح) دلیل ہیں،

خاوند کے دوسری عورت سے نکاح کرنے پر جاہل عورتوں کی مختلف خیالی باتیں

(۱) ہائے بادشاہی چھن گئی (۲) ہائے ایسا ظلم (۳) بس جی مولویوں کا بھی اعتبار نہ رہا (۴) بھلا بدون اجازت منکوحۂ اولیٰ[1] کے یہ دوسرا نکاح کب جائز ہو سکتا ہے، (۵) اگر عورت بھی دوسرے مرد کو ڈھونڈلے تو مرد پر کیسی گزرے (۶) ہائے بیٹی بیٹی کہا کرتے تھے جورو بنا کر بیٹھ گئے (۷) بیٹی کیا نواسی کی جگہ تھی (۸) ارے بھائی بھانجہ تو بیٹا ہوتا ہے، پھر اس کو بیٹا بنایا بھی تھا، ہائے بیٹے کی بیوی کو لے بیٹھے، یہ غضب (۹) بس جی ایسی عورت کا کیا اعتبار، اس کا تو اگر نانا حقیقی زندہ ہوتا اس کو بھی کر بیٹھتی (۱۰) لو اور پڑھواؤ لڑکیوں کو، ہائے استاد ہو کر شاگردنی کو کر بیٹھے (۱۱) اور مریدنی بھی تو تھی، پیر میں اور باپ میں کیا فرق ہوتا ہے (۱۲) اجی معلوم ہوتا ہے اُن میں پہلے سے سازباز ہوگی (۱۳) بس جی اب تو سب مرید ایسا کریں گے (۱۴) اجی لڑکی نے بھی ظلم ہی کر دیا جو کرنا ہی تھا اور دس تھے، بھلا جس کے پاس بچپن میں رہی، لکھا پڑھا، اسی کی چھاتی پر مونگ دلنا تھا، (۱۵) خدا کرے ان کو آرام ہی نصیب نہ ہو (۱۶) اجی ایسی بے حیا ہے تو ستر کرے گی ستر چھوڑے گی (۱۷) بس اب یہ اس بیچاری غریب کا حصہ رزق میں بھی بانٹ لے گی، (۱۸) اگر اتفاق سے کوئی حادثہ پیش آگیا، مثلاً معاش کی کمی یا بیماری تو یہ رائے قائم کی جاتی ہے کہ اس کا ایسا منحوس پیر آیا تھا کہ رزق اُڑ گیا، صحت اُڑ گئی، ونحو ذٰلک من الخرافات، (اور ایسی ہی بے شمار خرافات ہیں)

بعض اوقات عبادتگذار عورتیں بھی بلا سوچے کلماتِ کفر بک دیتی ہیں،

جن میں بعض اقوال تو صاف شریعت کا رَد اور کفر کے قریب ہیں، اس واقعہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بڑی بڑی لکھی پڑھی تسبیح نفلوں کی پابند، مگر تمام دین ان کا ملمع (ظاہری ٹیپ ٹاپ) ثابت ہوا، نہ یہ تمیز کہ ہم منہ سے کیا بکتے ہیں اسمیں کفر ہو جائیگا، یا گناہ ہو جائے گا، نہ یہ ہوش کہ آخر نتیجہ ان خرافات کا کیا ہے،

---

[1] موجودہ دور کے عائلی قوانین میں خلافِ شریعت یہ پابندی بھی عائد کر دی گئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

شعور و فکر کی یہ کافری معاذ اللہ!
فرنگ ترے خیال و عمل کا ہے مسجود

شوہر کے نکاح ثانی کر لینے پر عام عقلاء کے نزدیک اس کی پہلی بیوی کو تلقینِ صبر کرنا اور تسلی دینا

اپنے نزدیک تو صاحبِ معاملہ کے ساتھ ہمدردی کی جاتی ہے مگر سلیقہ نہیں کہ اس سے تو اور دونا غم کو اشتعال ہوتا ہے، ایسے وقت میں سخت ضرورت تسلی دینے کی ہوتی ہے، جس کا طریقہ عام عقلاء کے نزدیک تو صبر دلانا ہے، اور جو جو شبہات آئندہ کے متعلق صاحبِ معاملہ کو واقع ہوں مثلاً یہ کہ (۱) میرے ساتھ التفات نہ رہے گا، (۲) میرے حقوق ضائع کر دیئے جائیں گے، (۳) جدیدہ کی چغلیوں سے مجھ کو تکلیف دی جائے گی، ان سب شبہات کو خوبصورتی سے رفع کرنا، اور میرے نزدیک ایسے موقع پر تسلی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو مصیبت ہی تسلیم نہ کیا جائے کہ صبر کی ترغیب دی جائے، اور یہ جو میں نے کہا کہ "ایسے موقع پر تسلی کا طریقہ یہ ہے" مراد ایسے موقع سے وہ موقع ہے جہاں اس کا نعمت ہونا بھی ثابت کر سکے، جیسے :۔

حضرت حکیم الامتؒ کا طریقۂ عمل

بفضلہ تعالیٰ اس ناکارہ کی حالت ہی، وہ یہ کہ میں نے قدیمہ (یعنی پہلی بیوی) کی دل جوئی میں بے حد بیشی (پہلے سے بہت زیادتی) کر دی، گو میں نے کوئی گناہ کا، یا عیب کا کام نہ کیا تھا، لیکن اُن کے عین فورانِ شکایت (شکایت کے دوران خون کا جوش مارنے) میں اُن کے تجاوز عن التہذیب (تہذیب کی حد سے گذرنے) کو غلبۂ حال پر محمول کر کے اُن کو معذور قرار دیا، اور اس طرح سکون و سکوت و ضبط سے کام لیا، جیسے کوئی عیب کر کے خجل و شرمندہ ہوتا ہی، اور تمام تر جوش و خروش کا جواب ان الفاظ سے دیا کہ خیر میں نے دل سے سب معاف کیا، اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے، میں بوجہ پختگیٔ سن و کثرتِ مشاغل خدمتِ خلائق ان سے بالکل بے فکر ہو گیا تھا بعض اوقات دن دن بھر گھر جانے کی نوبت نہ آتی تھی، عشاء کی نماز پڑھکر فوراً سو رہتا، بات کی بھی فرصت نہ ملتی تھی، مگر اب اُن کی دلجوئی کا خاص اہتمام شروع کر دیا، ذرا ذرا ... بات میں ان کی رعایت ملحوظ کرنے لگا، چونکہ میرا مزاج فطرۃً تیز ہے اور عورتوں میں کجی (ٹیڑھاپن) لازم ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ، اکثر جب کبھی ایسا موقع پیش آتا تھا اس میں تحمل (برداشت) نہ کرتا تھا قولاً (زبان سے) بھی تیز الفاظ کہتا، اور عملاً بھی، بعض اوقات کھانا چھوڑ کر گھر سے مدرسہ میں چلا آتا تھا، ایسا اتفاق بکثرت ہوتا تھا، جب سے یہ واقعہ ہوا اُس برتاؤ کا نام و نشان نہیں رہا، اور اُدھر سے کتنی ہی کجی ہوئی ادھر سے بہت زیادہ نرمی اور راستی (سیدھاپن) برتی گئی، خلاصہ یہ کہ اس قدر نرم برتاؤ اختیار کیا گیا کہ بعض لوگ تو مجھ کو بے غیرت کہنے لگے، بعضے بیوی سے ڈرنے والا، دبنے والا کہنے لگے، بعض نے یہ رائے قائم کی کہ یہ نرمی ہی سبب ہے دوسری جانب کی دلیری کا، البتہ یہ تو ہوا کہ جب کبھی شریعت پر

اعتراض پہنچنے لگا، گو صاحبِ اعتراض کو اس کا احساس نہیں ہوا یا بیہودگی کو زیادہ امتداد ہونے لگا، اول تو نرمی سے فہمائش کر دی، اگر پھر اصرار ہوا تو دوبارہ فہمائش (سمجھانے) میں قدرے آواز بلند ہو گئی، مگر اس میں بھی الفاظِ خشن (درشت) اور تیز سے زبان کو نہایت تکلف کے ساتھ روکا

غرض یہ خلاصہ تھا اور ہے میری حالت کا، تو اس میں غور کر کے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ میرا برتاؤ پہلے سے زیادہ اچھا ہو گیا، اور سبب اس کا وہی دل شکنی کے احتمال پر دلجوئی اور اس دلجوئی کا سبب یہی واقعۂ جدیدہ، تو اس صورت میں کیا شک رہا، کہ اس واقعہ کا قدیمہ کے حق میں نعمت ہونا بھی نہایت آسانی سے ثابت کیا جا سکتا ہے، پس طریق تسلی کا یہ تھا، اور اگر یہاں تک ذہن نہ پہنچتا تو خیر صبر ہی کی تعلیم دی جاتی، اگر دو چار عاقل عورتیں بھی اس طرف توجہ کرتیں تو ان کے رنج و غم کی یہاں تک نوبت نہ پہنچتی، مگر جو آئی ان کے خیالات کی جن میں اکثر بلکہ کُل کے کُل لغو اور بے بنیاد تھے تصدیق ہی کرتی آئی، کسی نے تکذیب نہیں کی، اِلّا ما شاء اللہ، اور تصدیق بھی سب خوشامد میں اور اس مصلحت سے کہ یہ یوں نہ کہیں کہ فلانی کو میرے ساتھ ہمدردی نہیں، بس اس تصدیق سے اُن کے اوہام اور خیالات اور پک گئے، اور وہ مثال ہو گئی جیسے کسی میانجی کو اس کے مکتب کے لڑکوں نے باہم متفق ہو کر بیمار ڈال دیا تھا کہ جو آتا ہے "خیر ہے؟ چہرہ اُداس کیوں ہے؟" آخر بیچارہ بیمار پڑ گیا،

جو شخص اپنی اصلاح خود نہ چاہے نبی بھی اس کی اصلاح نہیں کر سکتا،	میں نے اس دلجوئی کے علاوہ اصلاحِ باطن کے طریقوں سے اس قدر کام لیا کہ شاید بیس پچیس برس کی مدت میں کسی کے لئے نہ لیا ہوگا، ان میں بعض طریقے منقول تھے اور بعضے بزرگوں کے کلام سے مستنبط کئے ہوئے

اور ایسے لطیف لطیف کہ اگر ان کی کوئی قدر کرتا تو ضبط کرنے سے تو ایک بے نظیر رسالہ سلوک کا بنتا، اور عمل کرنے سے انسان کامل بن جاتا، مگر تجربہ سے معلوم ہوا اور پہلے سے بھی معلوم تھا مگر اب اور زیادہ معلوم ہو گیا کہ جو شخص اپنی اصلاح نہ چاہے اس کی اصلاح کوئی مخلوق نہیں کر سکتا حتیٰ کہ نبی بھی،

اپنے مصلح کے ساتھ اصلاح کے لئے اعتقاد اور انعقاد ہونا ضروری ہے،	دوسرے یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اصلاح کے لئے مصلح (اصلاح کرنیوالے پیر و مرشد) کے ساتھ اعتقاد اور عظمت کا ہونا شرط ہے، اور شوہر کے ساتھ یہ دونوں امر ضعیف ہیں، بہر حال میں نے تھک کر حق تعالیٰ سے

التجا اور دعا شروع کی ہے، اور حضرت زکریا علیہ السلام کے قول کے موافق:۔

وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم : ۱ آیت ۴) | "اور اس کے قبل کبھی میں آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں"

امید قبول رکھتا ہوں اور غالباً پہلے کی نسبت سکوت وسکون دونوں کی رفتار ترقی پر ہے، اور جب مرض میں روزانہ انحطاط ہو امید قوی وہاں صحت کی ہی ہوتی ہے، یہ تو خلاصہ تھا اُن کے غم اور اس غم میں اُن کے ساتھ میرے معاملہ کا،

اللہ تعالیٰ معرفت نصیب کرے تو کلفت بھی مسرت ہے | اس سے آنعزیز کے اس سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ آپ کو بھی کچھ باعثِ مسرت نہ ہوا، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کیا مسرت ہو سکتی ہے، جبکہ اسبابِ مسرت پر اسبابِ کلفت غالب ہوں، مگر یہ نفی مسرت کی جو میں نے تسلیم کر لی یہ ظاہری مسرت کے اعتبار سے ہے، ورنہ باطناً تو اگر اللہ تعالیٰ معرفت نصیب کرے یہ کلفت بھی مسرت ہے، کیونکہ مسرت کے جو منافع ہیں اس کلفت میں اس سے کم نہیں، بلکہ بہت زیادہ حاصل ہیں، گو اس زیادہ پر نظر کر کے نہ کلفت کی تمنا کرے اور نہ اس کے رفع کی دعا کو ترک کرے، حق تعالیٰ سے برابر عافیت مانگتا رہے، لیکن جب تک عافیت ظاہری نہ ہو اس میں مصلحتیں وحکمتیں سمجھ کر دل سے راضی اور ثواب کا متوقع (امیدوار) رہے، چنانچہ الحمد للہ کچھ کچھ اس پر عمل ہے، جس سے زخم پر مرہم رکھا جا رہا ہے، ورنہ ع

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

اسبابِ تغیر جہالت اور محبت ہیں | ہاں میں نے اسبابِ تغیر میں ایک امر جہل بتلایا تھا، دوسرا امر محبت بی بی کو شوہر کے ساتھ مسرت کے جواب سے اس کو ترتیب میں مقدم لکھنا چاہئے تھا، مگر خیر اوّل کا ذکر ابھی دور نہیں ہوا، گویا دوسرا اس اوّل کے ساتھ مذکور ہے، اس امر ثانی کی سببیت اس طرح ہے کہ چونکہ بی بی کو شوہر سے خصوص ہندوستان میں یہاں کی آب وہوا کی خاصیت سے محبت زیادہ ہوتی ہے، اور خاصۂ محبت کا یہ ہے ؎

با سایہ ترا نمی پسندم ٭ عشق است وہزار بدگمانی

(عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہیں، اسی لئے محبوب کے سایہ کے ساتھ بھی کسی کا ساتھ رہنا عاشق کو پسند نہیں)۔

بس اس سے یہ شرکت کہ اس کے شوہر میں دوسری آکر حصہ دار ہو جائے سخت ناگوار ہوتی ہے، اور گو یہ شرکت دوسری کو بھی کسی قدر ناگوار ضرور ہو لیکن پھر دونوں میں یہ فرق ہے کہ دوسری تو اوّل ہی سے شرکت کو گوارا کر کے آتی ہے، اور پہلی مدتوں انفراد واختصاص کی حالت میں رہ چکی ہے، اس کو خلاف

ارادہ وخلافِ توقع وخلافِ رضا یہ شرکت پیش آتی ہے، اس لئے اس کو زیادہ صدمہ ہوتا ہے، اور اس کا خلافِ ارادہ وخلافِ رضا ہونا تو ظاہر ہے، باقی خلافِ توقع اس لئے کہ ہندوستان میں اس کا رواج اس قدر کم ہے گویا کہ ہے ہی نہیں،

رسم کو جذبات میں بڑا دخل ہے

اور رسم کو جذبات میں بہت دخل ہوتا ہے، اور یہاں تک دخل ہوتا ہے کہ جو امر خلافِ ارادہ وخلافِ رضا بھی نہ ہو مگر خلافِ رسم ہونے کے سبب خلافِ ارادہ و . . . . رضا ہونے کا بھی اثر نہیں رہتا، چنانچہ بعض جگہ سنا گیا ہے کہ منکوحہ اولیٰ خود ہی دوسری کو اپنی رغبت و کوشش سے لائی، اور پھر آنے کے بعد ناگواری اُسی درجہ تک پہونچ گئی جیسے اُس کی لائی ہوئی نہ ہوتی، بہرحال یہ محبت بھی اس کا سبب ہے،

امرِ طبعی میں انسان معذور رہتا ہے

اور گو اس درجہ سے کہ محبت امرِ طبعی ہے تو اس کا مسبب یعنی ناگواری بھی امرِ طبعی ہوگا، اور امرِ طبعی میں انسان معذور رہے، اس لئے منکوحہ اولیٰ نفسِ ناگواری میں معذور رہے، لیکن اگر محبت کے ساتھ علم ہوتا تو یہ ناگواری حدِ اعتدال سے نہ بڑھنے پاتی، اور بلاشک وہ قابلِ ملامت نہ ہوتی،

شہوت وغضب وحسد وکبر کا صدور جہالت کے سبب ہے

لیکن چونکہ محبت کے ساتھ مجموعۂ سبب کا ایک جزو جہل بھی ہے، جو کہ اختیاری ہے، بایں معنی کہ اس کا ازالہ اختیاری ہے، اور پھر شرعاً وعقلاً مذموم ہے اس لئے اس مجموعۂ سبب پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں، ان میں جس قدر آثار جہل کے حصہ کے ہیں اس میں نقلاً وعقلاً معذوری نہیں ہوگی، اس لئے یہ رائے کہ علی الاطلاق ان امور میں سوتیا ڈاہ (سوتن ہونے کا جلاپا) کے سبب معذور سمجھا جائے محض غلط ہے، ورنہ اس کیفیتِ غیظیہ (غصہ کی حالت) سے زیادہ اکثر اوقات کیفیاتِ شہوت وغضب وحسد وکبر جن سے صدورِ معاصی کا ہوتا ہے غالب ہوتی ہیں، تو چاہئے کہ گناہ کوئی چیز ہی نہ ہو، اور بطلان (غلط ہونا) اس کا ظاہر ہے، یہ تحقیق تھی ناگواری کے دونوں سببوں کی، اب اسی تقریر سے ان اسباب کے متعلق جو بات نتیجہ خیز ہے وہ بھی معلوم ہوگئی،

ملکات اور جذبات کی اصلاح تعلیم دین اور تربیت روحانی سے ہوسکتی ہے،

پس امرِ اول کے متعلق، تو وہ بات یہ ہے کہ تعلیم واصلاحِ نفس کی کمی جب سبب ان پریشانیوں کا ہے جن کا واسطہ در واسطہ دور . . . پہنچتا ہے، تو اس کا تدارک سب عقلاء کو متفق ہو کر کرنا چاہئے، مگر یہ جان لینا چاہئے کہ تعلیم وتہذیب سے مراد تعلیمِ دین وتربیت روحانی ہے نہ کہ تعلیم وتہذیبِ جدید کہ اس کو ملکات وجذبات (عادات وخصائل) کی اصلاح میں جس کی کہ ضرورت ہے، کوئی دخل نہیں، چنانچہ ظاہر ہے بلکہ وہ تو اس میں بالعکس مضر ہے، چنانچہ تجربہ شاہد ہے اگر عورتوں کو علمِ دین وحالِ باطنی ہو چکا،

طریقہ ضروریاتِ دین وحالاتِ اہل اللہ پر عبور اور وقتاً فوقتاً ان ناقصات العقل (کم عقل رکھنے والیوں) کے اقوال وافعال پر روک ٹوک کرتے رہنا ہے، تو ان بیہودہ اقوال میں سے ایک قول زبان پر تو کیا قلب میں بھی نہ آنے پائے، اور یوں حزنِ طبعی ہونا عجیب نہیں، تو اگر اس میں اعتدال ہو تو موجبِ اجر ہے، اور صبر کرنے سے بتدریج (آہستہ آہستہ) خود سکون بھی ہو جاتا ہے،

اور امر ثانی کے متعلق وہ بات یہ ہے کہ حالتِ موجودہ میں بدونِ اضطرارِ شدید (بغیر سخت ضرورت) کے جس کا فیصلہ نفس سے نہ کرانا چاہئے، بلکہ عقل سے کرانا چاہئے، بلکہ عقلاء کے مشورہ سے کرانا چاہئے، بدون اضطرار کے ہرگز نکاح ثانی نہ کرنا چاہئے، خصوص پختگیِ سن کے بعد کہ منکوحۂ اُولیٰ کو بعد بے فکر ہو چکنے کے فکر میں ڈالنا ہے، اور جہل اس کا لازمِ حال ہے وہ اپنا رنگ لائے گا اور اس رنگ کے چھینٹے سے نہ ناکح بچے گا نہ منکوحہ ثانیہ بچے گی، خواہ مخواہ دریائے غم میں بلکہ دریائے خون میں سب غوطے لگائیں گے، خصوص جبکہ مرد بھی عالم اور متحمل نہ ہو،

ازواجِ متعددہ والے عموماً ظلم وستم کے معاصی میں مبتلا ہیں،

علم نہ ہونے سے وہ حدودِ عدل کو نہ سمجھ سکے گا، اور تحمل نہ ہونے سے ان حدود کی حفاظت نہ کر سکے گا، اس وجہ سے وہ ضرور ظلم میں مبتلا ہوگا، چنانچہ عموماً ازواجِ متعددہ (کئی بیویوں) والے جور وظلم (ظلم وستم) کے معاصی میں مبتلا ہیں، کیوں کہ حقوق اس تعدد (ایک سے زیادہ ہونے) کے اس قدر نازک ہیں کہ ہر ایک کا نہ وہاں ذہن پہنچ سکتا ہے اور نہ اُن کی رعایت کا حوصلہ ہو سکتا ہے،

تعددِ ازدواج کی صورت میں باہم عدل رکھنے کے چند فقہی مسائل

چنانچہ باوجودیکہ شب کو رہنے میں اور ملبوس وماکول (لباس اور کھانے پینے) میں برابر رکھنے کا وجوب (واجب ہونا) سب جانتے ہی ہیں، مگر اس تک کا اہتمام نہیں، باقی ان مسائل کا تو کون خیال کرتا ہے، کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک بی بی کے پاس بعد مغرب آجاتا ہے اور دوسری کے پاس بعد عشاء، تو اس نے عدل کے خلاف کیا، اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دوسری سے صحبت جائز نہیں، اگرچہ دن ہی ہو، اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دوسری کے پاس جانا بھی نہ چاہئے، اور لکھا ہے کہ اگر مرد بیمار ہو گیا اور اس وجہ سے دوسری کے پاس نہیں جا سکتا اس لئے ایک ہی کے پاس رہا تو بعد صحت کے اتنی مدت دوسری کے پاس رہنا چاہئے، اور دینے لینے میں برابری کرنے کی جزئیات بھی اس قدر دقیق (باریک) ہیں کہ انکی رعایت ہر شخص کا کام نہیں،

تعددِ ازدواج میں عدل نہ ہونے کا احتمال قوی اور غالب ہے

مجھ کو اس قدر دشواریاں اس میں پیش آئیں کہ اگر علمِ دین اور حُسنِ تدبیر حق تعالیٰ نہ عطا فرماتے تو ظلم سے بچنا مشکل تھا، سو ظاہر ہے کہ اس مقدارِ علم اور اس قدر اہتمام کا عام ہونا بعید بلکہ ابعد (زیادہ دور) ہے، نیز ہر شخص کو نفس کا مقابلہ کرنا بھی کارے دارد (مشکل کام)۔ اب تعددِ ازدواج بجز اس کے کہ اضاعتِ حق (حق ضائع) کر کے عاصی (گنہگار) ہو کیا نتیجہ ہو سکتا ہے،

اور یہ تو حقوقِ واجبہ تھے، بعضے حقوق مروّت کے ہوتے ہیں گو واجب نہیں ہوتے، مگر ان کی رعایت نہ ہونے سے دل شکنی ہوتی ہے، جو کہ حقوقِ رفاقت کے خلاف ہے، ان کی رعایت اور بھی دقیق اور غامض ( ) ہے، غرض کوئی شخص ہر وقت کے واقعات و معاملات کے جزئیات کو خیال رکھے اور مستحضر کرے، پھر ان واقعات کے احکام علماء سے پوچھے پھر اُن پر عمل کرے تو نانی یاد آجائے گی، اور تعددِ ازدواج سے توبہ کرے گا، اِلَّآ اَنْ تُضْطَرَّ اِلٰی ذٰلِكَ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ الْقَوِيَّةِ (مگر کوئی شخص کسی قوی سبب سے مجبور ہو وہ مستثنیٰ ہے) اسی لئے حق تعالیٰ نے اجازتِ تعدد کے بعد اس احتمال کو مصرحاً ارشاد فرمایا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً،	"پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو۔"

خود حق تعالیٰ کا اس کو اس طرح فرمانا صریح دلیل ہے کہ یہ احتمال بہت ہی غالب اور قوی ہے، پھر اکتفاء علی الواحدہ (ایک پر کفایت کرنے) کی نسبت اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا فرمانا یہ اس احتمال کی جانب وجود کو جانبِ عدم پر صاف ترجیح دے رہا ہے، اس لئے ع

اگر خواہی سلامت بر کنار است

کا اختیار کرنا اسلم ہے، نتیجۂ مقصودہ جس کو میں بعد ذکر اسباب کے ذکر کرنا چاہتا تھا اور جس پر میں مزید زور دینا چاہتا ہوں، اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ خود کیوں اس مشورہ کے خلاف کیا، بات یہ ہے کہ خلاف کرنے ہی سے یہ مشورہ سمجھ میں آیا، ع

من نکردم شما حذر بکنید

میں نے طبقۂ اناث سے وعدہ کیا تھا کہ میرے فعل کو تم سبب سمجھتی ہو مردوں کی جرأت کا تعددِ ازدواج پر، میں اپنے فعل کے نتائج بتلا کر اس فعل کو سبب بنا دوں گا مردوں کے رُک جانے کا تعددِ ازدواج سے، کیونکہ اس فعل سے مجھ کو تجربہ ہو گیا، اور تجربہ کار کا قول زیادہ ماننے کے قابل؟

پس میں اپنے تجربہ کی مدد سے اپنے احباب اور بھائیوں کو اس تعدّد سے مشورۃً منع کرتا ہوں، اگر میں اگر میں اس تعدّد کو اختیار نہ کرتا تو میرے اس منع کی زیادہ وقعت اس وقت خواہ آپ لوگ نہ کرتے تو بعید نہ تھا، لیکن اب اس ممانعت کی خاص وقعت اور اس ممانعت پر عمل کرنا چاہیے، مگر ساتھ ہی احکامِ شرعیہ میں تحریف نہ کی جائے،

بعض نے آیت فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا (پس اگر تم کو احتمال ہو اس کا کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو) اور وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ (اور تم سے یہ بھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو) میں النساء کو جمع کر کے معنوی تحریف کی ہے، جس کی تفسیر بیان القرآن میں کر دی گئی ہے[1]،

تعدّدِ ازواج اختیار نہ کرنا ہی اسلم ہے،

بہر حال حکم شرعی تو یہی ہے کہ تعدّدِ ازواج میں نکاح تو منعقد ہر حال میں ہو جاتا ہے، خواہ عدل ہو یا نہ ہو لیکن عدمِ عدل (انصاف نہ کرنے) کے وقت گناہ ہوگا، اس لئے اسلم یہی ہے کہ تعدّد اختیار نہ کیا جائے، ایک ہی پر قناعت کی جائے اگرچہ ناپسند ہو،

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء، آیت ۱۹)

"اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دی ہو،"

إِلَّا اضْطِرَارًا استثیتہ من قبل (مگر اضطراری حالت نے اس سے قبل کے بیان میں مستثنیٰ کر دی،

---

[1] یہاں اس تفسیر کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوا، وہو ہٰذا، "بعض ہوا پرستوں نے دنیوی غرض سے آیاتِ الٰہیہ کے مضمون میں تحریف کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت بالکل کثرتِ ازواج کی نفی کر رہی ہے اس طرح سے کہ یہاں فرمایا کہ "جب عدل نہ ہو سکے تو ایک پر اکتفاء کرو" اور دوسری آیت میں فرمادیا کہ "تم سے کبھی عدل ہی نہ ہوگا" وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ، دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ جائز نہیں، فقط، یہ محض مغالطہ باطلہ ہے، کیونکہ دونوں آیتوں میں عدل جدا جدا معنوں میں ہے اس آیت میں تو عدل فی الحقوق الواجبہ ہے، جب حضرت نے تصریح بھی کر دی، اور یہ قدرت میں ہے اور اس کے اعتبار سے واحد اور کثیر کے اختیار میں تفصیل فرمائی ہے اور اس آیت میں عدل فی المحبت ہے، اور وہ عادتاً قدرت میں نہیں، اس لئے اس کی نفی فرمائی، بس اس ہوا پرست کے دعویٰ سے اس کو اصلاً مس نہیں، بلکہ اس آیت میں بعد نفیِ عدل کے ارشاد ہے، فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ جس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ عدل فی المحبت نہ ہو سکے گا، بلکہ قلب کو ایک طرف میلان رہے گا، اور اس میلان پر ملامت نہیں، بالکلیہ میلان تو نہ ہو کہ قلب سے بھی اور معاملات اور حقوق میں بھی، بس دونوں آیتوں کے مجموعہ سے یہ حاصل ہوا کہ عدل فی المحبۃ واجب نہیں عدل فی المعاملہ واجب ہے"، (تفسیر بیان القرآن ص ۱۵۹/۱۲ تاج کمپنی)

حضرت حکیم الامتؒ کے نکاحِ ثانی کے اسبابؒ

آگے آنعزیز لکھتے ہیں کہ بناءِ کار کی بابت معلوم ہوا کہ مشیت پر مبنی تھا اور چند مصلحتیں شرعی تھیں، ورنہ ضرورت کا سوال نہ تھا، عزیزمن یہ دونوں بالکل صحیح ہیں، لیکن عنوان ان کا مجمل ہے، تفصیل نہ ہونے سے محبّین ومعتقدین کے بڑھانیکا احتمال ہے، کیونکہ اس کے یہ معنی سمجھائے جائیں گے، کہ کوئی الہامی حکم ہوا ہوگا، اس وجہ سے اسکو اختیار کیا گیا جو غلو فی نفسہٖ بھی ناپسندیدہ ہے، پھر تلبیس (ملاوٹ) اس میں اور بھی زیادہ مذموم ہے، اس لئے میں نے اصلی حالت کو منکشف (ظاہر) کرتا ہوں،

سب سے اوّل اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ میرا یہ فعل کسی مصلحت کی نیت سے یا کسی اشارۂ غیبیہ پر عمل کرنے کے قصد سے نہیں ہوا، سببِ قریب اس کا محض طبیعت کا تقاضا تھا، گو اس تقاضے میں کسی امرِ عقلی کو دخل ہو، اور گو پھر اس پر بہت سی مصلحتیں بھی مرتّب ہوگئی ہیں، بلا تشبیہ (بغیر مشابہت کے) ایسی مثال جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا بہ قصدِ عطاءِ نبوّت (نبوّت عطاء ہونے کا ارادہ) نہ تھا، آگ کی ضرورت پر طبعی تقاضا تھا، مگر وہاں جانے پر خاص عطاء مرتب ہوگئی،

قصہ اس کا یہ ہے کہ میں نے مدّت ہوئی ایک خواب دیکھا تھا، کہ مجھ سے نکاح کے لئے کہا جارہا ہے میں بطور تردّد کے یہ کہہ رہا ہوں کہ میرے گھر میں کا کیا حال ہوگا؟ تو اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ وہ قرآن شریف پڑھا کریں گی، میں بیدار ہوا تو قرآن شریف پڑھنے کے معنی تو یہ سمجھا کہ یہ مشاغل دنیویہ میں مشغول ہو کر اس غم کو بھول جائیں گی (چنانچہ اس کا سامان بھی ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے) لیکن خواب کو کچھ زیادہ باوقعت نہیں سمجھا، بلکہ اس کے اتباع کا خیال تو کیا کرتا، اس کی کوشش کی کہ ایسا موقع نہ ہو، چنانچہ اپنے بھلبجے سے پہلا نکاح کردیا گیا، اور طبیعت خالی ہوگئی، خدا کی قدرت وہ بیوہ ہوگئی، تو اس کی کوشش کی کہ اس کا کہیں نکاح کردیا جائے، چنانچہ متعدد مواقع پر اس کی تدبیر وتحریک کی گئی، لیکن کہیں سامان نہ ہوا، نیز میں نے بڑی تدبیروں سے اس کو اپنے سے پردہ کرادیا، اپنے مکان میں تدبیر لطیف (نرم تدبیر) سے اس کی آمد ورفت، بود وباش اس قدر کم کرادی کہ قریب قریب منقطع کے کردی، تاکہ وہ احتمال کلیۃً مدفوع ومسدود (ختم اور بند) ہو جائے، نیز میں اس امر کو خود اپنی مصلحت کے خلاف بھی سمجھتا تھا، کہ میرا زمانہ ان باتوں کا نہیں رہا، آزادی کے بعد پابندی سخت امر ہے، اور منکوحۂ اُولیٰ کی مصلحت کے خلاف بھی سمجھتا تھا، کہ اُن کی سخت دل شکنی ودل آزاری بھی ہوگی، اور اس منکوحۂ ثانیہ کی مصلحت کے

خلاف بھی سمجھتا تھا کہ اس کی عمر کو ضائع کرنا ہے، اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا، اس اثناء میں ایک ذاکر صالح کو مکشوف (کشف) ہوا، کہ احقر کے گھر حضرت عائشہ رض آنے والی ہیں، انھوں نے مجھ سے کہا، میرا ذہن معًا اس طرف منتقل ہوا، اس مناسبت سے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا، حضور ؐ کا سن شریف پچاس سے زیادہ تھا اور حضرت عائشہ رض بہت کم عمر تھیں، وہی قصہ یہاں ہے، مگر میں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی، پھر میرے ایک دوست نے ایک بہت بڑے شیخ کامل کو جو اس وقت افادۂ خلائق (مخلوق کو فائدہ پہنچانے) میں مشغول ہیں، خواب میں دیکھا کہ وہ میری آمدنی کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ بتلا رہے ہیں، کہ جس طرح گاہ گاہ میرے ذہن میں بطور احتمال خطور کیا کرتا تھا، کہ اگر ایسا امر ہوا تو آمدنی کو اس طرح تقسیم کیا کروں گا، اور میں نے اس کا کسی سے ذکر بھی نہیں کیا تھا، تو خواب میں وہی طریقہ یا اس کے قریب قریب (مدّت گزرنے سے اچھی طرح یاد نہیں) وہ بزرگ بتلا رہے ہیں، اُن دوست نے جو عالم ہیں مجھ سے ذکر کیا، میں اس سے بھی وہی واقعہ سمجھا، مگر باوجود ان سب منامات و مکاشفاتِ صلحاء (نیک لوگوں کے خواب اور کشف) کے میں نے اس قصہ کو اپنے دل میں زیادہ جگہ نہیں دی، اور اس کی مدافعت (روک تھام) کی کوشش کی، یہاں تک کہ اس رمضان ۱۳۳۴ھ کے نصف کے بعد پھر میں نے خواب دیکھا کہ خواب اوّل سے زیادہ مؤثر (اثر والے) عنوان سے مجھ کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ منکوحۂ اُولیٰ سے ڈر لگتا ہے،

اس خواب کے بعد طبیعت میں وہی تقاضا جو مٹا دیا گیا تھا یا دبا دیا گیا تھا پہلے سے بہت زیادہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا، اور وہ اپنی قوت سے ایسا غالب آیا کہ میں اس کی مخالفت نہ کر سکا، اور سب مصالح و موانع (مصلحتیں اور رکاوٹیں) مغلوب ہوگئے، یہاں تک کہ میں نے ایک عزیز کو اس پیام لے جانے کے واسطے تجویز کیا، اور ان سے ذکر کیا، انھوں نے ایک بڑے شیخ کا جو کہ ظاہری و باطنی افادہ میں بفضلہٖ تعالیٰ مشغول ہیں نام لیا، کہ انھوں نے مجھ سے تصریحًا فرمایا تھا کہ ایسا ہو جانا بہتر ہے مگر لحاظ اس کے اظہار سے مانع رہا تھا اس کو ظاہر کر دیا، چونکہ اہل اللہ کے قلب میں بوجہ نورانی ہونے کے اکثر امر صواب وارد ہوتا ہے، اس سے کسی قدر اپنے خوابوں کا اور دوسرے صلحاء کے مکاشفات وغیرہا کا محض اضغاثِ احلام (پراگندہ خواب) نہ ہونا راجح ہونے لگا، آخر اس عزیز کا پیام لے کر روانہ کر دینا طے کر لیا گیا، ہنوز (ابھی) وہ روانہ نہ ہوئے تھے، میں ایک بار خلوت میں بیٹھا تھا دفعۃً (اچانک) خیال آیا کہ ظاہر میں یہ معاملہ بے ربط سا معلوم ہوتا ہے معلوم نہیں

اس قدر قلب میں اس کا تقاضا کیوں ہی، فوراً ہی قلب میں بیساختہ یہ واقع ہوا کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوطِ جاہ و بدنامی پر جن سے تو اب تک محروم ہے، کیونکہ تیرا جاہ ہر پہلو سے انتہا کو پہونچ گیا ہے پس اس واقعہ میں حکمت یہ ہے کہ تو بدنام ہوگا اور حق تعالیٰ وہ درجات عطا فرما دیں گے، بس یہ تھی وہ مشیتِ خاص جس پر یہ قصہ بھی تھا، اور یہ تھیں وہ خاص مصلحتیں جو اس .... قصہ پر مرتب تھیں،

خلاصہ یہ کہ میری تحریک تو طبیعت کے تقاضے سے تھی، باقی یہ تقاضا خواہ ان واقعات ہی سے ہوا اور پھر اس میں حکمتیں بھی ہوں، غرض وہ پیام منکوحہ کے اور اس کے والدین کے پاس گیا، اس کے والد نے سنتے ہی اپنے خواب اس کے متعلق بیان کرنے شروع کر دیئے، اور بعد نکاح مجھ کو معلوم ہوا کہ پیام سے ایک روز قبل خود اس نے بھی خواب دیکھا تھا، اور وہ پیام باوجود مخالفتِ ... عرف کے نہایت خلوص اور عالی ہمتی سے منظور کر لیا گیا، اتفاق سے منکوحہ کے باپ یہاں آئے تھے، اُن سے درخواست کی گئی کہ مجھ کو رمضان میں سفر سے بچالیا جائے، انھوں نے بوجہ اس کے کہ اس عزیز پیغام رساں کی معیت میں اختیار شرعی حاصل کر لیا تھا نکاح پڑھوا دیا، یہ خبر گھر پہونچی تو ہوا جو کچھ ہوا جس کا اثر قلب پر اس درجہ تھا کہ اس وقت مجھ کو موتِ محبوب معلوم ہوتی تھی، اُدھر گھر میں کا صدمہ نہ دیکھا جاتا تھا، اِدھر کچھ علاج نہ تھا، گھر میں کے ساتھ سختی کرنا اس لئے گوارا نہ تھا کہ ضبط سے اندیشۂ امراضِ صعبیہ (دشوار بیماریوں کا) تھا، اور نرمی سے شکایت کا لب و لہجہ حدِ تہذیب سے گذرا جاتا تھا، ان اسباب سے بے حد تنگی معلوم ہوئی اس وقت دین کی قدر معلوم ہوتی، کہ:-

دل کو سنبھالنے والی چیز سوائے دین کے کچھ نہیں

بجز دین کے کوئی چیز اس وقت دل کو سنبھالنے والی نہ تھی، اور منجملہ اُن مصالح کے جو اس واقعہ میں مضمر (پوشیدہ) تھیں اور بعد میں ظاہر ہوئیں، دین کے اس اثر کا مشاہدہ تھا جو پہلے سے علم الیقین کے درجہ میں تو تھا مگر اب عین الیقین ہو گیا،

حضرت حکیم الامتؒ کو نکاح ثانی سے موت کی محبوبیت نصیب ہونا

ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس کے قبل موت کی محبوبیت کی دولت مجھ کو نصیب نہ تھی، عقلاً گو محبوب تھی، مگر طبعاً محبوب نہ تھی، بلکہ ایک گونہ (ایک طرح) حیات سے دل چسپی تھی، الحمدللہ کہ اس واقعہ سے یہ دولت بھی نصیب ہوئی، اور گو ابتداء اس کی دل تنگی کے سبب ہوئی، مگر الحمدللہ کہ پھر باوجود رفع سبب (باوجود وجہ ختم ہو جانے کے) بھی وہ مسبَّب باقی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھے،

نکاح ثانی سے حضرت حکیم الامتؒ کو آخرت کی رغبت بڑھ جانا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ مجھ کو ثوابِ آخرت سے طبعاً رغبت کم تھی، امتثال اور رادِ الٰہیہ کو جنت سے بھی افضل سمجھتا تھا، مگر اس کے ثمرہ میں

ثواب کا تصور کم ہوتا تھا، صرف رضائے حق وطلبِ نجات مرکزِ خیال تھا، اور اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی تو صورتِ استغناء تھی، الحمدللہ کہ اس کوتاہی کا بھی تدارک ہوگیا، اور تنگی کے پیش آنے کے وقت صرف احکام کے ضروری ہونے کے خیال نے طبیعت میں قوت نہ بخشی، استحضارِ ثواب نے پورا کام دیا، ... والحمدللہ علیٰ ہذہ النعمۃ،

نکاحِ ثانی سے حضرت حکیم الامتؒ کا صبر اور رضا بالقضاء و تفویض الی اللہ کی حقیقت کا مشاہدہ کرنا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ مجھ کو اس وقت تک صبر اور رضا بالقضاء و تفویض الی اللہ (صبر اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے اور اپنے آپ کو حق شانہٗ کے سپرد کرنے) کی حقیقت کا مشاہدہ نہ ہوا تھا، الحمدللہ کہ ان محبوبوں کا جمال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا،

نکاحِ ثانی سے حلم وتحمل کی دولت نصیب ہونا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ حلم وتحمل کا مجھکو ذوق نہ تھا، خداتعالیٰ کا احسان ہے یہ کام بھی مجھ سے بوجہ احسن (اچھے طریقہ سے) لیا گیا جس سے آئندہ بھی کام لے سکنے کی امید توکلاً علی اللہ رکھتا ہوں،

نکاحِ ثانی سے رسمِ جاہلیت کا ابطال ہونا

ایک مصلحت یہ بھی ہوئی کہ رسمِ جاہلیت کا ابطال ہوگیا،

نکاحِ ثانی سے تعددِ ازواج کی حکمتوں کا انکشاف

اسی ضمن میں خود تعددِ ازواج کی بعض حکمتیں بھی ظاہر ہوئیں، مثلاً صفتِ عدل کا استعمال بطرزِ عجیب، تفصیل اس کی یہ ہے کہ آدمی کسی پر حاکم ہی نہ ہو یا حکومت سے استعفاء دیدے، اس کو اس صفت کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، دوسرے یہ کہ حاکم ایسے لوگوں پر ہو جن کے ساتھ استعمالِ عدل میں سیاست وضابطہ کا برتاؤ کرسکے، یہ بھی آسان ہے، اس لئے کہ اس شخص کو صرف ایک حکومت کا حق ادا کرنا پڑتا ہے جس میں کوئی امر مزاحم (روکنے والا) نہیں،

دو بیویوں کے مابین عدل کرنا سلطنت میں عدل کرنے سے مشکل ہے،

بخلاف صاحبِ ازواجِ متعددہ کے، کہ اس کے ماتحت ایسے دو محکوم ہیں جو اس کے محبوب بھی ہیں، اور اس محبوبیت کے سبب ایک درجہ میں معنیً اس پر حاکم بھی ہیں، پھر محکوم بھی کیسے جن میں انصاف وعدل کرنا صرف اسی حالت کے ساتھ خاص نہیں جبکہ ان دونوں میں جھگڑا واقع ہو بلکہ اگر وہ خود بھی نہ جھگڑیں تب بھی اس حاکم پر ہر وقت کے برتاؤ میں ان میں برابری رکھنا واجب ہے، پھر جب جھگڑا پڑے اس وقت یہ کشاکشی ہوگی کہ اُن کی محکومیت کے حق ادا کرتا ہے تو محبوبیت کے حقوق فوت ہوتے ہیں،

ان دونوں کا جمع کرنا جمع بین الاضداد (مخالف چیزوں کے جمع ہونے سے) کم نہیں، اور نہایت ہی عقل اور دین کی اس میں ضرورت ہے، کوئی کرکے دیکھئے تو معلوم ہو، اور اگر حکومت سے سبکدوش (علیحدہ) ہونا چاہئے تو وہ اس لئے مشکل ہے کہ حقیقت اس کی زوجیت کو قطع کرنا ہے، سو اوّل تو زوجیت کا یہ فطرۃً بھی محتاج، دوسرے محبوبیت سے استغنا، تیسرے شریعت اس کو مبغوض ٹھہرا رہی ہے، پھر اس اجلاس کا کوئی وقت نہیں، ہر وقت اس کے لئے آمادہ رہنا چاہئے، پھر استغاثہ (دعویٰ کرنے) کا انتظار نہیں، ورنہ خود دست اندازی لازم، تو جو شخص اس نازک موقع پر عدل کو استعمال میں لے آیا وہ اعلیٰ درجہ کا عادل ہوگا، اور دوسری جگہ اس صفت سے کام لینا اس کو بالکل پانی ہوجائے گا، اور مثلاً اس کی قدر بڑھ جانا کہ جس طرف جاتا ہے اس طمع میں کہ مجھ سے اس کو زیادہ التفات ہو، اسکی بہت قدر کی جاتی ہے، خاص طور سے خدمت کی جاتی ہے بشرطیکہ دونوں زوجہ (بیویوں) میں نری شیطنت نہ ہو، ورنہ مجاہدۂ عظیمہ (بہت بڑا مجاہدہ) ہے، کہ یہ بھی ایک مصلحتِ عظیمہ ہے تعدّد کی، مثلاً صحت کا اچھا ہونا، کیونکہ ہر یوم میں ایک جدید چیز اس کو میسر ہے، اور جدّت کے لئے نشاط اور نشاط کے لئے درستیِ صحت عادۃً لازم ہے،

تعدّدِ ازدواج کی ایک مصلحت زیادتِ تعفیف ہے

اور ایک مصلحت تعدّد میں زیادتِ تعفیف (پاکدامنی) ہے، اور بھی مصالح متعدّدہ (بہت ساری مصلحتیں) اس تعدّد میں ظاہر ہوئیں، مگر یہ مصالح ان خطرات و خلجانات (وساوس و شبہات) مذکورہ سابقہ کے ساتھ ایسے ہیں جیسے جنت کے رستہ میں پُل صراط کہ بال سے باریک تلوار سے تیز، جس کو طے کرنا سہل کام نہیں، اِلَّا مَنْ یَّسَّرَ اللہُ تَعَالیٰ، اور جو طے نہ کرسکا وہ سیدھا جہنم میں پہنچا، اس لئے ایسے پُل پر خود چڑھنے کا ارادہ نہ کرے بقول سعدیؒ ؎

بدریا در منافع بے شمار است ؏ وگر خواہی سلامت برکنار است

(دریا کے منافع بے شمار ہیں، مگر سلامتی اسی میں ہے کہ کنارے پر ہی رہو!!!!)

ان خطرات و مہالک کو عبور کرنے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ ارزاں نہیں ہیں، دین کامل، عقل کامل، نورِ باطن، ریاضت سے نفس کی اصلاح کر چکنا و مثل ذلک، چونکہ یہ مجموعہ شاذ ہے، اس لئے تعدّدِ ازدواج میں پڑنا یا اپنی دنیا برباد و تلخ کرنا ہے، اور یا آخرت و دین کو تباہ کرنا ہے

ہرگز بگندم گوں لا تقربا کہ زہر است ؏ حالِ پدر بہ یاد از اُمّ الکتاب دارم

(حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ گندم کے قریب نہ جاؤ کیونکہ یہ زہر ہے، میں اپنے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کا حال لوح محفوظ سے یاد رکھتا ہوں!!)

سقوطِ جاہ اور بدنامی میں بہت سے درجات موقوف ہیں،

خلاصہ یہ کہ کچھ مصلحتیں خاص اس نکاح میں ظاہر ہوئیں، جو پہلے سے قلب میں واقع ہوئی تھیں، جن کو مختصراً میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوطِ جاہ پر الی قولہ توکلاً علی اللہ رکھتا ہوں، اور کچھ مصلحتیں مطلق تعددِ ازواج میں ظاہر ہوئیں، ان مصالح میں سے مصلحت سقوطِ جاہ کی بہت مجمل مذکور ہوئی، اب اس کی کسی قدر تفصیل کرتا ہوں، کیونکہ اعظم مصالح اس واقعہ میں یہی ہے،

سو بیان اس کا یہ ہے کہ واقعی بدنامی اور ملامت واقعہ میں اس قدر ہوئی کہ شاید تمام عمر بھی اگر میں خدانخواستہ واقعی عیب کرتا تب بھی اس قدر نہ ہوتی، اس واقعہ کے تین مواقع تھے، ہر موقع پر میری قسمت میں یہ دولت لکھی تھی، چنانچہ اول موقع نکاح کا تھا، اس میں جو کچھ ہوا اس کا مختصر بیان بضمن اقوالِ جہلاء کے اوپر کر چکا ہوں، دوسرا موقع یہ ہوا کہ جب گھر کے لوگوں پر زیادہ صدمہ دیکھا اور اندیشہ ہوا کہیں زیادہ نوبت نہ پہونچے، ادھر اپنے قلب کو تحمل سے عاجز پایا، آخر تنگ آکر ایک مختصر مجمعِ احبابِ عقلاء سے مشورہ کر کے اس جدیدہ کو قطعِ تعلق بواحدۃ صریحہ (ایک طلاق صریح ذکر قطع تعلق کرنے) کا مضمون اسی عزیز کے ہاتھ جو نکاح کا پیام لے کر گئے تھے لکھ بھیجا، اس فعل سے گھر میں مجھ کو روکا بھی، مگر میں نے یہ سمجھا کہ بدون اس کے اس مصیبت کا کوئی علاج نہیں،

اُدھر میں مردوں سے مشورہ کر چکا تھا، عورت کی رائے کو میں نے ناقص سمجھ کر بھی عمل نہ کیا،

اس تحریر و پیام کا جو اثر دوسری طرف ہوا، اس کو سُن کر دوسرا صدمہ پہنچا، مگر بجز برداشت کرنے کے اس کا کوئی علاج میرے ہاتھ میں نہ تھا، اب یہ دوسرا موقع ہوا بدنامی و ملامت کا۔ کسی نے کہا خواہ مخواہ دل شکنی کی، کسی نے کہا بیوی سے اتنا دبنا نہ چاہئے، کسی نے کہا یہ جائز کہاں تھا، اول موقع پر عوام نے زیادہ بدنام کیا تھا، اس دوسرے موقع پر اہلِ فہم (سمجھدار لوگوں) نے زیادہ بدنام کیا،

اب تیسرا موقع سب سے زیادہ عجیب ہوا کہ جب وہ عزیز پیام پہنچا کر واپس آگئے، تو اب منکوحۂ اُولیٰ کو یہ خیال غالب ہوا کہ افسوس میرے سبب انھوں نے اپنے ایک رغبت کے معاملہ کو قطع کیا اب ان کو عمر بھر قلق و رنج رہے گا، اور مجھ کو سخت شرمندگی رہے گی، اور لوگ بھی یہ سمجھیں گے کہ اس کے سبب ایسا ہوا، غرض ان خیالات نے اس قدر غلبہ کیا کہ اصل واقعہ سے زیادہ صدمہ کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور ارادہ کیا کہ اب میں خود جا کر پھر نکاح کی تجدید (نئے سرے سے نکاح کرنے) میں کوشش کر دوں، میں نے انجام سوچ کر ہر چند منع کیا، اپنے ایک مخلص دوست صالح عالم سے

بطور وعظ کے فہمائش بھی کرائی، مگر اُن کا یہ خیال قوی ہوتا گیا حتیٰ کہ خود وہاں جاکر سب کو راضی رضا کرکے مجھ کو یہاں سے بلاکر تجدید کرادی، اس تجدید میں قوی قوی رکاوٹیں پیش آئیں، کہ جن میں بعض کا مجھ پر بار ڈالنے کی تجویز بھی تھا جس کو میں برداشت کرنا پسند نہ کرتا تھا، اور بد دن اس کے ظاہراً تجدید دشوار تھی، اس وقت بیساختہ میرے قلب میں آیا کہ اب تک تو منامات و مکاشفات (خوابوں اور کشفوں) سے احباب استدلال (دلیل دیا) کرتے تھے، کہ یہ من الغیب (غیب سے) ہے، مگر میرے قلب میں ان چیزوں کا زیادہ اثر نہ تھا اب میں اس کے من الغیب ہونے نہ ہونے پر اسی سے استدلال کرتا ہوں، کہ میں کسی شرط زائد کو قبول نہ کروں گا، اگر پھر بھی اس کا وقوع ہوگیا تو میں من الغیب سمجھوں گا، ورنہ اس بار سے بچا رہوں گا،

چنانچہ باوجود اس کے حق تعالیٰ نے سب کے قلوب کو دفعۃً (اچانک) بدل دیا کہ سب شرطیں محذوف (ختم) ہوگئیں، اور تجدید ہوگئی، مزاحمات کا اس طرح بلاکوشش دفع ہوجانا میرے نزدیک ایک باوقعت دلیل ہے، اور اس سے بڑھ کر دلیل خود مزاحم کا کوشش کرنا یعنی منکوحۂ اُولیٰ کا اس طرح سعی کرنا ہے، اب اس سے ان منامات و مکاشفات کا صدق راجح ہوتا ہے،

یہ تیسرا موقع تھا اس میں بھی بے حد ملامت کی گئی، کسی نے کہا طلاق کے بعد بلا حلالہ تجدید کہاں جائز ہے، کسی نے کہا واحد صریحہ (ایک صریح طلاق) میں تجدید کی کون حاجت تھی، کسی نے کہا بس مسئلے مولویوں کے قبضہ میں ہیں، جس چیز کو دل چاہا اس کو درست کرلیا، کبھی نکاح کو کبھی طلاق کو وغیر ذلک من الجہالات،

غرض تینوں موقعوں پر مختلف عنوانات سے اطراف و نواح میں آگ لگنے کا سا غل تھا کہ جس کو دیکھئے یہی قصہ یہی چرچا، دکانوں پر یہی تذکرہ، نشستگاہوں (بیٹھکوں) میں یہی مشغلہ، کوئی میرے احباب کو چھیڑتا ہے، کوئی احباب ہونے کے دعوے کے بعد شبہات و اعتراض کرکے اپنے دوست ہونے کا ثبوت دیتا ہے،

> نکاح ثانی میں حضرت حکیم الامتؒ کی بفضلِ تعالیٰ اضطراراً موافقت سنت کی بہت سی باتیں ہوئیں،

ان کے مقابل اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت اہلِ فہم کی بھی قائم کردی، جو ان سب واقعات کو سنت کے موافق سمجھ رہے تھے اور ان کی محبت زیادہ بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ سب سے پہلا واقعہ خواب کا تھا، اس میں سنت کی موافقت یہ ہوئی، کہ اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت ایک حریر کے ٹکڑے پر دکھلائی گئی، کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں دوسرا واقعہ بھانجے کی بیوی سے نکاح کرنے کا تھا، اس میں سنت کی موافقت یہ تھی کہ اسی طرح

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے جو آپؐ کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) کی بیوی تھیں اُن کے طلاق دینے کے بعد نکاح فرمایا، تیسرا واقعہ وہ تھا جو جہلاء کے اقوال میں یہ قول نقل کیا گیا کہ ابھی معلوم ہوتا ہے ان میں پہلے سے ساز باز ہوگا، اسی طرح نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا گیا تو بہ توبہ حضرت زینبؓ پر عاشق ہوگئے تھے، استغفراللہ،

چوتھا واقعہ تفاوتِ عمر میں نکاح تھا، اس میں موافقت سنت کی یہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر میں اور حضرت عائشہؓ کی عمر میں اس سے زیادہ تفاوت تھا، پانچواں واقعہ منکوحہ اُولیٰ کی دل جوئی کیلئے ثانیہ کو جواب دیدینے کا تھا، اس میں سنت کی دو موافقتیں ہوئیں، ایک وجہ اس آیت میں مذکور ہے :۔

يَاۤ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ
(التحریم، آیت ۱)

"یعنی اے نبیؐ! جس چیز کو اللہ نے آپؐ کے لئے حلال کیا ہے آپؐ (قسم کھاکر) اس کو اپنے اوپر کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے"،

دوسری وہ جو اس آیت کا شانِ نزول ہے :۔

يَاۤ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۤءَ (الطلاق، آیت ۱)

"یعنی اے پیغمبرؐ (آپؐ لوگوں سے کہدیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو"،

یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو آپؐ نے ایک طلاق دیدی تھی، پھر بحکم الٰہی آپؐ نے رجعت فرمائی، کذا فی الدر المنثور عن ابی حاتم وابن المنذر،

چھٹا واقعہ تجدیدِ نکاح کا تھا، اس میں سنت کی موافقت ابھی مذکور ہوئی، کہ حضرت حفصہؓ سے بعد طلاق کے رجعت فرمائی تھی،

ساتواں واقعہ مہر کے خفیف (کم) ہونے کا تھا، اس میں موافقتِ سنت قولاً و عملاً ظاہر ہے غرض اہلِ فہم کو خدا تعالیٰ نے اس طرح سمجھا دیا، میں یہ جھوٹا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے یہ سب کام اتباعِ سنت کی نیت سے کئے ہیں، بلکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ اضطراراً سنت کی موافقت ہو جاتی ہے، جس سے زیادہ برکت کی امید ہوتی ہے، چنانچہ امید برکت کی مزید تائید دو واقعوں سے اور ہوتی ہیں، ایک یہ کہ اس واقعہ کی خبر سُن کر ایک شیخ کامل نے جس کا میں نے اوپر اس عنوان سے

ذکر کیا ہے کہ اس وقت افادۂ خلائق میں مشغول ہیں، مجھ کو خط لکھا، اس میں یہ تھا کہ حق تعالیٰ اس عقد کو موجب ترقی درجاتِ سامیہ (بلند درجات کی ترقی کا سبب) فرمائے،
دوسرا یہ کہ ایک دوسرے شیخ کامل نے جن کا میں نے اوپر اس عنوان سے ذکر کیا ہے کہ ظاہری و باطنی افادہ میں بفضلہ تعالیٰ مشغول ہیں میری اس درخواست کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس میں برکت فرمادیں، یہ فرمایا کہ ہم کو تو برکات کی توقع ہے،
بس یہ خلاصہ ہے مضمونِ مشیت اور مصلحتوں کا جس کا بناء کار معلوم ہونا آنعزیز نے لکھا ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے نکاحِ ثانی اولاد ہونے کے خیال سے نہیں کیا،

اسی سے آنعزیز کے اس سوال کا جواب بھی نکل آیا، کہ اس زمانہ میں جب تمام اعزّا کی تمنا تھی کہ اولاد ہو اور اس کے سبب زور دیا کہ نکاحِ ثانی ہو جائے، تو آپ نے نہ مانا جب اس کی عمر تھی، اور طبعاً اولاد کی خواہش ہو گی، لیکن وہ زمانہ گذر گیا، تو اب کیا وقت تھا، تقریر جواب کی ظاہر ہے کہ اس وقت بھی میں نے اولاد کے خیال سے نہیں کیا، اور نہ اقتضائے عمر (عمر کے تقاضا) سے کیا، اسباب مذکورۂ بالا سے طبیعت میں ایک قوی تقاضا پیدا ہوا جس میں بلا قصد (بغیر ارادہ کے) بہت سے دقیق مصالح بھی پیدا ہو گئے، اور عجب نہیں کوئی اولاد بھی ہو جائے، چنانچہ میں نے اس تقاضہ کے قلب میں آنے کے وقت دعائے استخارہ کے ساتھ دینی کتابوں سے تفاؤل (نیک فال کا حصول) بھی کیا، گو میں تفاؤل کو مؤثر نہیں سمجھتا، اور نہ ایسا سمجھنا جائز ہے، مگر محض تقویتِ رجاء (تقویتِ امید) کے لئے تفاؤل چند بار کیا، اس آیت کا مضمون ہر بار میں نکلا:-

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (الانبیاء: آیت ۸۹)

"اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو (یعنی مجھ کو فرزند دیدیجئے کہ میرا وارث ہو) اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں"

واللہ اعلم، اتفاقی بات ہے، یا اشارہ ہے عطاءِ اولاد کی طرف، چنانچہ اس کے بعد کی تحریر میں آنعزیز کو اس بات کا احساس ہو گیا چنانچہ لکھا ہے، لیکن ان شرعی مصلحتوں اور حکم خداوندی کی باریکیوں کو دنیاوی امور پر ترجیح دینا بڑا کام ہے جو دنیاداروں سے اور خاص کر مستورات سے ممکن نہیں، چنانچہ اس میں احساسِ جواب کے ساتھ دنیاداروں اور مستورات کی ایک درجہ میں معذوری بھی بیان کی ہے، اس کی نسبت یہ ہے کہ درجۂ حال میں ترجیح دینے کا کسی کو مکلف بھی نہیں بنایا، یہ تو ایک موہبتِ الٰہیہ (اللہ تعالیٰ کی عطاء) ہے جس کو عطا ہو،

حدودِ شرعیہ میں قولاً و فعلاً تجاوز نہ کرنے کا سبب کو حکم ہے،

لیکن اس قدر کاسب کو مکلف بنایا ہے کہ حدودِ شرعیہ سے قولاً و فعلاً تجاوز نہ کریں، اور تجربہ سے ثابت ہے کہ اس تحفظِ حدود میں حق تعالیٰ نے یہ اثر دیا ہے کہ حزن و تشویشِ طبعی (طبعی فکر و غم) بھی اس قدر ضعیف ہو جاتا ہے کہ بالکل کالعدم ورنہ وہ کمبخت برابر ہی تازہ ہوتا چلا جاتا ہے، جہلاء اس نکتہ کو نہیں سمجھتے اور تجاوز عن الحدود (شرعی حد سے بڑھنے) کو اپنے مرض کا علاج سمجھتے ہیں، جو ان اشعار کا مصداق ہوتا ہے ؎

ہرچہ کردند از علاج واز دوا ٭ رنج افزوں گشت و حاجت ناروا
بے خبر بودند از حالِ دروں ٭ استعیذ اللہ مما یفترون
گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند ٭ آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

(یعنی ہر قسم کی دوا اور علاج کیا مگر ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، وہ باطنی حال سے غافل ہیں، اللہ کی پناہ جو وہ جھوٹ بولتے ہیں، کہا کہ انھوں نے ہر قسم کی دوا دارو کی ہے مگر اس بیماری کو ختم نہیں کیا، (گویا طبیبوں کے نزدیک یہ مرض لاعلاج نہیں ہے)۔"

حضرت حکیم الامتؒ کا نکاحِ ثانی سے اہلیہ کو مطلع نہ کرنے کا سبب

آگے آنعزیز نے لکھا ہے تاہم جس قدر حالات (نام عزیزے) کی تحریر سے معلوم ہوئے، "میری ناقص رائے میں اتنی کسر (کمی) رہ گئی کہ ان امور کو اول اگر بھابی صاحبہ کے سامنے پیش کر دیا جاتا تو شاید اُن کو اتنا خیال نہ ہوتا، اب جو ہونے والا تھا ہو گیا، آس کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان واقعات کی جو کہ بنا بکار ہیں اُن کو خبر دی جاتی، سو یہ تو میں چند موقعوں پر کرتا رہا جس کا اُن پر ہمیشہ گہرا اثر ہوا، کیا میں نے ان سے اپنا پہلا خواب کہہ دیا تھا، ایک بزرگ کا مکاشفہ متعلق مضمون حضرت عائشہ رضؓ وہ بھی کہہ دیا تھا، باوجودیکہ انھوں نے تعبیر میں میرے ساتھ اختلاف کیا، مگر پھر بھی اُن پر کئی کئی ماہ تک اثر رہا جس کو دیکھ کر میں نے سچی بات دل کی کہدی کہ میرا اس وقت تو بالکل آئندہ کیلئے بھی ارادہ نہیں، یہانتک کہ میں نے کہا لاؤ میں عمر بھر کے لئے ایسی قسم کھا لوں کہ نکاح ہی نہ ہو سکے، لیکن مجھ کو تقدیر کی خبر نہیں نہ یہ میرے قبضہ میں ہے، کہ حق تعالیٰ نے اگر دل کو بدلنا ہے تو بدلنے نہ دوں، انھوں نے ایسی قسم کھانے سے اسی بنا پر ہمیشہ منع کیا، کہ خدا جانے تقدیر میں کیا لکھا ہے، بہرحال اُن کو یہ احتمال ہمیشہ ستاتا رہا، اور میں اپنے ارادہ کے موافق اطمینان دلاتا رہا اور واقعی میرا ارادہ کوسوں بھی نہ تھا، اور اگر یہ مطلب ہو کہ ارادہ ہونیکے بعد ان کو ارادہ کی اطلاع نہ کی، اور بہت سے اہل الرائے بھی

یہ کہتے ہیں، سواس میں میرا یہ خیال ہوا، اب خواہ وہ غلط ہو یا صحیح کہ یہ قیامت تک موافقت نہ کریں گی اور صریح مخالفت (کھلی مخالفت) کے بعد پھر مجھ کو مناسب نہ ہوگا، کہ اسمیں زیادہ دل شکنی ہے، اور اگر بلا اطلاع کر لیا تو آخر مجبور ہو کر ساکت و ساکن (خاموش) ہو جائیں گی، بس اس خیال سے میں نے اپنے ارادہ کی اطلاع نہیں کی، اور بعد کے واقعہ تجدید سے تو یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ اطلاع تو کیا معنیٰ اگر مشورہ و اجازت بھی حاصل کر لیتا تب بھی کچھ نفع نہ ہوتا، چنانچہ خود سعی کرنا تو مجھ کو اجازت دینے سے بڑھ کر اس رضاء و سکون میں مؤثر ہے، مگر کوئی اس کا اثر ظاہر نہیں ہوا، اب تو آنعزیز کا یہی جملہ تسلّی بخش ہو سکتا ہے کہ جو ہونے والا تھا ہو گیا، اس کے ساتھ اتنے اضافہ کی اور ضرورت ہے کہ دعاء والتجا آخیر علاج ہے اور اکسیر علاج ہے،

آنعزیز نے اپنی محبت سے لکھا ہے "لیکن مجھ کو اس کا صدمہ ہوتا ہے کہ جب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ کے عیش و آرام میں فرق پڑ گیا۔"	یُہْدِ قَلْبَہٗ کے بعد پریشانی اور رنج و غم کہاں؟

یہ آنعزیز کی محبت کا مقتضا ہے اور ہونا بھی چاہئے، اور حقیقی بھائی کے ساتھ تو کیوں نہ ہوتا، ہر نوعی بھائی کے ساتھ ہونا چاہئے ؎

چو از محنتِ دیگراں بے غمی ؛ نشاید کہ نامت نہند آدمی

"یعنی اگر دوسروں کے رنج و غم سے تم بے خبر ہو تو مناسب نہیں کہ تمھارا نام آدمی رکھیں"

مگر میں آنعزیز کو بے فکر اور مطمئن کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس عیش سے زیادہ مجھ کو عیش عطا فرمائی، یعنی وہ عیش دنیا کا تھا اور واقع میں مجھ کو اس سے ایک گونہ دلچسپی ہو گئی تھی، اور کبھی کبھی سوچ کر ڈرتا تھا کہ خدا نہ کرے اس آیت کا مضمون تو مجھ پر صادق نہیں آنے لگا:۔

رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا (یونس آیت ۷)

"اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے (اور آخرت کی فکر اصلا نہیں کرتے) اور اسی میں جی لگا بیٹھے، (آئندہ کی کچھ فکر نہیں)"

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان واقعات نے اس حدیث کے معنی سمجھا دیئے،

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ

"اے اللہ آخرت کے عیش کے سوا کوئی عیش نہیں"

اوّل اوّل ذرا جی گھبرایا مگر حق تعالیٰ نے دکھلا دیا ؎

درد از یار ست و درماں نیز ہم ؛ دل فدائے او شد و جاں نیز ہم[۱]

---

[۱] "درد دوست کی طرف سے ہے اور اس کا علاج بھی انہی کے پاس ہے، دل و جان اس پر قربان ہو"

اور اس آیت کے معنی دکھلا دیتے ،

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ ط

(التغابن آیت ۱۱) "کوئی مصیبت بدونِ حکمِ خدا کے نہیں آتی ، اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو صبر و رضا کی راہ دکھاتا ہے "۔

بس یَہْدِ قَلْبَہٗ کے بعد پریشانی کہاں ، کہاں رنج و غم ، باقی طبعی اثر خفیف (ہلکا) سا کسی وقت ہو وہ پریشانی نہیں ، دوسرے اس سے کوئی خالی نہیں ، تیسرے وہ خود علاج ہے بہت سے امراض کا جن میں نفوس عامۃً مبتلا ہیں ، اس حیثیت سے وہ سب رحمت ہیں ، اس لئے میں الحمدللہ پہلے سے زیادہ عیش میں ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ اب تو ظاہراً بھی سکوت و سکون بڑھتے رہنے سے پہلے رنگ کا عیش بھی مع شئے زائد کے عود (واپسی) کرتا آتا ہے ،

خط کے جواب میں مکمل رسالہ لکھنے کا سبب

آگے آنعزیز کے خط کے خاتمہ کا جملہ ہے : " اس لئے اپنے اطمینانِ خاطر کے لئے میں التجا کرتا ہوں کہ اپنے قلم سے اس کے مفصل حالات تحریر فرمائیں ، زیادہ نیاز مند ، فقط " میری بدنی حالت اس وقت بوجہ نقاہت (کمزوری) کے اتنی تفصیل کی متحمل (برداشت کرنے والی) نہ تھی ، نیز واقعات کے ساتھ علوم کا منضم (شامل) کرنا شاید یہ بجائے تفصیل کے تطویل (طویل) ہونا معلوم ہو ، مگر آنعزیز کے تعلق طبیعت و اثر محبت نے قلب میں ایک جوش پیدا کر دیا ، جس سے جو بیساختہ قلم میں آتا گیا ، پھر اس مجموعی مضمون کی نافعیت (فائدہ مند ہونے) پر نظر کر کے کہ اس کو ایک رسالہ قرار دے کر اس کا ایک با دلالت نام بھی رکھ دوں ، چنانچہ یہ نام خیال میں آیا : " الخطوبُ المذیبہ للقلوب المنیبہ " یعنی وہ واقعات جو خدا کی طرف رجوع ہونے والے قلب کو گداختہ اور نرم کر دیں ،

تعددِ ازواج سے بچنے ہی میں سلامتی ہے

اب میں اپنے اس خط کو ایک مناسب مقام و مفید دستور العمل پر ختم کرتا ہوں ، جس کے تین جزو ہیں ، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تو میں اصل خط میں مشورہ دے چکا ہوں کہ تعددِ ازواج ایک پُرخطر مسلک ہے ، جس طرح قضاء یعنی حکومت کے قبول کرنے میں حدیث میں نہایت تہدید (دھمکی) ہے ، یہ بھی اس سے کم نہیں ، بلکہ میں نے جو اس کی مصلحت حصول صفتِ عدل کے متعلق بیان کی ہے ، اس سے یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ بعض وجوہ سے یہ قضاء بھی اشد ہے ، جب اس سے تحذیر (ڈرنے کا حکم) وارد ہے تو اس کی جرأت کب زیبا ہے اور مکرر کہتا ہوں کہ میرے اختیار کرنے سے دھوکہ نہ کھایا جائے اس اختیار کرنے سے تو پورا پتہ چلا ہیں

ع من نکردم شما حذر بکنید

لیکن جو شخص اس مشورہ سے قبل اس زنجیر میں بندھ چکا ہو اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے پورے حقوق ادا کرے، اس طرح ان متعدد بیبیوں پر بھی واجب ہو کہ نفس کا اتباع چھوڑ کر شریعت کو اپنا رہبر بنائیں، احکامِ شرعیہ کی تفصیل تو علماء کی مراجعت سے معلوم کرنا چاہئے، اس مقام پر میں مشورہ کے درجہ میں ایک دستور العمل جو بعد تفصیل کے تین دستور العمل ہیں تینوں شخصوں کے لئے لکھتا ہوں :۔

پہلا دستور العمل شوہر کے لئے

(۱) ایک بی بی کا راز دوسری سے نہ کہے، (۲) دونوں کا کھانا اور دونوں کا رہنا الگ الگ رکھے، ان کا اجتماع آگ اور بارود کے اجتماع سے کم نہیں (۳) ایک سے دوسری کی شکایت ہرگز نہ سنے (۴) ایک کی تعریف دوسری سے نہ کرے (۵) غرض ایک کا تذکرہ نہ دوسری سے کرے نہ دوسری سے سنے، اگر ایک شروع بھی کرے فوراً روک دے کہ اور کچھ بات کرو (۶) اگر ایک دوسری کی کوئی بات پوچھے ہرگز نہ بتلائے، مگر خشونت (سختی) نہ کرے، لطف سے منع کردے (۷) دینے لینے میں یہ شبہ نہ ہونے دے کہ ایک کو زیادہ دیدیا ہو، اس کو صاف صاف ظاہر کردے (۸) باہر سے آنے والی عورتوں کو سختی سے روکے کہ وہ دوسری جگہ کی حکایات یا شکایات بیان نہ کریں (۹) اور نہ خوشامد میں ایک ساتھ کم محبتی کا دعویٰ دوسری کے سامنے کرے (۱۰) اگر موقع ہو ایک سے ایسی روایت کردے کہ دوسری تمہاری تعریف کرتی تھی (۱۱) لطف سے اس کی تدبیر ہو سکے تو مفید ہو کہ ایک دوسری کے پاس ہدیہ وغیرہ بھی بھیجا کریں،

دوسرا دستور العمل منکوحۂ قدیمہ کے لئے

(۱) جدیدہ پر حسد نہ کرے (۲) اس پر طعن و تشنیع نہ کرے (۳) بہ تکلف جدیدہ کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے، تاکہ اگر اس کے دل میں محبت نہ ہو تو عداوت بھی نہ ہو، (۴) شوہر سے کوئی ایسی بے تکلف گفتگو نہ کرے کہ شوہر کو اس جدیدہ کے سامنے اس کا ہونا اس لئے ناگوار ہو کہ اس کو یہ احتمال ہو کہ یہ جدیدہ بھی ایسی بے تمیزی نہ سیکھے، (۵) شوہر سے جدیدہ وغیرہ کا کوئی عیب بیان نہ کرے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کی عیب گوئی خصوص رقیب کی زبان سے پسند نہیں کرتا، (۶) جدیدہ سے ایسا برتاؤ رکھے کہ اس کی زبان اس قدیمہ کے سامنے ہمیشہ بند رہے (۷) شوہر کی اطاعت و خدمت و ادب میں اور بیشی (اضافہ) کردے تاکہ اس کے دل سے نہ اُتر جائے (۸) اگر شوہر سے ادائے حقوق میں کچھ کمی بھی ہو جائے تو جو کمی حدِ تکلیف تک نہ پہنچے اس کو زبان پر نہ لائے، اور اگر حدِ تکلیف تک ہو تو جس وقت مزاج خوش پائے ادب سے عرض کردے،

(۹) جدیدہ کے اعزہ (رشتہ داروں) سے خوش اخلاقی ومدارات (حُسنِ سلوک) کا برتاؤ رکھے کہ جدیدہ کے دل میں گھر ہو (۱۰) گاہ گاہ (کبھی کبھار) اپنا دن جدیدہ کو دیدیا کرے، تاکہ شوہر کے دل میں قدر بڑھے،

تیسرا دستور العمل منکوحہ جدیدہ کے لئے

(۱) قدیمہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جیسے اپنے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں، (۲) شوہر پر زیادہ ناز نہ کرے اس گمان سے کہ میں زیادہ محبوب ہوں خوب سمجھ لے کہ قدیمہ سے جو تعلقات رفاقت ہیں جو کہ دل میں جاگزیں ہو چکے ہیں، یہ نفسانی نیا جوش اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا (۳) شوہر سے خود جدا رہنے کی درخواست نہ کرے (۴) اگر شوہر جدا رکھنے لگے تب بھی گاہ گاہ قدیمہ سے ملنے جایا کرے، قدیمہ کو دعوت وغیرہ کے لئے بلالیا کرے (۵) شوہر کو سمجھاتی رہے کہ قدیمہ سے بے پروائی نہ کرے (۶) اگر قدیمہ کچھ سختی یا طعن وغیرہ کرے تو اس کو ایک درجہ میں معذور سمجھ کر معاف کردے، اور شوہر سے تو ہرگز شکایت نہ کرے (۷) قدیمہ کے عزیزوں کی خوب خدمت کرے (۸) قدیمہ کی اولاد سے بالخصوص ایسا معاملہ رکھے کہ قدیمہ کے دل میں اس کی محبت وقدر ہو جائے (۹) ضروری امور میں قدیمہ سے مشورہ کرتی رہے کہ اس کے دل میں قدر بھی ہو اور اس کو تجربہ بھی زیادہ ہے (۱۰) اگر اپنے میکے میں جائے قدیمہ سے خط وکتابت بھی رکھے،

اشعار:-

ما نصیحت بجائے خود کردیم　　روزگارے دریں بسر بردیم

گر نیاید بگوش رغبت کس　　بر رسولاں بلاغ باشد وبس

ترجمہ:- "ہم نے اپنی جگہ نصیحت کردی اور اسی طرح اپنی زندگی بسر کردی اگر کسی کو اس میں رغبت نہ ہو (تو مضائقہ نہیں) کیونکہ قاصدوں کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور بس"۔

وَالسَّلَامُ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالدُّعَاءُ مَنْ وَّقَی الْهَوٰی وَاَنَا الْحَقِیْرُ

بنام عجیب

۲۶-۲۷؍ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۴ھ

دوسرا ضمیمہ ختم ہوا

تیسرا ضمیمہ
فہرست تحلیل بعض محرمات

اس سے پہلے کے ۲ دو ضمیمے تحریم بعض محللات کے تھے، یہ تیسرا ضمیمہ اس کے مقابل کی فہرست یعنی تحلیل بعض محرمات (بعض شرعاً حرام برائے نکاح کو حلال سمجھنے) کا ہے، منجملہ ان کے ایک یہ صورت ہے کہ بعض لوگ رضاعی بھائی بہن خاص انہی کو سمجھتے ہیں جو ایک زمانہ میں ایک عورت کا دودھ پئیں، اور مختلف زمانوں میں دودھ پینے والے بچوں کو ایک دوسرے کے لئے حلال سمجھتے ہیں،
سو یہ اعتقاد بالکل باطل ہے، اس حرمت کے لئے زمانے کا اتحاد و اختلاف سب برابر ہے
منجملہ اُن کے ایک یہ صورت ہے کہ اکثر لوگ لاوارث لڑکیوں کو جن کا کوئی ولی شرعی نہیں ہے، پرورش کر کے ان کے بلوغ کے قبل اپنی ولایت سے ان کا نکاح کر دیتے ہیں، سو یہ نکاح اصلاً منعقد نہیں ہوتا،

تیسرا ضمیمہ ختم ہوا

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ متعلقِ ولایتِ نکاح

ولایتِ نکاح سے متعلق چند کوتاہیوں کابیان

اس ولایتِ نکاح (نکاح کا اختیار ہونا) میں بھی مختلف کوتاہیوں کا وقوع شائع ہے، اس لئے مختصراً ان پر متنبہ کرنا ضروری ہے، وہی ہذہٖ (اور وہ یہ ہیں):۔

لاوارث نابالغ لڑکی کا نکاح کردینا

ایک کوتاہی تو وہی ہے جو ابھی قریب اور ضمیمہ ثالثہ میں لاوارث نابالغ لڑکی کے نکاح کر دینے کے مضمون میں مذکور ہوئی ہے،

ماں کا حقِ ولایت اس وقت تک ہی جب عصبات میں سے کوئی نہ ہو

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ اتباعِ رسم وعرف کے سبب ولی اقرب (نزدیک کے ولی) کو ولی ابعد (دور کے ولی) کے سامنے بیکار سمجھتے ہیں مثلاً ایک نابالغ لڑکی کا ایک بالغ بھائی ہے، اور ایک چچا، تو چچا اپنے کو بڑا سمجھ کر اس بھائی کا کچھ دخل نہیں سمجھتا اور اپنے کو مختار مستقل سمجھ کر اپنی ولایت سے اس کا نکاح کردیتا ہے، اور اس سے اجازت حاصل نہیں کرتا، بلکہ بعض جگہ اس کی ناراضی کی حالت میں بھی جبراً نکاح کردیتا ہے، حالانکہ شرعاً اس صورت میں بدون بھائی کی صریح اجازت کے نکاح درست نہیں ہوتا خصوصاً اس رسم کا اثر لڑکی کے نکاح کے بارے میں ماں پر خاص طور پر ہوتا ہے، کہ خود ماں اپنے سامنے کسی کو مختار نہیں سمجھتی، خصوص عصبات (خاص طور پر شوہر کے ددھیالی رشتہ داروں) کو (جو کہ اس کے حق میں ماں پر شرعاً مقدم ہیں) یہ جاہل ماں اپنے سے مقدم تو کیا مؤخر بھی نہیں سمجھتی، یعنی اُن کا بالکل حق ہی نہیں سمجھتی، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ماں کا حقِ ولایت اس وقت ہی جب عصبات (ددھیالی رشتہ داروں) میں سے کوئی نہ ہو،

نابالغ بچی کی پرورش میں کوتاہی کے باوجود باپ کا حقِ ولایت باقی رہتا ہے،

ایک کوتاہی جس میں بعضے نیم مُلّا بھی گرفتار ہیں یہ ہے کہ باپ کی ولایت کو اس کے ساتھ مشروط سمجھتے ہیں، کہ وہ اس نابالغہ کی خدمت اور پرورش کرتا ہو، ورنہ اگر وہ کسی عذر سے بی بی کے ساتھ ناچاقی (نااتفاقی)

کی وجہ سے اس کی پرورش میں کوتاہی کرے تو اس کی ولایت کو ساقط سمجھتے ہیں، گو بلا عذر اولاد کا حق ضائع کرنا معصیت (گناہ) ہے، لیکن معصیت سے ولایتِ نکاح تو سلب نہیں ہوتی، (چھن نہیں جاتی) اور سُوءِ اختیار (بُرے اختیار) کی صورت جو فقہاء نے لکھی ہے وہ اور بات ہی، ہر کوتاہی اس سوءِ اختیار میں داخل نہیں، ہمارے وطن میں ایک زاعمِ علم (خود ساختہ عالم) نے عجیب مضمون لکھا تھا، اور لطف یہ ہو کہ ایک مجمع میں اس کا اعلان بھی کیا، مگر نظرِ ردّ سے سُنا گیا، اور یہ لکھا تھا کہ جب معصیت سے ولی اللہ کی ولایت زائل ہو جاتی ہے تو ولی النکاح کی ولایت کیوں زائل نہ ہو جائے گی، یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ دیکھو نماز ایک تعلق ہے عبد (بندہ) اور رب کے درمیان میں، اور نقضِ وضو (وضو کے ٹوٹنے) سے باطل ہو جاتی ہے، تو نکاح جو کہ ایک تعلق ہی عبد اور عبد میں تو وہ نقضِ وضو سے کیونکر باطل نہ ہو جائے گا، یاد رکھنا چاہئے کہ دین کے لئے محض رائے کافی نہیں، حجّتِ شرعیّہ (شرعی دلیل) کی حاجت ہے، اور اس تقریر کا حجّتِ شرعیہ نہ ہونا ظاہر ہے،

سوتیلے باپ کو حقِ ولایتِ نکاح کسی صورت حاصل نہیں،

ایک کوتاہی اس سے بڑھ کر ہی کہ جس شخص کو کبھی اور کسی درجہ میں بھی حقِ ولایت نہیں وہ اپنے کو ولی النکاح سمجھتا ہے، چنانچہ اکثر جگہ سوتیلے باپ کو ولایتِ نکاح کا دعویٰ کرتے ہوئے، بلکہ اسی ولایتِ مزعومہ کی بناء پر نابالغہ کا نکاح کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، حالانکہ یہ شخص ولی اَبْعَد بھی نہیں، البتہ اگر کسی صورت میں ماں کو حقِ ولایت ہو، یعنی جبکہ عصبات میں سے کوئی نہ ہو، اور ماں اپنی طرف سے اس شوہر کو وکیلِ نکاح کر دینے کا بنا دے، تو یہ وکالت کی بناء پر البتہ اس کو اس نکاح کا اختیار حاصل ہو جائے گا، اور بدون اس کے یہ کوئی چیز نہیں،

ولی کے جبراً نکاح کرا دینے سے نکاح درست نہیں ہوتا،

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کو ولایتِ نکاح تو حاصل ہے، مگر ولایتِ جبریہ (زبردستی کے اختیار کی ولایت) نہیں ہے، صرف یہ ولایت ہے کہ اس کے استیذان (اجازت مانگنے) پر منکوحہ کا سکوت (خاموشی) اذن (اجازت) سمجھا جاتا ہے، یعنی لڑکی بالغہ ہے، مگر یہ شخص جبراً اس کا نکاح کر دیتا ہے، یعنی وہ تصریحاً انکار اور رد کرتی ہے، مگر اس کی پرواہ نہیں کی جاتی اور ظلم اور زور کر کے اس کو بیوی بناتا ہے اور عمر بھر حرام کاری ہوتی ہے، اور افسوس کہ عام لوگ بناء بر جہل (جہالت کی وجہ سے) ان ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں اور اپنی عاقبت برباد کر دیتے ہیں، لوگوں کے خیال میں نکاح کے چند الفاظ ایسے مؤثر اثر

رکھنے والے ہیں کہ ان کی تاثیر کی کوئی شرط نہیں،

باکرہ بالغہ کا سکوت ہی اذن ہے ایک کوتاہی جو کہ بہت ہی عام ہے خاص ولی جائز سے صادر ہوتی ہے، وہ یہ کہ مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ باکرہ لڑکی جب بالغہ ہو تو اس سے استیذان یعنی اجازت لینا صحتِ نکاح کے لئے ضروری ہے، اتنا فرق ہے کہ اگر ولی جائز یا اس کا وکیل یا اس کا رسول یعنی جس کو اس نے بھیجا ہو یہ لوگ اس بالغہ سے اذن چاہیں تب تو اس کا سکوت اذن ہے، اور اگر کوئی اور شخص اذن چاہے تو جب تک وہ زبان سے اجازت نہ دے محض اس کا سکوت (خاموش رہنا) اذن نہ ہوگا، البتہ اگر قبل اذن ولی نے نکاح کر دیا اور بعد نکاح اس منکوحہ بالغہ کو خبر پہونچی تو اگر یہ خبر پہنچانیوالا ولی کا فرستادہ (بھیجا ہوا) ہو، یا اگر فرستادہ نہیں تو وہ خبر پہنچانے والا اگر ایک ہے تو عادل اور دیندار ہو، یا کم از کم دو شخص ہوں، اگرچہ ثابت العدالت (عادل ثابت) نہ ہوں مگر مستور الحال ہوں، (جن کا حال چھپا ہوا ہو) تو اس صورت میں بھی اس کا سکوت اذن ہوگا، اور اگر ایک شخص غیر عادل ہو تو اس وقت اُس کا سکوت کافی نہ ہوگا، (کذا فی الدر المختار و رد المحتار ج ۲ صفحہ ۴۸۹، ۴۹۰)

اور جن صورتوں میں اذن نہیں ان صورتوں میں صحتِ نکاح اُس وقت ہوگی جبکہ وہ زبان سے اجازت دے یا اس سے کوئی فعل صادر ہو جو اس کی رضا پر دلالت کرے، مثلاً وہ اپنا مہر یا نفقہ مانگنے لگے، یا ہمبستری کے وقت انکار نہ کرے، اور جب تک یہ امور نہ پائے جائیں نکاح موقوف (رُکا ہوا) رہے گا،

نکاحِ موقوف کے احکام نکاحِ موقوف کے احکام میں سے یہ امور ہیں،۔

(۱) اگر قبل نفاذِ نکاح کے احد الزوجین (میاں بیوی میں سے کوئی ایک) مر جائے نکاح باطل ہو جائے گا، نہ مہر واجب ہوگا اور نہ ایک کی میراث دوسرے کو پہنچے گی، (۲) قبل نفاذِ نکاح کے اس عورت سے بوس و کنار یا صحبت کرنا حرام ہے، کیونکہ نفاذ خود ان افعال سے معلل (علت والا) ہے، تو یہ افعال نفاذ پر مقدم ہوئے، اور ظاہر ہے کہ بدونِ نکاح کے یہ افعال حرام ہیں، اگرچہ پھر انہی افعال سے نفاذ ہو جائے، کذا فی رد المحتار (عن البحر، ج ۳، ص ۲۱۱ سطر ۹ قولہ وکتقبیلها الخ، یہ تو مسئلہ کی تفصیل ہوئی،

قبل نکاح باکرہ منکوحہ سے اذن نہ لینے سے نکاح موقوف رہے گا، اب اس کوتاہی کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اس وقت عموماً عادت ہے کہ قبل نکاحِ باکرہ (کنواری کے نکاح سے پہلے) منکوحہ سے اذن نہیں لیا جاتا، اور بعض اوقات خبر بھی بطریقِ مذکورہ اس کو نہیں پہونچتی، اور وہ اسی

حالت سے رخصت کردی جاتی ہے، تو یہ رخصت ایسی حالت میں ہوتی ہے کہ اس کا نکاح نافذ نہیں ہوتا موقوف رہتا ہے، پھر جب شوہر کے ساتھ اس کی خلوت ہوتی ہے اور وہ اظہار ناراضی کا نہیں کرتی تب نکاح نافذ ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ بوس وکنار یا ہمبستری سب حرام ہوتا ہے، گو اس کے بعد نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اور پھر یہ سب افعال حلال ہوتے ہیں، مگر اول بار کا بوس وکنار وغیرہ سب حرام ہوا، جس میں زوجین تو مبتلا ہوئے ہی خود وہ ولی صاحب بھی جو سبب اس ارتکاب محرم (حرام کاری) کے ہوئے اس ذیل میں شریک ہوئے،

نکاح سے قبل منکوحہ سے اذن حاصل کرنا ضروری ہے،

اور اس کا بہت آسانی سے انتظام ہوسکتا ہے، کہ قبل نکاح اذن حاصل کریں، یا نکاح کرکے فوراً خود جاکر اطلاع کردیں، نیز اگر اتفاق سے زوجین میں سے کوئی مرگیا تو مہر اور میراث کے احکام میں بوجہ جہل کے اختلال واختلاف (جہالت کی وجہ سے خرابی اور اختلاف) ہوگا گو ایسا واقعہ کم پیش آتا ہو مگر پیش آتا بھی ہے،

نکاح موقوف کی صورت میں شب زفاف میں عورت اظہار ناراضی کردے تو نکاح نافذ ہی نہیں ہوگا

اور ہمبستری کی حرمت (حرام ہونے) کی خرابی تو سب ہی جگہوں پر پیش آتی ہے، اور اگر ایسی صورت میں کہ نکاح نافذ نہ ہو ہمبستری کے وقت بھی ناراضی ونفرت کا اظہار کرے جیسا کہ زفاف (پہلی مرتبہ کی ہمبستری) کے وقت بعض عورتیں کرتی ہیں تو وہ نکاح نافذ بھی نہیں ہوتا، پس تمام عمر حرام ہوتا رہتا ہے، انہی وجوہ سے بہت ضروری ہے کہ کم از کم نکاح خواں قاضی (نکاح پڑھانے والا قاضی) عالم ہونا چاہئے تاکہ ان امور کا انتظام پورے طور سے کرے،

بارہ برس کی عمر کی لڑکی کی اجازت معتبر نہیں

ایک کوتاہی مسئلہ ولایت کے متعلق یہ ہوتی ہے کہ عموماً لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں لڑکا اور لڑکی بالغ ہوجاتے ہیں، پس بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی بارہ برس کی ہے اور واقع میں وہ نابالغ ہے، اور ولی قریب موجود ہے، مگر باوجود اس کے ولی بعید یا اجنبی غیر ولی اس لڑکی کو بالغ سمجھ کر اس کے مُنہ سے اجازت لے کر اور اس کو کافی سمجھ کر کہیں اس کا نکاح کردیتا ہے، حالانکہ بوجہ نابالغ ہونے کے اس کی اجازت اصلاً معتبر نہیں، سو سمجھ لینا چاہئے کہ بارہ برس میں بالغ ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کا بالغ ہونا حیض کے آنے سے ہے، البتہ اگر پندرہ برس پورے ہوکر بھی حیض نہ آئے تو پھر اس کے بلوغ (بالغ ہونے) کا حکم کردیا جاوے گا،

اگر کسی نابالغ لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی ولی جائز نے کرایا ہو تو بعد بلوغ لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا،

ایک کوتاہی ولایت کے متعلق ایک اور مسئلہ میں ہوتی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر بجز باپ اور دادا (باپ اور دادا کے علاوہ) کوئی دوسرا ولی جائز نابالغ لڑکی کا نکاح کفو سے مہر مثل[1] پر کردے تو نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے، لیکن اس لڑکی کو بالغ ہونے کے وقت جبکہ اس کو پہلے سے خبر نکاح کی ہو یا بعد بالغ ہونے کے جب اول بار اس کو نکاح کی خبر ہو اختیار ہے اس نکاح کے فسخ (ختم) کردینے کا اور یہ خیارِ فسخ دخول (ہمبستری) کے بعد بھی باقی رہتا ہے، لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ یہ لڑکی اِس وقت تک باکرہ ہو تب تو اس فسخ کی شرط ہے کہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی یا خبر پہونچنے کے ساتھ ہی زبان سے کہے کہ میں اپنا نکاح فسخ کرتی ہوں، اگر فوراً نہ کہا تو یہ اختیار باطل ہوگیا، اور اگر یہ ثیبہ (کنواری نہیں) ہے، خواہ تو اس نکاح سے پہلے ہی ثیبہ تھی، مثلاً یہ نکاح ثانی تھا یا اس نکاح کے بعد اس کے ساتھ دخول ہوا ہو تو یہ اختیار اس وقت تک باقی رہے گا کہ صراحۃً (وضاحت سے) زبان سے رضا ظاہر کرے یا دلالۃً رضا پائی جائے مثلاً لمس وقبلہ (چھونے اور بوسہ لینے) وغیرہ پر انکار نہ کرے،

خیارِ فسخ کے مؤثر ہونے میں قضاءِ قاضی شرط ہے

اور ایک شرط اس خیار فسخ کے مؤثر ہونے میں اور بھی ہے کہ قضاءِ قاضی (شرعی حاکم کا فیصلہ) اس کے ساتھ متصل ہو، یعنی یہ عورت قاضی یعنی حاکم مسلم کے یہاں دعویٰ فسخ کا کرے، اور وہ حاکم تفریق کا حکم کردے تب نکاح فسخ ہوگا، ورنہ نہیں، یہ تو مسئلہ کا بیان تھا،

نکاح فسخ ہونیکے چند شرائط

اب کوتاہی اس میں یہ ہوتی ہے کہ ناتمام مسئلہ سن کر صرف عورت کے اس کہہ دینے کو کہ میں نے نکاح فسخ کیا ہر حال میں کافی سمجھتے ہیں، خواہ وہ مجلسِ بلوغ ومجلسِ وصولِ خبر (بالغ ہونے اور خبر پہونچنے کی مجلس) کے بعد ہی کہے اور اگرچہ اس کے ساتھ قضاءِ قاضی نہ ہو، تو یہ سخت غلطی ہے، اور اس کے علاوہ اور بھی بہت مسائل ہیں جن میں قضاءِ قاضی شرط ہے جن کو اس کا علم نہیں، اُن کو تو یہ دینی ضرر ہوتا ہے، کہ وہ بدون قضاءِ قاضی کے ان احکام کو نافذ

---

[1] مہر مثل، خاندانی مہر یعنی اس عورت کے باپ کے گھرانے میں دوسری عورت جو اس کے مثل ہو (یعنی وہ عورت عمر، خوبصورتی، کنوارے پن، مالداری، وطن، دینداری، ہوشیاری اور سلیقہ شعاری میں اس عورت کے مانند ہو) اس عورت کا مہر مقرر ہوا تھا اس کے برابر "مہر مثل" کہلاتا ہے، بندہ احقر قریشی غفرلہٗ

سمجھتے ہیں اور جن کو اس کا علم ہے ان کو ان بلاد میں یہ دنیوی ضرر ہے کہ قاضی مسلم نہ ہونیکے سبب ان کو ان کلفتوں سے نجات پانے کا بجز بی ذریعہ نہیں، اس لئے احقر کی رائے مدت سے یہ ہے کہ اگر عامۂ اہلِ اسلام گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ ہر ضلع میں ایک عالم بہ انتخاب (ایک عالم کو منتخب کر کے) اہلِ اسلام ایسے مقدمات کی سماعت وفیصل (ایسے مقدموں کو سننے اور فیصلہ کرنے) کے لئے مقرر کردیئے جائیں اور اُن کی تنخواہ کے انتظام کے لئے مالگذاری کے ساتھ فی سینکڑہ کچھ مختصر سی رقم مسلمان زمینداران سے وصول کرلی جائے، کیونکہ جمہور اہلِ اسلام کو اس کا نفع پہونچے گا تو جن مسائل میں قضاءِ قاضی شرط ہے، ان میں مسلمانوں کو آسانی ہوجائے،

بعض مقامات پر ولیِ اقرب کا لڑکی کے ساتھ ظلمِ عظیم

ایک کوتاہی ولایت کے باب میں یہ ہے کہ بعض اوقات ولیِ اقرب اپنے اختیارات کے زعم (گمان) میں لڑکی کو بہت دق (تنگ) کرتا ہے کبھی سالہاسال بے نشان (لاپتہ) ہوجاتا ہے، کبھی اس انتظار میں نکاح نہیں کرتا کہ بہت سارو پیہ ہو جس سے سامانِ تفاخر (فخر کا سامان) کیا جائے تب نکاح کروں، کبھی اچھی اچھی جگہوں کے پیغاموں کو رَدّ کر کے ترفّع (خوش حالی) کی طلب میں غلو کرتا ہے، اور ان افعال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی یوں ہی بیٹھی رہتی ہے، بعض جگہ ننگ وناموس (عزت ووقار) برباد ہوگیا، بعض جگہ غایت صبر وضبط (بہت زیادہ صبر وضبط کرنے) سے لڑکی کو امراضِ صعبہ (پیچیدہ امراض) لاحق ہوگئے، یہ ولی صاحب سمجھ رہے ہیں کہ میرے سامنے کوئی بااختیار نہیں ہے، سو جس طرح چاہوں گا کرونگا اس کا ظلمِ عظیم ہونا تو معلوم ہی ہے، لیکن اس شخص کے اس خیال کا غلط ہونا بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اسی پر دارومدار ہے،

غیبت منقطعہ ہونے سے ولایت ولیِ ابعد کی طرف منتقل ہوجاتی ہے

سو سمجھ لینا چاہئے کہ ان دونوں مذکورہ صورتوں میں یعنی جب کہ وہ بے نشان ہوجائے اور بہت دور دراز چلا جائے اور مدتوں تک نہ آئے اور نہ کسی بات کا جواب دے، یہ بھی بے نشان ہونے کے حکم میں ہے، اس کو غیبتِ منقطعہ (مستقل غائب ہونا) کہتے ہیں، پس جب وہ بغیبتِ منقطعہ غائب ہوجائے، یا باوجود اچھا موقع ملنے کے محض جاہلانہ خیالات کی وجہ سے ٹالتا ہو تو ان دونوں صورتوں میں ولایت اس ولیِ اقرب سے ولیِ ابعد کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اور اس ولیِ ابعد کو اس لڑکی کے نکاح کردینے کا مثل ولیِ اقرب کے اختیار حاصل ہوتا ہے، پھر وہ ولیِ اقرب کچھ نہیں کرسکتا،

بالغ لڑکی ولی کی غفلت اور لاپرواہی کی صورت میں خود نکاح کرسکتی ہے

اور اگر وہ لڑکی بالغ ہو تو پھر خود وہ لڑکی اختیار رکھتی ہے کہ مناسب موقع پر اپنی زبان سے اجازت دے کر نکاح کرلے، البتہ غیر کفو میں نہ کرے، کہ اس میں ایک قول میں ولی کو حقِ فسخ حاصل ہے بشرط القضاء، اور ایک قول میں نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا، اس لئے غیر کفو میں کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے،

یہ مختصر بیان ہے ولایت کے متعلق کوتاہیوں کا۔

اصلاحِ معاملہ متعلقہ بہ کفاءت

شرع نے کفاءت (برابری) میں چند اوصاف کا اعتبار کیا ہے، جن میں ایک نسب بھی ہے، اس کے متعلق خاص ہندوستان میں چند کوتاہیاں ہوتی ہیں:۔

کفاءتِ نسب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں،

ایک کوتاہی یہ ہے کہ نسب میں ماں کا بھی اعتبار کرتے ہیں، یعنی اگر ماں کسی کی نجیب (شریف) نہ ہو تو اس کو نجیب نہیں سمجھتے، اور اس لئے اس کو اپنا ہمسر نہیں جانتے، حالانکہ شریعت نے کفاءتِ نسب کے باب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں کیا، اسی طرح دوسرے احکامِ نسبیہ میں بھی ماں کا اعتبار نہیں کیا، مثلاً ایک شخص کی ماں صرف بنی ہاشم میں سے ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے، پس صرف نجیب الاب ہمسر ہی نجیب الطرفین کا،

ماں کی طرف سے سیادتِ نسبیہ صرف حضرتِ فاطمہ رضؓ اور اُن کی اولاد کے لئے ثابت ہے

البتہ اس کلیہ سے صرف ایک جزئیہ مستثنیٰ (ایک جزء علیحدہ) ہے، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادتِ نسبیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی ثابت ہو کر آپ کی اولاد میں جو لوگ ہیں وہ بھی سید ہیں اور افضل ہیں دوسرے بنی ہاشم سے، حتیٰ کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بھی ہوں مگر حضرت فاطمہ رضؓ کے بطن سے نہ ہوں وہ سید نہ ہوں گے، بلکہ علوی ہوں گے، اور یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض نسب ناموں میں علویوں کے ناموں کے ساتھ "سید" ملا ہوا ہے یہ صحیح نہیں، اور علویوں کا دعویٰ سیادت محض غلط ہے، البتہ بنی ہاشم میں سے ہیں، اور بنی ہاشم کے جو فضائل ہیں وہ ضرور اُن کے لئے حاصل ہیں،

نسب میں فخر کی کوئی بات نہیں ہے،

ایک کوتاہی یہ ہے کہ نسب پر فخر کرتے ہیں اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، حالانکہ نسب کوئی فخر کی بات نہیں، البتہ حق تعالےٰ کی نعمت ہے جس پر شکر کرنا چاہیئے نہ کہ کبر و تحقیر (تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنا) جو کہ پوری ناشکری ہے، خصوصاً جبکہ خود اس پر کوئی دلیل کافی نہیں کہ یہ مفتخرین (فخر کرنے والے) جس

جدِّ(دادا) کیطرف انتساب (منسوب ہونے) کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دعویٰ صحیح بھی ہے، بلکہ بعض قرائن (دلائل) سے اس کے خلاف کا شبہ ہوتا ہے چنانچہ ایک شبہ احقر نے بعض بڑے بڑے مجامع (مجلسوں) میں جہاں ایسے حضرات کا اجتماع تھا بیان کیا، وہ یہ کہ اکثر جگہ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ چند صحابہؓ کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً حضرات خلفاءِ اربعہ حضرت عباسؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ،

ہندوستان کے نسب ناموں میں ایک قوی اشکال، اب خلجان (شبہ) اس میں یہ ہو کہ ہندوستان میں فتوحات وغزوات کے لئے خاص انہی حضرات کی اولاد منتخب ہو کر آئی یا اوروں کی نسل منقطع ہوگئی، اور یہ دونوں امر عادۃً مستبعد (ناممکن) ہیں، اس سے صاف یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید دوسروں نے انہی حضرات کی طرف افتخار (فخر کرنے) کے لئے منسوب کر دیا ہے، تو ایسے شبہ کے ہوتے ہوئے اس قدر فخر کرنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے[لہ]؟

شرافتِ نسبیہ کا شریعت نے اعتبار کیا ہے، ایک کوتاہی اس کے مقابلہ میں بعض لوگوں میں یہ پائی جاتی ہے کہ وہ لوگ عرفاً شریف نہیں ہیں، مگر زبردستی اپنے کو اصطلاحی شریفوں میں داخل کرتے ہیں، اور اپنے لئے نسب غیر معروف وغیر ثابت بالدلیل کا محض مجازفت (تخمینہ اور اٹکل) سے دعویٰ کرتے ہیں، حدیث میں ایسے مدعی کو (دعویٰ کرنے والے) پر لعنت آئی ہے، ان عرفی غیر شریفوں میں سے بعض نے اپنے اوپر ایک اور طریق سے یہ دھبہ دھونا چاہا ہے، وہ یہ کہ شرافتِ نسبیہ ہی کی سرے سے نفی کرنے لگے، کہ سب بنی آدم برابر ہیں، کسی کو کسی پر نسباً شرف نہیں، سو اس کا اگر یہ مطلب ہو کہ ایسا شرف نہیں جس پر دنیوی فخر کیا جائے، یا اس کو اخروی نجات میں کچھ دخل ہو تو تو ٹھیک ہے، اور اگر یہ مطلب ہو کہ شرفِ نسب میں تفاوت (فرق) کا بالکلیہ کسی حکم میں اعتبار نہیں تو محض غلط ہے، خود شریعت نے نکاح کفاءت کا اعتبار کیا ہے، امامتِ کبریٰ میں قریشیت کو شرط ٹھہرایا ہے، امامتِ صغریٰ میں اشرفیۃ نسبیہ (خاندانی شرافت) کو مرجحات (ترجیح ہونے) میں سے کہا ہے،

لہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہو: يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۰ (الحجرات، آیت ۱۳) "یعنی اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہو اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایکدوسرے کی شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے"، واقعی صحیح ہو ۔ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی ؛ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست (احقر قریشی)

شرافتِ نسب میں پردیسیوں کو رذیل اور ذلیل سمجھنا صحیح نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض قصباتی دیہاتی لوگ تمام پردیسیوں کو رذیل اور ذلیل سمجھتے ہیں، گویا ان کے نزدیک شرافت محصور (بند) ہے چند قریٰ (بستیوں) میں، جس پر کوئی دلیل نہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص باہر سے کوئی نکاح کر کے لے آئے، برادری کی عورتیں ہرگز اس کو اپنے برابر نہیں سمجھتیں، پھر اس کی اولاد کی شادی برادری میں مصیبت ہو جاتی ہے،

کفاءتِ نسبیہ میں افراط و تفریط مذموم ہے،

دو کوتاہیاں اس باب میں کفاءتِ نسبیہ میں اور وقوع میں آتی ہیں، ایک افراطی دوسری تفریطی، افراطی (حد سے آگے بڑھنا) تو یہ کہ بعضے لوگ خصوصاً پرانے زمانے کے اس کو اس قدر مہتم بالشان سمجھتے ہیں کہ اس کے ہوتے ہوتے وہ ناکح کے کسی وصف کو نہیں دیکھتے، نہ لیاقت کو نہ دین کو نہ صحت کو نہ عمر کو نہ وسعتِ مالیہ کو، اور اپنے اس خیال پر اس عنوان سے افتخار کرتے ہیں کہ میاں ہڈی بوٹی اچھی ہونا چاہئے، کسی ظریف نے اس عنوان کا جواب نہایت لطیف دیا ہے کہ ہم تو کتے نہیں جو فقط ہڈی بوٹی کو دیکھیں، اور واقعی اس خیال کا لغو ہونا ظاہر ہے، نکاح سے جو اصل مقصود ہے یعنی مصالح خاصہ، اس کے لئے سب ہی امور پر نظر کرنے کی ضرورت ہی نہ کہ صرف ایسے وصفِ اضافی (زائد خوبی) پر جو کہ خود ناکح کے کسی وصفِ حقیقی کی طرف راجح نہیں، محض آباء و اجداد کی طرف انتساب اس کا منشاء ہے، اس پر مفاسد یہ مرتب ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ناکح محض نالائق، بد دین، یا مریض، بے کار یا بہت بوڑھا، یا بالکل بچہ یا فاقہ زدہ ہوتا ہے، اور منکوحہ کے لئے عمر بھر کا جیل خانہ ہو جاتا ہے،

اور تفریطی (کمی کرنے والے) یہ کہ بعضے لوگ خصوصاً نئے زمانہ کے دوسرے اوصاف کے ہوتے ہوئے نسب کا ذرا لحاظ نہیں کرتے، کہیں حُبِّ دین (دین کی محبت) کے غلبہ کے سبب اور کہیں محبتِ دنیا (دنیا کی محبت) کے غلبہ کے سبب، امرِ ثانی کو کثیر الوقوع (اکثر واقع ہونے والا) ہے، امرِ اول کا بھی ہم نے ایک مادۂ تحقیق دیکھا ہے، کہ دو نوجوانوں میں دوستی تھی، جو کہ دونوں نیک بخت، دیندار تھے، جن میں ایک عالی نسب سید زادہ (اونچے خاندان کے سید کا لڑکا) اور دوسرے برہمن زادہ نومسلم (برہمن کے بیٹے نومسلم) تھے اور وہ سید زادہ اپنی یتیم ہمشیرہ کا عقد اس اپنے دوست سے کرنے کی فکر میں تھے، اور وہ دوست اپنے لئے اس امر میں بیحد کوشاں (بے انتہا کوشش کرنے والے) تھے، مجھ کو اطلاع ہوئی، چونکہ دونوں شخصوں کو مجھ سے دینی خصوصیت تھی میں نے دونوں کو خصوصاً خاطب (نکاح کا پیغام دینے والے) کو بہت سختی کے ساتھ روکا،

اور کہہ دیا کہ اگر وہ لڑکی بالغ ہے تب تو گو بھائی کے بعد استیذان (بھائی کے اجازت حاصل) کرنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن حمیت و مصلحت (غیرت اور مصلحت) کے خلاف ہے، کہ شریفہ کو فراش (بیوی) بنایا جاتا ہے دنی (کم مرتبہ والے) کا، نیز اکثر ایسے موقع پر عورت کی نظر میں زوج (خاوند) کی وقعت بھی نہیں ہوتی جس سے تمام مصالح نکاح فوت ہو جاتے ہیں، اور اگر وہ نابالغ ہے تو چونکہ نکاح کرنے والا باپ اور دادا نہیں اس لئے یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، (کذا فی الدر المختار ورد المحتار، ج ۲، ص ۵۰۰) چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایک مدت کے بعد دونوں اس خیال سے باز آگئے، البتہ اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے،

عجمی عالم بھی عربیہ کا کفو نہیں

چنانچہ ابھی تازہ ایک واقعہ ہوا ہے کہ ایک غریب شیخ زادہ نے اپنی نابالغ دختر کا نکاح ایک ذی وسعت عجمی النسل مگر دیندار شخص کے فرزند سے کیا ہے، اور گو بعض نے عجمی عالم کو عربیہ کا کفو کہا ہے، مگر درمختار میں تصریح ہے:

العجمی لا یکون کفو للعربیۃ ولو کان العجمی عالماً اوسلطاناً وھو الاصح فتح عن الینابیع وادعی فی الحیراتہ ظاهر الروایۃ (ج ۲ ص ۵۲۹)	"عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ عجمی عالم اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہو اور یہ زیادہ صحیح ہے جسے فتح القدیر نے ینابیع سے نقل کیا ہو اور ظاہر روایت پر حیرانگی کا اظہار کیا ہے۔"

کفو کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوگا عورت کی جانب سے نہیں

اور بعض نے اس افراط و تفریط کے درمیان بزعم خود (اپنے گمان کے مطابق) ایک معتدل فیصلہ اختراع (وضع) کیا ہے، وہ یہ کہ کم ذات کو خواہ لڑکی دیدے مگر کم ذات کی لڑکی لے نہیں، اور اپنے ذہن میں اس کا مبنیٰ ایک نکتہ نکالا ہے، وہ یہ کہ اگر کم ذات کی لڑکی آئی اور اس سے اولاد ہوئی تو اپنے خاندان کی نسل بگڑتی ہے، اور اگر کم ذات کے گھر لڑکی چلی گئی تو اس کی نسل سنورتی ہے، اس شخص نے خود حکم میں بھی اور اس کی بناء میں بھی شریعت کے ساتھ مزاحمت کی ہے، حکم میں..... یہ مسئلہ فقہ ہے کہ:

الکفاءۃ معتبرۃ من جانبہ ای الرجل لان الشریفۃ تابی ان یکون فراشاً للدنی ولا تعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش	"کفاءت اس کی طرف سے یعنی مرد کی جانب سے معتبر ہے، کیونکہ شریف عورت کم درجہ کے مرد کی فراش (بیوی) بننے سے انکار کرتی ہے، اور اس عورت کی طرف سے

فلا تغيضه وتأته الفراش وهذا عند الكل في الصحيح ، الخ

معتبر نہیں کیونکہ خاوند صاحبِ فراش ہو تو وہ فراش کے استعمال میں کراہت نہیں کرتا، اور یہ صحیح ہو سب کے نزدیک ،،

البتہ بعض نے ناکح صغیر میں اس کا اعتبار کیا ہے، کما فی رد المحتار تحت القول المذکور صفحہ ۵۲ ج ۲ اس فیصل کنندہ (فیصلہ کرنے والے) نے خلاف شریعتِ منکوحہ کا وضیع (کمتر) ہونا تو جائز نہ رکھا، اور ناکح کے وضیع (کمتر) ہونے کو جائز رکھا، اور اس حکم کی بناء میں شریعت کے ساتھ یہ مزاحمت کی کہ اس شخص نے نسب میں ماں کا اعتبار کیا ہے، دوسری مزاحمت یہ کی کہ اصل حکمت اس اعتبارِ کفاءت کی وہ ہی جو درمختار کی عبارتِ بالا میں مذکور ہے، لانّ الشریفۃ تأبی، اور اس شخص نے اس کے مقابلہ میں خود ایک غلط بناء گھڑی، پس اس شخص کا یہ فیصلہ ہر طرح بناء الفاسد علی الفاسد (فاسد کی بنیاد فاسد پر) ہے، یہ تو قانونِ شرعی کی تفصیل تھی جس میں لوگوں کی کوتاہیاں مذکور ہیں

غیر کفو کی منکوحہ لانے سے اس کیلئے چند دشواریاں،

باقی اقرب الی المصلحت (مصلحت کے زیادہ قریب) یہ ہو کہ منکوحہ بھی اپنی ہی کفو کی لائے، کیونکہ غیر کفو کے اخلاق وعادات اکثر اپنے موافق نہیں ہوتے، تو ہمیشہ باہم ناچاقی رہتی ہے، نیز وہ منکوحہ مرد کے خاندان میں بے قدر رہتی ہے، تو ایک مسلمان عورت کو بے وجہ مدت العمر کے لئے بے قدر کرانا کیا ضرور، نیز عرفاً اس کی اولاد کی شادی میں دشواریاں پیش آتی ہیں، تو بلا ضرورت ان کلفتوں میں کیوں پڑے، یہاں تک تو اوصافِ معتبرہ عند الشرع (شریعت کی نظر میں اعتبار کی گئی خوبیوں) میں سے کفاءتِ نسبیہ کا بیان تھا،

شرع نے کفاءت میں دین کا بھی اعتبار کیا ہے،

اور منجملہ ان اوصاف کے جن کا شرع نے کفاءت میں اعتبار فرمایا ہے، ایک دین بھی ہے اور اس میں بھی مثل کفاءت فی النسب (خاندان میں برابری) کے عورت کا مرد سے کم ہونا مضر نہیں، مرد کا عورت سے کم ہونا مضر ہے، اس میں بھی چند کوتاہیاں ہو رہی ہیں، جو ایک تحقیق کے ضمن میں مذکور ہوتی ہیں، اور وہ یہ ہے کہ :-

مرد کی بد دینی کی تین قسمیں

مرد کی بد دینی تین طرح کی ہے، ایک اعتقادی اصولی، دوسری اعتقادی فروعی، تیسری اعتقادی عملی،

قسم اوّل؛ جیسے عورت مسلمان ہو اور مرد غیر مسلمان ہو، خواہ کتابی ہو مثل یہودی ونصرانی کے، خواہ غیر کتابی ہو، مثل مجوسی وبت پرست وہری کے، اس کا حکم تو ظاہر ہے کہ نکاح صحیح نہ ہوگا،

البتہ مرد اگر مسلم اور عورت کتابیہ ہو تو نکاح درست ہو جاتا ہے، گو مناسب نہیں، وجہ مناسب نہونے کی یہ ہے کہ اختلاط کافرہ کا (کافر عورت سے میل جول) لازم آتا ہے، اور یہ درست ہونا بھی جب ہے کہ عورت باعتبار عقائد کے یہودی یا عیسائی ہو، اور اگر صرف قوم کے اعتبار سے ہو جیسے آجکل بہت سے نام کے عیسائی ہیں اور عقیدہ میں دہریے، اس کا حکم کتابی کا سا نہیں، ایسی عورت سے نکاح اصلاً درست نہیں، اور اگر عورت غیر کتابیہ ہو تو بھی نکاح درست نہیں،

قسم ثانی:۔ جیسے عورت سنّیہ ہو، اور مرد مبتدع جیسے شیعی وغیرہ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی بدعت حدِّ کفر تک پہنچ جائے، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانا یا وحی لانے میں جبرئیل علیہ السلام کو غلطی کی طرف منسوب کرنا و نحوہما (اور انہی جیسے دوسرے عقائد) یا اس زمانہ میں مرزا[۵۱] کی نبوت کا قائل ہونا، تو اس شخص کا حکم بھی مثل قسم بالا کے ہے، یعنی ایسے شخص سے سُنّیہ کا نکاح جائز نہیں، اور اگر اس کی بدعت حدِّ کفر تک نہیں پہنچی، تو وہ شخص مسلمان تو ہے، لیکن سنّیہ کا کفو نہیں، اس عورت کا نکاح اگر ایسے مرد سے کیا جائے تو اس کا حکم بوجہ غیر کفو کے ساتھ نکاح ہونے کے ویسا ہی ہے جیسا اوپر غیر کفو نسبی کے بیان میں ذکر کیا گیا، اس عبارت میں کہ " اگر وہ لڑکی بالغ ہے تب گو بھائی کے الی قولہ اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے،، فقط ،

بعض مبتدع فرقوں کے کفر میں اختلاف ہے

ایک صورت اس میں اور ہے وہ یہ کہ بعض مبتدع (بدعتی) فرقوں کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے، جیسے شیعہ کے باب میں فتووں کا مختلف ہونا مشہور ہے، سو مکفرین (کافر قرار دینے والوں) کے نزدیک تو سنّیہ کا نکاح ایسے شخص سے باطل ہے، اور غیر مکفرین (کافر نہ کہنے والوں) کے نزدیک یہ نکاح غیر کفو میں ہے، اس لئے اس میں وہی تفصیل ہے جو ابھی غیر کفو کے ساتھ نکاح ہونے میں مذکور ہوئی، اور احقر کا معمول اس صورت مختلف فیہا (اختلاف والی) میں یہ فتویٰ دینے کا ہے کہ جب تک نکاح نہ ہوا ہو بطلانِ نکاح (نکاح باطل ہونے) کے قول پر عمل لازم ہے، کہ اس میں احتیاط ہے، کہ ایک خوش اعتقاد (اچھے عقیدہ والی) عورت ایک بد اعتقاد (غلط عقیدہ والے) مرد سے اور

---

۵۱ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد ماننے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس کا نکاح سُنی مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا ۱۲ احقر قریشی غفرلہٗ

بداعتقاد بھی ایسا کہ جس کی بداعتقادی بعض کے نزدیک حدِ کفر تک پہنچتی ہے، اور جب نکاح ہو چکا تو صحتِ نکاح کے قول کو اخذ کرنا (نکاح کے صحیح ہونے کو لینا) لازم ہے کہ اسی میں احتیاط ہے کیونکہ اس صورت میں اگر بطلان (باطل ہونے) کا قول لیا گیا، اور اس بناء پر دوسرے شخص سے نکاح کردیا جائے تو احتمال (شبہ) ہے کہ واقع میں وہ پہلا نکاح صحیح ہو گیا ہو تو یہ دوسرا عقد ہمیشہ کے لئے زنا ہوا کرے گا، تو ایک متدینہ (پرہیزگار عورت) کا عمر بھر مبتلائے زنا ہونا لازم آئے گا، اور صحتِ نکاح کے قول پر اس احتمال کا اعتبار نہیں کیا گیا، کہ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی (یعنی اسلام غالب آتا ہے مغلوب نہیں ہوتا)

قسمِ ثالث:- فاسق مرد عورت صالحہ کا کفو نہیں، جیسے عورت صالحہ ہو اور بقول بعض فقہاء دخترِ شخصِ صالح (نیک آدمی کی بیٹی) بھی بحکم صالحہ ہے، اور مرد فاسق ہو اور بقول بعض فقہاء معلن (جس کا فسق علانیہ ظاہر ہو) ہونا بھی شرط ہے، تو یہ مرد اس عورت کا کفو نہیں ہے، اور غیر کفو کے ساتھ نکاح نہ ہونے کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی ہے،

غرض یہ تین قسمیں ہیں غیر کفو کی، ان میں جو کوتاہیاں ہیں اُن کا مختصر بیان یہ ہے کہ:-

بلادِ یورپ کی لامذہب عورت سے نکاح صحیح نہیں،

بعضے لوگ بلادِ یورپ سے ایسی عورت نکاح کر کے لاتے ہیں جو صرف قوم کے اعتبار سے عیسائی ہوتی ہے اور مذہب کے اعتبار سے محض لامذہب، سو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی عورت سے ہرگز نکاح صحیح نہیں ہوتا، بعضے گو لاتے ہیں عیسائی ہی عورت مگر اس سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اپنے مذہب سے محض اجنبی ہو جاتے ہیں، اور اس کا واجب التحرز (پرہیز کا ضروری) ہونا بھی ظاہر ہے،

خاندانی مصالح موہومہ سے بدعقیدہ یا بدعمل مرد سے نکاح کرنا ظلمِ عظیم ہے،

بعضے لوگ محض طمعِ مال یا جاہ میں یا براہِ کم شفقتی بحالِ اولاد (اپنی اولاد کے حال پر کم شفقت کرنے) یا دیگر خاندانی مصالح موہومہ (خاندان کی خیالی مصلحتوں کے گمان) کے سبب اپنی لڑکیوں کا کسی بدعقیدہ یا بدعمل مرد سے نکاح کر دیتے ہیں، تو وہ بداعتقادی حدِ کفر تک پہنچی ہوتی ہے، تو عمر بھر کے لئے علاوہ ظاہری کلفت کے بحالت عدمِ توافق فی الدین (دینداری میں موافقت نہ ہونا) لازم ہے، یہ خرابی ہوتی ہے کہ ارتکابِ زنا لازم آتا ہے، پھر اگر اولاد ہوتی وہ بھی غیر حلالی اور اگر حدِ کفر تک بھی نہ پہنچے تب بھی ہر وقت کا سوہانِ روح (روحانی عذاب) نفرتِ حال رہتا ہے،

نکاح سے قبل ناکح کے عقائد کی اچھی طرح تحقیق اور چھان بین کرلینا ضروری ہے

اس باب میں سخت احتیاط لازم ہے بخصوص اس کی تحقیق قبل نکاح نہایت ضروری ہے کہ ناکح کسی فرقہ ضالّہ (گمراہ فرقہ) کے عقائد کا معتقد تو نہیں، اور قدیم گمراہ فرقوں میں سے نہ ہونے پر بھی قناعت نہ کی جائے آجکل روزانہ نئے نئے فرقے نکل رہے ہیں، اور زمانہ آزادی کا ہے، اس لئے اس شخص کی ان نئے فرقوں میں سے نہ ہونے کی مستقل تحقیق ضروری ہے، اسی طرح اگر وہ انگریزی خواں ہے تو دیکھ لیا جائے کہ جدید تعلیم کے اثر سے اس کی آزادی استخفافِ دین (دین کو ہلکا سمجھنے) یا انکارِ ضروریاتِ دین تک تو نہیں پہونچ گئی، ورنہ اگر ایک کلمہ بھی کفر کا مُنہ سے نکل گیا، تو بدون تجدیدِ اسلام وتجدیدِ نکاح (نئے سرے سے اسلام لانے اور نکاح پڑھائے بغیر) حرام کا ارتکاب ظاہر ہے، جس کو نہ غیرتِ انسانی قبول کرتی ہے نہ حمیتِ اسلامی،

یہ بیان ہے کفاءتِ دینیہ کے بارے میں کوتاہیوں کا،

ایک اہم علمی فائدہ

اوپر ابھی کفاءت فی الدین کے شروع میں بیان ہوا ہے کہ عورت کا مرد سے (مرتبہ ونسب میں) کم ہونا مضر نہیں، یعنی نکاح ہوجائے گا، اور مرد کا عورت سے (مرتبہ ونسب میں) کم ہونا مضر ہے، یعنی بعض صورتوں میں نکاح نہ ہوگا، سو آجکل چونکہ قرآن مجید کا ترجمہ بعضے عوام بھی (جو کہ اس کے سمجھنے کے اہل نہیں) دیکھتے ہیں ایسے لوگوں کو آیت سے احکامِ مذکورہ میں شبہ واقع ہونے کا احتمال تھا، اس لئے اس کو رفع کرنا مناسب معلوم ہوا، وہ آیت یہ ہے:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ، وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۰

اس کے ظاہر ترجمہ سے شبہ ہوتا ہے کہ زانیہ اور زانی سے علی الاطلاق (مطلقاً) نکاح جائز نہیں، اور اس عدمِ جواز (جائز نہ ہونے میں) زانیہ وزانی کا مشرکہ اور مشرک کے ساتھ جمع ہونا قرینہ (دلیل) ہے کہ یہ عدمِ جواز بمعنی بطلان وعدمِ صحت (باطل ہونے اور درست نہ ہونے کے معنی میں) ہے، اور یہ تحقیق بالا کے خلاف ہے، اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں تحریم عام ہے بطلان

اور معصیت کو، پس مشرک و مشرکہ سے نکاح تو باطل ہے، اور زانیہ و زانی سے نکاح گو منعقد ہوجاتا ہے مرد عفیف (پاکباز مرد) کا زن غیر عفیفہ (بدکار عورت) سے علی الاطلاق (مطلقاً) اور زن عفیفہ (پاکباز عورت) کا مرد غیر عفیف (بدکار مرد) سے علی التفصیل (کچھ شرائط کی تفصیل کے ساتھ) لیکن جبکہ مقصود محض آب ریزی (شہوت رانی) ہو، اور تحصین (عزت کی حفاظت) مقصود نہ ہو حتیٰ کہ اگر دوسری جانب سے بدون نکاح ہی کے یا باوجود قیام مانع یعنی شرک کے رضامندی ہوجاتی تو نکاح بھی نہ کیا جاتا، اور اب نکاح کے بعد اس کے ارتکاب زنا کی پرواہ نہ ہو، اور یہی مراد ہے آیت میں تو اس مقصود کے لئے نکاح کرنا بناء بر قاعدہ "العزم علی الحرام حرامٌ والرضاء بالحرام حرام ومعصیة (جیسے امر حرام کا ارتکاب حرام ہے، اسی طرح کسی حرام کے ارتکاب پر رضامندی بھی حرام اور گناہ ہے)، اب دونوں شبہے زائل ہوگئے، اور اگر بسط (تفصیل) کا شوق ہو میری تفسیر (بیان القرآن) دیکھ لیجئے:

کفارت سے متعلق ایک عمدہ بحث

اختلاف جنس ہونے کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا

جب باوجود اتحاد فی النوع (نسلی اتحاد) کے محض اختلاف اصناف یا اوصاف (قسموں یا صفتوں کے اختلاف) سے بعض صورتوں میں کفاءت ایسی فوت ہوجاتی ہے جس سے نکاح صحیح نہیں ہوتا، تو اختلافِ نوع کی حالت میں جسکو فقہاء اختلافِ جنس کہتے ہیں کفاءت کیوں نہ مفقود ہوجائے گی، اور نکاح کیسے جائز ہوگا، کیونکہ جو عدمِ کفاءت فی الوصف (صفت میں ہم مثل نہ ہونا) مانع صحتِ نکاح سے ہے، یہ عدمِ کفاءت فی الجنس (نسل میں ہم مثل نہ ہونا) اس سے بدرجہا اقویٰ ہے مصداق ممکن الوقوع اس قاعدہ کا نکاح ہے: درمیان جنّی مرد اور انسان عورت کے یا درمیان انسان مرد اور جنّی عورت کے، جس کو ہمارے فقہاء نے اسی اختلافِ جنس کی بناء پر ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ درمختار میں ہے:-

مخرج الذکر والخنثی المشکل والوثنیة الجواز ذکورته والمحارم والجنّیة وانسان الماء لاختلاف الجنس واجاز الحسن بشهود قنیة

"اُس سے مذکر نکل گیا اور خنثیٰ مشکل نکل گیا، ممکن ہو وہ مذکر ہو، اس طرح جنّیہ نکل گئی، اور دریائی انسان مختلف جنس ہونے کی وجہ سے نکل گیا، (یعنی ان سے نکاح جائز نہ ہوگا) اور

امام حسنؒ نے گواہوں کی موجودگی میں جنّیہ کا نکاح جائز قرار دیا ہے، جسے قنیہ سے درمختار نے نقل کیا ہے، ردالمحتار میں ہے:

لان قوله تعالىٰ والله جعل من انفسكم ازواجًا بين المراد من قوله فانكحوا ما طاب لكم من النساء وهو الانثیٰ من بنات اٰدم فلا يثبت حل غيرها بلا دليل،

(فرمانِ الٰہی "اللہ نے تم ہی میں سے تمہاری بیویاں بنائیں" کی اصل مراد کو اللہ کے اس قول نے اس طرح واضح فرمایا کہ "نکاح کرو اپنی ...... پسند کی عورتوں سے" اور وہ اولاد آدم میں سے عورتیں ہیں، اس کے علاوہ بغیر دلیل شرعی کے کسی اور سے نکاح کا حلال ہونا ثابت نہیں ہوتا)

یہ تو دلیل نقلی سے استدلال کیا تھا، اور اس کے بعد ایک لطیف دلیل عقلی سے استدلال کیا ہے

ولان الجنّ يتشكلون بصور شتی فقد يكون ذكر التشكل بشكل انثیٰ (۴۲۴/۲) وفيه بعد اسطر في الاشباه عن السراجية لا تجوز المناكحة بين بنی اٰدم والجنّ وانسان الماء لاختلاف الجنس اھ، و مفاد المفاعلة ان لا يجوز للجنّی ان يتزوّج الانسية ايضًا وهو مفاد التعليل،

"اس لئے کہ جنّ مختلف شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مذکر جنّ مونث کی شکل میں متشکل ہو جاتا ہے، اس کے کچھ سطروں بعد اشباہ النظائر میں سراجیہ سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد، جنات اور دریائی انسان کا آپس میں نکاح جائز نہیں، جنس کے اختلاف کی وجہ سے، اور (المناکحۃ میں) باب مفاعلہ ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جنّ کا نکاح بھی انسان عورت سے جائز نہیں، اور علت بیان کرنے کا یہی فائدہ ہے"

پھر چند سطر کے بعد حسنؒ کے قول مذکور کے مقابل نقل کیا ہے:۔

عن شرح الملتقی عن زواهر الجواهر الاصح انه لا يصح نكاح اٰدمی جنّية كعكسه لاختلاف الجنس فكانوا كبقية الحيوانات،

"شرح الملتقی نے زواہر الجواہر سے نقل کیا ہے کہ صحیح قول یہی ہے کہ انسان مرد کا نکاح جن عورت کے ساتھ صحیح ہی نہیں، جیسا کہ اس کے برعکس ہے، (یعنی جنّ مرد کا نکاح انسان عورت سے درست نہیں) اختلافِ جنس کی بنا پر، جنوں کا حکم وہی ہے جو دیگر حیوانات کا ہے"

جنّ عورت کا انسان مرد سے اور جنّ مرد کا انسان عورت سے نکاح صحیح نہیں،

اور ہر چند یہ صورت نادر الوقوع (کبھی کبھار واقع ہونے والی) ہے لیکن ممتنع الوقوع (واقع ہونے میں ناممکن) نہیں ہے، اور حکم اس کا عوام میں مشہور و معلوم کم ہے، تو امکانِ وقوع.... (واقع ہونے کا).... احتمال تھا، کہ شاید کسی کا اتفاق پڑتا، اور وہ حکم معلوم نہ ہونے سے اس میں مبتلا ہو جاتا، جیسا کہ چند سال ہوئے ایک طالب علم جس کو احقر نے بھی دیکھا تھا ایک مدرسے سے غائب ہو گیا، کئی روز

کے بعد سہارنپور کے جنگل میں پایا گیا، اس نے اپنا سارا قصہ بیان کیا، کہ مجھ کو کچھ لوگ ہوا میں اٹھا کر لے گئے اور کسی اجنبی جگہ پہنچا دیا، وہاں ایک نفیس شاہانہ مکان میں ایک لطیف الوضع (بہترین) مجمع تھا، اور ایک جوان لڑکی بھی موجود تھی، جس نے اپنا تعشق (عشق ہونا) اس سے ظاہر کر کے نکاح کی درخواست کی، اس نے مسئلہ کی بناء پر تو نہیں، کیونکہ اس کو معلوم ہی نہ تھا، بلکہ محض توحش (گھبراہٹ) کے سبب رونا شروع کر دیا، آخر وہ لوگ اس کو پھر ہوا میں اڑا کر سہارنپور کے جنگل میں چھوڑ گئے، تو بہت ممکن تھا کہ اگر اس کو یہ توحش نہ ہوتا تو مسئلہ معلوم نہ ہونے کے سبب نکاح پر راضی ہو کر قبول کر لیتا خصوص جس شخص کے کان میں ایسے قصے پڑے ہوں کہ حضرت بلقیس کے باپ آدمی اور ماں جنیہ تھیں، یا جیسا جہلا نے مشہور کیا ہے کہ حضرت محمد بن علی کی والدہ خولہ حنفیہ جنیہ تھیں، تو ایسے قصے سن کر کچھ عجب نہیں کہ کوئی شخص ایسے موقع پر ایسے نکاح کو جائز ہی سمجھ جائے، اس لئے اس پر تنبیہ کر دی گئی،

جنیہ سے صحتِ نکاح کے سلسلہ میں بلقیس کے قصہ سے استدلال صحیح نہیں،

رہا استدلال (دلیل لانا) مذکورہ قصوں سے، سو گو پہلے قصہ میں احتمالِ صحت کا بھی ہے، لیکن اوّل تو ان لوگوں کا کسی شرع کا تابع ہونا ثابت نہیں بلکہ بلقیس کے اوّلاً شمس پرست (پہلے سورج کی پوجا کرنے والوں میں سے) ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ طریقہ ان کا آبائی ہو، پھر اس سے قطع نظر یہ ضرور نہیں کہ سب شریعتوں کے احکام فرعیہ (فروعی احکام) یکساں ہوں تو ان کا فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بنی حنفیہ کی بنو جنیہ کی طرف نسبت من گھڑت ہے

اور دوسرا قصہ تو بالکل ہی غلط ہے، وہ تو قبیلہ بنی حنفیہ سے ہیں، جو یمامہ میں سکونت رکھتا تھا، میں نے اپنے استاد[1] علیہ الرحمہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ یہ خاندان کرم اور شجاعت میں ممتاز ہونے کے سبب موافق محاورۂ عرب کے بنو جنیہ کہلاتا ہوگا، عوام نے اس کا حقیقی ترجمہ کر کے ان کی طرف منسوب کر دیا،

احقر کہتا ہے کہ جس طرح ایک شاعر نے کسی قبیلہ کی مدح کی ہے ؎

بنو جنيّة ولدت سيوفا

(ایک جنیہ عورت کی اولاد ہیں جنہوں نے تلواریں جنی ہیں)

---

[1] یعنی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، پہلے صدر مدرس دار العلوم دیوبند، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جواہرات یعقوبی حصہ اوّل صفحہ ۷، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد، ضلع بہاولنگر،

باقی رہا حسنؒ کا اختلاف، سو دلیل صحیح کے مقابلہ میں وہ غیر معتبر ہے، باقی اُن پر اگر مخالفت نص کا شبہ ہو تو اس کو اس طرح دفع کیا جائے کہ شاید منشا اُن کے قول کا یہ ہو کہ قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے کہ انسان و جن دونوں کو عام ہے، پس قولہ تعالیٰ

مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا، (النحل: ۷۲)	(اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے تمھارے لئے بیبیاں بنائی ہیں“)

دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہوگا، پس دونوں کا ایک حکم ہوگا، رہا پھر جمہور کا مسلک اس کا کیا جواب دیں گے؟ سو جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جمع مقابل ہے جمع کے، پس آحاد (اکائیاں) منقسم ہوں گی آحاد (اکائیوں) پر، گو یہ آحاد جزئیات حقیقیہ (اکائیاں حقیقی جزئیات میں) نہ ہوں جزئیات اضافیہ (اضافی جزئیات) ہوں یعنی رجال الانس (انسانی مردوں) کے لئے نساء الانس (انسانی عورتیں) اور رجال الجن (جن مردوں) کے لئے نساء الجن (جن عورتیں)۔

بہرحال ظاہر اور منصور (مدلّل و محقق) قول جمہور ہی کا ہے، لیکن حسنؒ کے قول کو قطعاً بالکل نص کے خلاف نہ کہا جائے گا، اور چونکہ مسئلہ ظنیہ ہے، اس لئے غیر قطعی ہونا جمہور کو بھی مضر نہ ہوگا اور عجب نہیں کہ جس طرح قول حسنؒ کا یہ منشا نقلی ہو جو ابھی مذکور ہوا، اسی طرح ایک دوسرا منشا عقلی ہو، مگر اس منشا کی بنا پر یہ حکم جواز مخصوص ہوگا، اس صورت کے ساتھ جبکہ وہ جِن بہ شکلِ انسان ہو، سو کچھ بعید نہیں کہ حسنؒ کے نزدیک یہ قید بھی ملحوظ ہو گو اُن کے قول کے ساتھ یہ قید منقول نہیں ہوئی، لیکن بہت اقوال ناتمام بھی منقول ہو جاتے ہیں، اور وہ منشا یہ ہو کہ

آدمی کی شکل میں جن صحبت کرے تو غسل واجب ہے	ہمارے فقہاء میں سے بعض اس طرف گئے ہیں گو بحثاً سہی روایۃً نہ سہی کہ اگر آدمی کی شکل میں ہو کر جِن کسی آدمیہ (انسان عورت) سے یا

آدمی کسی جنیّہ (جن عورت) سے جو کہ آدمیّہ (انسانی عورت) کی شکل میں ہو صحبت کرے اور انزال نہ ہو تب بھی غسل واجب ہوگا، چنانچہ درمختار کے اس قول:۔

ایلاج حشفۃ آدمی احتراز عن الجن واذ لم یظھر لھا فی صورۃ الآدمی کما فی البحر،	(”درمختار میں ہے کہ آدمی کا حشفہ داخل کرنا“ یہ جن سے احتراز ہے جب تک انزال نہ ہو اور جب تک جِن انسان عورت کے لئے آدمی کی صورت میں ظاہر نہ ہو، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے،“)

کے تحت ردّ المحتار میں ہے:۔

هو بحث لصاحب البحر وسبقه اليه صاحب الحلية لكنه تردد فيه فقال اما اذا ظهر في صورة آدمي وكذا اذا ظهر للرجل جنية في صورة آدمية فوطئها وجب الغسل لوجود المجانسة الصورية المفيدة لكمال السببية، اللهم الا ان يقال هذا انما يتم لو لم توجد بينهما مباينة معنوية في الحقيقة ومن ثم علل به بعضهم حرمة التناكح بينهما فينبغي ان لا يجب الغسل الا بالانزال كما في البهيمة والميتة نعم لو لم يعلم ما في نفس الامر الا بعد الوطء وجب الغسل فيما يظهر لانتفاء ما يفيد قصور السببية ج ۱ ص ۱۶۸،

"یہ بحث بحر الرائق والے کی ہے، اور اسی کو اسی طرح صاحب الحلیہ نے بھی لیا تھا، مگر ان کو اس میں تردّد ہو گیا ہے، اور اس میں تفصیل کرتے ہوئے یوں کہا ہے کہ جیسے جنّ آدمی کی شکل میں ظاہر ہو اسی طرح انسانی مرد کے لئے کوئی جنّیہ (جن عورت) انسانی عورت کی شکل میں ظاہر ہو، اس (انسانی مرد) نے اس جنّیہ کے ساتھ وطی (ہمبستری) کی تو غسل واجب ہو جائے گا شکلوں کی مجانست کے سبب جو کمالِ سببیت کا فائدہ دینے والی ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو تب ہوگا جبکہ ان دونوں کے درمیان حقیقت میں معنوی تضاد نہ پایا جائے، اور اسی وجہ سے اُن دونوں کے درمیان بعض فقہاء نے نکاح کے حرام ہونے کے لئے معنوی تضاد کو علت ٹھیرایا ہے، چاہئے تو یہ کہ انزال کے بغیر غسل واجب نہ ہو جیساکہ جانور اور مُردار کے بارے میں حکم ہے، ہاں اگر اس کی حقیقت واقعی سے لاعلم ہے تو پھر وطی کے بعد غسل واجب ہو جائے گا، جیساکہ سببِ غسل میں کوتاہی کی مفید چیز کے معدوم ہونے سے معلوم ہو رہا ہے۔"

اس فرع (وجوبِ غسل میں صرف مجانستِ صوریہ (شکل کی مشابہت) کا اعتبار کیا گیا ہے تو گنجائش ہے کہ جس طرح احکام وطی میں مجانستِ صوریہ (شکل کی مشابہت) کو معتبر قرار دیا گیا اسی طرح احکام سببِ وطی یعنی نکاح میں بھی اسی مجانستِ صوریہ کو کافی قرار دیا جائے،

جنسِ مخالف سے نکاح جائز ہونے کی ایک صورت

رہا مرد کا تشکّل (شکل اختیار کرنا) بصورتِ زن (عورت) یا بالعکس جو کہ قولِ حسنؒ پر وارد کیا گیا ہے تو اس کے حدوثِ نکاح (نکاح ہو جانے) سے مانع ہونے کا تو التزام کر لیا جائے، جس طرح ردّ المحتار کی عبارتِ قریبہ کے اخیر یعنی لو لم یعلم

مافی نفس الامر الخ میں اس کو مؤثر سمجھا گیا ہے، لیکن بقاءِ نکاح میں اس کو مانع (روکنے والا) نہ سمجھا جائے جس کا راز یہ ہے کہ توالب مختلفہ (مختلف شکلیں) جن کے لئے ایسی ہیں جیسے البسۂ مختلفہ (مختلف لباس) انسان کے لئے، پس اگر منکوحہ مرد کا لباس پہن لے یا سحر (جادو) سے مرد کی شکل بن جائے، پھر خواہ وہ شکل واقع میں ہو جائے یا محض متخیل (خیالی) ہو جائے، کیونکہ سحر میں دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں تو نکاح باقی رہتا ہے، اسی طرح مانحن فیہ (ہمارے زیر بحث مسئلہ) میں کہا جائے، رہا اس کا مقتضا کہ حدوثِ نکاح میں بھی مانع نہ ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ متشکل بشکلِ مرد (آدمی کی شکل اختیار کرنے والا) واقع میں جنّیہ انثیٰ (جن عورت) ہے، تو نکاح کا محل (موقع) ہونا ہی مشکوک ہے، اور پہلے سے نکاح منعدم (غیر موجود) ہے، فلاینعقد بالشک، (پس شک کی وجہ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا) اور ایک بار جب حدوث ہو چکا تو تبدّل بشکل (شکل تبدیل کرنے) سے تیقنِ انعقاد (منعقد ہونے کے یقین) کے بعد زوال (زائل ہونا) مشکوک ہو گیا، فلا یزول بالشک (پس شک سے زائل نہیں ہوتا)

جنسِ مخالف سے نکاح کے مسئلہ میں احتیاط کی راہ اور ایک شبہ کا ازالہ

اور احقر کا وجدان ان احکامِ مذکورہ کے منشا کے باب میں یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان تمام احکام میں دلائل متعارض (ایک دوسرے سے ٹکرانے والے .....) ہیں، کما ظہر من تقریرنا فی کل مسئلۃ (جیسا کہ ہر مسئلہ میں ہماری تقریر سے ظاہر ہے) پس ہر مسئلہ میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے، چنانچہ غسل کے باب میں احتیاط وجوب میں ہے، اور نکاح کے باب میں احتیاط عدمِ جواز (جائز نہ ہونے) میں ہی، ولعلّ ہذا اقرب واصوب انشاء اللہ تعالیٰ،

اور اس قولِ جمہور یعنی مانعیت اختلاف الجنس عن التناکح (نکاح میں اختلافِ جنس کے مانع ہونے) پر جنت میں حوروں سے نکاح ہونے پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ بھی جنس میں متخالف (انسانوں سے مختلف) ہیں، تو ان سے نکاح اور استمتاع (ہمبستر... ہونا) کیسے حلال ہوگا جس کی خبر قرآن مجید میں فرمائی گئی ہے،

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ط (الطور، آیت ۲۰)	"اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں (یعنی حوروں) سے بیاہ کر دیں گے"!

دنیا اور آخرت کے احکام متماثل نہیں،

جواب شبہ کا ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت کے احکام کا متماثل (یکساں) ہونا ضروری نہیں، یہاں مردوں کے لئے حریر ناجائز ہے، اور جنت

یں جائز ہوگا، اور راز اس میں یہ ہے کہ احکام دنیویہ کی جو علّت (بنیاد) ہے وہ وہاں مرتفع (ختم) ہو جائے گی، چنانچہ حریر و حلیہ (ریشم و زیور) کی نہی کی علّتِ تفاخر (فخر کرنا) ہے، سو جنت میں اس رذیلہ کا مادہ ہی منقطع (ختم) ہو جائے گا، اسی طرح ممکن ہی کہ یہاں اختلاف کا مانع عن النکاح ہونا معلل (نتیجہ) ہو علّت عدمِ توافق و عدم تناسب (مزاج اور مناسبت میں یکساں نہ ہونے) سے جس کے سبب مصالح زوجیت فوت ہو جائیں گے، اور یہ علّت جنت میں اس لئے مرتفع ہو جائیگی کہ وہاں خود انسان میں خواصِ بشریّہ کی جگہ خواصِ ملکیّہ (فرشتوں کے خواص) پیدا ہو جائیں گے، پس خواص میں یہ اور حوریں متکافی (باہم برابر) ہوں گے، اس لئے عدمِ توافق کا احتمال (موافقت نہونیکا شک) نہ رہے گا، البتہ جو امور قبیح لعینہٖ (اپنی اصل کے اعتبار سے بُرے ہیں) وہ جنت میں بھی نہ ہوں گے، کیونکہ ان کا قبح (بُرائی) ذاتی ہے، ان سے کسی موطن وجود (عالمِ وجود) میں منفک (علیحدہ) نہ ہوگا مثلاً مَردوں کو جس غرض سے انعام میں حوریں ملیں گی اسی غرض سے عورتوں کو غلمان (لڑکے) دیئے جاتے، تو یہ انعام کے درجہ میں قبیح لعینہٖ (اپنی اصل کے اعتبار سے بُرا کام) ہے، کیونکہ انعام میں اکرام ہوتا ہے، اور فراش بننا اپنے مفضول (کمتر) کا اہانت ہی، اور مؤمنین و مؤمنات اہلِ جنت حور و غلمان سے درجہ میں مطلقاً افضل ہیں، اسی راز کے سبب زوج کا کفارت میں کم ہونا شرعاً معتبر ہی اور عورت کا کم ہونا معتبر نہیں، اس لئے اکرام کے موقع میں اہانت قبیح لعینہٖ (توہین اپنی اصل کے اعتبار سے بُرائی) ہے، اور انسیہ (انسانی عورت) کا انسان کے لئے فراش بننا اہانت نہیں، کیونکہ وہ من کلّ الوجوہ مفضول (ہر اعتبار سے کمتر) نہیں،

جنّت میں لواطت نہ ہوگی اُسی تقریر سے جنّت میں لواطت کا نہ پایا جانا بھی محقق ہو گیا، اور بعض معتزلہ کا خلاف کرنا قابلِ التفات نہیں،

کما نقلہ فی ردالمحتار عن ابی علی بن الولید المعتزلی ونقل ایضا الردّ علیہ عن ابی یوسف القزوینیؒ بقولہ المیل الی الذکور عاھۃ وھو قبیح فی نفسہ لانّہ محلٌّ لم یخلق للواطۃ ولھٰذا لم یجز فی شریعۃ بخلاف الخمر صفحہ ۲۴۲	جیسا کہ ردالمحتار میں ابو علی ابن الولید معتزلی سے نقل کیا ہی، اور امام ابو یوسف قزوینیؒ سے اس کا رَد بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہی کہ مَردوں کی طرف میلان ایک آفت ہی، اور وہ فی نفسہٖ ایک بُرا کام ہے، کیونکہ لواطت کے لئے یہ محل پیدا نہیں کیا گیا، اسی وجہ سے شراب کے برعکس اس کو کسی

وفی الدر المختار عن البحر حرمتها اشدّ من الزنا لحرمتها عقلاً وشرعاً وطبعاً والزنا لیس بحرام طبعاً وتزول حرمته بتزوج وشراء بخلافها،

شریعت میں بھی مباح قرار نہیں دیا گیا، (ص ۲۴۰ ج ۳) اور درمختار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ لواطت کی حرمت زنا سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ لواطت طبعاً، شرعاً اور عقلاً حرام ہے، اور زنا طبعاً حرام نہیں، اور اس (زنا) کی حرمت نکاح کے ذریعہ یا باندی خریدنے سے زائل ہو جاتی ہے، بخلاف لواطت کے کہ اس کی حرمت کسی حال میں زائل نہیں ہو سکتی))

اور اس عبارت سے جنّت میں انتفاء لواطت (لواطت کے نہ ہونے) کا ایک اور طریق سے بدلالۃ النص بھی ثابت ہوا، یعنی وہ زنا سے اشد ہے، اور جنّت میں زنا نہ ہونا یقینی ہے، تو جو حرمت و قُبح میں اس سے اشد ہے وہ بدرجۂ اَولیٰ منتفی (نا پید　) ہوگا،

یہ ایک تفریع تھی اس قاعدہ پر جس سے جنّت میں مرد کو حوریں دیئے جانے کا عورت کو غلمان دیئے جانے کے لئے مستلزم نہ ہونا ثابت ہے، اور اصلی مقصود جنّیہ سے نکاح کے عدمِ جواز سے حوروں سے نکاح ہونے پر شبہ کا دفع کرنا ہے، یہ ہے تحقیق قولِ جمہور کی متعلق مسئلہ عدمِ جوازِ نکاحِ جنّیہ کے (جن عورت سے نکاح کے ناجائز ہونے کی)۔

قرآن پاک کو ماننے والا اللہ کی مخلوق جنّ کا انکار نہیں کر سکتا،

اور ہماری یہ تمام بحث شاید ان صاحبوں کو فضول معلوم ہو جو تعلیم جدید کے غلبہ سے خود جنّ کے وجود ہی سے منکر ہیں، لیکن جو شخص قرآن مجید کی تصدیق کرے گا، اور رواتِ ثقات کثیرا لعدد (بے شمار انتہائی معتبر روایت کرنے والوں) کی بھی تکذیب نہ کرے گا، اس کو وجودِ جنّ کے قائل ہونے سے چارہ نہیں، پس اس حالت میں اس بحث کو فضول کہنا بناء الفاسد علی الفاسد (ایک غلط کی بنیاد دوسرے غلط پر رکھنا) ہے، ہمارے فقہاء نے بھی اس کو محسوس کر کے اس سے قصداً بھی تعرض فرمایا ہے:

کما فی ردّ المحتار وما قیل من ان من سأل عن جواز التزوج لها الصفح بجهل وحماقة لعدم تصور ذلك بعيد ألان التصور ممكن لانّ تشكلهم ثابت بالاحاديث.

(جیسا کہ ردّ المحتار میں ہے اور جو یہ منقول ہے کہ بعض لوگوں کا اس (جنّیہ کے) نکاح کے جواز کا سوال کرنا اپنی جہالت وکم فہمی کے باعث اس لئے ہے کہ اُن کے نزدیک کوئی شکل اختیار کر لینا ممکن نہیں بعید ہے، اس لئے کہ ان کا متشکل ہونا ممکن

والآثار والحکایات الکثیرۃ ولذا ثبت النھی من قتل بعض الحیات کما مرّ فی مکروھات الصلوٰۃ ص ۲۲۴/۲۲	.... اور ہے، کیونکہ حکایات صحابہؓ ...... احادیث سے جنات کا مختلف شکلیں اختیار

کرنا ثابت ہے، اسی وجہ سے بعض اقسام کے سانپوں کو مار ڈالنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، جیساکہ باب مکروہات صلوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۴ میں مذکور ہے؛؛

ایک شبہ کا ازالہ

کیا تجانس امامت میں بھی شرط ہے؟

جس طرح تجانس باہم (ایک ہی جنس ہونا) نکاح میں شرط ہے شاید امامت میں بھی اس کو شرط قرار دیا جائے اور اس بناء پر جن کی امامت کو ناجائز سمجھا جائے، سو تحقیق یہ ہے کہ امامت میں اس کے شرط ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جن کا اقتداء (پیچھے نماز پڑھنا) اور اس پر آپؐ کی تقریر (یعنی اس پر آپؐ کا انکار نہ فرمانا اور باقی رہنے دینا) دلیل عدمِ اشتراط (شرط نہ ہونے) کی ہے، ورنہ عدمِ تجانسِ جانبین سے ہے، اور اس سے جواز اقتداء بالملائکہ (فرشتوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے جائز ہونے) کا شبہ نہ کیا جائے، کہ جبرئیل علیہ السلام فرائض میں امام بنے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ یہ امامت بعد فرضیت (فرض ہونے) کے ہوئی ہے،

جواب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام پر بوجہ مامور (حکم خداوندی کا پابند) ہونے کے خود ان دو یوم کی نماز فرض ہوگئی تھی تو وہ بھی مثل انس و جن (انسانوں اور جنوں کی طرح) اس کے مکلّف (پابند) ہوگئے تھے، اور اقتداء مفترض (فرض ادا کرنیوالے) مفترض کیساتھ ہوتی اور مطلقاً ملائکہ پر نمازیں فرض نہیں، اس لئے وہ متنفّل (نفل پڑھنے والے) ہوں گے جو مانع اقتداءِ مفترض (...فرض پڑھنے والے کی اقتداء کے لئے مانع) ہے،

مسئلہ زیرِ بحث میں ایک عجیب نکتہ

منکوحہ جنّیہ کی اولاد کو جن اور منکوحہ آدمیہ کی اولاد کو آدمی کہیں گے،

اس تحقیق کا حاصل تو یہ تھا کہ تناکح انسان اور جن میں جائز نہیں لیکن یہ امر قابلِ تحقیق باقی رہا کہ اگر کسی نے باوجود ناجائز سمجھنے کے یا بوجہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کے ایسا کرلیا، اور اس نکاح سے اولاد پیدا ہوگئی، گو

ظاہراً بروئے طب مستبعد (طبی اعتبار سے ناممکن) ہے تو آیا بروئے قواعد شرعیہ (شرعی اصولوں کے مطابق) اس کو انسان کہا جائے گا یا جن، مثلاً خود ایسی اولاد کا نکاح آدمی و آدمیہ سے جائز ہوگا یا نہیں؟

سو حکم اس کا قواعد کی رُو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد نسباً باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے، لیکن اوصاف و اصناف (صفات اور نسل) میں تابع ماں کے ہوتی ہے، مثلاً اگر مرد آزاد ہو اور عورت مملوکہ (لونڈی ہو) اور ان میں نکاح ہو کر اولاد ہو تو وہ مملوک (غلام) ہوگی یا مثلاً نر ہرن اور مادہ بکری سے بچہ پیدا ہو تو وہ بکری سمجھی جائے گی، مثلاً قربانی اس کی صحیح ہوگی، وعلیٰ ہٰذا،

پس اس قاعدہ کا مقتضا یہ ہے کہ اگر منکوحہ جنیہ ہے تو اولاد کو جنّ کہیں گے، اور اس کا نکاح آدمی سے درست نہ ہوگا، اور اگر ناکح جن ہے اور منکوحہ آدمیہ تو اولاد کو آدمی کہہ کر اس کے احکام جاری ہوں گے، واللہ اعلم،

ایکِ علمی نکتہ

کسی پر ظلماً جن آنے کے وقت دوسری عورتوں کو پردہ کرنا چاہئے

اگر کوئی جن ظلماً کسی عورت کے پاس آتا ہو اور وہ اُس کے دفع پر کسی تدبیر مثل تعویذ و عمل وغیرہ سے قادر نہ ہو تو وہ مجبور ہونے کے سبب معذور ہے، لیکن دوسری عورتوں کو جبکہ اس مظلومہ کے خبر دینے سے یہ اطلاع ہو کہ اس وقت وہ یہاں آیا ہوا ہے اس کے ساتھ مثل اجنبی مردوں کے معاملہ کرنا واجب ہوگا، یعنی اس کے سامنے بے پردہ ہونا درست نہ ہوگا، البتہ اگر مظلومہ کی اعانت یا دفعِ وحشت (مدد کرنے یا خوف دور کرنے) کی ضرورت سے وہاں رہنا ہو تو بجز وجہ و کفین و قدمین (سوائے چہرے، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پاؤں) کے باقی تمام بدن ڈھانکنا واجب ہوگا، یعنی سر و باز و گردن و ساق (پنڈلی) کا ظاہر کرنا درست نہ ہوگا ثقہ و صالحہ عورتیں بھی اس مسئلہ سے غافل ہیں،

واللہ اعلم والحمد للہ العلی الماجد علیٰ تحقیق ھٰذہ اللطائف التی لعلک لاتجدھا فی موضع واحد،

(اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے، ان علمی نکات کی تحقیق پر جن کا ایک ہی جگہ اس طرح ملنا مشکل ہے اللہ بزرگ و برتر کے لئے ہی سب تعریفیں ہیں")

کتبہ اشرف علی (نور اللہ مرقدہٗ)

اصلاحِ انقلاب متعلّق مہر

اس باب میں بھی متعدّد مختلف کوتاہیاں ہوتی ہیں، بعضہا اشد من بعض (جن میں سے بعض بعض سے زیادہ سخت ہیں)۔

مہر بنص شارع حق واجب اور لازم ہے، ایک کوتاہی جو بعض وجوہ سے سب سے زیادہ سخت ہے، یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگ مہر ادا کرنے کا ارادہ ہی دل میں نہیں رکھتے، پھر خواہ جانب ثانی (یعنی بیوی) بھی وصول کا ارادہ نہ کرے، اور خواہ کسی سبب عارض (پیش آنے والا واقعہ یعنی طلاق یا موت سے وہ (بیوی) یا اس کے بعد اس کے ورثہ وصول کرنے کی کوشش کریں، لیکن ہر حال میں زوج (شوہر) کی نیت ادا کی نہ ہو، سو لوگوں کی نظر میں یہ نہایت سرسری امر (معمولی معاملہ) ہے حتی کہ اس کا سرسری ہونا ان کی تصریحات سے بھی معلوم ہو جاتا ہے، چنانچہ قلت وکثرتِ مہر (مہر کے کم زیادہ ہونے) کی گفتگو میں بے دھڑک (بلا جھجک) کہہ دیتے ہیں کہ میاں کون لیتا ہے، کون دیتا ہے، خیر یہ بھی ایک بات ہے تو یہ لوگ اپنے اس اعتقاد کا صریح اقرار کرتے ہیں کہ مہر محض نام ہی کرنے کو ہوتا ہے، دینے لینے کو اس سے کوئی تعلّق نہیں، سو اوّل تو فی نفسہ بھی یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے، مہر بنصِ شارع حق واجب اور لازم ہے، اور مثل دیگر دیون مفترض الادا (دوسرے ان قرضوں کی طرح ہے جن کی ادائیگی ہر حال میں ضروری ہوتی) ہے، جب تک کہ کوئی مُسقِط... (گراتے والا یعنی ختم کرنے والا) اس کا نہ پایا جائے، مثل ابراء (معافی) یا اس کے جُز یا کُل کا زوج کو میراث میں پہنچ جانا، یا طلاق قبل الدخول (ہمبستری سے پہلے طلاق) نصف مہر کے لئے وغیرہ ذلک من اسباب المذکورۃ فی کتب الفقہ (اور اسی طرح کے دوسرے اسباب جو کتب فقہ میں مذکور ہیں)

بہرحال وہ فی نفسہ (اپنی ذات میں) واجب الادا، ہے، دوسرے موقع پر خود یہ مدعی (دعویٰ کرنے والے) ہی اپنے فعل سے اس قول کی تکذیب کرنے لگتے ہیں، یعنی جب اُن کی متعلّقہ کا جبکہ وہ معلّقہ یا مُطلّقہ (ویسے ہی ترکِ تعلق کر رکھا ہو یا طلاق یافتہ ...) ہو جائے کوئی معاملہ پیش آتا ہی

توسب سے اول یہی مدعی اس مہر کے لزوم (ضروری ہونے) کے مدعی بن جاتے ہیں،
بہرحال اس کے سرسری ہونے کا دعویٰ تحقیقاً و الزاماً (تحقیق اور لازم ہونے کی رو سے) ہر طرح غلط ہے، مگر پھر بھی بفحوائے یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (اپنے منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں) عام طور سے اُس کا سرسری ہونا زبان زد (مشہور) ہوگیا ہے،

دل میں مہر ادا نہ کرنے کی نیت ہو تو وہ شخص زانی ہو کر مرے گا

سو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کو سرسری سمجھنا اور ادا کی نیت نہ رکھنا اتنی بڑی سخت بات ہے کہ حدیث شریف میں اس پر بہت ہی بڑی وعید آئی ہے، چنانچہ کنز العمال بروایت ابویعلیٰ و طبرانی در افعی و ابن النجار و ابن عساکر و بیہقی کے حضرت صہیبؓ سے بروایت ابن مندہ کے میمون بن جابان البصری عن ابیہ سے باختلاف بعض الفاظ یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر ٹھہرائے پھر یہ نیت رکھے کہ اس کے مہر میں سے اس کو کچھ نہ دے گا، یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ شخص زانی ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ سے زانی ہو کر ملے گا، (جلد ۸ صفحہ ۲۴۸)
سو ملاحظہ کیجئے کہ کتنی بڑی سخت وعید[1] ہے کہ باوجود صورت نکاح پھر اس شخص کا شمار زانیوں میں ہوا تو کیا اب بھی یہ کوتاہی قابلِ تدارک (تلافی کے قابل) نہیں ہے، اور ہر چند کہ عمل میں اور وعید میں وجہ تعلق معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن تبرعاً (بطور بھلائی) ایک ظاہری وجہ پر متنبہ بھی کرتا ہوں، اس سے پہلے دو مقدمے جاننا چاہئے،

نکاح اور زنا میں فرق،

ایک یہ کہ بتصریحِ حدیث نکاح اور زنا میں ما بہ الفرق (فرق کرنے والے) یہ امور ہیں، ولی بعض صورتوں میں اور دو گواہ اور مہر، جاء فی الروایات مصرحاً کنا فی کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۵، ۲۴۶ و ۲۴۷ و ۲۴۹ و ۲۹۶ و ۲۹۷ فی شهادة رجل وامرأة بطلها عمر،

کوئی عملِ شرعی بدون نیت عند اللہ معتبر نہیں،

دوسرا یہ کہ مہر مقرر کرنا ایک عمل ہے، اور جب نیت دینے کی نہ ہو تو یہ مقرر کرنا معتبر نہ ہوا، للمقدمة الثانية (اس دوسرے مقدمہ کی رو سے) پس گویا مہر مقرر ہی نہیں ہے، اور مہر مقرر نہ کرنا خاصہ زنا کا ہے، للمقدمة الاولیٰ (مقدمہ اول کے اعتبار سے) پس اس حیثیتِ خاص سے یہ نکاح مشابہ زنا کے ہوا، اس لئے ناکح کو زانی فرمایا گیا، مراد

---

[1] گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کے مصداق بننے سے گریز کرنے کی پوری کوشش کرنا چاہئے ۱۲ احقر قریشی،

یہ کہ مشابہ زانی کے ہے، جس کی وجہ ابھی مذکور ہوئی، اور اس تقریر سے وجہِ وعید بھی معلوم ہوئی، اسی طرح اس حدیث کی شرح اور توجیہ بھی ہوگئی،

مہر ادا نہ کرنے کی نیت رکھنے والا خائن اور چور بھی ہے، | نیز اسی حدیث مذکور میں ایک جز اور بھی ہے، وہ یہ کہ اگر کسی سے کچھ مال خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی نیت نہ رکھے، یا کسی کا کچھ دَین (ذمہ میں واجب) ہو اور وہ اس کے ادا کی نیت نہ رکھے، یا کسی سے کچھ قرض لیا ہو اور اس کو ادا نہ کرنا چاہتا ہو، تو وہ شخص موت کے وقت اور قیامت کے روز خائن (خیانت کرنے والا) اور چور ہوگا، اور ظاہر ہے مہر ایک دین (ذمہ میں واجب حق) ہے، جب اس کے ادا کی نیت نہ ہوئی تو حدیث کے اس دوسرے جز کے اعتبار سے یہ شخص خائن اور چور بھی ہوا تو ایسے شخص پر دو جرم قائم ہوئے، زانی ہونے کا للجز، الاوّل (پہلے جز کی رُو سے) اور خائن و سارق ہونے کا للجز، الثانی (دوسرے جز کے اعتبار سے) اور اس عمل میں اور اس کی وعید میں وجہِ تعلق اوّل کی طرح مخفی (پوشیدہ) نہیں، بلکہ ظاہر ہے، کیونکہ کسی کے حق مالی کو ضائع کرنا ظاہر ہے کہ خیانت و سرقہ (چوری) ہے، جب ایک ہی وعید کے ترتب (مرتب ہونے) پر میں نے اوپر کہا ہے کہ کیا اب بھی یہ کوتاہی قابلِ تدارک نہیں؟ اب تو دو وعیدوں کا ترتب ثابت ہوگیا، اب زیادہ زور کے ساتھ کہا جائے گا کہ کیا اب بھی یہ کوتاہی قابلِ تدارک نہیں؟

اپنی وسعت سے زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہیے، | سو اس کا تدارک ظاہر ہے، کہ ادا کرنے کی مصمم نیت (پکی نیت) رکھی جائے مگر تجربہ اور وجدان شاہد ہیں کہ بعادت اکثر (اکثر عادت کے مطابق) یہ مصمم نیت اسی عمل ہو سکتی ہے جس پر عادۃً قدرت ہو، ورنہ نیت کا محض تخیل (خیال) ہوتا ہے تحقق (وقوع) نہیں ہوتا، اور ظاہر ہے کہ جس شخص کو سو روپیہ دینے کی قدرت نہ ہو وہ عادۃً لاکھ سوا لاکھ بلکہ دس ہزار پانچ ہزار دینے پر بھی قادر نہیں، جب قادر (ادائیگی کی طاقت رکھنے والا) نہیں تو بحکم مقدمۂ مذکورہ (مذکورہ مقدمہ کے مطابق) وہ اس کے ادا کی بھی نیت نہ رکھے گا، پس اگر اگر ایسے شخص کا اتنا مہر مقرر ہوا تو وہ ادا کی نیت نہ رکھنے کے سبب لامحالہ (ضرور) اس وعید کا محل (موقع) بنے گا، پس نیت ادا کے تحقق کی صورت میں بنا، بر تقریر مذکورہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وسعت سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے، اور چونکہ وسعت اکثر لوگوں کو اکثر زمانوں قلیل (کم) ہے، اس لئے اسلم و احوط طریقہ (زیادہ سلامتی والا اور محتاط طریقہ) یہی ٹھہرا کہ مہر قلیل ہو،

احادیث میں مہر زیادہ مقرر کرنے کی کراہت اور کم مقرر کرنے کی ترغیب آئی ہے، | پس مہر کا کثیر تعداد میں مقرر کرنا ایک کوتاہی ہے، جس پر پہلی کوتاہی ملزوم عادی (عام طور پر پائی جانے والی)

مرتب ہوتی ہے، اسی واسطے حدیثوں میں مہر زیادہ ٹھہرانے کی کراہت (نا پسندیدگی) اور کم ٹھہرانے کی ترغیب (پسندیدگی کی طرف توجہ) آئی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ مہروں میں زیادتی مت کرو، کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کی بات یا اللہ کے نزدیک تقوے کی بات ہوتی تو سب سے زیادہ اس کے مستحق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کسی بی بی کا اور اسی طرح کسی بیٹی کا مہر بارہ ۱۲ اوقیہ سے زیادہ نہیں ہوا، (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور ایک درہم تقریباً چار آنہ چار پائی کا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا مبارک ہونا یہ بھی ہے کہ اس کا مہر آسان ہو،

اخرجهما فی کنز العمال عن عب ط و والحمیدی ص وابن سعد وابی عبید فی الغریب ش حم والعدنی والدارمی د ت وقال صحیح ن ع حب ک ر قط فی الافراد حل ق، ص ۲۹۷ والثانی عن حم ک هق، ص ۲۳۹

اور ایک حدیث میں ہے کہ اچھا مہر وہ ہے جو آسان اور قلیل ہو، (کنز العمال، ص ۲۴۸) اور حدیث میں ہے کہ آسانی اختیار کرو مہر میں (کنز ۲۴۹) اور اگر حضرت عمرؓ کی روایت پر کسی کو عجوزہ (بڑھیا) کے معارضۂ مشہورہ (مشہور اعتراض) کے بعد حضرت عمرؓ کے رجوع کا شبہ ہو تو جواب اس کا یہ ہو کہ یہ رجوع اس کی ترجیح یا اس کی ضد سے کراہت نہیں ہے، بلکہ پہلے حضرت عمرؓ کی یہ رائے ہوگئی تھی کہ اس کو ایک قانون بنا دیں، کہ مقدار خاص سے زیادہ مقرر کرنا باطل قرار دیا جائے، اور اس کو واجب ہی نہ کہا جائے، سو اس سے آپ نے رجوع فرما لیا، یعنی ایسا قانون نہیں بنایا، اس توجیہ میں روایات مصرح ہیں، وہ روایات ان نمبروں کی کنز العمال میں مذکور ہیں، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۰۸، ۵۱۰۹ وغیرہا، ص ۲۹۸ ج ۸)

اپنی ہمت سے زیادہ مہر قبول کرنا شرعاً منع ہے،

غرض دلائل صریحہ مرفوعہ و موقوفہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کے اقوال) سے نیز قواعد شرعیہ سے کہ تحمل ما لا یطیق (اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھانے) سے ممانعت آئی ہے، کما فی حدیث :-

رواہ الترمذی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَنۡبَغِیۡ لِلۡمُؤۡمِنِ اَنۡ یَّذِلَّ نَفۡسَہٗ قِیۡلَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ وَکَیۡفَ یَذِلُّ	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مؤمن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ وہ اپنے آپ کو کس طرح ذلیل

نَفْسَهٗ قَالَ يَتَحَمَّلُ مِنَ الْبَلَاءِ مَالَا يُطِيْقُهٗ،

کرتا ہو؟ ارشاد فرمایا ایسی مصیبت کو اٹھاتا ہے جس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا"

تحمل سے زیادہ مہر کے التزام (مقرر) نہ کرنے کا اور اس کی تقلیل (کم ہونے) کا مطلوب شرعی ہونا ثابت ہوگیا،

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے

اب یہ کلام باقی رہا کہ اس تقلیل کی بھی کوئی حد ہے یا نہیں؟ سو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو اسکی کوئی حد مقرر نہیں، قلیل سے قلیل مقدار بھی مہر بن سکتا ہے، بشرطیکہ مال متقوم (قیمت والا مال) ہو، خواہ ایک ہی پیسہ ہو، اور احادیث کثیرہ (بہت سی حدیثوں) کے ظاہر الفاظ اس کے موافق ہیں، مثلاً (یتزوج بقلیل اوکثیر)[1] اور (ولو بسوط)[2]، اور (ولو بخاتم من حدید)[3] اور (ملأ کفیہ برّاً اوسویقاً اوتمراً اودقیقاً)[4] اور (اوبدرہم)[5] اور (ما تراضی بہ الاہلون ولو قبضۃ من اراک)[6] اور (ملأ یدیہ طعاماً)[7] (کنز العمال ص ۲۴۸ و ۲۴۹) اور (تزوج علی نعل)[8] ص ۲۹۹، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس قلیل کی حد دس درہم ہیں یعنی اس سے کم مہر جائز نہیں، حتیٰ کہ اگر تصریحاً بھی اس سے کم مقرر کیا جائے گا، تو بھی دس درہم واجب ہوں گے، اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہ حدیثیں مع تضعیف (ضعف کے ساتھ) مشہور ہیں،

عن جابر لا صداق اقل من عشرۃ دراھم قسطق وضعفاہ وعن علی قال ادنی ما یستحل بہ الفرج عشرۃ دراھم ق وضعفہ وعن علی قال لا صداق دون عشرۃ دراھم قطق وضعفہ،

"حضرت جابرؓ سے مروی ہو کہ وہ مہر نہیں جو دس درہم سے کم ہو، اور حضرت علیؓ سے مروی ہو کہ فرمایا کہ کم از کم جس سے فرج حلال ہو سکتی ہو دس درہم ہیں' اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، اور حضرت علیؓ سے ہی مروی ہے کہ دس سے کم مہر نہیں اسے بھی ضعیف قرار دیا گیا ہو"

---

[1] نکاح کرے کم یا زیادہ مہر کے ساتھ۔ [2] خواہ ایک کوڑا ہو، [3] خواہ لوہے کی انگشتری ہو، [4] خواہ دونوں ہتھیلیوں میں گندم یا ستو یا کھجور یا آٹا بھرا ہو، [5] یا ایک درہم ہو، [6] خواہ اس کے قبضہ میں پیلو کے درخت کا پھل ہو، [7] خواہ دونوں ہاتھ کھانے سے بھرے ہوں، [8] یا جوتا مہر مقرر کرکے شادی کی ۱۲

مگر صاحبِ فتح القدیر نے اس حدیث کا ایک طریق حسن نقل کیا ہے، اس کی عبارت ہے: ورواہ ابن ابی حاتم بسند حسن کما قالہ ابن حجر (ابن ابی حاتم نے سندِ حسن سے روایت کیا جیسا کہ ابن حجر کا قول ہے) اور مزید تحقیق اس کی احیاالسنن اور اس کی تعلیق میں ہے، باقی تمسکات شافعی (امام شافعی کے دلائل) کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ وہ سب مہر معجل (وہ مہر جو نکاح کے بعد مدتِ معیّن میں ادا کردیا جائے) پر محمول ہیں، چنانچہ بعض روایات کے الفاظ اس کا قرینہ بھی ہیں:

فی کنز العمال عن ابی عباس قال اذا تزوج المرأۃ فان استطاع ان لا یدخل علیھا حتّٰی یعطیھا شیئًا فان لم یجد الّا احدی نعلیہ فلیخلعھا فلیعطھا ایاھا، (ابن جریر، ص ۲۹۹)	(کنز العمال میں حضرت ابو العباس رضؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے، سو اگر وہ اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ عورت کے پاس اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اسے کوئی چیز نہ دے، اور اس کے پاس دینے کے لئے سوائے ایک جوتے کے کچھ نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ جوتہ اُتار کر اس عورت کو دیدے۔"

اور چونکہ متمسک امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مدلول میں اصرح ہے، بہ نسبت متمسکات شافعیؒ کے، اس لئے صریح میں تاویل مناسب نہیں ہوئی، یہ کلام تو عالمانہ ہے،

موضعِ اختلاف میں احوط پر عمل زیادہ مناسب ہے

باقی عاملانہ تقریر یہ ہے کہ موضعِ اختلاف (اختلاف کی جگہ) میں احوط (زیادہ احتیاط) پر عمل مناسب ہی، تو دس دراہم سے کم کا جواز تو مختلف فیہ (جائز ہونا تو اختلافی مسئلہ) ہے، اور دس درہم کا جواز متفق علیہ (جائز ہونے پر سب کا اتفاق) اس لئے احوط یہی ہے، اور یہ احتیاط ایسی ہے جیسے نصابِ سرقہ (چوری کے نصاب) میں ایک قول ربع دینار یعنی اڑھائی درہم ہے، اور ایک قول دس درہم، پس ربع دینار نصاب مختلف فیہ ہوا، اور دس درہم متفق علیہ، پس دس ہی درہم لینا احوط ہے، اور اس سے کم میں مختلف فیہ ہونے سے شبہ ہوگیا کہ موجبِ حد (حدِ شرعی واجب کرنے والا) ہے یا نہیں؟ اور شبہ دافعِ حدود ہوتا ہے، اس لئے اس میں قطع نہ کرنا (ہاتھ نہ کاٹنا) احوط ہوا پس مہر میں تو دس درہم کو اقل نصاب (کم از کم نصاب) ٹھہرانا احوط ہوا

ملہ موجودہ دور میں دس درہم کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ۲ تولہ ۸ ماشے ۵ رتی چاندی کی قیمت لگائی جائے، جو دس درہم کے برابر ہوگی، (بلکہ احتیاطاً اس میں ایک رتی ایک ماشہ شامل کی گئی ہی)، بندہ احقر قریشی غفرلہ

اور دس درہم نصابِ سرقہ ہونا یہ بھی وجداناً مؤیّد (عقلاً تائید کرنے والا) معلوم ہوتا ہے قول امامؒ کا، کیونکہ اس سے ایک عضو یعنی ہاتھ کی قیمت کا کم از کم دس درہم ہونا معلوم ہوا، تو بضع زن (عورت کے عضو مخصوص) کی قیمت بھی اس سے کم نہ ہوگی، وتفطن لہ صاحب الہدایہ فی الہدایہ۔ بہرحال احتیاط بہت سے بہت اس سے کم نہ کرنے کو مقتضی ہوگی، لیکن یہاں تک تو کمی کرنے کا بالاتفاق اختیار ہے، پھر زیادتی پر کیا مجبوری ہے؟

مہر زیادہ مقرر کرنے کی دنیوی خرابیاں اور یہ تو بیان تھا کثرتِ مہر کی دینی خرابی کا کہ فی نفسہٖ (اپنی ذات میں) بھی خلافِ سنت ہے، اور پھر وہ سبب ہوجاتا ہے عدم قصدِ ادا (ادا نہ کرنے کا ارادہ) جس پر اس شخص کو گناہ میں زانی سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس کے علاوہ اس میں جو دنیوی خرابیاں ہیں وہ آنکھوں سے نظر آتی ہیں، مثلاً بہت جگہ موافقت نہیں آتی اور زوجہ کے حقوق نہیں ادا کئے جاتے، مگر طلاق اس لئے نہیں دیتے کہ مہر زیادہ ہے، یہ لوگ دعویٰ کرکے پریشان کریں گے، پس کثرتِ مہر بجائے اس کے کہ عورت کی مصلحت کا سبب ہوتا اُلٹا اس کی کلفت کا سبب ہوگیا، بعض عقلاء اس کثرت میں یہی مصلحت سمجھتے ہیں کہ چھوڑ نہ سکے گا، مگر یہ نہیں سمجھتے کہ چھوڑ نہ سکنا ہر جگہ تو مصلحت نہیں، مثلاً اس صورتِ مذکورہ میں اس میں کیا مصلحت ہوئی، اور مثلاً بہت جگہ بعد طلاق یا موت دعویٰ ہوا ہے، اور چونکہ تعداد میں لاکھوں تک ہوا ہے تمام جائداد سب کی نذر ہوجاتی ہے، اور زوج یا اس کے ورثہ اس کی بدولت نان شبینہ (رات کے کھانے تک) کے محتاج ہوجاتے ہیں، پس دینی و دنیوی خرابیوں کے مجموعہ سے وہ مضمون صادق آتا ہے:

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (الحج، آیت ۱۱)	(دُنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا یہی کھلا خسارہ ہے)

اور یہ سب خرابیاں تو کثرتِ مہر کی اس وقت ہیں جب ادا نہ کیا جائے، یا ادا کا ارادہ نہ ہو، اور اگر مرد پر خدا کا خوف غالب ہوا اور حقوق العباد (بندوں کے حقوق) سے اُس نے سبکدوش (فارغ) ہونا چاہا اور ادا کا قصد کیا، تو اس وقت یہ مصیبت پیش آتی ہے کہ اتنی مقدار کا ادا کرنا اس کے تحمل سے زیادہ ہوتا ہے تو اس پر فکر اور تردّد کا بارِ عظیم پڑتا ہے، اور کما کما کر ادا کرتا ہے، مگر مقدار زیادہ ہونے سے وہ ادا نہیں ہوتا، اور تمام تر اس کا ذخیرہ اسی میں کھپتا چلا جاتا ہے اور طرح طرح کی تنگی برداشت کرتا ہے، پھر اس سے دل میں تنگی اور پریشانی ہوتی ہے، یہ تو مرد کی تکلیف ہوئی، پھر چونکہ سبب اس تمام تر تکلیف کا وہ عورت ہے اس لئے انجام کار (نتیجہ میں)

اس مرد کے دل میں اس سے انقباض (کھنچاؤ) پھر انقباض سے تنفر (نفرت) پھر عداوت (دشمنی) پیدا ہوجاتی ہے، پس جو نکاح کہ موضوع تھا مصالحِ زوجین اور اتحاد باہمی کے لئے وہ بالواسطہ اس کے ایک حقِ خاص یعنی مہر کے اس طریق پر سبب ہوگیا اس کے ضد یعنی عداوت وکدورت (دشمنی اور نفرت کا) پس یہ صریح قلب موضوع (اُلٹا معاملہ) ہے جس کا سبب کثرتِ مہر کی ہے، پس قلبِ موضوع جب قبیح (خرابی) ہے اس کا سبب بھی قبح (خرابی) سے خالی نہ ہوگا، اس حدیث کا یہی مطلب ہے:۔

تیاسروا فی الصداق فان الرجل لیعطی المرأۃ حتّٰی یبقی ذلک فی نفسہ علیہا حسیکۃ رعب الخطابی من الخرائب عن ابن حسین مرسلاً کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۹،	(مہر کے اندر آسانی رکھی (اختیار کرو) اس لئے کہ مرد عورت کو (زیادہ مہر دے) بیٹھتا ہے، حتّٰی کہ اس دینے سے اس کے نفس کے اندر عورت سے متعلق دشمنی باقی رہ جاتی ہے)) (کنز العمال ص ۲۴۹))

اور اوپر جو خطبہ حضرت عمرؓ کا گذرا اس میں یہ بھی ہے:۔

ان احدکم لیغلی صدقۃ المرأۃ حتّٰی یکون لہا عداوۃ فی نفسہ الخ	(تم میں سے کوئی عورت کو کثیر مہر ادا کرتا ہے، یہاں تک مرد کے دل میں عورت کے لئے عداوت بیٹھ جاتی ہے))

چنانچہ خود مجھ کو اس کا اندازہ ہوا کہ میری ایک اہلیہ کا مہر پانچ ہزار اور دوسری کا پانچ سو تھا، بفضلہٖ تعالیٰ دونوں ادا کئے گئے، مگر اول مہر کے ادا میں جو کچھ گرانی ہوئی اگر والد صاحب مرحوم کا ذخیرہ اس میں اعانت نہ کرتا تو وہ گرانی ضرور کدورت کی صورت پیدا کرتی، اور دوسرا مہر صرف فتوحاتِ یومیہ کی آمدنی سے بہت آسانی سے ادا ہوگیا، اس کا کوئی معتد بہ (قابلِ ذکر) بار قلب پر نہیں پڑا، پھر اگر اس کوشش پر بھی ادا نہ ہوسکا، تو نفس میں ایک دوسری کم ہمتی جو خلافِ غیرت ہے پیدا ہوتی ہے، وہ یہ کہ عورت سے معاف کرایا جائے، پس اس سے درخواست کی جاتی ہے، سو اول تو اس درخواست کا پورا کرنا اس کے قبضہ میں ہے، اگر وہ پورا نہ کرے اس کو اختیار ہے، دوسرے خود یہ درخواست ہی ذلت سے خالی نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے جہاں برأت (سبکدوش ہونے) کی دو صورتیں فرمائی ہیں:۔

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرہ آیت ۲۳۷)	(مگر یہ ہو کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کا اختیار ہے (یعنی شوہر))

اس کے بعد ہی دوسری صورت کی ترجیح کی تصریح ہے؛

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ،	("اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے")

اور اس کے ساتھ ہی پہلی صورت کی اباحت (جائز ہونا) بھی عام مفہوم سے ارشاد فرمادی ہے؛

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ،	("اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو")

جس کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ پہلی صورت باوجود مباح ہونے کے مرجوع (ناپسندیدہ) ہے لکونہ ابعد من الغیرۃ (کیونکہ یہ غیرت کے خلاف ہے) تو دیکھئے یہی کثرت بعض صورتوں میں اخلاقی کمزوری کا بھی سبب بن گئی، جو کہ پسندیدہ نہیں سمجھی گئی، اور یہ بھی اس وقت تک ہے جبکہ مرد اس طلبِ معافی میں حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا لحاظ رکھے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا اھ

معافیٔ مہر میں طیبِ نفس سے معاف ہونا شرط ہے،

یعنی طیبِ نفس (دل سے راضی ہونے) کی رعایت کرے، ورنہ اگر غیرت کے ساتھ خشیت (خوفِ خدا) بھی مفقود ہے تو وہ صرف لفظی معافی کی ناجائز تدبیریں نکالے گا، یعنی یا عورت کو دھوکہ دے گا یا اس کو دھمکادے گا، اس پر جبر کرے گا، جس سے وہ معاف کر دے، مگر یاد رہے کہ ایسی معافی عند اللہ ہرگز معتبر و مقبول نہیں، اس صورت میں یہ عند اللہ علیٰ حالہٖ مشغول الذمہ (اللہ کے نزدیک اپنی ذمہ داری کے بوجھ تلے) رہے گا، اور اگر اس کو غیرت بھی ہوئی اور خشیت بھی ہوئی مگر وسعت نہ ہوئی تو اس کی پوری مصیبت ہے کہ تمام عمر اسی میں گھلا کیا، کہ میں کس طرح اس حق سے سبکدوش (فارغ) ہوں، دیکھئے اس کثرت سے کیسے پھل پھول کھلے ہیں، گو اس صورت میں اگر یہ نیت مصمم (پکی) رہی کہ جب ہوگا اور جتنا ہوگا ضرور دے گا اور تھوڑا تھوڑا دیتا بھی رہا مگر پورا نہ ہو سکا، تو آخرت میں امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا، لیکن اس بے چارہ کی دنیوی زندگی تو تلخ ہوگئی، اور جب شوہر کی زندگی تلخ ہے تو بی بی کی زندگی کیا بالطف ہو سکتی ہے، غرض اس میں ہر طرح کی خرابی ہی خرابی ہے،

زیادہ مہر مقرر کرنے کے سب مصالح موہومہ ہیں

اگر کسی شخص کو وسوسہ ہو کہ بعضے مفاسد (کچھ خرابیاں) قلیل میں ہیں، اور بعضے مصالح (کچھ مصلحتیں) کثیر میں ہیں، مثلاً اگر مہر قلیل ہو تو شوہر پر کوئی بار نہیں پڑتا اس کو کوئی امر اس سے مانع نہیں ہوتا کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کرلے، تو کثرت میں ذرا رکاوٹ رہتی ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ہمارا یہ مطلب نہیں کہ بہت ہی قلیل ہو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنا کثیر (زیادہ) نہ ہو جو اس کی دینی و دنیوی تباہی کا سبب بن جائے، عدمِ ادا کی نیت میں بھی، ادا کی کوشش میں بھی، اور ابراء (بری ہونے) کی تدبیر میں بھی، بلکہ اس میں اعتدال ہو جس میں تمام مصالح محفوظ رہیں، دوسرے جس شخص کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو تو کوئی چیز کسی امر سے نہیں روک سکتی، کیا ایسے واقعات پیشِ نظر نہیں ہیں کہ بڑے بڑے مہروں کے مدیون (مقروض) ہیں اور باوجود اس کے منکوحہ کا کوئی حق ادا نہیں کرتے اور نہ دوسری طرف ملتفت (متوجہ) ہونے سے رکتے ہیں خواہ وہ حلال ہو یا حرام، ایسے ظالموں کا کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا، خواہ اس وجہ سے کہ وہ صاحبِ وجاہت (بارعب شخصیت) ہے، اس سے ڈرتے ہیں، خواہ اس وجہ سے کہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں، اور نرا جیل خانہ کرانے سے کیا ملتا ہے، پھر داماد کے جیل جانے سے اپنی بیٹی کو کیا آرام ملا،

کثرتِ مہر محض رسم پرستی ہے، جس میں کوئی مصلحت نہیں،

بعضے لوگ اس میں مصلحت یہ بیان کرتے ہیں کہ قلت میں ذلت ہے اور کثرت میں عزت، سو اوّل تو مہر قلت میں جب کہ درجۂ اعتدال پر ہو ذلت نہیں، دوسرے اگر یہ مصلحت بھی ہوئی مگر مفاسد بے تعداد (بے شمار) ہوئے تو وہ مصلحت کب قابلِ تحصیل (حاصل ہونے کے قابل) ہوگی، تیسرے اگر تحصیلِ مصلحت تفاخر کے ساتھ قدرت علی الاداء (اظہارِ فخر کے ساتھ ادا کرنے کی قوت) کی کچھ بھی رعایت نہ ہو تو بقول میرے استاذ[1] علیہ الرحمۃ کے پھر اسی مقدار پر کیوں بس کی جاتی ہے؟ اس سے زیادہ مقدار میں اس سے زیادہ عزت اور فخر ہے، تو بہتر ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت کا خراج بلکہ اس کا بھی مضاعف (دو چند) یا اضعافاً مضاعفۃً (چند در چند) مقرر کیا جائے کیونکہ نہ دینا نہ لینا، صرف نام ہی نام تو اچھی طرح سے کیوں نہ نام کیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب رسم پرستی ہے، ورنہ واقع میں مصلحت کچھ نہیں، اور مفاسد متنوّع (خرابیاں قسم قسم کی) ہیں، لہٰذا اس کے واجب الاصلاح (اس کی اصلاح ضروری) ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا، پس رسم کو چھوڑو، اور عقل و شرع کا اتباع کرو، البتہ جن صورتوں میں مہر مثل سے کم کا مقرر کرنا ولی کو جائز نہ ہو جیسا فروعِ فقہیہ (فقہی احکام و مسائل) میں مذکور ہے، وہاں اس پر عمل کی یہ صورت ہے کہ سب متفق ہو کر اپنے عرف کو بدلیں، جس سے خود قلیل ہی مہر مثل بن جائے، بہرحال یہ صورت بھی اشکال کی نہیں جس سے کوئی نیم مُلّا شبہ کر سکے،

---

[1] حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۳۰۲ھ) (جواہرات یعقوبی حصہ اول ص۱۱) احقر قریشی

مہر مقرر کرتے وقت مقدار کا تعیین کرنا ضروری ہے،

ایک کوتاہی مہر کے بارے میں یہ ہے کہ بعضے لوگ بدون ذکر مقدار کے محض شرع محمدی کے عنوان سے مہر ٹھیراتے ہیں، اور پھر اُس کے مفہوم کی تعیین میں کوئی اصطلاح بھی بیان نہیں کرتے، تو اس طرح کا ٹھیرانا بجائے نہ ٹھیرانے ہی کے ہے اور مہر نہ ٹھیرانا گناہ ہے، جیسا اوپر مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہونے میں مشابہ زنا کے قرار دینے کی تقریر میں گذرا ہوا ہے، پس یہ گناہ کے مرتکب ہوئے، پھر اگر کسی وقت وصول کے لئے نزاع (جھگڑا) ہوا تو کیا مقدار ادا کی جائے گی، اور چونکہ قوم کی قوم میں یہی رسم ہے، اس لئے مہر مثل کی تحکیم (فیصلہ) بھی دشوار ہے، پس اس ابہام میں یہ خرابیاں ہیں، اور اسی قبیل (قسم) سے ہے وہ رسم جو بعض نواح (نزدیکی علاقوں) میں معلوم ہوئی ہے کہ سوا سیر کودوں کے عنوان سے مہر ٹھیراتے ہیں، جس کی شرح تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوئی کہ سوا سیر کودوں کی جس قدر شمار ہے اتنے شمار سے روپے ہوں، سو ظاہر ہے کہ یہ کوئی معین (مقررہ) شمار نہیں ہے، اگر سوا سیر کودوں کے دو انبار (ڈھیر) ہوں، یقیناً ان کے شمار میں تفاوت بھی ہوگا، پس یہ بھی مبہم رہا، اور اس میں بھی مذکورہ خرابیاں ہوئیں، اور علاوہ ان کے کثرتِ مقدار کی خرابی مزید برآں (اس کے علاوہ) ہے،

مہر مقرر کرنے کے لئے مال ہونا شرط ہے،

اور ان سب سے بڑھ کر بعض جگہ یہ بیہودگی سننے میں آئی ہے کہ مہر میں مچھر اور پسّو اور کھٹمل کئی کئی مٹکے ٹھیراتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ مہر ایسا ہو کہ اس کے ادا پر کبھی قدرت ہی نہ ہو، سو سمجھ لینا چاہئے کہ مہر کے لئے مال ہونا شرط ہے، یہ چیزیں جب مال نہیں ہیں تو واجب فی الذمہ (ذمہ میں واجب) بھی نہیں ہوتی، ان کا ذکر و عدم ذکر (ذکر کرنا یا نہ کرنا) برابر ہے، اور تغییر شرع (شریعت کو بدلنے) کا گناہ الگ رہا،

بعد وفاتِ شوہر زوجہ کو مہر میں تمام اشیاء منقولہ وغیر منقولہ پر قبضہ کرنا شرعاً صحیح نہیں،

ایک کوتاہی دربارۂ مہر کے زوجہ کی طرف سے یہ ہے کہ اکثر بعد وفات زوج کے اس کی تمام اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں سے جس جس سے قبضہ ہو سکے سب پر قبضہ کر کے اپنے دل کو سمجھا لیتی ہیں کہ یہ سب میں نے اپنے مہر میں رکھ لیا، اگرچہ وہ قیمت میں مہر سے کئی حصے زیادہ ہو، سو سمجھ لینا چاہئے کہ جب یہ اشیاء جنس مہر سے نہیں ہیں تو اس کو خود مہر میں لگا لینا جائز نہیں، بلکہ اس کے لئے یا تو حکم حاکم کی ضرورت ہے، اور یا دوسرے ورثاء کی رضامندی کی بشرطیکہ ان میں کوئی نابالغ نہ ہو، اور اگر کوئی نابالغ ہو تو اس میں خاص نابالغ کے حصے کے اعتبار سے پھر بھی شرط ہے کہ جائیداد قیمت میں مہر سے اس قدر زیادہ نہ ہو کہ اس کو سب مقوّمین (قیمت لگانے والے) زیادہ بتلاتے ہوں، البتہ جہاں دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں، کہ

نہ حاکم سے رجوع کرنے کا سامان ہو اور نہ ورثہ اس کا حق دینا چاہتے ہیں، اس خاص صورت میں اگر اس کو قدرت ہو جائداد مہر میں لگا سکتی ہے، بشرطیکہ جائیداد مہر کے برابر ہو، اصل میں یہ عملی فرع ہے خلاف جنس سے اپنا حق لے لینے کی سو اس میں بھی تفصیل ہے،

مہر سے متعلق شوہر کی کوتاہیاں ایک کوتاہی اس کے مقابل زوج (شوہر) کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ اپنی رائے سے زوجہ (بیوی) کو کوئی چیز خواہ قسم زیور سے یا پارچہ ومتاع (کپڑے اور سامان) سے یا مکان اور زمین بی بی کو دیدے اور اس کے نام کردے اور خود بھی نیت کرے کہ میں مہر میں دے چکا، اور مہر ادا کر دیا، سو سمجھ لینا چاہئے کہ مہر کے عوض (بدلہ) میں یہ چیزیں دینا بیع (خرید و فروخت) ہے، اور بیع میں تراضی جانبین مطلقاً شرط (دونوں طرف سے مکمل شرط) ہے، اور بعض میں تساوی مقدار میں (مقدار میں برابری) بھی شرط ہے، پس اگر ان چیزوں کا دینا مہر میں منظور ہے تو زوجہ سے صریح الفاظ میں پہلے پوچھنا چاہئے، کہ ہم تمہارے مہر میں یہ چیزیں دیتے ہیں، آیا تم رضامند ہو، پھر اگر وہ رضامند ہو تو اگر وہ چیز جنس مہر سے نہیں ہے مثلاً مہر روپیہ تھا اور یہ چیز مکان یا کپڑا ہے تو بلا شرط قلیل وکثیر کے رضامندی سے یہ مبادلہ جائز ہے، اور اگر وہ چیز جنس مہر سے ہے مثلاً روپیہ تھا، یہ چیز چاندی کا زیور ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ دونوں کی مقدار برابر ہو، مثلاً مہر اگر سو روپیہ ہوا اور زیور پچاس روپیہ کے برابر ہوا تو یہ مبادلہ جائز نہیں، البتہ دو صورتیں درست ہوں گی، ایک یہ کہ پچاس میں زیور لگادے، اور پچاس معاف کردے، دوسرے یہ کہ صلح کے طور پہ لے لے، تو اس کے معنی شریعت خود یہ تجویز کر لیتی ہے کہ پچاس میں زیور لے لیا، اور پچاس معاف کردیئے،

عورت اپنے مرض الموت میں مہر معاف نہیں کر سکتی ایک کوتاہی مہر کے بارہ میں یہ ہوتی ہے کہ اکثر عورت اپنے مرض الموت میں مہر معاف کر دیتی ہے اور اس معافی سے زوج بالکل بے فکر ہو جاتا ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ معافی وصیت للوارث کی فرع (وارث کے لئے وصیت کی ایک صورت) ہے، اور یہ بدون رضا دوسرے ورثہ کے ناجائز ہے، پس اس معافی سے مہر معاف نہ ہوگا، البتہ زوج کو جس قدر میراث میں پہنچے گا وہ بے شک معاف ہو جائے گا، باقی اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا. جو دوسرے وارثوں کو دیا جائے گا، البتہ اگر سب ورثہ اس معافی کو جائز رکھیں تو کل معاف ہو جائیگا اور اگر بعض نے جائز نہ رکھا یا بعض نابالغ ہوں تو اُن کے حصّہ کے قدر معاف نہ ہوگا،

شوہر کو مرض الموت میں عورت کو مہر معاف کرنے کی رائے نہیں دینا چاہئے ایک کوتاہی اس بارے میں یہ ہے کہ زوج کے مرض الموت میں عورت مہر معاف کر دیتی ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر

خوشی سے معاف کردے معاف ہوجاتا ہے، اور اگر عورتوں کی زبردستی گھیرا گھیری سے معاف کرے عند اللہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) معاف نہیں ہوتا، اور پر والوں کو ایسے موقع پر اس طرح مجبور نہ کرنا چاہئے بلکہ بعض مواقع پر معاف کرنا مصلحت بھی نہیں ہوتا، مثلاً میراث کا حصّہ زوجہ کا اس کی بسر کے لئے کافی نہیں، اور ورثہ سے بھی امید رعایت و کفالت (اخراجات برداشت کرنے) کی نہیں، ایسے موقع پر تو بجائے ترغیب معافی (معاف کرنے کی رغبت دلانے) کے معاف نہ کرنے کی رائے دینا مناسب ہے

زوجۂ متوفیہ کی اولاد کا حصّہ میں زوج کو تصرف کرنا حرام ہے، ایک کوتاہی مہر کے بارے میں یہ ہے کہ اگر زوجۂ متوفیہ (فوت شدہ بیوی) کے ورثہ اس کے ماں باپ یا بھائی وغیرہ ہوتے ہیں تب تو اُن کے مطالبہ پر زوج ان کا حصّہ مہر دیدیتا ہے، اور اگر خود اسی زوج کے اولاد وارث ہوئی تو چونکہ وہ مطالبہ کر نہیں سکتے یہ اُن کا حق ادا نہیں کرتا، یہ فعل سراسر ظلم اور خیانت ہے، ان کا حق امانت ہے، اس اولاد کے نام سے جمع رکھنا چاہئے، اور خاص ان کے مصالح میں صرف کرنا چاہئے، خورد سنبرد کرنا (خرچ کرنا) حرام ہے، اسی طرح اُن بچوں کو جو ماں سے میراث میں پہنچی ہوں ان سب کی حفاظت اس کے ذمّہ فرض ہے، اس میں بے جا تصرّف (بلاوجہ خرچ کرنا) حرام ہے،

نکاح یا رخصت سے قبل مصارفِ شادی کے لئے شوہر سے کچھ لینا حرام ہے، ایک کوتاہی بعض بلاد (علاقوں) میں بابِ مہر میں یہ ہے کہ زوج سے قبل نکاح یا قبل رخصت کچھ روپیہ اس غرض سے لے لیتے ہیں کہ مصارفِ شادی (شادی کے اخراجات) میں خرچ کریں گے، اور جب اُن کو منع کیا جاتا ہے کہ یہ رشوت اور حرام ہے تو یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم نے مہر میں لیا ہے، اگر یہ واقعی مہر ہے تو اس کی مالک عورت ہے، اور کسی کے مال میں بدون اس کے اذن بطیب خاطر (بغیر اجازت دل کی رضامندی کے) تصرّف کرنا حرام ہے، سو ان لوگوں نے عورت سے کب پوچھا ہے اور اس نے کب خوشی سے اجازت دی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اذن لاحق (بعد میں اجازت دینا) بھی مثل اذن سابق (پہلے اجازت دینے) کے ہے، اور اذن دلالۃً بھی مثل اذن صراحۃً کے ہے (یعنی عرف عام کے اعتبار سے جس کو اجازت سمجھا جائے وہ بالکل واضح طور پر اجازت دینے کے مانند ہوتا ہے) تو جواب یہ ہے کہ یہ بالکل مسلّم ہے (تسلیم شدہ) ہے، لیکن اذن کی حقیقت کا تو پایا جانا ضروری ہے، اور حقیقت اس کی وہاں ہوگی جہاں عدمِ اذن (اجازت نہ دینے) پر بھی قدرت ہے، سو ظاہر ہے کہ یہاں بوجہ اتباعِ رسم کے (رسم و رواج کی پیروی کی وجہ سے) اس کے روکنے یا اس کا ضمان (جرمانہ) اور بدل لینے کی عورت کو قدرت ہی نہیں، پس اذن کہاں پایا گیا؟ خلاصہ یہ کہ اگر

یہ مہر نہیں تو رشوت ہے، اور اگر مہر ہے تو غصب ہے، اور دونوں حرام ہیں،

نابالغ زوجہ کے مہر کی معافی شرعاً معتبر نہیں، ایک کوتاہی اس بارہ میں یہ ہوتی ہے کہ بعضے لوگ ویسے ہی یا طلاق دینے کے وقت نابالغ زوجہ سے مہر معاف کرا لیتے ہیں، یہ سو یہ معافی معتبر نہیں لانّ تبرع الصغیر باطل (تحقیق بچّہ کا صدقہ وغیرہ کرنا باطل ہے)، بعض جگہ اس سے بڑھ کر ہوتا ہے، کہ ولی زوجہ نابالغہ کا طلاق کا مطالبہ زوج سے کرتا ہے، اور یہ ولی ہی مہر معاف کر دیتا ہے، سو اس صورت میں اگر زوج نے طلاق دیدی تو طلاق تو واقع ہو جائے گی، مگر مہر ساقط نہ ہوگا،

عورتوں کا مہر مانگنا شرعاً کوئی عیب کی بات نہیں ایک کوتاہی کہ وہ عملی غلطی ہے اس بارہ میں یہ ہے کہ عورتیں مہر مانگنے کو یا بے مانگے لے لینے کو عیب سمجھتی ہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو بدنام کرتی ہیں، سو اپنے حق واجب کا مانگنا یا وصول کر لینا جب شرعاً کچھ عیب نہیں تو محض اتباعِ رسم سے اس کو عیب سمجھنا گناہ سے خالی نہیں،

مہر اور نان و نفقہ دونوں علٰحدہ علٰحدہ حقوق ہیں، ایک کوتاہی کہ وہ علمی غلطی ہے یہ ہے کہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر ہم نے مہر لے لیا تو پھر ہمارا کوئی حق خاوند کے ذمہ نہ رہے گا، یعنی نان و نفقہ اور دیگر حقوقِ معاشرۃ سب ساقط ہو جائیں گے، سو یہ اعتقاد محض غلط ہے، سب حقوق الگ الگ ہیں، ایک حق دوسرے پر مبنی نہیں، مہر لینے سے دوسرا کوئی حق ساقط نہیں ہوتا، اور اس اعتقادِ باطل کا یہ اثر ظاہر ہوا ہو کہ شوہر مہر ادا کرتا ہے اور عورت نہیں لیتی، اور نہ معاف کرتی ہے، ایسی صورت میں اگر زوج پر ادائے حق کا غلبہ ہوا اور مسائل سے ناواقف ہوا تو بے حد پریشان ہوتا ہے، کہ اب میری برأت (سبکدوشی (ذمہ داری سے فراغت) کی کیا صورت ہو سکتی ہے، اس لئے اس کا مسئلہ بتلایا جاتا ہے کہ اس صورت میں اگر شوہر مالِ مہر کا زوجہ کے سامنے اس طرح رکھ دے کہ وہ اس کے قبضہ پر قادر ہو اور رکھ کر یہ کہدے کہ یہ تمہارا مہر ہے، اور یہ کہہ کر اس مجلس سے اُٹھ جائے تو مہر ادا ہو گیا، خواہ عورت اٹھا لے یا نہ اٹھائے، اگر اس نے نہ اٹھایا اور دوسرا کوئی لے گیا تو وہ زوجہ کا گیا اور اگر بہ خیال ضائع ہونے کے خاوند اٹھا لے گا تو وہ اس کے پاس زوجہ کی امانت رہے گا، شوہر کی ملک نہ ہوگا،

دَینِ مہر مانعِ وجوبِ زکوٰۃ نہیں ایک کوتاہی کہ وہ بھی علمی غلطی ہے کہ بعضے لوگ دَینِ مہر کو مانعِ وجوبِ زکوٰۃ (زکوٰۃ کے واجب ہونے کو روکنے والا) سمجھتے ہیں، یعنی جس شخص کے ذمہ مہر واجب ہو وہ یوں سمجھتا ہے کہ چونکہ میں اتنے کا قرضدار ہوں اس لئے مجھ پر اتنے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں، گو اس مسئلہ میں کسی قدر

اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ مانع نہیں، یعنی مہر کے لازم ہوتے ہوئے بھی کُل مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی، چنانچہ شامی نے بعد نقلِ اقوال کے کہا ہے:۔

زاد القهستانی عن الجواهر والصحیح انه غیر مانع (ص۴۳)	(قہستانی نے جواہر سے یہ اضافہ کیا ہے اور صحیح یہی ہے کہ وہ مانع نہیں»)

خصوص جبکہ ادا کی نیت بھی نہ ہو، تو پھر مانع ہونے کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ عازمِ ادا (ادا کرنے کا ارادہ رکھنے والا) جب کسی بار کا التزام ہی نہیں کرتا پھر اس کی رعایت بے وجہ ہے،

مہر کے وصول ہونے تک عورت کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں	ایک اور کوتاہی کہ وہ بھی علمی غلطی ہے، اور وہ عوام کا تو ملتفت الیہ بھی نہیں (یعنی عوام اس طرف توجہ نہیں دیتے) اُن سے گذر کر

خواص کو پیش آئی ہے وہ یہ کہ جس طرح اموالِ تجارت میں تاجر کے ذمہ مثل عین یعنی نقد موجود مال کے دَین (جو روپیہ دوسروں کے ذمہ ہے اس) میں بھی (یعنی اُن حقوق میں جو کہ لوگوں کے اس کے ذمہ واجب ہیں مثلاً اس کا قرض چاہتا ہے یا اُدھار سودا لینے والوں کے ذمہ دام چاہتے ہیں) زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح عورت کا جو دینِ مہر زوج کے ذمہ ہے اس میں بھی زوجہ کے ذمہ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ سو عوام کو اس طرف التفات ہی نہیں ہوا، جس کی وجہ عدمِ اہتمامِ دین (دین کی طرف توجہ کا نہ ہونا) ہے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کبھی یہ مسئلہ ہی نہیں پوچھا، حالانکہ تردّد کی اور پوچھنے کی بات تھی، کیونکہ آخر میں یہ بھی تو ایک قرض ہے، البتہ خواص کو تردّد ہوا، سو اُن میں جو غیر محقق تھے وہ قیاس سے وجوب (واجب ہونے) کے معتقد ہو بیٹھے، اور پھر یہ فکر ہوئی کہ اس وجوب میں تو تمام مہر زکوٰۃ ہی کی نذر ہو جائے گا، اس لئے انھوں نے اپنے نزدیک ایک دانائی سے کام لیا، کہ مہر میں بجائے روپیوں کے تانبے کے ٹکوں کی رسم تجویز کی، کہ ٹکے اموالِ زکوٰۃ سے نہیں ہیں، چنانچہ ہمارے قصبات میں اس رسم کی یہی اصل ہے، کذا سمعتُ استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (جیسا کہ میں نے اپنے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ سے سُنا ہے) اور جو محقق تھے انھوں نے فقہ سے رجوع کیا، سو تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو دَین بدلِ تجارت ہے یا قرض ہے وہ دَینِ قوی ہے، اور مہر دَینِ ضعیف، اس کا قیاس اس پر جائز نہیں، دَینِ قوی میں زکوٰۃ فرض ہے، اور دَینِ ضعیف میں نہیں ہے، جب تک وصول نہ ہو جائے، اور وصول ہونے کے بعد بھی زمانۂ گذشتہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، تازہ زکوٰۃ ہوگی، کذا فی الدر المختار، خلاصہ اخیر کے دو مسئلوں کا یہ ہوا کہ مہر نہ مانعِ زکوٰۃ ہے اور نہ موجبِ زکوٰۃ۔

ہٰذا ما حضرنی الآن فی باب المہر،

ٹکوں میں مہر مقرر کرتے وقت چند غور طلب باتیں کہ اس میں بھی کوتاہی کی جاتی ہے، اس کے سمجھنے کے لئے ایک تمہید کی حاجت ہے، جو مرکب ہے چند مقدمات سے،

ایک مقدمہ یہ ہے کہ ہمارے قصبات میں مدتِ مدیدہ (عرصۂ دراز) سے رسم ہے کہ مہر ٹکوں سے ٹھہراتے ہیں، جس کی بناء اور اس بنار کا ضعیف ہونا اوپر لکھ چکا ہوں،

دوسرا مقدمہ یہ کہ ان اطراف میں ٹکے دو قسم کے پائے جاتے ہیں، ایک منصوری جو موٹے موٹے پیسے ہوتے ہیں، دوسرے ڈبل، یعنی انگریزی سکہ کے پیسے،

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ مسئلہ فقہیہ ہے کہ اگر کسی وقت ایک نام کے کئی سکے چلتے ہوں اور معاملہ میں اس سکہ کا نام لیا جاوے تو اگر وہ رواج میں سب برابر ہیں تو ان میں قید لگانے کی ضرورت ہوگی، بدون اس کے محض نام لینا کافی نہ ہوگا، اور اگر کوئی زیادہ چلتا ہے کوئی کم تو اطلاق (مطلقاً ذکر کرنے) کے وقت وہی زیادہ چلنے والا مراد ہوگا، جیسے پہلے زمانہ میں منصوری پیسے زیادہ چلتے تھے، اور اب ڈبل پیسے زیادہ چلتے ہیں، پس پہلے زمانہ میں جب مہر ٹکوں سے ٹھیرایا جاتا تھا، منصوری ٹکے مراد ہوتے تھے، اور اب جب اس عنوان سے مہر ٹھیرایا جاوے گا ڈبل پیسے مراد ہوں گے،

چوتھا مقدمہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر معاملہ کے وقت کسی قسم کے پیسوں کا رواج تھا اور قبل ادا (ادا کرنے سے پہلے) رواج جاتا رہا تو اب صاحبِ حق اسی مقرر شدہ کا مطالبہ کر سکتا ہے، رائج حال (یعنی اس موجود وقت چلنے والے پیسوں) کا مطالبہ نہیں کر سکتا، کذا فی الدر المختار، کتاب البیوع، فصل القراض من قولہ استقرض من الفلوس الرائجۃ،

پانچواں مقدمہ، جو پیسے واجب ہیں تراضی جانبین (دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی) سے اس کی قیمت بھی لینا جائز ہے، مگر صاحبِ حق زمانہ وجوب (واجب ہونے کے زمانہ) کی قیمت جبراً نہیں لے سکتا، جب یہ پانچوں مقدمے ممہد (مکمل) ہوگئے تو:۔

ٹکوں سے مقرر کردہ مہر کی وصولی میں چند کوتاہیاں اب سمجھئے کہ وہ غلطی یہ ہے کہ جن عورتوں کے نکاح ان منصوری اَسّی ہزار ٹکوں پر ہوئے جن کی قیمت اس وقت ڈبل پیسے سے تقریباً پون پیسہ تھی، اور اب آدھا پیسہ یعنی ایک دھیلا ہو گیا ہے، بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ عورت یا اس کے اولیاء یا ورثہ زوج سے اسّی ہزار ٹکے ڈبل پیسے کے یا انہی ڈبل ٹکوں کی قیمت لگا کر ان منصوری ٹکوں کی جو قیمت اب ہے یعنی فی ٹکہ ایک پیسہ ڈبل، اس سے زیادہ مطالبہ نہیں ہو سکتا، اور اگر اس میں زیادہ نزاع

کرے تو زوج کو شرعاً جائز ہے کہ اسی منصوری پیسے کے اسّی ہزار ٹکے خرید کر حوالہ کرے، صاحبِ حق اس کے لینے سے انکار نہیں کر سکتا، یہ ہے وہ غلطی، البتہ جو نکاح اب ہوں گے جس وقت کہ زائد رواج ڈبل پیسوں کا ہے اس وقت بھی ڈبل پیسے واجب ہوں گے، پس اس کی قیمت سے روپیوں کا حساب ہوگا، یہ بیان تو غلطی کا تھا،

مہر میں دوسری جنس کی قیمت لگانے کا طریقہ

اب ایک اور عام مسئلہ اس قیمت لگانے کے متعلق معلوم کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ اگر واجب ایک چیز ہو اور لینے کے وقت اس کی قیمت لگا کر لی جائے دوسری چیز، تو یاد رکھنا چاہئے کہ جس قدر حق اُس وقت وصول کیا جاتا ہے، اسی حساب کا کرنا چاہئے، یہ جائز نہیں کہ پورے کا حساب دوسری جنس سے کر لیا جائے، پھر اس دوسری جنس سے کچھ اب لیا جائے کچھ دوسرے وقت، بلکہ بقایا حق کا حساب اگر دوسرے وقت اسی جنس سے کیا جاوے، تو اس دوسرے وقت کے نرخ وغیرہ کا اعتبار ہوگا، وقت سابق کے نرخ پر صاحبِ حق مجبور نہیں کر سکتا مثلاً ایک شخص نے منصوری (پیسہ) کے رواج کے وقت چالیس پیسے قرض لئے تھے، جو اس وقت آٹھ آنے کے تھے اور اب پانچ آنے کے ہیں، اور ان میں سے نصف اب وصول کرتا ہے، تو یہ جائز نہیں کہ اب حساب کر کے اس کے ذمہ پانچ آنے ٹھیرا دے، اور ڈھائی آنے اب لے لے، اور اڑھائی آنے پھر، بلکہ اس وقت بیس ہی پیسوں کا حساب کیا جاوے، پھر بیس کا دوسرے وقت کرے،

اگر فرض کیجئے اس وقت نرخ منصوری کا ڈبل کے چار ہوگیا، تو اس دوسرے وقت میں پانچ ڈبل لے سکتا ہے، پہلے حساب سے دس نہیں لے سکتا، اسی طرح غلہ کے عوض روپے لینے میں اس کا خیال رکھنا واجب ہے،

مثال: ایک کاشتکار کے ذمہ ٹھیکہ کا غلہ گندم چالیس سیر چاہئے، پھر اس سے یہ اقرار پایا کہ اچھا اس کے دام نقد سے لگا کر حساب کر لیا جاوے، اور حساب کے وقت نرخ گندم کا روپیہ کا دس سیر ہے، اور اس حساب سے چالیس سیر غلہ چار روپیہ کا ہوا، سو اگر اسی جلسہ میں چاروں روپے وصول ہو جائیں تب تو پورے غلہ کا حساب کر لینا جائز ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ اس کو دو روپے وصول ہوں گے تو اُس وقت یہ چاہئے کہ صرف بیس ہی سیر غلہ کا حساب کرے، اور اس کے دام اسی وقت وصول کر لے، اب اس کاشتکار کے ذمہ بیس سیر غلہ باقی واجب رہے گا، اس وقت عموماً زمینداروں کی عادت ہے کہ پورے چالیس سیر غلہ کا حساب روپیوں سے کر کے کاشتکار کے ذمہ مثلاً چار روپے کر دیتے ہیں، پھر اگر اس وقت دو روپے وصول ہوئے تو آئندہ اس کے ذمہ دو روپے باقی

سمجھ کر دو روپے کا مطالبہ کرتے ہیں، سو یہ جائز نہیں، حدیث میں جو بیع الکالی بالکالی کی ممانعت آئی ہے اس کا یہی مطلب ہے، پھر جب موافق مسئلہ مذکورہ کے بیس سیر غلہ اس کے ذمہ واجب رہا، سو جب اس کا حساب ہوگا اس وقت پہلے حساب کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ نیا حساب ان دونوں کی رضامندی سے ہوگا، مثلاً اُس وقت نرخ سولہ سیر کا ہوا تو باقی غلہ اڑھائی روپیہ کا ہوگا، پس پہلی صورت میں زمیندار دو روپیہ جبراً نہیں لے سکتا، اور دوسری صورت میں کاشتکار دو روپیہ جبراً نہیں دے سکتا،

اسی طرح اگر گیہوں واجب تھے اور تراضی جانبین سے وصول کرنا ہے نخود (چنا) تو جس قدر نخود اس وقت لینا ہے اتنے ہی گندم کا اس وقت حساب کیا جاوے، بقیہ اس کے ذمہ گندم رہیں گے، آئندہ وصولی کے وقت اُن کا حساب باہمی رضامندی سے جس طرح بھی ہو جاوے، یہ نہیں کہ آئندہ اس کے ذمہ نخود (چنے) کا بقایا نکالا جاوے، خوب سمجھ لینا چاہئے ؛

اصلاحِ انقلاب

متعلق بعدل بین الزوجتین؛

دو بیویوں میں عدل وانصاف نہ کرنے کی کوتاہیاں،

اس باب میں محدود کوتاہیاں ہوتیں تو مثل دوسرے ابواب کے ان کی بھی فہرست بتلائی جاتی، یہاں تو بالکل کوتاہی ہی کوتاہی ہے، عدل کا نام و نشان بھی نہیں، اس کی طرف التفات ہی نہیں، اِلّا نادراً النادر کالمعدوم (یعنی ایسا عدل بہت کم پایا جاتا ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے) چونکہ بڑا سبب اس بے التفاتی کا اس کے متعلق احکام نہ جاننا ہے، اس لئے بجائے بے شمار کوتاہیوں کے اس باب کے احکام بتلادینا کافی ہے،

عدل نہ کرسکنے کی امید ہو تو دوسرا نکاح کرنا ہی گناہ ہے،

(۱) مسئلہ نمبر ۱: سب سے اول یہی ہے کہ بلاضرورت دوسری زوجہ سے نکاح نہ کرے، اگرچہ عدل کی امید ہو، اگر خیال سے ترک کردے گا کہ پہلی کو غم نہ ہو تو ثواب ہوگا، (ع) اور اگر عدل کی امید نہ ہو تب تو دوسرا نکاح کرنا بالکل گناہ ہے، بقولہ تعالیٰ:۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً ("پس اگر تم کو اندیشہ اس کا ہو کہ عدل نہ کرسکوگے تو پھر ایک ہی بی بی پر اکتفا کرو")

نفقات اور شب باشی میں عدل واجب ہے

مسئلہ نمبر ۲: نفقات (اخراجات) میں اور بغرض تالیف (دلجوئی وانس کے شب باشی میں عدل واجب ہے اور ہمبستری[۱] میں نہیں،

---

[۱] یہاں سے یہ وہم نہ ہو کہ باوجود قدرت کے اگر کسی ایک منکوحہ سے ہمیشہ ترک ہمبستری کئے رہے، اور اس منکوحہ کو حاجت بھی ہمبستری کی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ خیال بالکل غلط ہے، اور نہ اس عبارت کا مقصود ہے، عبارت کا مقصود تو یہ ہے کہ عورت کے ساتھ ہمبستری کے باب میں (باقی بر صفحہ آئندہ)

رغبت اور نشاط غیر اختیاری ہے

مسئلہ نمبر۳: لیکن اگر جمیع استمتاعات میں مثل ہمبستری و بوس وکنار وغیرہ میں برابری کرے تو مستحب ہے، گو واجب نہیں،

مسئلہ نمبر۴: اور یہ عدمِ وجوب اس وقت متفق علیہ ہے کہ جب رغبت اور نشاط نہو، اس صورت میں معذور ہوگا، لیکن اگر رغبت اور نشاط ہے گو دوسری کی طرف زیادہ ہے اور اس کی طرف کم مگر ہے، تو اس صورت میں ایک قول یہ ہے کہ داخل تحت القدرۃ (قدرت میں داخل) ہے، اس لئے اس میں برابری واجب ہے، اور غالبًا یہ غیر حنفیہ کا مذہب ہے (ش)

تبرعات اور تحائف میں بھی عدل واجب ہے،

مسئلہ نمبر۵: باقی تبرعات و تحائف (عطیات اور تحفے) جو کہ غیر لازم میں ہیں، ان میں عدل واجب ہے یا نہیں، ظاہر اطلاق اقوالِ حنفیہ کا وجوب ہے، اور ابن البطال مالکیؒ نے بحثًا (کلی طور پر) غیر واجب کہا ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہدایا بھیجنے سے نوبت میں عائشہ رضی اللہ عنہا میں (یعنی حضرت عائشہؓ کی باری میں حضور اکرمؐ کو ہدیہ بھیجنے سے) استدلال کیا ہے (ف، ج ۵ ص ۱۵۲) لیکن یہ استدلال بچند وجوہ مخدوش (یہ دلیل چند وجوہ سے صحیح نہیں) ہے،

اوّل ممکن ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی ملک کی جاتی ہو، اور اس کا یہ جواب دینا اگر ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ میں اس ہدیہ کا مالک نہیں اس لئے ضعیف ہے کہ ازواج کی درخواست تقسیمِ ہدایا نہ تھی، بلکہ مہدین (ہدیہ بھیجنے والوں) کو یہ فرمادینا کہ تخصیص (کسی کے لئے خاص) نہ کریں

ثانیًا ممکن ہے کہ آپؐ کی ملک ہو، مگر آپؐ تقسیم فرما دیتے ہوں، اور اس پر یہ شبہ ہو کہ اگر ایسا ہوتا تو شکایت کیوں ہوتی؟ اس طرح مدفوع ہے کہ ایسے موقع پر بھی تو ناگوار ہوتا ہے کہ ایک کے گھر سے سب جگہ پہنچے،

ثالثًا حنفیہ کے نزدیک آپؐ پر یہ عدل واجب ہی نہ تھا تو اس پر دوسروں کا قیاس نہیں ہوسکتا، اور اس پر یہ شبہ ہو کہ پھر آپؐ نے کیوں نہ فرمادیا، اس لئے معتدبہ (قابلِ ذکر) نہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دیانۃً حکم یہ ہے کہ عورت کی حاجت اور ضرورت کے موافق ہر زوجہ سے ہمبستری کرنا مرد پر واجب ہے، اگر اس کو باوجود قدرت، اور خواہش عورت کے ترک کرے گا تو گناہگار ہوگا، ہاں اگر کسی وجہ سے خود مجبور ہو یا عورت اپنا حق معاف کر دے یا عورت کی خواہش ہی نہ رہے تو پھر گناہ نہ ہوگا، اور اگر یہ شخص معذور رہو اور عورت اپنا حق معاف نہ کرے اور اسے خواہش جماع کی ہو اور طلاق چاہے تو دیانۃً زوج کو طلاق دینا واجب ہوگا ۱۲ احمد حسن عفی عنہ

آپ باوجود عدم وجوب کے اس کے ساتھ معاملہ وجوب کا سا فرماتے تھے،

بہرحال ابن بطال کا استدلال مخدوش ہے، اور ظاہر اطلاق دلائل سے وجوب ہی ہے،

ازواج میں سے سفر میں کسی کو ..... ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی افضل ہے،

مسئلہ نمبر۶: برابری شب باشی (رات گذارنے) میں حضر (گھر میں رہنے) میں ہے، اور سفر میں اختیار ہے جس کو چاہے ساتھ لے جائے، لیکن رفعِ شکایت (شکایت دور کرنے) کے لئے قرعہ ڈال لینا افضل ہے، اور ظاہراً یہ اُس صورت میں ہے جب تک قرار (سکون) سے قیام نہ ہو، ورنہ حالتِ قیام کا حکم مثل حکم حضر کے ہوگا، دوسرے علماء سے بھی تحقیق کرلیا جائے،

مسئلہ نمبر۷: یہ برابری شب باشی میں اس شخص کے لئے ہے جو شب میں فارغ ہو، اور جس کی رات ہی کی نوکری ہو جیسے چوکیدار تو اس کا دن مثل شب کے ہے (د)

دونوں بیویوں کی رہائش گاہ میں برابری واجب ہے،

مسئلہ نمبر۸: مسکن (رہائش گاہ) میں جو برابری واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو جدا گھر دینا چاہئے، جبراً دونوں کو ایک گھر میں رکھنا جائز نہیں، البتہ اگر دونوں رضامند ہوں تو ان کے رضامند ہونے تک جائز ہے،

ایک شب میں دوسری کو شریک کرنا صحیح نہیں،

مسئلہ، نمبر۹: جس شخص پر شب میں عدل واجب ہو ایک کی شب میں دوسری کو شریک کرنا درست نہیں، یعنی ایک کی شب میں دوسری کے پاس نہ جائے،

مسئلہ نمبر۱۰: اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ ایک کے پاس بعد مغرب جائے اور دوسری کے پاس بعد عشاء، بلکہ اس میں بھی برابری ہونا چاہئے، (ش)

مسئلہ نمبر۱۱: اسی طرح ایک شب میں دونوں جگہ تھوڑا تھوڑا رہنا درست نہیں (ل)

مسئلہ نمبر۱۲: لیکن ان تین اخیر کے مسئلوں میں یعنی ۹، ۱۰، ۱۱ میں اگر اذن و رضامندی ہو تو درست ہے،

مسئلہ نمبر۱۳: اور جس طرح رضامندی سے تھوڑی تھوڑی رات رہنا دونوں کے پاس درست ہے، اسی طرح اگر دونوں کی باری کا دورہ ختم کرکے ایسا کرے اور پھر جس طرح چاہے باری درست کرلے، یہ بھی درست ہے (ش)

اور ان اخیر کے مسائل میں صاحب نیل الاوطار نے یہ مذہب بھی لکھا ہے کہ شب کو بھی ایک کی باری میں دوسری کو عارضی طور پر بلا لینا یا خود اس کے گھر چلا جانا اور اس سے بات چیت کرنا اور اس کے پاس بیٹھنا اور اس کو لمس کرنا (چھونا) سب درست ہے، صرف شب بھر رہنا اور

ہمبستری دوسری کے ساتھ درست نہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے جمع ہونے سے استدلال کیا ہے، مگر یہاں احتمال اذن (اجازت میں شک) یا عدم وجوب قسم کا ہے،

دن کے وقت برابری کا حکم | مسئلہ نمبر ۱۴؛ دن کے آنے جانے میں برابری واجب نہیں، بلکہ تھوڑی دیر کے لئے ہو آنا بھی کافی ہے،

مسئلہ نمبر ۱۵؛ یا کسی ضرورت سے ایک ہی جگہ جائے تب بھی درست ہے،

مسئلہ نمبر ۱۶؛ البتہ اس روز جس کی باری نہ ہو اس سے دن کو صحبت درست نہیں، اور ظاہراً قواعد سے یہاں بھی رات تابع دن کی ہوگی، البتہ تصالح زوجتین (دونوں بیبیوں کی صلاح) یا اصلاحِ زوج سے اس میں تبدیلی درست ہوگی، اس کو بھی دوسرے علماء سے تحقیق کرلیا جائے (ش)

باری کی مقدار اور تعین کے چند مسائل | مسئلہ نمبر ۱۷؛ باری کی مقدار مقرر کرنا مرد کی رائے پر ہے لیکن وہ مقدار اتنی طویل نہ ہو کہ دوسری کو انتظار سے کلفت ہونے لگے، مثلاً ایک ایک سال اور یہ خلاصہ ہی بحث طویل کا (ش)

مسئلہ نمبر ۱۸؛ اور اگر بیماری کے سبب ایک کے گھر زیادہ مقیم رہا تو بعد صحت کے اتنے ہی روز دوسری کے گھر رہنا چاہئے (ش)

مسئلہ نمبر ۱۹؛ اسی طرح اگر ایک بی بی بہت سخت بیمار ہوگئی تو اس ضرورت سے اس کے گھر مقیم رہنے میں مضائقہ نہیں (ع) اور ظاہر اطلاق قول درمختار مرلیضہ سے اُن ایام کی قضا بھی ضروری معلوم ہوتی ہے،

مسئلہ نمبر ۲۰؛ ایک منکوحہ کو اپنی باری دوسری کو ہبہ کردینا درست ہے، پھر جب چاہے اس کو واپس لے سکتی ہے،

مسئلہ نمبر ۲۱؛ اگر کسی شخص کے مثلاً چار بیبیاں ہیں، الف، ب، ج، د، ان میں سے الف نے اپنی باری ب کو ہبہ کردی اور ان دونوں کی باری کے دن متصل نہ تھے، تو شوہر کو ان دونوں کا متصل کرنا درست نہیں، بلکہ وہی پہلی ترتیب رہے گی، اور اس موہوب بہا (جس کو باری ہبہ کی گئی ہے اس) کے پاس دو شبوں میں فصل رہے گا، (ش) لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد ختم دورہ کے پھر ترتیب بدل سکتا ہے،

عدل قائم کرنے کی اہمیت | یہ اکیس ۲۱ مسائل ہیں مختلف کتب سے جن کے یہ رموز ہیں، (ع) عالمگیریہ (ق) قاضی خاں، (ش) شامی (ف) فتح الباری (د) درمختار (ل) اشعۃ اللمعات، اگر ان مسائل کو

مستحضر کرکے ان کو دستورالعمل بنالے، انشاء اللہ اس باب میں کبھی خلافِ عدل کا وقوع ہی نہ ہو، مگر افسوس لوگوں نے بجائے عدل کے اس وقت عدول (ترکِ عدل) کو شیوہ (طریقہ) بنا رکھا ہے، حتیٰ کہ اکثر عدول نے بھی فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (پس خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو اگر انصاف کرو، (اور) تمہارا تقویٰ زیادہ قریب ہے (انصاف سے)

مضمون بالا العدل بین الزوجتین کا ضمیمہ

ملقب بہ

خیر الانتہاء فی معاشرۃ النساء

مضمونِ مذکور جورِ زوج کا انسداد (شوہر کے ظلم کو روکنا تھا، جو تعددِ زوجہ (کئی بیویوں) کے وقت میں ہوتا ہے، کبھی یہ جور ان زوجاتِ متعددہ (یہ ظلم متعدد بیویوں) کی طرف سے بھی ہوتا ہے جس کا سبب باہمی تنافس و تحاسد (آپس میں ایک دوسری پر برتری کا اظہار اور حسد) اور کبھی غیظ علی الزوج (خاوند پر غصہ) ہوتا ہے، اور اس باہمی تنافس و تحاسد کے اثر کا بھی اکثر حصہ اسی زوج پر واقع ہوتا ہے، تو ہر حال میں تختۂ مشق یہی ٹھیرا، اس ضمیمہ میں اس جور کا انسداد ہے اور ہر چند کہ قرآن مجید میں جو اصلاح معاشرت بین الزوجین (شوہر بیوی کے باہمی تعلقات کی اصلاح) کے متعلق مختلف تعلیمات وارد ہیں، جن میں بعض میں خطاب عام ہے، بعض میں خطاب خاص بقصدِ تعمیمِ حکم (باوجودیکہ حکم عام ہونے کا قصد ہے) ان کا مجموعہ سب حالتوں کو شامل ہے، یعنی خواہ زوجہ میں تعدد نہ ہو یا کہ تعدد ہو، پھر جور زوج کی جانب سے ہو یا زوجہ کی جانب سے ہو، مگر ظاہر ہے کہ تعدد کی حالت میں اُن کی اس لئے زیادہ حاجت ہوگی کہ اس حالت میں ایسے جور کا وقوع زیادہ ہوتا ہے، کبھی زوج کی طرف سے، جس کا انسداد آیت وجوبِ عدل بین النساء (بیویوں کے درمیان عدل کے واجب کرنے والی آیت) سے فرمایا گیا ہے، اور مضمون بالا اسی کی تفصیل تھی، اور کبھی زوجہ کی طرف سے، جس کا بیان اب کیا جاتا ہے، اور گو اس باب میں جن نصوص کا حوالہ ہے وہ صورتِ تعدد کے ساتھ خاص نہیں، مگر چونکہ صورتِ تعدد میں ان کی سب سے زیادہ حاجت ہے جیسا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس لئے تعدد ہی کے ذیل میں وہ مذکور ہوتی ہیں،

وہ تعلیمات یہ ہیں:-

(۱) فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء، آیت ۳)	"پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھوگے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو"
(۲) وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ (الیٰ قولہ) فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ، (النساء، آیت ۱۹)	"اور عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے اُن کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کرو"
(۳) وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط (النساء، آیت ۱۲۹)	"اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو، گو تمہارا جی چاہے مگر اس کا خیال رکھو کہ بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ، جس سے دوسری کو ایسا کردو جیسے کوئی درمیان میں لٹکی ہو"
(۴) وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ الیٰ قولہ تعالیٰ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا، ( )	"اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور اُن کو لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑدو اگر ان دونوں کو صلح کرنا منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ میاں بی بی میں اتفاق فرمادیں گے"
(۵) وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء، آیت ۱۲۸)	"اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پرواہی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم خاص طور پر صلح کرلیں، اور یہ صلح بہتر ہے"
(۶) يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، (الاحزاب، آیت ۲۸)	(اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو")
(۷) فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط (البقرہ، آیت ۲۲۹)	(سو اگر تم لوگوں کو احتمال ہو کہ وہ دونوں ضابطہ خداوندی کو قائم نہ کرسکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا (اس مال کے لینے دینے ...) میں

جن کے مجموعہ کا حاصل امور ذیل کا مجموعہ ہے، اور گو ان میں کوئی خاص ترتیب منصوص نہیں، اور نیز باعتبار حالات وخصوصیاتِ خاصہ (اپنے اپنے مخصوص حالات) کے اُن میں وقوعاً بھی کوئی خاص ترتیب لازم ودائم نہیں (خاص ترتیب عام طور پر ضروری نہیں) لیکن اور حالات میں اُن کے حقائق وآثار کے اعتبار سے اُن میں جو ترتیب مرعی ہے (یعنی اس کی رعایت کی گئی ہے) اسی ترتیب سے اس فہرست کو ذکر کرتا ہوں،

نمبر۱؛ صبر، زوجہ کی حماقت وکجراہی (غلط روبہ اختیار کرنے) پر وفی ہذا قولہ تعالیٰ:——
وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ، الخ،

نمبر۲؛ اگر پھر بھی باز نہ آئے، یا مرد اس پر قادر نہ ہو تو اس کو نصیحت وفہمائش،

نمبر۳؛ پھر اس سے الگ دوسرے بستر پر سونا،

نمبر۴؛ وَاضْرِبُوْهُنَّ، یعنی ضرباً غیر مبرح (سخت پٹائی نہیں)

نمبر۵؛ یہ بھی نافع نہ ہو تو دو شخص فیصلے کے لئے تجویز کرنا، ایک مرد کی جانب سے ایک عورت کی جانب سے، جو دونوں کے اظہار لے کر رفع نزاع (جھگڑے کو ختم) کر دیں، وھذا فی قولہ تعالیٰ وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ (اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو)

نمبر۶؛ زوجہ سے کہہ دینا کہ اگر تم کو ہمارے نکاح میں رہنا منظور ہے تو فلاں فلاں شرطیں منظور کرنا پڑیں گی، یا اپنے سب حقوق معاف کر دینے ہوں گے، تاکہ اس کے بعد جتنے حقوق ہم ادا کریں اُن کو غنیمت سمجھو، اور کوتاہی کے گمان کے وقت ہماری شکایت نہ کر سکو، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وحی (اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق) اپنی ازواج سے فرمادیا تھا، وھذا فی عموم قولہ تعالیٰ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا وفی قولہ (الذی ھو اعظم افراد المصلح المذکور فیما قبلہ تاثیرا) یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اھ (اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی کا ہو) (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی بیبیوں سے کہدیں)۔

نمبر۷؛ اس پر بھی سیدھی نہ ہو تو رخصت، وھذا فی عموم قولہ تعالیٰ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا یُقِیْمَا الخ (سو اگر تم کو اس کا احتمال ہو کہ وہ دونوں ضابطۂ خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے)۔

یہ ہے فہرست جس کے اجزاء میں یہ ترتیب اکثری ہے، اور اتفاق سے اسی ترتیب سے یہ آیات بھی لکھی گئیں، پس اس دستور العمل سے جور من الزّوجات (عورتوں کی طرف سے ظلم) کا بھی پورا انسداد ہو جاتا ہے، جیسا تجربہ سے مشاہدہ ہو سکتا ہے، اب اس ضمیمہ کو ایک حکایت پر جو کہ ایک

مفید دستور العمل پر مشتمل ہے ختم کرتا ہوں، اور اس حکایت کے اس تجربہ کے تیقن (یقین ہونے) میں قوت بڑھتی ہے،

حکایت ایک صاحب ثقہ مسمیٰ حاجی عبد الغنی ساکن محمد پور کا بیان ہے جو کہ دو زوجہ (بیویوں) کے اجتماع سے ضیق (تنگی) میں تھے، اور جو کہ تمام تدبیرات ختم کر چکے تھے اور وہ تدبیرات نافع بھی ہوتی تھیں، مگر نزاع قطع اور خلجان رفع (جھگڑا ختم اور رشک دور) نہ ہوتا تھا، آخر انھوں نے بجز نمبر ۴ کے بوجہ اس کے کہ واجب نہیں اور بعض مواقع پر مناسب نہیں، اس ترتیب پر عمل شروع کیا، نمبر ۶ تک پہنچے تھے بفضلہ تعالیٰ تمام خرخشے (جھگڑے) ختم ہوگئے، اور تلخی عیش مبدل بہ حلاوت ہوگئی، (زندگی کی تلخی خوشگواری میں بدل گئی) نہ صرف زوج کی، بلکہ دونوں زوجہ کی بھی، اس نمبر کے امتثال (بجالانے) کی عملی صورت ان صاحب نے یہ اختیار کی کہ اپنی دونوں زوجہ سے ایک یادداشت کی صورت میں (کہ صلح کی عظیم النفع فرد ہے، اور غالباً اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تجویز کی گئی) چند امور کا عہد لیا، اور صاف کہہ دیا کہ ہمارے پاس رہنے کی یہ شرطیں ہیں، اب اختیار ہے جس شق (صورت) کو چاہے اختیار کیا جائے، چونکہ دونوں صالحہ اور سعیدہ تھیں، اس لئے انھوں نے نہایت خوشی سے سب شرطیں منظور کرلیں، اور سب کدورات (رنجشیں) صاف ہوگئیں، چونکہ اس یادداشت کے مضمون کا نافع ہونا تجربہ سے ثابت ہوا، لہٰذا ان سے حاصل کرکے اس مقام پر نقل کرتا ہوں، کہ دوسرے اہلِ ضیق (پریشان حال) بھی اس سے منتفع ہوں (یعنی نفع حاصل کرسکیں) جس سے مجوّز اور ناقل دونوں کو اجر ہو، وہو ہذا:۔

نقلِ مضمونِ مذکورہ و الصلح خیر

یادداشت وعدۂ ہر دو اہلِ خانہ حاجی عبد الغنی؛

"ہم دونوں اہلِ خانہ حاجی عبد الغنی امور ذیل کا وعدہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مدد فرمائے،

نمبر ۱: ہم دونوں نے اپنے تمام حقوق واجب اور غیر واجب ہمیشہ کے لئے حاجی صاحب کو معاف کئے، ہم کسی حق کا مطالبہ نہیں کریں گے، وہ خود اپنی خوشی سے جتنا حق ادا کر دیں گے ہم احسان سمجھیں گے، البتہ ادب کے ساتھ ہم کو درخواست

ے اس میں اشارہ ہے کہ مضمون ھذا ایک فرد ہے اس کلی منصوص کی ۱۲ (منہ)

کرنے کی اجازت ہے، لیکن اس کو پورا نہ کرنے کا ان کو اختیار رہے، اگر وہ پورا نہ کریں گے نہ ہم اصرار کریں گے نہ ہم کو ناگواری ہوگی،

نمبر۲: اس بناء پر ان کو اختیار ہوگا رات کو جس کے پاس چاہیں رہیں، اور خواہ کسی کے پاس بھی نہ رہیں، مردانہ میں رہیں، خواہ ایک کے پاس دوسری کے باری میں رہیں،

نمبر۳: کھانا کھانے میں ان کو اختیار ہوگا جس وقت جس جگہ جی چاہے کھائیں، خواہ کسی کے پاس بھی نہ کھائیں، بازار وغیرہ میں انتظام کرلیں، ہم کو کوئی شکایت نہ ہوگی، خواہ ایک کے ہفتہ میں دوسری کے گھر جائیں پھر خواہ گھر آکر کھائیں خواہ مردانہ میں منگائیں، خواہ ایک کے گھر سے کھانا منگا کر دوسری کے گھر میں کھائیں ہم کسی امر کے متعلق کوئی حرف زبان پر نہ لائیں گے،

نمبر۴: علیٰ ہذا دن میں یا شام میں گھر میں آنے کے متعلق ان کو اختیار ہے، خواہ وہ ایک جگہ آئیں خواہ دونوں جگہ، پھر خواہ ایک جگہ زیادہ دیر تک ٹھیریں اور ایک جگہ کم ٹھیریں، خواہ ایک جگہ بالکل نہ آئیں، خواہ دونوں جگہ نہ آئیں،

نمبر۵: علیٰ ہذا خرچ پیسے میں یا دوسری اشیاء از قسم سوغات (تحفے) وغیرہ دینے میں خواہ دونوں جگہ برابر دیں، یا کم و بیش، پھر خواہ مردانہ سے بھیجیں خواہ کسی اہل خانہ کے ہاتھ سے بھجوائیں، ہر طرح ان کو اختیار ہے ہم ہر طرح خوش رہیں گے،

نمبر۶: ہم کسی چغلخور کی بات کو نہ سنیں گے، بلکہ جب وہ کچھ بات کرے گا ہم منع کر دیں گے، اور جس قدر کان میں پڑ جائے گا اس کو سچ نہ سمجھیں گے، اور نہ کسی کے سامنے اس کا ذکر کریں گے، نہ حاجی صاحب سے نہ اور کسی سے،

نمبر۷: ہم ہر امر میں جو کہ شریعت کے خلاف نہ ہو حاجی صاحب کی اطاعت کریں گے، وہ جو پوچھیں گے ہم فوراً بتلا دیں گے، ان کی کسی بات کو رد نہ کریں گے، نہ اس کو جھٹلائیں گے،

نوٹ (۱): اگر ہم کبھی جان بوجھ کر یا بھول کر اس کے خلاف کریں گے اسی یادداشت سے ہم کو لاجواب کر دیا جائے،

نوٹ (۲) شرعاً اس صلح سے رجوع کرنے کا جس طرح، ہم دونوں زوجہ کو

اختیار ہو، اسی طرح حاجی صاحب کو اختیار ہے کہ ہمارے رجوع کے وقت خواہ وہ حقوقِ واجبہ کے مقیدّ ہوں یا اپنی آزادی و سبکدوشی کا کوئی شرعی طریقہ اختیار کریں"

۲۹ر ذوالحجہ ۱۳۳۵ھ (انتہی)

حقوق سے بری ہونے کا باہمی عہد کرنے کے باوجود بیویوں میں عدل کرنا چاہئے

اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابلِ اطلاع ہے جس کی شہادت یہ احقر بھی اپنے مشاہدہ سے دیتا ہے کہ اُن صاحب نے باوجود ہر قسم کے مطالبات سے برأت حاصل کر لینے کے اس کے بعد بھی کسی قسم کے حق میں خواہ فی نفسہٖ واجب تھا یا غیر واجب سُستی یا کمی نہیں کی، اصلی غرض اُن کی بے جا الزام و شکایات کا انسداد وکفِ لسان (خواہ مخواہ کے الزامات و شکایات کو روکنا اور زبان بند کرنا) تھا، جو حاصل ہو گیا نہ کہ حقوق سے سبکدوشی، اور اس کفِ لسان کا اثر طبعاً بشرطِ سلامت یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ معاملہ میں زیادہ رفق اور شفقت (زیادہ نرمی اور مہربانی) پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ وہاں ایسا ہی ہوا، اور ایسی صورت میں لطفِ زندگی کیوں نہ ہو، کہ زوجہ یہ سمجھ لے کہ میرا کوئی حق شوہر کے ذمہ نہیں، اور شوہر باوجود اس کے یوں سمجھے کہ میرے ذمہ اور حقوق بڑھ گئے ہیں پس ایسی حالت میں اگر شوہر کچھ حق ادا بھی کرتا تب بھی زوجہ غنیمت سمجھتی چہ جائیکہ حقوق سے بھی زیادہ ادا کرے تو زوجہ کو کس قدر راحت اور فرحت ہو گی، اور اصل اس صورت کی قرآن و حدیث میں ہے، قال اللہ تعالیٰ:۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدّھر، آیت ۹)

"ہم تم کو محض اللہ کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ"۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تُكَافِئُوْهُ فَاثْنُوْا عَلَيْهِ خَيْرًا

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تمہارے ساتھ بھلائی کی پس تم اس کو اچھا بدلہ دو اور اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کی اچھی تعریف ہی کر دو"۔

سبحان اللہ! کیا تعلیم ہے کہ محسن کو تو یہ سکھلایا کہ تم عوض یا شکریہ کی توقع مت رکھو، اور محسن الیہ (جس پر احسان کیا جاوے) کو یہ بتلایا کہ تم عوض اور شکریہ کو اپنے ذمہ سمجھو، اور جیسا یہ ایک کلی تعلیم محسن و محسن الیہ (احسان کرنے والا اور جس پر احسان کیا گیا ہو) کو کی گئی، اسی طرح خاص معاشرتِ زوجین کے باب میں یہ خصوصیت کے ساتھ وارد ہے قولہ تعالیٰ تُرْجِيْ مَنْ

تَشَآءُ اِلٰی قولہ ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ (علی تفسیر الحنفیۃ)

اس آیت میں ازواج مطہرات کو یہ عدم الزام حقوق (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج پر حقوق لازم نہ ہونے کا حکم) سُنا کر اس کا یہ اثر تصریحاً (وضاحت کے ساتھ) بیان فرمایا، ذٰلِکَ اَدْنٰی، پس اس دستور العمل کی صحیح تقلید یہ ہے کہ زوجہ تو اپنے کسی حق کی شکایت نہ کرے، اور زوج اس کے حقوق سے زیادہ اس کی دل جوئی کرے، پھر انشاء اللہ غبار یا کدورت کا کبھی نام بھی نہ آئے گا، اور سب کی زندگی اس شعر کا مصداق ہوجائے گی ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

(بہشت وہ جگہ ہے جہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں، اور نہ کسی کو کسی سے کام ہے")

غرض اگر یہ یادداشت خصوصیت کے ساتھ عورتوں کا دستور العمل رہے اور مضمون بالا عدل کا مردوں کا دستور العمل رہے تو جانبین کو حیات طیبہ (پاکیزہ زندگی) نصیب ہوجائے ۔

اِصلاحِ انقلاب
متعلق رضاع

اس باب میں ناواقفی کے سبب متعدد کوتاہیاں اور مختلف غلطیاں کی جاتی ہیں،

دودھ شریک بہن بھائی ہونے کے لئے ایک ہی زمانہ ہونا ضروری نہیں

منجملہ اُن کے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ دودھ شریک بہن بھائی جب ہی ہوتے ہیں جب کہ ایک زمانہ میں کسی عورت کا دودھ پئیں، اور اگر ایک کے دودھ چھڑانے کے بعد دوسرا دودھ پئے تو دودھ شریک بہن بھائی نہیں ہوتے، سو یہ بالکل غلط ہے، بلکہ خواہ دونوں کے دودھ پینے کا زمانہ ایک ہو یا مختلف ہو دونوں حالتوں کا ایک ہی حکم ہے، یعنی دونوں حالتوں میں دودھ شریک بھائی بہن ہو جائیں گے،

حرمتِ رضاعت دو سال عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے پر ثابت نہیں ہوتا،

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ حرمتِ رضاع کے ثبوت کے لئے کسی عمر کی قید نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ اگر غلطی سے کسی عورت کا دودھ آٹے میں جا گرے اور اس آٹے کی روٹی خاوند نے کھالی تو سمجھتے ہیں کہ حرمتِ رضاع ثابت ہو گئی، اور بی بی اس پر حرام ہو گئی، سو یہ بھی بالکل غلط ہے، بلکہ جو زمانہ بچے کے دودھ پینے کا... شریعت نے مقرر کیا ہے، یعنی دو سال جمہور کے نزدیک اور اڑھائی سال امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک (اور اکثر حنفیہ نے بھی فتویٰ پہلے ہی قول پر دیا ہے) اس زمانہ کے اندر دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، پس صورتِ مذکورہ میں یہ بی بی اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوئی، البتہ خود عورت کا دودھ پینا بعد مدتِ رضاع (بچے کے دودھ پینے کی مدت) کے ایک حرام فعل ہے، مگر اس سے رشتہ ثابت نہیں ہوگا،

مدتِ رضاع کے اندر دودھ پینے سے حرمتِ رضاع ثابت ہو جاتی ہے

منجملہ ان کے ایک غلطی اس غلطی کے مقابلہ میں

یہ کی جاتی ہے کہ مدت رضاع کے اندر اگر اس مدت کی تکمیل سے قبل بچّہ کا دودھ چھڑا دیا جائے اور پھر کسی اتفاق سے یہ بچّہ دودھ پی لے تو بعضے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ خود یہ دودھ پلانا بھی حرام ہے، سو دونوں باتیں غلط ہیں، بلکہ اس صورت میں حرمتِ رضاع بھی ثابت ہو جائے گی، (فی الدر المختار ولو بعد الفطام) اور دودھ پلانا بھی حلال ہوگا،

گائے، بھیڑ، بکری کا دودھ ایک ساتھ پینے سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ حرمتِ رضاع کو عورت کے دودھ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے، بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر میاں بی بی گائے وغیرہ کا دودھ بھی ایک دوسرے کا جھوٹا پی لے تو وہ بھائی بہن ہو جاتے ہیں، سو یہ بھی بالکل لغو ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا (فی الدر المختار من ثدی آدمیۃ)

بچّہ کے دودھ پی کر قے کر لینے سے حرمتِ رضاع زائل نہیں ہوگی

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بچّہ دودھ پی کر فوراً قے کر ڈالے تو حرمتِ رضاع بھی زائل ہو جاتی ہے مجھ کو اس غلطی عوام کی پہلے اطلاع نہ تھی، مگر مجھ سے ایک واقعہ میں استفتاء کیا گیا (فتویٰ پوچھا گیا) تو میرے حرمتِ رضاع کے حکم بتلانے پر سائل نے یہ معارضہ کیا، کہ صاحب اس بچّہ نے اوّل تو پیا تھا بہت قلیل اور پھر وہ اُگل دیا تھا، تو گویا وہ پینا باطل ہو گیا، تو حکم بھی ثابت نہ ہوگا، اُس وقت معلوم ہوا کہ بعض کا یہ بھی خیال ہے، سو خوب سمجھ لیا جائے کہ اس باب میں قلیل و کثیر (کم زیادہ) کا ایک حکم ہے، اگر ایک قطرہ بھی حلق کے اندر چلا جائے گا تو حکم رضاع ثابت ہو جائے گا (فی الدر المختار وان قل) اسی طرح اگر حلق میں جانے کے بعد قے بھی ہو جائے تب بھی حکم رضاع بدستور باقی رہے گا (وقد مرّ ایضاً حیث مرت المسئلۃ الاولیٰ من ہذا الباب)

حرمتِ رضاع جن جن صورتوں میں واجب ہوگی

اور خواہ مُنہ کے راستہ سے جائے یا ناک کے رستہ سے اور خواہ خالص دودھ جائے یا کسی دوا یا پانی میں ملا ہوا جائے اور ملنے کی صورت میں خواہ غالب ہو یا دوسری چیز کے ساتھ مساوی (برابر) ہو، سب کا ایک حکم ہے، (کذا فی الدر المختار) یہ تو علمی غلطیاں تھیں۔

بچوّں کو دودھ پلانے سے متعلق عملی کوتاہیاں،

شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو دودھ نہیں پلانا چاہئے،

اور اس باب میں عملی کوتاہیاں بھی ہیں، منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ بعضی عورتیں (ایسی ہوتی ہیں) کہ جس بچہ پر رحم آیا اس کو دودھ پلا دیا، حالانکہ

بلااذن شوہر کے کسی کو دودھ پلانا مکروہ ہے، البتہ اگر بچہ کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہو وہ حالت اس سے مستثنیٰ ہے، (کذا فی البحر من الخانیہ، شامی، ج ۲، ص ۶۶۴)

رضاعی بہن کے پاس تخلیہ میں بیٹھنا جائز نہیں،

منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اکثر مرد و عورت رضاع کے رشتہ سے باہم نسبی محارم (نسب کے اعتبار سے جن سے نکاح حرام ہے ان لوگوں) کی طرح خلاملا رکھتے ہیں جس سے بڑے بڑے فساد واقع ہوگئے ہیں، فقہاء نے یہی رنگ دیکھ کر تصریح کی ہے کہ رضاعی بہن کے پاس تخلیہ (تنہائی) میں بیٹھنا ناجائز ہے، اسی طرح مصاہرت (دامادی) کے رشتہ میں گو وہ رشتہ حرمت ہی کا ہو، جیسے جوان ساس یا سوتیلی ماں، ان سب مواقع میں حسبِ فتویٰ علماء نامحرموں کا سا برتاؤ کرنا چاہئے، یعنی پورا اور گہرا پردہ کیا کریں،

رشتہ نکاح کے وقت دودھ پلانیوالی سے تحقیق کرنا ضروری ہے

منجملہ ان کے ایک کوتاہی یہ ہے کہ رضاع کے باب میں یہ احتیاط کوئی نہیں کرتا کہ دودھ پلانے والے سے تحقیق کرلیں کہ اس نے کس کس کو دودھ پلایا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایسی ہی لڑکی سے اس کا رشتہ کردیا جاتا ہے کہ اس نے بھی اس عورت کا دودھ پیا تھا، اسی واسطے فقہاء نے فرمایا ہے کہ عورتوں پر واجب ہے کہ بلاضرورت ہر بچہ کو دودھ نہ پلادیا کریں، اور جب پلائیں تو خوب یاد رکھیں اور خوب شہرت دیدیا کریں، بلکہ احتیاطاً لکھ بھی لیا کریں، (شامی عن الفتح، ج ۲ ص ۶۶۴)

ہر کس و ناکس کا دودھ بچے کو پلانا درست نہیں

منجملہ اُن کے ایک کوتاہی جو اولاد کے آداب وحقوق کے متعلق ہے، حرمت سے متعلق نہیں ہے، کہ ہر کس وناکس کا دودھ بچہ کو پلادیا جاتا ہے، جس سے اس کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے، مناسب ہے کہ صحیح المزاج، سلیم الطبع، عاقل، صالح عورت کا دودھ پلوایا کریں،

اپنے دودھ پلانے والی کا احترام اور ادب کرنا ضروری ہے،

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ اکثر لوگ دودھ پلانے والی کا اگر وہ چھوٹی قوم سے ہو کچھ حق نہیں سمجھتے، اور اس کا کچھ احترام نہیں کرتے حالانکہ حدیثِ قولی سے جس میں غلام یا لونڈی اس کی خدمت میں پیش کرنے کی ترغیب ہے اس کا حق معلوم ہوتا ہے، اور حدیث فعلی سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضعہ (دودھ پلانیوالی، یعنی حلیمہ سعدیہؓ) کا اُن کے آنے کے وقت اکرام (عزت واحترام) فرمایا، اس کا احترام ثابت ہوتا ہے،

نسبی ماں کا حق رضاعی ماں سے مقدم ہے

منجملہ ان کے ایک غلطی جو اس کے مقابل جانب میں ہے یہ ہے کہ بعضے آدمی اس کا اتنا بڑا حق سمجھتے ہیں کہ خود نسبی (حقیقی) ماں کا حق بھی اس کی

ماں ہونے کے سبب اتنا نہیں سمجھتے جتنا دودھ پلانے کے سبب سمجھتے ہیں، حتیٰ کہ خود ماں بھی، چنانچہ بعض مواقع پر یہ کہتی ہیں کہ میں دودھ نہ بخشوں گی اور مخاطب ڈر جاتا ہے، بلکہ بعض کو اس فکر میں مبتلا دیکھا گیا ہے کہ کیا کریں ہماری ماں مرگئی اور ہم دودھ نہیں بخشوانے پائے، سو یہ اصلاً و فرعاً ہر طرح باطل ہے، اصلاً تو ظاہر ہے کہ ماں کا ہر حال میں حق منصوص ہے، اور فرعاً اس لئے کہ دودھ پینا بچے کے لئے کوئی گناہ تھوڑا ہی ہے، جس کے ارتکاب کے بعد بخشوانے کی ضرورت ہو، اور اگر گناہ ہے تو بچہ اس وقت غیر مکلف (احکامِ شریعت کا شرعی اصطلاح میں پابند) تھا، ماں البتہ مکلف (احکامِ شریعت کی پابند) تھی، اس کو پلانا بھی گناہ ہوگا، وہ خود بھی گناہگار ہوئی کہ حرام چیز بچّہ کو پلائی، خود اس کو اولاد سے معاف کرانا چاہئے، غرض یہ لغویات ہے،

فعلِ ناجائز کی کسی کی اولاد کو اجازت نہیں

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ اس دودھ پلانے کے سبب حضرت حلیمہؓ کا اتنا بڑا حق سمجھتے ہیں کہ اُن کی اولاد قرار دے کر ان کے لئے لوٹ مار جو کہ فعلِ حرام ہے حلال سمجھتے ہیں، بہت ہی سخت عقیدہ ہے، جب خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے لئے کسی فعلِ ناجائز کی اجازت نہیں تو آپؐ کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) کی اولاد کا تو ان کی نسبت بعید ہی تعلق ہے، پھر سب بدوؤں کا اُن کی اولاد میں ہونا یہ بھی مہمل حکایت ہے،

فرع قابلِ توجہ اہلِ علم

فقہاء نے رضاع کی تفسیر میں آدمیت کی قید لگائی ہے، اور اس کو محترز بہیمیت و رجل (جانور اور آدمی کے دودھ سے بچنے) کو لکھا ہے، مگر جنّیہ سے اثباتاً یا نفیاً (ہاں یا نہ میں) تعرض (بحث) نہیں دیکھا گیا، کہ آیا وہ اس باب میں بہیمہ (جانور) کے مثل ہے، جیسے نکاح کے باب میں یہی ہے کہ جنّیہ سے انسان کا نکاح جائز نہیں، یا مثل آدمی کے ہے، کہ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی کسی جنّیہ کا دودھ پئیں تو وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہو جائیں گے، جب تک مسئلہ کی تحقیق نہ ہو احوط موقعِ اشتباہ (شک کے موقع پر زیادہ احتیاط پر عمل کرنے) میں عملاً یہی ہوگا کہ حرمتِ رضاع کا فتویٰ دیا جائے، جیسے اڑھائی سال پر گو فتویٰ نہیں مگر احتیاط وہاں بھی یہی ہے کہ باوجود ممانعت کے اگر اس مدّت کے اندر رضاع واقع ہو تو حرمت پر عمل کریں،

تنبیہ: رضاع کے مسائل نہایت دقیق (باریک) ہیں، ان میں بدون محقق متیقظ عالم (بیدار مغز تحقیق سے کام لینے والے عالم) کے کسی نیم آموز (کم علم) کے قول کو معتبر نہ سمجھیں، اور سوال کے سمجھنے سمجھانے میں بھی بہت ہی احتیاط (ہوشیاری و بیداری) سے کام لیں، فقط،

ابوابُ الطلاق
وَمَا یَلحَقُ بِہٖ

طلاق سے متعلق کوتاہیوں کا بیان ابوابِ احکام میں سے یہ باب بھی ایک وسیع باب ہے، اس لئے اس کی کوتاہیاں اور غلطیاں بھی اہتمام کے ساتھ ظاہر کرنے کے قابل ہیں،

مصلحت اور ضرورت کے موقع پر طلاق موجبِ عار نہیں، منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ اس کے ایقاع (یعنی طلاق دینے) کے متعلق بہت افراط و تفریط ہو رہا ہے، چنانچہ بعضے لوگ تو طلاق دینے کو اس قدر عار و عیب سمجھتے ہیں کہ خواہ کیسی ہی مصلحت و ضرورت ہو اور خواہ باہم زوجین (میاں بیوی) میں کتنی ہی نا اتفاقی ہو جس سے ایک یا دونوں حقوقِ زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوں، اور خواہ زوجہ میں کسی درجہ کی بد دینی ہو جس کی اصلاح شوہر کی قدرت سے خارج ہو گئی ہو، چنانچہ یہی اسباب ہیں مشروعیتِ طلاق (طلاق کے مشروع ہونے) کے (چنانچہ عورت کے موذی ہونے یا بالکلیہ تارکِ صلوٰۃ ہونے کی صورت میں فقہاء نے طلاق کو مستحب اور مرد کی طرف سے عورت کے حقوق ادا نہ ہو سکنے کی صورت میں واجب کہا ہے کما فی رد المحتار) مگر پھر بھی خلافِ وضع، خاندانی ہونے کے خیال سے اس کو گوارہ نہیں کرتے، اور عمر بھر اپنی زندگی یا زوجہ کی زندگی تلخ کرتے ہیں اور اس ناگواری کا سبب اس کا ابغض المباحات (جائز چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ) ہونا نہیں ہے، کیونکہ وہ ان مصالح و ضرورت کے وقت وہ مباح مطلق ہے، بلا مبغوضیت کے (بالکل جائز، بغیر ناپسندیدگی کے) اور جب اس کا استحباب یا وجوب (مستحب یا واجب ہونا) بعض صورتوں میں ثابت ہے، اور استحباب و وجوب کا مبغوضیت (مستحب اور واجب کا ناپسندیدگی) کے ساتھ مجتمع ہونا محال ہے (جمع ہونا ناممکن ہے) اور قرآن مجید میں نص ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ، اور حدیث رزین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تھا، پھر اُن کے عرض کرنے پر طلاق نہیں دی (کذا فی المشکوٰۃ) اسی طرح صحابہؓ

سے بکثرت منقول ہے (کذافی ردالمحتار) تو پھر علی الاطلاق اس کو مبغوض کیسے کہہ سکتے ہیں؟ بلکہ یہ مبغوضیت اسی صورت میں ہے جبکہ کوئی داعی معتد بہ (قابلِ اعتبار محرک) نہ ہو، اس وقت بے شک مکروہ ہے، (نقلہ فی الدر المختار عن الکمال) اور حلال ہونا مبغوضیت کے منافی نہیں، کیونکہ حلال مکروہ کو بھی شامل ہے، تو حلال کی تفسیر یہ ہوگی:۔

مالیس فعلہ بلازم الشامل المباح والمندوب والواجب والمکروہ کماقال الشمنی ونقلہ فی ردالمحتار عن البحر،	(ایسا فعل جس کا کرنا ہی لازم نہ ہو اس میں مباح، مستحب، واجب اور مکروہ سب ہی شامل ہیں، جیساکہ شمنی نے کہا اور آگے ردالمحتار نے بحرالرائق سے نقل کیا)۔

طلاق کو حد درجہ معیوب سمجھنے کی عملی خرابیاں

اس درجہ میں معیوب سمجھنے پر مفاسد عملیہ متفرع ہوتے ہیں (یعنی عملی زندگی میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں) کہ ایسے لوگ اگر کبھی جوشِ غضب میں مغلوب (بے قابو) ہو کر طلاق دے گزرتے ہیں، تب بھی طوقِ عار (شرمندگی) سے بچنے کے لئے اس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں، اور (خواہ شرعاً اس کا تدارک ممکن ہو یا نہ ہو مگر وہ اس کا قصد کرتے ہیں، چنانچہ اکثر باوجود تین طلاق واقع ہوجانے کے اس کو پھر اپنے گھر بی بی بناکر رکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ چھوڑنے میں ذلت و بدنامی ہے، اور افسوس ہے کہ بدکاری میں ذلت و بدنامی نہیں سمجھتے، حالانکہ اس میں طلاق سے زیادہ ذلت و بدنامی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت کی رسوائی و عقوبت (سزا) کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں، کہ کس قدر ہوگی، پھر ان میں جو بددین و بے باک (نڈر) ہیں ان کو تو حرام و حلال کی کچھ پرواہ ہی نہیں، کھلم کھلا حرام کرتے ہیں، پھر اگر عورت بھی ایسی ہی ہوئی، تب تو خوشی بخوشی حرام کا کارخانہ قائم رہتا ہے، اور اولاد حرام کی ہوتی چلی جاتی ہے، اور اگر عورت خداترس ہوئی اور اس نے کچھ عذر و انکار کیا تو اس پر ظلم کیا جاتا ہے، اور دوہرے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، زنا بھی اور ظلم بھی، مگر عورت پر واجب ہے کہ جس قدر قدرت ہو اس سے بچے، اور جب تک جان کا اندیشہ نہ ہو اس سے موافقت نہ کرے، اور جو ذرا دین کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ اوّل تو اس تدارک کے لئے طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں، خواہ چلیں یا نہ چلیں، مثلاً کسی مجتہد جدید (موجودہ زمانہ میں اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے) سے سن لیا، کہ تین طلاقیں ایک دم سے دینے سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے، جس میں رجعت[1] یا تجدید نکاح بلا حلالہ جائز ہے، بس اس قول کو لے لیا، اور کہتے ہیں کہ آخر

---

[1] ایک یا دو طلاق کے بعد شوہر کو حق حاصل ہو کہ عدت پوری ہونے سے پہلے طلاق سے رجوع کرسکتا ہے، جس سے اس کی بیوی نکاح سے نہیں نکلتی، اس میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں ۱۲ نجیب ہے[2] عدت گذرنے کے بعد نکاح ختم ہوجاتا ہے ۱۲ مجیب

وہ بھی تو عالم ہیں، ان کے قول پر بھی عمل جائز ہے، حالانکہ اپنے محل پر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ قول بالکل صحیح نہیں اور نہ اُس پر عمل جائز ہے، وانظر ما نقل فی ردّ المحتار عن الفتح فی قول اکثر الطلاق (ص۶۸۵ ج۲)

مفتی کے سامنے جہلاء کے جاہلانہ اشکالات

یہ تو مدعیانِ علم (علم رکھنے کا دعویٰ کرنے والوں) کے حیلے ہیں اور جہلاء اور بھی جاہلانہ باتیں نکال کر اہلِ فتویٰ سے مزاحمت (جھگڑا) کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ صاحب نیت تھوڑا ہی تھی طلاق دینے کی، حالانکہ طلاقِ صریح میں نیت شرط ہی نہیں، کوئی کہتا ہے کہ صاحب ویسے ہی غصہ میں نکل گیا تھا، خوشی سے نہیں کہا، حالانکہ طلاق کا غصہ میں ہی وقوع ہو جاتا ہے، غایت ما فی الباب (زیادہ سے زیادہ اس معاملہ کی) ایسی طلاق کو مکروہ کہیں گے، مگر وقوع میں کوئی شبہ نہیں، اور جب سب تدبیروں میں ناکامی ہوتی ہے، بس اخیر فیصلہ ان لوگوں کے یہاں یہ ہوتا ہے (اور بعض جگہ خود عورتیں اس کی درخواست کرتی ہیں) کہ خیر میاں بی بی کی طرح نہ رہیں گے مگر گھر ہی میں رکھا جائے، اور نان و نفقہ دیا جایا کرے تاکہ طلاق کا نام نہ ہو اور دوسرے نکاح کی حاجت نہ ہو،

طلاق کے بعد عورت کا حکم مثل اجنبیہ کے ہے،

سو اس عمل میں بھی طرح طرح کے مفاسد ہیں، مثلاً ایک مکان میں رہنے کی صورت میں کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت ایسی خلوت ہو کہ اُس مکان میں بجز اس مرد و عورت کے کوئی نہ رہے، تو خلوت بالاجنبیہ (اجنبی عورت سے تنہائی میں ملاقات) لازم آتی ہے، جو کہ حرام ہے، پھر چونکہ ان مرد و عورت میں ایک زمانہ تک بے تکلفی رہ چکی ہے اس لئے دوسری اجنبیات (اجنبی عورتوں) کی نسبت اس میں زیادہ احتمال ہے کہ یہ دونوں کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں، نیز اپنی پچ بھرنے کے لئے مرد کو تمام عمر کے لئے نان و نفقہ کا مقید کیا جاتا ہے، اور عورت کو تمام عمر کے لئے نکاح سے محبوس (مقید) کیا جاتا ہے، پہلا فعل گویا مباح کا ایجاب (قبول کرنا) ہے اور دوسرا فعل گویا مباح کی تحریم (حرام کرنا) ہے، اور دونوں میں عملاً اعتداء عن الحدود (حدود سے تجاوز کرنا) ہے، جو کہ نصًّا مذموم ہے،

طلاق میں افراط اور تفریط دونوں مذموم ہیں

اور اُسے عار سمجھنے کی فرع یہ ہے کہ بعض اوقات زوجہ سے شرعاً تمتع جائز نہیں رہتا، مگر اس کو طلاق نہیں دیا جاتا، پس وہ نہ اس کے کام کی رہی نہ دوسرے کے کام کی، مثلاً یہ عورت زوج پر حرمتِ مصاہرت کے سبب حرام ہو گی، اور حرمتِ مصاہرت سے نکاح مرتفع (ختم) نہیں ہوتا، صرّح الفقہاء (فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے) مگر تمتع بھی اس سے درست نہیں رہتا، ایسی صورت میں بجز طلاق کے دیدینے کے اور کوئی صورت نہیں، مگر

مگر اس عار (شرم) کے سبب طلاق نہیں دیتے، پھر یا تو اس سے متمتع ہوتے رہتے ہیں، اور یا اس کو معلّقہ کرکے گھر میں ڈالے رکھتے ہیں، یہ تو اہلِ افراط کی حالت ہے، بعضے لوگ اس کے مقابلہ میں یہ تفریط کرتے ہیں، کہ طلاق دینے سے ذرا نہیں رُکتے، اُن کے لئے ادنیٰ (معمولی) بہانہ کافی ہوجاتا ہے، حالانکہ بلاسبب قوی اس کی اجازت نہیں، حدیث:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ (رواہ ابوداؤد)	(یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے)

اسی صورت میں ہے، اور ایسی ہی طلاق سے اس آیت میں منع فرمایا ہے،

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا، (النساء، آیت ۳۴) ای لاتطلبوا الفراق، فسّرہ بہ الشامی،	(پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو اُن پر بہانہ مت ڈھونڈو) شامی نے اس کی تفسیر جدائی کا طریقہ اختیار کرنے سے کی ہے۔

اور ایسی طلاق بلاوجہ میں اتنے ممنوعات (برائیوں) کا ارتکاب ہے، حماقت وسفاہت رائے وکفرانِ نعمت نکاح وایذار رسانی بزوجہ وبخاندانِ زوجہ وبہ اولادِ زوجہ[عـه] (کذا فی ردالمحتار) اور زوجہ کا ذلیل اور بدنام کرنا علاوہ برآں (اس کے علاوہ) کیونکہ اس پر کوئی شبہ بدکاری کا کرے گا، کوئی بدخلقی (بُرے اخلاق) کا کرے گا تو دوسری جگہ اس کا نکاح مشکل ہوگا تو تمام عمر اس کی مصیبت میں گذرے گی، اس مقام پر مجھ کو ایک عبارت یاد آئی جو میرے ایک دوست نے میرے پاس اس مضمون کے متعلق لکھ کر بھیجی تھی، اس کو نقل کرتا ہوں:۔

فی فتح القدیر فمن المبیحۃ ان یلقی الیہ عدم اشتہائہا بحیث یعجز او ینظر باکراھہ نفسہ علی جماعہا فھٰذا اذا وقع فان کان قادرًا علی طول غیرھا مع استبقائہا ورضیت باقامتہا	(فتح القدیر میں ہے کہ طلاق کو مباح قرار دینے والی صورتوں میں سے ایک یہ بات ہے کہ خاوند کے دل میں بیوی سے متعلق عدمِ اشتہار ڈال دیا جائے اس طرح کہ وہ اپنے آپ کو عورت کے ساتھ جماع کرنے پر مجبور کرنے کے باوجود عاجز ہو یا ایسا کرنے

عـه یعنی بلاضرورت طلاق دینے سے اتنے لوگوں کو تکلیف پہنچے گی اس لئے مذکورہ حالت میں طلاق مکروہ ہے، (احقر قریشی)

فی عصمۃ بلا وطی او بلا قسم فیکرہ طلاقہ کما کان بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سودۃ وان لم یکن قادرا علیٰ طولہا او لم ترض ھی بک بترک حقھا فھو مباح لان مقلب القلوب رب العلمین ۵	سے اُسے ضرر پہنچے، تو یہ معاملہ جب واقع ہوا گر اس وقت وہ دوسری عورت پر جماع کے لئے قادر ہو، اور اگر وہ عورت بغیر وطی یا بغیر نوبت کے اس کے نکاح میں رہنے پر راضی ہو تو پھر اُس عورت کو طلاق دینا مکروہ ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور حضرت سودہؓ کے درمیان ایسا تھا، اور اگر وہ اپنے حق کو چھوڑنے کے لئے راضی نہ ہو تو طلاق مباح ہے، اس لئے کہ دلوں کو پھیرنے والے رب العلمین ہیں "

بلاضرورتِ شدیدہ طلاق مانگنا سخت ممنوع ہے، اسی تفریط کے قبیل سے ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ بات پر شوہر سے طلاق مانگتی ہیں، اس باب میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورت بدون کسی ضرورت شدیدہ کے اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کرے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ و دارمی نے (کذا فی المشکوٰۃ)

کسی دوسری عورت کے لئے طلاق کی درخواست بھی ممنوع ہے اور جس طرح اپنے لئے طلاق مانگنا ممنوع ہے اسی طرح دوسری عورت کے لئے طلاق کی درخواست کرنا، مثلاً کسی مرد نے اس سے نکاح کی درخواست کی جس کے نکاح میں ایک عورت ہے، اور یہ اُس سے یہ کہے کہ پہلی بی بی کو طلاق دیدو تب نکاح کروں گی، اس سے بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اور اپنی قسمت پر راضی رہنے کا حکم آیا ہے، اس حدیث کے الفاظ اس وقت یاد نہیں، ایسے الفاظ ہیں :

لاتسأل طلاق اختھا لتکفئ ما فی انائھا ،	"اپنی بہن کے لئے طلاق کا سوال مت کر اس غرض سے کہ تو اس کے برتن کی چیز بھی حاصل

تین طلاق ایک دم دینا گناہ ہے ایک کوتاہی طلاق کے باب میں یہ شائع ہے کہ جب طلاق دیتے ہیں تین ہی دیتے ہیں، اس طرف رُکتے نہیں، سو ایسا کرنا اوّل تو گناہ ہے، کما فی الدر المختار :-

ویحرم لو بدعیا الی ان قال والبدعی ثلث متفرقۃ او ثنتان بمرۃ او مرتین فی طہر واحد	"اگر طلاق بدعت ہو تو حرام ہے، اور .... طلاق بدعی تین طلاقیں ہیں، الگ الگ یا دو طلاقیں ایک ہی دفعہ

لا رجعة فیہ او واحدة فی طھر وطئت فیہ او واحدة فی حیض موطوءة فی رد المحتار قولہ ثلث متفرقة وکذا بکلمة واحدة بالاولیٰ اھ

یا دو مرتبہ ایک طہر میں جس میں رجوع نہ کیا ہو، یا ایک طلاق ایسے طہر میں جس میں وطی کی گئی ہو یا ایک طلاق ہے موطوءہ کے ایامِ حیض میں، رد المحتار میں ہو مصنف کا قول تین طلاق الگ الگ، اس ایک لفظ سے تین طلاق دینا بدرجۂ اولیٰ بدعت ہوا،)

تین طلاق ایک ساتھ دینے کے دنیوی مفاسد

اور علاوہ گناہ کے یہ دنیوی مصلحت کے بھی اس لئے خلاف ہے کہ بعض اوقات بعد طلاق کے آدمی نادم ہوتا ہے، تو اگر ایک طلاق دیا ہو تو اگر وہ رجعی ہو تب تو رجعت کرکے اس کا تدارک کرسکتا ہے، اور اگر بائنہ ہے تو گو رجعت نہیں ہوسکتی لیکن زوجہ کی رضامندی سے نکاحِ جدید تو ہوسکتا ہے، بہرحال تدارک تو آسانی سے ممکن ہی ایک صورت میں محض ارادۂ زوج سے ایک صورت میں ارادۂ زوجین سے، اور تین ہیں تو دونوں کے ارادہ سے بھی کوئی تدارک ممکن نہیں، جب تک کہ تیسرا آدمی حلالہ کرنے والا نہ ہو، پھر اس حلالہ کا تدارک ہونا بھی مشکوک (مشتبہ) ہے، کیونکہ اگر حلالہ کرنے والے سے یہ شرط ٹھیرائی جائے کہ صحبت کرکے اس کو طلاق دیدینا تب تو اس فعل سے حدیث میں لعنت آئی ہے، محلِّل (حلالہ کرنے والے) پر بھی اور محلَّل لہ (جس کے لئے حلالہ کیا جائے) اس پر بھی، اور فقہاء نے اس کو مکروہ تحریمی کہا ہے (کذا فی الدر المختار) اور پھر شرط کے بعد بھی طلاق دینا اس کے اختیار میں ہے، زوجین کے اختیار سے خارج ہے، اور اگر یہ شرط ٹھیرائی تو اس صورت میں تدارک کا بعید تر ہونا اور بھی ظاہر ہے، سو تین طلاق میں یہ خرابی ہے،

ایک طلاق بائن دینا بھی بدعت ہے

بلکہ بعض فقہاء نے واحدہ بائنہ (ایک طلاق بائن) کو بھی بدعی کہا ہے جو کہ حرام ہے، کما فی رد المحتار؛

فالواحدة البائنة بدعية فی ظاھر الروایة (ص ۶۵۵ ج ۲)

(یعنی ایک بائن طلاق بھی ظاہر روایت کے اعتبار سے بدعی طلاق ہے،)

کیونکہ جو مصلحت تھی توسیعِ عدد (تعدادِ طلاق کے زیادہ ہونے) میں کہ شوہر کو اگر ندامت ہو تو تدارک اس کے قبضہ میں ہو، یہ مصلحتِ واحدہ بائنہ میں بھی فوت ہوئی ہی، اس مصلحت کا اس عبارت میں ذکر ہے،

ومنھا شرعہ ثلثا لان النفس

(اور اسی قبیل سے تین طلاق کی مشروعیت ہی کیونکہ

كذوبة بما تظهر عدم الحاجة اليها ثم يحصل الندم فشرع ثلثًا ليجرب نفسه وثانيًا اھ ردالمحتار عن فتح القدير ص ۶۸۴ ج ۲)

نفس جھوٹا ہے، اس کی ضرورت نہ ہونے کا اظہار کرتا ہے، پھر نادم ہوتا ہے، اس لئے شریعت نے تین طلاقیں مشروع کیں تاکہ اس کے نفس کو سوچنے سمجھنے کا اچھی طرح موقع مل جائے"

حیض اور نفاس کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے

اسی طرح طلاق دینے کے وقت اس کا خیال نہیں رہتا کہ یہ اس وقت حائضہ (حیض والی) تو نہیں یا اگر غیر حائضہ ہے تو اس طُہر میں اس سے ہمبستری تو نہیں ہوئی، حالانکہ حالتِ حیض میں یا ایسے طُہر میں جس میں ہمبستری ہوگئی ہو طلاق دینا گناہ ہے، (کمامرّ عن الدر المختار) اور نفاس میں طلاق دینا ایسا ہی ہے جیسے حیض میں طلاق دینا (شامی، ج ۲ ص ۲۹۰)

غصّہ یا ہنسی میں طلاق دینے سے طلاق ہوجاتی ہے

ایک غلطی طلاق کے باب میں بعض جہلاء میں یہ ہے کہ ہنسی میں یا غصہ میں بی بی کو طلاق کہہ کر پکارتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق نہیں ہوئی، حالانکہ اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے[۱]،

طلاق کی تعداد صرف تین تک ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہ مسئلہ سُن لیا کہ اگر ایک طلاق دے کر رجوع کرلے تو نکاح بدستور قائم رہتا ہے، تو اس مسئلہ کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی بار ایسی حرکت کرے ہمیشہ رجعت جائز ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، طلاق کی حد ہی تین ہے، خواہ ایک بار یا دو بار یا تین بار میں، اور خواہ درمیان میں رجعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، پس اگر کسی نے ایک طلاق رجعی دے کر رجعت کرلی، یہ رجعت درست ہے، کیونکہ ایک طلاق کے بعد ہوئی، پھر اگر دوسری طلاق رجعی دے کر پھر رجعت کرلی یہ رجعت بھی درست ہے، کیونکہ یہ رجعت دو طلاق کے بعد ہوئی، اور اس کو دو طلاق کے بعد اس لئے کہا جائے گا کہ اس دوسری طلاق کے ساتھ اس پہلی طلاق کو بھی شمار کیا جائے گا، اگرچہ رجعت ہوچکی تھی، سو رجعت سے طلاق

---

[۱] مشکوٰۃ میں بروایت ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جو ارادہ کرنے سے بھی واقع ہوجاتی ہیں، اور ہنسی دل لگی میں بھی وقوع پذیر ہوجاتی ہیں، اور وہ ہیں نکاح، طلاق اور رجعت (یعنی طلاق دے کر پھر رجوع کرلینا) (بندہ احقر قریشی غفرلہٗ)

کا اثر جاتا رہا، مگر طلاق کی ذات موجود ہے، پھر اگر اس نے تیسری طلاق دی اب رجعت درست نہیں، کیونکہ حسبِ تقریر مذکور یہ تین طلاق کے بعد رجعت ہوئی، اور تین طلاق کے بعد رجعت درست نہیں، اسی طرح اگر ایک یا دو طلاق کے بعد رجعت نہ کی ہو اور عدت گذارنے سے وہ نکاح زائل (ختم) ہوگیا ہو اور پھر دونوں نے راضی ہو کر باہم نکاح کرلیا ہو اور پھر اتفاق طلاق دینے کا ہو تو اس طلاق کے وقت پھر سابق طلاقوں کو جمع کیا جائے گا، جب جمع ہو کر مجموعہ تین ہو جائے گا پھر رجعت جائز نہ رہے گی، البتہ صرف ایک صورت ہے پہلی طلاق کے کالعدم ہو جانے کی، اور وہ صورت یہ ہے کہ اس شوہر کے بعد عدت گزار کر اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا، اور اس نے ہمبستری کے بعد طلاق دیدی، یا ہمبستری کے بعد مرگیا، اور پھر یہ شوہر اول کے نکاح میں آگئی، اب البتہ پہلی طلاقوں کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، یعنی یہ از سر نو تین طلاقوں کا مالک ہو جائے گا، جس طرح اپنے نکاح اول میں تین طلاق کا مالک تھا، مگر یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس میں خلاف کیا ہے، اور دونوں کی ترجیح میں علماء نے اختلاف کیا ہے، (الدر المختار ورد المحتار، ج ۲ ص ۸۶۳)

تنبیہ:- یہ دو بار تک رجعت طلاقِ رجعی میں ہے، بائنہ میں نہیں، تفصیل اس کی فقہ میں ہے، اور بقدرِ ضرورت بہشتی زیور میں بھی ہے، ملاحظہ کرلیا جائے، فقط

وسط ماہ شعبان ۱۳۳۷ھ

شوہر کی تنہائی میں طلاق کا مسئلہ ایک عام غلطی باب طلاق میں یہ ہے کہ بعض اوقات منکوحہ دعویٰ کرتی ہے کہ شوہر نے مجھ کو طلاق دیدی ہے، مگر کوئی گواہ پیش نہیں کرسکتی، تنہائی میں طلاق دینا بیان کرتی ہے، اس موقع میں لوگ دو قسم کی غلطیاں کرتے ہیں، اکثر تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہونے کا حکم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر بدون گواہوں کے عورت کے قول کا اعتبار کرلیا جائے تو بس عورتیں تو خوب آزاد ہو جائیں گی، ذرا شوہر سے اَن بَن ہوئی اور طلاق کا دعویٰ دھر مارا، اور بعضے عورت کی بیکسی پر ترحم کر کے اور قرائنِ عادیہ سے کام لے کر (کہ عورت کی مقابلہ شوہر کے کب جھوٹ بولنے کی ہمت ہوتی ہے، یا یہ کہ عورت شوہر سے جدا ہونے کو کب گوارا کرتی ہے، اگر وہ طلاق نہ دیتا تو بھلا عورت کو ایسے دعوے کی کیا ضرورت تھی) طلاق واقع ہونے کا حکم کردیتے ہیں، حالانکہ دونوں فریق کے استدلالات لچر ہیں، فریق ثانی کا تو ظاہر ہے کہ اس کے خلاف کا کثرت سے مشاہدہ کیا جاتا ہے، بہت عورتیں بیباک بھی ہوتی ہیں، اور جھوٹ بھی بولتی ہیں، اور شوہر سے نفرت رکھنے والیاں بھی بہت ہیں، اور فریق اول کا اس لئے کہ کوئی اس کے مقابلہ میں یوں کہہ سکتا ہے کہ اگر عورت کی علی الاطلاق

تکذیب کردی جائے تو جن صورتوں میں شوہر قصداً تنہائی میں اس لئے طلاق دے کہ دعوے کے وقت انکار کرسکوں اور عمر بھر اس کو پریشان کروں تو عورتیں سخت قید میں اور ظلم میں گرفتار ہوجائیں گی، یہ تو معارضہ ہے، اور اس فریق کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اس وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ ہم یہ حکم دیں کہ طلاق واقع ہوگئی، سو اس حکم کے لئے بے شک گواہوں کی ضرورت ہے، بدون گواہوں کے ایسا حکم نہیں دیا جاسکتا، لیکن اگر یہ حکم نہ دیا جائے، کیونکہ غیب کی خبر تو اللہ تعالیٰ کو ہے، بلکہ عورت کو یہ مسئلہ بتلایا جائے کہ اگر واقعی اس نے تیرے سامنے طلاق دی ہے تو تجھ کو اس سے علیحدہ رہنا چاہئے جس صورت میں رجعت ناجائز ہو اس سے ہمبستر نہ ہونا چاہئے، تو اس حکم میں یہ واقع نہ ہوگا، غرض حکم بالطلاق اور چیز ہے اور حکم بصون النفس بشرط طلاق اور چیز ہے،

غصہ اور مذاق میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ ایسے ہی بطور ہزل (مذاق) کے منہ سے لفظ طلاق نکال دیتے ہیں، مگر ان کا قصد طلاق دینے کا نہیں ہوتا، تو بعضے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ تکلم تو بالقصد (بات کرنا تو ارادہ کے ساتھ) ہوا ہے، گو اس کے ساتھ اس کے معنی کے واقع ہونے کا قصد نہیں ہوا، بلکہ اس کے عدمِ وقوع (واقع نہ ہونے) کا قصد ہوا ہے سو یہ شریعت میں معتبر نہیں، بعضے لوگ اس غلطی میں ہیں کہ یوں سمجھے ہوئے ہیں کہ غصہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی، یہ بھی غلط مسئلہ ہے، طلاق غصہ میں بھی واقع ہوجاتی ہے، اور طلاق تو اکثر غصہ میں ہی دی جاتی ہے،

زبردستی سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے،

بعضے لوگ اس غلطی میں ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی زبردستی کسی سے طلاق دلوادے تو طلاق واقع نہیں ہوتی، سو یہ بات بھی صحیح نہیں، اکراہ (زبردستی) میں بھی طلاق واقع ہوتی ہے، گو اکراہ کرنے والے پر مواخذہ ہو، جیسے کوئی زبردستی کسی کو کسی سے پٹوادے تو کیا اس ضرب کا اثر نہ ہوگا، یعنی چوٹ نہ لگے گی؟

طلاق کا لفظ منہ سے نکالتے ہی طلاق واقع ہوجاتی ہے،

اسی طرح تلفظ بالطلاق (طلاق کا لفظ زبان سے نکالنے) کا اثر وقوعِ طلاق (طلاق کا واقع ہونا) ہے وہ بھی واقع ہوجائے گی، اسی طرح اگر منہ سے لفظ طلاق قصداً نہ کہے، بلکہ ویسے ہی منہ سے بلا ارادہ نکل گیا، یا کوئی شخص الفاظ طلاق کے معنی نہ جانتا ہو کچھ اور مطلب سمجھ کر منہ سے کہہ دیا تو ان دونوں صورتوں میں قضاءً (دنیاوی فیصلہ کے اعتبار سے) تو طلاق کا وقوع ہوگیا، یعنی عورت کو جائز نہیں کہ اس سے تعلق زوجیت کا

رکھے بلکہ مرد کو بقدر قدرت روکے، اور اگر روکنے پر قدرت نہ رہی بلکہ اندیشہ جان کے تلف (ضائع) ہونے کا یا ظلم شدید کا ہو جس کا تحمل نہ ہوسکے تو پھر اس عورت پر گناہ نہ ہوگا، لیکن اگر فرضاً عورت کو اس واقع کی اطلاع نہ ہو تو مرد پر یہ واجب نہیں کہ اس کو اطلاع کرے، بلکہ یہی سمجھے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی،

بلا قصور بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ بے قصور طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی، یا بلا رضامندی عورت کے طلاق نہیں ہوتی، سو یہ دونوں باتیں بھی غلط ہیں، دونوں حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، گو بلا قصور ایسا کرنا سخت مذموم ہے،

نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں مثل جنون کے غیر مکلف ہوتا ہے اس حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، سو یہ بھی غلط ہے، اس کا حکم جنون کا سا نہیں ہے، البتہ اگر کسی حلال چیز کے کھانے سے ضعفِ مزاج ... (طبیعت کی کمزوری) کے سبب نشہ ہو گیا اس نشہ کا حکم مثل جنون کے ہے، کہ اس حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی،

کلمۂ کفر زبان سے نکل جانے پر تجدیدِ نکاح ضروری ہے، بعض لوگ صرف طلاق ہی کو مزیلِ نکاح (نکاح ختم کرنے والی) سمجھتے ہیں یعنی زوالِ نکاح کو صرف طلاق میں منحصر سمجھتے ہیں، چنانچہ اس بناء پر اگر کسی سے کلمۂ کفر صادر ہو جاوے تو تجدیدِ ایمان کی تو ضرورت سمجھی جاتی ہے مگر تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں سمجھتے، حالانکہ مرتد ہو جانا بھی سبب زوالِ نکاح ہے، بعد تجدیدِ ایمان کے تجدیدِ نکاح بھی واجب ہے۔

شوہر کو باپ یا بھائی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ایک غلطی اس کے مقابل یہ ہے کہ بعض ایسے اسباب کو موجبِ حرمت سمجھتے ہیں جو واقع میں مزیلِ حلّت (حلال ہونے کو ختم کرنیوالا) نہیں، جیسے عورت اپنے شوہر کو باپ یا بھائی کہہ دے تو اس سے نہ طلاق ہو، نہ وہ اس پر حرام ہو، یعنی ظہار بھی نہیں نہیں ہوتا، بلکہ اگر مرد بھی عورت کو یہ کہہ دے کہ تو میری ماں ہے یا بہن ہے تب بھی ایک لغویات تو ہے لیکن اس کا اثر نکاح پر یا حلّت پر کچھ بھی نہیں ہوا، البتہ بعض الفاظ سے ظہار ہو جاتا ہے، تو وہ خاص خاص الفاظ ہیں، جو مع اپنے حکم کے کتبِ فقہ میں مذکور ہیں،

ایلاء اور اس کا حکم، ایک غلطی اس کے مقابل یہ ہے کہ بعض اسبابِ طلاق کو اسبابِ طلاق نہیں سمجھتے، بیان اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بی بی کے پاس کبھی نہ جاؤں گا، اور وہ مدّت چار مہینے یا چار مہینے سے زائد ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار مہینے سے پہلے اس نے قسم

توڑ دی اور بی بی کے پاس چلا گیا تب تو نکاح باقی رہا اور صرف کفارۂ قسم کا دینا پڑے گا، اور اگر چار مہینے اپنی قسم پر رہا تو چار مہینے گزرنے پر اس عورت پر طلاق بائن واقع ہوگئی، اس کو ایلاء کہتے ہیں، اور اگر وہ مدت چار مہینے سے کم ہے تو اس میں طلاق تو کسی حال میں واقع نہیں ہوتی صرف تفصیل یہ ہے کہ اگر قسم پوری کر دی تو خیر اور اگر قسم توڑ دی تو صرف کفارۂ قسم کا دینا پڑے گا،

فسخِ نکاح بدونِ قاضی مسلم کے فیصلہ کے نہیں ہوسکتا، بعضے لوگ اس غلطی میں ہیں کہ انھوں نے یہ مسئلہ سُنا کہ اگر بجز باپ یا دادا کے کوئی اور ولی نابالغ عورت کا نکاح کر دے تو گو اس وقت نکاح تو ہو جاتا ہے مگر بالغ ہو کر اس کو فسخ کرنا جائز ہے، اور اس کو سُنکر یہ سمجھے کہ صرف اس عورت کا فسخ کر دینا کافی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس مسئلہ میں اوّل تو متعدد شرائط ہیں، دوسرے ان شرائط کے بعد بھی فسخ بدون حکم قاضی یعنی حاکم مسلم کے نہیں ہوسکتا، اور غیر مسلم عدالت کا فسخ یا تفریق کافی نہیں، جب تک ایسا نہ ہو نکاح صحیح اور مکمل ہے،

شوہر کے باپ کو اپنی بہو کو طلاق دینے کا کوئی اختیار نہیں، بعضے لوگ اس غلطی میں (مبتلا) ہیں کہ نابالغ کی بی بی کو یا مجنون (پاگل) کی بیوی کو اس نابالغ یا مجنون کا باپ طلاق دے سکتا ہے، سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ بجز شوہر کے یا شوہر جسکو اختیار دیدے یعنی وکیل بالطلاق کے اور کسی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں،

کسی کا خط بغیر اجازت کھولنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی، بعضے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی خط کے لفافہ پر مثلاً یہ لکھدیتے ہیں کہ اگر کوئی یہ خط کھولے تو اس کی بی بی پر طلاق، اور وہ لکھنے والے بھی اور بہت سے دیکھنے والے بھی یوں سمجھتے ہیں کہ جو کوئی کھولے گا اس کی بی بی پر طلاق واقع ہو جائے گی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ اسی قاعدۂ مذکورہ مسئلہ متصلہ (جو مسئلہ اس سے پہلے مذکور ہے) کی بناء پر یہ سمجھنا بھی محض غلط ہے اس کے خلاف کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی، گو کسی کا خط بلا اذن (بغیر اجازت) دیکھنا یا اسی طرح کسی چیز میں تصرّف بلا اجازت کرنا مستقل دلیل سے حرام ہے، مگر طلاق واقع ہونا اور بات ہے،

تعلیق میں محض نیت کافی نہیں ایک غلطی درباب فیصلہ باہمی زوجین متعلق طلاق و معافیِ مہر درمیان بیوی

ؔ قسم توڑنے کا کفارہ تین مسلسل روزے یا دس محتاجوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے، اگر اناج دینا چاہیں تو ہر محتاج کو احتیاطاً دو سیر گندم یا چار سیر جو یا انکی قیمت بھی دے سکتا ہے، مجیب

کے درمیان طلاق اور معافیِ مہر کے بارے میں فیصلہ) سے کے یہ ہوتی ہے کہ بناء بر مصالح (مصلحتوں کی بناء پر) یہ قرارداد (تجویز) ہوتی ہے کہ شوہر طلاق لکھ دے، اور منکوحہ مہر کا معافی نامہ لکھ دے، اب اس کی ترتیب کے متعلق دو غلطیاں ہوتی ہیں، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ مرد نے پہلے طلاق نامہ لکھ دیا اور طلاق واقع ہوگئی، گو عورت کے حوالہ نہ کیا گیا ہو، اب عورت نے مہر معاف کرنے سے انکار کر دیا، تو مرد کا نقصان ہوا، اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ عورت نے مہر کا معافی نامہ لکھ دیا اور مہر معاف ہوگیا، گو مرد کو حوالہ نہ کیا گیا ہو، اب مرد طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، تو اس میں عورت کا خسارہ ہوا، کیونکہ مہر کی معافی میں بھی اور طلاق میں بھی نیت تعلیق کی ہے، مگر تعلیق میں محض نیت کافی نہیں، لفظوں میں اس کی تصریح ضروری ہے، اس لئے اس کا ایسا طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ دونوں کا مقصود حاصل ہوجائے اور کسی کو افسوس نہ ہو، وہ طریقہ یہ ہے کہ مرد جو طلاق نامہ لکھے تو اس طرح لکھے کہ اگر عورت مجھ کو مہر معاف کردے تو میری طرف سے اس کو طلاق بائن ہوجائے، اس کے بعد عورت نے اگر معافی نامہ مہر کا نہ لکھا تو عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی، اور مرد خسارہ سے بچا رہا، اور اگر معافی نامہ لکھ دیا تو طلاق ہوگئی، مگر ایسے وقت میں کہ مہر بھی معاف ہوگیا، غرض دونوں میں سے کسی کو دھوکا نہ ہوا،

طلاق کے بارے میں اہلِ علم کا ایک مغالطہ

ایک غلطی بعض اہلِ علم کو یہ ہوجاتی ہے کہ فقہا نے اِختَارِیْ (تجھے طلاق کا اختیار ہے) کو کنایات طلاق (طلاق کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ) میں سے لکھا ہے، تو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ لفظ بہ نیت طلاق کہہ دیا تو طلاق بائن ہوجاتی ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، اس لفظ سے یا اس کے ہم معنی مثل اَمرُکِ بِیَدِکِ وغیرہ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا تیرے قبضہ میں ہے) سے وقوع طلاق کی یہ بھی شرط ہے کہ اس کہنے کے بعد عورت اپنی طلاق کو اختیار کرلے، اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مرد نے اس لفظ کے کہنے میں نیت طلاق کی کی تھی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، اور اگر عورت خاموش رہی تو صرف مرد کے اِختَارِیْ کہنے سے اگرچہ اس میں نیت طلاق کی بھی کی ہو، طلاق واقع نہ ہوگی، درمختار میں تصریح ہے:۔

ولا تقع به (ای بقوله اختاری)	(یعنی خاوند نے بیوی سے کہا تجھے اختیار ہے،
ولا بامرك بيدك مالم تعلق	یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو اس کہنے
المرأة نفسها كما يأتى،	سے طلاق واقع نہیں ہوگی، جب تک کہ عورت

نے اپنے آپ کو معلق نہ کیا ہو، جیسا کہ آگے آرہا ہے)

ردالمحتار میں ہے:۔

قولہ مالم تعلق ای معنیة الزوج الطلاق او دلالة الحال لان ذٰلك كناية تفويض لا كناية ايقاع كما يأتي في الباب الآتي، قلت ما الطف تعليله بقوله لان ذلك كناية تفويض الخ،

جب تک عورت نے خاوند کے ساتھ طلاق کو معلق نہ کیا ہو یا دلالتِ حال کے ساتھ، کیونکہ یہ سپرد کرنیکا کنایہ ہے واقعہ کرنے کا کنایہ نہیں، جیسا آگے آتا ہے، میں کہتا ہوں کہ کس قدر طلاق کی وجہ بیان کرنے میں لطافت پیدا کر دی ہے،

غائبانہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک عورت سامنے نہ ہو طلاق واقع نہیں ہوتی، سو یہ بھی غلط ہے، غائبانہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے،

لفظ "طلاق" صحیح مخرج سے ادا نہ ہو تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بعضے لکھے پڑھے لوگوں نے ایک جہالت کی کہ طلاق دینے والے کو یہ فتویٰ دیا کہ تو نے طلاق میں حرف طاء کو مخرج سے ادا نہیں کیا بلکہ بجائے اس کے حرف تاء فوقانیہ سے کہا، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، سو فقہاء نے تصریحاً غلط حرف سے طلاق واقع ہو جانے کو لکھا ہے،

رنجش کی بنا پر بیوی کے ناجائز جگہ پر بیٹھنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ایک غلطی اس باب میں یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر میاں بی بی میں بہت مدت تک رنجش کے سبب بے تعلقی رہی خصوص جب کہ وہ دوسری جگہ ناجائز طور پر بیٹھ رہی تو خود بخود طلاق ہو جاتی ہے، سو یہ بھی غلط ہے، گو اس فعل سے معصیت (گناہ) ہے، مگر طلاق واقع نہیں ہوتی، مرد کو اختیار ہے جب چاہے اس عورت کو زوجیت کے طور پر قبضہ کر لے،

شوہر کے مرض الوفات میں طلاق پانے والی عورت کو میراث سے حصہ ملے گا، ایک غلطی بابِ طلاق میں بہت دقیق ہے، جو ایک مسئلہ کے نہ جاننے سے واقع ہوتی ہے جو کہ بہت کم معلوم ہے، خصوص اس کے بعض جزئیات سے، تو بعض طالب علم بھی بے خبر ہیں، اول وہ مسئلہ سمجھ لیا جائے پھر اس غلطی پر متنبہ کیا جائے گا، مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض وفات میں اپنی مدخولہ بی بی (جس سے ہمبستری ہو چکی ہو) کو بدون اس کی رضامندی کے طلاق بائن دیدے، اور وہ شخص عدت گذرنے کے قبل مرجائے تو ظاہراً تو شبہ ہوتا ہے کہ جب طلاق بائن[۱] سے نکاح کا علاقہ قطع ہو گیا تو اس کو

---

[۱] طلاق بائن:۔ ایسی ایک طلاق جس میں نکاح بالکل ٹوٹ جاتا ہے، اور اب بغیر نکاح کئے اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں، اگر پھر اسی کے پاس رہنا چاہے اور مرد بھی اس کو رکھنے پر راضی ہو تو پھر سے نکاح کرنا پڑیگا، ایسی طلاق کو

طلاقِ بائن کی تحقیق [illegible]

شوہر سے میراث نہ ملے گی، مگر حکم شرعی یہ ہے کہ اس صورت میں وہ عورت میراث پاوے گی، گویا شریعت نے اس کا انتظام کیا ہے کہ کوئی شخص ایسی حالت میں اپنی بی بی کو اس کے حصۂ میراث سے محروم نہ کر سکے پس ایسی حالت میں اگر طلاق دی تو احتمال ہو سکتا تھا کہ شاید دوسرے وارثوں کے مقابلہ میں بی بی کو محروم کرنے کے واسطے طلاق بائن دی ہوتی، تاکہ وہ زوجہ نہ رہے، اور اس لئے زوجیت کی میراث نہ پائے، اس لئے شریعت نے عدت کو قائم مقام نکاح کے قرار دے کر اس عورت کو میراث دلوائی ہے، اور ایسے طلاق دینے والے کو فارٌ بالطلاق (طلاق دے کر میراث سے بھاگنے والا) کہتے ہیں، اور وہ غلطی یہی ہے کہ لوگ اس عورت کے استحقاقِ میراث (میراث کے مستحق ہونے) کو نہیں جانتے، اور اس مسئلہ کی جس جزئی سے بعض طلبہ بھی بے خبر ہیں وہ جزئی بدون مرض کے غلبۂ احتمالِ ہلاک (ہلاکت کا غالب گمان) ہونے کی ہے، مثلاً شیوع (پھیلاؤ) طاعون کا ہو رہا ہے، مگر مطلقاً نہیں، بلکہ خود اس شخص کے محلہ میں اس قدر زور شور ہو کہ ہر وقت خود اس کے مبتلائے طاعون ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہو اسی طرح جس کے لئے سزائے موت کا حکم ہو چکا ہو، یا وہ لام پر گیا ہوا ہو اور غالب قرائن سے اندیشہ موت کا ہو، سو چونکہ یہ حالتیں مرض کی نہیں، اس لئے ان حالتوں کا حکم بعض کو معلوم نہیں، مگر چونکہ غلبۂ ہلاک ان میں اور حالتِ مرضِ موت میں مشترک ہے اس لئے اُن کا حکم بھی مثل مرضِ موت ہی کے ہے، حتیٰ کہ ایسے شخص کے وصایا بھی صرف ثلث (ایک تہائی) میں جاری ہوں گے،

طلاقِ بائن اور طلاق رجعی میں شوہر سے پردہ کے احکام، ایک غلطی بعض آثار طلاق کے متعلق یہ ہوتی ہے کہ بعضے تو طلاقِ بائن میں بھی شوہر سے پردہ نہیں کراتے، حالانکہ اس وقت ضروری ہے، اور بعضے رجعی میں بھی پردہ کو ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ضروری نہیں، بلکہ اگر قرائن سے امید رجعت کی ہو تو زینت بھی کرنا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے،

طلاق کے بعد عدت میں نفقہ دینا واجب ہے، اور انہی آثار کے متعلق غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ طلاق کے بعد عدت میں نفقہ نہیں دیتے، حالانکہ واجب ہے، اس کی کچھ تفصیل آگے بھی آتی ہے،

بقیۂ احکام بعد الطلاق

عدت سے متعلق چند کوتاہیاں

منجملہ احکام بعد الطلاق کے ایک عدت ہے، لوگ اس میں طرح طرح کی غلطیاں کرتے ہیں

چنانچہ ایک غلطی یہ ہے کہ اکثر عوام عدّت مطلقاً تین مہینے سے اور بعضے چار مہینے دس دن سمجھتے ہیں، حالانکہ عدت کی کئی قسمیں ہیں

عدّت کی قسمیں حاملہ کی عدّت وضع حمل ہے، خواہ مطلقہ ہو یا اس کا شوہر وفات پاگیا ہو، اور غیر حاملہ میں تفصیل ہے کہ اگر اس کا شوہر وفات پاگیا ہے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہیں، اور اگر وہ مطلقہ ہے تو اگر اس کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر کم سنی کے سبب ہنوز (ابھی) حیض نہیں آتا یا بڑھاپے کے سبب حیض موقوف ہو گیا، تو ان دونوں کی عدّت تین مہینے ہیں، پس علی الاطلاق سب صورتوں میں ایک ہی قسم کی عدّت کا حکم کرنا یہ غلط ہے،

عدت کے اندر نکاح جائز نہیں ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ بیوہ سے نکاح کرتے ہیں، اور انقضاءِ عدّت (عدّت پوری ہونے کا) بھی انتظار نہیں کرتے، اور عدّت کے اندر نکاح کر لیتے ہیں، بعضے اپنے نزدیک بڑی احتیاط کرتے ہیں، کہ نکاح کو تو جائز سمجھتے ہیں مگر اس سے قربت نہیں کرتے، سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ عدّت کے اندر بالکل نکاح جائز نہیں ہوتا،

زنا سے حمل رہ جانے کی صورت میں نکاح فوراً جائز ہے، بعضے لوگ اس کے مقابلہ میں دوسرا غلو کرتے ہیں کہ اگر کسی غیر منکوحہ وغیر معتدہ (ایسی عورت جس کا نکاح نہ ہوا ہوا ور نہ وہ عدت میں ہو) کو زنا سے حمل رہ جائے تو اس کے لئے بھی وضع حمل کو عدت تجویز کرتے ہیں، سو یہ بھی غلط ہے، اس پر عدّت نہیں، اس سے نکاح فوراً جائز ہے، البتہ صحبت اور اس کے مقدمات بوس وکنار وغیرہ جائز نہیں، جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے،

عدّت میں پورے تیس دن کا مہینہ شمار کیا جاتا ہے ، ایک غلطی عام یہ ہے کہ جن صورتوں میں مہینوں سے عدّت ہے خواہ تین مہینے یا چار مہینے دس دن، اس میں اگر ایک یا دو مہینے انتیس کے ہوں تو اس کمی کے عوض دس دن عدت میں بڑھاتے ہیں، مثلاً ایک عورت کے شوہر کی وفات دسویں شوال کو ہوئی تو بیسویں صفر کو علی الاطلاق اس کی عدّت کو ختم سمجھتے ہیں، اگرچہ ذیقعدہ و ذی الحجہ و محرم وصفر میں سے دو یا تین مہینوں کا چاند انتیس کا ہوا ہو، حالانکہ ہمارے ائمہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں، صاحبین کے نزدیک درمیان کے مہینے چاند سے لیں گے، اور اول کا مہینہ انتیس کا ہوا ہو تو اس کی تکمیل اخیر میں دنوں سے کر لیں گے، تو اس صورت میں بھی بیسویں صفر کو اس کی عدّت ختم نہ ہوگی، اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب مہینے دنوں سے شمار کریں گے، یعنی اس صورت میں ایک سو تیس دن گزرنے سے مدّت ختم ہوگی، پس اگر درمیان میں تین مہینے انتیس

کے ہوئے تو بلیسویں صفر کے بعد تین دن بڑھائے جائیں گے، اور تیئیسویں صفر کو عدت ختم ہونے کا حکم کریں گے، خوب یاد رکھنا چاہیئے،

عدت کا شمار طلاق یا وفات کے وقت سے شروع ہوتا ہی

بعضے لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اگر کسی عورت کو طلاق ہوگئی یا اس کے شوہر کی وفات ہوگئی، اور اس کو ایک مہینہ بعد خبر ہوئی تو بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابتداء عدت کی خبر پہنچنے تک کے وقت سے ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ طلاق یا وفات ہی کے وقت سے عدت کا شمار ہوگا،

نابالغہ کا شوہر فوت ہونے کی صورت میں عدت کا حکم

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ نابالغہ کا شوہر اگر مر جائے تو اس پر عدت نہیں، سو یہ بھی غلط ہے، ان لوگوں کو غلط ہوگیا ہے، یہ حکم طلاق میں ہے، کہ اگر منکوحہ سے ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو اور طلاق ہو جائے تو اس میں عدت لازم نہیں، تو طلاق کو موت پر قیاس کر کے جو حکم طلاق قبل الدخول (ہمبستری سے پہلے حکمِ طلاق) کا تھا، وہ موت قبل الدخول کا سمجھ لیا، یہ قیاس غلط ہے، اور دونوں کا حکم جُدا جُدا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عدتِ طلاق میں اصالۃً تصرف براءۃ رحم (رحم کے خالی ہونے کو ثابت کرنے) کے لئے ہے، اور قبل الدخول میں احتمال شغلِ رحم (ہمبستری سے پہلے رحم کے بھرنے ہونے) کا نہیں ہو اس لئے وہاں عدت نہیں اور عدتِ موت میں اصالتاً قضائے حقِ نکاح (حقِ نکاح پورا کرنے) کے لئے ہے، اور اسی وجہ سے عدتِ اشہر (مہینوں) سے ہے، اس لئے یہاں عدت ہے،

مدتِ عدت کے اندر نفقہ واجب ہی،

ایک غلطی نفقہ کے متعلق ہے، کہ اکثر لوگ طلاق بائن کے بعد مہر کو تو واجب الادا سمجھتے ہیں، مگر مدتِ عدت کے اندر نفقہ (کھانے پینے وغیرہ کے اخراجات) کو واجب نہیں سمجھتے، حالانکہ عدت کے اندر نفقہ بھی واجب ہے، البتہ عدتِ وفات کا نفقہ کسی کے ذمہ واجب نہیں ہے، اور اسی طرح خلع میں عورت اگر نفقہ عدت کو تصریحاً ساقط (ختم) کردے تو اس میں بھی ساقط ہو جاتا ہے، (کذافی الدر المختار)

عدت کے اندر عورت کا بلا عذر گھر سے نکلنا جائز نہیں،

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر عدت کے اندر گھر سے نکل آئے تو اس پر پھر از سر نو عدت واجب ہوگی، اور پہلی عدت ٹوٹ گئی، سو یہ بالکل غلط ہے، یہ تو ضرور ہے کہ بلا عذر گھر سے نکلنا معتدۃ (عدت گذارنے والی) کو جائز نہیں، اسی واسطے معتدۃ الطلاق (طلاق کی عدت گذارنے والی) کو کسی وقت نکلنے کی اجازت نہیں دی گئی، کیونکہ اس کا نفقہ زوج پر واجب ہے، اور خلع میں اگر زوج سے ساقط ہوا ہے تو عورت کے ساقط

کرنے سے ہوا ہے، تو اس نے اپنے نفقہ کا بہ اختیارِ خود التزام کیا ہے، اس لئے اس کا بھی وہی حکم ہے، اور معتدالوفات (شوہر کی وفات کی عدت گذارنے والی عورت) کا نفقہ کسی پر ابتداء ہی سے واجب نہیں، اس لئے اس کو دن کو بضرورت انتظامِ معاش کے اور تھوڑے سے حصۂ شب میں بھی نکلنا جائز ہے، لیکن زیادہ حصہ رات کا اپنے گھر میں گذارنا واجب ہے، پس فرق دونوں میں اسی ضرورتِ معاش و عدمِ ضرورت سے ہوا، سو اگر کوئی معتدالوفات ہی معاش سے مستغنی ہو (یعنی محتاج نہ ہو) تو اس کا نکلنا جائز نہ ہوگا، (درمختار عن الفتح)

عدت کی مدت گذرنے کے بعد کوئی پابندی نہیں

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے خصوصاً عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ عدت گزرنے کے بعد عدت سے نکلنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس گھر سے دوسرے گھر جائے، اور اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، سو یہ بالکل غلط ہے جب وہ مدت گذر گئی بس عورت عدت سے نکل گئی، گو اسی گھر میں رہے،

مطلقہ کو حقیر سمجھنا صحیح نہیں

ایک غلطی جس کو ایک رسم جہالت کہنا بجا ہے یہ ہے کہ مطلقہ کو مطلقاً (بالکل) حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں، اور گو زیادتی شوہر ہی کی ہو مگر بلا وجہ یہ حکم لگادیتے ہیں کہ اس نے کچھ تو عیب کیا ہوگا، تب تو اس کو طلاق ہوئی، اور پھر اس عیب کو بھی عفت (پاکدامنی) ہی کے متعلق سمجھ لیتے ہیں، اور اس بناء پر حتی الامکان اس سے نکاح نہیں کرتے، سو ظاہر بات ہے کہ جب واقعات دونوں طرح کے ہیں کہیں عورت کی زیادتی ہوتی ہے کہیں مرد کی، پھر یہ کیسے سمجھ لیا کہ عورت ہی خطاوار ہے، اور اگر خطاوار ہے تو یہ کیا ضرور ہے کہ وہ خطا عفت ہی کے متعلق ہے، ایسے قرائن پر کسی پر شبہ کرنا سخت گناہ اور حرام ہے،

بلاتحقیق محض وقوعِ طلاق سے شوہر یا بیوی پر کوئی حکم لگانا گناہ ہے

ایک غلطی اس کے مقابلہ میں کہ وہ بھی رسمِ جہالت ہی ہے یہ ہے کہ بعض لوگ طلاق دینے والے کو بلا دلیل ظالم قرار دے لیتے ہیں، اور اسی بناء پر پھر اس کا نکاح دشوار ہوجاتا ہے، سو یہ بھی پہلے کی طرح رجم بالغیب (اٹکل پچو) ہے، کہیں کہیں عورتیں سرکشی و نافرمانی و ایذارسانی کرتی ہیں، تو اس صورت میں مرد بجز طلاق کے کیا کرے، حاصل یہ کہ محض وقوعِ طلاق سے بلاتحقیق نہ شوہر پر الزام لگاوے، نہ عورت پر بلکہ جن لوگوں کا اس قصہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کو تو اس سے تعرض ہی کی ضرورت نہیں، اور جن کا کچھ ضروری تعلق ہے وہ بھی بدونِ تحقیق کے کوئی حکم نہ لگائیں، کہ بدونِ دلیل شرعی کوئی حکم لگادینا مخالفت ہے، نص وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (بنی اسرائیل آیت ۳۶)

(اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو) کی اور فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (ص ۲ آیت ۲۶) (سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش نہ کرنا) کی،

چھوٹے بچوں کی پرورش میں کوتاہیاں

یہاں تک اس بقیہ میں اکثر احکام متعلق عدت کے تھے، طلاق کے بعد علاوہ عدت کے حضانت یعنی چھوٹے بچوں کی پرورش کا پیش آتا ہے اسی طرح وفات شوہر کے بعد بھی، خلاصہ یہ کہ افتراق بین الزوجین (میاں بیوی میں تفریق) کے بعد کبھی نابالغ اولاد بھی ہوتی ہے، بعض اوقات زوجین اور کبھی زوجہ اور ورثہ زوج میں ان بچوں کے متعلق پیش آتی ہے، اور اکثر تو یہ کشاکش اس صورت سے ہوتی ہے کہ فریقین میں سے ہر شخص ان بچوں پر اپنا دعویٰ استحقاق کا (حقدار ہونے کا دعویٰ) کرتا ہے، اور سب اپنے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے، یعنی ہر ایک دوسرے پر ڈالتا ہے، اوّل صورت میں اکثر تو یہی ہے کہ جس کا زور رہا وہ غالب آگیا، اور بچہ پر قبضہ کرلیا، خواہ حق ہو یا ناحق ہو، یعنی اگر باپ یا باپ والے زوردار ہوئے تو دودھ پینے ہی کی حالت میں یا اس کے ذرا بعد ماں سے چھین لیتے ہیں، اور اگر ماں والے زوردار ہوئے تو وہ عمر بھر بھی باپ کو قبضہ نہیں دیتے، سو یہ دونوں غلطیاں ہیں،

چھوٹے بچوں کی پرورش کا کون زیادہ مستحق ہے؟

اس کا قانون شرعی یہ ہے کہ اگر ماں کافر اور فاجر نہ ہو اور اس نے ہنوز کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو جو بچہ کے ساتھ ذی رحم محرم (نسبی رشتہ دار) ہونے کا علاقہ (تعلق) نہ رکھتا ہو تو ماں اس بچہ کو اپنے پاس رکھنے کے استحقاق میں سب سے مقدم ہے، اور اس استحقاق کی مدت یہ ہے کہ لڑکا سات برس کا ہو جائے اور لڑکی ایسی ہو جائے کہ مردوں کو اس کی طرف رغبت ہونے لگے، اس کے بعد اس کو باپ کی طرف واپس کر دیا جائے گا، اور دادا بھی بجائے باپ کے ہے، (یعنی باپ کے حکم میں ہے) جبکہ باپ موجود نہ ہو، اگر باپ اور دادا نہ ہوں تو پھر عصبات جو کہ ذی رحم محرم ہوں، وہ زیادہ مستحق ہیں، بشرطیکہ معتمد (قابلِ اعتماد) ہوں، اور جو ایسے عصبات نہ ہوں تو حاکم کسی اہل کے سپرد کر دے، اور لڑکی کو کسی امین دیندار عورت کے سپرد کرے اور لڑکا اگر بالغ ہو کر خود اپنی نگرانی کر سکے، پھر اس پر قبضہ کرنے کا کسی کو حق نہیں، اور اگر ماں کافر، فاجر ہو تو اس کو کچھ حق نہیں، اسی طرح اگر کسی ایسے مرد سے نکاح کر لیا ہو جو بچہ کا ذی رحم محرم نہیں، اس کی تین صورتیں ہیں؛

ایک[1] یہ کہ نہ ذی رحم ہے..... نہ محرم ہے، جیسے بالکل اجنبی شخص، دوسری[2] یہ کہ ذی رحم تو ہے

مگر محرم نہیں جیسے چچازاد بھائی رشتہ دار تو ہے مگر محرم نہیں، تیسرے یہ کہ محرم تو ہو مگر ذی رحم نہیں جیسے رضاعی بآیا چچا کہ ان سے نکاح تو حرام ہے اس لئے محرم تو ہے، مگر ان کی کچھ قرابت نہیں، غرض ان تینوں قسموں میں سے جس کسی سے عورت نے نکاح کرلیا تو ان سب صورتوں میں عورت کا یہ حق جاتا رہے گا،

اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ علی الاطلاق باپ کا قبضہ بھی غلطی ہے، اور علی الاطلاق ماں کا قبضہ بھی، بلکہ دونوں کے قبضوں میں یہ تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی،

ایک دوسرے پر ٹالنے کی صورت میں بچہ کو کون دودھ پلائے گا؟

اب رہا اس کا عکس کہ ہر ایک دوسرے پر ڈالتا ہے، اس کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی اور پرورش کرنے والی مل سکے خواہ بلاعوض یا بعوض (بغیر معاوضہ کے یا معاوضہ کے ساتھ) اور باپ یا بچہ اتنے مال کا مالک ہو کہ اس عوض کو ادا کرسکے تب تو ماں پر جبر نہ کیا جائے گا، ورنہ جبر کیا جاوے گا،

اس قانون سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ علی الاطلاق بچہ نہ عورت پر ڈالا جاسکتا ہے اور نہ باپ پر اور یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک بچہ ماں کی حضانت (پرورش) میں رہے گا، دونوں کا خرچ باپ کے ذمہ ہوگا، باقی تفاصیل کتب فقہ میں ہیں،

طلاق یا موت کے بعد گھریلو سامان کے احکام

ایک معاملہ بعد الطلاق یا بعد الموت جس میں غلطیاں ہوتی ہیں اثاث البیت (گھریلو سامان) کے متعلق ہے، کہ ہر ایک زوجین میں سے یا ایک کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ اور دوسرا زندہ اس میں دعویٰ ملک کا کرتے ہیں، سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ جو چیزیں عورتوں کے لائق ہیں، جیسے زنانہ کپڑے وہ عورت کے ہیں، لیکن مرد اس کے خلاف پر شرعی گواہ قائم کردے تو گواہوں پر حکم ہوگا، اور جو چیزیں مردوں کے لائق ہیں جیسے مردانہ کپڑے، یا ہتھیار وغیرہ وہ مرد کی ہیں، لیکن اگر عورت اس کے خلاف پر گواہ قائم کردے تو گواہوں کے موافق حکم ہوگا، اور جو دونوں کے کام کی چیزیں ہیں وہ بھی مرد کو دی جائیں گی، لیکن اگر عورت گواہوں سے اس کے خلاف ثابت کردے تو پھر گواہوں پر فیصلہ ہوگا، یہ تو جب ہے کہ زوجین میں اختلاف ہو، اور اگر ایک مرگیا اور دوسرے زندہ ہیں، اور اس میت کے ورثہ میں اختلاف ہو، تو اس صورت میں جو چیز صرف مردوں کے یا صرف عورتوں کے کام کی ہوں اس میں تو یہی تفصیل ہے، اور جو چیزیں دونوں کے کام کی ہوں اس میں اختلاف ہے، امام محمد رحمہ اللہ تو وہ چیزیں مردوں کو دلاتے ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، اور گواہ ہونے کی حالت میں گواہوں پر فیصلہ ہوگا، یہ سب تفصیل برتنے کی چیزوں میں ہے، اور اگر سوداگری کا مال ہو تو اسباب (سامان) کا زنانہ ہونا دلیل نہ ہوگا عورت کے مالک

ہوتے کی، یہ سب احکام و مسائل، عالمگیریہ کے باب سابع کی فصل سابع عشر میں ہے، اور احقر کے نزدیک جہاں یہ عُرف ہو کہ مرد اپنے مال جمع کرنے کی غرض سے زنانہ زیور بنوا کر عورت کو عاریۃً پہنا دیتے ہوں تو وہاں یہ زیور بھی مثل مالِ تجارت کے سمجھا جائے گا، جس کا حکم ابھی معلوم ہوا، مگر دوسرے علماء سے بھی احتیاطاً مراجعت کرلی جائے،

زوجین میں جُدائی کے نو ماہ بعد بچّہ کی ولادت ہونے پر ثبوتِ نسب کے احکام، ایک غلطی جو معصیت کے شدید درجہ تک ہے بعد مفارقت الزوجین (میاں بیوی کی جدائی کی صورت) میں یہ ہوتی ہے کہ اگر زمانۂ طلاق یا بیوگی سے نو مہینے کے اندر بچہ پیدا نہ ہو، بلکہ بعد میں ہوا تو عورت کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں، حالانکہ شریعت میں جو قانون ثبوتِ نسب کا ہے یہ اس کے بالکل خلاف ہے فقہاء نے اس کو بہت مفصل لکھا ہے، یہاں نمونہ کے طور پر ایک جزئیہ طلاق کا اور ایک وفاتِ زوج کا لکھا جاتا ہے،

پہلا جزئیہ: اگر کسی کو طلاق بائن ہوجائے اور وقتِ طلاق سے دو برس کے اندر اس کے بچہ پیدا ہو تو وہ اسی شوہر کا سمجھا جائے گا،

دوسرا جزئیہ، اگر کسی کا شوہر مرجائے، اور وقتِ وفات سے دو برس نہ گزرے ہوں کہ بچہ پیدا ہو تو اسی شوہر کا سمجھا جائے گا،

اور یہ اس وقت ہے جب دونوں صورتوں میں معتدہ (عدّت گذارنے والی) نے اس کے قبل عدت گذرنے کا اقرار نہ کیا ہو، اور اگر عدّت گزرنے کا اقرار کرچکی تھی پھر اس کے بچہ پیدا ہوا تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر وقتِ اقرار سے چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس اقرار انقضائے عدت (عدت گزرنے) کو غلط سمجھا جائے گا، اور نسب ثابت ہوگا، اور اگر وقتِ اقرار سے چھ مہینے گذر گئے تھے تو نسب ثابت نہ ہوگا، یہ سب مسائل ہدایہ میں ہیں، لیکن نسب ثابت نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس عورت کو یقیناً زانیہ کہا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قانون سے وہ بچہ مرد کے ذمہ لازم نہ ہوگا، مثلاً اس کے مال میں وارث نہ ہوگا، اور اس کے ذمہ اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا، باقی زانیہ نہ ہونے کی صورت بعض صورتوں میں یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا اقرار انقضائے عدت کا خود غلط ہو، اور بعض صورتوں میں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی ظالم نے اُس پر ظلم کیا ہو، خواہ شوہر نے عدّتِ طلاق میں یا کسی غیر نے وفاتِ شوہر میں، باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر واقع میں بھی عورت کی کوئی شرارت ہو تب بھی اس قانون کے سبب وہ عنداللہ بری ہوگی، ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ پر قانون حاکم نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو

اس پر تہمت رکھنے کا کوئی حق نہیں، باقی وہ جانے اور اس کا فعل جانے، جیسا کرے گی عند اللہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا، اب اس میں یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس قانون سے تو عورتوں کی جرأت بڑھ جائے گی، ایسی جرأت سے کہاں تک بچا جائے گا، آخر یہ بھی تو قانون ہے کہ جس کا شوہر پاس ہو اس کا بچہ ثابت النسب ہوگا، تو اس سے شوہر کے پاس رہنے والیوں کی جرأت بڑھے گی کہ اگر ہم بدکاری کر لیں ہم کو کون کچھ کہے گا، خاوند کے ماتھے جائے گی، اور اگر جرأت کا انسداد ضروری ہے تو کیا ظلم کا انسداد ضروری نہیں؟ اگر واقع میں وہ بری ہو اور اس قانون سے کام نہ لیا جائے تو اس پر جو بہتان کا ظلم ہوگا اس کا کیا علاج ہوگا؟

عدت شوہر کی روح نکلنے کے فوراً بعد شروع ہو جاتی ہے،

ایک اعتقادی غلطی عدّتِ وفات کے متعلق جہلا میں یہ ہے کہ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر مردہ شوہر کا جنازہ لے جانے سے پہلے بیوہ کو اس گھر سے دوسرے گھر میں لے جائیں تب تو جائز ہے، ورنہ پھر جائز نہیں، منشا اس جہل کا یہ ہے کہ عدت کی ابتدا جنازہ کے لے جانے کے بعد سے سمجھتے ہیں، حالانکہ عدت بمجرد دم نکلنے کے (عدت تہنا روح نکلتے ہی) شروع ہو جاتی ہے، اور جنازہ لے جانے کے قبل اور بعد دونوں حال میں ایک ہی حکم ہے، کہ بلا عذر قوی (جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں ہے) عدت کے اندر دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا حرام ہے، یہ مسئلہ استطراداً مسائل بعد الطلاق میں ذکر کر دیا گیا،

عورت کی بدچلنی کے باعث طلاق ہو جانے سے بھی مہر ساقط نہیں ہوتا

ایک علمی غلطی مہر کے باب میں طلاق کے بعد یہ واقع ہوتی ہے کہ بعضے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر عورت کے کسی قصور پر طلاق دی گئی ہو تو مہر ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً عورت کی بدچلنی ثابت ہو گئی یا وہ نعوذ باللہ مرتد ہو گئی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ مہر ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ سے مؤکد ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ کسی طرح ساقط نہیں ہوتا، خواہ طلاق ہو یا نہ ہو، پھر خواہ طلاق کا سبب مرد کی زیادتی ہو یا عورت کی، البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مہر پر خلع کر لے، اس صورت میں بیشک مہر ساقط ہو جاتا ہے،

مہر کے متعلق ایک کوتاہی جس سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا

ایک غلطی مہر کے متعلق (اگرچہ اس کا تعلق ما بعد الطلاق کے ساتھ نہیں ہوتا مگر یہاں استطراداً ذکر کی جاتی ہے) یہ ہے کہ بعضے دیندار تقلیلِ مہر کی ترغیب و فضائل سنکر ہر جگہ اس پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ بعضے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، اور وہ موقع ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ اگر نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے والا بجز اس کے باپ یا دادا کے کوئی اور ولی ہو، جیسے بھائی یا چچا تو اس صورت میں اس کا مہر اگر مہر مثل سے بہت کم ہو

توحسبِ تصریح درمختار یہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا، اور صاحب درمختار نے صدرالشریعت کے حکمِ صحت کو وہم کہا ہے، پس ایسے موقع پر یا تو مہر مثل مقرر کرے یا اس صغیرہ کو بالغ ہونے دے، پھر اس کی رضا سے مہر قلیل کیا جاوے،

طلاق یا موت ہوجانے پر مہر مؤجل کا حکم

ایک اور مسئلہ کے متعلق استطراداً ذکر کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ مہر مؤجل میں اگر اجلِ مجہول بجہالت فاحشہ ہو توحسبِ تصریحِ فقہا، وہ تاجیل صحیح نہ ہوگی، مہر معجل واجب ہوگا، لیکن اگر یہ اجل طلاق یا موت ہو گو جہالت فاحشہ ہے مگر اس کی صحت میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو جائز کہا ہے، مگر احقر کو اس میں تردد ہے، علماءِ محققین سے مراجعت کی جاوے، اور اگر اس قول کو کوئی شخص لیتا ہے تو اسی کے ساتھ ایک اور قول بھی مفتٰی بہ کہا گیا ہے، وہ یہ کہ اگر مہر مؤجل ہو تو عورت کو اس اجل کے قبل انکار کرنا تسلیمِ نفس (خود کو مرد کے سپرد کرنے) سے جائز ہے، اور اگر ایک بار صحبت ہوجاوے دوسری بار میں بھی یہ انکار جائز ہے، اور تاجیل کے اس حکم میں گو اختلاف ہے، مگر درمختار میں اس کو مفتٰی بہ اور استحسان کہا ہے، سو اگر مؤجل بالطلاق و بالموت میں مرد اس فتویٰ کو لے گا، تو عورت اس فتوے کو لے سکتی ہے،

عورت ایک بار مہر معاف کردے تو پھر وصول نہیں کرسکتی

ایک غلطی مہر کے متعلق کہ وہ بھی استطراداً مذکور ہوتی ہے یہ ہے کہ بعضی عورتیں کسی وقت خوش ہوکر بلا کسی شرط یا قید کے مہر معاف کردیتی ہیں، پھر دوسرے وقت ناخوش ہوکر کہہ دیتی ہیں کہ میں اپنی معافی کو واپس لیتی ہوں، سو اس صورت میں مہر معاف ہوجاوے گا، اور اس کہنے سے وہ عود نہ کرے گا، البتہ اگر معافی میں کوئی شرط ہو اور مرد نے اس شرط کے خلاف کیا تب البتہ وہ معافی نہ رہے گی،

معافی مہر کو اگر شوہر تسلیم نہ کرے تو مہر معاف نہیں ہوگا

ایک غلطی یہ ہوتی ہے کہ عورت کے معاف کرنے کے وقت مرد اس کو قبول نہیں کرتا، اور جب دوسرے وقت عورت مطالبہ کرتی ہے تو اس پچھلی معافی کو یاد دلا کر اس سے تمسک کرتا (یعنی دلیل پکڑتا) ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ معافی کو اگر مخاطب رد کردے تو وہ معافی کالعدم ہوجاتی ہے، یہ آخر کی ۲ غلطیاں اسی وقت ایک پیش شدہ واقعہ سے ذہن میں آئیں،

ایک شبہ کا ازالہ

اب مضمون طلاق کے متعلق ایک مضمون بعنوان "رفع اشتباہ" لکھکر اس باب کو طلاق کو ختم کرتا ہوں، وہ یہ کہ اوپر جو مبغوضیت طلاق کا مضمون ذکر کیا گیا ہے اس پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ اہلِ تاریخ نے بالاتفاق نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

عورتوں کو کثرت سے طلاق دیتے تھے تو ایسے امام جلیل الشان ہو کر اس فعلِ مبغوض کا کیوں ارتکاب فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مبغوضیت اس وقت ہے جب ضرورت نہ ہو، اور ان کو ضرورت تھی، وہ ضرورت یہ تھی کہ ان کو طبعی طور پر جدید عورتوں کی رغبت تھی، اور جدید نہ رہنے کے وقت اُن سے بے رغبتی ہو جاتی تھی، اور چار سے زیادہ جمع نہ کر سکتے تھے، تو اب بجز طلاق قدیمہ و نکاح جدیدہ کے کیا صورت ہو سکتی ہے؟ نیز مبغوضیت طلاق میں وحشتِ زوجہ (بیوی کی پریشانی) کو بھی دخل ہے، اور ان کے اس فعل سے منکوحات کو وحشت نہ ہوتی تھی، چنانچہ احقر نے کسی مقام پر کہ اس کی تعیین یاد نہیں رہی لکھا دیکھا ہے کہ عورتیں یہ خیال کر کے کہ "اُن کے بدن پر بچپن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابجا پیار کیا ہے تو بلا حائل ان کے بدن کو مس کرنے سے برکت نصیب ہوگی" باوجود ان کے کثرتِ طلاق کے پھر اُن کے نکاح سے انکار نہ کرتی تھیں، اور ان عورتوں کے ساتھ ان کے اولیاء بھی اس کو ناگوار نہ سمجھتے تھے، یہاں تک کہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اے اہلِ کوفہ حسنؓ سے عورتوں کو مت بیاہو کہ وہ کثرت سے طلاق دیتے ہیں، قبیلۂ ہمدان میں سے ایک شخص بولا واللہ ہم ان سے ضرور نکاح کریں گے وہ جس کو پسند کریں رکھیں اور جس کو ناپسند کریں طلاق دیدیں" (اوردہ فی تاریخ الخلفاء عن ابن سعید)۔

اور میں نے احیاء العلوم میں دیکھا ہے کہ حضرت علیؓ اس جواب سے خوش ہوئے، اور قبیلۂ ہمدان کے لئے اس ارشاد سے شفاعت کا وعدہ فرمایا:۔

لَوْ کُنْتُ بَوَّابًا عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ لَقُلْتُ لِهَمْدَانَ اُدْخُلُوْا بِسَلَامٍ	"اگر میں جنت کے دروازہ کا بوّاب بنوں تو میں قبیلۂ ہمدان کو کہوں کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ"

تَمَّ مَا یَتَعَلَّقُ بِاَبْوَابِ الطَّلَاقِ

نفقہ کے احکام

اس میں بھی متعدد مختلف غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں، غلطی سے مراد علمی اخلال (علمی خرابی) اور کوتاہی سے مراد عملی اخلال (عملی خرابی) ہے، دونوں مختلف طور پر مذکور ہوتی ہیں،

بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ بی بی کا نفقہ اُس وقت واجب سمجھتے ہیں کہ وہ نادار ہو، اور اگر وہ مالدار ہو تو اس صورت میں اس کا نفقہ واجب نہیں سمجھتے، سو یہ بالکل غلط ہے، بیوی کا نفقہ دونوں مذکورہ حالتوں میں واجب ہوتا ہے، صرف اتنی شرط ہے کہ بی بی کی طرف سے تسلیمِ نفس میں بلاعذر کوتاہی نہ ہو، اور اگر عذر سے ایسا ہو، جیسے مہر معجل کے لینے کے لئے اپنے نفس کو تسلیم نہ کرے اس میں نفقہ واجب رہے گا،

کم سن عورت کو اگر شوہر اپنے گھر رکھے تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے

البتہ اگر براہِ سرکشی شوہر کے گھر سے چلی گئی اس صورت میں نفقہ واجب نہ رہے گا، جب تک کہ واپس نہ آجائے، اسی طرح اگر بی بی بہت کمسن ہو کہ قابل ہمبستری کے نہ ہو لیکن اس قابل ہو کہ مرد کے پاس رہنے سے مرد کا جی بہلے، معمولی خدمت کر سکے تو تسلیمِ نفس کے بعد اس کا نفقہ بھی واجب ہے، البتہ اگر اس قابل بھی نہ ہو جیسے بعض قوموں میں بہت ہی کم عمری میں شادی کر دیتے ہیں اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا، (کذا فی الدر المختار)

لیکن جو قابل تمتع کے نہ ہو محض انس اور خدمت کے لائق ہو خود شوہر اس کو اپنے گھر رکھنے پر مجبور نہیں ہے، اگر رکھے گا نفقہ دے گا، اگر نہ رکھے گا نہ دے گا (کذا فی الدر المختار)

جوان عورت کا نکاح کم سن لڑکے سے ہو تب بھی اس کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے

اور بعض قوموں میں یہ بھی عادت ہے کہ جوان عورت کا کم عمر لڑکے سے عقد کر دیتے ہیں، اس عورت کا نفقہ زوج کے مال سے اگر وہ صاحبِ جائداد یا مالک نقد ہو واجب ہوگا، کیونکہ مانع تمتع مرد کی طرف سے ہے، عورت کی طرف سے نہیں،

شوہر کی اجازت کے بغیر میکے چلے جانے سے شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہیں

ایک غلطی بعض عورتوں کی جانب سے یہ ہے کہ شوہر سے مخالفت کر کے اپنے میکے جا بیٹھتی ہیں اور نفقہ کا مطالبہ کرتی ہیں، سو ابھی مذکور ہوا ہے کہ اس صورت میں نفقہ واجب نہ ہوگا،

ذی وسعت مرد کے ذمہ ماما کا خرچ بھی واجب ہے،

ایک کوتاہی بعض مردوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ باوجود فارغ البالی کے بی بی کے خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور اتنا کم دیتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے پکائے تو کافی ہوسکتا ہے، ورنہ ماما (نوکرانی) رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی، حالانکہ مرد اگر ذی وسعت ہو تو اس کے ذمہ ماما کا خرچ بھی واجب ہے،

تنگدست شوہر ماما رکھنے پر مجبور نہیں

اور ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ باوجود شوہر کے تنگدست ہونے کے اس کو مجبور کرتی ہیں کہ ماما لادے، حالانکہ شوہر کی تنگدستی کی صورت میں مرد اس پر مجبور نہیں ہے، بلکہ دیکھا جائے گا کہ عورت اپنے کام پر قادر ہے یا نہیں، اگر قادر ہے تو اپنا کھانا بھی پکائے اور شوہر کا بھی پکائے، اور اگر قادر نہیں خواہ کسی مرض کے سبب، خواہ امیر کبیر ہونے کے سبب، تو نہ شوہر ماما لانے پر مجبور ہے اور نہ عورت کھانا پکانے پر، بلکہ شوہر سے کہا جائے گا کہ تیار شدہ کھانا عورت کو لا کر دے، خواہ بازار سے یا کہیں اور پکوا کر (کذا فی الدر المختار)

تنگدستی کی حالت میں عورت کو تفریق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ جہاں ذرا نفقہ میں تنگی ہوئی انھوں نے تفریق کی درخواست شروع کی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ سخت تنگی کی حالت میں گو بعض ائمہ کے نزدیک قاضی کو تفریق جائز ہے، لیکن اوّل تو یہاں شرعی قاضی نہیں، اور بدون قاضی شرعی کے کسی کے نزدیک بھی تفریق صحیح نہیں، دوسرے ہمارے مذہب حنفی میں خود قاضی کے ہوتے ہوئے بھی اس خاص وجہ سے تفریق جائز نہیں، بلکہ قاضی عورت کو حکم دے گا کہ تو قرض لے لے کر خرچ کرتی رہ اور وہ قرض بذمہ شوہر ہوگا،

روشن خیال حضرات کو حقیقی ہمدردی کی نشان دہی،

بعضے روشن خیال ایسی صورتوں میں بزعمِ خود علماء پر اور درحقیقت شریعت پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ تفریق کا جائز نہ ہونا عورت کے حقوق کا تلف کرنا ہے، کیونکہ ہمارے دیار میں شرعی قاضی تو ہے نہیں تو خود عورت کو ایسی مجبوری میں تفریق کے اختیارات ہونے چاہئیں، ورنہ اگر اس کو قرض بھی نہ ملے تو پھر کہاں سے کھائے؟

میں کہتا ہوں کہ آپ صاحبوں کو تو یہ آسان ہے کہ عورت کی ہمدردی میں شریعت پر اعتراض کرکے اپنا دین برباد کرنے لگے، اس سے زیادہ آسان تو یہ تھا کہ اس کی ہمدردی میں اپنا کچھ مال صرف کرتے اور ایسے ستم دیدہ غم رسیدہ کی مدد کرتے اور یہ تو خیال کرنا چاہئے کہ آپ کی اس رائے میں عورت کی تو ہمدردی ہوگئی، لیکن کیا ایسا مجبور مرد قابلِ ہمدردی کے نہیں، کیا اس کی یہی ہمدردی

ہے کہ اس کی بی بی کو جو اس کے لئے کسی قدر مایۂ انس و تسلی تھی اس سے جُدا کر دیا جائے؛ اور جو طریقہ ہمدردی کا ہم نے بتلایا ہے اس میں دونوں کی امداد ہے، مرد کی بھی عورت کی بھی، اور دونوں اپنے گھر پر آباد رہیں گے، انصاف کیجئے ہمدردی کہنے کے لائق کونسی صورت ہے ؟

قہوہ، حقہ، اور موسمی پھل شوہر کے ذمہ واجب نہیں، ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ شوہر کے مال کو بے دریغ اڑاتی ہیں اور سب فضول اخراجات اور تمامی تنعمات کا خرچ بذمہ شوہر سمجھتی ہیں، خصوص پان چھالیہ یا بعض جائے دکانی میں اس قدر زیادتی کرتی ہیں کہ خود بھی کھاتی پیتی ہیں، اور آنے جانیوالیوں کو تقسیم کرتی ہیں، اور یہ شوہر کے ذمہ جرمانہ سمجھتی ہیں، حالانکہ فقہاء نے یہانتک تصریح کردی ہو کہ قہوہ اور حقہ اور موسمی پھل بھی شوہر کے ذمہ نہیں، اگرچہ قہوہ اور حقہ کی عادت بھی ہو کہ اس کے چھوڑنے سے تکلیف ہو، تب بھی شوہر کے مال میں یہ صرف نہ ڈالا جائے،

قد علم مما ذکرانه لا یلزمه لها	(بے شک جان لے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ
القهوة والدخان وان تضررت	کہ قہوہ اور حقہ اس کے لئے لازم نہیں، خواہ
بترکهما لان ذلك ان کان من	ان کے چھوڑنے سے نقصان پہنچے، کیونکہ یہ
قبیل الدواء او من قبیل التفکه	دوا، یا پھلوں کی قسم سے ہے، جو اس کے لئے
لا یلزمه کما علمت (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۰۶۸)	لازم نہیں جیسا کہ تونے سمجھ لیا ہے)

شوہر ان مصارف میں سے جتنے کا متحمل ہو جائے اس کا احسان ہے، اور شوہر کی شان کے لائق بھی یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ وسعت دے تو بی بی کو اس کے لئے سرمایۂ راحت ہے راحت پہنچانے میں دریغ نہ کرے، مگر عورت کو بھی مناسب نہیں کہ اس راحت پہنچانے کا یہ صلہ کرے کہ اس کو کلفت پہنچائے،

مردوں کے رشوت لینے کی زیادہ تر ذمہ دار عورتیں ہیں، واقعی ان عورتوں کی فضول خرچیوں کی بدولت بالخصوص پان اور لباس و آرائش اور رسوم و تقریبات میں مسلمان پنپنے نہیں پاتے، اور ان کے گھر کو جائداد کو، تجارت کو گھن سا لگ رہا ہے، کہ آہستہ آہستہ بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے، بلکہ ان اخراجات کی بدولت دنیا کیسا ان کا دین تک برباد ہوتا ہے، ملازم مردوں کی رشوت کے زیادہ حصہ کی ذمہ دار یہی فضول خرچیاں ہیں، ورنہ اکثر گھروں میں دنیا کی بھی رونق رہے اور مردوں کا تقویٰ بھی محفوظ رہے،

عورتیں چاہیں تو مرد کو متقی بنا سکتی ہیں، بلکہ اگر ذرا عورت مضبوطی اختیار کرلے تو مرد کو بمجبوری متقی بننا پڑے، بہت نظائر ایسے موجود ہیں کہ عورتوں نے مردوں پر زور دیا کہ اگر تم رشوت نہ چھوڑو گے تو ہم تمہاری کمائی کا کھائیں پئیں گے نہیں، اِدھر مرد عورت کا تعلق، اُدھر اس

خلوص کی برکت، مجموعہ کا اثر یہ ہوا کہ مردوں کو رشوت سے توبہ کرنا پڑی،

بری کے جوڑوں کی موجودگی میں شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں،

ایک کوتاہی عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ بری کے جوڑے انبار کا انبار ان کے صندوقوں میں ذخیرہ رہتا ہے، پھر بھی روزانہ شوہر سے جوڑے بنوانے کی فرمائش کی جاتی ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ شوہر کے گھر کے جوڑے جب تک موجود رہیں اس وقت تک شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں، اور یوں وہ بنا دے اس کا احسان ہے،

خاوند کے مال کو ضائع کرنے کی قیامت کے روز باز پرس ہوگی

اسی طرح اکثر عورتیں کو بیکار چیزوں کی بے حد حرص ہے، اور دھاندہی کہ خواہ ضرورت بھی نہ ہو بس پسند آنے کی دیر ہے، کہ فوراً ہی خرید لیتی ہیں اور ذخیرہ کرتی چلی جاتی ہیں، پھر لطف یہ کہ نہ وہ کام میں آتی ہیں نہ ان کی حفاظت کرتی ہیں، یوں ہی ضائع ہو جاتی ہیں، تو اس طرح سے خاوند کے مال کو اُڑانا قیامت میں موجب باز پرس ہے، حدیث اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا الخ میں اس کی تصریح ہے،

عید، بقرعید اور شادیوں پر مستقل جوڑا بنانا شوہر کے لئے ضروری نہیں،

علیٰ ہٰذا عید بقرعید کے لئے یا شادیوں میں شرکت کے لئے مستقل جوڑا بنانا شوہر کے ذمہ نہیں تو اس کے مال میں سے بلا اس کی رضا کے بنانا بھی عورت کے لئے جائز نہ ہوگا، یہ تو دنیوی مصارف ہیں، ان میں تو بلا رضائے شوہر اس کا مال صرف کرنا کہاں جائز ہوتا،

شوہر کی اجازت کے بغیر دینی مصارف میں بھی چندہ دینا جائز نہیں،

دینی مصارف میں بھی مثلاً کسی سائل کو دینا یا کسی مدرسہ وغیرہ کے چندہ میں دینا یا کسی عالم یا واعظ یا یتیم و مسکین و بیوہ و محتاج کی خدمت کرنا بھی بلا رضائے شوہر اس کے مال میں سے جائز نہیں، نہ ایسا دیا ہوا چندہ خدا تعالیٰ کے یہاں قبول ہے، حدیث میں ہے،

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ

(یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے)

عورتوں کو اخراجات کے لئے مال دینے کے بارے میں مردوں کو ایک مشورہ

چونکہ ایسے مصارف دینیہ و دنیویہ کی اکثر حاجت واقع ہوتی ہے، اور اکثر عورتوں کے پاس جداگانہ مال نہیں ہوتا، اس لئے مردوں کو مناسب ہی کہ نفقۂ واجبہ کے علاوہ حسب وسعت کچھ خرچ ایسے مواقع کے لئے جداگانہ بھی دے دیا کریں، پھر اس کا حساب نہ لیا کریں، تاکہ وہ اپنی مرضی کے موافق آزادی کے ساتھ

بے تکلف ایسے مصارف میں صرف کرسکیں،

شوہر کے ذمہ عورت کا صدقۂ فطر قربانی اور اس کے اپنے زیور کی زکوٰۃ واجب نہیں، نیز شوہر کے ذمہ عورت کے مملوکہ زیور کی زکوٰۃ یا اس کی طرف سے صدقۂ فطر یا قربانی واجب نہیں، سو اگر ایسی رقم ان کو مل جایا کرے گی تو ان واجبات کی ادائیگی میں ان کو سہولت ہوگی، لیکن چونکہ شوہر پر واجب تو ہے نہیں، اگر شوہر نے نہ دیا تو عورت اپنا زیور بیچکر یہ سب حقوق اس سے ادا کرے، شوہر کے مال سے بلا اس کی رضا کے ان عبادات میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، خوب سمجھ لینا چاہئے، عورتیں اس میں سخت بے احتیاطی کرتی ہیں، اور اس کے ناجائز ہونے کا ان کو وسوسہ تک بھی نہیں آتا، گویا شوہر کے مال کا اپنے کو بالکل مالک سمجھتی ہیں، سو یہ بناء ہی باطل ہے،

شوہر اور بیوی کی ملک جدا جدا ہے ان دونوں کی ملک جُدا جُدا ہے، یہ شوہر کے لئے بھی ظلم ہوگا کہ اگر عورت کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے، اور عورت کے لئے بھی خیانت ہوگی اگر مرد کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے،

رضاء کا مفہوم و مطلب اور رضا سے مراد سکوت کرنا یا ناراضی کا اظہار نہ کرنا یا پوچھنے پر رضاء ظاہر کرنا نہیں، تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر اوقات باوجود گرانی اور کراہت کے لحاظ و شرم و مروت کے سبب بھی ایسا کیا جاتا ہے، رضا وہ ہے کہ قرائنِ قویہ غیر مشتبہ سے مالک کا طیبِ خاطر جزم (یقینی طور پر دلی رضامندی) کے ساتھ معلوم ہوجاوے، قرآن و حدیث میں اسی مادہ کا استعمال شرط جوازِ مال میں کیا گیا ہے،

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا فَکُلُوْہُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا،	(فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہاں اگر وہ بیبیاں خوشدلی سے چھوڑدیں تم کو اس مہر کا کوئی جزء تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار و خوشگوار سمجھکر)
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہُ	(اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، خبردار! کہ مسلمان کا مال بغیر اسکی رضامندی کے حلال نہیں ۔")

چندہ دینے اور وراثت کی معافی میں رضامندی کی شرط اور یہی حکم ہے چندوں اور مواریث کے متعلق کہ لحاظ سے دیدینا یا معاف کردینا کافی نہیں، طیبِ خاطر شرط ہے، اور مواریث میں طیبِ خاطر سے معاف کرنا بھی کافی نہیں، کیونکہ اعیان میں ابراء صحیح نہیں،

بھائیوں کو میراث ہبہ کرنے کا سہل طریق

جیسا ہندوستان میں رسم ہے کہ بہنیں بھائیوں کو اپنا حصہ معاف کردیتی ہیں بلکہ دو صورتوں میں سے ایک صورت کی ضرورت ہے، یا تو ترکہ میں جو چیزیں قابلِ تقسیم ہیں ان کو حِسًّا تقسیم کرکے پھر جس وارث کا دل چاہے دوسرے وارث کو ہبہ مع القبض کردے، اور اگر اس میں جھگڑا معلوم ہو تو اس دوسرے وارث کے ہاتھ اپنا حصہ بیع کردے، پھر زرِ ثمن (مقررہ قیمت) خواہ معاف کردے اور یہ بہت سہل ہے، شرعًا تو اس طرح سے معاملہ صحیح ہوجائے گا، پھر قانونی استحکام جس طریق سے چاہے کردے، یہ مسئلہ کتاب المیراث کا تھا یہاں استطرادًا ذکر کردیا گیا،

مہر لے لینے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا

ایک غلطی نفقہ کے باب میں یہ ہے کہ بہت عورتوں کا گمان یہ ہے (اور مرد بھی اس غلطی میں عورتوں کے مبتلا رہنے کو غنیمت سمجھتے ہیں) کہ اگر ہم مہر لے لیں گے تو پھر نفقہ میں ہمارا کچھ حق نہ رہے گا، اس وجہ سے خود مانگنا تو درکنار بعضی خدا کی بندیاں تو مرد کے دینے پر بھی اُس ڈر کے مارے نہیں لیتیں، یہ امر بالکل غلط اور باطل ہے، وہ جدا حق ہے یہ جدا حق ہے، ایک کے لینے سے دوسرا ساقط نہ ہوگا،

شوہر پر اپنی بی بی کو رہنے کے لئے جداگانہ گھر یا کمرہ دینا واجب ہے

اور نفقہ ہی کا ایک جزو بی بی کو رہنے کے لئے گھر دینا ہے، اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر مرد مبتلا ہیں کہ جداگانہ گھر دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے بس اپنے عزیزوں میں عورت کو لاڈالتے ہیں، سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے، اور یہاں بھی راضی ہونے کے معنی وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، یعنی طیبِ خاطر سے راضی ہو، حتیٰ کہ اگر مرد کو قرائن قویہ سے معلوم ہوجائے کہ وہ جدا رہنا چاہتی ہے، مگر زبان سے اس کی درخواست نہ کرسکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا جائز نہیں، البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھڑی یا کمرہ ایسا دینا کہ اس کی ضروریات کو کافی ہوسکے، اور اس میں اپنا مال و اسباب مقفل کرکے (تالا وغیرہ لگاکر) رکھ سکے، اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اُٹھ سکے، بات چیت کرسکے، یہ واجب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہوگا،

عورت کو اپنے عزیزوں سے جدا رکھنے ہی میں سلامتی ہے

اور آجکل کے طبائع و واقعات کا مقتضا، تو یہ ہے کہ اگر عورت شامل رہنے پر راضی بھی ہو اور جدا رہنے سے سب اعزّہ (رشتہ دار) ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے، اس میں ہزاروں مفاسد کا انسداد (ہزاروں خرابیوں کی روک تھام) ہے، اور گو اس میں چند روز کے لئے عزیزوں کا ناک مُنہ چڑھے گا، مگر اس کی مصلحتیں

جب مشاہدہ ہوں گی سب خوش ہوجائیں گے، خصوص چولھا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہئے، زیادہ تر آگ اس چولھے ہی سے بھڑکتی ہے، فقہاء نے یہاں تک فرمایا ہے کہ مرد کی اگر پہلی بی بی سے کچھ اولاد ہو دوسری بی بی کو اس کے ساتھ بھی شامل رہنے پر مجبور نہیں کرسکتا، اور آجکل واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالخصوص دوسری اولاد کے ساتھ شامل رہنا بڑے بڑے فسادوں کی جڑ ہے، کہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ اتنا فساد نہیں ہوتا،

بیوی پر اپنی ساس کی خدمت کرنا فرض نہیں ہے،

بعضے آدمی اس کو بڑی سعادتمندی سمجھتے ہیں کہ بی بی کو اپنی ماں کا محکوم و مغلوب بنا کر رکھیں، اور اس کی بدولت بیبیوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہئے کہ بی بی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے، تم سعادت مند ہو خود خدمت کرو، خدمت کے لئے نوکر لاؤ،

حرمتِ مصاہرت میں طلاق سے اور ارتداد میں بلا طلاق نفقہ ساقط ہے،

ایک غلطی نفقہ کے متعلق وہ ہے جو اس کے قبل سرخی "بقیہ احکام بعد الطلاق" کے تحت میں مذکور ہوچکی ہے، کہ بعض لوگ طلاقِ بائن کے بعد نفقہ عدت کا واجب نہیں سمجھتے، سو اس کی تفصیل اسی مقام میں مذکور ہوچکی ہی، اعادہ کی حاجت نہیں، صرف ایک جزئیہ جو اس جگہ مذکور نہ تھا ذکر کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ اگر افتراق بین الزوجین (میاں بیوی میں جدائی) کا سبب عورت کا کوئی فعلِ معصیت کا ہے تب اس کا نفقہ واجب نہیں، مثلاً عورت کی رضامندی سے حرمتِ مصاہرت ہوگئی، یا نعوذ باللہ عورت مرتد ہوگئی، اور اس لئے تفریق واقع ہوئی، حرمتِ مصاہرت میں طلاق سے اور ارتداد میں بلا طلاق' ان صورتوں میں نفقہ ساقط ہے البتہ مہر ساقط نہ ہوگا، جب خلوتِ صحیحہ سے مؤکد ہوچکا ہو،

یہ سب کلام تھا بی بی کے نفقہ کے متعلق

نابالغ اولاد کا نفقہ بھی باپ پر واجب ہے

اب سمجھئے کہ بی بی کی طرح نابالغ اولاد کا بھی نفقہ باپ پر واجب ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بی بی تو اگر مالدار بھی ہو تب بھی شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہے، اور اولاد کا اس وقت واجب ہی جب وہ مالدار نہ ہوں، ورنہ خود اُن کے مال میں سے صرف کیا جائے گا، باپ کے مال میں واجب نہ ہوگا،

میراث کے مالک بچہ کا نفقہ باپ پر واجب نہیں

مثلاً ایک بچہ کی ماں مرگئی، اور اس نے زیور جائیداد وغیرہ چھوڑا جس میں اس بچہ کو بھی میراث پہنچی، سو جب تک یہ میراث کا حصہ باقی ہے اُس وقت تک اس بچہ کا خرچ باپ کے ذمہ نہیں، اگر نقد نہ ہو باپ کو اجازت ہے کہ اس کو بیچ بیچ کر

اس کی ضروریات میں خرچ کرتا رہے، البتہ اگر فضولیات میں صرف کرے گا اپنے پاس سے بھرنا پڑے گا، اور یہ مسئلہ بہت مشکلوں کا حل کرنے والا اور بہت سی بے احتیاطیوں کا بند کرنے والا ہے، مثلاً بہت لوگ ایسے موقع پر بچوں کا حصہ تقسیم کر کے جدا نہیں کرتے، اور یوں سمجھتے ہیں کہ اس تقسیم سے ہمارا نقصان ہے، کہ خرچ ان بچوں کا ہمارے ذمہ ہے اور پھر اتنا مال اور الگ کر دو تو ہر طرح ہم ہی خسارہ میں رہے، اور اس لئے اس کو بار سمجھتے ہیں، سو اب اس مسئلہ سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ تمھارا اس میں کوئی نقصان نہیں، جب تک اُن کا حصہ خرچ نہ ہو جائے تمھارے ذمہ ان کا نان نفقہ ہی واجب نہیں، البتہ اُن کا حساب رکھنے میں بہت احتیاط رکھنا چاہئے، سو یہ کوئی مشکل بات نہیں،

یہ تفصیل تو نابالغ ہونے تک ہے، اور بالغ ہونے کے بعد پھر نفقہ واجب نہیں رہتا، البتہ اگر یہ خود غنی ہے اور لڑکی کی شادی نہیں ہوئی، گو بالغ ہے، یا لڑکا کسی مرض وغیرہ کے سبب کسب سے عاجز ہے گو بالغ ہے یا تب اس کا نفقہ بھی واجب ہوگا،

محتاج والدین کا نفقہ مالدار اولاد پر واجب ہے، ایک غلطی یا کرتا ہی کہئے یہ ہے کہ بجز بی بی اور اولاد کے اور کسی کا نفقہ اپنے ذمہ نہیں سمجھتے، حالانکہ ایک تو محتاج والدین کا نفقہ مالدار اولاد پر واجب ہے، اور دوسرے جتنے اقارب (قریبی رشتہ دار) اس کے ذی رحم محرم ہوں، اور وہ حاجت مند ہوں، اور کسب سے بھی عاجز ہوں ان سب کا بھی نفقہ واجب ہے، مگر صرف تنہا پر نہیں بلکہ والدین کا تو تمام اولاد پر اور ان اقارب کا ایسے رشتہ داروں پر کہ اگر وہ ذی رحم محرم مر جائے تو ان رشتہ داروں کو ان کی میراث میں سے حصہ پہنچے، بقدر اس حصہ کے ہر شخص پر واجب ہوگا،

ذی رحم محرم کا نفقہ بھی حصہ میراث کی طرح تقسیم ہوگا، مثلاً ایک آدمی کے تین بھائی ہیں ایک عینی ایک علاتی (باپ شریک) ایک اخیافی (ماں شریک) تو اب دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ شخص مر جائے تو ان تینوں میں میراث کس طرح بٹے ؟ سو حکم یہ ہے کہ اخیافی کو تو ذی فرض ہونے کے سبب چھٹا حصہ ملے، اور عینی کو عصبہ ہونے کے سبب پانچ باقی مل جائیں اور علاتی کو کچھ بھی نہ ملے، پس اس شخص کا نفقہ بھی انہی دونوں پر واجب ہوگا، اس طرح سے اگر چھ روپے مہینہ تجویز کیا جائے، تو ایک روپیہ اخیافی بھائی پر اور پانچ روپیہ عینی بھائی پر، اور یہ نسبت میراث کی اُس وقت دیکھیں گے جب سب ذی رحم محرم ہوں، ورنہ ایک اگر ذی رحم محرم ہو دوسرا نہ ہو تو نفقہ صرف ذی رحم محرم پر ہوگا، اگرچہ اس شخص کے مرنے پر وارث وہ دوسرا غیر ذی رحم محرم ہو جائے، مثلاً ایک شخص کا ایک چچازاد بھائی ہے اور ایک ماموں، تو نفقہ صرف ماموں پر ہوگا، اور میراث چچازاد بھائی کو ملے گی، یہ سب نفقات تھے علاقہ

قرابت (رشتہ داری کے تعلق) کے سبب،

کام سے عاجز حاجتمند (انسان یا جانور) کا نفقہ سب پر واجب ہے ایک فرد نفقہ واجبہ کی مطلقِ احتیاج کے سبب ہے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں، جو شخص بھی حاجتمند اور کسب سے عاجز ہو خواہ وہ قریب ہو یا اجنبی، اور خواہ مسلم ہو یا کافر، بلکہ خواہ آدمی ہو یا جانور سب کی خبرگیری سب پر واجب ہے، البتہ اگر جانور کسی کا مملوک ہو تو صرف اس کے مالک پر نفقہ کے لئے جبر کیا جائے گا، اور اگر پھر بھی کوتاہی کرے تو حاکم اس کو بیع پر مجبور کرے گا، (کذا فی الدر المختار) اور اگر وہ جانور کسی کا مملوک نہ ہو تو اگر وہ خود چل پھر کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے تو خیر، اور اگر وہ اس سے معذور ہے تو سب پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اور موذی جانور درندے، خزندے اس سے مستثنیٰ ہیں، "حقوق بہائم" (جانوروں کے حقوق) میں میرا رسالہ "ارشاد البہائم" قابل ملاحظہ ہے۔

بے جان چیزوں پر نفقہ کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا، البتہ بے جان چیزوں پر نفقہ کرنا اگر وہ بدون نفقہ کے ضائع ہوتی ہوں، جیسے گھر یا کھیتی وغیرہ، پھر بھی اس نفقہ پر مجبور نہ کریں گے، گو مال کے ضائع کرنے کی کراہت اس شخص پر ہوگی، مگر نفقہ پر مجبور نہ کریں گے، لیکن یہ چیز اگر مشترک ہو اور ایک شریک بقدر اپنے حصہ کے خرچ کرنے کو تیار ہے تو دوسرے شریک کو بھی حاکم جبر کرے گا، کہ بقدر اپنے حصہ کے خرچ کرے، کیونکہ اس کو اپنے مال کے ضائع ہونے پر راضی ہونے کا حق ہے، مگر یہاں تو خرچ نہ کرنے سے دوسرے کا مال بھی ضائع ہوتا ہے، جس کا اس کو حق نہیں، اس لئے جبر کیا جائے گا،

علماء، مشائخ اور مبلغین کا نفقہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے، ایک فرد نفقہ واجبہ کی ایسی غامض (پوشیدہ) ہے کہ کسی کا ذہن بھی اس کی طرف منتقل نہ ہوا ہوگا، اور عوام کا تو کیا ہوتا خواص کا بھی نہ ہوا ہوگا، اور اس فرد کے بتلانے سے پہلے ایک مقدمہ معروض ہے، پھر اس فرد کو بتلایا جائے گا،

اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ نفقہ احتباس کی جزاء بھی ہوتا ہے، یعنی جو شخص کسی کی مصلحت یا خدمت کے لئے محبوس و مقید ہو، اور اس احتباس کے سبب وہ اپنی معیشت کا انتظام نہ کر سکتا ہو تو اس شخص کا نفقہ اس پر واجب ہوگا جس کی مصلحت و منفعت کیلئے محبوس ہوا،

چنانچہ اس کی مشہور مثال جو فقہاء نے ذکر کی ہے رزقِ قاضی ہے، یعنی قاضی مسلمین، چونکہ عامہ مسلمین کی شفقت کے لئے خدمتِ قضا میں محبوس و مشغول ہے، اس لئے اس کا گذارہ جس کو رزق و قوت کہتے ہیں عامہ مسلمین پر واجب ہے جس کی شکل یہ ہے کہ بیت المال میں سے دیا جاتا ہے، کہ حقیقت اس کی مجمع اموالِ مسلمین ہے، اور اس لئے اس میں دیتے جانے کی حقیقت یہی ہے کہ عامہ مسلمین سے دلوایا جاتا ہے،

اسی کی مثال ہے گواہوں کی خوراک، اس کا حاصل بھی یہی ہے، کیونکہ وہ ایک خاص وقت تک وہ مَنْ لَہٗ الشَّهَادَة (جس شخص کے لئے گواہی دی جا رہی اس) کے کام میں مشغول ہے، اس لئے اس کو اس سے خوراک دلوائی جاتی ہے، حکّامِ وقت نے بھی شریعت کے اس مسئلہ کو برقرار رکھا ہے، اور یہ مثال خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی وارد کی گئی ہے کہ اس فردِ مقصود کے متعلق بعض اعتراض کرنیوالوں پر حجت (دلیل) ہو، اور فقہاء نے زوجہ کے نفقہ کو بھی جزاءِ احتباس ہی کہا ہے،

جب یہ مقدمہ ممہّد (بیان) ہو چکا تو اب اس فردِ غامض کو بتلایا جاتا ہے، وہ علماء وطلباء ومشائخ کی خدمت ہے، جس کی حقیقت یہی ہے کہ یہ حضرات قوم کی دینی مصلحت میں محبوس ہیں، چنانچہ علمِ دین کی تحصیل وتعلیم کا دینی خدمت ہونا تو ظاہر ہے، باقی اس مصلحت کا قوم کی طرف راجع ہونا وہ اس طرح ہے کہ علومِ دینیہ میں تبحّر مجموعہ مسلمین پر فرض کفایہ ہے، یعنی قوم میں اتنے جامع علومِ ادیان کے موجود رہنے کا انتظام رکھنا ضروری ہے، جس سے عام مسلمین کی دینی حاجتیں تبلیغ احکام وجواب مسئلہ وغیرہ پوری ہو سکیں، اگر ایسا انتظام نہ کیا جاوے گا تو تمام قوم عاصی وآثم (گنہگار) ہو گی،

علماء وطلباء کا نفقہ سب مسلمانوں پر واجب ہونیکی وجہ

اس مسئلہ کی علماء نے تصریح بھی کی ہے، اور عقل سے بھی سمجھ میں آتا ہے، اور اس کی عقلی نظیر طبیبِ کامل کی سی ہے، کہ ہر شخص کو طبیب کی حاجت پیش آتی ہے، لیکن اگر ہر شخص طبیب کامل بنے تو امرِ معاش بالکل مختل (درہم برہم) ہو جاوے، اور اگر کوئی بھی نہ بنے تو حاجتِ طبیّہ کسی کی بھی پوری نہ ہو، اس لئے صورت مجوزۂ عقل (عقل کی تجویز کردہ صورت) یہ ہے کہ قوم میں سے چند احاد (افراد) ایسے کامل ہوں جو تمام قوم کی حوائج (ضروریات) کو کافی ہو سکیں، اور یہ صورت ایسی ضروری ہے کہ اگر از خود کوئی تکمیل کی طرف توجہ نہ کرے تو قوم کو متفق ہو کر اور مصارف برداشت کر کے اس کا اہتمام ضروری ہے کہ چند آدمیوں کو اس طرف متوجہ کریں، اور اُن کے خورد ونوش (کھانے پینے) کے ذمہ دار ہوں، اور جب وہ طبیب ہو جائیں تو اُن کے گذارہ کے ذمہ دار ہو کر ان کو شہر میں رکھیں، اور وقتاً فوقتاً اپنے علاج کی حاجتیں اُن کے سامنے پیش کریں، پس اسی طرح مطبِ روحانی کے اہتمام کو کہ عبارت ہے دینی حاجتوں کے انتظام سے اس مطبِ جسمانی پر قیاس کر لیا جاوے، اور یوں اگر کوئی اس مطبِ رُوحانی ہی کو فضول سمجھے وہ ہمارے نزدیک قوم سے خارج ہے، وہ ہمارا مخاطب ہی نہیں، خطاب مسلمانوں کو ہے، جس طرح کوئی وحشی جنگلی مطبِ جسمانی ہی کو فضول بتلائے تو وہ مطبِ جسمانی کی مثال اس پر حجت نہیں،

غرض اس تقریر سے اس مصلحت کا قوم کی طرف راجع ہونا ظاہر ہو گیا، جب یہ مصلحت عام قوم

کی ہے تو مثال طبیب کی طرح ان صاحبوں کے نفقات جو کہ اس مصلحت کی تکمیل میں مشغول ہیں، یعنی دین کے علماء وطلباء (مجموعہ قوم کے ذمہ واجب ہوں گے،

مذکورہ صاحبان کے نفقہ کے لئے مہتمم مدرسہ کو چندہ دینا

پھر جس وقت تک بیت المال منتظم تھا، بیت المال سے وصول ہوجانا عامہ مسلمین سے وصول ہوجانے کی صورت تھی چنانچہ فقہاء نے قضاۃ وعلماء ومفتیین وامثالہم کی کفایت کا بیت المال میں سے ہونا تصریحاً لکھا ہے، اور جب سے بیت المال منتظم نہیں رہا اب اس کی صورت صرف یہی ہے کہ سب مسلمان متفق ومجتمع ہوکر تھوڑا تھوڑا سب ان حضرات کی خدمت بقدر کفایت کریں، خواہ مدرسہ کی شکل میں ہو جس میں ضوابط وقواعد مقرر ہوتے ہیں، اور ان صاحبوں کی تنخواہیں اور وظیفے مقرر ہوتے ہیں، اور یہ سہل اور اقرب الی الضبط (آسان اور انتظامی لحاظ سے بہتر) اور خواہ توکل کی صورت میں ہو جس میں کوئی مقدار معین نہیں، جو کسی کو توفیق ہوئی بلا واسطہ کسی مہتمم وغیرہ کے خود ان کی نذر کردے، اور یہ اقرب الی الخلوص (خلوص کے قریب) ہے،

اور یہ مسئلہ قرآنی منصوص بھی ہے، قال اللہ تعالیٰ:۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ، (البقرہ، آیت ۲۷۳)	اُس میں حق اُن حاجتمندوں کا بھی ہے جو مقید ہوگئے ہوں اللہ کی راہ میں، اس لئے کہ وہ زمین میں محنت مشقت نہیں کرسکتے،،

اس آیت میں اگر ان امور پر نظر کی جائے کہ لام استحقاق کا ہے، لفظ فقراء احتیاج کو بتلا رہا ہے، "اُحْصِرُوْا" احتباس پر دلالت کر رہا ہے، اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی تفسیر طالب علم کے ساتھ منقول ہے، اور لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا عدمِ تفرغ الاسباب المعاش (اسبابِ معاش کی فرصت نہ ہونے) کی طرف اشارہ کر رہا ہے، تو تقریر مذکور کی صریح دلیل ہے،

پس علماء وطلباء سے جو سوال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو علمِ دین میں مشغول ہیں آخر انھوں نے معاش کا کیا انتظام کیا ہے، تو عجیب بات ہے کہ سوال کا حق تو ان کو تھا بالعکس (اُلٹا) وہ اُن سے پوچھنے لگے،

اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ جب اس کا انتظام قوم پر واجب ہے تو اگر ان کی خدمت میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں اُن سے باز پرس ہوگی، اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تعلیم دین پر جو تنخواہ لی جاتی ہے اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قولِ جواز اخذ الاجرت علی الطاعات

(نیکیوں پر معاوضہ حاصل کرنے کے جائز ہونے) پر فتویٰ دینے کی حاجت نہیں، اس کو اجرت ہی کیوں کہا جائے؟ کفایت جزاء للحبس (پابندی کے بدلہ کے لئے کفالت) کہا جائے، تو خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر اس کا جواز ثابت رہے گا،

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ سب موقوف اس پر ہے کہ یہ لوگ اپنی معاش کے لئے فارغ نہیں ہیں سو ہم یہ نہیں مانتے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے اگر یہ لوگ معاش میں مشغول ہوں.... تو ان خدماتِ دینیہ کا ایسا حق ادا نہیں کر سکتے، جیسا کہ بالکل اس کے لئے فارغ ہوں اس وقت ادا کر سکتے ہیں، اور تجارب میں منازعت (تجربہ شدہ معاملہ میں بحث) نہیں ہو سکتی، حق تعالیٰ نے جن کی نسبت لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ فرمایا ہے وہ اپاہج نہ تھے، بلکہ غایت درجہ مشغول فی سبیل اللہ تھے،

علماء کی دینی خدمات معلوم کرنیکا معیار

البتہ اس تقریر سے وہ علماء منتفع ہو سکتے ہیں جن کی نیت محض دینی خدمت ہے، طلبِ اموال نہیں ہے، اور اس کا معیار یہ ہے کہ اگر ایک جگہ تنخواہ میں توسط کے ساتھ گذر ہو رہا ہے اور دوسری جگہ سے زیادہ تنخواہ کا پیام آئے اور دوسری جگہ جانے میں کوئی دینی مصلحت زیادہ نہ ہو تو یہ شخص وہاں جانے سے انکار کر دے، بس یہ معیار ہے ورنہ بے شک وہ اجیر (مزدور) ہے، اور ایسے شخص کی تنخواہ کا تعین اس کو رزق وکفایت ہونے سے نہ نکالے گا، بلکہ تعین کو بمصلحت قطع نزاع (جھگڑے کو ختم کرنا) کہا جائے گا جس سے وہ اُجرت نہ ہوگی،

مادی نفقہ کے احکام ختم ہوئے

بابُ النَّفَقَاتُ الرُّوحَانِيَةِ

نفقاتِ روحانیہ کا مفہوم، نفقاتِ روحانیہ سے مراد دینی تعلیم و تربیت ہے، اوپر اہل و عیال کے حقوق متعلقہ انفاقِ رزق حسّی (یعنی مادی رزق) کے بیان کئے گئے تھے، ایک قسم انفاق اور رزق کی معنوی بھی ہے، یعنی دینی تعلیم و تربیت کے متعلق جو اہل و عیال کے حقوق ہیں،

چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے:۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرۃ، آیت ۳)	((اور جو کچھ رزق ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں!))،
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ، (البقرۃ: آیت ۲۵)	(جب کبھی دیئے جائیں گے وہ لوگ اُن بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا!!)،

کی تفسیر البذل من النعم الظاهرة والباطنة کے ساتھ مع اس کی مؤید علم لايقال به ا ولا ينفق منه کے اور مرزوق کی تفسیر الطاعات والمعارف التي يستلزمها اصحاب الفطرة والعقولِ السليمة کے ساتھ کرنا (كما في الروح) دلیل ہے اس کی کہ رزق عام ہے معنوی کو بھی اور انفاق عام ہے رزق معنوی کو بھی، تو ایک نوع کے نفقات و ارزاق کے بعد دوسری نوع کے نفقات و ارزاق کے احکام کا بیان کیا جانا اولیٰ و احریٰ ہے، (بہتر اور موزوں ترین) ہے، اس لئے اب دینی تعلیم و تربیت کے متعلق جو اہل و عیال کے حقوق ہیں وہ مذکور ہوتے ہیں:۔

بیوی اور اولاد کی روحانی تربیت جسمانی پرورش سے زیادہ ضروری ہے جاننا چاہئے کہ جس طرح نفقاتِ حسّیہ (مادی اخراجات) سے بی بی اور اولاد اور متعلّقین کی جسمی تربیت ضروری ہے، جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے، اسی طرح علوم و طرقِ اصلاح (علوم اور اصلاح کے طریقوں) سے ان کی روحی تربیت اس سے زیادہ ضروری ہے، اس میں بھی انواع انواع (قسم قسم) کی کوتاہیاں اختیار کی جاتی ہیں،

دین کی بات بتلانا اور امرِ منکر پر روکنا اولاد اور بیوی کے حقوق میں داخل ہے،	چنانچہ سب سے اوّل اور اعظم کوتاہی تو یہ ہے کہ بہت لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے، یعنی اپنے گھر والوں کو نہ کبھی دین کی بات بتلاتے ہیں، نہ کسی امرِ منکر (بُرے کام) پر اُن پر روک ٹوک کرتے ہیں، پس ان کا حق

اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ ان کو ضروریات کے لائق خرچ دیدیا اور سبکدوش (فارغ) ہوگئے، حالانکہ قرآن مجید میں نصِ صریح:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا	(اُپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)،

اور سنّت میں حدیث صحیح:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ،	(تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور قیامت کے روز تم میں سے ہر ایک سے اس کے محکوموں کے بارے میں سوال ہوگا)،

اس کے وجوب کو صاف بتلا رہے ہیں، نیز اس میں متعدد مرفوع حدیثیں ہیں:-

اخفهم فی الله ولا ترفع عنهم عصاك ورجل كانت عنده أمة يطأها فأدبها فأحسن تأديبها وعلّمها فأحسن تعليمها (متفق عليه عن ابی موسیٰ، كتاب الايمان)	(یعنی ان کو اللہ سے ڈراؤ، اور ان سے بے توجہی نہ کرو، یعنی ایک شخص کے پاس باندی ہے وہ اس سے وطی بھی کرتا رہے، اور اُسے اچھی طرح ادب کھائے اور اچھی طرح تعلیم دے)
وَمَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ (رواه فی شرح السنة عن ابن عباسؓ)	(جس نے تین بیٹیوں یا اسی طرح تین بہنوں کی پرورش کی اور انھیں ادب سکھایا)،
لان يؤدب الرجل ولده خير من ان يتصدق بصاع، ترمذی عن جابر بن سمرة،	(یعنی آدمی اپنے لڑکے کو ادب سکھائے، اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع صدقہ کرے)،
ما نحل والد ولده من نحل أفضل من ادب حسن (ترمذی عن ایوب بن موسیٰ)	(کسی والد نے اپنی اولاد کو اچھے ادب سے بڑھکر کوئی چیز نہیں دی)،

مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا فَاضْرِبُوْھُمْ

اپنے لڑکوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوجائیں اور جب وہ دس برس کی عمر کو پہنچ جائیں تو انکو مارو (نماز نہ پڑھنے پر)"

یہ سب نصوص دلالت کر رہے ہیں تعلیم و تربیت دونوں کی مطلوبیت پر،

لڑکیوں کو دینی تعلیم دلانا ضروری ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ لڑکوں کی تعلیم کو تو ضروری سمجھتے ہیں، مگر بیبیوں کی اور لڑکیوں کی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ تعلیم نسواں کو مضر سمجھتے ہیں، جیسا کہ اس کے مقابلہ میں بعض لوگ نسواں (عورتوں) کے لئے تعلیم جدید[۱] کو یا تعلیم قدیم کو بطرز جدید بھی ضروری سمجھتے ہیں، سو اس کی کافی بحث تعلیم نسواں کی تحقیق میں اسی رسالہ میں گزر چکی[۲] ہے، ضرور ملاحظہ فرمائی جاوے، ان سے ان کوتاہیوں کا اور ان کے تدارک کا اچھی طرح علم ہوجاوے گا،

تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ تعلیم کو تو سب کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے، حالانکہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے، تعلیم درسی سے تو من کل الوجوہ (ہر اعتبار سے) اور مطلق تعلیم سے من وجہٍ (بعض وجوہ سے)۔ تعلیم درسی سے تو اس لئے کہ وہ فرض عین نہیں، بہت صحابہ علوم درسیہ سے خالی تھے مگر ان پر کبھی اس کو لازم نہیں کیا گیا، اور تربیت یعنی تہذیب نفس ہر شخص پر فرض عین ہے، اور مطلق تعلیم سے اس لئے کہ مقصود تعلیم سے تربیت ہی ہوتی ہے، کیونکہ تعلیم علم دینا ہے، اور تربیت عمل کرانا اور علم سے مقصود عمل ہی ہے، اور مقصود کا اہم ہونا ظاہر ہے، اور ان سے اعمال جوارح (انسانی اعضاء سے متعلق اعمال صالحہ) کا عقائد سے اہم ہونے کا اشکال لازم نہیں آتا، کیونکہ عقائد تو خود علوم مقصودہ بالذات ہیں، اور گفتگو ان علوم میں ہے جو عمل کے لئے مقصود ہیں، اور من وجہٍ (ایک طرح) اس لئے کہا گیا کہ بعض حیثیتوں سے یہ علوم افضل ہیں اعمال سے کہ علم اصل اور بناء ہے، اور عمل اس کی

---

[۱] جس کا مہلک ہونا ظاہر ہے بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ؎ اس علم کو کہتے ہیں ارباب نظر موت

[۲] ملاحظہ ہو اصلاح معاملہ متعلقہ بہ تعلیم نسواں اس عبارت تک "یہی فیصلہ ہے عقلاء کے اختلاف کا" اصلاح انقلاب امت جلد اول ص ۱۴۷ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴،

فرع اور اس پر مبنی، بہرحال تربیت یا تعلیم سے اہم ہے یا اس کے برابر مہم ہی سہی، مگر اس سے قطع نظر کرنے کی اور ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں،

تربیت آجکل کی تہذیب کا نام نہیں، ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ تربیت کو بھی ضروری سمجھتے ہیں مگر اس کی حقیقت تہذیب عرفی سمجھتے ہیں، چنانچہ اسی کا اہتمام بھی کرتے ہیں، گو وہ شریعتِ مقدسہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو حتیٰ کہ میں نے ایک معزز تعلیم یافتہ کا جو کہ طبیب بھی تھے بچشمِ خود یہ واقعہ دیکھا کہ اُن کی گود میں اُن کا ایک بچہ تھا، ایک صاحب اُن سے ملنے آئے، تو انھوں نے اس بچے کو حکم دیا کہ ان کو سلام کرو، یہاں تک تو نہایت خوبی کی بات تھی، اس بچہ نے کہا السلام علیکم، تو حکیم صاحب کیا فرماتے ہیں" یوں نہیں کہتے اس طرح کہو آداب عرض" وہ ملاقاتی صاحب دیندار آدمی تھے بہت بگڑے، اور کہا افسوس! بچہ تو سنت کے موافق عمل کرے اور آپ اس کو بدعت کی تعلیم دیں، تو وجہ اس کی یہی ہے کہ تہذیبِ شرعی ان کی نظر میں کوئی چیز نہیں، حالانکہ مسلمان کو جس تہذیب کا امر ہے وہ تہذیبِ شرعی ہے،

آجکل کی تہذیب کو تعذیب کہنا بجا ہے بلکہ دونوں تہذیبوں کی حقیقت اور ان کے آثار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیبِ عرفی جو کہ تہذیبِ شرعی کے منافی ہو، اس قابل بھی نہیں کہ اس کو تہذیب کہا جاسکے، بلکہ احقر تو اس کو تعذیب (عذاب) کہا کرتا ہے، کیونکہ حقیقت اس کی تکلف ہے، اور تکلف سے جو کلفتیں ہوتی ہیں وہ ظاہر ہیں، بلکہ تکلف کو تکلف کہتے ہی اس لئے ہیں کہ اس میں کلفتوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے، امراء کی مجالس میں اس کا مشاہدہ ہوسکتا ہے،

حقیقی تہذیب، تہذیبِ شرعی کا نام ہے، حقیقی تہذیب تہذیبِ شرعی ہی ہے، چنانچہ متبعینِ سنت جو اس تہذیب کے عامل ہیں وہ جس راحت میں ہیں اس کا مشاہدہ محققین علماء مشائخ کی مجلس میں کرلیا جائے، اور آخری بات یہ ہے کہ اگر تہذیب غیر شرعی میں کلفت بھی نہ ہو اور تہذیب شرعی میں راحت بھی نہ ہو تب بھی جب مسلمان کے لئے ایک منہی عنہ (ممنوع) ہے اور دوسری مامور بہ (جس کا حکم دیا گیا ہے) تو مسلمان پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک کا ترک دوسرے کا فعل لازم ہوگا، جیسے اگر نماز کے لئے اُٹھنے میں مشقت ہو اور گرم بستر میں لیٹے رہنے سے راحت ہو، مگر اس مشقت کو اس راحت پر ترجیح ہوگی، پھر اس کا بھی مشاہدہ کھلی آنکھوں ہر عامل کرلے گا کہ یہ مشقت اور یہ راحت چند روزہ ہی، پھر تو ایسا ذوق صحیح عطا ہوگا کہ موافقت شرع کے برابر کسی چیز میں راحت اور مخالفت شرع کے برابر کسی چیز میں کلفت نہ ہوگی مولانا اسی کو فرماتے ہیں ع "چند روزے جہد کن باقی بخند" (یعنی چند روز کوشش کر بقیہ ایام ہنستا رہ یعنی عیش کر)۔

غرض تربیتِ صحیحہ تہذیبِ شرعی کا نام ہے اس کا اہتمام کرنا چاہیئے،

تہذیبِ شرعی کے اپنانے میں عملی فروگذاشتیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ ضرورت بھی اسی تہذیب شرعی کی سمجھتے ہیں اور اس کا قصد بھی کرتے ہیں، مگر اس کی حقیقت نہیں سمجھتے، اس لئے اس میں عملاً وارشاداً فروگذاشتیں کرتے ہیں، اور اس اخیر کوتاہی میں دیندار بکثرت بتلا ہیں، ان میں بعضے اہلِ علم بھی بلکہ بعض اہلِ طریقت بھی ہیں کہ بہت سے شعبے ان کے ذہن میں بھی نہیں آتے، اور اس وجہ سے خود ان سے ایسی حرکات صادر ہوتی ہیں جو سراسر عقل اور دین کے خلاف ہوتی ہیں اور ان بزرگوں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا، جب خود یہ حالت ہو تو دوسروں کی تو یہ کیا اصلاح کریں گے؟ اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کو تہذیب حقیقی کی حقیقت نہیں معلوم ہوئی، اور باوجود اس کے کہ ان میں سے بعض نے درسیات بھی پوری کرلی ہیں، اور بعضے خدمتِ تدریس پر بھی معمور ہیں، اور شب و روز قرآن و حدیث زبان پر جاری ہیں، پھر بھی یہ بے خبری ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن و حدیث میں اس کی تعلیم نہیں، بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان صاحبوں کو اس طرف التفات نہیں، قرآن مجید میں

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ،	(نماز کی پابندی کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو)

کو دیکھتے ہیں مگر

لَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ، (المدثر، آیت ۶)	(اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ دوسرے وقت زیادہ معاوضہ چاہو)

کو نہیں دیکھتے،

لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ط (النور، آیت ۲۷)	(تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جبتک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو)

کے عموم پر نظر نہیں کرتے، مجھ کو خود ایک ذی علم کے ساتھ اس باب میں مکالمت (گفتگو) کا اتفاق ہوا، جو شب کے وقت میرے مردانہ مکان کے پھاٹک پر پہنچے، وقت ایسا تھا کہ سب سو گئے تھے اور ان کا کوئی شناسا بھی نہ تھا، آواز دی، ملازم جاگا، اور بولا، پھاٹک کھولنے کا حکم دیا کہ ہم ٹھیریں گے، اس کو بوجہ بے وقت ہو جانے کے اور اُن کو نہ پہچاننے کے بے اطمینانی ہوئی، اس لئے

اس نے ادب کے ساتھ کچھ عذر بھی کیا، مگر جب تاکیدی حکم ملا تو اس نے مروّت کے سبب پھاٹک کھول دیا، اور وہ دیوان خانہ میں آکر مقیم ہوگئے، صبح کو مجھ کو واقعہ معلوم ہوا، میں نے اُن سے یہ آیت پڑھکر بلااذن (بغیر اجازت) ٹھیرنے کی وجہ پوچھی، انھوں نے فرمایا یہ آیت خاص زنانخانہ کے متعلق ہے، میں نے اس تخصیص کی دلیل پوچھی، جواب ندارد،

اسی طرح ان آیتوں پر اُن کی نظر نہیں پڑتی :

فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا (النساء، آیت ۴)	"یعنی ہاں اگر وہ بیبیاں خوشدلی سے چھوڑدیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار خوشگوار سمجھ کر"،
وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ، (البقرۃ، آیت، ۲۳۸)	"اور تمھارا معاف کرنا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے"،

کہ حق تعالیٰ نے مہر کی معافی کی صحت کے لئے طِیبِ نفس کی شرط لگائی، اور پھر اقرب الی التقویٰ، عالی ہمتی کو فرمایا کہ بجائے ان سے معاف کرانے کے اُن کے حق سے زائد ان کو دیدو،

لوگوں کو مجبور کر کے چندہ وصول کرنا جائز نہیں،

چنانچہ اس نظر نہ پڑنے کا ثمرہ یہ ہو کہ ایسے لوگوں سے جن کے ساتھ بیوی جیسی بے تکلفی بھی نہیں یہ لوگ مساجد یا مدارس کے لئے خطابِ خاص کیساتھ چندہ کا سوال کرتے ہیں، اور بوجہ بے تکلفی نہ ہونے کے وہ لوگ اُن کی وجاہت دنیویہ یا دینیہ سے مرعوب اور مغلوب ہوکر آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر نہیں کرسکتے، اور کراہت کے ساتھ اس سوال کو پورا کرتے ہیں، موٹی بات یہ ہے کہ بی بی جس سے غایت درجہ بے تکلفی ہے اور جہاں غالب طیبِ خاطر ہے جب اس سے معافی قبول کرنیں طیبِ خاطر کو شرط قرار دیا گیا ہے جو تکلف کے موقع پر جہاں ایسا تعلق بھی نہیں اس طیبِ خاطر کا اہتمام بلیغ کیوں نہ شرط ہوگا، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی غایت درجہ کی تصریح فرمائی ہے

اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ،	"خبردار! کسی مسلمان کا مال بدون اس کی طیبِ خاطر کے حلال نہیں"،

بلکہ عالی ہمتی وعالی حوصلگی ونیز ابقاء عزت دین کا مقتضا، تو یہ تھا کہ اس باب میں بالکل ہی یکسوئی اختیار کرتے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت پر رہتے، حیث قالوا، لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا، (میں تم سے اس پر مال کا سوال نہیں کرتا) نظر نہ ہونے نے اس غائلہ (آفت) میں مبتلا کیا،

اباحتِ تصرف مالی میں کوتاہ نظری اباحتِ تصرفِ مالی کی شرائط کے متعلق کوتاہ نظری کے شعبوں میں سے ایک اور واقعہ ہے کہ میرے یہاں ایک مولانا مہمان آئے، گھر سے اُن کے لئے کھانا آیا تو آپ نے ایک دوسرے ہم وطن کو اصرار کر کے کھانے میں شریک کرلیا، میرے ملازم نے کہا کہ بلا اجازت مالک کے یہ تصرف جائز نہیں معلوم ہوتا، فرمانے لگے ہم تحقیق کرلیں گے، مگر ان کے نزدیک یہ امر اتنا مہتم بالشان ہی نہ تھا جو تحقیق کو ضروری سمجھتے، چنانچہ تحقیق نہیں فرمایا، اسی طرح کئی روز گذر گئے، آخر میں نے ہی ایک روز ان سے تذکرہ کیا، تو فرماتے ہیں میں یہ سمجھا کہ یہ سب میرے ہی لئے ہے، اور تھا زیادہ اس لئے دوسرے کو شریک کرلیا، میں نے کہا حیرت ہے، آپ کے پاس اس کی کیا دلیل تھی کہ یہ تملیکاً آیا ہے؟ بلکہ ظاہر تو یہی تھا کہ اباحۃً آیا ہے، اور وہ اباحت مقید ہے تصرّفِ خاص کے ساتھ کہ وہ آپ کا نوش فرمانا ہی، اور زیادہ اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ مہمان کو کمی نہ رہے، اور شاید وہ دوبارہ مانگتا ہوا شرمائے تو آپ نے یہ دوسرا تصرف کس بناء پر کیا؟

تربیتِ اخلاق کی نظر سے قرآن وحدیث نہ دیکھنے والے علماء کی چند کوتاہیاں غرض ان باتوں کی پرواہ ہی نہیں، سب کی وجہ یہی ہے کہ تربیت اخلاق کی نظر سے قرآن وحدیث کو نہیں دیکھا، اسی طرح بعض اہل علم و اہل مشیخت میں ایک بلائے عام شائع ہے، اِلّا نادراً کہ اپنے ساتھ دعوت میں دو چار کو (اگر بڑے محتاط ہوئے) یا بڑے مجمع کو (اگر غیر محتاط ہوئے) لے جاتے ہیں، اور دل اپنے جی کو سمجھاتے ہیں کہ صاحبِ دعوت کی اجازت ہو ہی گی، حالانکہ بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے کہ صاحبِ دعوت کو گراں گزرتا ہے، مگر ان کو کچھ بحث نہیں، ان میں بعضے اجازت کی ضرورت بھی سمجھتے ہیں مگر خود اجازت کی حقیقت نہیں سمجھتے، اجازت لینا وہ ہے جہاں اجازت دینے والا آزادی سے انکار بھی کرسکے، جس طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر دعوت میں ایک زائد شخص کی اجازت لی، مگر اس کے ساتھ ہی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار خادموں کو اس قدر بے تکلف کر رکھا تھا کہ جب اُن کی رائے نہ ہوتی تو صاف انکار بھی کردیتے، چنانچہ ایک فارسی کا شوربا پکانا اور آپؐ کی دعوت کرنا اور آپؐ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے پوچھنا اور اس کا انکار کردینا، اور آپؐ کا بُرا نہ ماننا اور اسی طرح حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے مغیثؓ کی سفارش فرمانا اور اس کا انکار کردینا حدیثوں میں مصرّح ہے، کیا آج کسی مرید کی ہمت ہے کہ وہ اس طرح پیر کی اجازت لینے پر انکار کرسکے، یا کسی پیر کی ہمت ہے کہ مرید کے ایسے انکار کو بشاشت کے ساتھ قبول کرلے، حضرت قیامت قائم ہوجاتی ہے، تو ایسی اجازت کا نہ لینا معتبر نہ دینا معتبر، سو ان صاحبوں کو اجازت کی حقیقت سے ہی

آگاہی نہیں، غرض یہ وہ جماعت ہے کہ ضرورت تو تہذیبِ شرعی کی سمجھتے ہیں، مگر اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں، یہ مختصر نمونہ ہے تعلیم و تربیت کے متعلق کوتاہیوں کا، اور ضرورت دونوں امر کی عام ہوئی،

تعلیم و تربیت کا اثر ابتداء ہی میں مستحکم ہو سکتا ہے،

اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ابتداء ہی سے جو تعلیم و تربیت ہو اس کا جو اثر ہوتا ہے کہ علوم و اعمال مثل امور فطریہ و طبعیہ کے ہو جاتے ہیں، وہ بات بعد میں نہیں ہوتی، اور یہ کام ماں باپ اور سرپرستوں کا ہے، اور وہ عموماً اس میں کوتاہی کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہالتیں اور بداخلاقیاں طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہیں، پھر بعد میں جو شخص اس کا اہتمام کرنا چاہے، مثلاً عورت کے لئے شوہر اور مردوں کے لئے استاد و پیر، ان کو سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے، اور بعض ناگواری درجۂ منافرت تک پہنچ جاتی ہے، دوسرے مصلحین سے تو یہ منافرت صرف مباعدت (دوری) کی صورت پیدا کر لیتی ہے،

عورتوں کی اصلاح کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے!!

مگر زوجین کا تعلق ایسا ہے کہ ہر وقت کا سابقہ رہتا ہے، اور مرد اپنی مصلحتوں سے قطع تعلق کو پسند نہیں کرتا، اور نہ عورت کی جہالتوں کی برداشت کرتا ہے تو یہاں ہمیشہ کے لئے منازعت و مناقشت (لڑائی جھگڑے) کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے، جس کے نتائج جانبین کے حق میں بُرے سے بُرے پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور دونوں کی زندگی موت سے بھی تلخ تر ہو جاتی ہے، اور ان سب کا سبب اکثر وہی ابتداء میں اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا ہے، لیکن اگر ایسا اتفاق ہو گیا تو یہی نہیں کہ ان لوگوں کو مہمل چھوڑ دیا جائے بلکہ جب قدرت ہو تب ہی اس کی سعی کرنا ضروری ہے،

تہذیبِ شرعی پر عمل درآمد کا طریقہ

اور قدرت دو قسم کی ہے، ارادی اور قہری، سو ارادی تو پیر اور استاد کی ہے، اور قہری حاکم کی ہے، خواہ بحکومتِ عامّہ ہو جیسے سلطان و نائبِ سلطان، خواہ بحکومتِ خاصہ جیسے عورت کے لئے شوہر، یا غلام کے لئے آقا، سو مردوں کے لئے تو تہذیبِ شرعی کے لئے حکومتِ قہریہ کے اسباب بہت کم مجتمع ہوتے ہیں، کیونکہ سلاطین کو تو اس طرف توجہ ہی نہیں، اور غلام کسی کے ہیں نہیں، اب رہ گئی حکومتِ ارادیہ سو اس کے اثر سے نکل جانا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے، اس لئے مردوں کی اصلاح کے اسباب بے شک ضعیف ہیں، البتہ عورتوں کے لئے عادتاً شوہر کا ہونا لازم ہے، اور گو کبھی اس کی مدت قصیر (کم) بھی ہوتی ہے مگر اکثر طویل ہی ہوتی ہے، سو عورتوں کی اصلاح کا طریق بہت سہل ہے،

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ ماں باپ یا پرورش کنندہ کے ذمہ بچوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہوئی

اور شوہر کے ذمہ بیبیوں کی، اصالۃً اسی مضمون کو بیان کرنا مقصود ہے، باقی جس کو جس پر قدرت ہو اور جس قسم کی ہو وہ اسی پر قیاس کر لی جاوے، ممکن ہے کہ استطراداً اس کے بھی کچھ مضامین مذکور ہو جائیں پس سنئے:

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مختصر اور ضروری قواعد،

تعلیم و تربیت کے مختصر اور ضروری قواعد مخلوط طور پر لکھے جاتے ہیں:-

(۱) جب گھر میں بی بی کو نکاح کر کے لاوے اوّل اس کو اپنے سے بے تکلف کر لے، اس کے بعد عقائدِ ضروریہ میں سے اس کا امتحان لے، یعنی بہشتی زیور کے اوّل حصہ میں جو عقائد ضروریہ لکھے ہیں ان کو سُنا کر اور سمجھا کر اس سے پوچھے کہ کیا تیرا یہی عقیدہ ہے، جس کا وہ اقرار کر لے اس اقرار پر اکتفاء کرے، اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنی زبان سے پوری تقریر کر سکے، بعض عوام اس پر قادر نہیں ہوتے تو ایسے لوگوں کو اس کی تکلیف نہ دی جاوے، اور جس میں وہ تردّد (شک) ظاہر کرے اس کو خوب سمجھا کر بتلادے کہ یہ عقیدہ ضروری ہے، اسی کے موافق اپنا اعتقاد رکھے،

(۲) اس کی پوری نماز سُن لے، یعنی جو کچھ اس میں پڑھا جاتا ہے وہ بھی اور رکعات کی تعداد مع فرض اور واجب اور سنتوں کے، اور ہر ایک کی جس طرح نیت کی جاتی ہے، اور رکوع و سجود و قعدہ کی ہیئت سب پوچھ لے، اور دیکھ لے، جہاں کوئی غلطی ہو اس کو درست کر دے، اور درست کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ بس ایک دفعہ زبان سے کہہ دیا، ممکن ہے کہ ذہول (بھول) ہو جاوے، اور ممکن ہے کہ بہت سی غلطیوں پر ایک دم سے متنبّہ کیا، اور سب کو ضبط نہ کر سکی، اس لئے ایک ایک غلطی کی اصلاح کر کے اس پر بار بار عمل کرا کر دیکھ لے، اس طرح سے تمام نماز کو درست کر دے،

(۳) اس کو پردہ کے سب احکام و مسائل بتلادے، کہ کس کس سے پردہ کرنا ضرور ہے، اور کون کون محرم ہیں، اور اس کی بہت تاکید کر دے، یہ سب مسائل بہشتی زیور میں ملیں گے، ان کو دیکھ دیکھ کر بتلادے،

(۴) اس کو اہلِ حقوق کے حقوق خصوص جن سے ہر وقت سابقہ (واسطہ) پڑے گا سمجھا دے رسالہ حقوق الاسلام میں یہ حقوق مذکور ہیں، خواہ اُن کو پڑھ کر سنادے یا سمجھا دے،

(۵) رسومِ جہالت کی قباحت اس کے دل میں بٹھلادے، اور ان سے ایسی نفرت دلادے کہ وہ اُن کے پاس نہ پھٹکے، اصلاح الرسوم اس کے لئے کافی ہے، نیز اس کے دیگر اعمال و اخلاق و عادات کی اصلاح کی بھی کوشش جاری رکھے، جس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ کتبِ ذیل اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے سنادے:-

بہشتی زیور تمام، فروع الایمان، جزاء الاعمال، قصد السبیل، تعلیم الدین، اصلاح الرسوم، تبلیغ دین، آداب المعاشرت، احقر کے مواعظ[1]، جو کہ تخمیناً سو کی تعداد یا کچھ کم و بیش چھپ چکے ہیں، یہ رسالہ اصلاحِ انقلاب ... جتنا چھپ جائے، ترجمہ روض الریاحین اگر چھپ جائے، اور جو کوئی حرکت ان کتابوں کے خلاف ہو نرمی سے مطلع کرے۔ اور بار بار مطلع کرنے سے اکتائے نہیں، انشاء اللہ ضرور اثر اور نفع ہوگا،

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَذَکِّرْ فَإِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الذّٰریٰت، آیت)	(اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو (بھی) نفع دے گا»)

(۶) خرچ کرنے کے آداب اس کو سمجھائے کہ فضولیات میں خرچ نہ کرے،

(۷) زیور اور لباس کے زیادہ .... اہتمام کرنے سے اس کو نفرت دلائے،

(۸) تھوڑا سا ذکر و شغل اس کو قصد السبیل سے بتلادے، اگر کوئی شیخ متبع سنت محقق میسّر ہو اس کی برکات و کمالات اس کے سامنے بیان کرکے جب اس کو اعتقاد ہو جائے اس کو بیعت کرادے کہ اس کو اتباع کی سہولت میں دخلِ عظیم ہے،

(۹) اگر تھوڑا وقت فرصت کا نکال کر کچھ لکھ پڑھ لے اس قدر کہ کتب مذکورہ کو پڑھ کر سمجھ سکے تو زیادہ بہتر ہے، اس سے اس کی نظر دین پر وسیع ہو جاتی ہے، اور جس قدر نظر وسیع ہوگی، اسی قدر اصلاح میں ترقی کی امید ہے،

بچوں کی تربیت کا طریقہ

(۱۰) پھر خدا تعالیٰ جب اولاد دے اور وہ سیانی ہونے لگے تو سب سے اوّل اس کو کلمۂ توحید سکھلادے، پھر اس کو ضروری آداب کی تعلیم کرے،

(۱۱) جب سامنے آئے سلام کرے،

(۱۲) کسی کے پاس کوئی چیز دیکھے تو حرص نہ کرے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت (حیثیت) کے موافق اس کی مرغوب (پسندیدہ) چیزیں خود منگا کر اس کو کھلاتا پلاتا رہے، اور جب وہ ضد کرے ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے، تاکہ ضد کرنے کی عادت چھوٹ جائے،

(۱۳) اس کو یہ عادت ڈالے کہ کوئی چیز تنہا نہ کھائے، بلکہ دوسرے بچوں کو تقسیم کرکے کھائے، اور اس کے لئے یہ رعایت رکھنا ضروری ہے کہ جو چیز اس کو دے خواہ نقد یا غیر نقد اس کی ملک نہ کرے،

---

[1] حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے مواعظ کا مطالعہ اصلاحِ نفس کے لئے تریاق کا حکم رکھتا ہے، ان کی تعداد ۴۰۰ کے قریب ہے ۱۲

کیونکہ ملک ہوجانے کے بعد نابالغ کو تبرّع کرنا جائز نہیں، بلکہ اباحت کے طور پر دے، تاکہ دوسروں کو دینا اوران دوسروں کو لینا جائز ہو،

(۱۴) جھوٹ بولنے سے اس کو نفرت دلائے،

(۱۵) پردہ اور حیاء کی اس کو تعلیم کرے،

(۱۶) اس کو یہ عادت ڈالے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کا اقرار کرلیا کرے، اور اگر وہ غلطی متعدّی ہو تو صاحبِ حق سے معاف کرایا کرے، اس کی عادت ڈالنا بہت سخت ضروری ہے کہ اس میں اس کے دین کی سلامتی اور دنیا میں موجب عزّت و راحت ہے، اور اس میں لیپ پیش کرنا تکبّر اور ہمیشہ کے لئے موجبِ نفرت و ذلّت ہے،

(۱۷) اس کی بھی عادت ڈالے کہ سخن پروری کبھی نہ کرے، حق واضح ہوجانے کے بعد گو اپنے سے کم درجہ کا آدمی اس پر مطلع کرے فوراً اس کا اتباع کرے، اور ہر امر میں اس کو تواضع اور خاکساری کی عادت ڈالے،

(۱۸) لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک جگہ نہ کھیلنے دے، اگر وہ نامحرم ہیں تو آئندہ کے مفاسد کا اس میں انسداد ہے، اور اگر وہ محرم ہیں تو لڑکیوں میں قلّتِ حیاء پیدا ہونے کا اور لڑکوں میں نقصانِ عقل کا احتمال ہے،

(۱۹) اس کی عادت ڈالے کہ وہ چھُپ کر کوئی کام نہ کریں، چھُپ کر بچّہ وہی کام کرے گا جس کو بُرا سمجھے گا، تو گویا ابتداء ہی سے وہ بُرا کام کرنے کا خوگر (عادی) ہوجائے گا،

(۲۰) خود بھی بچّوں کے سامنے کوئی نامناسب کام یا بے حیائی کا کام نہ کرے، گو بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ بول بھی نہ سکتا ہو، کیونکہ اس فعل کا عکس اس کے دماغ میں مرتسم و منقوش (یعنی نقش) ہوجاتا ہے، پھر اس کا اثر بڑے ہوجانے کے بعد ظاہر ہوگا،

(۲۱) ہنسی، دل لگی کی عادت اس میں نہ پیدا ہونے دے کہ اس سے مادہ بیباکی کا پیدا ہوگا، کیونکہ محل بے محل کی بچّہ کو تمیز نہیں ہوگی،

(۲۲) اس کا اہتمام رکھیں کہ سیانے بچّوں میں دوستی نہ پیدا ہونے پائے کہ اس کے مفاسد بے شمار ہیں، اور اگران کو باہم کھیلنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس کھیل کے وقت خود حاضر رہیں، بعد میں اختلاط (میل جول) نہ ہونے دے،

(۲۳) سیانے لڑکوں کو علماءِ محققین اور مشائخ محققین کی مجالس میں اپنے ساتھ لے جایا کرے،

کہ ان حضرات کی صحبت و توجّہ موجب برکات و تقویت علی الدّین والطاعات ہے،

(۲۴) جب بچّہ سیانا ہو جائے اس کو نماز کی سورتیں اور دُعائیں زبانی یاد کرائے اور نماز پڑھائے اور لڑکی ہو تو اس کو پردہ میں بٹھلائے،

(۲۵) اور جب پڑھنے کا متحمل ہو تو اس کو کسی ایسے مکتب میں جس کا معلّم شفیق اور دیندار ہو بٹھلادے اور لڑکی ہو تو زنانہ مکتب میں بٹھلادے، مگر آجکل جو زنانہ اسکول ایجاد ہوئے ہیں ان کی آب وہوا اچھی نہیں اُن سے بچائے،

(۲۶) سب سے اوّل قرآن شریف پڑھوائے، اگر دماغ متحمل ہو تو حفظ کرانا افضل ہے، ورنہ ناظرہ ہی سہی مگر صحیح خواں (صحیح پڑھانے والے) سے پڑھوائے،

(۲۷) اگر قرآن حفظ کرادے تو بعد ختم قرآن اور اگر ناظرہ پڑھوائے تو بعد نصف قرآن ایک سبق اُن کتابوں کا شروع کرادے جو نمبر ۵ میں مذکور ہوئیں،

(۲۸) اور خواہ ان سبقوں کے ساتھ تھوڑا سا وقت نکال کر یا ان کتابوں کے بعد بقدر ضرورت کچھ حساب اور املاء و انشاء کی مشق بھی ضرور کرادی جائے کہ ان چیزوں سے دین میں بھی مدد پہنچتی ہے لڑکیوں کے لئے لکھنے نہ لکھنے کے مناسب یا نامناسب کی تحقیق اسی رسالہ کے مبحث تعلیمِ نسوان میں گذر چکی ہے،

(۲۹) ان کتابوں کے بعد اگر اللہ تعالیٰ فراغ دے تو عربی کی تعلیم بھی کرادے، کہ اس زمانے میں اس کی بڑی سخت ضرورت ہے، ورنہ کوئی حلال اور طیّب حرفہ کسبِ معاش کے لئے سکھلادے کہ پریشانی سے ہمیشہ محفوظ رہے، بلکہ اگر علومِ عربیہ کے ساتھ کوئی پیشہ مناسبِ حال طلبہ سکھلادیا جائے تو علمِ دین کو ذریعۂ معاش بنانے سے وہ بچ سکتے ہیں،

(۳۰) اہل وعیال کی اصلاح و تادیب میں مضامینِ ذیل سے بہت اعانت ملے گی، ضرور ملاحظہ کرکے اس کے موافق عمل کریں،

رسالہ ہٰذا کی سُرخی طریقِ اصلاحِ انقلاب طالبانِ احکام کے دستور العمل کے ختم تک،

رسالہ ہٰذا کی سُرخی سدِّ موانعِ انقلاب امر پنجم کے ختم تک،

حصّہ دہم بہشتی زیور اوّل سے ہنر اور پیشے کے بیان تک۔

رسالہ الامداد میں مضمون قوتُ العیال جواب تک حسب بیان مہتمم رسالہ ان پرچوں میں شائع ہوا ہے جلد اوّل کے سب باستثناء ۱۰، جلد دوم کے نمبر ۱، ۵، ۶، ۹، جلد سوم کے نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۱۰، جلد چہارم

کا نمبر ۳، یہاں تک مضمون لکھنے کے بعد یاد آیا کہ بہشتی زیور کے چوتھے حصہ میں بذیل سرخی "اولاد کی پرورش کرنے کا طریقہ" اسکے متعلق کچھ ضروری دستور العمل ہے، دیکھنے سے اس مقام پر اس کا بعینہٖ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا، گو اس میں بعض ماسبق کا تکرار بھی ہے، مگر اس کے مہتم بالشان ہونے کے سبب تکرار کو گوارا کر کے اس میں تصرف گوارا نہیں کیا گیا، وہو ہذا۔

اولاد کے پرورش کرنے کا طریقہ جاننا چاہئے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے، کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بری پختہ ہو جاتی ہے وہ عمر بھر نہیں جاتی، اس لئے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلائیں، دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے،

(۲) عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے، یہ بری بات ہے، اس سے بچہ کا دل بیحد کمزور ہو جاتا ہے،

(۳) اس کے دودھ پلانے کے لئے اور کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو کہ وہ تندرست رہے،

(۴) اس کو صاف ستھرا رکھو، کہ اس سے تندرستی رہتی ہے،

(۵) اس کا بہت سا بناؤ سنگار مت کرو،

(۶) اگر لڑکا ہو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ،

(۷) اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے زیور مت پہناؤ، اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے، دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں پیدا ہونا اچھا نہیں،

(۸) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا کپڑا پیسے اور ایسی چیزیں دلوایا کرو، اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو، تاکہ اُن کو سخاوت کی عادت ہو، مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں اُن کے ہاتھ دلوایا کرو، خود جو چیز شرع سے انہی کی ہو اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں،

(۹) زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو، مگر کسی کا نام لے کر نہیں، بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی کہتے ہیں، اس کو بیل جانتے ہیں،

(۱۰) اگر لڑکا ہو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو، اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں، تم ماشاء اللہ مرد ہو، ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو،

(۱۱) اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی بہت تکلف کے کپڑوں کی اس کی عادت مت ڈالو،

(۱۲) اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے،

(۱۳) چلّا کر بولنے سے روکو، خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلّانے پر خوب ڈانٹو، ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جاوے گی،

(۱۴) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں، یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں، یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں اُن کے پاس بیٹھنے سے، اُن کے پاس کھیلنے سے اُن کو بچاؤ،

(۱۵) ان باتوں سے اُن کو نفرت دلاتی رہو، غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا، یا حرص کرنا، چوری، چغلی، اپنی بات کی پچ کرنا، خواہ مخواہ اس کو بنانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا، بے بات ہنسنا، یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بُری بات کا نہ سوچنا، اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جاوے فوراً اس کو روکو، اس پر متنبہ کرو،

(۱۶) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے، مناسب سزا دو تاکہ پھر ایسا نہ کرے، ایسی باتوں میں پیار ولاڈ ہمیشہ بچوں کو کھو دیتا ہے،

(۱۷) بہت سویرے مت سونے دو،

(۱۸) سویرے جاگنے کی عادت ڈالو،

(۱۹) جب سات برس کی عمر ہو جاوے نماز کی عادت ڈالو،

(۲۰) جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جاوے اول قرآن مجید پڑھواؤ،

(۲۱) مکتب میں جانے میں کبھی رعایت مت کرو،

(۲۲) جہاں تک ہو سکے دیندار استاد سے پڑھواؤ،

(۲۳) کسی کسی وقت اُن کو نیک لوگوں کی حکایتیں سُنایا کرو،

(۲۴) ان کو ایسی کتابیں مت دو جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں یا شرع کے خلاف مضمون یا اور بیہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں،

(۲۵) ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کارروائی آجاوے،

(۲۶) مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو، تاکہ اس کی طبیعت کُند نہ ہو جاوے، لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو، چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو،

(۲۷) آتشبازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسے مت دو،

(۲۸) کھیل، تماشے دکھلانے کی عادت مت ڈالو،

(۲۹) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلادو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا گذارہ کرسکے،

(۳۰) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلادو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں،

(۳۱) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں، اپاہج اور سست نہ ہوجائیں، ان کو کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں، صبح کو سویرے اُٹھ کر تہہ کرکے احتیاط سے رکھ دیں کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں، اُدھڑا پھٹا خود سی لیا کریں، کپڑے خواہ میلے ہوں خواہ اُجلے ہوں ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے کا چوہے کا اندیشہ نہ ہو، دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں اور گن کر پڑتال کرکے لیں،

(۳۲) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو،

(۳۳) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے، سینے پرونے، کپڑے رنگنے، چیز بُننے کا گھر میں ہوا کرے اس میں غور کرکے دیکھا کرو کہ کیونکر ہو رہا ہے،

(۳۴) جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباش دو پیار کرو، بلکہ اس کو کچھ انعام دو تاکہ اس کا دل بڑھے، اور جب اس کی بُری بات دیکھو اوّل تنہائی میں اس کو سمجھاؤ اور دیکھو بُری بات ہے، دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہوں گے، اور جس جس کو خبر ہوگی وہ دل میں کیا کہے گا، خبردار پھر مت کرنا، نیک بخت لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے، اور اگر پھر وہی کام کرے مناسب سزا دو،

(۳۵) ماں کو چاہیئے کہ بچے کو باپ سے ڈراتی رہے،

(۳۶) بچے کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو، کھیل ہو یا کھانا اور کوئی شغل ہو، جو کام چھپا کر کرے گا سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو بُرا سمجھتا ہے، سو اگر وہ بُرا ہے تو اسے چھڑاؤ، اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو سب کے سامنے کھائے پیئے،

(۳۷) کوئی کام محنت کا اس کے ذمّہ مقرر کردو جس سے صحت اور ہمت رہے، سستی نہ آنے پائے، مثلاً لڑکوں کے لئے ڈنڈ مگدر کرنا، ایک آدھ میل چلنا، اور لڑکیوں کے لئے چکّی یا چرخہ چلانا ضروری ہے، اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کاموں کو عیب نہ سمجھیں گی،

(۳۸) چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے، نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے،

(۳۹) اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو، زبان سے، چال سے، برتاؤ سے، شیخی نہ بگھارنے پائے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب و قلم دوات، تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے،

(۴۰) کبھی کبھی اس کو دو چار پیسے دیدیا کرو، کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے، مگر اس کو یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے،

(۴۱) اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اُٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ، تھوڑا تھوڑا ہم لکھے دیتے ہیں،

کھانے کا طریقہ (۱) داہنے ہاتھ سے کھاؤ (۲) شروع میں بسم اللہ کہو (۳) اپنے سامنے سے کھاؤ (۴) اوروں سے پہلے مت کھاؤ (۵) کھانے کو گھور کر مت دیکھو (۶) کھانے والوں کی طرف مت دیکھو، (۷) بہت جلدی جلدی مت کھاؤ (۸) خوب چبا کر کھاؤ (۹) جب تک لقمہ نگل نہ لو دوسرا لقمہ مُنہ میں مت رکھو، (۱۰) شوربا وغیرہ کپڑے پر نہ ٹپکنے پائے (۱۱) انگلیاں ضرورت سے زیادہ سَننے نہ پائیں،

محفل میں اُٹھنے بیٹھنے کا طریقہ (۱) جس سے ملو ادب سے ملو (۲) نرمی سے بولو (۳) محفل میں تھوکو نہیں، (۴) وہاں ناک صاف مت کرو، اگر ایسی ضرورت ہو وہاں سے الگ چلے جاؤ (۵) وہاں اگر جمائی یا چھینک آئے مُنہ پر ہاتھ رکھو، (۶) آواز پست کرو، (۷) کسی کی طرف پشت مت کرو، (۸) کسی کی طرف پاؤں مت کرو، (۹) ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ دے کر مت بیٹھو، (۱۰) انگلیاں مت چٹخاؤ (۱۱) بلا ضرورت بار بار کسی کی طرف مت دیکھو، (۱۲) ادب سے بیٹھے رہو، (۱۳) بہت مت بولو (۱۴) بات بات میں قسم مت کھاؤ (۱۵) جہاں تک ممکن ہو خود کلام مت کرو (۱۶) جب دوسرا شخص بات کرے خوب توجہ سے سنو، کہ اس کا دل نہ بجھے، البتہ اگر گناہ کی بات ہو مت سنو، یا تو منع کردو یا وہاں سے اُٹھ جاؤ (۱۷) جب تک کوئی شخص بات پوری نہ کرلے بیچ میں مت بولو (۱۸) جب کوئی آئے اور محفل میں جگہ نہ ہو ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ، مل کر بیٹھ جاؤ کہ جگہ ہو جائے (۱۹) جب کسی سے ملو یا رخصت ہونے لگو، السلام علیکم کہو اور جواب میں وعلیکم السلام کہو، اور طرح طرح کے الفاظ مت کہو،

ختم ہوا مضمون بہشتی زیور کا،

امید ہے کہ اہل وعیال کی تعلیم وتربیت کے متعلق مضمون مذکور کافی ہوجائے گا، اسی طرح اور بھی جس جس پر قدرت ہو جیسے شاگرد و مرید، نوکر و رعیت وغیرہم سب کی تعلیم وتربیت میں یہی طریقہ مشترک ہے،

انتہت عبارت رسالہ بہشتی زیور

وبانتہائہا

تَمَّتْ اَحْکَامُ النَّفَقَاتِ الرُّوحَانِیَّۃ

اصلاحِ انقلاب متعلق لقطہ

لقطہ کا مفہوم اور اسکی کوتاہیاں اوپر کے باب میں اپنے مال کے خرچ کرنے کے احکام تھے، اس میں دوسرے کے مال کے بعض افراد کے احکام ہیں، کیونکہ لقطہ ایسی پڑی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جس کا مالک معلوم نہ ہو) اس میں بھی مختلف و متعدد کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں،

جس چیز کے ضائع ہونے کا گمان غالب ہو اس کا اٹھانا واجب ہے، چنانچہ ایک کوتاہی اس میں یہ ہے کہ بعضے لوگ ایسی چیز کو بالکل اٹھاتے ہی نہیں، اور سمجھتے ہیں یہ نہ اٹھانا ہی افضل ہے، حالانکہ جہاں گمان غالب ہو کہ نہ اٹھانے سے وہ چیز ضائع ہو جائے گی وہاں اٹھالینا واجب ہے، اگر نہ اٹھائے گا گناہگار ہوگا (درمختار) اور یہی حکم ہے پڑے ہوئے بچے کا (درمختار)

اور اگر اٹھا کر پھر وہاں ہی رکھ دیا تو گناہ تو ہے ہی، مگر بعض کے نزدیک اس کے ذمے ضمان بھی لازم ہے، (رد المحتار)

اپنے کام کی غرض سے کسی چیز کا اٹھانا گناہ ہے، ایک کوتاہی اس کے مقابل یہ ہے کہ بعضے لوگ اس نیت سے اٹھاتے ہیں کہ اس کو اپنے کام میں لائیں گے، تو اس نیت سے اٹھانا گناہ بھی ہے اور اس اٹھانے سے وہ ضامن بھی ہو جائے گا، جب تک مالک کے پاس نہ پہنچائے (رد المحتار عن نور العین عن الخانیہ)

اٹھائی ہوئی چیز کی تشہیر واجب ہے ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے اٹھاتے تو اسی نیت سے ہیں کہ ہم مالک کو پہنچادیں گے، مگر مالک کو نہ پہنچاتے ہیں نہ تلاش کرتے ہیں، گھر میں لے کر بیٹھ جاتے ہیں، کہ کوئی ڈھونڈھتا ہوا آئے گا، ورنہ کون مشقت کرے، سو ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ اس کی تشہیر واجب ہے، یعنی جس جگہ وہ ملی ہے وہاں بھی اعلان کرے اور مواقعِ اجتماع پر بھی جیسے بازار میں اور مساجد کے دروازوں پر اور جہاں جہاں احتمال مالک کے ملنے کا ہو، اور مدت اس تشہیر کی یہ ہے کہ گمان غالب یہ ہو جائے کہ اب مالک نے اس کی تلاش چھوڑ دی ہوگی،

یا اس چیز کے بگڑنے کا اندیشہ ہونے لگے، جیسے پھل وغیرہ (درمختار)

چیز اٹھانے کے بعد دو اختیار | پھر اس کے بعد اس کو دو اختیار ہیں، ایک یہ کہ اس کو بعینہٖ محفوظ رکھے، اور دوسرے یہ کہ اس کو خیرات کردے، پھر اگر خود مسکین ہے، تو اپنے نفس پر بھی خیرات کرسکتا ہے، اور مسکین نہیں ہے تو مساکین پر تصدّق کردے، اور یہ بھی اختیار ہے خواہ بعینہٖ تصدّق کردے، خواہ فروخت کرکے دام تصدّق (صدقہ) کردے، اور اگر اس کو یا اس کے داموں کو محفوظ رکھا تو وصیت کرجانا واجب ہے (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر کسی وجہ سے خود تشہیر نہ کرسکے تو دوسرے شخص کو بشرطیکہ امانتدار ہو تشہیر کے لئے دے سکتا ہے (ردالمحتار)

نہ معلوم اہلِ حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ | مسئلہ: جس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں اور اہلِ حقوق معلوم نہیں یا معلوم ہیں مگر مرگئے، اور اُن کے وارث بھی نہیں تو ایسے حقوق بمنزلۂ لقطہ کے ہیں، کہ مالک کے نہ ملنے کے وقت خیرات کردینا چاہئے، اور یہ خیرات ایسے حقوق کی اور اسی طرح لقطہ کی مالک کی نیت سے ہونا چاہئے،

صدقہ کرنے کے بعد مالک آنے کا حکم۔ | مسئلہ: اگر بعد تصدّق کے مالک آگیا تو اس کو اختیار ہے، خواہ اس تصدّق کو جائز رکھے اور خواہ اس سے ضمان لے، اور ثواب اس لاقط (اٹھانیوالے) کو ملے گا، (ردالمحتار)

بروز قیامت ظلم کا دعویٰ مورث اور حق کا دعویٰ وارث کرے گا | مسئلہ: اگر کسی کا قرض یا کوئی حق اس کے ذمہ آتا ہے اور اس نے نہ اسکو دیا اور نہ اُس کے ورثاء کو تو قیامت میں اس پر دعویٰ کون کرے گا؟ اس میں قول مختار یہ ہے کہ ظلم کا دعویٰ تو مورث کرے گا کہ اس کا حق نہ دیا تھا، اور حق کا دعویٰ وارث کرے گا، کیونکہ وہ مالِ میت سے اس وارث کی طرف منتقل ہوگیا، اور اگر وارث کو دیدیا تو وارث کا دعویٰ تو جاتا رہا مورث کا رہے گا، اس کے لئے دعاء، واستغفار کیا جائے (ردالمحتار)

مسافر کا ترکہ بحکم لقطہ کے ہے، | مسئلہ: تمہارے گھر کوئی مسافر مرگیا اور اس کے ورثاء معلوم نہیں تو اس کا ترکہ بحکم لقطہ ہے (درمختار)

دفینہ کا حکم لقطہ کا ہوگا | مسئلہ: تم نے کوئی گھر خریدا اور اس میں کچھ دفینہ (دفن شدہ مال) نکلا تو وہ بحکم لقطہ ہے، (ردالمحتار)

اصلاحِ انقلاب

متعلق گم شدہ انسان

(لقطہ مال تھا جس کا اس کے اہل کو پتہ نہیں، یہ انسان ہے جس کا اس کے اہل کو پتہ نہیں) اس میں بھی کچھ غلطیاں کی جاتی ہیں؛

مفقود اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے — اور اس کے سمجھنے سے پہلے ایک قاعدہ کلیہ سمجھ لینا چاہیئے، اس سے ان غلطیوں کا سمجھنا آسان ہو جائے گا،

مفقود اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے — وہ قاعدہ یہ ہے کہ مفقود چونکہ وقت مفقود ہونے کے زندہ تھا، اور اب تک اس کی موت کی کوئی دلیل نہیں، تو اس کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ زندہ ہے، اور ظاہر حال جس کو استصحاب بھی کہتے ہیں حجتِ دافعہ ہے حجتِ مثبتہ نہیں، پس یہ حیاتِ ظاہری اس کا حق تو دوسرے کے مال میں ثابت نہ کرے گی، لیکن اس کے مال میں دوسرے کا حق ثابت نہ ہونے دے گی، یعنی اگر اس کے زمانۂ فقدان (گمشدگی) میں اس کا کوئی مورث مثلاً اس کا باپ مرا اور اس کے دو بیٹے تھے ایک یہی مفقود، دوسرا موجود، تو اس کے ترکہ میں اس مفقود کا یقینی حق نہیں ہوگا، بلکہ احتمالِ حیات کے سبب اس کا حصہ بطورِ امانت کے رکھیں گے، اگر آ گیا تو لے لے گا، اور اگر نہ آیا یہاں تک کہ انتظار کی مدتِ شرعیہ کے بعد (جس کی مقدار آگے آتی ہے) اس کی موت کا حکم کیا گیا تو وہ امانت رکھا ہوا حصہ اسی موجود کا سمجھا جائے گا، اگر وہ زندہ ہوا تو وہ لے گا ورنہ اس کے شرعی ورثہ لیں گے یوں نہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس مفقود کا حق ہے، تاکہ اس کے مال کے ساتھ وہ بھی اس کے ورثہ کو دیا جائے، اور یہی مطلب ہے حجت مثبتہ نہ ہونے کا، اور یہی مطلب ہے حجت دافعہ ہونے کا، اور یہی مطلب ہے فقہاء کے اس قول کا کہ وہ اپنے نفس کے حق میں حی (زندہ) ہے۔

مفقود کے بارے میں چند کوتاہیوں کا بیان

اس قاعدہ کلیہ کے بعد اب ان غلطیوں کو سمجھنا چاہیئے:۔

مفقود کا حصہ وراثت رکھنا چاہیئے

سو ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ اس کے مفقود ہونے کا زمانہ میں جو اس کا مورث مرتا ہے اس کے ترکہ میں سے اس مفقود کا حصہ کوئی شخص نہیں رکھتا، ورثا ءحاضرین باہم تقسیم کر لیتے ہیں، حالانکہ گو اس کا استحقاق یقینی نہیں مگر محتمل تو ہے، اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ صحیح سالم آگیا، اگر اس کو اپنے استحقاق کا علم ہوا اور اس کے وصول کی قوت بھی ہوئی تب تو نزاع (جھگڑا) ہوگا اور اگر علم نہ ہوا یا قدرت نہ ہوئی تو دوسرے ورثہ حق العباد کے وبال میں مبتلا ہوں گے،

مفقود کے مال اور اس کے حصہ امانت کا حکم یکساں نہیں،

اور ایک غلطی یہ ہو سکتی ہے (گو سنی نہیں گئی) کہ اگر اس کا حصہ امانت کے طور پر محفوظ رکھا جائے تو جس وقت اس کی موت کا حکم شرعاً کیا جائے گا اور خود اس کا ترکہ اس کے ورثہ موجودین وقت الحکم بالموت میں تقسیم کیا جائے گا، تو ممکن ہے کہ اس حصہ امانت کو بھی اس کی ملک سمجھ کر اس کو بھی اس کے ترکہ کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے، حالانکہ اوپر کے قاعدہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس صورت میں وہ حصہ امانت کا ان ورثہ کا حق ہے، جن کے حصہ میں سے یہ امانت نکال کر رکھی گئی تھی، خلاصہ یہ کہ اس امانت کا حکم اور خود جو اس مفقود کا مال بلاواسطہ ہے ان دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے،

مفقود کے مال کو دوسرے کے مال پر قیاس کرنا صحیح نہیں،

ایک غلطی اس دوسرے مسئلہ سے (کہ اگر وہ نہ آیا تو وہ امانت اُن ورثہ کا حق ہے جن کا حق کم کر کے یہ امانت رکھی گئی ہے) یہ ہو سکتی ہے کہ اس کو وقت فقدان (گم ہونے کے وقت) سے میت سمجھ کر جب اس کا ترکہ تقسیم کرنے لگیں تو انہی ورثہ کو دیدیں جو اس کے فقدان کے وقت تھے، حالانکہ وہ اپنے مال کے اعتبار سے زندہ ہے، حاصل یہ کہ بعضی غلطی تو منشاء مفقود کے مال کو دوسرے کے مال پر قیاس کرنا ہے، اور بعض کا منشاء دوسرے کے مال کو مفقود کے مال پر قیاس کرنا ہے، یہ دونوں قیاس باطل ہیں، ان دونوں کا حکم جدا جدا ہے، جیسا کہ مفصل بیان کیا گیا،

مفقود کے متعلق امام مالکؒ کے فتویٰ پر عمل کے لئے قضاء قاضی شرط ہے،

ایک غلطی عام یہ ہو رہی ہے کہ علماء سے یہ سُن لیا کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک انتظار مفقود کی مدت چار سال ہے اور یہ بھی سُن لیا کہ ضرورت میں دوسرے مذہب پر عمل درست ہے،

اس کو مطلق سمجھ کر بلا کسی قید کے اس پر عمل شروع کر دیا، چار سال کے بعد اس کی بی بی کا نکاح بھی کرانے لگے، عدت کی بھی ضرورت نہ سمجھی، اگر قدرت ہوئی اس کا ترکہ بھی تقسیم کر لیا، پھر ضرورت کو بھی نہیں دیکھا اور بعد تحقق ضرورت کے اس پر عمل کی شرط بھی نہ دیکھی، حالانکہ امام مالکؒ کے نزدیک چار سال جوازِ نکاح کی مدت نہیں، بلکہ اس کے حکم بالموت کی مدت ہے، پھر اس کے بعد عدتِ وفات ہوگی؛

اور شافعیؒ کا مذہب قدیم اس کو قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قولِ جدید اس کے خلاف ہے، اور مفتیٰ بہ قولِ جدید ہوتا ہے، پھر یہ قول ان دونوں حضرات کا صرف نکاح کے بارے میں ہے، میراث میں ان کا مذہب ہمارے ہی مذہب کے مثل ہے،

اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تفصیل ہے کہ اگر ایسی حالت میں غائب ہوا ہے کہ غالب حال اس کا ہلاک ہے، جیسے صفِ قتال یا کشتیِ شکستہ میں تھا، تب تو چار سال کی مدت ہے ورنہ ان کا مذہب بھی ہمارے ہی مذہب کے مثل ہے،

یہ سب اقوال شامیؒ نے نقل کئے ہیں (اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کا مذہب اس میں ایسا قوی ہے کہ دوسرے ائمہ بھی کسی نہ کسی صورت میں اس کو ضرور لیتے ہیں)

اسی طرح جس عورت کے پاس نفقہ موجود ہو وہاں ضرورت بھی متحقق نہیں، یا کسی دیندار معتبر گھرانے میں نوکری کر سکے وہاں بھی ضرورت نہیں، اسی طرح جہاں مالکی یا شافعی حاکم مل سکے وہاں بھی حنفی کو اس قول پر حکم کرنے کی ضرورت نہیں، اور جہاں ضرورت بھی ہو تب بھی اس پر عمل کرنے کی اکثر علماء کے نزدیک ایک شرط یہی ہے، وہ یہ کہ اس عمل کے لئے صرف فتویٰ کافی نہیں، قضاءِ قاضی ہونا چاہئے، چنانچہ درمختار میں واقعاتِ مفتیین سے اس کی نسبت قنیہ کی طرف کی ہے، اور گو اس میں دوسرا قول بھی ہے جو شرف الائمہ کی طرف نسبت کیا گیا ہے مگر نجم الائمہ قاضی عبد الرحیم نے اشتراط کو ترجیح دی ہے، اور واقعات کی عبارت سے امام صاحبؒ کا اس میں نص ہونا ثابت کیا ہے،

مفقود کی مدت انتظارِ طویلہ کا اصل مقصد احتیاط ہے،

اور احقر کہتا ہے کہ قواعد سے بھی ایسے امور مجتہد فیہا میں قضاءِ قاضی کے اشتراط سے اس اشتراط ہی کو ترجیح ہوتی ہے، اور احقر اس کے خلاف پر فتویٰ دینے کو صحیح نہیں سمجھتا، خصوص جبکہ اصل فروج (شرمگاہوں) میں حرمت ہے، اور یہ لزوم قضاءِ قاضی کسی خاص قول کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس باب میں حنفیہ کے نزدیک جو مدتِ انتظار ہے، جس میں سب سے زیادہ احتیاط ہے اس میں بھی قضاءِ قاضی شرط ہے یعنی

قاضی یوں کہے کہ میرے نزدیک اب وہ مرگیا ہے، اس لئے میں اس کی موت کا حکم کرتا ہوں (لاطلاق مافی الدر المختار انما یحکم لموتہ لقضاء لانہ امر محتمل مما لم ینضم الیہ القضاء لایکون حجۃ) اور وہ مدت احتیاط کی اس لئے ہے کہ بہت طویل ہے، اصل معنون تو اس کا یہ ہے، باقی اُس کے عنوانات میں اقوال مختلف ہیں،

(۱) موت اقران فی بلدہ (۲) موت اقران فی جمیع البلاد (۳) نوّے سال وقتِ ولادت سے نہ کہ وقتِ فقدان سے (۴) سَو سال (۵) ایک سو بیس سال (۶) ساٹھ سال (۷) سَتّر سال، (۸) تفویض الی رائی الامام (امام کی رائے کے سپرد کردینا) اور شامی نے اس قول اخیر میں یہ شرط نقل کی ہے،

لابد من مضی مدۃ طویلۃ حتی یغلب علی الظن موتہ لا بمجرد فقدہ عند ملاقاۃ العدو اوسفر الھجر ونحوہ،	"اتنی طویل مدت کا گذرنا ضروری ہے کہ اس کی موت واقع ہونے پر گمان غالب ہوجائے دشمن سے ملاقات یا مطلق سفروغیرہ کی صورت میں صرف گمشدگی کافی نہیں،"

ہندوستان میں سلطنت کی طرف سے کسی ایسے قاضی کے تقرر کا انتظام نہیں ہے اس لئے اس شرط کی تحقق یہاں دشوار ہے، پس اس صورت میں مفقود کے احکام میں بجز صبر کے کوئی علاج نہیں، البتہ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو سلطنت کی طرف سے ایسے اختیارات دیئے گئے ہیں کسی عالم سے فتویٰ لے کر مفقود کی موت کا حکم کردے، وہ حکم صحیح ہوجائے گا، اس لئے کہ قاضی مسلم کا تقرر سلطنتِ غیر مسلم کی طرف سے بھی صحیح ہے، صرح بہ الفقہاء، یا ریاستوں میں جو قضات مسلمان مقرر ہیں ان سے حکم حاصل کرلیا جائے، مگر اس میں یہ شبہ ہے کہ اس قاضی کی حدود شرع سے باہر جو شخص ہو اس پر بھی اس کا حکم نافذ ہوگا یا نہیں اس کی تحقیق علماء سے کرلی جائے،

احکامِ مفقود سے متعلق چند شبہات اور اُنکے جوابات

یہ تھیں ضروری تنبیہات احکام مفقود کے متعلق اب بعضے اور شبہات کے جواب لکھتا ہوں جو اُن احکام کے متعلق بطور معارضہ پیش کئے جاتے ہیں،

زیادہ عمر مانع نکاح نہیں، ایک شبہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ اتنی مدت انتظار کے بعد کہ نوّے برس ہیں یا اس سے زیادہ، جب موت کا حکم کیا گیا تو اس حکم سے کیا فائدہ ہوا؟ اتنی عمر کی عورت تو نکاح کے

قابل ہی نہیں رہتی،

جواب اس کا یہ ہے کہ معترض مسئلہ ہی نہیں سمجھا، اس مدت کی ابتداء مفقود ہونے کے حکم سے نہیں ہے تاکہ عورت کا اتنا سن رسیدہ ہونا لازم آئے، بلکہ اس کی ابتداء مفقود کے یوم ولادت سے ہے یعنی وہ نوّے برس کا ہو جائے، مثلاً، اور مرد کے سن رسیدہ ہونے سے عورت کا سن رسیدہ ہونا لازم نہیں آتا، مثلاً کسی اسّی برس کے بوڑھے نے دس برس کی لڑکی سے نکاح کیا اور مفقود ہو گیا، تو جب یہ نوّے سال کا ہوگا عورت بیس برس کی ہوگی، وعلیٰ ہذا، دوسرے حکم بالموت کا ثمرہ محض صحت نکاح زوجہ ہی تو نہیں ہے، اسکے مال کی تقسیم بھی تو ہے اور اسمیں یہ استعداد نہیں تیسرے یہی مسلّم نہیں کہ ایسی عمر کی عورت نکاح کے قابل نہیں رہتی اگر تقاضائے نفسانی کی نفی بھی تسلیم کرلی جائے، تب بھی نکاح میں اور مصالح بھی تو ہیں، مثلاً کوئی مسن (عمر رسیدہ) بیوہ عورت حج کو جاتی ہے اور محرم کوئی موجود نہیں، اس نے اس لئے کسی سے نکاح کرلیا کہ اس کے ساتھ سفر جائز ہو، اور مرد نے اعانت فی الدین (دین میں مدد) سمجھ کر قبول کرلیا، تو دیکھئے اتنی عمر مانع نکاح نہ ہوئی،

قانون مفقود کے سخت ہونے کا شبہ صحیح نہیں،

ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ قانون بڑا سخت ہے، اگر عورت کو نان نفقہ کی حاجت ہو یا اس پر نفس کا غلبہ ہو تو وہ کیا کرے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اشکال اسی صورت کے ساتھ خاص نہیں، اگر کسی عورت کا شوہر موجود ہو، مگر بے توجہ ہو کر نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ اس کا حق تحصین (بیوی ہونے کا حق) ادا کرتا ہے تو اس صورت میں عورت کیا کرے؟ اگر کہا جائے کہ دعوےٰ کردے، ہم بھی یہی کہیں گے کہ یہاں بھی دعویٰ کردے، اگر حاکم کی رائے میں ضرورت متحقق ہوگی وہ شافعیؒ و مالکؒ کے مذہب پر حکم بالموت جلدی کردے گا، اگر کہا جائے کہ ایسا حاکم کہاں ہے، ہم کہیں گے اگر ہماری مفروضہ صورت بھی ایسا حاکم نہ ملے، یا ملے مگر یہ حکم نہ کرے تو عورت کیا کرے گی، اگر کہا جائے کہ صبر کرے، ہم کہیں گے یہاں بھی صبر کرے، یا اگر بے توجہ نہ ہو مگر نادار اپاہج ہو کر نہ بالفعل کسی مال کا مالک ہو نہ کسب پر قادر ہو، اور نہ عورت پر قادر ہو، تو اس کی عورت کیا کرے؟ اگر کہا جائے کہ عنّین اور اس کی زوجہ میں قاضی تفریق کردے گا، .... تو ہم کہیں گے کہ اگر ایک بار قادر ہو چکا ہو اور اس وجہ سے اب تفریق ممکن نہ ہو (چنانچہ مسئلہ فقہیہ باب عنّین میں یہی ہے) تو عورت کیا کرے؟ اسی طرح اگر زنِ مفقود کی نوکری کرکے کھانے میں شبہ فتنہ کے سبب کسی کو اعتراض ہو تو صورت مفروضہ میں بھی ایسا احتمال ہو سکتا ہے، غرض کچھ بلا اسی میں منحصر نہیں، دوسری صورتوں میں بھی ایسا ہو سکتا ہے

اور بکثرت ہوتا بھی ہے، پس بجز صبر و تحمل مشاق کے کوئی چارہ نہیں،

مفقود کے بارے میں ایک ضروری مسئلہ

اب ایک ضروری فرع لکھ کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں، وہ یہ کہ اگر بعد حکم بالموت کے اس کی بی بی نے نکاح کر لیا اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم کر دیا گیا اور وہ پھر صحیح سالم آگیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ سو وہ حکم یہ ہے کہ اس کی بی بی کا نکاح ثانی فاسد ہو جائے گا اور عدت گزرنے کے بعد وہ بی بی اسی کو مل جائے گی، البتہ اگر کچھ اولاد ہو گئی ہو تو وہ دوسرے شوہر کو ملے گی، کذا فی ردالمحتار وعبارتہ:۔

اَنّ زوجۃ لہ والاولاد للثانی	(بیشک بیوی اس کی ہوگی اور اولاد دوسرے کی ہوگی)

اور مال میں یہ تفصیل ہے کہ جو وارثوں کے ہاتھ میں خرچ ہو چکا وہ گیا گذرا، اور جو خرچ نہیں ہوا وہ اس مفقود کو دلایا جائے گا، کذا فی ردالمحتار وعبارتہ:

فی الباقی فی ید ورثتہ لہ ولا یطالب بما ذھب،	(یعنی جو اس کے ورثہ کے ہاتھ میں باقی موجود ہے اس کو مل جائے گا اور جو ختم ہو چکا اس کا مطالبہ نہیں ہو سکتا)

مرنے کے بعد بفرضِ محال زندہ ہونیوالے کا حکم

اور یہی حکم ہے مال میں اس شخص کا جو مرنے کے بعد زندہ ہو جائے البتہ اس کی بی بی اب اس کو نہ ملے گی، کیونکہ موت سے خود اسی کا نکاح یقیناً باطل ہو گیا تھا، اور مفقود کا یقیناً باطل نہ ہوا تھا، ظناً باطل ہوا تھا، وہ ظن کاذب (گمان جھوٹا) ثابت ہوا، فقط ٭

اصلاح انقلاب
متعلّق بہ تعزیر و تعییر و تکفیر

تعزیر و تعییر اور تکفیر کا مفہوم تفسیر ان الفاظ کی یہ ہے:۔

تعزیر: وہ سزا ہے جو تادیب کے لئے دی جائے، اور حد کے درجہ سے کم ہو، اور اس کے طرق (طریقے) مختلف ہیں، ملامت کرنا، ڈانٹنا، مارنا، ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے، کان کھینچنا، سخت الفاظ کہنا، محبوس کردینا، (ردالمحتار) مالی سزا دینا، جس کا طریقہ بعد میں آتا ہے،

تعییر: کسی کا عیب نکالنا، اس میں غیبت و بہتان بھی داخل ہوگیا،

تکفیر: کسی کو کافر کہنا۔

اوپر کے قریب ابواب میں غیر کے مال میں تصرف کرنے کی بحث تھی، ان تینوں امور میں غیر کی آبرو میں تصرف کرنے کا بیان ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ ان تینوں امر سے دوسرے کی آبرو ریزی ہوتی ہے، گو بعض میں تصرّف فی النفس و تصرّف فی المال ہے، اور چونکہ آبرو ریزی ان تینوں میں امرِ مشترک ہے، اور اس مابہ الاشتراک کی وحدت سے یہ تینوں امر گویا امرِ واحد ہیں، اس لئے ان تینوں کے متعلق مضامین مخلوط طور پر بیان ہوں گے، جیسے تینوں کے عنوان کو جمع کردیا گیا، (یعنی ترتیب کا قصد نہ ہوگا)

حقوق العباد کی ایک کوتاہی کی عِلمی غلطی پس ان کے متعلق ایک کوتاہی جو بوجہ علمی غلطی ہونے کے سب سے اشد ہے کہ ان میں حق العباد ہونے کا احتمال ہی کسی کو نہیں ہوتا، اِلّا ماشاء اللہ، اور اس وجہ سے اُن کو بالکل خفیف و سرسری سمجھا جاتا ہے، سو یہ بڑی سخت غلطی ہے اور سخت ہونا اس کا اس لئے ہے کہ یہ اعتقادی غلطی ہے، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صریح ہے:۔

اَلَا اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا،	(خبردار! تمھارا خون، مال اور تمھاری عزتیں ناحق طریقہ سے) تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمھارے آج کے دن کی تمھارے اس خطہ اور اس شہر کی حرمت ہے۔)

حقوق العباد کی تین قسمیں، جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) کسی کی جان یا بدن کو ضرر پہنچانا، (۲) کسی کے مال کو ضرر پہنچانا، (۳) کسی کی آبرو کو ضرر پہنچانا یعنی بدون کسی استحقاق کے، اس وقت اکثروں نے حق العبد کو صرف قسم دوم ہی میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور اگر کسی کی نظر بڑھتی ہے تو قسم اوّل کو بھی اس میں داخل کر لیتے ہیں، باقی قسم ثالث تک تو اکثر خواص کا ذہن بھی نہیں جاتا،

تعزیر سے متعلق اساتذہ کی ایک عظیم کوتاہی ایک کوتاہی تعزیر کے متعلق یہ ہے کہ جفاکاروں کے نزدیک اس کی کوئی حد ہی نہیں، جب تک اپنے غصہ کو سکون نہ ہو جائے، سزا دیتے ہی چلے جاتے ہیں، اور اس میں اہلِ حکومت عموماً مبتلا ہیں، اِلّا ماشاء اللہ خواہ دنیاوی حکومت ہو جیسے اہلِ عدالت و اہلِ پولیس، یا شوہر یا باپ یا خواہ دینی حکومت ہو، جیسے استاد کہ یہ ہزار گونہ ان سب سے اس باب میں بڑھے ہوئے ہیں، عدالت اور پولیس کو تو یہ بھی فکر ہے کہ کبھی مظلوم حکامِ بالا سے استغاثہ (فریاد) نہ کر بیٹھے، شوہر کو محبت ہوتی ہے، باپ کو شفقت بھی ہوتی ہے، یہ اسبابِ ظلم کے مقلّل (کم کرنے والے) ہو جاتے ہیں، اور ان حضرات کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ محبت و شفقت، اگر کچھ اندیشہ ہو سکتا تھا تو والدین سے ہوتا، مگر والدین خواہ حُسنِ اعتقاد سے خواہ اپنی مطلب برآری کی خوشامد میں کان تک نہیں ہلاتے، اور بعضے اپنے اعتقاد میں شاگرد کے گوشت پوست کا استاد کو مالک سمجھتے ہیں، تو اُن سے کب احتمال ہے کہ ان حضرت کو ظلم سے روکیں گے، اس لئے یہ سب سے بڑھ کر آزاد ہیں، بہرحال باوجود کچھ کچھ تفاوت کے اتنا امر سب میں مشترک ہیں کہ ان کے بیان تعزیر (سزا دینے) کی کوئی حد نہیں، حالانکہ ضرب فاحش (سخت مارنے) سے فقہاء نے مصرّحاً منع فرمایا ہے، اور جس ضرب سے جلد پر نشان پڑ جائے اس کو بھی ضرب فاحش میں داخل کیا ہے، اور جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے وہ تو بدرجۂ اَولیٰ (ردالمحتار عن التاتارخانیہ، ص ۲۹۳ ج ۳) بلکہ ضرب فاحش سے خود استاد کو تعزیر دی جائے گی (درمختار)

تعزیر بدون ثبوت شرعی کے نہیں دی جاسکتی

اسی طرح یہ سخت کوتاہی ہے کہ ایسی سزاؤں کے لئے ثبوت شرعی کی ضرورت نہیں سمجھتے، بے سند خبروں پر بلکہ بعض دفعہ محض قرائن پر سزا دینے کو مباح سمجھتے ہیں، قرآن مجید میں نص ہے:

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الشوریٰ، آیت ۴۲)	(الزام صرف اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی اور تکبر کرتے ہیں)

اور حق یا بدون دلیلِ شرعی کے کسی کو ایذا دینا ناحق کا ظلم ہے، جس پر یہ وعید ہے، اسلم طریق ایسے لوگوں کا جن کو سزائیں دینا پڑتی ہیں یہ ہے کہ جو صورتیں اکثر پیش آتی ہیں اُن کو علماء محققین کے روبرو پیش کر کے اُن کے احکام شرعیہ دریافت کرلیں کہ کونسا طریق ثبوت کا معتبر ہے، اور کونسا غیر معتبر، اور کس صورت میں کتنی سزا جائز ہے؟ کتنی سزا ناجائز ہے؟ اور اس مقام پر کسی کتاب بینی کرنے والے کو دھوکا نہ ہو کہ فقہاء نے مشتبہ آدمی کو تعزیر دینا جائز لکھا ہے، اگرچہ ثبوت باقاعدہ نہ ہو کمافی الدر المختار:-

للقاضی تعزیر المتهم وان لم یثبت علیه،	(تہمت والے پر تعزیر لگوانے کے لئے قاضی کو اختیار ہے اگرچہ وہ تہمت اس پر ثابت نہ ہو)

بات یہ ہے کہ یہ حکم صحیح ہے، مگر خود مشتبہ ہونا بھی محتاج ثبوت ہے، یہ نہیں کہ سزا دینے والا جس کو چاہے مشتبہ سمجھ لیا کرے، چنانچہ قول مذکور وان لم یثبت کے تحت میں رد المحتار کا قول ہے:

ای ما اتهم به اما نفس التهمة اوکون من اهلها فلابد من ثبوتها کما علمت،	(یعنی مطلقاً تہمت لگائی یا وہ اس کا اہل ہوا تو اس کے لئے ثبوت ضروری ہے، جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا)

شہادتِ شرعی کے ثبوت کا طریق

اور طریقہ اس کے ثبوت کا یہ ہے کہ دو مستور الحال یا ایک عادل کسی جنایت (شرارت) کی شہادت دے، یا اس نے اس قدر جنایتیں کی ہوں کہ اس کا مفسد ہونا مشہور ہوگیا ہو تو ایسے شخص کو حاکم محبوس کرسکتا ہے، پس یہ حقیقت ہے تعزیر متہم کی، اور فاسق کی شہادت سے اسی طرح ایک مستور کی شہادت سے مشتبہ بھی نہیں ہوتا، یہ سب رد المحتار میں ہے تحت قول مذکور للقاضی تعزیر المتهم، اور پھر یہ بھی مطلقاً نہیں، بلکہ بعض حقوق اللہ میں (درمختار)

مالی جرمانہ ہمارے مذہب میں درست نہیں

ایک کوتاہی اور یہ بعض برادریوں میں بھی شائع ہے یہ ہے کہ خطاؤں پر جرمانہ کرتے ہیں، پھر بعضے تو کسی کسی موقع پر کھانا پکاکر تمام برادری جمع ہو کر کھاپی لیتے ہیں، اور بعضے اپنے زعم میں اس کو ثواب کے کاموں میں صرف کرتے ہیں، جیسے مدرسہ یا مسجد یا انجمن، سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) ہے جو کہ ہمارے مذہب میں درست نہیں، اور بعض روایات میں جو وارد ہے وہ منسوخ ہے، اور بعض جو اس کے قائل ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ چندروز تک اس مال کو اپنے پاس رکھے، جب وہ شخص توبہ کرلے وہ مال اس کو لوٹادیا جائے، نہ خود رکھے نہ بیت المال میں داخل کرے، (کذا فی الدر المختار ورد المحتار، ص ۲۷۵ ج ۳)

اور مجوزین (جائز کہنے والوں میں) کے نزدیک بھی جو اس کے شرائط ہیں، ان فاعلین (کرنے والوں) کو نہ ان کی خبر نہ اُن کی رعایت، تو اختلافی جواز بھی متحقق نہیں، اور جب یہ جائز نہیں تو وہ رقم حلال نہ ہوگی، تو اس کا کھانا بھی ناجائز اور نیک کاموں میں صرف کرنا اور بھی زیادہ ناجائز حدیث میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا الطَّيِّبَ

(اللہ تعالیٰ پاک ہیں سوائے پاک چیز کے کسی کو قبول نہیں کرتے۔)

اور ابھی ردالمحتار سے بیت المال میں داخل کرنے کا عدم جواز مذکور ہوچکا ہے،

اور یہی حکم ہے ان رقوم کا جو دباؤ ڈال کر یا شرما کر چندہ کے نام سے جمع کی جاتی ہیں یا شادیوں میں وہ دولہا والوں سے اپنے کمینوں کے یا مسجد وغیرہ کے لئے لیتے ہیں، کیونکہ بلا طیب خاطر دینا ان سب میں امر مشترک ہے، اور اس سے اس کا حکم بھی معلوم ہوگیا جو بعض جگہ کمیٹی یا جماعت معاہدہ سے اس پر متفق ہوجاتی ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس پر اس قدر جرمانہ، سو یہ بھی جائز نہیں، اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہاں تو طیب خاطر سے معاہدہ ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ معاہدہ کے وقت طیب خاطر ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ رقم کے مطالبہ کے وقت بھی طیبِ خاطر ہو اور جہاں معاہدہ بھی نہ ہو بلکہ دو چار ذی اثر شخصیتوں نے متفق ہوکر اس جرمانہ کو اپنے تابعین پر عام کردیا، یہ تو بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا،

صاحب معصیت اپنے نفس پر خود جرمانہ کرے تو گناہ نہیں

اور بعض احادیث میں جو بعض معاصی کا کفارہ تصدق بدینار یا نصف دینار یا مطلق تصدق وارد ہوا ہے، اور بعض مشائخ انہی احادیث سے اس طریقہ پر مریدین کی تربیت بھی فرماتے ہیں تو ان احادیث یا اس طریق تربیت کا محمل یہ ہے

کہ صاحبِ معصیت خود اپنے نفس کا علاج کرے نہ کہ کوئی دوسرا اس سے جبراً وصول کرے، یہ امر اول کے متعلق ضروری بیان تھا،

ہرسُنی سنائی بات پر اعتماد صحیح نہیں

اور امر ثانی کے متعلق ایک کوتاہی جو بہت ہی عام ہے، حتیٰ کہ علماء ومشائخ وثقات تک بھی باستثنا من شاء اللہ اس سے محفوظ نہیں، یہ ہے کہ جس کی نسبت جو کچھ بھی سنایا اکثر اوقات سُنے ہوئے بھی نہیں ہوتے محض قرائن پر (پھر قرائن بھی کیسے جو ضعیف الدلالت بھی نہیں محض غیر دال) اعتماد کر کے زبان سے ہانک دیا' خود ہی تفسیر وحدیث میں اس کے متعلق احکام پڑھائیں، وعظ میں دوسروں کو سُنائیں، مگر جب عمل کا موقع ہوا ایسے بھول جائیں گویا اس کے متعلق کبھی حکم شرعی کان میں پڑا ہی نہیں، پس بلفظ دیگر گویا قرآن وحدیث صرف درس و وعظ کے لئے ہے عمل کے لئے ہے ہی نہیں' یا اگر عمل کے لئے بھی ہے تو صرف عوام کے لئے اور خواص اس سے بری ہیں، یہ تو بعینہ علماءِ یہود کا طرز ہے اللّٰھم احفظنا،

بہر حال کوئی خاص ہو یا عامی، احکام تو سب ہی کے لئے عام ہیں، اور حدیث :-

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ،	(آدمی کے جھوٹ کے لئے کافی ہے کہ وہی بات (بلا تحقیق) کہدے جو اُسنے (کسی سے) سُنی ہو)

اور حدیث،

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ	(بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی زیادہ جھوٹی بات ہے)

ان ابواب میں نصوصِ صریحہ صحیحہ ہیں، نیز ان احادیث کا مدلول شب و روز مشاہدہ میں بھی آتا ہے، کہ سُنی ہوئی حکایات اور اس سے بڑھ کر قرائن پر بنا کی ہوئی روایات اس کثرت سے غلط نکلتی ہیں کہ گویا قریب قریب سب ہی غلط ہوتی ہیں، اور اگر اتفاقاً شاذ ونادر کوئی صحیح بھی ہوتی ہے تو اس میں جھوٹ کی آمیزش (ملاوٹ) اس نسبت سے ہوتی ہے جو پَر اور کوّے میں نسبت ہے، یعنی پَر کے برابر سچ ہوتا ہے اور کوّے کے برابر جھوٹ،

پھر اس بے بنیاد اور لغو اور مہمل حکایت پر کسی سے عداوت، کسی پر بدگمانی، کسی کی نسبت بدزبانی بے تکلف جائز رکھی جاتی ہے، اور عجب بات ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کی نسبت کوئی نہ کوئی شخص ایسی ہی بیہودہ بلنیاد پر کچھ نہ کچھ کہتا نہ ہو اور خود اس شخص کو اس مقولہ کا باطل ہونا معلوم ہوتا ہے، اور اس مقولہ سے ناگواری بھی محسوس کرتا ہے، اور اس وقت خود بھی اسی قاعدۂ شرعیّہ سے تمسک کرتا ہے، اور اس قائل کو اس قاعدہ کی مخالفت پر جاہل سمجھتا ہے، مگر خود کسی کی

نسبت کچھ کہنے بیٹھتا ہے اُس وقت یہ سب اصولِ صحیحہ کالعدم ہوجاتے ہیں، تو گویا معنی اس کے یہ ہوئے کہ اور لوگ تو ہمارے معاملہ میں ان اصول کے مقید رہیں، مگر ہم دوسروں کے معاملہ میں ان اصول سے آزاد رہیں، سبحان اللہ! کیا انصاف ہے، موٹی سی بات ہے کہ یہ اصول قابلِ تمسک ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو تم بھی اس پر عمل کرو، اور اگر نہیں تو دوسروں سے بھی عمل کے منتظر و متوقع نہ رہو، یہ زبردستی کا فرق کیسا کہ تم دوسروں کے لئے تو عمل نہ کرو اور دوسرے تمہارے لئے عمل کریں، اس فرق کا منشا۔ اگر جہل و تعسف و کبر نہیں تو اور کیا ہیں؟ اگر یہ ہے تو کیا ان اخلاق کی اصلاح واجب نہیں، اور بالخصوص کسی مرد و عورت کی عفت و پاک دامنی کے متعلق معاملات میں تو بے احتیاطی حد سے گذری ہوئی ہے، جس کی نسبت نصوص سے سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت معلوم ہوتی ہے،

کسی بچے کو ولد الزنا کہنے کا حکم احتیاط

حتیٰ کہ فقہاء نے انہی نصوص کی بناء پر تصریح فرمائی ہے کہ اگر ایک مشرقی کا نکاح ایک مغربیہ سے توکیلاً وکیل کے ذریعہ نکاح ہوا اور کسی نے دونوں کو مجتمع نہیں دیکھا، اور پھر اولاد ہوئی تو باوجود اس کے بھی اس عورت کو زانیہ کہنا یا اس بچہ کو ولد الزنا کہنا جائز نہیں، بلکہ اس بچے کو اسی مشرقی مرد کا کہیں گے،

(بہشتی زیور میں یہی مسئلہ تو لکھ دیا تھا جس پر مہربانوں نے بیحد شور و غل مچایا، اور اس کے قبل تمام کتبِ فقہ میں (جن میں بہت کا اردو میں بھی ترجمہ ہوچکا ہے) موجود ہے، مگر کسی کو اس طرف التفات نہیں ہوا، پس بہشتی زیور میں اس کا آجانا غضب ہوگیا، رسالہ رفع الارتیاب[۱] اور رسالہ حکایات الشکایات، شکایت اوّل کے ذیل میں ان سب شبہات کا جواب نقلی و عقلی موجود ہے۔

واقعی بات یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باب میں وحیِ قطعی نازل نہ ہوئی ہوتی تو لوگوں کی اس بے احتیاطی پر نظر کرتے ہوئے قوی شبہ ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے بہت سے مسلمان بھی ان پر بدگمانی کئے ہوئے نہ رہتے، مگر ہم لوگوں کی قسمت اچھی تھی جو اس باب میں وحی نازل فرمائی گئی مگر عجیب بات ہے کہ باوجود اس حکم کے عام ہونے کے دوسرے موقع پر جہاں جزئیاً وحی..... نہ ہو اس حکم پر عمل نہیں ہوتا، حالانکہ اس حکم کے ضمن میں جو اصول بیان فرمائے گئے ہیں وہ کسی کے ساتھ مخصوص نہیں، گو یہ فرق ضرور ہے کہ محلِ نص کی برأت و نزاہت قطعی ہے، کیونکہ

---

[۱] یہ دونوں رسائل حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے تالیف فرمودہ ہیں، جو آجکل نایاب ہیں، کاش کسی ناشر کو ان کی اشاعت کی توفیق ہوجائے، آمین۔ (احقر قریشی غفرلہٗ)

وہ صرف ان اصول ہی پر مبنی نہیں، اگر وہ اصول نہ بھی ہوتے تب بھی برأت کا اعتقاد قطعاً فرض تھا اور خلاف کا احتمال بھی واقع نہیں تھا،

کسی پر زنا کا حکم لگانے کے لئے کشف، الہام، خواب کا اعتبار حجت نہیں،

اور غیر محل نص کی برأت ظنی ہے، کیونکہ وہ ان اصول پر مبنی ہے جن کا حاصل دلیلِ شرعی نہ ہو، اس کے ساتھ تکلم اور اس میں سوءِ ظن جائز نہیں، گو واقع میں اس کے خلاف کا احتمال ہو، کما قال تعالیٰ:-

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝

(النور، آیت ۱۵)

(یعنی جب کہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی))

مگر اس فرق میں اس بے احتیاطی کی اجازت کہاں ہوئی، کفِ لسان و حسنِ ظن تو دونوں میں امرِ مشترک ہے،

اور میں نے جو ان اصولِ واردہ فی تبریۃ الصدیقہ کا حاصل بیان کیا ہے اس میں ایک طالبعلمانہ شبہ کا بھی جواب ہو گیا،

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝

(النور، آیت ۱۳)

(یعنی یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے جس حالت میں یہ لوگ گواہ نہیں لائے، تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں))

یعنی اس دعوے پر جب چار گواہ نہ لاسکے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا علم خلاف واقع ہونا محال (نا ممکن) ہے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا وہی ہوگا جو واقع میں جھوٹا ہو، تو اس مقدمہ کے بعد معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اگر کوئی کسی کو زانی کہے اور اس پر چار گواہ قائم نہ کرسکے تو وہ شخص واقع میں جھوٹا ہے، اور جب کسی کو زانی کہنے والا واقع میں جھوٹا ہوا تو یہ شخص جس کو زانی کہا گیا ہے واقع میں زانی نہیں تو لازم یہ آیا کہ جہاں چار گواہ نہ ہوں وہاں واقع میں کوئی زانی نہیں ہوتا، اور یہ مشاہدہ سے باطل ہے، کیونکہ ہزاروں آدمی واقع میں زانی ہوئے ہیں، اور ان کے زنا پر ایک بھی گواہ نہیں ہوا چہ جائیکہ چار، تو پھر آیت کا مضمون کیسے صحیح ہوا؟ یہ ہے اشکال

مگر میں نے جو حاصل بیان کیا ہے اس سے یہ اشکال جاتا رہا،

تقریر اس کی یہ ہے کہ عند اللہ کے معنی فی علم اللہ و فی الواقع نہیں بلکہ فی حکم اللہ و قانونہٗ ہیں یعنی گو گواہ نہ لانے کی صورت میں واقع میں اس مدعیٰ علیہ کے زانی ہونے کا احتمال ہو، مگر قانونِ الٰہی میں اس مدعی کو کاذب کہا جائے گا، یعنی اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو کاذب کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی اس کو اس تہمت لگانے کی سزا دی جاوے گی، اور اس کے دعوے کی بناء پر کسی کو اس مدعیٰ علیہ پر بدگمانی یا اس کے ساتھ بدزبانی جائز نہ ہوگی،

اسی طرح ایسی ہی ضعیف یا باطل بناؤں پر کسی کو چور سمجھنا اور کسی طرح کا شبہ کرنا جائز نہیں، اور سب کا قاعدۂ مشترکہ یہی ہے کہ جس امر کے اثبات کا شرع میں جو طریق ہے جب تک اس طریق سے وہ امر ثابت نہ ہو اس کا کسی کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، اور اپنے محل میں ثابت ہو چکا ہے کہ ان طرقِ اثبات میں شریعت نے الہام یا خواب یا کشف کو معتبر و حجت قرار نہیں دیا، تو ان کی بناء پر کسی کو چور یا مجرم سمجھنا حرام اور سخت معصیت ہے،

مسمریزم، حاضرات، لوٹا گھمانا، وغیرہ سب جہل اور خرافات ہیں،

اور جب ان ذرائع کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں جو کہ بعض امورِ غیر ملزمہ میں کسی درجہ میں معتبر بھی ہیں بشرطِ عدم تخالفِ شرع تو جو ذرائع شریعت کے نزدیک کوئی درجہ بھی نہیں رکھتے اُن پر حکم لگانا تو کس درجہ سخت گناہ ہوگا، جیسے حاضرات کرنا، چور کا نام نکالنے کے لئے لوٹا گھمانا یا آجکل جو عمل مسمریزم کا شائع ہوا ہے یہ تو بالکل جہل اور خرافات ہی ہیں جن میں اکثر جگہ تو عامل کا دھوکہ ہی ہے، اور بعض جگہ عامل دھوکہ باز تو نہیں ہوتا، مگر وہ خود دھوکہ میں ہوتا ہے، اس کو ان اعمال کی حقیقت معلوم نہیں،

سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب تصرّفات قوّتِ خیالیہ کے ہیں، تو جیسے کوئی شخص کسی واقعہ میں فکر و خیال کو صَرف کر کے کوئی رائے قائم کرلے بس اس سے زیادہ ان اعمال کی حقیقت نہیں، اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ بعض اعمال میں آیاتِ قرآنیہ پڑھی جاتی ہیں، بات یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت محض حیلہ ہے، قوّتِ خیالیہ کے یکسو کرنے کا، ورنہ اصل فعل قوّتِ خیالیہ کا ہے، گو آیات بھی نہ پڑھی جائیں، جب بھی وہ تصرّفات ظاہر ہوتے ہیں، اور اگر صرف آیات پڑھی جائیں اور خیال کو دوسری طرف متصرّف کر دیا جاوے تو ہرگز یہ تصرّفات ظاہر نہ ہوں،

قرآن مجید، دیوان حافظ مثنوی سے فال نکالنے کا حکم،

اور یہی حکم ہے قرآن مجید کا، دیوانِ حافظ یا مثنوی سے فال لے کر کسی پر حکم لگا دینے کا، جیسے ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی بادشاہ کی

بیگم کا بڑا قیمتی ہار گم ہوگیا تھا، اس نے کنیزک سے بوقتِ شب چراغ منگا کر اس کی روشنی میں دیوانِ حافظ سے فال لی تو یہ مصرعہ نکلا، ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد
(چور کتنا دلیر ہے کہ اپنی ہتھیلی پر چراغ رکھتا ہے!)

بس اس نے اس کنیز کو پکڑ لیا اور تلاشی لینے سے وہ ہار اس کے پاس نکلا، اگر ایسی حکایات ثابت بھی ہوں تو اتفاقی بات ہے، نہ اس عمل اور اس واقعہ میں کوئی وجہِ تعلق، نہ کسی دلیل سے اس کی دلالت اس پر ثابت، تو حجتِ معتبرہ کیسے ہوگا؟

سحر یا جن یا نجومی یا پنڈت کے واسطہ سے کسی چیز یقین کر لینا قریب کفر ہے

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی سحر یا کسی جن کے واسطے یا کسی نجومی یا پنڈت کے واسطے سے کسی خبر کا یقین کر لینا خصوصاً جبکہ اس خبر سے کسی بری کو متہم کر دیا جائے ایسا شدید حرام ہے کہ قریب کفر کے ہے، اور اس سے دھوکا نہ ہو کہ فلاں دفعہ اس کے مطابق نکلا، یوں تو آدمی کچھ بھی نہ کرے، یونہی بکنا شروع کردے، کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو ہی جاتی ہے، اسی طرح ان خرافات میں اگر ایک دفعہ کوئی بات سچ نکلتی ہے تو ننانوے دفعہ جھوٹ نکلتی ہے، تو معتقدین اس ایک کا تو ذکر کرتے ہیں اور ننانوے بار کا ذکر نہیں کرتے، اور اگر کوئی یاد دلاتا ہے تو اتفاقی ہونے سے جواب دیتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ جس طرح جھوٹ ہونے کو اتفاقی کہہ دیتے ہیں سچ ہونے کو اتفاقی کیوں نہیں کہدیتے، یہ سب تسویلاتِ شیطانیہ (شیطانی حیلہ بازیاں) ہیں،

مسلمان کے لئے شریعت ہی علم وعمل کا مدار ہے

اور اگر تجربہ ومشاہدہ میں نزاع قطعی نہیں کرتے ہو تو ان کو جانے دو آخر شریعت مسلمان کے لئے اصل مدار علم وعمل کا ہے یا نہیں؟ جب ہے تو دیکھ لو، جب شریعت نے ان کی دلالت کو حجت نہیں کہا تم کیسے کہتے ہو؟ اس کی ایسی مثال ہے سمجھ لو کہ جنتری سے اگر ۲۹ کا چاند ثابت ہو خواہ وہ اپنے قاعدہ میں صحیح ہی ہو مگر شریعت نے اسکو حجت قرار نہیں دیا، کوئی بیٹا اپنے باپ کے نافع معاملہ میں گواہی دے گو وہ بیٹا کتنا ہی بڑا متقی اور سچا ہو، مگر اس گواہی میں اس کے قول کو حجت قرار نہیں دیا گیا، گو اسی اجلاس پر اگر دوسرے شخص کے معاملہ میں وہ شہادت دے فوراً قبول کرلی جائے گی،

تار کے ذریعہ گواہی قبول نہیں،

یا اہلِ سلطنت نے باوجودیکہ تار کو بعض امور میں حجت ٹھہرایا ہے، لیکن اگر کوئی شخص عدالت میں اپنی شہادت تار کے ذریعہ بھیج دے گو پورا یقین ہو کہ اسی شخص کا تار ہے

مگر قبول نہ کیا جائے گا،

قانونِ شریعت کی حکمتوں کا اظہار ضروری نہیں

آخر شریعت ایک قانون ہے، کیا اس کو حق نہیں کہ جن دفعات کو اپنے محکومین کے لئے قرینِ حکمت سمجھے تجویز کردے، باقی یہ اس کے ذمہ نہیں کہ ان حکمتوں کا سبق بھی سب کے سامنے دُہرایا کرے، گو بعض خاص عباد کو بعض حکمتوں پر اطلاع بھی ہوجاتی ہے، مگر ان کے ذمہ بھی ضروری نہیں کہ ان کا اظہار کیا کریں، کیونکہ اصل مقصود کہ عمل ہے ان حکمتوں کے ظہور پر موقوف نہیں، اور ایسوں ہی پر ان کا انکشاف بھی ہوتا ہے، جو اپنے عمل میں اطلاعِ حکمت کا انتظار نہیں کرتے، اور یہ مشرب رکھتے ہیں ؎

زباں تازہ کردن باقرارِ تو نینگیختن علّت از کارِ تو

کفر کا فتویٰ دینے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے،

امرِ ثانی کے متعلق بھی ضروری بیان ہوچکا، اب امرِ ثالث کے متعلق عرض ہے کہ اس میں بھی یہ بڑی کوتاہی ہے کہ ذرا تدبر سے کام نہیں لیتے، قائل کے قول کا کوئی محملِ صحیح نہیں سوچتے، بس مفتی صاحب کو جو بات ناگوار ہوئی فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیا، بلکہ بعض اوقات محملِ صحیح سمجھ میں بھی آجاتا ہے پھر بھی اس کو ذہن سے دفع کرکے اپنا غیظ نکالتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ وہ بیچارہ قائل وجہِ کفر کا خود انکار کررہا ہے، اور محملِ صحیح کی تصریح کررہا ہے، مگر جب بھی اس کو معافی نہیں دی جاتی، تکفیر ہی کی سزا اس کے لئے بحال رہتی ہے، حالانکہ حدیث میں تصریح ہے، لا تکفرہ بذنب ولا تخرجه من الاسلام اور فقہاء نے فرمایا ہے کما فی ردالمحتار عن الخلاصۃ:

اذا کان فی المسئلۃ وجوہ یوجب التکفیر ووجہ واحد یمنعہ فعلی المفتی رای یجب علیہ ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسنا للظن بالمسلم	(جب کسی مسئلہ میں بہت سی وجوہ ہو جو کفر ثابت کرتی ہیں اور ایک وجہ کفر کی نفی کی ہو تو مفتی پر واجب ہوجاتا ہے کہ اس وجہ کی طرف میلان اختیار کرے جو کفر کی نفی کرتی ہے مسلمان کے ساتھ حُسنِ ظن اختیار

ا؎ اس موضوع پر حضرت مفتی اعظم سیدی ومرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ العزیز نے "وصول الافکار الی اصول الاکفار" کے نام سے جامع مکمل اور مدلّل رسالہ لکھا ہی جو قابلِ دید ہے، اس کے علاوہ حضرت موصوف قدس سرہٗ کا دوسرا رسالہ "ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں" بھی قابلِ ملاحظہ ہی، جو ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴ سے مل سکتا ہے ۱۲ (احقر قریشی)

زاد فی البزازیۃ الا اذا صرح بارادتہ موجب الکفر فلا ینفعہ التاویل والذی تحرز انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن محمل کلامہ علی محمل حسن اوکان فی کفرہ اختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ من البحر (ج ۳ ص ۲۴۰)

کرتے ہوئے، بزازیہ میں یہ عبارت زیادہ کی ہو کہ مگر جب اس شخص نے ایسے ارادے کی صراحت کر دی جو کفر ثابت ہی کر دیتا ہے تو اس وقت اسے تاویل نفع نہ دے گی، اور جو شخص اس بات سے بچا کہ کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہیں دے گا، اس کے کلام کا اچھے محمل پر خیال کرنا ممکن ہے، یا اس کے کفر میں اختلاف ہے اگرچہ ضعیف روایت کے اعتبار سے ہے جیساکہ بحرالرائق ج ۳ ص ۲۴۰ پر ہے۔"

بلاتحقیق کفر کے فتووں کا انجام اور ان مکفرین کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ عوام سے گذر کر خواص یعنی علماء تک کو اپنی تکفیر کا نشانہ بناتے ہیں، اور ان سے گذر کر اخص الخواص یعنی عارفین تک بھی پہنچتے ہیں، اور ماشاء اللہ جن اقوال کی بناء پر تکفیر کرتے ہیں وہ ایسے دقیق ہوتے ہیں کہ ان مکفرین کا طائر ذہن بھی وہاں نہیں پہونچتا، یا دقیق نہیں ہوتے مگر ناشی ایسے احوال سے ہوتے ہیں جن کی ہوا تک بھی ان محبوسانِ الفاظ و رسوم کو نہیں لگی تو ان کی تکفیر کرنا بالکل اس آیت کا مصداق ہوتا ہے،

قال تعالیٰ: بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ،

(یونس، آیت ۳۹)

"بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کے (صحیح وسقیم ہونے کو) اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز انکو (اس قرآن کی تکذیب) کا آخری نتیجہ نہیں ملا)

وقال تعالیٰ:

وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ○

(الاحقاف، آیت ۱۱)

"اور جب اُن لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے"۔

ولنعم ما قیل ؎

وکم من عائب قولاً صحیحاً ❖ وآفتہ من الفہم السقیم

"اور کتنے لوگ ہیں جو درست بات کا عیب نکالنے والے ہیں، اور اس کی مصیبت ہے سمجھ کی بیماری سے"۔

کیا یہ غضب اور ستم نہیں ہے کہ ہر زمانہ میں ایسوں کی تکفیر ہوئی جن کی برکت سے علوم اسلامیہ کا احیاء ہوا، اور جن کے فیض سے برکاتِ دینیہ کا القاء ہوا،

کفر کا فتویٰ دینے کے لئے بعض شرائط

اور اگر کسی بزرگ کا کلام مأوّل نہ ہوسکے، تو اس کی تکفیر سے یہ یہ اسہل واسلم ہے کہ اس کلام ہی کی نسبت کا انکار کر دیا جائے اور غلبۂ حال کی تاویل کے رَد کرنے کے لئے بعض متقشفین عذر کو ان چند عذروں میں سمجھتے ہیں جن کو اصولیین نے بوجہ کثرتِ وقوع ذکر کر دیا ہے، اور اس تخصیصِ ذکری کو تخصیصِ واقعی سمجھ کر دوسرے عذروں کی نفی ہی کر دی، حالانکہ ان میں عذر منحصر نہ ہونا خود فقہاء ہی کے کلام میں مصرّح ہے:۔

فی العالمگیریہ احکام المرتدین من اصابہ برسام او اطعم شیئًا فذھب عقلہ فھذی فارتد لم یکن ذٰلک ارتدادًا وکذا لو کان معتوھًا او موسوسًا او مغلوبًا علی عقلہ بوجہ من الوجوہ فھو علیٰ ھٰذا کذا فی السراج الوھاج،

(”عالمگیری احکام المرتدین میں ہے جسے سرسام کی بیماری پہنچی یا اس نے کسی چیز کو کھا لیا جس کے بعد اس کی عقل چلی گئی پھر اس نے کچھ بکواس کی، پھر وہ مرتد ہوا یہ اس کا ارتداد نہیں ہوگا، اور اسی طرح اگر کوئی شخص کم عقل (پاگل) ہے، یا کسی وجہ سے مغلوب العقل یا وسوسہ والا ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے جیسا کہ سراج وہاج میں ہے“)

اس عبارت میں ”بوجہ من الوجوہ قابلِ نظر ہے:۔

وفی مدارج السالکین لابن القیم ج ۱ ص ۱۱۴، تحت حدیث قصۃ القائل انا عبدك وانت ربی، وفی الحدیث من قواعد العلم ان اللفظ الذی یجری علی لسان العبد خطأً من فرح شدید او غیظ شدید ونحوہ لا یؤاخذ بہ ولھذا لم یکن

(”ابن قیم سے مدارج السالکین ج ۱ ص ۱۱۴ ”انا عبدک وانت ربی“ کے قائل کے قصہ میں مرقوم ہے کہ قواعدِ علم سے یہ بات ہے کہ بندہ کی زبان پر جو لفظ سخت غصہ کی وجہ سے یا غیر معمولی خوشی یا اور کسی وجہ سے خطاءً چل نکلے اس کا مواخذہ نہیں ہوتا اسی واسطے وہ شخص کافر نہیں ہوگا، جس نے ”انت عبدی وانا ربک (بسبقت لسانی)

کافراً بقولہ انت عبدی وانا ربک ومعلوم ان تاثیر الغضب فی عدم القصد یصل الیٰ ھذا الحال او اعظم منہا اھ	کہہ دیا، اور معلوم ہے کہ غصہ کی تاثیر سے اس حالت تک یا اس سے بڑھ کر پہنچنے میں عدم قصد ہے")

اس عبارت میں لفظ "نحوہ" قابلِ غور ہے، اور اس دوسری عبارت کے نقل کرنے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ بعض جامدین علی الظاہر غیر متبعین للفقہاء پر بھی کہ وہ امرِ تکفیر میں اور بھی شدید ہیں، حجت ہو، کہ اُن کے متبوعِ مسلّم کا فتویٰ ہے، اور ہم نے جو امرِ تکفیر میں احتیاط کرنے کو کہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کوئی صریح کفر کا کام کرے یا صریح کفر کی بات کرے، جس میں تأویل نہ ہو سکے، یا ہو سکے مگر خود وہ فاعل یا قائل اس کا انکار کرے تب بھی اس کی تکفیر نہ کی جائے،

ہر امر میں حدودِ شرعیہ کا پاس واجب ہے

چنانچہ ایک کوتاہی اس اوّل کوتاہی کے مقابل اس باب میں یہ بھی ہے کہ علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے، کہ ذرا ذرا سی بات میں تکفیر کر دیتے ہیں، ان معترضین کے نزدیک وہ بات ذرا سی ہوتی ہے، ان صاحبوں کو یہ آیت پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ، (التوبہ، آیت ٦٥، ٦٦)	"اور اگر آپ اُن سے پوچھیں تو کہدیں گے ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ ان سے کہدیجئے گا کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے، تم اب یہ بیہودہ عذر مت کرو، تم اپنے کو مؤمن کہہ کر کفر کرنے لگے"

اور اوپر یہ عبارت گذر چکی ہے الا اذا صرح بارادۃ الکفر فلا ینفعہ التاویل،

ہر امر میں حدودِ شرعیہ کی رعایت ضروری ہے

خلاصہ یہ کہ ہر امر میں حدودِ شرعیہ کا پاس واجب ہے، نہ اُن کا تنابز ہو اور نہ ان سے تجاوز ہو،

ثبوتِ کفر کے بعد تجدیدِ ایمان کے ساتھ تجدیدِ نکاح اور اعادۂ حج بھی واجب ہے

ایک بے احتیاطی اس باب میں یہ ہوتی ہے کہ ثبوتِ کفر کے بعد اسلام کی تو تجدید کرلی جاتی ہے، نہ نکاح کی تجدید ہوتی ہے حالانکہ یہ بھی ضروری ہے اور نہ حج کا اعادہ ہوتا ہے حالانکہ کفر سے حجِ سابق بھی باطل ہوجاتا ہے، تو بعد تجدیدِ ایمان اگر شرائط وجوبِ حج کے پائے جائیں تو حج پھر کرنا چاہئے،

وھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذہ الفصول

حصۂ دوم تمام شد

یکم شعبان ۱۳۳۸ھ

ناشر

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارنا اسلام ہے جو مجموعہ ہے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، آداب کا اس کے مد مقابل نفسانی خواہشات کی اتباع گمراہی ہے۔ دور حاضر میں جب یقین و ایمان کی کمزوری کے سبب اکثر مسلمان ان گنت رسوم کے حد درجہ پابند ہو گئے کہ انہیں فرض و واجب کا درجہ دے دیا جس میں دنیاوی نقصان اور عاقبت کا خسران ہے۔ اور مسلمانوں کو ان نقصانات سے مطلع کرنا مقتضائے ایمان ہے۔

زیر نظر کتاب "اصلاح الرسوم" میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کثیر الوقوع رسوم: ناچ گانا، آتش بازی، سیاہ خضاب، انگریزی بال، تصاویر، پیدائش، عقیقہ، ختنہ وغیرہ اور مرنے کے بعد کی رسموں کی قباحت وشناعت قرآن و سنت و آثار صحابہؓ کی روشنی میں بیان کی ہے۔ عام فہم انداز، سلیس عبارت و تحریر کے ساتھ عوام و خواص کے لئے نایاب تحفہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسم و رواج سے بچنے اور دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk